الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

دُعا !

اللہ! اے پاک ذات!! تجھے معلوم ہے کہ ہم تیرے بے مایہ و خطاکار بندے، محض تیری توفیق سے تیری کتاب پاک کی خدمت کا عزم لیے ہوئے تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ اس نظاہر طویل عرصہ میں بارہا ہم پر ابتلاء امتحان کی گھڑیاں آئیں، پاؤں ڈگمگائے، دل نے ہمت ہاری، اسباب کی محفل نے اپنی شمعیں بجھا دیں، مگر انجام کار ہمیشہ ہی ایسا ہوا کہ غیب پردوں سے تیری مشیت کا قوی ہاتھ نمودار ہوا جس نے گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا کی تمام رکاوٹیں دُور کردیں، نئے سرے سے اپنے "بابرکت کام" کی چاکری کے لیے تا عنایت فرما دی ——— ہمارے مالک! تو نے اپنے فضل سے ہمارے نفس کو دید کی دنیوی اُجرتوں سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ اب کہ ہم تازہ آرزوؤں کے ساتھ تیرے مقدس کلام کی خدمت و اشاعت کی خاطر "البیان" کا دامن پھیلائے تیری بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ ہم چند حقیر بھکاری، تجھ سے، اے بابرکت ذات، اے ارض وسما کے خزانوں کے مالک!! دل و زبان پہ نیاز و طلب کی دعائیں لیے ہوئے صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے جسم و روح کو اتنی قوت عطا فرمائے رکھ کہ ہم اس کام کو تیری رضا کے مطابق انجام دے سکیں۔ ہمارے اس حقیر نذرانے کو شرفِ قبول فرما۔ هب لنا من لدنك رحمة، اور خدمتِ قرآن کی اس تمام سعی و کوشش کو ہمارے لیے اور اُن تمام دوستوں کے لیے جو اس راہ میں ہمارے رفیق و معین ہوں، خالصۃً سرمایۂ آخرت بنا! ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم!!

(ادارہ)

معزز معاصرین! "بلاغ" کے بجائے "البیان" حاضرِ خدمت ہے ریویو اور حسبِ سابق تبادلہ سے سرفراز فرمائیں۔ (مینجر)

ضروری اطلاع:

اُمتِ مُسلمہ امرت سر کے اجلاسِ عامہ منعقدہ ۱۹ ر فروری ۱۹۳۹ء کے مطابق اعلان کیا جاتا ہے کہ:

(الف) "بلاغ" کے پرنٹر پبلشر کو اُمتِ مُسلمہ امرت سر کی رکنیت سے الگ کر دیا گیا ہے۔

(ب) "بلاغ" کا اُمتِ مُسلمہ امرت سر کے ساتھ اب کوئی تعلق نہیں۔

(ج) "بلاغ" کے بجائے "البیان" جاری کیا گیا ہے

(د) اُمتِ مسلمہ امرت سر قانونی طور پر "البیان" کی مالک ہے

(ہ) "بلاغ" کے اُن تمام خریداروں کے نام جن کے سالانہ چندے دفتر اُمتِ مُسلمہ امرت سر میں جمع ہیں، "البیان" باقاعدہ طور پر جاری کر دیا گیا ہے

(و) گذشتہ اعلان کے مطابق اُمتِ مُسلمہ امرت سر "بلاغ" کے پتے پر بھیجی ہوئی کسی رقم یا ڈاک کی ذمہ داری قبول نہیں کرے گی۔ آئندہ تمام خط و کتابت مینجر "البیان" یا دفتر اُمتِ مسلمہ امرت سر کے پتے پر کی جائے۔

(سیکرٹری اُمتِ مُسلمہ امرت سر)

الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

اَلْبَیَان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

| جلد ۱ | اپریل ۱۹۳۹ء | نمبر ۱ |

فہرست مضامین

منیجر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر، پبلشر نے چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ رامگڑھیاں
امرتسر سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

مُلّا اور سیاست

"ہمایوں" میں ڈبلیو ایس ڈن کلف کے ایک مضمون کا ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کی سطور ذیل ملاحظہ ہوں:

"ایران میں، مُلاؤں کا قریب قریب خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ آج سے دس سال پہلے تک تمام مذہبی اور بیشتر تمدنی معاملات پر مُلا حاوی تھے۔ تمام سلطنت مُلاؤں سے پامال ہو چکی تھی، لیکن اب مُلاؤں کے بڑے بڑے عماموں اور چوغوں کا جلوہ ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آتا۔ کہتے ہیں، پوست اصفہان میں اب صرف سات مُلا باقی ہیں، لیکن جن مُلاؤں کو سلطنت کی طرف سے باقی رہنے کا حق حاصل ہے، اُن کا اثر و اقتدار بھی بہت محدود کر دیا گیا ہے اور سیاسیات میں دخل دینے سے تو وہ قطعاً روک دیے گئے ہیں۔

مُلاؤں نے دوسری اصلاحات کی طرح لباس کی اصلاح کو روکنے کی بھی بہت کوشش کی، بالخصوص مشہد کے مُلاؤں نے عمامے کے قائم رکھنے پر بہت زور دیا، لیکن حکومت اس مسئلے سے خوب واقف تھی کہ عمامے اور ہیئت کا مسئلہ دراصل حکومت اور مُلاؤں کے اقتدار کا مسئلہ ہے، چنانچہ مُلا قید کر دیے گئے اور ۱۹۳۴ء میں یہ اصلاح عام طور پر رائج ہو گئی۔"

میں اپیل کرتا ہوں، اوپر کے الفاظ پر آپ ایک مرتبہ پھر توجہ کیجیے۔ دس سال پیشتر جب ایران پر مُلاؤں کا تسلط تھا، سلطنت پامال تھی اور آج دس برس بعد جب کہ مُلاؤں کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا ہے، سلطنت خوش حال ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے آپ اسلامی ہندوستان کے معاملات پر نگاہ کیجیے۔ مسلمانوں میں جتنے بھی فرقہ تنازعات آئے دن اُٹھتے رہتے ہیں، مساجد میں، مذہبی مدارس میں، اسلامی مجالس میں جتنے بھی ہنگامے آئے دن برپا رہتے ہیں، مذہب اور دین کے نام سے عامۃ المسلمین

میں جتنے بھی فتنے ... پیدا ہوتے رہتے ہیں، اُن سب کے ظہور و وجود کی ذمہ داری یقیناً ہمارے مُلّاؤں ہی کے سر پر ہوتی ہے۔

مجھے اس بات کا تو کوئی علم نہیں کہ ہندوستان کی عظیم الشان اسلامی سلطنت کے زوال میں مُلّاؤں نے کیا حصہ لیا ہے؟ لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ پچھلے ڈیڑھ سو برس سے ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کی ذلت اور بدبختی میں مُلّا کا ہاتھ ضرور کام کرتا رہا ہے۔ ڈیڑھ صدی کے اس طویل عرصے میں کوئی بھلائی کی تحریک، کوئی دینی خدمت، کوئی مفید قدم ایسا نہیں اٹھایا گیا جس کی راہ میں مُلّاؤں نے روڑے نہیں اٹکائے۔ اس بات کا فخر مُلّا ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے قرآن مجید کے سب سے پہلے ہندوستانی ترجمہ پر نالشہ تکفیر ... یہ کارنامہ بھی مُلّا ہی کے نامۂ اعمال میں درج ہے کہ اُس نے سرسید علیہ الرحمۃ کی تعلیمی تحریک کی مخالفت اور صرف انگریزی پڑھنے، سرکاری ملازمت میں داخل ہونے اور جدید وضع کا لباس پہننے پر ... لگائے۔ نہ صرف ریل اور موٹر کے سفر کو حرام بتایا بلکہ یہ انتہا ہے کہ میز پر بیٹھ کر کھانا کھانا خلافِ شریعت قرار دے دیا۔

یہ صحیح ہے، پچھلے پچاس برس کی مسلسل کشمکش کے بعد مسلمانوں کی ایک قلیل سی تعداد مُلّاؤں کے ظلم و تشدد سے آزاد ہو چکی ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ مُلّاؤں کا وہ پہلا سا اثر و اقتدار اب مسلم سوسائٹی میں باقی نہیں رہ گیا، لیکن پھر بھی آپ یقین کیجیے، مسلمانوں کے پچاس فی صدی تمدنی مصائب مُلّاؤں ہی کے دم قدم سے قائم ہیں۔ آپ کبھی دیہات میں گئے ہیں یا نہیں؟ کبھی جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھیے، کس طرح ظالم مُلّاؤں نے غریب مسلمانوں کی گردنوں میں رسم و رواج کے پھندے ڈال رکھے ہیں۔ مسلمان بچہ اس دنیا میں آ کر ابھی آنکھ بھی نہیں کھولنے پاتا کہ اُس کے والدین اُسے مُلّا کی اذان کا محتاج قرار دے دیتے ہیں۔ پھر ختنے سے لے کر نکاح، وراثت، طلاق اور موت تک کوئی بھی مرحلہ ایسا نہیں، جہاں مُلّا کی نگرانی کے بغیر گزر ہو سکے۔ پھر ان تقریبات کی مہم ایسی سخت مہم ہوتی ہے کہ بسا اوقات یقین ہو جاتا ہے، ان تقریبوں کی سرانجام دہی کے سوا مسلمانوں کی زندگی کا اور کوئی مقصد ہی نہیں۔ کوئی بات نہ تھی، اگر مسلمانوں کی زندگی کا مقصد انہی تقریبات تک محدود ہوتا اور کوئی شکایت نہ ہوتی، اگر یہی محدودے چند تقریبیں بخیر و خوبی ہر مسلمان کی زندگی میں نبھ جایا کرتیں، لیکن مصیبت تو یہ ہے، ان تقریبوں کا اچھی طرح نبھنا تو درکنار، ہماری معاشرتی اور اجتماعی زندگیوں کی تلخیوں میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ نکاح در نکاح کے فتنے، عورتوں کو معلقہ چھوڑ دینے کی خرابیاں، تعدد ازدواج کی

تباہیاں، تقسیم وراثت اور جائداد کے جھگڑے، یہ معمولی باتیں نہیں ہیں، بلکہ ایسی باتیں ہیں، جنہوں نے ہمارے دیہاتی تمدن میں آگ لگا رکھی ہے۔ قرض، سود، مقدمہ بازی، بغض و نفرت اور فساد و قتال کے سارے ہنگامے ان ہی تقریبوں کے غیر معمولی اہتمام سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ کس نے سکھلایا کہ ان تقریبوں میں غیر معمولی اہتمام بھی ضروری ہے؟ مُلّا نے: یہ میرا صاف اور سیدھا جواب ہے۔ ایسا جواب جس میں تلخی پائی جاتی ہے، ایسی تلخی، جو کسی شخص کے خلاف بغض و نفرت کے جذبات رکھنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہندو ہے نہ انگریز۔ اسلام اور پیروان اسلام کا سب سے بڑا دشمن مُلّا ہی ہے۔ مُلّا، جو قصبوں میں آ کر مولوی بن جاتا ہے اور شہروں میں مولانا، اسلامی ہندوستان کی جڑیں اندر ہی اندر کھوکھلی کرتا جا رہا ہے۔ یہی وہ ذاتِ شریف ہے، جس کے فیض سے لکھنؤ اور قصور کے شیعہ سُنّی فساد ہر سال تازہ ہوتے ہیں، یہی وہ بابرکت ہستی ہے، جس نے اسلام دشمن قوتوں سے اندر ہی اندر ساز باز کر کے اسلامی سیاسیات کی باگ اپنی گرفت میں لے رکھی ہے، یہی وہ عالم و فاضل مخلوق ہے، جس کی سعادتوں کا ایک بڑا نشان یہ ہے کہ دیوبند، دہلی، مرادآباد اور سہارن پور کے مدرسوں سے ہر سال گھنی گھنی ڈاڑھیوں والے نوجوان، دین اور اخلاق کی سندوں کے ساتھ ریوڑوں کی صورت میں نکل کر سارے ملک میں پھیل جاتے ہیں۔ پھر ان نوجوان مُلّاؤں کے علم و برکت کی سعادتوں کا بھلا کیا ٹھکانہ ہے: مٹی کے ڈھیلے سے لے کر پاجامے کی اونچائی اور ڈاڑھی کے بالوں کی لمبائی جیسے علمی مسائل پر وہ معرکے کے مناظرے ہوتے ہیں، رفع یدین اور آمین بالجہر جیسے "اصولی اور فقہی" معاملات پر وہ غضب کی بحثیں ہوتی ہیں اور پھر ان مناظروں اور بحثوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں وہ شدت کے مقابلے ہوتے ہیں کہ ابلیس اور اس کے تمام چیلے چانٹے سالہا سال تک اپنے فرائض سے غافل رہ سکتے ہیں!

اُف! یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ اب ان مُلّاؤں نے مُلکی سیاسیات میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ یہ رجعت پسند اور فریب کار طبقہ جس نے مسلمانوں کا خون چوس چوس کر پرورش پائی، اب ہمارے ہی دشمنوں کے ساتھ مل کر ہمارا خاتمہ کرنے پر تُل گیا ہے۔ وہ جماعت جو ہندوستان کو مسلمانوں سے خالی دیکھنا چاہتی ہے، جو مسلمانوں کے کلچر، تہذیب اور زبان کو مٹا کر ہزاروں برس کا پراچین زمانہ واپس لانے کی آرزومند ہے، جو علانیہ مسلمانوں کے ملّی اور قومی حقوق غصب

کی جارہی ہے، اس جماعت کے ساتھ ان بوسیدہ دماغ ملاؤں کا مل جانا بڑا ہی حیرت ناک امر ہے جس قوم کو مصطفیٰ کمال نے منحوس جان کر حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہو جس قوم کو رضا شاہ پہلوی نے قید خانوں میں ٹھونس ٹھونس کر عام انسانوں کی شکل میں تبدیل کر دیا ہو جس قوم نے ہزارہا افغانیوں کو محض اس جرم پر تہ تیغ کرا دیا کہ ان تک علوم جدیدہ کی روشنی پہنچ سکے اور امان اللہ خاں کو اس کے خاندان سمیت جلا وطن کرا دیا محض اس گناہ پر کہ وہ اپنی رعایا کو مغرب کی دوسری قوموں کی طرح طاقتور بنانا چاہتا تھا، یہ کس طرح باور کیا جا سکے کہ وہی قوم ہندوستانی مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

آج وقت کی سب سے بڑی پکار یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کو ملاؤں اور مولویوں کے چنگل سے اس طرح نجات دلائی جائے ان لوگوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ ہماری راہنمائی کریں، کوئی حق نہیں کہ اجارہ دار بن کر ہماری گردنوں پر مسلط رہیں مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں ممبروں سے نکال کر نیچے اتار دیں اور سیاست کے جھنڈے ان کے ہاتھ سے چھین لیں، ورنہ

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں مُلّا ہو غازی (اقبال)

مولانا اشرف علی تھانوی کا ایک فتویٰ

مولانا اشرف علی تھانوی کے نام نامی سے کون واقف نہ ہوگا؟ پچھلے دنوں کسی شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے خطیب کی آواز کو سامعین تک پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مولانا نے جواب میں ارشاد فرمایا:

"(جس مباح) میں کوئی مفسدہ باحتمال قریب محتمل ہو، تو اس مباح یا مندوب کا ترک اور اس سے منع کرنا لازم ہے عقلی ہونا تو اس کا ظاہر ہے اور قبول فقہا کے بعد اس کے اخذ نقلی کی نقل ضروری نہ تھی۔ مگر تبرعاً اس کو بھی نقل کرتا ہوں، سو اس کے نقلی ہونے کی تقریر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ سبّ الٰہ باطلہ مباح تو ضروری ہے اور بعض حالات میں مندوب بھی، مگر مقصود مستقل نہیں، کیوں کہ اس کی غایت دوسرے طریق سے بھی حاصل ہو سکتی ہے

یعنی حکمت و موعظت و مجادلہ حسنہ سے۔ اور اس میں مفسدہ سب مشرکین بلا لہ الحق کا ہے اس لیے اس سے نہی نہ دی گئی اور اس قاعدہ کی تمہید کے بعد جواب ظاہر ہے کہ تبلیغ صوت سامعین بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے، کیوں کہ بعیدین کو دوسرے غیر مخدوش ذریعہ سے تبلیغ ممکن ہے اور اس میں یہ مفسدہ محتمل کہ لوگ اس سے گنجائش سمجھ جائیں گے اس آلہ لہو میں استعمال کرنے کی، یا دوسرے آلات لہو کے استعمال کرنے کی، لہذا ترک اور منع لازم ہوگا۔ یہ تو اس وقت ہے جب خطیب سے مراد مطلق واعظ اور لیکچرار ہو اور اگر اس سے مراد خطیب جمعہ وعیدین کا ہے، تو اس وقت تبلیغ صوت کا غیر ضروری ہونا اظہر ہے، اس لیے کہ خطبہ میں حضور مقصود ہے، نہ کہ سماع صوت۔ اور مفسدہ قوی ہے، کیوں کہ اس آلے کو مسجد میں داخل کرنا ہوگا، جو اس کے احترام کے خلاف ہے۔ نیز تشبہ ہے مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ۔"

سب سے پہلے مولانا کے فتوے کی زبان دیکھیے، فارسی اسے نہیں کہہ سکتے، عربی اسے خیال نہیں کیا جا سکتا، اردو یہ نہیں کہلا سکتی، سنسکرت اور ہندی بھی میرے خیال میں ایسی نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں، اس طرح کی زبان لکھنے والے کوئی سو سال اُدھر ہمارے ملک میں زندہ تھے، لیکن اب مجھے یہ قیاس ہو چکا تھا، اس قسم کی زبان لکھنے اور سمجھنے والے آج کل پیدا ہی نہیں ہوتے، لیکن یہ قیاس غلط ثابت ہوا۔ اگر ہندوستان میں مولانا جیسے آدمی اب تک موجود ہیں، تو اس قسم کے امور پر تعجب ہی کیوں کیا جائے؟

ہاں! تو مولانا کا مقصود یہ ہے کہ لاؤڈ سپیکر تو بذات خود کوئی بُری چیز نہیں، لیکن اس دلیل سے کہ اس میں لہو و لعب کے طور پر استعمال کیے جانے کی گنجائش پائی جاتی ہے یا دوسرے لفظوں میں جس چیز سے بھی کسی مفسدہ کا احتمال ہو، وہ چیز مباح ہو یا جائز، اس کا ترک و منع لازم ہے۔ مولانا کی اس منطق کو سامنے رکھ کر شریعت اسلامیہ کے چند خاص خاص اعضا و اجزا کا تجزیہ کر دیکھنا چاہیے۔

نماز کتنی اچھی چیز ہے، لیکن محض اس اندیشے کی بنا پر کہ اس سے ریاکاری کا احتمال ہے، کیا اُسے ترک کر دینا بہتر ہوگا؟ نکاح کتنی ضروری چیز ہے، لیکن اس خوف سے کہ کہیں پسر نوحؑ جیسی اولاد سے سابقہ نہ پڑ جائے، کیا تجرد کو ترجیح دینا ضروری نہ ہو جائے گا؟ قرآن حکیم کا جاننا اور سمجھنا کتنی اہم بات ہے، لیکن اس تشویش سے کہ کہیں اس کی آیات کو ثمن قلیل کے عوض فروخت کرنے کی عادت نہ

پڑ جائے۔ اس سے بچنا ناگزیر نہ ہو جائے گا؟ دولت کتنی لابدی شے ہے۔ نہ اپنی ذات میں اچھی نہ اپنی ذات میں بُری۔ لیکن دنیا کی کون سی نیکی ایسی ہے، جو اس کے ذریعے کمائی نہیں جاسکتی، کون سی بُرائی ایسی ہے، جو اس کے ذریعے خریدی نہیں جاسکتی۔ اچھی طرف جاؤ۔ تو خیرات کرو، یتیم خانے کھولو، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں کا روزگار بہم پہنچاؤ، رفاہِ عام کے ہزاروں کام انسان اس کے ذریعے انجام دے سکتا ہے اور اگر بُری طرف جاؤ، تو غفلت، غرور، رنگین مزاجی، بے حیائی اور بدمعاشی کون سی ایسی بدی ہے، جو انسان اپنے قبضے میں نہیں لاسکتا؟ پھر ممکنہ خطرے کے پیشِ نظر کیوں نہ دولت کو بھی ٹھکرا دیا جائے؟ کیوں نہ مسلمانوں کو مشورہ دیا جائے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے کی طرح بیٹھ جائیں اور دولت کمانے کے تمام وسائل سے دستبردار ہو جائیں؟

اور دیکھیے ایک اور عجیب بات۔ مولانا اپنے فتوے کی تائید میں قرآن مجید سے بھی دلیل لائے ہیں۔ آپ نے آیۂ ولا تسبوا الذین سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ معبودانِ باطل کو گالیاں دینے کا فعل ہے تو جائز اور مباح، لیکن خدا تعالےٰ نے محض اس مفسدہ کو سامنے رکھ کر، کہ اگر مسلمانوں کو اس بات کی اجازت دے دی گئی، تو معبودانِ باطل کے پیرو خود خدا تعالےٰ (یعنی معبودِ حق) کو گالیاں دینا شروع کر دیں گے، ارشاد فرمایا کہ مسلمان آلہۂ باطلہ (جھوٹے معبودوں) کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ مولانا نے معلوم نہیں اس آیت کے کس جملے سے، کس لفظ سے یہ نکتہ پیدا کر لیا کہ معبودانِ باطل کو گالیاں دینا جائز ہے۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہ ہے، اے مسلمانو! اللہ کے سوا جن معبودوں کو یہ کافر پوجتے ہیں، انہیں گالیاں نہ دو، ایسا نہ ہو کہ وہ ان جانے بوجھے، محض عداوت کے باعث اللہ کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اب ان لفظوں سے مولانا تھانوی کی عجیب و غریب دلیل کیسے مستنبط ہوئی؟ اور اگر مولانا کی منطق ہی کی پیروی کی جائے، تو تمام ممنوعات پر اسی طرح کی دلیل چسپاں کرنا کچھ مشکل نہ ہوگا، مثلاً شراب پینا ہے تو جائز لیکن اس سے چوں کہ بدمستی اور نشہ پیدا ہوتا ہے، اس لیے حرام ہے۔ جھوٹ بولنا ہے تو مباح، لیکن اس سے چونکہ بد اعتمادی اور فساد کا اندیشہ ہے، اس لیے ممنوع ہے۔ سود خواری ہے تو اچھی بات، لیکن اس سے چونکہ سنگ دلی اور بے رحمی پیدا ہوتی ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ مولانا! فرمائیے، یہ دلائل آپ کی منطق پر پورے اترتے ہیں یا نہیں؟

سنیے ایک اور انکشاف، مولانا کے نزدیک دور کے سامعین تک آواز کا پہنچانا شرعاً ضروری نہیں ہے، کیوں کہ خطبہ میں محض حاضر ہونا ہی مقصود ہے، سماعِ صوت یعنی اس کا سننا

لازم نہیں ـــــــــ سمجھ میں نہیں آتا اور کوشش کے باوجود سمجھ میں نہیں آتا کہ حضور خطبہ کو تو مقصود ٹھیرا لیا جائے اور سماعِ صوت کو مقصودیت کا درجہ نہ دیا جائے، بلکہ اُسے "شرعاً" غیر ضروری قرار دے دیا جائے ـــــــ یہ "شرعاً" کی پخ بھی خوب رہی۔ اگر اس سے مراد وہ شریعت ہے، جو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعے، خداوندِ پاک کی طرف سے نازل ہوئی، تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اُس شریعت میں "سماعِ صوت بھی مقصود ہے۔ حاضر ہونا بھی مقصود ہے اور سُننا سُنانا بھی مقصود ہے :

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۔	جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دَوڑ کر چلے جایا کرو۔

لیکن اگر خطیب مولانا اشرف علی کی ذہنیت کا مالک ہو، تو یہ جان کر کہ لوگوں کا صرف مسجد میں آجانا ہی مقصود تھا، وُہ تو جمع ہو گئے، اب نہایت آہستہ آہستہ، جیسے کوئی کسی کے کان میں سرگوشی کر رہا ہو، وعظ کہنا شروع کر دے گا، اُدھر لوگ اپنے اپنے کاروبار چھوڑ کر آئے ہیں، اِدھر آتے ہی یہ بدمزگی کہ خطیب کی آواز تک سُنائی نہیں دیتی، کسی کو کیا پڑی ہے کہ دین اور دنیا دونوں سے محروم رہے؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ آہستہ آہستہ خطبے میں آنا ہی چھوڑ دیں گے!

اور سماع، مقصود کیوں نہیں، جب خود قرآن پکار پکار کر سماع ہی کو مقصود قرار دے رہا ہے! تعجب ہوتا ہے، مولانا اشرف علی نے فتوے دیتے وقت قرآن حکیم کو کیوں سامنے نہ رکھا! دو ایک آیتیں ملاحظہ ہوں:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝	اور جب قرآن پڑھا جائے، تو اس کو سُنو اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۔	اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل ہُوا ہے، اسے (لوگوں تک) پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اوپر کی آیات سے دونوں باتیں ثابت ہوگئیں۔ استماع پر اس قدر زور دیا کہ سُننے والے کے ساتھ رحم کو خاص کر دیا گیا اور سنانے اور پہنچانے پر اتنی تاکید فرمائی کہ اگر رسول اللہ صلعم بھی اس کی تعمیل نہ کریں، تو انہوں نے گویا رسالت کا حق ہی ادا نہیں کیا۔

لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے خلاف ایک اور دقیانوسی دلیل، یعنی، یہ تشبہ ہے مجالس غیر کے ساتھ! ——— یہ ہندوستان کے مفتی اعظم کے دماغ سے نکلی ہوئی دلیل ہے اور ایسی دلیل کہ اگر اسے کسی آزاد قوم کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کے سامنے بھی بیان کیا جائے کہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے مذہبی راہنما، مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ ہیں، تو وہ بلا توقف یہ پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ ہندوستان قیامت تک آزاد نہیں ہو سکتا۔ وہ قوم جو زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتی، جو عہد جدید کے تمدنی وسائل اختیار نہیں کرنا چاہتی، جو نہ صرف جدید آلاتِ حرب ہی سے دُور بھاگتی ہے، بلکہ لاؤڈ سپیکر جیسی بے ضرر اور مفید شے سے بھی کام نہیں لینا چاہتی، اس کا کیا حق ہے کہ وہ دنیا کے تختے پر زندگی کا دعویٰ کرے۔

آپ تشبہ بالکفار سے منع کرتے پھرتے ہیں، تو کس کس چیز سے منع کریں گے

گھروں کی حالت یہ ہے کہ لکھنے کی سیاہی اور قلم سے لے کر، کھانے کے برتن، میز، کرسی، بجلی اور بجلی کے پنکھے، ولایتی کپڑے کا لباس، گھڑیاں، سائیکل اور کاریں (آخر کس کس چیز شمار کرائی جائے؟)، یہ سارا سازوسامان ہماری معاشرت کا جزو لاینفک ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ پتھر یا دھات کا زمانہ تو ہے نہیں کہ ان چیزوں کی ضرورت تسلیم نہ کی جائے، پھر آپ نے ان مشکلات کا کیا حل[۱] تجویز کر رکھا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ "تشبہ بالکفار" کے مسئلے نے مسلمانوں کی علمی اور معاشرتی حیثیت کو بڑا ہی نقصان پہونچایا اور اس سارے نقصان کی پوری ذمہ داری مفتیٔ موصوف جیسے فرسودہ خیال علماء پر ہی عاید ہوتی ہے۔ زمانہ عروج وارتقا کی منزلیں طے کرتا ہوا، اُڑتا چلا جا رہا ہے۔ پرانے نقوش مٹتے جا رہے ہیں اور نئے نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں، ایسے حالات جن میں رہنا اور اُن سے فائدہ اٹھانا قریب قریب ہر شخص کے لیے ناگزیر ثابت ہو رہا ہے، اِدھر یہ حالت ہے ——— اور دوسری طرف "تشبہ بالکفار" کے فتوے، قومی رفتار کے حق میں سنگِ راہ ثابت ہو رہے ہیں۔ کوئی بھی اچھی سے اچھی اور مفید سے مفید ایجاد کیوں نہ ہو، مسلمانوں پر اس کا استعمال محض اس لیے حرام بتلا دیا جاتا ہے کہ وہ "کفار" کی ایجاد ہے، ایسے کفار کی، جو ہم مسلمانوں کی طرح

---

[۱] "حل تجویز کرنا" تو کجا، خود مولانا بھی "تشبہ بالکفار" کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ پابندی اوقات کے لئے گھڑی کا استعمال اور سفر کے لیے ریل کی سواری ناگزیر ہے۔ کیا مولانا نے ان چیزوں سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا؟

بے حیثیت اور غلام لوگ نہیں ہیں، بلکہ سربلند اور آزاد ہیں، زمین کے وارث ہیں اور اچھے اور مضبوط کیرکٹر کے مالک ہیں۔

آخر میں مجھے اس بات کی حسرت ہے، میرے پاس ایسے الفاظ کا کوئی ذخیرہ نہیں، جن سے میں مولانا تھانوی کے اس غیر معقول فتوے پر اظہار افسوس کر سکوں۔ حالی مرحوم کا ایک مسدس اس وقت یاد آرہا ہے، شاید اس سے میرے مافی الضمیر کی ترجمانی ہو سکے:

نہیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے ۔۔۔ کہ جو کام دینی کہ یا دنیوی ہے
مخالف کی ریس اس میں کرنی بری ہے ۔۔۔ نشان غیرت دین حق کا یہی ہے
وہ دن کو کہے رات، تو تم رات سمجھو ۔۔۔ نہ ٹھیک اس کی ہرگز کوئی بات سمجھو

(محمد اقبال سلمانی)

آئندہ پرچے کی ایک جھلک

"البیان" کے آئندہ نمبر کے بعض مضامین کی فہرست ملاحظہ ہو:

۱۔ علم تفسیر، (علامہ اسلم جیراجپوری کا ایک بلند پایہ محققانہ مقالہ جو ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس میں ہوا، میں قدر و عظمت کے ساتھ سنا گیا)

۲۔ فقہ قرآن (قرآن مجید کی آیات سے وضو، غسل اور تیمم وغیرہ مسائل کی تحقیق، جنب، لمس کی تحقیقانہ تشریح فقہ قرآن کے عنوان سے ہر مہینے حضرت ستار کے قلم سے مضامین نکلتے رہیں گے)

۳۔ بہائیت اور قرآن۔ قرآن حکیم پر رسالہ بہائی نے جو اعتراضات کیے ہیں، ان کے مدلل جوابات از محمد اقبال سلمانی

۴۔ فہم قرآن حضرت خواجہ احمد الدین کا ایک بے نظیر مضمون

۵۔ بیان۔ قرآن حکیم کے الفاظ کی لغوی تحقیق، خواجہ محمد عبداللہ صاحب اختر بی اے کے قلم سے۔

۶۔ وجوب الوجود ہستی باری تعالیٰ کے عقلی دلائل، حضرت خواجہ مرحوم نے یہ مضمون جدید تعلیم یافتہ طبقے کو عقیدۂ توحید پر قائم رکھنے کے لیے تحریر فرمایا تھا۔

۷۔ تقلید اور تصوف۔ ایک چھوٹا اور مفید علمی مقالہ، جو ایسے مستحکم دلائل پر مبنی ہے جو تقلید کے متعلق آج تک منظر عام پر نہیں آئے۔ مدیر البیان کے قلم سے۔

۸۔ تفسیر بیان للناس (از ادارہ البیان) آئندہ پرچے سے تفسیر بیان للناس کی چھٹی منزل شروع ہو جائے گی جو اصحاب اس مہینے کے اندر اندر البیان کی خریداری قبول فرمائیں گے، انہیں یہ تفسیر مفت حاصل ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ یہ منزل ترتیب، اسلوب تحریر اور وضاحت کے لحاظ سے اہم فوائد کی حامل ہو گی۔

(مدیر)

مِلّتِ ابراہیمؑ

محمد حسین عرشی

سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام

لبریز نطقِ وحی ترے ذکرِ پاک سے | یا یا خلیلؑ! کتنا ہے عالی ترا مقام!
آتے ہیں جس قدر نظر ادیانِ پاک آج | سب نے تری زباں سے سُنا ہے خدا کا نام
موسیٰؑ ترا مطیع، مسیحاؑ ترا مُرید | اور میرے سیدِ عَرَبیؐ کا بھی تُو امام
مُسلم ہوں، پارسی ہوں، نصاریٰ کہ ہوں یہود | تُو سب کا بادشاہ ہے، سب ہیں ترے غلام
فیضِ ازل نے تجھ کو عطا کی لسانِ صدق | اعلانِ صدق میں ہے تُو شمشیرِ بے نیام
یا یا خلیلؑ! آج کہ شق ہو رہے ہیں دل | ہوگا ترا پیام ہی سامانِ التیام
سب پھنک رہے ہیں آتشِ کفر و نفاق سے | دعوائے دیں اگر ہے کہیں تو برائے نام

بازآ و رخ ز بادۂ توحید برفروز!
یا بد دُعاے نیم شبی نورِ نیم روز

عرشی

انتساب

(۱) جو لوگ تمام مذاہب کی روح یا ایک سرتاپا صداقت مذہب کا سراغ لگانا چاہتے ہوں۔

(۲) اس لیے کہ اُس کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلیں اور

(۳) اس لیے کہ ان کے دل بحث و فکر کی اُلجھنوں سے نجات پاکر اطمینان کی روح سے معمور ہو جائیں۔

(۴) اور وہ آدم کے تمام بیٹوں کو اپنے اس اطمینان کی جنت میں شریک کرنے کے آرزومند ہوں۔

میری یہ ناچیز سعی، یہ چند اوراق انہیں کے لیے ہیں۔ اُن کا فرض ہے کہ اگر اس سے متفق ہوں تو حتی الامکان آدم کے بھولے ہوئے بیٹوں کے کان تک یہ آواز پہنچا دیں۔

عرشی امرتسری

فہرست

ملتِ ابراہیمؑ

وجہِ ترجیح

دنیا میں بے شمار مذاہب موجود ہیں اور ہر مذہب کے ماضی و حال کے پیرووں کی تعداد شمار سے حدود سے باہر ہے۔ اور ہر امت کے معتقدوں میں بڑے بڑے فلسفی، محقق، زاہد، عالم و فاضل ہیں۔ میں عقل و شعور کی تنہائیوں میں سوچتا ہوں کہ میں مذاہب مشہورہ و مروجہ میں سے کسی کا پابند نہیں۔ کیا وہ عالم غلطی پر تھے اور ہیں؟ اور میں جس کا سرمایۂ علم و دانش کوئی امتیاز خصوصی نہیں رکھتا، حق و صداقت تک پہنچ چکا ہوں؟ اپنے دل و دماغ سے اس قسم کے سوال کرتا ہوں اور دیانت دارانہ جواب کے لئے منتظر ہوتا ہوں۔

یاد رہے، میں بدھ اور جینی نہیں، عیسائی اور یہودی نہیں، آریہ اور سناتنی نہیں، کیوں؟ اس کا جواب صاف ہے کہ ان مذاہب کا میری تربیت میں کوئی دخل نہیں تھا، میرے ماحول پر کوئی اثر نہیں تھا، میں نے بلوغ و تمیز کے بعد صرف کتابوں کے ذریعے چند ایک غیر اسلامی مذاہب سے واقفیت حاصل کی لیکن یہ وہ وقت تھا جب اسلام میرے رگ و ریشہ میں خون بن کر اور شیر مادر کے ساتھ مل کر سرایت کر چکا تھا، اس لیے میرا ان سے متاثر ہونا کافی مشکل تھا ـــــ ـــــ اس کے بعد دوسری منزل ہے کہ میں شیعی نہیں، سنی نہیں، وہابی نہیں، نیچری نہیں، احمدی نہیں، آغاخانی نہیں، ندوی نہیں، سہروردی نہیں، مسلمانوں کے بہتر فرقوں میں سے کسی کا ہم نوا نہیں اور پورے جوش خلوص سے حافظ کا یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

جنگ[۱] ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

میرے اس دعوے پر دلیل کیا ہے، جس سے میں اگر کسی دوسرے کو مطمئن نہ کر سکوں، تو کم از کم لیطمئن[۲] قلبی کی کیفیت تو حاصل ہو جائے۔ ایک مسلم خاندان میں پیدا ہونے کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اس دین کی تاریخ کے ابتدائی نقطہ پر پہنچ کر دم لوں اور دیکھوں کہ اس کا آغاز کس صورت میں ہوا، اس کے لیے مجھے مسلمانوں کے تمام

[۱] ۷۲ فرقوں کے جنگ جو لوگ سچائی سے دور ہیں، وہ قصے کہانی پر جان دے رہے ہیں ۱۲ منہ

[۲] اپنے دل کا اطمینان ۱۲ منہ

فرقے بالکل متحد ہو کر جواب دیتے ہیں کہ ہمارے پاس قرآن عزیز کے سوا کوئی معتبر، مستند اور بے غلط دستاویز نہیں ہے۔ میں قرآن عزیز سے پوچھتا ہوں "آپ میری کیا رہنمائی فرما سکتے ہیں؟" جواب ملتا ہے:

فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ابراہیم حنیف کی راہ پر چلو

ایک مرتبہ نہیں کئی دفعہ یہی مفہوم ملتے جلتے الفاظ میں ادا ہوتا ہے۔ وہ ایک جگہ یہ بھی کہہ دیا کہ ابراہیمؑ اور اُس کے رفقاء میں تمہارے لیے اچھا نمونہ ہے (الممتحنہ)۔ میں پوچھتا ہوں، وہ نمونہ کہاں سے تلاش کروں؟ آج ابراہیمؑ کی کوئی کتاب، صحیفہ، یا کتبہ روئے زمین پر موجود نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰى	ابراہیم و موسےٰ کے صحیفے اسی قرآن میں آگئے ہیں۔

اب میرے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے، میں اس قرآن میں دیکھوں گا کہ ابراہیمؑ کیا تھے؟ میں اپنے آپ کو بے خوف ہو کر اسی راہ پر چلانے کی کوشش کروں گا، چاہے اس راہ پر ایک کروڑ مسافر چل رہے ہوں یا تنہا ابراہیمؑ، میں اُن کے پیچھے ہوں گا۔

ابراہیمؑ اور یہودیت یہود کہتے ہیں، ابراہیم ہمارا ہم خیال تھا ہم اس کے ہم پیرو ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ

(۱) حضرت ابراہیمؑ نے سوختنی قربانی کبھی نہیں کی،
(۲) آپؑ سبت کے پابند نہیں،
(۳) عزیرؑ وغیرہ کو ابن اللہ نہیں مانتے،
(۴) بچھڑے کو معبود نہیں بناتے،
(۵) یہود کے لیے جنت کو مختص نہیں سمجھتے،
(۶) قتل انبیاء اور کفر آیات کی حمایت نہیں کرتے۔

اسی قسم کے اور بہت سے صفات ہیں، جو یہود کے خصائص میں داخل ہیں اور حضرت ابراہیمؑ میں نہیں پائے جاتے، اس سے یقین ہوتا ہے کہ آپؑ یہودی نہیں۔

ابراہیمؑ اور مسیحیت اب ذرا اور آگے چلیں:

(۱) آپ کفارۂ مسیحؑ کے قائل[1] نہیں،
(۲) مسیحؑ کو ابن اللہ اور منجی نہیں کہتے،
(۳) عشائے ربانی کا احترام نہیں کرتے،

[1] نجات دہندہ۔

(۴) ظاہری اصطباغ (یعنی بپتسمہ) پر مطمئن نہیں،

(۵) رہبانیت سے متنفر ہیں۔

اسی قسم کی اور بھی صفات ہیں جو نصاریٰ سے مختص ہیں اور حضرت ابراہیمؑ میں نہیں پائی جاتیں۔ اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ آپ عیسائی یا نصرانی بھی نہیں۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا	ابراہیمؑ یہودی و نصرانی تو نہیں تھے، لیکن یک رُخ مسلم ضرور تھے۔

ابراہیمؑ اور ہنود و مجوس | ہندوستانی بت پرست اپنے آپ کو برہما سے منسوب کرتے ہیں، خدا اپنے ویدوں کو برہما کے منہ سے نکلے ہوئے مانتے ہیں اور عربی بت پرست برہم، براہم، براہام یا براہیم کو اپنا مورث مانتے ہیں — مجوس کے پیغمبر زردشت اول کا نام بھی ابراہیم سنا جاتا ہے، لیکن آپ (ابراہیم علیہ السلام) لات و منات کے آگے سر نہیں جھکاتے، سومنات اور دوسرے ہندی بتوں کے آگے نہیں جھکتے، بلکہ موقع ملتا ہے تو بتوں کو توڑ دیتے ہیں۔ آگ کی تعظیم کے بھی آپ قائل نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ مشرک و مجوسی بھی نہیں تھے۔ وما کان من المشرکین۔

ابراہیمؑ اور اسلامی فرقے | اب ذرا آگے چلیں اور موجودہ اسلامی فرقوں کے مذاہب کو دین ابراہیمؑ کی کسوٹی پر پرکھیں۔

شیعیت | (۱) آپ محرم الحرام کی عظمت سے بے پروا ہیں،

(۲) پنجتن پاک کی عصمت و طہارت کے عقیدہ سے بے خبر ہیں،

(۳) حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کے استحقاق سے ناآشنا ہیں،

(۴) شہادتِ امام کی اہمیت اور مرثیۂ امام کے ثواب کو نہیں جانتے،

(۵) آپ کو تقیہ کی فضیلت کا کوئی علم نہیں،

(۶) آپ مہدی منتظر کے منتظر نہیں،

اسی قسم کے بہت سے عقائد ہیں، جو حضرات شیعہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی قطعاً خبر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہرگز شیعی نہ تھے۔

اہل سنت | ایک نظر اور دیکھیے،

(۱) آپ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی فقہ کے پابند نہیں،

(۲) (ا) آپ کی نماز میں التحیات و درُود کا کہیں ذکر نہیں،
ب- آپ نماز میں ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے، ناف کے اوپر یا نیچے رکھنے اور رفع یدین و آمین بالجہر کے جھگڑوں سے بالکل بے پروا ہیں،
(۳) آپ کی پُشت پر بخاری، مُسلم یا صحاح ستہ کا پشتارا بھی نظر نہیں آتا،
(۴) آپ کے کان قرأت یا عدم قرأت خلف الامام اور تعداد تراویح وغیرہ مسائل سے قطعًا ناآشنا ہیں،
(۵) آپ نے ہر سال بکروں وغیرہ مویشی کی قربانی نہیں کی۔
اسی قسم کے بے شمار مسائل ہیں، جو حنفیوں، سُنّیوں یا اہل حدیث سے خصوصیت رکھتے ہیں اور سیدنا ابراہیمؑ کے وقت اُن کی کہیں بُو بھی نہیں تھی۔ اس سے پختہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ آپؑ کو حنفی، سُنّی اور اہل حدیث وغیرہ مذاہب سے بھی کوئی واسطہ نہ تھا۔

ابراہیمؑ اور تصوف | اور سنیے:
(۱) آپؑ نے فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول کے مدارج طے نہیں کیے،
(۲) آپؑ کو "مقربانِ بارگاہ" کے عرسوں سے کوئی سروکار نہیں،
(۳) آپؑ نے پیری مریدی کا کوئی سلسلہ نہیں جاری کیا۔
(۴) آپ سالک، مجذوب، غوث، قطب، ابدال وغیرہ اصطلاحات سے بالکل بے خبر تھے،
(۵) آپ پر کبھی "وجد و حال" کی کیفیت بھی طاری نہیں ہوئی۔
(۶) آپ کی زبان سے انا الحق یا انا اللہ کا کلمہ کبھی نہیں نکلا،
(۷) آپؑ نے اپنی تمام عمر میں محفل قوالی منعقد نہیں کرائی۔
اس قسم کے لاتعداد مسائل جو صوفیائے کرام سے منسوب کیے جاتے ہیں، جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے بھی محرم نہیں، نتیجہ صاف ہے کہ وہ ہمارے زمانہ کے "پاک باطن" صوفیوں کی جماعت میں بھی داخل نہیں۔

ابراہیمؑ اور مولویت | ایک قدم اور چلیے:
(۱) آپؑ نے توحید کے دو مباحثوں کے سوا کبھی کسی مسئلہ پر محفل مناظرہ منعقد نہیں کی (یہ دو مناظرے بھی بحالتِ مجبوری کیے گئے تھے)،

(۲) آپ نے کوئی دارالافتاء نہیں کھولا۔

(۳) آپ نے ہماری مروّجہ اصطلاح میں کسی مسجد کی امامت نہیں کی اور نکاح و جنازہ وغیرہ کی اُجرت سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

(۴) آپ کے دماغ میں ڈاڑھی، مونچھ، پاجامے کے پائنچے، اور ڈھیلے وغیرہ کے مسائل کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(۵) آپ کی زبان تکفیرِ مُسلم سے قطعاً آلودہ نہیں۔

ایسے بڑے بڑے "اور اہم" مسائل سے ناواقف ہونے کے سبب آپ کو مولویوں کی "مقدس جماعت" میں بھی شامل نہیں کیا جاسکتا۔

مذاہبِ عالم کو چیلنج یہ جو کچھ میں نے کہا، اگر یہ سب سچ ہے اور قرآن و توریت کی قطعی شہادت سے یقیناً سچ ہے، تو قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ حضرت ابراہیم یہودی و نصرانی نہ تھے، نہ اہلِ حدیث، صوفی، مولوی وغیرہ بھی نہ تھے۔ میں عیسائیوں، یہودیوں، شیعوں، سنّیوں، وغیرہ کے بڑے بڑے اداروں کے سامنے یہ سطور پیش کرتا ہوں اور منتظر ہوں کہ از روئے توریت میری تحقیق کی غلطی ثابت کریں۔

تحقیقِ ملّتِ ابراہیمؑ

یہاں تک ملّتِ ابراہیمی کے سلبی پہلو کا تعلق تھا، اب میں ایجابی رُخ کی تلاش کرتا ہوں۔

شخصیتِ ابراہیمؑ آخر ابراہیمؑ کی شخصیت کیا تھی؟ اُن کا مسلک کیا تھا؟ اس سوال کا جواب صحفِ سماوی کیا دیتے ہیں؟ توریت میں خداوند ابراہیمؑ سے فرماتا ہے:

"تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی، کیوں کہ تُو نے میری بات مانی" (پیدائش ۲۲/۱۸)

"ابراہیم تو یقیناً ایک بڑی اور زبردست قوم ہوگا اور زمین کی سب قومیں اُس سے برکت پائیں گی"
(پیدائش ۱۸/۱۸)

"دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے" (پیدائش ۱۲/۳ و ۲۸/۱۴)

"خداوند نے سب باتوں میں ابراہیم کو برکت بخشی" (پیدائش —)

پھر انجیل میں ارشاد ہوتا ہے:

"تیری اولاد سے دنیا کے تمام گھرانے برکت پائیں گے" (اعمال ۳ باب)

ملت ابراہیم قرآن میں اب ہمیں ایک دفعہ پھر یہ دیکھ لینا چاہیے کہ قرآن کے نزدیک اتباع ابراہیم کی اہمیت کیا ہے؟ سب سے پہلے ملت ابراہیمی کا تعارف ان الفاظ میں ملتا ہے :-

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ

اور اُن لوگوں کے سوا جنہوں نے اپنے آپ کو نادانی و جہالت کے حوالے کر دیا ہے، کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے رُوگرداں ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد صداقتِ الٰہی کی شہادت سے ارشاد ہوتا ہے :

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو اللہ نے سچائی ظاہر کر دی پس (اگر تمہارے دلوں میں کچھ بھی سچائی کا پاس ہے، تو چاہیے کہ) ابراہیم کے طریقے کی پیروی کرو (جس کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں اور) جو ہر طرف سے ہٹ کر صرف اللہ ہی کا ہو رہا تھا اور یقیناً ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا"

پھر دین کا انتہائی حسن بیان کر کے اس کو ابراہیم سے منسوب کیا ہے :

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۝

اور پھر (بتلاؤ) اُس آدمی سے بہتر دین رکھنے والا کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکا دیا اور وہ نیک عمل بھی ہے اور اُس نے ابراہیم کے طریقے کی پیروی کی جو تمام انسانی گروہ بندیوں سے الگ ہو کر صرف خدا ہی کے لیے ہو رہا تھا"

آخری پیغمبر اور ملتِ ابراہیم اب سوال یہ ہے کہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کس راہ پر چلے اور رہتی دنیا تک کے لئے انہوں نے کون سی راہ پیش کی :

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

کہہ دو، مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے، کہ وہی درست اور صحیح دین ہے ابراہیم کا طریقہ کہ ایک خدا ہی کے لیے ہو جانا اور ابراھیم ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا"

اہلِ کتاب کا جھگڑا یہاں ایک جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ دنیا کی دو بڑی مذہبی اہلِ کتاب جماعتیں ہدایت کو اپنی اپنی گروہ بندی میں محصور سمجھتی ہیں۔ قرآن کا پیرو ان دونوں سے عبور کرتا ہوا سرچشمہ اول تک پہنچتا ہے :

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

یہودیوں نے کہا یہودی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے۔ نصاریٰ نے کہا، نصرانی ہو جاؤ، ہدایت پاؤ گے۔ لیکن تم کہو، نہیں (خدا کی عالم گیر سچائی ان گروہ بندیوں میں محدود نہیں ہو سکتی) وہ راہ تو وہی حنیفی راہ ہے، جو ابراہیم کی راہ تھی یعنی تمام انسانی طریقوں سے منہ موڑ کر صرف خدا کے سیدھے سادھے فطری طریقے کا ہو رہنا

اور یقیناً وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا"

یہ ایک آسمانی آواز ہے جس کو زمین کی کوئی قوت نہیں دبا سکتی جس طرح اس کا چشمۂ صافی یہودیت و نصرانیت کے گرد و غبار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک اسی طرح اس کا سینہ حنفیت، شیعیت، وہابیت، احمدیت، نیچریت، چکڑالویت وغیرہ کی کدورت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کیا اس زمانے کے علماء قرآن و بائبل میں کوئی نہیں، جو اس سیدھی آیت کو سمجھے؛

آخری نبیؐ کا معالج | محمد رسول اللہ صاحبِ وحی ہیں، آخری نبی ہیں، ان کے سامنے دنیا کے بڑے بڑے مدعی صداقت مذاہب موجود ہیں، لیکن انہیں انسان کی غلطی کرنے والی عقل اور ماحول و تربیت سے متاثر ہونے والی تحقیقات کے ذریعے نہیں، خدائی وحی کے ذریعے تاکید ہوتی ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور پھر (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو! ہر طرف سے ہٹا ہوا، صرف دینِ حق ہی پر کاربند رہنے والا، اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا!

انسانی عقلوں نے، رسم و تقلید نے، جغرافی اور زمانی تاثیروں نے ضعیف البنیان انسان کے کاندھوں پر بہت سے چھوٹے چھوٹے مسائل کے بوجھ لاد رکھے ہیں جن کو وہ اپنی نادانی سے فرمودۂ الٰہی سمجھے ہوئے ہے، ان کے نیچے دبا چلا جا رہا ہے۔ وہ ناموں کے اختلاف سے بھی مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا ہے، اس کا علاج بھی وہی ہے:

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ

تمہارے لیے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ وہی طریقہ تمہارا ہوا، جو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا تھا، اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔

ملت کی تخصیص ابراہیمؑ سے | یہاں تک لفظ ملت کی تکرار تھی۔ اس جگہ ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں "ملۃ" کا لفظ نبیوں میں ابراہیمؑ کے سوا کسی کی طرف مضاف نہیں ہوا، یعنی تمام نبیوں کے پاس جو ملت پہنچی ہے، وہ ابراہیمؑ ہی کے پیام کی تکرار ہے اور آخر میں اس کو تمام وکمال قرآن نے احاطہ کر لیا ہے۔

قرآن نے یہیں پر بس نہیں کی، اس مفہوم کو دوسرے متعدد طریقوں سے بیان فرمایا ہے:

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ (۳/۶۸)	فی حقیقت ابراہیم سے نزدیک تر لوگ تو وہ تھے، جو اس کے قدم بہ قدم چلے، نیز اللہ کا یہ نبی ہے اور وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے ہیں (نہ کہ وہ لوگ جنہوں نے دین الہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہودیت اور نصرانیت کی گروہ بندیاں کر لی ہیں اور توحید و خدا پرستی کی راہ سے منحرف ہو گئے ہیں) اور یاد رکھو، اللہ انہی کا مددگار ہے جو (سچا) ایمان رکھنے والے ہیں۔

اسوۂ ابراہیمؑ و رفقائہ | ہمارے لیے سب سے پہلا "اسوۂ حسنہ" ابراہیمؑ اور ان کے رفقاء کے طرز عمل میں پایا جاتا ہے جب انہوں نے صرف توحید کی خاطر اپنی قوم سے اور اُن کے معبودوں سے علیحدگی اختیار کر لی:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ ... حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ الخ (۶۰/۴)	تمہارے لیے ابراہیمؑ اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے، اچھا نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، ہم تم سے بے تعلق ہیں اور اس سے جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت ہمیشہ کھلی رہے گی، یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔

اس آیہ مبارکہ میں دو نکتے قابل توجہ ہیں (۱) پچھلے کام میں غیر نبی بھی صاحب "اسوۂ حسنہ" ہو سکتا ہے جیسے رفقائے ابراہیمؑ (۲) ابراہیمؑ اور اُن کے اصحاب کے نزدیک کسی قوم سے اتحاد کی شرط صرف خدائے واحد پر ایمان لانا ہے۔ وہ اماموں، مولویوں، فقیہوں اور پیغمبروں کی شخصیتوں کی بنا پر کسی سے بیزار نہیں ہوتے وہ ہمارے تفسیری، روایتی اور فقہی مسائل میں اختلاف کے سبب کسی سے دست و گریباں نہیں ہوتے۔

اسی سورہ (الممتحنہ) میں دوبارہ ان بزرگوں کے "اسوہ" کی تاکید فرمائی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (۶۰/۶)	یقیناً تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے، اُس کے لیے، جو اللہ کے سامنے جانے اور یوم آخر کی اُمید رکھتا ہے۔

یہاں ہدایت یابی کے لیے اللہ تعالیٰ اور آخرت کی امید رکھنا شرط ہے۔ جس کے دل میں اللہ اور آخرت کا ایمان نہیں، وہ اس اسوۂ حسنہ سے مستفید نہیں ہو سکتا ——— اب ہمارے سامنے صرف یہ مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ ملت ابراہیم، اسوۂ ابراہیم، واصحاب ابراہیم، صحف ابراہیم اور ہدایت ابراہیم کہاں ہے؟ ہم اس کو تلاش کرنے کہاں جائیں؟ کن کن کتب خانوں کی ورق گردانی کریں؟ اور کس کس زندگی کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کریں؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے اور بہت آسان۔ مشکل اس لیے کہ اگر ہم تحقیقات میں الجھیں، تو قیامت تک کوئی نتیجہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ہم مختلف و متعدد جنگ آزما فرقے، ایک دوسرے کو کافر کہنے والے لوگ اپنے آپ کو ابراہیم کا پیرو کہتے ہیں، کس کی تصدیق کریں اور کس کی تکذیب؟ آسان اس لیے کہ اگر ہم ابراہیم کی طرف وحی نازل کرنے والے خدا تک پہنچ کر اس سے پوچھ لیں کہ آپ نے ابراہیم کی طرف کون سا دین نازل فرمایا تھا، تو ہمارا اضطراب تسکین میں اور شکوک یقین میں تبدیل ہو جائیں گے۔

قرآن کا ماخذ قرآن مبین کی ورق گردانی کرو۔ تم کو سب سے پہلے قرآن کا ماخذ اس آیت میں ملے گا۔

شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ الخ (۲۵)	خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسےٰ اور عیسےٰ کو حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

ان الفاظ مبارکہ کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن میں وہی شریعت، وہی دین ہے، جو نوح سے چل کر ابراہیم کی وساطت سے موسیٰ و عیسیٰ کو ملتا ہوا مخاطبین قرآن کو ملا۔ پھر سورۂ اعلیٰ میں تعلیمات قرآن کا خلاصہ پیش کیا ہے، یعنی تسبیح، خالقیت باری، حکمت تبلیغ، جزا و سزا کے اعمال، ذکر و صلوٰۃ اور مقام دنیا و آخرۃ کا بیان کرکے فرماتے ہیں۔ یہ سب حقائق دین ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں آ چکے ہیں:

ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسیٰ ○

اسی طرح سورۂ نجم میں آیا ہے:۔

اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰی ○ وَاِبْرٰہِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰیٓ ○	کیا اسے اس کی خبر نہیں ملی، جو موسےٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم نے جس کی وفا دکھلائی۔

سورہ شعرا میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝	وہ یقیناً پہلے لوگوں کے صحیفوں میں (موجود) ہے۔
سورۂ انعام میں ...	انبیاء کرام کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:
فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ	ان سب کی ہدایت کی پیروی کر۔

ان آیاتِ مبارکہ سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملتِ اسوہ اور دینِ ابراہیم قرآن میں موجود ہے وہاں یہ بھی تحقق ہو جاتا ہے کہ تمام مذکورہ قرآنی انبیا اسی ایک ملت کے پیرو تھے۔ یہاں تک کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملتِ ابراہیم کی تبلیغ کی، اسی کی اتباع کی اور ہمیشہ کے لئے اسی کو نجاتِ انسانی کا ذریعہ قرار دیا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ قرآن ہی محفوظ و مفصل ملتِ ابراہیمؑ ہے۔

صفاتِ ابراہیمؑ | خالقِ کائنات کی بارگاہ سے ابراہیم علیہ السلام کو جو خطابات عنایت ہوئے، ان میں سے بعض پر نظر کرو:

علیم، اواہ، منیب، شاکر، قانت اللہ، حنیف، مجتبےٰ، مصطفےٰ، صدیق نبی، رشید، مخلص، بَر، خلیل اللہ، متمم کلمات اللہ، امّت[له]۔

آپ ہمیں یہ تلاش کرنا ہے کہ جس شخص کے اتنے اوصاف خدائے زمین و آسمان بیان کرتا ہے، جس کے دین کی پیروی کے لیے تمام عالم انسانی اور سب انبیائے الٰہی کو مکلف کیا گیا ہے، قرآن اور عہد نامۂ قدیم و جدید جس کی ستائش سے لب ریز ہے، جس کے سبب سے دنیا کے سب گھرانوں کو برکت ملی وہ اس مقامِ بلند پر کن اعمال کے ذریعے پہنچا؟ کیا وہ وہی اعمال ہیں، جن کو مختلف مذاہب اور فرقوں کے ذکر میں بیان کر چکا ہوں، یا ان سے الگ؟ —— یہاں مجھے ایک گہری آہ بھر کر یہ کہہ لینے دو، اگر ابراہیمؑ نے ہماری جنگجویانہ نمازوں، مناظروں، تعزیوں، عرسوں اور فتووں اور یہود و نصاریٰ کے مخصوص مراسم کے سبب ترقی پائی تھی، تو ہم کئی صدیوں کے متواتر عمل کے باوجود کیوں ذلیل ہوتے جا رہے ہیں؟ ابراہیمؑ کے پیارے یہود کیوں ہمیشہ ملعون ہیں؟ عیسائی اپنی حرص و آز اور مکر و فریب کے سبب کیوں کرۂ ارض کے لیے ایک مستقل لعنت بنے ہوئے ہیں؟ مسلمان کیوں بہتّر فرقوں میں بٹ کر دن رات لڑتے رہتے ہیں اور اپنی روحانیت، اخلاق، اور دولت و حکومت سے دور ہوتے جا رہے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب ستر ہزار سورج سے زیادہ واضح ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ آج ابراہیمؑ اور نبیوں کی آواز کو سننے والی کوئی قوم دنیا میں موجود نہیں۔ ہم میں

[له] کتاب موسیٰ "پیدائش" ۱۲:۲ میں آں حضرت کو ایک بڑی اور بزرگ قوم کہا گیا ہے۔

سے کوئی بھی ملتِ ابراہیمی کا پیرو نہیں۔ ملتِ ابراہیم نہایت مختصر، قابلِ عمل اور قابلِ حصول ہے، لیکن ہم سہولت پسند نہیں، مشکلات کے عاشق ہیں۔ قرآن ساڑھے تیرہ سو سال سے پکار رہا ہے اور قیامت تک پکارتا رہے گا کہ ملتِ ابراہیمی کی طرف آؤ اور وہ ملتِ قرآن ہے!

لیکن ایک بات پہلے سن لو! جو بات قرآن میں نہیں، اس کو کھینچ کر قرآن سے نکالنا قرآن کے ذمے لگانا، خدا کو تعلیم دینا ہے اور قرآن سے باہر اس کو تلاش کرنا خدا پر بہتان لگانا ہے۔ سنو!

عملی و اعتقادی توحید | ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ۝	وہ خدا جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے راہ بتاتا ہے
وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ۝	جو مجھے کھلاتا ہے اور مجھے پلاتا ہے اور جب میں
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ۝ وَالَّذِیْ	وہ مجھے شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھے مارتا ہے
یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ۝ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ	وہ جو میں امید رکھتا ہوں کہ میری خطا میں جزا و سزا کے دن
اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ	معاف کرے گا:

یہاں اللہ کے خلیل نے اپنا خالق، ہادی، کھلانے پینے کے سامان عطا کرنے والا، شفا دینے والا، موت اور زندگی کا مختار اور خطاؤں کا معاف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ کو تسلیم کیا ہے، وہ اپنی ضرورتوں کے لیے اللہ کے سوا کسی کو کافی نہیں سمجھا، اس کے بعد اپنی دعاؤں کا مرجع بھی اسی ذات کو مانا ہے۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ ابراہیمی | متعدد آیات میں صلوٰۃ ابراہیمی کا ذکر ہے:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی	اور ابراہیمؑ کے مقام کو نماز پڑھنے کی جگہ بناؤ

یہ "اتخاذ مصلیٰ" کیا چیز ہے؟ یہی نا کہ ابراہیمؑ کی نماز کو نمونہ سمجھو۔ انہوں نے اس مقدس گھر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ کیا کوئی مادی جہت ان کے ذہن میں تھی؟ الا یہ کہ:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ	میں نے تو ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	ہے، جو کسی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ آسمان و زمین کی بنانے والی
حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝	ہے اور میں ان میں سے نہیں جو اس کے ساتھ شریک ٹھیرانے والے ہیں۔

آج جو لوگ قبلہ، جہت اور وجہہ کے بغیر نماز کو غیر مقبول قرار دیتے ہیں، وہ نمازِ ابراہیمؑ پر کیا فتوے

لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم ۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے دیکھو تتمہ ص ۲۲

لگائیں گے؟ جہت کا التزام جماعت کی یک جہتی کی حد تک تو تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن روحِ صلوٰۃ سے اس کی وابستگی نہ کبھی تھی نہ ہو سکتی ہے ——— اپنے لئے دعا فرماتے ہیں:

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ	اے میرے رب! مجھے اقامتِ صلوٰۃ کی توفیق ارزانی فرمائیو۔

دوسری جگہ اولاد کے لیے دعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ	یعنی وہ بھی اقامتِ صلوٰۃ کے پابند رہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ اقامتِ صلوٰۃ انہوں نے خود ایجاد کر لی تھی یا کسی فقیہ و مُلا سے سیکھی تھی یا کوئی رسمی و تقلیدی چیز تھی ——— اس کا جواب خدا کے لفظوں میں یہ ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءَ الزَّكٰوةِ	ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح کی بھلائی کے کام انجام دیں، نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔

صلوٰۃ و زکوٰۃ یقیناً تمہاری فقیہانہ زنجیروں کی قید سے آزاد ہیں۔ وحی پر اضافہ کرنے اور پھر اس کو لوگوں سے بہ جبر منوانے کا کس کو حق ہے؟

اس کے علاوہ قرآن میں بہت سے مقامات پر جناب ابراہیمؑ کی اپنی ضرورتوں کے مطابق دعائیں مذکور ہیں، تطہیرِ کعبہ کے بیان میں طواف، اعتکاف، قیام، رکوع اور سجود کا ذکر بھی آگیا ہے۔

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ○

یہی حسبِ ضرورت دعائیں بصورتِ قیام، رکوع، سجود وغیرہ صلوٰۃ ہیں۔ اسی پر تمام انبیاء نے تسلی پائی، اپنے حالات کے لحاظ سے کسی نے بالعشی[لہ] والاشراق اور کسی نے بالغدو والآصال بکرۃ واصیلا اور کسی نے طرفی[ٹہ] النہار وزلفا من اللیل میں اس کو ادا کیا۔ ایسے اختلاف میں، جن کی وحی نے آزادی دے رکھی ہو، کسی نے کسی پر فتوے نہیں لگایا۔ آج اگر کسی کی اس پر تسلی نہیں تو وہ ابراہیمؑ اور محمدؐ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر اضافہ کر کے خدا کو لقمہ دینے کی جرأت کر رہا ہے، وحسابہ عند ربہ۔

دعوتِ ابراہیمؑ | آں حضرت علیہ السلام کی دعوت کوئی لمبا وعظ نہیں ہے، جو دیوبند یا الازہر میں عمر گنوانے کے سوا حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ صرف دو جامع لفظوں میں سب کچھ کہہ دیا ہے۔

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ	اللہ کی عبادت کرو اور اسی سے ڈرو۔

لہ شام و سحر۔ ٹہ دن کے دونو جانب اور رات کا کچھ حصہ۔

تمام نبوتیں اور رسالتیں ان دو لفظوں کی تفصیلی صورتیں ہی تو ہیں۔ جو ان پر قناعت نہیں کرتا، وہ الف لیلا اور طلسم ہوش ربا کی داستانیں تلاش کرتا پھرے۔

حج ابراہیمؑ | حج کی عظمت معنویت اور حقیقت چند آیات میں بیان فرما دی ہے:

وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۖ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ۝

لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے پا پیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر، جو مشقت سفر سے تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لیے آئیں گے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہوں میں حاضر ہو جائیں اور ہم نے جو پالتو چارپائے ان کے لیے مہیا کر دیے ہیں، ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پھر قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔

دور دراز کے سفر طے کر کے جانا عظمت حج کی دلیل ہے۔ شہادت[1] منافع حج کا ذہنی مقصود ہے۔ پر خدا کے نام کا ذکر کرنا اجتناب شرک کی تعلیم ہے۔ خود کھانا اور محتاجوں کو کھلانا قیام اجتماع اور رسم مساوات کے لیے ہے۔ ایفائے نذور[2] اور طواف بیت العتیق استحکام مرکز کی غرض سے ہے۔

لیکن یہ جو آج دوڑنا، بھاگنا، کنکریاں مارنا، حجر کو چومنا، بات بات پر جانور کاٹ کر پھینک دینا وغیرہ رسمیں رواج پا گئی ہیں، ان کے معنی ان کا کوئی داعی بتا سکتے ہیں؟ کیا بانی حج علیہ السلام نے بھی کوئی ایسا بے نتیجہ فعل کیا؟

کلمۂ ابراہیمؑ | آج ہم بعض کتابوں میں کلمات انبیاء کی ایک ایسی فہرست دیکھتے ہیں، جو آدم صفی اللہ سے چل کر محمد رسول اللہ پر ختم ہوتی ہے۔ ہر کلمے کا نصف آخر دوسرے سے جدا ہے اور باقاعدہ بنتا آرہا ہے؛ لیکن قرآن کی شہادت ہے کہ کلمہ ابراہیمؑ نہ بدلنے والا اور نہ مٹنے والا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا میں اس سے بے تعلق ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو، مگر وہ جس نے مجھے پیدا کیا، سو وہی مجھے ہدایت دے گا اور اس نے اسے اپنی اولاد میں باقی رہنے والا کلمہ بنایا، تاکہ وہ رجوع کریں۔

[1] نفع حاصل کرنا [2] نذریں ادا کرنا۔

یہ کلمۂ باقیہ لا الٰہ الا اللہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، یہی کلمہ ہے جو سارے قرآن میں پھیلا ہوا ہے یہی ہے جو ہر نبی کی زبان سے نکلا۔

روزہ | كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ | تم پر روزے فرض کیے گئے اسی طرح جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ "الذین من قبلکم" میں مقدم ہیں، جماعت انبیاء کے متبوع امام ہیں۔ ان سب نے روزے رکھے اور اسی طرح ہم کو روزے کا حکم ہوا۔

کیریکٹر | سیدنا ابراہیمؑ کی دعاؤں، عبادتوں اور وصفوں کے علاوہ قرآن مجید نے اُن کے تمام حالات بھی بیان فرما دیے، جو اُن کے بلند کیریکٹر کو ظاہر کرتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے اُسوۂ حسنہ یا مینارِ نور بننے والے تھے۔

مناظرہ ابراہیمی | مبلغینِ حق کے لیے دورانِ تبلیغ میں مناظرہ و مباحثہ کا موقع آجانا بھی ناگزیر ہے۔ اس میں عدل و دیانت کا قیام سخت مشکل ہے، ایک طرف ہٹ اور سخن پروری کا خطرہ ہے تو دوسری جانب فریق ثانی کی تحقیر و توہین کا اندیشہ۔ کسی مناظر کا ان دو مذموم عادتوں سے بچ نکلنا، خلوص، خشیت اور توفیق الٰہی کے بغیر ناممکن ہے[1]۔ اللہ تعالےٰ نے اس راہ کی دشواری کو آسان کرنے کے لیے ہمارے سامنے ابراہیمؑ کے دو مناظرے بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ عام طور پر مناظرہ کے دو ہی موقعے پیش آسکتے ہیں۔ (۱) جابر حکام و سلاطین کے سامنے (۲) عوام کے سامنے۔ خلیل اللہ پر یہ دونوں موقعے آئے دونوں موقعوں پر انہوں نے اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ ثابت کیا۔ حاکم کے سامنے دیانت سے زیادہ جرأت کی ضرورت ہے، یہ نظارہ سورۂ بقرہ کے تیسرے رکوع میں کھینچا گیا ہے، جہاں نبی صدیق نے قاہر اور کج بحث مخاطب کو اپنی پہلی دلیل کی طرف ملتفت نہ پاکر دوسری دلیل سے حیران بنا دیا، فبهت الذی کفر۔ کوئی لمبی بحث نہیں ہے، جو دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں تک طول کھینچتی جائے۔ فریق ثانی خدا کا منکر ہے، آپ اس کے متعلق صرف دو فقرے استعمال کرتے ہیں، (۱) رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ۔ وہ کہتا ہے، میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ آپ اس میں کوئی کھینچا تانی نہیں کرتے وہ آگے چل دیتے ہیں۔ (۲) إِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

---

[1] میں نے اپنی ساری عمر میں صرف خواجہ احمدالدین رضی اللہ عنہ کو صحیح معنوں میں مناظر دیکھا۔ ان میں نفسانیت نام کو نہیں تھی، جس بات کو صحیح سمجھ لیتے، اس کو قبول کرنے اور غلط کو ترک کرنے میں کبھی ہتک نہیں سمجھتے تھے۔ مخاطب ادنےٰ ہو یا اعلےٰ، اس کی توقیر و اعزاز میں کمی نہیں کرتے تھے۔ اللھم اغفر لہ ولنا یوم یقوم الحساب۔

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ، فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۔ انکا ری عظمت وجلال الٰہی کا یہ فقرہ سُن کر حیران رہ جاتا ہے اور بحث ختم ہو جاتی ہے ۔ ابراہیم اتنی بڑی فتح یابی کا کوئی ڈھنڈورا نہیں پیٹتے ۔ ایک فخریہ لفظ بھی زبان پر نہیں لاتے ، مخاطب کی تحقیر اُن کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتی ۔

―――― دوسرا مناظرہ قوم سے ہوتا ہے ، وہاں ایک ایک کرکے ان کے غروب ہونے والے خداؤں کی مجبوری و غلامی بیان کرکے لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ کے غیر فانی کلمہ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کے تبیقت افروز بیان پر بحث کو ختم کر دیتے ہیں ―――― اس کے بعد ان کے معبودوں کی بے چارگی اور درماندگی کو عملاً واضح کرنے کے لیے ، ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں ۔ یہ بھی ایک دلیل تھی اس بات کی ، وہ خدا نہیں جن کو ایک بندہ توڑ دے اور وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکے کوئی انتقام نہ لے سکیں ۔ اس کے جواب میں وہی ہوا جو سعدی نے کہا ہے ۔

چو حجت نماند جفا جوئے را
بہ پیکار در ہم کشند روئے را

انہوں نے ابراہیمؑ کو دعوے کے (أَرَادُوا بِهِ كَيْدًا) سے آگ میں ڈال دینے کا تہیہ کیا ۔ اس کام کے لیے ایک خاص عمارت بنوائی (ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا) ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ائمہ کفر و شرارت کو اُس کے نیچے ہی دبا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ، اور ابراہیمؑ کے وہاں پہنچنے تک آگ کو ٹھنڈی ہو جانے کا حکم دیا ۔

نتائج | ان دو مباحثوں میں ہمارے لیے کیا سبق ہیں ؟

۱۔ آپ اعلانِ حق پر نہ عوام سے ڈرے ، نہ بادشاہِ وقت کے رعب میں آئے ۔

۲۔ آپ نے بحث میں کوئی غیر متعلق بات نہیں کی ۔

۳۔ اپنی تعلی اور مخالف کی تحقیر سے پورا اجتناب کیا ۔

۴۔ دونوں جگہ بحث صرف توحید سے متعلق ہے ، دوسرے کسی مسئلہ کو اس قابل نہیں سمجھا کہ اس میں وقت صرف کیا جائے[لہ] ۔ جہاں تک میری تحقیق ہے ، قرآن میں ہر نبی کی بحث صرف توحید کے لیے ہے یہاں تک کہ ہمارے نبی کریمؐ کی دعوتِ مباہلہ کا مقصود بھی یہی تھا ۔

لہ ہمارے مناظرین وفاتِ مسیح ، عمر مرزا ، آخری فیصلہ ، امکان کذبِ باری ، مولودِ نبوی ، ماتم ، امام ، وراثتِ فدک ، سماعِ موتی ، طولِ لحیہ ، طرزِ لباس وغیرہ بے ہودہ مسائل پر لاکھوں روپے کا غذ ، سیاہی ، محنت اور وقت صرف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ابراہیمؑ کا پیرو کہتے ہیں ، گویا وہ بھی یونہی جھگڑا کرتے تھے اور کما کر کھاتے تھے ، نعوذ باللہ منہا ۔

پرائیویٹ لائف | اللہ تعالیٰ نے ہم کو آں حضرت کے خانگی حالات بھی بتلا دیے گھر کے اندر بیٹھ کر باپ سے جو بات ہوتی ہے، وہ بھی اختیارِ توحید و ترکِ شرک کے متعلق ہے:

قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً اِنِّيْ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝	ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر سے کہا "کیا تم پتھر کے بتوں کو معبود مانتے ہو؟ میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہے۔

مہمان آتے ہیں، تو فوراً ان کے لیے کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝	پھر ابراہیمؑ نے فوراً ایک بھنا ہوا بچھڑا لے لیا (اور مہمان کے سامنے رکھ دیا)

ان کی بیوی بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری پاکر متعجب ہوتی ہے اسے امرِ الٰہی پر تعجب سے روکا جاتا ہے، اور رحمت و برکت کی نوید دی جاتی ہے۔ ——— اتنا بڑا پیغمبر غیر متوقع واقعات سے بہ تقاضائے بشریت خائف بھی ہو جاتا ہے (اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً)

خوف کے دور ہونے اور بشارتِ پسر پانے پر قومِ لوط کے مجرموں کی حمایت میں اللہ تعالیٰ سے مجادلہ شروع کر دیتے ہیں، آج جو لوگ مسلمین اور صالحین پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں، وہ اپنے دل سے پوچھیں کیا وہ ابراہیمؑ کے پیرو ہیں یا آذر کے جس نے موحد بیٹے کو رجم کی دھمکی دی تھی؟

اپنی اولاد کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ خدایا، ان میں جو مومن ہوں، ان کو پھلوں سے رزق دے! مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پرستش سے بچا، لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر: یہ اور ایسے ہی اور حالات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ خلوت و جلوت میں یکساں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے۔ اور یہ!

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر مے کنند

ملتِ ابراہیمی کے سراسر خلاف اور بعد کی ایجاد ہے نعوذ باللہ منہا۔

خودکاری | سیدنا خلیلؑ اپنے کاموں میں کسی نوکر[1] وغیرہ کے محتاج نہ ہوتے تھے، نہ انہوں نے اپنی اولاد کی تربیت میں تعطل و نازنینی کو راہ دی تھی۔ انہوں نے اپنے مبارک ہاتھ سے کعبہ کی بنیادیں

---

[1] مردِ حق از خادم و مخدوم دور ‏ بے نیاز بندگی و خواجگی
در جہانِ آب و گِل دیدم جسیم ‏ امتیازِ بندگی و خواجگی

المؤلف

بلند کیں اور اپنے فرماں پذیر فرزند (اسماعیلؑ) کو اس محنت کے کام میں اپنے ساتھ شریک رکھا۔
(اذ یرفع ابراھیم) مہمانوں کے سامنے کھانے کا سامان لاکر خود رکھتے، (جاء بعجل حنیذ)۔

ایفائے عہد | مشرک اور موذی باپ کے حق میں مغفرت کی دعا مانگنے کا وعدہ کیا تھا، اس کو اس وقت تک نباہ دیا، جب تک کہ اس نے اپنے آپ کو شرک پر قربان نہ کر دیا۔

قوم سے علیحدگی | خلیل الہٰی نے دین کی خاطر اپنے باپ، قوم اور وطن سے ہجرت اختیار کی۔

وصیتِ اولاد | آخیر وقت اپنی اولاد کو اسلام پر قائم رہنے کی وصیت کی۔ اُن کے پاس سب سے بڑی دولت اور گراں بہا جائداد یہی تھی، آخر اس کے متعلق وصیت نہ کرتے، تو اور کس شے کے متعلق کرتے وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ ابراہیمؑ اور اُن کے اتباع میں یعقوبؑ نے بھی وصیت کی، اللہ نے تمہارے لئے دین پسند کیا ہے پس لازم ہے کہ تمہارا خا

مِلّتِ ابراہیمؑ کا دُوسرا حِصّہ

اُدھر سیرتِ خلیلؑ کا آفتاب عالم تاب، اور اِدھر محدُود فہم و بصیرت کے ساتھ ساتھ چند محدود صفحات، یہ کس طرح ممکن تھا کہ اُس کی تمام شعاعیں سمیٹ کر ان اوراق میں محصُور کر لی جائیں؟
بہرحال اسوۂ ابراہیمیؑ کے جو پہلو قلّتِ گنجائش کے باعث تشنۂ تشریح جارہے ہیں، مصنّف کی آرزُو ہے کہ ایک اور مفصّل مضمون کے ذریعے اُن کی وضاحت کر دی جائے۔ توقع ہے کہ البیان کی کسی آئندہ اشاعت میں "ملتِ ابراہیمؑ" کا دوسرا حصہ بھی شامل کر دیا جائے گا۔ وباللہ توفیق۔

سلہ اس کی تفصیل قسمات میں دیکھو۔

تتمۂ ملتِ ابراہیمؑ

تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ

رُوئے زمین پر قرآن کے سوا ایک بھی آسمانی کتاب ایسی نہیں جس نے تعلیم وارشاد کے ساتھ ساتھ اپنی خصوصیات اور امتیازی صفات کو کافی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہو۔ قرآن بغیر کسی ابہام وکنایہ کے پوری وضاحت کے ساتھ بار بار بتاتا ہے کہ "میں کیا ہوں؟ کہاں سے ہوا؟ میری غایت کیا ہے؟ میرا سینہ کن حقائق سرمدی سے معمور ہے؟" اس تفصیل کے لیے دفاتر درکار ہیں۔ سطورِ ذیل اسی بحر کا ایک قطرہ سمجھنا چاہیے۔

قرآن مفصّل ہے

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا

تو کیا میں اللہ کے سوا فیصلہ کرنے والا تلاش کروں، حالاں کہ اس نے تمہاری طرف واضح کتاب نازل فرمائی ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ

نصیحت حاصل کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے آیتیں کھول کھول کر بیان کردی ہیں۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

اور یقیناً ہم نے انہیں کتاب دی جسے ہم نے علم کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے۔

وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللّٰهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ۔

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ بنایا جاسکے بلکہ یہ اس کی تصدیق ہے، جو اس سے پہلے ہے اور کتاب کی تفصیل ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ

کتاب جس کی آیتیں پُرحکمت بنائی گئی ہیں، پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں، حکمت والے جاننے والے خدا کی طرف سے۔

قرآن میں سب کچھ واضح ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری ہے، جو ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرائے اختیار کیے، تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۔ | اور یقیناً ہم نے تمہاری طرف کھول کھول کر بیان کرنے والی آیتیں اتاری ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۔ | یہ قرآن اور کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ | اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔

قرآن فیصلہ کرنے والا کلام ہے | اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ | یہ یقیناً فیصلے کی بات ہے۔

قرآن ظنی چیز نہیں | ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ | یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا الخ | اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ | اتارا۔ اس کتاب کا اس میں کچھ شک نہیں۔

آسمان کے نیچے قرآن کے سوا کوئی الہامی کتاب ایسی موجود نہیں جو اپنی صفات سے بیان کرے، لیکن قرآن کے ماننے والوں نے قرآن پر تسلی نہ پاکر ایک بہت بڑا طویل و عریض مسودہ دین دیجا وضع کرلیا جس سے محمد رسول اللہ، جبرئیل امین اور خدا نے پاک کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے کتنا سچ کہا ہے:

ز ما بر صوفی و ملا سلامے | کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت | خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

قرآن کے ایک ایک حکم پر اپنی طرف سے بڑے بڑے اضافے کیے اور ان اضافوں کو خدا کی طرف منسوب کیا، اور سب سے پہلا اضافہ کرنے والا اس مقدس ہستی (صلعم) کو بنایا جس کے متعلق خود قرآن میں موجود ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۔ | اگر وہ ہم پر بعض باتیں افترا کے طور پر بنا لیتا، تو ہم ضرور اُسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے، پھر اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔

یہ بہت بڑا جرم تھا جس کی سزا ساری امت صدیوں سے بھگت رہی ہے۔ دھم لا یشعرون۔

قرآن اور احاطہ جزئیات | ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نہیں

لے صوفی و ملا کو ہمارا اسلام کہہ دو جنہوں نے ہمیں خدا کا پیغام بتایا، لیکن ان کی ایسی تاویل کی کہ خدا اور جبرئیل و مصطفےٰ صلعم بھی حیران رہ گئے ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔

چھوڑنا. مثلاً سلام کا طریق سکھاتا ہے:۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا

اور جب تم کو کسی دعا کے ساتھ دعا دی جائے. تو اس سے بہتر کے ساتھ دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ

جب تم گھروں میں داخل ہو، تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو۔

کھیت کی کٹائی کے دن مستحقین کو یاد رکھو۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا

اس کے پھل سے کھاؤ جب وہ پھل لائے اور اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق دو اور بے جا خرچ نہ کرو۔

ترازو پورا تولو۔ فضول بحث نہ کرو۔ زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

اور جب تم ماپو، تو ماپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو۔

کل جو کام کرنا ہو اس کے لیے بھی ان شاء اللہ ضرور کہو۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور کسی چیز کی نسبت یوں نہ کہو کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں، سوائے اس کے کہ اللہ چاہے؛

کسی کے گھر میں جانا چاہو تو پہلے اذن لو، پھر سلام کرو، اگر لوٹنے کو کہا جائے، واپس ہو جاؤ،

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا

اپنے گھروں کے سوا (دوسرے) گھروں میں داخل نہ ہو، یہاں تک کہ اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام کرو۔

لوگوں کے سامنے اپنے گال نہ پھلاؤ، نہ زمین میں اترا کر چلو. رفتار میں اعتدال اختیار کرو. بات کرتے وقت آواز کو ملائم و نرم رکھو

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا الخ

اور لوگوں کے سامنے متکبرانہ گال پھلاؤ اور زمین پر اکڑتا ہوا نہ چل الخ

کوئی قوم کسی قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ ایک دوسرے پر طعنہ نہ مارو. بُرے نام نہ رکھو، بدگمانی نہ کرو:

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ... وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ

جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادہ ہو جاؤ، تو کشادہ ہو جایا کرو ... بُرے نام نہ رکھو!

زیادہ قسمیں کھانے والے کا اعتبار نہ کرو۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ | اور تو کسی قسمیں کھانے والے ذلیل (آدمی) کی بات نہ مان۔

کپڑے ستھرے رکھو، پلیدی سے بچو، بدلہ چاہنے کے لیے احسان نہ کرو:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ | اپنے کپڑوں کو پاک کر اور ناپاکی سے دور رہ اور اس لیے احسان نہ کر کہ زیادہ ملے۔

یتیم کو نہ دباؤ، سائل کو نہ جھڑکو:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ | سو یتیم پر سختی نہ کر اور سائل کو نہ جھڑک۔

عزیزانِ من! دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس خدا نے اخلاق و اعمال کی چھوٹی چھوٹی باتیں اپنی کھلی وحی میں شامل کر دینا ضروری سمجھیں، کیا وہ نماز جیسی اہم چیز کی تفصیلات کو قرآن سے باہر رکھتا، اور ایسے دین کا بہت بڑا حصہ جو قرآن سے کئی گنا زیادہ ہے جس کے ماننے اور نہ ماننے پر فرقہ بندی کی جنگ روز بروز بڑھ رہی ہے، کیا خدا تعالیٰ کو بھول گیا؟ حدیث میں ہے:

"سب سے بڑا مجرم وہ مسلم ہے جس کے سوال کے سبب کوئی غیر حرام چیز حرام کی گئی۔ خدا نے چند فرائض و حدود مقرر فرما دیے ان کو ضائع و تجاوز نہ کرو، چند اشیاء حرام کیں، ان کی پردہ دری نہ کرو، چند چیزوں کو بیان نہ کر کے خاموش رہا، نہ نسیاناً، ان کے متعلق

پہلی امتوں نے دین میں اضافے کرکے اپنے اوپر تنگیاں ڈالیں، پھر ان کو نباہ نہ سکے اور دین کی حقیقت اور افادہ سے دُور ہو گئے۔ قرآن نے یہ دعا سکھائی:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ | اے ہمارے رب ہم پر (دنا فرمانی کا) بوجھ نہ ڈال، جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا، جو ہم سے پہلے تھے۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی دین میں اپنی طرف سے اضافے کرنے اور خواہ مخواہ مصیبتوں میں پھنسنے کا خبط ہو جائے۔

محمد رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ انسان اپنی نادانی سے جس غیر فطری اور مصنوعی دین کے بوجھ کے نیچے پِسا جا رہا ہے، اس کو آزادی نصیب ہو اور مختصر، قابلِ عمل دین ہمگام ہو جائے، چنانچہ فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ | اور اُن سے اُن کا بوجھ اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو اُن پر تھے

تاریخ فقہ اسلامی کے فاضل مؤلف اس حقیقت کو ذیل کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ا۔ تاریخ فقہ اسلامی۔

" قلت تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے، کیونکہ تکلیف کی کثرت میں مختلف قسم کی تنگیاں ہیں، جو شخص اوامر و نواہی کی تحقیقات کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا، اس کو اس عمل کی صحت کا یقین نہایت آسانی کے ساتھ ہو جائے گا، کیونکہ"

(۱) اولاً تو اُن کی تعداد نہایت کم ہے،

(۲) ثانیاً تھوڑی سی مدت میں اُن کا علم حاصل ہو سکتا ہے،

(۳) ثالثاً ان پر نہایت آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۴) ان میں اس کثرت سے تفصیل نہیں پائی جاتی کہ جو لوگ صرف قرآن مجید پر عمل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے تنگیاں پیدا ہوں۔

قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تسألوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسألوا عنھا حین ینزل القرآن تبد لکم عفا اللہ عنھا واللہ غفور حلیم قد سألھا قوم من قبلکم ثم اصبحوا بھا کافرین۔	مسلمانو! چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو، اگر وہ تم پر ظاہر ہو گئیں، تو تم کو مضر پہنچائیں گی، اگر تم نے اُن کے متعلق نزول قرآن کے وقت سوال کیا، تو وہ تم پر ظاہر ہو جائیں گی، خدا نے ان کو معاف کر دیا اور خدا بخشنے والا بُردبار ہے، تم سے پہلے ایک قوم نے اُن چیزوں کا سوال کیا، پھر ان کی منکر ہو گئی۔

یہ سوالات جن سے مسلمانوں کو منع کیا گیا، اُن چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں، جن کو خدا نے معاف کر دیا ہے، یعنی، ان کی حرمت سے خاموشی اختیار کی ہے۔ اس بنا پر ان کے متعلق ان کا سوال ان کی حرمت کا سبب ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرتے، تو وہ اسی طرح معاف رہتیں اور ان کو ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے متعلق جب یہ سوال کیا گیا

أفی کل عام	کیا وہ ہر سال فرض ہے

تو اس کے جواب میں آپ کا یہ ارشاد

لو قلت نعم لوجبت ذروني	اگر میں کہتا کہ ہاں، تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا

ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ مسائلھم واختلافھم علی انبیائھم	جب تک میں تم کو چھوڑ دوں، تم مجھے چھوڑ دو کیوں کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے، وہ اپنے کثرتِ سوالات اور اپنے انبیاء کی مخالفت سے ہلاک ہوئے۔

قرآن بھی خود اس حقیقت کو بار بار واضح کرتا ہے کہ تمہارا دین سمجھ اروں کا مجموعہ نہیں، جن کو حل کرنے کے لیے بڑے بڑے دفتروں کی ضرورت ہو۔ مشکلات کا بوجھ نہیں، جن کو عام انسانی زندگی برداشت نہ کر سکے۔ بلکہ سہل، آسان اور ہلکا پھلکا مذہب ہے۔ جو انسان کی ہر حالت میں مفید اور ممد ہے اور

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ	اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمہاری تنگی نہیں چاہتا۔
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا	اللہ کسی شخص پر مشقت نہیں ڈالتا، مگر جو اس کی طاقت ہو۔
مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ	اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

یہ آیات ہمارے کیا کہہ رہی ہیں اور ہمارے دارالعلوموں سے کیا آواز آ رہی ہے۔ میں نے ایک دفعہ علامہ اقبال کی صحبت میں جب کہ مشکلات و تفاصیلِ دین کا ذکر ہو رہا تھا، عرض کی کہ نواب محسن الملک نے رسالہ "تقلید و عمل بالحدیث" میں میں نے پڑھا ہے کہ نواب صاحب نے یا شاید کسی اور بزرگ نے رفع سبابہ (التحیات میں انگلی اٹھانے) سے متعلق قریباً ایک سو تصانیف دیکھی ہیں، جن کے مصنف بڑے بڑے امام و فقیہ و محدث و مفسر ہیں۔ کوئی اس انگلی اٹھانے کو کفر ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے، کوئی بدعت کی مختلف اقسام سے منسوب کرتا ہے، کوئی مباح کہتا ہے، کوئی اس کے بغیر نماز صحیح نہیں سمجھتا، وغیرہ ذالک من الخرافات۔

علامہ مرحوم نے فرمایا "۔۔۔۔۔ وزیر انگور والا ہور آئے، تو باتوں باتوں میں ایسا ہی تذکرہ چل نکلا۔ انہوں نے فرمایا، میں نے استنجا کے متعلق چار سو رسالہ دیکھا ہے، جن میں ہمارے بزرگوں نے اس "امرِ اہم" کے اصول و فروع اور اطراف و جوانب پر دل کھول کر بحث فرمائی ہے"۔

میں پوچھتا ہوں، کیا یہی دین ہے، جس کے نہ جاننے والوں کو جاہل کہا جاتا ہے اور نہ ماننے والوں کو کافر کے خطاب سے نوازا جاتا ہے؟

حقیقت | حقیقت صرف یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں آ چکا ہے، وہ کامل دین ہے اس سے باہر جو کچھ ہے،

اگر وہ صراحتاً قرآن، عقل اور تجربہ کے خلاف نہیں، تو اس کو جزو وحی سمجھتے ہوئے بھی ہم سر آنکھوں پر رکھیں گے؛ لیکن اس کے لیے جنگ آزمائی؛ کافرگری اور اس کو وحی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانا، حقیقی وحی کی جڑ پر کلہاڑا رکھنے کے مترادف ہے، جس کا ہولناک تجربہ صدیوں سے ہو رہا ہے۔ عوام اس معاملہ میں بڑی حد تک بے قصور ہیں۔ اللہ کے نزدیک اس کے جواب دہ علماء ہوں گے جنہوں نے قوم کو قرآن سے ہٹا کر بے شمار بے ہودہ مسائل میں پھنسا رکھا ہے:

یہ اُمت روایات میں کھو گئی!

حقیقت خرافات میں کھو گئی!

فہم قرآن کے متعلق چند اشارات

(۴)

(حضرت خواجہ احمد الدین صاحب علیہ الرحمۃ)

سامری کون تھا کتاب اوّل سلاطین باب ۱۶ درس ۲۴ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سمرون ایک پہاڑ کا نام تھا اور سمر نامی ایک شخص اس کا مالک تھا۔ اس پہاڑ پر جو شہر بسایا گیا تھا، اس کا نام بھی رکھا گیا تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر سمرون سے پہلے پہاڑ سمرون موجود تھا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس شہر کے آباد ہونے سے پہلے لوگ اپنا نام سمر بھی رکھتے تھے۔ بات یہ ہے تو کچھ تعجب نہیں کہ سمرون پہاڑ یا سمر نامی شخص سے تعلق رکھنے والے اشخاص سمرونی یا سمری یا سامری بھی کہلاتے ہوں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ پہاڑی لوگ عموماً بڑے توہم پرست ہوتے ہیں۔

عربی میں سامر فسانہ گو کو کہتے ہیں۔ یہ عربی لفظ کوئی نئے زمانہ کی ایجاد نہیں ہے بس سامری اس شخص کو کہیں گے، جو کسی فسانہ گو شخص سے نسبت رکھتا ہو اور اس کا مرید و معتقد ہو۔

ان ہر دو وجوہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سمرون پہاڑ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب وجوار میں رہنے والے یا فسانہ گوؤں کے معتقد اور مرید زمانۂ قدیم سے موجود چلے آتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں جو سامری تھا، وہ بھی اُن ہی توہم پرستوں میں سے تھا۔ بنی اسرائیل کو اسی نے گمراہ کیا اور ان سے گوسالہ پرستی کروائی۔

اندریں حالات پادریوں کا یہ اعتراض کہ "چوں کہ شہر سمرون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد آباد ہوا، اس لیے اُن کے وقت میں سمرونی یا سامری کسی طرح سے بھی نہیں پائے جا سکتے" سراپا باطل ہے۔ سامریوں کے علاقہ کو آج تک سامریہ کہتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سامری پہلے تھے اور سامریہ کو انہوں نے خود آباد کیا تھا۔

حضرت موسیٰ کا اعتکاف بلا شبہ رسولوں اور نبیوں کے واسطے سے وحی الٰہی دنیا میں پہنچتی

رہی ہے۔ وحی الٰہی کے علاوہ رسول و انبیاء اپنی بشری عقل سے بھی برابر کام لیتے رہے ہیں۔ یہ بشری علم و حکمت بھی خدا تعالیٰ ہی سب کو عطا کرتا رہتا ہے۔ مگر اس علم و حکمت کے کام وحی الٰہی کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ اس بشری علم و حکمت کا رسولوں اور غیر رسولوں میں اصولاً ایک ہی حکم ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت نے اپنے وقت کے نبی سے کہا، ہمارے لیے بادشاہ مقرر کر دے۔ نبی نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے اپنا استحقاق جتایا۔ نبی نے کہا، بادشاہی کے لیے علم و جسم یا یوں کہو کہ انتظام اور طاقت کی بڑی ضرورت ہے۔ خدا تعالیٰ نے طالوت کو ان صفات میں مصطفٰے یعنی چیدہ بنایا ہے۔ لحاصل خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کی موجودگی میں طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا، لیکن خود نبی کو بادشاہ نہ بنا دیا۔ اگر وہ نبی ان صفات میں طالوت سے بڑھ کر ہوتا، تو اسی دلیل سے ضرور تھا کہ خدا تعالیٰ اُسی کو بادشاہ بناتا۔ بہت سے نبی بادشاہ بھی ہوئے ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی و رسول کے لیے بہر صورت دوسرے لوگوں سے علم و جسم میں ضرور ہی بڑھا ہوا ہونا لازم نہیں۔

جب طالوت بادشاہ مقرر ہو گیا، تو یہ ضروری تھا کہ وہ وحی الٰہی کو اسی نبی سے حاصل کرے اور اس نبی کے لیے لازم تھا کہ طالوت کی بادشاہی میں خود اُس کا مطیع رہے۔ خدا پرستوں کا تو یہی طریق ہونا لازم ہے۔ خود پرستوں کے لیے اُن کے اہواء ہی سب کچھ ہیں۔

حضرت ہارون علیہ السلام بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول و نبی تھے، مگر اُن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی انتظامی قوت نہ تھی اور نہ قوم اُن کا ایسا رعب مانتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس رات کا وعدہ کیا، تو وہ قوم کا سرسری انتظام کر کے طور پر چلے گئے۔ انہوں نے جاتے وقت حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ رہو، اس کی اصلاح کرنا اور مفسدوں کے طریق پر نہ چلنا۔ ضرور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام کی نرم طبیعت کو جانتے ہوں گے، اس لیے لازم تھا کہ وہ اپنی قوم کا پختہ انتظام کر کے پہاڑ پر تشریف لے جاتے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے ماتحت دیگر با اثر

لے انکا کل خلافت پر بحث کرنے والوں کو اس پر غور کرنا چاہیے۔ (ایڈیٹر)

لوگوں کو بھی ذمہ دار ٹھہرا جاتے، مگر ان کو تو اعتکاف کی جلدی پڑی ہوئی تھی۔ یہ عجلت ایک بڑی بھاری غلطی تھی، جو خود اعتکاف میں بھی خلل انداز ہوئی تیس راتوں کی بجائے چالیس کردی گئیں۔ پھر چالیس دن کے لمبے عرصے کے بعد خدا تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام کو ان کی غلطی سے آگاہ کیا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هُمْ أُولَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا

اور اے موسیٰ تجھے تیری قوم سے کس چیز نے تعجیل کرائی؟ اس نے کہا، وہ یہ ہیں میرے پیچھے (یعنی میری قوم کچھ دور نہیں پاس ہی ہے اور ضرورت پڑے تو میں اُن میں جا سکتا ہوں) اور اے میرے پروردگار! میں نے تیری طرف جلدی کی کہ تو راضی ہو۔ اللہ نے فرمایا، سو تحقیق ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے ابتلا میں ڈال دیا اور سامری نے گمراہ کر دیا۔ سو موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ اور افسوس کی حالت میں لوٹا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ غصب اگرچہ اپنی قوم پر تھا، مگر ان کا یہ افسوس اور پچھتاوا بالضرور اپنی غلطی پر ہوگا۔ خدا تعالےٰ کو انتظام دیگر عبادات سے بھی زیادہ منظور ہے، کیونکہ اس پر ترقی کا دار و مدار بہت کچھ انحصار ہے۔

خدا تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ غلطی چالیس دن کے بعد بتلائی، جب کہ اس سے بڑے بھاری ضرر وقوع میں آچکے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسل و انبیاء کو بھی ہر ایک ضرر سے ضرور ہی بچا دینا خدا تعالےٰ نے اپنے ذمہ نہیں لے رکھا۔ انسان کو خود بھی محتاط رہنا اور اپنے غور و فکر سے کام لینا لازم ہے۔ ورنہ ضرر پہنچنے کا بھی احتمال ہے۔ خدا تعالےٰ کے ہاں نا جائز رعایت کسی کی نہیں کی جاتی۔

ہمارے علماء نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس غلطی سے چشم پوشی کر کے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے روزے میں مسواک کر کے اپنے منہ کی بدبو کو دور کر لیا تھا۔ اس سے خدا تعالےٰ نے ناراض ہو کر دس راتیں اور بڑھا دیں۔ یہ کسی طرح سے بھی قرآن پاک کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ قرآن پاک پر ایک فضول اور غیر معقول زیادت ہے۔ ہمارے علماء حضرت موسےٰ سے بھی ایک بڑے نبی پر روزہ میں دن پر اوپر سے مباشرت کر لینے اور زبان چوسنے کا بہتان لگاتے ہیں، مگر موسیٰ علیہ السلام کے لیے مسواک کر کے منہ کی بدبو دور کرنے کو بھی قابلِ مواخذہ سمجھتے ہیں۔

ع ، ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟

گوسالہ کس نے بنایا | یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ بچھڑا حضرت ہارون علیہ السلام نے بنایا، لیکن یہ غلط ہے۔ خدا تعالےٰ اس کی اصل حقیقت کو نہایت معقول طور پر واضح کرتا ہے۔

جب حضرت موسےٰ علیہ السلام کو دیر لگ گئی تو سامری کو باتیں بنانے کا موقعہ ملا۔ اُس نے قوم کو بہکایا اور چاہا کہ ایک گائے کا بچہ بنا کر اُن سے پُجوائے۔ قوم کا بڑا حصہ اس شریر لیڈر کے پیچھے لگ گیا۔ تب وہ اپنی قوم کے زیورات اکٹھے کرنے لگے۔ جب حضرت ہارون علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ لوگ اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے کر جلدی سے بچھڑا بنالیں گے، تو انہوں نے چاہا کہ زیورات اکٹھا کرنے کا کام اپنے ہاتھ میں لے کر دیر لگا دیں۔ تاکہ اسی اثنا میں موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور خود آکر انہیں ٹھیک کرلیں، چنانچہ انہوں نے اپنے لوگوں سے کہا کہ تم اس قوم کے زیورات کو جمع کرو۔ اگرچہ ہر طرح سے زیورات اکٹھے کرنے میں دیر لگائی گئی، مگر زیورات اکٹھے ہونے تک موسیٰ علیہ السلام نہ پہنچے، اور سامری نے گمراہ قوم کے تقاضے سے ان زیورات کو لے کر ایک بچھڑا بنایا۔ حضرت ہارون علیہ السلام مطلقاً اُن کے ساتھ نہ تھے، مگر گمراہوں کو یہ کہنے کا موقعہ مل گیا، کہ خود حضرت ہارون علیہ السلام کے حکم سے یہ کام ہوا تھا۔ غلط روایتیں اسی طرح پیدا ہو جاتی ہیں اور پھر وہ سچ پر بھی حکومت کرنا چاہتی ہیں۔

وہ بچھڑا کھوکھلا تھا اور اس طرح بنایا گیا تھا کہ جب اس میں ہوا کا کوئی جھونکا پہنچتا تھا، تو اس میں سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی۔ جہالت پسندوں پر اُسی بھاں بھاں کی آواز نے یہ اثر کیا، جو عصا اور ید بیضا اور طوفان و جراد و قمل و ضفادع و دم اور عبور بحر اور من و سلویٰ وغیرہ نے بھی نہیں کیا۔ انہوں نے اس کے مقابلہ میں اُن سب کو ہیچ سمجھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحقیقات | اس معاملہ میں چار فریق بن گئے تھے۔ ایک وہ لوگ تھے جنہوں نے گوسالہ پرستی کی۔ دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے زیورات اکٹھے کیے۔ تیسرے حضرت ہارون علیہ السلام تھے، جن کے تحت میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ چوتھا سامری تھا، جو اُن کے گمراہ کرنے کا اصل باعث تھا۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے پہلے اُن لوگوں کے اظہار لیے، جنہوں نے زیور اکٹھے کیے تھے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ   موسیٰ نے کہا اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے نیک وعدہ

وَعْدًا حَسَنًا ۚ أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ
الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ
عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ
فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝ قَالُوا
مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا
وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن
زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا
فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝
فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ
خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَ
إِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ
أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ
لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ
قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ
يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ
الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝
قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ
يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ۝ طٰہٰ ۱۲-۱۳

نہیں کیا تھا؟ پھر کیا تم پر مدت لمبی ہوگئی (یعنی دیر پڑ گئی)، یا کیا تم نے
یہ چاہا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو۔ سو تم
نے میرے عہد کی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے کہا، ہم نے تیرے
وعدے کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی، بلکہ ہم سے
(حکماً)، اس قوم (بنی اسرائیل) کے زیورات اٹھوائے گئے سو
ہم نے اُن کو لا پھینکا۔ پھر اس طرح سامری نے (بچھڑا ڈھالنے
کے لیے انہیں) ڈالا۔ سو اُس نے اُن کے لیے ایک بچھڑا نکالا، جو
صرف ایک ڈھانچ ہے، جس کے لیے بھاں بھاں کی آواز ہے۔
پھر وہ سب کہنے لگے۔ یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔
(پھرتا) ہے۔ پھر کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ یہ
کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے لیے کسی ضرر
اختیار رکھتا ہے اور ہارون نے ان کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے
میری قوم! سوائے اس کے نہیں کہ تم اس بچھڑے کے ساتھ فتنہ
میں پڑ گئے ہو اور سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا پروردگار تو رحمٰن
ہے، سو میری چال چلو اور میرے حکم کو مانو۔ وہ بولے کہ ہم اس
پر معتکف رہیں گے، جب تک موسیٰ ہماری طرف نہ لوٹے۔ (ان
کا خیال تھا کہ موسیٰ کہیں پہاڑ میں راستہ بھول کر مر کھپ
چکا ہے)

اس اظہار سے موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ زیور اکٹھا کرنے والے مجبور تھے۔ انہوں نے یہ کام حکماً کیا ہے۔ اب انہیں خیال گذرا کہ ہارون علیہ السلام نے ایسا حکم کیوں دیا؟ کیا وہ منع کرنے کے بعد نافرمانی میں پھنس گیا؟ چنانچہ ان کو جواب دہی کے لیے بلایا، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ
ضَلُّوا ۝ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ۝
قَالَ يَا ابْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا

موسیٰ نے کہا اے ہارون! جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا، تو
تجھے میری اطاعت سے کس بات نے روکا۔ پھر کیا تو میرے
حکم کا نافرمان ہو گیا؟ ہارون نے کہا اے میری ماں جائے! مجھے

بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ	میری داڑھی اور میرے سر سے مت پکڑ۔ بالتحقیق میں نے اس
فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ	بات کا خوف کیا کہ مبادا تو مجھے یہ کہے کہ تو نے بنی اسرائیل میں
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۔ ۱۶/۱۲	تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا خیال نہ رکھا؛

حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر جاتے ہوئے حضرت ہارون علیہ السلام سے کہہ گئے تھے کہ میری قوم میں میری نیابت کیجیو، اصلاح کرتے رہیو اور مفسدوں کے طریق پر نہ چلیو۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو وہ قول یاد دلایا اور کہا، میں نے جو کچھ کیا ہے محض نیک نیتی سے کیا ہے۔
سورہ اعراف (۹/۸) میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو سر سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا، تو انہوں نے کہا اے میری ماں جائے! اس قوم نے مجھے کمزور جانا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دالیں۔ سو تو مجھ سے ایسا سلوک کر کے، دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ دے اور مجھے ظالم قوم کے ساتھ مت گردان۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر، اور تو ارحم الراحمین ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام گوسالہ پرستوں کے ساتھ ہرگز نہ تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا مجبوری سے کیا اور نیک نیتی کے ساتھ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے عذر کو معقول سمجھ کر ان کے لیے اور اپنے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر سامری کو طلب کیا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ	موسیٰ نے کہا، اے سامری! پھر تیرا کیا معاملہ ہے، اُس نے کہا، مجھے
قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا	اُس بات کی بصیرت ملی ہے جس کی بصیرت اُن کو حاصل نہیں ہوئی
بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ	(یعنی میں نے تم دونوں یعنی موسیٰ و ہارون کا وہ درجہ دیکھا ہے، جو ان
اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ	لوگوں نے نہیں دیکھا) پس میں نے اس رسول (یعنی ہارون) کے نشان
كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۔ ۱۶/۱۲	قدم سے ایک مٹھی بھر لی، پھر اُسے ڈال دیا (مطلب یہ کہ میں اس طرح

سے تمہاری خاکِ پاکی پوجا کراتا اور تمہاری برکت دکھلانا چاہتا ہوں) اور میرے جی کو ایسا ہی بھلا لگا؛
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالےٰ کے بتلانے سے سامری کا بنی اسرائیل کو گمراہ کرنا، پہلے سے ہی معلوم تھا۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اس وقت سامری سے سوال کرنے سے مقصود صرف یہ تھا کہ اُس کو قائل کر کے اُس کی شرارت لوگوں پر کھول دی جائے اور اس کے ارتکاب جرم کا باعث معلوم کیا جائے۔ جب اُس کی اس درجہ کی توہمات پرستی ظاہر ہوئی، تو اُسے فرمایا، جا تو چھوت چھات کا بانی ہوگا اور لوگوں

کے سائے سے ڈرتا رہے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تیری اس توہمات پرستی کا نتیجہ ہوگا کہ گوسالہ پرست آج تک سایوں سے ڈرتے ہیں اور چھوت سے خائف ہو کر کبھی دائیں اور کبھی بائیں کودتے پھاندتے پھرتے ہیں، اور جب کسی کو دیکھتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ لَا مِسَاس، یعنی چھونا نہیں۔ اُن کے لیے یہ تو دنیا میں مصیبت ہے اور موت کے بعد جو وعید ہے، وہ تو ٹلنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي	موسیٰ نے (سامری کو) کہا، سو جا پس تیرے لیے زندگی میں یہ (مصیبت)
الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ	ہے کہ تو کہا کرے گا، چھونا نہیں، اور بلاشبہ تیرے لیے
وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ	جس سے تو ٹل نہیں سکے گا۔

یہ چونکہ سامری نے بچھڑے میں رسول کی خاکِ پا کی برکت کا دعویٰ کیا تھا، اس لیے اس برکت کو مٹانے کے لیے فرمایا:

وَانْظُرْ إِلٰى إِلٰهِكَ الَّذِي	اور (اے سامری!) تو اپنے اس معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف رہا
ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهُ	ہے۔ ہم اسے جلا کر رسول کے پاؤں کی مٹی کے ساتھ ہی راکھ کر دیں گے،
ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝	پھر اسے دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے۔ سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا معبود
إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي	اللہ ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں، جس کا علم ہر شے پر حاوی
لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝	ہے (پس کسی کی خاکِ پا اور بچھڑا کیا حقیقت رکھتے ہیں)

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ سامری نے عبورِ بحر کے وقت جبرئیل کی گھوڑی کے پاؤں کی مٹی لے کر رکھ چھوڑی تھی، اُس کی برکت سے بچھڑا بولنے لگا۔ ایسی کسی بات کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ عجائب پرستی کی خاطر بلا کسی معقول ضرورت کے ایسی دور از کار باتوں کو قرآن پاک میں ملانا قرآن حکیم کی تفسیر و تفصیل نہیں ہے، بلکہ خدائے حکیم کے کلام کی دانستہ یا نادانستہ ہتک کرنا ہے۔

ہمارے علماء بتقلید یہود و نصاریٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے از راہِ مکر و فریب فرعونیوں سے اُن کے سونے چاندی کے زیور عاریتاً مانگے تھے۔ پھر وہ انہیں لے کر چپکے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا (۷) کے صاف معنے یہ ہیں کہ موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کی عدم موجودگی میں اپنے زیوروں سے بچھڑا بنایا۔ جس قوم کے زیورات اُس وقت جمع کیے تھے، وہ سوائے بنی اسرائیل کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ غریب بنی اسرائیل کے پاس سونے چاندی کے زیور نہ تھے۔ اُن کے زیور ایسی کچی دھاتوں کے تھے، جو تیز آنچ سے راکھ ہو جاتی ہیں۔

جیسا کہ لَّعَلِّیْ فِتْنَۃٌ سے صاف واضح ہوتا ہے۔ اگر بچھڑا سونے چاندی سے بنا ہوتا، تو بنی اسرائیل تائب ہو کر اپنے بچھڑے کو توڑ پھوڑ کر یا پگھلا کر حاجت مندوں کو پہنچا سکتے تھے۔ سونے چاندی کو اس طرح سے اُڑا دینا ٹھیک نہیں۔

گوسالہ پرستوں کا انجام گوسالہ پرستی کے مقدمہ میں اوپر چار فریقوں کا ذکر آیا ہے۔ اُن میں سے تین فریقوں کا فیصلہ پہلے بیان ہو چکا۔ اب گوسالہ پرستوں کا حال سُنیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے متعلق یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالیں، مگر چوں کہ اس سے دینی جبر لازم آتا تھا، اس لیے جب موسیٰ علیہ السلام نے ایسا حکم دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا۔ نبیوں کے حکموں کو خدا تعالیٰ توڑ سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکموں کو ٹالنے والا کوئی نہیں (وَاللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ ۱۳)۔ بنی اسرائیل جن کی شفاعت پر ناز کرتے تھے، اُن کی طرف سے اُن کے قتل کا فتویٰ صادر ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی بچانے والا نکلتا ہے، تو وہی خدا نکلتا ہے جس سے وہ روگرداں تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ o پ	"اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا تھا میری قوم! تم نے بچھڑے کو پکڑ کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ سو اپنے خالق کی طرف توبہ کرو اور اپنی جانوں کو قتل کرو۔ یہ تمہارے لیے تمہارے خالق کے حضور اچھی بات ہے تو خدا نے تم پر مہربانی سے رجوع کیا۔ بلا شبہ خدا توّاب و رحیم ہے"

اس سے پہلے انہی گوسالہ پرستوں کے متعلق فرمایا ہے:

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ o ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ o	"اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پکڑا، اور تم ظالم تھے۔ پھر ہم نے اس ظلم کے بعد تم کو معاف کر دیا، تا کہ تم شکر کرو"

اب کیا قتل کرنے کو معاف کرنا کہتے ہیں؟ یا کیا قتل ہونے کے بعد شکر کرنے کے

عمل کرنے کا کوئی موقعہ رہتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسٰى سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿﴾ — پھر انہوں نے بیّنات کے آنے کے بعد بچھڑے کو پکڑا۔ سو ہم نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰ کو صریح غلبہ (یا دباؤ) دیا تھا۔

صاحبان! اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ہم نے ان کے اس قصور سے درگذر کیا۔ مگر ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ گوسالہ پرست قتل کئے گئے تھے کیا یہ ان کا نام قرآن مجید کی تفسیر ہے اور کیا ایسی ہی تفسیروں کا نام ہے؟ پناہ بخدا!

(باقی)

مفید کتابیں

خاتم النبیین — قرآن مجید کے دس دلائل سے ختم نبوت کا مسئلہ حل کیا گیا ہے۔ اتنی معقولیت، متانت اور پاکیزگی کے ساتھ اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کر کے یقیناً خوش ہوں گے۔ ۵ کا ٹکٹ بھیج کر طلب کیجئے۔

برہان القرآن — یہ کتاب ان تحریری مباحث پر مشتمل ہے، جو مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مدیر اہل حدیث اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحبؒ کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے خطا مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر

اسلام اور حریت و مساوات — اس موضوع پر جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے اور جناب میرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ۔ قابل مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ دفتر امت مسلمہ امرتسر

قرآن کریم اور کتب سابقہ

جناب خان محمد یوسف سلیم خان صاحب چشتی بی اے (آنرز)

انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو خالق کائنات ہے، اس کی جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی پرداخت کا سامان بھی مہیا کیا۔ مختلف زبانوں میں، مختلف ممالک میں انبیاء مبعوث فرمائے جنہوں نے اس کا پیغام بندوں کو سنایا اور روحانی ترقی کا راستہ دکھایا۔ جب بنی نوع آدم میں دماغی استعداد کافی پیدا ہو گئی تو اس نے حضرت فخر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کامل ہدایت نازل فرما دی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ اے لوگو! آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی، اور میں نے دین اسلام تمہارے لیے پسند کیا ہے۔

چوں کہ دین کامل ہو چکا اور نعمت تمام ہو چکی اور اسلام خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کافی ہے، اس لیے ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کا آخری پیغام یعنی خاتم الکتب ہے اور آں حضرت صلعم آخری نبی یعنی خاتم النبیین ہیں۔ پیغامبر کی ضرورت، پیغام رسانی کے لیے ہوتی ہے۔ جب قرآن مجید کے بعد کوئی پیغام نہیں، تو منطقی طور پر واضح ہو گیا کہ آں حضرت صلعم کے بعد کوئی پیغمبر بھی نہیں۔ آپ کے بعد جزوی نبوت، خواہ وہ ظلی ہو یا بروزی، تشریعی ہو یا غیر تشریعی، لغوی ہو یا مجازی بلاشبہ کاذب اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ اب صرف قرآن مجید بنی نوع آدم کی رہنمائی کے لیے من جانب اللہ مقرر ہو چکا ہے اور اقلیم ہدایت میں اب صرف اُسی کا سکہ رواں ہے، فطرت کے اصولوں پر غور کرنے سے بھی مل سکتا ہے اور ان کی شہادت اس قدر زبردست ہے کہ عقل کو مجال انکار نہیں۔

عالم جسمانیت میں فطرت کا یہ ابتدا سے قاعدہ ہے کہ جو شے فائدہ رسانی کی صفت سے عاری ہو جاتی ہے، یا جب کسی شے میں فائدہ رسانی کا خاصہ باقی نہیں رہتا، تو فطرت اُسے

حیاتِ انسانی کے نظام سے خارج کردیتی ہے اور نئی چیز اُس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اکثر حالتوں میں تو وہ شے صفحۂ ہستی سے ہٹ جاتی ہے اور بعض حالتوں میں اس کا وجود ظاہری باقی رہتا ہے لیکن اس صورت میں اُس پر فنا کا اطلاق وارد ہوجاتا ہے۔

درخت کو لیجیے۔ جب تک اس میں پھل لانے یعنی فائدہ پہنچانے کی خاصیت باقی رہتی ہے وہ معتدل حالات میں سرسبز رہتا ہے، بشرطیکہ کوئی خارجی یا داخلی مانع پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن جب اس میں یہ صفت باقی نہیں رہتی، تو یا تو وہ خود سوکھ جاتا ہے، یا لوگ اُسے کاٹ کر پھینک دیتے ہیں اور اُس کی جگہ دوسرا پودا لگا دیتے ہیں یا صحرا میں فطرت خود نیا پودا اگا دیتی ہے۔

پھل کی طرف غور کیجیے، جب تک وہ کھانے کے لائق رہتا ہے، شاخ پر لگا رہتا ہے لیکن جب اُس کی پختگی پر ایک معینہ عرصہ گذر چکتا ہے، تو وہ زمین پر گر پڑتا ہے۔ یہ اُس کی آخری تنبیہ ہے، یعنی اگر افتادگی کے بعد کچھ عرصہ اُسے زمین پر گذر جائے، تو وہ کھانے کے قابل نہیں رہتا اور صفحۂ ہستی سے ہٹ جاتا ہے۔ اُس کی جگہ فطرت نیا پھل پیدا کر دیتی ہے۔

پھول کی طرف دیکھیے، جب تک اُس میں شانِ افادیت یعنی خوشبو باقی ہے، شاخ پر لگا رہتا ہے، جب خوشبو بالکل باقی نہ رہے، یعنی مُردہ ہو جاتا ہے، تو زمین پر گر پڑتا ہے اور معدوم ہوجاتا ہے اور اس کی جگہ نیا پھول نکل آتا ہے۔

جو چیزیں ابتدائے آفرینش سے آج تک قائم ہیں، اُن کے قیام کی اصلی اور حقیقی وجہ یہی ہے کہ شانِ افادیت ابھی تک ان میں باقی ہے۔ مثلاً آفتاب کہ حرارت کا ذخیرہ ہنوز اس کے اندر موجود ہے اور جب اُس کے خواص زائل ہو جائیں گے، تو وہ بھی معدوم ہو جائے گا اور چونکہ حیاتِ ارضی کا سارا نظام اسی پر مبنی ہے، اس لیے یہ تمام کارخانۂ عالم بھی درہم برہم ہوجائے گا چنانچہ آیۂ قرآنی "اذا الشمس کورت" (جب آفتاب بے نور ہو جائے گا) میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جب تک تورات اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہی، اُس میں فائدہ رسانی کی خاصیت باقی رہی یعنی، لوگ اُس سے ہدایت حاصل کرتے رہے، لیکن جب زمانہ کی

دست بردکی وجہ سے اس کی خاصیت زائل ہوگئی، تو جس طرح بے کار درخت کی جگہ فطرت دوسرا درخت اُگا دیتی ہے، خدا نے تورات کی جگہ زبور نازل فرمائی اور جب یہ کتاب بھی متغیر و مبتدل ہوگئی تو اس کی جگہ انجیل نے لے لی جب انجیل بھی محرّف و مبتدل ہوکر، اپنی شان افادیت کھو بیٹھی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی جگہ قرآن مجید کو انسانوں کی رہنمائی کے لیے نازل فرما دیا۔

چوں کہ یہ کتاب بجنسہ موجود ہے۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے، اس لیے آفتاب کی طرح آج بھی تمام دنیا کو فائدہ پہنچا سکتی ہے، بشرطیکہ آپ اُس کے نور سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

اس بات کے ثبوت میں کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے، میں ایک غیر مسلم محقق وان کریمر کا (جو ایک مشہور جرمن مستشرق تھا) قول پیش کرنا کافی سمجھتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے:

> "ہم قرآن کو بالکل اسی طرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ یقین کرتے ہیں۔ جس طرح مسلمان اُسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں۔
>
> یعنی فرق اگر ہے، تو اس بات میں کہ ہم اُسے خدا کا کلام نہیں مانتے، ورنہ صحت متن کے لحاظ سے ہم مسلمانوں سے بالکل متفق ہیں۔"

سر ولیم میور لکھتا ہے:

> "آسمان کے نیچے قرآن کے علاوہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں جس کا متن گذشتہ بارہ سو سال سے اس درجہ صحیح اور خالص رہا ہو" (لائف آف محمد مطبوعہ لندن ۱۸۵۸ء)

اب چوں کہ قرآن مجید بجنسہ موجود ہے اور اس میں ایک شوشہ کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اس لیے اس کی اصلیت و حقیقت میں کوئی فرق نہیں آیا اور یہی وجہ ہے کہ اس میں فائدہ رسانی کی صفت بھی بدستور باقی ہے، اور چوں کہ یہ صفت ابھی باقی ہے، اس لیے اس کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں بلکہ مطالعہ سے کتب سابقہ کے منسوخ ہو جانے کی ایک اور دلیل بھی یہیں ملتی ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ اور جس قدر کتابیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں، وہ ایسی زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں، جو مردہ ہو چکی ہیں، اس لیے ان کا پیغام بھی مردہ ہو چکا ہے۔

ویدوں کی سنسکرت، دھمپد کی پالی، استا کی ژند یا پہلوی، توریت کی عبرانی، زبور کی سریانی، صابی مذہب کی کلدانی، انجیلوں کی یونانی، یہ سب زبانیں مُردہ ہو چکی ہیں۔ صرف ایک عربی زبان زندہ ہے، جو آج بھی بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اور اس کے کسی لفظ یا آیت کے معنے متعین کرنے میں کسی قسم کی دشواری پیش نہیں آسکتی، لیکن دیگر کتب اس خوبی سے عاری ہو چکی ہیں۔ مثال کے طور پر ویدوں کو لے لیجئے۔ آج وید منتروں کے معنے سناتن دھرمی کچھ کرتے ہیں آریہ سماجی کچھ کرتے ہیں اور مغربی محققین کچھ کرتے ہیں، چوں کہ یہ زبان مُردہ ہو چکی ہے، اس لیے اب کسی منتر کے معنے متعین قرار دینے کا کوئی معیار ہندوؤں کے پاس نہیں ہے۔

علاوہ ازیں وید، اوستا، دھمپد، توریت، گیتا، زبور اور انجیل کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم تحریف سے پاک ہوں اور ہمیشہ پاک رہوں گی۔ ان کتب کے مقابلہ میں قرآن مجید کے دعوے پر غور کیجیے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ ہم نے یہ ذکر نازل فرمایا ہے اور بے شک ہم خود اس کے محافظ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔ قرآن مجید نے دو دعوے کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا متن ہر تغیر زمانہ سے محفوظ رہے گا، دوسرا یہ کہ اس میں کسی قسم کی تحریف نہ ہو سکے گی۔ پہلے دعوے کا ثبوت اوپر بیان ہو چکا ہے، خود غیر مسلموں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جسے بانیٔ اسلامؐ نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، متی کی انجیل کے متعلق کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ وہی انجیل ہے جسے متی نے لکھا تھا۔ کیوں کہ خود عیسائیوں کو اعتراف ہے کہ متی کی انجیل عبرانی زبان میں تھی اور اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ موجودہ ترجمہ فی الحقیقت اُس عبرانی نسخہ ہی کا ترجمہ ہے۔ دوسرے دعوے کے ثبوت میں ہم گزشتہ تیرہ سو سال کے حفاظ کی مجموعی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔

دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ اور کوئی کتاب ایسی نہیں جسے اُس مذہب کے پیروؤں نے حفظ یاد کیا ہو، لیکن قرآن کے حافظ ابتدا سے لے کر آج تک ہر ملک میں پائے جاتے رہے ہیں۔ اس کا ایک نمایاں فائدہ یہ ہوا ہے کہ تحریف تو درکنار، کتابت کی غلطی بھی متن میں راہ نہ پا سکی۔

گریسباخ نے جو ایک مشہور جرمن فاضل گذرا ہے، انجیل کے قلمی نسخوں کا باہم مقابلہ کرکے دیکھا، تو اس نے تین لاکھ سے زیادہ لفظی اختلافات شمار کیے، لیکن قرآن مجید کے کسی نسخہ میں آج تک زیر یا زبر تک کا اختلاف نہیں پایا گیا۔ اور جس قدر قدیم نسخے آج موجود ہیں، سب یکساں ہیں، کسی میں کوئی اختلاف موجود نہیں ہے۔

قرآن مجید کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔ وید، ژند، دھمپد، اُستا، توریت اور زبور، ان کتابوں کا تو نام ہی باقی رہ گیا ہے، کیوں کہ یہ کتب اپنے پیرووں کی زندگیوں سے عملاً خارج ہو چکی ہیں۔ ہزارہا ہندوؤں میں سے شاید ایک ہندو بھی روزانہ یا ہفتہ وار وید کی تلاوت نہیں کرتا بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ ہزاروں میں سے ایک ہندو بھی مدۃ العمر میں وید کے درشن نہیں کرتا، یہی حال دوسرے مذاہب کا ہے۔ اگر قرآن مجید کے مقابلہ میں کسی کتاب کا نام لیا جاسکتا ہے، تو وہ انجیل ہے، لیکن یہ کتاب بھی آٹھویں دن صرف گرجوں میں پڑھی جاتی ہے اور عامۃ النصاریٰ کی نظر میں پادری ہی کا پڑھ لینا کافی ہے۔ اس کے برخلاف قرآن مجید ہر روز پانچ مرتبہ پنجگانہ نمازوں میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ ہزارہا مسلمان باقاعدہ صبح کے وقت اس کی تلاوت کرتے ہیں اور الہامی زبان میں جس کی وجہ سے اس کی صحت متن میں کسی قسم کی تحریف راہ نہیں پا سکتی۔

اگرچہ دیگر کتابیں محرف و مبدل ہو چکی ہیں، لیکن ان کے موجودہ تراجم اگر آج ضائع ہو جائیں، تو دوبارہ ان کے صحیح لکھے جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے خلاف اگر قرآن کے تمام نسخے غائب ہو جائیں، تو مسلمانوں کو مطلق تشویش نہ ہوگی، کیوں کہ قرآن مجید کاغذوں کے علاوہ حفاظ کے دلوں پر بھی لکھا ہوا ہے۔

یہ وہ خصوصیات ہیں، جو آج قرآن مجید کے علاوہ کسی اور الہامی کتاب میں موجود نہیں ہیں، اس لیے قرآن مجید کے پیغام پر توجہ دینا ہر دانش مند انسان کا فرض اولین ہے۔

قرآن مجید کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ قصہ کہانی کی کتاب ہے۔ نہ کسی خاص قوم کی تاریخ ہے۔ نہ کسی خاص شخص کی سوانح عمری ہے، نہ محض مجموعۂ اقوال و اوراد ہے، بلکہ نوع آدم کے لیے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔

(۱) ویدوں میں ایک خاص قوم کا ذکر ہے، جو پہلے وسط ایشیا میں بستی تھی، پھر ہندوستان میں آکر آباد ہوگئی۔ اوّل سے آخر تک اسی قوم کے حالات، رسوم اور عبادات کا تذکرہ ہے۔

(ب) اسی طرح عہد عتیق میں ایک اور قوم کی داستان ہے، جو ملک شام میں رہتی تھی، اور تمام کتاب اسی کے عروج و زوال کے تذکرہ سے لبریز ہے۔

(ج) عہد جدید ایک خاص شخص کے سوانح حیات پر مشتمل ہے، جس میں خصوصیت کے ساتھ اس کے بعض شاگردوں کے خطوط بھی جمع کر دیے گئے ہیں۔

(د) ژنداوستا میں ایک تیسری قوم کی تاریخ، عادات و رسوم کا بیان ہے، جو ایران میں رہتی تھی اور آفتاب پرستی کرتی تھی۔

قرآن مجید کسی خاص قوم سے مختص نہیں، بلکہ اس میں بنی نوع آدم کو مخاطب کیا گیا۔ یہود، مجوس، نصاریٰ، صابی اور مشرکین سب کو ایک مرکزی نقطہ پر جمع کر کے راہ ہدایت اور انسانیت کے عروج کو نصب العین بناتا ہے۔ اس میں بعض اقوام کے حالات گئے ہیں، لیکن ضمناً اور مقصد اس سے یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو عبرت دلائی جائے مقصد داستان گوئی نہیں، بلکہ فرد اور جماعت دونوں کی تربیت کرنا۔ الغرض قرآن مجید بقول علامہ اقبالؒ ایک اخلاقی نصب العین بھی پیش کرتا ہے اور ایک مکمل معاشرتی نظام بھی۔

خداتعالےٰ کے اس آخری پیغام کی چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے، انہیں عقلی دلائل سے مبرہن کرتا ہے۔ کوئی ایسا عقیدہ پیش نہیں کرتا جسے عقلاً درست اور صحیح ثابت نہ کرتا ہو۔ تمام ویدوں کو پڑھ جائیے، خدا کی ہستی پر کوئی عقلی دلیل نظر نہیں آ سکتی۔ اس کے بعد خدا کی توحید ہے، لیکن اس کے اثبات میں بھی آپ وید کا کوئی منتر پیش نہیں کر سکتے۔ یہی حال بائبل کا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ وید اور بائبل میں خدا کی ہستی اور وحدانیت پر کوئی دلیل نہیں دی گئی ان کتابوں سے اس کی وحدانیت ثابت بھی نہیں ہے، چنانچہ وید میں اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ خدا ایک ہے تو چار جگہ یہ لکھا ہے کہ خدا ۱۱×۳ - ۳۳ ہیں۔ بائبل میں اگر ایک جگہ یہ لکھا ہے کہ خدا ایک ہے، تو دس جگہ یسوع کو بھی خدا لکھا ہے۔ غرض توحید اور شرک دونوں کی تعلیم پہلو بہ پہلو ہے۔

بدھ مذہب اور جین مذہب میں تو خدا کی ہستی بھی ثابت نہیں ہے۔ تمام کتاب اوّل سے آخر تک پڑھ جائیے خدا کا لفظ نظر نہیں آتا، لیکن قرآن مجید کا کوئی صفحہ ایسا نہیں، جس میں خداتعالےٰ

کا ذکر نہ ہو۔

الغرض بخلاف دوسری کتابوں کے قرآن مجید ذکر اور فکر دونوں کا جامع ہے، یعنی الہام ربانی کو عقلِ انسانی کی روشنی میں ثابت کرتا ہے جس سے دل کو تسلی حاصل ہوتی ہے، مثلاً كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ قرآن مجید خدا پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے، تو متعدد دلائل اس کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ توحید پر کس قدر مختصر مگر تسلی بخش دلیل بیان کی گئی ہے۔

اس پیغام کی ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ اپنی تفصیل اور تشریح مطالب میں نہ کسی انسان کا محتاج ہے، نہ کسی اور کتاب کا۔ نیز ہر بات کو سادہ اور دل نشین انداز میں پیش کرتا ہے، جسے بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید عامی اور عالم دونوں کے لیے کافی ہے۔ لیکن اس کے خلاف جب تک ویدوں کی شرح کسی پنڈت سے نہ پڑھی جائے۔ اس کے مطالب، بچہ تو کیا لکھے پڑھے آدمی کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتے۔ انجیل کی تعلیمات مثلاً تثلیث، تجسم، کفارہ وغیرہ اولاً اس کتاب میں بالصراحت مذکور نہیں، دوسرے نہایت پیچیدہ اور خلافِ عقل باتیں ہیں۔ تیسرے یہ تینوں لفظ انجیل میں نہیں ملتے۔ خود عیسائی علماء یہ کہتے ہیں کہ ان باتوں کے متعلق انجیل میں صرف اشارے پائے جاتے ہیں۔

جس طرح تناسخ کا عقیدہ، روح کی قدامت کا عقیدہ، تجسم کا عقیدہ اور حرمتِ بقر یعنی گاؤ پرستی کا عقیدہ ویدوں میں صاف طور سے کہیں مرقوم نہیں، اسی طرح یہ عقیدہ کہ باپ اور بیٹا دونوں بلحاظ الوہیت یکساں اور بلحاظ مرتبہ ایک دوسرے کے برابر ہیں، انجیل میں صاف طور سے مرقوم نہیں۔ ان باتوں کے لیے دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہندو اور عیسائی مذہب کے اصولوں کو ان مذاہب کی الہامی کتابوں سے ثابت نہیں کرسکتے۔

اس کے خلاف قرآن مجید میں یہی نہیں کہ (MYSTERIES) یعنی خلافِ عقل امور کی تعلیم نہیں ہے بلکہ جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے وہ نہایت صفائی کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں، یعنی مذہب اسلام میں جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ سب قرآن مجید میں موجود ہیں ہم کسی کسی اور کتاب کے محتاج نہیں ہیں۔

قرآن مجید کی آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ اس کا پیغام فرد اور جماعت دونوں کی زندگی پر پورے

طور سے عادی ہے۔ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں کامل رہنمائی کرسکتا ہے۔ وید، بائبل، گیتا کا مطالعہ کیجئے، چند دعائیں، چند رسوم، اور چند روایات اور چند مواعظ کے علاوہ ان میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب کے جاننے والوں کو اپنی اپنی الہامی کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جس کے معنے یہ ہیں کہ یہ کتابیں انسانی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہیں، اور بسا اوقات ان الہامی کتابوں کے پیروؤں سے خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہیں، مثلاً انجیل میں اوّل تو طلاق کی اجازت ہی نہیں، لیکن فرض کرو، موجود ہے، تو بھی وہ صورتیں مذکور نہیں، جو طلاق کے بعد لازمی طور پر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ مثلاً مطلقہ عورت کتنے دنوں تک شادی نہ کرے؟

قرآن مجید ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ آپ کو اس کی موجودگی میں کسی دوسری کتاب نہیں۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی رہنمائی کرسکتی ہے۔ بادشاہ، جرنیل، سپاہی، زن و فرزند، آقا، غلام، حاکم، محکوم، آزاد، اسیر، عورت، مرد، مصنف، وکیل، غرض ہر درجہ کے انسان اس کتاب سے اپنے لیے دستور العمل حاصل کرسکتے ہیں۔ اور طرفہ یہ ہے دین اور دنیا دونوں کی جامع ہے، یعنی خدا سے بھی ملاتی ہے اور دنیا میں کامیابی کا طریق بھی بتاتی ہے۔

نویں صفت اس لاثانی پیغام کی یہ ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک کوئی بات عفت و حیا اور اخلاق و تہذیب کے خلاف نہیں ہے۔

ویدوں میں اوّل تو اس درجہ فحش عریانی سے کام لیا گیا ہے کہ اگر ہندوستان میں فحش نگاری جرم نہ ہوتی، تو میں دس بارہ منتر با آسانی نقل کر دیتا اور ناظرین محوِ حیرت بن جاتے کہ یہ الہامی کتاب ہے یا کوک شاستر!!

مثال کے طور پر آپ کسی آریہ سماجی پنڈت سے پوچھیں کہ کیا وہ ان وید منتروں کا اردو ترجمہ اپنی ماں، بیٹی یا بہن کو پڑھا سکتا ہے، جو نکاح کے وقت پڑھے جاتے ہیں؟

رہا سناتن دھرمیوں کا لٹریچر، اس کا تو مذکور ہی کیا ہے کہ ان کے مندروں میں جو تصاویر بنائی جاتی ہیں اور شوجی کے مندر میں بر عضو خاص کی شکل کا پتھر نصب ہوتا ہے، یہ دونوں چیزیں بے حیائی کی زندہ تصویریں ہیں۔ کرشن لیلا اور شوراتری کے سلسلہ میں جو کچھ ظہور میں آتا ہے، وہ بھی سب لوگوں کو معلوم ہے، عیاں را چہ بیاں؟

بائبل میں اگرچہ اس درجہ فحاشی نہیں، لیکن پھر بھی اس میں کئی مقامات پر ایسی عریانی موجود

ہے کہ شرم وحیا کو آنکھیں بند کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ مثلاً لوطؑ کا شراب کے نشہ میں اپنی سگی بیٹیوں سے زنا کرنا، داؤدؑ کا "اوریا کی جورو" کے ساتھ زنا کرنا۔ یہ باتیں کس قدر مخرب اخلاق ہیں۔ اس کے علاوہ غزل الغزلات (SONGS OF SOLOMON) کی طرز نگارش اس قدر عریاں اور دائرہ تہذیب سے خارج ہے کہ کوئی پادری اس کے بعض فقرات اپنی بیٹی کو نہیں پڑھا سکتا۔

اس کے خلاف جس طرح قرآن مجید کا باطن پاکیزہ ہے، اسی طرح اس کا ظاہر بھی پاکیزہ ہے۔ کوئی فحش لفظ یا عریاں عبارت یا حیا کے منافی واقعہ کسی جگہ مذکور نہیں ہوا۔ جنسی تعلقات کا اگر ذکر کیا گیا ہے، تو نہایت لطیف استعارہ کے پردہ میں۔

دسویں خصوصیت اس پیغام کی یہ ہے کہ دنیا جہان کی تمام صداقتوں کا جامع ہے اور تمام انبیائے ماسبق کی تعلیمات پر حاوی ہے اور سب بندگان عالم اور ہادیان مذہب کی عزت کا سبق پڑھاتا ہے۔

اس کے علاوہ اس کی کوئی بات انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے۔

دھمپد اور آنگہ بعض اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن خدا کے متعلق خاموش ہیں۔ اوستا دو خداؤں کی تعلیم دیتی ہے۔ ایک یزداں، دوسرا ہرمن۔ بائبل تین خداؤں کی تعلیم دیتی ہے، باپ، بیٹا اور روح قدس۔ وید میں متعدد خداؤں کی تعلیم دی گئی ہے، اگنی، وایو، اندرہ، سوریہ، ورن، مترا، اندرو وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب باتیں خلاف فطرت ہیں۔ خدا ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ بریں ہندو دھرم، بدھ دھرم، جین دھرم اور عیسائیت سب نے ترکِ دنیا کی تعلیم دی ہے اور یہ بات بھی فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ بعض مذاہب نے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بعض نے عورت کو بدی کا سرچشمہ قرار دیا ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں غلط اور خلاف عقل ہیں۔ ان کتب کے خلاف قرآن مجید کا پیغام سراسر فطرت انسانی کے مطابق ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(حقیقت اسلام)

واجب الوجود

(۶)

(از افادات حضرت خواجہ احمد الدین صاحبؒ)

جس قدر نعمتیں، آرام، امیدیں اور سامان زید کو ملے ہیں، وہ سب اس کو کسی وقت سے ملے ہیں، اس وقت سے پہلے جب کہ زید نہ تھا، اس کے لیے وہ سامان بھی میسر نہ تھے، اور چونکہ کوئی کام نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ نعمتیں کسی سبب سے اس کو ملی ہیں۔ زید کو خون صاف کرنے کے لیے ہوا ملی ہے۔ ایک سانس اندر جاتا ہے، تو خون صاف کرتا ہے اور جب زہریلا ہو جاتا ہے، تو اس کا دفع کرنا ضروری ہے۔ زید کو یہ طاقت بھی میسر ہے پس زید کے لیے ایک سانس میں دو آرام ہیں۔ فقط اس سانس کی درستی کی اس وقت معلوم ہوتی ہے، جب سانس اکھڑ جائے۔ زید میں درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے ہضم میں پہنچا کر ہضم طعام کا جو بندوبست ہے، اور پھر اس سے خون بن کر اس کے دوران کا ہر جگہ حسب ضرورت پرورش پہنچانے کے لیے جو سامان موجود ہے، اگر زید کو اس کی خبر بھی نہ ہو، تو بھی وہ زید کی زندگی قائم رکھنے کے لیے لازم ہے، اگر اس میں کبھی کچھ خلل پڑ جاتا ہے، تو زید کی جان بے کلی میں آجاتی ہے منتیں کرکے، روپیہ خرچ کرکے اس کا علاج چاہتا ہے اور آرام آ جانے پر معالجوں کا شکر گزار رہتا ہے۔ زید کو آنکھیں ملی ہیں، جن کے ذریعے دنیا کے سب کاروبار کرتا ہے، اور آرام سے زندگی بسر کرتا ہے، اگر ان آنکھوں میں ذرا بھی درد شروع ہو جائے، تو تڑپتا ہے اور مال صرف کرکے، محنت اٹھا کے اور خوشامد کرکے ان کا علاج کراتا ہے، علیٰ ہذا القیاس۔ مال و اولاد اور علم و صحت وغیرہ کا بھی یہی حال ہے اور جب زائل شدہ صحت و نعمت کے اعادہ کے لیے ڈاکٹروں کا شکریہ اور ان کی تعریف اور محبت لازمی ہے، تو اس صحت و نعمت کے ابتدائً ملنے کے لیے اور اس جیسی دیگر ہزارہا نعمتیں ملنے کے لیے اس سبب کا جس سے وہ ابتدائً زید کو ملی ہیں، حد درجے کی شکر گزاری اور تعظیم و تکریم کیوں کر ضروری نہ ہوگی؟ سو اگر وہ سبب فقط مادہ و دیگر مفردات اور ان کی قویٰ و قابلیات ہوتیں، تو شکریہ و تعظیم اور سیوا کے وہ ہرگز لائق نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مفردات سے مرکب ہو کر مثلاً خاک،

پانی، ہوا وغیرہ بنے ہیں، جو مفردات سے اپنی صفات میں تکمیل یافتہ ہے۔ خاک اور پانی وغیرہ سے خوراک بنتی ہے، جو خاک اور پانی وغیرہ سے زیادہ کمل حالت میں پہنچ جاتی ہے۔ خوراک وغیرہ سے نطفہ بنتا ہے۔ جو اس سے بھی کمل تر ہوتا ہے۔ نطفے سے جیتا جاگتا، دیکھتا بھالتا بچہ بنتا ہے، جو پہلے سے اور بھی کمل تر حالت ہے۔ بچے سے جوان عاقل و بالغ بنتا ہے، جو سوچتا سمجھتا ہے اور اپنی سوچ اور عقل سے عناصر پر بھی قابض ہوتا اور حکومت کرتا ہے اور اپنے فوائد کے موافق انہیں ڈھال لیتا ہے پس زید کی یہ حالت مفردات و عناصر سے کمل تر، عاقل اور اُن پر حاکم اور قابض ہے۔ پس کمل تر، حاکم اور قابض کا ناقص، بے خبر، محکوم اور مقبوض کے آگے جھکنا، متواضع ہونا اور اس کی تعظیم و تکریم کرنا باطل اور جاہلانہ عمل ہے، پس ایسے معبود برحق کا ہونا واجب ہے، جو انتہائی تعظیم، شکریہ اور محبت کا مستحق ہے۔ وہی ہمارا خدا تعالیٰ ہے۔

خدا تعالیٰ کے ماننے سے انسان کو بہت سی تسلیاں ملتی ہیں، جن سے دہریے بے نصیب رہتے ہیں۔ مثلاً، ایک مومن کا فرزند دلبند فوت ہو جائے، تو وہ صبر کر سکتا ہے، اس امید پر کہ عن قریب مجھے خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ملا دے گا اور خدا تعالیٰ کو تو سب طاقت ہے کہ مجھ کو اور اس کو درست صورت و شکل پھر دے دے گا۔ دہریہ کو یہ اطمینان ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

مصیبت، مفلسی اور بیماری کی حالت میں مومن بہ موجب منشاء الٰہی کے علاج تو ضرور کرے گا اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ قادر مطلق اور رحمان کے ماننے کے سبب صحت اور خوشی کا امیدوار بھی رہے گا یہ امید اس کو دہریہ سے علاوہ ہوگی۔ اور امید اپنے آپ میں بھی ایک سبب تسلی کا ہے اور طبیعت کو قوی رکھنے کے سبب باعث صحت و آرام کا بھی ہے۔ اگر حکمت الٰہی اس مومن کی اُسی حالت کی مقتضی ہو، تو وہ اس صورت میں بھی اس نہ ٹلنے والی تکلیف پر صابر و خوش دل ہی ہوگا۔ یہ خیال کر کے کہ مجھے اس کا عمدہ اجر دینے والا موجود ہے، جس سے میری کوئی تکلیف چھپی نہیں ہے۔ یہ امید اور خوشی دہریوں کو ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ جائز جنگ میں مظلوموں کی حمایت میں اچھے اور فائدہ رساں کام کو اپنا فرض سمجھ کر اس کی بجا آوری میں اور بُرے اور ظلم کے کام کو نہی الٰہی جان کر اس سے بچنے میں مومن جان تک دے دینے میں بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اگر اس مہم سے بچ رہا، تو دنیا میں بھی امن کی زندگی پائے گا اور اگر نہ بچ سکا، تو ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔ اس لیے وہ نیکیوں کی بجا آوری اور بدیوں سے احتراز کرنے میں از حد دلیر ہوگا اور اس سے دنیوی فائدے بھی پائے گا اور اُخروی فوائد کی بھی امید

رکھے گا۔ دہریے کو نہ تو جان دینے کی دلیری ہو سکتی ہے اور نہ اُس کو جان جیسی چیز دینے پر کسی انعام
کی توقع ہو سکتی ہے، پس مومن کی خوشی اس کو کبھی بھی نصیب نہیں ہو سکتی۔
دنیا میں کوئی شخص اندھا، گونگا، مفلوج، پاگل اور بے شمار دردوں، مصیبتوں اور غموں
والا ہوتا ہے اور کوئی ویسے ہی صحت، دولت و خوشی کے معراج پر پہنچا ہوتا ہے۔ کئی بچے یتیم
رہ جاتے ہیں اور بے کس عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں کسی بڑھیا عورت کا ایک ہی جوان بچہ، جو اس
کی پرورش کے لیے روزی کمانے والا ہوتا ہے، مر جاتا ہے اور ان حالات کے برعکس حالات بھی موجود
ہیں۔ مومن اس اختلاف راحت و رنج کی بابت یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا ایک خدا تعالےٰ ہے، جو ہرگز ہرگز
کسی کا بھی محتاج نہیں، وہ کامل اختیار رکھتا ہے اور چوں کہ اختیار والا ہونا ایک عالی شان صفت
ہے، اس لیے اس صفت کا نتیجہ ضرور ہی عالی شان ہوگا اور یہ اختلاف راحت و رنج اسی صفت
کا نتیجہ ہے یعنی اس سے خدا تعالےٰ کے صاحب اختیار ہونے کا اور رنگا رنگ قدرتوں
ثبوت ملتا ہے اور چوں کہ خدا تعالےٰ سب کو ایک نظر سے دیکھنے والا رب اور رحمان بھی ہے۔
مومن یہ بھی یقین رکھتا ہے کہ خدا تعالےٰ آئندہ کبھی نہ کبھی ایک دن اس کی مینی کا معاوضہ دو
کے ذریعے پورا دے دے گا۔ گویا جن کو یہاں نہیں ملا، اُن کے لیے ضروری وقت کے ساتھ اسی قدر
بلکہ اُس سے بھی زیادہ اضعافاً مضاعفہ موجود ہے۔ الغرض مومن کو اس جگہ راحت و رنج کے کم و
بیش دیئے سے خدا تعالےٰ کا اختیار واضح ہوتا ہے کہ جو چاہے سو کرے اور دوسرے عالم میں سب ٹھیک
ٹھیک کر دینے سے اور انعامات میں ترقی دیئے جانے سے اس کی صفت یک نظری اور رحمانیت
اور رحمت کی بھی ثابت ہوتی ہے اور اس سے مومن کو سب کچھ ٹھیک اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔
اُسے کوئی بات بے انصافی کی دکھلائی نہیں دیتی، صرف تقدیم و تاخیر کا فرق ہی سمجھتا ہے، اس لیے
وہ کسی دوسرے کو اپنے سے خلقی طور پر بہتر دیکھ کر نہیں جلتا، بلکہ کسی تکلیف سے بھی دکھ نہیں پاتا۔
دہریہ کے نزدیک اس جہان میں کہیں بھی انصاف کا پتہ نہیں چلتا، جو کچھ ہو رہا ہے، بے انصافی
ہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ الغرض مومن سمجھتا ہے کہ میں عادل و رحیم گورنمنٹ کے تحت میں ہوں اور دہریہ
سمجھتا ہے کہ میں ایک اندھا دھندی بے انصاف کے تحت میں ہوں۔ اب خود ہی انصاف فرمائیں،
کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کون لوگ ہیں؟
انسان فطرتاً ابدی خوشی اور ہمیشہ کی زندگی چاہتا ہے، مومن خدا تعالےٰ کے ہونے سے اس

"تقاضائے فطری کے پورا ہونے کا یقین رکھ کر خوش ہے۔ دہریہ کو یہ خوشی ہرگز نصیب نہیں۔ انسان غیر متناہی ترقیات کرنے کے لائق بنا ہوا ہے، دہریہ ان ترقیات کا امیدوار نہیں ہو سکتا اس کے نزدیک علوم کا اعلیٰ حصہ جو اس دنیا میں کارآمد نہیں ہے، بے فائدہ موجود ہے۔

خدا پرستوں سے دشمنوں میں اخوت اور آتیوں میں حکمت پھیلی ہے، ان سے زبردست جتھے بنے ہیں، جو بادشاہیوں کے والی ہوئے ہیں اور اُن کے طریق میں فرق آجانے کے بعد بھی سینکڑوں اور ہزاروں سالوں تک اُن کی صداقت اور مقبولیت بے شمار دلوں میں گڑی چلی آتی ہے۔ خدا تعالےٰ کے سچے پرستاروں کے مقابلہ میں جب وہ کھڑے کیے گئے ہیں، دہریے اور دیگر کفار و مشرکین کبھی بھی سرسبز نہیں ہو سکے اور نہ آئندہ ہی کبھی ہوں گے۔ دہریے تو خدا تعالےٰ پر سرسری ایمان رکھنے والوں کے مقابل آج تک کچھ بھی نہیں کر سکے اور نہ آئندہ ہی سبقت لے جائیں گے باطل میں نہ کچھ ابتداءً ہی پیدا کرنے کی طاقت ہے اور نہ بگڑے کو ہی سنوارنے کی کچھ قدرت ہے۔ خدا تعالےٰ کے ماننے والے بالخصوص ایسے تسلی اور نیکی کے خوابوں اور الہاموں سے مشرف ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر الفاظ کے مطابق پورے ہو جاتے ہیں بمصیبت زدہ دل اور مضطر کو بھی اس طرح تسلی دی جاتی ہے۔ اکیلا الہام کا پورا ہونا ہی اُس ذات پاک کی موجودگی پر کافی گواہ ہے جس کے آگے غیب و شہادت یکساں ہے ؎ (باقی)

سفارش!

ہم آپ سے سفارش کرتے ہیں کہ آپ علامہ اسلم جیراجپوری کی بے مثال کتاب "تعلیماتِ قرآن" کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ، حجم ۲۲۸ صفحات۔ قیمت صرف دو روپے (عہ)

محصول ڈاک الگ

پتہ: مینیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ امرتسر

حساب آمد و خرچ اُمتِ مسلمہ امرتسر

۲۳ر جنوری ۱۹۳۹ء تا ۳۱ر مارچ ۱۹۳۹ء

آمد البیان

شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	[illegible]
مستری محمد قاسم صاحب کوئٹہ	[illegible]
عبدالرحیم صاحب قریشی	[illegible]
معرفت مستری تاج الدین صاحب	[illegible]
میاں فیملی	[illegible]
برہان الدین صاحب ڈرائیور	[illegible]
ابو عبداللہ خان صاحب	[illegible]
سید تقی حیدر صاحب پاک پٹن	[illegible]
ابو تاج الدین صاحب لاہور	[illegible]
مولوی فتح محمد صاحب ملتان	[illegible]
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	[illegible]
ملک غلام حسین صاحب لودھراں	[illegible]
ایس ایم رحمٰن صاحب سونوا	[illegible]
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	[illegible]
میاں فیملی	[illegible]
بابو چراغ الدین صاحب	[illegible]
ایس ایم احسن صاحب چیاسہ	[illegible]
ابو داؤد الفقار علی صاحب	[illegible]
شیخ حبیب اللہ صاحب لاہور	[illegible]
میاں مہر بخش صاحب چنیوٹی	[illegible]
ابو فضل کریم صاحب	[illegible]
ڈاکٹر اقبال محمد صاحب	[illegible]
معرفت مستری تاج الدین صاحب	[illegible]
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	[illegible]
چودھری خیر الدین صاحب	[illegible]
حضرت اصغر بی اے	[illegible]
عبدالحکیم صاحب جمشید پور	[illegible]
متفرق	[illegible]
	[illegible]

رکنیت فنڈ	[illegible]

عمارت فنڈ (مسجد)

حافظ سردار احمد صاحب	[illegible]
مستری عمر دین صاحب	۱۲ر
ابراہیم صاحب	۸ر
بھائی سندر سنگھ صاحب	[illegible]
سراج الدین صاحب	[illegible]
شیخ حسین بخش صاحب	[illegible]
محمد اکرم صاحب	۱۰ر
پیر قمر الدین صاحب	[illegible]
منشی قمر الدین صاحب	۱۲ر
محترمہ خیر النساء بیگم صاحبہ	
متفرق	
میزان	

کتب خانہ	
لائبریری	[illegible]
میزان آمدنی	[illegible]
سابقہ بقایا	[illegible]
کل میزان	[illegible]

مصارف

"البیان"	[illegible]
مسجد	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
لائبریری	[illegible]
میزان	[illegible]
بقایا	[illegible]

مینیجر

دفترِ اُمّت کے مطبوعات

تعلیماتِ قرآن | مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اعلیٰ قیمت عہ

میں منکرِ حدیث کیوں ہوا؟ | ایک محقق گریجوایٹ کے قلم سے قیمت ۲ر

انکارِ حجیتِ حدیث | قیمت ۲ر **حضرت محمد رسول اللہ** | قیمت ۲ر **خاتم النبیین** | ۴ر

مطالعہ حدیث | ایک متاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابلِ قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۷۵ کے قریب۔ قیمت ۱۲ر

برہان القرآن | یہ کتاب ان تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لیے تمام حجت کر دیا گیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر

ریحان القرآن | مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ "نصرت الحدیث" مولوی قاسمی کے "عقاید کفر" اور مولوی عبداللہ کے "عقائدِ بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب قیمت ۴ر

قرآن مجید و رسولِ حمید | حضرت رسالت آپ کے مقدس سوانح از روئے قرآن مجید قیمت ۲ر

اسلام اور حریت و مساوات | اس موضوع پر جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ۔ قابل مطالعہ اور نادل سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے قیمت عہ

قولِ احسن | اس میں از روئے قرآن ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ہمارا نام صرف مسلم ہے۔ باقی تمام نام شیعہ، سنی، اہلقرآن، اہلحدیث وغیرہ بدعی ہیں۔ جن کی وجہ سے امت کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا قیمت ۲ر **خدا کی محبت** | قیمت ۴ر **خون کے آنسو** | قیمت ۳ر **تحقیقِ قربانی** | قیمت ۲ر

پتہ: منیجر دفترِ اُمّتِ مسلمہ۔ امرتسر

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات و معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الاماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ✣

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ✣

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو ✣

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ✣

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے ✣

(۶) قانونِ وراثت کا احیا

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر

یعنی: منزل اوّل صفحات ... مجلد سنہری (ـــ) منزل دوم (ـــ) منزل سوم (ـــ) منزل چہارم (ـــ) منزل پنجم (ـــ) منزل ششم (ـــ) منزل ہفتم (ـــ)

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

The Nazeer Printing Press.

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

البیان

اُمتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

رحمتِ خداوندی کی ایک لہر

معاونینِ "البیان" کا مخلصانہ ایثار و تعاون

خدا تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ دفترِ امتِ مسلمہ کے سرپرست اور معاون حضرات بڑی خوش دلی کے اور ایثار کے ساتھ اپنی گراں قدر اعانتوں کا آغاز کر رہے ہیں۔ اگرچہ جو اصحاب امداد فرما رہے ہیں ان کی یہ خواہش ہے کہ ان کی امداد و خیرات کا تعارف کرایا جائے [illegible] دفتر کی [illegible] کے مطابق ان اصحابِ خیر کے صدق و خلوص کے اعلان کو ضروری سمجھتا ہے۔ لیکن [illegible] کے طور پر، بلکہ اس لیے بھی کہ بعض دوسرے اہلِ کرم کی سخاوتیں [illegible] عطیات کا تذکرہ لازمی معلوم ہوتا ہے۔

۵۴۰ روپے کا پیشکش

"لغات القرآن" کے مصارف کے لیے

امتِ مسلمہ امرتسر کے سابق سیکرٹری جناب ابو عبداللہ خاں صاحب آج کل وارد ایران میں آپ نے دفترِ امت کے نام تین سال کے لیے پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں پہلی ششماہی رقم ۹۰ روپے کے ایک چیک کی صورت میں وصول ہو چکی ہے موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ روپیہ حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب کی تالیف عزیز یعنی "لغات القرآن" کی طباعت میں صرف کیا جائے۔ (نوٹ: اس کتاب کے قلمی مسودے کا کچھ حصہ دفترِ امت میں موصول ہو چکا ہے اور کچھ مؤلف کے زیرِ تالیف ہے۔ خدا کرے کہ یہ کام جلد از جلد انجام پذیر ہو جائے)

۶۰ روپے کی بجائے ۱۲۰ روپیہ سالانہ

صدر امتِ مسلمہ امرتسر کا ایثار

جناب چودھری خیرالدین صاحب صدر امتِ مسلمہ امرتسر اب تک ۶۰ روپیہ سالانہ کی امداد دفتر

اُمّت کو عطا فرمایا کرتے تھے، لیکن پچھلے دو ماہ سے موصوف نے یہ امداد دُگنا کردی ہے۔ یہ ۱۲۰ روپیہ سالانہ بھی حسبِ سابق "البیان فنڈ" میں شامل ہُوا کریں گے۔

۶۰ روپیہ سالانہ کا ایک اَور عطیہ

حضرت امیر اُمّتِ مسلمہ کی اعانت

حضرت میاں مولا بخش صاحب جو اُمّتِ مسلمہ امرتسر کی تبلیغی سرگرمیوں کے سب سے پہلے سرپرست ہیں، دفترِ اُمّت کو اپنی مالی اور رُوحانی اعانتوں سے ہمیشہ مستفید فرماتے رہے ہیں۔ یہ امر مزید مسرت کا موجب ہے کہ پچھلے چند ماہ سے حضرت موصوف، دفترِ اُمّت کے حالات پر خاص توجہ اور دلچسپی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ آپ رسالے کے لیے ۱۲ روپیہ سالانہ عطا فرمایا کرتے تھے آئندہ یہ امداد ساٹھ روپے کے اضافے سے ۷۲ روپے سالانہ تک بڑھا دی گئی ہے۔

لائبریری فنڈ

۳۰ روپیہ سالانہ کے دو عطیے

اس سے پیشتر اُمّتِ مسلمہ لائبریری کو جناب میاں مہر بخش صاحب چغتائی کی طرف سے ۱۸ روپیہ سالانہ کی امداد ملتی رہی ہے۔ اب جناب حکیم طالب علی صاحب نے بھی اس فنڈ میں ۱۲ روپے سالانہ کی امداد منظور فرمائی ہے۔ (ضرورت ہے کہ دوسرے اصحاب بھی لائبریری کی تہی دامنی پر توجہ فرمائیں)

اُمّتِ مسلمہ کے ارکانِ عمومی میں اضافہ

پانچ اصحاب کی شمولیت

حسبِ ذیل اصحاب نے اُمّتِ مسلمہ امرتسر کی رُکنیت کے لیے درخواستیں ارسال فرمائی ہیں:

۱۔ جناب ایس ایم احسن صاحب چیماسہ
۲۔ جناب حکیم طالب علی صاحب امرتسر
۳۔ جناب خلیفہ نور احمد صاحب لاہور
۴۔ جناب پیر قمر الدین صاحب ریٹائرڈ ای اے سی گجرات (پنجاب)
۵۔ مسٹر غلام حسن صاحب فرتخ امرتسر

(نوٹ) اصحاب بالا میں سے ایس ایم احسن صاحب باضابطہ طور پر مجلس کے رکن منظور ہو چکے ہیں۔ باقی اصحاب کے فارم، امتِ مسلمہ کے آئندہ اجلاس میں رسمی منظوری کے لیے پیش کر دیے جائیں گے۔

(بابو) محمد حسین سیکرٹری اُمتِ مسلمہ امرتسر

دفترِ اُمت کے مطبوعات

تعلیماتِ قرآن | مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری استاذ تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے وہ اپنی شرح آپ ہے کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اعلےٰ قیمت عہ

مطالعۂ حدیث | ایک ممتاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وہ اس قابلِ قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۷۵ کے قریب، قیمت ۱۲ر

برہان القرآن | یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے جو مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مدیر اہلحدیث اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہلِ حدیث پر ابتک کے لیے اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی بے خلف مطاع نہیں کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۱ر

بیجان القرآن | ... مؤی کے رسالہ نصرۃ الحدیث، مودودی کفریہ اور مولوی عبد اللہ کے عقائد بے حدیثہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر

قرآن مجید اور رسولِ حمید | حضرت رسالت مآب کے مقدس سوانح از روئے قرآن مجید قیمت ۲ر

اسلام اور حریت و مساوات | اس موضوع پر جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ، قابلِ مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت عہ

خدا کی محبت ۴ر خون کے آنسو ۳ر
تحقیق قربانی ۳ر انکارِ حجیتِ حدیث ۲ر
حضرت محمد رسول اللہ ۲ر خاتم النبیین ۴ر

ملنے کا پتہ: مینیجر دفترِ اُمتِ مسلمہ امرتسر

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر

یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے ۲۷ مئی ۱۹۳۹ء تک

آمد "البیان"

میاں فیضی	سے/
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	عشہ
چودھری خیرالدین صاحب	عشہ
ڈی سید ہاشم صاحب بنگلور	سے/
ڈاکٹر حکیم مولوی عبدالحکیم صاحب	۱۲/
ابیس فتح محمد صاحب	[illegible]
وی ایم غنی صاحب رنگون	[illegible]
بابو عبدالمجید صاحب	[illegible]
ایم محمد عبدالرحیم صاحب	۱۲/
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	۱۲/
میاں فیضی	سے/
میاں جلال الدین صاحب	عہ/
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	عشہ
بابو عبداللہ خاں صاحب	[illegible]
مولوی شبیر محمد صاحب	[illegible]
قاضی نقیر اللہ خاں صاحب	[illegible]
ایم عنایت اللہ صاحب	[illegible]
متفرق ماہانہ چندے	[illegible]
میزان	[illegible]

عمارت فنڈ

بابو ذوالفقار علی صاحب	عہ/
خلیفہ عبداللہ صاحب	عہ/
حکیم طالب علی صاحب	ضہ/
معرفت مستری تاج الدین صاحب	[illegible]
ابو محمد حسین صاحب	[illegible]
حکیم محمد حسین صاحب قریشی	عہ/
مولوی محمد شریف صاحب	[illegible]
مسٹر غلام کبریا صاحب	عہ/
حبیب اللہ دتہ صاحب	عہ/
حافظ صوابراحمد صاحب	۴/
عبدالرحیم صاحب قریشی	[illegible]
بابو عبدالرحیم صاحب	[illegible]
متفرق	۱۰/
میزان	[illegible]
فروخت کتب	[illegible]

لائبریری فنڈ

حکیم طالب علی صاحب	عہ/
کل میزان	[illegible]
سابقہ بقایا	[illegible]
کل میزان	۳۴۳-۹-۶

مصارف

"البیان"	[illegible]
عمارت	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
لائبریری	۹/
میزان اخراجات	[illegible]
بقایا	[illegible]

منیجر

البیان

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۱ | ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق مئی ۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر نے نیو پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

حساب آمد و خرچ اُمّتِ مسلمہ امرتسر

یکم اپریل ۱۹۳۹ء سے ۲۷ مئی ۱۹۳۹ء تک

آمد "البیان"

میاں فیملی	[illegible]
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	[illegible]
چودھری خیرالدین صاحب	[illegible]
ڈی سید ہاشم صاحب بنگلور	[illegible]
ڈاکٹر حکیم مولوی عبدالحکیم صاحب	[illegible]
ایس فتح محمد صاحب	[illegible]
وی ایم غنی صاحب رنگون	[illegible]
بابو عبدالمجید صاحب	[illegible]
ایم محمد عبدالرحیم صاحب	[illegible]
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	[illegible]
میاں فیملی	[illegible]
میاں جلال الدین صاحب	[illegible]
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	[illegible]
بابو عبداللہ خاں صاحب	[illegible]
مولوی شبیر محمد صاحب	[illegible]
قاضی نقیر اللہ خاں صاحب	[illegible]
ایم عنایت اللہ صاحب	[illegible]
متفرق ماہانہ چندے	[illegible]
میزان	[illegible]

عمارت فنڈ

بابو ذوالفقار علی صاحب	[illegible]
خلیفہ عبداللہ صاحب	[illegible]
حکیم طالب علی صاحب	[illegible]
معرفت مستری تاج الدین صاحب	[illegible]
ابو محمد حسین صاحب	[illegible]
حکیم محمد حسین صاحب قریشی	[illegible]
مولوی محمد شریف صاحب	[illegible]
ماسٹر غلام کبریا صاحب	[illegible]
محمد اللہ دتہ صاحب	[illegible]
حافظ سوار محمد صاحب	[illegible]
عبدالرحیم صاحب قریشی	[illegible]
بابو عبدالرحیم صاحب	[illegible]
متفرق	[illegible]
میزان	[illegible]
فروخت کتب	[illegible]

لائبریری فنڈ

حکیم طالب علی صاحب	[illegible]
کل میزان	[illegible]
سابقہ بقایا	[illegible]
کل میزان	٣-٦-٩-٤٣٣

مصارف

"البیان"	[illegible]
عمارت	[illegible]
کتب خانہ	[illegible]
لائبریری	[illegible]
میزان اخراجات	[illegible]
بقایا	[illegible]

منیجر

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جـ [illegible] | ربیع الاول ۱۳۵۸ھ مطابق مئی ۱۹۳۹ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

[illegible] نے [illegible] پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

شذرات

ہندوستان میں جب سے دستورِ جدید کا نفاذ ہوا ہے اور جب سے کانگرس نے صوبائی حکومتوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے، اُردو پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا ہے۔ کانگرس اپنے انتہائی تعصب اور ظلم و استبداد کے ساتھ، ایک منظم سازش کے ماتحت اُردو کا خاتمہ کر دینے پر تُل چکی ہے۔ اس کی تمام جماعتی قوتیں نہ صرف خفیہ بلکہ علانیہ اُردو کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں مصروف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہندی کی ترویج کے لیے سرکلر جاری ہو رہے ہیں، سکیمیں مرتب کی جا رہی ہیں، ہندی پڑھانے کے لیے خاص مدرسے کھل رہے ہیں، سوسائٹیاں بن رہی ہیں، اخباروں، لیکچروں اور فلموں کے ذریعے ہندی کا پُرزور پروپاگنڈا کیا جا رہا ہے، یہاں تک کہ ہندوؤں کے وہ اخبارات بھی ہندی ہی کے پروپاگنڈے میں مصروف ہیں، جو بیس بیس ہزار کی تعداد میں اُردو میں شائع ہوتے ہیں اور جو ہندی کا چغہ پہن کر دو چار روز کے لیے بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

ہندوؤں کی طرف سے بالخصوص ان ہندوؤں کی طرف سے جو کانگرسی حکومتوں کے باشندے ہیں جس جرأت اور بے خوفی کے ساتھ اُردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت کی جا رہی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ پیشین گوئی غیر یقینی نہیں رہ جاتی کہ کوئی دن جاتا ہے، کانگرس راج کے ماتحت اُردو کا نام لیوا بھی کوئی نہ رہے گا۔ آج کی صحبت میں ہم آپ کو کانگرسی صوبوں میں اُردو کی مظلومی کے چند واقعات بتانا چاہتے ہیں۔ ان سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ "ہندوستان کی ساری قوموں کی مشترکہ کانگرس" ——— فرقہ بندی اور تعصب سے بالاتر جماعت، کس طرح "ہندوستانی" کے پردے میں ہندی کی پشتیبانی کا کام انجام دے رہی ہے۔ سب سے پہلے ہم صوبہ متحدہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ صوبہ اُردو کے بارے میں اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ یہاں کے رہنے والے اُردو بولتے، سمجھتے ہیں اور اس کو اپنی مادری زبان یقین کرتے ہیں۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار "ہماری زبان" رقم طراز ہے:

"مدتوں سے صوبہ متحدہ میں عدالتی کارروائی اُردو میں ہوتی چلی آئی ہے۔ سمن، وکالت نامے وغیرہ اُردو ہی میں داخل ہوتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں جو عدالتی الفاظ استعمال ہوتے رہے ہیں، اتنے عام فہم ہیں کہ ان کو دیہاتی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ لیکن آج حکومت کی طرف سے ان عدالتی الفاظ کو بدلنے اور اُن کی جگہ نہایت بھدے اور ثقیل الفاظ استعمال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مثلاً اب جو سمن چھپے ہیں اُن میں مدعی اور مدعا علیہ کی جگہ بادی اور پرتیبادی کے سخت الفاظ داخل کیے جارہے ہیں، جن کو ایک خاص گروہ کے سوا اور کوئی نہیں سمجھتا"

اسی سلسلے میں آگے چل کر لکھا ہے کہ حکومت کی طرف سے جن لائبریریوں اور دارالمطالعوں کو سالانہ امداد دی جاتی ہے، اس میں بھی یہی تعصب مدنظر رکھا جاتا ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ لائبریریوں میں اُردو اخباروں اور رسالوں کی بہ نسبت دوسری زبانوں کے جرائد کو ترجیح دی جائے۔

عدالتوں اور لائبریریوں کے علاوہ ڈسٹرکٹ بورڈوں میں بھی ہندی نوازی کا سلسلہ زوروں پر ہے:

"اس صوبہ کے بعض ڈسٹرکٹ بورڈوں اور خاص کر علی گڑھ کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے متعلق شکایتیں آئی ہیں کہ وہاں خلافِ دستورِ ضلع خالص ہندی حروف اور زبان میں ماہانہ نقشہ جات، رجسٹر اور دیگر کاغذات چھپواکر ضلع کے مدارس حتّٰی کہ اسلامیہ مدارس و مکاتب میں جاری کیے جاتے ہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُردو رسم الخط اور زبان کو مٹاکر ہندی رائج کرنے کا کام کس زور و شور سے ہورہا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بعض اضلاع کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے سکولوں میں اُردو پڑھانے والے مدرسوں کا تقرر ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح اُردو پڑھنے والے طلبہ کو لازماً غیر زبان سیکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے"

علی گڑھ ڈسٹرکٹ بورڈ کے متعلق تو یوں معلوم ہوتا ہے، گویا اس نے "اُردو کو بن باس دینے کا" تہیہ کر رکھا ہے، خصوصاً جب سے اس محکمے میں ایک سکھ ڈپٹی انسپکٹر تشریف لائے ہیں، اُس وقت سے اُردو کی بے بسی میں کوئی بھی شبہ باقی نہیں رہ گیا۔ پچھلے دنوں ڈپٹی صاحب نے ضلع کے تمام مدرسین کے نام ایک گشتی مراسلہ جاری کیا تھا۔ ذرا اُس کی عبارت ملاحظہ ہو:

سلہ اس مضمون میں جتنے اقتباسات آئے ہیں، سب اسی اخبار کی مختلف اشاعتوں سے لیے گئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء — سرکلر نمبر ۲

بھوگول کی پریوگک شکشا

"پرائمری کنشالوں میں بھوگول کی شکشا کا برتمان روپ ودیارتھیوں کے لیے ویشیش لابھکاری نہیں ہے۔ بھوگول کے جو سدھانت انہیں بتائے جاتے ہیں، انہیں ودیارتھی کامیہ روپ میں پریوگ نہیں کر سکتے۔ ادھیاپکوں بھوگول شکشا کے لیے کیول کتابوں کا آشرے لیا کرتے ہیں، جس کا پرنام یہ ہوتا ہے اتنا اپیوگی اور روچک وشیشہ ودیارتھیوں کے لیے نتانت نیرس بن جاتا ہے۔ شکشا وبھاگ تھا اور پرکرت نرکشن جیسے وشیوں کو چکتا کر دت پن کرنے میں اسمرتھ رہتی ہے، اس کمی کو پورا کرنے میں اور ادرم جنک بھوگول شکشا کا بیرا ایک بنانے کے لیے ادھیاپکوں کے ہتے ہیر (؟) پریوگک بھوگول (عملی جغرافیہ) کا پمفلٹ بھیجا جاتا ہے اس میں بتلائے ہوئے ڈھنگ میں کام کرنے ادھیاپک تتھا ودیارتھی ادھک لابھنت ہو سکتے ہیں۔

اس پمفلٹ کی پرتیاں کم ہونے کے کارن کیول پرائمری سکولوں میں بھی ہیں، پرنت پرادھیاپک کو اسے پڑھنا اور تدنوسار کاریہ کرنا ونیتہ وار ہے، اس لیے کندریہ ادھیاپکوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سنند صبیت ہر بھاگ یہ اسکولوں کے کل ادھیاپکوں کو اس کا اولوکن کرا کر ادرا سے پوری طرح سمجھا کر اپنے یہاں ان کے ہستاکشر کرا لیں اور جولائی ۱۹۳۹ء میں سب لوگ اس تویس پریوگک وودھ کے اسوار کا آرمبھ کریں"

دستخط: بی ایس سیال، ڈپٹی انسپکٹر علی گڑھ

سوچنے کی بات ہے، یہ چٹھی جب مدرسین کے پاس پہنچی ہوگی، تو ان بیچاروں نے اسے کیا سمجھا ہوگا؟ سمجھنے کا سوال تو بعد میں پیدا ہوتا ہے، پہلے یہ دیکھیے کہ اسے پڑھا بھی جا سکتا ہے کہ نہیں؟ لیکن وہ ہندی کی حمایت کیا ہوئی، جو ان باتوں پر غور کرنے کی اجازت دے۔ کوئی پڑھے نہ پڑھے، سمجھے نہ سمجھے جب ایک کام کو اندھا دھند سرانجام دینے کا بیڑا اٹھا لیا گیا، تو پھر رواداری اور انصاف کی چیخ پکار کون سنتا ہے؟

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

اس صوبے میں اُردو کے استعمال کے بارے میں ذلیل و ناپاک کوششیں عمل میں آ رہی ہیں۔ اگرچہ ان کے ثبوت کے لیے وہی کئی واقعات ہی کافی ہیں، لیکن آگرہ کی ایک اُردو مانوس ناک اطلاع ایسی ہے کہ اسے نقل کیے بغیر نہیں رہا جاتا۔

"لڑکیوں کے ہائی سکول و انگلو ورنیکلر مڈل امتحانات کے لیے اس سال آگرہ میں ایک مرکز کھترو اتی میں تھا۔ ... جب امتحانات شروع ہوئے تو کئی سکولوں کی لڑکیاں وکٹوریہ گرلز سکول میں پہنچنا شروع ہوئیں، ان میں اسلامیہ گرلز سکول کی لڑکیاں بھی تھیں۔ برخلاف اور سکولوں کی لڑکیوں کے، اوّل تو ان لڑکیوں کو بجائے کرسی کے فرش پر بٹھا کر امتحان لیا گیا۔ پھر نگران حضرات نے ان بچیوں کو حکم دیا کہ وہ کاپیوں پر بجائے اس طرف اندراج کریں کہ جہاں اُردو میں چھپا ہوتا ہے ٹائیٹل کے بائیں طرف جہاں ہندی میں چھپا ہوتا ہے، نام وغیرہ درج کریں۔ جن لڑکیوں نے ٹائیٹل کے برخلاف اُردو والے صفحے پر نام وغیرہ لکھ دیا تھا اُن سے زبردستی کٹوا کر ہندی والے بائیں صفحہ پر لکھوایا گیا۔ لڑکیوں نے اس رویّہ کے خلاف احتجاج بھی کیا۔ مگر نگرانوں کے جابرانہ احکام کے سامنے انھیں سر خم کرنا پڑا۔ ایک لڑکی سے تو یہاں تک اصرار کیا گیا کہ وہ قومیت کے خانے میں اسلام نہ لکھے۔"

سطورِ بالا کے آخری فقرے پر توجہ فرمائیے، حامیانِ ہندی کا جبر و ظلم اب صرف اس مطالبے پر ہی کفایت نہیں کرتا کہ ہم اُردو لکھنا پڑھنا ترک کر دیں، بلکہ اُن کا اصرار اب یہاں تک بڑھ چلا ہے کہ ہم سرے سے اسلام ہی چھوڑ دیں، ع

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا!

صوبہ متحدہ کے بعد ہم سی پی میں آتے ہیں۔ اُردو کے خلاف اس صوبے کی حکومت نے جو مہم شروع کر رکھی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سی پی ہی کی وزارت کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے ہندی کی ترویج و اشاعت کے لیے "ودیا مندر" کے نام سے ایک خالص فرقہ پرستانہ سکیم تیار کی اور جب مسلمانوں نے اس کے خلاف پیہم اور متواتر احتجاج کیا اور ودیا مندر کے مقابلے میں "مدینۃ العلم" کے نام سے اپنی ایک الگ اسکیم پیش کر دی، تو پہلے تو حکومت عارضی طور پر ان کا یہ مطالبہ مان گئی، لیکن

تھوڑے دن ہوتے ہیں کہ حکومت نے اسمبلی میں اپنا بجٹ پیش کیا۔ مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ شروع سے آخر تک اس میں مسلمانوں سے جو وعدے کیے گئے تھے، اس کا کہیں وجود نہ تھا۔ اس کے علاوہ بعض اُردو سکولوں کے دوبارہ کھلوانے کے وعدے کیے گئے تھے، وہ سب کے سب اب تک بند پڑے ہیں۔ پھر محکمۂ تعلیم میں اُردو دان اور اُردو سے دلچسپی لینے والے حضرات کا انتظامی سلسلہ میں تقرری کا وعدہ بھی کیا گیا تھا، ستیہ گرہ کی تحریک ختم ہو جانے پر یہ سب وعدے بھلا دیے گئے۔"

یو پی اور سی پی کے بعد ہم مدراس پہنچتے ہیں۔ یکم مئی ۳۹ء کے "ہماری زبان" نے کانگریس اکثریت کے اس صوبے کی اُردو دشمنی کا پردہ بھی چاک کر دکھایا ہے۔ اس پرچے میں بتایا گیا ہے کہ کانگریس کے نزدیک ہندوستانی کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ شمالی ہند میں عام طور پر بولی جاتی ہے اور دیوناگری اور اُردو، دو رسم الخطوں میں لکھی جاتی ہے، لیکن حکومتِ مدراس اسی ہندوستانی کے پردے میں ہندی رسم الخط اور ہندی زبان کی جبری تعلیم کا تہیہ کر چکی ہے، یہ انتہا ہے کہ جو لوگ اُردو سیکھنا چاہتے ہیں، انہیں بھی ہندی ہی کی تعلیم پر مجبور کیا جاتا ہے۔

اُردو کے متعلق مدراس گورنمنٹ کا رویہ اگرچہ شروع ہی سے ناجائز و ناروا چلا آیا ہے، مگر اب یہ رویہ "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کے کلیے کے مطابق اور بھی زیادہ ذلیل بلکہ بزدلانہ ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ پچھلے دنوں

"مدراس اسمبلی میں وزیرِ تعلیم نے بیان کیا کہ اطاپورم کے مسلم طلبہ اُردو رسم الخط کو پسند نہیں کرتے"

لیکن جب اس تقریر کا سچ جھوٹ نکھارنے کے لیے طلبا، اُن کے والدین اور اُن کے ہیڈ ماسٹر کے ذریعے باقاعدہ تحقیق کی گئی، تو

مسلم طلبا نے جواب دیا کہ ہم ہندوستانی زبان ناگری رسم الخط میں سیکھنے پر مجبور کیے جاتے ہیں، حالاں کہ ہم لوگ اپنی مادری زبان اُردو جانتے ہیں اور پڑھتے ہیں"

جب سکول کے ہیڈ ماسٹر سے سوال کیا گیا کہ مسلمان طلبہ کو اُردو رسم الخط میں کیوں تعلیم نہیں دی جاتی، تو انہوں نے جواب دیا:

چوں کہ طلبا کی اکثریت ہندو ہے، جو ہندی رسم الخط کو پسند کرتے ہیں، اس لیے طلبہ کو ؟ م

"ایک ہی رسم الخط (یعنی ہندی) میں تعلیم دی جاتی ہے"

ہیڈ ماسٹر نے یہ بھی بتایا کہ

ہندی اور ہندوستانی ایک ہی چیز ہے اور ہمیں حکومت کی طرف سے ہدایت کی گئی ہے کہ ہندی کو ہندوستانی کہہ کر پکاریں "

اڑیسہ اور بمبئی کے صوبے بھی کانگرسی حکومتوں ہی کے ماتحت ہیں، یہاں بھی اُردو کے ساتھ پوری پوری بدسلوکی اور عداوت کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ اوّل الذکر صوبے میں تو آج سے ڈیڑھ برس پہلے ہی مسٹر بودھرام وزیر تعلیم نے احکام نافذ کر دیے تھے کہ آئندہ کے لیے تمام مدارس میں لازمی طور پر ہندی پڑھائی جایا کرے ـــ بمبئی کے سڈنہم کالج میں طلباء کے اصرار اور مولانا عبدالحق کی شکایت کے باوجود اُردو کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا، دراں حالیکہ مسٹر بی جی کھیر نے مولانا موصوف سے، آج سے ایک سال پہلے اُردو تعلیم کے انتظام کا وعدہ بھی کیا تھا۔ یہی حال بمبئی کے دوسرے کالجوں کا ہے، مثلاً الفنسٹن کالج میں گجراتی اور مرہٹی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن اُردو کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ان حقائق سے کون ایسا شخص ہے، جو حکومت بمبئی کی اُردو دشمنی کا قائل نہ ہو؟

اُردو کے خلاف بغض و عناد کے جذبات اِس وقت تمام ملک میں پھیل چکے ہیں۔ اب آہستہ آہستہ یہ فتنہ ہندو ریاستوں میں پہنچ چکا ہے اور ریاستی درباروں کی طرف سے شدہ شدہ "اُردو کشی" کا آغاز بھی ہو چلا ہے۔ پچھلے سال اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ریاست منڈی کے حکمران نے اپنے ہاں کے سکولوں میں ہندی کی تعلیم لازمی قرار دے دی ہے۔ حال ہی میں ریاست کشمیر کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں سننے میں آئی ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ اس سے پہلے عدالت کی طرف سے جاری ہونے والے اسٹامپوں پر اُردو زبان میں قیمت درج ہوتی تھی، لیکن

"اب جو اسٹامپ جاری ہوئے ہیں، ان میں اُردو بالکل غائب ہے اور ہندی خط میں اسٹامپ کے دام لکھے ہوتے ہیں۔ ریاست کشمیر کی کل آبادی ۳۶ لاکھ کے قریب ہے اور اس میں ہندی جاننے والوں کی تعداد آٹھ دس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی"

یہ ریاست کشمیر کا پہلا قدم ہے، جو اُردو کو برباد کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ ریاست کے دوسرے محکموں میں بھی عن قریب یہی اندھیر شروع ہونے والا ہے۔

بہرحال ہندی کے حامیوں کی طرف سے اُردو کی بیخ کنی اور ہندی کی ترویج کے لیے جو خوفناک اور منظم سازش شروع ہو چکی ہے، اس کا ایک ہلکا سا خاکہ اوپر کے واقعات سے مرتب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نہ جانے ایسے کتنے واقعات ہر روز سرزد ہوتے ہوں لیکن انہیں منظر عام پر نہ آنے دیا جاتا ہو۔ اس کے باوجود حساس اور بیدار دماغوں کے لیے آنے والے نتائج کا اندازہ لگانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ اُردو کے مٹ جانے سے وہ تمام اسلامی لٹریچر ختم ہو جائے گا، جو پچھلے دو سو برس میں مسلمانوں کی دماغی اور ذہنی کاوشوں نے پیدا کیا ہے۔ لٹریچر کے خاتمے سے طب، تاریخ، سیر، اخلاق، دینیات، ادب، حکمت اور تفسیر و ترجمہ تمام اسلامی علوم و فنون کا خاتمہ ہو جائے گا، اسلامی علوم و فنون کے خاتمے کا مطلب یہ ہے کہ خود مسلمان نیست و نابود ہو کر رہ جائیں گے، اور ہندوستان کی تاریخ سے اُن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم ہندی کے خلاف پورا پورا جہاد کریں ——
ہمیں ایسے احکام کی تعمیل سے صاف انکار کر دینا چاہیے، جو ہندی زبان میں ہم پر خواہ مخواہ ٹھونسے جا رہے ہیں۔ ہمیں ایسے اسکولوں، ٹیچروں اور حاکموں کے خلاف پورا احتجاج کرنا چاہیے، جو رائے عامہ کو نظر انداز کر کے اُردو کی جڑوں پر کلہاڑا چلا رہے ہیں۔ ہمیں اُردو کی تمام دشمن طاقتوں کو صاف صاف بتا دینا چاہیے کہ حامیانِ اُردو اُن کی ہندی نوازی کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ احتجاج، یہ مطالبہ اتنا شدید اور مکمل ہونا چاہیے کہ بالآخر دشمنانِ اُردو کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

کام کی دوسری بہترین صورت یہ ہے کہ تمام ہندوستان میں انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی کی شاخیں قائم کی جائیں۔ یہ انجمن عرصہ دراز سے اُردو کی ٹھوس خدمات میں مصروف ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اگر حامیانِ اُردو نے انجمن کی معاونت اختیار کی، تو وہ اتنی عظیم الشان خدمت سرانجام دے سکے گی جو سالہا سال کے انفرادی شور و غوغا اور ہنگامی چیخ پکار سے قطعاً ناممکن ہے۔

محمد اقبال سلطانی

علم تفسیر

(جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری جامعہ ملیہ دہلی)

قرآن کریم ایسی صاف عربی زبان میں نازل ہوا جس کو عام طور پر اہل عرب سمجھتے تھے، بلکہ قرآنی آیات میں قرآن کی زبان "عربی مبین" کہی گئی ہے، یعنی بیّن اور واضح، اس لفظ کا استعمال قرآن میں جا بجا اسی معنی میں ہوا ہے مثلاً "فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ" لاؤ ہمارے پاس کوئی کھلی ہوئی دلیل، "إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ" شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود قرآن نے اپنی بھی صفت یہی بیان کی ہے، یعنی "اَلْكِتَابُ الْمُبِينُ" بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے کو "نور مبین" کہا ہے نیز آیات قرآنی کو بھی "آیات بیّنات" کے نام سے موسوم کیا ہے "بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ" بلکہ وہ کھلی ہوئی آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔

الغرض قرآن کی زبان، قرآن کی تعلیم اور قرآنی آیات کا مفہوم سب خود قرآن کے بیان کے مطابق واضح، کھلا ہوا، بلکہ جگمگاتا ہوا نور ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس نے بار بار تصریح کی ہے کہ "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" اور ہم نے قرآن کو نصیحت لینے کے لیے آسان کر دیا ہے، کوئی ہے جو نصیحت لے؟ نصیحت لینے کی آسانی کو دیکھنے کے لیے خود اہل عرب پر نظر ڈالنا کافی ہے، جو قرآن کے اولین مخاطب اور بالعموم بدوی اور ناخواندہ تھے، جس کی وجہ سے قرآن نے ان کو "امیین" کے لقب سے یاد فرمایا "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ" وہی اللہ جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول کھڑا کیا۔ ان لوگوں نے بے تکلف قرآن کو سمجھا اور اس کے اوپر عمل کیا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

إن القرآن نزل بلغة العرب وعلى أساليب بلاغتهم وكانوا كلهم يفهمونه ويعلمون معانيه في مفرداته وتراكيبه۔

قرآن عرب کی زبان میں ان کے انداز بلاغت کے مطابق نازل ہوا، ہر ایک اس کو سمجھتا تھا اور اس کے مفردات و مرکبات کے معانی کا علم رکھتا تھا۔

علامہ موصوف کا مقصد غالباً یہ ہے کہ اہلِ عرب بالعموم قرآن سے اس کی تعلیمات کو سمجھتے تھے، ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ ہر فرد امت عربیہ کا اس کے جملہ الفاظ کے معانی اور اس کی تمام تراکیب کی تفصیلات کا عالم نہیں ہو سکتا تھا۔ خود حضرت عمر فاروق رضؓ کے متعلق روایت ہے کہ کسی نے ان سے "وفاکہۃً وابّاً" میں "ابّاً" کے معنے پوچھے، جواب دیا کہ ہم کو تکلف و تعمق سے ممانعت کی گئی ہے، ایک بار انہوں نے منبر پر یہ آیت پڑھی "اَوْ یَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ" اور حاضرین سے تخوف کے معنے دریافت کیے۔ بنی ہذیل کے ایک شخص نے کہا کہ اس کے معنے تنقص کے یعنی کم کرنے کے ہیں اور سند میں یہ شعر پڑھا:

تَخَوَّفَ الرَّحْلُ مِنْهَا تَامِكًا قَرِدًا
كَمَا تَخَوَّفَ عُودَ النَّبْعَةِ السَّفَنُ

علیٰ ہذا ایک بار جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اپنے بعد جو امور سب سے اہم چھوڑ جاؤں گا ان میں مسئلہ کلالہ بھی ہے۔ میں نے جس قدر بار بار اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور کسی مسئلہ کو نہیں پوچھا، اور اس میں آپ نے جس قدر سختی میرے ساتھ روا رکھی اور کسی مسئلہ میں روا نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ اپنی انگلی میرے سینہ پر رکھ کر فرمایا کہ اے عمر! کیا تیرے لیے اس امر میں آیت صیف کافی نہیں ہے جو سورہ نساء کے آخر میں ہے[۲]

یہ واقعات تو حضرت عمر کے بیان کیے گئے ہیں جن کے علمی اور عقلی رتبہ سے ہم سب واقف ہیں، پھر دوسرے تمام صحابہ کے متعلق یہ کیوں کر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر لفظ اور ہر ترکیب قرآنی کا علم رکھتے تھے۔ ہاں ایک اجمالی مفہوم ضرور سمجھ لیتے تھے، مثلاً "وفاکہۃ وابّا" میں اُن کے لیے یہ سمجھ لینا کافی تھا کہ یہاں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا ذکر ہے: "ابّا" بھی اُن ہی میں سے ایک ہے۔ ہر آیت کے تفصیلی معانی تک پہنچنے کی تکلیف لازمی نہیں خیال کرتے تھے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ کر لینا کہ وہ بالعموم آیاتِ قرآنی کے سرسری مفہوم پر قانع تھے، صحیح نہیں ہو سکتا۔ ابو عبدالرحمٰن سُلمی سے روایت ہے کہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تھے، تو جب تک اُن کی علمی اور عملی حقیقت کو جان نہیں لیتے تھے، آگے نہیں بڑھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم میں سے جب کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا، تو ہماری نگاہوں میں بڑا ہو جاتا تھا[۳]

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم میں زیادہ تر آیات محکمات ہیں، جو اصولِ دین اور احکامِ شریعت

---

[۱] کتاب الموافقات ص ۵۰-۵۸ [۲] تفسیر ابن جریر طبری ج ۶ ص ۲۰ [۳] مسند امام احمد

سے تعلق رکھتی ہیں، یا انبیائے کرام اور اقوام سالفہ کے نتیجہ خیز اور عبرت انگیز قصص ہیں۔ اُن کا سمجھنا ہر کسی کے لیے آسان ہے۔ مگر اُسی کے ساتھ آیات متشابہات اور حقائق فاطمنہ بھی ہیں، جن کو صرف الرّاسخون فی العلم ہی سمجھ سکتے ہیں اور صحابہ کرام میں ایسے حضرات کی کمی نہیں تھی، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی نگاہوں میں اس کا عملی پہلو غالب تھا۔

یہاں اس بات کی تصریح کی ضرورت ہے کہ ظاہری اور عملی حیثیت کے علاوہ قرآن کریم کی نظری اور عقلی حیثیت بھی اہم ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب جو آسانی کے ساتھ صرف چند اجزاء میں نمایاں اور صاف لکھی جا سکتی ہے، قیامت تک کے لیے اُمت اسلامیہ کا دستور العمل بنائی گئی ہے اور ہر زمان اور ہر مکان میں ان کی ہدایت کا نصاب قرار دی گئی ہے۔ اگر یہ ایسے حقائق جاودانی پر مشتمل نہ ہوتی جن کو ابدالآباد تک انسانی نسلیں ختم نہیں کر سکیں گی، تو کیوں کر ان کا دائمی نصاب ہدایت بننے کی صلاحیت رکھتی؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن سے صرف عملی نصیحت ہی لینے کی ہدایت نہیں کی گئی بلکہ اس میں تفکر اور تدبر کی بھی تاکید فرمائی گئی ہے، مثلاً:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ	مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں۔

دوسری جگہ ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا | کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر اُن کے قفل چڑھے ہوئے ہیں۔

ایک اور آیت ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ	اور ہم نے تیری طرف قرآن اُتارا تاکہ لوگوں کے لیے جو اتارا گیا ہے اس کو ان کے سامنے بیان کر دے اور تاکہ لوگ اس میں تفکر کریں۔

الغرض اہلِ نظر کو قرآن نے اپنی آیات میں فکر و نظر کی دعوت دی ہے تاکہ وہ ان سے اپنی ہدایت لیتے اور اپنی فلاح کا راستہ نکالتے رہیں۔ فطرت کی دیگر اشیاء کی طرح جن میں غور کرنے سے جدید انکشافات ہوتے رہتے ہیں اور اُن کے دریافت سے انسانی قومیں نت نئے منافع اور فائدے حاصل کرتی رہتی ہیں، یہ کتاب بھی کبھی ختم ہو جانے اور تھک جانے والی نہیں ہے، بلکہ انسانی نسلوں کی قیامت تک رہنمائی کرتی رہے گی اور ہر زمانہ اور ہر ماحول میں اُن کے سامنے ہدایت کی راہیں کھولے گی اس کا دعویٰ ہے:

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ | وہ نہیں ہے مگر سارے عالموں کے لیے نصیحت۔

یعنی جملہ بنی نوع انسان کے لیے خواہ وہ کسی عالم، کسی ماحول، کسی زمان، و کسی مکان میں ہوں۔

سورۂ نحل میں ہے،

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ | اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ہر شے کی تشریح ہے۔

دوسرے مقام پر "تبیانا لکل شیٔ" کی بجائے "تفصیل کل شیٔ" اس کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس ہر شے کے تبیان، و تفصیل کے لفظ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس کتاب میں ایسے حقائق مستمرہ کی تشریح ہے، جن سے ہمیشہ انسانی نسلیں ہدایت کی راہیں نکالتی رہیں گی۔

یہی وجہ تھی کہ عہد رسالت میں فقہاء صحابہ اس کی آیات میں تدبر کرتے تھے اور بعض امور کو جو ان کے سامنے فی الجملہ واضح نہیں ہوتے تھے، خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، لیکن بہت کم، کیوں کہ کثرت سوال کی آفتوں سے وہ اچھی واقف تھے۔

علامہ سیوطی نے اپنی مفید کتاب الاتقان فی علوم القرآن کی آخری فصل میں ان تمام تفسیری روایتوں کو جمع کر دیا ہے، جو صحابہ کے توسط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہیں، وہ کل کی کل، ان کی کتاب کے بیس صفحوں سے بھی کم ہیں، اور تنقید صحیح کے بعد تو بہت ہی تھوڑی رہ جاتی ہیں۔

مفسرین صحابہ | جن صحابہ کرام سے یہ تفسیر کی روایتیں آئی ہیں، ان میں سے جو حضرات خصوصیت کے ساتھ ممتاز ہیں، وہ خلفاء اربعہ، عبد اللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان میں سے حضرات شیخین سے بوجہ ان کے تقدم عہد اور امور ملت میں مشغولیت کے نہایت کم روایتیں ہیں۔ حضرت عثمان اگرچہ قرآن سے اس قدر شغف رکھتے تھے کہ رات کا بڑا حصہ کھڑے ہو کر اس کی تلاوت میں گذارا کرتے بلکہ کبھی کبھی خشوع و خضوع میں جب محویت کا عالم طاری ہو جاتا تو ایک ہی آیت کو بار بار گھنٹوں تک دہراتے رہتے، مگر تفسیر کی روایتیں ان سے بھی بہت کم مروی ہیں۔ زیادہ روایتیں حضرت علی سے کی گئی ہیں، جو شوق دلاتے رہتے تھے کہ لوگ قرآن سیکھیں اور سمجھیں اور اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے کہ تم کو کتاب اللہ کی بابت جو کچھ پوچھنا ہے میری زندگی ہی میں مجھ سے پوچھ لو، کیوں کہ میں علم رکھتا ہوں کہ کون سی آیت کہاں اتری، کب اتری اور کس کی بابت اتری اور در بار نبوی میں کسی سوال کی جرأت بھی زیادہ رکھتا تھا[1]

---

[1] مرآۃ التفسیر ص

حضرت عبداللہ بن مسعود سے بھی زیادہ روایتیں آئی ہیں، جو سابقین اوّلین میں سے تھے اور جن کا شمار ان صحابہ میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپؐ کی نعلین بھی ان کے سپرد تھیں۔ صاحب النعلین تھا۔ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کی ستّر سورتیں یاد کی تھیں اور تمام اعمال میں آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت پیدا کرلی تھی۔ ان کی وفات [illegible] میں ہوئی۔

حضرت اُبی بن کعب خزرجی انصاری عہد رسالت میں کاتب وحی تھے اور صحابہ میں سیّد القراء اور قرآن کے عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت عثمان کے عہد میں انتقال فرمایا اور انہوں نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

حضرت زیدؓ بن ثابت کاتب دربار رسالت بنجار انصار اور علماء قرآن میں سے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے آخری رمضان میں قرآن کا جو دور فرمایا تھا، اُس میں شریک تھے، جس کی وجہ سے عہد صدیقی میں جب قرآن ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا گیا، یہی اس کے جامع قرار پائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ان کی رکاب تھاما کرتے تھے اور کہتے تھے کہ علماء کی تکریم اسی طرح کرنی چاہیئے۔ [illegible] میں وفات پائی۔

مگر ان دونوں حضرات یعنی ابی بن کعب اور زید بن ثابت سے تفسیریں کم مروی ہیں۔ سب سے زیادہ روایتیں حضرت عبداللہ بن عباس سے آئی ہیں، جن کا لقب بوجہ قرآن دانی کے حبر امت اور ترجمان القرآن تھا۔ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاوِیْلَ " اے اللہ اس کو دین کی فقاہت اور قرآن کی فہم عطا فرما۔

یہ اگرچہ صغار صحابہ میں سے تھے، مگر حضرت عمر اُن کی عقل و فراست اور قرآن فہمی کی وجہ سے ان کو اپنی مجلس شوریٰ میں شریک رکھتے اور مشکل امور میں رائے لیتے تھے۔ ان کا انتقال [illegible] میں ہوا۔

ان حضرات کے علاوہ ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، جابر بن عبداللہ، ابو ہریرہ، انس بن مالک اور ام المومنین حضرت عائشہ و بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی تفسیریں منقول ہوئی ہیں۔

اکثر صحابہؓ کرام بہ نظر احتیاط انہیں معانی پر اکتفا کرتے تھے، جو بعض الفاظ یا آیات قرآن کی تشریح کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسموع ہوئے تھے۔ خود قرآن کی تفسیر میں کچھ کہنے سے پرہیز کرتے تھے چنانچہ ابن سیرین نے کہا ہے کہ میں نے عبیدہ سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی، تو انہوں نے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور سیدھے چلے چلو، لیکن بعض صحابہ مثلاً ابن مسعود اور ابن عباس

وغیرہ رضی اللہ عنہم قرآن میں تدبر و تفکر کو ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ جائز تھی، وہ یہ تھی کہ بلاحقیقت کو پہنچے اور اچھی طرح سمجھے ہوئے آیات کی تفسیر کی جائے، یا بعض اہل مذاہب مثلاً خارجی، شیعہ، قدری، مرجی وغیرہ جو اس وقت پیدا ہو چکے تھے، ان کے عقائد کے مطابق تاویل کی جائے[۱]

اس زمانہ میں تفسیر کے لیے عربی زبان، جاہلیت کے رسوم و عادات جن کو قرآن نے مٹایا ہے، عہد رسالت کے واقعات جن کا تعلق قرآن سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور قضایا وغیرہ کا جاننا ضروری تھا، انہیں کی مدد سے آیات کی تشریح کرتے تھے۔

اسرائیلیات قرآن میں دینی تعلیم کے علاوہ ایسے تاریخی حقائق بھی مذکور ہوئے ہیں، جن کا علم اصلاح نفوس بشری کے لیے ضروری ہے، مثلاً عالم کی تکوین، آدم کی پیدائش اور انبیاء سابقین اور اقوام گذشتہ کے واقعات۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کسی شے کا ذکر سنتی ہے، تو اس کے متعلق مزید معرفت کی خواہش اس میں پیدا ہوتی ہے، اس لیے عہد صحابہ میں لوگ ان امور کو ان علماء اہل کتاب سے جو اسلام لا چکے تھے، دریافت کرتے تھے۔ خود حضرت ابن عباس حبر امت بھی ابن جریر طبری کے بیان کے مطابق کعب احبار کے پاس بیٹھتے اور ان کی روایتوں کو اخذ کرتے تھے۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کر دیا تھا کہ "اہل کتاب کے اقوال کی نہ تصدیق کرو، نہ تکذیب" مگر چونکہ ان امور کا تعلق اعمال شریعت کے ساتھ نہ تھا، اس وجہ سے ان کے لینے میں کوئی ہرج نہیں سمجھا گیا۔ اس طرح پر اہل کتاب کی روایتیں بھی تفسیر قرآن میں شامل ہو گئیں۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ

"بالعموم عرب نہ پہلے سے اہل کتاب تھے، نہ علم رکھتے تھے۔ ان کے اوپر بدویت غالب تھی۔ جب ان کو موجودات کے اسباب، ابتدائے تخلیق اور امم سابقہ کے حالات وغیرہ کے جاننے کا شوق ہوتا تو ان اہل کتاب سے جو مسلمان ہو گئے تھے، دریافت کرتے۔ یہ بھی زیادہ تر ان ہی کی طرح بدوی تھے، اور ان امور کو اسی قدر جانتے تھے، جس قدر عوام اہل کتاب۔ انہیں کے بیانات لوگوں سے منقول ہو کر آیات کی تفسیروں میں داخل ہو گئے اور بوجہ اس کے کہ ان کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ تھا، تدوین کے وقت مفسروں نے مسامحت سے کام لے کر ان کی تنقید کی طرف توجہ نہیں کی اور انہیں کو کتب تفاسیر میں درج کر دیا"[۲]

عہد رسالت میں اہل کتاب میں سے جو حضرات اسلام لائے تھے، ان میں سب سے پہلے یہودی عالم

---

[۱] فجر الاسلام صفحہ ۲۳۵ [۲] مقدمہ صفحہ ۳۷۶

ہیں کو قرآن کریم نے "اَوَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" کہہ کر اہلِ علم میں شمار کیا ہے حضرت عبداللہ بن سلام ہیں، جو ہجرتِ نبوی کے بعد ہی مدینہ میں اسلام لائے، اُن کا انتقال ۴۳ھ میں ہوا۔ ان سے حضرت ابوہریرہ اور انس بن مالک نے روایت کی ہے۔[۱]

دوسرے حضرت سلمان فارسی ہیں۔ یہ اصلاً مجوس بلکہ ایک آتش کدہ کے متوفی کے عزیز فرزند تھے۔ گھر سے نکل کر ملک شام میں گئے، وہاں عیسائیت اختیار کرلی، ایک مدت تک نصیبین اور اس کے بعد عموریہ میں رہے اور آسمانی کتابوں کا علم حاصل کیا۔ پھر عرب کی طرف آئے۔ وادی القریٰ میں بنی کلب نے غداری سے ان کو غلام بنالیا اور فروخت کرڈالا، قسمت کی یاوری سے مدینہ پہنچے۔ وہاں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے۔ حضرت عثمان کی خلافت میں ۳۶ھ میں وفات پائی۔[۲]

جس طرح حضرت بلال کو حبشیوں نے اور حضرت صہیب کو رومیوں نے اپنا قومی افتخار اور نمونہ بنایا اسی طرح اہلِ فارس نے اسلام لانے کے بعد حضرت سلمان فارسی کو اپنی قوم کا پیش رو قرار دیا۔ ان کے حالات میں غیر معمولی باتیں بڑھائیں اور ان کی طرف بہت سی روایتیں منسوب کیں۔ بالخصوص صوفیہ عجم نے جن میں سے اکثر اپنا سلسلۂ ارادت ان تک پہنچاتے ہیں۔

تیسرے صحابی جن سے اس قسم کی روایتیں آئی ہیں حضرت تمیم داری ہیں جو ۹ھ میں مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے تھے۔ یہ نصارائے یمن میں سے تھے اور قصہ گوئی کرتے تھے یعنی گذشتہ انبیاء اور اقوام کے حالات سناتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت میں ان سے قصہ گوئی کی اجازت طلب کی، مگر انہوں نے منظور نہیں فرمایا۔ آخر میں ان کے بہت اصرار کی وجہ سے صرف اس قدر اجازت دی کہ جمعہ کے دن اس سے پہلے کہ میں جماعت کے لیے نکلوں، تم قصے سنا لیا کرو۔ حضرت عثمان کے عہد میں ان کو ہفتہ میں دو دن کی اجازت مل گئی۔[۳] جساسہ اور دجال کی روایتیں انہیں سے مروی ہیں۔

اصل قصہ گوئی کی دو صورتیں ہوتی تھیں، ایک قصص عامہ کہ قصاص مسجد میں مسلمانوں کے مجمع میں بیٹھ کر ان کو دوسری قوموں کے وہ حکایات اور حالات سناتا، جو اس نے اپنے بزرگوں سے سنے تھے، دوسری قصص خاصہ جو کسی مخصوص بڑے آدمی کے سامنے بیان کیے جاتے تھے۔ عہدِ صحابہؓ

[۱] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۵۲ [۲] اصابہ ج ۱ ص ۱۸۴ [۳] خطط مقریزی ج ۲ ص ۲۵۳

ہی میں قصہ گوئی کا رواج عوام کی دلچسپی کی وجہ سے بہت بڑھ گیا اور چونکہ یہ قصے کذب آمیز بلکہ زیادہ تر بے بنیاد افسانے ہوتے تھے، اس وجہ سے حضرت علی نے اپنے زمانہ میں قصہ گویوں کو مسجدوں میں بیٹھنے کی ممانعت کردی، بجز حسن بصری کے کہ وہ سچائی کا خیال رکھتے تھے۔[1]

تابعین | عہد صحابہ کے بعد روایت تفسیر میں مندرجہ ذیل حضرات نے زیادہ شہرت پائی:

عکرمہ مولے ابن عباس جو اُن کے مخصوص ترین شاگرد بھی تھے۔ یہ اپنے آقا یعنی عبداللہ بن عباس، نیز حضرت عائشہ اور ابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

عطاء بن رباح۔ یہ حضرت عثمان، اسامہ بن زید، حضرت عائشہ، ام سلمہ، ابو ہریرہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ علماء مکہ میں فتوے کی ریاست انہیں پر منتہی تھی۔ ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔

ضحاک بن مزاحم خراسانی۔ یہ حضرت ابن عباس، ابن عمر، زید بن ارقم اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی تاریخ وفات ۱۰۵ھ ہے۔

سعید بن جبیر کوفی۔ یہ ابن عباس، عدی بن حاتم اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں ۹۵ھ میں حجاج بن یوسف کے حکم سے قتل کیے گئے۔

مجاہد بن جبیر۔ یہ بھی حضرت ابن عباس کے شاگرد ہیں اور زیادہ انہیں سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۰۴ھ میں مکہ میں عین سجدہ کی حالت میں وفات پائی۔

حسن بصری۔ یہ انس بن مالک، جندب بن عبداللہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۱۰ھ میں انتقال فرمایا۔

ان کے علاوہ امام مسروق، زید بن اسلم، قتادہ، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور عوفی وغیرہ اس طبقہ کے علماء تفسیر میں ممتاز ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ تفسیر کا علم زیادہ علماء مکہ میں تھا، جو حضرت ابن عباس کے شاگرد تھے، مثلاً عکرمہ، مجاہد اور عطاء، پھر اہل کوفہ میں جو حضرت ابن مسعود کے اصحاب تھے، جیسے حسن بصری اور مسروق وغیرہ۔

اس عہد میں اسرائیلیات میں بہت اضافہ ہوا کیوں کہ عوام کا رجحان ان کی طرف بڑھ گیا

---

[1] فجر الاسلام ص۱۶۱

تھا اور وہ اس کو علمی تحقیق سمجھنے لگے تھے کہ قرآن میں جن انبیاء اور اقوام کے قصص ہیں، ان کے متعلق مزید حالات کا پتہ لگائیں، اس لیے جزئی سے جزئی اور چھوٹی سے چھوٹی باتیں بھی دریافت کرنے لگے مثلاً سفینۂ نوح کی مقدار اور وسعت، اُس میں جن جانداروں کے جوڑے لادے گئے تھے ان کے اقسام حضرت ابراہیم کے قصہ میں چاروں پرندوں کے انواع، حضرت خضر کے ذکر میں غاصب بادشاہ کا خاندان اور اس بچہ کا نام و نسب جن کو خضر نے قتل کیا تھا۔ حضرت یوسف نے جن گیارہ ستاروں کو خواب میں دیکھا تھا، اُن کے نشانات و مقامات۔ حضرت موسیٰ کے واقعہ میں اُن کی بیوی کے متعلق تحقیق کہ وہ حضرت شعیب کی چھوٹی بیٹی تھیں یا بڑی۔ پھر یہ کہ انھوں نے آٹھ یا دس سال کی دونو مدتوں میں سے کون سی مدت پوری کی۔ اصحاب کہف کے نام اور ان کے کتے کے رنگ و نسل، غرض اسی قسم کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں امور کی بابت جن کو قرآن کریم نے لاطائل اور غیر ضروری ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، بحث و تفتیش کرنے لگے۔ یہی معلومات روایات کے ذریعہ سے پھیلیں اور جب تفسیریں مدون ہوئیں تو ان میں درج کی گئیں۔ ان روایات کا سب سے بڑا مرجع دو شخص ہیں ایک کعب بن مانع جو یمن کے یہودی تھے۔ حضرت عمر کے زمانہ میں اسلام لائے اور مدینہ میں بسنے لگے۔ یہ کعب احبار کے نام سے مشہور ہیں۔ ان سے حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ کے توسط سے زیادہ روایتیں آتی ہیں۔

دوسرے وہب بن منبہ، یہ بھی یمن کے یہودی مگر فارسی الاصل تھے۔ ان کی وفات صنعاء میں ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ اسرائیلیات میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ علماء ثقات مثلاً ابن قتیبہ یا امام نووی وغیرہ نے ان کی کوئی روایت اپنی کتابوں میں درج نہیں کی۔ ابن جریر طبری نے اگرچہ ان سے قطعی پرہیز تو نہیں کیا ہے۔ مگر بہت کم روایتیں لی ہیں۔ لیکن ثعلبی وغیرہ نے انبیاء کے قصوں میں زیادہ تر انہیں کی مرویات درج کی ہیں۔[1]

یہاں اس حقیقت کا بھی ظاہر کردینا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں عرب کے ہر حصہ سے زیادہ یہودی ثقافت یمن میں شائع تھی۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہاں کے اہل کتاب مسلمانوں سے اس قسم کی روایتیں زیادہ منقول ہوئیں۔

اتباع تابعین | اس طبقہ میں بالعموم حاملین روایت کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ اُن میں سے

---

[1] فجر الاسلام صفحہ ۱۹۱

جن کے نام تفسیر کے ساتھ مشہور ہوئے، حسب ذیل ہیں:-

عطا بن دینار متوفی ۱۲۶ھ، مقاتل بن سلیمان متوفی ۱۵۰ھ، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ وکیع بن الجراح متوفی ۱۹۷ھ، سفیان بن عُیینہ متوفی ۱۹۸ھ، نیز ابن جریج، اسحاق بن راہویہ، آدم بن ایاس، عبد الرزاق، اور امام مالک وغیرہ۔

اس طبقہ کے لوگوں نے تفسیر میں کتابیں بھی مدوّن کرنی شروع کیں، چنانچہ تاریخوں میں ان میں سے بعض تفاسیر کا ذکر ہے، مثلاً تفسیر ابن جریج، تفسیر سفیان بن عُیینہ، تفسیر وکیع بن الجراح، تفسیر شعبہ، تفسیر ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ۔ مگر یہ سب کی سب فنا ہو گئیں اور ان میں سے کوئی بھی اُمت کے ہاتھوں میں باقی نہیں رہی۔

ان کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے شیوخ سے جو روایتیں قرآن کی تفسیر میں سنتے، ان کو قلمبند کر لیتے تھے۔ بڑا حصہ اسرائیلیات کا ہوتا تھا، جس کی وجہ ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں۔ اس طبقہ میں ان روایات کے بطل کبیر ابن جریج ہیں، جن کی نسبت بعض ائمہ جرح و تعدیل نے تصریح کی ہے کہ روایتیں وضع کرتے تھے۔[۵۱] یہ ۸۰ھ میں اسلام لائے تھے اور ۱۵۰ھ میں انتقال کر گئے امام ذہبی نے لکھا ہے کہ رومی الاصل تھے اور امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ ابن جریج نے ۹۰ سورتوں سے متعہ کیا تھا۔[۵۲] ابن خلکان کے بیان کے مطابق سب سے پہلی تفسیر اسلام میں، انہوں نے ہی مدوّن کی۔ تبع تابعین کا سلسلہ دوسری صدی ہجری کے خاتمہ تک پہونچتا ہے۔ اس کے بعد اُن کے شاگردوں کا زمانہ آتا ہے۔ اس عہد یعنی تیسری صدی ہجری میں تدوینِ کتب عام ہو گئی۔ اسی میں صحاح ستہ لکھی گئیں، جن میں تفسیر کی روایتیں کتاب التفسیر کے عنوان سے سورتوں کی ترتیب پر جمع کی گئی ہیں۔ ان کا بھی عام انداز وہی ہے جو ان کے اساتذہ کا تھا، یعنی، انہوں نے جستہ جستہ الفاظ و آیات قرآن کے متعلق متقدمین سے جو روایتیں سُنی ہیں، ان کو درج کر دیا ہے۔ یہ روایتیں بالعموم صحابہ کرام یا اُن کے تلامذہ کی ہیں۔ خال خال ہیں، جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہیں۔ کتب صحاح ستہ کے تفسیروں کے یہ ابواب اس قدر مختصر ہیں کہ کسی سورہ کے ایک یا دو لفظوں اور کسی سورہ کی صرف ایک یا دو آیتوں کے متعلق روایات درج کی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ روایات قرآن کی تفسیر کے لیے نہایت اہمیت رکھتی ہیں، مگر خود ان سے ان کا کوئی گوشہ بھی سیراب نہیں ہوتا۔

---

۵۱ فجر الاسلام ص۲۲۲ ۵۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۵۳

تنقید تفسیر | زیادہ تر اسی زمانہ یعنی تیسری صدی ہجری میں، ائمہ جرح و تعدیل نے راویان روایات کی تنقید کی، تفسیری روایات کا بڑا حصہ بوجہ ان کے رواۃ کے ضعف کے مشکوک ثابت ہُوا، کیوں کہ ضحاک بن مزاحم، مقاتل بن سلیمان، ابو صالح مصری، محمد بن سائب کلبی، السدی، محمد بن مروان، بشر بن عمارہ اور عوفی وغیرہ جن سے زیادہ تر یہ روایتیں آئی ہیں، جانچنے سے کمزور بلکہ بعض ان میں سے وضاع نکلے[1]۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ صحابہ کرام میں حضرت علی اور عبداللہ بن عباس کے نام سے تفسیر کی روایتیں زیادہ آئی ہیں اور یہی رواۃ کی کمزوری کی وجہ سے عام طور پر موضوع اور مجہول نکلیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی کے شیعہ کی کثرت تھی، جو انہیں اقوال کو زیادہ احترام اور قبولیت کی نظر سے دیکھتے تھے، جو ان کے نام کے ساتھ منسوب ہوں، اس لیے شیعہ رواۃ بشیترا نہیں کے نام سے روایتیں کرتے تھے، بلکہ جو بات اُن کے ذہن میں ایسی آتی تھی، جس سے حضرت علی کا رتبہ ظاہر ہو اس کو بھی انہیں کی طرف منسوب کر دیتے تھے، چنانچہ ابن ابی جمرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں اگر چاہوں تو صرف فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹوں کا بوجھ تیار کر دوں[2]۔ وضع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کے نام سے جو روایات کی گئی ہیں، ان کی کُل تعداد ۵۸۰ ہے، جن میں سے ائمہ حدیث کے نزدیک اصول کی رو سے صرف پچاس صحیح ہیں[3]۔

حضرت ابن عباس جن کی نسل سے خلفاء عباسیہ تھے، مقربین بارگاہ کا مخصوص موضوع تھے۔ قرآن کریم کی کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ خالی نہ ہوگا، جس کی تفسیر میں ان سے روایت نہ کی گئی ہو ان کی کل روایتوں کی تعداد ۱۶۶۰ ہے[4]، جن میں سے امام شافعی کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ سَو ایسی ہیں، جو صحیح مانی گئی ہیں[5]۔

ابن عباس سے روایت کے جتنے طرق ہیں، ان میں سب سے معتبر طریقہ ابن صالح عن علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس ہے، مگر جملہ حفاظ حدیث کا اجماع ہے کہ علی بن ابی طلحۃ کی لقاء حضرت ابن عباس سے ثابت نہیں ہے۔ وہ جو کچھ ان کے نام سے کہتے ہیں، دراصل مجاہد اور سعید بن جبیر کی روایتیں ہوتی ہیں۔ دوسرا طریق جس کو محدثین نے شیخین یعنی امام بخاری اور مسلم کی شرط کے مطابق

---

[1] مرآۃ التفسیر صفحہ ۲ سے صفحہ ۳ تک۔ [2] فجر الاسلام صفحہ ۲۳۸۔ [3] الملل والنحل لابن حزم ج ۴ صفحہ ۳۷۔
[4] مرآۃ التفسیر صفحہ ۱۳۔ [5] اتقان ج ۲ صفحہ ۱۹۵۔

تسلیم کیا ہے "قیس عن عطاء بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس" ہے مگر اس سلسلہ سے صرف چند ہی روایات ہیں۔ باقی دوسرے تمام طرق مجروح ہیں۔ جویبر عن ضحاک سخت ضعیف سلسلہ ہے۔ ابن جریج نے جو کچھ روایت کیا ہے، اس میں صحت کا خیال ہی نہیں رکھا۔ کلبی کی روایتیں سب سے زیادہ کمزور ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ جب مروان بن محمد بھی شامل ہو جائے تو یہ سلسلہ سراپا کذب ہو جاتا ہے[۱]

یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر بعض اکابر ائمہ نے تفسیری روایتوں کی صحت کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل کا جو جرح و تعدیل کے امام اور بخاری و مسلم کے استاد ہیں، قول ہے کہ تین کتابیں ہیں، جن کی کوئی اصلیت نہیں، مغازی، ملاحم اور تفسیر[۲]

ہرچند کہ امام موصوف کے اس قول میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے لیکن ان کے تلامذہ نے کہا ہے کہ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ بیشتر حصہ ان روایات کا ناقابل اعتماد ہے۔ غالباً اس تاویل سے ان کا منشا یہ ہے کہ ائمہ حدیث نے جن تفسیری روایتوں کو اصول حدیث کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، وہ اس سے مستثنےٰ ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ جو روایتیں صحیح قرار دی گئی ہیں، ان میں بھی تنقید کی ضرورت ہے، مثلاً القناطیر المقنطرہ کی تفسیر میں، امام حاکم نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ قنطار ایک ہزار اوقیہ کا ہوتا ہے اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ بارہ ہزار اوقیہ کا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے صرف ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے، مگر محدثین نے دونوں کو صحیح کہا ہے[۳]

مکمل تفسیریں تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری میں پورے قرآن کی تفسیر لکھی گئیں، مثلاً تفسیر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، تفسیر ابن منذر متوفی ۳۱۸ھ، تفسیر ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ، تفسیر امام حاکم متوفی ۳۵۹ھ، تفسیر ابن حیان متوفی ۳۶۹ھ وغیرہ۔

ان میں سے ہر ایک نے صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء سے روایات درج کی ہیں خود اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی ہے، بجز ابن جریر طبری کے جن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر آیت کو نقل کرنے کے بعد اس کے ایک ایک لفظ کے معانی لکھتے ہیں۔ متقدمین کے جو اختلافات ہوتے ہیں، ان کو اسناد کے ساتھ درج کرتے ہیں، پھر خود ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر اس کے

---

[۱] اتقان ج ۲ ص ۱۹۵ [۲] تذکرۃ الموضوعات للشیخ محمد طاہر ص ۸۲ [۳] اتقان جلد ۲ ص ۱۹۹

وجوہ لکھ دیتے ہیں۔ الفاظ سے گذر کر آیات کے مفہوم کے متعلق بھی ان کا رویہ بعینہٖ یہی ہے۔ کہیں کہیں استنباط مسائل اور وجوہ اعراب سے بھی بحث کرتے ہیں۔ الغرض ان کی تفسیر اسلام میں پہلی تفسیر ہے جس میں مؤلف نے اپنی دماغی کوشش اور ذہنی کاوش سے بھی کام لیا ہے اور ہر موقع پر اس کی شخصیت نظر آتی ہے۔ دراصل ان کی تفسیر اس کل قرآنی علم کا مجموعہ ہے، جو اس وقت تک علماء اسلام کے پاس تھا۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ اُمت کا اجماع ہے کہ ابن جریر طبری جیسی تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ امام ابو حامد اسفرائینی کا قول ہے کہ اگر کسی نے چین تک کا سفر کر کے بھی تفسیر طبری کو حاصل کر لیا، تو کوئی بڑی زحمت نہیں اٹھائی۔[۱] آج روئے زمین پر پورے قرآن کی سب سے پہلی تفسیر یہی ہے، یہ ام التفاسیر بولی جاتی ہے، کیوں کہ زمانۂ مابعد میں جتنی تفسیریں لکھی گئیں، سب کی سب اسی سے ماخوذ ہیں۔ اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ رطب و یابس ہر قسم کی روایات درج کر دی گئی ہیں، لیکن چوں کہ سند ہر روایت کی اس کے ساتھ ہے، اس وجہ سے جانچنا نہایت آسان ہے۔ امام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید حافظ ابن کثیر نے اسی کا خلاصہ اور تنقیح کر کے اپنی تفسیر مرتب کی ہے۔

علمی تفسیریں اب تک جس قدر تفسیریں لکھی گئی تھیں، وہ خالص منقولی تھیں، یعنی، روایات کا مجموعہ، لیکن چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں مختلف قسم کی علمی تحریکات پیدا ہو گئی تھیں۔ صرف و نحو، بلاغت و معانی، فقہ و اصول، منطق و فلسفہ، کلام و تصوف وغیرہ کا عام رواج ہو چکا تھا۔ ان علوم کے حاملین نے جو تفسیریں لکھیں، ان میں بیشتر اپنے فنی زاویۂ نظر سے الفاظ و آیات کی تشریح میں بحثیں شروع کیں اور روایات کے ساتھ ساتھ اجتہاد کا دروازہ بھی کھول دیا۔ علاوہ بریں نئے نئے مذہبی فرقے بھی پیدا ہو گئے تھے ان اہل مذاہب نے بھی اپنے اپنے عقائد و خیالات کے مطابق آیات کی تفسیریں کیں، جن کی وجہ سے اختلافات کی بہت کثرت ہو گئی اور تفسیروں کی نوعیتیں متعدد ہو گئیں، مثلاً زجاج اور کسائی وغیرہ نے جو صرف و نحو کے امام تھے، اپنی تفسیروں میں خصوصیت کے ساتھ لفظی تصرفات اور وجوہ اعراب سے بحثیں کیں۔

ثعلبی اور ابن اثیر نے جن کو تاریخ کا ذوق تھا، قصص کی تفصیلوں کی طرف رجحان رکھا۔ فقیہہ ابو اللیث سمرقندی اور علامہ قرطبی نے فروعات فقہیہ پر آیات سے استدلال میں توجہ صرف کی۔ ابو مسلم اصفہانی اور زمخشری نے معتزلی عقائد کے اثبات کی کوشش کی۔ اسفرائینی اور رازی نے اشعری

[۱] مرآۃ التفسیر ص۳۵

اصول کے مطابق متکلمانہ بحثیں لکھیں۔ عبد القاہر جرجانی اور ابو ہلال عسکری نے بلاغت و معانی کے لطائف ظاہر کیئے۔ محی الدین ابن عربی اور واحدی وغیرہ نے تصوف کا رنگ بھرا، اور شیعہ مفسروں نے آیات کو اپنے مذہبی خیالات کے مطابق بنانے سے سروکار رکھا۔ غرض اس وقت سے لے کر مفتی محمد عبدہٗ اور سرسید احمد خاں تک ہر زمانہ کی تفسیر اس زمانہ کی علمی بحثوں اور تحریکوں سے متاثر اور ہر فرقہ کی تفسیر اُس کے عقائد و خیالات کی آئینہ نظر آتی ہے۔

ان وجوہات سے اگرچہ تفسیروں میں وسعت تو بہت پیدا ہوگئی لیکن بے جا تاویلات کا بھی راستہ کھل گیا اور اکثر فرقوں نے آیاتِ قرآن کو اپنے خیالات کے مطابق اس طرح ڈھالنے کی کوششیں کیں، جن کو معنوی تحریف کہنا بجا ہے۔ اس بے اعتدالی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ تفسیر کے اصول نہیں متعین کیے گئے۔ علماء اصول نے جو کچھ لکھا ہے، وہ الفاظ کے استعمال کے متعلق چند عام قیاسی قاعدے ہیں، جو بالکل ناکافی ہیں۔ علامہ فناری نے تصریح کی ہے کہ علم تفسیر میں بجز چند امور کے اصول مطلقاً نہیں ہیں، جن پر اس کی جزئیات کا مدار ہو[1]۔

شرائط تفسیر | متاخرین نے مفسر کے لیے کم سے کم پندرہ علوم جاننے کی شرط لگائی ہے۔ لغت، اشتقاق، صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، قرآت، کلام (اصولِ دین)، اصولِ فقہ، اسبابِ نزول، قصص، ناسخ و منسوخ، فقہ اور حدیث[2]

لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ یہ تمام علوم مسلمانوں میں دوسری بلکہ تیسری صدی ہجری میں رائج ہوئے ہیں، جس سے پہلے ہی قرآن کریم کو حضرات صحابہ و تابعین اور تبع تابعین صحیح اور بہتر طریقہ سے سمجھتے رہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ان علوم مشروطہ کا ماخذ خود قرآن ہے، اسی سے علماء نے ان کو نکالا ہے، پھر یہ فہم قرآن کے لیے شرط کیوں کر قرار دیے جا سکتے ہیں۔ غالباً اُن لوگوں کا مقصد جنھوں نے ان علوم کو شرط گردانا ہے، یہ ہوگا کہ ان سے فہم قرآن میں مدد ملتی ہے، ورنہ ان میں سے اکثر تو قیاسی علوم ہیں، جن میں غلطی کے پہلو بھی نکل آتے ہیں۔ چنانچہ وہ مفسرین جن کی تفسیروں کو علماء نے قابلِ اعتراض قرار دیا ہے، نہ صرف یہ کہ ان علوم سے اچھی طرح واقف تھے، بلکہ اپنی تفسیروں میں ان کے اصول کو مرعی بھی رکھتے تھے

کتبِ تفسیر | امام ابن جریر طبری کے بعد جس قدر تفسیریں لکھی گئیں، اُن کو کون شمار کرسکتا ہے، صرف

[1] مرآۃ التفسیر ص۸ [2] اتقان ج۲ ص۱۸۱

کشف الظنون میں جو ایک کتب خانہ کی فہرست ہے، نو سو تفسیریں نام بنام مندرج ہیں۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اپنی کتاب اکسیر میں اس سے بھی زیادہ تفسیریں گنائی ہیں۔ اگر دنیا کے تمام کتب خانوں کی فہرستیں دیکھ کر ان کی تعداد لکھی جائے تو آج بھی یقیناً کئی ہزار تک پہنچے گی۔ اس موقع پر بہ ترتیب زمانہ چند مشہور تفسیروں کا نام لکھنا غیر مناسب نہ ہوگا۔

چوتھی صدی ہجری میں تفسیر ابوالحسن اشعری امام اہل سنت متوفی سنہ ۳۲۰ھ، تفسیر محمد بن علی ادفوی متوفی سنہ ۳۸۸ھ، اس کا نام استغنا فی علوم القرآن ہے اور ایک سو بیس (۱۲۰) جلدوں میں ہے، تفسیر خلف بن احمد والی سیستان متوفی سنہ ۳۹۹ھ، یہ تفسیر سجستانی کے نام سے مشہور ہے اور سب سے بڑی تفسیر ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں تفسیر ابن فورک متوفی سنہ ۴۰۶ھ، تفسیر ابن ابو طالب مکی متوفی سنہ ۴۳۷ھ، تفسیر امام ماوردی متوفی سنہ ۴۵۰ھ، تفسیر ابومسلم اصفہانی متوفی سنہ ۴۵۹ھ، تفسیر امام اسفرائینی متوفی سنہ ۴۷۱ھ، تفسیر امام الحرمین استاد امام غزالی متوفی سنہ ۴۷۸ھ، تفسیر راغب اصفہانی متوفی سنہ ۵۰۰ھ۔

چھٹی صدی ہجری میں تفسیر امام غزالی متوفی سنہ ۵۰۵ھ، جس کا نام یاقوت التاویل ہے اور چالیس جلدوں میں ہے، تفسیر امام بغوی محی السنۃ متوفی سنہ ۵۱۶ھ، تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری متوفی سنہ ۵۲۸ھ، تفسیر امام ابن الجوزی بغدادی متوفی سنہ ۵۹۷ھ۔

ساتویں صدی ہجری میں تفسیر امام رازی متوفی سنہ ۶۰۶ھ، تفسیر شیخ محی ابن عربی متوفی سنہ ۶۳۸ھ، تفسیر سخاوی متوفی سنہ ۶۴۳ھ، تفسیر بیضاوی متوفی سنہ ۶۸۲ھ۔

آٹھویں صدی ہجری میں تفسیر خازن شیخ علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی متوفی سنہ ۷۲۵ھ، تفسیر بحر المحیط ابوحیان اندلسی۔

نویں صدی ہجری میں تفسیر علامہ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس متوفی سنہ ۸۱۷ھ، تفسیر امام بلقینی متوفی سنہ ۸۲۴ھ۔

اس کے بعد جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، وہ زیادہ تر انہیں تفسیروں کا خلاصہ یا التقاط ہیں۔ ان کے نام گنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ان چند تفسیروں کا ذکر ضروری ہے، جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے امتیاز رکھتی ہیں۔ ان میں سب سے مقدم ابن جریر طبری کی تفسیر ہے، جس کی مختصر کیفیت ہم لکھ چکے ہیں، ہر زمانہ میں اہل علم اسی کو سب سے بہتر تفسیر تسلیم کرتے چلے آئے ہیں، گویا تشریح قرآن کے

لحاظ سے وہی پہلی تفسیر ہے اور وہی آخری تفسیر، آج تک کوئی تفسیر اس کے رتبہ کی نہیں لکھی جا سکی۔

دوسری تفسیر، جس نے علماءِ ادب میں شہرت حاصل کی، کشاف ہے۔ اس کے مؤلف علامہ زمخشری بلاغت و معانی کے امام تھے۔ انہوں نے اسی نوعیت سے یہ تفسیر لکھی، لیکن زیادہ زور پہلے ہی پارہ کی تفسیر میں صرف کر دیا ہے، مگر اس میں اپنی فن دانی کا جو مظاہرہ کیا ہے، وہ بے نظیر ہے۔

تیسری تفسیر جو علماءِ معقول میں مقبول ہوئی، امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر ہے، اس میں طویل الذیل فلسفیانہ بحثیں ہیں۔ یہ اس زمانہ میں لکھی گئی، جب عالمِ اسلام میں منطق، فلسفہ اور علمِ کلام زیادہ رائج تھا، اس واسطے بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئی، لیکن اہلِ منقول نے اس کو پسند نہ کیا، کیوں کہ علاوہ اس کے کہ اس میں بعض باتیں ان کے قدیم خیالات کے مطابق نہ تھیں، ان کو آیات کے ساتھ ان متکلمانہ مباحث کا، جو ان کے تحت میں لکھے گئے ہیں، ربط نظر نہ آیا، یہاں تک کہ بعض بزرگوں نے کہہ دیا کہ "رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے بجز تفسیر کے"۔

امام رازی نے ربطِ آیات کی طرف بھی جا بجا اشارات کئے ہیں، مگر ہر جگہ اس کا خیال نہیں رکھا۔ ان کے بعد علامہ شرف الدین ابو الفضل متوفی ۶۵۵ھ نے اپنی تفسیر میں جو بیس جلدوں میں ہے اور تفسیر مرسی کے نام سے مشہور ہے۔ ہر ہر آیت کے باہمی ربط اور اس کے وجوہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کی۔ اسی عنوان پر شیخ علی مہائمی متوفی ۸۳۵ھ نے جن کا مزار بمبئی میں زیارتگاہ ہے، اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن لکھی۔ پھر شیخ ابراہیم بقاعی متوفی ۸۸۵ھ نے تفسیر بقاعی تالیف کی جو فی الجملہ اس سے بہتر سمجھی گئی۔ اس آخری زمانہ میں مولانا حمید الدین فراہی بھی ربطِ آیات کے عنوان سے تفسیر نظام الفرقان عربی زبان میں لکھ رہے تھے، جو ان کے انتقال کر جانے کی وجہ سے پوری نہ ہو سکی۔ صرف اس کے بعض اجزاء شائع ہوئے ہیں۔

آیات کے علاوہ سورتوں کی ترتیب اور ان کے باہمی تناسب پر شیخ ابو حیان نے اپنی تفسیر البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن لکھی ہے۔ شیخ ابو الفیض فیضی اکبرآبادی متوفی ۱۰۰۴ھ کی تفسیر سواطع الالہام کسی معنوی خوبی کے لحاظ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے قابلِ ذکر ہے کہ غیر منقوط الفاظ میں لکھی گئی ہے۔

موجودہ دور میں شیخ جوہری طنطاوی کی تفسیر مغربی علوم کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، لیکن علمی

علمی لحاظ سے بہترین تفسیر شیخ محمد عبدہ کی ہے جس کی تکمیل ان کے شاگرد رشید علامہ سید رشید رضا مدیر رسالہ "المنار" مصر کر رہے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ ابھی نصف قرآن تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ سید صاحب موصوف انتقال کر گئے اور یہ مفید تفسیر ناتمام رہ گئی۔

نصاب درس کے لئے علماء اہلِ سنت کو صحت مفہوم اور اختصار۔ دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے سب سے بہتر تفسیر جلالین ملی، جو نصف قرآن تک شیخ جلال الدین محلی متوفی ۸۶۴ھ اور بقیہ نصف شیخ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ اسی قسم کی مختصر تفسیر مدارک بھی ہے جو علامہ نسفی کی تالیف ہے اور بعض مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ تفسیر بیضاوی کا ابتدائی حصہ سورہ بقرہ تک بھی پرانے مدارس میں پڑھا دیا جاتا ہے۔ بیضاوی دراصل تین اہم علمی تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ جہاں تک معانی و بیان کا تعلق ہے، کشاف سے ماخوذ ہے۔ متکلمانہ بحثیں تفسیر کبیر رازی سے اور حقائق و لطائف تفسیر راغب اصفہانی سے[1]

علوم قرآن | جب سے مسلمانوں میں مختلف علوم کا رواج ہوا اسی وقت سے اہلِ فن نے قرآن کے ایک ایک شعبہ پر جداگانہ بحثیں شروع کیں اور ان کے متعلق کتابیں تصنیف کرنے لگے۔ مثلاً لغات القرآن، اعراب القرآن، بدائع القرآن، قصص القرآن، احکام القرآن اور حجج القرآن وغیرہ۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے الاتقان فی علوم القرآن میں ان علوم کی اسی انواع کا شمار کیا ہے اور ان کے اوپر جو مشہور تصنیفیں ہیں، ان کو گنایا ہے۔ لیکن دراصل ان انواع کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے، اور ہر ایک بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے، جس پر تصانیف کے انبار ہیں۔ مثلاً الفاظ القرآن، اس پر بہت سے علماء ادب ولغت نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ابو عبیدہ، ابو عمر زاہد اور ابن درید کی کتابیں مشہور ہیں ان سب کا مجموعہ العزیزی کی کتاب ہے جس کو انہوں نے اپنے استاد ابوبکر ابن الانباری کی معیت میں پورے پندرہ سال کی محنت میں تیار کیا ہے۔ آخر میں راغب اصفہانی نے مفردات القرآن لکھی جو الفاظ قرآن کے متعلق سب سے مفید تر کتاب تسلیم کی گئی ہے۔

اسی طرح اعجاز القرآن پر امام خطابی، رمانی، زملکانی۔ فخر الدین رازی، ابن سراقہ اور ابوبکر باقلانی کی کتابیں ہیں۔ اس زمانہ میں مصر کے نامور ادیب مصطفےٰ صادق رافعی نے اپنی کتاب آداب العربیہ کی دوسری جلد پوری اسی عنوان پر لکھی ہے، جو سب سے بہتر جامع اور دلکش تصنیف ہے۔ علیٰ ہذا

---

[1] نقد الادب ص ۲۳۰

اقسام القرآن، امثال القرآن، متشابہات القرآن، مبہمات القرآن بلکہ آیات، الفاظ اور حروف قرآن کی تعداد وغیرہ تک کوئی عنوان ایسا نہیں ہے جس پر تصنیفیں نہ ہوں۔ یہاں تک کہ خواص القرآن یعنی آیات سے تعویذات عملیات اور نقوش وغیرہ پر بھی امام غزالی اور یافعی وغیرہ نے کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔

قرآنی علوم پر یہ کتابیں مفسروں کے لیے نہایت کارآمد ذخیرہ ہیں جن سے وہ اپنی تفسیروں میں مدد لیتے ہیں۔

نقائص تفسیر | گزشتہ صفحات میں ان خرابیوں کی طرف جو تفسیروں میں واقع ہوئیں ضمنًا اشارات کیے گئے ہیں۔ اب میں ان کے بڑے بڑے نقائص کو تفصیل وار بیان کر دیتا ہوں:

"(۱) سب سے پہلا نقص یہ ہے کہ ان مفسرین نے قرآن کی تشریح کے اصول مقرر نہیں کئے۔ علماء اصول نے جو قواعد لکھے ہیں، اول تو وہ مخصوص قرآن فہمی کو پیش نظر رکھ کر نہیں مرتب کئے گئے ہیں، بلکہ عام ہیں اور زیادہ تر ان کا تعلق الفاظ سے ہے، دوسرے ان کی بنا محض قیاس پر ہے جس میں ہر نقطہ پر اختلاف کی گنجائش اور غلطی کا احتمال ہے، تیسرے وہ صرف چند قاعدے ہیں جو بالکل ناکافی ہیں۔ زمانہ مابعد میں امام ابن تیمیہ نے جو ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے، اس ضرورت کو محسوس کر کے اصول لکھنے شروع کئے، مگر نا معلوم وجوہ سے صرف تمہید ہی لکھ کر رہ گئے۔ آخری زمانہ میں شاہ ولی اللہ مرحوم دہلوی نے اصول تفسیر میں ایک رسالہ فوز الکبیر لکھا ہے، لیکن اس میں صرف بعض ایسے مطالب کی مختصر تشریحات ہیں جن سے فہم قرآن میں مدد مل سکتی ہے۔ ان کو اصول نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ وہ محدود و منضبط نہیں ہیں جن سے کوئی مخصوص طریقہ تفسیر کا متعین ہو سکے، بلکہ وہ شاہ صاحب کے فہم قرآن کی نوعیت کو ظاہر کرتی ہیں اور بس۔

الغرض تفسیر قرآن کے اصول قطعًا مرتب نہیں ہو سکے ہیں، حالانکہ سب سے پہلا کام یہی تھا۔ اس لیے یہ تمام تفاسیر جو لکھی گئی ہیں، کسی علمی یا عقلی اصول پر مبنی نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک ممتاز مفسر[1] مرفناری کا قول نقل کر چکا ہوں کہ "تفسیر کے لئے بجز چند معمولی قاعدوں کے اصول مطلقًا نہیں ہیں جن پر اس کی جزئیات کا مدار ہو۔"

---

[1] مرآۃ التفسیر ص

(۲) اب تک مفسروں نے قرآن کی تفسیر کا جو طریقہ رکھا ہے وہ یہی ہے کہ جس طرح کسی انسانی تصنیف کی تشریح کی جاتی ہے، یعنی فاتحہ سے شروع کر کے ایک ایک آیت کی مسلسل تفسیر لکھتے چلے جاتے ہیں اور خاتمہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح آیات اور الفاظ کے معانی کی شرح تو ضرور ہو جاتی ہے مگر قرآن سمجھ میں نہیں آتا یعنی اس کی کوئی تعلیم حل نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اس کی تعلیمات اس ترتیب اور ربط کے ساتھ نہیں بیان کی گئی ہیں جس طرح انسانوں کی کتابوں میں بیان کی جاتی ہیں، بلکہ اس کی ہر تعلیم متعدد سورتوں اور آیتوں میں اس کے طول و عرض میں بتدریج اتاری گئی ہے۔ تاوقتیکہ کسی خاص مسئلہ کے متعلق تمام تعلیمات متفرق سورتوں سے نکال کر جمع نہ کر لی جائیں اور ان کو صحیح ترتیب کے ساتھ مرتب نہ کیا جائے، اس مسئلہ کی پوری قرآنی تعلیم ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتی لہٰذا ان تفسیروں نیز ترجموں سے جو سلسلہ بسلسلہ آیات کے ساتھ چلتے ہیں، قرآنی تعلیمات کی توضیح نہیں ہو سکتی۔ فہم قرآن کے لیے ان تفسیروں کی نوعیت تقریباً وہی ہے، جو فن طب میں کتب مفردات کی ہے، جن میں حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ دواؤں کے نام خواص، آثار اور بدل وغیرہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ان کو پڑھ کر طبیب نہیں ہو سکتا، بجنسہٖ اسی طرح ان تفاسیر و تراجم کے مطالعہ سے بھی کوئی شخص حقائق قرآنی کا عالم نہیں ہو سکتا۔

(۳) اکثر تفاسیر میں آیات و الفاظ کی تشریحات روایات سے کی گئی ہیں اور تفسیری روایات کی بابت ہم لکھ چکے ہیں کہ ان کا بڑا حصہ خود محدثین کے نزدیک موضوع ہے چنانچہ امام احمد بن حنبل نے جن کے اوپر حدیث کی امامت منتہی ہوئی کہہ دیا ہے کہ تفسیری روایتیں تمام تر بے اصل ہیں۔ قصص میں اسرائیلیات لائی جاتی ہیں جو بیشتر ناقابل اعتبار ہیں یہی حال اسباب نزول کی روایتوں کا ہے۔ قدیم مفسروں نے ان روایتوں کے سلسلۂ اسناد بھی لکھے تھے جن سے صحیح اور غیر صحیح کی تمیز ہو سکتی تھی۔ مگر متاخرین نے ان کو بھی حذف کر دیا اور اپنی تفسیروں میں ان روایات کو بلا اسناد کے نقل کرنے لگے، جس کے باعث عوام میں ان کی حیثیت مسلمات کی سی ہو گئی اور بہت سی آیتوں کی غلط تفسیریں امت میں رائج ہو گئیں۔ یہی سبب ہے کہ جن قدر تفاسیر

کی کثرت ہوتی گئی، اسی قدر مسلمانوں کو قرآن کریم کی اصلی اور صحیح تعلیم سے بُعد ہوتا گیا۔ ان غلط تفسیروں کی بہت سی مثالیں ہم نے ایک جداگانہ مقالہ میں جمع کی ہیں، جس کو امید ہے کہ جلد شائع کر سکیں گے۔

(۴) ایک خاص شکایت یہ ہے کہ ان تفسیر نگاروں نے خود اپنے دماغوں سے بہت کم محنت لی ہے۔ اِلّا ماشاءاللہ۔ زیادہ تر متقدمین ہی کی باتیں اور روایتیں نقل کرتے چلے آئے ہیں۔ بعض بزرگ تو اس قسم کے گذرے ہیں، جنہوں نے اپنی تفسیریں محض ثواب کا ذخیرہ اور جنت کا ذریعہ سمجھ کر لکھی ہیں، یعنی: تقرباً الی اللہ خدامِ قرآن میں داخل ہو گئے، بجائیکہ ان کی تفسیروں میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی، جس پر کسی طالب قرآن کی زبان سے ان کے لیے مغفرت کی دعا نکلے، یا جو بوجھ اپنی تصنیف کا وہ پڑھنے والوں پر ڈال گئے ہیں، اُس کی کوئی تلافی ہو سکے۔ بیشتر اسی قسم کی تفسیریں تھیں، جو معدوم یا متروک ہو گئیں، کیوں کہ یہ حقیقت ہے، جس کو قرآن نے سکھلایا ہے کہ "وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ" وہی چیز دنیا میں رہے گی جو لوگوں کے لیے نفع رساں ہو گی۔

جن لوگوں نے دماغ سے کام لیا ہے، ان میں سے اکثر ایسے ہیں، جنہوں نے اپنے اپنے خاص خاص عقیدوں کو بے موقع قرآن کے ذریعہ سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے محض جدتِ طبع دکھائی ہے، مثلاً ابن فورک نے حضرت ابراہیم کے قول "لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قلبی ان کے ایک دوست تھے، یا "كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ" کی تفسیر میں بعضوں نے کہا ہے کہ سجل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام تھا۔ حالانکہ تمام ائمہ حدیث و تاریخ متفق ہیں کہ اس نام کا کوئی صحابی نہیں ہے، یا مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کی تفسیر علی و فاطمہ اور لولو و مرجان کی تفسیر حسنین رضی اللہ عنہم یا الصّابرین والصّادقین والقانتین والمنفقین والمستغفرین کی تفسیر میں صابر سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صادق سے صدیق، قانت سے عمر فاروق، منفقین سے عثمان غنی اور مستغفرین سے حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ غرض اسی طرح کی سینکڑوں آیات ہیں، جو ان حضرات نے مسخ کی ہیں[1]۔ ایسی تفسیروں سے سوائے انسانی تخیلات کے آسمانی پیغام کی ماہیت نہیں سمجھی جا سکتی۔

---

[1] تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۷۲

(۵) یہ مفسرین بالعموم قرآن میں نسخ کے قائل ہیں، چنانچہ بہت سی محکم اور یقینی آیتوں پر بھی نسخ کے احکام لگاتے چلے جاتے ہیں، بلکہ جن لوگوں نے ناسخ اور منسوخ پر کتابیں لکھی ہیں، ان کی تو کوشش یہی معلوم ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے نسخ دکھلائیں۔ ان کے بیان کے مطابق نصف بلکہ اس سے بھی زیادہ احکامی آیات منسوخ ہیں۔ ابوبکر ابن العربی نے ان کی تعداد کو کم کرکے صرف ۲۱ آیتوں کو منسوخ قرار دیا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اور زیادہ غور کیا، تو ان کے خیال میں صرف پانچ آیتیں منسوخ ثابت ہوئیں، مگر وہ بھی منسوخ نہیں ہیں؛ چنانچہ ہم نے تفصیل کے ساتھ ان کے اوپر اپنی کتاب تاریخ القرآن میں بحث کر دی ہے۔ غرض اس نسخ کے عقیدہ نے بھی تفسیروں کے اندر ایک عجیب پیچیدگی پیدا کر دی ہے۔

(۶) یہ مفسرین بہت سی آیتوں کی تفسیر میں متعدد معانی اور مختلف اقوال نقل کرتے ہیں، مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کی تفسیر میں دس قول ہیں۔ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ کی متعدد تفسیریں ہیں۔ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ کی شرح میں کئی باتیں کہی گئی ہیں۔ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وہ اہلِ فارس تھے یا یمن کے باشندے تھے یا حبشی یا نجرانی یا شامی تھے۔ الغرض سینکڑوں الفاظ و آیات ہیں، جن کی کئی کئی تفسیریں یا یا کرکے لکھتے چلے جاتے ہیں اور کسی ایک بات کو جزم و یقین کے ساتھ بیان نہیں کرتے۔ ان میں سے صحیح مفہوم کے فیصلہ کی قوت خود ان کے اندر مفقود ہوتی ہے، حالانکہ صحیح مفہوم ایک اور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی تفسیریں سے بجائے اس کے کہ آیات کی توضیح ہو، وہ اور مبہم ہو کے رہ جاتی ہیں۔

(۷) ان مفسروں کو قرآنی حقائق کی جستجو کم اور غیر متعلق اور غیر ضروری باتوں کی تلاش زیادہ رہتی ہے۔ جنت کا ذکر ہے تو اس کے پیالوں اور آبخوروں کی تعداد کا شمار اور کوثر اور طوبیٰ کی پیمائش کریں گے۔ دوزخ کے بیان میں اس کے طبقوں کی گہرائی اور سانپوں اور بچھوؤں کی درازیاں ناپیں گے۔ جنگ بدر میں فرشتوں کے نزول کی حقیقت سمجھانے کے بجائے ان کے چتکبرے گھوڑوں اور عماموں کے رنگ اور ان کی سواری و حملہ و قتال کی کیفیت لکھیں گے۔ یاجوج و ماجوج کے تاریخی حالات بیان نہیں کریں گے۔ بلکہ کوئی لکھے گا کہ ان کے قد اس درخت سے مشابہ ہیں جو ملک شام میں نظر آتا ہے اور جس کی بلندی ایک سو بیس گز ہوتی ہے؛ اور

۱؎ تفسیر جامع البیان

کوئی لکھے گا کہ ان کا ایک کان اونچا ہے اور دوسرا چھوٹا۔ اگر ان چیزوں کا موقع نہیں پائیں گے تو فصاحت و بلاغت کی لطافتیں دکھلانے لگیں گے یا خیالی فلسفیانہ بحثوں میں اُلجھ جائیں گے۔

یہ سات بڑے بڑے عیوب و اسقام جو میں نے گنائے ہیں، ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ موجودہ تفسیروں میں سے شاید ہی کوئی تفسیر ان سے خالی ہو۔ ان کے علاوہ اگر ان تفاسیر کی چھوٹی چھوٹی جزئی خرابیوں پر نظر ڈالی جائے، تو وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

خاتمہ | آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کو اگر نگاہ بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ خود اس قدر مفصل اور مکمل کتاب ہے کہ نہ صرف یہ کہ اپنے حقائق کی تفسیر اپنے اندر رکھتا ہے بلکہ اپنے مشکل الفاظ اور اصطلاحات کی تشریح، اپنی تعلیمات کی توضیح اور اپنے سمجھنے کے اصول اور قواعد پر بھی مشتمل ہے، وہ بجز اس کے کہ وہ عربی زبان میں ہے جس کا جاننا اس کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کسی دوسرے انسانی علم کا محتاج نہیں ہے۔

وہ نور مبین ہے، جس کو دیکھنے کے لئے کسی چراغ اور کسی شمع کی حاجت نہیں۔ اس کی تعلیمات کی تشریح اگر خود اسی کی تفصیلات سے کی جائے تو انسانی اوہام اور اباطیل کی وہ ظلمت جو اکثر کتب تفسیر میں نظر آتی ہے، اس کی روشنی میں یکسر کافور ہو جائے۔ ہم اس یقین پر پہنچ چکے ہیں کہ الفاظ و الفاظ کے معانی میں جتنے اختلافات رونما ہو سکتے ہیں، ان میں فیصلہ کرنے کی پوری طاقت اور حقیقی مفہوم کو متعین کر دینے کی کامل صلاحیت اس میں موجود ہے۔ اس حقیقت کی خود اس نے بار بار تصریح کی ہے، بلکہ یہ بھی وضاحت کے ساتھ بتا دیا ہے کہ کس قسم کے لوگوں کی سمجھ میں وہ آئے گا اور کون لوگ ہیں، جو اس کی فہم سے محروم رکھے جائیں گے۔

چوں کہ ان مباحث کو میں اپنی کتاب "تعلیمات قرآن"ؒ میں مفصل اور مدلل طور پر لکھ چکا ہوں اس لیے یہاں ان کو دُہرانا غیر ضروری ہے۔

ؒ یہ کتاب دفتر امت مسلمہ امرتسر سے بھی مل سکتی ہے۔ قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک۔ (منیجر)

وصیّتِ اقبال

علامہؒ کے آخری مجموعۂ کلام "ارمغانِ حجاز" کے چند قطعات کا ترجمہ

پیر و مُلّا

پیر و مُلّا سے کہو میرا سلام　　ملتِ بیضا کے ہیں جو مقتدا
اُن کی تاویلوں سے حیراں ہیں مگر　　کردگار و جبرئیل و مصطفےٰ ؐ

دوزخ اور غلامی

ذکرِ دوزخ جو کیا واعظ کافر گر نے　　ایک کافر نے کہی بات کچھ اس سے بڑھ کر
اپنی حالت سے خبردار نہیں ہے وہ غلام　　جو سمجھتا ہے کہ دوزخ ہے مقامِ دیگر

شہ رگ اور معدہ

اِک مُریدِ فاقہ کش نے اپنے مُرشد سے کہا　　"حالِ مسکیں سے خدائے آسماں ہے بے خبر
شہ رگِ مزدور سے نزدیک تر وہ ہو تو ہو　　اُس کے معدہ سے مگر ہرگز نہیں نزدیک تر"

ابلیسِ کامل

عہدِ حاضر کے شیاطیں کا نہ بن صیدِ زبوں!　　ہیں کمینوں کے لیے اُن کی ادائیں سازگار
ہے اصیلوں کے لیے بہتر وہ ابلیسِ کہن!　　جس نے دیکھا ہے خدا کو اور جو ہے کامل عیار

گناہ گارِ غیور

اگرچہ پست خیالوں کے فہم سے ہے بعید　　یہ نکتہ وُہ ہے، اشاعت ضرور ہے جس کی
نہیں غلامِ شب پرستِ طینِ تودہ میدۂ عصر　　گناہ گار، طبیعت غیور ہے جس کی

عرشی

فقہ قرآن

وضو، طہارت، اور تیمم

(حضرت سیماب کے قلم سے)

قرآن شریف میں وضو، طہارت اور تیمم کے متعلق دو جگہ ذکر ہے، یعنی:

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہو تو نہا لیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے یا تم نے عورتوں سے مس کیا ہو پھر تم پانی نہ پاؤ، تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔"

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴۳﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نماز (یعنی مسجد) کے قریب بھی نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ جو کہو اسے سمجھتے ہو۔ اور نہ حالتِ جنابت میں، سوائے اس کے کہ راستہ گزر رہے ہو، یہاں تک کہ غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم نے عورتوں کے ساتھ مس کیا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو، پھر اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کرو۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا، مغفرت کرنے والا ہے۔"

سب سے پہلے سورۂ نساء کی آیتوں پر غور کرنا چاہیے۔ اگر آدمی نشہ میں ہو، تو نماز نہ پڑھنی چاہیے۔ یہ جملہ بالکل صاف ہے۔ دوسرے حالت جنب میں جب تک غسل نہ کر لے، یہ بھی صاف ہے، مگر جنبًا کے بعد اِلَّا عَابِرِی سَبِیْلٍ لانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور عابری سبیل[1] کے کیا معنے؟ اگر اس کے معنی وہی ہیں، جو علیٰ سفر[2] کے ہیں، تو جنبًا کے بعد یہ جملہ لانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ہے کیوں کہ اس کے بعد ہی وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ آیا ہے اور یہ شرط یقینًا صاحب جنب کے لیے ہیں بعض مفسرین نے عابرین سبیل سے یہ مراد لی ہے کہ حالت جنب میں مسجد کے اندر سے گذر جانا جائز ہے، اس واسطے کہ اس سے مراد وہ لوگ تھے، جو مسجد نبوی کے اندر اپنے گھروں سے آتے جاتے تھے اور وہ ان کے راستے میں پڑتی تھی۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے لیکن اس کے بعد اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ والے پر وضو شرط ہے یا غسل؟ اس کا ان آیتوں سے پتہ نہیں چلتا۔ جاء احد منکم من الغائط کے اگر وہی معنے لیے جائیں، جس کو ہماری طرف ٹٹی جانا بولتے ہیں یعنی بول و براز کی ضرورت کو رفع کرنا اور لٰمستم الخ۔۔۔! سے عورتوں کے ساتھ بوس و مساس کرنا یعنی، سوائے جماع کے سب کچھ کرنا، تو اس کے لیے غسل شرط نہیں ہے، مگر سورۂ نساء کی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے سورۂ نساء کی جو آیت قرآن شریف میں ہے، وہ یقینًا سورۂ مائدہ کے بعد کی ہے، جس میں سب سے پہلے وضو کرنا بتایا گیا ہے اور جس سے مراد منہ اور ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، اور سر اور پیر کا مسح کرنا ضروری ہے دیا پیر کا دھونا اگر مسحوا کے تحت میں رکھا جائے مگر یہ ضروری نہیں [illegible] بجائے زیر کے زبر ہوتا یعنی یہ جملہ محذوف ہے[3]۔ اب سورہ مائدہ کی آیتوں پر غور کرو، ہر نماز کے لیے ہاتھوں کا کہنیوں تک، منہ کا دھونا اور سر اور پیر کو گرد و غبار سے پونچھ لینا ضروری ہے۔ احتیاطًا پیر کو دھو لینا چاہیے، بشرطیکہ پیر جوتوں کے اندر ہوں اور اس وقت جوتوں کو جھاڑ پونچھ لینا کافی ہے، کیوں کہ پیر تو صاف ستھرے ہوں گے ہی اور ان کا دھونا فضول ہے اور اگر آدمی حالت جنب میں ہے، تو پوری طہارت یعنی غسل کرنا چاہیے، قبل اس کے کہ نماز پڑھی جائے، لیکن اگر

---

[1] سبیل میں عابرین تھا، نون جمع اضافت کے باعث محذوف ہو گئی، مطلب یہ ہے، راستہ عبور کرنے والے (مدیر)

[2] سفر و عبور میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے (مدیر) [3] ؟ (مدیر)

۱۔ جنبی مریض ہے یا مسافر یا اس کو پانی نہیں ملتا۔

۲۔ وہ شخص جس کو وضو کی ضرورت ہے یعنی حوائج ضروری سے فارغ ہوا ہے، یا عورت سے بغیر جماع صحبت کی ہے، لیکن اس کو پانی نہیں ملتا، تو ایسا شخص نماز پڑھنے سے پہلے ایسی زمین پر جو سخت ہو یعنی اس پر گرد اڑتی ہو (صعید کے معنی ایسی زمین کے ہیں جو پتھریلی ہو، یا سخت ہو جس سے گرد و غبار صعود کرے) اس سے اپنے ہاتھوں کو صاف و خشک کرکے سر اور کہنیوں پر مل لے یعنی، سر اور کہنیوں کو پونچھ ڈالے۔

یہ باتیں قرآن شریف سے ثابت ہیں اور فرض ہیں۔ اس کے بعد سنّت متواترہ کے رو سے یہ باتیں مستحب و واجب ہیں۔

۱۔ ریاح صادر ہونے پر وضو کرنا، اس میں یہ مصلحت ہے کہ لوگ جماعت مسجد میں ریاح خارج کرنے پر آزادی اور دلیری سے کام نہ لیں گے اور اپنے ساتھیوں کو بدبو سے پریشان نہ کریں گے۔

۲۔ منہ میں کلی کرنا اور مسواک کرنا، اس کی مصلحت ظاہر ہے۔

۳۔ ناک کی آلائش کو پانی پہنچا کر صاف کرنا۔

۴۔ جسم و لباس پر سے ظاہری نجاست مثلاً خون، پیپ، پیشاب، منی وغیرہ دھو ڈالنا۔

۵۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ گندے پانی میں غسل و وضو کرنا بے کار ہے اور گندہ پانی ہر شخص جانتا ہے کہ کیا ہے؛ فقہ میں گندے پانی کی تعریف کہ اس کا ذائقہ اور رنگت بدل جائے صحیح نہیں، اس واسطے کہ پرمینگنٹ آف پوٹاش ڈالنے سے پانی اور صاف ہو جاتا ہے، لیکن اس کی رنگت بدل جاتی ہے۔ بدبو کی کوئی تعریف نہیں ہو سکتی۔ بعض لوگ کاربولک کی بو کو بدبو کہیں گے اور بعض خوشبو۔ اس لیے اس مسئلہ میں خود اپنی طبیعت سے رائے لینا چاہیئے۔

تتمہ فقہ قرآن

۱۔ **جنبی کی تعریف** | ہر وہ شخص جس کو عورت کی مقاربت کے بعد انزال ہو، خواب میں احتلام ہو یا اور کسی طرح منزل ہوا یا ایسی عورت جس کو حیض و نفاس ہو، وہ جنبی کہلاتے ہیں۔ لیکن ایسے مرد اور

ؔ جنبی مریض یا مسافر نہیں، بلکہ جنبی الگ، مریض الگ، مسافر الگ۔ تینوں علیحدہ علیحدہ مستقل حیثیتیں رکھتے ہیں۔ (ص)

عورت جن میں سے کوئی بھی مجامعت و دخول کے بعد منزل نہ ہو، وہ جنبی کی تعریف میں آتے ہیں؟ نہیں؟ فقہائے نے تو ان کو جنبی ہی خیال کیا ہے، مگر یہ مسئلہ اختلافی ہے اور میری اپنی رائے یہ ہے کہ ایسے مرد و عورت جنبی نہیں کہلائیں گے، بلکہ وہ او لمستم النساء کی تعریف میں آتے ہیں، جن پر وضو واجب ہے نہ کہ غسل، مگر از انجیکہ یہ میری ذاتی رائے ہے، اس لیے جماعت کے قول کو اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عربی میں یہ ایک اصطلاحی جملہ ہے، اس کے لغوی معنی کا مجھے علم نہیں۔ مگر انہوں نے ناپاکی ہمیشہ حیض و منی نکلنے کے بعد سمجھی جاتی ہے اور غالباً یہ انہیں کی شریعت کی اصطلاح ہے، لیکن جو لوگ مجھ سے بہتر جانتے ہوں، وہ اس کو واضح کریں۔

۲- تیمم | یہ بھی عربی کا اصطلاحی جملہ ہے، و سنت متواترہ نے اس کی جو تشریح کی ہے، اس سے وہی مراد ہے۔ لغوی معنی کا مجھے علم نہیں۔[1]

۳- طہارت لباس | قرآن شریف میں "وثیابک فطھر" اور "خذ وا زینتکم عند کل مسجد" سے ثابت ہے کہ لباس پاک ہو اور ایسا ہو جس کو پہن کر آدمی کو دوسروں سے شرم نہ آئے۔

استدراک

(ستمانی)

مضمون بالا کے دو ایک مقامات سے ہمیں اختلاف ہے۔ فاضل مضمون نگار ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"اس کے بعد (یعنی عابری سبیل کے بعد) ہی وَاِن کُنتُم مرضیٰ او علی سفر آیا ہے اور یہ شبہ لفظ یقیناً صاحب جنب کے لیے ہیں" الخ

لیکن محولہ آیت سے آپ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اس میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ ایک شخص صاحب جنب بھی ہو، مریض بھی ہو یا ایک شخص صاحب جنب بھی ہو اور مسافر بھی ہو اور پھر اس پر نماز کے لیے غسل ضروری ہے۔ قرآن کے الفاظ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل افراد چند مقررہ

---

[1] مضمون کے آخر میں استدراک کا اضافہ کر کے اس لفظ کی تشریح کر دی گئی ہے۔ (مدیر) [2] "سنت متواترہ نے اس لفظ کی تشریح کہاں سے لی، جب کہ خود قرآن ہی میں اس کی وضاحت آچکی ہے یعنی پاک مٹی کے ساتھ منہوں اور ہاتھوں پر مسح کرنا۔ لغوی معنی کے لیے راغب کی تصریح ملاحظہ فرمائیں: تیمّمتُ کذا اذ تیمّمتہ، قصدتہ، قصد کرنا، ارادہ کرنا۔

شرائط کے ساتھ ہی مسجد[1] میں داخل ہو سکتے ہیں:

(۱) سکران اُس وقت تک مسجد میں داخل نہ ہو، جب تک اُس کا نشہ نہ اتر جائے اور وہ اپنے منہ سے نکالے ہوئے الفاظ کو نہ سمجھ سکے۔

(۲) جنب کو مجبوری کی حالت میں صرف مسجد کے عبور کی اجازت ہے، بصورت دیگر اس پر غسل فرض ہے۔

اب وَاِنْ کُنْتُمْ سے ممنوع الصلوٰۃ لوگوں کی دوسری تقسیم شروع ہوتی ہے، یعنی

(۱) مریض

(۲) مسافر

(۳) قضائے حاجت سے فارغ ہونے والے

(۴) عورتوں کے ساتھ لمس کرنے والے

یہ چار قسم کے لوگ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وضو کریں اور اگر وضو کے لیے پانی نہیں حاصل کر سکتے، تو پھر پاک مٹی سے تیمم ہی کفایت کرے گا۔

جناب تمنا کی یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ جُنب کے ساتھ مرض یا سفر کی شرطیں تو جمع کر لیتے ہیں، لیکن قضائے حاجت سے آنے اور عورتوں کے ساتھ لمس کرنے والی شرطوں کو الگ ہی رہنے دیتے ہیں، حالاں کہ جس قاعدے کے تحت انہوں نے مرض و سفر کو جنب کے ساتھ شامل کر لیا ہے اُسی قاعدے کے مطابق یہ دو شرطیں بھی جُنب کے ساتھ متعلق کی جا سکتی ہیں۔

وَاِنْ کُنْتُمْ کے الفاظ ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ یہاں سے دوسری تقسیم کا آغاز ہو رہا ہے۔ پھر حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا کے لفظوں نے ایک قسم کے لوگوں کی حد بندی کا کام دیا ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کو فَتَیَمَّمُوْا کے لفظ نے الگ کر دیا ہے۔ یہ اندازِ بیان اتنا صاف اور تسلی بخش ہے کہ دماغ میں کوئی اُلجھن، کوئی پیچیدگی باقی نہیں رہنے دیتا۔

پس یہ بات واضح ہو گئی کہ ساری آیت میں چھے قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں

---

[1] اس جگہ صلوٰۃ کے معنی ہیں موضع صلوٰۃ یا مسجد۔

سے پہلے ذو سکے لیے ہوش وحواس اور غسل کی شرط عاید کی گئی ہے، اور آخری حصے میں وضو کی اور اگر پانی نہ مل سکے تو تیمم کی شرط واجب کردی گئی ہے۔ ان شرطوں کی تعمیل کے بغیر مسجد میں جاکر نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

صاحب مضمون لکھتے ہیں: اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ والے پر وضو شرط ہے یا غسل، اس کا ان آیتوں سے پتہ نہیں چلتا۔ ہمارے نزدیک سورۂ مائدہ کی آیت اس شکل کو بڑی اچھی طرح دور کر دیتی ہے۔

اس آیت میں وضو کی تعلیم دی گئی ہے اور پھر بتایا ہے کہ اگر مرض و سفر، فراغت حاجت اور لمس نسا کی حالتوں میں تمہیں پانی نہ مل سکے، تو پاک مٹی سے چہرے اور ہاتھوں کا تیمم کرلیا کرو، گویا تیمم وضو کا قائم مقام ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی اور اسی دلیل سے یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ سورۂ نسا کی آیت میں جہاں تیمم کا حکم دیا گیا ہے، وہاں پانی ملنے کی صورت میں غسل نہیں، بلکہ وضو ہی کافی ہے۔

محترم مضمون نگار نے جنب و لمس کا فرق واضح نہیں کیا، بلکہ لمس کے جو معنے انہوں نے لکھے ہیں، وہی قابل قبول نہیں اور اس لحاظ سے وہ مروجہ رسمی اور تقلیدی معنوں سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ عام مفسرین نے جنب اور لمس دونوں کو جماع کے معنوں میں لیا ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں، جو جنب کو مباشرت کے معنوں میں لیتے ہیں۔ اول الذکر نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ اگر جنب اور لمس کا مفہوم ایک ہی تسلیم کیا جائے تو آیت کے دو حصوں میں خواہ مخواہ تضاد و تکرار پیدا ہوجاتا ہے، یعنی، ایک حصے میں تو یہ بتایا جائے کہ جماع کرنے والے شخص پر غسل شرط ہے اور دوسرے حصے میں اُسی شخص پر تیمم کی شرط عاید کردی جائے، یہ چیز قرآن پاک کی شان سے بعید ہے۔

ہمیں جنب و لمس کی لغوی تحقیق کرنی چاہیئے۔ یہ صحیح ہے، عام طور پر لغات میں جنب کے معنی جماع ہی لکھے ہیں، لیکن تلاش کرنے سے معقول اور صحیح معنی بھی مل جاتے ہیں، یعنی ایسے معنے، جو قرآن پاک کی اس آیت کی مدلل تشریح میں معاون ہوسکتے ہیں۔

چنانچہ صراح میں ہے: جنب، جنیب: غریب، جنابت: بہ غریبی آمدن، یقال نعم القوم ھم لجار الجنابتہ اے لجار الغربت۔ قوم کے اچھے آدمی وہ ہیں جو جنابت یعنی

غربت میں کسی کے ہمسایہ نہیں۔

راغب لکھتا ہے۔ جُنُب۔ تجنّب۔ فَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ أَنْ يَتَزَكَّى دُور رکھا جائے گا اُس سے (یعنی دوزخ سے) وہ پرہیزگار جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے خیرات کرے۔ وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ، دُور رکھ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے۔

منتهی الارب میں لکھا ہے: جُنُب بضمتین، بیگانہ وغریب، جَنَّبَهُ تَجْنِيبًا، دُور شد ازوی۔ وَجَنَبَهُ اِيَّاهُ، دُور داشت او را ازاں

لسان العرب کی تشریح ان سب سے زیادہ معتبر ہے۔ اس میں لکھا ہے: رَجُلٌ جُنُبٌ بمعنی غریب۔ والجنابة ضد القرابة۔ قال علقمہ:

فلا تحرمني نائلاً عن جنابة
فاني امرؤ وسط القباب غريب

عن جنابة اے بعد غربة۔ شاعر حرث بن جبلہ کی مدح کرتا ہوا کہتا ہے کہ میں بعد وغربت (سفر دراز) قطع کرکے اپنے وطن سے آرہا ہوں، مجھے مقصود سے محروم نہ کر۔

ازہری جنب کے مروجہ معنی کی علت بیان کرتا ہے، اِنَّمَا قِيلَ لَهُ جُنُب لانه نُهِيَ ان يقرب مواضع الصلوٰة ما لم يطهر فَتَجَنَّبَهَا وَاجنب عنها ۔ ۔ ولاسم الجنابة وهُوَ في الاصل البعد۔ ان تصریحات سے بہ آسانی یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جنب کے معنی ایسی غلیظ اور ناپاک حالت کے ہیں، جس میں جماعت سے دُور رہنا لازم ہے اور مواضع صلوٰۃ میں داخل ہونا ممنوع، تاوقتیکہ انسان نہادھوکر پاک نہ ہوجائے۔ مفسرین نے نہ جانے جنابت کے معنے مباشرت کیوں لیے ہیں؟ جب حقیقی معنے قائم رکھتے ہوئے کلام واضح اور بے تضاد ہو، تو مجازی یا مستعار معنی کی اُلجھن میں پھنس کر کلام فصیح کو محل اعتراض بنانا اور تقلید باطل سے نکلنے کی جرأت نہ کرنا غالباً قرین دانشمندی نہیں۔

اب آئیے، ذرا لمس کی تحقیق بھی کرلیں، عام طور پر مفسرین نے اس کے معنے کیے ہیں، چھونا، ٹٹولنا۔ یہ معنی صحیح بھی ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے: وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا، لیکن لمس کا استعمال جہاں جہاں عورتوں کے

ساتھ ہوا ہے، وہاں اس سے مراد صرف جماع ہیں۔ مصباح المنیر میں ہے: لمس امرأته کنایة عن الجماع، عورت کے ساتھ مس، کنایہ ہے جماع سے اور لسان العرب میں لکھا ہے: واللمس کنایة عن الجماع لمسها و یلمسها ولامسها وکذلک الملامسة۔ فی التنزیل العزیز اولمستم النساء و قری اولامستم النساء۔۔۔ وکان ابن عباس یقول اللمس والمساس والملامسة کنایة عن الجماع، یعنی ابن عباسؓ کے نزدیک لمس النساء کے معنی ہیں عورتوں کے ساتھ جماع کرنا۔

اگر صاحب مضمون نے جنب اور لمس کے سلسلے میں تحقیق کی طرف تھوڑی سی توجہ کی تکلیف بھی گوارا فرمائی ہوتی، تو انہیں آیات قرآن کی تشریح و تفہیم میں کوئی مشکل پیش نہ آسکتی تھی۔ بہرحال جنب ولمس کے جو معنے اوپر عرض کیے گئے ہیں، اُن کی رُو سے آیت کے تمام مطالب نہایت خوبی کے ساتھ واضح ہوجاتے ہیں اور انہی پر ہمیں کفایت بھی کرنا چاہیئے۔

موتی

(سلمانی نے جمع کیے)

۱۔ کہنے سے پہلے ہر بات پر سوچنا ضروری ہے لیکن ہر سوچی ہوئی بات کا کہنا ضروری نہیں۔

۲۔ فضول خرچی سے ناداری بہتر ہے۔

۳۔ اچھے مشورے کی ضرورت ہو، تو بڈھے آدمی سے پوچھو۔

۴۔ آپس میں نپٹ لو، عدالت مہنگی پڑے گی۔

۵۔ پس اندازی ہی اصل کیمیا ہے۔

۶۔ جس چیز کو نہ سنوار سکو، مت بگاڑو۔

۷۔ غصہ اپنی سزا آپ ہے

۸۔ جس طرح ٹھنڈا لوہا گرم لوہے کو کاٹتا ہے اُسی طرح میٹھی اور نرم بات سے غصے کی آگ بھی ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔

۹۔ سیب بہی اور چھالیا سے آواز خراب ہوتی ہے۔

۱۰۔ غرور کے ساتھ ذلت آتی ہے اور فروتنی کے ساتھ دانائی۔

۱۱۔ گاہک کو سو آنکھ چاہییے، دکان دار کو ایک بھی نہیں۔

۱۲۔ عقل مند وہ ہے، جو دوسروں کے عیوب سے اپنی اصلاح کرے۔

۱۳۔ کسی شخص کا مستقبل سمجھنے کے لیے اس کے ماضی پر بھی ایک نظر ڈال لو۔

۱۴۔ بیمار کی خدمت گویا خدا کی عبادت ہے۔

۱۵۔ پاکیزہ نگاہ کے سامنے بری نظر نہیں ٹھیر سکتی۔

۱۶۔ جو ایک شخص کو سزا دیتا ہے، وہ کئی لوگوں کی اصلاح کرتا ہے۔

۱۷۔ افسوس ہے اس مکان پر جہاں تادیب نہیں کی جاتی۔

۱۸۔ غصے میں آدمی اندھا اور دیوانہ ہوجاتا ہے۔

۱۹۔ اونچے پہاڑ پر چڑھنے میں پہلے آہستہ آہستہ پیر رکھنے چاہئیں۔

(ترجمہ)

بیان

جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے

اُفُول غروب ہونا۔ اس لفظ کا استعمال اجرام سماوی سورج، چاند، ستاروں پر ہوتا ہے کہ غروب ہوتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

اور اسی طرح ابراہیم کو ہم آسمانوں اور زمین کا انتظام مشاہدہ کرانے لگے تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو۔ جب اس پر رات چھا گئی، تو ایک ستارہ دیکھا، کہا یہی میرا پروردگار ہے، اجب وہ غروب ہو گیا تو کہا میں غروب ہونے والوں کو نہیں چاہتا۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے، تو کہنے لگا کہ یہی میرا پروردگار ہے، پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بولا اگر میرا پروردگار مجھے سیدھا راستہ نہ دکھائے گا، تو میں بھی گمراہ لوگوں کے زمرہ میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے، تو کہا، یہ سب سے بڑا ہے، یہی میرا پروردگار ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا، تو اپنی قوم سے کہا، بھائیو! جن چیزوں کو تم شریک (خدا) مانتے ہو، میں تو اُن سے بیزار ہوں۔ (یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو اُس کی قوم کے مقابل سمجھا دی، ہم جس کے چاہیں درجات (ذہنی) بلند کرتے ہیں)

ان آیات سے پیشتر حضرت ابراہیم اور ان کے باپ کا مکالمہ ہے۔ حضرت ابراہیم اپنے باپ سے کہتے ہیں، تُو اور تیری قوم صریحاً گمراہ ہے۔ قرآن مجید کا اسلوب بیان ہے کہ چند جامع الفاظ میں وہ بات بیان فرماتا ہے کہ ایک کیفیت ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے، جو تمام واقعات سامنے لاتی ہے۔ حضرت ابراہیم کا باپ بھی کوئی بڑا پنڈت تھا، اس لیے حضرت ابراہیم بت اور بت پرستی کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ علم الآثار نے عراق کی قدیم تہذیب و تمدن کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان ایام میں سورج چاند اور ستاروں، بالخصوص اُس ستارے کی پوجا عام تھی، جس کو صبح و شام کا ستارہ کہتے ہیں۔ بابل

نینوا اور عصاریہ کے کتبوں سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی پرستش ایسی ہی عام تھی، جیسی ہندوستان کے بعض حصوں میں اب بھی ہے۔

یہ سچ ہے اور اس حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا کہ "ہر کسے را بہر کارے ساختند"۔ قرونِ اولیٰ کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انہی بت پرستوں میں ایسی برگزیدہ ہستیاں بھی پیدا ہوتی رہیں جو اصنام پرستی کے خلاف وعظ و تلقین کرتی رہیں جنہیں اللہ تعالیٰ ذہن رسا عطا فرماتا ہے، وہ مروجہ رسوم میں بعض خرابیوں کو بھانپ لیتے ہیں اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر رسم پرست طبائع جو ان سے مانوس ہوتی ہیں، ہمیشہ مخالف رہتی ہیں۔ ان کی بہت بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ ان کے آباؤ اجداد ایسے ہی رسم پرست تھے، کیا وہ بے وقوف تھے؟ ایسے زمانہ میں جب کہ کفر و شرک کی تاریک گھٹائیں عالمِ انسانی پر چھائی ہوئی تھیں حضرت ابراہیمؑ یکہ و تنہا اٹھے، پہلے تو گھر میں باپ سے مکالمہ اور مباحثہ ہوتا رہا۔ یہ تقاضائے فطرت تھا، یار و احباب سے بھی اسی موضوع پر گفت و گو رہتی، ابتدا میں ان سب کا خیال تھا کہ ابراہیم یونہی باتیں بناتا ہے، لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ جو کچھ آں حضرتؑ فرماتے ہیں اس کا انہیں یقین بھی ہے۔

قرآن مجید ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ابراہیمؑ کے دل میں بت اور بت پرستی سے نفرت کس طرح پیدا ہوئی اور ان پر اپنی قوم کی گمراہی کے خلاف حقانیت کا اظہار کس طرح ہوا؟ یہ سبق ایسا ہے، جسے از بر کرنا چاہیے، کیوں کہ اسی طریقہ اور معیارِ ابراہیمی سے ہم بھی اپنی گم راہ کن غلطیوں پر مطلع ہو سکتے ہیں اور راہِ راست پر آ سکتے ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ آں حضرتؑ کو فطرت نے ایسا دل و دماغ عطا فرمایا تھا، جو اپنے زمانے کے عام فہم سے اعلیٰ و ارفع تھا۔ یہ مفہوم آیاتِ محولہ بالا کے آخری فقرہ کا ہے، یہ بات ہمارے بس کی نہیں۔ فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ایجادیں اور دریافتیں خاص خاص دماغوں سے وابستہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے، لیکن اس کا فائدہ ہر شخص یکساں طور پر اٹھا سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہر ایک شخص ابراہیمؑ نہیں ہو سکتا، لیکن ہر ایک شخص اگر چاہے، تو حضرت ابراہیمؑ کی طرح موحد ہو سکتا ہے۔ دوسری بات جو قرآن مجید فرماتا ہے، وہ یہ ہے کہ مشاہدۂ صحیفۂ فطرت سے حقانیت کا اظہار ہوتا ہے۔ آیاتِ محولہ بالا کا یہی مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شخص کو حواس اور دل و دماغ دیا ہے۔ اگر ان سے مشاہدۂ فطرت کا کام لیا جائے، تو ہر شخص اپنے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق سچائی کو پا سکتا ہے۔ ہمارے تمام علوم و فنون اسی مشاہدہ کا نتیجہ ہیں اور تمام انسانی ترقی اسی سے وابستہ ہے۔ قرآن حکیم اسی مشاہدہ کی طرف توجہ دلاتا ہے

اور یہ صحیفۂ فطرت کا بیان ہے "لاریب فیہ"

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی سیر معنوی کا ذکر ہے جو صحیفۂ فطرت یا ملکوت السموات والارض کا مشاہدہ ہے۔ آں حضرت نے اجرام فلکی پر نظر کی، تو ان کو ایک روش پر چلتے دیکھا، وقت مقررہ پر طلوع اور غروب ہوتے مشاہدہ کیا، بوقت طلوع جگمگاتے اور غروب ہوتے وقت غائب ہوتے دیکھا۔ یہ اجرام فلکی ہی تھے جن کی پوجا عام تھی اور جن کے متعلق اساطیر زبانوں پر تھیں۔ لوگ انہی کو دیوتا اور دیویاں سمجھتے، اور نفع و ضرر پر قادر خیال کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے معلوم کر لیا کہ یہ محض فانی ہستیاں ہیں جن کے قبضۂ قدرت میں کوئی طاقت نہیں، کوئی اختیار نہیں، اس لیے معبود نہیں ہو سکتیں۔ یہی وہ دلائل تھے، کہ آں حضرتؑ نے قوم کے سامنے پیش کیے۔

ان ایام میں یہ عقیدہ بھی تھا کہ سورج، چاند اور ستارے آسمان پر حکومت کرتے ہیں اور بادشاہ اور راجے ان کی اولاد ہیں، اس لیے زمین پر انہیں حکومت کا حق حاصل ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اجرام فلکی کے ساتھ بادشاہوں کو اُن کا اوتار سمجھ کر پوجتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دلائل کی زد نہ صرف اجرام فلکی پر پڑتی تھی، بلکہ اُن اوتاروں پر بھی تھی، جو اُن کے نمائندے تھے، اس لیے بادشاہِ وقت کے حضور طلبی ہوئی جس کا ذکر مناسب مقام پر کیا جائے گا۔ حضرت ابراہیمؑ نے توحید کا اعلان کیا، کیا، دنیا جہان کو آزادی کا مژدہ سُنایا۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے، جس پر الگ بحث کی جائے گی۔

حضرت ابراہیمؑ نے صحیفۂ فطرت کے مشاہدہ سے نظام عالم پر نظر کی، اور خالقِ ارض و سما اور پروردگار عالم کی ہستی کا خیال آپ کے قلبِ سلیم میں نقش ہو گیا۔ ارض و سما و ما فیہا کو فانی ہستیاں مشاہدہ کیا اور سمجھ لیا کہ یہ محض مجبور چیزیں ہیں۔ تمام اشیاء "آفل" کی ذیل میں آتی ہیں، اس لیے محدود، مخلوق اور فانی ہیں: "ایں ہمہ ہیچ اند چوں می بگذرند" اس لیے ان کے حضور سرِ نیاز خم کرنا محض نادانی اور جہالت ہے۔

بندہ پرستوں کو تدبر کرنا چاہیئے کہ انسان بھی "آفل" کی ذیل میں آتا ہے، اس لیے وہ بھی پوجا کے لائق نہیں۔ اگر ہم غور کریں اور ایسی اشیاء اور شخصیتوں کو جو "آفل" کی ذیل میں آتی ہیں، نظر انداز کریں، تو "حقیقت" سے ہم کنار ہو سکتے ہیں۔

واجب الوجود

(۷)

(از افادات حضرت خواجہ احمدالدین صاحبؒ)

مظلوم کی دعا کی قبولیت اکثر ظاہر دیکھی گئی ہے اور مضطروں کی دعا، خلاف توقع، عین وقت پر غیبی سامانوں کے بغیر سُنی گئی ہے۔ اگر دعاؤں اور التجاؤں کو سُننے والا کوئی نہیں، تو قبولیت کیسے ممکن ہے؟ اگر کسی نیک پر کوئی مقدمہ بنایا جائے جس سے وہ بری ہو اور وہ نیک لوگوں کی ہدایت کے کام پر بھی ہو، تو الزام اُس پر کبھی ایسی طرح سے نہیں لگے گا جس سے لوگوں کے دلوں میں حقارت اس کی بُرائی بدظنی اور مکروہیت بیٹھ جائے۔ اوپر سے لوگ دُکھ تو دے سکتے ہیں، لیکن دلوں میں لعنت اور ملامت کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں اور یہ لعنت کی مٹی کے نیچے دبے ہوئے بھی ظاہر میں بھی اپنا پھل لے آتا ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کو سچ مچ دل سے اپنا خدا سمجھے، اپنے آپ کو فی الحقیقت اُس کا بندہ جان لے اور اپنی طرف سے حتی الوسع بندے جیسی خدمات بجا لائے اور نتائج کو خدا پر سونپ دے، تو وہ شخص کبھی بھی ضائع نہ ہوگا۔ عام طور پر اُس کی دنیا کی زندگی بھی اچھی گذرے گی اور بعض اوقات جو تکالیف اس پر آئیں گی، اُن کے لیے وہ پہلے ہی سے راضی کر لیا جائے گا بلکہ اپنی مرضی سے شہادت تک کو چاہے گا۔ الغرض اس کی دنیا کی زندگی بھی بےخوف و غم ہی گذرے گی اور آگے بھی اُس کے لیے امن ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے میں بہت سی خوشیاں ملتی ہیں اور امیدیں بندھتی ہیں۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ماننا از حد مفید ثابت ہوا ہے اور جو مفید ہو اُس کو ضرور حاصل کرنا چاہیے، یعنی خدا تعالیٰ کو محبت اور پیار کے ساتھ ضرور ماننا چاہیے۔

اگر کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کے ماننے میں خوف اور تکلیفیں بھی ہیں، اس لیے کہ انسان کبھی ایسے کام بھی کر بیٹھتا ہے، جو گناہ سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح سے اس کو خوف عذاب بھی لاحق ہو جاتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ جیسے ظاہر میں صحت اور بیماری

ہوتی ہے ویسے ہی اخلاقی صحت و امراض بھی ہوتے ہیں۔ جیسے ظاہری امراض میں بعض درد اور تکلیف دہ ہوتے ہیں ان کے علاج کے لیے چیر پھاڑ، احراق جلد، قطع اعضاء اور استفراغ جیسے سہل والے و فصد وغیرہ لازمی ہے، اسی طرح جب ہم برائیاں اور ظلم کرکے بیماری کا بیج ڈالتے ہیں، پھر اُس بیج کو اکھاڑ پھینکنے کا انتظام نہیں کرتے، تو ہم میں بیماری جڑ پکڑ جاتی ہے اور جب اخلاقی بیماری کا ہم میں اس دنیا میں نظر آتی ہے تو ہمارے باطنی طور پر بیمار ہونے میں کوئی شک نہ رہا پھر اگر بیماری کے لیے بذریعہ احراق و استفراغ ہمارے علاج کا بندوبست ہو، تو یہ خوشی اور امید کا باعث ہوگا کہ ہماری بیماریاں رفع ہوتی رہیں گی، نہ کہ کسی مایوسی کا۔

دنیا کی پریشانیوں کے بعد خدا تعالیٰ کی یاد دلوں کی خوشی کا سبب ہے، اس لیے کہ وہ ہمارے باطنی تقاضا سے اکثر مخالف پڑتی ہیں، دل پر ایک مُردنی سی چھا جاتی ہے۔ تسلی صرف یادِ الٰہی میں ہوتی ہے اور نیکیاں کرنے اور بدیوں سے بچنے کا بھی یہی باعث ہوتی ہیں اور نیکیاں کرنا اور بدیوں سے بچنا بہرحال مفید ثابت ہو چکا ہے۔

جملہ موجودات مقررہ قاعدوں اور قانونوں پر پابند ہوکر چلتی ہے، کیونکہ اگر اس کے خلاف ہوتا، تو ایک چیز سے ہمیشہ ایک اثر، ایک قضیہ سے ہمیشہ ایک نتیجہ اور ایک شرط سے ہمیشہ ایک شرط نہ ہوتا، کسی چیز پر اعتبار نہ رہتا اور کسی بات پر کوئی دلیل قائم نہ ہو سکتی۔ پس جب ہر شے قاعدے اور قانون سے جکڑی ہوئی ہے، تو اشیاء کا قانونوں میں جکڑے یعنی مسخر ہونا نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا اور کوئی قانون بغیر مقنن کے اور مسخر بغیر مسخر کے ممکن ہی نہیں ہو سکتا پس مسخر و مقنن کا نہ ہونا غیر ممکن اور ممتنع ہے یعنی اس کا ہونا واجب ہے۔

پھر دیکھو! ہم باوجود کچھ اختیار رکھنے کے بھی کمال مجبور ہیں۔ ہم میں سے کسی کا پیارا، خوبصورت، خوش کلام اور مہذب بیٹا چھوٹی سی عمر میں اُس کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے اور بسا اوقات باپ غش کھا جاتا ہے، مگر کچھ چارہ نہیں کیا جا سکتا۔ آگ لگ جاتی ہے اور اپنے عزیز جل بھن کر کباب ہو جاتے ہیں، مال و اسباب علیحدہ برباد ہو جاتا ہے اور وہ آدمی سامنے تک رہا ہے مگر کچھ نہیں کر سکتا۔ سیلاب ایک باجلال شاہی حکم کی طرح آتا ہے اور بستیوں کو ویران اور تباہ بلکہ بعض اوقات صفحۂ ہستی و آب میں تبدیل کر دیتا ہے، لوگ سہمے ہوئے بھاگے جاتے ہیں، مگر مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ایک مجمع میں کسی شخص پر بجلی گرتی ہے اور جلا ڈالتی ہے لیکن اس موقع پر بھی انسان

اپنی بے بسی کے سوا کوئی مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ چنگا بھلا تندرست اور عقل مند نوجوان پاگل ہو جاتا ہے۔ اپنے ہی آرام کی چیزوں کو توڑتا ہے۔ اپنے ہی عزیزوں کو کھانے دوڑتا ہے، کنوئیں میں گرنے کو لپکتا ہے کپڑے پھاڑتا ہے، لیکن کچھ بس نہیں چلتا

طاعون آتا ہے۔ گورنمنٹ کسی خاص شخص کو بچا سکتی ہے، نہ رعایا۔ ایک وقت آدمیوں کے آدمی ہی دشمن ہو جاتے ہیں، اور دونوں طرف ہزاروں کٹ مرتے ہیں، اور صحیح فیصلہ کی راہ نہیں سوجھتی۔ وبائی امراض سمندر کی طرح لہریں مارتی ہیں، ہزاروں آدمی روز مرتے ہیں اور کوئی کسی کو نہیں پوچھ سکتا۔ یہ تو غیبی امور ہیں۔ بڑھاپا بلا مرضی و ارادہ آجاتا ہے۔ موت باوجود بھاگنے کے پیچھا نہیں چھوڑتی۔ قبر منہ کھولے پڑی ہے اور اسی طرح بعد کو جو ہے سو ہے۔ کسی کے نادیدہ انکار کرنے سے کسی شے کا عدم وجود ثابت نہیں ہو سکتا۔ اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے،

یہ تو ہماری بے بسی کا حال ہے۔ ہمارے اختیار کی یہ صورت ہے کہ ایک کام کو چاہتے ہیں اور نہیں کر سکتے۔ پہلے ارادے ہی زبردست طاقت سے ڈر کر شکست ہو جاتے ہیں اور کچھ حوصلہ ہی نہیں پڑتا۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہماری دانائی، حکومت اور تدبر کے باوجود بعض ایسی نامعلوم رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ ہماری تمام امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے، کوئی نتیجہ حسب مراد نہیں نکلتا، آدمی حیران و ششدر، ذلیل و نامراد ہو کر گھٹنوں پر سر ٹیکے آہیں بھرتا ہے، بلکہ بسا اوقات دیواروں سے ٹکریں مارتا ہے۔ برعکس اس کے ایک شخص نہ کوئی مدبر ہے نہ دانا، نہ کوئی اور وجہ ترجیح رکھتا ہے، مگر اس کے باوجود مالا مال اور نونہال ہے، فرماں بردار اور خوبصورت اولاد رکھتا ہے، جس کام کو کرتا ہے، ٹھیک بیٹھتا ہے۔ بڑے بڑے دانا، مستقل مزاج اور خوبیوں والے لوگ اس کے آگے پیچھے چلے جا رہے ہیں، خوشامدیں کر رہے ہیں:

بہ ناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

یہ کیسا نظارہ ہے؟ انسان مختار اور دانا کی یہ گل شیخی کون سی طاقت کرکری کر رہی ہے؟ نہ کسی کی مرضی کا لحاظ کرتی ہے، نہ کسی کی خواہش کا احترام۔ اس جگہ حکمت اور ناحکمت کی کوئی بحث نہیں، سوال صرف یہ ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ مختار و دانا اور حاکم عناصر یعنی، انسان کے اختیار اور دانائی کو وہی عناصر و مفردات و قویٰ جو خود مختار نہیں، عاقل نہیں اور قابل حکومت نہیں، توڑ دیں؟ یہ

الگ امر ہے کہ الٰہی کے ذریعے یہ باتیں وقوع میں آئیں، مگر یہ فعل تو ابتداءً ان کا نہیں ہو سکتا یقیناً پر زبردست مختار اور عاقل پر زبردست عاقل اور حاکم پر زبردست حاکم کا ہونا ضروری ہے اور وہی جل شانہٗ ہونا چاہیے۔ ہمارا خدا تعالیٰ ہے

کمال جس قدر ہمارے خیال میں آ سکتا ہے، اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے مگر جس قدر ہمارے تصور میں آ سکتا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی قدرت کا رکھ سکنا جس سے ہماری دنیا پیدا ہو سکے، کمال ہے۔ ہر جگہ ہر آن کی یکساں خبر رکھ سکنا اور ان کی مناسبت کے ساتھ انتظام کر سکنا کمال ہے۔ عالم الغیب ہونا یا ہو سکنا کمال ہے۔ حیّ و قدیر و مختار مطلق ہونا اور ہو سکنا کمال ہے۔ کسی روک سے مجبور نہ ہونا اور نہ ہو سکنا کمال ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک چاقو بحیثیت چاقو ہونے کے کامل ہو سکتا ہے لیکن وہ کامل مطلق نہیں ہے۔ وہ قلم کی ضرورت سے کسی طرح بھی مستغنی نہیں کر سکتا۔ کامل مطلق وہ ہے جو کل ضروریات و احساسات سے بے نیاز کر سکے، یعنی اس کی ایسی قدرت ہو جس سے بڑا ٹوٹنے پھوٹنے کے اور بلا کسی طرح پر متغیر ہونے کے اسباب و اشیاء کے پست ہو جانے کا نتیجہ نکل سکے۔ اب اگر کوئی ایسا کامل مطلق نہیں ہے، تو جملہ اشیاء کمال کی اس اعلیٰ بلندی سے گری ہوئی ثابت ہوئیں اور یہ گرنا بحیثیت کمال متصور کے ایک نقص ہے اور کوئی نقص اپنے میں خوشی سے نہیں چاہتا، مجبوراً برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جب کمال اس سے بھی آگے متصور ہو، تو موجودات کی چیزوں کا آگے نہ بڑھ سکنا کسی سخت روک کو ظاہر کرتا ہے، خواہ وہ روک باہر سے ہو یا موجودات کی اپنی ہی نالائقی اور کم ظرفی کی وجہ سے ہو اور وہ سخت روک اگر خود بھی ان صفات سے عاری ہے، تو وہ بھی ناقص ہے، لہٰذا اس پر اور روک ضرور ہوگی۔ جب تک کامل روک نہ ملے گی، جو کم از کم صفات مذکورہ سے متصف ہو، تب تک یہ سلسلہ سوالات کا منقطع نہیں ہوگا، یعنی یہ سوال لاانتہا تک لاجواب رہے گا۔ پس کامل روک کا جو خود کسی کمال سے عاری نہ ہو، ہونا واجب ہے۔

جو بات لازمی طور پر کل انسانوں میں پائی جاتی ہے اور کسی طرح سے بھی نہیں بدلتی وہ جبلّت و طبیعت ہے اور جو بات ہر ایک میں نہیں پائی جاتی اور مشکل سے بدل بھی سکتی ہے تو وہ عادت ہے، جبلّت نہیں ہے۔ مصیبت اور بے سامانی کے وقت انسان ہی پر کیا منحصر ہے، ہر جاندار میں مدد کی عاجزانہ طلب پائی جاتی ہے۔ پس کچھ نہ کر سکنے کے وقت بھی یہ

عاجزانہ مدد کی طلب جانداروں کی ایک جبلّیت ہے اور یہ مدد کی طلب کُل متصوّر رستوں اور حیلوں کے بند ہو جانے اور کُل مددگاروں کی عدم موجودگی پر بھی ویسی ہی رہتی ہے، بلکہ زیادہ گڑگڑاہٹ اور زور سے پیدا ہو جاتی ہے، یعنی دہریہ بھی اس وقت یہی کہے گا کہ ہائے وائے، مجھے فلاں چیز مل جاتی اور میری یہ حاجت و تکلیف رفع ہو جاتی، و چوں کہ کوئی فعل بغیر فاعل نہیں ہو سکتا، لہٰذا اس حاجت کا رفع ہونا بغیر دینے والے اور حاجت روا کرنے والے فاعل کے ممکن ہی نہیں، لہٰذا دہریے کی طبیعت بھی اپنی تمنا سے ایسے فاعل کی ضرورت ظاہر کرتی ہے، جو کُل دیگر فاعلوں کی عدم موجودگی میں بھی قائم ہوتا ہے اور رفع حاجت کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ (باقی)

تصحیح "البیان" کی پچھلی اشاعت میں بعض صفحوں کے نمبر خلاف ترتیب لگ گئے ہیں۔ صفحہ ۲۹/۱۲ کے بجائے ۲۹/۱۲ ہونا چاہیے اور اس سے آگے ۳۰/۱۸، ۳۱/۱۹ علیٰ ہذا القیاس۔ ناظرین کرام تصحیح فرما لیں۔

تقلید اور تصوّف

(عرشی)

"تصوف جسمِ اسلام پر ایک رِستا ہوا ناسُور ہے جس نے اسلامی روح کو ہلاک کر دیا، جس کے مندمل ہونے کی کبھی امید نہیں۔" یہ الفاظ میں نے ایک پیر کہن سال کی زبان سے اُس وقت سُنے جب میں نہیں جانتا تھا کہ تصوف کیا چیز ہے؟ اب کہ مجھے بہت سے اہلِ تصوف سے سابقہ پڑ چکا ہے اور اس فن کی بہت سی کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ مذکورۃ الصدر الفاظ کا قائل سچے درد سے اپنے اس خیال کے اظہار پر مجبور ہوا۔ لیکن اس نے تصوف اور اہلِ تصوف کا فرق سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے بیشتر معتقد ان کی فتوح الغیب اور کتاب مواعظ سے بے خبر ہیں۔ شیخ علی ہجویریؒ کے مزار کا طواف کرنے والوں نے اُن کی کشف المحجوب کا نام بھی نہیں سُنا ہوگا۔ مجددی اور نقش بندی کہلانے والے حضرات شیخ احمد سرہندیؒ کے مکتوبات کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہوں گے۔ پیر اور مرید علی العموم تصوف سے بے خبر اور رسوم میں گرفتار ہیں۔ بزرگانِ سلف کی علمی اور عملی دولتوں سے بے پروا ہو کر صرف اُن اینٹوں پر قناعت کر چکے ہیں، جو اُن کے مزاروں کی تعمیر میں صرف کی گئی ہیں۔

اس زمانہ میں تصوف نام رہ گیا ہے تقلیدِ محض کا۔ فرقہ باطنیہ کا یہ عقیدہ کہ "مرید پیر کے ہاتھ میں ایک آلۂ بے جان کی مانند ہوتا ہے، جہاں وہ چاہے اُسے استعمال کرے، اُس کو چون و چرا کا کوئی حق نہیں۔" اہلِ تصوف کا جزوِ ایمان ہو چکا۔ حافظ شیرازی کا ایک طنزیہ شعر اس باب میں قرآن و حدیث سے بڑھ کر مستند سمجھا جاتا ہے:

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسمِ منزلہا

میرے نزدیک یہ شعر ایسا ہی ہے، جیسے اکبر الہ آبادی کے بہت سے اشعار۔ حافظ کے کلام میں صوفیوں اور مولویوں پر اکثر مقامات پر ایسی ہی دل چسپ تنقید کی گئی ہے، جس کی تفصیل

کے لیے ایک الگ مضمون کا انتظار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر اس شعر کو متانت نگاری کا نمونہ سمجھا جائے۔ تو حافظ کے بہت سے دوسرے اشعار کا مطلب کیا سمجھا جائے گا۔ مثلاً فرماتے ہیں:

ہشدار دریں بادیہ دو است سرآب　تا غول بیاباں نہ فریبد بہ سرابت
از دلق پوش صومعہ نقد طلب مجو　یعنی ز مفلساں سخن کیمیا مپرس
صوف برکش ز سر و بادہ صافی درکش　سیم در بازو بروسیم برے در برگیر
در سماع آے ز سر خرقہ برانداز و برقص　ورنہ در گوشہ نشیں دلق ریا در برگیر

اس نوع کے اشعار سے حافظ کا مطلب صاف ہے کہ حقیقت تصوف بہت دور ہے بکاروں نے سوفیا کا لباس پہن رکھا ہے ان خانقاہ نشین گدڑی پوشوں سے کوئی امید خیر نہ رکھو۔ ان فاقہ کشوں کو کیمیا سے کیا سروکار؟ —— اے صوفی محترم! جامۂ تصوف اتار پھینک اور حقیقت کی شراب نوش کر۔ حصول زر وسیم کا خیال چھوڑ اور مقصود حقیقی کا وصال حاصل کر۔ مجلس سماع میں آ اور خرقہ تقدس اتار ڈال۔ اگر ایسا نہیں کرسکتا، تو بے شک ریا کی گدڑی پہن کر گوشۂ خانقاہ کی مجاورت اختیار کر۔

یہ شکایت کہ بھیڑیوں نے بھیڑوں کی کھال اوڑھ رکھی ہے اور عوام صرف ظاہر پر قانع ہیں ہر زمانے میں رہی ہے۔ شیخ علی ہجویری کشف المحجوب میں بار بار اس کا ذکر کرتے ہیں:

"خلقت میں جو خاص و عام ہیں، صرف عبارت پر راضی ہوئے اور دل وجان سے اس کے حجاب کے خریدار ہوئے تحقیق سے رہ کر تقلید میں مبتلا ہوئے اور ان سے تحقیق نے منہ چھپا لیا اور عام لوگوں نے اسی کو کافی سمجھا اور کہتے ہیں کہ ہم نے حق کو خوب جان لیا ہے"

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

"مریدوں نے ریاضت و مجاہدہ چھوڑ دیا اور ظن معلول (یعنی جو خیال کسی سبب سے پیدا ہو جائے) کا نام مشاہدہ رکھ لیا" —— "کئی ایک نے پڑھا، لیکن معنی کا سراغ نہ پایا، صرف عبارت پر کفایت کی، تاکہ لکھیں اور یاد کریں اور کہتے ہیں کہ ہم معرفت و تصوف کے عالم ہیں اور یہ عین کم بختی میں ہیں"

جس طرح ہم اپنے زمانے کے ریاکاروں کی حالت پر نالاں ہیں، بالکل اسی طرح شیخ موصوف

اس بھلے زمانے میں فریاد کرتے ہیں:

"خداوند عزوجل نے ہم کو ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے، جس زمانے کے لوگوں نے نفسانی خواہشوں کا نام شریعت رکھ دیا، اور رتبۂ ریاست اور تکبر کا نام عزت و علم، اور ریاکاری کو خوفِ خدا، دل میں کینہ چھپا رکھنے کا نام حلم مقرر کیا، مجادلہ کو مناظرہ، باہمی جنگ و حماقت کو بہدو وعظ، نفاق کو زہد، لالچ کو ارادت، خیالی بکواس کو معرفت، حدیثِ نفس کو محبت، الحاد کو فقر، انکارِ شریعت کو صفوت، زندیقی کو فنا فی اللہ اور ترکِ شریعت کو طریقت کہتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اہلِ معنی ان سے الگ ہو گئے اور یہ اہلِ ریا غالب ہو گئے، جیسا کہ پہلے فساد میں آلِ مروان نے اہلِ بیتِ رسول اللہ صلعم پر غلبہ پایا۔ ابوبکر واسطی نے کہا ہے، "ابتلینا بزمان لیس فیہ اداب الاسلام والاخلاق الجاھلیۃ ولا احکام ذوی المروۃ۔ ہم ایسے زمانے میں مبتلا ہوئے ہیں، جس میں نہ آدابِ اسلام ہیں اور نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ احکامِ اہلِ مروت"

کیا یہ سطور اسی زمانے کا پورا نقشہ نہیں ہیں، جس میں سے ہم گذر رہے ہیں؟ اسی کتاب میں شیخ ہجویری نے اپنے سے قدیم تر لوگوں کا بھی خیال ظاہر کیا ہے۔ ابوالحسن بوشنجہ رح فرماتے ہیں:

"التصوف الیوم اسم ولا حقیقۃ وقد کان حقیقۃ ولا اسم۔ تصوف امروز نامے است بے حقیقت و پیش ازیں حقیقتے بود بے نام، یعنی در وقت صحابہ و سلف رحمہم اللہ"

تصوف جو آج ایک بے حقیقت نام رہ گیا ہے، کبھی ایک بے نام حقیقت تھا۔ اسی حقیقت کو صاحبِ تذکرہ اولیاء نے جو شیخ ہجویری سے متقدم ہیں، اپنی مقبول و مشہور تصنیف کے دیباچہ میں ظاہر فرمایا ہے:

"مدعی اہلِ حقیقت کے لباس میں نکل پڑے ہیں اور صاحبِ دل سرخ گندھک کی طرح نایاب ہیں، جیسا کہ جنیدؒ نے شبلیؒ سے فرمایا کہ اگر تو سارے جہان میں ایسا ایک شخص پائے کہ صرف ایک کلمہ میں تجھ سے موافقت کرے، تو اس کا دامن مضبوط پکڑ۔"

اس اقتباس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ جنید و شبلی کا زمانہ جو تصوف کا بہترین زمانہ سمجھا جاتا ہے، اس وقت بھی حقیقی تصوف کم یاب تھا۔ اس وقت بھی ایسے سجادہ نشین اور حال و قال

کے مالک تھے جیسے آج ہمارے بڑے بڑے "پیرانِ روشن ضمیر"!

رومیؒ نے اپنے زمانے کے متعلق کہا ہے:

دے شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر

کز دام و دو ملولم و انسانم آرزوست

یعنی وہ بھی چراغ لے کر ڈھونڈتے ہیں اور بشکل انسان مواشی کے ہجوم میں کسی ایک انسان کو تلاش کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

حضرت حسن بصری جو باتفاق صفِ اول کے قائدِ اعظم اور براہِ راست حضرت علی مرتضیٰؓ سے مستفید ہیں، اور بہ لحاظ زمانہ ممتاز تابعی ہیں:

"ان سے لوگوں نے پوچھا کہ مسلمان کیا ہے اور مسلمان کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمانی کتابوں میں ہے اور مسلمان خاک کے نیچے قبروں میں" (تذکرۃ الاولیاء ذکر حسن بصریؒ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی تصوف سے کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی کسی تصنیف میں (جو اس وقت مجھے یاد نہیں) طالب تصوف کو مشورہ دیا ہے کہ راست باز مرشد کی تلاش میں کامیابی سخت دشوار ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اس فن کی بنیادی کتب عوارف اور کتاب اللمع وغیرہ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کیا جائے۔

حاصل کلام یہ کہ تقلیدی اور بازاری تصوف کے خلاف اتنا مواد خود کتب تصوف سے مل سکتا ہے، جس کو احاطہ کرنا دشوار ہے۔ ہمارے اس مقالہ کا موضوع یہ ہے کہ تصوف کے معتبر اور مستند اساتذہ تقلید سے سخت بیزار تھے اور تحقیق کے سچے حامی۔ یہاں ہم چند اقتباسات کے ذریعے اپنی اس گذارش کو ثابت کریں گے۔ عقل جو آج صوفیہ کی مغضوب ہے، اس کے متعلق قدیم صوفیہ کا متفقہ بیان سنیئے:

صوفیہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کوئی بھی خدا کو عقل کے سوا کسی اور ذریعہ سے نہیں پہچان سکتا، اس لیے کہ عقل ہی عبودیت کا آلہ ہے اور عقل بذاتِ خود خدا کو شناخت نہیں کر سکتی وہ تو خدا ہی کی رہنمائی اور وسیلہ سے خدا کو پہچانتی ہے" (مختارات الصوفیہ)

سلہ ذوالنون مصری مغرب میں کسی بزرگ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے گئے۔ انہوں نے فرمایا، کیوں آئے ہو؟ اگر اولین و آخرین کا علم سیکھنے آئے ہو، تو یہ میری توفیق سے باہر ہے، یہ سب کچھ خالق جانتا ہے اور اگر اس کی

(حاشیہ ملاحظہ ہو ۵۴)

علم جو عام جاہل صوفیوں کو حجاب اکبر نظر آتا ہے، اس کو صاحب کشف المحجوب کی نظر سے دیکھیے:

"سب مشائخ اہل علم ہوتے ہیں۔ انہوں نے سب مریدوں کو علم سکھایا ہے، اور علم کی طرف ہمیشہ توجہ رکھنے کی ترغیب دی ہے، اور ہرگز لہو و ہزل (کھیل اور واہیات) کی اتباع نہیں کی اور لغو و فضول راہوں پر نہیں چلے" (دیباچہ کشف)

اس کے بعد باب اول ہی جو ثبوت علم میں قائم کیا ہے۔ علم نافع و غیر نافع کا ذکر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو علم غیر نافع سیکھتے ہیں، ویتعلمون ما یضرھم ولا ینفعھم۔ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان دیتا ہے اور کوئی نفع نہیں پہنچاتا اور رسول اللہ صلعم نے ایسے علم سے پناہ چاہی ہے اعوذ بک من علم لا ینفع یعنی، بار الہا میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے پس تھوڑے علم کے ساتھ زیادہ عمل نہیں ہو سکتا، چاہیئے کہ علم و عمل دو نو برابر ہوں۔ حدیث میں ہے المتعبد بلا فقہ کالحمار فی الطاحونۃ۔ بے علم عمل کرنے والا خراس کے گدھے کی مانند ہے، جو رات دن چلتا ہے، لیکن کوئی منزل طے نہیں کرتا، ایسے لوگ جتنا بھی چلتے ہیں پہلے ہی قدم پر رہتے ہیں"

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک فیصلہ کن بات کہدی۔ ھمۃ العلماء الدرایۃ وھمۃ السفھاء الروایۃ علماء کی ہمت عقل و فہم سے کام لیتا ہے اور جاہلوں کی ہمت روایات (قصہ کہانی) پر لٹا کرتا ہے، کیوں کہ جہالت کے لوازم سے علماء بری ہوتے ہیں جو شخص علم سے دنیا کی عزت و جاہ طلب کرتا ہے، وہ عالم نہیں کیوں کہ عزت و جاہ دنیا کی طلب جہالت کے لوازم سے ہے، اور علم سے بلند مرتبہ کوئی چیز نہیں، کیوں کہ علم کے بغیر لطائف الہٰی کی شناخت محال ہے، انسان صرف علم سے مقامات اور مشاہدات کے مراتب کا اہل ہو سکتا ہے" (کشف المحجوب) (باقی)

بقیہ حاشیہ (صفحہ ۵) تلاش میں آئے ہو تو وہ وہیں تھا، جہاں سے تم نے پہلا قدم اٹھایا۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبد اللہ انصاری الہروی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے تلاش کرنے والے کے ساتھ ہے، اپنے طالب کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طلب میں دوڑاتا ہے (سبحان اللہ۔ مترجم) نفحات الانس جامی صفحہ ۲۵

تقریظات

پیامِ امن | تالیف ہے مولانا عبداللہ صاحب منہاس کی۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ۔ ۲۰۸ صفحے حجم، خوبصورت سنہری جلد۔ ملنے کا پتہ:۔ شرکتِ اوبیہ شریف گنج۔ امرت سر۔

زیرِ نظر کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، پہلے حصے میں اشاعتِ قرآن کی تاریخ پر روشنی ڈالی گئی ہے، یعنی قرآن مجید کا حفظ، کتابت، ترتیب و تدوین، نقطے اور اعراب کے علاوہ افریقہ، یورپ، چینی ترکستان، مغلستان، بلغاریہ وغیرہ ممالک میں اس کی اشاعت کی مختصر روداد بیان کی گئی ہے۔ پھر مغربی اور مشرقی زبانوں میں قرآن پاک کے تراجم کی سرگذشت واضح کی گئی ہے۔

اس کے بعد دنیا بھر کے قریبًا ایک سو مشاہیرِ عالم مذہب کی اُن آراء کے حوالے درج ہیں، جن میں قرآن حکیم کے حضور عقیدت و احترام کے ہدیے پیش کیے گئے ہیں۔ ان لوگوں کی قطار میں ایچ جی ویلز، حضرت بابا نانک، نپولین بوناپارٹ، مسٹر گاندھی اور برنارڈ شا ایسے بلند پایہ لوگ بھی شامل ہیں۔

تیسرے عنوان کے ماتحت بتایا گیا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قرآن حکیم کا کیا پایہ ہے؟!

چوتھے باب میں ببیش کے قریب غیر مسلم مشاہیر کے وہ الفاظ درج ہیں، جن میں انھوں نے تعلیمات قرآن کے حیرت انگیز نتائج کا صریح اور واضح الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ ان لوگوں میں لینن، سٹیفن، گاندھی اور والٹر ایسے حضرات بھی شامل ہیں۔

ہماری خواہش ہے، یہ کتاب اُن مغرب زدہ مسلم نوجوانوں کے ہاتھوں میں جائے، جو آج کل تعلیم جدید کے اثر سے مذہب کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، تاکہ انہیں معلوم ہو کہ جن لوگوں کی تقلید و اتباع کا جوا انہوں نے اپنی گردنوں میں ڈال رکھا ہے، وہ خود تعلیماتِ قرآنی سے کس حد تک متاثر پائے جاتے ہیں۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش | پچھلے برس رسالہ "ترجمان القرآن" میں مولٰنا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے قلم سے، ہندوستان کے موجودہ سیاسیات پر کئی طویل مقالے شائع

ہوتے تھے۔ اب وہی تمام مضامین ترجمان القرآن کے خاص نمبر کی صورت میں جمع ہو گئے ہیں۔
مصنف نے اس مجموعے میں بتایا ہے کہ کانگرس، مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت کو ملیامیٹ کرنا چاہتی ہے اور ہمارے مذہب، ہمارے اخلاق و عادات اور ہمارے کلچر کو ہندو تہذیب کے سانچے میں ڈھال کر ہمیں مسلمانوں کی بجائے ہندی دیکھنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں پنڈت جواہر لعل نہرو، مسٹر گاندھی اور دوسرے مشاہیر کانگرس کی ذہنیتوں کے تمام پہلو واضح کر کے ملتِ اسلامیہ کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ کانگرس کے نظام سے بالکل کنارہ کش ہو جائے۔
باوجودیکہ مولانا یہ نہیں بتلا سکے کہ مسلمانوں کو کون سی راہ اختیار کرنی چاہیے؛ پھر بھی اُن کی اس کوشش کے مفید ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ موجودہ سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں کو یہ کتاب ضرور دیکھنی چاہیے۔ حجم ۲۰۰ صفحے قیمت ۸ ملنے کا پتہ: "ترجمان القرآن" ملتان روڈ۔ لاہور۔

یوم الجمعہ اور اذان | ۱۰ صفحے کا ٹریکٹ۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ معمولی قیمت درج نہیں۔
ملنے کا پتہ: مستری عنایت اللہ صاحب، محلہ سرائے بابو مفضل حکیم کی سرائے، علی گڈھ۔
تفسیر بیان للناس مصنفہ خواجہ احمد الدین علیہ الرحمۃ میں نماز جمعہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، زیرِ نظر پمفلٹ میں میاں محمد فاضل صاحب مسلم نے اُن سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور نماز جمعہ کے متعلق اپنے زعم میں صحیح خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ ہم اس پمفلٹ کی تردید میں کچھ لکھنا غیر ضروری خیال کرتے ہیں۔ جن اصحاب کو خواہش ہو، وہ اپنے طور پر تفسیر بیان للناس اور پمفلٹ مذکور دونوں کا بیک وقت مطالعہ فرما سکتے ہیں اور یہ بھی دیکھ سکتے ہیں کہ زیادہ معقول، ٹھوس اور وزنی دلائل کس طرف ہیں؟

تفسیر سورۂ والتین | تالیف مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ۔ ضخامت ۷۰ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ بہتر۔ سائز $\frac{20\times30}{8}$، قیمت ۶ر، ملنے کا پتہ: مکتبہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ۔
زیرِ نظر کتاب مولانا حمید الدین رحمہ نے عربی زبان میں لکھی تھی۔ اب اس کا ترجمہ مولانا رحمہ ہی کے شاگرد رشید جناب امین احسن صاحب اصلاحی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔
ہمیں مؤلف مرحوم کے مصنفات میں جو چیز سب سے زیادہ کشش کرتی ہے، وہ اُن کا

مخصوص انداز بیان اور وسیع و مفید تجربہ ہے بعض دفعہ صرف ایک لفظ کی تشریح و تفسیر کرتے کرتے اُن کے قلم سے بے شمار مفید معلومات ٹپک پڑتے ہیں، وہ ایک ایک لفظ کے لغوی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے کلام عرب کی کئی کئی سندیں لے آتے ہیں اور پڑھنے والے کا دماغ اُن کی حیرت انگیز علمی قابلیت، زبان دانی اور حافظے کی وسعتوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ قرآنی حقائق کو ثابت کرنے کے لیے کبھی وہ بائیبل کی وادیوں سے کبھی قرآن کی گہرائیوں سے، کبھی لغت عرب کی پہنائیوں سے اس خوبی اور ہمہ گیری کے ساتھ اپنے دلائل لاتے ہیں کہ سلیم طبیعتیں خود بخود اُن کی معقولیت کے سامنے سرنگوں ہو کر رہ جاتی ہیں۔

مولانا کی تفسیر میں "قرآن اپنا مفسر آپ ہے" کا رخ روشن بھی پوری طرح نمایاں ہے مولانا اپنے رنگ کے تنہا مفسر ہیں۔ انہوں نے تقلید کے لیے کسی کو امام بنایا ہے نہ تردید کے لیے کسی کو نشانہ قرار دیا ہے۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں، پورے اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں۔ وہ اپنے ناظرین کو کسی مقام پر بھی شک و شبہ میں نہیں چھوڑتے، وہ پوری طرح سمجھاتے ہیں، اور ٹھیک اس طرح سمجھاتے ہیں، جس طرح ایک معلم اپنے شاگرد کو۔

مفسرین نے تین، زیتون، طور سینین اور بلد الامین کی تشریح و تعیین میں عام طور پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور آیات کے نظم و ربط کی طرف بھی بہت کم توجہ کی ہے۔ مؤلف مرحوم نے عقلی، نقلی اور جغرافی شہادتوں کی بنا پر ان تمام مشکلات کو حل کر دکھایا ہے۔

قرآن پاک کا ذوق رکھنے والے حضرات کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

سب رس (دکن نمبر) زیر تبصرہ نمبر ماہنامہ "سب رس" حیدر آباد دکن کا سالگرہ نمبر ہے۔ اس پرچے میں مختلف مضمون نگار حضرات نے دکن کے مختلف تاریخی، تمدنی اور معاشرتی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ نثر کے ساتھ ساتھ تاریخی نظمیں بھی شامل ہیں، جن سے اس مجموعے کی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔

مضامین سب کے سب مختصر ہیں۔ صرف کام کی باتیں لکھی گئی ہیں۔ افسانہ آرائی اور داستان گوئی سے اجتناب کیا گیا ہے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے، اس میں دکن کے قدیم و جدید مشاہیر کے نمونے بھی شامل ہیں۔ کاغذ، لکھائی چھپائی صاف ستھری ہے۔ حجم ۲۱۶ صفحے اور قیمت دو روپے۔ جن اصحاب کو ضرورت ہو، وہ حسب ذیل پتے سے طلب فرمائیں: دفتر سب رس، خیریت آباد، حیدر آباد۔ دکن

(س)

تفسیر

بیانُ لِلنّاس

منزل ششم

ملنے کا پتہ :

دفتر اُمّتِ مُسلمہ امرت سر

قیمت .. .. ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ والصّافات

رکوع اوّل کا مضمون اور نظم و ربط

سورۂ والصّٰفّٰت سے قرآن حکیم کی چھٹی منزل شروع ہوتی ہے۔ یہ سورت پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۸۲ آیتیں ہیں۔

پہلے رکوع میں بتایا گیا ہے کہ موجودات عالم کا تمام سلسلہ اللہ تعالیٰ کے حکم و حکمت کے ماتحت نہایت باقاعدگی اور انتظام کے ساتھ چل رہا ہے۔ جو چیزیں اس انتظام اور باقاعدگی میں ذرا بھی مخل ہوتی ہیں، انہیں رد کر دیا جاتا ہے۔ قدرت کے اس اصول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا میں علم و ہدایت کی روشنی پھیلتی ہے اور اہل عالم پر اللہ کی توحید ثابت ہوتی ہے۔

آگے چل کر بتایا ہے کہ زمین کا، آسمانوں کا، ستاروں کے طلوع ہونے والی جگہوں کا مالک خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے دنیا کے آسمانوں کو ستاروں سے رونق بخشی ہے، لہٰذا وہ لوگ حق پر نہیں ہیں جو خالق کائنات سے تو منہ موڑتے ہیں، لیکن اس کے پیدا کیے ہوئے چاند ستاروں کی پرستش کرتے ہیں۔

ایام جہالت میں مشرکین عرب کا ایک گروہ کاہنوں کے نام سے مشہور تھا۔ یہ لوگ شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ شہر کے یا ہر غیر آباد جگہوں میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی تھی، رات کے وقت اکیلے جا بیٹھتے تھے۔ شیطانوں کے لیے پُون کرتے اور خوشبو جلاتے تھے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے کہ ہمیں آنے والے حادثات و واقعات سے آگاہ کیا جائے۔ پھر وہ معمول بن کر بیٹھ جاتے اور اس بات کے منتظر رہتے کہ دیکھیں انہیں شیطانوں کی طرف سے کن کن خبروں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ "غیب بینی" کا یہ طریقہ سراسر لغو اور فضول ہے۔ اس لیے ان کاہنوں کے دل میں جیسے

کچھ بھی خیالات پیدا ہو جاتے تھے۔ وہ "انہیں الہام" کا درجہ دے کر لوگوں کے سامنے پیش گوئیاں کرتے اور اُن کی قیمت وصول کرتے تھے۔ اس سارے سلسلے کی بنیاد محض اس جاہلانہ اعتقاد پر قائم تھی کہ شیطان آسمانوں پر جا کر فرشتوں کی باتیں سُنتے ہیں اور پھر اپنے کاہن پرستاروں کو اُن کی اطلاع دیتے ہیں۔ قرآن نے اُن کے اس باطل عقیدے کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ ملائکہ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو وحی ہوتی ہے، شیاطین اس وحی کو ملائکہ سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ نہ وہ ملائکہ کی باتوں کو چھپ کر سُن سکتے ہیں، بلکہ حق بات یہ ہے کہ انہیں آسمان تک جانے کی طاقت ہی نہیں دی گئی۔ سورۃ الحجر میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ۝	اور ہم نے آسمانوں میں بُرج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے انہیں آراستہ کیا اور ہر شیطان مردود سے انہیں اپنی حفاظت میں رکھا، لیکن اگر کوئی (شیطان) چوری چھپے کوئی بات سُننے کی کوشش کرے، تو شہاب کا ایک جلتا ہوا انگارا اُس کا تعاقب کرتا ہے۔

اسی مطلب کی دو ایک آیتیں سورہ الشعراء میں بھی آئی ہیں:

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۝	شیطان اس (قرآن) کو لے کر نہیں اُترے، نہ یہ کام اُن کے لائق ہے اور نہ انہیں اس کی استطاعت دی گئی ہے، بلکہ انہیں تو ملائکہ کی باتیں سُننے سے دُور ہی رکھا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں عوام الناس کا عام خیال یہی تھا کہ شیطان براہ راست ملاء اعلیٰ کے ساتھ کوئی تعلق رکھتے ہیں۔ اُس زمانے میں پیش گوئیوں کا کام صرف کاہنوں کے لیے مخصوص تھا، یہی وجہ ہے کہ جب قرآن مجید کے ذریعے پیشین گوئیوں کا ظہور ہوا، تو کفار نے رسول اللہ صلعم کو بھی کاہن کا خطاب دے دیا اور یہ الزام مشہور کیا کہ حضورؐ کو ملائکہ کے ذریعے پیشین گوئیاں حاصل نہیں ہوتیں، بلکہ شیاطین کے ذریعے ملتی ہیں۔ اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے برملا ان لوگوں کے اتہام کی تردید فرما دی ہے شیطانوں کو قرآن سے کوئی علاقہ نہیں، نہ انہیں ایسی طاقت حاصل ہے اور نہ ہی وہ ملائکہ کی باتیں سُن سکتے ہیں۔

شیطانوں کے ذریعے عام لوگوں کو وحی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن نے اس سوال کا بھی جواب دیا ہے:

وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓـئِهِمْ لِیُجَادِلُوْكُمْ ۔	یقیناً شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں ۔

زیرِ تفسیر رکوع میں بھی اسی غلط اور باطل عقیدے کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ شیطان قطعاً ملاءِ اعلیٰ کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں دے سکتے، اگر وہ ایسی کوشش کرتے بھی ہیں، تو شعلے برسانے والے ستاروں کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ اٹھتے ہیں۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ کلامِ الٰہی ہر طرح کے تصرف سے محفوظ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست انبیاء تک پہنچایا جاتا ہے۔ ان ہی آیتوں سے ایک اور نتیجہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ جس خدا نے یہ عظیم الشان کائناتِ ارضی وسماوی برپا کی ہے، کیا وہ انسان کو قیامت کے روز دوبارہ نہیں پیدا کر سکتا، دراں حالیکہ انسان کی خلقت، جرامِ فلکی کے مقابلے میں نہایت ہی ادنیٰ اور معمولی ہے کہ اسے طِیْنٍ لَّازِبٍ یعنی لیس دار مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔

رکوع کی آخری آیتوں میں خدا تعالیٰ کی یہی عظمت و جلال واضح کر کے قیامت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جب آیاتِ الٰہی کے مکذِب دوبارہ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے اور جب وہ یوم الفصل کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر افسوس و ندامت کا اظہار کریں گے۔

ترجمہ و تشریح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ شروع اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن و رحیم ہے۔

جس طرح روشنی سے سانپ، بچھو، چمگادڑ اور چوہے بھاگتے ہیں، جس طرح خوشبو اور صفائی سے گندگی پسند کرنے والے کیڑے دور ہو جاتے ہیں، اور جس طرح قوتِ صحت امراض کو پاس نہیں آنے دیتی، اسی طرح انتظامِ عالم بھی بدنظمی کے سامانوں کو مداخلت کا موقعہ نہیں دیتا۔ تمام کائنات ایک خاص نظم و اہتمام کے ساتھ کام کر رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

(۱) وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ قسم ہے صفیں باندھنے والوں کی صفیں باندھنا (صفیں باندھنے والوں سے وُہ لوگ بھی مراد لیے گئے ہیں، جو توحید کے قیام وبقا کی خاطر منظم و متحد ہو کر، مداخلت اور مزاحمت کرنے والے کفّار کا مقابلہ کرتے ہیں اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر تیزی اور مستعدی کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن ہو جاتے ہیں. یہ لوگ قدرت ہی کے اصولوں کی پیروی کر رہے ہیں. سُنّتِ الٰہی یہ ہے کہ جو چیزیں اس کے انتظام میں مخل ہوتی ہیں، دفع کردی جاتی ہیں، جیسا کہ فرمایا)

(۲) فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ پھر ڈانٹ دینے والوں کی ڈانٹ دینا (قدرت کا یہ طریق کار ایسی ترتیب وحکمت کے ساتھ جاری ہے کہ اس سے علم بھی پیدا ہوتا ہے اور نصیحت بھی حاصل ہوتی ہے، یعنی)

(۳) فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ پھر (اس نظم واہتمام خداوندی کو دیکھ کر) ذکر کی تلاوت (یا پیروی) کرنے والی اجماعتیں پیدا ہوتی ہیں اور یہ سارا سلسلہ یہ سارا معقول ومدلل انتظام یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ کارخانہ عالم ایک اور صرف ایک قادر مطلق کی تعمیر ہے)

(۴) اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۙ یقیناً تم سب کا معبود صرف ایک ہی ہے۔

(۵) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۙ (ایسا معبود جو تنہا) آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اور (ستاروں کے مطالع و) مشارق (یعنی اُن کے مقاماتِ ظہور) کا پروردگار ہے مگر افسوس ہے کہ لوگ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں، انہیں غیب بینی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، لیکن اُن چیزوں کے خالق اور پروردگار کی اطاعت سے غفلت اختیار کر لیتے ہیں)۔

(۶) اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۙ یقیناً ہم نے دنیا کے آسمان کو (ایک عظیم الشان زینت بخشی، یعنی) ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا (آیت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ لوگ خدا تعالےٰ کی سچی عظمتوں سے آگاہ ہو جائیں،

نیز انہیں معلوم ہو جائے کہ جس احکم الحاکمین نے یہ عظیم الشان آسمان، یہ بڑے بڑے اجرام فلکی پیدا کر رکھے ہیں، وُہی احکم الحاکمین ان کے نظم و نسق کا بھی تنہا مالک ہے۔ خدا اپنی کائنات کا خالق ہی نہیں، بلکہ ناظم بھی ہے، اس لیے یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی مخلوق، اس کا تعلق جن و انس کے ساتھ ہو، یا شیاطین کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں مداخلت کر سکے۔ یہ عقیدہ بالکل باطل اور لغو ہے کہ شیطان آسمانوں میں داخل ہو سکتے ہیں اور پھر وہاں سے فرشتوں کی باتیں سُن کر، اُن کی اطلاع دوسرے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ کاہنوں اور مکاروں کے پھیلائے ہوئے غلط اور باطل عقیدے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے تو

(۷) وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۚ ہر سرکش شیطان سے (ان آسمانوں اور ستاروں کو اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔

(۸) لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝ (۹) دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ وہ اوپر کے لوگوں یعنی فرشتوں کی گفت و گو ہرگز نہیں سُن سکتے (اور یہ بات ہے بھی ناممکن۔ اس لیے انہیں دفع کرنے کے لیے، ہر طرف سے (اُن پر دھکتے ہوئے شہاب) پھینک کر انہیں ڈھکیل دیا جاتا ہے اور یہ اُن کے لیے لازمی عذاب ہے[۱]۔ (پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ شیطانوں کے دفع کرنے کے لیے شہاب پھینکے جاتے ہیں، تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ فرشتوں کی باتیں سننے میں کامیاب ہو سکیں)

(۱۰) إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

لیکن (ہاں، اگر) کسی شیطان نے (کوئی بات) جھپٹ لی، کچھ جھپٹ لینا، تو شہاب کا دھکتا ہوا انگارا اُن کے پیچھے ہو لیتا ہے (در اصل یہ انسان ہی تھے، جو ملاءِ اعلیٰ کی باتوں کو اُچکنے کی کوشش کیا کرتے تھے، چنانچہ ان کی خلقت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہوتا ہے)

---

[۱] آں حضرت صلعم کے زمانے میں بھی کئی مرتبہ کاہنوں پر شہاب گرے تھے۔

(۱۱) فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ
إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو کیا یہ لوگ اپنی خلقت میں سخت تر ہیں یا ہماری دوسری مخلوقات؟ (ان لوگوں کی حقیقت تو بس اتنی ہے کہ) ہم نے ان کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟

(انسان کی بے وقعتی اور بے مائیگی تو اسی ایک دلیل سے ظاہر ہے کہ اُس کی خلقت دوسری مخلوقات کی بہ نسبت بہت معمولی اور کم زور واقع ہوئی ہے، لیکن یہ عجیب معاملہ ہے کہ یہی کم زور اور بے بس انسان تعلیماتِ خداوندی کا تمسخر اُڑانے اور انبیائے الٰہی کی تکذیب کرنے میں کتنا بے باک اور کوتاہ اندیش ثابت ہوا ہے!)

(۱۲) بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝ (اے پیغمبر!) تم تو اُن کے (انکارِ قیامت) پر حیران ہوتے ہو (اور اُن کی یہ حالت ہے کہ ایسے روشن اور بیّن دلائل کے باوجود) ہنستے جا رہے ہیں۔

(۱۳) وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝ اور جب اُن کو نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

(۱۴) وَإِذَا رَأَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝ اور جب (خدا تعالیٰ کی طرف سے اُن کی ہدایت کے لیے کوئی نشان نازل کیا ہے، تو) وہ (باوجود اس کے کہ واضح طور پر اس نشان کو دیکھ لیتے ہیں (پھر بھی) ہنسی اُڑاتے ہیں (دلائل کے ساتھ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے، نہ ان کو دلائل سے کوئی غرض ہے۔ اُن کے پیشِ نظر تو بس یہی ایک مقصد ہے کہ جس طرح بھی ہو، ہدایتِ الٰہی کو جھٹلایا جائے۔ اُن سے کسی معقول جواب کی کب توقع ہو سکتی ہے؟

(۱۵) وَقَالُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (چنانچہ خدا تعالیٰ کے نشانات کو دیکھ کر وہ بے ساختہ) پکار اُٹھتے ہیں کہ یہ تو صریحاً (دھوکا ہی) دھوکا ہے!

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

صفحہ (ج)

جون ۱۹۳۹ء

البیان

امّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

الصُّلحُ خَیرٌ

۱۔ اس سے پہلے رسالہ البیان میں امت مسلمہ کی طرف سے رسالہ بلاغ سے بے تعلق ہو جانے کا اور ڈاکٹر علم الدین صاحب کو امت مسلمہ کی رکنیت سے خارج کر دینے کا اعلان ہو چکا ہے۔

۲۔ مورخہ ۱۹ر جون ۱۹۳۹ء کو خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر امرتسر تشریف لائے اور انہوں نے راقم الحروف کے مکان پر امت مسلمہ کے بعض افراد کو مدعو کیا اور بیان فرمایا کہ امت مسلمہ کے نام پر دو رسالوں کا جاری رہنا باہمی افتراق کا باعث ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ افتراق کو روکا جائے اور انتظامی امور کے متعلق جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس کو مٹا کر دونوں رسالوں کو ایک کر دیا جائے۔ خواجہ صاحب موصوف کی اس تجویز کو سب نے پسند کیا اور دوسرے روز مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۳۹ء کو خواجہ سخاء اللہ صاحب کے مکان پر میرے سمیت مندرجہ ذیل اصحاب کا اجتماع ہوا:-

(۱) خواجہ ضیاء اللہ صاحب۔ (۲) ڈاکٹر چودھری علم الدین صاحب (۳) خواجہ غلام محمد صاحب محقق (۴) خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر۔ (۵) حکیم محمد حسین صاحب عرشی (۶) خواجہ سخاء اللہ صاحب۔

۳۔ انتظامی امور کی نسبت جو اختلاف تھا، رفع ہو گیا، ڈاکٹر علم الدین صاحب کو دوبارہ امت مسلمہ کا رکن نامزد کیا گیا، رسالہ بلاغ کو بند کر دینے اور البیان کو جاری رکھنے کی تجویز پاس کی گئی اور ڈاکٹر علم الدین صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا کہ انہوں نے رسالہ "بلاغ" بند کر دینا منظور کر کے امت مسلمہ کے باہمی اتحاد کو مضبوط بنا دیا۔

۲۶ر جون ۱۹۳۹ء

(میاں) مولا بخش
(امیر امت مسلمہ امرتسر)

"بلاغ" کے بجائے "البیان"

بلاغ کے جدید خریداروں کے نام بلاغ کے بند ہو جانے کی وجہ سے البیان حاضر ہوتا رہے گا۔ (منیجر)

(ب)

دفتر امت کے مطبوعات

تحقیق قربانی

اس کتاب میں قرآن مجید تورات اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، مولانا ابوالکلام، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری، مولانا وحید الزمان وغیرہم کے تراجم اور معتبر تفاسیر و احادیث و اکثر جرائد و اخبارات لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقع پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے وہ قدیم زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہئے۔ دوسرے بلاد و ممالک میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قیمت صرف دو آنے (۲/)

ملت ابراہیم

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ دین در اصل ابراہیم ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے۔ اسی دین کی پیروی اور اتباع سے نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی مکمل سیرت یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں قرآن ہی سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے (۲/)

تعلیمات قرآن

مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری استاد تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت، طباعت اور کاغذ اعلیٰ
قیمت عہ/

خاتم النبیین

نہایت متانت اور سنجیدگی سے قرآن مجید کے واضح اور بین دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے بعد دنیا کو کسی نبی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قادیانی بالعموم ہر کتاب کا جواب دیتے ہیں لیکن اس کتاب کا اُن سے آج تک کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ حجم ۹۰ صفحے لکھائی چھپائی، کاغذ عمدہ۔ قیمت چار آنے (۴/)

جنت کا گہنا

ایک نہایت سادہ، سلیس اور عام فہم نظم ہے، جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف گھرانے کا فرض ہے کہ وہ اس نصیحت آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے اور دانائی اور حکمت کی باتوں سے اُن کو فائدہ اٹھانے کا موقع دے۔ ۱/

منیجر دفتر امتِ مسلمہ۔ امرتسر پنجاب

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۱ || ربیع الآخر سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق جون سنہ ۱۹۳۹ء || نمبر ۳

فہرست مضامین

معین ایڈیٹر نے نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

شذرات

حدیث کا مقام سمجھو!

ہمارے دفتر کی لائبریری میں حدیثوں، روایتوں کی چند کتابیں تو بے شک موجود ہیں، لیکن ایسا اتفاق کم ہی ہوتا ہے کہ انہیں کھول کر دیکھنے کی ضرورت پڑے۔ کبھی کبھار کسی حوالے کی جانچ پڑتال کے لیے کسی کتاب کا ورق الٹ لیا جائے، تو الگ بات ہے، ورنہ طبیعت میں یہ خواہش، یہ امنگ کبھی پیدا نہیں ہوئی کہ لاؤ ایک آدھ صفحے کا مطالعہ ہی کر ڈالیں! چند دنوں کا ذکر ہے، ایک محترم بزرگ کے ارشاد کے مطابق، دو حدیثوں کی تلاش تھی۔ صحاح کی چند جلدیں میز پر رکھی تھیں اور راقم حروف کئی گھنٹے تک محض اُن کی فہرست مضامین کے بحر ناپیدا کنار ہی میں غوطے کھاتا رہا۔ جن جن موتیوں کی آب وتاب سے آنکھیں خیرہ ہوتی رہیں، اُن سب کی نہیں صرف ایک آدھ کی تجلّی سے ناظرین "البیان" کو بھی استفادہ کا موقع دے دیا جائے، تو آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟

"تلخیص الصحاح" کی ورق گردانی کی تو اس کی کتاب النکاح میں حسب ذیل "حدیث" پر خصوصیت کے ساتھ نگاہیں جم گئیں:

عَنْ عَائِشَۃَ رض قَالَتْ تَزَوَّجَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا بِنْتُ سِتِّ سِنِیْنَ ... فَاَسْلَمَتْنِیْ اِلَیْہِ وَاَنَا یَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعِ سِنِیْنَ اَخْرَجَہُ الْخَمْسَۃُ اِلَّا التِّرْمَذِی"	حضرت عائشہ رض سے روایت ہے، کہا جب رسول اللہ صلعم نے مجھ سے نکاح کیا، تو اس وقت میں چھ برس کی لڑکی تھی (اور جب میری والدہ نے) مجھ کو رسول اللہ صلعم کے سپرد کیا تو میں اس روز نو برس کی لڑکی تھی۔ ترمذی کے سوا پانچوں اس حدیث کے راوی ہیں۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے، صرف چھ برس کی نابالغ لڑکی کے ساتھ جو ابھی گڑیوں کے ساتھ کھیلتی ہے، اُس پیغمبر برحق کا نکاح ثابت کیا جارہا ہے۔ جس کی عمر پچاس برس سے بھی زیادہ ہے۔ جو تمام جہانوں اور تمام زمانوں کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اور جن

نے خود اپنی زبان مبارک سے حتّٰی اذا یَبْلُغُوا النِّکَاحَ کا ربانی پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا۔ یہ اتہام، یہ بہتان، ایسا زہرناک، ایسا جگر پاش ثابت ہوچکا ہے کہ سرولیم میور، پروفیسر مارگولیتھ اور ایچ جی ویلز سے لے کر راجپال تک تمام دشمنان اسلام نے اپنی اپنی کتابوں میں بڑے اہتمام سے نقل کیا ہے اور سیرت رسول ؐ کو داغ دار دکھلانے کے لیے اس پر خوب حاشیہ آرائی کی ہے۔

مسلمان، بجائے اس کے کہ اپنے اسلاف کی غلطیوں سے نادم ہوں۔ بجائے اس کے کہ ان بے ہودہ اور لغو واقعات کی دلائل کے ساتھ تردید کریں، دشمن کی لعن طعن پر نہ صرف شرمندہ نہیں ہوتے بلکہ اس کے برعکس ایسے واقعات کو صحیح اور جائز قرار دینے پر اڑ جاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ روتے بھی ہیں اور حکومت کے سامنے فریاد بھی کرتے ہیں کہ غیر مسلم مصنفین کو ہمارے ہادی ورہنما کی توہین سے باز رکھا جائے۔ اگر حکومت کوئی چارہ نہیں کرتی، اگر مولویوں سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو عوام الناس کو اشتعال دلا کر اپنے مخالفوں پر قاتلانہ حملے کراتے ہیں اور ان اوچھے ہتھیاروں کے استعمال پر فخر و مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

خیر یہ تبصرہ پھر کسی وقت ہو رہے گا۔ اسی سلسلے کی ایک اور حدیث سُن لیجیے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ	آنحضرت صلعم روزہ داری کی حالت میں بوسہ بھی لیتے مباشرت بھی کرتے حالانکہ آن حضرتؐ تم سب سے زیادہ اپنی خواہشوں پر اختیار رکھتے تھے۔

یہ حدیث بھی قرآن حکیم کے خلاف ہے اور اسے قبول کرنے کے معنے یہ ہیں کہ ہم (نعوذ باللہ) یہ باور کریں کہ رسول ؐ پاک قرآن مجید کی کھلی خلاف ورزی کیا کرتے تھے، حالانکہ سورہ بقرہ کی آیت اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ کی رُو سے، مباشرت صرف رات ہی کے وقت جائز ہے۔ روزے کی حالت میں اُس کی قطعاً اجازت نہیں۔ پھر اس روایت کا سب سے بڑا فریب یہ ہے کہ وہ نہ صرف آنحضرت صلعم کو قرآن مجید کے اس حکم کا مخالف ظاہر کرتی ہے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ دعوے بھی کرتی ہے کہ آں حضرتؐ کو دوسرے تمام مسلمانوں کے مقابلے میں اپنی نفسانی خواہشات پر قابو رکھنے کی زیادہ قدرت حاصل تھی! سمجھ میں نہیں آتا، اگر خواہشوں پر اختیار رکھنا اسی کا نام ہے کہ حالت صوم میں بیویوں سے مباشرت کرلی جائے اور اگر ضبط نفس کا مطلب یہی ہے کہ قرآن حکیم کی نص صریح کی بھی پروا نہ کی جائے، تو نفس کی بے ضبطی اور خواہشات کی بے بسی کا آخر کیا مطلب

نیا جائے گا؟ نعوذ باللہ منہا!

لیکن مولویوں کی غیرت بالکل بیدار نہیں ہوتی وہ بے حمیتی کے نشے میں سرشار بے خبر پڑے سوتے ہیں۔ دشمن کے تیر اندازوں نے اسلام کا سینہ چھلنی کر کے رکھ دیا ہے، تمام دنیا میں بخاری مسلم، ابن ماجہ، ابن اسحٰق اور واقدی وغیرہ کا نام لے لے کر پیغمبر اسلام کی عزت و حرمت پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ قرآن کی آیتوں کو منسوخ ٹھیرایا جا رہا ہے اور خدا کے آخری دین کی آبرو کو دنیا جہان کی نگاہوں میں رسوا کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو قرآن کی فریاد سنے۔ کوئی نہیں جو عصمت پیغمبر کے دشمنوں کا مردانہ وار مقابلہ کرے اور کوئی نہیں جو اپنے پرائے کو پرکھنے کی کوشش کرے الیس منکم رجل رشید؟

لیکن نہیں، ہم ساری دنیا کے پیروان اسلام کو اپنے یہاں کے مسلمانوں ہی کی طرح کیوں تصور کرلیں؟ دنیا کروٹ بدل چکی ہے۔ ٹرکی، ایران اور افغانستان کے مسلمان قال قال کے فتنے سے مدت ہوئی دامن چھڑا چکے ہیں۔ اب مصر کے مسلمانوں کی زندگی کا وقت بھی آیا چاہتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ آنے والے واقعات اپنا سایہ پہلے ڈالتے ہیں، تو ذیل کی اطلاع جو ۱۴ جون ۱۹۳۹ء کے انقلاب سے نقل کی جا رہی ہے، ہماری توقعات کی تسلی ہمارے زاویہ نگاہ کے اطمینان کے لیے کافی سے بھی زیادہ حوصلہ افزا ہے:

> "عید میلاد کی تقریب سعید پر جامعہ ازہر میں ایک شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں سب سے اہم تقریر استاذ مصطفےٰ المراغی کی تھی۔ آپ نے (لوگوں کو مخاطب کر کے) ارشاد فرمایا۔ آپ اپنے بعض اسلاف کی طرح یہ خیال نہ کریں کہ مسجدوں میں بخاری کی تلاوت کرنے سے (آئندہ جنگ) میں فتح حاصل ہو جائے گی۔ اس بارے میں ہمارے سامنے آں حضور صلعم کا اسوہ موجود ہے۔ آپ صرف قوت پر اعتماد کرتے تھے، جس پر قرآن مجید شہادت دیتا ہے"

اگر ہماری آواز دارالعلوم دیوبند اور ملک کے دوسرے مدارس حدیث کے بوسیدہ حجروں تک پہنچ سکے، تو ہم مولینا حسین احمد مدنی اور ان کے ہم مشرب استاذ کرام سے دریافت کریں گے کیا علمائے ازہر کی یہ صاف گوئی، حریت پسندی اور روشن خیالی اپنے اندر آپ کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی؟

مزارِ اقبال

پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حکومت نے علامہ اقبالؒ کے مقبرے کا نقشہ منظور

کر لیا ہے۔ نیز مزار کیٹی کے سکرٹری نے اعلان کیا ہے کہ مقبرے کی تعمیر پہ ۲۵ ہزار روپیہ خرچ آئے گا اس اعلان کا شائع ہونا تھا کہ پنجاب کے مسلم اخبارات نے ایڈیٹوریل اور لیڈر لکھ کر مسلمانوں کو مالی امداد کی طرف توجہ دلائی معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں پانچ سات ہزار روپے کی رقم جمع بھی ہو گئی ہے

نقار خانے میں طوطی کی آواز تو پھر بھی کسی حد تک سنی جا سکتی ہوگی لیکن مسلمانوں کی ہنگامہ آرائی میں آواز سننا تو کجا آواز نکالنا بھی مشکل ہے اسی سے آج ہم اقبال مرحوم کے مزار کے متعلق جو کچھ کہہ رہے ہیں، مایوسی ہی کے ساتھ کہہ رہے ہیں۔ ہمیں کوئی امید نہیں کہ ہماری شنوائی ہو سکے گی ہمیں کوئی یقین نہیں کہ ہمارے مشورہ پر کان دھرا جائے گا، لیکن افسوس زبان قلم پر آئے ہوئے الفاظ ہی تو واپس نہیں لوٹ سکتے،

یہ مقبرہ کیوں تعمیر کیا جائے گا؟ سبھی کا جواب یہ ہے: علامہ مرحوم کی یادگار کے لیے۔ سوال پیدا ہوتا ہے، یادگار کا کیا فائدہ؟ جواب ملتا ہے، فائدہ یہ کہ اس یادگار کے ذریعے مسلمانوں کو اقبال کی یاد دہانی ہوتی رہے گی۔ وہ اپنے ایک عظیم المرتبت شاعر کو، اس کی بے مثال تعلیمات کو فراموش نہ ہونے دیں گے اور ان کے دلوں میں اپنے ملی اور قومی وقار کا احساس زندہ رہے گا وغیرہ۔

ہم حامیان مزار کے ان دلائل سے مطمئن نہیں، جہاں تک پہلے جواب کا تعلق ہے، دنیا میں اینٹ اور پتھر کی یادگاریں بنی نوع انسان کے ہاتھوں کروڑوں کی تعداد میں تعمیر کی گئیں، اور وقت کے بے پناہ طوفان نے ان کروڑوں ہی یادگاروں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا، دنیا میں لاکھوں پیغمبر اپنا وقت گذار کر چلے گئے۔ ان کے ماننے والوں نے بڑے ہی درد و اخلاص کے ساتھ اُن کی قبروں پہ قبے بنائے، دنیا میں بے شمار بادشاہ آئے اور رخصت ہو گئے اُن کے وارثوں نے ان پر لعل و جواہر سے مرصع مقبرے تعمیر کئے۔ آج وہ سطح زمین کے ساتھ برابر ہو چکے ہیں، اور اگر ان ہزاروں، لاکھوں مزاروں میں سے چند ایک زمانے کی دست برد سے اب تک محفوظ ہیں، یا دوسرے لفظوں میں انہوں نے کسی حد تک غیر معمولی عمر حاصل کر لی ہے تو بھی کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ جس زمین کے تختے پر یہ عمارتیں کھڑی کی گئی ہیں، وُہ خود پاش پاش ہونے والی ہے[1] پہاڑوں سے زیادہ کائنات ارضی کی اور کون سی چیز مضبوط ہے؟ لیکن وقت آ رہا ہے کہ وہ خود بھی روئی کے گالوں کی طرح فضا

---

[1] إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا (الفجر) جب زمین ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دی جائے گی۔

میں اڑتے پھریں گے۔[1] کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔ زمین کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے اور ہمیشگی تو صرف تیرے صاحبِ عزت و عظمت خدا ہی کے لیے مقدر ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ اقبالؔ کا مزار ہمارے احساسِ وقار کی زندگی کا باعث ہوگا تو لاریب یہ بھی ایک کھلی ہوئی غلط فہمی ہے۔ کوئی قوم مقبروں اور مزاروں سے زندگی حاصل نہیں کر سکتی زندگی ہمیشہ زندگی سے پیدا ہوتی ہے۔ قبروں کے نیچے سوئے ہوئے لوگ، سطحِ زمین پر چلنے پھرنے والی" قوم کو کس طرح بیدار کر سکتے ہیں؟ اگر عزت، زندگی اور وقار کے حصول کا یہ طریقہ صحیح ہوتا تو ہمایوں، جہاں گیر، اکبر اور تاج محل کے مقبرے ہمیں عزت و عظمت دلانے کے لئے کیا کم ہیں؟ یہ تو خیر دنیا کے بادشاہ تھے۔ وہ، جسے دین کی بادشاہت بھی عنایت کی گئی اور جو تیرہ صدیوں سے مدینہ کی سرزمین میں آرام فرما ہے، اُس کا مقبرہ تو اپنے پڑوسیوں کو بھی سربلند نہ کر سکا —— ناراض ہونے کی بات نہیں، سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے کہ اگر دنیا و دین کے بادشاہوں کے بڑے بڑے اونچے اور بلند مزار بھی ہمارے لئے شرف و سعادت کی راہ نہیں کھول سکے، تو ایک اقبالؔ کے مزار سے اتنی بڑی توقع کیوں قائم کر لی گئی؟

اور اگر غور سے دیکھا جائے، تو پہلے مقبروں نے نہ صرف ہمیں کوئی فائدہ ہی نہیں پہنچایا بلکہ قوم کی ذلتوں میں، رسوائیوں میں، مشرکانہ رسموں میں اور اسلام کی بدنامیوں میں بڑا ہی دردناک اضافہ کیا ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت علاؤ الدین صابرؒ اور حضرت علی ہجویریؒ جیسے بیسیوں بزرگوں نے سرزمینِ ہند میں توحید کے قیام کی خاطر سالہا سال کے دکھ برداشت کیے نہیں، بلکہ انہوں نے تبلیغِ حق کے لیے اپنی زندگیاں بھی خدا کی راہ میں وقف کر دیں اور غیر اللہ کے آگے سر جھکانے والے لوگوں کو، اللہ کے حضور سربسجود ہونے کی مسلسل اور پیہم تلقین کی لیکن حسرتا! آج انہیں کے مزار سجدہ گاہِ خاص و عام ہیں وہاں نذریں پہنچتی ہیں چڑھاوے چڑھتے ہیں، قوالیاں ہوتی ہیں بازاری گیتوں، فحش غزلوں اور مشرکانہ نعتوں کی نغمہ آرائی ہوتی ہے؛ آنسو بہائے جاتے ہیں اور مرادیں طلب کی جاتی ہیں۔ ہندوستان کے بے شمار مسلمان ہزارہا میل کا سفر برداشت کر کے لاکھوں روپے کے اخراجات اٹھا کر ہر سال محض شرک کی تجدید کرنے کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں۔ ان درگاہوں میں سونے والوں نے اتنی توحید نہیں پھیلائی ہوگی، جتنا اُن کے مزاروں سے

---

[1] وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعہ) اور پہاڑ دھنکی ہوئی اُون کی طرح ہو جائیں گے۔

کفر و شرک[1] پھیلا کر رکھ دیا ہے۔ خدا جانے خدا کی مصلحتیں کیا تھیں لیکن کبھی کبھی یہ بات ذہن میں آجاتی ہے کہ اگر ان بزرگوں کو اس بات کا کسی طرح علم ہو جاتا کہ اُن کی تبلیغی کوششوں کا انجام یہ ہوگا تو شاید وہ ساری عمر توحید کا ایک بھی وعظ کرنے کی جرأت نہ کرتے!

قبروں پر مزار ہر روز تعمیر ہوتے رہتے ہیں، لیکن یہ رواج بالعموم ایسے طبقے کے ساتھ وابستہ چلا آیا ہے، جس کو علم و عقل سے کوئی ورثہ نہیں ملا۔ ہمارے یہاں کے پیر پرست لوگوں میں اور خاص کر بریلوی حنفیوں میں اس بدعت سیئہ کا بڑا اہتمام روا رکھا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں ایک اخبار نے لکھا تھا کہ بریلی کے مولوی احمد رضا خاں کی قبر پر تیس ہزار روپے کا قبہ تعمیر ہوا ہے اور اسی طرح پیر مہر علی شاہ کے مزار پر مسلمانوں کا غریب، فاقہ کش، اور قلاش مسلمانوں کا اسی ہزار روپیہ صرف کیا گیا ہے اس موقعہ پر اقبال ہی کا ایک مشہور شعر یاد آیا ہے:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

کسی زندہ پیر کے گھر "بجلی کے چراغوں" کا کیا خرچ اٹھتا ہوگا، یہی روپیہ، دو روپے ماہوار لیکن مردہ پیر کے مزار پر یہ ۸۰ ہزار روپے کی رقم جو نچھاور کر دی گئی ہے، بجلی کے چراغوں کو آخر اس سے کوئی نسبت بھی ہے؟

اب اقبال کا مزار بنے گا، مولوی احمد رضا خاں اور پیر مہر علی شاہ کے مزار پر ہمیں اتنا افسوس نہیں جتنا اقبال کے مزار پر اس لیے کہ یہ لوگ تو پیر تھے اور اقبال پیر نہیں وہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال طبقے کا محبوب شاعر تھا وہ اعلٰے درجے کا فلاسفر علوم مغربی کا فاضل عہد حاضر کے بلند ترین لٹریچر کا مصنف تھا۔ اس کی قبر کے ساتھ وہ سلوک کرنا جو پیروں فقیروں کے ساتھ

---

[1] قبوں اور مزاروں پر قبر پرست مسلمان جو جو مشرکانہ اعمال سرانجام دیتے ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے۔ آپ صرف ایک واقعہ سن لیجیے پچھلے دنوں میرے ایک دوست لاہور کے داتا گنج بخش کا مزار دیکھ آئے انہوں نے مجھے بتایا کہ درگاہ میں ایک بورڈ آویزاں ہے، جس پر آداب زیارت کے سلسلے میں چند ضروری ہدایات لکھی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ مقبرے میں داخل ہونے والے لوگوں کو اپنے جوتے کپڑے میں ڈھانک کر اندر لانے چاہئیں۔ اسی دوست نے اس ہدایت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا مسجد جو خدا کا گھر ہے وہاں تو ایسی کوئی پابندی نہیں۔ کیا داتا صاحب کے مقبرے کا احترام مسجد سے بھی بڑھ گیا! (س)

مخصوص ہو چکا ہے، ہمارے نزدیک قطعاً نامناسب ہے۔ کیا مزار کمیٹی کا یہ ارادہ ہے کہ عام
پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی جہلا کی طرح شرک و معصیت سے آشنا کیا جائے؟ یہاں بھی ہر سال عُرس
قائم ہو؟ نغمہ ہائے موسیقی بلند ہوں؟ حیا باختہ عورتوں اور مردوں کا اجتماع ہو؟ آپ قوم کا
۲۵ ہزار روپیہ خرچ ہی کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کئی مفید سبلیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اقبال
ہی کے نام پر ایک عظیم الشان لائبریری قائم کر دیجئے، پڑھے لکھے بے روزگاروں کو صنعت و دستکاریاں
سکھلانے کے لئے کوئی کالج تعمیر کر دیجئے غریب اور نادار طلبہ کے لیے تعلیمی وظائف کا انتظام
کرا دیجیے، یعنی کوئی ایسا کام کیجیے، جس سے ملت اسلامیہ کو کوئی ٹھوس فائدہ پہنچے اور مرحوم کے
لئے طلب مغفرت کی دعاؤں میں بھی اضافہ ہو۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گفتم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

محمد اقبال سلماتی

شہادت الفرقان علی جمع القرآن

یہ کتاب حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل کی عالمانہ تالیف ہے۔ جو حسب ذیل مضامین پر مشتمل ہے:

(۱) کلمات وحی کو بصورت کتاب مرتب کرنا انبیاء کی سنت قدیمہ تھی،
(۲) قرآن مجید کے نزول کے وقت کاغذ اور کتابت کا رواج موجود تھا،
(۳) قرآن مجید کے نزدیک فن کتابت کی حقیقی قدر و منزلت کیا تھی؛
(۴) مومنوں، مخالفوں اور معترضوں سبھی کے اقوال جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید عہد رسالت ہی میں کتاب کی صورت میں مرتب ہو چکا تھا۔
(۵) وحی کی کتابت ایک صالحہ جماعت کے اہتمام میں تھی،
(۶) کلمات وحی نزول کے وقت سب سے پہلے قرآن مجید میں لکھے جاتے تھے؛
(۷) قرآن مجید کی ترتیب وحی کے اہتمام سے ہوئی؛
(۸) حفاظت قرآن کے متعلق متفرق دلائل۔ (۹) قرآن مجید کے متعلق اصحاب رسول کی خدمات۔
(۱۰) قرآن حکیم کی کاملیت۔

کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام کے تمام دلائل صرف قرآن حکیم سے اخذ کیے گئے ہیں دفتر میں صرف چند کتابیں موجود ہیں۔ جلد منگائیے۔ قیمت ۸ر (منیجر)

تقلید اور تصوف

(۲)

عمر مشی

شیخ الشائخ یحییٰ بن معاذ رازی فرماتے ہیں' اجتنبوا صحبۃ ثلاث اصناف من الناس العلماء الغافلین والفقراء المداھنین والمتصوفۃ الجاھلین تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو (۱) غفلت شعار عالموں (۲) چاپلوس درویشوں (۳) اور جاہل صوفیوں سے ...... ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے عملت فی المجاھدۃ ثلثین سنۃ فما وجدت شیئا اشد علی من العلم ومتابعتہ یعنی میں نے تیس سال تک مجاہدہ کیا' لیکن علم اور اس کے اتباع سے زیادہ مشکل کوئی چیز مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جلتی آگ پر قدم رکھنا آسان ہے' لیکن علم پڑھ کر اس پر عمل کرنا دشوار ہے' ایک جاہل کے لئے ہزار مرتبہ پلصراط پر گزرنے سے علم کا ایک مسئلہ سیکھنا زیادہ مشکل ہے' ایک فاسق' علم کے ایک مسئلہ پر عمل کرنے کی بہ نسبت دوزخ میں مستقل قیام پسند کرے گا۔ پس اے مخاطب! تجھ کو علم سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا چاہئے اور انسان کا کامل علم' علم الٰہی کے سامنے جہالت ہے۔

ذوالنون مصری کہتے ہیں۔ الصوفی اذا نطق بان نطقہ عن الحقائق صوفی کی شان یہ ہے کہ وہ جب کلام کرتا ہے تو اُس کا کلام حقیقت سے معمور ہوتا ہے۔ (کشف المحجوب)۔

یعنی صوفی کی تحریر وتقریر خرافات توہمات اور تعلی وتفاخر سے پاک ہوتی ہے اس میں خلاف واقعہ اور بے اصل امور کی بھرتی نہیں ہوتی۔ اور ایسا ہی ایک قول تصوف سے متعلق مرتعش رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے۔

ھذا مذھب کلہ جد فلا تخلطوہ بشئ من الھزل۔ یہ مذہب (تصوف) سرتا پا فکر واجتہاد ہے۔ اس میں خرافات نہ ملاؤ (کشف)

تذکرۃ الاولیا میں معروف کرخی قدس سرہ کا مختصر اور جامع قول نقل کیا ہے۔

"التصوف' الاخذ بالحقائق' تصوف نام ہے حصول حقائق کا"

لیکن عامہ اہل تصوف کی تصانیف اور مجالس کو دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ تصوف نام ہے ترک حقائق اور اختیار اباطیل کا' جس قدر یہ لطیف وشریف اور جاذب و عزیز مذہب اپنی حقیقت ومقصود سے دور ہوگیا ہے' شاید اس کی دوسری مثال مذہب کی پوری تاریخ میں صرف بدھ مت میں مل سکے' جو بت پرستی کے خلاف ایک عالمگیر بغاوت بن کر اٹھا اور آخر میں انتہا درجہ کی خالص بت پرستی بن کر رہ گیا' یہاں تک کہ لسانیات کے محقق "بُت" اور "بُدھ" کو ایک ہی چیز تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں گوتم بدھ کے جس قدر بُت دستیاب ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کا عشر عشیر بھی کسی اور رشی یا دیوتا کو نصیب نہیں ہوا۔ تمام صنم پرست مذاہب میں خدا کا تصور کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے' لیکن بدھ کا پجاری اس بارہ میں ایک دہری سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح تقلیدی تصوف توہین شریعت' انکار آخرت' فسق وفجور' زر اندوزی' مردہ پرستی' اور رقص وسرود وغیرہ کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پیر و مرید ہر دو علم سے کورے اور جہالت پر قناعت کر چکے ہیں۔ ملا جامی نفحات کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

"معرفت بے علم محال باشد وعلم بے معرفت وبال"

ایک سچے صوفی کو مرید بنانے اور مخلوق میں ہر دلعزیز بننے کا جنون نہیں ہوتا وہ حقیقت کی تلاش اور اس کو بیان کرنے میں ہر تکلیف کا سامنا کرتا ہے نفحات میں ذوالنون کے ذکر میں لکھا ہے:-

"ذوالنون نے کہا میں نے تین سفر کئے اور تین علم حاصل کئے۔ میرے پہلے سفر کے علم کو خاص وعام نے قبول کیا اور دوسرے سفر کے علم کو خاص لوگوں نے قبول کیا' لیکن عوام نے رد کر دیا۔۔۔۔۔۔ تیسرے سفر میں مجھے ایسا علم حاصل ہوا' جس کو نہ خواص ہضم کر سکے نہ عوام۔ فبقیت شریداً طریداً وحیداً۔ پس میں دنیا والوں کی مجلسوں سے راندہ' تنہا اور بے یار و مددگار رہ گیا۔۔۔۔۔۔ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری الہروی رح نے ذوالنون کے اس کلام کی شرح میں لکھا ہے' پہلا علم توبہ و ندامت تھا جس کو عام و خاص سبھی نے قبول کیا' دوسرا علم توکل معاملت اور محبت تھا' جو صرف خواص کے حصے میں آیا' عوام اس کی تاب نہ لا سکے' تیسرا علم حقیقت و اصلیت کا علم تھا' جو خواص وعوام دونوں طبقوں کی برداشت سے زیادہ تھا' وہ اسے نہ سمجھ سکے اور ذوالنون سے نفرت کرنے لگے' اس کی بات سے انکار کر دیا' یہاں تک کہ اس کا پیمانہ عمر لبریز ہوگیا"

اسی طرح اگر کفر کے فتووں اور عوام کی ایذا رسانی کی تاریخ پر نظر کرو گے تو صوفیائے کرام کو علماء ظاہر سے کم شکل اور مظلوم نہ پاؤ گے۔ اس فقرے کی تفصیل کے لئے بھی دفتر درکار ہے جس کی یہاں گنجائش بے نہ موقع ——— میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ تصوف لطیف و شریف اور عزیز و جادو مذہب ہے، اس گزارش کی شہادت کے لئے بھی بہت سے واقعات پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن میں یہاں صرف ایک بہت قیمتی اور کافی شہادت پر اکتفا کروں گا۔ امام غزالیؒ کو کون نہیں جانتا۔ ان کے علم و تبحر اور تجدید و اصلاح کی مشرق و مغرب میں گونج ہے، مسلم و غیر مسلم عوام و خواص سب ان کے بے اندازہ کمالات کے معترف ہیں۔ وہ اپنی مذہبی تحقیق کا ذکر المنقذ من الضلال میں اس طرح کرتے ہیں:

"میں ایک ایک باطنی، فلسفی، متکلم، زندیق سے ملتا تھا اور ان کے خیالات دریافت کرتا تھا"

کیا آج کل کے شیوخ، مریدین اور عام اہل مذاہب میں ایسی فراخدلی ہے؟ امام صاحب اپنے اس میل ملاپ کا نتیجہ لکھتے ہیں:۔

چونکہ میری طبیعت ابتدا سے تحقیقات کی طرف مائل تھی، اس لئے رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے ان کی وقعت جاتی رہی، میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد تو عیسائی، یہودی سبھی رکھتے ہیں، حقیقی علم اس کا نام ہے کہ کسی قسم کے شبہ کا نام تک نہ رہ جائے۔ مثلاً یہ امر یقینی ہے کہ دس کا عدد تین سے زائد ہے۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ نہیں تین زائد ہے اور اس کے ثبوت میں وہ شخص یہ کہے کہ میرا دعویٰ حق ہے کیونکہ میں عصا کو سانپ بنا سکتا ہوں اور وہ بنا کر دکھا بھی دے تو میں کہوں گا کہ بے شبہ عصا کا سانپ بن جانا سخت حیرت انگیز ہے لیکن اس سے اس یقین میں فرق نہیں آسکتا کہ دس تین سے زائد ہے۔

اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم مجھ کو کس حد تک ہے۔ معلوم ہوا کہ صرف حسیات اور بدیہیات ہیں۔ لیکن جب کد و کاوش زیادہ بڑھی تو حسیات میں بھی شک ہونے لگا یہاں تک کہ کسی امر کی نسبت یقین نہیں رہا۔ قریباً دو مہینے تک یہی حالت رہی۔ پھر خدا کے فضل سے یہ حالت تو جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کی نسبت جو شکوک تھے باقی رہے۔ اس وقت جس قدر فرقے موجود تھے چار تھے۔ متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ، صوفیہ میں نے ایک ایک فرقہ کے علوم و عقاید کی تحقیقات شروع کی۔ علم کلام کے متعلق جس قدر قدما کی تصنیفات تھیں سب پڑھیں۔ لیکن وہ میری تسلی کے لئے کافی نہ تھیں کیونکہ ان میں

جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے اُن کی بنا' یا تقلید ہے' یا اجماع' یا قرآن و حدیث کے نصوص' اور یہ چیزیں اُس شخص کے مقابلے میں بطور حجت کے پیش نہیں کیجا سکتیں' جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہو۔

فلسفہ کا جس قدر حصہ یقینی ہے یعنی ریاضیات وغیرہ اس کو مذہب سے تعلق نہیں۔ اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی الٰہیات وغیرہ وہ یقینی نہیں۔

فرقۂ باطنیہ کے عقائد کا تمام تر مدار' امام وقت کی تقلید پر ہے۔ لیکن امام وقت کی حقیقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے' اب صرف **تصوف** باقی رہ گیا۔

سب سے اخیر میں نے تصوف کی طرف توجہ کی' اس فن میں حضرت جنید' شبلی' بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں اُن کو دیکھا ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور حرث محاسبی کی تصنیفات پڑھیں' لیکن چونکہ یہ فن دراصل عملی فن ہے' اس لئے صرف علم سے کچھ نتیجہ نہیں حاصل ہو سکتا تھا اور عمل کے لئے ضرور تھا کہ زہد و ریاضت اختیار کی جائے۔

خلاصہ یہ کہ امام صاحب کی تحقیق پسند طبیعت کو کوئی مذہب' کوئی فلسفہ تسکین نہ دے سکا آخر ان کو تصوف کے دامن میں پناہ ملی۔ لیکن کیا وہ تصوف یہی تھا جو آج خانقاہوں میں فروخت ہو رہا ہے' جس میں سوائے جامد تقلید کے کچھ بھی نہیں؟ امام صاحب کا ماحول بھی بلحاظ تقلید آج سے کچھ کم نہ تھا' اس وقت ابوالحسن اشعری کے مجموعہ عقائد سے ذرا بھر انحراف جرم خیال کیا جاتا تھا۔ امام صاحب کے پیر طریقت بھی غالباً اشعری تھے غرض خاندان کا اثر' استادوں کی تعلیم' سوسائٹی کا دباؤ دربار کا تعلق جو چیز تھی اس کی مقتضی تھی کہ امام صاحب کو ویسا ہی بنا دے جیسے کہ ان کے ہم عصر تھے خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کی تعلیم قدیم طریقے کے موافق کامل ہو چکی تھی لیکن ان کی مجددانہ طبیعت نے ان سب بندشوں کو توڑا اور ان کو ہدایت کی کہ استفت قلبك (اپنے دل سے فتویٰ پوچھ)۔ منقذ من الضلال میں خود لکھتے ہیں :-

حتی انحلت عنی رابطۃ التقلید و تحرك باطنی الی طلب الحقیقۃ الفطرۃ الاصلیۃ۔	یہاں تک کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور طبیعت کو یہ تلاش ہوئی کہ فطرت اصلی کی حقیقت کیا ہے؟

تقلید کا پردہ آنکھوں سے اُٹھا تو نظر آیا کہ اسلامی عقائد' اسلامی اخلاق' اسلامی علوم' اسلامی اصول حکومت' ایک چیز بھی اس حالت پر نہیں جو قرون اولیٰ میں تھی' زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ ان تمام چیزوں کو رسم و رواج نے جس قالب میں بدل دیا تھا وہ مذہبی قالب سیال

کیاجاتا تھا اور اس لئے ان کی اصلاح میں مخالفت کا سخت اندیشہ تھا تاہم امام صاحب بلاخوف ومۃ لائم نہایت آزادی اور دلیری سے عام اصلاح پر کمربستہ ہوئے۔

تصوف کی حقیقت جو امام صاحب نے بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ——— تصوف شریعت کی دو چیزوں سے مرکب ہے علم و عمل لیکن یہ فرق ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے تصوف میں بخلاف اس کے عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے[1] یہاں امام صاحب نے کتنی نازک اور حقیقی بات کہدی جو علم عمل کے بعد پیدا ہو۔ کیا اس علم میں ظن و شک کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ کیا دنیا کا کوئی علم اس "علم" کے مقابلہ میں ٹھہر سکتا ہے؟ کیا اس علم کو بے سجادہ رنگیں کن "کے چشم بندانہ پیمانے سے ناپنا اس کی انتہائی توہین نہیں؟ ——— امام صاحب احیاء العلوم میں تشریح فرماتے ہیں:-

"مکاشفہ سے ان تمام اشیا کی حقیقت کھل جاتی ہے جن کا تصور محض تقلیدی اور اجمالی طور پر تھا، مثلاً نبوت، وحی، ملائکہ، شیطان، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب ان اشیا کے متعلق مختلف رائیں ہیں ——— بعض ان چیزوں کو تمثیلات خیالی قرار دیتے ہیں بعض ان کو بالکل ظاہری معنوی پر محمول کرتے ہیں لیکن جب مکاشفہ حاصل ہوتا ہے تو ان اشیاء کی جو کچھ حقیقت ہے وہ گویا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے"[2]

الغزالی میں تصوف کے مقامات یعنی نتائج کا بیان قابل غور ہے۔

"تصوف اگرچہ (جیسا کہ بیان ہوا) درحقیقت صرف ایک قسم کا علم ہے یعنی علم باطن، لیکن اس کے نتائج عجیب و غریب ہیں، جو مقامات سے تعبیر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، چونکہ عقائد اسلام میں داخل ہے، عالم و جاہل، عام و خاص سب اس پر اعتقاد رکھتے ہیں، لیکن عام لوگوں کو چونکہ اس مسئلے کا علم تقلید یا استدلال سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس سے کوئی خاص حالت نہیں پیدا ہوتی اور افعال و اعمال پر اس کا چنداں اثر نہیں پڑتا۔ بخلاف اس کے تصوف میں اس مسئلے کا علم مشاہدہ اور کشف کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ یعنی صوفی کو درحقیقت چاروں طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر خضوع۔ خشوع۔ ہیبت۔ خوف۔ ادب و انقیاد کی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی طرح علم ظاہری سے نہیں پیدا ہوسکتی"[3]

یہی حقیقت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں بالفاظ ذیل واضح فرماتے ہیں:-

---

[1] الغزالی صفحہ ۱۹۹۔ [2] الغزالی صفحہ ۱۸۷۔ [3] الغزالی صفحہ ۱۸۸۔

"سلوک طریق صوفیہ ہم در کار است نہ ازبرائے آں غرض کہ صور و اشکال غیبی را مشاہدہ نمایند و انوار و الوان را معائنہ فرمائند۔ ایں خود داخل لہو و لعب است، بلکہ مقصود از سلوک طریق صوفیہ تحصیل از دیاد یقین است در معتقدات شرعیہ" (مکتوبات جلد اول ص ۲۰۱)

یعنی تصوف کا مقصد یہ نہیں کہ اشکال و انوار غیبی کا معائنہ کیا جائے، کیونکہ یہ تو داخل لہو و لعب ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ عقائد شرعیہ (وہی دوزخ، بہشت، ملائکہ، حساب، میزان وغیرہ) یقین کے مرتبہ تک پہنچ جائیں۔ یہ اشکال و انوار غیبی جن پر عام صوفیا ء مجالس میں ناز کیا جاتا ہے ان کی حقیقت ایک دوسرے مکتوب میں اور زیادہ واضح کرتے ہیں :-

مقصد از سلوک طریقہ صوفیہ نہ آنست کہ صور و اشکال غیبی را مشاہد نمائند و انوار الوان را معائنہ کنند، ایں خود داخل لہو و لعب است، صور و انوار حسی چہ نقصان دارد کہ کسے ایں را گذاشتہ بریاضات و مجاہدات تمنائے صور و انوار غیبی نماید۔ چہ ایں صور و آں صور و ایں انوار و آں انوار ہمہ مخلوق حق اند جل و علا و از آیات دالہ بروجود او تعالٰے۔ جلد ۲ ص ۳۳۔

یعنی تصوف کا مقصود غیبی صورتیں اور شکلیں نہیں۔ یہ تو محض کھیل ہے، نیز حسی شکلیں اور انوار بھی تو مخلوق الٰہی میں اور اس کی ہستی پہ دلالت کرتی ہیں ان میں کیا نقص ہے کہ ان کو چھوڑ کر غیبی شکلوں کو دیکھنے کے لئے ریاضتیں اور مجاہدے کئے جائیں۔ سبحان اللہ کتنی پتے کی بات کہدی ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کے والد شاہ عبدالرحیم دہلوی رح سے کسی نے کشف و کرامات کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے ایک مکتوب میں اس کا جواب لکھا اور ساتھ ہی یہ شعر بھی رقم فرمایا ؎

ایں جا فنون شیخ نیرزد بہ ہیچ خس ‌‌ ‌ دل را بدست آر ہمیں منصب است و بس

یہ کشف و کرامت حضرت پیر طریقت کا فن ہے جس کی اہل حق کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں۔ کسی کے دل کو راضی کرو بس یہی درجے کی چیز ہے۔ ایسا ہی خیال حضرت خواجہ سلیمان تونسوی نے اپنے بعض مکالمات میں ظاہر کیا ہے۔

"جب کشف کا ذکر ہوتا، تو فرماتے، بر سر کشف کفش می باید زد اور کشف کو "حیض انوثیت" یا حیض الرجال کے نام سے موسوم کرتے۔ (سیرت سلیمان ص ۱۱۱)۔

اس سے ثابت ہے کہ یہ لوگ عورتوں کے حیض کی طرح کشف کو ناقابل اظہار سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے مکالمہ کا ذکر ہے :-

"ایک جوگی نے پوچھا' فقر و شریعت میں کس کو ترجیح ہے؟ فرمایا۔ شریعت کو۔ کیا تم نے نہیں سنا' شریعت نے فقر کو سولی پر لٹکایا' مگر کسی فقیر سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی عالم کو سولی پر چڑھاتا۔"

محال است سعدی کہ راہ صفا

توان رفت جز در پئے مصطفا (ایضاً ص ۱۴۹)

حضرت مجدد سرہندی کہ بلند پایہ صوفی ہیں خود صوفیہ کی تقلید سے روکتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"باید دانست کہ در ہر مسئلہ از مسائل کہ از علماء و صوفیہ دراں اختلاف دارند چوں نیک ملاحظہ می نماید حق بجانب علماء می یابد سرّش آنست کہ نظر علماء بواسطہ متابعت انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات بکمالاتِ نبوّیہ و علوم آں نفوذ کردہ است و نظر صوفیہ مقصور برکمالاتِ ولایت و معارف آنست پس ناچار علمیکہ از پیشگاہ نبوت اخذ نمودہ شود اصوب و احق خواہد بود از آنچہ از مرتبہ ولایت ماخوذ شود"

یعنی' جس مسئلے میں صوفیا اور علماء کا باہمی اختلاف ہو' اس میں بہ نظر غائر دیکھا جائے' تو علماء ہی حق پر ثابت ہوں گے۔ اس میں یہ راز ہے کہ اتباع انبیاء ؑ کے سبب علماء کی نظر نبوت کے علوم و کمالات و معارف سے آگے نہیں جا سکتی۔ پس جو علم پیشگاہ نبوت سے حاصل کیا جائے' وہ مرتبہ ولایت سے یقیناً صحیح تر ہوگا۔ ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"و صوفیہ آنچہ بگویند و بکنند مخالف آراء علماء مجتہدین آنرا تقلید نہ باید کرد و بحسن ظن از طعن ایشاں لب باید بست"

یعنی' صوفیہ کا قول و فعل جہاں علمائے مجتہدین کے خلاف ہو' اس کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ اور حسن ظن کو قائم رکھتے ہوئے زبان طعن بند رکھنی چاہئے۔

ان بیانات سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ تصوف اور تقلید کو ایک جگہ جمع کرنا اجتماع ضدین سے کسی طرح کم نہیں۔ جس دل میں حقیقی تصوف ہو وہاں تقلید کی رسائی ناممکن' اور جہاں تقلید کا دور دورہ ہو وہاں تصوف کا اثر محال' چنانچہ عہد حاضر میں بھی خال خال ایسے صوفی پائے جاتے ہیں جن کی زبان سے تقلید کی مذمت اور تحقیق کی ستائش نکلتی ہے۔ جناب غوث شاہ قادری نے اپنے رسالہ "نورٌ انور" میں لکھا ہے۔

"فقیر کہتا ہے یہ مسئلہ ایمانی ہے' اس کو ایمانیات سے دیکھنا اولیٰ ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اٰمنوا باللہ و رسولہ! اے ایمان والو! (پھر) اللہ و رسول پر ایمان لاؤ' یعنی ایمان تقلیدی سے ایمان

تحقیق کی طرف بڑھو۔ صـ۱۲

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"محقق اور مقلدین میں زمین و آسمان کا فرق ہے، کیونکہ ایمان تقلیدی میں ابھی شرک خفی کے اقسام کی لگاوٹ باقی رہتی ہے جس کے باعث واعبدو االلہ ولا تشرکوا بہ شیئاً (اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ) کے حکم کی تعمیل ناممکن رہتی ہے اسکی وجہ سے وہ بڑے بڑے مراتب سے محروم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی پر کہا گیا ہے، قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ کہدو (اے محمد صلعم) کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں)" صـ۱۵

سلطان مملکت تصوف حضرت مولنٰنا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظم و نثر میں اپنے مخصوص انداز میں تقلید کی جا بجا مذمت کی ہے" فیہ ما فیہ" کی ایک فصل اسی مسئلہ میں صرف ہوئی ہے اس کے بعض بیحد دلچسپ اقتباسات پیش کرتا ہوں!

"جراح مسیحی نے کہا کہ شیخ صدرالدین کے اصحاب سے ایک جماعت نے میرے پاس پانی پیا اور کہا کہ مسیح ابن مریم جیسا کہ تم (نصاریٰ) خیال کرتے ہو، خدا ہے، اور ہم (مسلمان) بھی تمہارے اس خیال کی صداقت کا اعتراف کرتے ہیں۔ لیکن ہم چھپاتے ہیں اور اپنی ملت کی حفاظت کیلئے دانستہ انکار کرتے ہیں جراح مسیحی کی یہ بات سن کر ایک شخص بول اٹھا کہ خدا کا دشمن جھوٹ بولتا ہے، حاشا للّٰہ یہ ایسے شخص کا کلام ہو سکتا ہے جس کو شیطان کی شراب نے بدمست کر دیا ہو، ایسا شخص خود گمراہ اور گمراہ کن، ذلیل اور ذلیل کن اور جناب الٰہی سے راندا ہوا ہے، کس طرح ممکن ہے کہ ایک کمزور شخص جو یہود کے مکر کی تاب نہ لاکر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتا اور چھپتا پھرے، جس کا جسم دو گز سے بھی کم ہو، وہ سات آسمانوں کی نگرانی کر سکے۔ ہر آسمان کا حجم پانچ سو سال کے سفر میں طے ہو سکتا ہے، اور

. . . .

ہر آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ بھی پانچ سو سال کے سفر کے برابر ہے اور یہی حال زمینوں کے حجم و فاصلہ کا اور تحت العرش اور سمندروں کی گہرائی کا ہے۔ اور اللہ اس سمندر کا مالک ہے جو کعبہ تک پھیلا ہوا ہے اور ایسے تمام سمندروں کا، پھر تمہاری عقل کس طرح باور کرتی ہے کہ اتنا ضعیف شخص ان تمام آسمانوں اور زمینوں کی تدبیر و گردش پر قادر ہو۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عیسیٰ خالق ارض وسما ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ مسیحی نے کہا "مسیح الوہیت وبشریت کا جامع تھا، خاک خاک میں مل گئی اور پاک پاک سے واصل ہوگیا" مسلمان نے جواب دیا۔ اگر عیسیٰؑ کی روح "خدا" تھی، تو وہ گئی کہاں؟ واقع یہ ہے کہ روح اپنے اصل وخالق کی طرف جاتی ہے مگر وہ خود ہی اصل یعنی خالق تھی تو خالق کہاں گیا؟" مسیحی نے کہا—— ہم نے بزرگوں سے یہی پایا ہے۔ پس ہم نے اس عقیدہ کو دین کے طور پر قبول کر لیا۔ مسلم نے کہا—— اگر تم اپنے باپ کے ترکہ سے سیاہ، فاسد اور کھوٹا سونا پاؤ تو کیا تم اس کو کھوٹ سے پاک اور اعلیٰ درجہ کے سونے سے تبدیل کرنا پسند نہ کرو گے؟ کیا تم کھوٹے ہی کو لئے رہو گے اور کہتے جاؤ گے کہ ہم نے یہی پایا ہے؟ یا تم کو اپنے باپ سے کوئی موروثی مرض مثل دست شل ملے پھر تمہیں کوئی دوا اور ایسا طبیب مل جائے جو تمہارے شل ہاتھ کو درست کر سکے، کیا تم اس کا علاج پسند نہ کرو گے؟ اور یہی کہو گے کہ میں نے ایسا ہی مریض ہاتھ پایا ہے اب اس میں تبدیلی نہیں چاہتا؟—— یا تم کھاری، بدذائقہ پانی پاؤ ایسے علاقہ میں جہاں تمہارا باپ مر چکا ہو، اور تم نے وہیں پرورش پائی ہو، پھر تمہیں ایسے علاقہ میں جانے کا اتفاق ہو، جس کا پانی میٹھا، نباتات شیریں اور باشندے تندرست ہوں کیا تم نہیں چاہو گے کہ وہیں جا رہو اور میٹھا پانی پیو، تاکہ تمہارے دکھ اور بیماریاں جاتی رہیں؟ کیا تم کہو گے کہ "یہ غیر صالح گاؤں اور یہ بدذائقہ پانی ہمیں بزرگوں سے ملا ہے، ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے"؟ معاذ اللہ کوئی صحیح حس والا عقلمند ہرگز ایسا کہنے اور کرنے کو تیار نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے باپ سے الگ عقل، الگ نظر اور الگ تمیز عطا فرمائی ہے۔ پھر تم کس طرح اپنی عقل ونظر سے کام نہ لو گے اور ایسی عقل کی پیروی کرو گے جو تمہیں گمراہ وتباہ کر دے؟

ایک شخص موچی کا بیٹا تھا، اس کو کسی تقریب سے سلطانی دربار میں جانے کا اتفاق ہوا، سلطان نے اس کو سلحداری اور درباداری کے آداب کی تعلیم دلوائی اور اعلیٰ مرتبہ عطا کیا، اب وہ شخص یہ کہے کہ میرے باپ دادا موچی تھے میں ان سے زیادہ کوئی مرتبہ نہیں چاہتا، بلکہ اے سلطان، تو مجھے موچیوں کے بازار میں ایک دکان عنایت فرما! خیر تو ایک انسان ہے، ایک خوبصورت کتابی جب شکار کا علم سیکھ کر سلطانی شکاری

بن جاتا ہے تو اپنے ماں باپ کے حقیر طور وطریق ویرانہ گردی اور مردار خوری کو بھول جاتا ہے۔ بلکہ شاہی لشکر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور صید وشکار کا پیچھا کرتا ہے — اور اسی طرح باز جب سلطان اسے سدھاتا ہے تو وہ ہرگز نہیں کہتا کہ میں نے اپنے آبا کو تو گرد اور مردار خوار پایا ہے۔ پس میں بادشاہ کے طبل اور اس کے شکار کی طرف ہرگز متوجہ نہونگا۔

پس جب عقل حیوان اپنے آبا کی رسم وعادت چھوڑ کر احسن چیز کو قبول کر لیتی ہے، تو کتنی کھلی ہوئی غلطی ہے کہ انسان جو عقل وتمیز ہی کے سبب تمام ارضی مخلوقات سے افضل ہے، انہیں دونوں صفتوں میں حیوان سے بھی گر جائے نعوذ باللہ من ذالک" فیہ ما فیہ ۳۳
(باقی)

چند مفید کتابیں

تعلیمات قرآن مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری، اُستاد تاریخ جامعۂ ملیہ دہلی یہ کتاب اس نقطہ نظر کو پیش رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں ہے۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج تک کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی کتابت، طباعت اور کاغذ اعلیٰ۔ قیمت عہ

مطالعۂ حدیث ایک ممتاز گریجوایٹ نے بر رسول حدیث کا مطالعہ کرکے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس قابل قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۵۰ کے قریب، قیمت ۱۲ر

برہان القرآن یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے۔ جو مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہل حدیث پر ابد تک کے لئے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالے کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں، اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر

ریحان القرآن مولوی حبیب الرحمٰن موئی کے رسالہ نصرۃ الحدیث، مولوی قاسمی کے عقائد کفریہ اور مولوی عبد اللہ کے عقاید بے حدیثہ وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر

قرآن مجید اور رسول حمید حضرت رسالت مآب کے مقدس سوانح از روئے قرآن مجید قیمت ۳ر

ملنے کا پتہ: مینیجر دفتر امت مسلمہ۔ امرت سر

انتخاب اقبال

قبر اپنے مُردہ سے

آہ ظالم تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا!
میں نہ سمجھی تھی کہ کیوں ہے خاک میری سوزناک
تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردۂ ناموس چاک
الحذر! محکوم کی میت سے سو بار الحذر!
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک!

دوزخ سے ایک آواز

یہ علم یہ حکمت یہ سیاست یہ تجارت!
جو کچھ ہے، وہ ہے فکرِ ملوکانہ کی ایجاد
اللہ ترا شکر کہ یہ خطۂ پر سوز
سوداگرِ یورپ کی غلامی سے ہے آزاد

آوازِ غیب

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلّائی و پیری

بیان

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

عمل: عمل وہ فعل ہے، جو انسان سے قصداً اور عقلاً صادر ہو اور اس لئے سزا و جزا کا تقاضا کرتا ہے۔ "عمل" سے مقدم "علم" ہے، یعنی ہر ایک عمل علم کے مناسب ہونا چاہیئے۔ وہ "عمل" جو باتباع فطرت ہو "عمل صالح" اور جو باتباع ہوائے نفس ہو "غیر صالح" کہلاتا ہے۔ جب ہوائے نفس کا قبضہ قلب پر ہو تو نفس "امارہ بالسوء" تمام قوتوں کی حالت کو بدل دیتا ہے اور تمام اوصاف حسنہ کی جگہ خصائل ذمیمہ لے لیتے ہیں۔ غیظ و غضب، کینہ و حسد، طمع و تکبر، خواہشات نفسانی کے ممد و معاون ہو جاتے ہیں، اور انہی کے مطابق عمل بھی صادر ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم انسانی جسد حیوانی بن جاتا ہے اور انسان ادنیٰ حیوانی زندگی کے فوائد کی خاطر اعلیٰ مقصد زندگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اعلیٰ اور دیرپا فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔

آیاتِ قرآن سے واضح ہوتا ہے کہ انسان "علم" کے ہوتے عمل اس کے خلاف کرتا ہے، جس کی وجہ زیادہ تر قومی تعصب، ضد و حسد، اور ادنیٰ زندگی کے فوائد ہیں، (۱۳/۲۲، ۲۵/۴، ۱۵/۱۸) اللہ تعالےٰ کسی نیکی کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ ہر ایک عمل کا اجر یا نتیجہ ضرور مل جاتا ہے، لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ سب کیا کرایا اکارت ہو جاتا ہے، مثلاً ایک شخص اچھے کام کر رہا ہے، کچھ عرصہ بعد وہ کفر کی طرف مائل ہوتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو کچھ ہے اسی دنیوی زندگی میں ہے عاقبت کی خبر خدا جانے، اور ادنیٰ زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے ایسے عمل کرتا ہے جو اول الذکر اعمال کے خلاف اثر پذیر ہوتے ہیں۔ اس طرح اس کے پہلے اعمال ضائع ہو گئے کیونکہ اعمال بہرحال علم کے مناسب ہونے چاہئیں۔ ایک شخص کافر ہے لیکن بعد میں اسے معلوم ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے اس نے اپنے اعمال اسلام کے مطابق کر لئے اور اصلاح کر لی، تو اس سے اُن اعمال کی پُرسش نہ ہو گی، جو بحالت کفر کر چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو لفظ "ذنب") ایک شخص حیات بعد ممات پر یقین نہیں رکھتا، لیکن اس کے اعمال صالح ہیں، تو ضرور اس کو دنیوی زندگی میں اُس کا فائدہ ملے گا، ایک شخص حفظان صحت کے اصول پر عمل کرتا ہے، تو اس کی صحت ضرور اچھی ہو گی، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، لیکن جب آخرت پر اس کو یقین نہیں، تو اس کا عمل اس کے مناسب

ہی نہ ہوگا۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ بحالت کفر بھی نیک ہوتے ہیں ایسے آدمیوں کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، وہ بہتر جانتا ہے کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے، ان کی حالت ایسی ہے جیسے کسی ایسے شخص کی جو باغیانہ خیالات رکھتا ہو لیکن اعمال سے نیک شہری ظاہر ہوتا ہے، اگر وہ اپنے خیالات کا اظہار اور تبلیغ نہیں کرتا تو کوئی حکومت تعرض نہیں کرتی۔ لیکن اگر وہ کفریات کا پرچار کرتا ہے، تو اس کے اعمال سے اس کی نجات نہیں ہوسکتی خواہ وہ کیسے نیک ہوں، کیونکہ باغیانہ خیالات کا اظہار "عمل" کے تحت آجاتا ہے، مزید بحث لفظ "توبہ" کے تحت ملاحظہ ہو۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾	کہو کہ ہر شخص اپنے اپنے طور طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے سو تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہتر راہ پر چلتا ہے:

ایک ہی نوع اور جنس کی اشیاء میں اگرچہ مشابہت اس حد تک ہوتی ہے کہ وہ ایک ہی نوع اور جنس میں شمار ہوتی ہیں، لیکن اختلاف ان کی شکل و صورت میں بھی ہوتا ہے، ایک ہی درخت کے دو پتے بھی ایک جیسے نہ ہوں گے۔ ایک درخت اور گھاس کے تنکوں میں بہت اختلاف ہے، مگر ان میں بعض امور ایسے مشترک ہیں جو دیگر طبقات میں نہیں پائے جاتے۔ انسانوں کو دیکھو، ان میں کتنی مشابہت ہے، مگر شکل ایک کی دوسرے سے نہیں ملتی، ایک ہی باپ کے دو توام بیٹوں میں بھی کچھ نہ کچھ اختلافِ شکل و صورت ہوگا؛

اگر ہم ادنیٰ سے اعلیٰ تک طبقہ حیوانات پر نظر کریں، تو مشاہدہ ہوگا کہ ان میں اختلاف صورت بہت ہے۔ نفس کا اطلاق ہر ایک شے پر ہوتا ہے، کیونکہ کل کائنات کی پیدائش نفس واحدہ سے ہوئی ہے اس لئے ہر ایک شے کی ہستی اسی نفس سے ہے، کثرت اسی وحدت سے ہوئی ہے، خود انسان بھی اسی نفس واحدہ کا کرشمہ ہے۔ یہ دیگر اشیاء سے اس لحاظ سے ممتاز نہیں ہے، ہر ایک شے کی شکل و صورت کچھ تو اندرونی قدر "معلوم" اور کچھ خارجی اسباب کے زیر اثر رہتی ہے، یہ بحث دقیق اور طویل ہے، (ملاحظہ ہو لفظ خلق) اور مناسب مقامات پر بحث کی جائے گی اس مقام پر اتنا کافی ہے کہ "عمل" ہر ایک شکل کے مناسب ہوتا ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ "عمل" جو انسان سے صادر ہو وہ ایسے حیوان سے بھی ہو جس کو اس عمل کے مناسب اعضاء نہیں ملے اور جو شکل و صورت کو تعبیر کرتے ہیں۔ اس لئے آیت محولہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جیسے جیسے آلات عمل اشیاء کو دے رکھے ہیں، ویسے ہی عمل اس سے صادر ہوں گے اور اس لئے ہر ایک شے اگر ان آلات سے وہی کام لیتی ہے جس کے لئے وہ وضع ہوئے ہیں، تو وہ ہدایت یافتہ ہے۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۲۰/۱۹	(موسیٰ نے) کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے، جس نے ہر ایک شئے کو اس کی پیدائش عطا فرمائی ہے اور پھر راہ سوجھائی۔

"خلق" میں صورت و سیرت دونوں شامل ہیں، ہر ایک شئے متعین اور مشخص ہے، اور اپنی شکل وصورت سے متعین ہے۔ اس آیت کا مفہوم واضح ہے کہ ہر ایک شئے کو ایسی شکل و صورت عطا ہوئی ہے کہ وہ فطرۃً وہی عمل کرتی ہے جو اس کی پیدائش کا منشاء ہے، اس لئے ہر ایک شئے راہ راست پر فطرۃً جاری ہے۔ انسان اس سے کس طرح مستثنٰی ہو سکتا ہے؟ ارشاد الٰہی ہے:۔

اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ۲۹/۱۹	ہم نے اس کو راہ دکھا دی، اب کوئی شکر کرتا ہے کوئی کفر۔

ماسوائے انسان ہر ایک شئے اسی فطری راستہ پر جا رہی ہے، جو اس کو دکھایا گیا ہے، لیکن انسان صاحب اختیار مخلوق ہے، شکر یا کفر کرنا اختیاری امر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ کا منشاء ہوتا تو تمام عالم انسانی امت واحدہ ہوتا اور کوئی شرک نہ کرتا (۱۶/۹) یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان ایسا ہوتا تو دیگر اشیاء کی طرح ہوتا لیکن انسان نہ ہوتا، .... اس کو کچھ اختیار دیا گیا ہے اور اگر وہ اس اختیار کا ناجائز استعمال کرتا ہے تو وہ ایک نہ ایک دن سلب ہو جائیگا اور جو اس اختیار سے فطری راستہ پر چلتے ہیں ان کو اور بھی زیادہ اختیار دیا جائیگا' منشاء فطرت ارتقاء ہے (۱۳/۱۴)۔

وہ تمام قوتیں جو ہمیں عطا ہوئی ہیں ہمارے ارادہ کے تابع ہیں زبان سے ہم کلمہ خیر بھی کہہ سکتے ہیں اور کسی دل کو مجروح بھی کر سکتے ہیں، زبان کا کام ذائقہ شناسی کے علاوہ بولنا ہے، وہ دونوں حالتوں میں بول رہی ہے۔ خواہ یہ کلمہ کفر ہو یا کلمہ شکر، اس لئے کفر و شکر کرنا کسی اور کا کام ہے اور وہ انسان ہے، جو دیگر اشیاء سے اس لئے ممتاز ہے کہ دونوں امور پر اس کو اختیار ہے۔

[1] یہ اعلان اور اخبارات میں بھی شائع کرایا گیا ہے۔ (منیجر)

واجب الوجود

(۸)

(از افادات حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رحمہ اللہ)

جب کوئی حقیقت قطعی طور پر ثابت ہو جائے تو کوئی شبہ خواہ وہ لاجواب ہی کیوں نہ رہے اُس حقیقت کو زائل نہیں کر سکتا۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ مادہ میں ایک قوت ہے جس کا نام کشش ہے اگرچہ وہ قوت نظر نہیں آتی مگر اُس کے کاموں سے اس کا وجود قطعی طور پر مان لیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر یہ شبہ کرے کہ مثلاً سورج کے زمین کو کھینچنے سے یہ لازم آتا ہے کہ سورج خود یا اس کی قوت زمین پر جہاں وہ موجود نہیں ہے عمل کرتی ہے اور یہ باطل ہے کہ کوئی چیز جہاں وہ نہ ہو کام کرے۔ پس وجود کشش کا باطل ہے۔ تو بالفرض اگر یہ شبہ لاجواب بھی رہے تو بھی کشش کا وجود باطل نہیں ہو سکتا۔ یا مثلاً کوئی پوچھے کہ سورج سے کونسی اور کیسی چیز نکل کر زمین پر آتی ہے جو ایسی طاقتور اور مضبوط ہے کہ زمین جیسے کرہ کو پکڑے ہوئے ہے اور پھر ایسی مضبوط چیز بیچ میں صرف خلاء کیسے چھوڑتی ہے کہ جسے چیر کر پرندے وغیرہ اڑ جاتے ہیں۔ اور پھر وہ پہنچ کر زمین کے ذرہ ذرہ پر عمل کرتی ہے۔ اول تو وہ سورج کی طرف سے زمین کی طرف دوڑی آتی ہے پھر زمین بلکہ اس سے بھی آگے جا کر دور کے سیاروں کو سورج کی طرف کھینچتی بھی ہے۔ اور کھینچنے کے معنی کسی چیز کو لے کر پیچھے کو مڑنے یا سکڑنے کے سوائے اور کچھ نہیں۔ تو پھر وہ چیز ایک ہی وقت میں آگے اور پیچھے کو حرکت کیسے کر سکتی ہے؟ تو اگرچہ کوئی اسے نہ بھی سمجھا سکے، پھر بھی جب کہ کشش کا ہونا ثابت ہو چکا کوئی اُسے باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

الغرض قدرت میں بے شمار ایسے حقائق ہیں جو ابھی تک کل انسانوں نے بھی نہیں سمجھے یا تمام وکمال نہیں سمجھے۔ پس ضرور ہوا کہ ثابت شدہ حقائق کو محض شبہات اور کیف وکنہ کے نہ سمجھنے کے اعتراضات سے ہرگز ہرگز نہ چھوڑا جائے۔ اور کسی چیز کا قطعی طور پر ثابت ہونا اُس کے مشاہدہ سے بھی ہوتا ہے اُس کے اثروں اور کاموں کے مشاہدہ سے بھی ہوتا ہے بیشمار عقلی دلائل کے جمع ہو جانے سے بھی ہوتا ہے اور ثابت شدہ قطعی حقائق سے جو نتیجہ نکلے وہ بھی قطعی ہوتا ہے۔ خدا تعالے کا وجود اگرچہ معمولی مشاہدہ سے ثابت نہیں ہوتا لیکن باقی کے سب طریقوں سے ثابت ہے پھر اُس کے یقیناً موجود ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس تمہید سے یہ مقصود نہیں کہ ہم کسی اعتراض کا جو وارد ہو جواب دینا نہیں چاہتے،

بلکہ یہ غرض ہے کہ ہم پر جواب دینا ضروری نہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ کسی ثابت شدہ امر کے خلاف جو اعتراضات پیش کئے جائیں ان میں صرف احتمال پیدا کرنا ہی کافی ہوتا ہے کیونکہ جب اُن میں احتمال گیا تو وہ استدلال کا ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ کئی ایک شبہات کے جواب تو ساتھ ساتھ دلائل کے ذیل میں دیے گئے ہیں۔ بعض دیگر اعتراضات کے جوابات مختصراً اس باب میں دیے جاتے ہیں۔

۱۔ اثر مفرد تاثیر مفرد سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اثر مرکب تاثیرات مرکب سے شئے مفرد باعث بے شمار افراد کا نہیں ہوسکتی۔ پس اگر موجودات کا باعث ایک خدا مانا جائے جو بہمہ وجوہ احد ہو تو یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

خداوند تعالےٰ کی ذات لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ہے۔ اور باقی کل چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں پس خالق احد کی ذات کا قیاس کسی اور مخلوق چیز مفرد یا مرکب پر کرنا قیاس مع الفارق ہے جو بالکل ناجائز ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیں کہ اُس کی صرف ایک ہی صفت ہے تو اُس سے بھی خدا تعالےٰ کی شان میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ ایک صفت وجود میں لانے کی ہے اور یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے کوئی خوبی وقدرت باہر نہیں رہ سکتی۔

۲۔ چونکہ کوئی ذرہ نیست نہیں ہوسکتا اس لئے کبھی بھی نیست نہ تھا۔

کسی شئے کا نیست نہ ہونا ارادہ الٰہی کے غیر متبدل اور ناقابل تنسیخ ہونے کے سبب سے ہے نہ اس شئے کی اپنی قابلیت سے۔ نیست نہ ہونا اور بات ہے اور نیست نہ ہوسکنا اور بات ہے۔ ذرات وغیرہ نیست ہوسکتے ہیں لیکن باحکمت و باجلال حکم اُنہیں قائم رکھتا ہے۔ کیونکہ نیست ہو جانا کسی چیز کا عمدہ نتیجہ نہیں ہے۔ معدوم کرنا بھی قدرت سے ہے اور اپنے ارادے کو نہ بدلنا بھی قدرت سے ہے پس اس طرح قیاس برخلاف شبہ کے چاہئے تھا نہ کہ موافق شبہ کے۔ پھر جب کہ وجود باری بداہتًا ثابت ہوچکا ہے اور ہست ہونے کے چند ایک ثبوت بھی دیے گئے ہیں تو یہ شبہ کچھ بھی حقیقت نہیں۔

۳۔ جہاں کچھ نہیں وہاں سے کچھ نکل بھی نہیں سکتا۔ پھر نیستی سے کوئی چیز ہست کیسے ہوسکتی ہے۔ نیست میں قابلیت کہاں کہ فاعلیت وخالقیت کے اثرات کو لے سکے؟

نیست سے ہست کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نیستی ہستی بن جاتی ہے بلکہ ایک چیز نہیں ہوتی اور خدا تعالےٰ اُسے اور اُس کی ضد کو پیدا کر دیتا ہے۔ اب اس پہ سوال ہوگا کہ کس طرح؟ لیکن یہ سوال جاہلانہ ہے اس لئے کہ ہم خدا تعالےٰ کی وجود میں لانے کی قدرت ثابت کرچکے ہیں جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ شے وجود میں بھی آجائے۔ سو جب ایک چیز کا ہونا ثابت ہوگیا تو اُس کے کیسے ہونے کے نہ معلوم

ہونے سے اس کا ہونا بھی اُٹھ نہیں سکتا۔ مادرزاد اندھا بینائی کی کیفیت نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اُس کو بینائی کے وجود پر دلیل مل سکتی ہے، جس چیز کو نابینا ٹٹول ٹٹول کر بوقت بسیار پا لیتا ہے، بینا دور ہی سے بتلا دیتا ہے۔ پس ثابت شدہ چیز کی اگر کیفیت و کنہ نہ معلوم ہو، تو اُس کا وجود بھی باطل نہیں ہو سکتا، با ایں ہیچ ہست ہونا غیر متصور بھی نہیں ہے، مثلاً صفر نشان نیستی کا ہے، ہم صفر کو منفی و مثبت ارقام میں توڑ سکتے ہیں، جیسے ۰ = ۱+ ۱- ۲+ ۲- کے۔

اسی طرح یہ کسی صورت سے بھی غیر متصور نہیں ہے، کہ خدا تعالے نیستی کو دو اضداد میں توڑ دے، جو بہمہ وجوہ ایک دوسرے سے ضد واقع ہوں، اگر اُن کا مل جانا فرض کریں، تو نتیجہ صرف یعنی نیست ہو، اور اس طرح دو عالم موجود ہوں، جو آپس میں بہمہ وجوہ ایک دوسرے کے ضد ہوں، ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ پڑے ہوں، اور خداوند تعالےٰ کا باجلال حکم انہیں ملنے نہ دیتا ہو، پس اشیاء کا وجود میں آنا بالکل غیر متصور نہیں ہے، ہاں یہ بات کہ خدا تعالے نے کس طریقے سے اُنہیں وجود میں لایا نہ ہماری سمجھ سے تعلق رکھتی ہے اور نہ اُس اعتراض کے جواب کے لئے ہمیں اُس کا سمجھنا ضروری ہے، جس کام کے سمجھنے کے لئے ہماری عقل نہیں بنائی گئی اُس کو ہم کیسے فہم میں لا سکتے ہیں، اور ہمارا نہ سمجھ سکنا کسی حقیقت کا نافی نہیں ہو سکتا، جیسے حیوانات کے نہ سمجھنے سے وہ حقیقت ضائع نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہ اُس کے لائق ہی نہیں بنائے گئے، اس بات کی اُن سے توقع رکھنا ایسا ہے جیسے حنظل سے آم چاہنا۔

۴۔ خدا تعالے میں مادہ نہیں تو اس سے نکلا کیونکر؟

خلق سے نہ کہ تولید سے، خدا تعالے میں ہر شئے کے وجود میں لانے کی طاقت ہے، اور ہر شئے اُسی طاقت کا نتیجہ ہے، نہ کہ خدا تعالے میں ہر شئے بھری ہوئی موجود ہے، اسی طرح رحمتیں اور نعمتیں اور اثرات جو خدا تعالے کی طرف سے مخلوق کو پہونچتی ہیں، بذریعہ تخلیق ہی پہونچتی ہیں نہ کہ معاذ اللہ وہ خدا تعالے کا کوئی جزو ہوتی ہیں۔

۵۔ اگر آگے کی طرف زمانہ کا تصور کرتے جائیں، تو وہ کبھی بھی ختم ہوتا نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح اگر ابتدا کی طرف خیال کریں تو اُدھر بھی ایسی حالت معلوم نہیں ہوتی، جہاں وقت نہ ہو، پس وقت قدیم ہے یعنی غیر مخلوق؛

اگر بالفرض ہم زمانہ کو بے ابتدا بھی سمجھیں، تو بھی یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ غیر مخلوق ہے، صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ جب پیدا کرنے والا بے ابتدا یعنی ہمیشہ سے ہے، تو مخلوق بھی ہمیشہ سے ہو سکتی ہے، یعنی پیدا کرنے والے

کے سبب سے نہ از خود' پیدا کرنے والے کو مخلوق پر تقدیم ذاتی ہوگی' جیسے کہ سبب کو اثر پر' ہاتھ کی حرکت قلم کی حرکت کا باعث ہوتی ہے' اگرچہ دونوں حرکتیں ایک ساتھ واقع ہوتی ہیں۔ اسی طرح اگر خدا تعالےٰ اور زمانہ ایک ساتھ چلے آتے ہیں تو اس سے خدا تعالےٰ کے باعث زمانہ ہونے میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ پس یہ شبہ باطل ہوگیا' لیکن واضح ہو کہ ہمارے نزدیک زمانہ بے ابتدا نہیں ہے اس لئے کہ زمانہ آنوں سے مرکب ہے۔ ابتداء کی طرف سے زمانہ آن آن کرکے گذرتا ہوا اس آن میں آپہنچا ہے جس میں اب ہم موجود ہیں' اگر ہم انہی قدموں پر آن آن کرکے پیچھے کی طرف اشیاء کا لوٹنا فرض کریں' تو کیا کبھی بھی ان اشیاء کا ابتداء کی طرف پہنچنا ممکن ہے یا نہیں؟ اگر ممکن نہیں' تو یہ اشیاء اس آن تک اسی رستہ پر چل کر کیسے یہاں پہنچیں؟' اور اگر ممکن ہے تو زمانہ کی ابتداء ثابت ہوئی' اور یہی مقصود ہے۔ پس ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالےٰ نے زمانے کو ایک آن سے پیدا کرکے دو طرف آگے اور پیچھے کو چلایا ہے اور ہمیشہ ہمیشہ تک دونوں طرف چلاتا جائے گا۔ نہ کبھی آگے کو زمانہ ختم ہوگا اور نہ پیچھے کو۔ دونوں طرف ان کے لائق عالم بسائے ہیں۔ اس طرف کے عالموں کا ابد اس طرف ہے اور اس طرف کے عالموں کا ابد اُدھر ہے۔ اُن کے ابد کو ہم ازل کہتے ہیں۔ اور ہمارا ابد اُن کے لئے ازل ہے۔ خدا تعالےٰ نے وقت کو وقت میں نہیں بنایا۔ خدا تعالےٰ زمانی و مکانی نہیں ہے۔ لازم ہے کہ خالق کی کنہ مخلوق کی فہم میں نہ آئے۔ ہمارا تصور ابتدائی نقطہ سے گذر کر دوسرے ابد کی طرف چلا جاتا ہے: اس لئے اس ابد سے اُس ابد تک کے بیچوں بیچ پھرتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت وقت ہی دیکھتا ہے۔

۶۔ اگر خدا تعالےٰ ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتا؟

مخلوق کی بینائی اور دانائی کی گرفت میں جو چیز آجائے وہ ضرور ہی مخلوق ہوگی۔ پس خالق کی بابت یہ خیال کرنا کہ وہ کیوں دکھائی نہیں دیتا کیسی پرلے درجے کی جہالت ہے! خالق تو ورلاء الورلاء ہے اکثر مخلوق چیزیں بھی دکھائی نہیں دیتیں' لیکن فی الواقع موجود ہیں' روح' قوتِ کشش دیگر کل قویٰ اور سب قوانین قدرت وغیرہ وغیرہ دکھائی نہیں دیتے پھر اپنے آپ کو خالق کے دیکھنے کے قابل سمجھنا بڑا ہی تکبر اور سرکشی ہے۔

۷۔ مختلف کاموں کے لئے مختلف کاریگر درکار ہوتے ہیں' پس کل زمینی اور آسمانی کاموں کے لئے ایک ہی خالق کیسے کافی ہوسکتا ہے؟

انسانوں کو کاموں کے کرنے میں بہت سی محنت درکار ہوتی ہے۔ اور بہت سی تکان لاحق ہوجاتی ہے۔ ان کے فہم کی رسائی بھی بڑی ناقص ہے' یہی وجہ ہے کہ انسان سب کام نہیں کرسکتا۔ پس انسان کا

قیاس اس ذات پاک پر کرنا جو کل عقلوں کا خالق و مالک ہے اور جس کو کسی کام کے کرنے میں کوئی بھی نصب ولغوب نہیں پہنچتا، انتہا درجے کی ونادت و سفاہت ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہمہ وجوہ احد ہونا واجب ہے، اگر اس میں ترکیب یا کثرت پائی جائے، تو پھر وہ بھی مخلوق ہوگا، اس لئے کہ کئی ایک چیزوں کا آپس میں ایک مناسبت رکھتے ہوئے از خود ہی موجود چلے آنا ہم پہلے باب میں باطل ثابت کر چکے ہیں۔ اگر مناسبت وموافقت نہ رکھتے ہوں، تو نتیجہ بربادی کلی ہوتا۔ مخلوقات کی سب چیزیں آپس میں متعلق ہو کر بطور ایک کل کے کام کرتی ہیں۔ اور ایک کل کے کل پرزے اگر مختلف مرضیوں اور تجویزوں سے بنیں، تو کبھی ٹھیک نہیں بیٹھ سکتے۔ لہذا ضرور ہے کہ مخلوقات صرف ایک ہی تدبیر کے تحت میں چلتی ہو۔ دو قادر مطلق کبھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ اگر ایک اُن میں سے زید کا بیٹھ جانا چاہے اور دوسرا اگر اسی وقت زید کو کھڑا رکھ سکتا ہے، تو پہلا قادر مطلق نہیں کیونکہ اُس کی مرضی پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا وہ قادر مطلق نہیں ہے۔ اور جب ایک قادر مطلق کافی ہے۔ تو دوسرا بے فائدہ اور عبث ہوگا اور یہ خدا تعالےٰ کی صفت نہیں۔ الغرض سارے عالم میں کیا زمین، کیا چاند، کیا ستارے، کیا سیارے، سب میں ایک ہی قواعد اور عناصر کا پتہ ملنا، روحانی عالم کا بھی ایک ہی طرز پر چلنا، روح اور جسم کا جو تعلق انسان میں پایا جاتا ہے، وُہی کل موجودات میں پایا جانا اور اجتماع ضدین کا وقوع میں نہ آنا یکسانیت کو ظاہر کرتا ہے۔ لہذا یہ سب کچھ ایک ہی ہاتھ کا کام ہے۔

کیا آپ خدمت کریں گے؟

(۱) اپنے پرچے کا مطالعہ کر کے کسی دوسرے دوست کو پڑھنے کے لیے دیں۔

(۲) اپنے حلقہ اثر میں "البیان" کے نئے نئے خریدار پیدا کریں۔

(۳) دفتر اُمت سے کتابیں خرید کر اپنے احباب میں تقسیم کریں۔

(۴) دینیات سے دلچسپی رکھنے والے اپنے دوستوں کے مکمل پتے ارسال فرمائیں۔

(۵) اپنا چندہ وی پی کے بجائے ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے بھیجیں۔

منیجر دفتر اُمت مسلمہ امرت سر (پنجاب)

آوازہ رُوح

اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا

مادیت کے قلعے میں گھرے ہوئے 'فانی انسان! تیری نگاہ اپنے قریبی ماحول کی خیالی دیواروں سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے' تو انہیں چیر کر آگے نکل جانے کی جرات نہیں کرتا' تو فانی حوادث کو دائمی اہمیت دے کر اُن سے بے حد متاثر ہوتا ہے' تیرے طفلانہ رنج وعیش تجھے دائمی تشویش میں مبتلا رکھتے ہیں' تو سمجھتا ہے کہ تو تاریخ کائنات کا ایک "تنہا اہم ورق" ہے' حالانکہ ؎

عالم بفغاں لا الٰہ الا ہو ست — جاہل بگماں کہ دشمن است ایں یا دوست
دریا بوجود خویش موجے دارد — خس پندارد کایں کشاکش با اوست

عالم ہستی کا ہر جزو صغیر وکبیر صرف ایک "موجودِ حقیقی" کے لئے یک زبانِ اعتراف ہے۔ اور غفلت سرشت انسان دشمن و دوست کے خیالی امتیازات میں اُلجھ رہا ہے۔ مست خرام دریا شب وروز مسلسل اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بے پروایانہ گزر رہا ہے۔ لیکن حقیر تنکا اس کی ہر حرکت اور ہر موج سے متاثر ہو کر اُس کو اپنی ذات کے خلاف آمادہ جنگ سمجھتا ہے۔ میں نے اپنی ملکوتی بلندیوں سے تیرے "لمحات اضطرار" کو دیکھا' تجھ کو مہمل اور فضول الجھنوں میں اُلجھا ہوا پایا' میری نگاہیں وسیع اور میری رفتار زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے' مجھے وہ سب کچھ بیک وقت نظر آ رہا ہے جسے تو فراموش کر چکا ہے۔ آغاز آفرینش سے اِس وقت تک ——— تیری ساری سرگزشت میرے سامنے ہے۔ تو نے کبھی کفران ومعصیت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا' تو نے کبھی اپنے تاریک گھر میں صدق وخلوص کی شمع روشن نہ کی' میرے نزدیک تیرا کوئی حال کا گناہ' تیرے ماضی کے گناہ سے عجیب نہیں۔ تیری بڑی سے بڑی ظالمانہ حرکت' انوکھی چیز نہیں۔ تو بیٹا ہے اس آدم کا جس نے اپنے مہربان بنانے والے کے حکم سے سرتابی کی' تو بھائی ہے اس ہابیل کا جس نے اپنے سگے بھائی' قابیل کی گردن پر چھری چلائی' ——— یہ تھی تیری ابتدا' تیری ابجد۔ پھر تجھ سے کوئی بہتر توقع رکھنا' حماقت نہیں تو کیا ہے؟ مینائے زہراب سے آب حیات کی امید' ابلیس کے گلے سے امن وسلام کی آواز' نجاست کے ڈھیر سے مشک وعنبر کی تمنا! واعجباہ!!

وَالْعَصْرِ۔ ہر لحظہ گزرتا ہوا زمانہ گواہ ہے' اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ انسان یقیناً خسارے کی

پستیوں میں اُترتا جا رہا ہے، اس کے جسم کا ہر عضو کل کی نسبت آج زیادہ پُرانا ہو چکا ہے۔ اس کے نامۂ عمل کی ہر سطر پہلے سے بڑھ کر گھناؤنی، ماضی سے زیادہ سیاہ، گزشتہ سے بدتر ہولناک ہے، اس کی صحت، مرض بن رہی ہے، اس کا حسن، بدصورتی میں تبدیل ہو رہا ہے، اس کی بینائی پر کوری کا حجاب پڑ رہا ہے، اس کی قوت رفتار و کردار سلب کی جا رہی ہے، اس کی دلکش آواز کی لوچ کہاں ہے، اس کی نرگسین آنکھ کی کشش کدھر گئی۔ اس کی جلد کی ہموار سطح، اس کے رخسار کی سرخ و سپید رنگت ——— آہ آہ! کیا تمہیں اس گرفتار خسران کا انجام نظر آ رہا ہے، کیا یہ حقیقت ثابتہ نہیں ہے ؟

مَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ

شیرخوار بچہ خسارے میں، مست شباب نوجوان خسارے میں ہے، عقل و تجربہ پر ناز کرنے والا بوڑھا خسارے میں ہے، اور جو اس واضح خسارے کو نہیں دیکھتا، وہ سب سے بڑے خسارے میں ہے!

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لیکن اس طوفان خسران میں، اس معرکہ کی تباہی میں، اس کارگاہ انہدام میں، استثنا کا ایک پہلو بھی ہے، اس تمام گرتے ہوئے اور پستے ہوئے پہاڑ میں ایک اٹل چٹان بھی ہے، اور وہ انسانیت کبریٰ ہے، جس نے اپنے واحد مقصود، "موجود حقیقی" سے قرب و اتصال پیدا کر لیا ہے، جس کی کوئی مسرت اس سے مستغنی نہیں جس کو کوئی دُکھ اس سے دُور نہیں کر سکتا، خوشی کی ہوا کا ہر جھونکا، غم کے کانٹے کی ہر خلش اس کو منزل سے قریب تر کر دیتی ہے ؎

عزیزیکہ از درگہش رو بتافت بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ عمل صالح کیا ہے۔ اسی جمال کا پرتو۔ اسی آفتاب کی کرن، جس پر پڑ گئی اس کو چمکا گئی۔ منور کر گئی، جہاں سورج کی ضیا باری ہو وہاں تاریکی ناممکن ——— جس دل میں ایمان کی شمع جلوہ افگن ہو اُسے عمل غیر صالح کے اندھیرے سے دلچسپی دشوار۔ جس سر میں دوست کا سودا ہو، اس میں دشمن کی حرکات کا اثر محال! ؎

زبیم دشمنیم لے رقیب ایمن باش کہ مہر او بدلم جائے کین کس نگذشت

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ۔ وصیت بالحق کیا ہے، اعمال صالحہ کا سرلشکر۔ سب سے بڑا نیک کام یہی ہے کہ بھولی ہوئی دنیا کو حق کی وصیت کرو۔ رات کے اندھیرے میں بھٹکنے والوں کو دن کی روشنی میں لے آؤ۔ شقاق و اختلاف کے کیچڑ میں پھنسی ہوئی مخلوق کو صلح و سلام کے فردوس کی دعوت دو۔ متعدد خداؤں میں بٹی ہوئی انسانیت کو ایک آستانۂ الوہیت پر مجتمع کرو۔ روٹھے ہوؤں کو مناؤ۔

گرے ہوؤں کو اُٹھاؤ۔ رونے والوں کو ہنساؤ۔ مرنے والوں کو زندگی دو۔ انسان جو سفلی جذبات بغض وحسد، شرارت وطغیان کی نجاست میں حقیر کیڑے کی طرح وقت گذارنے پر قانع ہو چکا ہے، اُسے اس کی حقیقت ومقصود سے آگاہ کرو؛

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔ لیکن یہ وصیت بالحق۔ ناحق کوش انسان پر شاق گزرے گی۔ اسے اپنے امراض سے اُنس ہو چکا ہے، یہ اپنے ناسور کا آپریشن برداشت نہیں کرے گا۔ اُس کی آنکھیں اندھیرے کی خوگر ہو گئی ہیں۔ وہ روشنی میں چندھیا جائیں گی۔ اُسے ظلم وجور میں مزا آنے لگا ہے، وہ عدل وانصاف سے گھبرائے گا۔ وہ حق کی وصیت کرنے والوں پر حملہ آور ہوگا، ان کے خلاف محاذ قائم کرے گا، ان کو اپنا اور اپنے توہمات کا سب سے بڑا دشمن سمجھے گا۔ وہ قید وبند کا دلدادہ، آزادی سے خائف، نجاست کا کیڑا، تعطر سے لرزاں تاریکی کا چمگادڑ، نور سے بیگانہ، بداخلاقی کا اوتار، اخلاق حمیدہ سے نفور، خدا سے بے پروا، ابلیس کا محب، اپنے مذاق کی مخالفت دیکھ کر جو کچھ بھی کر گزرے تھوڑا ہے۔ اس وقت اہل حق کے لئے وصیت بالصبر کی سپر کام دے گی۔ استقلال وثبات قدم کا پہاڑ بن جاؤ۔ جس کی راہ میں یہ اذیتیں ہیں اس سے اٹل ہو جانے کی توفیق مانگو۔ باہم متصل ہو کر ایک سنگین دیوار بن جاؤ اپنی مومن جمعیۃ کو منتشر نہ ہونے دو۔

عشق است و عاشق است کہ باقی است تا ابد دیگر ہر آنچہ را کہ تو بینی دوام نیست

بس صرف ایسے ہی لوگ وہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، امیر ہوں یا غریب۔ قوی ہوں یا نحیف، اُس خسارے سے محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ دامن ایزدی میں پناہ گزیں رہیں گے، آفات ارضی و سماوی سے بچائے جائیں گے۔ انشاء اللہ العزیز؛

ادارہ

اہل دنیا یاد کرتے ہیں سب تجھے،
جاگ اُٹھتے ہیں کبھی سوتے ہوئے

میں نے دیکھا اس زمیں پر بارہا
عظمتوں کو گرد راہ ہوتے ہوئے

فہم قرآن کے متعلق چند اشارات

(۵)

(حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رحمہ اللہ)

اصحابُ السبت

عربی میں "یوم" کا لفظ ایسے زمانہ پر بولا جاتا ہے، جس میں کوئی معین کام وقوع پائے اور "اَیّامُ اللّٰہ" سے ایسے زمانے مراد ہوتے ہیں، جن میں مختلف اقوام کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے واقعات عظیمہ رونما ہوئے ہوں۔ یہ یوم ممکن ہے صرف ایک منٹ کا ہو یا ہزارہا سال کا۔

صبح سے شام تک سورج روشنی پہنچاتا اور لوگوں کو اپنے کاموں میں لگائے رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے نہار بھی یوم کہلا سکتا ہے۔ زمین اپنے محور کے گرد اوسطاً چوبیس گھنٹوں میں ایک چکر لگاتی ہے۔ اس لئے رات اور دن دونوں کا مجموعہ بھی یوم ہے۔ قوم عاد پر آٹھ ایام اور سات راتوں تک ریح عقیم چلتی رہی تھی چونکہ یہ ایک واقعہ تھا، اس لئے خدا تعالیٰ نے اس تمام وقت کو یوم نحس ہی سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ اس عرصہ میں زمین نے اپنے ماحول پر کئی چکر لگائے تھے، اس لئے اسی زمانہ کو ایام نحسات بھی بتلایا ہے۔ دونوں صورتوں میں زمانہ بالکل ایک ہی ہے، مگر ایک جگہ اُسے بصورت واحد بیان فرمایا ہے اور دوسری جگہ بصورت جمع، جنگ حنین خواہ کتنی مدت تک بھی جاری رہی ہو اس تمام زمانہ کو بلحاظ ایک واقعہ کے یوم حنین کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ قرآن مجید میں ایسا یوم بھی بیان کیا گیا ہے، جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے اور ایسے یوم کا بھی ذکر ہے، جس کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی گئی ہے۔ یہ تمام فرق واقعات کے اختلاف اور افعال کی خاص خاص تعیین کے لحاظ سے ہیں۔

مذکورہ بالا پچاس ہزار سال کے دن میں فرشتے ارضی روحوں کو خدا تعالیٰ کے حضور پہنچاتے رہتے ہیں۔ پس یہ زمین کی آبادی کا دن ہے، اسی طرح زمین میں نئی تیاری کے لیے رات بھی ہوتی ہے۔ یہ دن رات قریباً ایک لاکھ سال کا ہوتا ہے۔ زمین اپنے مدار میں کبھی سورج کے نہایت قریب آجاتی ہے اور کبھی بہت دور چلی جاتی ہے۔ قرب و بُعد کے یہ انتہائی نقطے فضائے عالم میں اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں اور قریباً ایک لاکھ سال کے عرصہ میں بارہ بُرجوں میں ایک پورا چکر لگا لیتے ہیں جس طرح

رات دن، سرما گرما اور بے شمار دیگر تغیرات کا تعلق اَلسَّمَآءِ ذَاتُ الْبُرُوْجِ سے ہے، اسی طرح نوع انسان کے خاتمہ کا علاقہ بھی اسی سے ہے۔

ہر زمین یا ستارہ پہلے اپنے آسمانوں میں جو سات قسم کے ایتھر ہوتے ہیں، ہیولاکی صورت میں پھیلا ہوتا ہے۔ پھر خدا تعالےٰ اس ہیولا کو اس طرح لپیٹتا ہے، جیسے کاغذوں کو لپیٹا کرتے ہیں۔ زمینیں اسی طرح بنتی رہتی ہیں۔

اس ہیولا پر اور اس کے ایتھر پر چھ دَور آیا کرتے ہیں۔ یہ ہیولا پہلے ہوائی پھر آبی پھر ناری اور آخرکار خاکی حالت اختیار کر لیتا ہے۔ یہ چار دور ہوئے۔ بعدازاں اس کا ایتھر جو ایک قسم کا دخان ہوتا ہے، اس زمین کے ساتھ سات طرح کی مطابقت حاصل کرتا ہے ہر قسم کی شعاع و فعلیت کا موسل الگ الگ ہے پھر خدا تعالےٰ ہر آسمان میں اس کا امر وحی کرتا ہے۔ اور اسی طریق سے یتنزل الامر بینھن کا ثبوت ملتا رہتا ہے۔ یہی وہ چھ زمانے ہیں، جو ہر زمین اور اُس کے آسمانوں پر آتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ یوم یقیناً ہزارہا سالوں کا بھی ہوتا ہے۔ اور قرآن حکیم میں زمین اور اُس کے آسمانوں کی تیاری کے ایّام کی معقول تفصیل بھی موجود ہے۔ اندریں صورت ہمارے علماء کا تقلید یہود و نصاریٰ ان ایام کو ایت، سوم، منگل، بدھ، برہسپت، شکر اور سنیچر قرار دینا نہایت ہی حیرت انگیز بات ہے؛

ہفتہ کے دن بالعموم چاند، سورج اور پانچ سیاروں کے ناموں سے تعلق رکھتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، یہ اُس وقت کی ایجاد ہیں، جب لوگوں کو ہمارے نظام شمسی میں چاند، سورج کے علاوہ پانچ اور سیّارے معلوم ہو چکے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ان سات کے سوا اور سیّارے نہیں ہیں۔ اس لیے انہوں نے سات ہی دن اُن سات کے لیے نذر کر دیے اور یوں ہفتہ کے سات دن قرار پائے۔ لیکن بعد ازاں ہمارے نظام شمسی میں اور بھی بڑے بڑے سیّارے معلوم ہوئے۔ وہ بیچارے نہ معلوم ہونے کے سبب پوجے جانے سے رہ گئے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ صرف ایک انسانی ایجاد تھی، جو واقعات کے ساتھ کوئی قدرتی تعلق نہیں رکھتی تھی۔

بنی اسرائیل کو اتنا تو معلوم تھا کہ خدا تعالےٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ ایام میں بنایا ہے۔ اُنہوں نے ہفتہ کے چھ دن تو ان ایام کو سمجھ لیا۔ لیکن ساتویں دن کے لئے اُن کے پاس کوئی گنجائش نہ تھی اس کے متعلق انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ساتویں دن خدا نے کام سے آرام کیا۔ اس خیال کے ساتھ ہی اُنہوں نے اُس کا نام یَوْمُ السَّبْت تجویز کر لیا۔

یہود نے تو ستارہ پرستوں سے الگ ہو کر ایک دن خدا کے آرام کا مقرر کر کے ہفتہ کے سات دن ٹھہرائے۔ لیکن اہل اسلام کے نزدیک تو خدا تعالے کے آرام کا کوئی دن نہیں ہے۔ قرآن مجید نہایت زور کے ساتھ اس کی تردید کرتا ہے۔(وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ ۲۶) جب بات یہ ہے، تو مسلمانوں کا ہفتہ سوائے انسانی ایجادوں کے اور کہیں سے نہیں نکل سکتا۔ اگر یہ دن زمین اور آسمانوں کی پیدائش سے لیے گئے ہیں، تو ضرور ہے کہ مسلمان یا تو ہفتہ کے چھ دن مقرر کریں۔ یا زمین اور آسمانوں کی پیدائش کے لئے سات دن مقرر کریں۔ مسلم کی ایک حدیث میں اس کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں زمین اور آسمانوں کی پیدائش سات دن میں بتلائی ہے، مگر افسوس ہے، تو اس بات کا ہے کہ اس بہتان کو خلاف قرآن، رسول خدا کا فرمان بیان کیا گیا ہے، اہلحدیث کو بھی ماننا پڑا ہے کہ اس حدیث کا قول رسول ہونا بالکل غلط ہے اور راوی نے غلطی سے اسے رسول تک پہونچا دیا ہے، اِنَّا لِلّٰه۔

حاصل یہ ہے کہ ہفتہ کے سات دن صرف انسانی ایجاد ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالے نے خلق ارض و سموٰت کے وقت انسانی تخیلات کے مطابق کام کیا ہو۔

ملت ابراہیمؑ میں کو سبت نہ تھا۔ بعد میں یہود نے ملت ابراہیم سے اختلاف کیا۔ بہت سی فضول رسمیں ایجاد کیں۔ انہی میں سے ایک سبت بھی تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خدا تعالے نے سنیچر کے دن آرام کیا اس لئے ہمیں بھی اُس دن کوئی دنیوی کام نہ کرنا چاہئے۔ جب انہوں نے اس رسم کو چھوڑنا نہ چاہا تو خدا تعالے نے سزا کے طور پر یہ رسم ان پر ڈال دی۔

خدا تعالے کی یہ بڑی عنایت ہے کہ جب کوئی قوم پوری اصلاح کے قابل نہیں ہوتی، تو وہ ارحم الراحمین ایسا بھی نہیں کرتا کہ تھوڑی اصلاح کو بھی ان سے روک لے۔ اللہ تعالے اس قوم کو بالکل ہی نہیں بھلا دیتا جس قدر اصلاح ممکن ہوتی ہے، اُن میں جاری کی جاتی ہے اور جس اصلاح کو وہ قبول نہیں کرتے، وہ اُن میں جزوی طور پر کر دی جاتی ہے۔ یا اُسے اُنہی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ یہود پر سبت کی تعظیم صرف اس لیے ڈالی گئی تھی کہ انہوں نے خود ہی ملت ابراہیمی میں اختلاف پیدا کر لیا تھا۔(اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ الخ۔ ۱۴-۲۲)

بس یہ آزمائش محض اُن کے اپنے ہی فسق کے سبب اُن پر پڑی تھی۔ (نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۹)

مگر افسوس ہے کہ یہود نے یہ بوجھ خود ہی اپنے سر پر لے کر اس کی مناسب رعایت نہ کی۔ آدمی کو چاہیے کہ اُس نے جس عبادت کو صحیح سمجھ کر اختیار کر لیا ہے، اُسے اصولاً بھی پورا کر کے دکھلائے۔ ورنہ اُس کا

عمل اُس کو جھوٹا اور نافرمان ٹھہرانے کو کافی ہوگا"۔

یہودیوں میں ایک لوگ تھے، جو سمندر کے کنارے پر بستے تھے۔ اُن کے ساحلوں پر سبت اور غیر سبت میں مچھلیاں بالعموم کھلم کھلا آیا کرتی تھیں۔ اسی طرح کبھی سبت اور غیر سبت دونوں میں نہیں بھی آتی تھیں۔ اُنہیں اپنے ذمے لئے ہوئے کام کی مخالفت کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہ تھی۔ مگر پھر بھی اُنہوں نے ہفتہ کا ادب قائم نہ رکھا۔ نیک لوگوں نے اُنہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ پھر خدا تعالےٰ نے اُنہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا، مگر اُنہوں نے اس سے ذرا بھی سبق حاصل نہ کیا۔ بلکہ سرکشی میں اور بڑھ گئے۔ جب اُن کا مرض مخالفت چوتھے درجہ پر پہنچ گیا اور اُن کی واپسی کے تمام راستے مسدود ہو گئے، تو رحمت الٰہی نے چاہا کہ اب وہ جلدی سے خاتمہ کر دینے والے عذاب کے قریب لائے جائیں، تاکہ اس ناقابل اصلاح حالت سے خلاصی پائیں۔ اور لوگ اُن کے بداثروں سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○	جب ہم کسی بستی کے ہلاک کر لینے کا ارادہ کر لیتے ہیں، تو اُس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (کہ اب جو کرنا ہے۔ کر لو) تو وہ اُس (بستی) میں (دل کھول کر) بدکاری کرتے ہیں۔ اسی طرح اُس بستی پر حکم (عذاب) ثابت ہو جاتا ہے تو ہم انہیں مار کر تباہ کر دیتے ہیں۔

الحاصل جب انسان پر ایسا وقت آتا ہے کہ اُسے کوئی وعظ اور کوئی مواخذہ کام نہیں دے سکتا، تو وہ انسانیت کی حدود سے نکل جاتا ہے اور بندر اور سور بن جاتا ہے۔ اس حال میں اسے عام اجازت ہوتی ہے کہ جو کرنا ہے کر لو۔ انسان کے لئے اس دنیا میں یہ ایک بدترین حالت ہے۔

عجائب پسند یہودی سمجھتے تھے کہ یہ بندر و سؤر بننا ایک خارق عادت امر ہے، جو پیچھے ہو چکا۔ اور آئندہ کبھی نہیں ہوگا۔ قرآن حکیم نے لفظ تو اُنہی کے لئے مگر پوری وضاحت کر کے دکھلا دیا کہ یہ بندر اور سؤر بننا کوئی خارق عادت بات نہیں ہے، بلکہ یہ ایک عام قاعدہ ہے، جواب بھی اُسی طرح سے واقع ہوا کرتا ہے اگر یہ سچ ہے کہ خدا تعالےٰ اُسے عام قاعدہ ٹھہراتا ہے اور اب بھی اُس سے ڈراتا ہے۔ تو اُسے خارق عادت ٹھہرانے والے سرتاپا غلطی پر ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالےٰ سورۃ نساء میں اہل کتاب کی شرارتوں کا ذکر فرما کر آئندہ کے لئے اُن کو کس طرح خوف دلاتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا	اے لوگو جن کو کتاب ملی ہے! اس (قرآن) پر جسے ہم نے

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾	اُس کی تصدیق میں اتارا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم ایک مونہوں کو (یعنی مونہوں والوں اور ظاہری وجاہت والوں کو جو لوگوں میں عزیز و وجیہہ سمجھے جاتے ہیں) مٹادیں۔ پھر ان کو اُن کی پیٹھوں پر لوٹادیں (یعنی وہ شکست خوردہ اور ذلیل ہو کر سؤر بن جائیں) یا ہم اُن لعنت کریں جس طرح

ہم نے ہفتہ والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم ہو کر رہا کرتا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں وعید پیچھے ہی نہیں رہ گئے۔ اب بھی جاری ہیں۔ ورنہ رسول مقبول کے عہد کے کتاب والوں کو ان سے نہ ڈرایا جاتا اور قرآن پاک پر ایمان نہ لانے کی صورت میں یہ وعید نہ سنایا جاتا۔

قرآن مجید میں وجوہ کا لفظ جب کسی کی طرف مضاف نہیں ہوتا تو بالعموم مونہوں والوں کے معنے میں ہی آیا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اس جگہ نَلْعَنَهُمْ میں هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کی وجوہ کی طرف پھیر کے صاف بتلا دیا ہے کہ یہاں وجوہ سے صرف مونہوں والے ہی مراد ہیں نہ کہ خود مونہہ ایسی صفائی موجود ہونے کے باوجود اس آیت میں وجوہ سے صرف چہروں کو سمجھنا اور آیت کے معنیٰ سلجھانے کے بجائے بگاڑ دینا ایک حیرت انگیز بات ہے۔

قرآن مجید میں وجوہ سے اگرچہ مراد مونہوں والے ہوتے ہیں، مگر ضمائر و صفات و افعال لفظ وجوہ کے لحاظ سے بالعموم مؤنث ہی لائے جاتے ہیں۔ اس آیت میں هُمْ کی ضمیر لاکر زیادہ تاکید کے ساتھ خبردار کیا گیا تھا کہ وجوہ سے کہیں نرے مونہہ ہی نہ سمجھ لیے جائیں۔ مگر افسوس ہے کہ خود اس آیت میں اہل سے اختلاف کیا گیا۔ انسانوں کے اختلاف کرنے کے بھی عجیب وجوہ ہیں پھر قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ میں قلوب سے مراد دلوں والے ہیں۔ نہ خود دل۔ مگر واجفۃ کا لفظ دلوں والوں کی بجائے دلوں کی مناسبت ہی سے لایا گیا ہے۔ اسی طرح وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اور وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ میں ناضرۃ و مسفرۃ کے الفاظ چہروں ہی کے لحاظ سے لائے گئے ہیں حالاں کہ یہاں وجوہ سے مراد وجوہ والے ہیں۔ آیۂ زیر بحث میں بھی نَطْمِسَ کا لفظ وجوہ کی مناسبت سے ہی بولا گیا ہے۔ وجوہ کے لفظ سے وجاہت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ کے معنے ہیں ذی وجاہت چہروں والے بھی حی و قیوم کی حضوری میں ذلیل و عاجز ہو گئے

(ناتمام)

موتی

(اسلمانی نے جمع کیے)

۲۰۔ انگریزی تلوار تجارت کے میان میں پھرتی ہے۔

۲۱۔ ساجھ کے گھوڑے کی نعل کون جڑے؟

۲۲۔ صرف اچھے گرجے میں آنے جانے ہی سے آدمی نیک نہیں بن جاتا۔

۲۳۔ بھیڑ سے جماعت نہیں بنتی اور محبت کے بغیر لوگوں کے چہرے مٹی کی مورتیں دکھائی دیتے ہیں۔

۲۴۔ قرض کا معاوضہ کئی صورتوں میں ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن محبت کا بدلہ صرف محبت ہے۔

۲۵۔ جسم کی تمام راحت اور دل کی تمام خوشی صحت، قناعت اور مالی آسودگی سے وابستہ ہے۔

۲۶۔ جسم انسانی کا ایک ایک عضو، جس قدر وہ کام دیتا ہے، اسی قدر اس کا مادّہ خرچ ہوتا ہے۔ یعنی، حرکت اور وزن برابر رہتے ہیں، جیسا کہ جتنا کوئلہ خرچ ہوتا ہے اتنی ہی دور ریل گاڑی جاتی ہے۔

۲۷۔ مبارک ہے وہ شخص جو غریبوں کی خبر لیتا ہے۔

۲۸۔ تندرستی اعتدال ہی میں ہے۔

۲۹۔ دق کا مریض، محض کھانے میں پرہیز قائم رکھنے سے برسوں زندہ رہ سکتا ہے۔

۳۰۔ خیال جو دل میں آئے، اُسے کچھ دیر تک پیش نظر رکھنے کا نام تصور ہے۔

۳۱۔ خدا کی مخلوقات پر غور کرنے سے ہم آہستہ آہستہ خدا تک بھی پہنچ سکتے ہیں۔

۳۲۔ قناعت ہی مسرت ہے۔

۳۳۔ اگر بچوں کی تربیت اچھے ڈھنگ سے کی جائے، تو معمولی انعاموں یا سزاؤں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

۳۴۔ اگر عزت کی حرص گناہ ہے، تو میں سب سے بڑا گناہ گار ہوں۔

۳۵۔ بزدل بے رحم ہوتے ہیں۔

(ترجمہ)

حدیث کے بغیر قرآن

ایک غریب الدیار طالب علم سے مدیر اہلحدیث کا مکالمہ

اس مضمون کے راقم نے اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (ایڈیٹر)

مولوی ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اپنے علم و فضل کے لحاظ سے ملک کے دور دراز گوشوں میں اپنی شہرت رکھتے ہیں۔ میں ایک معمولی گاؤں کا رہنے والا ہوں' لیکن موصوف کا اسم گرامی بچپن ہی سے سنتا چلا آیا ہوں' میری مدت سے یہ خواہش تھی کہ خدا تعالےٰ موقعہ عطا فرمائے تو مولوی صاحب کی زیارت کا شرف حاصل کیا جائے۔

آخر کار پچھلے برس مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق حاصل ہو ہی گیا۔ پچھلے پہر کا وقت تھا' دفتر اہلحدیث میں تین چار اصحاب مولوی صاحب کے سامنے بیٹھے تھے۔ میں نے اپنی فراست سے آپ کو از خود پہچان لیا اور نہایت ادب سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا' مجھے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ آپ میرے ساتھ نہایت بے دلی کے ساتھ پیش آئے' مولانا کی زبان مبارک سے وعلیکم السلام کے بجائے مجھے یہ الفاظ سننا پڑے:

" تو کون ہوتا ہے اور کہاں سے آیا ہے؟

میں "وارث پیغمبر" کا یہ اسوہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا' بلکہ مجھے یہ شبہ ہو چلا تھا کہ کہیں مولوی ثناء اللہ صاحب کے بجائے یہ کوئی اور صاحب نہ ہوں' مگر بعد کے تمام قرائن سے یہ شبہ دور ہو گیا اور بدقسمتی سے مجھے یہ یقین کرنا پڑا کہ جن حضرت کا میں مخاطب ہوں' انہیں کا نام نامی مولوی ثناء اللہ ہے۔ اسی اثناء میں آپ نے دریافت فرمایا کہ:

تیرا نام کیا ہے؟

میری زندگی میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں ایک تعلیم یافتہ بزرگ کو نہایت عزت و احترام سے مخاطب کروں اور وہ "تو" اور "تم" جیسے حقیر لفظوں سے میرا سینہ چھلنی کرے۔ ممکن ہے میں اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ میں چونکہ عمر و عقل اور علم و فضل کے لحاظ سے مولوی صاحب کے مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتا اس لیے شاید شرعی طور پر مولانا کو ایسے تکلیف دہ خطاب کا حق حاصل ہو لیکن

اگر پیغمبر اسلام کے اسوۂ اخلاق پر نظر کی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلعم بچوں کو بھی بڑی شفقت اور محبت سے مخاطب کیا کرتے تھے اور سلام میں بھی سبقت فرماتے تھے۔ مگر فرقہ اہل حدیث کے راہنما کی یہ حالت ہے کہ وہ سلام کا جواب تک دینے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے۔

خیر یہ تو ایک حد تک مولوی صاحب کا ذاتی معاملہ ہے، ہمیں اس میں زیادہ رد و کد کی کیا ضرورت ہے؟ جس بات کی طرف مجھے ناظرین "البیان" کی توجہ مبذول کرانا ہے، وہ یہ ہے کہ اسی ملاقات کے دوران میں امت مسلمہ امرتسر کے عقاید و خیالات کا تذکرہ بھی چل نکلا۔ باتوں باتوں میں میں نے دریافت کیا۔ امت مسلمہ حدیث کی مذہبی ضرورت اور اہمیت کو قرآن کے ہم پایہ تسلیم نہیں کرتی ہے، اس بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا، میں تمہیں صرف ایک مثال دیتا ہوں، اس سے معلوم ہو جائیگا کہ شریعت اسلامیہ میں احادیث کا کیا مرتبہ ہے؟ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے:-

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ط	جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے، تو ذکر آلہی (یعنی نماز) کی طرف دوڑ کر چلے جاؤ اور اس وقت خرید و فروخت بند کر دو۔

مولوی صاحب نے یہ آیت پڑھ کر ارشاد فرمایا کہ ان الفاظ سے یہ بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ جمعے کے روز کس وقت نماز ادا کی جائے؟ صبح، ظہر، عصر، مغرب یا عشا، سارے وقت جمعے میں شامل ہیں، کسی ایک وقت کی تخصیص موجود نہیں، اب یہ حدیث ہی ہے، جس نے ہمیں بتایا کہ جمعے کی نماز کا وقت ظہر ہے، ورنہ قرآن میں اس امر کی کوئی تصریح موجود نہیں اور نہ کوئی شخص محض قرآن مجید کو سامنے رکھ کر نماز جمعہ کا معین وقت بتا سکتا ہے۔ اب تم ہی سوچو، اگر حدیث نہ ہوتی، تو مسلمانوں کو نماز جمعہ کا ایک خاص وقت مقرر کرنے میں کتنی دقت ہوتی؟ اسی طرح قرآن مجید کے بے شمار مسائل ہیں، جو اجمالی طور پر بیان کئے گئے ہیں، لیکن اُن کی تصریح و تشریح حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

جیسا کہ مجھے اعتراف ہے، میرا قرآن مجید کا مطالعہ بہت کمزور ہے، میں اس دلیل سے کافی حد تک متاثر ہوا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ حدیث کے بغیر، قرآن مجید کما حقہٗ نہیں سمجھا جا سکتا۔ مولوی صاحب سے رخصت ہو کر میں امت مسلمہ امرتسر کے امیر و سرپرست جناب میاں مولا بخش صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُن سے بھی قرآن و حدیث کے موضوع پر ایک سرسری گفت وگو ہوئی اور اسی دوران میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ میری جو بات چیت ہوئی، اس کا تذکرہ بھی آگیا۔ میں نے امیر صاحب سے دریافت کیا۔ نماز جمعہ کے بارے میں مولوی صاحب نے جو دلیل دی ہے آپ اس کے

جواب میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے بلا تامل ارشاد فرمایا۔ نماز جمعہ کے وقت کی تعیین قرآن کے اسی مقام پر موجود ہے۔ یہ دعویٰ سن کر میری حیرت کی حد نہ رہی۔ وہ بات جو مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے فاضل کو سارے قرآن میں نظر نہیں آئی، میاں صاحب موصوف اسی مقام سے ثابت کرنے کو تیار ہیں۔ میں ہمہ تن گوش ہوگیا۔ فرمایا۔ یہ بات تو واضح ہے کہ خدا تعالےٰ ہمیں کاروبار چھوڑ کر نماز میں پہنچنے کا حکم دیتا ہے (وَذَرُوا الْبَيْعَ ط) گویا ایسا وقت مقصود ہے، جب بازاروں میں خرید وفروخت کا کام ہو رہا ہو۔ یہ صبح کا وقت نہیں ہوسکتا، اور اس سے اگلی آیت میں بتایا۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ | پھر جب نماز گذر چکے، تو تم زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں نکل جاؤ!

یعنی نماز ایسے وقت میں ختم ہونی چاہئے، جب کہ تم لوگ پھر اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہوسکو؛ یہ نہ عصر کا وقت ہوسکتا ہے نہ شام کا، لہٰذا یہ بات نہایت واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ نماز جمعہ کا حقیقی وقت، جسے خود قرآن نے مقرر کیا ہے، دوپہر ہے۔

میں نے جناب موصوف کی یہ معقول و منصوص دلیل سُنی، تو قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور تکمیل مطالب کا میرے دل پر نہایت گہرا اثر ہوا۔ اس وقت میری روح، میرے ضمیر کی پکار یہ تھی کہ لاریب قرآن اپنی ذات میں مکمل ہے، وہ تنہا ہماری راہ نمائی اور ہدایت کے لئے کافی ہے، اور اُسے کسی حیثیت سے بھی حدیث کا محتاج قرار دینا کلام الٰہی کی ایسی توہین ہے، جو کبھی معاف نہ ہونی چاہئے۔

نماز جمعہ کے متعلق مجھے یہ مسئلہ سمجھے ہوئے کئی ماہ گذر چکے ہیں۔ کئی بار مجھے خیال ہوا کہ مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر جناب میاں صاحب کی سمجھائی ہوئی بات عرض کردوں اور آپ سے دریافت کروں کہ فرمائیے اب بھی قرآن مجید سے نماز جمعہ کا مقررہ وقت ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن ـــ افسوس! مولوی صاحب کے طرز خطاب و کلام کا مجھے اتنا ناگوار تجربہ ہوچکا ہے کہ دوبارہ اُن کے سامنے جانے کی جرأت نہیں ہوتی۔ میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مولوی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کروں اور وہ سر ہلا کر رہ جائیں، میں انہیں آپ، جناب کہہ کر مخاطب کروں، وہ "تو" اور "تم" کے سوا بات ہی نہ کریں[1]۔

آج بڑے عرصے کے بعد یہ سوچ پیدا ہوئی کہ اگر مولوی کی خدمت میں اصالتاً حاضر ہونے کی

---

[1] ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تُو کیا ہے؟　تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے۔ (غالبؔ)

ہمت نہیں پڑتی، تو لاؤ "البیان" ہی کے ذریعے یہ دریافت کریں "نمازِ جمعہ" کا مقررہ وقت قرآن میں موجود ہے یا نہیں؟ مجھے امید ہے کہ مولوی صاحب اس کا ضرور جواب دیں گے اور جواب بھی "اہلحدیث" یا "البیان" کے ذریعے کیونکہ یہ دونوں پرچے باقاعدہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو بلاناغہ دیکھا کرتا ہوں۔ "غریب الدیار"

ایک برس کے لیے آٹھ روپے ماہوار

لاہور کے ایک صاحب خیر بزرگ نے جنہوں نے اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی اور جن کی مالی اعانتیں پہلے بھی اسی طرح اخفاو کتمان کے ساتھ تبلیغ قرآن میں دفتر امت کی مدد و معاون رہی ہیں، اسی مبارک مقصد کے لیے، ایک سال کے لیے آٹھ روپے ماہانہ کی امداد پیش فرمائی ہے۔ جون ۱۹۳۹ء کی پہلی قسط دفتر میں موصول ہو چکی ہے اور قاعدے کے مطابق تبلیغ فنڈ میں جمع کر دی گئی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ معطی موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے، دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے بہرہ مند رکھے اور دوسرے ارباب کرم کو بھی ان کی پیروی کی توفیق بخشے۔

امت مسلمہ کا سالانہ جلسہ

امت مسلمہ امرتسر کا تیسرا سالانہ جلسہ آئندہ تعطیلات دسہرہ میں منعقد ہو رہا ہے۔ احباب امت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو اصحاب اس غرض کے لیے روپیہ ارسال فرمائیں ان کو اس کی تصریح کر دینی چاہیے، تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ ہی میں شامل کی جائیں۔

مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

(بابو) محمد حسین آنریری سکرٹری امت مسلمہ امرتسر

مولانا ابوالکلام اور ....

(س)

مولانا ابوالکلام آزاد کو ہم آپ سبھی جانتے ہیں، نہ اُن کا الہلال کسی تعارف کا محتاج نہ البلاغ کسی تقریب کا طالب، اُن کا تذکرہ، اردو میں اپنے رنگ کی پہلی اور آخری کتاب، اُن کا ترجمان القرآن زمانہ حال کے بہترین تراجم میں شامل! جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں سُنی ہیں، تحریریں پڑھی ہیں، وہ اُن کے علم وفضل کے مرتبے سے خوب واقف، اور جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی، وہ بھی اُن کے شرف وشہرت کے قائل!

لکھنؤ کے شیعہ سنی علیؓ وابوبکرؓ کی مدح، قدح میں مصروف ہیں ——— مولانا اس میں تو کوئی جانب دارانہ حصہ نہیں لے سکے، البتہ انہوں نے سیاسی تبرابازی اختیار کر کے اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالنی چاہی ہے۔ ۲۵ رجون کے "مدینہ" میں آپ نے ایک اعلان شائع کرایا ہے، اسے پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ اس کے لکھنے والا یا تو کوئی جعلی ابوالکلام ہے، اور یا خود مولانا کو یہ وہم ہو چکا ہے کہ اب اُن کے لکھے میں نہ دلیل وبرہان کی ضرورت، نہ سنجیدگی اور وقار کی حاجت، وُہ جو چاہیں لکھیں، کسی روک ٹوک کی، کسی نکتہ چینی کی، کسی ردّوجواب کی گویا انہیں کوئی پروا ہی نہیں!

مولانا نے اپنے مضمون کی تمہید میں، مسلمانوں پر یہ الزام لگایا ہے، کہ انہوں نے آزادی کے مسئلے کو "ہندو مسئلہ" سمجھ لیا ہے، حالانکہ آزادی کا فرض اگر ہندوؤں پر ملک کی طرف سے ہے، تو مسلمانوں پر آزادی کی ذمہ داری خدا کی طرف سے عاید ہوتی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ اگرچہ لیگ نے اپنے نظام میں نصب العین میں تبدیلی کر لی ہے" لیکن ابھی یہ پوچھنا باقی ہے کہ

کہیے کچھ بڑھ کے بھی ہمت ہوگی؟

مولانا کی خدمت میں گذارش ہے کہ اس سے آگے آپ کو کون سی "ہمت" درکار ہے؟ اقلیتوں کے ساتھ ظلم، اسمبلی کی نشستیں، وزارتیں، اور انگریز کے ساتھ تعاون، کیا یہی وُہ "ہمت آزمائی" ہے، جسے آپ "آزادی" کے مترادف سمجھتے ہیں؟ یا پھر تریپوری کانگرس کے بھرے اجلاس میں تحریک سول نافرمانی کی عملی مخالفت؟ سمجھ میں نہیں آتا آخر کانگرس نے ایسی کیا آزادی حاصل کر لی ہے، جس پر مولانا جیسے

افراد کو بھی مخبر کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟

اصل چیز جس کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے، مولانا کے بے مغز الفاظ، بے دلیل فقرے اور بے جا فخر و تعلی ہے۔ سارے مضمون میں ایک بھی کام کی بات موجود نہیں۔ جا بجا طعن و تشنیع کے نشتر استعمال کئے گئے ہیں، داغ اور میر وغیرہ کے غیر سنجیدہ اشعار لکھے گئے ہیں۔ مسلم لیگ کو ایک عورت، یا معشوق قرار دے کر ایسی زبان اختیار کی گئی ہے کہ جو مذاق سلیم پر سخت گراں گذرتی ہے۔ مثال کے طور پر چند فقرے ملاحظہ ہوں:

> پہلی پہر خواہ کیسی ہی بے مزہ گذری ہو لیکن رات کا آخری حصہ تو ابھی باقی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ہم فرض کیے لیتے ہیں کہ جو کچھ گذر چکا ہے دن تھا اور در اصل شب وصل اب سے شروع ہوئی ہے ۔ ۔ ۔ ۔
>
> اگر لیگ پھر ہمارے دلوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے، تو بہتر ہے کہ ہم میں اور اس میں ایک راضی نامہ ہو جائے۔ یہ ضرور ہے کہ ہم نے اُسے طلاق دے دی تھی، لیکن اب پھر وہ آنا چاہتی ہے تو عقد رجعت سے انکار نہیں۔ البتہ اس کو تو اپنی غیرت کبھی گوارا نہ کرے گی کہ "حلالہ" کرلیں۔
>
> (لیگ) پچھلی باتوں کو بھلا دے، اپنے گھر کو صحبت اغیار سے خالی کر دے اور ہم سے لگاؤ رکھنا ہے، تو غیروں سے لگاوٹ چھوڑ دے۔
>
> ۔ ۔ ۔ اس کو بھی کھول کر کہہ دیں کہ صحبت غیر سے کیا مطلب ہے۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ آپ سے غیرت عشق کے انتہائی مطالبات کئے جائیں ۔ ۔ ۔ الخ

غرضیکہ یہ سارا مضمون اسی طرح کے بیگانۂ متانت الفاظ پر مبنی ہے جن بزرگوار کے قلم سے ترجمان القرآن ایسی بلند پایہ تصنیف نکلتی ہے، حیرت ہے کہ اُنہوں نے ایسا لہجہ اختیار کرنا کیوں کر گوارا کر لیا؟ آپ کا کانگریس سے اُنس اور لیگ سے اجتناب ہمارے نزدیک کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، لیکن دنیا کا کوئی ضابطہ اخلاق، کوئی دستور تہذیب آپ کے اس اسلوب نگارش کی تحسین نہیں کر سکتا۔ فطرت نے آپ کو جس مقام بلند کا اعزاز بخشا ہے، اس سے ہبوط کرنا کسی طرح آپ کی شان کے شایاں نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ساری عمر کانگرس کی حمایت کرتے کرتے اُشربُوا فی قلوبھم ۔ ۔ ۔ کے مقام تک پہنچ چکے ہیں۔ ان کی نگاہ "دور رس" کانگریس کے معائب کو محاسن اور لیگ کے محاسن کو بھی معائب سمجھنے کے لئے مجبور ہی نظر آرہی ہے۔ کما قیل:

کسے بدیدہ انکار گر نگاہ کند بنائے صورت یوسف دہد بنا خوبی
وگر بچشم ارادت نظر کنی در دیو فرشتہ ات بنماید بچشم کروبی

تقریظات

پیامِ صحت (ماہوار) مقام اشاعت:- ۹/۶ کنائی سیل اسٹریٹ کلکتہ۔

ایڈیٹر:- حکیم محمد علی صاحب قریشی سالانہ چندہ معمولی ایڈیشن عه اعلیٰ ایڈیشن عه

یہ پرچہ حال ہی میں جاری ہوا ہے اور اس کے تین چار نمبر ہماری نظر سے گذر چکے ہیں۔ رسالے کا موضوع "نفسیات و جنسیات" تک محدود ہے اور حق تو یہ ہے کہ اس موضوع پر ہماری زبان میں غالباً یہ پہلا ہندوستانی رسالہ ہے۔ تمام مضامین نہایت اہم اور مفید مطالب کو شامل ہوتے ہیں۔

اگر یہ پرچہ صرف اطباء کے لیے جاری کیا گیا ہے تو اس صورت میں ہمیں کوئی کلام نہیں، لیکن اگر مقصود یہ ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے فائدہ حاصل کریں، تو ہم ایڈیٹر صاحب سے درخواست کریں گے کہ وہ مضامین لکھتے وقت نوجوانوں کے جذبات کو بھی سامنے رکھ لیا کریں۔ جنسی اصطلاحات کے تھوڑے بہت رکھ رکھاؤ سے رسالے کی متانت اور افادیت دونوں میں نمایاں فرق پڑ سکتا ہے۔

بہرحال پیامِ صحت اپنے رنگ کا واحد پرچہ ہے اور اگر کوشش جاری، تو ملک کے فنی رسائل میں اپنا مقام آپ پیدا کر لے گا۔

فاتحہ تفسیر نظام القرآن مصنفہ مولانا حمید الدین فراہی مرحوم "البیان" سائز کے ۶۴ صفحوں کی ضخامت۔ قیمت ۸/ ملنے کا پتہ:- دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر (اعظم گڑھ)۔

مولانا فراہی مرحوم اردو کی بہ نسبت عربی زبان پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تالیفات کے لیے، اسی زبان کو اظہار فکر و خیال کا ذریعہ قرار دے لیا تھا۔ زیر نظر رسالہ بھی عربی ہی میں لکھا گیا تھا اور دائرہ حمیدیہ نے بھی اسے جوں کا توں چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔ مولانا رحمہ کے دوسرے مصنفات کے برعکس اس کے اردو ترجمے کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی۔

کتاب ۱۷ مقدمات تفسیر بسم اللہ اور تفسیر سورہ فاتحہ پر مشتمل ہے۔ مقدمات میں بڑے اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ، اصول تفسیر کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور خصوصیت

کے ساتھ قرآن مجید کے نظم و ترتیب پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف کا سارا زور اس بات پر ہے۔ کہ قرآن مربوط ہے، قرآن اپنا مفسر آپ ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے فہم و بصیرت کی سخت ضرورت ہے۔ احادیث کے متعلق لکھا ہے کہ اُن کی اکثریت ضعیف ہے۔ اور اقلیت مرفوع۔ لیکن اس میں بھی اہلِ تاویل نے بہت سے اختلافات پیدا کر رکھے ہیں۔ شان نزول، جس کی بُنیاد عام طور سے روایتوں پر رکھی گئی ہے، اس کے متعلق بھی مؤلف نے بڑی جرأت اور صاف گوئی سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ حدیثوں نے شان نزول کے باب میں بہت گڑبڑ پیدا کر رکھی ہے۔ مؤلف نے یہ بھی بتایا ہے۔ کہ شان نزول نظم قرآن ہی سے طلب کرنا چاہئے۔ ورنہ روایتوں سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔

ہمیں یہ کتاب بہت پسند ہے، آج وہی لٹریچر مقبول ہوسکتا ہے، جو زمانے کی تیز رفتاری کا ساتھ دے سکے، جو دقیانوسیت کا دشمن ہو اور جو موجودہ سوسائٹی کے دل و دماغ کو عقلی طور پر تسکین دے سکے۔ ہم دائرہ حمیدیہ کے کارکنوں سے سفارش کرتے ہیں۔ کہ وہ اس کتاب کے اُردو ترجمے کی طرف بھی توجہ فرمائیں، ورنہ اس عربی کتاب کو پڑھنے، سمجھنے والے اس زمانے میں کہاں ہیں؟

صلوٰۃ المرسلین فی قرآنِ مبین | ۹۶ صفحوں پر، چھوٹے سائز کا ایک رسالہ مؤلفہ میاں محمد فاضل صاحب مسلم، قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ۔ مستری عنایت اللہ صاحب، محلہ بابو کی سرائے، متصل حکیم کی سرائے، علی گڈھ۔

اس کتاب میں نماز اور اس کے اجزا یعنی قعدہ، درود شریف، تعداد رکعت، تکبیر، قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ کی تفصیلات قرآن مجید کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف کے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ نمازیں، غیر قرآنی نمازیں ہیں۔ ہمیں یہ کتاب بالکل پسند نہیں۔ اس کے مطالعہ سے دماغ خواہ مخواہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے۔ قرآنی آیات کی تشریح میں ناجائز تکلف اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہی چیز ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔

نوٹ | تفسیر بیان للناس منزل پنجم کی فہرست مضامین کا ایک جزو، اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے اور ایک جزو آئندہ پرچے میں چھاپ کر یہ فہرست مکمل کر دی جائے گی۔

(منیجر)

فہرست مضامین تفسیر بیان للناس منزل پنجم

(۱۶) ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○

(ان لوگوں کی سمجھ میں یہ موٹی سی بات بھی نہیں آتی کہ جو خداوندِ قادر وقدیر تمام کائنات ارضی وسماوی کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، وہی خدا اس بات پر بھی قادر ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ اُٹھا کھڑا کرے۔ وہ پوچھتے ہیں) کیا (یہ حقیقت ہے کہ) جب ہم مر جائیں گے اور (مرنے کے بعد) مٹی اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے (تو) کیا ہم دوبارہ اُٹھائے جائیں گے؟

(۱۷) اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ (اور) کیا ہمارے پہلے باپ دادوں (کا) بھی (یہی انجام ہوا؟)۔

(۱۸) قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ○ (اے پیغبر! ان لوگوں سے) کہہ دو (کہ) ہاں! (تمہیں بہر حال دوبارہ اُٹھایا جائے گا اور انکار قیامت کے باعث اس وقت) تم ذلیل ہو گے۔

(۱۹) فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ○

(انہیں دوبارہ اٹھانے کے لئے خدا تعالےٰ کو کسی خاص اہتمام یا تکلیف کی ضرورت نہیں صرف ایک ڈانٹ پکار کافی ہے، جیسا کہ فرمایا:) وُہ تو محض ایک ڈانٹ ہے (اور اس ڈانٹ کے پڑتے ہی) وُہ ناگہاں (زندہ ہو کر) دیکھتے ہوتے ہیں۔

(۲۰) وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ (اُن کا انکار قیامت اس وقت اُن کے سامنے آجاتا ہے اور) وُہ بول اُٹھتے ہیں، ہم پر افسوس! جزا و سزا کا دن تو یہی ہے!

(۲۱) هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ○

(پھر انہیں کہا جاتا ہے)، یہی فیصلے کا دن ہے، جسے تم جھٹلایا کرتے تھے!

رکوع دوم | یہ رکوع قرآن مجید کا سب سے بڑا رکوع ہے، جو ۵۳۔ آیتوں پر مشتمل ہے

اس میں سزا و جزا کی تفصیل دی گئی ہے۔ پہلے یہ بتایا ہے کہ دنیا میں جو لوگ حق کے مقابلے میں کفار و مشرکین کی امداد کرتے ہیں وہ خدا کے حضور نہ صرف اپنے متبعین کی کوئی امداد نہیں کر سکتے، بلکہ اُن سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُن سب کو عذاب جہنم کی طرف دھکیل دیتا ہے اور اُن کو دنیا کی سرکشی اور غرور کا پورا پورا بدلہ دیا جاتا ہے۔ ان کو کھانے کے لیے تھوہر کے درخت کا پھل، اور پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی اور پیپ دی جاتی ہے، لیکن جو لوگ دنیا میں احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں، انہیں اُن کے اعمال کے مطابق نیک بدلہ دیا جاتا ہے، مثلاً پاکیزہ شراب، جو خمار پیدا نہیں کرتی اور نہ ہی اس کے استعمال سے عقل زائل ہوتی ہے۔ انہیں نہایت خوب صورت اور حیادار بیویاں دی جاتی ہیں اور آسائش و نعمت کے تمام سامان مہیا کیے جاتے ہیں۔

دوزخ اور جنت کے متعلق یہ سب کچھ مثال کے طور پر بتایا گیا ہے، عقل انسانی اُس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ بُرے لوگوں کو بُرا بدلہ اور نیک لوگوں کو نیک جزا دی جائے گی۔

ترجمہ و تشریح

(۲۲) اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿ۙ﴾ (کارکنان قضا و قدر کو حکم ہوتا ہے کہ) اُن لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور اُن کے ساتھیوں کو (جو اُن کے شرک و کفر میں معاون تھے۔) اور انہیں جن کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے (اُن سب کو) اکٹھا کرو۔

(۲۳) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ (یہ لوگ خدا کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ) اللہ کے سوا معبودانِ باطل کی، لہٰذا اُن کی یہی سزا (ہے کہ) انہیں جہنم کی راہ دکھادو۔ (مَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سے ایسے لوگ مراد ہیں،

جو دوسرے لوگوں سے کفر و شرک کے معاملے میں اپنی اطاعت کراتے ہیں، احکامِ الٰہی کی مخالفت کرتے ہیں اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کو حرام ٹھیراتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے کوئی بازپرس نہ ہو گی، جنہوں نے من دون اللہ اپنی اطاعت نہیں کرائی۔ دنیا کے ہزارہا لوگ حضرت مسیح کی پرستش کرتے ہیں، لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ قابلِ مواخذہ نہیں ہو سکتے کیوں کہ آپ نے تو دنیا کو توحید ہی کی راہ دکھلائی تھی، کبھی یہ نہیں فرمایا کہ اے لوگو تم میری عبادت کرو۔ اب اگر نصاریٰ نے ان کو معبود قرار دے لیا ہے، تو اس میں ظلم و قصور بھی اُن ہی کا ہے نہ کہ حضرت مسیحؑ کا۔ پس اس آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ صرف انہیں لوگوں کو سزا دی جائے گی، جو کفر و شرک کی راہ میں عوام الناس کی راہ نمائی کرتے ہیں اور لوگوں سے اپنی عبادت آپ کراتے ہیں۔

(۲۴) وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ (ابھی یہ لوگ دوزخ کے دروازے میں داخل نہیں ہونے پاتے کہ خدا تعالیٰ حکم دے دیتا ہے کہ ذرا) انہیں ٹھیرالو (کیوں کہ) اُن سے کچھ دریافت کرنا ہے۔

(۲۵) مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ (اے آپس میں ایک دوسرے کی محبت اور حمایت کا دم بھرنے والو! اور ایک دوسرے کی مشکل میں کام آنے کا عہد کرنے والو! دیکھو، آج تم کتنے خوفناک ٹھکانے کی طرف دھکیلے جا رہے ہو۔ ایک دوسرے کی امداد کرنے کا وقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا؟ لیکن) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (آج) ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟۔

(۲۶) بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ (خدا تعالیٰ کے اس سوال کا اُن کے پاس کوئی جواب نہیں) بلکہ آج (شرمندگی اور ندامت کے ساتھ چپ چاپ کھڑے ہیں یعنے پورے طور پر) فرماں بردار ہیں۔

(۲۷) وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ (اب وہ

ہر طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں) اور ایک دوسرے کی طرف سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں (انہیں اپنے پیشواؤں پر غصہ آتا ہے کہ جن کی روک تھام کے باعث انہوں نے دنیا میں ہدایت الٰہی قبول نہ کی۔ اگر یہ راہ نما انہیں غلط راستے کی طرف نہ لے جاتے، تو وہ آج اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے)۔

(۲۸) قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ○ وہ کہتے ہیں، تم ہی (ہم کو بہکانے کے لیے) ہمارے پاس ہمارے دائیں (بائیں) سے آیا کرتے تھے (یمین کے معنی استعارۃً سختی اور طاقت کے بھی ہیں، اگر یہ معنی اس جگہ استعمال کئے جائیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ تم ہمیں حق کی طرف جانے سے جبراً روکتے تھے)۔

(۲۹) قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ وہ کہتے ہیں (ہم نے تمہیں کب روکا تھا؟) بلکہ تم (خود ہی) ایمان لانے والے نہیں تھے۔

(۳۰) وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ○ اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا (تم اگر چاہتے، تو ایمان لا سکتے تھے) لیکن تم (خود ہی) سرکش لوگ تھے (اور تمہارے دل ایمان کی طلب سے خالی تھے)۔

(۳۱) فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ○ (یہ جواب دینے کے بعد وہ کہتے ہیں) ہمارے پروردگار کا قول ہم (سب) پر پورا ہوا (اب) ہمیں (عذاب کا) مزا چکھنا پڑے گا۔

(۳۲) فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ○ ہم نے تمہیں گمراہ کیا (اور واقعہ یہ ہے کہ) ہم خود (بھی) گمراہ تھے (لیکن ہم نے تم پر کوئی سختی روا نہیں رکھی۔ تمہیں خدا نے عقل دی تھی، چاہیئے تھا کہ عقل سے کام لیتے اور آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے نہ ہو لیتے۔ تمہاری اندھی تقلید ہی نے تمہیں یہ بُرا دن دکھایا۔ اب کوئی افسوس، کوئی پچھتاوا کام نہیں دے سکتا، کیوں کہ اللہ تعالےٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ)

(۳۳) فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝ پس یقیناً آج کے دن وُہ (پیشوا اور اُن کے متبعین سب ایک ہی جیسے) عذاب میں شریک ہیں۔ (اُن کی سزا میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

(۳۴) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ یقیناً مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی (برتاؤ کیا) کرتے ہیں (جزا و سزا کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک برابر جاری ہے۔ مجرم ہر روز دنیا سے رخصت ہو کر خدا کے حضور پیش ہوتے رہتے ہیں اور ہر روز اُن کے اعمال کے مطابق انہیں سزائیں ملتی رہتی ہیں)

(۳۵) إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝ (اہل جہنم کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ) جب انہیں کہا جاتا تھا' اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں' تو وہ (بجائے اس کے کہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے اُلٹا) تکبر کیا کرتے تھے۔

(۳۶) وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝ اور کہتے' کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی خاطر چھوڑ دیں؟ (اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس قول کی تردید کی اور بتایا کہ پاگل اور شاعر کے پاس نہ تو حق ہوتا ہے اور نہ وہ دوسرے رسولوں کی تصدیق ہی کرتا ہے)۔

(۳۷) بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ شاعر ہیں' نہ دیوانے) بلکہ وُہ حق لے کر آئے ہیں اور (پہلے) رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۳۸) إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ۝ (تم نے چوں کہ ایک ایسے پیغمبر پر ایمان لانے سے انکار کیا ہے' جو تمام انبیاء کی جامع تعلیم کا حامل ہے جو حق کے ساتھ آیا ہے' جو دیوانہ اور شاعر نہیں' اس لیے تمہارے اس انکار کا اجر یہ ہے کہ)

تم یقیناً دردناک عذاب چکھنے والے ہو۔

(۳۹) وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (تمہیں تمہارے گناہ کی بہ نسبت زیادہ عذاب نہیں دیا جائے گا، بلکہ) جو کچھ تم کرتے تھے، وہی تمہیں بدلہ بھی دیا جائے گا (انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ جیسا کرو، ویسا ہی پاؤ)

(۴۰) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔ مگر اللہ کے مخلص بندے (اپنے نیک اعمال کی جزا کے طور پر فضل و انعام کے مستحق ہیں)۔

(۴۱) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وہ لوگ (ایسے خوش قسمت لوگ ہیں کہ) اُن کے لیے (خدا تعالےٰ کی طرف سے) رزق مقرر ہوگا۔

(۴۲) فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ (اور یہ رزق معلوم کیا ہے؟) پھل (یہ مخلص بندے اللہ کے ہاں) عزت دیے گئے ہیں۔

(۴۳) فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ نعمتوں والے باغوں میں (اُن کا ٹھکانا ہے)۔

(۴۴) عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔

(۴۵) يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ اُن میں (پاکیزہ اور لطیف شراب کا پیالہ پھرایا جاتا ہے۔

(۴۶) بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (یہ شراب بدذائقہ اور ناپاک نہیں ہوتی، بلکہ وُہ دودھ کی طرح) سفید اور پینے والوں کے لیے (نہایت) لذیذ ہے۔

(۴۷) لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ (دنیا میں جو شراب استعمال کی جاتی ہے وُہ خُمار پیدا کرتی اور عقلوں کو زائل کرتی ہے، لیکن جنت کی شراب کی کیفیت اس سے الگ ہے) اُس میں نہ خُمار (یعنی دردِ سر) ہوتا ہے اور نہ وُہ اُس (کے پینے) سے متوالے ہوتے ہیں۔

(۴۸) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ اور اُن کے پاس

عورتیں ہیں، جن کی نگاہیں نیچی ہیں اور آنکھیں بڑی بڑی۔

(۴۹) کَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ ○ (وہ عورتیں اپنی رنگت اور خوبصورتی کے لحاظ سے ایسی معلوم ہوتی ہیں) گویا وہ محفوظ کئے ہوئے انڈے ہیں (بہشت میں عورتوں کا ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ مردوں کے ساتھ ساتھ ان کو بھی اعمال حسنہ کی نیک جزا ملے گی۔ بہت سے لوگ غلط فہمی سے جنت میں عورتوں کی موجودگی کو معیوب قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی معیوب بات نہیں۔ اگر یہاں دنیا میں عورت کا وجود ضروری ہے، تو وہاں اُن کا ہونا کیوں بُرا ہے؟ پھر جب کہ اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ وہاں عفت وعصمت اور حیاداری کے جوہر پوری طرح نمایاں ہوں گے، مخالفین کا اعتراض بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ واقعہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۳۵ - ۳۸ یہ عورتیں جنت میں ایک نئی زندگی حاصل کرلیتی ہیں۔

(۵۰) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ ○ پس (یہ اہل جنت) ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوتے ہیں (ان لوگوں کی گفت وگو میں سے ایک بات بطور مثال کے بتائی گئی ہے، یعنی)

(۵۱) قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ ○ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا (کہ دنیا میں) میرا ایک دوست تھا۔

(۵۲) یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ○ (میرا وہ دوست مجھے تعجب کے ساتھ) پوچھا کرتا تھا، کیا تو بھی (قیامت کی) تصدیق کرنے والوں میں سے ہے؟

(۵۳) ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ ○ (اور) کیا (یہ درست ہے) جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے، تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا؟

(۵۴) قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ○ (پھر) اس نے (اپنے ساتھیوں سے)

کہا کیا تم (میرے اُس دوست کو دوزخ میں) جھانک کر دیکھو گے؟

(۵۵) فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ پس اُس نے (خود ہی) جھکا نکا تو (کیا) دیکھا کہ (اُس کا رفیق) دوزخ کے وسط میں (پڑا) ہے۔

(۵۶) قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۙ (پس اُس نے اپنے ساتھی کو پکار کر) کہا' اللہ کی قسم' قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) ہلاک کر ڈالتا (یعنی میری موت بھی انکار قیامت کے عقیدے پر ہوتی اور آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم کی آگ میں جلتا ہوتا)۔

(۵۷) وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اور (خدا تعالٰے کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے اپنی عقل وبصیرت سے کام لینا سکھایا' ورنہ تیری اندھا دھند تقلید مجھے بھی مبتلائے عذاب کر دیتی۔ بے شک) اگر میرے پروردگار کی نعمت (میرے شامل حال) نہ ہوتی' تو میں بھی (دوزخ میں) حاضر کیے جانے والوں میں (شمار) ہوتا۔

(۵۸) اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۙ (آگے چل کر وہی جنتی کہتا ہے) کیا (یہ ٹھیک نہیں کہ) ہم (پھر کبھی) مرنے والے نہیں؟

(۵۹) اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ ہاں (ہمیں ایک ہی مرتبہ موت سے دوچار ہونا پڑا اور وہ) ہماری پہلی موت (تھی) اور ہمیں (کوئی) عذاب (بھی) نہیں دیا جائے گا۔

(۶۰) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ بے شک یہ بڑی کامیابی کی بات ہے۔ سورہ فرقان میں بھی اوپر کے مطلب کی ایک آیت آئی ہے' یعنی لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ کی زندگی ہی فوز عظیم ہے۔

(۶۱) لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ (جہنم کی زندگی' دراصل زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ جن لوگوں کو وہاں داخل کیا جاتا ہے' اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کو موت آجائے' تاکہ وہ درد و عذاب سے نجات پائیں' لیکن اُن کی یہ خواہش پوری

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیانٌ للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات و معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے اصول و اعتقادات کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:- منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری [illegible]، منزل دوم [illegible] منزل سوم [illegible] منزل چہارم [illegible]، منزل پنجم [illegible] منزل ششم [illegible]، منزل ہفتم [illegible]

منگا کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

The Naseer Printing Press. Amritsar.

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

جولائی - اگست ۳۹ء

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

امت مسلمہ امرتسر کی تبلیغی سرگرمیاں

دس روپے ماہوار کا لٹریچر مفت

بہت غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد طے کیا گیا ہے کہ ہم دفتر امت کے چند خاص خاص معاونین کو صرف دس دس روپے کے ایثار کے لئے تیار کریں اور ہر دس روپے کی رقم کے عوض دفتر امت کی چھوٹی چھوٹی مطبوعہ کتابیں صرف محصولڈاک لے کر عام مسلمانوں میں مفت تقسیم کردیا کریں

چنانچہ گذشتہ ماہ راقم حروف کی طرف سے سورہ فاتحہ کی ۸۰ کاپیاں مفت تقسیم کی جا چکی ہیں۔ اب اگست ۱۹۳۹ء کے مہینے میں کتاب "حضرت محمد رسول اللہ" کی ۸۰ کاپیاں جناب میاں محمد امین الدین کی طرف سے مفت تقسیم کی جائیں گی۔ موصوف کی طرف سے دس روپے کی رقم موصول ہو چکی ہے۔ جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو وہ تین پیسے کے ٹکٹ محصولڈاک کے لئے بھیجکر ایک نسخہ مفت طلب کریں۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں جناب میاں مہر بخش صاحب چغتائی کی طرف سے بھی کتابیں مفت تقسیم کی جائیں گی۔ موصوف نے دس روپے کا عطیہ دفتر میں بھیجدیا ہے اُن کی کتاب کے نام اور تعداد وغیرہ کا اعلان ستمبر کے پرچے میں کیا جائے گا۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں چودھری بشیر احمد صاحب بی۔اے کی طرف سے "قول حسن" کے ۸۰ نسخے مفت تقسیم کئے جائیں گے۔ موصوف نے دس روپے کی رقم دفتر میں ارسال فرمادی ہے۔

فی الحال تقسیم لٹریچر کے سلسلے میں یہی رقمیں وصول ہوئی ہیں۔ دوسرے مخیر اصحاب کی خدمت میں بھی استدعا کی جاتی ہے کہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر تقویت بخشیں مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس سے دفتر امت کی گذشتہ تبلیغی مجبوریوں کی بڑی حد تک تلافی ہو جائیگی

(محمد حسین آنریری سکرٹری امت مسلمہ امرتسر)

البیان کا میراث نمبر

حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۱۷ء میں اسلامی میراث پر ایک مختصر کتاب سپرد قلم فرمائی تھی۔ کتاب کا نام معجزۃ القرآن تھا۔ اور اس میں قرآن معجزہ بیان کی صرف تین آیتوں سے سینکڑوں علمی، عقلی نتائج داخذ کر کے قرآنی میراث کو نہایت مدلل پیرائے میں پیش کیا گیا تھا۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی، تو بعض حلقوں کی طرف سے اس پر علمی و تقلیدی اعتراضات کئے گئے۔ ان اعتراضات کے جواب میں خواجہ مرحوم نے تین چھوٹے چھوٹے رسائل "پوتے بیٹوں کی طرح خدا تعالیٰ کی نعمت ہیں" کے عنوان سے شائع کئے۔ ان رسائل کی اشاعت کے بعد جناب حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے بھی "ایک عقلی سوال تحریر کر کے بھیجا" اس پر مغفور نے یہ مناسب سمجھا کہ قواعد میراث کا معقول و با اصول ہونا اپنی بساط کے مطابق لکھ کر بطور

برگ سبز است تحفۂ درویش

کے ان کی خدمت میں پیش کر دیں۔ یہ تحریر اس سلسلے کی چوتھی کڑی تھی، اس لئے اس کا نام بھی "پوتے بیٹوں کی طرح خدا تعالیٰ کی نعمت ہیں" تجویز فرما کر حافظ صاحب موصوف کی خدمت میں بھیج دی۔ اس واقع کے چند ہفتے بعد کچھ اور اعتراضات مغفور کے سامنے لائے گئے۔ اور آپ نے فوراً ہی ان اعتراضات کا جواب "رسالہ نمبر چہارم" کی شکل میں شائع کر دیا، لیکن موجودہ مضمون کا مسودہ جناب حافظ محمد اسلم صاحب کے پاس محفوظ پڑا رہا، اور اس زمانے میں شائع نہ ہو سکا۔

ہماری از حد خوش قسمتی ہے کہ حافظ صاحب موصوف نے یہ مسودہ ہمیں بحفاظت تمام ارسال فرما دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ اسے شائع کر کے اس کا نفع عام کرنا چاہیئے۔ ہم نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں۔ کہ البیان کا آئندہ نمبر اسی بلند پایہ محققانہ مقالے پر مشتمل ہوگا۔ ناظرین البیان کا فرض ہے کہ وہ اس پرچے کی اشاعت عام میں سعی بلیغ فرما کر شکرگذاری کا موقعہ دیں۔

نیازمند

منیجر رسالہ "البیان" امرتسر

البیان

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد (۱) | جولائی و اگست ۱۹۳۹ء | نمبر (۴-۵)

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر نے منیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

امت مسلمہ کا سالانہ جلسہ

امت مسلمہ کا سالانہ جلسہ آئندہ اکتوبر میں منعقد ہو رہا ہے جس کو کامیاب بنانے کے لئے تیاریاں شروع ہوگئی ہیں اور اس مقصد کے لئے ایک مجلس استقبالیہ مقرر کر دی گئی ہے۔ مجلس عاملہ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اب قرآن حکیم کو جمیع ضروریات وحی کے لئے کافی سمجھنے والے دوستوں کا فرض ہے کہ (ا) وہ جہاں کہیں بھی ہوں اس جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی شمولیت کی ترغیب دلائیں۔ (ب) جلسہ کے مصارف کے لئے خود بھی عطیات دیں اور اپنے حلقہ اثر میں بھی امداد کے لیے اپیل کریں (ج) علمائے امت سو کام چھوڑ کر بھی شامل اجلاس ہوں اور اپنے مواعظ حسنہ اور پاکیزہ خیالات سے حاضرین و سامعین کو مستفید فرمائیں۔ (د) جلسہ کو کامیاب اور بارونق بنانے کے لیے نوجوان دوست بحیثیت رضاکار اپنا نام پیش کریں اور اپنے افسروں کے حکم کے مطابق فرائض منصبی ادا کر کے ضبط و نظم کا ثبوت پیش کریں (ہ) تشریف لانے والے دوست اور بزرگ اپنی تشریف آوری کی اطلاع اخیر ستمبر تک سکرٹری مجلس استقبالیہ کو پہونچا دیں مقررین و شعراء اپنی تقریر و نظم کے عنوان و موضوع سے پندرہ ستمبر تک دفتر امت کو اطلاع دیں تاکہ اُن کے اسماء گرامی شامل پروگرام ہو سکیں (و) رہائش و خوراک کا انتظام مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہوگا۔ لیکن موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے (ز) اکابر علماء امت سے تشریف آوری کے متعلق خط و کتابت کی جا رہی ہے۔ بعض مقامات پر وفود کی روانگی کا بھی انتظام کیا جائیگا۔ اکتوبر کے البیان میں مکمل پروگرام شائع کر دیا جائیگا۔ (ح) جن احباب کی خدمت میں پوسٹر و اشتہارات وغیرہ بھیجے جائیں وہ براہ کرم اُن کی تقسیم وغیرہ کا انتظام کر دیں (ط) جہاں کہیں قرآن مجید کو کافی ماننے والے دوست ہوں آپ خود انہیں جلسہ کی اطلاع بھجوا دیجئے ورنہ مجلس استقبالیہ کو لکھئے تاکہ وہ ایسے دوستوں کو اطلاع دے سکے (ی) ایسے مفید مشوروں سے مستفید فرمائیے جو جلسہ کی کامیابی کا موجب ہوں۔ امید ہے کہ صاحب دل اکابر احباب اس نیک مقصد میں ہماری دستگیری فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے۔

آپ کا خادم۔ ابو الاحسان سکرٹری شعبہ نشر و اشاعت امت مسلمہ امرتسر۔

(۰)

شذرات

"نبی اکرمؐ کی صحیح حیثیت"

"طلوع اسلام" نے جون ۵۹ء کی اشاعت میں البیان پر ریویو لکھتے ہوئے امت مسلمہ کے عقاید پر ایک عجیب چبھتا ہوا فقرہ لکھ دیا، ذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"اس جماعت (یعنی امت مسلمہ) کے عقاید سے مسلمان واقف ہیں اور نبی اکرمؐ کی صحیح حیثیت کے پہچاننے میں جو غلطی انہوں نے کی ہے، وہ سب پر عیاں ہے۔"

نکتہ چینی فی الاصل کوئی بری بات نہیں، لیکن ایسی نکتہ چینی جو دلائل سے عاری ہو اور کسی فرد یا جماعت کے خلاف محض غلط فہمی پھیلانے کے لیے شایع کر دی جائے، اس کے برا ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ طلوع اسلام کے کارکنوں کی ہمارے دلوں میں بہت وقعت سہی لیکن اس لحاظ سے کہ انہوں نے نکتہ چینی کا حق ادا نہیں کیا یعنی، اعتراض کے ساتھ دلیل پیش نہیں کی، ہم اُن کے اس ریمارک کو سراسر غیر معقول قرار دینے پر مجبور ہیں۔ جہاں آپ لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ امت مسلمہ نے رسول اکرمؐ کی صحیح حیثیت پہچاننے میں غلطی کی ہے، وہیں آپ کو یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ ہم نے کیا غلطی کی ہے؟ اور صرف اتنا ہی بتا دینا کب کافی تھا، اس کے ساتھ دلائل بھی ضروری تھے اور یہ بھی لازم تھا کہ رسول اللہؐ کی وہ حیثیت ظاہر کر دی جاتی جسے آپ صحیح قرار دیتے ہیں۔ پھر ہم بھی جانتے کہ ہمارے جرم کی نوعیت کیا ہے اور لوگوں کو بھی علم ہوتا کہ آنحضرت صلعم کا ٹھیک مقام کیا ہے؟

"طلوع اسلام" کا خیال ہوگا کہ مسلمانوں کی دوسری تمام جماعتوں نے تو رسول اللہ صلعم کی حیثیت پہچان لی ہے، لے دے کے یہی ایک امت مسلمہ ہے جس نے آنحضرت صلعم کا مرتبہ نہیں پہچانا، آپ کا یہ خیال آپ کو مبارک، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ مسلمانوں میں پچھلے تیرہ سو برس کی ۵۰ فی صدی فرقہ آرائی، فتنہ انگیزی اور خانہ جنگی کا موجب یہی "حیثیت رسول" کا مسئلہ ہے۔ آج بھی چاروں طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ اہل حدیث کہتے ہیں، رسول اللہ کی صحیح حیثیت کو ہمارے

سوا کسی جماعت نے نہیں سمجھا۔ شیعہ کہتے ہیں مقام رسولؐ کو بس ہمیں نے سمجھا ہے، دوسرے سارے فرقے گمراہ ہیں۔ حنفیوں کی دو پارٹیاں ہیں، بریلوی اور دیوبندی، دونوں اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ اہل قرآن نے رسول اللہ کی شخصیت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا، اُن کے نزدیک قرآن ہی رسول ہے ——— اگر آپ ہم پر مبالغے کا الزام نہ لگائیں، تو سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اب فرقوں اور جماعتوں کے درمیان رہ ہی نہیں گیا، بلکہ اس بارے میں ایک ایک گروہ کا نہیں، ایک ایک شخص کا اختلاف ہے۔ جتنے دماغ ہیں، اتنی ہی حیثیتیں رسول اللہ صلعم کی مقرر کر لی گئی ہیں۔ زید اور بکر میں اختلاف ہے، بکر اور عمرو میں اختلاف ہے، عمر اور زید میں اختلاف ہے ——— ایک کا خیال ہے کہ آنحضرت علم غیب جانتے تھے، دوسرا کہتا ہے، نہیں جانتے تھے۔ ایک آپؐ کو "میم" کے پردے میں خدا سمجھتا ہے اور دوسرا ہم انسانوں کی طرح ایک انسان، ایک کے نزدیک آنحضرت ہر وقت حاضر و ناظر اور دوسرے کے نزدیک یہ سب کچھ غلط، ایک کے زاویۂ نظر سے آنحضورؐ کی زندگی اول سے آخر تک معجزات سے بھرپور، اور دوسرے کے نزدیک یہ ناممکن۔ ایک کے عقیدے میں آپ اصل مطاع اور دوسرے کے خیال میں آپ خود بھی ہم سب کی طرح مطیع خدا ——— غرض ان اختلافات کو کہاں تک شمار کیا جائے؟ آپ زیادہ تفصیل چاہتے ہیں، تو کسی فرقہ پسند مذہبی اخبار سے یا کسی صوفی و مُلا سے پوچھ دیکھیے، ہمیں تو ان اختلافات سے کوئی دلچسپی بھی نہیں!

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر امت مسلمہ نے آنحضرت صلعم کی حیثیت کیا قرار دے رکھی ہے؟ ہم بغیر کسی لگی لپٹی کے، قولوا قولاً سدیداً کے فرمان کے ماتحت، صاف اور سچی بات کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مرتبہ، صحیح حیثیت اور صحیح مقام وہی ہے، جو خود اللہ تعالٰے نے آپ کو عطا فرمایا ہے، جس کی تشریح و تفصیل قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے لیکن ایسے تمام اعزاز و مراتب جو قرآن میں تو مذکور نہیں مگر مسلمانوں نے غلوِ عقیدت سے مجبور ہو کر خواہ مخواہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لازم قرار دے لیے ہیں، یا ایسے تمام معجزات و خوارق اور اخلاق و عادات جو قرآن حکیم کے اصول و محکمات کے تو خلاف ہیں لیکن مسلمانوں نے ان کو خاصۂ رسالت سمجھ رکھا ہے، ہم اُن کو کسی حالت میں بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے کہ مسلمان اب اس مقام تک پہنچ چکے ہیں، جہاں یہودی پہونچے اور انہوں نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا

قرار دے دیا' جہاں عیسائی پہنچے اور انہوں نے مسیح ابن اللہ کا نعرہ لگایا' جہاں ہندو پہنچے اور رام اور کرشن کو اوتار کا درجہ دیا' ٹھیک اسی مقام پر' بلکہ ایک قدم اُس سے بھی آگے مسلمان پہنچے اور انہوں نے اپنے پیغمبر کو اس بلندی پر فائز کیا' کہ اس سے آگے انہیں کوئی مقام نظر نہیں آتا تھا' یعنی انہوں نے دوسرے اہل مذاہب سے مسابقت کی دُھن میں' نبی ؐ کو خدا کر دکھایا' بلکہ ان سطور کا راقم تو مسلمانوں کے ایک جلسے میں ایک مقرر کی زبان سے بہ قائمی ہوش و حواس یہ الفاظ بھی سُن چکا ہے کہ "پیغمبر اسلام کا رتبہ ایک لحاظ سے خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے محمد ؐ ہی کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا میں متعارف کرایا' اگر محمد ؐ نہ ہوتے' تو خدا کو کون جانتا تھا؟" یہ ایک بات ہے' اُن سینکڑوں بلکہ ہزاروں عقائدِ باطلہ سے جو بے شمار مسلمانوں کے دلوں میں رچ چکے ہیں' اس حد تک رچ چکے ہیں کہ اُن کے خلاف کوئی اعتراض کوئی نکتہ چینی' کوئی مصلحانہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی' بلکہ اُن میں سے سینکڑوں ایسے ہیں' جو اپنے ان "مسلّمہ عقائد" کے خلاف ذرا بھی لب کشائی کی اجازت نہیں دے سکتے اور اگر موقعہ ملے' تو معترض کا سر تک قلم کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی حیثیت پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے' تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کے منصب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حضور ؐ کی ایک حیثیت وہ ہے' جس کے لیے "روایتی حیثیت" کا نام بہت موزوں ہے اور دوسری حیثیت وہ ہے' جسے قرآن مجید نے توخوب واضح کیا ہے' لیکن عامہ مسلمین کی نگاہیں' غلط عقیدت کا پردہ چاک نہ کر سکنے کے باعث اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ذہن کی تمام قوت' تصور کی تمام طاقت اور نگاہوں کی تمام روشنی' سمٹ سمٹا کر صرف "روایتی حیثیت" پر جمع ہو چکی ہے۔ ذہن و بصر اور عقل و ایمان کی صلاحیتوں نے صدہا برس کے تواتر فکری کے نتیجے میں' اسی "روایتی حیثیت" کو صحیح یقین کر لیا ہے۔ اب جو چیز اُن کے دماغوں نے صحیح قرار دے رکھی ہے اُس کو وہ غلط ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے عقاید کی تاویل گوارا کر سکتے ہیں' جدید تعلیم یافتہ طبقے کے اعتراضوں کے جواب میں خاموشی کی ندامت اُٹھا لینا انہیں منظور ہے۔ اپنے من گھڑت عقاید کی تردید پر تکفیر کے فتووں کے ذریعے ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بھی انہیں قبول ہے' لیکن یہ قبول نہیں کہ اپنے ہی زاویۂ نگاہ میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لیں' مبالغے اور ہٹ دھرمی سے باز آجائیں اور قرآن نے جو سیدھی سادی حیثیت آنحضرت صلعم کی مقرر فرما دی ہے' اسی کے

سوا کسی جماعت نے نہیں سمجھا۔ شیعہ کہتے ہیں مقام رسول م کو بس ہمیں نے سمجھا ہے، دوسرے سارے فرقے گمراہ ہیں۔ حنفیوں کی دو پارٹیاں ہیں، بریلوی اور دیوبندی، دونوں اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ اہل قرآن نے رسول اللہ کی شخصیت کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا، اُن کے نزدیک قرآن ہی رسول ہے —— اگر آپ ہم پر مبالغے کا الزام نہ لگائیں، تو سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اب فرقوں اور جماعتوں کے درمیان رہ ہی نہیں گیا، بلکہ اس بارے میں ایک ایک گروہ کا نہیں، ایک ایک شخص کا اختلاف ہے۔ جتنے دماغ ہیں، اتنی ہی حیثیتیں رسول اللہ صلعم کی مقرر کر لی گئی ہیں۔ زید اور بکر میں اختلاف ہے، بکر اور عمرو میں اختلاف ہے، عمر اور زید میں اختلاف ہے —— ایک کا خیال ہے کہ آنحضرت علم غیب جانتے تھے، دوسرا کہتا ہے، نہیں جانتے تھے۔ ایک آپ کو "میم" کے پردے میں خدا سمجھتا ہے اور دوسرا ہم انسانوں کی طرح ایک انسان، ایک کے نزدیک آنحضرت ہر وقت حاضر و ناظر اور دوسرے کے نزدیک یہ سب کچھ غلط، ایک کے زاویۂ نظر سے آنحضور م کی زندگی اول سے آخر تک معجزات سے بھرپور، اور دوسرے کے نزدیک یہ ناممکن۔ ایک کے عقیدے میں آپ اصل مطاع اور دوسرے کے خیال میں آپ خود بھی ہم سب کی طرح مطیع خدا —— غرض، ان اختلافات کو کہاں تک شمار کیا جائے؟ آپ زیادہ تفصیل چاہتے ہیں، تو کسی فرقہ پسند مذہبی اخبار سے یا کسی صوفی و مُلّا سے پُوچھ دیکھیے، ہمیں تو ان اختلافات سے کوئی دل چسپی بھی نہیں!

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر امت مسلمہ نے آنحضرت صلعم کی حیثیت کیا قرار دے رکھی ہے؟ ہم بغیر کسی لگی لپٹی کے، قولوا قولاً سدیداً کے فرمان کے ماتحت، صاف اور سچی بات کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح مرتبہ، صحیح حیثیت اور صحیح مقام وہی ہے، جو خود اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، جس کی تشریح و تفصیل قرآن کے اوراق میں محفوظ ہے لیکن ایسے تمام اعزاز و مراتب جو قرآن میں تو مذکور نہیں مگر مسلمانوں نے غلوِ عقیدت سے مجبور ہو کر خواہ مخواہ آنحضرت صلعم کے ساتھ لازم قرار دے لیے ہیں، یا ایسے تمام معجزات و خوارق اور اخلاق و عادات جو قرآن حکیم کے اصول و محکمات کے تو خلاف ہیں لیکن مسلمانوں نے ان کو خاصۂ رسالت سمجھ رکھا ہے، ہم اُن کو کسی حالت میں بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے کہ مسلماں اب اس مقام تک پہنچ چکے ہیں، جہاں یہودی پہونچے اور انہوں نے عزیرؑ کو خدا کا بیٹا

قرار دے دیا' جہاں عیسائی پہنچے اور انہوں نے مسیح ابن اللہ کا نعرہ لگایا' جہاں ہندو پہنچے اور رام اور کرشن کو اوتار کا درجہ دیا' ٹھیک اسی مقام پر' بلکہ ایک قدم اُس سے بھی آگے مسلمان پہنچے اور انہوں نے اپنے پیغمبر کو اس بلندی پر فائز کیا' کہ اس سے آگے انہیں کوئی مقام نظر نہیں آتا تھا' یعنی انہوں نے دوسرے اہل مذاہب سے مسابقت کی دُھن میں' نبیؐ کو خدا کر دکھایا' بلکہ ان سطور کا راقم مسلمانوں کے ایک جلسے میں ایک مقرر کی زبان سے بہ قائمی ہوش وحواس یہ الفاظ بھی سُن چکا ہے کہ "پیغمبر اسلام کا رتبہ ایک لحاظ سے خدا سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے محمدؐ ہی کے ذریعے اپنے آپ کو دنیا میں متعارف کرایا' اگر محمدؐ نہ ہوتے' تو خدا کو کون جانتا تھا؟" یہ ایک بات ہے' ان سینکڑوں بلکہ ہزاروں عقائد باطلہ سے جو بے شمار مسلمانوں کے دلوں میں رچ چکے ہیں اس حد تک رچ چکے ہیں کہ ان کے خلاف کوئی اعتراض کوئی نکتہ چینی' کوئی مصلحانہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی' بلکہ ان میں سے سینکڑوں ایسے ہیں جو اپنے ان "مسلّمہ عقاید" کے خلاف ذرا بھی لب کشائی کی اجازت نہیں دے سکتے اور اگر موقعہ ملے' تو معترض کا سر تک قلم کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کی حیثیت پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے' تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کے منصب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ کی ایک حیثیت وہ ہے' جس کے لئے "روایتی حیثیت" کا نام بہت موزون ہے اور دوسری حیثیت وہ ہے' جسے قرآن مجید نے تو خوب واضح کیا ہے' لیکن عامہ مسلمین کی نگاہیں' غلط عقیدت کا پردہ چاک نہ کر سکنے کے باعث اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ ذہن کی تمام قوت' تصور کی تمام طاقت اور نگاہوں کی تمام روشنی' سمٹ سمٹا کر صرف "روایتی حیثیت" پر جمع ہو چکی ہے۔ ذہن و بصر اور عقل و ایمان کی صلاحیتوں نے صدہا برس کے تواتر فکری کے نتیجے میں' اسی "روایتی حیثیت" کو صحیح یقین کر لیا ہے۔ اب جو چیز ان کے دماغوں نے صحیح قرار دے رکھی ہے اُس کو وہ غلط ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ وہ اپنے عقاید کی تاویل گوارا کر سکتے ہیں' جدید تعلیم یافتہ طبقے کے اعتراضوں کے جواب میں خاموشی کی ندامت اٹھالینا انہیں منظور ہے' اپنے من گھڑت عقاید کی تردید پر تکفیر کے فتووں کے ذریعے ملت اسلامیہ کی اجتماعیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بھی انہیں قبول ہے' لیکن یہ قبول نہیں کہ اپنے ہی زاویۂ نگاہ میں تھوڑی بہت تبدیلی کر لیں' مبالغے اور ہٹ دھرمی سے باز آجائیں اور قرآن نے جو سیدھی سادی حیثیت آنحضرت صلعم کی مقرر فرما دی ہے' اسے

ایمان پر قناعت کریں۔ لیکن افسوس! عام مسلمانوں کا کیا ہے، وہ بے چارے تو بھیڑ بکریوں کی طرح ملّاؤں اور مولویوں کے پیچھے پیچھے آنکھیں بند کیے جا رہے ہیں لیکن ملّا اور مولوی کو آپ جانتے ہی ہیں

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

آپ یقین کریں، آنحضرت صلعم کی مروجہ روایتی حیثیت، مسلمانوں کے دل و دماغ میں ٹھیک اُس ایمان کا درجہ حاصل کر چکی ہے، جو توحید کے لئے وقف ہونا چاہیئے تھا، ایک روشن دماغ مسلمان پوچھتا ہے کہ آنحضرت صلعم جسم انسانی کے ساتھ آسمانوں کی سیر کرتے ہیں، یہ کس طرح ممکن ہے؟ زید، بکر، عمرو، یعنی ہم میں سے کوئی بھی شخص آسمان پر نہیں جا سکتا، پھر آنحضرت صلعم کیسے چلے گئے؟ مولوی لوگ آج سے چند سال پہلے اس سوال کا صرف یہی جواب دیا کرتے تھے کہ آسمانوں کی سیر جسمانی پیغمبر اسلامؐ کا معجزہ تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ جواب معترض کے دماغ کو تسکین نہیں دے سکتا، وہ دریافت کرتا ہے ایسے خلاف عقل و فطرت معجزے کی آخر ضرورت کیا پڑی تھی، یہی ناکہ مخالفین اس کو دیکھ کر اسلام پر ایمان لے آئیں؟ پھر زمانۂ حال کے مخالفین کو کیوں اس معجزے کی ضرورت نہیں پڑ سکتی؟ وہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسلام اس صدی میں بھی کوئی ویسا ہی معجزہ ہمارے سامنے پیش کرے۔ مولوی نے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی، اصل میں وہ اس سوال کا جواب سوچنا چاہتا تھا، اس نے دیکھا، دور فضا میں ہوائی جہاز اُڑایا جا رہا ہے۔ اُس نے معترض کو مخاطب کر کے جواب دیا، دیکھتے نہیں، اگر ہوائی جہاز فضائے آسمانی میں سینکڑوں میل کا سفر طے کر سکتا ہے، تو ایک پیغمبر کے لیے یہ کیوں ممکن نہیں کہ وہ روحانیت کے زور سے آسمانوں میں چلا جائے؟

یہ ہیں جامد تقلید کے کرشمے! رسول اللہ صلعم کی مروجہ روایتی حیثیت پر ایمان لانے والوں کی عقل و بصیرت سے اس طرح کے بوسیدہ دلائل کے سوا آپ کیا چاہتے ہیں؟

جب تسخر بڑھتا گیا، جب اعتراضوں اور نکتہ چینیوں کا طوفان اسلام کے اثر و رسوخ کے لئے مہلک ثابت ہونے لگا، جب خود ہمارے دماغوں کی روشنی نے مروجہ باطل عقائد کی تاریکیوں کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، اُس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلعم کی ایسی حیثیت کہاں سے تلاش کی جائے، جو اسلام کے بنیادی اصولوں پر قائم ہو، جو اپنوں اور

بیگانوں کی عقل و بصیرت کے نزدیک یکساں طور پر قابل قبول ہوا ورنہ صرف اِس زمانے کے لیے قابل قبول ہو' بلکہ آنے والی نسلیں بھی اس میں کوئی خامی' کوئی نقص نہ نکال سکیں۔ مقلدین کو یہ تلاش' یہ تجسس بے شک گوارا نہ تھا' لیکن جب ڈھونڈھنے والوں نے اسے قرآن پاک ہی میں موجود پایا' تو ان بدبختوں کو چاہیے تھا کہ وہ خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرتے کہ اُن کے دین کی آبرو محفوظ ہوگئی' ورنہ عقل اور روشنی کا جو سیلاب مغرب کی طرف سے آرہا تھا' یہ قرآن ہی کا قلعہ تھا کہ اُسے کوئی گزند نہ پہنچ سکا۔ برعکس اس کے روایات کے بڑے بڑے محل' ریت کے تودوں کی طرح ایک ایک کرکے اُڑتے جارہے ہیں اور رہی سہی کسر بھی چند ہی سال کے اندر اندر نکل جانے والی ہے۔

روایات جنہیں دوسرے لفظوں میں ظن وتخمین کا مجموعہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا' یہودیوں اور عیسائیوں کی ابلیسانہ کوششوں نے آنحضرت صلعم کی جو حیثیت ان کے ذریعے ظاہر کی ہے وہ اپنوں اور بیگانوں سبھی پر عیاں ہے۔ اُمت مسلمہ کی سب سے بڑی "غلطی" یہی ہے کہ اس نے خلاف عقل و قرآن روایات پر مبنی "حیثیت" کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مثلاً ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ آنحضرت صلعم یہودیوں اور عیسائیوں کی باتیں سُن سُن کر انہیں وحی الٰہی کی طرح پیش کرتے تھے (مسلم)، ہم یہ بھی نہیں مانتے کہ آنحضرت صلعم کی نفسانی خواہشات کے مطابق اُن پر وحی نازل ہوا کرتی تھی (ابن ماجہ، مسلم)، ہمارے نزدیک یہ بات بھی سرتاپا لغو ہے کہ نبی کریم کو کفار و مشرکین نے جادو کے ذریعے مسحور کردیا تھا (صحاح)، ہم اس بات کو بھی بالکل باطل جانتے ہیں کہ شیطان' آنحضرت صلعم کے دل اور منہ میں جگہ پاتا تھا' ہم اس بات سے بھی انکار کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام' مکر و فریب سے اپنے دشمنوں کو قتل کرا دیا کرتے تھے (صحیحین)، ہمارے خیال میں یہ روایت بھی قطعاً کذب و افترا ہے کہ نبی اکرم نے پچاس سال کی عمر میں چھے برس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیا تھا (صحاح)، ہمارے لیے یہ امر بھی ناقابل برداشت ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کو قرآن مجید کی آیات کا ناسخ حاکم اور قاضی تسلیم کریں (صحاح) ——— یہ اور اس طرح کی سینکڑوں روایات ایسی ہیں' جنہوں نے باہم مل کر حضور علیہ السلام کی "روایتی حیثیت" تعمیر کی ہے۔ کیا طلوع اسلام کے نزدیک یہی وہ حیثیت ہے' جس کے سمجھنے میں ہم نے غلطی کی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں' تو خدا کے لیے ہمیں بتایا جائے کہ ہم سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے کہ آپ اس کی تفصیل بتانے سے سکوت فرما رہے ہیں؟

اب آئیے، رسول اللہ صلعم کی قرآنی حیثیت کی طرف، ہم علی وجہ البصیرت یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی بھی ایسا پہلو جو ہماری ہدایت وراہ نمائی کے لیے ضروری تھا، قرآن حکیم نے نظر انداز نہیں کیا۔ قرآن، آپ کی یتیمی اور بے نوائی تک کی حالت کو ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا، پھر بتاتا ہے کہ خدا نے آپ کو مال دار کر دیا (فَاَغْنٰی) پھر آپ کے شرح صدر[1] اور رفع ذکر کی شہادت دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کی پاکیزہ زندگی کو مخالفین اسلام کے سامنے پیش کر کے، آپ کے حسنِ اخلاق کا چیلنج دیتا ہے۔ آپ سے پہلے تمام نبیوں کی ہدایت اقوام وقبائل تک محدود تھی، لیکن آپ " انی رسول اللہ الیکم جمیعًا کے منصب پر فائز کئے گئے۔ آپ خاتم النبیین قرار دیے گئے۔ جب تک آپ زندہ رہے، اللہ تعالیٰ نے محض آپ کی خاطر کفار عرب پر عذاب نہیں بھیجا (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ) آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کئے گئے۔ تنہا آپ ہی ایسے نبی تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دوسرے نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کا اور آپ کی نصرت کا عہد لیا۔ انسان کے پاس جان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں، لیکن فرمایا، کہ نبی اکرم کا حق مسلمانوں پر خود اُن کی جانوں سے بڑھ کر ہے (اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ) آپ کا شرف تو بہت بڑا شرف ہے، آپ کی ازواج تک ہمارے لئے ہماری ماؤں کے برابر ادب واحترام کی مستحق ہیں (وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ) پھر آنحضرت صلعم کی فضیلت کا یہ عالم ہے کہ مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ آپ کو عام لوگوں کی طرح نہ پکارا کرو (لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا)۔

کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات دریافت کئے، فرمایا، خُلُقُهٗ قُرْاٰنٌ، قرآن ہی آپ کا خلق ہے —— اور واقعی یہ درست بھی ہے کہ قرآن میں آپ کے اسوہ حسنہ کے جزئیات تک کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ آپ نرم دل تھے (لِنْتَ لَهُمْ) آپ مومنوں کے لیے باعث رحمت تھے (رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ) آپ اپنی تبلیغ کی اجرت نہیں لیتے تھے (لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا) آپ متوکل تھے (وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ) آپ نمائش اور تکلف سے پاک تھے (وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ) الغرض کہاں تک لکھا جائے؟ ان سارے اوصاف کی جڑ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعریف میں فرمایا: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ اے نبی بے شک تو بڑے (اعلیٰ) اخلاق پر ہے!

---

[1] جس کو روایت نے مسخ کر کے شق صدر کی غیر معقول صورت میں تبدیل کر دیا۔ منہ

لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود قرآن ہی نے بتایا کہ کبھی کبھی بہ تقاضائے بشریت آپ سے ایسی باتیں بھی سرزد ہوئیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو متنبہ کیا گیا۔ عبس وتولیٰ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے اس کے علاوہ بھی بعض واقعات ہوئے۔ مثلاً:

۱۔ ... وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝	اور تو خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا نہ کر اور اللہ سے معافی مانگ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
۲۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ	(اے پیغمبر!) اللہ تجھے معاف کرے تو نے انہیں (جہاد سے پیچھے رہ جانے کی) کیوں اجازت دی تھی۔ الخ
۳۔ ..... وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۔	..... اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے ڈرے .... الخ

اسی مطلب کی اور بھی بہت سی آیتیں قرآن مجید سے مل سکتی ہیں، یہاں ہم طوالت کے خوف سے انہیں پیش نہیں کرتے۔ آنحضرت صلعم کی بشریت کا یقین کرنے کے لئے یہی حوالے کافی ہیں۔

ہاں، ایک بات اور، روایتی معجزات کے بھی ہم لوگ قائل نہیں۔ قرآن معجزات سے بار بار آنحضرتؐ کا عجز ظاہر کرتا ہے۔ یہاں دو ایک آیتیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ ۔	اور (اے نبی) اگر اُن کی (حق سے) روگردانی تجھ پر شاق گذرتی ہے، تو اگر تجھ سے یہ ہو سکے تو زمین میں کوئی سوراخ ڈھونڈ نکالے یا آسمان پر سیڑھی (لگا کر چڑھ جائے) اور تو اُن کے پاس کوئی نشانی لے آئے (تو تو اپنی سی کر دیکھ) اور اگر اللہ چاہتا، تو اُن کو ہدایت پر جمع کر دیتا، پس تو جاہل نہ بن۔
۲۔ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا	کہہ دے کہ میں تمہارے لیے نہ نقصان کا مالک ہوں اور نہ

رَشَدًا۔	راہ پر لانے کا۔
۳۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ ؕ	(اے پیغمبر) کہدے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب بھی نہیں جانتا اور میں تم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔

ان آیات کو غور سے پڑھیے، آپ م ۱ اپنے آپ میں کوئی اختیار نہیں پاتے، آپ کفار کی ہدایت کے لئے بے تاب ہیں، چاہتے ہیں کہ انہیں کوئی معجزہ دکھادیا جائے، خدا کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے کہ آپ جاہلوں میں سے نہ بنیں، پھر آپ صاف صاف کہتے ہیں کہ میں لوگوں کے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں، اللہ کے خزانے بھی میرے قبضے میں نہیں۔ میں علم غیب بھی نہیں جانتا اور میں فرشتہ بھی نہیں! اظہار عجز کے لیے اس سے زیادہ اور کون سے الفاظ سند ہو سکتے ہیں؟

آخری بات یہ ہے کہ خلق عظیم اور رفع ذکر وغیرہ کے فضائل حاصل کرنے کے باوجود اور خطا و لغزش پر تنبیہ الٰہی کے مورد ہونے کے باوصف یہ قیادت امت وسطیٰ، یہ قرآن عظیم، یہ رحمۃ للعالمینی کے مناصب، آپ اور صرف آپ کے لئے مشیت الٰہی نے وقف کر دیے تھے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنا پیغام کس شخصیت کے ذریعے دنیا تک پہنچائے۔ پس قرآن محمدؐ کے لیے اور محمدؐ قرآن کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن جیسی بے نظیر کتاب کے ساتھ، کسی بے نظیر شخصیت کا ہونا لازمی تھا، اور وہ بے نظیر شخصیت پیغمبر اسلام کی ذات میں موجود تھی،

خاتم النبیین م کے سوا دنیا کا کوئی شخص اس لائق نہیں سمجھا گیا کہ اس کے ہاتھ میں قرآن جیسی مقدس کتاب دے دی جاتی۔ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً۔

یہ ہے نبی اکرم کی وہ حیثیت، جو ہمارے نزدیک صحیح اور اعلی حیثیت کا حکم رکھتی ہے۔ طلوع اسلام کو اگر اس میں کوئی اعتراض ہے، تو اسے چاہئیے کہ وہ علی الاعلان پیش کرے، ہم دیانتداری کے ساتھ اقرار کرتے ہیں کہ اگر ہمیں اپنے عقاید وخیالات میں کوئی غلطی، کوئی لغزش سمجھا دی گئی، تو ہم اس کے اعتراف سے کبھی گریز نہیں کریں گے؛ بلکہ ہمارے لیے شکر ومسرت کا مقام ہوگا کہ ہم نے اصلاح قلب وفکر میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ہم مولویانہ مسلک کے حامی

نہیں ہیں کہ جس بات پر ضد کر بیٹھے، وہیں اڑ کر رہ گئے۔ آپ الزام و اتہام سے بچ کر، منطق بازی کی باریکیوں سے ہٹ کر، صاف اور سادہ قرآنی دلائل کے ساتھ ہمارے ساتھ کوئی بات چیت کر دیکھیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے دل کتنے اخلاص، کتنی سچائی اور حق پسندی کے ساتھ معمور ہیں: واللہ علی ما اقول شہید۔

روزوں کی تعداد

جناب محمد صدیق صاحب نے لاہور سے ہمیں ایک مکتوب ارسال فرمایا ہے، آپ امت مسلمہ کے عقاید و خیالات کی تعریف کے بعد لکھتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ "بلاغ" میں پڑھا تھا کہ "ایاماً معدودات" کے مطابق قرآن صرف ۵ روزے رکھنے کا حکم دیتا ہے، مگر لا یضیع ایمانکم کے پیش نظر پورے ماہ کے روزے رکھے جائیں، تو نیکی میں ضرور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ۔ ۔ الخ"

ہمیں یہ الفاظ پڑھ کر بہت اچنبھا ہوا۔ امت مسلمہ کا تو یہ عقیدہ نہیں کہ تیس کے بجائے ۵ روزے رکھے جائیں۔ موصوف کو چاہیئے تھا کہ وہ سطور بالا کے ساتھ حوالہ بھی لکھ بھیجتے۔ جہاں تک امت مسلمہ کے لٹریچر کا تعلق ہے، ہمیشہ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ رمضان میں پورے ہی مہینے کے روزے فرض ہیں۔ جو لوگ نو یا تین روزوں کے حامی ہیں، امت مسلمہ نے ہمیشہ ان کی مخالفت کی ہے، چنانچہ تفسیر بیان للناس منزل اول کے صفحہ ۳۱۴ پر لکھا ہے:

"بعض لوگ ایاماً معدودات سے مراد تین روزے لیتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ کتب علیکم الصیام میں صیام مصدر ہے اور ایاماً معدودات منصوب ہونے کے سبب اس مصدر کا مفعول ہے سو اگر یہ مفعول فیہ ہوتا، تو روزے تین دن کے بھی نہیں ہو سکتے اور دوسرے دنوں میں گنتی کا پورا کرنا، روزوں کی راتوں میں بیویوں کے ساتھ میل جول کی اجازت دینا اور اعتکاف کی راتوں میں اجازت نہ دینا فضول ہو جاتا، پس ثابت ہوا کہ ایاماً معدودات مفعول بہ ہے صیام کا، اور اسی طرح ثابت ہوا فلیصمہ میں بھی ہ کی ضمیر جس کا مرجع شہر ہے مفعول بہ ہے، پس تین روزوں کی تعیین غلط ہے۔ اس جگہ جمع قلت ترغیب دینے کے لیے لائی گئی ہو کہ روزے کسی لمبے زمانے کے لیے نہیں ہیں،

بلکہ چند روز ہیں۔ اکثر مواقع میں جمع قلت، جمع کثرت کی جگہ اور جمع کثرت جمع قلت کی جگہ لائی جاتی ہے۔ دیکھیے ثلاثہ قروءٍ میں قروء جمع کثرت ہے، حالانکہ ثلاثہ قلت کو چاہتا ہے اس سے یہ سکھانا مقصود ہے کہ تین طہر کا انتظار کوئی کم انتظار نہیں ہے بلکہ کافی انتظار ہے"

جناب محمد صدیق صاحب کی غلط فہمی کا ایک ہی باعث ہماری سمجھ میں آیا ہے اور وہ یہ کہ دسمبر ۱۹۳۲ء کے "بلاغ" میں جناب حق گو نے ایام صیام کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جس میں موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تھی کہ روزے ۳۰ نہیں بلکہ ۹ ہیں، ہمارے دوست نے غالباً یہی مضمون پڑھا ہوگا، لیکن اس مضمون کے آخر میں مدیر کی طرف سے حسب ذیل الفاظ میں ایک نوٹ بھی دے دیا گیا تھا:

"اس مضمون کے بعض اجزا سے مجھے اتفاق نہیں، جس کا اظہار ان شاء اللہ آئندہ نمبر میں کروں گا"

اس نوٹ کے مطابق جنوری ۱۹۳۳ء کے بلاغ میں "ایام صیام" ہی کے عنوان سے ایک مفصل مضمون شایع کیا گیا تھا اور اس میں بیان للناس کی محولہ بالا عبارت بھی نقل کر دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس سے اگلے پرچے میں جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل کے قلم سے بھی ایک مدلل مضمون شائع ہوا، جو ۹ روزوں کی تحریک کے خلاف مفصل دلائل پر مشتمل تھا۔

جناب محمد صدیق صاحب نے صرف یہی نہیں کیا کہ خود غلط فہمی کے شکار ہوئے ہوں، بلکہ آپ نے اپنے احباب میں اس کا پرچار بھی شروع کر دیا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"دو ایک اصحاب جو بالکل روزے رکھتے ہی نہ تھے، جب انہیں قرآن حکیم کا صحیح حکم سنایا گیا، تو انہوں نے نو روزے پورے کر لیے اور کہا اگر ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہوتا کہ روزے ۳۰ نہیں، بلکہ نو ہیں) تو ہم کبھی نہ چھوڑتے۔ لیکن جب یہ معاملہ مولویوں تک پہنچا تو انہوں نے خاکسار کے خلاف سازش شروع کر دی"

ہم نے عام طور پر تعلیم یافتہ طبقے کے مقابلے میں مولویوں کی بہت کم حمایت کی ہوگی، مگر آپ کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا ہے، اس میں وہ سچے ہیں اور آپ غلطی پر ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے

دوستوں اور ان مولویوں سے مل کر اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرلیں اور اگر آپ نے یہ عقیدہ اُمت مسلمہ سے منسوب کرکے پھیلا یا ہے، تو اس بات کی بھی تردید کردیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ گذارش آپ پر گراں نہ گزرے گی، حق پسند حضرات کا شیوہ یہی ہونا چاہیئے کہ جب ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے، تو وہ بلا پس وپیش اس کو تسلیم کریں۔

محمد اقبال سلمانی

تقلید اور تصوّف

(۳)

از عـــرشی

یہ مولانا رومی کے بحر تحقیق وعرفان کی چند موجیں ہیں جو ان کی زبان فیض ترجمان سے ایک بے تکلف صحبت مکالمہ میں جاری ہوئیں، اب ان کی مثنوی معنوی کے گلشن بے خزاں کی چند روشوں کی سیر بھی کرلیجئے فرماتے ہیں:

زانکہ بردل نقش تقلید است بند ــ رو بآب چشم بندش را برند
زانکہ تقلید آفت ہر نیکوی ست ــ کہ بود تقلید اگر کوہ قوی ست
گر ضریرے لمتراست وتیز خشم ــ گوشت پارہ اش داں کہ او را نیست چشم
گر سخن گوید زمو باریک تر ــ اں سرش را زاں سخن نبود خبر
مستی دارد زگفت خود ولیک ــ از بروے تابہ را بہست نیک
ہمچو جویست او نہ آبے می خورد ــ آب از وبرلب خواراں بگزرد
آب درجوزاں نمے گیرد قرار ــ زانکہ آں جوں تشنہ نبود آب خوار
ہمچو نائے نالہ وزاری کند ــ لیک بیگار خریداری کند
نوحہ گر باشد مقلد درحدیث ــ جز طمع نبود مراد آں خبیث
نوحہ گر گوید حدیث دردناک ــ لیک کو سوز دل ودامان چاک
از مقلد تا محقق فرقہا ست ــ کایں چو داؤد است آں دیگر صدا ست
منبع گفتار ایں سوزے بود ــ واں مقلد کہنہ آموزے بود

ہم مقلد نیست محروم از ثواب　　　نوحہ گر را مزد باشد در حساب
کافر و مومن خدا گویند لیک　　　در میان ہر دو فرقے است نیک
آں گدا گوید خدا از بہر ناں　　　متقی گوید خدا از عین جاں
اللہ اللہ میزنی از بہر ناں　　　بے طمع پیش آئی واللہ را بجاں
گر بدانستے گدا از گفت خویش　　　پیش چشم او نہ کم ماندے نہ بیش
سالہا گوید خدا آں نانخواہ　　　ہمچو خر مصحف کشد از بہر کاہ
گر بدل در تافتے گفت لبش　　　ذرہ ذرہ گشتہ بودے قالبش
نام دیوے رہ برد در ساحری　　　تو بنام حق پشیزے می بری

حکایت روستائے

روستائے گاو در آخر بہ بست　　　شیر گاوش خورد و در جائش نشست
روستائے شد در آخر سوئے گاو　　　گاو را میجست شب آں کنجکاو
دست می مالید بر اعضائے شیر　　　پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر
گفت شیرار روشنی افزوں بدے　　　زہرش بدریدے و دل خوں شدے
ہمچنیں گستاخ زاں میخاردم　　　کو دریں شب گاو می پنداردم
حق ہمی گوید کہ اے مغرور کور　　　نے ز نامم پارہ پارہ گشت طور
کہ لو انزلنا کتابا للجبل　　　لانصدع ثم انقطع ثم ارتحل
از من ار کوہ احد واقف بدے　　　پارہ گشتے و دلش پر خوں شدے
از پدر وز مادر ایں بشنیدۂ　　　لاجرم غافل دریں پیچیدۂ
گر تو بے تقلید ازو واقف شوی　　　بے نشاں بجائے چوں ہاتف شوی

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ تقلید کا نقش دل کو قبولِ حق سے روک دیتا ہے، اس کا علاج مخلصانہ گریہ وزاری ہے۔ تقلید ہر نیکی کے حق میں آفت ہے۔ تقلید اگرچہ پہاڑ کی جسامت رکھتی ہو اس کا وقار ایک تنکے سے زیادہ نہیں، مثلاً اندھا انسان کتنا ہی فربہ اور تیز طبع ہو پھر بھی نابینائی کے سبب وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہی ہے، مقلد شخص بال سے زیادہ باریک بات بھی کہے تو بھی وہ خود اس کی حقیقت سے ناآشنا ہی ہوگا، گو اُسے اپنی باتوں سے ایک طرح کا نشہ محسوس ہو لیکن

وہ نشہ شراب کے حقیقی نشے کے سامنے کیا وقعت رکھتا ہے؟ وہ ایک نہر ہے جو اپنے پانی سے کوئی حظ حاصل نہیں کرتی، اس کا پانی پیاسوں کی خدمت کے لئے ہے، پانی کو نہر میں قطعاً قرار نہیں ہے اس لئے کہ وہ خود پیاسی نہیں۔ مقلد بانسری کی طرح نالہ وزاری کرتا ہے، لیکن یہ محض خریدار کے لئے بیگار ہے۔ نوحہ گر بھی مقلد ہوتا ہے۔ وہ خبیث طمع کے لئے نوحہ کرتا ہے، زبان سے دردناک کلمات نکالتا ہے، لیکن سوز دل اور دامن چاک جو سچے دردمند کا نشان ہے، اس میں کہاں! محقق اور مقلد کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے۔ بس یوں سمجھو کہ محقق داؤد ہے اور مقلد محض آواز۔ محقق کی گفتار کا سرچشمہ سوز دل ہوتا ہے اور مقلد محض چند رٹے ہوئے لفظ دہراتا ہے۔ مقلد بھی اجر سے محروم نہیں، آخر جن کا پیشہ نوحہ گری ہوتا ہے، انہیں مزدوری مل ہی جاتی ہے۔ کافر اور مومن دونو "خدا" کا لفظ زبان پر لاتے ہیں، لیکن دونوں میں بہت فرق ہے۔ گدا روٹی کے لئے "خدا" کہتا ہے، اور متقی کی جان کے اندر سے یہ آواز نکلتی ہے۔ افسوس تو روٹی کے لئے اللہ اللہ کرتا ہے، بے طمع ہو کر آ! اور اللہ کا نام لے ——— اگر گدا اپنے بول سے واقف ہوتا، تو اس کی نگاہ حقیقت کا ادراک کر لیتی — وہ روٹی کا بھوکا عمر بھر اللہ اللہ کہتا رہتا ہے۔ گدھے کی طرح گھاس کے لئے قرآن پشت پر اٹھائے پھرتا ہے۔ اگر اس کا بول اس کے دل میں چمکتا، اس کا تمام جسم اس سے متاثر ہوتا۔ شیطان کا ورد کرنے والے جادوگری میں اپنا مطلب حاصل کر لیتے ہیں، تو خدا کا نام چند کوڑی پر فروخت کر رہا ہے۔"

اس کے بعد ایک دیہاتی کی حکایت لکھتے ہیں ——— "اس نے اپنا بیل مواشی خانہ میں باندھا۔ شیر بیل کو چٹ کر گیا اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ رہا، دہقان رات کے اندھیرے میں وہاں آیا اور شیر کو بیل سمجھ کر اس کے اعضا پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ شیر نے کہا اگر اس وقت روشنی ہو جاتی تو دہقان کا کلیجہ پھٹ جاتا اور دل خون ہو جاتا، یہ مجھے اس رات میں بیل سمجھ رہا ہے، جب ہی اس بے باکی کر میرے جسم کو کھجلاتا ہے ——— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اے اندھے فریب خوردہ! کیا میرے نام سے طور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو گیا تھا؟ قرآن مجید کی وہ آیت یاد کر لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل الخ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل فرماتے تو تم اسے خدا کے خوف سے دبتا ہوا اور پھٹتا ہوا دیکھتے ——— اگر کوہ احد میرے جلال وجبروت سے واقف ہوتا تو پارہ پارہ ہو جاتا، اس کا دل خون ہو کر بہ جاتا۔ تو نے ماں باپ سے خدا کا نام سن رکھا ہے اور مقلدانہ اس نام سے لپٹا

پھرتا ہے۔ اگر تو تقلید کو چھوڑ کر اس نام کے جمال و جلال سے واقف ہو جائے تو ملائکہ کی طرح فانی فی اللہ کے مقام پر پہنچ جائے"۔

مقام غور ہے کہ اتنا کچھ لکھ کر مولانا رح سیر نہیں ہوتے، جابجا اس مسئلہ پر بحث شروع کر دیتے ہیں چنانچہ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

گرچہ عقلت سوئے بالا می پرد مرغ تقلیدت بہ پستی می برد

علم تقلیدی وبال جان ماست عاریہ است و ما نشستہ کان ماست

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن دست در دیوانگی باید زدن

یعنی اگرچہ تیری عقل بلندی کی طرف پرواز کرتی ہے، لیکن تقلید کا پرندہ تجھے پستی کی طرف لئے جاتا ہے۔ تقلیدی علم ہمارے لئے وبال جان ہے، یہ ایک مانگی ہوئی شے ہے اور ہم غلطی سے اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھ بیٹھے ہیں، اس مقلدانہ دانائی سے نادانی بہتر ہے، بلکہ اس سے پاگل ہو جانا ہی اچھا ہے' ——— اس سلسلے میں اور اشعار بھی چلے جاتے ہیں، اور پوری مثنوی میں تلاش کریں تو تردید تقلید میں کافی ذخیرہ دستیاب ہو سکتا ہے۔

آخر میں اس فن کے طلباء کی خدمت میں مشورے کے طور پر گذارش ہے کہ اس فقیر مجسم تقصیر کو اللہ تعالے کے فضل سے مختلف سلسلوں کے بہت سے مشائخ اور ویدانیتوں سے استفادہ کا موقع ملا ہے نیز ویدانت اور تصوف کی قدیم و جدید مشرقی اور مغربی مصنفین کی بہت سی مستند و غیر مستند کتابوں کے مطالعہ کا اتفاق ہوا ہے' ان بزرگوں کے بتائے ہوئے بعض اذکار، اوراد سے کسی قدر حظ اٹھانے کی توفیق بھی ملی' لیکن یہ ایک مجرب اور مخلصانہ رائے ہے کہ ان لوگوں میں حریت فکر اور صحیح علمی ذوق جو اس مشرب کا طرہ امتیاز ہونا چاہیئے' بہت کم پایا' قدماء کی کتابیں جواہر پاروں اور خزف ریزوں سے بھری ہوئی ہیں' ان خزف ریزوں سے بچنے اور جواہرات سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام غزالی کی محققانہ روش پر سب سے پہلے اپنی عقل کو ہر قسم کی قید سے آزاد کرے' وسعت معلومات و تجارب سے اپنے قوائے دماغی کو پختہ کرے۔ اپنے آپ کو کسی مذہبی فرقہ سے منسوب نہ کرے' یہ ایک مجرب حقیقت ہے کہ کسی خاص فرقہ کا رنگ ابتدائے نشوونما میں طبیعت انسانی پر چڑھ جائے' تو کوئی کوشش اس کو دور کر سکتی' انسان بعد کے حاصل کئے ہوئے ہر فلسفہ اور ہر الہام کو انہی ابتدائی تاثر کا غلام بنا لیتا ہے' الا ماشاء اللہ۔ جس طرح ایک ہندو فلسفی' لیڈر' اور بیرسٹر گائے کی محبت سے

آزاد نہیں ہو سکتا اور اس میں اپنے فلسفہ کی پچر لگاتا ہے، اسی طرح ایک شیعی محقق، مصنف تعلیم جدیدسے آشنا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں (رضی اللہ عنہم) کی داستان مصیبت کو جزو ایمان ماننے پر مجبور ہوتا ہے حالانکہ دوسرے تاریخی مصائب سے ان کی مصیبت انوکھی نہ تھی، وہ قرآن عزیز کی بہت سی آیتوں کو ریزہ ریزہ کرکے پنجتن پاک کی راہ میں بچھا دیتا ہے وقس علی ھذا؛ اس لئے سب سے پہلے سخت ضرورت ہے کہ خدا کی بخشی ہوئی نعمت آزاد "عقل" کو ایسی خرافات سے قطعاً محفوظ رکھے اور یقین کرے کہ بندے اور اس کے خدا کا تعلق بلا واسطہ ہے۔ اس میں کوئی مسیح یا کرشن یا علیؑ حائل نہیں ہے، جس کی خوشامد کرکے اس راہ کو عبور کرنا پڑے گا۔ ؎

حائل رہیں کیوں خالق و مخلوق میں پردے پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو

آخران بزرگوں کی ولادت سے پہلے بھی خدا اور بندگان خدا میں تعلق تھا۔

اس کے بعد دوسرا اقدام یہ ہونا چاہئے کہ اپنی آزاد اور پختہ عقل کو لے کر قرآن کی تنہا قرآن کی سیر کرے۔ لغت اور گرامر سے ممکن امداد حاصل کرے۔ مفسروں اور مترجموں سے ہرگز مرعوب نہ ہو۔ اس دوران میں بے حد ضروری امر یہ ہے کہ دوران مطالعہ میں زندگی کے روزمرہ سے تعلق رکھنے والے اوامر و نواہی کی تعمیل کی مشق بہم پہونچائی جائے۔ قرآن اپنا آپ سب سے بہتر مفسر ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جن کا مقصود عمل ہو، مثلاً قرآن کی پہلی آیت ہے کہ "اس کتاب میں شک و ظن کی کوئی بات نہیں۔ یہ سرتاپا یقین ہے، اس میں اہل تقویٰ کے لئے ہدایت ہے" اب لازم ہوا کہ جو شخص ہدایت چاہے، وہ پہلے تقویٰ اختیار کرے، تقویٰ کیا ہے؟ اس کی تفسیر جتنی قرآن میں ملے گی، دنیا کی کسی کتاب میں نہیں مل سکتی۔ مطالعہ کرتے جاؤ گے تو خود بخود وہ آیتیں سامنے آتی جائیں گی جن میں اہل تقویٰ کے اوصاف اور تقویٰ کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں، پس وہ اوصاف و خصوصیات اپنے اندر پیدا کرنے کی امکانی کوشش کرو " واتقوا اللہ ما استطعتم " کا یہی منشا ہے۔ اسی طرح سارے قرآن کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کا عام منشا معلوم کرلو۔ اس کے بعد بے تفس مشائخ سے ملو اور تصوف کے مستند مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرو۔ قرآن کے ماتحت چلنے والی احادیث، اقوال صحابہ و تابعین رومی، سنائی، سید عبدالقادر جیلانی، شیخ علی ہجویری، امام غزالی، بیدل عظیم آبادی وغیرہم رحمہم اللہ کی تصانیف راقم کے نزدیک ایک طالب حق کے لئے بہت زیادہ توجہ کی مستحق ہیں، لیکن میں ایک دفعہ پھر یاد دلاتا ہوں کہ ان کی ہر بات کو آنکھیں بند کرکے قبول نہ کرے۔ جہاں کہیں قرآن کے عام منشا

اور اپنی عقل و تجربہ سے ان کے کلام کو ہٹا ہوا پائے وہاں سے حسن ظن قائم رکھتا ہوا گزر جائے[۵۱]۔ ان کا کلام اس بیج کو پانی کا کام دے گا جو قرآن نے فطرت سلیمہ میں لگایا ہے۔ جوش عمل اور گرمی عشق میں اضافہ ہوگا۔ بیعت کا تعلق خدا سے قائم رکھے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ کا[۵۲] یہی مفہوم ہے۔ جو شے ایک دفعہ بک چکی اس کا کسی دوسرے شخص سے سودا کرنا حرام ہے، خیانت ہے، اگر تم مومن ہو تو تم نے اپنا آپ خدا کے پاس بیچ کر دیا، اب اس کو کسی پیر کے ہاتھ بیچنا، اخلاق کا تقاضا ہے نہ دین کا، ہاں اگر کوئی شخص قرآن پر عمل کرنے والا مل جائے تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھو، اگر وہ قرآن کا سچا مطیع اور عالم ہے تو وہ خود بھی تم سے کسی پیری مریدی کا مطالبہ نہیں کرے گا، یہی منشا حضرت شاہ ولی اللہ، شیخ احمد سرہندی اور بعض دیگر محققین کا ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں، اس جگہ سوانح علامہ رشید رضا مصری کا اقتباس دلچسپی و افادہ سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے مشہور عالم سوانح نگار امیر شکیب ارسلان لکھتے ہیں:

"سید رشید نے استاذ امام (محمد عبدہٗ) کی نگرانی قبول کی۔ پیر و مرید کی طرح دونوں میں معاہدہ ہوا۔ استقلالِ فکر کے سرگرم حامی، شاگرد کا عہد نامہ سننے کے لائق ہے:

"میں عہد کرتا ہوں کہ صوفیوں کے طریقہ کے مطابق ایک مرید کی طرح آپ کا متبع رہوں گا۔ لیکن میری ایک شرط ہے، جس کا حق مجھے برابر حاصل رہے گا، وہ یہ کہ جو بات میری عقل سے باہر ہوگی، اس کی حکمت دریافت کروں گا اور جو چیز میری سمجھ میں نہیں آئے گی، اسے قبول نہیں کروں گا اور وہی کام کروں گا، جس کے فائدے کا مجھے یقین ہوگا۔"

حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ اگر طالب کو سماع کی طلب ہو تو قرآن شریف سُنے، کیونکہ دوسرا کوئی سماع لہو سے خالی نہیں ہو سکتا، ابن عربی کہتے ہیں کہ سماع سے روح حیوانی متاثر ہوتی ہے، نہ روح ملکی، راقم عرض کرتا ہے کہ انسانی جماعتوں میں کوئی جماعت انبیائے کرام علیہم السلام سے

[۵۱] سید رشید رضا، امام غزالی کی احیاء العلوم کے متعلق اپنے حالات میں لکھتے ہیں "یہ کتاب مجھے بہت محبوب تھی۔ اسے میں بار بار پڑھا کرتا اور لوگوں کو پڑھ کر سنایا کرتا ..... واقعی یہ کتاب بہت مفید ہے اگو بعض جصے نقصان رساں بھی ہیں، علم سے بہرہ ور ہونے کے بعد مجھے نقصانات کا تدارک کرنے میں وقت نہیں ہوئی" (سید رشید رضا ا خا اربعین سنۃ) راقم کے نزدیک تمام انسانی تصانیف کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے۔

[۵۲] خدا نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔

یادہ معتبر و مستند نہیں، اور انبیا کے حالات قطعی مستند طریق پر قرآن کے سوا کہیں نہیں مل سکتے۔ قرآن مجید میں انبیاء کے اتنے حالات آ گئے ہیں کہ ہر شخص کو ہر حالت میں اُن سے رہنمائی و قیادت میسر آ سکتی ہے، خصوصاً ہمارے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی تو تمام اپنے اندر ہر قسم کی رہنمائی رکھتی ہے۔ سالک راہ کو غیر قرآن کتابوں اور غیر نبی اشخاص کی ہدایات کو بدعت و قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر قبول کرنا چاہئے۔ یہی منشا ہے تمام معتبر صوفیہ جنید و شبلی سے لے کر شیخ احمد سرہندی اور شاہ ولی اللہ رح تک کا، اسی کا اظہار بلبل شیراز نے اپنے الفاظ میں کیا ہے ———

خلاف پیمبر کسے رہ گزید　　که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا　　ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

ترک دنیا، عرس، قوالی، مزارات کے لئے سفر، موتیٰ سے استمداد، تصور شیخ، سجدہ شیخ، وحدت الوجود[1] وغیرہ بے شمار مسائل جو تصوف میں داخل ہو چکے ہیں۔ قرآن اور توریت کے بیان کے مطابق گروہ نبیوں میں کوئی ان سے واقف نہ تھا اور قرآن کے بیان کے مطابق اس وقت روئے زمین پر قرآن اور توریت سے زیادہ ہدایت والی کوئی کتاب نہیں (فاتوبکتاب اھدیٰ منھما اتبعہ)۔ صحابہ کرام کے حالات ہمارے سامنے ہیں انہوں نے مشعل نبوت سے براہ راست اقتباس نور کیا لیکن وہ پورے دنیا دار تھے، کیونکہ دنیا کو چھوڑ کر قرآن کے بے شمار اوامر و نواہی پر عمل نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کبھی محمد رسول اللہ صلعم کا عرس نہیں کیا، قوالی نہیں کرائی۔ روضہ رسول پر کھڑے ہو کر المثنی یا رسول اللہ نہیں کہا، حضور کا تصور کبھی نہیں پکایا، آپ کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ پھر یہ سب کچھ "خلاف پیمبر" نہیں تو کیا ہے، آج بھی جو سچے اور محتاط صوفی ہیں ان امور سے پرہیز کرتے ہیں اور یہی ان کی سچائی کی قطعی علامت ہے، اللہ یھدی الیہ من اناب۔ ان ارید الا الا صلاح ما استطعت۔

---

[1] علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں — عقیدہ وحدۃ الوجود جس کا تخیل چھٹی صدی سے مسلمانوں میں آیا ہے حسین بن منصور اس کا فصیح شارح اور صحیح ترین معبر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ سچ یہ ہے کہ محی الدین ابن عربی سے پہلے مسلمان طبقہ صوفیہ اس رمز سے ناآشنائے محض تھا حضرت جنید وغیرہ صوفیہ متقدمین کی طرف اس قسم کے جو چند اقوال منسوب کئے جاتے ہیں، وہ تاریخی اسناد سے ثابت نہیں (معارف ج ۲ ص۳ بحوالہ مدینہ مئی ۱۹۳۹ء)

حدیث درد

(عرشی)

عاشقی بت سے ہو یابت ساز سے — ہم یہاں ہر حال میں بدنام ہیں

میں نے دیکھا پختگی کے مدعی — اکثر اپنے ادّعا میں خام ہیں

جن کو ہم سمجھا کیے خاصان راہ — وہ ابھی صید زبون عام ہیں

تیرے رندوں پر یہ دنیا تنگ ہے — میکدے ویراں ہیں خالی جام ہیں

میرے دامن میں دعائیں ہیں فقط — اُن کے لب گنجینہ دشنام ہیں

تیری دنیا بے زمان و بے مکاں — ہم اسیر دامِ صبح و شام ہیں

ایک مرغِ ناتوان و کم نگاہ — اور گلشن میں ہزاروں دام ہیں

طنز وطعن وخشت وسنگ وقید وبند — تیری خدمت کے یہی انعام ہیں؟

ٹوٹنے کو ہے وُہ پھل جو پک گیا

اب ہمارے آخری ایّام ہیں

حضرت سلمانؓ

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔اے)

عرصہ ہوا کہ میں نے اپنی کتاب "صدیق اکبرؓ" میں آنجنابؓ کی اولاد کے تذکرہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق اپنی تحقیق شائع کی تھی کہ صدیقہ کی عمر اپنی بڑی بہن حضرت اسماء سے جو زوجہ حضرت زبیرؓ تھیں دس سال کم تھی۔ اور بوقت ہجرت حضرت اسماء کی عمر کم از کم ۲۶ سال تھی، اس لئے صدیقہؓ کی عمر ۱۶ سال تھی اور حسب روایات اگر تین سال اور جمع کر دیئے جائیں تو بوقت نکاح مدینہ میں عمر کم از کم ۱۹ سال تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی یا کاتب حدیث نے سہوًا اور اگر کاتب کوئی زندیق تھا، تو عمدًا صدیقہؓ کی عمر دس سال کم ظاہر کی۔

مخدومی مولوی احمد الدین رحمہ مفسر "بیان للناس" اور ڈاکٹر عصمت اللہ مرحوم مبلغ جماعت احمدیہ لاہور ایک صحبت میں احادیث پر گفتگو کر رہے تھے۔ باتوں باتوں میں ان روایات کی حقیقت مولوی صاحب رحمہ نے واضح کی، جو در بارہ عمر صدیقہؓ مشہور ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ تحقیق ہمارے دوست کی ہے، تفصیل ان سے پوچھ لیں۔ میں اس وقت تحصیل پاک پٹن میں تھا، ڈاکٹر صاحب نے مفصل خط لکھا اور میں نے بھی مفصل جواب دیا اور اپنی کتاب کا بھی حوالہ دیا دوسرا خط ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ الحمدللہ ان کی تشفی ہو گئی ہے اس کے بعد غالبًا ڈاکٹر صاحب نے اپنی جماعت کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا اور ان کی طرف سے اس پر تائیدی مضامین شائع ہوئے۔ (اس بات کو نظر انداز کریں کہ ان میں میرا ذکر نہ تھا کیونکہ غرض اظہار حق ہے اور وہ شخصیت سے بالاتر ہے) "معارف" نے مخالفت کی اور بحث زوروں پر رہی (معارف میں میری کتاب صدیق اکبرؓ پر مختصر تبصرہ اس سے پہلے شائع ہو چکا تھا) الحمدللہ کہ اب اہل ذکر و فکر کی توجہ ان روایات کی طرف ہو رہی ہے جو نہ صرف تفرقہ اور فرقہ بندی کا موجب ہیں بلکہ زیادہ تر اسلام کے لئے خطرہ عظیم ہیں کیونکہ ان میں یہ دین اللہ نہایت مکروہ صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

آج ہم آپ کو حضرت سلمانؓ کے حالات بتاتے ہیں دیکھئے اہل تحقیق کیا کہتے ہیں؟

اسماء الرجال میں ایک نام "سلمان" ایسا آتا ہے جو چھ حضرات کا تھا:

(۱) سلمان ابن خالد خزاعی، صحابی ہیں۔

(۲) سلمانؓ ابن صخر بذلی سلمہ کے نام سے مشہور ہیں۔ علامہ ابن اثیر جوزیؒ نے اسی مشہور نام کے تحت ان کا تذکرہ کیا ہے۔

(۳) سلمانؓ ابن ثمامہ بھی صحابی ہیں۔

(۴) سلمانؓ ابن عامر یہ بھی صحابی ہیں۔

(۵) سلمانؓ ابن ربیعہ باہلی اگرچہ صحابی نہیں، لیکن رسول اللہ کا زمانہ پایا ہے، اور کوفہ میں پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے۔

(۶) سلمانؓ فارسی یہی وہ بزرگ ہستی ہے، جس کا تذکرہ ہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری ذمہ داری اس میں کچھ بھی نہیں (دروغ برگردن راوی)۔

<u>حسب ونسب وغیرہ</u> اللہ تعالیٰ نے عالم انسانی کی تقسیم شعوب وقبائل میں اس لئے فرمائی ہے کہ تعارف ہو۔ ایک ہی نام کے بے شمار اشخاص ہوتے ہیں، چنانچہ سلمان نام عربی ہے، لیکن عرب میں اس نام کے بہت آدمی گذرے ہیں اور خود اصحاب رسول اللہ میں سے سلمان نامی کم از کم چار ہیں۔ امم سابقہ اپنے آباواجداد کا نام جانتے تھے اور شجرہ انساب محفوظ رکھتے تھے، لیکن عجمی اس فن سے ناآشنا تھے، اس لئے حضرت سلمان فارسی کا شجرہ نسب نہیں ملتا۔ جب ان سے دریافت کیا جاتا تو فرماتے کہ میرا نام "سلمان ابن اسلام" ہے۔ روایات میں ان کے اسلاف کا نام بھی لکھتے ہیں، لیکن یہ سب فرضی نام ہیں:

بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آنجناب کی اصل "رام ہرمز" ہے اور بعض روایات سے شہر "جیّ" واقعہ اصفہان تھے۔ آخر الذکر روایات پر اتفاق کثرت ہے۔ بہرحال آپ اصفہانی ہوں یا ہرمزی، آپ عجمی ضرور تھے۔ تذکروں میں پہلی دفعہ آپ کا نام غزوہ احزاب یا خندق میں آتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ جب مہاجرین وانصار مدینہ میں محصور ہو گئے، تو حسب مشورۂ سلمانؓ ایک خندق کھودی گئی جس کو محاصرین عبور کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ عرب اس بدعت حرب سے ناآشنا تھے۔ اس وقت سلمانؓ قوی الجثہ تھے، اور غالباً خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ تمام مسلمانوں کی توجہ

انہی کی طرف ہوگئی۔ انصار کہتے کہ سلمان ہم میں سے ہے' مہاجرین کہتے ہم میں سے ہے۔ آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت سے ہے' اسی معنے کی ایک روایت حضرت علیؓ سے منسوب ہے کہ سلمانؓ ہمارے اہل بیت سے ہے'

اہل بیتؑ اصطلاح ہے جو عجمی ذہنیت نے غالباً دوسری صدی ہجری کے آخری ایام میں وضع کی' جس کا مفہوم واضح ہے' لیکن عربی اور قرآنی محاورہ میں اس کا مفہوم گھر والی یا گھر والیاں ہے' ان معنوں میں تو امہات المومنین کے سوا کوئی شخصیت اہل بیت میں داخل نہیں اور حضرت سلمان تو خالص عجمی تھے' البتہ معنوی نسبت ہو سکتی ہے' اور یہ نسبت ہر ایک کلمہ گو کو ہے اور رسول اللہ اور تمام مومنین کو حضرت ابراہیمؑ سے یہی نسبت ہے لیکن کچھ ایسی بات نمایاں ہونی چاہئے' جس سے سلمانؓ کو خصوصیت سے یہ فضیلت حاصل ہوئی۔ قرآن اور احادیث سے معیار فضیلت تو اتنا معلوم ہوتا ہے کہ (۱) سابقین اولین (۲) مہاجرین (۳) انصار کو بوجہ سبقت الی الاسلام وہجرت ونصرت فضیلت حاصل ہے' اس معیار پر سلمانؓ کو تیسرے درجہ پر رکھا جا سکتا ہے' لیکن اس تیسرے درجہ میں بھی وہ ایسی ممتاز ہستی نظر نہیں آتی جیسے اوس وخزرج کے افراد ہیں'۔

یہ کوئی پوشیدہ راز نہیں کہ روایات میں اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے۔ اور اہل حدیث کوشش کرتے ہیں کہ ان متضاد ومختلف روایات میں تطبیق دیں' لیکن وہ تطبیق محض روایات سے دیتے ہیں' جو خود مختلف اور متضاد ہیں۔ کچھ عقل وفکر سے کام لینا وہ نہیں سیکھے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ سابقین اولین تمام قریش مہاجرین تھے۔ اور ان کے بعد انصار مدینہ اس لئے نیک دل اصحاب میں مشورہ ہوا کہ اس عجمی کو کس زمرہ میں شامل کیا جائے انصار نے کہا ہم میں سے ہے مہاجرین نے کہا کہ ہم میں سے۔ بلحاظ نصرت انصار کا دعویٰ صحیح اور اس لحاظ سے کہ سلمانؓ اصفہان سے براہ شام ہجرت کرکے آئے تھے مہاجرین بھی سچے تھے۔ خود رسول کریمؐ نے اس بحث کا خاتمہ کر دیا اور فرمایا سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے' اس روایت میں کچھ اختلاف اور تضاد نہیں۔ البتہ بظاہر ایک امر محال معلوم ہوتا ہے۔ ہماری توجیہ نے اس کو ممکن بنا دیا ہے'۔

اہل روایت کا عموماً اتفاق ہے کہ سلمان اصفہانی ہیں' لیکن روایات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اہل اصفہان آپ کی اولاد ہیں۔ آپ کی تین لڑکیاں ہیں دو لڑکیاں مصر میں اور ایک لڑکی

اصفہان میں بیاہی گئی اور اسی لڑکی کی اولاد اہل اصفہان ہیں۔ قیاس ہو سکتا ہے کہ اہل مصر کی دو لڑکیوں کی اولاد ہوں گے۔ لیکن روایات اس تحقیق انیق پر ساکت ہیں، بات اصل میں یہ ہے کہ ایک تو عجمی لڑکے سے نہیں بلکہ لڑکی سے سلسلہ اولاد شروع کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ شامی اور بالخصوص عربی دستور کے خلاف ہے لیکن اس میں کچھ قباحت نہیں، دوسرے روایات سے پایا جاتا ہے کہ سلمانؓ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا زمانہ پایا ہے اور اس وقت جب کہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لائے، ان کی عمر آٹھ سو سال کے قریب تھی، بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے فیض صحبت سے تو محروم رہے لیکن حواریوں کو ضرور ملے، اگر اصفہان اس سے پہلے آباد شہر نہ تھا تو ممکن ہے کہ سلمانؓ کی لڑکی نے بسایا ہو۔ آخر کسی شخص نے بسایا ہوگا، لیکن بعض روایات سے واضح ہوتا ہے کہ سلمانؓ کی عمر کل ساڑھے تین سو تھی اور ۳۱ھ تا ۳۵ھ آخر خلافت عثمانؓ وفات پائی، ابن اثیر (اسد الغابہ) لکھتے ہیں کہ عمر میں اختلاف ہے لیکن ڈھائی سو میں تو کچھ شک نہیں"۔

ان روایات میں بہت اختلاف ہے، تطبیق ذرا ٹیڑھی کھیر ہے، اور محدثین عاجز آ چکے ہیں۔ لیکن اگر نصاریٰ اور عام مسلمانوں کے عقاید کا جائزہ لیا جائے، تو تطبیق کچھ مشکل نہیں، بلکہ ایسے اسرار کا انکشاف ہوتا ہے جو ابھی تک سربستہ تھے۔ بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جن کی نسبت یہود کہتے کہ لعنتی کی موت مارا گیا، زندہ رہے اور زندہ ہیں، لیکن خفیہ کی طرح روپوش رہے، تمام عمر۔ عمر سے میری مراد وہ حصہ عمر ہے جو واقعہ صلیب سے پہلے گذرا۔ بشارت بعثت رسول کریم دیتے رہے، جو انجیل سے موسوم ہے، اور خود اس لئے زندہ رہے کہ شرف صحبت و نصرت آنحضرتؐ حاصل ہو۔ جب انصار اور مہاجرین ان کو اپنے زمرہ میں شامل کرنا چاہتے تھے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیوں جھگڑتے ہو؟ سلمان جو فی الحقیقت مسیحؑ تھے) ہم میں سے ہے اس میں یہ اشارہ تھا کہ نبی اور رسول ہے، لیکن آنحضرت کی موجودگی میں جو خاتم النبیین بھی ہیں اگر ان کی اصلیت کا عام اظہار ہوتا، تو فتنہ کا دروازہ کھل جاتا، لیکن حضرت علیؓ کو یہ راز معلوم تھا، حضرت مسیحؑ کے ساتھ یہود نے بہت برا سلوک کیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو اس لئے زندہ رکھا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اس توجیہ سے تمام اختلاف و تضاد روایات رفع ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمانؓ کے متعلق اکثر روایات کا منبع حضرت ابن عباسؓ ہیں۔ معلوم نہیں اس وقت

راوی کی اپنی عمر کیا تھی؟ جب ایک روز حضرت سلمان ان کے روبرو بیٹھے ہوئے اپنے حالات سُنا رہے تھے اور کہا "اے ابن عباس! جس طرح میں تمہارے روبرو بیٹھا ہوا اپنا ماضی و حال سنا رہا ہوں اسی طرح ایک روز آنحضرت کو سنا رہا تھا۔ آنحضرتؐ سن کر بہت خوش ہوئے اور اصحاب کو جمع کیا اور مجھے دوبارہ حال سنانے کے لئے ارشاد فرمایا"۔ غالبًا ابن عباسؓ اس وقت یا تو پیدا نہیں ہوئے تھے (مجھے اچھی طرح معلوم نہیں اہل روایت خود تحقیق فرما سکتے ہیں) یا عمر بہت چھوٹی تھی حضرت سلمان کا سلسلۂ کلام جاری رہا اور فرمایا "میں اصفہان کے ایک شہر "جی" میں پیدا ہوا میرا باپ دہقان تھا اس کی تعمیرات کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ میں باپ کو اتنا محبوب تھا کہ لڑکیوں کی طرح مجھے گھر میں بند رکھتا ۔۔ (حدیث "اہل بیت" پر مزید غور کرنا چاہیئے) ایک روز خود تو مکان کی تعمیر میں مشغول تھا۔ مجھے کھیت کی طرف بھیجا اور تاکید کی کہ جلدی لوٹ آنا! رستہ میں نصاریٰ کی ایک جماعت پر گذر ہوا جو عبادت میں مشغول تھی۔ مجھے بہت پسند آئی۔ ان سے دریافت کیا کہ تمہاری ملت کا آغاز کہاں سے ہوا ہے؟ معلوم ہوا ملک شام سے۔ شوق دامنگیر ہوا کہ وہاں چلو۔ شام ہو چکی تھی اور باپ سخت گھبرایا ہوا تھا لوگوں کو ادھر اُدھر تلاش کے لئے روانہ کیا لیکن سب بے نیل مرام واپس آئے میں نے تمام ماجرا سنایا اور کہا کہ ان لوگوں کی صحبت ایسی پرلطف تھی کہ کھیت پر جانا ہی بھول گیا اور یہ بھی کہا کہ ان کا طریقہ عبادت ہم سے بہتر ہے۔ باپ نے مجھے پھر گھر میں بند کر دیا لیکن میں نے نصاریٰ کو اپنے حالات سے خفیہ طور پر آگاہ کیا اور کہلا بھیجا کہ اگر کوئی شخص شام کی طرف جانے والا ہو تو اس کے ہمراہ جانے کو تیار ہوں مجھے وقت پر اطلاع دینا۔ (روایات ان ذرائع پر خاموش ہیں جو سلمانؓ اور نصاریٰ نے رسل و رسائل کے لئے استعمال کئے) مجھے مطلع کیا گیا اور میں نے بیڑیاں اتار دیں اور سیدھا شام میں آ کر دم لیا۔ (معلوم نہیں کس شہر میں؟) مجھے اسقف کے حضور پیش کیا گیا۔ (خیر گذری کہ کہیں جاسوسی میں دھرے نہیں گئے۔ ان ایام میں قیصر و کسریٰ کے درمیان جنگ ہو رہی تھی) اسقف مہربانی سے پیش آیا میں اس کی خدمت میں رہا۔ یہ شخص مقدس لباس میں دنیا دار تھا۔ سات مٹکے سونے چاندی سے جمع کر رکھے تھے۔ مرگیا تو میں نے لوگوں کو تمام حالات بتا دیئے لوگ سخت برافروختہ ہوئے اور اس کی لاش کو صلیب پر آویزاں کیا (صلیب کی اگرچہ بظاہر توہین ہے لیکن کچھ مضائقہ نہیں) پھر سنگسار کیا اور لاش دفن نہیں کی اس کی جگہ ایک اور اسقف مقرر ہوا جو زاہد و عابد شخص تھا۔ میں اس کی خدمت بھی

کرتا رہا۔ وہ مرنے لگا تو میں نے وصیت کی فرمائش کی' فرمایا موصل میں ایک شخص ہمارے طریقہ پر ہے' وہاں جاتا' اس کی وفات کے بعد میں موصل میں اس شخص سے ملا' یہ بھی مرنے لگا' تو مجھے عموریہ میں ایک اور شخص کا پتہ دیا' اس کی وفات کے بعد میں عموریہ میں نشان دادہ شخص کے ہاں رہا۔ یہ مرنے لگا' تو میں نے وصیت کے لئے کہا' فرمایا: اب کوئی شخص ہمارے طریقہ پر نہیں رہا۔ البتہ وہ نبی مبعوث ہونے والا ہے اور عرب میں کھجوروں کے شہر سے مبعوث ہوگا' جس کا بار بار ذکر توریت و صحف انبیاء و انجیل میں ہے۔ ہوسکے تو وہاں پہونچ جاؤ۔ اس کا نشان یہ ہے کہ صدقہ نہیں کھائیگا۔ ہدیہ قبول فرمائے گا۔ اور دو شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی' اتفاقاً قبیلہ کلب کا ایک عربی قافلہ ادھر سے گذر رہا تھا' میرے پاس کچھ مال مویشی تھے ان کی نذر کیے اور کہا کہ مجھے اپنے ساتھ لےچلو' ان کے ہمراہ وادی القریٰ تک آیا۔ یہاں ان لوگوں نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا' کھجوروں کے جھنڈ سے پتہ لگ گیا کہ وہی شہر ہے جو میری منزل مقصود ہے' کچھ مدت اسی طرح گذر گئی' ایک روز مالک کے باغ میں ایک کھجور پر تھا کہ مالک کا بھتیجا آیا اور کسی شخص کو آواز دے کر کہا کہ خدا بنو قیلہ کو ہلاک کرے! ایک شخص مکہ سے آیا ہے اور قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں اترا ہوا ہے' دعویٰ نبوت کرتا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ یہ سُن کر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بدن میں ارتعاش پیدا ہوگیا' گرتے گرتے بچا" داستان طویل ہے۔ لب لباب یہ کہ میں نے دو دفعہ امتحان کیا کھجوریں پیش کیں۔ ایک دفعہ کہا کہ صدقہ ہے آپ لوگ نیک اور محتاج ہیں۔ آنحضرت نے نہ کھائیں اور اصحاب کو اجازت دی' دوسری دفعہ کہا کہ ہدیہ ہے تو ہاتھ بڑھایا' ایک جنازہ کے ہمراہ بقیع کی طرف جارہے تھے۔ میں ساتھ ہوگیا اور مہر نبوت دیکھنے لگا' آنحضرت ؐ نے چادر کھول دی اور میں نے زیارت کی' بوسہ دیا اور رونے لگا' آنحضرت ؐ نے حال دریافت کیا تو میں نے یہی کچھ کہا جو اسے ابن عباس تمہیں سنا رہا ہوں۔ چونکہ میں غلامی میں تھا اس لئے بدر اور احد میں شامل نہ ہوسکا' کھجور کے تین سو پودے جو اصحاب نے جمع کر دیئے آنحضرت نے اپنے ہاتھ سے لگا کر اور سونے کا ایک انڈا جو کسی اصحابی کو ایک کان سے ملا تھا' میرے مالک کے حوالے کیا اور میں آزاد ہو کر آنحضرت کی خدمت میں رہا۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ اگر سلمان ؓ عنقا صفت انسان نہ تھے تو یہ خلافت عمر میں اُن غلاموں کے ساتھ آئے جو فتح اصفہان کے بعد اسیر ہو کے[1]۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

---

[1] کوئی معتبر حوالہ یا تاریخی سند؟ (ایڈیٹر)

ڈاکٹر اقبال کا فلسفۂ خودی

(عالیجناب ڈاکٹر شیخ محمد عنایت اللہ صاحب ایم۔اے، پی ایچ ڈی)

"البیان" کے مستقبل کے لئے یہ ایک فالِ نیک ہے کہ اس کو ہمارے ہفت زبان دوست ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ پی۔ایچ۔ڈی نے اپنی ایک نہایت گرانبہا تقریر کی اشاعت کے لئے انتخاب فرمایا یہ تقریر علامہ مرحوم کے دل میں فلسفہ خودی کے القا و آغاز سے متعلق ہے، آج تک علامہ اور ان کے کلام سے متعلق جتنے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ یہ مضمون ان سب میں بالکل نئی چیز ہے جس کی اشاعت کا شرف البیان کو حاصل ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ کیا میں یہ امید رکھنے کی جرأت کروں کہ محترم ڈاکٹر صاحب آیندہ بھی "البیان" کو اپنے افادات سے مزین فرماتے رہیں گے؟ مضمون کے ساتھ ملفوف گرامی نامے میں آپ نے خاکسار کی حقیر خدمات دینیہ کی تحسین فرمائی ہے، جو "نگاہ دوستی" پر محمول کی جا سکتی ہے، اس کے متعلق نظیری کا ایک شعر نذر ہے:

بہر نرخیکہ مے گیرند کالائے وفا خوب است
پس از عمر گزار افتاد بر ما کاروانے را (عرشی)

آپ حضرات سے مخفی نہ ہوگا کہ ڈاکٹر اقبال نے اپنے کلام میں جا بجا خودی یعنی انسانی شخصیت کی مضبوطی اور استواری پر خاص طور پر زور دیا ہے۔ اور اپنی ایک تصنیف یعنی مثنوی "اسرارِ خودی" کو اسی بات کی تفصیل و تشریح کیلئے وقف کر دیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ خودی کی تعلیم کو اقبال کے فلسفہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہی تعلیم اُن کے پیغامِ عمل کا سنگ بنیاد ہے اور فی زمانہ جب کہ مشرق مغرب کے مقابلہ میں کئی ایک میدانوں میں ہزیمت اٹھا چکا ہے، اقبال نے خودی پر زور دے کر مشرق اور اہل مشرق کی وہ بیش بہا خدمت سرانجام دی ہے، جس سے نہ صرف موجودہ نسل بلکہ آئندہ نسلیں بھی ابدالآباد تک ان کی احسان مند رہیں گی۔ فلسفۂ خودی کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے کیمبرج کے مشہور پروفیسر

نکلسن نے "اسرارِ خودی" کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے اور دیگر اہلِ قلم نے بھی مرحوم کے کلام پر نظرِ غائر ڈال کر اور اس کا تجزیہ کر کے تعلیم خودی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے کسی صاحبِ قلم نے اِس امر پر روشنی نہیں ڈالی کہ خود ڈاکٹر اقبال پر اسرارِ خودی کس طرح منکشف ہوئے اور اُن کے دل میں ابنائے زمانہ کو خود شناسی اور خود اعتمادی کی تعلیم دینے کا خیال کسطرح پیدا ہوا؟ مرحوم نے ایک دفعہ اس بات کو خود اپنی زبانِ فیض ترجمان سے واضح کیا تھا۔ جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

اِس توضیح کا موقعہ یوں پیدا ہوا کہ آج سے آٹھ نو برس پہلے اِقبال مرحوم دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں حصہ لینے کیلئے انگلستان تشریف لے گئے تھے۔ اُس موقعہ پر ہندوستانی طلبار نے جو اس وقت لنڈن میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر موصوف کے اعزاز میں ایک ضیافت دی تھی اور ڈاکٹر صاحب کے احباب اور مداحوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ اِس تقریب سے مختلف قسم کے مشاہیر اور عمائد کی ایک اچھی خاصی جماعت جمع ہو گئی تھی۔ پروفیسر نکلسن نے (جو کیمرج سے اِسی غرض کیلئے خاص طور پر تشریف لائے تھے) اور دیگر فضلاء نے تقریریں کیں اور اپنے اپنے انداز میں ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ یہ خاکسار بھی اس موقعہ پر موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اُن کے جواب میں جو تقریر فرمائی اس کے دوران میں انہوں نے کئی ایک امور کا تذکرہ کیا، جن میں سے اس موقعہ پر حاضرین کے سامنے دو باتیں دُہرانا چاہتا ہوں۔ اوّل یہ کہ انہوں نے اپنی بعض تصانیف میں فارسی زبان کیوں استعمال کی اور دوسرے یہ کہ اُن کے دل میں فلسفۂ خودی کی تعلیم دینے کا خیال کیسے پیدا ہوا؟

فارسی زبان کے استعمال کے متعلق آپ نے فرمایا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں اپنی آواز کو ہندوستان سے باہر خصوصاً اہلِ ایران تک پہنچانا چاہتا تھا، مگر یہ خیال درست نہیں۔ اگرچہ میرا پیغام یعنی پیغامِ عمل تمام دُنیا کیلئے ہے اور اہلِ ایران میرے دائرۂ خطاب سے خارج نہیں، مگر میرے کلام کے اوّل مخاطب ہندوستان ہی کے خواص تھے۔ کیونکہ میں اپنا پیغام اوّل مرحلہ میں صرف خواص تک محدود رکھنا چاہتا تھا اور اس سے میری غرض یہ تھی کہ پہلے خواص کا سمجھدار طبقہ میرے پیغام کو سُنے اور اپنی ذہنی صلاحیت کی بناء پر اُسے صحیح طور

پر سمجھے اور اس کو اچھی طرح اخذ کرنے کے بعد عوام تک پہنچائے کیوں کہ دُنیا کی تاریخ میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ دقیق خیالات اور باریک نکات جب عوام پر بغیر کسی واسطہ کے ظاہر کئے گئے تو کسی نے اُن کو سمجھا کسی نے نہ سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کہنے والے کی بات کا مفہوم و مطلب کچھ کا کچھ ہو گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مجھے اس بات سے مسرت ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ میں اپنے ہمعصروں کی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوا اور میرے مخاطبین نے میرے کلام کی روح تک پہنچنے میں ایسی ٹھوکر نہیں کھائی جس سے گوہرِ مقصود گم ہو جائے۔

ڈاکٹر اقبال کے دل و دماغ میں فلسفۂ خودی کی نشو و نمو کیسے ہوئی؟ اِس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ جب میں بڑا ہوا اور میں نے دُنیا کے مختلف مذہبوں، فلسفہ کے مختلف سکولوں اور تاریخ کے مختلف دَوروں کا مطالعہ کیا، تو میں نے دیکھا کہ مشرق میں افراد اور اقوام کا میلان بالعموم سکون اور جمود یعنی بے حرکتی اور بے حسی کی طرف ہے۔ بلکہ بعض فرقوں نے کھلے طور پر فنار ذات یعنی اپنی ہستی کو مٹانے کی تعلیم دی ہے۔ میں نے فوراً بھانپ لیا کہ مشرقی اقوام کا موجودہ زوال اور انحطاط بہت حد تک اسی قسم کی تعلیم کا بدیہی نتیجہ ہے مثلاً نروان جس کا شمار بدھ مت کے عقائدِ خصوصی میں ہوتا ہے۔ اس کا ماحصل بھی یہی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انسان کی نجات اسی امر میں ہے کہ فردِ بشر اپنی خودی سے دست بردار ہو جائے۔ اور اپنی انفرادی حیثیت کو کھو دے۔ اسی طرح ہندوستان کے بعض قدیم فلسفیانہ مذاہب کی یہ تعلیم ہے کہ اس عالمِ رنگ و بو کی دراصل کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ سب کچھ، جو ہم دیکھ رہے ہیں اور محسوس کر رہے ہیں، یہ سب مایا یعنی دھوکہ اور سراب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے اعتقاد میں دُنیا کی یہی حقیقت ہے، تو ایسی صورت میں انسان کی تمام سعی و کوشش بے سود ثابت ہوگی۔ اس کی تمام جد و جہد رائیگاں جائے گی اور اس کی زندگی میں عملِ پیہم کے لئے کوئی محرک نہ رہے گا۔

اِسی طرح مسلمانوں کے ہاں اکثر صوفیوں نے ترکِ دُنیا اور گوشہ گیری پر بہت زور دیا ہے اور مشاغلِ دُنیا سے کنارہ کشی ہی کو نیکی تصوّر کر رکھا ہے۔ وہ لوگ بھی جو اپنے کو دائرہ شریعت کے اندر سمجھتے ہیں، توکّل کا غلط مفہوم سمجھے بیٹھے ہیں، انہوں نے

توکل کو بے کاری، جمود اور بے حرکتی کا مترادف قرار دے رکھا ہے اور اس دنیا میں جو دراصل عالمِ اسباب ہے، ذرائع و وسائل کے استعمال کو توکل کے منافی سمجھ لیا ہے۔

ہماری مشرقی شاعری بھی اسی قسم کے خیالات اور رجحانات کی آئینہ دار ہے اور قنوطیت و یاس اور حرماں نصیبی اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکے ہیں ظاہر ہے کہ زندگی اور مسائل زندگی کے متعلق جن لوگوں کا یہ انداز ہے وہ زندہ و توانا رہنے کی کہاں تک صلاحیت رکھتے ہیں؟

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب میں اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ گیا اور وہاں کے حالات کا بذات خود مطالعہ کیا، تو میں نے دیکھا کہ مغرب میں بھی انسان بہت حد تک محوِ حیرت ہے اور سوچ بچار کرنے والے لوگ اپنے تشکک کے سبب سے اندرونی طور پر افسردہ خاطر ہیں۔ اگرچہ فلسفیوں کی بیتابانہ کوششیں جاری ہیں، مگر عروسِ حقیقت کا چہرہ ابھی تک زیرِ نقاب ہے اور انسان کا دل سچائی اور حقیقت کے بالمشافہ نظارۂ جمال سے ہنوز مطمئن اور شاد کام نہیں ہو سکا اس کے بعد سائنس کو لیجئے۔ اگر ایک طرف انسان نے نیچر کی بعض قوتوں کو ایک حد تک تسخیر کر لیا ہے تو دوسری طرف سائنس اور علم کے بعض ایسے پہلو بھی ہیں، جن سے انسان کے دل میں کمتری، بیچارگی، اور بے مائگی کا احساس روز بروز بڑھ رہا ہے۔ مثلاً علم ہیئت جوں جوں ترقی کر رہا ہے۔ انسان کا یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ وہ کائنات کے بالمقابل ایک ذرۂ بے مقدار ہے اور اسی نسبت سے اس کی سعی و کوشش بھی بے حقیقت اور بے معنی ہے۔ اس کے بعد جماعتِ انسانی کے معاشری پہلو کو لیجئے تو آپ دیکھیں گے کہ جب سے دیارِ مغرب میں اقتصادی انقلاب آیا ہے فردِ بشر کی انفرادی حیثیت پست ہو رہی ہے اور وہ محسوس کر رہا ہے۔ کہ گویا وہ ایک پرِکاہ ہے، جس کو سوسائٹی کا بے پناہ سیلاب بہائے چلا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان حالات پر غور کرنے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس دور میں انسان کو ایک ایسے جام کی ضرورت ہے، جو اس کی افسردگی اور اس کے احساس بے چارگی و بے مائگی کو دور کر کے اس کے جسم میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا دے جس سے اس کے قدم یقین اور خوداعتمادی کی چٹان پر مضبوطی سے قائم ہو جائیں، اور وہ اس راز سے آگاہ ہو جائے کہ اس کو وہ کچھ عطا ہوا ہے، جو سورج اور چاند کو بھی نہیں ملا، یعنی شعور اور شخصیت۔ اگرچہ وہ کائنات کے مقابلہ میں محض ایک ذرہ ہے، مگر اس ذرہ کے اندر ایک علیحدہ دنیا موجود ہے اور انسان کا ذی روح اور ذی شعور ہونے کی حیثیت سے فرض ہے کہ وہ اپنے فکر و عمل سے اس دنیا کو آباد کرے۔

Personality Consciousness

آیاتُ اللہ

وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ (القرآن الحکیم مومن ۸۱)

قرآن مجید دین فطرت کا معلم ہے۔ ہماری دینی (اعتقادی اور اخلاقی) ضروریات کے ساتھ ساتھ ہماری علمی ضروریات پر بھی نگاہ رکھتا ہے، ہمیں کائنات کی سیر کراتا، آیات الٰہی کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتا اور ہمیں عالم اور عاقل بناتا ہے۔ یہ آیات وعجائبات کارخانہ قدرت کے خالق علیم وخبیر کے وجود حق کا زندہ ثبوت ہیں۔

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ شَاھِدٌ
یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

[اور ہر شے میں اس (وجودِ حق تعالیٰ) کے لئے شاہد (موجود) ہے۔ وہ (شاہد) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ایک ہے]

کوئی کتاب بغیر مصنف کے وجود میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح صحیفۂ فطرت (Book of Nature) کا مصنف بھی یقیناً موجود ہے۔ جو وجود اس قدر عجائبات کا باعث ہو۔ جو اتنی زبردست طاقت کا مالک ہو اور جس کے ساتھ تمام امور وابستہ ہوں اس میں شک کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی۔

صحیفہ فطرت نمایاں معجزہ ہے۔ صناع حکیم نے اس کل کو بڑی کاریگری سے تیار کیا ہے۔ اس کی بناوٹ میں کوئی خلافِ حکمت بات یا نقص اور کمی نہیں۔ لاکھوں کروڑوں بلکہ بے شمار

۱؎ اٰیَۃٌ کا وزن فَعَلَۃٌ یا فَعْلَۃٌ ہے۔ اس کا مصدر تَأَیِّیٌ ہے اس کا مفہوم کسی چیز کو پختہ اور قائم کرنا ہے (التَّاَیِّیُ = التَّثَبُّتُ والاِقامۃُ۔

اٰیَۃٌ کی جمع آیات، آیٌ اور آیاء ہے۔ اول الذکر جمع قرآن مجید میں استعمال ہوئی ہے۔ آخرالذکر جمع نادر الوجود ہے۔

اٰیَۃٌ کے معنے ہیں علامت، نشان یا دلیل، عبرت اور عجیب چیز۔

انسانوں نے اس میں غور و فکر کیا اور تجربہ و تحقیق کے میدان میں گھوڑے دوڑائے، لیکن نہ صرف اس کے عجائبات کا احاطہ نہ کر سکے بلکہ اس کارخانۂ قدرت کی ایک معمولی سی معمولی چیز کی ماہیت بھی معلوم نہ ہو سکی۔ آج کل بھی محققین اس بحر بے کنار میں غوطے لگا رہے ہیں اور مستقبل میں بھی علم دوست لوگ ان مساعی کو جاری رکھیں گے، لیکن یہ ایک نفس الامری حقیقت ہے کہ مخلوق کو خالق لطیف و خبیر کی کسی ایک صنعت کا بھی پورا پورا علم حاصل نہ ہو سکے گا۔ انسان کا علم ہمیشہ ناقص رہا ہے، روز بروز ترقی کے باوجود ہمیشہ ناقص رہے گا اور کبھی درجۂ کمال کو نہیں پہنچے گا[۱]۔ بایں ہمہ اللہ کے سچے عاشق معرفت الٰہی کے دلدادہ (الراسخون فی العلم) اپنی کوششوں میں برابر مصروف ہیں۔ قرآن معجز بیان صحیفۂ فطرت کا بہترین ترجمان ہے۔ صحیفۂ فطرت کی طرح اس کتاب حکیم کے اندر بھی عجائبات کا بحر زخار موجود ہے[۲]۔ ہر زمانے میں بے شمار طالبان علم نے قرآن مجید میں غور و تدبر کیا، اسے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سمجھا اور دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی، لیکن اس کتاب عظیم کے حقائق و معارف پر بتمام و کمال احاطہ نہ کر سکے اور نہ مستقبل ہی میں اس کا امکان ہے۔ اس لئے کہ اس صحیفہ عالیہ میں غور و فکر کی انتہا ممکن ہی نہیں۔ قرآن مجید کو بار بار پڑھو، ہر بار یکساں تازگی اور یکساں لطف حاصل ہوگا، نہیں بلکہ جتنی بار اس کا تدبر و تفقہ سے مطالعہ کرو گے پہلے سے زیادہ لطف آئے گا اور اس باغ کی سیر سے کبھی جی نہیں بھرے گا۔ الفرقان کا فرمان کیسا عالیشان ہے۔ قُلْ لَّوْكَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ الکهف — ۱۰۹

پند و نصیحت کے لئے تو قرآن مجید بالضرور آسان ہے (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ؟) لیکن اس کی علمی خوبیوں اور بلند پروازیوں تک پہنچنے کے لئے بڑے بڑے علوم و فنون میں کمال کی ضرورت ہے اور کمال تو کسی بشر کے لئے ممکن ہی نہیں۔ کامل تو صرف ایک

---

[۱] قدرت کے لامتناہی علوم و عجائب پر ذیل کی آیات دال ہیں: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ان الله هو الغنی الحمید۔ ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام والبحر يمده من بعده سبعة ابحر ما نفدت كلمات الله - ان الله عزيز حكيم - سورة لقمان ۲۶-۲۷-

[۲] اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں صحیفۂ فطرت اور قرآن عظیم ہر دو کو کتاب مبین کا لقب بخشا ہے۔ دیکھو قرآن مجید (انعام- ۵۹ - هود- ۶ - اور یٰس- ۶- مائدہ ۱۵-)

خدا ہے اور نہیں۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً۔

قرآن حکیم میں تحقیق وتدقیق اور تفکر وتدبر کی حد قائم کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔ اس کے علوم لامتناہی ہیں۔ یہ تو صرف علیم کل خدا ہی کا حصہ ہے۔ فاعلموا انما انزل بعلم اللہ ھود۔ ۱۴

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں جابجا آیات الٰہی کا ذکر موجود ہے۔ ذیل میں قرآن مجید سے ایسے رکوع کا انتخاب کیا گیا ہے، جس میں متعدد آیات اللہ کا یکجا ذکر ہے۔ ساتھ ساتھ قرآن حکیم سے بعض اور حوالے اور تشریحیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

۲۰۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اَنْ خلقکُمْ من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون [ترجمہ۔ اور اس (اللہ تعالےٰ) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) یہ (ہے) کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تو تم بن گئے بشر پھیلتے ہوئے]۔

بحکم قرآن عزیز انسان کی ابتداء مٹی سے ہوئی ہے (وبدا خلق الانسان من طین۔ سجدہ ۷) خالق اکبر کا یہ ایک چھوٹا سا معجزہ ہے جس کی کنہ کو آج تک عقل انسانی نہیں پہنچ سکی۔ خلاق علیم نے ابتداءً انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا (ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین مؤمنون ۱۲) اس کے بعد انسانی نسل کو نطفے کے ذریعے چلایا (ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین۔ سجدہ ۸)۔

۲۱۔ ومن اٰیاتہ اَنْ خلق لکم من انفسکم ازواجاً۔ لتسکنوا الیھا۔ وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ۔ ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یتفکرون۔

[ترجمہ۔ اور اس (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) یہ (ہے) کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کئے، تاکہ تم ان کی طرف تسکین حاصل کرو اور اس (اللہ تعالےٰ) نے تمہارے درمیان (دلی) محبت اور (عملی) رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں تفکر کرنے والی قوم کے لئے بالضرور دلائل (موجود) ہیں]۔

---

[1] سورۃ الروم (آیات ۲۰ تا ۲۷)۔

جوڑوں کا ہم جنس پیدا کیا جانا (وخلق منھا زوجھا نساء ۱) اسی غرض سے ہے کہ ان کی نسل بغیر کسی رکاوٹ کے چلتی رہے۔ جہاں نر و مادہ ایک نسل کے نہیں ہوتے، وہاں نسل بند ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالٰے کی یہ کتنی عظیم الشان آیت ہے، مگر جو اندھے اور مقلد ہیں اور جو غور و فکر کی دولت سے محروم ہیں، ان کے لئے بہ حقیقت صفر کا حکم رکھتی ہے۔

پھر دیکھئے! ازواج (نر و مادہ) کے اندر خالق نے کتنی کشش رکھ دی ہے۔ ایک دوسرے کی طرف کھچا چلا جاتا ہے۔ زن و شوہر آپس میں ایک دوسرے کا لباس اور پردہ ہیں اور ایک دوسرے سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں بھی اللہ تعالٰے نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں (وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا۔ اعراف ۱۸۹)۔

پھر اللہ تعالٰے کی رحمت دیکھئے کہ ہر ہر جوڑے کے تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے ان کے دلوں میں محبت بھر دی ہے چنانچہ اسی محبت کی وجہ سے نیک میاں بیوی آپس میں رحمت و ایثار سے زندگی گزارتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالٰے کی اس نعمت کو ٹھکراتے ہیں اور مودۃ و رحمت سے وقت نہیں گذارتے اُن کا گھر جہنم سے کم نہیں ہوتا۔ برعکس اس کے نیک میاں بیوی دنیا ہی میں بہشت بنا لیتے ہیں۔

۲۲۔ ومن اٰیاتہ خلقُ السمٰوٰت والارضِ واختلافُ السنتکم والوانکم۔ اِنّ فی ذٰلک لاٰیاتٍ للعالمین۔

[ترجمہ۔ اور اس (اللہ تعالٰی) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور (اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لئے بالضرور دلائل (موجود) ہیں]۔

آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ملتا ہے۔ یہ کوئی کم نشانی نہیں (لخلق السمٰوٰت والارض اکبر من خلق الناس ولٰکن اکثر الناس لایعلمون مومن۔ ۵۷) آسمان اور زمین ہمارے سامنے کتاب کے اوراق کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ علم دوست حضرات کے لئے آسمان اور زمین (صحیفۂ فطرت) خزینۂ علوم ہیں جنہیں علم سے نفرت اور کورانہ تقلید سے رغبت ہے اُن کے لئے موتی اور کنکر برابر ہیں وہ قدرتی عجائب کی قدر کیا جانیں۔

مختلف بولیاں اللہ تعالٰے ہی کے پیدا کردہ عجائبات میں سے ہیں نہ کہ شنواہل جہنم کی زبان ہے

اور نہ یورپ کی بولیاں کفر ہیں جس زبان میں نیک بات کہو گے ۔ وہ نیک ہے خواہ وہ زبان عربی ہو یا عجمی اسی طرح جس زبان میں بری بات کہو گے، وہ بات بری ہی ہے خواہ وہ زبان کوئی سی ہو۔

اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد میں ان بزرگوں کے لئے سرمۂ بصیرت ہے، جو سادہ لوگوں کو بیوقوف بناتے اور انہیں تحصیلِ علوم والسنہ سے روکتے رہے اور روکتے ہیں۔ اسی طرح رنگوں کا اختلاف جغرافی حقائق کی طرف ہماری توجہ مبذول کرتا ہے۔ کفر و ایمان رنگ کی سیاہی و سپیدی سے نہیں بلکہ اعتقاد و عمل سے پیدا ہوتا ہے۔

۲۳۔ ومن اٰیاتہ منامکم باللیل والنہار وابتغاء کم من فضلہ ۔ اِنّ فی ذٰلک لاٰیات لقوم یسمعون۔

[ترجمہ۔ اور اس (اللہ تعالےٰ) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) تمہاری رات اور دن کی نیند ہے اور (دن اور رات میں) تمہاری تلاش اس کے فضل کے لئے (بھی اسی کی نشانیوں میں سے ہے) ۔ یقیناً اس میں گوش (ہوش) رکھنے والی قوم کے لئے بالضرور دلائل (موجود) ہیں] ۔

اللہ تعالےٰ نے رات کو آرام کے لئے بنایا ہے اور دن کام کاج کے لئے (اللہ الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیہ و النہار مبصراً ۔ مومن۔۶۱ ۔ و جعلنا نومکم سباتًا۔ وجعلنا اللیل لباسًا وجعلنا النہار معاشًا۔ نبأ ۹ ۔۱۱) ۔ عام طور پر لوگ دن کو کام کرتے ہیں اور رات کو تکان اتارتے ہیں۔ لیکن بعض حالات میں رات کو کام کرنا پڑتا ہے۔ اور اس لئے دن کو آرام کرنا ضروری ہو جاتا ہے ۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی کیسی زبردست نشانی ہے کہ کام کے بغیر انسان کا گذارہ ہی نہیں ہو سکتا (لقد خلقنا الانسان فی کبد ۴-۹۰) اگر کام کاج کے بغیر وقت گذر سکتا یا پیٹ نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی جان نہ ہوتی ۔ اور سب لوگ لیٹے رہتے یا یوں کہوں کہ یہ دنیا زندہ مُردوں کا مجموعی ہوتی۔

کوئی ہے جو بات کو سنے اور سمجھے ؟

۲۴۔ ومن اٰیاتہ یریکم البرقَ خوفًا و طمعًا۔ و یُنَزِّل من السماء ماءً فیُحْیِی بہ الارضَ بعد موتہا۔ ان فی ذٰلک لاٰیات لقوم یعقلون۔

[اور اس (اللہ تعالیٰ) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی یہ) ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے

ڈرانے کے لئے اور طمع (پیدا) کرنے کے لئے ۔ اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پس اس کے ذریعے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے - یقیناً اس میں عقل کرنے والی قوم کے لئے بالضرور دلائل (موجود) ہیں]

جب بجلی چمکتی ہے تو انسان خائف بھی ہوتا ہے اور خواہشمند بھی۔ خائف تو اس لئے کہ کہیں وہ بجلی اس کے مال و جان کو نقصان نہ پہنچائے اور خواہشمند اس لئے کہ وہ چمک اپنے ساتھ بارش کا مژدہ لاتی ہے اور انسان چاہتا ہے کہ بارش ہو اور کھیت ہرے بھرے ہو جائیں اسی مضمون کا بیان سورۃ الرعد میں بھی ہے:۔ ھوالذی یریکم البرق خوفا وطمعا وینشئ السحاب الثقال۔ آیت ۱۲۔

بارش اللہ تعالیٰ کی آیت ہے اور انسانوں کے لئے بہت بڑی رحمت ہے [ھوالذی یریکم آیاتہ وینزل من السماء رزقا (مومن ۱۳) + وینزل الغیث (لقمان ۳۴) - و انزل من السماء ماءً فاخرج بہ من الثمرات رزقا لکم (ابراھیم ۳۲)] جب کچھ عرصے کے لئے بارش رک جاتی ہے تو زمین مردہ ہو جاتی ہے. اگر اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے اس میں دوبارہ جان نہ ڈالے' تو تمام مخلوق تباہ ہو جائے۔ عقلمندوں کے لئے اس میں یقیناً عظیم الشان سبق ہے' لیکن جن لوگوں کو عقل سے بیر ہے' جن کے ہاں عقل کو کوئی دخل ہی نہیں اُن کو ان آیات سے کیا حاصل؟ -

آیات ۲۱ تا ۲۴ میں اللہ تعالیٰ نے تفکر' علم' سمع اور عقل کو آیات اللہ کے سمجھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے -جو قوم ان نعمتوں سے مالامال ہے' اس کے لئے سعادت ہے اور جو قوم ان نعمتوں سے محروم ہے' ان کے لیے ابدی غلامی اور بدبختی ہے۔ فافہم!

۲۵- ومن آیاتہ ان تقوم السماء والارض بامرہ۔ ثم اذا دعاکم دعوۃ من الارض اذا انتم تخرجون۔

[ترجمہ۔ اور اس (اللہ تعالےٰ) کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) یہ (ہے) کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں زمین سے ایک پکار پکارتا ہے۔ تو تم اسی وقت نکل پڑتے ہو۔

قدرت کا کارخانہ اللہ ہی کے حکم سے چل رہا ہے۔ اس کے سوا کوئی اس لامتناہی

کائنات کو سنبھال نہیں سکتا (ان اللہ یمسک السمٰوٰت والارض ان تزولا۔ ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ۔ فاطر ۴۱)۔

یہ سب کی سب اللہ تعالےٰ کی آیات ہیں اور ساری کی ساری کائنات کا مالک اکیلا خدا ہی ہے۔ انسان تو فانی ہے اور چند روزہ کا مہمان ہے۔ جب اس کو خدا کے ہاں سے بلاوا آتا ہے تو فوراً چل دیتا ہے۔

۲۶- ولہ من فی السمٰوٰت والارض - کلٌّ لہ قانتون۔

[ترجمہ- اور اسی (اللہ تعالےٰ) کے لئے ہے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اسی کے فرمانبردار ہیں]۔

مَنْ ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب ذوی العقول خدا تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو غیر ذوی العقول تو بطریق اولیٰ اسی حق تعالےٰ کے مملوک ہوئے۔ سب مخلوق کافر ہوں یا مومن۔ بے جان ہوں یا جاندار اسی کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی بادل ناخواستہ حکم مانتا ہے تو کوئی رضا و رغبت سے یا کوئی مجبوری سے اور کوئی اختیار سے (ولہ اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون۔ آل عمران ۸۳)

۲۷- وھو الذی یبدء الخلق ثم یعیدہ وھو اھون علیہ' ولہ المثل الاعلیٰ فی السمٰوٰت والارض' وھو العزیز الحکیم۔

[ترجمہ- اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جو مخلوق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کا اعادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے بہت ہی آسان امر ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لئے اعلیٰ اوصاف ہیں اور وہ بہت زبردست' بہت حکمت والا ہے]۔

اللہ تعالےٰ ہر وقت نئی سے نئی جنس کی مخلوق پیدا کرتا رہتا ہے (کل یوم ھو فی شان الرحمٰن ۲۹ و یخلق مالا تعلمون النحل ۸) جب ایک قسم کی مخلوق کی ابتداء ہو جاتی ہے تو آگے اس جنس کی مخلوق پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہے۔ یہ کام اللہ تعالےٰ کے لئے مشکل نہیں کیونکہ زمین و آسمان میں سب اسی کی حمد و تسبیح کر رہے ہیں۔ سب اچھے نام اس کے لئے ہیں کیونکہ وہ سب تواناؤں سے توانا اور سب داناؤں سے دانا ہے۔

اصغر (بی۔ اے)

تورات

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

اسفار موسیٰ پانچ کتابیں ہیں، (۱) تکوین یا پیدائش، (۲) خروج، (۳) للاویین یا احبار (۴) عدد یا گنتی، (۵) تثنیہ یا مثانی یا استثناء، لیکن جسے توریت کہتے ہیں اس کا زیادہ ترحصہ پانچویں کتاب مثانی میں شامل ہے، جس کی داخلی شہادت سے پایا جاتا ہے کہ خود حضرت موسیٰ کی تحریر ہے۔

اسفار موسیٰؑ میں دو قسم کے مضامین ہیں، واقعات جو حضرت موسیٰؑ سے بیشتر گذر چکے تھے اور وہ حالات جو حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے وفات تک بنی اسرائیل پر گذرے اور احکام شریعت جسے "توریت" کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل ذریت ابراہیمؑ سے ہیں حضرت ابراہیمؑ کی تین ازواج تھیں سارہ اور ہاجرہ اور قطورہ، ہاجرہ کے بطن سے اسمٰعیلؑ جو پلوٹھا ہے اور سارہ کے بطن سے اسحٰق اور انکا بیٹا یعقوب ہے جس کا دوسرا نام "اسرائیل" ہے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی، بنی قطورہ عرب کے شمالی حصہ میں آباد ہوئے، بنی اسرائیل کا آغاز در اصل حضرت ابراہیمؑ سے ہوتا ہے، کتاب پیدائش میں تخلیق آدم اور طوفان نوح اور حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے بیٹے اسحٰق اور ان کے بیٹے یعقوب اور بارہ بیٹوں کا تذکرہ ہے جن میں سے حضرت یوسفؑ کے حالات پر پیدائش کے واقعات ختم ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا وطن وہ مقام ہے جس کو اب "عفیر" کہتے ہیں، اور ان ایام میں "اور" سے موسوم تھا جو دریائے فرات پر واقع تھا۔ اسی مقام سے آنحضرتؑ ہجرت کر کے کنعان میں آئے اور پھر مصر میں گئے۔ بعض روایات کے رو سے آنحضرتؑ مصر میں بیس سال تک رہے ان واقعات سے جو کتاب پیدائش میں مفصل مذکور ہیں واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت بابلی اور مصری تمدن سے خوب واقف تھے اور ان ایام میں بھی دونوں ممالک تہذیب و تمدن کا سرچشمہ تھے،

دونوں ممالک کا تمدن بہت قدیم ہے اور محققین کی تو یہ رائے ہے کہ عراقی تمدن مصر سے قدیم تر ہے بلکہ مصری تمدن کا سرچشمہ بھی عراق ہی ہے کتاب پیدائش کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف ؑ جب عزیز مصر ہو گئے تو اپنے بھائیوں اور ان کی اولاد کو مصر میں جس سے مراد وہ علاقہ ہے جو "ڈلٹا" سے سیراب ہوتا ہے آباد کیا اور بنی اسرائیل اس جگہ چار سو برس تک رہے' خود حضرت موسیٰ ؑ کی پرورش شاہی محل میں ہوئی' اور بقول مؤلف اعمال الرسل حضرت موسیٰ ؑ "مصری علوم حکمت میں کامل دستگاہ رکھتے تھے"، بنی اسرائیل کا تعلق عصاریہ سے بھی رہا اور جب وہ بابل میں اسیر ہو کر گئے تو انہوں نے بہت کچھ اس جگہ کے تمدن سے بھی فائدہ اٹھایا۔ اور توریت کی دوبارہ تدوین بھی اسیری بابل کے بعد ہوئی۔ توریت کی داخلی شہادت سے اس کی بھی تائید ہوتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ توریت کا اکثر حصہ واقعات اور حالات پر مشتمل ہے جو بنی اسرائیل اور ان کے آباؤ اجداد کے متعلق ہیں اور شریعت جسے توریت کہتے ہیں اس کے ماخذ محققین یورپ کے نزدیک مصر اور الجزیرہ ہیں' الجزیرہ وہ ملک ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے اس لئے مناسب ہے، ہم پہلے ان ممالک کے حالات بہ تعلق توریت اس تنقید کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھیں جو محققین یورپ آثار قدیمہ کی شہادت پر کرتے ہیں'

الجزیرہ (مسوپوٹیمیا) کا شمالی حصہ عصاریہ یا اشور[۱] اور جنوبی حصہ "خالدیہ" کہلاتا تھا خالدیہ کے بھی دو حصے تھے بالائی حصہ عکاد یا "اکد" اور زیرین حصہ سُمیر یا شنعار جیسا کہ پیدائش ۱۱/۲ میں مذکور ہے کہلاتا تھا" اکد" کے معنی ہیں پہاڑی علاقہ' یا سطح مرتفع' لیکن زیرین حصہ الجزیرہ تو میدانی اور دلدلی زمین ہے' یہاں کوئی پہاڑ نہیں' اس لئے یہ نام ان لوگوں نے اس کا رکھا جو پہاڑی علاقہ سے اس جگہ آ کر آباد ہوئے' پہاڑی علاقہ الجزیرہ کے شمال و مشرق میں ہے' غالباً اسی جگہ سے وہ دجلہ اور فرات کی زرخیز وادیوں میں اترے اور قابض ہو گئے بعد ازاں دوسری قوموں نے جو یکے بعد دیگرے آتی رہیں ان کو دھکیل کر آگے کر دیا اور وہ الجزیرہ کے انتہائی جنوبی حصہ میں آ کر ٹھہر گئے' چوں کہ یہ لوگ پہاڑی تھے اس لئے "اکدی" ہی کہلائے' محققین یورپ کی یہ رائے ہے کہ یہ لوگ تورانی نسل سے تھے اور ان کی زبان اور تمدن اور مذہب امم سابقہ سے بالکل جدا ہے'

---

[۱] صحیح لفظ "اسور" ہے جو "اسر" سے مشتق ہے'

لیکن ان کا یہ قیاس کہ وہ یہاں کے اگر اصلی باشندے نہیں اور اگر وہ پہاڑی ہیں تو ہرگز نہیں ہوسکتے تو یہ ضرور ہے کہ وہ حروف ابجد کے موجد تھے اور فن تحریر سے پہلے ہی واقف تھے اور اور اس فن کو وہ اپنے ساتھ اپنے وطن سے لائے، قطعیٔ غلط ہے، اگرچہ یہ بحث اس مقام کے مناسب نہیں لیکن چونکہ اس کا تعلق توریت کی تحریر اور زبان سے ہے اس لئے اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ امم سابقہ ہی حروف ابجد کی موجد ہے اور فن تحریر سے کوئی اور قوم ان سے پہلے واقف نہ تھی، اس موضوع پر ہم نے مفصل بحث "علم الالسنہ" کے تحت کی ہے، تمام قوموں نے حروف ابجد اور فن تحریر انہی سے سیکھا اور یورپ والوں نے تو حیرت انگیز صحت کے ساتھ ابھی تک سامی ابتدائی حروف کی شکل وصورت اور ان کے نام اور ترتیب ابجد برقرار رکھے ہیں، تورانی اگر یہ فن اپنے وطن سے ساتھ لائے تھے تو ضرور ہے کہ ان کے وطن مالوف میں بھی اس کے آثار پائے جائیں جو بحیرہ خزر کے مشرق اور الطائی پہاڑوں اور وسط ایشیا میں بتایا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں حروف تصویری تھے، اور "اکدی" کتبوں میں یہ حروف پائے جاتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ ان کا اختصار حروف ابجد کی صورت میں ہوا۔ مصر میں دونوں قسم کے حروف پائے جاتے ہیں، مصری علماء مذہب عموماً تصویری حروف میں لکھتے جس کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ عوام الناس اسرار مذہب سے واقف نہ ہوں، یہی کیفیت الجزیرہ میں تھی، اس جگہ بھی تصویری حروف اور ابجد دوش بدوش اور علیحدہ علیحدہ کتابوں میں ملتے ہیں،" ایم ہالوی" نے اس موضوع پر محققانہ بحث کی ہے اور بعض محققین نے اس کا نظریہ تسلیم کرلیا ہے لیکن اکثر کی یہی رائے تھی کہ خالدی۔ عکاری تہذیب ہی سامی تہذیب کا سرچشمہ ہے، اس کی وجہ "ایم ہالوی" نے پروفیسر براؤن کو یہ بتایا کہ چونکہ اہل یورپ خود تورانی اور کشتی مخلوط نسل سے ہیں اس لئے قومی تعصب مانع ہے کہ امم سابقہ کی ذہنی فضیلت تسلیم کریں، اور اسفار موسیٰ کو ایک ہاتھ سے نیچا اور دوسرے ہاتھ سے ژنداوستا وغیرہ کو اونچا دکھاتے ہیں"۔ اس لئے محققین یورپ کی علمی تحقیقات کی داد دیتے ہوئے ان کی قیاس آرائیوں کو علمی شہادت کا درجہ نہیں دینا چاہیئے۔ پروفیسر براؤن اپنی کتاب "ہسٹری آف پرشین لٹریچر" میں سخت افسوس کرتے ہیں کہ "تعصب کا برا ہو کہ علم وحکمت کے گوشہ امن میں بھی خلل انداز ہورہا ہے"۔

تعجب ہے کہ توریت کی شہادت تو قابل اعتبار نہ ہو اور بابل اور نینوا کے کتابے زیادہ معتبر

ہوں، اگر توریت کی تالیف وتدوین میں قومی غرور وتعصب کارفرما ہے تو یہ کہاں سے ثابت ہوگیا کہ وہ کتابیں ان جذبات سے پاک ہیں، لیکن جہاں تک ہم نے توریت اور ان کتابوں پر نظر کی ہے ہمیں تو ان میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ بلکہ توریت کی صداقت کی مزید شہادت آثار قدیمہ پیش کر رہے ہیں؛

ذی القرنین الجزیرہ کے طول وعرض میں بالخصوص بابل اور نینوا کے کھنڈروں میں آثار قدیمہ نے جو کچھ انکشافات علمی دنیا میں کیا ہے اس کی مختصر کیفیت کے لئے بھی دفتر درکار ہے، یہ ملک دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے، چار ہزار سال قبل از مسیح اس کے شمالی حصہ میں عظیم الشان سلطنت اشور یا عصاریہ واقع تھی۔ اس خاندان کا بانی ایک اولوالعزم بادشاہ تھا، جسے محققین یورپ سرغون کہتے ہیں، لیکن کتبوں میں صحیح نام "شرقین" لکھا ہے، اس کے مجسمے اور کتابے نہ صرف الجزیرہ بلکہ فارس اور سواحل بحیرہ روم پر پائے گئے ہیں، ایک مجسمہ اور اس کے نیچے ایک کتبہ میں اس کی پیدائش اور پینتالیس سال کی حکومت کا تذکرہ لکھا ہوا ہے، یہ کتبہ اس مقام سے دستیاب ہوا ہے جسے ملوک الثانی ۴۲/۱ میں "سفروایم" لکھا ہے، اس شہر کے درمیان ایک فراخ نہر جاری تھی جو دریائے فرات سے نکالی گئی تھی، اس نے شہر کے دو حصے کر دئے تھے۔ اس کا پرانا نام "اکد" یا عکاد ہے جن کا مذکور کتاب پیدائش ۱۰/۱۱ میں بھی ہے۔ یہ پہلا دارالسلطنت اس خاندان کا تھا؛

کتبہ میں "شرقین" کی پیدائش کا جو کچھ حال لکھا ہے وہ بالکل حضرت موسیٰؑ کی ولادت کا واقعہ ہے دونوں کے باپ گمنام تھے، شرقین اس کتبہ میں خود بیان کرتا ہے کہ "مجھے اپنے باپ کا حال معلوم نہیں البتہ میری ماں شاہی خاندان کی لڑکی تھی، میں اس کے بطن سے پیدا ہوا تو میری ولادت پوشیدہ جگہ ہوئی اور پوشیدہ رکھی گئی میری والدہ نے کائی کے ایک ٹوکرہ میں جس کو ... ہر طرف سے بند کر دیا تھا مجھے رکھا اور دریائے فرات میں بہا دیا، ایک سقا پانی بھرنے آیا اور مجھے شفقت سے اُٹھالیا، اور بچوں کی طرح پرورش کیا"۔ یہ روایت امم سابقہ میں مشہور تھی اس لئے ممکن ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے انہی حالات کے تحت اسی تدبیر پر عمل کیا۔

شرقین اور اس کے جانشین بادشاہوں کے مجسموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر پر تاج یا خود ہے اور ماتھے پر دو سینگ بیل کے ہیں، شرقین کا بیٹا "نارم سین" اکثر جہات میں باپ کے ہمراہ رہا کتبوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے جزیرہ نما سنائی پر بھی یورش کی اور اس کو تسخیر کیا، ایک کتبہ "سوسہ" واقع فارس سے برآمد ہوا ہے اور جو مصور ہے اس کی فتح کی یادگار ہے، سوسہ کسی وقت

یعنے ۲۸۰۰ قبل مسیح عیلامی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ کتاب "مصر اور مغربی ایشیا زمانہ حال کے اکتشافات کی روشنی میں" (Egypt & Western Asia in the light of recent discoveries)

میں مولفین لکھتے ہیں کہ "اس کتبہ میں نارم سین شاہ اکد کا نام کندہ ہے جو تین ہزار سات سو پچاس سال قبل از مسیح برسر حکومت تھا۔ اس سنگین ستون کے ایک طرف بادشاہ کی تصویر ہے جو ایک پہاڑی علاقہ میں اپنے دشمنوں پر فتح پا رہا ہے خود بادشاہ کے سر پر خود ہے جو بیل کے سینگوں سے آراستہ ہے۔ اور آلات حرب جنگی کلہاڑی، کمان اور تیر اس کے ہاتھ میں ہیں، وہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہونچ چکا ہے اور اس کے ڈھلوان پر اور درختوں میں جس سے پہاڑ ملبوس ہے اس کی سپاہ اور حلیف بادشاہ اوپر چڑھتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ بادشاہ کی دشمن فوج بھاگ رہی ہے اور دست بستہ رحم کی درخواست کرتی ہے بادشاہ کے سر کے اوپر تین سطروں میں ایک کتبہ ہے جو بابلی حروف میں (میخی حروف) لکھا ہے، نارم سین کا نام پڑھا جاتا ہے۔"

کتبے بے شمار ہیں لیکن ان کا مفصل تذکرہ اس مضمون کا موضوع نہیں، دو اور کتبے ہیں جن میں "شرقین" مقدس شجر کے سامنے کھڑا ہے، اس مقدس شجر کا مذکور کتاب پیدائش میں اس طرح ہے:

"اور خداوند خدا نے آدم کو باغ عدن میں رکھا تا کہ اس کی رکھوالی کرے اور خدا نے آدم کو حکم دیا کہ ہر ایک درخت کا میوہ جو اس باغ میں ہے کھانا لیکن وہ شجر علم جس سے نیک اور بد کی شناخت ہوتی ہے نہ کھانا کیونکہ جب تو کھائیگا مر جائیگا" (۲۔ $\frac{۱۵}{۱۷}$)۔

اس کتبہ میں بھی شرقین کے سر پر تاج ہے جو بیل کے سینگوں سے آراستہ ہے، کمر میں خنجر ضرور ہے، لیکن اس وقت بادشاہ مذہبی رسم ادا کر رہا ہے، دوسرے کتبہ میں بھی یہی تصویر ہے لیکن اس تصویر میں بادشاہ کو فرشتہ کی صورت میں دکھایا گیا ہے جس کے شانوں سے پر نکل کر تمام جسم پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان تصویروں کا فوٹو کتاب Chaldea میں دیا ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ اٹھارہ سو برس کے بعد یعنی دو ہزار سال قبل از مسیح شرقین ثانی جس کا دارالسلطنت نینوا تھا، اسی تاج میں نظر آتا ہے جو بیل کے سینگوں سے آراستہ ہے، اس لئے

اس خاندان کو "ذی القرنین" کہنا بالکل صحیح ہے، یہ کچھ بعید امر نہیں، مصر کے تاجداران "فرعون" کہلائے، فرعون کا ترجمہ ہے "باب عالی" جو ہمارے زمانہ میں سلاطین آل عثمان کا خطاب تھا، ایران کے بادشاہ کسریٰ، روم کے حکمران قیصر، چین کے فغفور تھے، وہ ذی القرنین جس کا ذکر قرآن میں ہے اسی خاندان کا ایک بادشاہ تھا، اور غالباً وہ خود سرقین اعظم ہے، اس کے کتبوں سے جو "عکاد" سے برآمد ہوئے ہیں وہ خود بیان کرتا ہے کہ میں نے پینتالیس سال حکومت کی اور اکثر دار السلطنت سے غائب رہا، سواحل بحر پر جس کو وہ "بحر مغرب" کہتا ہے اس نے اپنی یادگاریں قائم کیں، خلیج فارس تک دوسری طرف اس کے قدم گئے، اس کی مہموں نے مشرق و مغرب کو ملا دیا تھا، اس کے متعلق روایات امم سابقہ میں مشہور ہیں۔ یہ جس جگہ گیا امن کی بشارت دیتا گیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ شخص علم دوست ہی نہیں بلکہ "علم پرست" تھا جیسا کہ "شجر علم" کے سامنے اس کی تصویر سے واضح ہوتا ہے، اس کی سلطنت بہت وسیع تھی اور مختلف قوموں کی سرپرستی کا ذمہ دار تھا، اس لئے اس نے علوم و حکمت کے علاوہ ان قوموں کے رسم و رواج اور بالخصوص مذاہب کی چھان بین کی تاکہ ان کے تنازعات کا فیصلہ انہی کے دھرم شاستر کے مطابق کیا جائے بابل اور نینوا کے عظیم الشان کتب خانے جو صدیوں سے مدفون تھے ان کا حشر ہمارے زمانہ میں ہوا اُن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ الجزیرہ کے طول و عرض میں جیتی جاگتی تصویریں حرکت میں ہیں اور بول رہی ہیں "حمورابی" شاہ بابل جس کا باپ "امرافل" حضرت ابراہیم ؑ کا ہم عصر تھا (پیدائش ۱۴/۱) اور غالباً حمورابی بھی آنحضرت ؑ کا ہم عصر تھا، ایسا ہی مشہور بادشاہ گذرا ہے جس کا ضابطہ آئین و قوانین مشہور ہے، اگرچہ یہ ضابطہ حمورابی سے منسوب ہے اور خود حمورابی کا بیان ہے کہ یہ الہامی کتاب ہے، اور شمس ؑ نے عطا فرمائی ہے، لیکن اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس ضابطہ کی از سر نو تدوین حمورابی نے کی جو پہلے ہی موجود تھا، البتہ احکام شریعت میں ترمیم و تنسیخ حالات کے تحت سرقین کے زمانہ سے ہوتی رہی، محققین کی یہ رائے ہے کہ سرقین اور اس کے جانشین نارم سین وغیرہ نے وہ سب کچھ بہم پہنچا دیا تھا جو بعد میں بابلی تمدن اور مذہب سے تعبیر ہوا۔

سلہ قرآن مجید میں ذی القرنین کا مذکور اس لئے کیا گیا ہے کہ بادشاہوں میں بھی "اسوہ حسنہ" ہو سکتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ ہو تو ایسا ہی رعیت پرور امن کا ذمہ دار ہو جیسا کہ ذی القرنین تھا"

"بابل" شروع سے ارض مقدس تھا' آثار قدیمہ نے اس کے گرد و نواح میں وسیع قبرستانوں کا سراغ نکالا ہے محققین متعجب ہیں کہ خود عصاریہ میں کسی قبر کا نشان نہیں ملتا۔ بات یہی ہے کہ الجزیرہ کے باشندے یہ پختہ عقیدہ رکھتے تھے کہ سرزمین بابل "بہشت" ہے اس لئے اپنے مردوں کو اس جگہ لاکر دفن کرتے' ہمارے زمانہ میں "کربلا" میں بھی اسی طرح لوگ دور و نزدیک سے مردوں کو لاکر دفن کرتے ہیں۔ عصاریہ سے کشتیوں میں لاشوں کا لانا سہل تھا' یہ عقیدہ کہ سرزمین بابل مقدس ہے آج بھی وہی کچھ ہے جیسا کہ قدیم زمانہ میں تھا۔

آدم کی پیدائش کا قصہ جو توریت میں مذکور ہے یہی روایات ہیں جو بابلی مصور کتبوں[1] میں محفوظ ہیں' ایک کتبہ میں جو عجائب خانہ لندن میں ہے ایک مرد اور عورت کی تصویر ہے درمیان ایک درخت ہے عورت کے پیچھے ایک سانپ ہے' یہ بہت پرانا کتبہ ہے' علاوہ ازیں اور بھی اسی مضمون کے مصور کتبے ہیں' ایک کتبہ میں مقدس شجر کی حفاظت فرشتے کر رہے ہیں' دو کتبوں کا ذکر ہم کر چکے ہیں جن میں شرقیں اس شجر علم کی پرستش کر رہا ہے۔

کتاب پیدائش میں چار بہشتی نہروں کا مذکور ہے جن میں دو دجلہ اور فرات ہیں' اور "باغ عدن" جہاں آدم کو رکھا گیا انہی نہروں سے سیراب ہوتا تھا' قدیم بابلی زبان میں خلیج فارس کو "نہر مرۃ" (دریائے شور) کہتے' فرات کے معنے "آب شیریں" یونانی لفظ "آفریت" (Euphrates) یہی لفظ ہے' ان ایام میں خلیج فارس بابل کے نزدیک تھی اب قریباً سو میل نیچے ہے' بابل کا بندرگاہ جو اس وقت خلیج فارس پر تھا "ارض" کہلاتا' قدیم بابلی زبان میں اس کے معنی "اچھی زمین" ہے' اس کے قریب ہی ایک باغ تھا قدیم کتبوں میں اس کا مذکور اس طرح ہے کہ" اس میں ایک پر اسرار درخت تھا جس کی جڑیں تحت الثریٰ میں اور شاخیں آسمان تک بلند تھیں۔ یہی وہ شجر علم ہے جس کا مفصل تذکرہ توریت اور اشوری اور بابلی کتبوں میں ہے' نیز طوفان کا مفصل مذکور بھی توریت اور کتابوں میں مطابق ہے جس کا مفصل تذکرہ ہم مناسب مقام پر کریں گے (لفظ نوح)

حضرت ابراہیم ؑ کا نسب نامہ توریت (پیدائش باب ۱۱) میں اس طرح مذکور ہے کہ:

---

[1] مصر میں فیلے (Philae) کے مندر میں بھی اسی قسم کا کتبہ مصور دستیاب ہوا جس کا مذکور ریورنڈ چارلس فوسٹر نے اپنی کتاب (One primival language) میں کیا ہے۔

ابراہیمؑ بن تارح بن نحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عبر بن صالح بن ارفکشاد بن سام بن نوحؑ، محققین کی یہ رائے کہ ان میں سے اکثر نام مورث اعلیٰ کے ہیں اور خاندانی یا قبائلی نام ہیں، اور ان کی وجہ تسمیہ بھی توریت میں لکھی ہے کہ اس لئے نام ہوا کہ اس کے زمانہ یا قبائل میں زمین تقسیم ہوئی' محققین کی یہ رائے ہے کہ "عبر" جس کی وجہ سے ابراہیمی خاندان عبرانی کہلایا پہلا شخص ہے جس نے و.ہا فرات فالج کرکے "کسدیون" کے عبور میں رہائش اختیار کی توریت میں لفظ "کسدیم" ہے جس سے اسرائیلی بابل کو تعبیر کرتے' حالانکہ محققین کے نزدیک یہ خالدیہ ہے اور یہ قوم تھی جو خلیج فارس کے ساحل پر آباد تھی۔ اور مخلوط تورانی اور کشی نسل سے تھی، "آور" کے معنی ہیں "نور" چونکہ اس جگہ چاند کا مندر تھا اس لئے "اور" سے چاند کا شہر مراد لیتے' نسب نامہ میں ایک نام ارفکشاد بن سام بن نوح ہے' یہ لفظ مرکب ہے "ارف" اور "کسدیم" سے "ارف" کے معنی ہیں قطعات زمین میں حد فاصل' اس لئے ارفکشاد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خالدیہ کی حد پر آباد تھا' "اور" ابتداء میں عیلام کا دارالسلطنت تھا جب حکومت بابل میں منتقل ہوگئی تو یہ بے رونق ہوگیا' حضرت ابراہیمؑ اسی جگہ سے ہجرت کرکے کنعان میں آگئے۔ قبائلی غیریت تو بلاشبہ تھی لیکن زبان اور تمدن بابل سے کچھ بہت مختلف نہ تھا۔ (باقی)

دو ضروری اعلان

مسجد کی تعمیر

تعمیر مسجد کا کام چار پانچ مہینے کے التوا کے بعد اس مہینے سے دوبارہ شروع ہو رہا ہے۔ ہماری خواہش ہے۔ کہ یہ کام سالانہ جلسے سے پہلے پہلے مکمل ہو جائے۔ تمام معاونین امت کی خدمت میں استدعا ہے۔ کہ وہ براہ کرم اس سلسلے میں مالی امداد فرماکر عند اللہ ماجور ہوں۔

(سیکرٹری)

نمونے کے پرچے

جن احباب کی خدمت میں "البیان" نمونتہً حاضر ہو رہا ہے، اُن کی خدمت میں گذارش ہے کہ از رہِ کرم اپنا سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرماکر شکریہ کا موقعہ دیں جن احباب کی طرف سے کوئی اطلاع یا منی آرڈر وصول نہ ہوا انہیں آئندہ پرچہ بذریعہ وی پی بھیجا جائے گا۔

(مینیجر)

حساب آمد و خرچ اُمتِ مُسلِمہ امرتسر

۲۸۔ مئی سے ۳۰۔ جون ۱۹۳۹ء تک

آمد "البیان"

شیخ عبدالرحمن صاحب انصاری	۰	۲	۱
چودہری خیرالدین صاحب	۰	۰	۱۰
بابو عبداللہ خانصاحب	۰	۰	۲
مولوی گل حق داد صاحب	۰	۰	۳
منشی قمرالدین صاحب	۰	۰	۱
خواجہ غلام محمد صاحب محقق	۰	-	۳
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۰	۰	۲
بابا تاج الدین صاحب	-	۰	۳
ماسٹر غلام محمد خاں صاحب	۰	۸	۱
مستری ضیاءالدین صاحب	۰	۸	۱
میاں فیملی	۰	۰	۶
میاں دین محمد صاحب کنی باف	۰	۰	۳
منشی محمد اکبر خاں صاحب	۰	۰	۳
حکیم آغا محمد خاں صاحب	۰	۸	۱
بابو عبداللہ خانصاحب	-	۰	۲
میاں علی احمد خانصاحب داشمن	۰	۰	۱۰
شیخ عبدالحمید صاحب	۰	۸	۱
فقیر محمد صاحب بنوں	۰	۰	۳
بابو محمد شفیع صاحب	۰	۸	۱
میزان	۰	۱۰	۵۹
رکنیت و متفرق	۰	۲	۲

لٹریچر فنڈ

بابو محمد حسین صاحب	۰	۰	۱۰
میاں محمد امین الدین صاحب	۰	۰	۱۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	۰	۰	۱۰
میزان	-	۰	۳۰
تبلیغ فنڈ			
ایک بزرگ از لاہور	۰	۰	۸
لائبریری			
حکیم طالب علی صاحب	۰	۰	۱
عمارت فنڈ			
متفرق	۶	۹	۱
سابقہ بقایا	-	۵	۱۵۹
کل میزان	۶	۴	۲۷۵
اخراجات			
البیان	۶	۱۰	۵۱
عمارات	۶	۹	۱۳
کتب خانہ	۹	۹	۸
کل میزان	۹	۱۳	۷۳
بقایا	۹	۶	۲۰۱

نہیں ہو سکتی۔ اس کے خلاف جنت کی زندگی ایک ابدی زندگی ہے۔ وہاں آسودگی اور طمینان کے تمام سامان مہیا ہیں خدا تعالیٰ اولاد آدم کو اسی زندگی کے حصول کی طرف توجہ دلاتا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی ہی (فوز عظیم حاصل کرنے) کے لیے عمل کرنے والوں عمل کرنا چاہیے

(۶۲) اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ (جنت کی زندگی کی مختصر کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ اب لوگوں کو مخاطب کرکے پوچھا جاتا ہے) کیا (جنت کی) یہ نعمتیں) بہتر ہیں بلحاظ مہمانی کے یا (اہل دوزخ کی خوراک یعنی) تھوہر کا درخت؟ (ان دونوں میں سے ایک چیز کا انتخاب کرلو۔ اگر تمہارے اعمال اچھے ہیں تو تمہیں اس کا معاوضہ جنت کی صورت میں ملتا ہے۔ اعمال برے ہیں، تو پھر جہنم کے لیے تیار رہو یعنی اس مقام کے لیے جہاں کھانے کے واسطے تھوہر دیا جاتا ہے)۔

(۶۳) اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ (یہ تھوہر کا درخت، ایسا درخت نہیں ہے، جسے اہل دوزخ آسانی کے ساتھ کھا سکیں گے، بلکہ) ہم نے اس (درخت) کو (ان) ظالم لوگوں کے واسطے فتنہ (ابتلاء) بنایا ہے۔ (انہیں بڑی تکلیف اور مصیبت کے ساتھ اس کا پھل کھانا پڑتا ہے)۔

(۶۴) اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ (دنیا میں بھی صنوبر کا درخت ہوتا ہے، لیکن اسے دوزخ کے درخت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔ اس کی ہیبت کا اندازہ تو اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ) وہ ایک درخت ہے، جو جہنم کی جڑ میں (سے) اُگتا ہے۔

(۶۵) طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ (اس کی ظاہری شکل وشباہت بھی بہت خوفناک اور ڈراؤنی ہے کیونکہ) اس کے پھل ایسے ہیں جیسے (بدصورت) سانپوں کے سر۔

(۶۶) فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ (دنیا میں ایک کھانا پسند نہ آئے

تو انسان اس کے بجائے عموماً کوئی دوسرا کھانا کھا لیتا ہے۔ لیکن جہنم کی دوائی اور خوراک مقرر ہے اور اسے کھائے بغیر کوئی چارہ نہیں) پس وہ اسی (بد ذائقہ اور بدنما خوراک) میں سے کھانے والے ہیں پس اسی سے (اپنے) پیٹ بھرنے والے ہیں۔

(۶۷) ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ٥ پھر یقیناً انہیں (پینے کے لئے ٹھنڈا یا میٹھا پانی بھی میسر نہیں بلکہ عذاب کی انتہا یہ ہے کہ) ان کے لئے اس (تھوہر) پر کھولتے ہوئے پانی کی ملاوٹ ہے۔

(۶۸) ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ٥ (ان مریضوں کو دوائی دے کر جہنم کے ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ تھوہر اور گرم پانی کی یہ تمام ضیافت دوزخ کے داخلے سے پہلے پہلے ہو سکتی ہے) پھر یقیناً ان (لوگوں) کو دوزخ کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔

(۶۹) إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ٥ (یہ دوزخ کی سزا کیوں دی گئی، صرف اس لئے کہ یہ لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے تھے، وہ اپنے آباؤ اجداد کے اندھے مقلد تھے، اور جو برائیاں اور گمراہیاں ان کے باپ دادوں میں پائی جاتی تھیں، اُن برائیوں اور گمراہیوں کو انھوں نے بھی قبول کر لیا اور اپنے اسلاف کے رسم و رواج اور کفر و شرک کے عقاید کو کسی حال میں بھی ترک کرنا گوارا نہ کیا، خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہم اجمعین انہیں اس گمراہ کُن تقلید سے منع کرتے، تو وُہ باز نہ آتے اور اُلٹا اُن کی مخالفت اور ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے۔ اگر اُن کے آبا و اجدا راہِ راست پر ہوتے، تو اُن کے اتباع میں کوئی حرج نہ تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ) انہوں نے اپنے آبار کو گمراہ پایا۔

(۷۰) فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ٥ پس (اُن کے لئے یہ جائز نہ تھا کہ گمراہوں کے نقش قدم پر چلتے) (اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھنے کی وجہ سے) وہ

(جیتمی) انہیں (گمراہ آباد) کے نقش قدم پر دوڑائے جاتے رہے۔
(۷۱) وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ۝ اور ان سے پیشتر اگلے لوگوں میں (بھی) اکثر لوگ گمراہ ہو چکے ہیں۔ (جو گمراہ اس دنیا سے گذر گئے ان کا علاج ہم جہنم میں کرتے ہیں اور جو گمراہ دنیا میں بقید حیات موجود ہوتے ہیں ان کی اصلاح کی دنیا میں کوشش کی جاتی ہے)۔
(۷۲) وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ ۝ (مشیت ایزدی نے کبھی نہیں چاہا کہ لوگوں کو گمراہی میں پڑا رہنے دیا جائے' چنانچہ وقتاً فوقتاً اُن کی ہدایت کا سامان بہم پہنچایا گیا' جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نے ان لوگوں میں (اُن کی گمراہیوں کے بُرے نتائج سے آگاہ کرنے اور دوزخ کی آگ سے) ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے۔ (مگر افسوس' اُن پر ہدایت و تنذیر کا بہت کم اثر ہوا۔ انہوں نے خداوند تعالےٰ کی سچی تعلیم کو ٹھکرا دیا' خدا کے رسل و انبیا کی شدید مخالفت کی اُن پر تمسخر اُڑائے' انہیں پاگل' شاعر اور ساحر وغیرہ کے القاب دیے' غرضیکہ تمام عمر اُن کے درپئے آزار رہے' یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی قوتِ انتقام حرکت میں آئی اور عذاب الٰہی نے بڑے ہی حسرت ناک طریقے پر انہیں صفحۂ ارضی سے نیست و نابود کر کے رکھ دیا' اس طرح کہ گویا وہ قومیں تختۂ زمین پر کبھی آباد ہی نہ ہوئی تھیں۔ اُن ہی لوگوں کی تباہ و برباد بستیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے):
(۷۳) فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝ پس دیکھ! اُن لوگوں کا کیسا (بُرا) انجام تھا' جو (پیغمبران حق کے ذریعے) ڈرائے گئے (لیکن اس کے باوجود ضد و عداوت کے باعث قبول حق سے دُور رہے)۔
(۷۴) إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ ہاں (اُن میں سے) اللہ کے مخلص بندے (ہی) بچائے گئے۔ تقاضائے عدل بھی یہی ہے کہ جہاں سرکشوں پر عذاب نازل ہو' وہاں اہل خلاص کی

نجات کا مستحق سمجھ کر بچا لیا جائے، لیکن بعض دفعہ یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑے عذاب کی صورت میں اہلِ کفر و شرک کے ساتھ ساتھ، اہلِ ایمان بھی پس جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں قانونِ الٰہی یہ ہے کہ انہیں آخرت کی زندگی میں بہت اچھا اجر دے کر ان کی تلافی کر دی جاتی ہے)۔

رکوع سوم اس رکوع میں تین مضمون آئے ہیں۔ سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ جب کسی شخص پر ظلم و ایذا کی انتہا ہو جائے، جب آلام و مصائب کا مقابلہ کرتے کرتے اس کے جسم و دماغ کی قوتیں مضمحل ہو جائیں، تو آخر کار اس کے دکھے ہوئے دل سے نکلی ہوئی دعا، قانونِ خداوندی کو ضرور حرکت میں لا کر رہتی ہے۔ حضرت نوحؑ کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ اُن کی قوم نے انہیں بڑی بڑی ایذائیں پہنچائیں اور ایذا رسانی کا یہ سلسلہ زمانۂ دراز تک جاری رہا، یہاں تک کہ آپ نے بے قرار ہو کر خدا کے حضور فریادیں کیں۔ خدا تعالےٰ نے آپؑ کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور آپ کو ایک طوفان کی خبر دی۔ آپ نے طوفان کی آمد سے پہلے پہلے ایک کشتی تیار کی اور اپنے خاندان کے لوگوں کو، دوسرے مومنوں کو اور ہر قسم کی ضروری اشیاء کے ایک ایک جوڑے کو کشتی میں ساتھ لے لیا۔ جب طوفان آیا، تو نوحؑ اور خاندانِ نوحؑ کے سوا باقی تمام قوم غرقاب ہو گئی۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہی مظلوموں کا حقیقی فریاد رس ہے اور ظالم کے مقابلے میں ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرتا ہے۔

حضرت نوحؑ کے مختصر ذکر کے بعد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ چوں کہ تمام انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا، یعنی توحید، اس لیے یہ بات کھول کر واضح کر دی کہ اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ابراہیمؑ بھی نوحؑ ہی کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسی طرح سورۃ الانبیاء میں آیا ہے اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یعنی تمام نبیوں کی امت بھی درحقیقت ایک ہی امت ہے۔—— ان دو جلیل القدر پیغمبروں کا باہمی تعلق

واضح کرنے کے بعد ابراہیمؑ کی زندگی کا ایک مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے یعنی بت شکنی کا واقعہ۔ اس واقعہ پر ہمارے راویوں اور مفسروں نے بہت ہی حاشیہ آرائی اور مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، یہاں تک کہ اس کی روح، اس کی غرض وغایت اور مقصد سب مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقائق کے چہرے سے لغو بے ہودہ روایات کی نقاب اُٹھا دی جائے اور اس چیز کو قرآن پاک ہی کے مقصد و منشا کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

بت شکنی کا واقعہ سورۂ انبیا میں بھی آیا ہے۔ اس سورہ میں بتایا گیا ہے کہ ابراہیم شروع ہی سے ہدایت یافتہ تھے، انہیں اصنام پرستی سے شدید نفرت تھی وہ اپنے باپ اور اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ؟ یہ مورتیں کیا ہیں، جن کے لیے تم اعتکاف بیٹھتے ہو؟ وہ لوگ اپنی بت پرستی کی کوئی توجیہ یا کوئی معقول وجہ نہیں بتلا سکتے، ان کا جواب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، لہذا ہم بھی انہیں کی تقلید میں بتوں کی عبادت کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ابراہیمؑ انہیں بتلاتے ہیں کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے آباؤ اجداد بھی گمراہ تھے ـــــــــ یہ جواب اُن کے لیے قطعاً غیر متوقع تھا۔ وہ اپنے معبودوں کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ سننے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ یہ چیز اُن کے تصور سے بھی دور تھی کہ کوئی شخص اُن کے بتوں اور دیوتاؤں کی توہین کر کے زندہ بھی رہ سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ پتھر کے بنے ہوئے معبود ہر ایسے شخص کو جو اُن کی ہتک وتوہین کا مرتکب ہوتا ہے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اسی لیے وہ ابراہیم سے متعجب ہو کر پوچھتے ہیں اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ؟ ہماری عبادت اور ہمارے معبودوں کے بارے میں جو کچھ تم کہہ رہے ہو، وہ سچ سچ کہہ رہے ہو، یا مذاق کر رہے ہو؟ ابراہیمؑ کہتے ہیں، مذاق کیسا، یہ پتھر کے گھڑے ہوئے بت تو حقیقتاً کچھ بھی نہیں ہیں۔ تم ان کو اپنا رب سمجھے بیٹھے ہو، حالانکہ تمہارا رب تو وہی ہے، جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ میں جو کچھ تمہیں کہہ رہا ہوں سچائی کے ساتھ کہہ رہا

(وانا علیٰ ذالکم من الشٰھدین) لیکن اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے اور ان بے جان بتوں ہی کو اپنے معبود، پروردگار اور قادر مطلق مانتے ہو، تو میں تمہیں تجربہ کر کے دکھلا دوں گا کہ ان اصنام میں کوئی طاقت، قوت اور اختیار نہیں پایا جاتا۔ وَتَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ○ تمہارے جانے کی دیر ہے، پھر یا ان کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی داؤ کھیلوں گا، میں دیکھوں گا، میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے خود ساختہ معبودوں کی حقیقت کیا ہے؟ فَجَعَلَھُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّھُمْ لَعَلَّھُمْ اِلَیْہِ یَرْجِعُوْنَ○ اور جب وہ لوگ چلے گئے، تو ابراہیمؑ نے سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سب کو پرزے پرزے کر دیا، وہ لوگ اُس بڑے بت کو رب العالمین سمجھتے تھے، ابراہیم کا خیال تھا، شاید وہ اسی بت سے آکر دریافت کریں گے کہ تمہاری موجودگی میں ان چھوٹے بتوں کا کیا حشر ہو گیا؟ پھر اس وقت، جب انہیں کوئی جواب نہ ملے گا، جب اس "بڑے خدا" کی بے بسی بھی اُن پر عملاً واضح ہو جائے گی، تو شاید اُس موقع پر وہ گمراہی اور ضلالت سے باز آجائیں۔ لیکن اُن لوگوں کے دل بتوں کی اصل حقیقت سے پہلے ہی واقف تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اُن کے معبود بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب وہ لوگ واپس آئے، تو انہوں نے "صنم کبیر" سے نہ حادثے کی تفصیل دریافت کی، نہ یہ پوچھا کہ تم نے بت توڑنے والے شخص کو منع کیوں نہ کیا اور نہ اس کے سامنے یہ فریاد کی کہ تو "بت شکن" پر اپنا عذاب نازل کر! اس کے علاوہ وہ اس بات سے بھی اچھی طرح واقف تھے کہ بتوں کو ریزہ ریزہ کرنے والے ابراہیمؑ ہی تھے کہ بت توڑنے سے پہلے ہی انہوں نے اعلان کر رکھا تھا (لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ) کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور کوئی نہ کوئی داؤ کھیلوں گا۔" پھر جن لوگوں کو آپ کے اس چیلنج کا علم نہ تھا، وہ دریافت کرتے ہیں، مَنْ فَعَلَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَا؟ اور جن لوگوں کے سامنے یہ چیلنج دیا گیا تھا، وہ بتاتے ہیں سَمِعْنَا فَتًی یَّذْکُرُھُمْ یُقَالُ لَہٗٓ اِبْرٰھِیْمُ○ ہم نے ایک نوجوان کو جسے

ابراہیمؑ کہتے ہیں' ان کا ذکر کرتے سُنا تھا۔

اوپر کی یہ تمام تفصیل سورہ الانبیا سے لی گئی ہے اور اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہاں ایک بہت ہی ضروری بحث شامل ہونے سے رہ گیا ہے' یعنی ہمارے راویوں اور مفسروں کی یہ باطل اور بے حقیقت افسانہ آرائی کہ حضرت ابراہیمؑ نے بت توڑ کر پجاریوں کے سامنے اپنی صنم شکنی کا انکار کر دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں آپ نے دروغ گوئی کا ارتکاب کیا تھا۔ اس افسانے کی بنیاد' دو باتوں پر بیان کی جاتی ہے' ایک مسلمؒ و بخاریؒ کی یہ روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شیٔ قط الا ثلاث الخ ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں صرف تین ہی جھوٹ بولے۔ اُن میں سے (بقول اہل روایت) ایک یہ ہے کہ جب پجاریوں نے حضرت ابراہیمؑ سے دریافت کیا' کیا ان بتوں کو تمہیں نے توڑا؟ تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا۔ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا: بلکہ یہ فعل اس بڑے بُت کا ہے! گویا ان الفاظ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے فعل کے ارتکاب سے انکار کیا ہے۔

لیکن واقعات کا جو سلسلہ اوپر دیا جا چکا ہے' اس پر نظر ڈالنے سے سارا معاملہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے طرزِ عمل کی پہلی کڑی یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کو بتوں کی پرستش سے روکتے ہیں' اپنی قوم کو اور قوم کے آباؤ اجداد کو علانیہ گمراہ بتلاتے ہیں۔ اُن کے یہ طور طریقے سب پر واضح ہو جاتے ہیں اور وہ اچھی طرح جان لیتے ہیں کہ ابراہیمؑ ہمارے بتوں کا دشمن ہے۔ آپ کا دوسرا قدم یہ ہے کہ قوم کو اپنے اس عقیدے سے آگاہ کر دیتے ہیں کہ تمہارے بتوں کی ہتک و توہین بھی مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی' اُن میں کوئی قوت' کوئی طاقت' کوئی رعب اور اختیار موجود نہیں۔ وہ محض پتھر ہیں' نفع اور نقصان کی قدرت سے قطعاً محروم۔ لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ابراہیمؑ ہمارے بتوں کو بے حقیقت جان کر کسی وقت اُن کی بے عزتی بھی کر سکتے ہیں۔ آپ کا تیسرا قدم

یہ ہے کہ آپ اللہ کی قسم کھا کر یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ اے لوگو! آگاہ رہو میں تمہاری غیر حاضری میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک چال چلوں گا۔ اب ان بت پرستوں پہ واضح ہو جاتا ہے کہ ابراہیمؑ یقیناً ان بتوں کو کوئی نہ کوئی گزند پہونچا کر رہیں گے ـــ اور آخر کار جس بات کا اندیشہ تھا وہ ہو کر رہی۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں ان احوال کو سامنے رکھنے سے کسی طرح بھی یہ بات ذہن میں داخل نہیں ہو سکتی کہ ابراہیمؑ کو جھوٹ بولنے کی ضرورت تھی۔ جھوٹ بولنے کی ضرورت تو اس حالت میں تھی کہ آپ بت پرستی کی علانیہ مذمت نہ کرتے، بت پرستوں کو گمراہ نہ بتلاتے، بت شکنی کے ارادے کا اعلان نہ کرتے اور کسی کو بتائے بغیر خفیہ طور سے بتوں کو توڑتے۔ پھر اگر راز فاش ہو جاتا تو حیلے بہانے سے کام لینے کا معاملہ سمجھ میں بھی آسکتا ہے، مگر جب آپ کا طریق عمل ان تمام امور کے خلاف ہے، آپ کی ایک ایک بات سے صاف گوئی اور جرأت وعزم کا ثبوت ملتا ہے۔ تو پھر تعجب ہے کہ اہل روایات کیوں اس بات پر تُلے بیٹھے ہیں کہ آپ کے قول کو جھوٹ ہی ثابت کیا جائے؟ کیوں ایک روایت کو سچا ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کے مطالب میں بھی تحریف سے باز نہیں آتے؟ کیوں ایک ایسے پیغمبر کی عصمت وعظمت کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں، جس کے متعلق خود قرآن پاک اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا کی گواہی دے رہا ہے؟ کیا یہ بات قابل شرم نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ جس شخص کو نہایت سچا قرار دے چکا ہو اُسے محض اس اندیشے کی بنا پر کہ ایک روایت کی صحت اور عصمت کو نقصان پہونچے گا' جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی جائے؛

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا مطلب کیا ہے؟ سطور بالا سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ صنم پرستوں کے ساتھ لفظی مباحثہ نہیں کر رہے بلکہ اُن پر اتمام حجت کرنے کے لئے عملی اور تجرباتی دلائل سے اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ منطق اور فلسفے کی باریکیوں سے ہٹ کر صاف اور سیدھے سادے الفاظ میں

ایمان

اُمّت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

اکتوبر ۱۹۳۹ء

روپیہ

فی پرچہ چار آنے

۳۲۰ کتابیں مُفت

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کی تبلیغی سرگرمیاں

ایک ایسا دفتر جس کے مالی حالات نامساعد ہوں، اس کے لئے یہ بات ممکن نہیں کہ ایک ماہوار رسالے کے اخراجات سے عہدہ برا ہو کر تبلیغ قرآن کا مفت سلسلہ بھی عام وسعت کے ساتھ جاری رکھ سکے۔ ہماری مجلس کے تمام کارکن اعزازی طور پر اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مالی اعانتوں کا بوجھ بھی برداشت کرتے ہیں لیکن اس تمام سہولت اور کفایت کے باوجود ہمارے وسائل اتنے محدود ہیں کہ تبلیغ دین اور اشاعت قرآن کا شعبہ آج تک کوئی مستقل اہتمام حاصل نہیں کر سکا۔

پچھلے چند ماہ سے، دفتر اُمت کی چھوٹی چھوٹی مطبوعہ کتابوں کی مُفت تقسیم کا سلسلہ جاری ہے سردست اس کا انتظام یہ ہے کہ دفتر کے خاص خاص معاونین سے دس دس روپے وصول کر کے، ان کی طرف سے اسّی اسّی کتابیں عام مسلمانوں میں مُفت تقسیم کر دی جاتی ہیں۔ اس وقت تک حسب ذیل اصحاب کی طرف سے مندرجہ ذیل کتابیں مُفت تقسیم کی جا چکی ہیں:

تعداد تقسیم	نام کتاب	عطیہ	نام معطی
۸۰	تفسیر سورۂ فاتحہ	۱۰ روپے	سکرٹری اُمت مسلمہ امرتسر
۸۰	حضرت محمد رسول اللہ	۱۰ روپے	میاں محمد امین الدین صاحب لاہور
۸۰	ملّت ابراہیمؑ	۱۰ روپے	میاں مہر بخش صاحب چغتائی، میراں شاہ

اب اکتوبر ۱۹۳۹ء میں جناب چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور کی طرف سے "قولِ احسن" کی ۸۰ جلدیں مفت تقسیم کی جا رہی ہیں جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف تین پیسے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مُفت طلب فرما سکتے ہیں۔

ہم تمام مخیّر اصحاب کی خدمت میں استدعا کرتے ہیں کہ وہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکر گزاری کا موقعہ دیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سلسلہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس سے دفتر اُمت کی گذشتہ تبلیغی مجبوریوں کی بڑی حد تک تلافی ہو جائیگی۔

محمد حسین آنریری سکرٹری اُمت مسلمہ امرتسر

اُمّت مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمّت مُسلمہ کا سالانہ جلسہ آیندہ کرسمس کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا ہے جس کو کامیاب بنانے کے لئے تیاریاں شروع ہوگئی ہیں اور اس مقصد کے لئے ایک مجلس استقبالیہ مقرر کردی گئی ہے۔ مجلس عاملہ نے اپنا فرض ادا کردیا ہے۔ اب قرآن حکیم کو جمیع ضروریات دین کے لئے کافی سمجھنے والے دوستوں کا فرض ہے کہ

(ا) وہ جہاں کہیں بھی ہوں اس جلسہ میں شمولیت کے لئے تشریف لائیں اور اپنے اعزہ و احباب کو بھی شمولیت کی ترغیب دلائیں۔

(ب) جلسہ کے مصارف کے لئے خود بھی عطیات دیں اور اپنے حلقہ اثر میں بھی امداد کے لئے اپیل کریں۔

(ج) علمائے اُمّت ہر کام چھوڑ کر بھی شامل اجلاس ہوں اور اپنے مواعظ حسنہ اور پاکیزہ خیالات سے حاضرین و سامعین کو مستفید فرمائیں۔

(د) جلسہ کو کامیاب اور بارونق بنانے کے لئے نوجوان دوست بحیثیت رضاکار اپنا نام پیش کریں اور اپنے افسروں کے حکم کے مطابق فرائض منصبی ادا کر کے ضبط و نظم کا ثبوت پیش کریں۔

(ہ) تشریف لانے والے دوست اور بزرگ اپنی تشریف آوری کی اطلاع اخیر دسمبر تک سکرٹری مجلس استقبالیہ کو پہنچائیں۔ مقررین و شعرا اپنی تقریر و نظم کے عنوان و موضوع سے ۱۵ دسمبر تک دفتر اُمّت کو اطلاع دیں تاکہ آپکے اسمائے گرامی شامل پروگرام ہو سکیں۔

(و) رہائش و خوراک کا انتظام مجلس انتظامیہ کے ذمہ ہوگا لیکن موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے۔

(ز) اکابر علمائے اُمّت سے تشریف آوری کے متعلق خط و کتابت کی جا رہی ہے بعض مقامات پر وفود کی روانگی کا بھی انتظام کیا جائیگا۔ اکتوبر کے البیان میں مکمل پروگرام شائع کردیا جائیگا۔

(ح) جن احباب کی خدمت میں پوسٹر و اشتہارات بھیجے جائیں وہ براہِ کرم اُن کی تقسیم وغیرہ کا انتظام کردیں

(ط) جہاں کہیں قرآن مجید کو کافی ماننے والے دوست ہوں آپ خود انہیں جلسہ کی اطلاع بھجوا دیجئے۔ ورنہ مجلس استقبالیہ کو لکھئے تاکہ وہ ایسے دوستوں کو اطلاع دے سکے۔

(ی) ایسے مفید مشوروں سے مستفید فرمایئے جو جلسہ کی کامیابی کا موجب ہوں۔

امید ہے کہ صاحب دل اکابر احباب اِس نیک مقصد میں ہماری دستگیری فرما کر عند اللہ ماجور ہوں گے

آپ کا خادم ابو الاحسان سکرٹری شعبہ نشر و اشاعت اُمّت مُسلمہ۔ امرت سر

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۱ | اکتوبر ۱۹۳۹ء | نمبر ۷

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر نے تذہیب پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمّتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

شذرات

مذہب کا جنون

حضرت عیسے علیہ السلام خدا تعالے کے ہاں سے اپنی قوم کی نجات و فلاح کے واسطے جو سیدھا سادا پیغام لے کر آئے تھے، قرآن حکیم کی آیات سے اُس کا لب لباب معلوم کرنا مشکل نہیں۔ عہد حاضر کی مروجہ انجیل اس بات کی تصدیق کرے تو فبہا، نہ کرے تو نہ سہی، قرآن نے تعلیمات مسیحؑ کا جو خاکہ پیش کیا ہے، اُس کی وسعت ذیل کے چند مختصر جملوں سے بہرحال زیادہ نہیں ہے۔

۱۔ توحید:

وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ﴿﴾	اور مسیح نے کہا:- اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔

۲۔ نماز

۳۔ زکوۃ

۴۔ اطاعتِ والدین:

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ۝ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ ﴿﴾	اور میں جب تک زندہ ہوں، خدا تعالیٰ نے مجھ کو نماز اور زکوۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔

۵۔ رافت و رحمت:

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۝	اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ کی اطاعت کی، ہم نے ان کے دلوں میں رافت و رحمت پیدا کر دی۔

بس یہ تھی وہ بے تکلف اور سیدھی سادی تعلیم جو آگے چل کر نفس انسانی کی فریب کاریوں کے باعث طرح طرح کی مشکلات میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ دین جو عمومیت کے ساتھ ساری نسل و قوم کا

ورثہ تھا، چند مخصوص لوگوں کی جاگیر یا اجارہ داری کی صورت اختیار کر گیا۔ یہ لوگ جنہیں بعد میں احبار و رہبان کا نام دیا گیا' مذہب کے مالک قرار پاتے' اور انہوں نے اسے صرف اپنے لئے مختص سمجھ کر عامۃ النّاس کو اس سے دُور ہٹانا شروع کر دیا۔ بلاواسطہ یا بالواسطہ تو اُن کی کوشش ہر زمانے میں یہی دیکھی گئی ہے کہ دین کو ایک خوفناک ہوّا بنا کر لوگوں کے سامنے رکھا جائے' تاکہ وُہ اس کے نزدیک آنے کی جرأت نہ کریں' یا لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بٹھادی جائے کہ مذہب ایک نہایت عجیب و غریب گورکھ دھندا' یا ایک ناقابلِ فہم طلسم ہے' جسے سمجھنے کی ان میں اہلیت ہی نہیں'

اس طرح کے خیالات کی اشاعت کو پُوری طرح کامیاب بنانے کیلئے اُنہوں نے عام طور پر دو قسم کے حربوں سے کام لیا۔ اوّل یہ کہ عوام پر دین کے تقدّس کو کچھ اس ڈھب سے بڑھا چڑھا کر ظاہر کیا کہ لوگ خود بخود اس کے قریب پھٹکنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگے' دین کو سمجھنا اور دین کو جاننے کا دعویٰ کرنا' یہ دونوں چیزیں آہستہ آہستہ مذہب کی توہین کا مترادف سمجھی جانے لگیں۔ اس طریق عمل میں کچھ نہ کچھ خامی ضرور رہ گئی ہوگی' لہذا انہوں نے (یعنی احبار و رہبان نے) ایک اور چال اختیار کی۔ خدا کا بھیجا ہُوا مذہب سادہ تھا اور ایسا آسان' مختصر اور قابلِ عمل کہ ہر چھوٹا بڑا دماغ اس کا مدّعا و مقصود سمجھ کر اُسے اختیار کر سکتا تھا ———

مذہب کے اجارہ داروں نے اس کے ارد گرد حاشیے چڑھائے' نہایت سخت اور مشکل' زبانی نہیں بلکہ عملی حاشیے ——— خلافِ عقل و فطرت رہبانیت' ریاضت' زُہد' مجاہدہ' فاقہ کشی اور گوشہ نشینی جیسے اعمال و اطوار وضع کئے گئے۔ مذہب' جس کا مقصد انسان کی جمہوری اور معاشری زندگی میں اعتدال اور سازگاری پیدا کرنا ہے' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانی بستیوں کے ساتھ اُسے کوئی علاقہ ہی نہیں۔ بنی آدم کے تمدّن سے دُور پہاڑوں' ریگستانوں اور جنگلوں میں "راہب خانے" قائم کئے گئے اور خدا کی دی ہُوئی نعمتوں سے منہ موڑ کر حد درجہ کی بے کیف' بے لطف' خاموش اور کثیف زندگی کی راہ اختیار کر لی گئی' ساری ساری عمر کا تجرّد اور ساری ساری زندگی کی گوشہ نشینی' بے کاری اور وظیفہ بازی' ظاہر ہے کہ یہ اعمال کتنے مشکل اعمال ہیں۔ کسی مُلک کے چند گنے چُنے انسان تو بیشک یہ کٹھن راستہ اختیار کر سکتے ہونگے لیکن دنیا کی ساری انسانیت اس طرزِ عمل کو کبھی اختیار نہیں کر سکتی۔ ساری انسانیت کا معا'

تو درکنار خود یہ احبار و رہبان بھی اپنے وضع کئے ہوئے اعمال و وظائف سے اُکتا گئے۔ جس چیز کو اُنہوں نے دُنیا کے سامنے دین کے طور پر پیش کیا تھا، اب اُسی دین کے پردے میں پُوری ریاکاری اور بیحیائی کے ساتھ نفسِ امّارہ کی لذّتوں پر فریفتہ ہو کر رہ گئے ۔ تاریخ ہمیں ان لوگوں کی بوالہوسیوں سے آگاہ کرنے میں بُخل سے کام نہیں لیتی اور قرآن حکیم اُن کے فسق و فجور پر مُہرِ تصدیق قائم کرنے میں تساہل روا نہیں رکھتا :۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۖ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ

اور دُنیا سے کنارہ کشی کی تو خود اُنہوں نے ایک نئی بات نکال لی۔ ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا تھا، مگر (اُنہوں نے اپنے خیال میں) خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (آپ ہی ایسا کر لیا تھا) پھر جیسا کہ اسکو نباہنا چاہئے تھا، نباہ بھی نہ سکے پس جو لوگ اُن میں سے ایمان لائے اُن کو ہم نے اُن کا اجر دیا اور اُن میں سے بہت نافرمان ہیں۔

اور یہ رَهْبَانِيَّت کیا تھی؟ آؤ ذرا تاریخ کے اوراق سے اس کی تشریح طلب کریں راہبوں اور ننوں کی زندگی کا اندازہ لگانے کیلئے ذیل کا اقتباس ہمیں کافی امداد دے سکتا ہے

> (ایک راہب) سال بھر میں صرف ایسٹر کے دن اپنی حجامت بنواتے تھے، نہ کبھی کپڑے دھوتے تھے اور نہ کبھی لباس بدلتے تھے، تاوقتیکہ وُہ خود ہی پارہ پارہ ہو کر جسم سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ آنکھوں کی بصارت نے شدّتِ فاقہ کشی سے جواب دے دیا تھا، اور جسم کی جلد مثل پتھر کے سخت اور کھُرکھُری ہو گئی تھی۔ اسی طرح سینٹ میکیریس کے متعلق مشہور ہے کہ وُہ چھے ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تاکہ اُن کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں، نیز یہ کہ وُہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اُوپر لادے رہتے تھے۔ اُن کے مُرید سینٹ یوسیبیس اُن سے بھی بازی لے گئے تھے کہ یہ حضرت ہمیشہ قریبًا دو من لوہے کا وزن لپنے اوپر لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں کے اندر مقیم رہتے تھے سینٹ سیبنس ہمیشہ وہ غلہ استعمال کرتے تھے جو ایک مہینہ تک پانی میں پڑے پڑے سڑ گیا ہو۔ سینٹ میبیرین نے چالیس شبانہ روز خاردار جھاڑیوں کے اندر گزارے اور چالیس سال تک سونے کے وقت کبھی نہیں لیٹے .... (راہبوں کے) ایک گروہ کے متعلق یہاں تک مشہور ہے کہ ایک ایک ہفتہ تک وُہ مُنہ میں دانہ نہیں ڈالتے تھے ...

ایک مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ متصل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے، اس مدت میں ایک لمحہ کیلئے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے، بلکہ جب بہت تھک جاتے، تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے (تاریخ اخلاق یورپ صفحہ ۶، تا ۸۷)

اس یہ صورت حال پیدا ہوگئی تھی اُس دین میں جس کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے کہ توحید نماز، زکوٰۃ، اطاعت والدین اور رافت ورحمت جیسے سیدھے سادے احکام پر مشتمل تھا۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف دین عیسوی ہی نے یہ رنگ روپ اختیار کر لیا تھا اور دوسرے مذاہب انسانی تحریفات سے محفوظ رہے ہیں؟ نہیں، جتنے بھی انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے سبھی کی تعلیم و پیام کو اس منزل سے گذرنا پڑا۔ اور یہ سادگی سے ہٹ کر مشکل پسندی کی کٹھن راہ اختیار کرنا یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ مسلمانوں نے بھی حذو النعل بالنعل ٹھیک ٹھیک عیسائیوں اور یہودیوں ہی کی راہ اختیار کی، اور اس بارے میں یہاں تک آگے نکلے کہ صوفیہ کے نام سے ریاضت اور مشقت کے لئے ایک خاص فرقہ ہی متعین نہیں ہو گیا، بلکہ اُن کی دوسری جماعتوں میں بھی دقت پسندی اور تکلف آشنائی کی روح پیدا ہوگئی۔

وضو کے متعلق تو خدا تعالےٰ نے صرف اتنا ہی بتا دینا کافی سمجھا تھا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴿پ﴾

مسلمانو! جب تم نماز کے لئے آمادہ ہو، تو چاہئے کہ اپنا منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لیا کرو، اور سر کا مسح کر لو نیز اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھو لو۔

مگر ذہن انسانی کی ناعاقبت اندیشیوں کا ماتم کیجئے کہ اُسے یہ سیدھا سادا حکم نہ جانے کیوں پسند نہ آیا اور بالکل اہل کتاب کی طرح آیت الٰہی کو فقیہانہ موشگافیوں اور مجتہدانہ پیچیدگیوں کے غلاف درغلاف میں چھپا کر ہی دم لیا، وضو کے ہر جزو عمل کیلئے الگ الگ دُعا تجویز کی گئی مثلاً ایک دُعا آغاز وضو کے وقت، ایک ہاتھ دھوتے وقت، ایک کلی کرتے وقت، ایک ناک میں پانی ڈالتے وقت، ایک مُنہ دھوتے وقت، ایک ایک دُعا دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں کو دھوتے وقت، ایک سر کا مسح، دوسری کانوں کا مسح کرتے وقت اور تیسری گردن کا مسح کرتے وقت۔ دائیں اور بائیں پاؤں کو دھوتے وقت پھر الگ الگ دُعائیں، پھر ایک آخری دُعا

اختتامِ وضو کے وقت۔ گویا ایک سیدھے سادے حکمِ ربانی کے ساتھ پوری ۱۲ دعائیں اپنی طرف سے بڑھادی گئیں۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ ۱۴ سُنّتوں کا اور اضافہ کردیا گیا۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو "۲ مستحبات" اور بڑھا دیئے گئے، اگر "۲ مکروہات" اور "۲ مناقض" کو بھی اسی سلسلے میں شامل کرلیا جائے، تو کہنا پڑیگا کہ ایک فرض کے ساتھ "۴۳" اور چھوٹے چھوٹے فرائض و احکام، چپکا کر "اَلدِّیْنُ یُسْرٌ" کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا گیا۔

یہ صرف ایک ہی مثال ہے، ورنہ دین کا کوئی معاملہ ایسا نہیں، جسے ہمارے فقہا و محدثین نے بلا وجہ تکلیف میں ڈالنے کی کوشش نہ کی ہو۔ نماز جو دراصل اسلامی عبادت کی روح رواں ہے، اور جس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ انسان خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فحشا و منکر سے بچنے کی توفیق حاصل کرے، اُسے بلا مبالغہ سینکڑوں فرائض و سُنن، واجبات و مستحبات، مکروہات و مناقضات کے جنجال میں الجھا دیا گیا۔ لوگوں کی توجہ، جو خالصتہً اس نقطے پر مرکوز رہنی چاہئے تھی کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ، آہستہ آہستہ مصنوعی مسائل کے اہتمام میں پھنس کر رہ گئی۔ پھر جب اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ایک اصلی فرض کے ساتھ ساتھ، سینکڑوں "مصنوعی فرائض" کا بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں تو انہوں نے یہ ساری "مصیبت" ہی اپنے کندھوں سے اُتار کر نیچے پھینکدی فَمَا رَعَوْھَا حَقَّ رِعَایَتِھَا۔ اور پھر ایسا ہوا کہ مصنوعی نماز کو ترک کرنے کے بعد، پھر انہوں نے کبھی حقیقی نماز کی طرف بھی توجہ نہیں کی اور توجہ کیوں کر کرتے، جب کہ خود قرآن پاک ہی اُن کے دل و دماغ سے فراموش ہو کر رہ گیا تھا کانہ لم یکن شیئا مذکورا،

اِس صدی میں جاب گذر رہی ہے، پیروانِ مسیح کے دل و دماغ سے سائنس کی روشنی نے تمام مذہبی تاریکیوں کا خاتمہ کردیا ہے اب وہ تمام ریاضتیں، مشقتیں اور مجاہدے جو قرونِ وسطی کی جہالتوں کی یاد دلاتے ہیں، خواب و خیال ہو کر رہ گئے ہیں، صدہا بلکہ ہزارہا مسیحیوں میں سے تمہیں ایک بھی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا جو مذہبی دیوانگی میں مبتلا ہو۔ دین بازی اور مذہب سازی کا مشغلہ ان دنوں نیست و نابود ہوتا جا رہا ہے بلکہ جب سے ان لوگوں نے دین کی فرضی مشقتوں سے منہ موڑلیا ہے، ان کا بہت سا وقت مفید ترین صنعت و روزگار میں مصروف ہو گیا ہے۔ ان کی ساری قوم عروج و ارتقا اور سربلندی و سرفرازی کی دولتوں سے مالا مال ہو چکی ہے لیکن مسلمانوں میں بالخصوص مشرق کے مسلمانوں میں "مذہبی دیوانگی" کا مرض اب تک باقی ہے

یہاں صوفی، پیر، مُلّا، واعظ اور مولوی کی صورت میں بڑی کثرت کے ساتھ مذہبی دیوانے اور تاجر پیدا ہوتے ہیں۔ اور انہی لوگوں کا فیض سمجھئے کہ عامۃ مسلمین میں مذہبی دیوانگی کا اچھا خاصا اثر دیکھا جاتا ہے، ان لوگوں کی حرکاتِ مذبوحی پر مفصل طور پر روشنی ڈالنے کا یہ موقع نہیں البتہ پچھلے دنوں اخبارات میں ایک ایسی اطلاع پڑھنے میں آئی جو اس قابل ہے کہ آپ کے فکر و مطالعہ کے لئے نقل کر دی جائے۔

"جالندھر ۹ جولائی۔ بہار کا ایک مسلمان جو حج کی غرض سے پیدل مکہ مکرمہ جا رہا ہے، یہاں پہنچا ہے۔ وہ ہر پانچ قدم پر نفل ادا کرتا ہے۔ سات سال ہوئے وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا تھا، اس کا اندازہ ہے کہ وہ ۱۴ سال میں مکہ مکرمہ پہنچ جائیگا (زمیندار ۱۱ جولائی ۳۹ء)"

۱۹۳۹ء کے لیل و نہار میں یہ حیرت انگیز دینی حماقت اور مذہبی جنون فیا للہ و فیا للعقول اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ یہ شخص جس شہر میں پہنچتا ہے وہاں کے مسلمان اس کے اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے! سات برس سے اس کے سفر حج کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔۔ اور ابھی مزید چودہ برس کی مدت چاہیئے کہ وہ حرم کعبہ میں داخل ہو، گویا یہ شخص ۲۱ برس کے بعد مکہ مکرمہ کا حج کرے گا۔ اور اگر ۲۱ ہی برس اس کے واپسی کے شمار کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے خدا تعالی کے بیسیوں احکام میں سے صرف ایک حکم کی تعمیل کی اور اس میں بھی ۴۲ برس ضائع کر دیئے ۴۲ برس کیا، ساری عمر ہی ضائع کر دی۔ افسوس ہے اس شخص کی عقل پر، جس نے حج کے بارے میں منشائے الہی کو نہ سمجھا، حیف ہے اس شخص کیلئے جو صرف ایک فرض کے لئے وقف ہو کر رہ گیا اور باقی تمام احکام سے عملاً منہ موڑ گیا۔ حسرت ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے حج کا ڈھنڈورا پیٹا اور مسلمانوں کے سامنے ریاکاری اور مشقت پسندی کی ایک بدترین مثال پیش کی۔

پس یہ ایک مثال ہے، جس پر غور و فکر کرنے کے بعد ہم ایک نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں، حج جس کے لئے من استطاع الیہ سبیلا کی شرط عائد کر کے مسلمانوں پر یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ جس کے پاس سفر کی استطاعت ہو اُسی پر فرض ہے، دوسرے پر نہیں، ہمارے عازم حج نے اس حکم الہی کو کس طرح عملاً منسخ کر کے ہمارے سامنے پیش کیا ہے! ہزارہا میل کا پیدل سفر اپنے آپ پر واجب کر لیا گیا اور ہر پانچ قدم پر دو رکعت نماز اپنے آپ پر لازم قرار دے لی گئی، یہ باتیں اس

کس قرآن سے' کس الہام سے حاصل کی ہیں؟ اسلام نے قطعاً یہ احکام ہرگز نہیں دئے بلکہ یہ سب کچھ اس کے نفس ہی کی پیداوار ہے۔ پس یہ ایک نمونہ ہے اُن تحریفات و محدثات کا جو خیر القرون کے فوراً بعد نفس انسانی کی فریب کاریوں سے آغاز پذیر ہو گئے تھے۔ شروع شروع میں چھوٹے چھوٹے تکلفات' مسلمانوں نے اپنے اوپر لازم کئے تھے' جوں جوں وقت گذرتا گیا' تکلفات بھی بڑھتے گئے۔ ع ہرکہ آمد عمارت نو ساخت۔ حتیٰ کہ آج ایک ایسا شخص بھی پیدا ہو گیا' جو ساری کی ساری عمر یہ بلوکر کے صرف ایک حج کا سرمایہ ہی کافی سمجھتا ہے فَلِلّٰہِ درّ مَنْ قَالَ۔ بنیادِ ظلم در جہاں اندک بُوَد' ہرکہ آمد براں مزید کرد۔

مسلمانانِ فلسطین کی مالی امداد

تھوڑے دنوں کا ذکر ہے' آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے ایک اعلان شائع ہوا تھا جس میں مسلمانانِ ہندوستان سے یہ اپیل کی گئی تھی کہ وہ فلسطین کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی امداد کے لئے سرمایہ جمع کر کے لیگ کے خزانچی کے پاس بھیج دیں۔ اب تازہ اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ روپیہ فراہم کرنے کا کام شروع ہو گیا ہے اور مسلمان اس فنڈ میں اپنے اپنے چندے ارسال کر رہے ہیں۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ فلسطین کے مسلمان اس وقت مصیبت میں مبتلا ہیں' مگر مسلم لیگ کو ان کی امداد کے لئے اپیل شائع کرنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ وہ لوگ ہماری امداد کے مستحق بھی ہیں یا نہیں؟ استحقاق صرف اِس لئے پیدا نہیں ہو سکتا کہ وہ مسلمان ہیں' یا اِس لئے کہ وہ مصیبت زدہ ہیں' بلکہ دیکھنا صرف یہ ہے کہ

(۱) فلسطین کے مسلمان' ہم ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں کیا احساس رکھتے ہیں۔

(۲) اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ اگر ہم نے فلسطین کے مسلمانوں کی امداد کی' تو اقتصادی یا اسلامی نقطۂ نظر سے یہ امداد ناجائز تو نہ ہو گی؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے' ہمیں صرف فلسطین ہی کے مسلمانوں کے بارے میں نہیں بلکہ تمام دنیا کی اسلامی حکومتوں کے متعلق یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کی کسی

بھی معاملے میں، کبھی امداد نہیں کی۔ جان و مال کی امداد تو بہت بڑی امداد ہے، کبھی زبانی اور رسمی ہمدردی کا پیغام بھی اُن کی طرف سے ہمیں نہیں پہنچا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال سے لیکر آج تک ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، اس عرصہ میں آسمان کے خزانے میں کوئی بھی ایسی مصیبت باقی نہیں رہی، جو ہندوستانی مسلمانوں پر نازل نہ ہوئی ہو، مگر صفحۂ ارضی کی تیس سے زیادہ مختار و محکوم اسلامی سلطنتوں میں سے ایک تاجدار بھی ایسا نہ اُٹھا، جس نے ان ستم رسیدہ بختوں کی اشک شوئی کی ہو! ہندوستانی مسلمانوں کی امداد تو درکنار، یقین کیجئے کہ وُہ تمام اسلامی تاجدار جن کی حکومت اور خودمختاری پر یہاں کے مسلمان خوش عقیدگی اور سادہ لوحی کے باعث فخر کیا کرتے ہیں، ہم کو، یعنی ہم ہندوستانی مسلمانوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، یہ ایران، ٹرکی اور مصر کی بادشاہتیں، جن کے ساتھ ہمیں اتنی بڑی عقیدت ہے، اپنے اپنے ممالک میں ہندوستانی مسلمانوں کو ذلیل اور رسوا سمجھ کر ایسا بُرا سلوک کرتی ہیں کہ اُن میں اور غیر مسلم حکومتوں کے طرزِ عمل میں کوئی بھی فرق معلوم نہیں ہوتا! علامہ اقبال رح کی وفات پر جرمنی اور اٹلی تک کی حکومتوں نے تعزیت کے تار بھیج دیئے تھے مگر مصطفےٰ کمال، جس کی موت پر سارے ہندوستان کے مسلمانوں نے ہڑتال کر کے لاکھوں روپے کا خسارہ برداشت کیا تھا، اُس سے یا اُس کی حکومت سے تعزیت کی یہ معمولی رسم بھی تو ادا نہ ہو سکی پھر جو لوگ اتنے بے نیاز و بے پرواہ ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ہندوستانی مسلمان کیوں اُن کے نام پر مرے جا رہے ہیں؟

چلو، ہم اِس بات کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ غیر ممالک کے مسلمانوں نے کبھی ہماری امداد نہیں کی، اور اُن کے دِلوں میں ہماری ہمدردی کا اسلامی نہ سہی انسانی جذبہ بھی موجود نہیں، پھر بھی مسلم لیگ کو یہ سوچنا چاہئے کہ ہم اُن کی امداد کرنے کے قابل ہی کب ہیں؟ یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ دُنیا بھر کی قوموں میں سب سے زیادہ تنگدست اور فاقہ کش قوم ہندوستان کے مسلمانوں کی ہے مسلم لیگ کو "فلسطین" میں روپیہ بھیجنے سے پہلے پوری شرمندگی کے ساتھ اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے بیسیوں نوجوان بے روزگاری کے باعث ہر روز خودکشی کرتے ہیں! بیشمار بیوائیں، بیشمار یتیم بچے اور بیشمار مفلوک الحال مرد اور عورتیں بازاروں اور گلی کوچوں میں ایک ایک دروازے سے بھیک مانگ کر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کی تجارتیں برباد ہیں، صنعتیں پامال، مسلمان کاشتکار اور غیر کاشتکار سبھی اربوں روپے کے مقروض ہیں اور ہندوستان کے ہندو مہاجن ان کا ل

اُن کے جسم سے ۲۰ کروڑ روپے کا خون چوس لیتے ہیں۔ ایسے دردناک حالات میں اِسلام کا کوئی اصُول، انسانیت کا کوئی ضابطہ لیگ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ یہاں کے مسلمانوں سے ایک پائی بھی وصُول کر کے فلسطین بھیجنے کی جُرأت کرے۔

قرآن نے خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا ایک اصُول مقرر کردیا ہے یعنی پہلے گھر والوں میں خرچ کیا جائے اور پھر اگر کچھ بچ جائے تو باہر والوں کو بھی دیدیا جائے۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ	(اے پیغمبر) تم سے لوگ دریافت کرتے ہیں (کہ خیرات کے
قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ	لئے خرچ کریں، تو) کیا خرچ کریں؟ اُن سے کہہ دو! جو
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَ	کچھ بھی تم اپنے مال میں سے نکال سکتے ہو، نکالو، اور جب نکالو،
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ	تو اسکے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں، عزیز و اقربا ہیں، یتیم بچے ہیں،
السَّبِيْلِ ؕ	مسکین ہیں اور (مصیبت زدہ) مسافر ہیں۔

اور اگر ہندوستان کے مسلمان اس حکم الٰہی کی پوری پوری تعمیل کر چکے ہیں اور اب اُن کے پاس اتنی دولت بچ گئی ہے کہ یہاں اس کا کوئی مصرف ہی باقی نہیں رہ گیا۔ تو وہ بیشک فلسطین کی امداد بھی کرسکتے ہیں، مگر اس صورت میں جبکہ یہاں کے حقوق العباد بھی تشنۂ تکمیل پڑے ہوئے ہیں بلا سوچے سمجھے روپیہ بھیج دینا تو اور بھی زیادہ بُرا ہے!

پھر اگر یہ لوگ کسی طرح بھی باز نہیں رہنا چاہتے، اور اسی امر کا تہیّہ کر چکے ہیں کہ بہر صُورت اہل فلسطین کی امداد کی جائے گی تو زیادہ سے زیادہ وہ کتنا سرمایہ جمع کرلیں گے، اوّل تو یہ ناممکن ہے لیکن بہ فرضِ محال اگر دس ہزار روپیہ بھی جمع ہوگیا، تو فلسطین کے دس لاکھ مسلمانوں کو تو اوسطاً دو آنے فی کس کی امداد بھی حاصل نہیں ہوسکیگی، سوچنا چاہئے کہ اِن غریبوں کا اِس امداد سے کیا بن جائے گا؟

ہم مسلم لیگ کی خدمت میں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر اُسے عوام الناس میں مقبول ہونے کیلئے ضرور کوئی پراپگنڈہ ہی درکار ہے تو اس کے لئے اور بہتیری راہیں ہیں، لیکن اگر مسلمانوں کی کوئی ٹھوس خدمت مقصود ہے تو وہ کوئی اور خدمت کرے یا نہ کرے لیکن مسلمانانِ فلسطین کی مالی خدمت کا یہ طریق کار ضرور ترک کردے کہ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟ کہ با آسماں نیز پرداختی

لہ یادِ نہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۸ء

باب الاستفتا

مسئلہ شفاعت

(جناب تاج الدین صاحب لاہور)

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے روز انسان کو نہ کسی شخص کی سفارش کام آئے گی نہ دوستی۔ اسکی نجات صرف اس کے اپنے اعمال پر منحصر ہے اور انصاف بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مگر چند آیتیں ایسی بھی ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ سفارش کی اجازت دی جا سکتی ہے شرائط ساتھ نہیں مگر یہ تو پایا جاتا ہے کہ سفارش ہو سکتی ہے۔ کیا اس سے خلافِ سفارش آیتوں کی تردید لازم نہ آئے گی؟

دو ہی صورتوں میں سفارش کی ضرورت پڑ سکتی ہے (۱) کسی حاکم کو انصاف کی طرف توجہ دلانے کیلئے (۲) کسی مجرم کی سزا میں رعایت حاصل کرنے کے لئے۔ یہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ براہ کرم آیات ذیل کی روشنی میں اس مسئلے کو حل کرکے مشکور ہونے کا موقعہ بخشیں۔

(۱) گناہ کاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک لے جائینگے (اور) وہ کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر جس نے خدا سے اقرار لیا ہو (مریم-۶)

(۲) کوئی (اس کے پاس) اس کا اذن حاصل کئے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتا (یونس ۱)

(۳) اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ خدا جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔

جواب | شفاعت کا عقیدہ بہت پرانا عقیدہ ہے اور یہ صرف اللہ کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کرنے والے لوگوں کا خودساختہ ہے اسلام یا قرآن کے ساتھ اسکا کچھ بھی تعلق نہیں۔

سورۂ یونس میں آیا ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا

اور یہ مشرک اللہ کے سوا ایسے معبودوں کی پرستش کرتے ہیں، جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ

عِنْدَ اللّٰہِ ط قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ط سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہ

اور کہتے ہیں (ہم اس لئے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں (اے پیغمبر!) کہہ دو! کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو، جو خود اسے آسمانوں یا زمین میں معلوم نہیں، پاک اور بلند ہے اُسکی ذات اُس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ شفاعت کا عقیدہ کفّار و مشرکین کا عقیدہ ہے، تو مسلمانوں کو چاہئے تھا کہ اس سے کُلّی طور پر اجتناب کرتے، مگر افسوس! عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح وہ بھی اس خام خیالی میں مُبتلا ہو کر رہ گئے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے پیغمبرؐ کی سفارش پر اُن کو اپنی بداعمالیوں کی سزا سے نجات مل جائے گی اور وہ جنّت کے وارث بنا دئے جائیں گے۔

قرآن بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ قیامت کے روز تمہارا کوئی شفیع نہیں، کوئی دوست نہیں، کوئی مددگار نہیں۔ وہاں دُنیا کی کوئی طاقت تمہارے کام نہیں آئے گی۔ یوم الدّین یعنی سزا و جزا کے دن کا مالک صرف اللہ ہے اور یوم الدّین کا مطلب یہ ہے کہ

لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا وَّالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ؕ

یہ وہ دن ہوگا جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکیگا اور حکومت اُس دن اللہ ہی کی ہوگی۔

سُورہ الزمر میں فرمایا:۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ ۔ ۔ ۔ ۔ قُلْ لِّلّٰہِ الشَّفَاعَۃُ جَمِیْعًا ط

کیا اِن لوگوں نے خدا کے سوا (دوسرے لوگوں کو) سفارشی ٹھیرا رکھا ہے؟ ۔ ۔ ۔ ۔ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو) کہ سفارش تو ساری خدا ہی کے لئے ہے۔

اِس آیت کی رُو سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا شفاعت کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں، اور اگر اس مضمون کی تمام آیات کو سامنے رکھا جائے، تو ایک منصُوص اور محکم نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام، سفارش کے عقیدے کو سرے سے برداشت ہی نہیں کر سکتا۔

اب سفارش کے بارے میں جس قدر آیتیں قرآن حکیم میں آئی ہیں اُن کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ وہ آیات جن سے قطعی طور پر شفاعت کی تردید ہوتی ہے۔

۲۔ وہ آیات جن سے سفارش کا محض احتمال ظاہر ہوتا ہے (جیسا کہ صاحب استفتاء نے بھی

چند آیتیں پیش کی ہیں ۔

لیکن ہمارا ایک مسلمہ اعتقاد یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات تضاد و تخالف سے پاک ہیں، لہٰذا اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ایسی تمام آیتوں کو جن سے شفاعت کا محض احتمال معلوم ہوتا ہے اُن آیتوں کے ماتحت رکھا جائے جو ریب و احتمال کے خلاف صاف و صریح طور سے شفاعت کے ابطال و تردید کا حکم رکھتی ہیں۔ ترجیح صرف نصوص قطعیہ کو حاصل ہونی چاہئے۔

اور اگر غور کیا جائے تو جن آیتوں میں شفاعت کا احتمال نظر آتا ہے، احتمال حقیقۃً اُن سے بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ یہ صحیح ہے کہ شفاعت کی آیتوں میں اِذن و اجازت کی شرط موجود ہے لیکن اس شرط سے یہ نتیجہ کب نکلتا ہے کہ کسی پیغمبر یا فرشتے کو فی الحقیقت ہی شفاعت کی اجازت دیدی گئی ہے؟ آپ اوّل سے آخر تک سارے قرآن کا مطالعہ کر جائیں، آپ کو یہ کہیں ثابت نہ ہوگا کہ خداتعالیٰ نے کسی متنفس کو شفاعت کا اذن بھی عطا کر رکھا ہے، اور جب اِذن ثابت نہیں تو شفاعت کا سوال ہی کب پیدا ہو سکتا ہے؟

جو لوگ اِذن و اجازت کی آیتوں سے شفاعت کا عقیدہ ثابت کرتے ہیں وہ دراصل قرآن حکیم کے اسلوب بیان سے واقف نہیں۔ اگر اُن کا یہ طریق استدلال درست تسلیم کر لیا جائے، تو کلام الٰہی کے بہت سے مقامات ناقابل فہم ہو کر رہ جائیں گے۔ مثال کے طور پر سورۂ کہف کی آیت ذیل ملاحظہ ہو۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ میں نے ان کو (یعنی کفار کو) نہ تو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرتے وقت، اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنیوالوں کو مددگار بناتا۔

دیکھئے، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ کی خلقت میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے کوئی مدد نہیں مانگی۔ اب اگر کوئی شخص اسی آیت سے یہ واضح کرنے کی کوشش کرے کہ خداتعالےٰ نے صرف کافروں ہی کی امداد سے انکار کرتا ہے، مومنوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کے تعاون سے انکار نہیں کرتا، لہٰذا کائنات کی تخلیق میں مومنوں نے اس کا ہاتھ بٹایا ہوگا، تو سوچیے، یہ استدلال کتنا غلط اور بے معنی استدلال ہے!

پس جس طرح کفار کی امداد کے انکار سے مومنوں کی اعانت کا اعتراف ثابت نہیں ہو سکتا،

اسی طرح اجازت کی شرط کا مطلب یہ نہیں کہ حقیقۃً کسی شخص کو سفارش کا حق دے دیا گیا ہے جن آیتوں میں اذن کا ذکر آیا ہے، ان کے ذریعے کفار پر یہی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ شفاعت کے قائل ہو، حالانکہ شفاعت کے لئے خدا تعالیٰ کی اجازت شرط ہے اور اس نے تمہارے معبودوں کو کبھی اجازت عطا ہی نہیں کی۔

اگر کسی شخص کو شفاعت کی اجازت دی گئی ہوتی تو خدا تعالیٰ یہ نہ ارشاد فرماتا: لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ نہ زمین و آسمان میں اُسے کسی بھی شفیع کا علم نہیں۔ (س)

اُمّتِ مسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا تیسرا سالانہ جلسہ آئندہ کرسمس کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا ہے احباب اُمّت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو جائیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو جلسہ کی مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات کی تکمیل ہو سکے۔ جو صاحب اس غرض کے لئے روپیہ ارسال فرمائیں انکو اس کی تصریح کر دینی چاہئے تاکہ اُن کی رقوم جلسہ فنڈ میں شامل کی جائیں۔ مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائیگا

تعلیماتِ قرآن

مرتبہ جناب مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری اُستاد تاریخ جامعہ ملیہ دہلی۔ یہ کتاب اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے کہ قرآن کریم مکمل کتاب اور اپنی شرح آپ ہے۔ کسی خارجی شے کا اپنی تفسیر میں محتاج نہیں۔ یہ کتاب اس نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ آج کسی زبان میں قرآن کریم کی تشریح پر اس قسم کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ کتابت طباعت اور کاغذ اعلیٰ قیمت عہ

خاتم النبیین { نہایت متانت اور سنجیدگی سے قرآن مجید کے دس واضح اور بیّن دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے بعد دنیا کو کسی نبی کی قطعاً ضرورت نہیں قادیانی بالعموم ہر کتاب کا جواب دیتے ہیں لیکن اس کتاب کا اُن سے آج تک کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ قیمت ۲ر

سکرٹری اُمّتِ مسلمہ۔ امرتسر (پنجاب)

تورات

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

(۲)

حضرت ابراہیمؑ مصر میں بھی گئے اور بعض روایات کی رو سے وہاں بیس سال رہائش رکھی۔ ان ایام میں مصر کے اس حصہ پر جو "ڈلٹا" سے موسوم ہے، ایک عربی خاندان بنام "حیق۔ سوس (Hy ek sis) جنکو چوپان بادشاہ کہتے ہیں حکمران تھا، مولفین "ایجپٹ اینڈ دی ویسٹرن ایشیا" نے مختلف محققین کا نظریہ درباره ابتداء "حیق سوس" واضح کیا ہے اور اکثر محققین کی کوشش یہ رہی ہے کہ ان لوگوں کو یونانی یا مغل ثابت کیا جائے لیکن اسکی توجیہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے کہ لفظ "حیق سوس" خالص عربی ہے۔ "حیق حاق" کے معنی گھیرنا، گرداگرد کمربند، احاطہ کرنا" "سوس" نام ہے سام بن نوحؑ کے ایک بیٹے کا۔ یہ نام خاکنائے سویس میں جواب "نہر سویس" ہے پایا جاتا ہے، نیز سیاست کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر برغش بے ارمنی نے جو خدیو مصر اسمعیل پاشا کے ہاں بیس سال ملازم رہا۔ تاریخ مصر (۔) لکھی وہ بھی "حیق سوس" کو عربی نژاد خاندان بتاتا ہے۔ مولفین مذکور صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں:۔

"یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ قریب قریب ایک ہی وقت میں عرب کے بدوی مصر کو مسخر کرتے ہیں اور اس جگہ حکومت قائم کرتے ہوئے آباد ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح عمرو بن العاص اور مسلمان دو ہزار برس بعد آئے اور یہاں قیام کیا۔ دوسری عربی نسل اسی طرح اس ملک پر جس کا دارالخلافہ "بابل تھا" قابض ہو گئی۔ کیونکہ بابل کا پہلا خاندان جو حمورابی کا تعلق دار تھا، اغلباً عربی نژاد تھا۔ جیسا کہ شاہان بابل کے ناموں سے واضح ہوتا ہے، یہ امر غیر ممکن نہیں کہ مصر اور بابل کی فتوحات میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے اور یہ کہ دو ہزار سال قبل از مسیح ایک وقت میں بابل، فلسطین اور مصری ڈلٹا عربوں کے سامنے سرنگوں ہو گئے"۔

مصر کے تیرھویں خاندان سے سترھویں تک شمالی مصر عربوں کے زیر حکومت رہا، یہ وہ وقت ہے

جب حضرت ابراہیمؑ اس جگہ آئے اور کچھ عرصہ رہائش رکھی، ڈاکٹر برغش بے نے بعض تحریری دستاویز کا حوالہ دیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خاندان بھی ملت ابراہیمؑ کے زیر اثر آچکا تھا۔ مصر کے ابتدائی حکمران جنوب مصر میں حکومت کر رہے تھے اور حیق سوس فراعنۂ مصر کے باجگذار رہتے ان میں سے ایک فرعون مصر کو لکھتا ہے کہ:-

"آپ کے ہر ایک ارشاد کی تعمیل بجا لانے کو تیار رہوں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ آبائی دیوتاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کا بندہ بن جاؤں۔

فرعون وقت کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے تعلقات دوستانہ تھے اور اس نے بہت سا مال واسباب آنحضرتؑ کو دیا اور اپنی ایک لڑکی ہاجرہ نکاح میں دی جس کو توریت میں "مصری لونڈی" لکھا ہے۔ توریت میں یہ تو مذکور ہے کہ آنحضرت کو فرعون نے بہت کچھ دیا اور ایک لونڈی بھی دی[1] جسکا نام ہاجرہ ہے لیکن جو قصہ بیان کیا ہے وہ نہایت ہی بعید از قیاس ہے۔ (پیدایش ۱۲۔ ۱۱)

پیدایش ۱۴ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب ارض کنعان میں تھے تو آنحضرتؑ کے ہمعصر امرافل شاہ بابل جو حمورابی کا باپ ہے" اریوک شاہ الاسار" کدرلعومر" شاہ عیلام" تدعال" شاہ جوہیم تھے۔

صحف ابراہیم | توریت سے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کسدیوں کے اُور سے ہجرت کرکے آئے تھے۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ الجزیرہ آن ایام میں تہذیب وتمدن علوم وفنون کا گھر تھا۔ بلحاظ مذہب بھی اس کا پایہ بہت بلند تھا۔ آنحضرت بھی اسی قوم کے فرد تھے جو یہاں آباد تھے۔ اس لئے بوقت ہجرت بروایات تاریخی اور مذہبی اور بالخصوص شریعت جو دستور العمل تھا۔ آنحضرتؑ اپنے ساتھ لائے اس لئے توریت جس میں صحف ابراہیم بھی شامل ہے۔ کسی غیر کی مرہون منت نہیں۔

مذہب | جسے مذہب کہتے ہیں اور جو فی الحقیقت کسی نہ کسی رنگ میں دستور العمل عالم انسانی ہے۔ وہ تقاضائے فطرت انسانی ہے۔ یہ احساس انسانی نفوس کو آفرینش سے رہا ہے کہ وہ محدود طاقتوں

---

[1] اس موضوع پر مولانا عنایت رسول مرحوم چڑیا کوٹی نے ایک محققانہ مضمون لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ہاجرہ فرعون مصر کی لڑکی تھی۔ بقول سرسید احمد خان مغفرلہٗ مولانا عنایت رسول عبرانی کے بہت بڑے عالم تھے اور ان کو یہود کی اصطلاح میں ربائی کہنا بجا ہے۔

کا مالک ہے۔ اور ان کا عمل بھی محدود ہے۔ اس لئے یہ احساس بھی ہے کہ کوئی ہستی بالا تر ایسی ہونی چاہئے جو اس کی ربوبیت کرے۔ اور اکثر حالات میں اسے "ہدایت" کی ضرورت ہے اور ہدایت ایسی ہی ہستی سے متوقع ہے جو زندگی کے خطرات سے امن میں رکھے اور ان قوتوں کے شر سے محفوظ رکھے جو اسے اپنے ماحول میں مشاہدہ ہوتی ہیں۔ انسان اس لئے کسی بالاتر ہستی کی پناہ ڈھونڈتا ہے اور اس پر اسکا انحصار اور اس کی عبودیت مذہب سے تعبیر ہوتی ہے جو بالکل فطری احساس ہے۔

لیکن اسکے ایک اور بات بھی ہے' یہ انسانی تخیل ہے' جو ان نقوش سے پیدا ہوتا ہے جو اشیاء فی الخارج کا ہمارے قلب پر بذریعہ حواس پڑتا ہے' انسانی تخیل اس میں وہ بات پیدا کرتا ہے جو عموماً شعرا کا حصہ ہے (ملاحظہ ہو لفظ "سحر") انسانی تخیل نے ایام جاہلیت یا ازمنۂ تاریک میں اور سچ پوچھو تو اب بھی مختلف پیرایہ میں بیشمار دیوتا اور دیویاں اور اُن کا شجرۂ نسب اور دل لبھانے والے محرکِ مخربِ اخلاق افسانے تراش رکھے تھے۔ وہ کتابیں جو بابل اور نینوا اور دیگر مقامات سے دستیاب ہوئے' اِن رام کہانیوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن ان میں فطری تقاضا، مذہب بھی کارفرما ہے۔ ان میں خدایا خداؤں کی حمد و ثنا اور دعائیں بکثرت ہیں مثلاً وہ باطل اور حق کو جانتا ہے" اور جو اس صداقت کو جانتا ہے' جو انسان کے دل میں ہے اور جو باطل کو معدوم کرتا ہے"۔ اور "جو بُرے منصوبوں کو نیک نتائج میں بدل دیتا ہے' یہ اور اسی قسم کے فطری جذبات کا اظہار کیا گیا ہے'۔ یہ امر کہ یہ حمد و ثنا اور دعائیں سورج دیوتا کے حضور کی گئی ہیں چنداں قابلِ التفات نہیں' یہ مغالطہ ہے' علم کی کمی کا نتیجہ ہے۔ قرآن ان فطری جذبات کا احترام کرتا ہے لیکن بت پرستوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی کرتا ہے:-

لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﷲ ۶/۱۹ (مسلمانو) ان کو بُرا نہ کہو جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں' کیونکہ وہ نادانستہ اللہ کو بُرا کہیں گے' اسی طرح ہر ایک امت کو ہم نے ان کے عمل پہلے دکھلائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف رجوع کرنا ہے تب وہ جتادیگا جو کچھ وہ عمل کرتے تھے:

جذبات مذہب خدا پرست اور بت پرست دونوں میں یکساں فطری ہیں' یہ اور بات ہے کہ ان کا اظہار مختلف طرز پر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں رواداری کی تعلیم بھی انہی فطری جذبات کے

احترام کی وجہ سے ہے "شعور دینی" میں جب غلو ہو تو تعصب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو برا کہتے ہیں، حالانکہ وہ ایک ہی کتاب "بائبل" پڑھتے ہیں، مغالطہ اور شئے ہے اور فطری جذبہ اور چیز ہے

صنمیات | اہی، خالدی اور اشوری کتابوں میں سورج دیوتا کی نسبت مذکور ہے کہ کس شان سے زمین پر سر اٹھاتا ہے یعنی طلوع ہوتا ہے۔ آسمانوں کے درخشاں دروازے کھولتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ محض انسانی تخیل ہے اور شاعرانہ تخیل ہے۔ ویدوں میں اندر اور اگنی کی نسبت ایسے سینکڑوں منتر ہیں اس کو اصطلاح میں صنمیات کہتے ہیں۔ یونانی لفظ "مائی تھو۔لوجی" ہے۔ مذہب سے اُسے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تدبر و تفکر کی کمی کا نتیجہ ہے، توہم ہے "چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند"۔ لیکن تمام کتب مقدسہ میں، ویدوں میں، ژندواوستا میں، اور خود توریت میں، مذہب میں انسانی تخیل کی آمیزش پائی جاتی ہے، اگرچہ توریت میں بہت کم ہے۔ اور اوّل الذکر کتابوں میں زیادہ ہے، وہ فطری تحریک جو آیاتِ صحیفۂ فطرت کی طرف توجہ دلاتی ہے، اور جو کچھ بلا آمیزش تخیل و توہمات قلبِ انسانی پر القا ہوتا ہے، وحی، الہام، حق ہے، یہ نظریہ کہ تمام انبیا و رسل ان تخیلات اور توہمات سے پاک تھے جو تمنائے نفس ہے قطعی غلط ہے، اور اس لئے یہ نتیجہ کہ ابتدا سے خالص توحید بلا شائبہ شرک و توہمات انبیا و رسل کی تعلیم تھی، صحیح نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ الاٰیۃ	اور تجھ سے پہلے ہم نے نہ کوئی نبی ایسا بھیجا کہ جب لگا خیال باندھنے تو شیطان نے اس کے تخیل میں

القا نہ کیا ہو۔ پھر اللہ شیطانی آمیزش کو مٹاتا ہے اور اپنی آیات پختہ کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

این۔تھرو۔پو۔مور۔فی۔ازم | اس لئے تمام سابقہ کتب مقدسہ میں کم و بیش وہ تخیل پایا جاتا ہے جو صنمیات سے تعبیر ہوتا ہے (ملاحظہ ہو لفظ قرآن) خالص الہام اور وحی اور تخیلات اور توہمات کے بین بین ایک اور بات بھی ہے جسے محققین یورپ "این۔تھرو۔پو۔مور۔فی۔ازم" (An thro Po mor Phism) کہتے ہیں۔ یہ اصطلاح دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے۔ این۔تھرو۔پوس (An thro Pos) یعنی انسان اور "مورفی" (Mor Phe) یعنی شکل و صورت، انسان حقائق کو اپنے دائرہ تصور میں لانے کی کوشش کرتا ہے وہ کوشش کرتا ہے کہ حقائق کو پایہ

شوریت میں مشاہدہ کرے۔ اُسے اتنا احساس تو ہے کہ حقائق بلا صورت ہیں لیکن مجبوراً اُسے وہی آلات استعمال کرنے پڑتے ہیں جو اس کے حواس اور قویٰ بہم پہنچاتے ہیں۔ اس لئے وہ تشبیہات اور استعارات سے جو سابقہ تصور ہائے معلوم ہیں اس کا بیان کرتا ہے اور اپنے حالات پر قیاس کرتا ہے یہ حالت اس سے بالکل مختلف ہے جو ضمنیات سے تعبیر ہوتی ہے اس کیفیت سے انسانی ذہن بمشکل خالی ہو سکتا ہے مثلاً انسان سمیع و بصیر ہے اور اُسے معلوم ہے کہ جو شئے سمیع و بصیر نہ ہوگی، وہ اندھی اور بہری ہوگی اس لئے وہ بالاتر ہستی کو ان اسماء سے موسوم اور ان صفات سے موصوف تصور کرتا ہے لیکن اُسے یہ بھی معلوم ہے کہ انسان سمع و بصر محدود ہے اور آنکھوں اور کانوں کا محتاج ہے وہ بالاتر ہستی کی نسبت یہ خیال کرتا ہے کہ اس کی صفات غیر محدود ہیں اور آلات کی محتاج نہیں قرآن نے اس حقیقت کو واضح بیان کیا ہے:۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۲۵/۴ | اس کی مثل کوئی شئے نہیں اور وہ سنتا دیکھتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ وہ ذات لاتعین ہے لیکن بہ تعلق فہم انسانی متشخص ہو جاتا۔ وہ صفات ہے صوفیہ محققین نے اس موضوع پر لطیف بحث کی ہے اور ذات کو صفات متشخصہ سے منزہ خیال کرتے ہیں، میرزا عبدالقادر بیدل کہتے ہیں ؎

گرنشاۂ دستگاہ فقر تو رسا ست | از ہرچہ جز اوست رنج مخموریہا ست
اے ذات پرست از فضولی بگذر | الٰہی را رحیم و رحماں چہ بلا ست

شیخ سعدی کہتے ہیں ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہرچہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

پیش بیناں بارگاہ الست | بیش ازیں رہ نبردہ از کہ ہست

توریت میں ایسی باتیں ہی ہیں جو این۔تہرد۔ پو۔ مور۔ فی۔ ازم' کا مفہوم ہیں۔ خداوند خدا اسی طرح آتا جاتا ہے اور اسی طرح بات چیت کرتا ہے جس طرح انسان کرتا ہے پیدائش ۳/۸ میں مذکور ہے کہ آدم وحوا نے خداوند خدا کی آوازوں کو ٹھنڈے وقت باغ میں چلتے ہوئے سنا' یہ ضمنیات سے بالکل علیحدہ شئے ہے۔

اب قرآن کی شان ملاحظہ ہو کہ ذہن انسانی کو کس ارتقائی درجہ پر پہنچا دیا' اس کی آیات بینات

بالکل صاف ہیں۔ عموماً لوگ اس مغالطہ میں الجھے ہوئے ہیں کہ قرآن میں توریت کی آیات کا بلفظہٖ حوالہ ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن کی آیات ہیں حالانکہ یہ محض حوالہ ہے اور بلفظہٖ ہونا چاہئے قرآن کی آیات بیّنات محکمات ہیں جو ان متشابہات کو جو سابقہ کتب مقدسہ کی آیات ہیں مشرح بیان کرتا ہے۔ قرونِ اُولیٰ اور اُسکی خصوصیتیات اور ذہنی حالات کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ ان ازمنۂ تاریک میں یہی کچھ ممکن تھا۔ تمام سابقہ کتب مقدسہ میں سے توریت کو خاص امتیاز حاصل ہے کہ ان تمام بیہودگیوں سے پاک ہے جو دوسری کتابوں میں کم و بیش پائی جاتی ہیں جادو، رمالی، جوتش، جنتر منتر وغیرہ کی سخت مذمت کی گئی ہے اور یہ ہدایت کی گئی ہے۔ کہ اگر کوئی اسرائیلی مرد ہو یا عورت ان باتوں میں مشغول ہو جو خداوند خدا کے نزدیک گندی ہیں تو انتہائی سزا کی سزاوار ہے۔ توریت وہ بلند پایہ کتاب ہے کہ اگر یہ نہ ہوتی تو انجیل اور قرآن بھی نہ ہوتا تینوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور ایسی مربوط ہیں کہ اگر ایک ٹوٹ جائے تو تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔ انجیل محض بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے ہے۔ مقدس پولوس نے علی الرغم حواریانِ مسیح اس کو غیر بنی اسرائیل میں شائع کیا۔ توریت کو تو عہد عتیق کہہ کر منسوخ قرار دیا۔ اور انجیل کو عہد جدید[۵] کہہ کر اہل یونان و روم میں پیش کیا اور ایسے رنگ میں پیش کیا جو قابلِ قبول تھا یعنی صنمیات میں، ان کے ہاں تثلیث و کفارہ وغیرہ پہلے ہی موجود تھا اس لئے نئے نام گھڑ لئے اور بس، نصاریٰ سے پہلے یہود موجود تھے اور اب بھی ہیں۔ لیکن توریت نے جو توحید کا سبق اُن کو دیا۔ وہ اُنہیں آج تک یاد ہے۔ کتنا عالیشان اور ذہنی ارتقا کا محرک یہ سبق ہے کہ:-

"تو اپنے خداوند خدا کے سوا کوئی اور خدا نہ ٹھہرا۔ اور تو خداوند کی کوئی مورت یا صورت کسی شے کی مثل خواہ وہ آسمان پر ہو یا زیرِ آسمان، زمین پر یا زیرِ زمین یا پانی میں نہ بنانا، تو اپنے خداوند خدا کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا اور نہ کسی اور کی پوجا کرنا۔"

(خروج ۲۰-۳ تا ۵) (باقی آیندہ)

---

۵ عہد سے مراد وہی عہد شریعت ہے جس کا مذکور توریت اور قرآن میں بار بار ہے۔ اس عہد کو بنی اسرائیل کبھی نہیں بھولے اور نہ بھول سکتے تھے چونکہ اس وقت یہودی رومنوں کے محکوم تھے اور بے صبری سے منتظر تھے کہ وہ نبی جو مثیلِ موسیٰ ہے، پیدا ہو اور دوبارہ حکومت اور آزادی دلوائے اس لئے یہ خیال محو کرنے کیلئے پولوس نے عہد عتیق کو منسوخ قرار دیا اور عہد جدید کا کچھ اور مفہوم پیدا کیا۔ اعمال الرسل اور پولوس کے خطوط سے پایا جاتا ہے کہ پولوس کو حکومتِ وقت کی حمایت اور اعانت میسّر تھی، اور وہ بھی حکومتِ وقت کی اطاعت پر زور دیتا ہے۔

روحانی انقلاب

نسیم میرا بچپن کا دوست پورے ۲۵ سال کے بعد مجھے ملا جبکہ ہماری رعنا جوانیاں بڑھاپے کی بوسیدہ دہلیز کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ اس کی جسمانی حالت میں بہت کم تغیر واقع ہوا تھا، لیکن رُوح بالکل بدل چکی تھی۔۔۔ وہ شوخ و شنگ کمسنی اور اس کے بعد وہ مجموعۂ شعر و شراب جوانی ـــــ دوستوں کی کوئی مجلس، یارانِ زندہ دل کی کوئی سیر نسیم کے بغیر پُرلطف نہ ہوسکتی تھی۔ وہ جہاں بھی ہوتا، اس کے گرد اس کے محبت کیش احباب کا جھرمٹ رہتا، وہ باتیں کرتا تو اُس کے مُنہ سے پھولوں کی بارش ہوتی، دلچسپ لطائف اور دلکش اشعار کے نہ ختم ہونے والے چشمے اسکی میٹھی زبان سے جاری ہوتے اور حاضرین کی کشتِ تمنا کو سیراب کرتے، ہماری اُداسیوں علاج ہماری بے چینیوں کی دوا اُس کی صحبت تھی۔ عشق و محبت کے موضوع پر اس کی ساحرانہ گفتگو دُنیا و مافیہا سے بیگانہ کردیتی تھی۔ وہ بیحد ذہین اور حاضر دماغ تھا۔ اُس کے دوستوں میں ہر مرتبہ کے لوگ شامل تھے، اَن پڑھے گریجوایٹ، فضلا، آزاد خیال مذہب پرست، مسلم، غیر مسلم، ناستک، آستک وغیرہم

میں نے ۲۵ سال تک دُنیا کے مختلف ممالک کی سیر کی۔ اس دوران میں مجھ پر جو واقعات گزرے، اُن کی تفصیل کا یہ محل نہیں ـــــ تھوڑا عرصہ میرے اور نسیم کے درمیان سلسلۂ خط و کتابت قائم رہا۔ پھر نسیم کی طرف سے جواب نہ آنے پر میں نے بھی سکوت اختیار کرلیا۔ میں اس طویل عرصہ کے بعد وطن واپس پہنچا تو پُرانے دوست یاد آئے، بعض مرچکے تھے (رحمہم اللہ) بعض معاش و ملازمت کے سلسلے میں وطن سے دُور جا پڑے تھے جو چند ایک موجود تھے، اُن کی وہی حالت تھی جو عام لوگوں کی دُنیا میں پھنس کر ہوجاتی ہے ان میں صرف نسیم کی زندگی اور اس کے مدارج تغیر ایسے تھے جن سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا ـــــ اب وہ احباب و اعزہ سے نفور تھا۔ لوگ اُسے ملنے کیلئے آتے، تو وہ با دلِ ناخواستہ ملاقات کرتا۔ اس کے متین چہرے پر طویل خاموشی کا پردہ گرا رہتا،

وہ اپنے گوشۂ خلوت سے باہر نکلنے میں کراہت اور تکلیف محسوس کرتا۔ اب وہ کسی اور دُنیا کا باشندہ تھا۔ ہم اس کے جسم کو دیکھتے تھے لیکن اسکے تخیّل کی اتھاہ گہرائیوں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔۔ سیر و سیاحت، اکل و شرب، سرور و غنا جو اُس کی طبیعت کے اجزاء تھے، وُہ اب اِن سب سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ زر و مال اور عزت و شہرت کی اُس کو پروا نہیں رہی تھی۔ اس کا بہت عزیز کتبخانہ جو اُس نے بڑی محنت اور صرفِ کثیر سے مہیا کیا تھا سوائے ایک دو کتابوں کے خالی پڑا تھا۔ مَیں اس کا بے تکلّف دوست تھا لیکن اب مَیں اس سے بے تکلّفانہ گفتگو کرنے سے جھجکتا تھا۔ مَیں اُسے جب ملتا، معمولی خیر پُرسی اور تھوڑی خاموشی کے بعد الگ ہونے کے لئے مجبور ہو جاتا۔ مَیں اُس کے اخلاق و عادات کو اتنا متغیّر پاکر زیادہ سے زیادہ حیران ہوتا رہا۔

مَیں نے ایک دن موقعہ پاکر جرأت کی۔

"بھائی نسیم! کیا تم مجھے اجازت دو گے کہ مَیں تم سے ایک بات پُوچھوں"؟ میں نے کہا

"شوق سے"۔ متبسّم چہرے کو اوپر اُٹھاتے ہُوئے نسیم نے کہا۔

"مَیں متعجّبانہ دیکھ رہا ہُوں کہ تم یکسر ایک عقدۂ لاینحل اور ایک سر بستہ راز بن چکے ہو" کیا مَیں تمہارے مُوجباتِ تغیّر سے آگاہ ہو سکتا ہُوں"؟

"تعجب کا کونسا محل ہے؟ ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں" اُس نے ذرا سوچکر جواب دیا

"لیکن اتنا غیر معمولی تغیّر ایک حادثہ ہے، ایک سانحہ ہے، جو بہت کم کسی انسان کی زندگی میں رونما ہو سکتا ہے"۔

"بھائی! حوادثِ روزگار سے بچ نکلنا کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے بس کی بات نہیں"۔

"مَیں اس کا منکر نہیں، صرف اِتنی بات دریافت کرنا چاہتا ہُوں کہ تمہیں کس چیز نے اسقدر "چُپ شاہ" بنا دیا؟"

"اگر تمہیں اصرار ہے، تو کل شام کے بعد مجھے ملو، کھانا یہیں کھاؤ اور میری طویل سرگزشت سُنو"

اس مختصر مکالمہ کے بعد میں رخصت ہُوا۔ دوسرا دن شوق و بے تابی سے گزارا، اور سرِشام نسیم کے عزلت کدہ پر پہنچا۔ یہ مکان آبادی سے دُور ایک ویرانے میں تھا جس سے متصل صرف

چند اور مکان تھے۔ نہایت خاموش سکونت تھی۔ وہاں نسیم اور اُسکی بیوی نیم راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے اعزّہ اور پُرانے احباب میں سے کبھی کبھی کوئی اُنہیں ملنے آتا، تو ذرا رونق ہو جاتی۔ اس کے بعد وُہی ہُو کا عالم ہوتا؛

ں نے آواز دی۔ نسیم نے پُرخلوص تبسّم سے میرا خیر مقدم کیا۔ برسات کا موسم تھا کوٹھے پر چار پائیاں بچھی تھیں۔ خنک اور ابر آلود ہوا کے زندگی بخش جھونکے روح کو تازگی پہنچا رہے تھے۔ نسیم نے در بیٹھنے کے بعد مٹی کے نفیس برتنوں میں نہایت سادہ، پاکیزہ کھانا اور تازہ پانی لاکر میرے سامنے رکھ دیا۔ اور میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوا ——— میں نے اس کی خانگی زندگی کو صداقت اور بے تکلفی سے معمور پایا۔ طعام سے فارغ ہو کر میں نے اپنے مطالبہ کو دُہرایا۔

مَیں :۔ عزیز دوست: مَیں تمہاری پُراسرار سرگذشت سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہوں۔

نسیم :۔ بھائی! میری سرگذشت دنیا سے انوکھی نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جس میں کسی قدر تحقیق و تلاش کا مادہ ہوگا؛ میری ہی طرح مختلف منازل کرنے کے لیے مجبور ہوگا۔ مجھے تم سے اصلی واقعات بیان کر دینے میں کوئی حجاب و تکلف نہیں ——————— تمہیں معلوم ہے۔ کہ منزلِ شباب میں قدم رکھنے سے ذرا پہلے ہی میرا میلانِ طبیعت حافظ کے اس شعر سے شروع ہوا تھا۔

بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم
فاش میگویم و از گفتۂ خود دلشادم

اسی بندگیٔ عشق نے مجھے شعر و ادب کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میری توجہ ایسے بزرگوں کی طرف منجذب ہوگئی۔ جو نکاتِ فن اور لطائفِ سخن کے ماہر ہوں۔ وادیٔ شعر میں برسوں سرگرداں رہنے کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ علمی دُنیا سے میرا ایک گونہ تعارف ہوگیا؛ در تکمیلِ شعر کے شوق نے میرے سامنے بہت سے متعلقہ علوم و فنون کے دروازے کھول دیئے۔ اب میں سمجھا کہ میں جسے منزل سمجھتا تھا، وُہ رہگذر تھی اور رہگذر منزل۔ اس اثنا میں ملک کی بہت سی سیاسی و غیر سیاسی مجالس کے قائدین سے میرے گہرے تعلقات ہو گئے سالہا سال معتقدانہ اور دوستانہ روابط رکھنے کے بعد اس سے میرے حُسنِ ظن کو سخت صدمہ پہنچا۔ مجھے یقین کرنا پڑا۔ کہ

میز جمیعت المجموع گاندھی سے لیکر معمولی معمولی آدمی تک ملک کا سچا خیر خواہ کوئی نہیں، الّا ماشاء اللہ، کوئی شہرت پرست ہے، کوئی دولت پرست ہے، اور کوئی بڑا مخلص ہوا۔ تو وہ فرقہ پرستی کی تنگنائے سے آگے نہیں نکل سکتا، الا ماشاء اللہ ——— ساتھ ہی ساتھ۔ مجھے مذہبی تحقیق کا شوق بھی لگا رہا، سب سے پہلے میں نے علماء صوفیہ کے ظاہری نور اور باطنی ظلمت پر اطلاع حاصل کی۔ میرا یہ تمام علمی و تجربی سفر صرف تین چار سال میں طے ہوگیا۔ تصوّف کے عقیدۂ وحدۃ الوجود کی محبت کے دوران میں بعض دہری اشخاص سے میری شناسائی ہوگئی، میں نے وجودی صوفیوں کی بے باکانہ روش اور دہریت کی حدود کو بہت متصل محسوس کیا۔ میں نے یقین کیا۔ کہ ایک رند مشرب اباحتی صوفی اور شریف دہریہ میں بہت کم فرق ہے۔ پس صوفیت کے کوچے سے نکل کر میرا پہلا قدم دہریت کے لق ودق صحرا میں پڑا" ——— یہاں پہنچ کر نسیم رُک گیا کئی منٹ خاموش رہنے کے بعد پھر بولا۔

مجھے وُہ وقت یاد آتا ہے، تو روح میں ایک لرزش پیدا ہو جاتی ہے۔ خدائے کائنات کا انکارِ شدید، انبیا و صلحا پر گستاخانہ حملے، نظامِ عالم کے متعلق بدگمانی، روحانیت و اخلاق کا تمسخر، فجور و مناہی کا ارتکاب، جواز و عدم جواز، حلت و حرمت، اور کذب و صدق کی تمیز سے بے پروائی۔ یہ تھے میرے ہم خیال احباب کے روز مرہ کے مشاغل! اسی دوران میں ایک رات میں نے اپنے آپ کو خواب میں سکراتِ موت کی آغوش میں پایا۔ میں اور میرے متعلقین میری زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ایک عزیز، جن سے میرے بہت زیادہ تعلقات تھے، میری حالت دیکھ کر بہت زیادہ مضطرب تھے۔ جاگ اٹھنے کے بعد بھی میں ویسا ہی ہراساں تھا، گھر سے نکلا، تو وہی عزیز میری طرف آتے ہوئے ملے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے بھی مجھے خواب میں سکرات کی حالت میں دیکھا ہے، اور تحقیق حال کے لئے آ رہے ہیں۔ کامل کئی دن تک مجھ پر اس ہولناک خواب کا اثر رہا۔ اس کے بعد میرے عیش و بے فکری کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اور مجھ پر ابتلاء و مصائب کا دور شروع ہوا۔ اطمینانِ قلب رخصت ہوگیا۔ بے کسی، غربت، افلاس، رسوائی، ناکامی، اور دماغ و جسمانی امراض نے میرے گرد محاصرہ کر لیا۔ اے برادرِ عزیز! میں اسوقت "ضاقت علی الارض بما رحبت" کی جنوں خیز وادی میں آبلہ پا دوڑ رہا تھا۔ اور کہیں مقر و مفر نہ پاتا تھا، اعزہ و احباب کی اس بھری دنیا میں میرا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ میں جس دروازے پر استمداد کیلئے جاتا تھا پوری بے رحمی اور تذلیل سے دھکیل دیا جاتا تھا، قدرت کے زبردست ہاتھ، قضا کے آہنی پنجہ

مشیت کے جبار بازو نے نہایت آسانی سے مجھے بہت بُری طرح جکڑ لیا۔ میری قابلیتیں سلب کریں، میری دلکشیاں چھین لیں، یقین کرو کہ میں چاروں طرف عمیق تاریکی کے سوا کچھ نہیں دیکھتا تھا۔ میرے سامنے بچ کر نکلنے کی کوئی راہ نہ تھی، اس اثنا میں، میں نے ہر فکری و عملی کوشش کی جو ناکام رہی۔ بڑے بڑے دروازوں سے بے مراد واپس لوٹنے کے بعد آخر ایک کنج خمول سے ایک شعاعِ اُمید نمودار ہوئی ؎

کہ آبِ چشمۂ حیواں درونِ تاریکی است

ایک غیر مشہور، غیر متمول، غیر ذیشان، دُنیادار، عیالدار جو پیرو مُلا نہیں تھا، مُغل و متبد نہیں تھا ایک غریبانہ جھونپڑے کا مکیں، ایک پورے خاندان کی کفالت کا متحمل، بے حد مخلص، بے حد زاہد سلیم المزاج و صحیح العقل، پیکرِ استقلال، مجسمہ فضائل اخلاق۔ مجھے اس سے ملاقات کا اتفاق ہوا میں نے چند ملاقاتوں میں سمجھ لیا۔ کہ میرے روحانی و فکری امراض کا علاج اس بزرگ کی صحبت میں ہے۔ دُنیا کی نگاہوں نے اسے نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا تو نہیں پہنچانا، وُہ آفتاب تھا: تیرہ چشم انسانوں سے اُسے "ظلمات" کا خطاب دیا۔ وُہ آئینہ تھا، جسکو نابیناؤں نے زنگ سمجھا۔ وُہ ایک حیات آفریں گیت تھا، جس پر بہروں نے مطلق توجہ نہ دی، صرف چند خوش قسمت پیاسوں نے اُس چشمۂ کوثر کی طرف اقدام کیا، جن میں سے ایک تمہارا رفیقِ قدیم نسیم تھا ——

نسیم کے اندازِ کلام سے میری آتشِ شوق تیز تر ہو رہی تھی، میں نے بے تابی سے کہا اِن تمہید دل سے گزر کر حقیقتِ حال کے چہرے سے نقاب اُٹھاؤ گے بھی یا نہیں؟

نسیم مسکرایا اور "التعجیل من الشیطٰن" کہہ کر بات اس طرح جاری رکھی۔ ——

"شخص موصوف کی نہ صرف زبان و بیان بلکہ ہاتھ پاؤں اور قلب و دماغ تک قرآن سے حد درجہ مانوس تھے، خوش قسمتی یہ کہ اس رشتہ قرآن سے عاشقانہ بھی تھا اور عاقلانہ بھی، اور یہی چیز میرے مرض کا علاج ثابت ہوئی، جوں جوں میرے تعلقات اس سے اور اسکی وساطت سے قرآن کے ساتھ استوار ہوتے گئے، میری آنکھوں پر سے یکے بعد دیگرے حجابات دُور ہوتے گئے مجھے محسوس ہُوا کہ میں جس اسلام، قرآن، پیغمبر اور خدا کا منکر تھا، وُہ انسانی ہاتھوں کے بُنے ہوئے غلاف تھے۔ حقائق کے تابناک چہرے پر۔ سارے کا سارا کارخانہ وضعی اور جعلی تھا، جس کو آسمانی مذہب کے مقدس نام سے فروخت کیا جا رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو اب بالکل ایک ہی

دُنیا میں پاتا تھا، جس میں صرف مصلحین عظام نوح، ابراہیم، اسماعیل، یعقوب، کلیم، مسیح، محمدؐ علیہم السلام اور اُن کے مخلص پیرو آباد تھے، اس دُنیا میں کسی فقیہ، محدّث، صوفی، مُلّا، مسیح موعود، مہدی موعود وغیرہ کو گھسنے اور تفرقہ ڈالنے کی اجازت نہ تھی۔ اس دُنیا میں خدا بلاواسطہ اپنے بندوں سے ہمکلام تھا، درمیانی پردے اُٹھا دیئے گئے تھے۔ یہاں ہر آیت کے ساتھ عمل اور ہر عمل کے ساتھ آیت تھی، میں ترازو ہاتھ میں لیتا، تو مجھے آواز آتی وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ[1] کسی مجلس میں بات کرنا چاہتا تو قُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا[2] کا نغمۂ دلکش سنتا، والدین سے کوئی امر اپنی طبیعت کے خلاف پاکر جھڑک اُٹھنے کو ہوتا تو لَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ[3] کی ڈانٹ سامنے آجاتی، حسین و رعنا جوانیوں سے بھرے ہوئے بازاروں سے گذرتا تو يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ[4] کا داروغہ میرے ساتھ ہوتا، دُنیا کی مصائب سے کرب و اضطراب کا سامنا ہوتا تو وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ[5] کا پھاہا میرے زخموں کو مندمل کر دیتا۔ پس پُشت کسی کی بُرائی کرنے لگتا تو لَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا[6] کا مالا فہر میرا ورد بن جاتا۔ لمبی راتوں میں شیطان میٹھی نیند کا سُہانا لباس پہن کر مجھ پر شبخون مارتا تو تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ[7] کا محافظ میری آنکھوں میں سُرمہ بیداری ڈال دیتا، کسی کے مال پر نظر ڈالنے سے مجھے لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ[8] نے بچایا۔ یتیم کے مال کا لالچ کرنے سے مجھے لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ[9] نے محفوظ رکھا فانی دروازوں کے سہارے کی ذلت سے مجھے وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ[10] کے قلعے میں پناہ ملی۔ آخر اے بھائی! تجھے کہاں تک گنواؤں؟ حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن کا ہر امر و نہی اور ہر قصہ و موعظہ میرے لئے ایک ناصح غمگسار، ایک واعظِ بے باک اور ایک مونسِ حال بن گیا۔ اب میں ہوں۔ اور قرآن، قرآن ہے اور میں، بس تمہیں اِس غلطی میں مبتلا نہیں کرونگا کہ میرے اعمال بالکل مطابق قرآن ہو گئے ہیں۔ یہ ایک فریبِ نفس ہے بہت عظیم، جس سے میں خُدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ قرآن جس خلق و عمل کا انسان چاہتا ہے۔ ویسا میں نے اپنی عمر میں ایک بھی نہیں دیکھا۔ قرآن کا مطمحِ نظر بہت ہی بلند ہے۔ اگر دُنیا

---

[1] ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو [2] اور لوگوں سے اچھی باتیں کہو [3] ماں باپ کو اُف تک بھی نہ کہہ [4] اپنی نظریں نیچی رکھا کریں [5] اور صبر و نماز کے ساتھ مدد طلب کرو [6] کوئی کسی کی غیبت نہ کرے [7] انکے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں [8] اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ [9] یتیم کے مال کے نزدیک نہ جاؤ [10] اور اس خدائے زندہ پر بھروسہ، جو کبھی نہیں مرے گا

میں قرآنی معیار کے چند انسان بھی پیدا ہو جائیں۔ تو تم یقین کرو کہ ساری دُنیا رشکِ فردوس بن جائے، قرآنی معیار کے صرف چند مسلمان تمام زمانہ تاریخ میں صرف ایک ہی دفعہ پیدا ہوئے۔ جن کے کارنامے تمام اکابر و اعاظم عالم کی تاریخ میں ہمیشہ بے نظیر رہیں گے و رضوان اللہ علیہم وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی قائدھم میں اپنے آپ کو اس مقدس کاروان کی گرد کہتا ہوا بھی شرماتا ہوں، میں نہایت کمزور ہوں، میں اپنے ماحول میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے حقیقت کا ادراک کر لیا ہے۔ بیشک اندر اسی سے ایک طمانیت کی جھلک نمودار ہو گئی ہو کہ میری روح میں تلاشِ حقیقت کا سچا جذبہ پیدا ہو چکا ہے، اگر میں منزلِ حقیقت تک نہ بھی پہنچ سکا، تو حقیقت کی راہ میں ختم ہو جانا بھی میرے لئے ایک گونہ تسلی کا موجب ہوگا شاید تم کو میری باتوں میں تضاد معلوم ہو۔ میں تم کو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے پُرمعنی اشارات کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہرچہ بروے میرسی آنجا مایست

اے عزیز! اس راہ کی پیاس سارے عالم کی سیرابیوں سے بسا غنیمت ہے، یہاں کا فراق وصال سے فائق ہے، یہاں کی خزاں تمہاری فانی بہاروں پر طعنہ زن ہے، دردمندانِ عشق کے آنسوؤں کا مقابلہ غافلوں کے خندہ وقہقہہ سے نہ کرو! اہلِ ذکر کی راتیں اہلِ غفلت کے دنوں سے بہت زیادہ روشن ہیں۔

اللّیل للعاشقین ستر
یا لیت اوقاتہ تدوم

نسیم کی آنکھوں میں نم اور کلام میں جوش بڑھ رہا تھا؛ اس وقت وُہ کوئی اہلِ حال صوفی معلوم ہو رہا تھا، وُہ بھول چکا تھا، کہ اس کے سامنے ایک خالص دُنیادار ہے، جو اس کی باتوں کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا، مجھ پر صرف ایک جذبہ طاری تھا اور غایت درجہ کی حیرت تھی، یہی حیرت آہستہ آہستہ میری آنکھوں میں التجا تفحص بن کر نمودار ہوئی۔ جس کو نسیم نے اپنی روشن ضمیری سے بھانپ لیا۔ اور کہا "شاید تم فہم سخن میں میرا ساتھ نہیں دے سکے"

میں نے کہا "ٹھیک ہے۔ مجھے اس دنیا میں اپنے ساتھ لے چلو، جہاں کی باتیں کر رہے ہو"

اس نے کہا " میں کسی رازدانی کا مدعی نہیں، اگر اس جہنمی دُنیا میں کچھ تھوڑی سی بہشت خرد کس چاہتے ہو، تو تنہا قرآن کا اپنی آنکھوں اور اپنی فکر و فہم سے مطالعہ کرو۔ اس سفر میں چند سال ضرور صرف کرنے ہونگے۔ لیکن یہ مصائب سفر لذت سے خالی نہیں، خلوص شرط ہے، ہر منزل پر غیب کا ہاتھ تمہیں دستگیری کرتا ہوا محسوس ہوگا اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا قرآن کو بار بار دیکھو، لیکن عملی نقطۂ نگاہ سے، نہ محض تلاوت کیلئے، بادام کا چھلکا چاٹنے سے نہ کبھی لذت ملے گی نہ قوت، مغز تک پہنچو، کیونکہ مغز ہی مقصود ہے، تم نے سُنا نہیں ؎

من ز قرآں برگزیدم مغز را
اُستخواں پیشِ سگاں انداختم

استخواں کیا ہے؟ یہی بحث و مناظرہ کے مسئلے، یہی تکفیر و تفسیق کی گرم بازاری! جب تم سچائی کی منزل میں قدم رکھو گے، تمہارے سامنے اہلِ تقلید کی طرف سے بہت سی رکاوٹیں آئینگی ہمتیں گھبرانا نہیں چاہیے، غیبی قوت چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے ساتھ تمہیں تقویت دے گی۔ اگر تم کو ساری دنیا میں قرآن کا ایک بھی مخلص پیرو مل جائے۔ تو اس کی صحبت کو خوبانِ جہاں اور سلاطینِ زماں کی صحبت پر ترجیح دو اور مجھے بھی ایسے شخص کا پتہ دو کہ میں اپنی آنکھوں کو اس کا فرشِ راہ بناؤں، اے عزیز! میں اس آباد دُنیا میں تنہائی اور بے رونقی محسوس کرتا ہوں۔ آہ!

غبارِ کاروانِ اہلِ دل ہوں
بچھڑ کر رہ گیا ہوں کارواں سے

وُہ لوگ اب اس دُنیا میں نہیں، جو بقیہ اہلِ دل تھے، جن کو میری آنکھوں نے برسوں تک دیکھا اور انکے بعد انکا نظیر نہ پایا ———— اب نسیم کی حالت متغیر ہوگئی۔ درد و سوز کا سیلاب اُمڈ آیا۔ بات حلق میں اٹک گئی، میں نے چند لمحہ توقف کے بعد موضوعِ سخن بدلا۔ اور پھر ملنے کا وعدہ کرکے واپس آگیا +

لاہوتی

تصحیح :- " تقلید اور تصوف " کی پہلی قسط مطبوعہ البیان مئی ۳۹ء صفحہ ۱۵ سطر ۱۲ میں صاحب تذکرۃ الاولیا کو غلطی سے شیخ ہجویری پر متقدم لکھا گیا ہے حقیقت اس کے برعکس ہے ناظرین تصحیح فرمالیں نیز صفحہ ۲۵ کی سطر ۹، ۸ میں حضرت حسن بصری کو براہ راست حضرت علی سے باتفاق مستفید لکھا گیا ہے اسمیں بھی محدثین باہم مختلف ہیں۔ عرشی

کیا کام؟

(جناب صوفی غلام مُصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے)

مُلّا کو مُسلمان کی توقیر سے کیا کام؟
تخریب کے شیدائی کو تعمیر سے کیا کام؟

اِس خُوگرِ گفتار کو کردار سے کیا ربط؟
اِس حامئ تقدیر کو تدبیر سے کیا کام؟

جو دِل ہے تمنّائی ہنگامۂ تکفیر؟
اُس دِل کو نواریزئ تکبیر سے کیا کام؟

افسانوں کا عاشق ہے، حکایات کا شیدا؟
قُرآن سے کیا واسطہ، تفسیر سے کیا کام؟

جس قوم کو راس آئی ہو اَدبار کی ظلمت
اُس قوم کو اِقبال کی تنویر سے کیا کام؟

جرأتِ ایمانی

جناب پروفیسر محمد علم الدین سالک، ایم۔ اے

آٹھویں صدی ہجری میں جب امام ابن تیمیہؒ بدعت اور شرک کے خلاف جہاد میں معروف تھے۔ تو مصر کی قضاۃ پر مولانا شمس الدین ترک ابن الحویری فائز تھے۔ آپ امام ابن تیمیہؒ کی تعلیمات اور کتب سے بید متاثر ہوئے اور حکومت کی پالیسی کے خلاف کھلم کھلا امام ابن تیمیہؒ کی حمایت میں معروف ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ حکومت آپ سے ناراض ہوگئی اور آپ پر ہر طرح کی نکتہ چینی ہونے لگی مگر آپ کی حق پسند طبیعت پر اس کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ اور آپ فریضۂ تبلیغ میں اسی طرح مشغول رہے۔ آخر آپکو عہدۂ قضاۃ سے معزول کر دیا گیا۔

اِن دنوں دہلی کے تخت پر سلطان علاؤالدین خلجی بیٹھا ہُوا تھا۔ اس کی کشور کشائی اور بلند ہمتی نے اسلامی لشکر کو راس کماری تک پہنچا دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دکن کی انتہائی حدود پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ علاؤالدین گو اَن پڑھ، اکھڑ مزاج اور سخت گیر تھا مگر اسکے عہدِ حکومت میں بڑے بڑے صوفی نغزگو شاعر خوش بیان واعظ اور معجز نگار ادیب پیدا ہوئے۔ جن کی وجہ سے ہندوستان کا ذکر دُور دُور نزدیک ہونے لگا۔ تاتاریوں کی پیہم یورشوں سے دُنیائے اسلام کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ البتہ ہندوستان ان کی تاخت و تاراج اور دستبرد سے محفوظ تھا۔ اس لئے بڑے بڑے شریف خاندان انکی سخت گیری سے پناہ لینے کیلئے ہندوستان ہی کا رُخ کرتے تھے۔ علمائے کرام بھی ہندوستان سے بہتر کوئی محفوظ مقام نہ پاتے تھے۔ اس لئے وُہ بھی پریشانی اور بے سروسامانی کے عالم میں ہندوستان چلے آتے تھے۔ گویا ہندوستان علم و فضل کے لحاظ سے بغداد، بخارا، شیراز اور نیشا پور کا ہمسر بنا ہُوا تھا۔

مولانا شمس الدین ترک جب مصر کے عہدۂ قضاۃ سے معزول ہوئے تو انہوں نے بھی ہندوستان کا رُخ کیا۔ وُہ ۷۰۰ھ میں ملتان پہنچے۔ آپ کو مطالعہ کا اسقدر شوق اور علم حدیث سے اتنا شغف تھا کہ اس پریشان حالی میں بھی آپ کے ساتھ حدیث کی چار سو کتابیں تھیں۔ یہ کتب حدیث کا سب سے پہلا

قابلِ ذکر مجموعہ ہے۔ جو مولانا شمس الدین ترک کے ذریعے ہندوستان پہنچا مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اس سے پیشتر ہندوستان میں حدیث کی کتابیں موجود نہ تھیں۔ یہاں باقاعدہ علمِ حدیث کا درس ہوتا تھا اور کہیں کہیں حدیث کی کتابیں بھی ملتی تھیں۔ مگر اتنا زبردست ذخیرہ کسی ایک شخص کے پاس نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف کو مال و دولت سے زیادہ کتابیں عزیز ہوتی تھیں، وہ انہیں اپنا سچا رفیق و دمساز اور تنہائی کا مونس سمجھتے تھے اور سفر و حضر کسی حالت میں بھی انہیں اپنے پاس سے جدا نہ کرتے تھے۔ اِن کی کتابیں محض نمود و نمائش کے لئے نہیں ہوتی تھیں بلکہ وہ ان سے حقیقی طور پر رُوحانی حظ اٹھاتے تھے اور اُن کی تعلیمات پر عمل کرتے تھے۔

ملتان ان دنوں روحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ وہاں کئی بزرگانِ طریقت اور صاحبِ حال شخصیتیں مقیم تھیں جن میں شیخ شمس الدین فضل اللہ پسر شیخ الاسلام صدرالدین خاص طور پر مشہور تھے۔ وہ بڑی شہرت کے مالک تھے۔ ان کی خانقاہ ہر شخص کے لئے کھلی تھی چنانچہ جب مولانا شمس الدین ترک ملتان پہنچے تو اسی خانقاہ میں جاگزیں ہوئے شیخ شمس الدین فضل اللہ کی پرہیزگاری اور ریاضت نے آپ کی طبیعت پر اتنا اثر ڈالا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا شمس الدین ترک نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی۔

مولانا شمس الدین ترک نے دیکھا کہ ہندوستان کی مذہبی حالت بجد خراب ہے۔ لوگوں کے عقائد بگڑ چکے ہیں اور ہندو تمدن و معاشرت نے اسلام کا ڈھانچہ بدل دیا ہے۔ بادشاہ بے علم ہے۔ مذہبی معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا۔ دین کے بارے میں کسی قسم کا احتساب نہیں۔ لوگ بے راہ ہوکر فسق و فجور میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اِن حالات سے آپ کے دل پر چوٹ لگی۔ آپ کی اسلامی غیرت نے جوش مارا۔ اور آپ نے علمِ حدیث کی اشاعت، اس کی ضرورت و اہمیت اور قوم کی پابندی اور احتساب کے متعلق ایک رسالہ مرتب کیا۔ اور اُسے ایک مکتوب کے ساتھ بادشاہ کے پاس دہلی بھیجدیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"میں مصر سے ہندوستان محض اس لئے آیا تھا کہ بادشاہ اور اہلِ دہلی کی خدمت کروں، دہلی میں علمِ حدیث کی ترویج کرکے اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کروں اور مسلمانوں کو بددیانت علما کی پیروی کرنے سے روکوں مگر یہاں آکر مجھے معلوم ہُوا ہے کہ بادشاہ خود بے نمازی

جمعہ میں حاضر نہیں ہوتا۔ مذہبی رسوم کی پابندی میں کسی قسم کی سختی نہیں کرتا۔ اس لئے میں اس ملک میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ اور ملتان ہی سے واپس لوٹتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہیں غیرت خداوندی جوش میں نہ آجائے۔ اور رعایا کے ساتھ بادشاہ خود اس کے قہر و غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ لہٰذا میں بادشاہ کو بر وقت متنبہ کرتا ہوں کہ اصلاح حال کرلے۔"

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بادشاہ میں چند ایسی صفات بھی پائی جاتی ہیں جو دین دار بادشاہوں کا خاصہ ہوا کرتی ہیں بعض ایسے فضائل بھی ہیں جو صالح اور نیک بادشاہوں میں نہیں ملتے۔ پہلی نیک خصلت جو بادشاہ میں پائی جاتی ہے یہ ہے کہ بادشاہ غیر مسلموں پر بھروسہ نہیں کرتا اور اُن کی کثرت سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ بادشاہ کی سعادت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔"

"دوسرے میں نے سُنا ہے کہ غلّہ، لباس اور دیگر ہر قسم کا ساز و سامان اس ملک میں بہت سستا ہے اور ان کا نرخ حکومت مقرر کرتی ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی صفت ہے جس کا تعلق فوائد عامہ سے ہے۔ اور اس سے تمام بنی نوع انسان فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے بادشاہ بیس بیس اور تیس تیس سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بھی اس میں ناکام رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ ہندوستان کے بادشاہ کو اس میں کیونکر اتنی جلدی کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ بہر نوع یہ ایک ایسا فعل ہے جس پر میں بادشاہ کو مبارکباد دیتا ہوں۔"

"تیسری بات جس نے میرے دل پر بعید اثر کیا ہے۔ یہ ہے کہ بادشاہ نے ہر قسم کی نشہ آور چیزوں کی خرید و فروخت قطعاً بند کر دی ہے۔ فسق و فجور کے دروازے بند ہو گئے ہیں معصیت کا بازار سرد پڑ گیا ہے۔ گناہ اور بدی رُک گئی ہے۔ اس نیک کام پر بادشاہ قابل صد ستائش ہے۔"

"چوتھے اہل بازار نے دھوکہ، فریب اور جھوٹ چھوڑ دیا ہے، وہ حکومت سے اتنا ڈرتے ہیں کہ خوف کے مارے چوہے کے بل میں اپنی جگہ تلاش کرتے ہیں۔ یہ بھی ایسا فعل ہے۔ جس کا تعلق فوائد عوام سے ہے؛ اور بہت کم بادشاہوں کو اس میں کامیابی حاصل ہوئی ہو

مَیں اس کے لئے بھی بادشاہ کو تعریف و توصیف کا مستحق سمجھتا ہوں۔

"لیکن وُہ باتیں جو مَیں نے بادشاہ کے خلاف سُنی ہیں، ایسی ہیں جنہیں کوئی بھی توحید پرست ولی یا نیک آدمی پسند نہیں کریگا۔ اے بادشاہ! یاد رکھ!! ملکی مہمات کو اچھی طرح سلجھانا، بہترین قسم کی دینداری ہے۔ یہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے کہ بادشاہ کے دل میں دنیا کی بجائے دین کی محبت زیادہ ہو۔ اے بادشاہ! تُو نے حمید ملتانی کو ملک کی قضاۃ دے رکھی ہے۔ اُس نے اپنے آباؤ اجداد سے ریاکاری کے سوا اور کوئی چیز نہیں سیکھی۔ اس کے علاوہ قاضیوں کے تقرر میں کسی قسم کی احتیاط نہیں برتی جاتی۔ شریعت کے احکام کا نفاذ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے۔ جو بے حد لالچی، حریص اور دنیا کے عاشق ہیں۔ اے بادشاہ! ڈر کہ کل قیامت کے دن ان گناہوں کا خمیازہ تجھے بھگتنا پڑیگا۔ اور تجھ میں اسکے برداشت کی طاقت نہ ہوگی"

"میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ تمہارے شہر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو پسِ پُشت ڈال کر فلسفی قسم کے لوگوں کی روایات پر عمل کیا جاتا ہے اور منقولات پر معقولات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مَیں نہیں سمجھتا کہ وُہ شہر جل کر راکھ کیوں نہیں ہوجاتا جہاں احادیثِ نبوی کی موجودگی میں دنیادار دانشمندوں کے اقوال پر عمل ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آسمانی بلائیں تمہارے شہر پر ٹوٹ پڑیں اور یہاں کے رہنے والے دردناک عذاب میں مُبتلا ہوجائیں۔"

"مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہارے شہر میں بدبخت اور سیاہ رُو (دانشمند) کتابوں اور فتاویٰ کے پلندے اپنے سامنے رکھ کر مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ وُہ لوگوں سے حیلے (رائج الوقت سکّہ) لیتے ہیں اور تاویل، تردید اور حیلہ گری سے مسلمانوں کے حقوق کا ابطال کرتے ہیں۔ اِس طرح وُہ مدّعی اور مدّعا علیہ دونوں کو غرق کرتے ہیں اور ان کے ساتھ خود بھی غرق ہوجاتے ہیں یہ سب کچھ اُس سیاہ بخت قاضی" کی وجہ سے ہو رہا ہے، جسے بادشاہ کا تقرب حاصل ہے۔ وُہ مظلوموں کی آہ و زاری اور ستم رسیدہ لوگوں کی چیخ و پکار کو بادشاہ تک نہیں پہنچنے دیتا۔"

ضیاءالدین برنی کا خیال ہے کہ جب مولانا نے یہ رسالہ اور مکتوب دہلی بھیجا۔ تو اکثر علمائے دربار نے اسے مصلحت کے خلاف خیال کرتے ہوئے بادشاہ کے حضور میں پیش نہ ہونے دیا مگر دربار میں اس وقت مولانا سعد منطقی جیسی حق پسند ہستی بھی موجود تھی۔ انہوں نے علماء و اُمرا کی مخالفت کی پروا نہ کرتے ہوئے بادشاہ تک یہ خبر پہنچائی اور رسالہ اس کی خدمت میں پیش کیا' بادشاہ نے رسالہ کو اچھی طرح سُنا۔ اور اسے بہت پسند کیا۔ مولانا شمس الدین کی جرأتِ ایمانی کی تعریف کی اور افسوس کیا کہ ایسا حق گو اور حریت پسند عالم ناراض ہو کر اس کی سلطنت سے باہر چلا گیا ہے۔

علاؤالدین نے اپنے آخری ایام حکومت میں فسق و فجور اور جُوا وغیرہ کی ممانعت کرنے اور دیگر مفید اصلاحات نافذ کرنے میں جو کچھ کیا' وہ غالباً اسی رسالہ کا اثر تھا۔

آج کتنے عالم ہیں جو اپنے فرائض کو محسوس کرتے ہیں' اور حق بات کہنے کیلئے اس قسم کی جرأت سے کام لیتے ہیں! کتنے بندگانِ طریقت ہیں جو نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام کی خاطر اہل دول کو بُرے کاموں سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں؟

کاش! ہمارے علمائے کرام اپنے فرائض کو سمجھیں اور ہر قسم کی غیر اسلامی رسوم کو روکنے کے لئے اپنی حمیت دینی کو کام میں لائیں ؎

بیکار پڑا ہے ترا سامانِ تجلّی
اے وادیٔ ایمن کوئی موسیٰ نہیں اُٹھا

(حقیقت اسلام)

"البیان" کا "اقبال نمبر"

دسمبر ۱۹۳۹ء کا "البیان" اقبال نمبر ہوگا۔ اس پرچے میں علامہ اقبال کی پرائیویٹ صحبتوں کے تذکرے ہوں گے' اُن کے دینی مکالمات پر روشنی ڈالی جائے گی اور یہ بھی بتایا جائیگا کہ علامہ اقبال کو قرآن حکیم کے ساتھ کتنا عشق و شغف حاصل تھا۔ اس کے علاوہ علامہ مرحوم کے بعض نہایت قیمتی خطوط بھی شامل اشاعت ہوں گے۔ فہرست مضامین کے لئے آئندہ پرچے کا انتظار کیجئے۔

منیجر رسالہ البیان۔ امرت سر

ترجمہ و اقتباس

انوارِ مطالعہ

(از نظام القرآن مؤلفہ علامہ فراہی)

حدیث و تفسیر | قرآن کا سب سے پہلا مُفسِّر خود قرآن ہے ۔ پھر اُس کے بعد نبی صلعم اور اُن کے اصحابؓ کا فہم . . . . لیکن یہ یاد رہے کہ احادیث کی اکثریت ضعیف اور اقلیت صحیح ہے (ص۶)

شانِ نزول | اگر تمھیں اس حقیقت کی طلب ہے تو قرآن کی شانِ نزول دنظم قرآن میں تلاش کرو ۔ اس کے بعد اُن احادیث سے جو قرآن سے اتفاق کریں ۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے ۔ تفرقہ و تذبذب اور ظن و توہّم ہے (ص۹)

ماخذِ تفسیر | فہم قرآن کے لئے دو قسم کے ماخذ ہیں (۱) اصل و امام (۲) فرع و تبع ۔ اصل و امام تو قرآن کے سوا کوئی ہے نہیں، باقی رہی فرع و تبع، وہ تین ہیں (۱) حدیث (۲) اجماع (۳) صحفِ اُولیٰ ۔ یہ تینوں ظن و شبہۃ سے خالی نہیں، ورنہ ہم انہیں بھی اصل قرار دے دیتے ۔ پس فہم قرآن کے طالب پر واجب ہے کہ ایسی روایتیں تسلیم نہ کرے جو اصل و بنیاد ہی کو اکھاڑ پھینکیں ۔ میں نے بعض روایتیں دیکھی ہیں، جو آیتوں کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں اور اُن کے نظام کو پارہ پارہ کر دیتی ہیں مگر یہ کہ اُن کی تاویل کی جائے ۔ لیکن اُن لوگوں پر تعجب ہے جو آیت کی تاویل تو کر لیتے ہیں لیکن روایت کی تاویل کا حوصلہ نہیں رکھتے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آیت کی تاویل سے نظامِ آیت تباہ ہو جاتا ہے، حالانکہ فرع کو تباہ کر دینا اس سے بہتر ہے

وکاین راینا من فروع طویلہ تموت اذ لم یحیہن اصول

قاعدے کی بات ہے کہ فروع کی بقا و حیات کا انحصار اصول پر ہوتا ہے ۔ تعجب پر تعجب ہے ان لوگوں پر جو ایسی روایتیں تسلیم کر لیتے ہیں جو نصِ قرآن پر بھی ہاتھ صاف کر دیتی ہیں ۔ مثلاً کذباتِ ابراہیمؑ اور نبی صلعم کا نطقِ قرآن[۱] بغیر وحی کے ۔ پس ہمارے لئے یہی مناسب ہے کہ

۱ه غالباً سورۃ النجم کی روایتی آیتوں کی طرف اشارہ ہے، معاذ اللہ (المترجم)

ہم صرف ان حدیثوں سے فائدہ اٹھائیں جو قرآن کی مؤید و مُصدّق ہوں (ص ۱۰)

ایسی روایات کو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اگرچہ اصول روایت پر پوری نہ اتریں لیکن درایت کی کسوٹی پر کھری ثابت ہوں یعنی معقول ہوں ـــــ قرآن کے منکر اور بعض فروع[1] کے منکر کو یکساں نہ سمجھو . . . . حدیث اور تواتر قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتے۔ شافعیؒ احمد بن حنبل اور عام اصحاب حدیث قرآن کو حدیث سے منسوخ کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ اگرچہ حدیث متواتر ہی کیوں نہ ہو۔ اور گھر والے گھر کے اندر سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ فقہاء متکلمین میں جو کوئی ان سے اختلاف کرے، ہمارے نزدیک ان کی رائے کوئی وزن نہیں رکھتی، ہم اس عقیدہ سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکتا ہے۔ ایسا خیال یقیناً راویوں کا وہم و خطا ہے (ص ۱۱)

اصطلاحات | جب تم اصطلاحات شرعیہ کے الفاظ پر غور کرو اور قرآن کو ان کی تعریف سے خالی پاؤ، تو آحاد حدیثوں پر نہ جم جاؤ! ایسی حالت میں تم شبہات کا شکار ہو جاؤ گے، اور مسلمانوں کے عمل پر باطل فتوی لگاؤ گے اور ان کی ایذا رسانی کا موجب بنو گے۔ تم پر لازم ہے کہ اسی پر قناعت کرو جس پر اُمّت کا اتفاق ہو۔ جس مسئلہ میں قرآن کی صریح آیت اور بے اختلاف عمل نبوی موجود نہ ہو، اس کے متعلق کسی پر گرفت نہ کرو۔ اصطلاحاتِ شرعیہ کے بارے میں قرآنی شاہراہ یہی ہے، اور پھر تمام الفاظ اور ان کے حقیقی و مجازی استعمال میں عرب قدیم کے کلام اور خود قرآن کو ماخذ قرار دینا چاہئے۔

قصورِ لغت | یہ یاد رہے کہ کتبِ لغت اس خصوص میں ناکافی ہیں کیونکہ وہ عموماً اقسامِ الفاظ کی تعریف و تمیز میں خاموش ہیں، اور وہ ماہیتِ معنی تک نہیں پہنچاتیں، اس طرح اصل و فرع اور حقیقت و مجاز کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ پس جس کو کلامِ عرب سے آگاہی نہ ہو، اور وہ صرف کتبِ لغت پر انحصار رکھے، وہ قرآن کے بعض مقامات کے معانی کے فہم سے قاصر رہیگا۔ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ہم تک جو کلامِ عرب پہنچا ہے اس میں جعل و وضع کی آمیزش ہے۔ لیکن ماہر ناقد پر اس کا سمجھنا مشکل نہیں۔ پس ہمارے لئے مناسب ہے کہ قرآن کا مفہوم متعین کرنے میں۔ ثابت شدہ کلامِ عرب سے استفادہ کریں۔ اور اسی طرح لغت سے شاذ

---

[1] حدیث، اجماع اور کتب سابقہ

معنی کو ترک کرنا واجب ہے (ص ۱۲ و ۱۳)

قصورِ علوم | تمام علوم زبان مثلاً نحو، منطق، اصول، بیان، بلاغت، قافیہ کی کتابیں اپنے کثیر فوائد کے باوجود فہم قرآن کے متعلق کتب لغت سے بھی زیادہ قاصر ہیں۔[1]

طواف نماز ہے | نماز کو حج سے مناسبت ہے کیونکہ دونوں جسمانی عبادت سے متعلق ہیں اور دونوں کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور نبی صلعم سے ثابت ہے کہ نماز طواف ہے (ص ۱۹)

معروف و منکر | معروف وہ ہے جس کی صلاحیت کو عربوں نے پہچانا اور منکر وہ ہے جس سے انکار کیا۔ عرب ایام جاہلیت میں اہل وحشت کی طرح نیکی اور بدی کی تمیز سے بے خبر نہ تھے۔ اخلاقی لحاظ سے ان کا ادب قدیم یونان و ہند سے افضل تھا۔ اُن کے اشعار کو جمع کیا جائے تو اس قول کی تصدیق ملے گی (مطلب یہ کہ خیر و شر کسی عظیم شخصیت کے رد و قبول سے خیر و شر نہیں بنتے بلکہ خیر فی نفسہٖ خیر اور شر فی ذاتہٖ شر ہے جس کو انسانی فطرت باوجود بدویت و جاہلیت کے جانتی ہے۔ مترجم) ص ۲۶

صفاتِ انبیا | صفاتِ انبیا میں پانچ درجے پائے جاتے ہیں:۔ تائب[1]، صالح[2]، شہادت[3]، صدیقیت[4] اور نبوت[5]۔ پس انبیا عبودیت کے درجات اور اس کی خوبیوں کے جامع ہوتے ہیں۔ پھر یہ پانچوں درجے دو درجوں میں منحصر ہو جاتے ہیں۔ پہلا درجہ توبہ کا ہے اور آخری حمد کا۔ بعض نبیوں اور ان کے تابعین کو بعض درجوں سے خصوصیت حاصل ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ دنیا میں کامل ترین نعمت، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ آخری عہد یعنی قرآن ہے، جس طرح آخرت کی کامل ترین نعمت اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی طرف رجوع ہے۔

مقام محمود | پس عقل کا اقتضاء یہ ہے کہ "الحمد" آخر النبیین کا مقام ہو۔ اور اسی کے مطابق ارشاد قرآنی ہے (وَعَسٰی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) اور اسی طرف آپ کے مبارک نام "احمد و محمد" اشارہ کر رہے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے۔ انّ لواء الحمد بیدہ[2] وھو قائد الغر المحجلین) یہ نکتہ درجات انبیاء کی معرفت کی کنجی ہے۔

---

[1] اس کے بعد مصنف نے ایجاز و اختصار سے ان علوم کی کوتاہیاں بیان کی ہیں (مترجم)

[2] حمد کا علم آنحضرت کے ہاتھ میں ہے۔ اور آپ نورانی لوگوں کے پیشرو ہیں۔

ظلوم وجہول | ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت آدمؑ پہلے توبہ کرنے والے ہیں اور ظلمؑ توبہ' اور اجتباد کی صفتوں کے جامع ہیں . . . .

. . . . . اور جس کو علم دین سے حصہ ملا ہے وہ جہل سے پیدا شدہ درجۂ ظلم" کی تحقیر نہیں کرے گا' کیونکہ وہ فطرتِ انسانی کی ابجد ہے اور اسی سے انسان امانت کے شرف کا مستحق ہوا۔ اگر جہل وظلم نہ ہوتے' توانسان بھی ارض وسما کی طرح شرفِ امانت کا منکر ہوجاتا ہے۔

قرآن کی تاویل حدیث سے | میں کہہ چکا ہوں کہ اختلاف احادیث میں قرآن حاکم ہے یہاں اس قول کی وضاحت کی جاتی ہے۔ میں بعض لوگوں کے طعن سے ڈرا کرتا تھا لیکن حدیث کے متعلق ان کا مبالغہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے حدیث کو اس آیت کے تحت داخل کرلیا ہے (انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) یعنی حدیث کو بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے (نعوذ باللہ۔ مترجم) اِن لوگوں نے اپنے اس قول کے نتائج پر غور نہیں کیا' پس وقت آگیا ہے کہ میں سچائی کا علم بلند کردوں اور قطعاً پروانہ کروں۔ چاہے میرا سر کاٹ ڈالا جائے اور میرا بند بند الگ کردیا جائے ——— اکثر اہل حدیث کے دلوں میں یہ بات سما گئی ہے کہ بخاری ومسلم نے جو کچھ روایت کردیا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں' پس ہم بعض قابل اعتراض مقامات لکھتے ہیں تاکہ تم سمجھ سکو کہ اللہ تعالیٰ نے علما کو رب ٹھیرانے کی شناعت ظاہر فرائی ہے۔ پس ہم ان کے غیر معقول فکروفہم پر ایمان لانے کیلئے تیار نہیں (یہاں مصنف کے اپنے الفاظ بھی سُن لیجئے کیونکہ ترجمہ میں وہ زور قائم نہیں رہ سکتا)

كنت افرق عن طعن بعض اخواننا ولكن ذهب بهم الشغف بالحديث إلى ان قالوا ان الحديث داخل تحت آية (انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون) ولم يتفكروا نتائج هذا القول۔ فحان لى ان ارفع راية الصدق ولا ابالى ولو قطعوا راسى لديه واوصالى فاعلم ان فى قلوب اكثر اهل الحديث ان ما رواه البخارى والمسلم لامجال فيه للشك فنورد بعض ما فيهما لكى تعلم ان الله تعالى شنع اتخاذ العلماء اربابا فلا نؤمن بما فهموا من غير النظر والفكر (ص ۳۲-۳۳)

اس کے بعد مصنف علام نے نمونۃً والشمس تجری لمستقر لہا فضل لی بلد و الحجر کے معانی کے متعلق ائمہ حدیث کے متضاد متفاوت اقوال نقل کئے ہیں اور اخیر میں یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے۔

فلاسبیل إلی الاطمینان من ھٰذہ الروایات المتناقضۃ التی لا یزداد شاربھا إلّا ظمأ والراکن الیھا إلّا قلقاً ولکنک ان اخذت السبیل الواضح وھو اتباع اللغۃ السائرۃ والنور البازغ وھو التدبر فِی القرآن ھدایت إلی اصحۃ معنی واخز واطمأننت بہ (ص ۳۴)

پس ان متضاد روایات میں اطمینان کی کوئی صورت نہیں، ان سے اور زیادہ قلق و تشنگی کے سوا کوئی امید نہ رکھو۔ پس طریق واضح اتباع لغت اور تدبر فی القرآن ہے۔

بقیہ صفحہ ۵۰۔ تقریظات

اور ادبی ہر طرح کے مضمون چھپتے ہیں۔ عورتوں کی اجتماعی زندگی پر ایک آدھ تنقیدی مضمون بھی ہر اشاعت میں شامل ہوتا ہے۔ خانگی زندگی کی ضروریات کے بارے میں بھی توجہ کے ساتھ رہنمائی کی جاتی ہے۔ افسانوں اور نظموں کے متعلق ہم یہ مشورہ تو نہیں دے سکتے کہ پیام نسواں میں ان کو جگہ نہ دی جائے، البتّہ یہ ضروری بات ہے کہ نظم و نثر ہر صورت میں طبقۂ نسواں کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھا جائے۔

رسالہ کے آخر میں کشیدہ کاری کے متعلق بھی دو چار صفحے ہر اشاعت میں موجود ہوتے ہیں ہمیں امید ہے کہ یہ پرچہ ہمارے نسوانی حلقوں میں قبولیت حاصل کرے گا۔ "س"

لوحِ اسرار

عرشی

یہی سیکھا جہاں میں آکے ہم نے ہمیں اک روز جانا ہے جہاں سے"
مجھے پیرِ طریقت نے بتایا یقیں حاصل نہیں ہوتا گماں سے"
کہیں ڈھونڈو کوئی دانائے اسرار! نہ الجھو واعظِ افسانہ خواں سے
کہاں ہے وہ اذانِ روح پرور؟ لرزتی تھیں فضائیں جس اذاں سے
ستائش اپنے حسنِ دلربا کی کبھی آکر سنو میری زباں سے
مکاں کی قید میں گھبرا رہا ہوں مجھے آواز دینا لامکاں سے!
مرا کوئی نہ نکلا اس جہاں میں پشیماں جا رہا ہوں اس جہاں سے
ہوا ہندوستاں نظروں میں تاریک اُٹھے صاحب نظر ہندوستاں سے

غبارِ کاروانِ اہلِ دل ہوں
بچھڑ کر رہ گیا ہوں کارواں سے

اشارات

خواص و عوام کو بیک وقت خوش کرنا محال ہے۔ شاعر نے اس حقیقت کو یوں واضح کیا ہے

اذا مرضیت عنی کرام عشیرتی
فلا زال غضبان علیّ لیامها

جب میرے قبیلہ کے شریف انسان مجھ سے راضی ہو جائیں گے تو ناممکن ہے کہ قبیلہ کے ذلیل و کمینے لوگ مجھ پر غضبناک نہ رہیں۔

بعض بزرگوں نے اہل شقاوت سے فرار کرنا سُنّت انبیا قرار دیا ہے۔ اور سند میں یہ آیت لائے ہیں، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔ ففررت منکم لما خفتکم

خدا کے خاص بندے اپنے دُکھ دینے والوں کو بھی دُعا سے محروم نہیں رکھتے ؎

آں کشتہ ہیچ حق محبتت ادا نکرد
کز بہر دست و بازوئے قاتل دُعا نکرد (اللّٰہ اعلم)

لگے نہ کہیں اُسکے دست و بازو کو یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
(غالب)

علم یہ نہیں کہ تم اپنے حافظہ میں بہت سا مواد جمع کر لو یا زبان سے بہت طویل وعظ و تقریر کرو۔ علم کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارے دل میں خدا کا خوف پیدا ہو جائے

لیس العلم بکثرۃ الروایۃ انما العلم الخشیۃ

ان میں علم کے سچے قدردان پیدا ہو چکے تھے ابن مسعود نے کہا ہے۔

کل علم لیس فی القرطاس ضاع

جس علم کو تم نے سپرد قلم نہیں کر دیا۔ وہ تمہارے ساتھ ہی ملک عدم کو روانہ ہو جائیگا۔

ملا اسماعیل عارفی اصفہانی نے کیا اچھی بات کہدی جو خدا کے عابدوں اور عارفوں کو لغزش سے بچا سکتی ہے ؎

بشکستم ہر بتے کہ در راہم بود   باقیست بت خدا پرستیدن من

"میں نے اپنی راہ کے تمام بت توڑ دیئے، لیکن میری "خدا پرستی" کا بت ابھی موجود ہے" یہی بات دوسرے انداز میں داغ دہلوی کے قلم سے نکل چکی ہے

کی ترک مے تو مائل پندار ہو گیا   میں توبہ کر کے اور گنہگار ہو گیا

ایک اور بزرگ نہایت لطیف اسلوب میں فرماتے ہیں ؎

کافر تر است زاہد از برہمن، ولیکن   اورا بت است در سر، در آستیں ندارد

"زاہد برہمن سے بڑا کافر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس کے سر میں بت چھپا ہوا ہے۔ ہاتھ میں نظر نہیں آتا"

آج تم جن لوگوں کی پوجا کرتے ہو، جن کو عرش الہی کے قریب ترین ہمسایہ سمجھتے ہو، جن ناموں کا ورد کرتے ہو، جن کی روحوں اور قبروں کے حضور اپنی بہترین دعائیں اور حاجتیں پیش کر کے روتے ہو۔ وہ اپنی زندگی میں تم کو یا تمہارے ہم جنسوں کو کیا سمجھتے تھے۔ خود انکی زبان سے سنو! —— امام زین العابدین فرماتے ہیں ؎

انی لاکتم من علمی جواھرہ   کیلا یری ذاک ذو جھل فیفتتنا
ولاستحل رجال مسلمون دمی   یرون اقبح ما یاتونہ حسنا

"میں علم کی حقیقتوں کو چھپانے پر مجبور ہوں۔ اس لئے کہ اہل جہالت کے ہاتھوں مبتلائے فتنہ نہ ہو جاؤں —— اس صورت میں مسلمان میرے اظہار حق کی تاب نہ لائیں گے اور میرے قتل کے درپے ہو جائیں گے اور اپنے اس فعل قبیح کو کار ثواب سمجھیں گے"۔

حضرت سید عبد القادر جیلانی رح فرماتے ہیں ؎

فی باطنی من نور کرمالو بدا　　افتی بسفك دمی الذی لایعلم
لو انّنی اُبدی سرائر ودکم　　قالوا العواذل لیس ھذا مسلم — یعنی

(اے محبوب حقیقی) میرے اندر تیرے نور کی وہ تجلیات ہیں جو اگر ظاہر ہو جائیں تو نادان مفتی میرے خون بہانے کا فتویٰ دے دیں ـــــ اگر میں تیری محبت کے اسرار ظاہر کر دوں تو ملامت کرنے والے مجھے منکر اسلام کہنے لگیں۔

کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ عوام علماء اور اہل افتاء کا اسلام اولیائے الٰہی کے اسلام سے ہمیشہ ہی الگ رہا ہے۔

اکثر لوگ کرامات کے جنوں میں گرفتار ہیں لیکن اہل حق اس شعبدہ گری سے بیزار ہیں ؎

ز ابلیس لعین بے شہادت　　شود پیدا ہزاراں خرق عادت
گہ از دیوارت آید گاہ از بام　　گہے بر دل نشیند گہ بر اندام
کرامات تو اندر حق پرستی است　　جزاں کبر و ریا و عجب و مستی است
کرامات تو گر در خودنمائی است　　تو فرعونی و ایں دعویٰ خدائی است
ہمہ روئے تو در خلق است زنہار　　مکن خود را دریں علت گرفتار

مردود ملعون ابلیس سے ہزاروں خرق عادت سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ دیوار کی طرف سے تیرے پاس آتا ہے کبھی چھت سے، کبھی دل پر آ بیٹھتا ہے کبھی جسم پر ـــــ حقیقی کرامات خدا کی بندگی میں ہے، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے تکبر، ریاکاری، خود پسندی اور مستی ہے۔ اگر تیری کرامات تجھ میں خودنمائی پیدا کرتی ہے تو تو فرعون ہے اور یہ خدائی دعویٰ ہے۔ تیری توجہ تمامتر مخلوق کی طرف ہے ـــــ اپنے آپ کو اس مرض (کرامات) میں مبتلا نہ کر۔

شیخ ابو الحسن نوری نے ایک دن مؤذن کی آواز سنی تو کہا "ہلاکت باد ترا" تو ہلاک ہو جائے اسی وقت کتے کی آواز سنی تو کہا۔ لبیک وسعدیک (تیری ہر خدمت کیلئے حاضر ہوں) لوگوں نے کہا اے شیخ یہ کیا حالت ہے؟ فرمایا۔ مؤذن نے غفلت سے اجرت کیلئے

اذان دی اور کُتا بے غرض پکارا۔ وان من شئ الا یسبح بحمدہٖ۔ ہر چیز خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول ہے۔

مستفاد از تحفہ مجددیہ   مترجمہ و مرتبہ "ادارہ"

عرفانِ نفس اور معرفتِ باری تعالیٰ

تم نے صوفیہ کی زبان سے مدتوں سنا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ اور قرآن کی یہ آواز بھی تمہارے دماغ میں اپنی ابدی صداقت کے ساتھ گونج رہی ہوگی۔ مَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ آؤ آج اِن دونوں حقیقتوں کا اعتراف یورپ کے ایک بڑے فلسفی 'جان لاک' کی زبان سے سُنیں :—

"ہمارے لیے کوئی چیز خود ہمارے وجود سے زیادہ بدیہی نہیں ہوسکتی۔۔۔ اگر میں تمام چیزوں میں شک کروں، تو بھی خود یہ شک مجھکو اپنے وجود کے ادراک پر مضطر کردے گا اور خود اس میں شک کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ ۔ ۔ اگر میں جانتا ہوں کہ میں شک کرتا ہوں، تو جس یقین کے ساتھ میں شک کو جانتا ہوں، اسی یقین کے ساتھ اس کا ادراک رکھتا ہوں، کہ کوئی چیز شک کرنے والی ہے"۔

"یہ ثابت کرنے کیلئے کہ ہم کو خدا کا علم و یقین حاصل ہوسکتا ہے۔ اور کیسے ہوسکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو خود اپنی ذات اور اس غیر مشکوک علم سے آگے جانے کی ضرورت نہیں کہ ہم خود ہیں ۔ ۔ ۔ انسان قطعاً جانتا ہے، کہ وہ موجود ہے، اور یہ کہ وہ کوئی شے ہے ۔ ۔ ۔ دوسری طرف یہ بھی وجداناً و بداہتہً جانتا ہے، کہ کسی شے کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ محض لاشے سے پیدا ہوسکتی ہے، ایسا ہی ہے، جیسے لاشے کو دو قائمہ زاویوں کے برابر قرار دینا"۔

"پھر انسان اپنے اندر علم و ادراک بھی پاتا ہے جس سے ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے کہ ہماری خالق صرف کوئی چیز ہی نہیں بلکہ کوئی علم و ادراک والی ذات ہے ۔ ۔ ۔ اگر یہ

کہا جائے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ کوئی عالم و مدرک ذات نہ تھی اور وہ ازلی ذات قطعاً فہم و ادراک سے خالی تھی، تو میرا جواب یہ ہے کہ پھر ایسی صورت میں کبھی علم کا وجود نہیں ہو سکتا تھا، جو چیزیں علم سے قطعاً خالی ہیں اور بلا کسی ادراک کے اندھے پن کے ساتھ عمل کرتی ہیں۔ ان کے لئے علم و ادراک والی ذات کا پیدا کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کوئی مثلث اپنے تین زاویوں کو دو قائموں سے بڑا بنا دے کیونکہ بے حس مادہ کے تصور کے یہ ایسا ہی منافی ہے کہ وہ اپنے اندر ادراک و حس کر سکتا ہے جیسا مثلث کے تصور کے یہ منافی ہے کہ وہ اپنے اندر قائموں سے بڑے زاویے بنا سکتا ہے"۔

"میرے نزدیک یہ ایک واضح بات ہے کہ ہم کو ہر اُس شئے سے زیادہ خدا کے وجود کا یقینی علم حاصل ہے جو ہمارے حواس کے لئے براہ راست منکشف نہیں ہے، نہیں بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہم خدا کا موجود ہونا اس سے زیادہ یقین کے ساتھ جان سکتے ہیں جتنا کہ کسی اور چیز کا اپنے سے باہر موجود ہونا"۔

"ہم مادہ و فکر کے تصورات رکھتے ہیں۔ لیکن یہ جاننا کبھی ممکن نہ ہوگا کہ آیا کوئی محض مادی شئے سوچتی اور فکر کرتی ہے یا نہیں، بغیر وحی کے محض اپنے تصورات پر غور کر کے یہ معلوم کرنا ناممکن ہے کہ قدرتِ مطلقہ نے بعض نظامات مادہ کو موزوں بنا کر فکر و ادراک کی طاقت نہیں بخشی ہے، یا اس کے برخلاف ایسے موزوں مادہ کے ساتھ ایک ذی فکر غیر مادی جوہر کو مربوط و وابستہ نہیں کر دیا ہے، نفس تصورات کی حد تک ہمارے لئے یہ کچھ زیادہ بعید از فہم نہیں، کہ اگر خدا چاہے تو وہ مادہ میں فکر کی ایک قوت کا اضافہ فرما دے سکتا ہے، بہ نسبت اِس کے کہ وہ ایک جوہر کا اضافہ کرے جو فکر کی قوت رکھتا ہو . . . کیونکہ اس میں کوئی تناقض مجھ کو نظر نہیں آتا، کہ اولین ازلی ذی فکر ہستی، اگر چاہے بے حس مخلوق مادہ کے بعض نظامات کو، موزوں ترکیب کے ساتھ کچھ حس و ادراک اور فکر عطا کر دے گو جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں، (سفر چہارم باب ۱۰) خود مادہ کو (جو اپنی ذات ہی میں حس و فکر سے خالی ہے) یہ اوّلین ازلی صاحب فکر ہستی فرض کرنا کسی طرح تناقض سے کم نہیں، بات یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ بحث ہی ایسی ہے، جو ہمارے علم کی رسائی سے خارج ہے، جو شخص اس کی

پیچیدگی پر بے تعصبی سے غور کریگا۔ وہ روح کی مادیت یا غیر مادیت کسی مفروضہ کا بھی قطعی فیصلہ کرنے کے قابل اپنی عقل کو نہ پائے گا، ہر مفروضہ کی مشکلات اُس کو دوسرے کی طرف ڈھکیلنا چاہیں گی، بعض لوگ یہ ظلم کرتے ہیں کہ ایک مفروضہ میں کوئی ناقابلِ تصور بات پاکر جلد بازی سے مخالف مفروضہ کی طرف چلے جاتے ہیں۔ گوایک منصف مزاج کے لئے وہ بھی پہلے ہی کی طرح ناقابلِ فہم ہوتا ہے۔"

"اگر ہم اپنے علم کی تنگی اور جہل کی تاریکی کو پیشِ نظر رکھیں، جو ہمارے علم سے بے انتہا زیادہ ہے، تو اس سے بہت سے نزاعات کے خاتمے، اور مفید علم کی ترقی میں مدد مل سکتی ہے۔ بشرطیکہ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ ہم کہاں تک صاف واضح تصورات رکھتے ہیں اپنے خیالات کو انہی چیزوں پر غور و فکر میں محدود کردیں جو ہمارے فہم کی دسترس میں ہیں، اور اس سے آگے اتھاہ تاریکی میں (جہاں نہ ہمارے پاس دیکھنے کے لئے آنکھیں ہیں، نہ ادراک کی قوتیں) محض اسی زعم میں نہ گھُسیں، کہ ہمارے فہم سے کوئی چیز ماوراء نہیں"۔

"جب ذہن اپنے تمام خیالات واستدلالات میں محض اپنے تصورات کے سوا اور کوئی شے براہ راست نہیں رکھتا اور صرف انہی تصورات کے متعلق سوچتا یا سوچ سکتا ہے، تو ظاہر ہے کہ ہمارا علم صرف ان تصورات ہی سے آشنا ہے"۔

"اشیاء جہاں تک ہمارا مشاہدہ جاتا ہے باقاعدگی کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں جس سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ ایک قانون کے تحت عمل کرتی ہیں مگر ایسا قانون جس کو ہم جانتے نہیں، لہٰذا گو علل یکسانی کے ساتھ عمل کرتے اور نتائج ان سے مسلسل ظاہر ہوتے ہیں، تاہم ان کے باہمی ربط و انحصار کا ہم اپنے تصورات میں کوئی پتہ نہیں چلا سکتے ہم کو ان کا محض ایک تجربی علم حاصل ہوتا ہے"۔

"فہم کی ماہیت و نوعیت کی اس تحقیق سے اگر میں اس کی قوتوں کو معلوم کرسکوں کہ وہ کہاں تک پہنچتی ہیں، کن چیزوں کے لئے کس حد تک مناسب ہیں اور کہاں وہ ناکام رہتی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ انسان کے ذہن کیلئے جو ہر شے میں گھُستا ہے، اس لحاظ سے مفید ہوگا کہ ایسی چیزوں میں دخل دینے کے متعلق جو اس کی گرفت سے باہر ہیں، زیادہ محتاط رہ کر اپنی رسائی کی انتہا پر ٹھہر جائے اور ایسی چیزوں کی نسبت

اپنے جہل پر خاموش بیٹھ جانے جو تحقیق کے بعد ہماری قابلیتوں کی رسائی سے ماوراد ثابت ہوں۔"

"ہم کو اپنے ذہن کی تنگی کے متعلق کچھ زیادہ وجہ شکایت نہ ہوگی بشرطیکہ ہم اس کو اُنہی چیزوں میں استعمال کریں جو ہمارے کام کی ہیں کیونکہ ان کے قابل وہ پوری طرح ہے اور اگر ہم محض اسلئے اپنے علم کی منافع و فوائد کی ناقدری کریں اور اسی کو ان مقاصد تک ترقی دینے میں غفلت برتیں جن کے لئے یہ ہمکو دیا گیا تھا کہ کچھ چیزیں اسکی دسترس سے باہر ہیں تو یہ ایک ناقابل عفو اور ساتھ ہی طفلانہ ضد ہوگی اور کسی کاہل و سرکش نوکر کیلئے شمع کی روشنی میں اپنا کام نہ کرنے کا یہ کوئی عذر نہ ہوگا کہ دن دوپہر کی روشنی نہ تھی، جو شمع ہمارے اندر روشن ہے۔ ہمارے کاموں کیلئے اسکی روشنی بالکل کافی ہے۔"

"اگر ہم اپنی قوت کو جان لیں تو زیادہ بہتر طور سے اس کو جانیں گے کہ کس کام میں یہ کامیابی کی امیدوں کے ساتھ لگائی جا سکتی ہے . . . . جہازران کے لئے اپنے خط کی لمبائی کا جان لینا بہت کارآمد ہے گو وہ اس سے سمندر کی ساری گہرائیوں کی تھاہ نہ لے سکے . . . . انہی باتوں نے تحقیق فہم کے متعلق اس کتاب کا پہلے پہل خیال پیدا کیا، کیونکہ میں نے خیال کیا کہ انسانی ذہن جس قسم کی تحقیقوں میں پڑ سکتا ہے اُن کی نسبت اطمینان حاصل کرنے کا سب سے پہلا قدم یہی ہے کہ ہم خود اپنی فہم کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کن چیزوں کے لئے وہ موزوں ہے اسکے بغیر میرے نزدیک ہم پہلی ہی اینٹ ٹیڑھی رکھتے رہے اور اس لئے جو صداقتیں ہمارے سب سے زیادہ کام کی تھیں، اُن کے حصول سے تشفی کی تلاش فضول تھی کیونکہ ہم نے تو اپنے خیالات کو وجود کے بحرِ زخار میں غرق کر رکھا تھا، گویا یہ ناپیداکنار وسعت ہماری فہم کی قدرتی و غیر مشکوک ملکیت تھی جس میں نہ کوئی چیز اسکے فیصلوں سے مستثنیٰ تھی، نہ اُس کی گرفت سے محفوظ، اس طرح جب لوگوں نے اپنی تحقیقات کو اپنی قابلیتوں سے باہر پھیلا دیا اور اپنے خیالات کو ایسی گہرائیوں میں اتار دیا، جہاں قدم جمانے کی کوئی جگہ نہ تھی، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سوالات پر سوالات اور نزاعات پر نزاعات کا اضافہ ہوتا چلا جائے، جن کے کسی صاف فیصلے پر نہ پہنچنے سے صرف یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ شکوک بڑھتے جائیں اور بالآخر ایسے لوگوں کے اندر کامل ارتیابیت گھر کر لے۔"

(بشکریۂ معارف)

گدازِ تلاوت

وَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْن

انتساب اُن آنسوؤں کے ساتھ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ اسیری کی تاریک راتوں کے تصور میں میری آنکھوں سے گرے۔ (منیب)

مَیں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔

یُوسف علیہ السلام قید خانے میں بند ہیں، دو شخص اُن کے پاس بیٹھے ہیں اور اپنے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کر رہے ہیں۔ جس شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ شراب بنا رہا ہے اُسے فرمایا "تم قید سے چھوٹ جاؤ گے اور پہلے کی طرح اپنے آقا کو شراب پلانے پر مامور ہو جاؤ گے" دوسرا شخص جس کا خواب یہ تھا کہ اس کے سر پر روٹی ہے اور پرندے اس کی روٹی کو کھا رہے ہیں۔ اُسے بتایا کہ تمہیں سُولی پر چڑھایا جائیگا اور پرندے تمہارا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے"۔

پڑھتا پڑھتا میں ذیل کے الفاظ پر پہنچا:

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ۔ اور یوسف نے جس آدمی کی بابت سمجھا تھا کہ وہ قید سے آزاد ہو جائیگا اُس سے کہا "جب تم اپنے آقا کے پاس جاؤ تو مجھے یاد رکھنا"۔ (یعنی میری رہائی کے لئے اُس کے پاس سفارش کر دینا)

جب چند مصیبت زدہ لوگ آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو دنیا کے دستور کے مطابق وہ ایک دوسرے کی ہر ممکن دلجوئی کرتے ہیں اور باہمی تسکین و تسلّی کی باتوں سے اپنا دِل بہلاتے ہیں اکثر حالتوں میں ایسا ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے جو شخص قید و مصیبت سے جلد رہائی پانے والا ہو اُسکے ساتھی اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کے سامنے یہ تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو وہ اُن کو بھی نجات دلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے یا کم از کم اُن کی کسی اور طرح سے امداد کرے۔ یہ وقت عجیب درد و گداز کا وقت ہوتا ہے۔ انسان کا دِل پگھل جاتا ہے

اور رقت و ہمدردی کے جوش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہر ممکن امداد و خدمت کا وعدہ کر لیتا ہے۔

اور یہ صرف ایک ہی مثال نہیں ہے۔ زندگی کے سارے معاملات میں انسان کا طور طریقہ ایسا ہی رہتا ہے۔ دیکھو! ہم میں سے کتنے ہی ایسے ہیں کہ جب وہ قرض و افلاس یا بیماری کے شدید دُکھوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ خدا کے سامنے کتنی ہی عاجزی کے ساتھ اپنی بداعمالیوں سے توبہ کرتے ہیں، وہ عہد کرتے ہیں، "الہی! اگر تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے، تو ہم مرتے دم تک تیری سچی اطاعت کریں گے اور کفایت شعاری، عاجزی، سچائی اور نیکی کے ساتھ اپنا وقت بسر کریں گے۔ لیکن حسرت اور افسوس ہے انسان کی غفلت پر، کہ جوں ہی وہ درد و مصیبت سے نجات پا جاتا ہے، خدا اور اُس کے تمام احکام " مصیبت اور دورانِ مصیبت کے تمام عہد بیک لحظ فراموش کر دیتا ہے۔ قرآن حکیم نے انسانی ذہنیت کے اس پہلو کو کیا ہی دل نشیں پیرائے میں پیش کیا ہے۔

إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۝ ۱۱

جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو، اور وہ پاکیزہ ہوا (کی مدد) سے لوگوں کو لے کر چلتی ہیں، اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں (پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ) تیز و تند ہوا کے جھونکے کشتی کو آ لیتے ہیں اور لہریں ہر طرف سے اُن پر چڑھ آتی ہیں اور مسافر سمجھتے ہیں کہ اب تو ان میں گھر گئے تو اس وقت خالص خدا ہی کو مان کر اس سے دُعا مانگنے لگتے ہیں کہ (خداوندا!) اگر تو ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشے، تو ہم ضرور تیرے بہت ہی شکر گذار ہوں گے، مگر جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے) تو وہ زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

بہرحال رنج والم کی حالت میں کہی ہوئی کوئی بات اور درد و مصیبت کے عالم میں کیا ہوا کوئی عہد لائقِ اعتبار نہیں۔ ورنہ دُکھ اور مصیبت کا وقت کس پر نہیں آتا اور بیچارگی اور بے بسی کے زمانے میں خدا تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا عہد کون نہیں کرتا؟ اگر لوگ اپنی مصیبتوں کو بھولنے اور اپنے عہد و پیمان کو فراموش کرنے کے عادی نہ ہوتے، تو آج دنیا

میں ظلم و فساد کا ایک بھی نشان ہمیں نظر نہ آتا۔

اور پھر جب ہم خدا کو بھول جاتے ہیں، یعنی اُسی کو جس نے ہماری نجات کے سامان پیدا کیئے اور جس نے ہمیں ابتلا و آزمائش کی چکی میں پستے پستے بچا لیا، تو اس کے سوا دوسری چیزوں کا بھول جانا تو بالکل ہی ادنیٰ بات ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھی نے اگر قید خانے سے باہر جا کر اُن کو بھلا دیا، تو وہ اسی غفلت کے نشے کے باعث تھا، جس کا ذکر بار بار قرآن مجید میں آیا ہے۔ وہ مصیبت سے رہائی پا کر اپنے آقا کے پاس چلا جاتا ہے سالہا سال گذر جاتے ہیں؛ لیکن کبھی اُس کے حافظے میں یہ بات آئی ہی نہیں کہ اُس نے ایک بے بس قیدی کے ساتھ کوئی عہد و پیمان بھی کیا تھا:

فَاَنْسٰہُ الشَّیْطٰنُ ذِکْرَ رَبِّہٖ جب (وہ قید خانے سے آزاد ہو گیا تو) شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ہ آقا کے حضور پہنچ کر اُسے یاد کرتا، پس یوسفؑ کئی برس تک جیلخانے ہی میں رہے۔

جب میں یہ آیت ختم کر چکا تو میری تلاوت کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ مَیں نے عالم تصور میں دیکھا کہ حضرت یوسف کا ساتھی جیل خانے کے دروازے سے باہر نکل رہا ہے۔ اِس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان کے آثار کھیل رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام اُسے اس امید کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں کہ یہ شخص اپنے آقا کے پاس پہنچ کر اُن کے بارے میں ذکر کرے گا اور دو ایک روز تک خود اُن کی رہائی کا سامان بھی ہو جائے گا۔

اسی عالم تصور میں میری آنکھوں نے یہ نظارہ کیا کہ یوسف علیہ السلام یہ سوچ رہے ہیں، شاید آج اُن کا ساتھی آکر اُنہیں رہائی کی خوشخبری سُنائے۔ لیکن وہ نہیں آیا، سوچتے ہیں، نہ جانے آج وہ کیوں نہیں آیا، شاید کل آجائے، دوسرا دن اور انتظار بڑھ جاتا ہے اور وقت اس طرح گذرتا ہے کہ

ع صبح سے شام ہوئی شام سے پچھلا پہرا

پھر اِن ہی تصور کی آنکھوں نے دیکھا کہ انتظار کی شدت آہستہ آہستہ ختم ہو گئی، امید کی روشنی رفتہ رفتہ مایوسی کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ رات، قید خانے کی تاریک رات، مَیں دیکھتا ہوں کہ حضرت یوسفؑ کروٹیں بدل بدل کر رات گذارتے ہیں۔ آہ! وہ دنیائے قید و بند، جہاں کے دن بھی راتوں ہی کی طرح تیرہ و تار ہوتے ہیں، اُس چار دیواری کے اندر ایک بے گناہ قیدی نے کتنا ہی لمبا عرصہ گذار دیا، دن ختم ہو گئے، ہفتے بیت گئے، مہینے نکل گئے اور نوبت یہاں تک پہنچی

کہ کئی سال گذر گئے یعنی کئی سال کا طویل زمانہ بسر ہو گیا! جونہی مجھے اس بات کا احساس ہوا، مجھے ایسا معلوم ہوا، گویا یہ ساری واردات خود مجھ ہی پر گذر رہی ہے اور میں ایک ایسی حالت میں مبتلا ہو گیا کہ ضبط و شکیب کا دامن چھوٹ گیا اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگ گئے! انسان کی غفلت اور مظلومی کی وہ محسوس تصویریں، میرے دل و دماغ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

پھر جب میرے حواس مجتمع ہوئے، تو میں نے اگلی آیات کی تلاوت شروع کی، جن میں بتایا گیا ہے کہ جب حضرت یوسف سالہا سال کی مدت قید خانے میں بسر کر چکے، تو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہِ وقت نے ایک خواب دیکھا اور پھر اس خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے اپنے درباریوں کو طلب کیا۔ یہ لوگ اُس کے خواب کی کوئی تعبیر نہ بتلا سکے اور انہوں نے بادشاہ کو یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ یہ ایک پریشان خواب ہے اور پریشان خوابوں کا کوئی مطلب نہیں ہوا کرتا، لیکن وہ شخص جس نے اپنے قید کے دنوں میں حضرت یوسف سے ایک خواب کی تعبیر دریافت کی تھی، اور پھر اس تعبیر کو اپنے حق میں درست پایا تھا، جب اس نے خواب کا یہ معاملہ سُنا، تو اُسے حضرت یوسف سے اپنا عہد یاد آ گیا۔ وہ دوڑتا ہوا قید خانے میں آیا۔ اور کسی معذرت اور افسوس کے اظہار کے بغیر اُس نے یوسف ؑ کے سامنے بادشاہ کے خواب کی تفصیل بیان کر دی اور آن سے تعبیر کا طالب ہوا، حضرت یوسف اُس کی باتیں سُن کر جو جواب دیتے ہیں، قرآن میں وہ ذیل کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے:

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا۔ الخ
یوسف نے کہا: (اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہوگے!

جب میں نے اس جملے پر غور کیا تو میں حضرت یوسف کی سیرت کے بارے میں، ایک عجیب و غریب حیرت میں کھو کر رہ گیا۔ یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ آپ سالہا سال کے قید و بند کی مصیبتیں اُٹھانے کے باوجود، اس شخص سے اس امر کا ذرا بھی گلہ نہیں کرتے کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، کہ قید سے خلاصی پانے کے بعد میری رہائی کے لئے بھی کوشش کرو گے، مگر تم نے مجھے بالکل ہی فراموش کر دیا! حضرت یوسف ؑ کا کیریکٹر کتنا بلند کیریکٹر ہے، نہ اُس سے شکوہ کرتے ہیں، نہ اُسے شرمندگی کا موقع دیتے ہیں، نہ اپنی زہرہ گداز مصیبتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ خواب کی تفصیل بیان کرتا ہے اور آپ خواب ہی کا جواب دیتے ہیں! یہ صبر و حلم، یہ متانت، یہ بردباری اور بلند خیالی،

یہ فراخ دلی اور خوش اخلاقی سچ مچ حضرت یوسف خدا کے بڑے ہی برگزیدہ بندے تھے۔
وَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ۝
آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری غفلتوں کو معاف کرے، ہمیں ایفائے عہد کی توفیق بخشے اور صبر و استقلال کی دولتوں سے مالا مال کرے۔ آمین

تقریظات

فاران امرتسر (ماہنامہ) ایڈیٹر: محمد عنایت خاں حیرت۔ تقطیع اوسط، ضخامت ۰ ہ صفحے سالانہ تین روپے۔ فی کاپی ۵؍ (پتہ) فاران امرت سر

حیرت صاحب کسی زمانے میں "سروش" لاہور کے ایڈیٹر تھے، وہ پرچہ بھی خوب تھا اور اب انہوں نے "فاران" نکالا ہے، تو یہ بھی خوب ہے، بلکہ جہاں تک سادگی اور متانت کا تعلق ہے "فاران" "سروش" سے کہیں بہتر معلوم ہوتا ہے!

امرت سر کی زمین علمی اور ادبی پرچوں کے لئے عام طور پر شور و سنگلاخ خیال کی گئی ہے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ "چمن" اور "چمنستان" دو چار برس کے اندر اندر اُجڑ کر رہ گئے، لیکن "فاران" کو چونکہ سنگلاخ زمین ہی سے مناسبت ہے۔ اِس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ یہ اپنا استقلال دکھائے گا۔

فاران کے لکھنے والوں میں انعام اللہ خان ناصر، صوفی تبسم، عرشی امرتسری، بیضا خاں مردی، ساغر نظامی اور رفیق حسین خاور ایسے کہنہ مشق ادیبوں کے نام اس امر کی امید دلاتے ہیں کہ پرچہ کامیاب ہوگا، البتہ افسانوں کے بارے میں اتنی احتیاط ضرور کرنا چاہئے کہ وہ محض الفاظ ہی کا مجموعہ نہ ہوں بلکہ سبق آموز بھی ہوں اور مفید بھی۔ نظمیں جس قدر کم ہوں اتنا ہی اچھا ہے اور "وجودِ حقیقی" ایسے مضامین سے تو بالکل ہی احتراز مناسب ہے۔ (س)

پیامِ نسواں لکھنؤ (ماہنامہ) مرتبہ محترمہ رابعہ سلطانہ نگار و شمیم آرا بیگم نجمہ۔ ہمایوں سائز ضخامت ۵۰ صفحے۔ قیمت سالانہ دو روپے، فی پرچہ ۳؍ پتہ:۔ پیامِ نسواں، حلقہ اشاعت لکھنؤ

"پیامِ نسواں" کے تین چار پرچے ہم نے دیکھے ہیں۔ اس میں عورتوں کے متعلق تاریخی، معاشری

(بقیہ صفحہ ۷۱ پر)

موتی

(سلمانی نے جمع کیے)

۳۶- سچ کو عریانی پسند ہے اور جھوٹ کو لباس۔

۳۷- قارض کا حافظہ مقروض کے حافظے سے بہتر ہوتا ہے۔

۳۸- جو شخص فطرتاً نااہل ہے، اُسے تعلیم و تربیت سے کیا فائدہ؟

۳۹- وہ سر جس نے تاج پہن رکھا ہے، سکھ کی نیند سے محروم ہے۔

۴۰- ظلم کی لڑائیاں دُنیا کا ناس کر دیتی ہیں۔

۴۱- بے رحمی شیطان کی پہلی صفت ہے۔

۴۲- عقل مندی کے بغیر بہادری کسی کام کی نہیں۔

۴۳- بیماری ایک ٹیکس ہے جو عیاشی کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

۴۴- مصیبت گذر گئی، خدا بھول گیا۔

۴۵- دُنیا تاریک ہے دوست کے بغیر۔

۴۶- جہاں گُڑ ہوتا ہے، وہیں مکھیاں بھنبھناتی ہیں

۴۷- ہر ایک دن کے ساتھ رات ہے اور ہر ایک خوشی کے ساتھ رنج۔

۴۸- اپنی خوبیوں اور دوسروں کے عیبوں کو ہم نظر انصاف سے نہیں دیکھتے۔

۴۹- اپنے آپ پر اعتماد نہ کرو، بلکہ اپنے دوستوں اور دشمنوں سے اپنے عیوب و نقائص معلوم کرتے رہو۔

۵۰- قصور کے انکار سے جُرم دُگنا ہو جاتا ہے۔

۵۱- جو لوگ ہونہار ہوتے ہیں اُن کے خیالات شروع ہی سے بلند ہوتے ہیں۔

۵۲- بعض وقت کسی بُرے کام کی امداد بھی نیکی کا درجہ رکھتی ہے۔

۵۳- مشکلات سے ہمتیں بڑھتی ہیں

۵۴- مرتبہ اور عزت، لیاقت کو زینت دیتے ہیں جیسے اچھا لباس صورت کو۔

۵۵- محنت دولت کی ماں ہے۔

(ترجمہ)

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر

یکم جولائی سے ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء تک

آمد البیان

بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۱	۰	۰
میاں احمد علی احمد خان صاحب واشمن	۱۰	۰	۰
میاں فیملی	۶	۰	۰
خواجہ سخاء اللہ صاحب	۹	۰	۰
حاجی محمد الدین صاحب پنڈوریاں	۲	۰	۰
امت مسلمہ لاہور	۱۲	۸	۰
شیخ عبدالرحمن صاحب انصاری	۱	۲	۰
حکیم طالب علی صاحب	۱	۰	۰
منشی قمرالدین صاحب لاہور	۳	۰	۰
بابو عبداللہ خان صاحب	۳	۰	۰
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۱	۰	۰
میاں فیملی	۶	۰	۰
بابو فضل کریم صاحب	۱	۰	۰
میراں بخش صاحب	۰	۸	۰
معرفت مستری تاج الدین صاحب	۱	۰	۰
میاں احمد علی صاحب واشمن	۱۰	۰	۰
پروفیسر غلام عباس صاحب ایم اے	۳	۰	۰
عبدالرحیم صاحب قریشی	۱	۰	۰
دی ایم غنی صاحب رنگون	۳	۳	۰
مدیر مکتبۂ ناصریہ بھوپال	۲	۰	۰
ماہوار چندے	۱	۰	۰
میزان	۸۰	۵	۰

عمارت فنڈ

ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	۶۱	۰	۰
خواجہ سخاء اللہ صاحب	۳۶	۰	۰
متفرق	۵	۲	۰
میزان	۱۰۲	۲	۰

لٹریچر فنڈ

چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰	۰	۰
کتب خانہ	۸	۱۵	۶
رکنیت فنڈ	۱	۲	۰
تبلیغ	۸	۰	۰
خواجہ سخاء اللہ صاحب (جلسہ فنڈ)	۱۰	۰	۰
حکیم طالب علی صاحب (لائبریری)	۱	۰	۰
سابقہ بقایا	۲۰۱	۶	۹
کل میزان	۴۲۲	۱۵	۳

مصارف

البیان	۱۱۱	۱۲	۳
عمارت	۱۶	۱۰	۰
کتب خانہ	۱۰	۶	۹
تبلیغ	۰	۱	۹
میزان	۱۳۶	۱۵	۹
بقایا	۲۸۵	۱۵	۶

اپنے مخاطبوں کے سامنے ایسے ثبوت مہیا کرتے ہیں، جنہیں عملی طور پر بھی پیش کیا جا سکے، اُن کا دعویٰ ہے کہ مشرکین و کفار کے معبود بالکل بے جان اور بے حقیقت پتھر ہیں، وہ حلقہ نوعِ انسان کے خیر و شر پر کوئی اختیار نہیں رکھتے، اب اِس دعوی کی عملی دلیل اُن کا وہ فعل تھا، جو بتوں کو ریزہ ریزہ کرنے پر منتج ہوا۔ اور بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ کا جملہ اتمام حجت کے ترکش کا آخری تیر تھا۔ جوں ہی یہ تیر چھوڑا گیا، دشمن پشیمانی اور ندامت کے ساتھ سر جھکائے سامنے کھڑا تھا۔ ہمارے راویوں اور مفسروں نے جو ابراہیمؑ کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں، اُنھوں نے اپنے پیغمبر پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا دیا، لیکن ابراہیمؑ کے دشمن خاموش تھے۔ وہ دل سے اُس کی سچائی کے قائل تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہی ظلم کا اعتراف کرتے ہیں اور سر جھکا کر دبی زبان سے اگر کچھ کہتے ہیں، تو صرف یہ کہ ابراہیمؑ! تم خود جانتے ہو، یہ بت باتیں نہیں کیا کرتے! آپ نے فرمایا: پھر کتنے افسوس کی بات ہے تم پرستش بھی کرتے ہو، تو اُن معبودوں کی، جو منہ میں زبان تک نہیں رکھتے، جو تمہارے نفع و نقصان پر قادر نہیں، یہ کتنی بے عقلی اور جہالت کی بات ہے!

بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا الخ کے الفاظ نے کتنا بڑا کام کیا! اگر ابراہیمؑ اُس طرح کا سچ بولتے، جس طرح کا سچ ہمارے راوی اور مفسر مانگتے ہیں، یعنی یہ کہہ دیتے، ہاں! اِن بتوں کو میں نے ہی توڑا ہے، تو اِن پجاریوں پر عملاً اتمام حجت کر کے اُنہیں قائل کس طرح کیا جاتا، اُن کی زبان سے "مَا هٰؤُلَاءِ يَنْطِقُوْنَ" کا اعتراف کیسے ممکن تھا؟ وہ ندامت کا اظہار کس طرح کرتے؟ پھر ابراہیمؑ اُن کے معبودوں کی بے بسی پر اُنہیں شرمندہ کس طرح کرتے اور یہ عظیم الشان طریقِ حجت، یہ تجرباتی دلیل آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ ہدایت کیوں کر بنتی؟ اگر ابراہیمؑ کا جواب، اِن الفاظ کے سوا کوئی دوسرا جواب ہوتا، تو یہ قابلِ قدر فوائد ہمیں کس طرح حاصل ہوتے؟

زیرِ تشریح سورہ یعنی سورۂ والصافات کے ایک مقام پر بھی مفسرین نے حضرت ابراہیمؑ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا ہے، اُن کے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ آپ کی قوم کے کچھ

لوگ آپ کو کسی عید یا میلے میں ساتھ لے جانا چاہتے تھے، آپؑ کو اُن کے ساتھ جانا گوارا نہ تھا، اس لئے کہہ دیا اِنِّیْ سَقِیْمٌ یعنی میں بیمار ہوں۔ چوں کہ صحیحین کی ایک روایت نے آپ کے اس قول کو غلط بتایا ہے' لہٰذا راوی سچے ہیں اور پیغمبر جھوٹ بولتے ہیں۔ تعجب ہے کہ خدا اپنے پیغمبر کے قول کو جھوٹ نہیں ٹھیراتا، ابراہیمؑ اپنے جھوٹ کا اعتراف نہیں کرتے' کفار آپ کو جھوٹا نہیں سمجھتے' لیکن بخاری اور مسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ وُہ آپ کی تکذیب میں ایک بے اصل وحقیقت اور خلافِ قرآن روایت کو شائع کرتے پھریں۔ پھر مفسرین کی عقل پر تعجب ہوتا ہے کہ وُہ بھی بے سوچے سمجھے اس روایت کی پیروی کئے جا رہے ہیں۔ اور آنا بھی نہیں دیکھتے کہ اس قسم کی ہفوات سے خدا کے ایک سچے نبی پر ہی حرف نہیں آتا، بلکہ قرآن کے وقار کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا صحیح مفہوم قرآن کے اپنے الفاظ کے مطابق یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم کے کفر و شرک کے باعث "سقیم القلب" ہو گئے تھے۔ قوم کی گمراہیوں سے آپ دل برداشتہ اور کبیدہ خاطر رہتے اور انہیں کہتے کہ مَیں تمہاری مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کی عبادت کو دیکھ دیکھ کر بیمار ہو گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی صاف اور واضح بات کو لوگوں نے کیوں خواہ مخواہ جھوٹ قرار دے لیا!

دو مبحث صاف ہو گئے ہیں۔ اس رکوع کا تیسرا مضمون یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ سے ایک صالح فرزند کے لئے دُعا کی؛ اس دعا میں ہمارے لئے ایک قابلِ اتباع سبق موجود ہے یعنی آپ خدا تعالیٰ سے بیٹا بھی مانگتے ہیں تو کیسا؟ صالح یعنی مناسب کام کرنے والا' (FIT) صلاحیت رکھنے والا' نیکوکار اور لائق۔ حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں ہمیں بھی یہ چاہئے کہ خدا تعالےٰ سے صالح اولاد ہی کے لئے دُعا کریں اور اپنی اولاد کی صالحانہ تربیت کا خیال رکھیں' ورنہ بُری اولاد سے تو یہ بہتر ہے کہ انسان لاولد ہی رہے۔

خداوند تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور آپ کو اسحٰق نام کا ایک حلیم اور بُردبار بیٹا عطا فرمایا۔ جب یہ بیٹا چلنے پھرنے کے قابل ہُوا، تو حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا'

کہ آپ اسحٰق کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح اُٹھ کر اسحٰق کو یہ خواب بتایا اور اس سے دریافت کیا: میں تم پہ اس خواب کی تعمیل کرنا چاہتا ہوں، تمہاری کیا رائے ہے؟ اسحٰقؑ نے جواب دیا: خدا تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے، آپ اُسے بجالائیں۔ میں انشاء اللہ عزم واستقلال کے ساتھ اپنے آپ کو خدا کی راہ میں قربان کردوں گا۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑ کر حکم الٰہی کی تعمیل کرنے ہی کو تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائش میں پورا دیکھ کر اسحٰق کو ذبح کرنے سے روک دیا
اس واقعہ میں ہمارے لئے دو عظیم الشان سبق موجود ہیں، ایک یہ کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی راہ میں بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اس معاملے میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ آپ خدا کے دین کی خاطر اپنے باپ سے جدا ہو جاتے ہیں، گھر کو خیرباد کہتے ہیں، اپنی قوم اور اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں اور اب خدا کی محبت واطاعت کی انتہا یہ ہے کہ جب آپ خواب میں یہ دیکھتے ہیں، کہ میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو آپ اسی وقت اپنے لختِ جگر کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسحٰق کی نوعمری، اس کی محبت، اس کے دل اور خون کا رشتہ، ان ساری چیزوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں، جو محبتِ الٰہی کی راہ میں حائل ہونے کی جرأت کر سکے۔ بے شک اللہ کی سچی اطاعت اسی کا نام ہے! دوسرا بڑا سبق یہ ہے کہ ہمیں والدین کی اطاعت کس طرح کرنی چاہئے۔ اسحٰق کا اُسوہ اس باب میں ہماری سچی راہ نمائی کرتا ہے۔ انسان کی سب سے زیادہ عزیز چیز کیا ہے؟ یہی چند روزہ زندگی! اسحٰق نے اپنے باپ کے اشارے پر بلا تأمل اپنی زندگی پیش کردی! یہ زندگی، بڑھاپے کی زندگی نہیں تھی، جس سے بیزار ہو کر انسان چاہتا ہے کہ اُسے موت آجائے، اسحٰق کی زندگی، نوجوانی کی زندگی تھی، جس پر انسان اپنے مستقبل کی بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرتا ہے، موت سے غافل کر دینے والا زمانہ، زمانے سے بے نیاز کر دینے والی عمر، والدین سے بے پرواہ کر دینے والے لمحے، کتنی سعادت مند تھی، وہ روح، جو دنیا کی غفلت، غرور اور سرکشی سے بالکل پاک تھی اور جس نے قربانی کا مطالبہ اس طرح پورا کیا کہ جسم کے ساتھ، روح کے تمام ارمان بھی قربانی کے لئے پیش کر د

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

باپ اور بیٹے کی اطاعت کا یکو ہر خدا نے بڑی ہی قیمت پر خرید یا۔ ابراہیمؑ کو بلاء مبین سے نجات دی اور اسحٰقؑ کو قیامت تک باقی رہنے والی "ذبح عظیم" کے بدلے ذبح ہونے سے بچا لیا۔ آپ خدا کے دین کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ دن رات اس راہ میں تکالیف برداشت کرتے اور ہر روز دین الٰہی کی خدمت میں قربان ہوتے۔ یہ تھی ذبح عظیم!

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اللہ تعالےٰ نے ابراہیمؑ کو اَبَدی دعاؤں کا مستحق بنایا۔ تمام مومن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ جیسے محسن اور مومن کو "علیہ السلام" کی دعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب ابراہیمؑ کو اسحٰق کی نبوت کی بشارت بھی دی اور دونوں کو برکتیں عطا فرمائیں۔

(۷۵) وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ اور (اپنی قوم کی پے در پے ایذا رسانیوں اور مخالفتوں سے تنگ آکر) یقیناً نوحؑ نے ہم کو پکارا، اور ہم کیسے اچھے (دعا) قبول کرنے والے ہیں۔

(۷۶) وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ اور ہم نے اسے اور اس کے خاندان (اہل) کو بہت بڑی مصیبت سے بچایا۔

(۷۷) وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ (طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کی اولاد کو خدا تعالیٰ نے پھلنے پھولنے کی توفیق بخشی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نے اس کی (حقیقی) اولاد ہی کو باقی رہنے والے بنایا (کفار کا تو بالکل خاتمہ ہی ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لڑکا بھی انہی کے ساتھ غرقاب ہو گیا' جسے نوح علیہ السلام نادانستہ طور پر اپنا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس کی ناجائز پیدائش اُسے مجرم نہیں بناتی تھی۔ اس کا جرم تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالےٰ کا دشمن اور نافرمان تھا) یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ بلا وجہ کسی شخص کو مصیبت یا عذاب میں ڈالے۔ اگر نوح علیہ السلام کا بیٹا سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا تو وہ اپنی ناجائز ولادت کے باوجود نجات حاصل کر لیتا۔

Regd. No. L. 4448

تبیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے امور جامد کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت کو کہ فعل الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے [illegible]ش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے بزرگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی معین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چند خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام متشابہ قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی۔ منزل اول صفحات ... مجلد سنہری [illegible] منزل دوم [illegible] منزل سوم [illegible]
منزل چہارم [illegible] منزل پنجم [illegible] منزل ششم [illegible] منزل ہفتم [illegible]

[illegible]

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان

برائے ریویو، تبادلہ

نومبر ۳۶ء

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے — فی پرچہ چار آنے

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۸	نومبر ۱۹۳۹ء	جلد ۱

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر نے نذیر پرنٹنگ پریس ہال بازار امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

کتابوں کی مفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں، حسب ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر اُمّت مسلمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مفت تقسیم کی جا چکی ہیں۔

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد تقسیم
سکرٹری اُمّت مسلمہ امرت سر	۱۰ روپے	تفسیر سورۃ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمد رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملّت ابراہیم	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰ روپے	قول احسن	۸۰

اب نومبر ۳۹ء میں جناب بابو عبداللہ خاں صاحب کی طرف سے "برگ سبز" کے ۸۰ نسخے مفت تقسیم کیے جائیں گے۔ جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف تین پیسے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مفت طلب کر سکتے ہیں۔

اہل خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکرگذاری کا موقعہ دیں۔

سکرٹری اُمّت مسلمہ امرت سر

آئندہ پرچہ کے خاص مضامین

۱۔ علامہ اقبال کی صحبت میں ———— مدیر "البیان"

۲۔ اقبال اور قرآن ———— جناب رازی

۳۔ مکتوبات اقبال

حضرت طغرائی مرحوم، علامہ اقبال رح

حکیم محمد حسین عرشی، مولانا ظفر علی خاں اور مرزا محمد رضا خاں مروی

کے منظومات

شذرات

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا

"جوہنسبرگ ۱۰ر جنوری۔ امریکہ کے ایک ماہر فلکیات مسٹر ڈوڈ نے اعلان کیا ہے کہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ہماری زمین پاش پاش ہوتے ہوتے بچ گئی ــــ مہینے کے آخر میں جنوبی افریقہ اور جرمنی کی رصدگاہوں سے ایک چھوٹا سا سیارہ انتہائی تیزی کے ساتھ زمین کے رُخ پر گرتا ہوا نظر آیا۔ ۳۰ر تاریخ کو معلوم ہوا کہ یہ خوفناک کُرّہ زمین سے ۴ لاکھ میل پرے ہٹ کر گذر گیا ہے۔ یہ فاصلہ علم ہیئت کی رُو سے بہت ہی کم فاصلہ سمجھا جاتا ہے اور اس سے پہلے زمین کو کسی ستارے سے اتنی قربت پر نہیں دیکھا گیا۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۱۱ر جنوری ۱۹۳۹ء)

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے جب سائنس نہ تھی، سائنس کے بڑے بڑے عالم نہ تھے، رصدگاہیں نہ تھیں اور فلکیات کے حیرت انگیز آلات نہ تھے، بلکہ عہد حاضر کی اصطلاح میں وہ ایک زمانہ تھا "علم وتحقیق" سے خالی، "تہذیب وتمدن" سے عاری، اس زمانے میں، اس ماحول میں اگر یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ زمین کسی دن پاش پاش ہو کر رہے گی، تو یہ کتنا حیرت انگیز دعویٰ تھا! آج کوئی شخص قیامت کا انکار کرے، تو علم وفن کی روشنی میں ایسے ایسے لاجواب ثبوت پیش کر دیے جاتے ہیں کہ سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا اُسے کوئی چارہ نہیں رہتا۔ مگر ان دنوں کیا کیا جاتا تھا؟ پیغمبر اسلام خدا کی قسمیں کھا کھا کر کفار کو یقین دلایا کرتے تھے کہ اے لوگو! قیامت کا انکار نہ کرو، وہ ضرور آئے گی:

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ط	اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے (کہ قیامت آئے گی)
قُلْ اِيْ وَرَبِّيْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ	کہہ دو، ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم یہ سچ ہے!

اس اعلان قیامت کو صدیاں گذر گئیں۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا[1] کا آوازۂ حق دنیا کے اربوں انسانوں نے سُنا۔ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا

---

[1] جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ایسے بھُربھُرے ہو جائیں گے، جیسے ریت کے ٹیلے۔

الرَّادِفَۃُ[۱] کی منادی زمین کے چپے چپے سے بلند کی گئی۔ اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا[۲] کے اشارے پر زمین سینکڑوں بار لرزی اور تھرائی اور اس کا لرزنا اور کانپنا ہی قرآن حکیم کی غیرفانی صداقتوں کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ مگر اُن لوگوں کے لیے جو قرآن کے پیرو ہو کر بھی اس کی ہر آیت کی تصدیق اہل مغرب سے طلب کرتے ہیں، یہ امر اطمینان کا موجب ہونا چاہیے کہ اہل سائنس نے آخر کار یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہماری زمین کبھی نہ کبھی کسی سیارے کے ساتھ ٹکرا کر تباہ ہو جائے گی مسٹر وڈ کا جو اعلان اوپر پیش کیا جا چکا ہے، وُہ اہلِ مغرب کے اسی اعتقاد کا آئینہ تعین کرنا چاہیے۔ آؤ قرآن پاک کی آیات ذیل سے بصیرت حاصل کریں:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ؕ	جب زمین کو خوب زور سے ہلایا جائے گا اور زمین اپنے (اندر کے) بوجھ نکال ڈالے گی اور انسان (اس کی یہ حالت دیکھ کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے؟

رُوس کا قول و فعل

روس کو آپ جانتے ہیں، اشتراکیت کا سب سے بڑا مبلغ، "جبر و ظلم کے انسداد کا حامی" تمام قوموں کی آزادی اور خود مختاری کی بچی حفاظت کا داعی اور سرمایہ داری اور امپیریلزم کا دشمن — یہ اس کے مشہور و معلوم خصائص ہیں۔ اب اس کے تازہ ترین کارناموں کی تفصیل سنیے: جرمنی نے پولینڈ کا خون بہایا، تو روس آگے بڑھا اور پولینڈ کے نصف سے زیادہ حصے پر قابض ہو گیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس نے بحیرہ بالٹک کی ساحلی ریاستوں یعنی لیتھونیا، اسٹونیا اور لٹویا کا قصہ تمام کیا۔ اب تازہ ترین اطلاعات یہ ہیں کہ ان ریاستوں پر قبضہ جمانے کے بعد اُس نے فن لینڈ کو نگلنے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ بحیرہ بالٹک کے تین جزیروں پر بھی اس کے دانت ہیں، یا دوسرے لفظوں میں اس کی یہ خواہش ہے کہ آہستہ آہستہ بحیرہ بالٹک کو بھی اپنے قبضے میں لے آئے۔

اور جب اشتراکیت کے اس علم بردار سے پوچھا جاتا ہے کہ تم نے جرمنی کے ساتھ مل کر پولینڈ ایسے بے بس و کمزور ملک کا خاتمہ کرنے کی جو سازش کی تھی، وہ سوشلزم کے کس اصولوں کی بنا پر جائز ہے

---

[۱] (وُہ دن آکر رہے گا) جس دن زمین کو بھونچال آئے گا پھر اُس کے پیچھے اور (بھونچال) آئے گا۔

[۲] جب زمین ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دی جائے گی۔

تو جواب ملتا ہے کہ روس نے صرف یوکرینوں اور پولستانی روسیوں کے تحفظ کی خاطر یہ اقدام کیا ہے۔ ان الفاظ کی تہ میں جس دجل وفریب کے ساتھ کام لیا گیا ہے اس کی قلعی کھولنے کے لیے ہمیں کسی کد وکاوش کی ضرورت نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر پولستان کے روسی باشندے غیر محفوظ ہیں تو وہ آج سے غیر محفوظ نہیں بلکہ ۱۹۲۱ء سے وہ اسی حال میں چلے آرہے ہیں۔ پورے ۱۸ برس تک روس کا مطلقاً خاموش رہنا اور ان کی امداد کی طرف توجہ نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے اس کا یہ دعویٰ قطعاً بے بنیاد ہے کہ وہ روسیوں کی ہمدردی کے باعث پولینڈ پر حملہ آور ہوا ہے۔

پولینڈ کے متعلق تو روس کے پاس ایک "جواب" بھی ہے مگر بحیرہ بالٹک کی جن ساحلی ریاستوں پر اس نے بے تحاشا قبضہ جمالیا ہے اور فن لینڈ اور بالٹک کے جزائر جن پر وہ "چڑھائی" کی تیاری کر رہا ہے ان کے بارے میں اس کے پاس آخر کیا دلیل ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ سٹالن اپنی سلطنت کو اسی حد تک وسیع کرنا چاہتا ہے، جس حد تک زار کے زمانے میں تھی اور اس طرح وہ تمام بحیرہ بالٹک کو اپنے قبضے میں لانے کا خواہاں ہے؟

معاملہ صرف اتنا ہے کہ جب کسی فرد و قوم کے ہاتھ میں طاقت نہ ہو تو رواداری، انصاف، رحم اور انسانیت کا ویسا ہی پرچار کرتی ہے، جس طرح پچھلے اٹھارہ برس سے روس کرتا چلا آرہا ہے، لیکن جب ہاتھ میں طاقت آجائے تو یہ سارے اصول بے رحمی، بے انصافی، ظلم و فساد اور جبر و تشدد کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ روس جب تک بے یار و مددگار تھا، وہ امپیریلزم کا دشمن تھا، اور جب اسے جرمنی کے ذریعے تقویت حاصل ہوئی تو اشتراکیت کے سارے اصول گلدستہ طاق نسیاں ہو کر رہ گئے۔ سیاسیات حاضرہ کے اسٹیج پر استعمار پرستی اور جوع الارضی کا جو پارٹ اس نے ادا کیا، وہ ہٹلر ایسے خون آشام ڈکٹیٹر کے کارناموں سے کسی طرح کم نہیں۔ اقبال نے سچ کہا ہے:

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو تو کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

آل انڈیا ریڈیو کی زبان

کانگریس ہندوستان کے سات آٹھ صوبوں پر اقتدار حاصل کر کے سب سے پہلے اردو کی طرف متوجہ ہوئی۔ اول اول اڑیسہ میں اردو کے بجائے ہندی زبان کی تعلیم لازمی قرار دی گئی، پھر بہار میں "ودیا مندر سکیم"

جاری کی گئی۔ پھر صوبہ متحدہ کی عدالتوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، سکولوں اور لائبریریوں کے ذریعے منظم طور پر اُردو کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا۔ اس کے بعد سی پی میں اردو کے تمام مدرسے بند کر دیے گئے اور مدارس میں ہندوستانی کے نام سے ہندی تعلیم کا انتظام کیا گیا —— اور اب کانگرس کی صوبائی حکومتوں کی تقلید میں ہندو ریاستیں بھی اُردو کشی کی راہ اختیار کر رہی ہیں، چنانچہ ہندی اور کشمیر کے حکام نے ہندی کی ترویج کا کام عملی طور پر شروع کر دیا ہے۔

اُردو کو نیست و نابود کر دینے کے لیے یہ ایک منظم طاقت اور منظم سازش ہمارے سامنے ہے۔ صرف یہی ایک مصیبت کیا کم تھی کہ اب آل انڈیا ریڈیو دہلی بھی اپنی طاقتوں کے پہلو بہ پہلو اُردو کی بیخ کنی میں مصروف ہو گیا ہے۔ یہ محکمہ مرکزی حکومت کے ماتحت ہے اور اسے کانگرس کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں، لیکن اس کے باوجود (شاید موجودہ سیاسی حالات کے تقاضے پر) اُس نے یہ وتیرہ اختیار کر لیا ہے کہ ملک کی عام زبان سے قطع نظر کر کے ہندی زبان کے فروغ کی کوشش کرے۔ سیدھے سادے، عام فہم اور روزمرہ کے بے شمار ہندوستانی الفاظ ترک کیے جا رہے ہیں اور اُن کے بجائے انگریزی اور ہندی کے ایسے ایسے الفاظ اُردو ہندی، اُردو انگریزی کی ایسی ایسی مضحکہ خیز ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں کہ خود ہندی کے حامی بھی انہیں سن کر شرمندہ ہوتے ہوں گے۔ ذیل میں ان الفاظ کی ایک مختصر فہرست دی جاتی ہے، جو اُردو کے نہایت مروج اور مقبول الفاظ کو ترک کر کے، محض ہندی کی نشر و اشاعت کی خاطر آل انڈیا ریڈیو نے اختیار کر لئے ہیں:

سندیسہ	پیغام
سنتوش	پُرامن
ودیارتھی	طالب علم
بدھائی	مبارک باد
سواگت	استقبال
آنکڑے	اعداد و شمار
لیکھک	نامہ نگار

مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے الفاظ ایسے ہیں کہ ہندوستان کے مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک برابر بولے اور سمجھے جاتے ہیں، مگر کار کنان ریڈیو نے ان حد درجہ

عام الفاظ کو بھی اپنے استعمال کے لائق نہیں سمجھا اور اُن کے بجائے پورب پچھم، دکھن اور اُتر کے فرسودہ الفاظ اختیار کر لیے ہیں۔

انگریزی الفاظ و اصطلاحات کے استعمال میں بھی ایسی ہی بے عنوانی اختیار کی گئی ہے مجاذ کے بجائے فرنٹ، مرکز کے لئے سنٹر، وزیر خارجہ کے لئے فارن منسٹر، وزیر اعظم کیلئے پریمیر، اجلاس کے لیے سیشن، اور وزیر قانون کے لیے لاممبر اور اسی طرح کے اور بے شمار الفاظ اس طرح بے تکلف استعمال کیے جاتے ہیں گویا ریڈیو کے لاکھوں سننے والے بچپن سے ان الفاظ کو جانتے سمجھتے ہیں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ ریڈیو نے ایک خبر سنائی مگر اس میں ایک تہائی اُردو ایک تہائی ہندی اور ایک تہائی انگریزی کے الفاظ اس طرح خلط ملط کر دیے کہ سننے والا کسی ایک زبان کے الفاظ نہ سمجھنے کے باعث ساری خبر کے مطلب سے اس طرح محروم رہ گیا کہ گویا اس کے سامنے "ہندوستانی" میں نہیں بلکہ لاطینی میں گفت و گو ہو رہی ہے۔

اردو کی جڑوں کو آخری طور پر اکھاڑ پھینکنے کے لیے یا بالفاظ دیگر "ہندوستانی زبان کو وسیع کرنے کے لیے" آل انڈیا ریڈیو نے چند عجیب و غریب ترکیبیں اور اصطلاحیں بھی وضع فرمائی ہیں۔ مثال کے طور پر ملے جلے سشن (متحدہ اجلاس) وزیر بچاؤ، اٹلانٹک سمندر اور پچھمی فرنٹ ایسی بھونڈی ترکیبوں پر غور فرمائیے، اور اس شخص کی دماغی قابلیت کی داد دیجیے جس نے یہ اینگلو انڈین اصطلاحیں لچر ترکیبیں اور بھدے مرکبات ایجاد کر کے اردو کے علمی اور ادبی ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ کر دیا ہے! کانگریس نے اُردو کے استیصال کے لئے جو مہم شروع کر رکھی ہے، اس کا مطلب تو خیر سمجھا بھی جا سکتا ہے، یعنی وہ مہا سبھائیوں کی جماعت ہے اور فرقہ پرستی کی ذلیل ذہنیت نے اس کو ہندی اور سنسکرت جیسی مُردہ زبان کی دوبارہ ترویج پر مجبور کر دیا ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ ریڈیو کیوں اردو کی جان کا لاگو ہو گیا ہے؟ گورنمنٹ کے بعض دوسرے محکموں کی طرح یہ بھی ایک کاروباری محکمہ ہے اسے چاہیے کہ وہ ہندوستانیوں کے فرقہ وار تنازعوں سے بالاتر رہ کر صاف اور عام فہم اردو میں اپنا کام کرتا جائے، اُردو کے بگاڑنے، اس میں انمل بے جوڑ ترکیبوں اور اصطلاحوں کے استعمال اور ہندی کے ثقیل اور پوچ الفاظ کے اضافہ کا اُسے کیا حق حاصل ہے؟

مسٹر گاندھی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے اور قرآن کے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اس پر اسلامی پریس نے جواب دیا تھا کہ اردو مسلمانوں کی زبان نہیں، بلکہ وہ ہندوستان کی ساری قوموں کی مشترکہ زبان ہے۔ میرے خیال میں وہ مسلمان غلطی پر ہیں، جو اُردو کو ہندوؤں اور

مسلمانوں کی مشترکہ زبان سمجھتے ہیں۔ اگر ہندوؤں نے بھی اردو کو اپنی ہی زبان سمجھا ہوتا، تو وہ اسے اپنے اپنے صوبوں اور ریاستوں سے جلاوطن کرنے کی مہم شروع نہ کرتے۔ ہمارے عزم و اعتقاد کی بنیاد یہ ہونا چاہیے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور جب تک مسلمان زندہ ہیں دنیا کی کسی طاقت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اردو کو بگاڑنے یا ختم کر دینے کی جرأت کرے۔ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ جب تک ہم بنیادی طور پر اردو کو اپنی اور صرف اپنی زبان تسلیم نہ کریں گے۔ اس وقت تک اس کی حفاظت کے لیے کوئی موثر قدم نہیں اٹھا سکتے۔

اب آل انڈیا ریڈیو نے اردو پر ہاتھ اٹھایا ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر وہ مسلمان، جس کے دل میں اردو کی عزت اور ہمدردی موجود ہے۔ اس وقت پر اپنا فرض ادا کرے۔ اس سلسلے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص آل انڈیا ریڈیو دہلی کے نام فرداً فرداً خطوط لکھ کر اس کو اطلاع دے کہ اس نے اردو کو کچلنے اور ہندی کو فروغ دینے کی جو مہم شروع کر رکھی ہے۔ وہ ہر لحاظ سے قابل نفرت ہے اور اسے کسی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ احتجاج کا دوسرا موثر پہلو یہ ہے کہ ہماری علمی ادبی مجالس اپنے اپنے اجلاس طلب کریں ریڈیو کے اردو کش رویے کے خلاف ریزولیوشن پاس کر کے اس محکمے کے ڈائرکٹر کے پاس بھیجیں اور ایسے اجتماعات کی اطلاعیں اخبارات و رسائل میں بھی چھپوائیں۔ احتجاج کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ سارا اردو پریس متفقہ آواز سے ریڈیو کی ہندی نوازی کی پرزور مذمت کرے۔ اگر ہم لوگوں نے اس وقت حالات کے تقاضے کو نہ سمجھا اور اردو کے تحفظ کے لیے کوئی موثر قدم نہ اٹھایا، تو آپ یقین کیجیے کہ رنج و افسوس کا وقت بھی دور نہیں ہے!

شہیدانِ بلند شہر

کانگریس کے ہر ہندو یعنی مسٹر گاندھی کا سب سے بڑا فلسفہ "عدم تشدد" کا فلسفہ ہے۔ کانگریس کو جب تک "دستور جدید" حاصل نہ تھا، جب تک اس کے پاس سیاسی قوت و اقتدار نہ تھا، وہ اسی اصول، اسی فلسفے پر عمل پیرا رہی، مگر جب اسے کونسلوں اور اسمبلیوں میں گھسنے کا موقع مل گیا، اسے سات صوبوں کی وزارت پر قبضہ حاصل ہو گیا، تو اہنسا یعنی "عدم تشدد کی حقیقت" "ہاتھی کے دانتوں" سے کچھ بھی زیادہ ثابت نہ ہوئی، بلکہ اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ کانگریس کے دفتری اقتدار کی تمام تاریخ ظلم و تشدد کے شرمناک کارناموں پر مبنی ہے، تو اس میں قطعاً مبالغہ نہیں ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ کانپور، الہ آباد، شولاپور اور احمد آباد

وغیرہ کے مزدوروں پر محض اِس جُرم کی بنا پر لاٹھی چارج کیا جا چکا ہے کہ اُن بیچاروں نے "دیسی حکومت" کے بھروسے پر زندگی کی سہولتوں کے لیے چند مطالبے پیش کیے تھے! کیا یہ دُرست نہیں کہ مدراس میں ہندی کی جبری تعلیم کے سلسلے میں بے شمار لوگوں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں ٹھونس دیا گیا؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ صوبہ متحدہ کی حکومت پچھلے ایک سال میں، عوام پر پُورا پُورا جبر قائم رکھنے کے لئے ۳۶ مرتبہ فوج طلب کر چکی ہے اور اب یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اُس نے پنجاب و سرحد کے خاکساروں کی ایک جمعیت پر بغیر کسی وارننگ کے گولی چلا کر اُن کے چھ رضاکاروں کو شہید اور ۱۲۰ کو زخمی کر دیا۔ اخبارات کے ذریعے جو خبریں حال ہی میں پہنچی ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یو۔پی کی بنیا حکومت نے گاندھی کے فلسفہ عدم تشدد کو پوری طرح نظر انداز کر کے ظلم و تشدد کی نہایت شرمناک مثال قائم کی ہے۔ پولیس، خاکسار سپاہیوں کے ساتھ جیلوں کے اندر نہایت وحشیانہ سلوک کر رہی ہے حتیٰ کہ اسی مار پیٹ میں کئی خاکسار بیہوش ہو جاتے ہیں۔ حکومت نے عام اعلان کر دیا ہے کہ کوئی شخص خاکساروں کے ساتھ لین دین نہ کرے، کوئی دکاندار اُن کو سودا نہ دے، کوئی شخص اُن کی امداد نہ کرے۔ خاکسار جن سڑکوں پر مارچ کرتے ہوئے جا رہے ہیں اُن کے کنارے کئی کنوئیں بند کر دیے گئے ہیں۔ خاکسار جس شہر میں پہنچتے ہیں، وہاں کے دکاندار آناً فاناً اپنی دکانیں بند کر کے گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور حالت یہ ہوتی ہے کہ اُن کو کھانے پینے کی چیزیں تک میسر نہیں ہو سکتیں۔ ہر شہر میں جگہ جگہ نوٹس لگا دیے گئے ہیں کہ خاکساروں کے ساتھ قطعاً کوئی معاملہ نہ کیا جائے ——— یہ ہولناک تشدد، یہ چنگیزی ستم رانیاں، یہ ذلیل قسم کا بنیا پن ہزار لعنت کا مستحق ہے اور اس پر اضافہ یہ کہ حکومت نے خاکساروں کو پوری طرح کچلنے کے لیے گورہ فوج کی چار پلٹنیں حال ہی میں طلب کی ہیں اگر پنڈت جواہر لعل، بابو راجندر پرشاد، اور مولانا ابو الکلام آزاد کو کانگرسی حکومتوں کے جبر و ظلم کا احساس نہیں ہوتا، تو کم از کم مسٹر گاندھی کو تو شرم آنی چاہیئے کہ اُس کی زندگی میں، اس کی آنکھوں کے سامنے، اُسی کے فلسفہ عدم تشدد کی کیا مٹی پلید ہو رہی ہے! آخر خاکساروں کا مطالبہ کیا ہے؟ یہی نا کہ شیعہ سُنیوں میں مفاہمت کرا دی جائے، بس اتنی سی بات پر مسلمانوں کو کچل ڈالنے کی کمینہ کوششیں اور ناپاک ارادے کس لحاظ سے باعث شرم نہیں ہیں؟

اور عجب ہے کہ ہندوستان میں عدم تشدد کی جڑوں پر اس طرح کلہاڑا چل رہا ہے، لیکن اس کے باوجود مسٹر گاندھی نے برطانیہ اور پولینڈ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جرمنی کے مقابلے میں عدم تشدد کا ہتھیار استعمال کریں۔ یہ مہاگاپن ہے، جس پر ہندوستان کے ۲۴ کروڑ ہندو فخر کیا کرتے ہیں۔

محمد اقبال سلمانی

بَیَانُ لِلنَّاس کی دُوسری منزل

مئی ۱۹۳۹ء کے "البیان" میں اعلان کیا گیا تھا کہ محترم بابو عبداللہ خاں صاحب سابق سکرٹری اُمّت مسلمہ نے **لغات القرآن** کے مصارف طباعت کے لئے پندرہ روپے ماہانہ عطیّہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ محترم موصُوف نے ایران سے واپس آتے ہی ہمیں ہاریکشتہ کا چندہ مبلغ ۲۱۰ روپے کی گراں قدر رقم کی صورت میں ادا فرمادیا ہے۔ ہر چند یہ روپیہ "لغات القرآن" کے لئے تجویز کیا گیا تھا، مگر چوں کہ تفسیر **بَیَانُ لِلنَّاس** کی دُوسری منزل کی ایک بھی جلد ہمارے کتب خانے میں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں **لغات القرآن** کا مسودہ بھی تشنۂ تکمیل چلا آرہا ہے۔ اِس لئے معطی موصُوف کے ایما سے یہ طے کیا گیا ہے کہ سردست اس روپے کو تفسیر کی طباعت میں استعمال کر لیا جائے اور پھر اس کتاب کی آمدنی کا روپیہ، لغات کی طباعت کے لئے محفوظ رکھا جائے۔

ہم جناب معطی کے شکریّہ کے ساتھ "بیان للنّاس" کی دُوسری منزل کی طباعت کا آغاز کرتے ہیں۔ مسوّدہ کاتب کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اُمّید ہے کہ دواڑھائی ماہ کے اندر اندر کتاب چھپ کر تیار ہو جائے گی۔ اس مَد کی امداد کرنے والے دوستوں کے عطیّے، انتہائی شکریّے کے ساتھ قبول کئے جائیں گے، احباب کا فرض ہے کہ وہ اس کار خیر میں ضرور حصّہ لیں۔

محمد حسین آنریری سکرٹری اُمّت مسلمہ۔ امرت سر

خواہش

مال و زر نے خواہم، دولتِ یقیں خواہم
اے خدائے دولتہا! من زتو ہمیں خواہم

علمِ غیر نافع از لوحِ سینہ ام بر کن
آگہی و دانائی از رموزِ دیں خواہم

زیب و زینتِ فقرم غیر تو نے باید
من بخاتمِ دل در نامِ تو نگیں خواہم

بگذرم ازیں دنیا، ہم زخود شوم غافل
از شرابِ استغنا یک دو ساتگیں خواہم

دعوتم دہد کعبہ، بانگ مے زند دیرم
ہاں کہ من نہ آں خواہم، ہیں کہ من نہ ایں خواہم

حور را نیم طالب، خلد را نیم سائل
تو شوی و من باشم خلوتے چنیں خواہم

محو کن زلوحِ دل "خواستن" کہ من تا کے
گاہ آنچناں خواہم، گاہ ایں چنیں خواہم؟

ع

حکمتِ سنائیؒ

(جناب فیروز الدین صاحب رازی)

فارسی شاعری میں جب تک تصوّف کا عنصر نہیں تھا۔ وہ بالکل بے روح اور بے جان تھی۔ یا بالفاظ دیگر تصوف سے پہلے فارسی شاعری جذبات سے خالی تھی۔ تصوّف کی بُنیاد عشقِ حقیقی پر ہے۔ اس لئے فارسی شاعری کا فروغ دراصل تصوّف کی ابتدا سے شروع ہوتا ہے۔ صوفیانہ شاعری کے مشہور ارکان چار ہیں۔ سنائیؒ، اوحدیؒ مولانا روم اور شیخ عطار۔

سلطان ابوسعید ابوالخیر کے بعد حکیم سنائی آئے۔ شروع شروع میں قصیدہ گو تھے۔ ایک مجذوب کے طنزیہ فقرہ پر دُنیا سے دل اُچاٹ ہوگیا۔ گھر بار چھوڑ کر صوفی بن گئے آپ کا زہد و تقدّس اور ذاتی فضل و کمال مُسلّم تھا۔ حدیقہ اور سیر العباد آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ حدیقہ دولت غزنویہ کے اخیر زمانہ میں لکھا گیا۔ یہ نظم میں تصوّف کی پہلی کتاب ہے حدیقہ میں آپ نے صبر، رضا، توکل، مشورت، حرص، عقلِ کل، اہل رضا و توحید کے مستقل عنوانوں کے ماتحت لکھا ہے۔ سادہ خیالات سادہ الفاظ میں پیش کئے ہیں جو ایک بچّہ بھی سمجھ سکے۔ آپ نے ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے مرتبہ کا صحیح اندازہ مولینا روم کے اس شعر سے ہوسکتا ہے ؎

عطار روح بُود و سنائی دو چشم او　　ما از پیِ سنائی و عطار آمدیم

تُرک جوشی کردہ ام من نیم خام　　از حکیم غزنوی بشنو تمام

مولانا روم نے اپنی مثنوی، حدیقہ اور منطق الطیر عطار، کو سامنے رکھ کر لکھی، بعض جگہ مثنوی میں حدیقہ کے اشعار نقل کر کے اُن کی شرح بھی فرماتے ہیں۔ بعض جگہ تو حدیقہ کے اشعار سے توارد بھی ہوگیا ہے۔ حدیقہ کے الفاظ اور ترکیبیں بھی مولانا روم کی زبان

ے حکیم سنائی

پہ چڑھ گئی ہیں مثلاً تصوف میں عارف کو (نے) سے تعبیر کرتے ہیں۔ حدیقہ میں حکیم سنائی (نے) کے متعلق یوں فرماتے ہیں ؎

نالۂ نے ز درد خالی نیست — شوق از روئے زرد خالی نیست
بے زباں گوش را خبر کردہ — بے بیاں ہوش را خبر کردہ
از دمش شعلہا ہمے خیزد — چہ عجب گر نے آتش انگیزد

اس مضمون کو مولانا روم اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

بشنو از نے چوں حکایت مے کند
وز جدائی ہا شکایت مے کند

اب بیسویں صدی کے حکیم علامہ اقبال کی رائے بھی سن لیجئے۔ حکیم سنائی کے مزار (غزنی) پر پہنچ کر فرماتے ہیں ؎

خفتہ در خاکش حکیم غزنوی — از نوائے او دل مرداں قوی
آں حکیم غیب آں صاحب مقام — ترک جوش رومی از ذکرش تمام
من ز پیدا او ز پنہاں در سرور — ہر دو را سرمایہ از ذوق حضور
او نقاب از چہرۂ ایماں کشود — فکر من تقدیر مومن وا نمود
ہر دو را از حکمت قرآں سبق — او ز حق گوید من از مردان حق

اب ذرا ان کے کلام کا نمونہ بھی سن لیجئے۔ علماء کے متعلق فرماتے ہیں ؎

تن شاں زیرہ و دل زبرہ دیدم — صلہ شاں روئے یکدگر دیدم
مردماں دیدم اندروں چہے — روشن و تیرہ ذات چوں شمعے

یعنے علما شمع کی مانند ہیں جو بظاہر روشن لیکن اندرونی طور پر سیاہ دل ہوتے ہیں ؎

اصل خود را فدائے خود کردہ
خویشتن را غذائے خود کردہ

یعنے اپنی تمام قابلیت خودغرضی اور نفس پروری میں صرف کر دیتے ہیں۔ اس طرح خود ہی اپنا لقمہ بن کر رہ جاتے ہیں، دوسروں کے کام کیا آئیں گے۔

عقل کی نارسائی اور ذات واجب کی ماورائی کا بیان حکیم سنائی نرالے انداز سے

پیش کرتے ہیں ؎

عقل مانندِ ماست سرگرداں — در رہِ کُنہِ او چو ما حیراں
عقل عقل است و جانِ جان است او — آنچہ زاں برتر است آنست او
عقل رہبر و لیک تا درِ او — فضلِ او مرترا برد برِ او
فضلِ او در طریق رہبرِ ماست — صُنعِ او سوئے او دلیل و گواہ ست

یعنی عقل بھی ہماری طرح کُنہِ ذات میں حیران و سرگردان ہے، عقل کی عقل اور جان کی جان تو وہ خود ہے بلکہ اس سے بھی برتر و اعلیٰ جو متصور و متخیل ہو سکے، وہ وہی ہے، عقل کی رہنمائی مُسلّم، لیکن دہلیز تک، اس سے آگے نہیں، مقام قرب تک پہنچنے کے لئے "فضل" کی دستگیری چاہیئے۔ اس راہ میں اس کا فضل ہی ہماری رہبری کر سکتا ہے، اور رہی اس کی صنعت تو یہ دلیل و گواہ سے زیادہ نہیں"۔ آج ۸ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی اس باب میں انسانی علم کا منتہا یہی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عقل گو آستاں سے دُور نہیں — اُس کی تقدیر میں حضور نہیں

اُمتِ مُسلمہ کا سالانہ جلسہ

اُمتِ مُسلمہ کا تیسرا سالانہ جلسہ کرسمس کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا ہے (۲) تاریخ اور پروگرام کا اعلان آئندہ پرچے میں کر دیا جائے گا (۳) احباب کا فرض ہے کہ وہ جلسے کے اخراجات میں ہمارا ہاتھ بٹائیں (۴) تشریف لانے والے دوست اور بزرگ اپنی تشریف آوری کی اطلاع ۱۵ دسمبر تک استقبالیہ کمیٹی کے سکرٹری کے نام بھیج دیں (۵) موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے۔ (۶) طعام وقیام کا انتظام مجلس انتظامیہ کے ذمے ہوگا۔ (۷) جن احباب کی خدمت میں جلسے کے پوسٹر ارسال کئے جائیں۔ وہ براہِ کرم ان کی تقسیم وغیرہ کا انتظام کر دیں۔

سکرٹری شعبۂ نشر و اشاعت اُمتِ مسلمہ امرتسر

موتی

(سلمانی نے جمع کئے)

(۵۶) دروازہ جو غریبوں کے لئے نہیں کھلتا، ڈاکٹر کے لئے کھلتا ہے۔

(۵۷) اُدھار دینے سے دونوں چیزیں ضائع ہوتی ہیں روپیہ بھی اور دوست بھی۔

(۵۸) انسان کا منصب، اُس کا کام اور اُس کی زندگی کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ خدا نے عقل کا جو چراغ اُس کے دل میں روشن کیا ہے، اس کی روشنی میں چلے۔

(۵۹) آرام کے متعلق بے شک سوچو، پر کام کرتے رہو!

(۶۰) جو آسانی سے آتا ہے وہ جلدی جاتا ہے

(۶۱) کھانا[1] جینے کے لئے ہے، نہ کہ جینا کھانے کے لئے۔

(۶۲) جب[2] کوئی تدبیر نہ چلے تو خدا پر چھوڑ دو۔

(۶۳) لوگوں کی رائے کو اس طرح حلق سے اُتار جاؤ، جس طرح بے وقوف آدمی نیم حکیم کی گولیوں کو نگل جاتا ہے۔

(۶۴) صرف عقل مند ہی خالی وقت کو اچھی طرح کام میں لاتا ہے۔

(۶۵) اگر تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے اور تم ضرور اپنا دشمن بنانا ہی چاہتے ہو، تو کسی کو قرض دے کر اُس سے مطالبہ کرو۔

(۶۶) شکم پرست اپنی تھیلی اپنے پیٹ میں رکھتا ہے اور زر پرست اپنا پیٹ اپنی تھیلی میں

(۶۷) ہر ایک کا کام کسی کا بھی کام نہیں۔

(۶۸) اخلاق وہی اچھے جن میں تکلف نہیں۔

(۶۹) اعتبار کے بغیر دوستی نہیں اور راستبازی کے بغیر اعتبار نہیں۔

(۷۰) کوئی نذرانہ مت لو، کیونکہ نذرانہ عقل مند کو اندھا کر دیتا ہے۔

---

[1] خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است ۔ تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است (سعدی)

[2] ار چارہ کار بندہ داند ۔ چوں ہیچ وسیلتش نماند (سعدی)

حساب آمد و خرچ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

یکم ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء تک

آمد "البیان"

شیخ عبدالرحمن صاحب انصاری	۰	۴	۲
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۰	۰	۱
ملک محمد صادق صاحب	۰	۰	۱
میاں شبلی	۰	۰	۶
بابو عبداللہ خاں صاحب	۰	۰	۳
شیخ کریم اللہ صاحب	۰	۰	۳
حکیم محمد اسلم صاحب فیروزپور	۰	۰	۲
رازی صاحب	۰	۰	۲
خواجہ عبدالکریم صاحب نانک	۰	۰	۵
پہلوان عبداللہ صاحب	۰	۰	۲
حکیم مولوی عبدالحکیم صاحب دھنکانہ	۰	۰	۳
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	۰	۰	۱۰
ڈاکٹر اقبال سندخاں صاحب	۰	۰	۱
متفرق	۰	۶	۰
میزان	۰	۱۰	۴۱

عمارت فنڈ

غلام رسول صاحب	۰	۰	۲
کتب خانہ	۳	۱۰	۱۸
رکنیت	۰	۱۰	۱

جلسہ فنڈ

میاں محمد امین صاحب لاہور	۰	۰	۱۰
میزان	۳	۱۴	۷۳
سابقہ بقایا	۶	۱۵	۲۸۵
میزان کل	۹	۱۳	۳۵۹

اخراجات

البیان	۶	۱۲	۷۳
عمارت (مسجد)	۰	۰	۲۴
کتب خانہ	۶	۱	۱۲
میزان	۰	۱۴	۱۰۹
بقایا	۹	۱۵	۲۴۹

تورات

(۳)

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر۔ بی اے)

خود لفظ "یہوداہ" (میں ہوں جو ہوں)، اس حقیقت کا شاہد ہے کہ تنزیہ ہر ایک تشبیہ سے منزہ ہے۔ توریت کے دس احکام مشہور ہیں لیکن پہلا حکم ہی توحید ہے۔ تمام آثار قدیمہ کے کتابے کتبے اور تحریریں اس حکم سے خالی ہیں، محققین کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ توحید خالص سامی تصور ہے اور تمام اقوام عالم میں سامی ذریعہ سے شائع ہوا۔ توحید کا خیال حضرت ابراہیم کے قلب سلیم میں القا ہوا، اور اسی پر ملت ابراہیمی کا انحصار ہے۔ دیگر احکام ہر ایک مہذب متمدن قوم کے آئین و قوانین کے بنیادی اصول ہیں اور ان کی قوم میں پہلے ہی ان پر عملدرآمد ہو رہا تھا۔ بلکہ یہ کہنا کچھ بے جا نہیں کہ جسے احکام شریعت کہتے ہیں اور توریت میں مفصل مذکور ہیں۔ سرگن[1] کی کتابوں اور حمورابی کے ضابطہ میں موجود ہیں، توریت میں اُن کو توحید کے مناسب جہاں تک ذہنی و خارجی حالات نے اجازت دی ڈھالا گیا ہے۔

حمورابی کا ضابطہ شریعت آثار قدیمہ سے ایک سنگین ستون برآمد ہوا ہے۔ جس میں حمورابی شمس کے حضور کھڑا ہے اور شمس اُسے ضابطہ شریعت عنایت فرماتے ہیں، اس کے نیچے یہ ضابطہ آئین و قوانین،

۱ہ جارج سمتھ (George Smith) نے ایک اشوری کتابے میں اشوری جنتری پائی۔ جس میں ایک دن "سبت" تھا جس کا معنی کام کی تکمیل یا اختتام کے بعد ایک دن روح کے آرام کا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ اس دن کھانا پکانا، کپڑے بدلنا، قربانی کرنا جائز نہ تھا۔ بادشاہ کو اجازت نہ تھی کہ لوگوں سے بات چیت کرے، یا رتھ پر سوار ہو کر باہر نکلے یا کوئی دیوانی یا فوجداری کام کرے یہاں تک کہ بیمار ہو تو اس دن دوا بھی پینا منع تھا۔ غالباً کسی یہودی نے بھی سبت کا اتنا احترام نہ کیا ہوگا جس کی ہدایت اس کتابے میں ہے۔ یہودی سبت اور اس میں اتنا فرق ضرور ہے کہ یہودی سبت ہفتہ میں ایک دن اور مقررہ دن ہے۔ بابلی یا اشوری یا خالدی سبت مہینے میں پانچ روز تھے اور ۷، ۱۴، ۱۹، ۲۱، ۲۸، تاریخ مقرر تھی۔ اس لئے مقررہ روز نہ تھا جس روز یہ تاریخ ہو وہی سبت سمجھا جاتا۔ سرگن اعظم کے وقت احترام سبت کتبوں سے پایا جاتا ہے۔

مذکور ہے۔ یہ ستون بمقام "شوسہ" واقع فارس دستیاب ہوا ہے۔ ۲۹۰ قوانین کالم میں کندہ ہیں جن میں
سے ۲۴۸ بالکل محفوظ ہیں۔ اس ضابطہ سے واضح ہوتا ہے کہ مملکت کے طول و عرض میں عدالتیں
اور قاضی مقرر ہو چکے تھے جو رسم و رواج کے مطابق تنازعات کا فیصلہ کیا کرتے جن کو اس
ضابطہ میں مدون کیا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تنازعہ قاضی کی عدالت
میں پیش ہوتا تو فریقین اور گواہان فریقین کے نام اور ان کے بیان کا خلاصہ اور فیصلہ ان مٹی
کے کتابوں پر ثبت کیا جاتا جو بکثرت برآمد ہوئے ہیں اور ان کو حفاظت رکھا جاتا جیسا کہ آج کل
عدالتوں میں "مسلیں" رکھی جاتی ہیں . . . . ۱۰ جب ایک دفعہ فیصلہ سنایا جا
تو صرف عدالت بالا دست اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار رکھتی تھی۔ عدالت ہائے ماتحت اگر اس
میں تغیر و تبدل کرتیں تو سخت سزا کی مستوجب ہوتیں۔ ضابطہ میں عہدے سے موقوفی کے علا
بارہ گنا جرمانہ بھی ادا کرنا ہوتا جو اس شخص کو دلایا جاتا جسکے خلاف قاضی فیصلہ میں تحریف کرتا
واحد شخص کا فیصلہ اکثر اوقات غلط ہوتا ہے اس کا سدباب اس طرح کیا گیا کہ اکابر کی ایک مجلس
قاضی کو مناسب مشورہ دیتی۔ رعایا کے تین درجات تھے ایک امرا کا طبقہ تھا اور غالباً یہ طبقہ حکمران
قوم کا تھا، ایک طبقہ آزاد رعایا کا تھا جس کا حکومت میں کچھ حصہ نہ تھا۔ انکو مساکین سے تعبیر کیا گیا
ہے، تیسرا طبقہ غلاموں کا تھا، ان درجات میں تفاوت اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر طبقہ اعلیٰ
کا کوئی فرد بیل بھیڑ بکری یا گدھا وغیرہ چوری کرے تو وہ مالک کو مال مسروقہ کی قیمت مقررہ
سے تین گنا ادا کرتا، اگر طبقہ متوسط کا کوئی فرد ہوتا تو صرف دس گنا قیمت ادا کرتا، لیکن
اسکی کوئی جائداد نہ ہوتی اور معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو سزا موت تھی۔ قتل کی سزا بھی بہ نسبت
اعلیٰ طبقہ کے متوسط طبقہ کے واسطے کم تھی، اگر ایک آدمی جو اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا
کسی ہمسر کا دانت توڑ ڈالے یا آنکھ پھوڑ ڈالے تو دانت کے عوض دانت آنکھ کے عوض
آنکھ سزا تھی اور اسی طرح دیگر اعضا اور زخموں کا معاوضہ تھا، لیکن اگر اعلیٰ طبقہ کا ادنیٰ
کوئی عضو توڑ ڈالے تو سزا جرمانہ تھی جو نقدی میں ادا ہوتا۔ یہ ضابطہ طویل ہے ہم نے
کے طور پر اقتباس لیا ہے جس سے واضح ہوگا کہ خود حضرت ابراہیمؑ کے وقت یہ ضابطہ
موجود تھا اور اس پر مملکت کے طول و عرض میں عمل ہو رہا تھا۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ
ابراہیم بھی موجود ہو جو توریت میں شامل کیا گیا کہ حمورابی کے ضابطہ میں اور منو کے دھرم شا

میں غلاموں اور شودروں کا مذکور ہے جو کچھ دھرم شاستر میں شودروں کے حقوق ہیں وہ ہم سب جانتے ہیں لیکن ضابطہ حمورابی میں غلاموں کی حالت بہت بہتر تھی، مالک کو ہدایت تھی کہ اُن کے نان و نفقہ کا ذمہ دار رہے۔ غلام اپنی جائداد خود پیدا کر سکتا تھا اور اگر آزادی کا خریدار ہو تو آقا انکار نہیں کر سکتا تھا۔

اسرائیلی شریعت کا ماخذ ان کی اپنی قومی روایات و رسم و رواج ہیں جو قدیم زمانہ سے اُمم سابقہ میں شائع تھیں اور جو بابل و نینوا کے کتابوں میں محفوظ ہیں جیسی سوس نزاعنہ مصر کے دور دورہ میں حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف مصر میں آئے اور بنی اسرائیل اسی جگہ آباد ہو گئے ان میں بھی یہی آئین و قوانین تھے جو امم سابقہ کے تھے لیکن مصری تمدن کا اثر بھی بنی اسرائیل پر ضرور پڑا۔ اگرچہ وہ ہمیشہ ان میں رہتے ہوئے بھی ان سے الگ تھے۔

حضرت موسیٰؑ کا خلیفہ اوّل یشوعؑ جب ارض یہود مسخر کر چکا تو ہر ایک قبیلہ کے اکابر کو جمع کیا اور طویل تقریر کے دوران میں کہا کہ تمہارے آباد و اجداد طوفان کے اُس طرف رہتے تھے (یعنی فرات پر) قدیم زمانہ میں ابراہیم کا باپ اور نحور کا باپ سب غیر معبودوں کی پوجا کرتے تھے ان ٹھاکروں کو جو تمہارے آبا و اجداد فرات اور مصر میں پوجا کرتے تھے یک قلم ترک کرو اور خداوند کی عبادت صدق دل سے کرو، آج کے دن تم فیصلہ کرو کہ ان دیوتاؤں اور دیوتو کو پوجو گے یا صرف خدا کو، ان دیوتاؤں کو جن کو تمہارے آبا و اجداد پوجتے تھے۔ اموریوں (کنعانیوں) دیوتاؤں کو جن کی زمین خداوند خدا نے تمہیں دی ہے میں تو فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اور میرا خاندان صرف خداوند خدا کی عبادت کریں گے (یشوع باب ۲۴)

اس تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کو خالدیوں سے جو بُت پرست تھے نکال لایا۔ اور ایسی جگہ جو جنگل تھا لا بسایا کہ آنحضرتؑ کی اولاد بُت پرستی کی طرف رجوع نہ کرے لیکن عبرانی قبیلہ اور حضرت ابراہیمؑ کا بھائی نحور پیچھے رہے اور بت ہی پوجتے رہے جیسا کہ پیدائش باب ۳۱ سے واضح ہوتا ہے کہ راحیل زوجہ یعقوب اپنے باپ لابن کے ٹھاکر چرا لائی اور جب لابن نے دیکھا کہ ٹھاکر غائب ہیں تو شبہ یعقوب پر ہوا کہ میرے گھر کے تمام بت یہی اڑا لے گیا

یشوع کی تقریر سے پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت اسی وجہ سے کی کہ وہ بُت پرست قوم میں رہ کر اپنی ملت کو جس کے وہ خود بانی تھے ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس تقریر کی طرف

مؤلف "خالدیہ" زیڈ۔ اے۔ رگوزین (Z. A. Ragozin) نے توجہ دلائی ہے۔ قیاس ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی بالغ نظری نے دیکھ لیا ہو کہ ارض کنعان بھی الجزیرہ سے کم بت پرستی کا ملک نہیں تھا اگرچہ توریت میں اسکا مذکور نہیں لیکن عربی روایات اور قرآن کی آیات مفصل ہیں کہ آنحضرت نے مکہ میں اپنا مرکز ملت قائم کیا اور دعا کی کہ اے اللہ میری ذریت کو اصنام پرستی سے محفوظ رکھنا جس سے ایک دنیا گمراہ ہے۔ یسوع کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر میں بھی آبائی بت پرستی میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس لئے قیاس ہوسکتا ہے کہ خود حضرت موسٰیؑ جن کی پرورش فرعونی محل میں ہوئی توحید سے کس حد تک واقف ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے حالات ہی کچھ ایسے پیدا کر دیئے کہ مصر سے بھاگے اور مدین میں آکر دم لیا۔ مدین ایک وسیع علاقہ تھا اور وہ مقام جہاں حضرت موسٰیؑ ٹھیرے "یثرب" تھا جو توریت کا "یثروب" ہے اور اب "مدینۃ النبی" کہلاتا ہے اسی جگہ وہ اپنے خسر یترو کے پاس رہے اور ملت ابراہیم سے واقف ہوئے (ملاحظہ ہو "موسیٰؑ")

توریت کیا ہے | محققین یورپ کی ذہنی کاوش کا اگر اعتراف نہ کیا جائے تو ناشکری ہے انہی محققین نے ان مختلف روایات کی طرف توجہ دلائی جو ایک ہی واقعہ کی نسبت ایک ہی جگہ توریت میں موجود ہیں اور یہ نتیجہ بھی صحیح ہے کہ ان روایات کو خود حضرت موسٰیؑ نے قلم بند نہیں کیا، ورنہ اتنا اختلاف نہ ہوتا کہ تضاد کی حد تک پہنچ جاتا۔ تخلیق آدم کی نسبت بھی دو روایات ہیں ایک روایت سے واضح ہوتا ہے کہ آدم آخری پیدایش ہے (پیدایش باب ۱) دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبقہ نباتات سے پہلے پیدایش ہوئی (باب ۲) کیونکہ زمین کو کاشت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ طوفان نوح کی نسبت بھی اسی طرح مختلف روایات ہیں (ملاحظہ ہو "نوحؑ") حضرت ابراہیمؑ کے حالات کچھ مفصل مذکور ہیں لیکن ان میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر چودہ برس کی تھی جب حضرت اسحٰقؑ کی ولادت ہوئی دو برس بعد دودھ چھڑایا گیا اور اگر حضرت سارہ کے ایما سے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کو گھر سے رخصت کیا گیا تو حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت کم ازکم سولہ برس کی تھی، لیکن وہ روایت جس میں حضرت سارہ کا سوتیاڈاہ مذکور ہے اور جن کی وجہ سے لونڈی اور لونڈی کے بیٹے کو نکالا گیا، ظاہر کرتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل اس وقت گود میں بچے ہی تھے کہ والدہ ان کو "بیرسبع" کے جنگل میں لیے پھرتی رہی اور جب روٹی اور مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو بچہ کو جھاڑی کے نیچے رکھ کر دور جا بیٹھی کہ اسکا مرنا اپنی آنکھ سے نہ دیکھے! اتنے میں خدا کے فرشتے نے آواز دی: "ہاجرہ! تجھے کیا ہو گیا؟

ہاجرہ نے دیکھا تو پاس ہی ایک کنواں تھا، مشکیزہ بھرا اور بچے کو پلایا (ملاحظہ ہو باب ۲۱) (۳) تخلیق آدم اور طوفان نوحؑ کی منسبت روایات کے اختلاف کی توجیہ یہ ہے کہ جس شخص نے توریت کی تدوین کی وہ بہت نیک آدمی تھا اس لئے روایات خواہ کتنی ہی متضاد تھیں جوں کی توں درج کردیں لیکن واقعہ جو حضرت اسمٰعیلؑ کی نسبت مذکور ہے نہ صرف توریت کی داخلی شہادت کی رُو سے قطعاً غلط ہے بلکہ قومی تعصب کی اختراع ہے اس روایت سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ عہد برکت کے وارث نہ تھے۔ باب ۱۷ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "عہد برکت" حضرت ابراہیمؑ سے باندھا کہ یہ سرزمین کنعان جہاں تو مسافر ہے ہمیشہ کے لئے تیری ذریت کو دونگا اور اس عہد کا نشان ختنہ قرار پایا۔ چنانچہ اسی روز سے اس نشان کی ابتدا کی گئی حضرت اسمٰعیلؑ کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی۔ حضرت اسحٰقؑ ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے اس لئے اس روایت کی ضرورت پیش آئی کہ حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت اللہ تعالیٰ نے دی اور فرمایا کہ میرے عہد برکت کا وارث وہی ہوگا" یہ اور بات ہے کہ اسمٰعیلؑ کو بھی میں بڑی قوم بناؤں گا" باب ۱۸ میں مذکور ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں دو مہمان آئے جن کی غرض قوم لوط کو غارت کرنا تھا۔ انہوں نے حضرت اسحٰق کی ولادت کی بشارت دی تو سارہ ہنسی کہ اس بڑھاپے میں اولاد ہوگی جبکہ عورتوں کے ایام بھی نہ رہے وغیرہ وغیرہ جن کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے اس لئے باب ۱۷ کی بشارت غلط ہے اور وہاں اس کا موقع و محل بھی نہیں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ توریت کی داخلی شہادت سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تدوین یا تصنیف حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد جبکہ بنی اسرائیل ارض معہود پر قابض ہو چکے تھے ہوئی، چونکہ عہد برکت اسی سرزمین سے وابستہ تھا اس لئے راویوں کی پریشانی حق بجانب تھی کہ اگر حضرت اسمٰعیلؑ پلوٹھے ہوتے تو ان ایام کے دستور کے مطابق اور خود شریعت موسوی کے مطابق وہی واحد وارث عہد برکت کے ہوتے، اس لیے وہ اُن معنوں میں بیٹے نہیں جو باپ کا وارث ہوتا ہے، اس لیے ضرورۃً حضرت اسمٰعیلؑ کو لونڈی کا بیٹا ایسی ہی غلط روایات کی بنا پر قرار دیا گیا، لیکن آگے چل کر اس سے بڑھکر دقت پیش آئی کہ حضرت اسحٰق کے دو بیٹے ربقہ کے بطن سے عیسو اور یعقوب ہیں اور عیسو پلوٹھا تھا اب اس کو کس طرح محروم الارث کیا جائے؟ کیونکہ والدین نجیب الطرفین اور ایک ہی ہیں، اس لیے یہ روایت گھڑی گئی کہ والدہ یعقوب کو چاہتی تھی اور باپ عیسو کو، والدہ نے فریب سے عیسو کو مجبور کیا کہ اپنے پلوٹھے کا حق مسور کی دال کے عوض یعقوب کے ہاتھ فروخت کردے۔

پلوٹھے کی تقدیس اور حقوق کے متعلق ملاحظہ ہو آیات خروج ۲/۱۳ عدد ۱۳/۳ مثنیٰ ۱۵/۲۱ جہاں مذکور ہے کہ پلوٹھا خواہ انسان کا ہو یا حیوان کا' خدا کا مقدس ہے' حیوانی پلوٹھا قربان کیا جاتا' اور انسانی پلوٹھے کا فدیہ دیا جاتا' رسم حقیقۃً آج تک اسی بنا پر رائج ہے' لیکن مثنیٰ ۱۵/۲۱ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں اور دونوں کے بطن سے اولاد ہو تو پلوٹھا وہی ہوگا جس کے بطن سے پہلے بیٹا ہوا' خواہ اس زوجہ سے خاوند کو نفرت ہو اور دوسری محبوبہ ہو' اور پلوٹھے کا حق وراثت دگنا ہوگا۔

پلوٹھے کی تقدیس پر یہ روایت بھی اختراع ہوئی بلکہ اصل صحیح روایت میں تصرف بیجا کیا گیا کہ حضرت اسحٰق کو ذبیح اللہ قرار دیا گیا۔

"خدا نے فرمایا کہ تو اپنے اکلوتے لڑکے اسحٰق کو لے" (پیدایش ۲/۲۲)

لفظ اسحٰق صریحاً الحاقی ہے کیونکہ توریت میں جا بجا حضرت اسمٰعیل کو حضرت ابراہیم کا بیٹا تسلیم کیا گیا ہے اور اگر وہ حسب عقیدۂ یہود پلوٹھے نہ بھی ہوں تو بھی حضرت اسحق اکلوتے کسی طرح نہیں ہو سکتے' اگر الحاقی الفاظ کو نظر انداز کر دیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ قربانی اس وقت پیش آیا جب حضرت اسحٰق پیدا بھی نہ ہوئے تھے کیونکہ اکلوتے اس وقت حضرت اسمٰعیل تھے۔

واقعہ قربانی اور اس کی تفصیل مزید داخلی شہادت اس امر کی تائید میں ہے کہ اس وقت اکلوتا حضرت اسمٰعیل ہی تھا۔ پیدایش باب ۲۱۔ ۲۲/۳۲ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم نے بیر سبع میں رہایش اختیار کی جو ایک جنگل تھا' اور اس جگہ ایک کنواں احداث کیا' ابی مالک کے نوکروں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ تو حضرت ابراہیم نے ابی مالک کے پاس شکایت کی' اس نے نوکروں کی چیرہ دستی سے لاعلمی ظاہر کی اور اسی جگہ بیر سبع پر حضرت ابراہیمؑ اور ابی مالک نے عہد صلح باندھا' باب ۱۹/۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے اکلوتے بیٹے کو اسی مقام سے ہمراہ لے کر قربانی کے لیے پہاڑی کی طرف گئے اور پھر حسب ارشاد الٰہی فدیہ دیکر اسی مقام پر واپس آئے باب ۲۱ میں لکھا ہے کہ خدا کے فرشتے نے ہاجرہ کو بیر سبع ہی میں کنواں دکھایا جس سے پانی پیا۔ اور یہ وہی کنواں ہے جس کا مذکور باب ۲۱ میں ہے

جو کچھ دقت راویانِ توریت کو پیش آئی اس کا حل قرآن نے کر دیا ہے کہ "وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَ اِسْحٰقَ" ۱۱۳/۳۷ اور برکت دی ہم نے ابراہیم اور اسحٰق کو۔

ام دستور کے موافق بلوٹھا ہی واحد وارث ہوتا اس لئے قرآن میں خصوصیت سے
براہیمؑ ذکر کیا گیا کہ اسحٰق بھی برکت کا وارث ہوا تاکہ یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بلوٹھے نے
الا وارث کردیا تھا۔ قرآن میں اسحٰق اور آنحضرت کی ذریت کو وارث قرار دیا گیا ہے اور یہ عین
دعوی (مثانی ۱۹/۵۱) کے مطابق ہے۔ حضرت اسحٰق کا مذکور قرآن میں بالتبع ہوا ہے
اسمٰعیلؑ کا بالاستقلال علیحدہ ہوا ہے اور اس امر کا اشارہ بھی ہے کہ باغ جنت
اسحٰق کو ایک ملا ہے تو ذریت اسمٰعیل کو دگنا حصہ ملیگا چنانچہ واقعات بھی اسی کی
یہ امر اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ وعدہ برکت بنی اسرائیل کے حق میں
تک پورا نہ ہوا جب تک توریت نازل نہ ہوئی۔ بنی اسمٰعیل اور بنی قطورہ کے حق میں
پورا ہوا جب قرآن نازل ہوا۔

یہی ہے کہ توریت میں وہ حصہ جو توحید و شریعت سے موسوم ہے اصل توریت ہے
بقی واقعات ہیں جو مختلف اور متضاد روایات سے مرتب کیے گئے ہیں (ملاحظہ ہو لفظ
موضوع پر محققین کا جو کچھ نظریہ ہے اسکا مذکور انسائیکلوپیڈیا برٹنکا میں زیر الفاظ
(Pentateack) اور اسرائیل بالاختصار کیا گیا ہے اس مقام پر اعادہ
نہیں لیکن اس میں بھی کچھ شک و شبہ نہیں کہ توحید کا علم بنی اسمٰعیل سے حاصل کیا گیا او
روایات اور تعامل سے مرتب ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے کیا کیا اور
سے کیوں منسوب ہے؟ اس کا جواب بھی انسائیکلو پیڈیا میں دیا گیا ہے لیکن وہ کافی
نہیں حقیقت یہ ہے کہ توریت کا وہ حصہ جو حضرت موسیٰ نے تحریر کیا یا حضرت
کلام ہے دیگر حصص سے ممیز ہے۔ توریت میں عموماً حضرت موسیٰ خود متکلم نہیں
متکلم ہے اور حضرت موسیٰ صیغہ غائب میں بیان کیے گئے ہیں لیکن جہاں
خود متکلم ہیں وہ آنحضرت کا کلام ہے اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ تمام
بنی اسرائیل کے دل پر یہ نقش جمانا چاہتے ہیں کہ وہ وعدہ برکت جو ابراہیمؑ سے
پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اور یہ کہ یہ وعدہ مشروط ہے اگر وہ ان احکام پر عمل
اُن کو دیے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا کارساز سمجھتے رہیں گے تو ان کے
اور زمین کے پھل میں فراوانی ہوگی اور اگر وہ سرکشی اختیار کریں گے اور اللہ کو

چھوڑ کر دوسرے معبودوں کی طرف جھکیں گے تو وہ سخت عذاب کے مُنہ آئیں گے اور لعنت کے مستحق ہوں گے جس کی تفصیل ثانی باب ۲۰ و ۲۸ میں ہے۔ حضرت موسیٰ نے پیش از وقت یہ بھی بتا دیا تھا کہ دو دفعہ تم ارض معہود میں سرکشی کرو گے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلی دفعہ اسیر ہو کر بیدخل ہو جاؤ گے۔ تمہارے دن پھریں گے اور تم پھر ارض معہود پر دوبارہ قابض ہو جاؤ گے۔ دوسری دفعہ پھر بیدخل ہی نہ ہو گے بلکہ روئے زمین پر پراگندہ اور آوارہ ہو گے، تمہارا قتل عام ہر ایک جگہ ہو گا وغیرہ وغیرہ، تمہارا آخری چارہ کار وہ نبی ہو گا جو میری مثل تمہارے بھائیوں سے مبعوث ہو گا (ثانی ۱۸) اور یہ کہ آخر کار تم پھر ارض معہود میں جمع کیے جاؤ گے اور یہاں سے سرزمین مصر میں جہازوں پر لائے جاؤ گے اور یہاں تمہیں کوئی لونڈی غلام کی حیثیت سے بھی نہ خریدے گا (ثانی ۲۸) یہ تمام پیش گوئیاں من وعن پوری ہو چکی ہیں۔ آخری پیشگوئی کا ایک حصہ ہمارے زمانہ میں پورا ہو چکا ہے دوسرے حصہ کا انتظار ہے۔

قیامت | اگرچہ بنی اسرائیل کا عقیدہ حیات بعد ممات صحف انبیا اور انجیل میں پایا جاتا ہے لیکن تعجب ہے کہ توریت میں اسکا اشارہ تک بھی نہیں، مولانا عنایت رسول مرحوم چڑیا کوٹی نے بعض آیات سے یہ مفہوم پیدا کیا ہے لیکن کچھ تسلی بخش نہیں، قرآن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کا یہ خیال تھا اور اب بھی ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اور قرآن میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ "ظن" کا نتیجہ ہے۔ مسیح کے زمانہ میں جیسا کہ انجیل سے واضح ہوتا ہے ایک فرقہ صدوقی تھا جو قیامت کا منکر تھا، یہ دنیادار سودی تھے اور امیر آدمی تھے، برکت اور لعنت کا وعدہ جو توریت میں مفصل مذکور ہے وہ اسی دنیوی زندگی کے آرام و آسایش اور مصائب اور عذاب سے وابستہ ہے اسلیے چاروناچار ماننا پڑتا ہے کہ توریت میں جہنم و جنت اُخروی کا کوئی مذکور نہیں، زیادہ تر تعجب اس امر کا ہے کہ مصری اور بابلی جن سے تعلق بنی اسرائیل کا تھا اور ہمیشہ رہا حیات بعد ممات کے قائل تھے۔ اس موضوع پر مفصل بحث اس مقام پر نہیں ہو سکتی (ملاحظہ ہو لفظ قوم 'قیامت') مسیح کے زمانہ میں فریسی اور صدوقی دو فرقوں کا بالخصوص مذکور ہے "فریسی" تو ہمارے ہاں کے خوارج تھے اور صدوقی علما کا اعلیٰ طبقہ تھا اور یہی حشر کا منکر تھا، بات اصل میں یہ ہے کہ حیات بعد ممات ایک فطری خواہش قلب انسانی میں ہے اور تمام اقوام میں یہ عقیدہ کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے اور جس رنگ میں موجود تھا وہ حضرت موسیٰ کے نزدیک صحیح نہ تھا۔ ان ایام میں حقائق مجردہ کا تصور ذہن انسانی میں آنا مشکل تھا اور پھر ایسی زندگی جو بعد موت ہو حواس انسانی سے بالاتر ہو کس طرح ذہن نشین ہو سکتی تھی، جہنم جس کو بنی اسرائیل "شہول" کہتے اور جنت کو

قرآن اور فصاحت و بلاغت

(جناب فیروز الدین صاحب رازی مدرس اعلیٰ شعبہ عربی مدرسہ اسلامیہ امرتسر)

یہ مضمون ہمارے نوجوان دوست جناب رازی کی دینی دلچسپی کا پہلا ثمرہ ہے۔ ہم اسے شکریہ کے ساتھ سپرد البیان کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جو محنت و صحت اور تدقیق و کاوش اسکی تیاری میں صرف ہوئی ہے قارئین کرام اس سے پوری طرح بہرہ اندوز ہونگے۔ محترم مقالہ نگار کی ترقی پذیر طبیعت سے ہمیں بڑی بڑی توقعات ہیں۔ انشاء اللہ العزیز (مدیر)

صدیوں سے دنیا کے سامنے یہ آواز گونج رہی ہے کہ انسان سے قرآن کا مثیل (کلام) پیدا ہونا محال ہے۔ خود قرآن کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ اس کا جواب پیش کرنا تمام مخلوقِ خدا کیلئے ناممکن ہے۔ رسولِ خدا کا سب سے بڑا معجزہ بھی یہی تھا۔

انبیائے سابقین تمام انبیائے کرام کو ایسی نشانیاں ملتی رہیں جن سے اُن کی نبوت کی تصدیق ہو سکے
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے دے کر بھیجا۔ اور اُن کے
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ ساتھ کتاب اتاری اور حق کا ترازو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہونا معجزہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو عصا اور ید بیضا عطا ہوا۔ حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوجاتا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کو جن اور ہوا پر قابو تھا اور حضرت عیسےٰؑ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کردیتے اور مُردہ اور مُردہ دل انسانوں کو حیات تازہ دے سکتے تھے۔ یہ سب معجزے حسی تھے۔ طرفۃ العین میں واقع ہوکر حکایت و افسانہ بن گئے۔ مگر قرآن مجید کا معجزہ تاقیامت باقی رہیگا۔ مزید براں ہر نبی کو معجزات اپنے اپنے ماحول اور وقت کے مطابق ملے۔ مثلاً حضرت موسیٰؑ کے عہد میں سحر کا زور تھا۔ اُن کو ید بیضا اور عصا عطا ہوا۔ جس کے سامنے تمام جادوگروں نے سرِ تسلیم خم کردیے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے عہد میں عرب کے لوگ فصاحت و بلاغت اور شعر و

شاعری میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ اُنہیں اپنی فصاحت و بلاغت اور شاعری پر ناز تھا۔ چنانچہ

قرآن دائمی اور عقلی معجزہ ہے رسول اللہ کو قرآن عطا ہُوا جو دائمی اور عقلی معجزہ ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ (۲۹/۵۰) "اور انہوں نے کہا کہ اس کے اوپر اُس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری ؟ کہہ دے کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اور مَیں تو صرف آگاہ کرنے والا ہوں۔

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۵۱/۲۹) کیا اُن کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری ہے جو اُن کو سُنائی جاتی ہے۔ اس میں رحمت اور نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں"

قرآن کے معجزہ ہونے کے دلائل تو بہت سے پیش کئے جاتے ہیں لیکن اس جگہ سب کا ذکر کرنا مضمون کی طوالت کا باعث ہوگا۔ اس لئے فقط اسی ایک دلیل پر اکتفا کیا جاتا ہے جس کا نفسِ مضمون سے براہِ راست تعلق ہے۔ خود قرآن نے صاف لفظوں میں کفارِ عرب سے تقاضا کیا کہ وہ قرآن کے مثل کوئی سورت بنا لائیں۔

وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ؕ (۲۳/۲) ہم نے جو کلام اپنے بندے محمد پر اُتارا ہے۔ اگر اُس میں تم کو کچھ شبہ ہے تو اس جیسی کوئی سورۃ بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اپنی مدد کے لئے بُلا لو اگر سچے ہو۔ اور جو ایسا نہ کرسکو۔ اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر اُس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ (۳۴/۵۲) اگر وہ سچے ہیں تو اس کے مثل ایک بات ہی بنا لائیں۔

جب سب کفارِ عرب ناکام و نامراد رہے تو ارشاد ہُوا۔

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (۸۸/۱۷) کہہ دے کہ اگر سارے آدمی اور جن مجتمع ہوکر بھی اس قرآن جیسا بنانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے۔ گو وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔

اہلِ عرب فصاحت و بلاغت اور طلاقتِ لسانی کے باوجود مقابلہ نہ کرسکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سب دم بخود ہوکر رہ گئے۔ بیشک قرآن مجید کا سب سے بڑا اعجاز حکمت، علم،

ہدایت، صداقت اور جامعیت ہے مگر فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے جس کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ اور دنیائے اسلام کا ہمیشہ اس امر پر اتفاق رہا ہے کہ قرآن مطالب و معانی اور فصاحت و بلاغت دونوں لحاظ سے معجزہ ہے۔ شام، عراق، عرب، فلسطین، بیروت اور مصر میں جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے آجتک ہزاروں شعراء، فضلاء اور خطباء پیدا ہوئے۔ کسی نے قرآن کے اعجاز سے انکار نہیں کیا، معارضہ بھی کسی کو جرأت ہوئی مگر غلام آباد ہند کے اندر ایسے گمراہ اور کج فہم مسلمان پیدا ہو گئے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ "(نعوذ باللہ) مسیلمہ کذاب کا قرآن رسول اللہ کے لائے ہوئے قرآن سے بہتر ہے"۔ (ادبی مقابلہ میں) "مقامات حریری اور امرؤ القیس کے اشعار کے سامنے اُس کی عبارت قطعاً نہیں ٹھہر سکتی" (معاذ اللہ) کس قدر کذب و افترا ہے۔ جہل و کم علمی کا مظاہرہ ہے۔ بتائیے ایسے مسلمانوں اور کفارِ عرب میں کیا فرق ہے؟ ظہورِ اسلام کے بعد وہ بھی تو ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کرتے تھے۔ سطور ذیل سے انہی ہفوات کا جواب دینا مقصود ہے۔ نفس مضمون سے پہلے عرب کے اُس علمی و ادبی ماحول کا ذکر کردینا بہتر ہوگا جس میں قرآن نازل ہوا:۔

زمانہ قبل اسلام | زمانہ قبل اسلام میں عرب میں فنِ کتابت تقریباً معدوم تھا اور عربی زبان ظہورِ اسلام سے پہلے سادہ اور پُرزور تھی۔ نزول قرآن کے وقت تمام ادبی اسالیب میں سے سب سے زیادہ اہم اسلوب شعر تھا۔ زمانۂ قبل اسلام عربی شاعری کا زرّیں عہد خیال کیا جاتا ہے مگر جہاں تک نثر کا تعلق ہے، نزول قرآن سے قبل نثر کا وجود بہت کم نظر آتا ہے۔ نثر کی بجائے خطبوں یا کاہنوں کے خوبصورت اقوال کا رواج تھا۔ مکے سے متصل عکاظ میں ایک میلہ لگتا جس میں شعرا اور خطباء کا بینظیر اجتماع ہوتا۔ سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ معلقات[1] پرستی کی یہاں تک جاری رہی۔ جب اہل مکہ نے قرآن سُنا، تو حیران رہ گئے۔ معلقات پرستی ماند پڑ گئی۔ تمدن، مذہب اور معاشرت کے ساتھ علمی زندگی میں بھی انقلاب رونما ہونے لگا۔ یہ سب نتیجہ تھا اسی ذہنی انقلاب (Intellectual Revolution) کا جو قرآن مجید نے پیدا کردیا تھا۔ کلام الٰہی کی پُرتاثیر آیات نے شاعروں اور خطیبوں کی زبانیں بند کردیں۔ مخالفانہ نکتہ چینی

---

[1] معلقات سبعہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے تھے۔ لوگ آکر دیکھتے اور انہیں سجدہ کرتے۔ ان سات قصیدوں کے مصنفوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔ امرأ القیس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفۃ بن العبد، عنترۃ بن شداد۔

([illegible]) یہ موافقانہ مساعی نے تمام قبائل کی توجہ قرآن اور حامل قرآن کی طرف پھیر دی۔ شاعر اور خطیب دم بخود ہو کر رہ گئے۔ قرآن کی برابری کے حوصلے پست ہو گئے۔ اب اُن کے فکر و عمل کے تمام گوشوں میں نورِ قرآن جلوہ ریز تھا۔ اس کی رہنمائی میں لکھنے لگے۔ زبان شستہ اور صاف ہو گئی۔ شاعروں کو اخلاق کے بہت سے موضوع مل گئے۔ فصاحت و بلاغت کے متعلق بہت سے اصول مدوّن کیے گئے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام مذہبی علوم کی ابتدا اسی عہد سے ہوئی۔ ان علوم کا ماخذ و منبع قرآن مجید ہی ہے۔ اس زمانے کے دو علم خاص طور پر قابل ذکر ہیں ایک علم البیان اور دوسرا علم الکلام۔ قرآن کے معجزہ ہونے کا دعویٰ جب اہل عرب کے سامنے پیش کیا گیا تو ان کے لئے سوائے سرِ تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہ رہا۔ کفار عرب گو بظاہر انکار کرتے تھے مگر اُن کا ذوقِ سلیم اس دعویٰ کو ماننے پر مجبور کر دیتا۔ وہ منہ سے انکار کرتے تھے، مگر جب قرآن پڑھا جاتا تو اُن پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس قدر متاثر ہوتے کہ بے اختیاری کی حالت میں سجدے میں گرنے لگتے۔ یہ بے تابانہ تاثر اُن کے مافی الضمیر اور قلبی حالت کا پورا پتہ دیتا تھا۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ
لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ
كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ
يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ
خُشُوْعًا ([illegible])

کہہ دے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن کو پہلے سے علم دیا گیا ہے اُن کو جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بے شک ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا اور وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گرتے ہیں۔ روتے ہیں اور اُن کی عاجزی زیادہ ہو جاتی ہے

وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰى
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا
مِنَ الْحَقِّ۔ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
فَاكْتُبْنَا مَعَ
الشّٰهِدِيْنَ ۸۳

اور جب وہ اس کتاب کو سنتے ہیں جو رسول پر اتاری گئی ہے تو تو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے۔ تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔

عرب کو یہ دعویٰ تسلیم کرانے میں چنداں دلائل کی ضرورت نہ تھی۔ اُن کے لئے تو اتنا ہی کافی

تھا۔ ہاں البتہ اہلِ عجم جو عربی زبان سے نابلد تھے، عرب کا سا قدرتی ذوق کہاں سے لاتے؛ چنانچہ ضرورت پڑی کہ فصاحت و بلاغت کے اصول مرتب کئے جائیں تاکہ دوسرے لوگ علمی طور پر بھی اس دعویٰ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں۔

کفارِ عرب کے ہفوات | سعادت مند لوگ تو ایمان لے آئے لیکن جاہل معاندین دشمنی اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ان کفارِ عرب نے قرآن پاک پر بے شمار اعتراضات کئے۔ رسول خدا (فداہ امی و ابی) کو مجنون و شاعر، قصہ گو اور جادوگر کہتے۔ کلامِ الٰہی کو جھوٹ اور فریب کہہ کر پکارتے۔ قرآن حکیم نے مفصل طور پر ان سب ہفوات کا ذکر کرتے ہوئے نرمی کے ساتھ ان کا جواب بھی دیا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۲۳	کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے
بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ	بلکہ انہوں نے کہا یہ خیالات کا مجموعہ ہے۔ اس نے اُن کو گھڑ لیا ہے
بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۲۱	بلکہ وہ شاعر ہے۔
وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ	اور انہوں نے کہا کہ اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بیشک
عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۱۵	تو دیوانہ ہے۔
فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ	تو لوگوں کو نصیحت کرتا رہ۔ اللہ کی مہربانی سے نہ تو کاہن ہے
بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۵۲	نہ دیوانہ۔
وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ	ہم نے اُس کو شاعری نہیں سکھائی۔ نہ وہ اس کے لئے زیبا ہے۔
إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۳۶	وہ تو بس نصیحت ہے اور واضح قرآن۔
وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا	وہ شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو اور نہ وہ
تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا	کاہن کا قول ہے تم بہت کم نصیحت لیتے ہو۔ وہ تو رب العلمین

مَا تَذَكَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۶۹ کا اتارا ہوا ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى ۲۰	جادوگر جہاں جاتا ہے فلاح نہیں پاتا۔
وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ	اور کافروں نے کہا یہ تو بڑا جھوٹ ہے جس کو اس نے
افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۚ	گھڑ لیا ہے اور دوسرے لوگوں نے اس کی مدد
فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا (۲۵)	کی ہے۔ یہ لوگ ایسا کہہ کر ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے
وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا	اور انہوں نے کہا کہ اگلوں کے قصے ہیں جن کو اس نے

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۵/۲۵﴾
لکھوالیا ہے اور وہی صبح وشام اُسکے ہاں پڑھے جاتے ہیں۔
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ
کہ دے کہ اس کو اُسی نے اُتارا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ ﴿۶/۲۵﴾
کے رازسے واقف ہے۔
وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ
اور تُو اِس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا، نہ اپنے
كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ
ہاتھ سے لکھتا تھا۔ ایسا ہوتا تو یہ جھٹلانے والے شبہ
اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ
کر سکتے۔
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ
اور جب ہماری آیتیں اُن کو پڑھ کر سُنائی جاتی ہیں تو کہتے
سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ
ہیں کہ ہم نے سُن لیا۔ اور اگر ہم چاہیں تو اِس طرح (کلام)
هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
کہ دیں اور یہ تو نہیں ہیں مگر اگلوں کے افسانے۔

کُفّارِ عرب کے اِن ہفوات کا جواب بھی خود قرآن ہی سے پوچھا جائے۔ خدا تعالٰے نے اِن اعتراضات کا جواب وضاحت سے دیا ہے اور جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف بیان فرما دیے۔ کتابِ الٰہی ہونے کے دلائل بھی دے دیے۔ نزولِ قرآن سے جو غرض تھی وہ بھی واضح کردی بلکہ قرآن مجید کی زبان کے متعلق بھی وضاحت فرمادی۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
کہ دے کہ جو لوگ اللہ کے اُوپر جھوٹ باندھتے ہیں وہ
الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰/۶۹﴾
کامیاب نہیں ہونگے۔
اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ
جھوٹ تو بس وہی لوگ باندھا کرتے ہیں جو اللہ کی
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴿۱۶/۱۰۵﴾
آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ
کیا انہوں نے کلام میں غور نہیں کیا یا اُن کے پاس وہ بات
مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۳/۶۸﴾
آئی ہے جو اُن کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔
اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ
یا اُن لوگوں نے اپنے رسُول کو نہیں پہچانا کہ اُس کا
لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ ﴿۲۳/۶۹﴾
انکار کرنے لگے۔
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ
کہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن پڑھ کر تم کو نہ سُناتا
وَلَا اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ
اور نہ اللہ اُس سے تم کو آگاہ کرتا۔ اِس سے پہلے میں ایک
عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰/۱۶﴾
عمر تمہارے درمیان گذار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

نزولِ قرآن | نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ روح الامین اس کو لے کر اترا ہے۔

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ — ہم نے تجھ پر اس طرح وحی بھیجی جس طرح نوح پر اور اُن انبیاء پر جو اُس کے بعد ہوئے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا — اور اس طرح ہم نے تجھ پر قرآن عربی کو وحی کے ذریعے بھیجا

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ — اور حق کے ساتھ ہم نے اُسکو اُتارا اور وہ حق کے ساتھ اُترا

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ — اُس کو شیاطین لے کر نہیں اُترے

وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَمَا یَسْتَطِیْعُوْنَ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ — اور نہ اُن کے لئے یہ مناسب ہے اور نہ وہ کر سکتے ہیں وہ آسمانی باتوں کے سننے سے دور رکھے جاتے ہیں۔

صفاتِ قرآن | ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ — اور بے شک یہ یقینی حق ہے۔

وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ — جن کو علم دیا گیا ہے وہ دیکھ رہے ہیں کہ جو کچھ تجھ تیرے رب کی طرف سے اُترا ہے وہی حق ہے۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ — باطل نہ اُس کے آگے اُس کے پاس پھٹکتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے سے۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ — اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے پایہ کا اور حکمت والا ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ — بلکہ وہ قرآن بڑے رتبہ کا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ — لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی۔ اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ — یہ کتاب جس کو ہم نے اُتارا ہے۔ برکت والی ہے اور اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا — لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف نورِ مبین اُتار دیا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا (۱۸/۱)

اللہ حمد کا سزاوار ہے۔ جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں کجی نہیں رکھی۔ بالکل سیدھی

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (۱۷/۹)

بیشک یہ قرآن وہی راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶/۱۱۴)

اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (۵۴/۱۷)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی ہے جو نصیحت لے؟

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (۲۱/۱۰)

ہم نے تمہاری طرف کتاب اتار دی جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (۵)

تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب مبین آچکی ہے

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ لَّا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶/۷۹)

بیشک یہ قرآن بزرگ ہے۔ محفوظ کتاب میں ہے جسکو سوائے پاکوں کے اور کوئی نہیں چھوتا۔

فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (۸۰/۱۶)

عزت والے صحیفوں میں جو پاک اور بلند ہیں۔ ان کاتبوں کے ہاتھ سے جو بزرگ اور فرمانبردار ہیں

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (۳۹/۲۳)

اللہ نے بہترین کلام یعنی کتاب نازل کی جسکی آیتیں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی گئی ہیں اس سے ان لوگوں کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر نرم ہو جاتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (۵۹/۲۱)

اگر ہم نے اس قرآن کو پہاڑ پر اتارا ہوتا تو تو دیکھتا کہ اللہ کے ڈر سے وہ لرز کر پاش پاش ہو جاتا۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ

کہہ دے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنکو پہلے سے علم دیا گیا ہے ان کو جب یہ سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بیشک ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا اور وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گرتے ہی روتے

وَیَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ (۱۷:۱۰۹) ہیں۔ اور اُن کی عاجزی زیادہ ہو جاتی ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (۵:۸۳)

اور جب اُنہوں نے وہ سُنا جو رسول پر اتارا گیا ہے۔ تو دیکھتا ہے کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے ہیں کیونکہ اُنہوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہم کو گواہوں میں لکھ لے۔

قرآن کا مقصد اور غرض

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۱۴:۱)

مکمل کتاب ہے۔ جس کو ہم نے تیری طرف اُتارا ہے کہ تو لوگوں کو تاریکی سے روشنی میں لائے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ (۱۶:۶۴)

اور ہم نے یہ کتاب تیری طرف اس لئے اتاری ہے کہ جن چیزوں میں اُنہوں نے اختلاف کیا ہے تو اُن کے لئے اُن کی تشریح کر دے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳۸:۲۹)

مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی ہے کہ لوگ اُس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل والے نصیحت لیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶:۴۴)

اور ہم نے تیری طرف قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ لوگوں کیلئے اُتارا گیا ہے اسکو اُنکے سامنے بیان کر دے۔ اور تاکہ وہ غور کریں۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (۶:۱۹)

اور مجھ پر یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ تم کو اُس کے ذریعے آگاہ کردوں اور اُن کو بھی جن کو پہنچے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (۴:۱۰۵)

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہے تاکہ اللہ جو کچھ تجھے سمجھائے اُس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ (۱۶:۸۹)

اور ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری جو ہر شے کی تشریح ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ

یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ اس میں پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر شے کی تفصیل ہے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۱۱ ۱۲)

اور اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں، ہدایت اور رحمت ہے۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (۲)

جملہ انسانوں کے لئے ہدایت اور حق و باطل میں فرق کی دلیلیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ (۳۹)

ہم نے تیرے اوپر انسانوں کیلئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۴)

یہ بیان ہے سارے انسانوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔

قرآن کی زبان | وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۳)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی قوم کی زبان میں تاکہ ان کے لئے بیان کرے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (۲/۴۳)

ہم نے اس کو عربی قرآن بنا دیا کہ تم سمجھو۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ۔ (۴۴/۴۱)

اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن نہ بنا دیتے تو وہ کہتے کہ اس کی آیتیں ہم کو کیوں نہ سمجھائی گئیں۔ کیا عجیب ہے کہ قرآن عجمی ہے اور رسول عربی۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (۱۹۸/۲۶)

اور اگر ہم کسی عجمی پر اس کو اُتار دیتے اور وہ اُس کو پڑھ کر اُن کو سناتا تو یہ اُس پر ایمان نہ لاتے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (۵۸/۴۴)

سو ہم نے اس کو تیری زبان میں آسان کر دیا ہے کہ شاید وہ نصیحت لیں۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۳/۴۱)

یہ کتاب ہے جس کی آیتیں جدا جدا بیان کی گئی ہیں عربی قرآن ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ

جن لوگوں نے الذکر کا انکار کیا جب وہ اُن کے پاس آیا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عزت والی کتاب ہے۔ باطل نہ اُس کے آگے سے اُس کے پاس پھٹکتا ہے۔ نہ پیچھے سے

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۔ ۴۱/۴۲	سزاوار حمد حکیم کی اتاری ہوئی۔
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۲۶/۱۹۵	(قرآن) واضح عربی زبان میں ہے۔
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ۳۹/۲۸	عربی قرآن جس میں کوئی کجی نہیں۔
وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۴/۸۲	اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ لوگ بہت اختلاف پاتے۔
وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۲/۲۳ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۲/۲۴	اور اگر تم اس چیز کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے۔ اگر سچے ہو تو اس جیسی کوئی سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمائیتوں کو بھی بلا لو تو اگر تم نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۸/۳۱	اور جب ہماری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا کہہ دیں۔ اور یہ تو محض اگلوں کے افسانے ہیں۔
خدائی اعلان قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (۸۸/۱۷)	(اے پیغمبر) کہہ دے کہ اگر جن و انس اس بات پر متفق ہو جائیں کہ قرآن کی طرح کا کلام بنائیں تو بھی ایسا نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار کیوں نہ ہوں۔

لوگوں نے جب قرآن کے بے مثل ہونے کا دعویٰ سنا اور ان کے کانوں میں یہ صدا گونجنے لگی کہ قرآن اُس خالق زمین و آسمان کا کلام ہے۔ تو اس مقدس کتاب کا مطالعہ بھی بڑھ گیا۔ مختلف علوم مدون کئے گئے۔ آخر دوسری صدی کے وسط میں بہت سے آزاد خیال پیدا ہوئے۔ معتزلہ نے اپنے خیالات کی نشر و اشاعت شروع کر دی۔ نبوت۔ خلق قرآن اور اعجاز قرآن ایسے کئی مسائل پر اختلاف آرا پیدا ہونے لگا۔ دراصل اس سے قبل رسول اللہ کی حیات مبارکہ ہی میں ان مسائل پر بحث و مناظرہ شروع ہو چکا تھا۔ نبوت کے مدعی یا قرآن کے مقابلہ میں کلام پیش کرنے والے بھی پیدا ہو گئے تھے۔

پہلی صدی میں نضر بن حارث ایسے کئی اشخاص کلام الٰہی کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے۔ مدعیانِ نبوت مسیلمہ بن حبیب۔ الاسود عنسی۔ طلحہ بن خویلد۔ سجاح بنت الحارث ناکام و نامراد ہوئے۔ دوسری صدی میں بہت سے شعرا اور اہلِ قلم نے پھر کلامِ الٰہی کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے ابن المقفع۔ یشار بن برد۔ صالح بن عبد القدوس اور عبد الحمید کاتب مشہور ہیں۔ متنبی ایسے مشہور شاعر کا دعوٰی تو اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ بہرحال کلامِ الٰہی کے سامنے کسی کا کلام نہ ٹھہر سکا۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔ قرآن کو معجزہ مانا گیا۔ اور قرآن کا دعوٰی سچا نکلا۔ اعجازِ قرآن پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ قرآن کا نظم معجزہ ہے یا معانی و مطالب۔ کسی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ کسی نے ایک سے انکار کیا اور دُوسرے کو مانا۔ کسی نے یہ لکھا ہے کہ دونو معجزہ ہیں۔ بہرحال سب سے پہلے غالباً جاحظ (المتوفی ۲۵۵ھ) نے اس موضوع پر لکھا۔ بعد ازاں دوسروں نے بھی کئی کتابیں لکھیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور ہیں:

علی بن عیسیٰ الرمانی	کتاب النکت فی اعجاز القرآن
ابوبکر محمد باقلانی	کتاب اعجاز القرآن
عبد القادر الجرجانی	کتاب دلائل اعجاز

علاوہ ازیں بہت سی کتابیں قریباً قریباً ناپید ہیں۔ لے دے کر ایک باقلانی کی کتاب رہ گئی ہے جس کو علامہ ابوبکر عربی نے احسن الکتب کا خطاب دیا ہے۔

بعض مفسرین اور متکلمین نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ان میں سے جلال الدین سیوطی، فخر الدین رازی، شاہ ولی اللہ اور رشید رضا خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ذیل میں باقلانی کی کتاب کا ملخص لکھا جاتا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس فاضلِ اجل کی کیا رائے تھی۔ وہ لکھتے ہیں کہ

قرآن ہی محمدؐ کا معجزہ ہے۔ قرآن کا طرزِ ادا ایسا ہے کہ یہ کسی مخلوق کی فکر کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔ علامہ موصوف کلامِ عرب سے موازنہ بھی کرتے ہیں۔ خود رسول اللہ کے بعض خطبوں اور خطوط کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اُن میں اور قرآن کے طرزِ ادا میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب خود رسولِ خدا کا کلام ایسا نہیں تو اور کسی کا

کیا ذکر ہے مسیلمہ اور سجاح کے کلام سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے۔ امرؤ القیس کے اشعار بھی پیش کئے گئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب امرؤ القیس مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا تو دوسروں کا کیا ذکر۔ بلاغت کی تشریح کے بعد وہ آیاتِ قرآنی کو پیش کرتے ہیں نیز فرماتے ہیں کہ عربی علم معانی و بیان قرآن پر مبنی ہے۔ اس علم کی ترتیب کا باعث بھی مسئلہ اعجاز قرآن ہے۔ اُن کے نزدیک نظم قرآن ہی معجزہ ہے۔ مدعیانِ نبوت یا مسیلمہ کے کلام کے نمونے جو ملتے ہیں وہ اس قدر کم رتبہ ہیں کہ کوئی بھی سنجیدہ انسان اُن کو قرآن کے مقابلہ میں پیش نہیں کر سکتا۔ کفارِ عرب باوجود ماہرینِ فصاحت و بلاغت ہونے کے قرآن کا جواب اُن کے بس میں نہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ غیر زبان والے اس کا اندازہ یا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں البتہ ذوق سلیم ہو تو انسان پھر مجبور ہو جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ منظوم ہوں یا منثور قلبِ انسانی پر کبھی حلاوت اور کبھی رُعب کی وہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتے جو قرآن کے الفاظ پیدا کرتے ہیں۔ قرآن کا طرز اور بلاغت اس حد تک پہنچی ہوئی ہے جہاں انسان کی رسائی ممکن نہیں۔ قرآن کا نظم باوجود اندازِ بیان کی گوناگونی کے عرب کے تمام اصنافِ کلام سے مختلف اور صرف قرآن سے مخصوص ہے ادبِ عربی میں کوئی ایسا نمونہ نہیں مل سکتا جو قرآن کا سا طویل ہو اور پھر بھی فصاحت اور بلاغت کے اس درجہ پر پہنچا ہوا ہو۔ قرآن کے نظم کی خوبی اور تالیف کا حسن باوجود مضامین کے تنوع کے کبھی کم نہیں ہوتا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ قرآن میں قصص بھی ہیں اور مواعظ بھی۔ دلائل بھی ہیں اور احکام بھی۔ وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ اوصاف کا بیان بھی ہے اور تعلیم اخلاق بھی۔

لیکن ہر صنف میں فصاحت و بلاغت کا وہی عالم ہے۔ مگر بہترین شاعر یا خطیب کے کلام میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ کلام عرب کے تمام اصناف مثلاً بسط اور اختصار جمع اور تفریق۔ استعارہ اور تصریح۔ تجوز اور تحقیق وغیرہ قرآن میں موجود ہیں۔ عام کلام میں اُن کی شان نہیں مل سکتی۔ (ماخوذ از اعجاز القرآن ملخصاً)

ان دلائل کو دیکھنے کے بعد کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے علامہ جاحظ جو علومِ ادبیہ کا امام ہے لکھتا ہے۔

"نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس قوم میں مبعوث ہوئے جو نہایت زبردست شاعر فصاحت و بلاغت کی شیدائی اور اپنی طلاقت پر نازاں تھی۔ آنحضرتؐ نے اُن کو توحید کی طرف بلایا۔ رات دن اور صبح و شام اُن کو قرآن سُناتے اور اتمامِ حجت کرتے رہتے تھے۔ اس پر بھی جب اُنہوں نے نہ مانا تو کہا گیا کہ اگر تم کو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو کوئی سورہ یا کوئی آیت ہی اس قسم کی بنا لاؤ۔ مگر وہ عاجز رہے۔ وہ دشمنی سے قرآن کو کہتے تھے کہ اگلوں کا افسانہ ہے۔ کبھی جادو کہتے تھے۔ کبھی شعر قرار دیتے تھے۔ لڑائیوں میں اُن کی بیٹیاں اور بیویاں گرفتار ہوتی تھیں وہ خود مارے اور پکڑے جاتے تھے۔ یہ سب ذلتیں گوارا کرتے تھے لیکن قرآن کے معارضہ میں کوئی کلام پیش کرکے اس کے دعوے کو جھٹلا نہیں سکتے تھے۔ حالانکہ اس وقت اُن میں بڑے بڑے شعرا اور خطبا موجود تھے۔ جن کی فصاحت و بلاغت مشہور اور مسلّم تھی۔"

معانی و بیان کا امام سکاکی مفتاح العلوم میں لکھتا ہے۔

"قرآن کا اعجاز ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے جو طبیعت کو محسوس ہوتی ہے۔ لیکن زبان سے بیان نہیں ہوسکتی جس طرح ذائقہ کو زبان دریافت کرلیتی ہے یا اچھی آواز کا لطف کانوں کو محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا اظہار کرنا ناممکن ہے۔"

علّامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں۔

"بعض بعض شعرا ایک قصیدہ لکھتے ہیں اور سال سال دو دو سال تک اس میں اصلاح اور ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ پھر بھی اُس کے کسی ایک لفظ کی جگہ آسانی سے دوسرا لفظ رکھا جاسکتا ہے۔ مگر قرآن کی عبارت ایسی ہے کہ جو لفظ جہاں ہے اگر وہاں سے اُس کو اُٹھا لو تو ساری عربی میں بھی تلاش کرکے کوئی ایسا لفظ نہیں لا سکتے جو اس جگہ پر ویسا ہی موزوں ہو جیسا کہ وہ لفظ تھا۔" (تاریخ القرآن)

یہ علمائے مشرق کے خیالات ہیں اب مستشرقین اور علمائے مغرب کی آرا بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

ڈاکٹر موریس جو فرانس کے نامور اہلِ قلم مستشرق اور ماہر علوم عربیہ ہیں۔ اور جنہوں

نے گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن کریم کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا تھا۔ اپنے ایک مضمون میں جو "لاباردل فرانسس رومان" میں شائع ہوا تھا۔ ایک اور فرانسیسی مترجم قرآن موسیو سالمان ریناش کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قرآن کیا ہے؟ قرآن کی اگر کوئی ایسی منقبت ہوسکتی ہے جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو۔ تو وہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ وہ عظیم الشان فضیلت جس پر تیس کروڑ (چالیس کروڑ۔ مصنف) انسان فخر کر رہے ہیں۔ وہ یہی ہے۔ کہ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدرت کی ازلی عنایت نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں ان سب میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کے نغمے انسان کی خیر و فلاح کے متعلق فلاسفر یونان کے نغموں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اس میں آسمان و زمین کے بنانے والے کی حمد و ثنا بھری ہے۔ خدا کی عظمت سے اس کا حرف حرف لبریز ہے۔ جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں اور ہر ایک چیز کی اس کی استعداد کے مطابق رہنمائی کی ہے۔

قرآن علماء کے لئے ایک علمی کتاب، شائقین لغت کے لئے ذخیرہ لغات شعرا کے لئے عروض کا مجموعہ اور شرائع و قوانین کا ایک عام انسائیکلوپیڈیا ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں سے جو حضرت داؤد کے زمانہ سے جان تالموس کے عہد تک نازل ہوئیں۔ کسی ایک نے اس کی ایک ادنیٰ سورۃ کا بھی مقابلہ نہیں کیا۔

یہی سبب ہے کہ مسلمانوں میں اعلیٰ طبقہ کے لوگوں میں جس قدر علم بڑھتا جاتا ہے حقائق پر عبور ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر کتاب (قرآن) کے ساتھ ان کا شغف بڑھتا ہے۔ اس کی تعظیم میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس کے عجائبات کے ساتھ ان کی دلچسپی ترقی کرتی جاتی ہے۔ وہ آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ کلام کی آرائش ان آیتوں سے بڑھاتے ہیں۔ جس قدر ان کا پایہ رفیع ہوتا ہے اور خیالات میں شستگی و شگفتگی ہوتی ہے۔ اسی قدر اپنی رائے و خیال کا مدار آیات قرآنی کو ٹھہرانے میں کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سینے قرآن کی محبت سے معمور ہیں۔ دل سے اس کو مقدس مانتے ہیں۔ دوسری قوموں کو جو کتابیں یا شریعتیں ملی ہیں۔ ان کی نسبت نہ انہیں کوئی

خیال پیدا ہوتا اور نہ رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے ہیں کہ ان کی کتاب کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت انہیں سارے جہان کی فصاحت و بلاغت سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے۔ یہ واقعی بات ہے۔ اور اس کی واقعیت کی دلیل یہ ہے۔ کہ بڑے بڑے انشاپردازوں اور شاعروں کے سر اس کتاب کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اس کے عجائبات جو روز بروز نئے نئے نکلتے آتے ہیں۔ اور اس کے اسرار جو کبھی ختم نہیں ہوتے مسلمان شعرا و نثاران کو دیکھ کر سجدہ کرنے لگتے ہیں۔ قیامت تک کے لئے اس کو سرمایۂ ناز جانتے ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ فصیح کلام اور دقیق معنی کا یہ ایک مواج دریا ہے۔

ڈاکٹر سٹین گاس Dr. Steingass. نامور مؤلف "انگریزی عربی و عربی انگریزی ڈکشنری" قرآن کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

"قرآن اُن کتب عظیمہ میں سے ہے۔ جو آج تک حیطۂ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ اس میں ایک عظیم ترین انسان کی زندگی اور سیرت کا عکس صاف نظر آ رہا ہے۔ کارلائل کہتا ہے کہ قرآن کی خاص خوبی اُس کی ہمہ گیر صداقت میں مضمر ہے۔ بے شبہ یہ صحیح ہے۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی، تلاشِ حقیقت میں آنحضرت کی سرگرمی و سنجیدگی و صداقت اولی کے جزوی حصول پر اس کو نارضامند سامعین کے ذہن نشین کرانے میں آنحضرت کا غیر متزلزل استقلال اور ثباتِ قدم میرے خیال میں اُس اولو العزم پیغمبر کی اصلی اور ناقابلِ انکار مُہرِ نبوت ہے۔"

لڈف کریل کہتا ہے:۔

"قرآن عقائد و اخلاق، نیز اُن پر مبنی قانون کا ایک مکمل ضابطہ پیش کرتا ہے۔ اس میں ایک وسیع جمہوریت کے تمام آئین و اصول کے لئے، رشد و ہدایت کے لئے انصاف و عدالت کے لئے۔ فوجی تنظیم و تربیت کے لئے، مالیات کے لئے، غرباء کے متعلق نہایت محتاط قانون سازی کے لئے بنیادیں رکھی گئی ہیں۔ لیکن ان تمام کا سنگِ بنیاد ذات باری کا اعتقاد ہے جس کے قبضۂ قدرت میں انسانوں کی قسمت کی باگ ہے۔"

جہاں اس قدر اہم و اقدم اغراض وابستہ ہوں۔ وہاں ترتیب قرآن کو بحیثیت مجموعی جانچنے کا معیار ہر ایک مسئلہ کی خصوصیت و نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوا۔ مثلاً توحید باری کی صداقت اولیٰ کا اعلان کرتے ہوئے انتہا درجہ کا بلیغ و پاکیزہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مشیئت ایزدی کے آگے سر اطاعت خم کرنے اور اس سے غداری و بدعہدی کیے دوامی نتائج بیان کرتے ہوئے اس شعریت مجسم قوم (عرب) کے تخیل کو خطیبانہ بلند آہنگیوں سے اُکسایا گیا ہے۔ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حوصلہ افزائی یا تسلی کی ضرورت محسوس ہوئی یا لوگوں کو انبیائے قدیم کے حالات سے ڈرانا مقصود ہوا تو انتہائی سنجیدگی اور متانت سے کام لیا گیا۔ درحقیقت جہاں کہیں روزانہ زندگی کو جدید مذہب کے اصول اولین سے تطبیق دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ قرآن کریم کی زبان ضروریات و حاجات روزمرہ کے ساتھ ایک مناسبت پیدا کر لیتی ہے۔ اس لئے اس کے اوصاف کو بحیثیت ایک ادبی تالیف کے فصاحت و بلاغت کے مقررہ اصول و قواعد کی کسوٹی پر نہیں بلکہ ان نتائج کے اعتبار سے جانچنا چاہئیے۔ جو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمسروں اور ہموطنوں میں اس سے پیدا ہوئے۔ اگر اس کا کلام ایسا پُرزور اور پُراثر تھا۔ کہ اس سے فاسق المرکز اور باہم متخالف و متضاد عناصر ایک پیوستہ و منظم جسم کی صورت میں تبدیل ہو گئے۔ اور ان میں ایسے خیالات پیدا ہو گئے جو اُن کے سابقہ خیالات سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ تو اس میں کیا کلام ہے کہ اس کی فصاحت مکمل تھی۔ کیونکہ اس نے وحشی قبائل میں سے ایک مہذب قوم پیدا کر دی"۔

جارج سیل (مترجم قرآن) ایسا متعصب اور نقاد شخص قرآن کریم کے متعلق رقمطراز ہے:-

"قرآن کریم بے شبہ عربی زبان کی بہترین اور مستند ترین کتاب ہے۔ جیسا کہ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اور خود یہ کتاب انہیں تعلیم دیتی ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجز نما کتاب نہیں لکھ سکتا۔ یہ ایک مستقل معجزہ ہے۔ جو مردوں کو زندہ کرنے کے معجزہ سے بہت بلند پایہ ہے۔ اور تنہا یہ صحیفہ دنیا کو اپنے آسمانی ہونے کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معجزہ کی بنا پر لوگوں سے اپیل کرتے تھے۔ کہ وہ انہیں

سچا پیغمبر تسلیم کریں۔ حضور نے عرب کے نہایت فصیح اللسان اُدبا کو ڈنکے کی چوٹ چیلنج دیا تھا کہ اُن میں سے کوئی شخص ایک آیت ہی ایسی پیش کر دے۔ جو قرآن کریم کی آیت سے لگا کھا سکے۔ اس وقت ملک عرب میں ہزاروں فصحا و بلغا موجود تھے جن کے نغمہائے فصاحت و بلاغت سے عرب کا ریگستان چمن زار بنا ہُوا تھا۔

میں یہ ظاہر کرنے کے لئے بہت سی مثالوں میں سے صرف ایک مثال پیش کرونگا۔ کہ فی الحقیقت ان لوگوں نے اس صحیفہ کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ نظام کی تعریف کی ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں عرب کے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ شاعر لبید ابن رابعہ کی ایک نظم خانہ کعبہ کے دروازے میں لٹکائی گئی۔ نہایت بلند پایہ نظم کے سوا کسی معمولی نظم کو یہ عزت نصیب نہیں ہوتی تھی۔ کوئی دُوسرا شاعر اس کے مقابلہ میں اپنی نظم پیش نہ کر سکا۔ لیکن جب اس کے پاس ہی قرآن کریم کی دُوسری آیت لکھ کر لٹکائی گئی۔ تو خود لبید (جو بت پرست تھا) اس آیت کے ابتدائی الفاظ ہی پڑھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور بے ساختہ تعریفی کلمات اس کی زبان سے نکل گئے۔ لبید فی الفور اس مذہب پر ایمان لے آیا جس کی تعلیم اس آیت کے الفاظ دے رہے تھے۔ اور کہنے لگا کہ ایسے الفاظ صرف ایک پیغمبر ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی عبارت نہایت فصیح، خوبصورت، اور رواں ہے۔ خصوصاً جہاں اس میں دیگر صحائف آسمانی سے مشابہ طلمانہ عبارت درج ہے۔ یہ ایک جامع و مختصر صحیفہ ہے۔ اور مشرقی مذاق کے مطابق اس کے حروف جلی ہیں۔ اس میں فصیح و خوبصورت اور پُر معنی جملے ہیں اور خصوصاً وہ آیات نہایت فصیح و بلیغ ہیں۔ جن میں اللہ تعالےٰ کی عظمت و شوکت اور صفات کا تذکرہ ہے۔ قاری کو اس صحیفہ میں ایسی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں اگرچہ پڑھنے والے کے نزدیک میرا ترجمہ متن کا اصل مفہوم ادا نہ کرتا ہو۔ باوجودیکہ میں نے نہایت تندہی سے منصفانہ طریق پر ترجمہ کیا ہے۔"

ڈاکٹر غرینیر Dr. Paul Grenier سابق ممبر مجلس شوریٰ فرانس نے استاد محمود بک سالم سے اپنے قبولِ اسلام کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا:

"میں ایامِ شباب میں بحری طبیب تھا۔ اور ہمیشہ جہازوں میں ماء و شماء کے مابین

دن گذارتا تھا۔ ایک دفعہ مجھ کو قرآن کا ایک نسخہ موسیو ساقاری کے قلم سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا ہوا دستیاب ہوا۔ اس میں میں نے سورہ نور کی ایک آیت کا ترجمہ پڑھا۔ جس میں یہ ذکر تھا کہ وہ اپنے انکار کی حالت میں اسی طرح دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتا ہے جیسے کہ ڈوبنے والا جاڑوں کے دن جب کہ گھٹا ٹوپ بادل چھا رہا ہو۔ بحروں کی تاریکیوں میں بیہودہ تگ و دو کرتا ہے۔ اور وہ آیت یہ تھی۔ اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (ترجمہ) یا جیسے کہ تاریکیاں کسی گہرے سمندر میں، جس کو ڈھانپے ہوئے ہو ایک لہر اس کے اوپر سے ایک اور لہر اور اس کے اوپر سے بادل۔ تاریکیاں بھی کیسی کہ ایک کے اوپر دوسری جب وہ اپنا ہاتھ نکالے۔ تو اس کو وہ دکھائی دیتا نظر نہ آئے۔ اور وہ شخص جس کے لئے اللہ کوئی روشنی نہ کرے اس کے لئے کچھ روشنی نہ ہوگی۔

جس زمانے میں یہ آیت میں نے پڑھی تھی۔ ابھی ہدایت اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا۔ اور نہ مجھے مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کچھ حال معلوم تھا۔ ہاں اس سے میرے دل میں یہ خیال بیٹھ گیا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور کوئی ایسا شخص ہے جس نے اپنی ساری زندگی سمندروں میں گزاری ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی مجھے حیرت تھی۔ کہ کسی شخص سے یہ کیسے ممکن ہے کہ گمراہوں کی آوارگی کا ایسا مختصر حال بیان کرے۔ جس کے تھوڑے سے لفظوں میں سمندروں کے تمام خطرات اور طبعی حالات اس جامعیت کے ساتھ آجائیں۔ گویا ان کو انسان اپنے حواس سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ اور پھر اس اسلوب سے کہ سمندروں کے خطرات کا کوئی بلیغ ترین ماہر بھی اس طرح بیان نہ کر سکے۔

پھر جب اس کے بعد مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سمندر پر سواری نہیں کی۔ اور علاوہ بریں وہ اُمی بھی تھے۔ تو میں نے قرآن کو پھر ہاتھ میں لیا۔ اور سورہ نور اور اس کتاب کی باقی آیتوں میں خوب غور کیا۔ تو مجھے یقین ہو گیا۔ کہ یہ کسی بشر کا کلام تو ہو نہیں سکتا۔ ضرور اللہ تعالیٰ کی وحی ہی سے اس کا نزول ہوا

ہے۔ پس میں مسلمان ہوگیا۔ اور ہمیشہ اس اسلام پر فخر کرتا رہوں گا۔ جو میری نگاہ میں ایک معقول فطری دین ہے۔ اور جو چیزیں دوسرے مذاہب میں بت پرستی کی باقی ہیں۔ ان سب سے پاک "۔

کونٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب "الاسلام" میں جو کونٹ موصوف نے فرنچ زبان میں لکھی۔ اور جس کا ترجمہ مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں شائع کیا۔ لکھتے ہیں:

"قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ارباب بحث اس کو معقول طور پر حل نہیں کر سکے۔ عقل بالکل حیرت زدہ ہے۔ کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل اُمی تھا۔ تمام مشرق نے اقرار کیا ہے کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسان لفظاً اور معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاپردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا۔ اور وہ خدا کے معترف ہو گئے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب یحیٰی کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ (علیہ السّلام) کا کلام نکلا تھا"۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے۔ اور وہ اس وقت سے تا ایں دم ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے۔ جس کے طلسم کا توڑنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے"۔

ایشیا اور شمالی افریقہ میں اسلام کے پھیلنے اور مختلف قوموں کو اپنا زیر بنانے کی ایک اور بھی وجہ ہے۔ اسلام کا اصول یہ تھا۔ کہ جو قوم اسلام قبول کر لیتی تھی۔ اس کے جان و مال ہر طرح محفوظ ہو جاتے تھے۔ لیکن جو قوم آبائی مذہب پر رہنے کو ترجیح دیتی تھی۔ اس پر ایک خفیف ٹیکس بنام جزیہ لگا کر اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا تھا جس کا مستحق عام مسلمانوں کو سمجھا جاتا تھا۔ اور دینِ اسلام کے مبلغین ان سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے۔ یہ قرآن کریم کی تعلیم کا اثر تھا۔ اور خلفائے راشدین کا اسی پر عمل رہا۔

"اسلام کے سائے میں عیسائی مطمئن ہو گئے۔ دعاتِ اسلام میں کوئی شخص ان کے مذہب سے متعارض نہیں ہوتا تھا۔ اور اصل عیسائی اور مرتدوں میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ برتاؤ وہ تھا جس کا خود قرآن نے حکم دیا تھا۔ اور خلفائے اوّلین اس پر کاربند تھے۔"

الکس لوازون ایک مشہور فرانسیسی فلاسفر اپنے ایک لیکچر میں فرماتے ہیں :-

"قرآن جس کو خدا نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دل پر انسانوں کی رہنمائی کیلئے نازل کیا۔ بے شک ایک روشن اور پُرحکمت کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ کہ وہ سچا نبی۔ صدیق اور اس خدا کا جو ہر ایک کام کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ فرستادہ تھا۔ بلکہ وہ ایک ایسا عظیم الشان اور جلیل القدر نبی تھا۔ جس نے بارادہ الٰہی اسلام جیسے عالمگیر مذہب کی بنیاد رکھی۔ اور اُسے کتم عدم سے عالم وجود میں لانے کی توفیق پائی۔ اس کے پیرؤوں کی تعداد تیس کروڑ (بلکہ چالیس کروڑ) سے بڑھ گئی جنہوں نے سلطنتِ روما کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔ اور اربابِ ضلالت کی جڑوں کو اپنے فتحمند نیزوں کی نوکوں سے کاٹ ڈالا۔ یہاں تک کہ ان کے ذکر سے مشرق و مغرب کی مقتدر طاقتیں کانپ اٹھیں۔"

یہی محقق اپنی کتاب "لائف آف محمد" میں لکھتا ہے۔

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باوجودیکہ وہ امی تھا۔ اور لکھ پڑھ نہ سکتا تھا۔ ایک ہی وقت میں تین عظیم مقاصد یعنی قومیت، دیانت، اور شہنشاہت کی بنیاد ڈالی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی کتاب دُنیا کے سامنے پیش کی۔ جو بلاغت کا ایک زبردست نشان شریعت کا واجب العمل دستور اور دین و عبادات کا قابل اذعان فرمان ہے۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے۔ جو اس وقت تمام دنیا کے ۱/۵ حصہ میں معتبر اور مسلّم سمجھی جاتی ہے اس کی انشا و حکمت کو ایک بیّن معجزہ مانا جاتا ہے۔ اور خود اس کے مخاطب نے بھی اسے بطور اعجاز پیش کیا ہے۔"

پروفیسر رینلڈ الئین نکلسن ایم۔اے فارسی لیکچرار کیمبرج یونیورسٹی و فیلو ٹرنٹی کالج اپنی مشہور تالیف "تاریخ ادبیات عرب (لٹریری ہسٹری آف دی عربز) میں لکھتے ہیں :-

"عربی ساری دنیائے اسلام کی مشترک زبان بن گئی۔ اور یہ یقینی طور پر قرآن کا

اعجاز تھا۔ قرآن نے عربی زبان و ادبیات پر تحیر خیز اثر ڈالا.... متن قرآن کو تحریف سے بچانے اور اس کی ناقابل فہم آیات کی تشریح و توضیح کے لئے مسلمانوں نے نحو اور لغت نویسی ایجاد کی۔ اور زمانہ ماقبل اسلام کے ادبیات و روایات کو جمع کر کے ان کو ہلاکت سے بچا لیا۔ (دیباچہ تاریخ ادبیات عرب صفحہ ۲۳-۲۴)

قرآن کو ہر مسلمان طالب العلم جب وہ سکول میں داخل ہوتا ہے، پڑھتا ہے۔ اسے روزانہ نمازوں میں دُہراتا ہے۔ اور اس طرح قرآن کا اثر ایک مسلمان کی زندگی پر اس درجہ ہوتا ہے۔ کہ ایک معمولی عیسائی اس کو محسوس نہیں کر سکتا۔ (دیباچہ صفحہ ۲۵)

"اسلام نے اس قسم کے توحش (دختر کشی) کا خاتمہ کر دیا۔ جس کی قرآن نے صریح ممانعت کی ہے۔" (تاریخ ادبیات عرب صفحہ ۹۱)

جان جاک ریسک مشہور جرمن فلاسفر جس نے مقاماتِ حریری تاریخ ابوالفداؒ اور معلقہ طرفہ وغیرہ عربی تصنیفات کا لاطینی میں ترجمہ کیا اور ان پر حواشی لکھے ہیں، لکھتا ہے:-

"بعض لوگ تھوڑی سی عربی سیکھ کر قرآن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔ اگر انہیں اپنی خوش نصیبی سے کبھی یہ موقع حاصل ہوتا۔ کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنی فصیح زبان اور مؤثر لہجہ میں قرآن کی کوئی سورۃ پڑھ رہے ہیں جس کا دلوں پر بجلی کا اثر ہوتا ہے۔ اور جب کسی آیت کے متعلق یہ احتمال ہوتا ہے کہ سامعین اس کے حقیقی مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ تو اپنی معجز نما قوتِ بیان سے اس کی توضیح فرما دیتے ہیں۔ تو یقیناً یہ شخص بے اختیار سجدہ میں گر پڑتا۔ اور سب سے پہلی آواز اس کے منہ سے یہ نکلتی۔ کہ پیارے نبی پیارے رسول خدا! علیک الصّلوٰۃ والسلام۔ میرا ہاتھ پکڑ لیجئے اور مجھے اپنے پیروؤں میں شامل کرنے کی عزت اور افتخار سے مشرف کرنے میں دریغ نہ فرمائیے۔"

بوسورتھ سمتھ اپنی تالیف "سیرت محمد" میں اعتراف کرتے ہیں:

"ایک ایسی خوش طالعی سے جس کی نظیر تاریخ عالم میں قطعًا نایاب ہے۔ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک قوم اور ایک سلطنت کے ساتھ ہی ایک مذہب سے

بانی ہیں۔ باوجودیکہ حضورؐ خود اُمّی تھے، پھر بھی حضورؐ نے ایک ایسا صحیفہ مقدس دنیا کے روبرو پیش کیا، جو نظم بھی ہے، ضابطہ قوانین بھی ہے، اور انجیل کی طرح ایک مشترکہ نماز و دعا کی کتاب بھی ہے۔ دنیا کی تمام آبادی کا چھٹا حصہ۔ دانش، فصاحت اور صداقت کی پاکیزگی کے اعتبار سے اسے ایک معجزہ سمجھ کر آنکھوں سے لگاتا۔ اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا ہے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب مقدس ان کا مستقل اور دائمی معجزہ ہے۔ اور واقعی یہ ایک معجزہ ہے"

ایک اہلِ قلم فرنگی خاتون اے۔ ایچ کال اپنی کتاب موسومہ "اسلام" کے صفحہ ۲۰ میں لکھتی ہیں:-

"قرآن کریم دیگر کتب سماویہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دائمی و ابدی کلام ہے۔ اور اب دنیا کے لئے کسی ایسی صداقت کی ضرورت نہیں، جو اس کے بعد نازل ہونی ضروری خیال کی جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا آخری الہام ہے جو بنی نوع انسان کے لئے نازل ہوا۔ انسانی زبان کا اصل ذریعہ عربی زبان ہی ہے اور چونکہ اس زبان کا ہر ایک لفظ منجانب اللہ ہے۔ اس نے خود اس کے الفاظ نہایت پاکیزہ، متبرک اور مطہر ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے۔ کہ قرآن میں آج تک ایک نقطہ کی بھی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، کیونکہ ان تمام اوراق کو جن پر قرآن کریم لکھا ہوا تھا، بکمال احتیاط و حفاظت آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جمع کر لیا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی کتاب الہامی ہونے کا حق نہیں رکھتی"

ڈاکٹر کینن آئزک ٹیلر اپنی تصنیف "التواریخ" میں لکھتے ہیں:-

"ان لڑائیوں کو کروسیڈ یا جہاد مقدس کہتے ہیں اور بہت سی پیش گوئیاں ہیں جو سب مطابق ارشاد ظہور میں آئیں۔ بانی (ہادی) اسلام حضرت محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کو کسی نے پڑھایا نہ لکھایا۔ حضور کے والد قبل ولادت ہی انتقال کر چکے تھے۔ والدہ کو بھی بحالت ہوش نہ دیکھا۔ نہ کسی حکیم و فلاسفر کی صحبت سے واسطہ رہا۔ ان حالات پر ایسی مکمل شریعت کا ظاہر ہونا اور قرآن جیسی کتاب فصیح و بلیغ جامع جمیع فوائد دین و دنیا کا نازل ہونا منجانب اللہ نہیں تو اور کیا ہے۔ ایسی یتیمی مسکینی کی حالت میں تمام جزیرہ نمائے عرب میں اس زور شور سے توحید کا ڈنکا بجنا، دین اسلام کا تمام دنیا میں پھیل جانا۔ بڑے بڑے بادشاہوں کا مطیع و فرمانبردار ہونا، قدموں پر گرنا، صاف صاف اور کھلی ہوئی دلیل دین اسلام کے

منجانب اللہ ہونے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نبی ہونے اور قرآن کے کتاب ربانی ہونے کی دلیل ہے۔"

جیمز ای ہمتھ اے۔ ایم۔ ایل۔ ایچ ڈی۔ اپنی تالیف "سنچری سائیکلوپیڈیا آف نیمز" (صفحہ ۵۰) میں لکھتے ہیں :۔

"یہ ایک نہایت اہم بنیاد ہے، جس پر مذہب اسلام قائم ہے۔ اور تمام فرق اسلام اس کی غایت درجہ کی تحریم وتکریم کرتے ہیں۔ تلاوت کے وقت اس کو فرش سے بلند رحل پر رکھا جاتا ہے۔ اور کوئی شخص اس کو طہارت کے بغیر پڑھ اور چھو نہیں سکتا۔ وہ عربی زبان میں ہے۔ اور اس کا طرز تحریر عربی زبان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔"

پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم۔ اے۔ ایم۔ بی۔ اپنی تالیف "اے لٹریری ہسٹری آف پرشیا" (تاریخ ادبیات ایران) میں ژند اوستا اور قرآن کا مقابلہ کرتے ہوئے صفحہ ۱۰۲ میں لکھتے ہیں:

"میں جوں جوں قرآن پر غور کرتا۔ اور اس کے مفہوم اور معانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، میرے دل میں اس کی قدر و منزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ لیکن ژند اوستا کا مطالعہ بجز ایسی حالتوں کے کہ اس کو علم اوثان یا تحقیق لسانی یا اسی قسم کے دیگر اغراض کے لئے پڑھا جائے۔ طبیعت میں تکان پیدا کرتا اور بار خاطر ہو جاتا ہے۔"

جارج ای بیتم ممبر امریکن انتھناوجیکل سوسائٹی و نیویارک ہسٹوریکل سوسائٹی "ورلڈز پراگرس" کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھتے ہیں:

"یہ کتاب (قرآن) جو الہامات و اعتقادات محمد (صلعم) پر مشتمل ہے، مسلمہ طور پر عربی زبان کا معیار حقیقی پیش کرتی ہے اور جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، انسانی قلم اس کی تقلید سے قاصر ہے۔ اس لیے ان کا خیال ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔"

تاثیر قرآن کیا یہ کم معجزہ ہے کہ حضرت عمرؓ گھر سے مسلح ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کرنے کے لیے نکلتے ہیں، لیکن قرآن کی آیات سن کر اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ ہاتھ سے شمشیر گر پڑتی ہے۔ اسعد بن زرارہ مدینہ کا مشہور سردار بھی اسی طرح مسلمان ہوا۔ ولید بن مغیرہ قبیلۂ قریش کا ایک بڑا تجربہ کار بزرگ تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت

تھی، وہ پکار اُٹھتا ہے کہ اس کلام میں عجیب حلاوت ہے۔ حضرت جریر بن مطعم قبیلۂ قریش کا ایک رئیس تھا، لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب میں سورۂ والطور پڑھ رہے تھے، میرا اُس طرف سے گذر ہُوا۔ جب میں نے اس آیت کو سُنا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۝ (پ ۲۷)   کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں، یا خود ہی خالق ہیں؟

تو میں کانپ اُٹھا۔ اور مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ آخر مسلمان ہونا پڑا۔

خالد بن عقبہ قرآن مبین کو سُن کر حیران رہ جاتا ہے ایک وارفتگی کا عالم اُس پر طاری ہو جاتا ہے، وہ ہوش میں آ کر بول اُٹھتا ہے

"بخدا اس میں عجیب شیرینی ہے
اس میں عجیب تروتازگی ہے
اس کی جڑیں سیراب ہیں
اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں، بشر تو ایسا کہہ نہیں سکتا"

لبید عامری، مشہور معروف عربی شاعر کو جب شعر سُنانے کے لئے کہا گیا تو اُس نے جواب دیا:

"واللہ! میں نے جب سے قرآن سُنا ہے، شعر کہنا چھوڑ دیا ہے، مجھے شعر کہتے شرم آتی ہے"۔

یہ تھا کلام الٰہی کا اعجاز، کلامِ الٰہی کی تاثیر کا نتیجہ تھا کہ بتوں کے پجاری خود توحید کے واعظ بن گئے، خودسر اور سرکش اور مغرور قبائل کی گردنیں جھک گئیں، وہ اب ایسے مطیع و منقاد ہوئے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، مختصر یہ کہ بڑے بڑے سنگدل انسان قرآن کو سُن کر رونے لگتے اُن کے منہ سے بے اختیار صدائے تحسین نکل جاتی۔

بعض لوگ قرآن کی فصاحت و بلاغت سے اس بنا پر انکار کرتے ہیں کہ خود قرآن میں اپنے متعلق فصاحت وبلاغت کے الفاظ موجود نہیں، حالاں کہ ایسا خیال کرنا صریحاً غلطی ہے۔ رسولِ خدا کو حکم ہوتا ہے:

قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا پ ۵ (اے رسول) ان لوگوں سے ایسی بات کہو جو بلیغ ہو

دل نشین اور دل پذیر وہی مضمون یا بات ہوسکتی ہے جو بلیغ ہو، سامع کے دل و دماغ کو متاثر کرے اور قائل کے مافی الضمیر کو واضح کرے۔ قرآن مجید میں حضرت ہارون کے متعلق حضرت موسیٰ کا قول بھی موجود ہے:

هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا وہ (ہارون) اپنے کلام میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے

اس سے معلوم ہوا کہ مبلغین کے لئے فصیح ہونا بھی ضروری ہے، مزید برآں قرآن کو بار بار قرآن مبین کہا گیا ہے۔ بَلاغٌ لِلنَّاس، حکمت بالغہ اور قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ بتلایا گیا ہے۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بڑھ کر قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اور کونسا ثبوت ہوگا؛ ان واضح دلائل کے باوجود قرآن کی فصاحت و بلاغت سے انکار کرنا ہٹ اور ضد نہیں تو اور کیا ہے؛ معلقات سبعہ گر مانند پڑ گئے۔ شاعروں اور خطیبوں کی زبانیں اگر بند ہوگئیں تو محض اس لئے کہ قرآن کی زبان شیریں اور دل نشین ہے۔ ایسا کلام تا قیامت جن و انس سے پیش نہیں کیا جاسکتا۔

کیا ہی اچھا ہو اگر مسلمان شب و روز اس کو درس و مطالعہ میں رکھیں، صبح و شام اس کے مسائل پر غور و تدبّر کریں، اسی کی نشر و اشاعت کریں، اسی سے کام و دہن کی تلخیوں کو دور کریں، اسی سے اپنے زنگ آلود سینوں کو صاف کریں، اسی کی مشعل ہدایت لیکر دنیا کے تاریک گوشوں کو منوّر کردیں، اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔ مسلمانوں کا فکر و عمل قرآن کے فکر و عمل سے الگ نہیں ہوسکتا مگر افسوس ہے کہ آج ہمارے ادبار و بدبختی کا باعث بھی دراصل یہی چیز ہے يَارَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔

نمونے کے پرچے

جن احباب کی خدمت میں "البیان" نمونۃً حاضر ہو رہا ہے، وہ براہِ کرم رضامندی کی صورت میں تین روپے سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں، بصورتِ دیگر آیندہ پرچہ وی پی کے ذریعے حاضر ہوگا۔

منیجر "البیان" امرت سر

ایک سوشلسٹ فاضل کے نام

تسلیم۔ گزشتہ بیس سال کے باہمی مراسم کی بنا پر چند بے تکلف باتیں عرض کرتا ہوں۔
ایک وقت تھا، آپکو دینیات سے لگاؤ تھا جس کو میں اب گہرا لگاؤ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد دوسرا وقت آیا، آپ کے حالات بدلے، ماحول بدلا، ملک کے رجحانات نے بھی نیا جنم لیا۔ روحانیت کی کرسی پر مادیت نے تسلط جما یا۔ خدا کی جگہ "پیٹ" کعبۂ مقصود بنا انسانیت کی سندپر وطنیت و قومیت نے پاؤں پھیلائے۔ محراب و منبر سے قرآن و محمدؐ تو معاً رخصت ہو ہی چکے تھے۔ اسٹیج اور پنڈال کی فضا میں سیاسیات کا غلغلہ بلند ہوا جس سے لادینی کا سیلاب پھوٹ نکلا۔ ایسے حالات میں آپ کے رجحان و میلان کا تغیر میرے لئے قطعاً تعجب انگیز نہیں ہوا، میں آپ کی اُفتادِ طبع، اثر پذیری وغیرہ خصائص سے خوب واقف ہوں چنانچہ اب بھی اگر آپکے گرد و پیش کوئی چند ماہ تغیر رونما ہو جائے تو آپ کا متغیر ہو جانا غیر ممکن نہیں ـــــ میں کچھ عرصے سے سن رہا تھا کہ آپ دین کو خیرباد کہ چکے ہیں، میرے نزدیک یہ ایک معمولی بات تھی، اس لئے میں نے آپسے کبھی اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا۔ گزشتہ ستمبر میں جبکہ آپسے بار بار ملاقات کی سعادت نصیب ہوئی، آپکو یاد ہوگا، ایک دن آپ، محترم "گ" اور میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں محو تھے۔ میں نے اثنائے گفتگو میں آپ سے اجازت چاہی کہ

"میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، آپ کا دولفظی جواب سن کر خاموش ہو جاؤں گا، اگر اجازت ہو تو پوچھوں" ـــــ؟

آپ نے اجازت عطا فرمائی ـــــ میں نے کہا:

"آپ قرآن کو کلام اللہ سمجھتے ہیں یا کلامِ محمدؐ"؟

آپ نے نصف منٹ تامل کے بعد فرمایا "کلامِ محمدؐ"!

میں حسبِ وعدہ خاموش ہوگیا، اس کے بعد کبھی اس موضوع پر ایک حرف بھی میری زبان پر

نہیں آیا۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں جبکہ ہم لوگ شیوۂ نبوت سے بہت دور جا پڑے ہیں کسی مسئلہ کو بحث و مناظرہ کے ذریعے طے کرنا، بالخصوص جہاں دوستانہ روابط بھی ملحوظ خاطر ہوں، ایک غیر فطری اور غیر عاقلانہ فعل ہے، جس کا انجام بہت کم اچھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص منہاج انبیاء پر بحث کو نباہ سکے تو اس کے لئے جائز بلکہ انسب و احسن ہے، اس لئے مَیں نے یہ طریق خطاب مناسب نہیں سمجھا۔ مَیں زبان کے ساتھ قلم کو بھی جنبش نہ دیتا، اگر مجھے قرآن کی بعض آیات اور آپ کی فطری نیک مزاجی مجبور نہ کر دیتی۔ ——— میرے لئے آپ کا یہ خیال کہ "قرآن کلامِ محمدؐ" ہے کوئی نئی چیز نہ تھی، غیر مسلم دنیا تو بلا استثنا ایک سرے سے دوسرے سرے تک اسی اعتقاد پر راسخ ہے، اور آج "روشن خیال" مسلمانوں میں بھی بہت سے حضرات ایسے پیدا ہو چکے ہیں، جو اس امر کے مبلغ نہیں تو معتقد ضرور ہیں۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قرآن دانی کے ادعا کے باوجود قرآن کو نہیں سمجھا۔ آپ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ قرآن ایسی کتاب نہیں جو محض پڑھنے یا زباندان ہو جانے سے سمجھی جا سکے۔ اگر یہ ایک خالص علمی کتاب ہوتی تو ایسا ممکن بھی تھا، لیکن جس طرح دنیا کی کوئی فنی و عملی کتاب اکتساب فن، عمل اور ورزش اعضا و جوارح کے بغیر ذہن انسانی میں مرتکز نہیں ہو سکتی اسی طرح قرآن کی جڑ بھی ایسے دلوں میں لگتی ہے جو اس کے بتائے ہوئے چند شرائط کو پورا کریں، ایک مخلص محقق کے لئے سخت لغزش کا مقام ہوتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ بڑے بڑے مفسر، فقیہ، متکلم اور متصوف علی دنیا میں محض بہروپیے ثابت ہوتے ہیں، وہ بلا استثنا اسلاف کے متعلق بھی یہی گمان کر لیتا ہے، حالانکہ یہ لوگ محض زباندان ہونے کی حیثیت سے ایک فاضل متعلم طب کی طرح ہوتے ہیں جو نفیسی اور سدیدی وغیرہ کے ہر لفظ کا اردو ترجمہ جانتا ہے اور شاگرد کو پڑھا بھی دیتا ہے، لیکن نہیں جانتا کہ درد نج عصری کی شکل و صورت کیسی ہوتی ہے؟ ہالون اور لیموں میں کیا فرق ہے؟ بلغم کے مختلف اقسام کی پہچان کس طرح ہوتی ہے؟ تشخیص امراض کی باریکیاں اور وریدوں اور شریانوں کے مقامات اس کی نظر سے قطعاً پوشیدہ ہوتے ہیں کیونکہ یہ امور وابستہ ہیں عمل و تجربہ سے، اور وہ اس کوچہ سے نابلد ہے، ایسے ہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق مرحوم علامہ اقبال نے کہا ہے:

فقیہہ شہر قارون ہے لغتہائے حجازی کا

ایسے لوگوں کو دیکھ کر قرآن و اسلام کے متعلق کوئی رائے قائم کر لینا سہل انگاری کی بہترین مثال ہے۔ آپ پوچھیں گے "پھر وہ لوگ کہاں ہیں جو قرآن کو عملاً سمجھتے ہیں؟" مَیں کہتا ہوں وہ اپنا ڈھنڈورا

کھل پھینے لگے! ہمیں خدا کی تلاش کرنی چاہئے یَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ [1] وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا [2] جب ہم چند روزہ دنیا کے اکتساب کی خاطر ہزاروں میل کا سفر طے کرتے ہیں، بحر و بر کو عبور کر جاتے ہیں عمر گرانمایہ کا ایک طویل اور لذیذ ترین حصہ صرف کر دیتے ہیں، ہزارہا روپیہ خرچ کرنے سے دریغ نہیں کرتے، بسا اوقات صحت ایسی چیز بھی قربان کر دیتے ہیں، تو اس دائمی زندگی کی عافیت کیلئے ہم گھر بیٹھے یہ توقع رکھیں کہ وہ ہمارے ساتھ خود بخود چپکا دی جائے، خواہ ہم اس سے بے پروائی کا اظہار کرتے رہیں، یہ کس طرح ممکن ہے؟ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ [3] اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۔ [4]

میرے عزیز دوست! تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى [5] کائنات کی ہر قیمتی چیز کمیاب ہوتی ہے، یہ ایک کلیہ ہے جس میں کوئی استثناء نہیں۔ پھر خدائے کائنات اتنا ارزاں نہیں کہ ہماری کوٹھری میں لب لئے کھڑا رہے۔ درآں حالیکہ ہم آنکھیں بند کئے لیٹے ہوں۔

تمہید میری خواہش کے بغیر طویل ہو گئی۔ اس کی معافی چاہتا ہوا اصل مدعا کی طرف آتا ہوں۔ بات یہ تھی کہ "قرآن کلام محمدؐ ہے"۔ آپ کا یہ قول میرے دماغ میں آ کر بہت پھیل گیا۔ اور اس کے متعدد مہیب نتائج سامنے آ گئے

(۱) اس کو تسلیم کر لینے سے کہ "قرآن کلام محمدؐ ہے"، لازماً تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس کتاب میں جہاں جہاں کلام اللہ ہونے کا دعویٰ اور کلام بشر ہونے سے انکار ہے، وہ سب (معاذ اللہ) کذب ہے، اس سے ماننا پڑیگا کہ اس میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں مرتبہ جھوٹ بولا گیا ہے۔

(۲) اس کے ساتھ ہی جہاں قدیم انبیا کے ملہم من اللہ ہونے کا ذکر ہے، اسے بھی داخل کذبات کرنا پڑیگا۔

(۳) پھر ان سب لوگوں کی فلاح و ترقی کو کذب و باطل کی ترقی سے تعبیر کرنا پڑیگا۔

---

[1] جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف کا راستہ دکھاتا ہے [2] جو لوگ ہمارے لئے کوشش کرتے ہیں ہم ان کو ضرور اپنے راستے دکھاتے ہیں [3] کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو [4] کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بے آزمائش) بہشت میں جا داخل ہو گے (حالانکہ) ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے [5] یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔

(۷) اس کے بعد شاید یہ بھی ماننا پڑے، یہ مختلف الزمان والمکان بزرگ کسی ایک وقت میں ایک ہی جگہ جمع ہو گئے ہوں گے جہاں انہوں نے اس کذب پر حتمی اجماع کیا ہوگا، جس کو ان میں سے ہر ایک نے اخیر دم تک نباہ دیا۔

ان تمام مقدمات کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہمیشہ جھوٹ کی فتح رہی ہے۔ سچ کبھی عالم وجود میں نہیں آیا۔ فطرت کائنات نے ہمیشہ جھوٹ بولنے والوں کا ساتھ دیا اور ان کی زبان سے نکلی ہوئی پیشگوئیوں کو حرف بحرف پورا کیا۔ قطعات ارضی اور اجرام سماوی اپنی جگہ سے ہل گئے لیکن عالم بیچارگی میں ان کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں نہ ٹلیں۔

میرے عزیز! ان مسلمات کی بنا پر ہمیں ماننا پڑیگا کہ کائنات پر ابلیس کی حکومت ہے، حق وصداقت اور خدا ونظام ہستی کی حقیقت ڈھکوسلے کے سوا کچھ نہیں ——— تم مجھے کئی مرتبہ کہہ چکے ہو اور اب بھی کہہ دوگے کہ

"تم کارل مارکس[ل] کے فلسفہ سے براہ راست واقف نہیں"

ل قرآن نے محنت کش مصیبت زدہ طبقہ کو "مستضعفین فی الارض" کی پُرمعنی اصطلاح میں ذکر کیا ہے وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۹/۲ (ترجمہ) اور (اس وقت کو) تم یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے کہ لوگ تمہیں اڑا نہ لے جائیں (یعنی بے خان ومال نہ کردیں) تو اس نے تم کو جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت بخشی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ تم (اس کا) شکر کرو۔ اس آیۃ سے متعدد نتائج سامنے آتے ہیں، یعنی ابتدائی اسلامی تحریک نے پسمت طبقہ میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا کیں (۱) اس کا کوئی ملک ووطن نہ تھا جسے وہ اپنا کہہ سکے، اسکو اس حال سے نکال کر استقرار بخشا (۲) سرمایہ دار کے مقابلے میں اس کو فاتح کیا (۳) اس کے لئے پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیے۔ اس وقت بھی مزدور کا مطالبہ یہی ہے اور اس کے مرض کا علاج یہی، وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ الخ (ترجمہ) ہم نے ارادہ کیا کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کئے گئے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور وارث کریں اور زمین میں ان کو جاہ وحشمت دیں۔ یہاں استضعف فی الارض پر غور فرمائیں۔ یہ باب استفعال سے ہے۔ سرمایہ دار حکومتوں، کمپنیوں مذہبی اداروں نے آج تک مزدور کو اس کی پست سے پست تر حالت پر قائم رکھنے کے لئے جو جو

(دیکھو صفحہ ۵۵)

یہ بالکل سچ ہے۔ میری تو کوئی حقیقت وہستی ہی نہیں اور نہ مجھے علم و معلومات سے کچھ سروکار ہے ——— مارکس کے فلسفہ سے تو رومیؒ و غزالیؒ اور ابو حنیفہؒ و شافعیؒ بھی واقف نہ تھے۔ ذرا اور آگے چلیں تو اسمائے انبیا و رسل کی تمام فہرست میں ایک بھی "مارکسی اسرار" کا محرم نہ ملیگا۔ لیکن تمہارے سر اقبال رح تو اس قافلہ سالار فلاح و بہبود کے اسرار و حکم سے بے خبر نہ تھے جو اس دنیا سے جاتے جاتے فرما گئے ہیں۔

زمن بر پس ایکہ نادانِ نکوکیش　　　زدانشمندِ لا دینے نکوتر

اور یہ "نظام تعلیم" جس میں منسلک ہو کر ہمیں آزادی افکار کی نعمت نصیب ہوئی؛ اس کے متعلق بھی علامہ ہی کی زبان سے سنیئے!

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم　　　ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

نیز ——— گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ　　　آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

غضب تو یہ ہوا کہ اسلام کے نظام اشتراکیت (زکوٰۃ و صدقات وغیرہ) کے چلانے والے دنیا میں نہ رہے، جبھی تو عصر حاضر کو کارل مارکس کے آستانہ پر جھکنا پڑا۔

عزیز من! تم ادیب ہو، تصنیف کی مشکلات سے آگاہ ہو۔ کیا تم حیرت و تعجب کے سمندر میں غرق نہیں ہو جاتے، یہ دیکھکر کہ تہذیب و تمدن سے بہت دور، عرب کے کہانت پسند

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴) نرم و گرم حیلے تجویز کئے ہیں اور آئندہ تجویز کئے جائیں گے وہ سب اس ایک لفظ (استضعفوا) کی شرح ہیں اور الارض کے تعلق نے تمام وابستگان ارض بالخصوص کسان کی کہ ابتدائی مزدور ہے، تصویر کھینچ دی ہے۔

قرآن دنیا کی فلاح و بہبود کو عموماً عاقبت کی فلاح کا مقدمہ قرار دیتا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۰/۱۱ (ترجمہ) ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ خدا کی باتیں بدلتی نہیں، یہی تو بڑی کامیابی ہے!

مسلمانوں کے اتباع قرآن کا دنیوی ثمرہ الفاظ ذیل میں بیان فرمایا ہے وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ ۱۹/۲۱ اور ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے اموال کا تم کو وارث بنایا۔ اچھوتوں، حریدوں اور غلاموں کو ابھارنے کیلئے قرآن کی رہنمائی میں پیغمبرؐ اور جانشینان پیغمبر نے جو کچھ کیا، اس کی نظیر پیش کرنے سے مہذب دنیا کی ساری روئیداد قاصر ہے۔ اسلامی مؤرخین کے اس دعویٰ پر اہل مغرب کی بہت سی شہادتیں پیش کی جاسکتی ہیں، جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ منہ

تو تم پرست اور محو جہالت ریگستان کے ایک گوشے سے اچانک ایک ان پڑھ شخص اٹھتا ہے اور دنیا کے سامنے ایک ایسی "کتاب" پیش کر دیتا ہے جس میں عقل و بصیرت کو اتنی مرتبہ مختلف پیرایوں میں اپیل کیا گیا ہے کہ افلاطون وارسطو کے زمانے سے لیکر آج تک کوئی تصنیف اس کے برابر نہیں رکھی جاسکتی۔ کیا تم نے تمام دنیا کی لائبریریوں میں اس آیت کا مترادف جملہ دیکھا ہے ؟ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ [۱] کیا قرآن کے سوا اس سے پہلے کسی کو یہ کہنے کی توفیق ہوئی ؟ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ [۲] اس کتاب کے فصیح و بلیغ اور مختصر و کافی جملے جن میں روح و مادہ کے قوانین فلاح و بہبود معاشرت و تمدن کے اعلیٰ اصول جنگ و امن اور تعزیر و سیاست کے بنیادی قواعد زمین و آسمان کے متعلق علوم و فنون کی طرف مؤثر ترغیب وغیرہ سب کچھ موجود ہے، تمہیں کیوں حیران نہیں کرتے ؟ تم شعر و ادب کے ماہر ہو تم نے اس کتاب عظیم کو کس طرح ناقابل توجہ سمجھ لیا ؟ جس کے شدید مخالفین بھی اس کو "سحر" کہنے پر مجبور ہو گئے تھے ـــــــ تم جس شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کا مصنف کہتے ہو کیا اس کتاب نے کئی دفعہ اس کی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو فاش نہیں کیا ؟ اس کو بار بار تنبیہ نہیں کی ؟ اس کو آنے والے عذاب سے نہیں ڈرایا ؟ اس کو توبہ و استغفار کیلئے مجبور نہیں کیا ؟ پھر کیا یہ اسی کی اپنی تصنیف ہوسکتی ہے ؟ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اپنی طرف سے ایک بات کہہ کر اس کو اللہ کے ذمے لگا دے"۔ یہ بھی اسی کتاب میں کئی جگہ لکھا ہے (انعام، اعراف، یونس، کہف وغیرہ)

نیز لکھا ہے کہ اس کتاب کے عامل غالب ہوں گے، کیا نہیں ہوتے ؟

لکھا ہے کہ اس کتاب کی حفاظت کی جائے گی، کیا تمام کتب قدیمہ کے بخلاف اس کی حفاظت نہیں ہوئی ؟ لکھا ہے کہ یہود ہمیشہ ملعون و مطرود رہیں گے، کیا آج تک ایسا نہیں ہو رہا ؟ لکھا ہے کہ روم چند سال ہی میں فارس پر غالب آ ئے گا، کیا تاریخ میں اس کی شہادت نہیں ؟ لکھا ہے کہ اس کا پیش کرنے والا (صلی اللہ علیہ وسلم) حمد و ستائش کے مقام کا مستحق ہو گا اور اس کا تذکرہ بلند ہوگا، کیا یہ سچ ثابت نہیں ہوا ؟ کہاں تک لکھتا جاؤں، نہ میرا اتنا حافظہ، نہ تمہیں اتنے طویل خط کو پڑھنے کی فرصت ! ایک دفعہ پھر عرض کرتا ہوں کہ ذرہ اس خیال سے کہ اتنی عظیم و کریم کتاب جھوٹ کا پلندا ہوسکتی ہے، اور اس کے اندر مذکور تمام

---

[۱] اور جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، خدا ان پر نجاست ڈال دیتا ہے [۲] اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

تمام انبیا و ابرار جھوٹ کے مُبلّغ تھے اور اُس کے بعد پیدا ہونے والے تمام اولیا عملی جھوٹ کے پرستار تھے۔ اپنے عقائد پر نظرِ ثانی کرو۔ خدا کے فضل سے تمہارا وقت اچھا گذر رہا ہے تمہارے گرد احباب و اعزہ کا جھرمٹ رہتا ہے، تمہاری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں تمہیں خدا کی طرف ہاتھ اُٹھانے کی ضرورت نہیں پڑتی، تمہارے پاس وقت نہیں ہے کہ تم مذہب کی طرف توجّہ کر سکو۔ تمہارے لئے نماز کی فرصت نکالنا دشوار ہے لیکن میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ تمہیں اب بھی نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت ہے۔ اِسی ایک صفت کو میں مخاطب کر رہا ہوں اور اُسی کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ اپنے وقت کی قدر کرو۔ اُن نعمتوں سے منعم کو پہچانو۔ اور قرآن کی ان آیتوں پر نظر کرو[۱]، جن میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ دنیوی آسائشوں نے اکثر لوگوں کو خدا سے بے پروا کر دیا، اور آخر ان آسائشوں نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا۔ اقبال رحمہ نے سچ کہا ہے ؎

سالہا گردِ جہاں گردیدہ ام   نم بچشمِ منعماں کم دیدہ ام

---

[۱] وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ الخ ۳۴/۲۲ "ہم نے جب بھی کوئی ڈرانے والا کسی بستی میں بھیجا تو اُس کے آسودہ حال لوگوں نے انکار کر دیا۔ اور اپنے اموال و اولاد کی اکثریت پر ناز کیا۔ کہہ دے۔ رزق کی کمی بیشی اللہ کے اختیار میں ہے، لیکن اکثر لوگ اس راز سے واقف نہیں۔ اور مال و اولاد سے قربِ خداوندی نہیں ملتا۔ ہاں ایمان اور عمل صالح سے یہ دولت میسّر آتی ہے"۔

واصحاب الشمال الخ ۵۶/۴۱ "بائیں جانب کے لوگ گرم ہوا، گرم پانی اور دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے جس میں نہ ٹھنڈک ہے نہ عزت ہے۔ یہ لوگ اس انجام تک پہنچنے سے پہلے آسودہ حال تھے اور برائی پر مُصِر تھے اور قیامت کے منکر تھے"۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا الخ ۷۴/۱۱ اُس شخص کو مجھ پر چھوڑ دے جس کو میں نے بعض صفات میں بے مثل بنایا ہے، اسے بہت مال دیا، نامور بیٹے دیے اور بہت سے سامان دیے، اس پر بھی وہ قانع نہیں ہے، اور ہماری آیات سے عناد کرتا ہے۔ میں اس کا جلدی ہی انتظام کروں گا، وہ عجیب و غریب اندازے لگاتا اور تفکر کرتا ہے، تیوری چڑھاتا اور منہ بناتا ہے، پیٹھ پھیرتا اور تکبر کرتا ہے اور کہتا ہے "یہ ایک منقولی سحر ہے یہ قرآن بشر (محمدؐ) کا کلام ہے"۔ میں اسے جلدی ہی دوزخ میں داخل کروں گا الخ۔ راقم الحروف کی دلی تمنّا ہے کہ ہم کا کوئی دوست اس آیت کی لپیٹ میں نہ آجائے نعوذ باللہ منہا (باقی صفحہ ۵۸ پر)

حضرت زکریاؑ کے بیان میں آیا ہے:

قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ	(زکریا نے) خدا تعالیٰ سے دُعا کی، اے میرے پروردگار!
ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝	مجھ کو اپنے حضور سے نیک اور پاکیزہ اولاد عطا کر بیشک
فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ يُصَلِّي	تو دُعا سُنتا ہے۔ پھر فرشتوں نے زکریا کو آواز
فِي الْمِحْرَابِ لا أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ	دی اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ بے شک
بِيَحْيَىٰ الخ	خدا تعالیٰ تجھ کو (ایک فرزند) یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم نماز میں خدا تعالیٰ سے اپنی اپنی ضروریات کے لئے دُعائیں مانگ سکتے ہیں

اسلام کے ارکان و فروع یعنی نماز وغیرہ کے بارے میں، عہد حاضرہ کے ایک فاضل امام علامہ رشید رضا مصری رح نے اپنی کتاب الوحی المحمدی میں، دو ایک بہت ضروری باتیں لکھی ہیں ہم انہیں سائل کی مزید تسلی کے لئے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

"آپ قرآن میں دیکھیں گے کہ وہ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر تو بار بار کرتا ہے، مگر نماز اور زکوٰۃ کے شرائط اور احکام کی تفصیل بیان نہیں کرتا۔ وہ نہ نماز کی رکعتیں بتاتا ہے، نہ رکوع و سجود کی تعداد بیان کرتا ہے، نہ جنس و مال کی شرح زکوٰۃ بتاتا ہے کیوں کہ یہ چیزیں محض عددی اور حسابی ہیں۔ اُن کے پڑھنے سے رُوح میں صفائی اور ایمان میں قوت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے بجائے آپ دیکھیں گے کہ قرآن ہر عبادت کا فایدہ بتائے گا، حکمت بتائے گا، رُوح، حقیقت اور اصول بیان کرے گا، کیونکہ عبادت کی رُوح اور حقیقت ہی دراصل اعمال کی اصلاح کا ذریعہ ہے۔"

نماز کی صحیح حقیقت کے بارے میں حضرت خواجہ احمد الدین رح نے اپنی تفسیر "بیانٌ للنّاس" کی پہلی منزل میں، بڑی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔ (س)

جان گنتھر اور اسلام

(مولانا محمد عباس صاحب طالب صفوی)

جارج سیل سے لے کر ہمارے زمانے تک یورپ کے متعدد مفکرین نے اسلام کے خلاف خامہ فرسائی فرمائی اور بلا استثنائے واحد سب نے چند بے بنیاد واقعات پر اپنے حجج و براہین کی بنا رکھی۔ کسی نے قرآن حکیم کا خود ساختہ مطلب پیش کیا، کسی نے موضوع اور متروک احادیث کے دامن میں پناہ لی، کسی نے غیر معتبر مؤرخین کی آڑ پکڑی اور کسی نے اپنی دماغی کاوش سے وہ واقعات تصنیف فرمائے، جن کا وجود کسی معتبر کتاب کا کیا ذکر غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں۔

موجودہ زمانے کے مشہور امریکن سیاست دان جان گنتھر نے یورپ اور ایشیا کی طولانی سیاحت کے بعد دو کتابیں سپردِ قلم فرمائیں، جن کا نام "اِن سائڈ یورپ" اور "اِن سائڈ ایشیا" ہے

مصنف کا قول ہے کہ میں نے ہر ہر واقعے اور حوالے کی دو مرتبہ تصحیح کی ہے اور مسودے کے اکثر اجزا ماہرین کی نظر سے گزر چکے ہیں (اِن سائڈ ایشیا صفحہ ۲) اس کے باوجود یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ فاضل مصنف نے اسلامی عقائد اور اسلامی تاریخ بیان کرنے میں فاش غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔

لائق مصنف کا اسلام کے مختلف فرقوں کے عقاید سے بے خبر ہونا چنداں تحیر خیز نہیں ہے، اس لئے اگر انہوں نے ہز ہائی نس سر آغا خان کو جماعت اسمٰعیلیہ کا تیرھواں امام لکھا (صفحہ ۴۴۷) تو یہ بات ایک حد تک قابل گرفت نہیں ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول مقبول صلعم کا برادر نسبتی اور حضرت علی علیہ السلام کو آنحضرت صلعم کا پسر متبنّٰی تحریر کرنا وہ عدیم المثال تسامح ہے جس پر تاریخ سر پیٹتی ہے اور تحقیق ماتم کرتی ہے (ملاحظہ ہو اِن سائڈ ایشیا صفحہ ۵۶۹)

پیغمبر اسلامؐ کے متعلق مسٹر جان گنتھر نے بعض عجیب و غریب باتیں تحریر کی ہیں جن کا ثبوت

کسی غیر معتبر سے غیر معتبر کتاب میں بھی موجود نہیں ہے۔ مثلاً صفحہ ۵۶۶ پر لکھتے ہیں: "محمدؐ کو مشکل سے ایک مثالی انسان کہا جا سکتا ہے۔ عام طور سے مشہور تھا کہ وہ ظالم، پُر شہوت اور مغرور تھے" حالاں کہ حقیقت امر یہ ہے کہ اپنوں کا کیا ذکر، مشرکین قریش بھی آنحضرت صلعم کو عداوت و مخالفت کے باوجود صادق اور امین کہتے تھے۔ لُطف بالائے لُطف یہ ہے کہ خود جان گنتھر نے چند سطر قبل لکھا ہے کہ "محمدؐ ایک مقدس آدمی تھے جو امین کے لقب سے مشہور تھے (ص ۵۶۶ سطر اول) کیا دروغ گو را حافظہ نباشد کی اس سے بہتر مثال مل سکتی ہے؟

اسی صفحے پر پھر تحقیق و تدقیق کے دریا بہاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "محمدؐ کی ایک بیوی صفیہؓ نامی یہودن تھیں جن کے شوہر کو محمدؐ نے اپنی شادی سے ایک رات قبل قتل کر ڈالا تھا"۔ اسی طرح انہوں نے ایک لڑائی کے بعد تمام یہودی قیدیوں کو قتل کر دیا۔ کوئی اس مرد خدا سے پوچھے کہ اس طرح کے بے سروپا واقعات بیان کرنے سے عیسائی مذہب کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اسلام کا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟

ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے اس امر کی کہ کوئی با اثر مسلمان مسٹر جان گنتھر کو ان طفلانہ اغلاط کی طرف متوجہ کرے تاکہ طبع ثانی میں ان بے سروپا واقعات کا وجود نہ رہے۔

تقریظات

رسالہ دینیات | مؤلفہ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ کاغذ اور لکھائی چھپائی بہتر، سائز معمولی، قیمت مع محصولڈاک ۸؎ ملنے کا پتہ: دفتر ترجمان القرآن، ملتان روڈ لاہور۔

یہ کتاب دیباچہ کے علاوہ سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں اسلام، ایمان اور اطاعت، نبوت، ایمان مفصل، عبادات، دین اور شریعت کے احکام کے متعلق مولویت سے بالاتر ہو کر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب بحیثیت مجموعی اچھی ہے اور اس قابل ہے کہ مسلمان اس کا بغور مطالعہ کریں۔

اس ضمن میں ہمیں دو ایک امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے صفحہ ۵۰ پر مودودی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ پچھلے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کے بھی صحیح اور معتبر حالات آج کہیں نہیں ملتے یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس زمانے میں پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ کیا کام

اُنہوں نے کیئے! کس طرح زندگی بسر کی؟ کن باتوں کی تعلیم دی اور کن باتوں سے روکا؟ یہی اُن کی موت ہے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، کیوں کہ ان کی تعلیم و ہدایت زندہ ہے۔"

افسوس کہ ہم اس بات سے متفق نہیں ہیں، کیوں کہ بنی نوع انسان کی تعلیم کے لیے جس قدر انبیاء کے معتبر اور صحیح حالات کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جمع فرما دیے ہیں اور اس باب میں باقی تمام کتابوں سے ہمیں مستغنی کر دیا ہے یعنی اگر مودودی صاحب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے مراد ان کی تعلیم ہی کا زندہ ہونا ہے، تو پھر قرآن میں تو اُن کی تعلیم پوری زندگی کے ساتھ موجود ہے، لہٰذا وہ سب کے سب زندہ ٹھہرے۔ ایک مقام پر یعنی صفحہ ۹، پر خود مؤلف نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ "قرآن کوئی نئی اور انوکھی کتاب نہیں ہے، بلکہ اُسی تعلیم کو زندہ کرنے کے لیے بھیجی گئی ہے، جس کو پہلے زمانہ کے لوگوں نے بھلا دیا تھا۔"

اور اگر بقول مؤلف فی الواقع انبیاء سابقین زندہ نہیں تھے اور ان کی تعلیم فی الواقع مردہ ہو گئی تھی تو آنحضرت صلعم کو خدا تعالیٰ کبھی یہ حکم نہ دیتا کہ "ملت ابراہیمؑ حنیف کی پیروی کرو"! کیا مودودی صاحب کے نزدیک اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی تعلیم موجود تھی؟ قطعاً نہیں! لیکن وہی تعلیم چوں کہ قرآن حکیم کے ذریعے زندہ کر دی گئی تھی، اس لئے اس کے اتباع کا حکم دیا گیا۔

دوسرے تمام انبیاء کی تعلیم بھی اسی طرح وحی کے ذریعے دوبارہ زندگی کی گئی۔

مودودی صاحب کے ان الفاظ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ساتھ "حضرت مسیح علیہ السلام بھی فوت ہو چکے ہیں"!

مؤلف کا یہ عقیدہ کہ "جب ایک نبی زندہ اپنے عہدے پر موجود ہو تو دوسرا نبی کیسے آ سکتا ہے"؟ بھی از روئے قرآن درست ثابت نہیں ہوتا، کیوں کہ ایک ہی وقت میں ایک نبی کی زندگی میں کئی کئی نبی مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ چوں کہ دین مکمل ہو چکا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ بھی فرما لیا ہے، لہٰذا اب کسی اور نبی کی ضرورت باقی نہیں رہتی،

آپ کا یہ فرمان بھی قرآن حکیم میں نہیں ملتا کہ "اللہ تعالیٰ نے امیروں کی دولت میں غریبوں کے لئے کم از کم اڑھائی فی صدی حصہ (زکوٰۃ) مقرر کر دیا ہے"۔ غریبوں کے لئے خیرات یا انفاق مال کا حکم تو بے شک قرآن مجید میں موجود ہے مگر آپ نے ۲½ فی صدی کی تخصیص کہاں سے پیدا کر لی؟

صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ "تمام دُنیا کی قوموں کو ہدایت کی گئی ہے کہ قرآن پر ایمان لائیں اور تمام کتابوں کو چھوڑ کر صرف اسی ایک کتاب کی پیروی کریں کیوں کہ انسان کو خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے جس قدر ہدایات کی ضرورت ہے، وُہ سب اس میں بے کم و کاست بیان کردی گئی ہیں، یہ کتاب آجانے کے بعد کسی دُوسری کتاب کی حاجت ہی باقی نہیں رہی۔" کاش مسلمان اس حقیقت پر غور کریں، زید بکر عمر کی قصّہ کہانیوں اور "بدل قرآن" کو چھوڑ کر حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑیں اور فلاح دارین حاصل کریں۔

حج کے متعلق آپ کا یہ ارشاد بہت خوب ہے کہ "حج اگر ایک طرف خدا کی عبادت ہے، تو اس کے ساتھ ہی وُہ تمام دُنیا کے مسلمانوں کی کانفرنس بھی ہے اور مسلمانوں کی قوم میں اتحاد پیدا کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے" ـــــــ واقعی اگر مسلمان حج کے اس مقصد عظیم کو پیش نظر رکھتے تو یُوں دُنیا میں ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ "ط"

موجُودہ جنگ اس نام کی ایک کتاب "محکمۂ اصلاح دیہات پنجاب لاہور" کی طرف سے حال ہی میں شائع ہُوئی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ موجُودہ جنگ میں پنجاب کا حصّہ لینا کیوں ضروری ہے؟ جن لوگوں کو سیاسی حالات سے دلچسپی ہو وُہ محکمہ مذکور کے دفتر سے مُفت طلب کرسکتے ہیں۔ (س)

---

(۷۸) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ اور (یہ واقعہ اس لائق تھا کہ اُس کی یاد آئندہ آنے والی نسلوں کی عبرت و بصیرت کے واسطے محفوظ رکھی جائے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ) ہم نے پیچھے آنے والے لوگوں میں اُس کا تذکرہ (باقی) چھوڑ دیا۔

(۷۹) سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ۝ (دُنیا کی تقریباً ساری قومیں حضرت نوحؑ کو نیکی اور سلامتی کے ساتھ یاد کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ) تمام جہانوں میں نوحؑ پر سلامتی ہے!

(۸۰) إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ (اور یہ بات صرف حضرت نوحؑ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ تمام نیکوکار بندوں کو ہم اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

(۸۱) إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ بے شک وہ (نوحؑ) ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

(۸۲) ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ۝ پھر دوسروں کو (یعنی بدکار اور سرکش لوگوں کو) ہم نے غرق کر دیا۔

(۸۳) وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ (اب حضرت ابراہیمؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے) اور یقیناً ابراہیمؑ بھی اسی کی جماعت سے (تعلق رکھتے) تھے۔ (حضرت نوحؑ دُنیا میں توحید کا پیغام لے کر آتے تھے اور یہی حضرت ابراہیمؑ کی نبوت کا مقصد تھا)[ا]

(۸۴) إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ جب وہ اپنے پروردگار کے حضور سلامتی والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

(۸۵) إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ جب اُس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا، یہ (بُت) کیا ہیں، جن کی تم پوجا کرتے ہو؟

(۸۶) أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ کیا جھوٹ (بناکر) اللہ کے سوا

[ا] قرآن پاک سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ تمام انبیائے کرام خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہی غرض و غایت لے کر آئے تھے۔ اُن کی تعلیم میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے، کیوں کہ ایک کے انکار سے سب کا انکار لازم آئے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ خدا کا انکار ہے، جو صریحاً کفر و بغاوت ہے۔

دوسرے معبودوں کو تم چاہتے ہو ؟

(۸۷) فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ تمام جہانوں کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے (کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تمہارے کفر و شرک کو نظر انداز کر دے گا اور تمہاری بداعمالیوں پر تمہیں کوئی سزا نہ دی جائے گی ؟)

(۸۸) فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ○ پھر اُس نے (یعنی ابراہیمؑ نے) ستاروں کی طرف ایک نظر دیکھا۔

(۸۹) فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ○ اور کہا' مَیں تو (تمہارے مُشرکانہ اعمال کو دیکھ دیکھ کر) بیمار (ہوگیا) ہوں۔

(۹۰) فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ○ پھر وہ (لوگ) اُس سے پیٹھ پھیرتے ہوئے لوٹ گئے۔

(۹۱) فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ○ پھر (ابراہیمؑ) اُن کے معبودوں کی طرف متوجہ ہُوا اور کہا' کیا تم (کھانا) نہیں کھاتے ؟

(۹۲) مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ○ تمھیں کیا ہُوا ؛ تم بولتے نہیں ؟

(۹۳) فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ○ پھر (انہیں بالکل خموش اور بے حقیقت پتھر سمجھ کر' ابراہیمؑ نے) انہیں داہنے ہاتھ سے مارنا شروع کیا۔

(۹۴) فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ○ تو وہ لوگ دوڑتے ہُوئے اس کے پاس آئے۔

(۹۵) قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ اُس نے کہا؛ کیا تم اُن (بتوں) کی عبادت کرتے ہو' جنہیں تم (خود اپنے ہاتھوں سے) تراشتے ہو۔

(۹۶) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اور (پتھر کی بے جان مُورتیوں کی پُوجا تو کسی بھی صُورت میں جائز نہیں' عبادت کے لائق وہی ایک اللہ (ہے جس) نے تمھیں پیدا کیا اور جو کچھ تم بناتے ہو (یعنی پتھروں کا خالق بھی وہی ہے)

(۹۷) قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ○ (بُت پرستوں سے اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا) وہ (غصے میں آکر) پکار اُٹھے' اس کے لئے (یعنی ابراہیمؑ کے لئے) ایک عمارت بناؤ (اس عمارت میں لکڑیاں جمع کر کے آگ تیار کردو اور) پھر (اُس دہکتی ہُوئی) آگ میں اُس کو ڈال دو!

(۹۸) فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْأَسْفَلِيْنَ ○ پس انہوں نے اُس کے ساتھ ایک داؤ کھیلنا چاہا (وہ ان کو کسی نہ کسی طرح آگ میں ڈالنا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو صاف بچالیا) اور (اُلٹا) اُن (کے دشمنوں) کو ذلیل (ورسوا) کردیا۔

(۹۹) وَقَالَ إِنِّيْ ذَاهِبٌ إِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ○ اور (جب دشمنوں کی ریشہ دوانیوں اور مخالفتوں کی انتہا ہوگئی تو آپ نے بابل سے شام کی طرف ہجرت کرنے کا خیال کرلیا۔ یہ ہجرت، خدا ہی کی طرف جانے کے مترادف ہے، کیوں کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی خاطر کیا جاتا ہے، وہ اللہ ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ ابراہیم نے) کہا: مَیں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔ وہ جلد ہی مجھ کو (کامیابی کی) راہ دکھلا دے گا۔

(۱۰۰) رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ (آپ شام میں چلے جاتے ہیں، تو بڑھاپے اور تنہائی کی تکلیفوں سے اکتا کر، خدا تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں) اے میرے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا کر جو صالحین میں سے ہو۔

(۱۰۱) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ (دعا قبول ہوتی ہے) پس ہم نے اس کو ایک بُردبار بیٹے کی خوش خبری دی۔

(۱۰۲) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۚ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ پس جب وہ (لڑکا یعنی اسحٰق) اُس (ابراہیمؑ) کے ساتھ کوشش کرنے لگا (یعنی کام کاج میں ہاتھ بٹانے کے قابل ہوگیا تو اُنہی دنوں حضرت ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا، چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے کو) کہا: اے میرے چھوٹے بیٹے! (آپ کا بڑا بیٹا اسمٰعیلؑ، خدمت کعبہ کے لئے عرب ہی میں رہ گیا تھا، وہ اُس وقت ساتھ نہیں تھا) مَیں خواب میں دیکھتا ہوں کہ مَیں تجھے ذبح کررہا ہوں۔ تو دیکھ (اس بارے میں) تیرا کیا خیال ہے؟ (اسحٰق نے) کہا: اے میرے باپ! (میری اس میں کیا رائے ہوگی؟) جو حکم تجھے دیا گیا ہے (بلا تردد اُس پر عمل) کر۔ اگر اللہ نے چاہا، تو قریب ہے کہ تو مجھے صابروں میں پائے۔

(۱۰۳) فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِيْنِ ○ پس جب دونوں (ایک فیصلے پر) متفق ہوگئے (یعنی باپ ذبح کرنے پر اور بیٹا ذبح ہونے پر) تو اُس (ابراہیمؑ) نے (اسحٰق کو)

ماتھے کے بل لٹادیا۔

(۱۰۴) وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ لا اور ہم نے اُسے پکارا کہ اے ابراہیم!

(۱۰۵) قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ج اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ o تو نے (تو) خواب ہی کو سچ کر دکھایا (حالانکہ خواب کچھ ہوتا ہے اور اس کی تعبیر کچھ ہوتی ہے ـــــ قرآن حکیم میں حضرت یُوسف علیہ السلام کے تذکرے میں دو ایک خواب بیان ہُوئے ہیں' ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خواب کی تعبیر اس کے مشاہدے سے بالکل الگ چیز ہے مثلاً ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے اور دوسرے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیاں ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں' حضرت یوسف ان خوابوں کی تعبیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

اَحَدُكُمَا فَيَسْقِىْ رَبَّهٗ خَمْرًا ج وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ (سُورۂ یوسف)

تم میں سے ایک اپنے بادشاہ کو شراب پلانے پر مامور ہو جائے گا اور دوسرا سُولی پر چڑھایا جائیگا اور اس کے سر کو پرندے نوچیں گے!

اسی طرح عزیز مصر کا وہ خواب' جس میں سات موٹی گائیں اور سات دُبلی اور سات ہری بالیں اور سات خشک دکھائی گئی تھیں' اپنی ایک مستقل تعبیر رکھتا ہے' یعنی سات برس غلہ کثرت سے ہُوا اور سات برس مسلسل قحط پڑا۔ ان حقائق کو سامنے رکھا جائے' تو یہ باور ہی نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابراہیمؑ جہاں خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں' وہاں سچ مچ اسحٰقؑ کا مادی طور پر ذبح کرنا ہی مراد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جوں ہی وہ اُس کو ماتھے کے بل پچھاڑتے ہیں' امرِ الٰہی اُن کو اس فعل سے روک دیتا ہے۔

پس تنہا بیٹے کو ذبح کرنے کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ حضرت اسحٰقؑ تمام عمر کے لئے خدمتِ دین کی راہ میں قربان ہوتے رہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے منصبِ نبوّت پر فائز ہوئے اور ساری عمر توحید کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

مگر حضرت ابراہیمؑ کا یہ جذبہ کہ اپنے لختِ جگر کو خدا کے نام پر فی الحقیقۃ قربان ہونے پر تیار ہو گئے' بڑا ہی مبارک جذبہ ہے۔ گو خدا تعالیٰ کے نزدیک اُن کے طریقِ عمل میں غلطی تھی' مگر صدق و خلوص اور جوشِ اطاعت کا جو پاکیزہ جذبہ اُن کے دل میں موجود تھا' ناممکن تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور سے مستحقِ انعام نہ سمجھا جاتا۔ اس مبارک جذبے کی پہلی جزا یہ تھی

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کی جان بچائی، اور ایک معمولی قربانی کے بجائے ہمیشہ باقی رہنے والی قربانی سے سرفراز کیا۔ دوسری جزا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کے طور پر باقی رکھا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں!

(۱۰۶) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ درحقیقت یہ (واقعہ) ایک واضح آزمائش تھی (حضرت ابراہیمؑ اس آزمائش کو سمجھ نہ سکے اور خواب کے ظاہری دکھاوے پر ہی عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے عین موقعہ پر اُن کو اس بلا سے نجات عطا فرمائی اور اُن سے جو لغزش ہوا چاہتی تھی اس کو روک دیا)

(۱۰۷) وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ اور (ہم نے اس (اسحاق) کو ایک بڑی قربانی کا فدیہ دیا (یعنی اُن کو زندہ رکھا، تاکہ وہ ساری عمر خدا کی راہ میں قربان ہوتے رہیں)

(۱۰۸) وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ اور ہم نے پیچھے آنے لوگوں میں (ابراہیم کی یاد کو باقی) چھوڑ دیا (آپ کو دُنیا کی تمام قوموں کے نزدیک عزت و احترام حاصل ہے)

(۱۰۹) سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِیْمَ ۝ (پس) ابراہیم پر (تمام دُنیا کی قوموں کی طرف سے) سلامتی ہو۔

(۱۱۰) كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (اللہ کی راہ میں) نیک کام کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۱۱۱) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بے شک وہ (ابراہیم) ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا۔

(۱۱۲) وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ اور (اب ذبح عظیم کی تشریح ہوتی ہے، یعنی) ہم نے اس (ابراہیم) کو خوش خبری دی کہ اسحاق نبی ہوگا (ایسا نبی جس کا شمار) صالحین میں سے (ہوگا) اس آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدیۂ مینڈھے کی قربانی کا فدیہ نہ تھا، بلکہ اسحاقؑ کی نبوت کا فدیہ تھا۔ اگر اسحاقؑ ذبح ہو جاتے تو بشارت کا موقعہ کس طرح پیدا ہوتا؟

(۱۱۳) وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ۝ اور ہم

نے اُس (یعنی ابراہیمؑ) پر اور اسحاقؑ پر برکت (عطا) کی۔ (یہ برکت محض اُن کے نیک اعمال کی وجہ سے تھی۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک نسل و خون کے رشتے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ بُرا شخص ہر حالت میں بُرا ہے، خواہ پیغمبر کی اولاد ہی میں کیوں نہ داخل ہو اور نیک شخص بہرحال نیک ہے اگرچہ اُس کے آباؤ اجداد انتہائی طور پر بدکار و بدعمل رہ چکے ہوں۔ پس یہی وجہ ہے کہ) اُن دونوں (یعنی ابراہیم اور اسحٰق) کی اولاد میں نیکوکار (بھی پیدا ہوتے رہے ہیں) اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی (یہاں تک کہ انہی کی اولاد میں سے گوسالہ پرست بھی پیدا ہوئے)

رکوع چہارم | چوتھے رکوع میں خدا تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا چند الفاظ میں ذکر فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ اُن پر کیا کیا مہربانیاں کی گئیں۔ اُن پر خدا تعالیٰ کا پہلا احسان یہ تھا کہ اُن کو اور اُن کی قوم کو فرعون کے ظلم و ستم سے نجات عطا فرمائی۔ دوسرا احسان یہ تھا کہ اُن کو زمین کی حکومت عنایت کی گئی۔ تیسرا احسان یہ تھا کہ انہیں کتاب عطا کی گئی اور چوتھا بڑا احسان یہ تھا کہ اُن کو سیدھے راستے کی ہدایت کی گئی۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا (یعنی ہم نے ان پر احسان کیا) کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ہارونؑ سے جو کام اِس دنیا میں لئے گئے، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی کا نتیجہ ہیں۔ اگر اُس کا فضل شامل حال نہ ہو، تو کوئی خدمت سرانجام نہیں دی جا سکتی۔

اس کے بعد حضرت الیاسؑ کا ذکر ہے۔ اُن کی قوم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ "بعل" (ایک بُت کا نام) کی پرستش کرتی تھی۔ آپ نے اُن کو اِس مشرکانہ فعل سے منع کیا، مگر وہ لوگ باز نہ آئے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ انہیں عذابِ الٰہی میں گرفتار کیا گیا۔ ہاں، نیکوکار بندے بچا لئے گئے۔ اِس کے بعد حضرت لُوطؑ کا ذکر ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اُن کے متعلقین کو نجات دی اور سرکشی کرنے والے لوگوں کو ہلاک کیا۔ البتہ حضرت لُوط کے متعلقین سے بھی ایک عورت ایسی تھی جو بدکردار لوگوں کے ساتھ ہی ہلاک کر دی گئی، کیوں کہ وہ شریر لوگوں کی مددگار تھی اور اُن کے ساتھ خفیہ طور سے ساز باز رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن لوگوں کی تباہی اور بربادی کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر عبرت دلاتا ہے کہ ہم بداعمالیوں سے بچتے رہیں۔ اِس جگہ یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ یہاں حضرت لُوط پر انفرادی طور سے سلام نہیں لایا گیا، کیوں کہ انہوں نے اپنی قوم

کی بداخلاقیوں کی کھلی مخالفت نہیں کی تھی اور اُن کے مقابلے میں جُرأت کے بجائے کمزوری کا ثبوت دیا تھا)

(۱۱۴) وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اور (حضرت موسیٰ حضرت ہارُون اور اُن کی قوم بہت بڑی مصیبت میں مبتلا تھی، جب کہ) ہم نے موسیٰ اور ہارون پر اپنا احسان کیا۔

(۱۱۵) وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ہم نے اِن دونوں کو اور اُن دونوں کی قوم کو بڑی (دردناک) مصیبت سے (یعنی فرعون کے ظلم و استبداد سے) نجات دی۔

(۱۱۶) وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ اور (صرف نجات ہی نہیں بخشی، بلکہ) ہم نے ان کی مدد (بھی) کی اور وہ (فرعون کے مُلک و مال پر) غالب (بھی) ہوئے (ایسی بے بس اور کمزور قوم کو حکومت و سلطنت کا حاصل ہو جانا، تصرفِ الٰہی نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کتنی ہی مظلوم قوموں کو، ذلّت و نکبت کی پستیوں سے اُٹھا کر عزت و شوکت کی بلندیوں پر فائز کیا، پس یہ بھی اس کے تصرف کی ایک مثال ہے)

(۱۱۷) وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ اور اُن دونوں کو (یعنی موسیٰ و ہارون کو) ہم نے ایک واضح کتاب (یعنی توریت) عطا کی۔

(۱۱۸) وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ اور ہم نے اِن دونوں کو ہدایت دے کر ایک سیدھے راستے پر چلایا۔

(۱۱۹) وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝ اور پیچھے آنے والے لوگوں میں اُن کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ:

(۱۲۰) سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ سلامتی ہو موسیٰ و ہارُون پر۔

(۱۲۱) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بے شک ہم نیک بندوں کو ایسا ہی اجر دیا کرتے ہیں۔

(۱۲۲) اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بے شک وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے

(۱۲۳) وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ اور الیاس (بھی ہمارے) رسولوں میں سے (ایک رسول) تھا (اور اس کی تعلیم بھی وہی توحید تھی، جو تمام نبیوں کی تعلیم و ہدایت کا مرکز ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے)

(۱۲۴) اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ جب اس نے اپنی قوم کو (وعظ و نصیحت کرتے ہوئے) کہا کہ تم (لوگ اپنی نافرمانیوں سے باز کیوں نہیں آتے اور اللہ سے) کیوں نہیں ڈرتے ؟

(۱۲۵) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ○ (بڑے افسوس کا مقام ہے کہ) کیا تم بعل (یعنی سورج) کو پکارتے (اور اس کی پرستش کرتے) ہو اور سب سے اچھے پیدا کرنے والے (خدا) کو چھوڑتے ہو! (عبادت خالق کی ہونا چاہیے نہ کہ مخلوق کی)

(۱۲۶) اللّٰہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ (عبادت کا استحقاق تو صرف اللہ (ہی کو پہنچتا ہے جو نہ صرف) تمہارا پروردگار ہے، بلکہ تمہارے اگلے باپ دادوں کا (بھی) پروردگار (ہے)

(۱۲۷) فَکَذَّبُوْہُ فَاِنَّہُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ پس (الیاس کی قوم نے) اس کو جھٹلا دیا (اور ان کی سرکشی کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ وہ (عذاب الٰہی کے سامنے) حاضر کیے گئے۔

(۱۲۸) اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ○ مگر (یہ عذاب صرف شریروں ہی کو دیا گیا تھا۔ اللہ کے مخلص بندے اس سے بچا لیئے گئے)

(۱۲۹) وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ہم نے اس کا (یعنی حضرت الیاس کا ذکر خیر) پیچھے آنے والے لوگوں میں چھوڑ دیا۔

(۱۳۰) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ الیاسین پر سلامتی ہو!

(۱۳۱) اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ○ ہم (اپنے) نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۱۳۲) اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ○ بے شک وہ (الیاس ؑ) ہمارے ایماندار

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ✦

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ✦

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو ✦

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام متشابہ قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ✦

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے ✦

(۶) قانون وراثت کا احیا ✦

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:- منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (سے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرت سر

The Naseer Printing Press, Amritsar.

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

دسمبر ۳۶ء

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

برائے تبصرہ

اقبال نمبر

فی پرچہ ——— آٹھ آنے

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۱ دسمبر ۱۹۳۹ء نمبر ۹

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے راما آرٹ پریس، سنتوکھ سر، امرت سر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

اُمّتِ مُسلِمہ امرت سر
کا
تیسرا سالانہ جلسہ
بروز ہفتہ، اتوار ۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء

صدیوں کے بچھڑے ہوئے مسلمان کو آسمان سے اُتری ہوئی کتاب قرآن سے دوبارہ ملانے کے لیے ——— فرقہ بندی کی چھری سے ہزار ہا زخم کھائے ہوئے جسم کو شفاخانۂ وحی کے مرہم کا نسخہ بتانے کے لیے ——— لیڈروں سے اُکتائے ہوئے، مُلّاؤں سے بھاگے ہوئے، زمانے کے ستائے ہوئے پیروِ محمدؐ کو محمدؐ کا لایا ہوا پیامِ تشفی سنانے کے لیے ——— نمائش کدہ مغرب کی وادیوں کے بھٹکے ہوئے مسافر کو کعبہ مشرق کی راہ دکھانے کے لیے ——— مسلم کو اسلام اور انسان کو انسانیت کی دعوت دینے کے لیے اُمّتِ مسلمہ امرتسر کی طرف سے ۳۰ و ۳۱ دسمبر بروز ہفتہ و اتوار ایک مبارک اجتماع منعقد کیا جا رہا ہے۔ جو لوگ صرف اللہ کو مانتے ہیں، فقط اللہ کو چاہتے ہیں، محض اللہ کے لیے جیتے اور اللہ کے لیے مرتے ہیں، وہ اپنے فرض کو پہچانیں اور ارکانِ اُمّتِ مسلمہ کی خادمانہ مساعی میں ان کی اعانت کریں۔

مُبارک ہیں وہ جو پیامِ ربّانی کو سُنتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو صدق و خلوص کی لذت سے آشنا ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو صراطِ مستقیم کو پہچاننے کے آرزومند ہیں۔ سعادت ہو اُن کے لیے جو حق و صداقت کی رفاقت اختیار کرتے ہیں۔ سلام ہو اُن پر جو صلح و سلام کی آواز پر کان دھرتے ہیں۔

سالانہ اجلاس کی تقریریں

اُمّتِ مُسلمہ کے سالانہ جلسے میں مندرجہ ذیل علماء و اکابر کی شرکت کی پوری توقع ہے

تقریروں کے مقررہ عنوانات کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱۔ قرآن اور سیرت محمدیہ	جناب قاضی عبدالمجید صاحب قرشی مدیر "ایمان"
۲۔ قرآن اور بائیبل	جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے
۳۔ قرآن اور سیاسیات	جناب حکیم مرزا عبدالحمید صاحب ایم اے
۴۔ قرآن اور سائنس	جناب چودھری غلام عباس خاں صاحب ایم اے لدھیانہ
۵۔ قرآن اور سوشلزم	جناب مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی مدیر "ترجمان القرآن"
۶۔ قرآن اور حقوق نسواں	جناب مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی مدیر "دارالاسلام"
۷۔ قرآن اور وید	جناب مولانا غازی محمود دھرم پال صاحب بی اے لدھیانہ
۸۔ قرآن اور حقوق العباد	جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات (پنجاب)
۹۔ قرآن اور حدیث	جناب پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف صاحب (داعی الی اللہ)
۱۰۔ قرآن اور عبادات	جناب شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ سیالکوٹ
۱۱۔ قرآن اور مہذب قومیں	جناب حکیم محمد حسین صاحب عرشی امرتسری
۱۲۔ قرآن اور نیچر	جناب خواجہ سخاد اللہ صاحب ایم اے
۱۳۔ قرآن اور تعزیرات	جناب بخشی حضور علی صاحب بی اے ریٹائرڈ سب جج لاہور
۱۴۔ قرآن اور حیاتیات	جناب پروفیسر آسد صاحب ایم ایس سی (آنرز)
۱۵۔ قرآن اور فرقہ بندی	جناب مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب بھٹی صابری

شعرائے کرام میں سے جناب مرزا بیضا خاں صاحب مردی ایرانی، حضرت نفیس خلیلی، جناب کرم، جناب عزت اور جناب عارف شریک اجلاس ہو کر حاضرین کو محظوظ فرمائیں گے۔

نوٹ (۱) جلسہ اُمت مسلمہ بلڈنگس متصل ریلوے پھاٹک بیرون دروازہ حکیماں امرتسر میں منعقد ہوگا، اس لیے باہر سے آنے والے اصحاب بھگتاں والہ اسٹیشن پر اُتریں۔

(۲) موسم کے مطابق بستر ہمراہ لانا ضروری ہے۔

سکرٹری شعبہ نشر و اشاعت مجلس استقبالیہ اُمت مسلمہ امرتسر

کتابوں کی مفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسب ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر امت مسلمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مفت تقسیم ہو چکی ہیں:

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد تقسیم
سکرٹری اُمت مسلمہ امرت سر	۱۰ روپے	تفسیر سورۂ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمد رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملت ابراہیم	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰ روپے	قول احسن	۸۰
بابو عبداللہ خان صاحب	۱۰ روپے	برگ سبز	۸۰

اب دسمبر ۱۹۳۹ء میں جناب خواجہ رحمت اللہ صاحب کی طرف سے "قول احسن" کے ۸۰ نسخے مفت تقسیم کیے جائیں گے۔ جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف تین پیسے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مفت طلب کر سکتے ہیں۔

اہل خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں

سکرٹری اُمّتِ مسلمہ امرت سر

شذرات

(س)

اس امر کو محققین نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ قرآن نے اپنے نزول کے ساتھ کائنات انسانی میں ایک بہت بڑے انقلاب کا سنگ بنیاد رکھا۔ اُس نے بنی آدم کی اجتماعی اور معاشری زندگی کے تمام شعبوں کو یکساں طور پر متاثر کیا۔ تاریخ ہمیں اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا کی جو حالت نزول قرآن سے پہلے تھی' وہ طلوع اسلام کے ساتھ ہی متغیر ہوگئی۔ قرآن حکیم کے یہ تاثرات' اتنے کامیاب بلکہ ہمہ گیر ثابت ہوئے کہ گھر کی چار دیواری سے لے کر اصول تجارت و سلطنت تک کی کایا پلٹ گئی۔ شاعری بھی' جو دنیا کے قدیم ترین فنون لطیفہ میں شمار ہوتی ہے' اس انقلاب کی لپیٹ میں آئی' چنانچہ عرب و فارس کے شاعروں نے پرانے چیتھڑے اُتار کر نیا لباس پہنا اور سفر کا رُخ اور انداز بدل کر ایک نئی منزل کا قصد کیا۔

ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں سات سو برس تک مسلمانوں کی حکومت رہی' مگر اس کے فرماں رواؤں نے اسلامی شعائر کی طرف بالعموم کوئی توجہ نہ کی۔ نہ انہوں نے تبلیغ اسلام کے لیے کوئی کارنامہ سرانجام دیا' نہ قرآنی علوم و معارف کی حوصلہ افزائی کی۔ دولت و حشمت کے خمار میں سات سو برس کا طویل زمانہ گذر گیا' یہاں تک کہ جب بہادر شاہ ظفر نے دِلّی کے تخت سے پاؤں نیچے رکھا' تو اس وقت وہ مسلمان جو کسی زمانے میں طوفان کی طرح ہندوستان پر چڑھ کر آئے تھے' اب انگریزی سیلاب کے سامنے تنکوں کی طرح بہتے جا رہے تھے۔

اس دردناک زوال نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ جو لوگ تقریریں کرسکتے تھے' انہوں نے تقریروں کے ذریعے مسلمانوں کو مخاطب کیا۔ جو صاحب قلم تھے' انہوں نے تحریر و تصنیف کے ذریعے قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور آخرکار شاعر بھی اس مصیبت عظمیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے قوم کے زوال و انحطاط پر نالہ سرائی اور نوحہ خوانی کو اپنا شیوہ بنایا۔ ان میں مولانا حالی کا

نام رہتی دنیا تک مشہور رہے گا۔ اکبر الٰہ آبادیؒ نے بھی اپنے مخصوص طرز میں اصلاحِ ملت کے لیے بے نظیر کام کیا اور اِس آخری دَور میں علامہ اقبال مرحوم نے جس سوز و گداز اور جس درد و خلوص کے ساتھ مسلمانوں کو بیدار کرنے کی مسلسل کوشش کی، بلاشبہ وُہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اُن کے دِل میں درد تھا، اُن کے لبوں پر آہیں تھیں اور اُن کی آنکھوں میں آنسو۔ اُنھوں نے ملّتِ مرحومہ کے غم میں، جس ساز کو چھیڑا ہے، اُس سے ماتم سرائی کی آوازیں بھی نکلتی ہیں اور امید و رجا کے نغمے بھی بلند ہوتے ہیں۔ وُہ قوم کے بہترین نبّاض اور قرآن کے بہترین مبلغ تھے۔ اُن کے نزدیک ملّتِ اسلامیہ کا صحیح اور اصلی مرض، ترکِ قرآن ہے اور اس کا صحیح اور اصلی علاج "ارجعُوا اِلَی القرآن"!

"البیان" کے آیندہ صفحات قرآن عزیز کے اسی بے لوث خادم کے تذکارِ حیات و افکار و خیالات کے ساتھ مختص کیے جا رہے ہیں۔ ان مضامین میں بالعموم اقبال کی دینی حیثیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور صرف ایسے جواہر ریزے اکٹھے کیے گئے ہیں، جو آج تک کسی نمائش میں نہیں رکھے گئے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر مضمون میں معارفِ قرآنی، افکارِ دینی اور اشاراتِ علمی کی چاشنی بدرجہ اتم موجود ہے۔

جنابِ رازی، جو گذشتہ ماہ بزمِ البیان میں تشریف لائے تھے، اس مرتبہ بھی آئے ہیں، مگر اکیلے نہیں، بلکہ ایک اور فاضل دوست یعنی پروفیسر بشیر احمد صاحب ایم اے کو بھی ساتھ لائے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا مقالہ "اقبال اور صنفِ لطیف" اسی نمبر میں شائع ہو رہا ہے۔ اگر مضمون لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے معلومات میں اضافہ ہو، تو نہایت خوشی کی بات ہے کہ محترم موصوف کا مضمون اس معیار پر پُورا اُترتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے، صنفِ لطیف کے متعلق علامہ اقبال کے خیالات کو "حیاتیات" کی روشنی میں واضح کیا ہے اور ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی آیات کی رُو سے افکارِ اقبال اور اصُولِ حیاتیات کی نہایت عمدہ طور سے تطبیق فرمائی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ناظرین اس مقالے کو گہری دِل چسپی کے ساتھ مطالعہ فرمائیں گے اور فاضل مضمون نگار سے توقع ہے کہ وُہ آیندہ بھی اپنے مفید خیالات سے ناظرینِ "البیان" کو مستفید فرمایا کریں گے۔

ناز‌ی صاحب کے ہم دو طرح سے شکر گذار ہیں، ایک اس لیے کہ مذکورہ مضمون ہمیں اُنہی کے توسط سے حاصل ہوا، دوسرے اس لیے کہ انہوں نے خود بھی ایک عمدہ مضمون لکھا ہے۔ جزاہ اللہ

عرشی صاحب کا مضمون "علامہ اقبال کی صحبت میں" بڑا جامع اور مفصل مضمون ہے۔ علمی اور ادبی خوبیوں سے لبریز، دینی معلومات کا گنجینہ اور اقبال کے معتقداتِ اسلامیہ کا آئینہ دار۔ "قاب قوسین" کی Rational یعنی عقلی نقطۂ نظر سے تفسیر، شعر سرمد کی تشریح، "لیسّرنا القرآن" کی علمی وضاحت، قادیانیت کی ترویج و اشاعت کا بنیادی سبب، "معرفتِ الٰہی" "تصوف" "کفایتِ قرآن" "آمدِ مسیح" اور "حیات بعد الممات" وغیرہ مسائل کی تفصیل دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اس سارے شاہکار میں صرف ایک چیز محلِ نظر ہے یعنی "وارزق اھلہ من الثمرات رزقاً" کی تفسیر۔ علامہ اقبال نے اھلہ کے لفظ میں (جو صرف اہلِ مکہ یا زیادہ سے زیادہ اہلِ عرب کا مفہوم ظاہر کرتا ہے) ساری دنیائے اسلام کو سمیٹ لیا ہے واقعات اس کی تصدیق میں تامل کرتے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں پھل بے شک پیدا نہیں ہوتا ہوگا، لیکن مشرقی ممالک کے پھلوں کا بہت سا ذخیرہ، ہمیشہ وہاں پہنچتا رہتا ہے! ہندوستان میں ۲۲ کروڑ ہندو آباد ہیں، وہ اھلہ کی تعریف میں نہیں آتے، لیکن پھل اُن کو بھی میسر ہیں، یہاں تک کہ جنتِ کشمیر میں پیدا ہونے والے مسلمان روٹی سے بھی محروم ہیں، لیکن ہندو اور انگریز کے لیے باغوں کے دروازے کھلے ہیں۔

آخر میں مجھے مولانا سراج الدین صاحب پال کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے علامہ مرحوم کے تین نہایت قیمتی خطوط، البیان میں شائع کرنے کے لیے عنایت فرمائے۔ اگر یہ مکتوبات نہ ہوتے، تو البیان میں ایک بہت بڑی کمی رہ جاتی۔ ظاہر ہے کہ یہ خطوط مضامین کی حیثیت نہیں رکھتے۔ علامہ مرحوم نے ان کو سرسری طور پر ہی لکھا ہوگا، لیکن اس سرسری تحریر میں بھی کیسے کیسے نوادر اُن کے قلم سے ٹپک جاتے تھے! بالخصوص یہ انکشاف تو بڑا ہی تعجب انگیز ہے کہ قدیم فارسی شعرا نے مکر و فریب کے الفاظ میں عقائد اسلامیہ کی تردید کی ہے، اور یہ بات اس سے بھی زیادہ حیرت ناک کہ محی الدین ابن عربی نے فصوص الحکم

میں الحاد و زندقہ کی تعلیم دی ہے!

دوسرے خطوط میں بھی، جو جناب عرشی اور جناب تبسم کے نام ہیں، قارئین کرام کے لیے دل چسپی اور فکر و توجہ کا بہت سامان ہے!

ہمیں امید ہے کہ احباب کرام "البیان" کے اس نمبر کو ہر لحاظ سے مفید و کامیاب پائیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

بیانٌ لِلنّاس کی دوسری منزل

مئی ۱۹۳۹ء کے "البیان" میں اعلان کیا گیا تھا کہ محترم بابو عبداللہ خاں صاحب سابق سکرٹری اُمت مسلمہ نے لغات القرآن کے مصارف طباعت کے لیے پندرہ روپے ماہانہ عطیہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ محترم موصوف نے ایران سے واپس آتے ہی ہمیں چودہ مہینے کا چندہ مبلغ ۲۱۰ روپے کی گراں قدر رقم کی صورت میں ادا فرما دیا ہے۔ ہر چند یہ روپیہ لغات القرآن کے لیے تجویز کیا گیا تھا، مگر چوں کہ تفسیر بیانٌ للناس کی دوسری منزل کی ایک بھی جلد ہمارے کتب خانے میں موجود نہیں۔ علاوہ ازیں لغات القرآن کا مسودہ بھی تشنۂ تکمیل چلا آ رہا ہے' اس لیے معطی موصوف کے ایما سے یہ طے کیا گیا ہے کہ سردست اس روپے کو تفسیر کی طباعت میں استعمال کر لیا جائے اور پھر اس کتاب کی آمدنی کا روپیہ لغات کی طباعت کے لیے محفوظ رکھا جائے۔

ہم نے معطی کے شکریہ کے ساتھ بیانٌ لِلنّاس کی دوسری منزل کی طباعت کا آغاز کر دیا ہے۔ کتابت ہو رہی ہے۔ امید ہے کہ جلدی ہی کتاب چھپ کر تیار ہو جائے گی۔ اس مد کی امداد کرنے والے دوستوں کے عطیے انتہائی شکریہ کے ساتھ قبول کیے جائیں گے۔ احباب کا فرض ہے کہ وہ اس کار خیر میں ضرور حصہ لیں۔ (آنریری سکرٹری اُمت مسلمہ امرت سر)

الایام المخالیہ

علامہ اقبالؒ کی صحبت میں

(اثر عرشی)

جس طرح مرشد رُوم نے جاوید نامہ کے "زندہ رودؔ" کو عالم افلاک وما ورائے افلاک کی سیر کرائی، اسی طرح اُنہوں نے مجھ کو "زندہ رُود" کی لاہوتی مجلس میں پہنچایا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جاوید نامہ اور بال جبریل کے مطالعہ نے مجھے مجبور کر دیا کہ مثنوی رُومی کو باقاعدہ بہ نظرِ تعمق دیکھوں۔ چنانچہ اُنہی دنوں مجھے ایک مطلق سفر کا موقعہ ملا۔ میں نے مثنوی بغل میں دبائی اور سامانِ سفر درست کیا۔ میرا یہ سفر ایک بہشتی تخلیہ تھا، جہاں میں اور پیر رومؔ سارا سارا دن بیٹھے باتیں کرتے۔ میں پیرِ رومؔ کی بارگاہ میں مؤدبانہ حاضر رہتا۔ وہ بہت کم تنہا ہوتے۔ کبھی اُن کے پاس عطار وسنائیؔ رمز وکنایہ میں اسرارِ عشق وعرفان بیان کرتے نظر آتے، کبھی بایزید و ذوالنون کیف ومستی کی بہاروں میں خراماں دکھائی دیتے، الغرض بے شمار اولیا وانبیا اور حکما وعقلا کی روحیں مختلف وقتوں میں خلوت گاہِ رومی میں اپنے اپنے محل ومقام پر جلوہ گر نظر آتیں۔ میں نے یہ ایام دنیا اور دُنیا والوں سے ایک مطلق بیگانگی کے ساتھ بسر کیے۔ میرا قلب و دماغ اِن رُوحانی صحبتوں سے متاثر ہونے کے لئے یکسر استعداد و سراپا پذیرائی بن گیا۔ تقریباً ۱۰ دن میں، میں نے نصف سے زیادہ مثنوی اِس طرح دیکھ ڈالی کہ ایک شعر سے بھی سرسری عبور نہیں کیا۔ ہر لفظ پر غور کرتا اور ہر ترکیب سے لذت یاب ہوتا ہُوا گزر گیا، لیکن اِس دوران میں بہت سے مقام ایسے آئے، جہاں میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا اور ایک رفیقِ راہ کی طلب میں بے چین ہو جاتا۔ بعض اوقات پیرِ رومؔ خود فرما دیتے:

لہ علامہ کا نام ہے جو جاوید نامہ کی سیر سماوی میں رکھا گیا۔

یار باید راہ را تنہا مرو از سرِ خود اندریں صحرا مرو
کے تراشد تیغ دستہ خویش را رو بجرآحے سپار ایں ریش را

— وغیرہ

ایسی حالت میں مَیں نے اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالی تو مجھے علامہ مرحوم کے سوا کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا، جو راہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرتا، چنانچہ مَیں نے امرتسر پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ علامہ مرحوم کو ایک مکتوب کے ذریعے اپنے مافی الضمیر اور اپنی مشکلات سے آگاہ کیا۔ علامہ نے حسب عادت بہت جلدی تسلی بخش جواب دیا، جسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :

لاہور - ۱۹ مارچ ۱۹۳۵ء

جناب عرشی صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میری صحتِ عامہ تو بہت بہتر ہوگئی ہے، مگر آواز پر ابھی خاطر خواہ اثر نہیں ہُوا۔ علاج برقی ایک سال تک جاری رہے گا۔ دو ماہ کے وقفے کے بعد پھر بھوپال جانا ہوگا۔

آپ اسلام اور اُس کے حقائق کے لذت آشنا ہیں۔ مثنوی رومیؒ کے پڑھنے سے اگر قلب میں گرمیٔ شوق پیدا ہو جائے تو اَور کیا چاہیے؛ شوق خود مرشد ہے۔ مَیں ایک مدت سے مطالعۂ کتب ترک کر چکا ہوں۔ اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی۔ افسوس ہے ہم ایسے زمانے میں پیدا نہ ہوئے ؎

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں ایک بھی صاحبِ سرور نہیں

بہرحال قرآن اور مثنوی کا مطالعہ جاری رکھیے۔ مجھ سے بھی کبھی کبھی ملتے رہیے، اس واسطے نہیں کہ مَیں آپ کو کچھ سکھا سکتا ہوں، بلکہ اس واسطے کہ ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے، جو کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتے۔ یہ بات زندگی کے پوشیدہ اسرار میں سے ہے، جن کو جاننے والے مسلمانانِ ہند کی بدنصیبی سے اب اس ملک میں پیدا نہیں ہوتے۔ زیادہ کیا عرض کروں؟

محمد اقبال

اس کے بعد میں برابر حاضر خدمت ہوتا رہا۔ میرے ان کے مکالمات کا غالب حصہ باریک روحانی، متصوفانہ اور قرآنی مسائل سے متعلق ہوتا۔ میں عموماً سوالات کی ایک فہرست تیار کر کے لے جاتا۔ آپ ہر سوال کے جواب میں کافی گفتگو فرماتے۔ جب تک میری تسلی نہ ہو جاتی، یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس ضمن میں بہت سے نکات و اسرار میرے سوال و طلب سے بھی زائد آپ کی زبان پر آجاتے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر ان کی زبان سے نکلے ہوئے تمام کلمات جمع کیے جا سکتے، تو ہر روز ایک بسوط کتاب بن جایا کرتی جو بہت سے دینی، سیاسی، تاریخی، اخلاقی حکمی وغیرہ مباحث کا بے نظیر ذخیرہ ہوتی، لیکن اس باب میں میں نے خود ناقابل تلافی تساہل سے کام لیا کہ اس دولت کو محفوظ نہ رکھا جس سے میرے قلب و روح کی جیب معمور ہوتی تھی اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس خزانۂ عشق و عرفان کے دروازے اتنی جلدی بند ہو جائیں گے بہر حال اس شوق نے دماغ میں جو کچھ بچ رہا ہے، بغیر کسی نظم و ترتیب کے قرطاس و قلم کے سپرد کرتا ہوں کہ مرور وقت کی غارت گری سے محفوظ رہ سکے:

عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں　(غالب)

ایک دفعہ مجھے لاہور کے احباب کی ایک مجلس میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ صاحب خانہ سے رخصت چاہی، تو انہوں نے کچھ دیر اور بیٹھنے کے لیے اصرار کیا۔ میں نے کہا، علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری میرے پروگرام کا اہم جزو ہے۔ اس وقت میں یہی ارادہ رکھتا ہوں۔ اس پر حاضرین نے علامہ کے جمود و تعطل پر متعصبانہ اعتراض شروع کر دیے ــــ میں اپنے ارادے پر مصر رہا۔ آخر ان میں سے ایک بزرگ، محترم حکیم طالب علی صاحب جو اس سے پہلے علامہ سے متعارف نہیں تھے، میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ وہاں پہنچنے پر علی بخش نے میرے حاضر ہونے کی اطلاع دی۔ میں حکیم صاحب موصوف کی معیت میں اندر پہنچا، تو تنہا بیٹھے تھے۔ خیریت پرسی کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ حکیم طالب علی صاحب نے سورۃ النجم کے پہلے رکوع کی تشریح دریافت کی۔ علامہ نے اس پر ایک طویل تقریر

فرمائی، بالخصوص کَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کی تفسیر اپنے رنگ میں عجیب و نادر چیز تھی۔ اِن سطور کے ناظرین کو معلوم ہونا چاہیے کہ آیات مذکورہ قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات سے ہیں۔ یہاں بڑے بڑے ائمہ مفسرین نہایت دُور اَزکار تاویلوں میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں، یہاں تک کہ ایک غیر مسلم یورپین مترجم قرآن نے اس مقام کو پیغمبر اسلام صلعم کے بعد کسی اَور شخص کی تصنیف قرار دے دیا۔ علامہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ناسوت و لاہوت یا عقل و وحی یا عالم بشریت و عرش الوہیت کو دو کمان نما دائروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بشری عقل کا منتہائے کمال یہ ہے کہ وحی سماوی سے کامل مطابقت حاصل کرے، یعنی اُس ترقی یافتہ عقل کے رباب سے بعض خاص اوقات میں جو نغمہ نکلتا ہے، وہ سازِ الہام سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اس طرح یہ دو کمان کامل اتصال کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ نوع انسان میں انبیاء بالعموم اور انبیاء میں حضرت خاتم النبیّین بالخصوص اس مقام کے آخری نقطہ سے واصل ہوئے ——— اس کے بعد علامہ نے فرمایا کہ اس تقریر سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ قرآن (معاذاللہ) محمد صلعم کی تصنیف ہے۔ وحی الٰہی میں فہم بشری کا قطعاً دخل نہیں۔ اس کی مثال یُوں سمجھو کہ جرمنی میں ہمارے ایک پروفیسر علم ریاضی کے بہت زیادہ مشاق تھے۔ بعض اوقات طلبہ اُن سے نہایت مشکل سوال کر بیٹھتے۔ آپ فوراً جواب بتا دیتے۔ طلباء تشریح پُوچھتے، تو کہتے، اس کے لیے دو ہفتہ کی مہلت درکار ہے۔ اُن کے نزدیک جواب دینا آسان تھا، لیکن اس کا عمل سمجھانا دیر طلب تھا۔ اسی طرح عقل و وحی کا تطابق ہر فن کے اہل کمال میں پایا جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا، میرے خیال میں سرمد نے ایک شعر میں معراج کی جو حقیقت بیان کر دی ہے، بڑے بڑے علماء کی مبسوط تصانیف اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ فرماتے ہیں:

مُلّا گوید احمد بہ فلک بر شد ——— سرمد گوید فلک با احمد در شد

علّامہ نے فرمایا، یہ شعر رومی کے ایک شعر سے مستفاد ہے، جس کا واقعہ مثنوی میں اس طرح بیان ہوا ہے:

کہ حلیمہ سعدیہ جب آنحضرت کی رضاعت سے فارغ ہوئیں، تو آپ کو لے کر عازمِ مکہ ہوئیں حرم میں پہنچیں، تو ایک غیبی آواز سنی کہ اے حلیمہ! آج تجھے بے اندازہ شرف حاصل ہونے والا ہے الخ۔ حلیمہ اس آواز کی طرف متوجہ ہوئیں، حضورؐ کو زمین پر بٹھا دیا اور صاحبِ آواز کا سراغ لگانے کے لیے اِدھر اُدھر دوڑنے لگیں۔ جب کامیاب نہ ہوئیں، تو واپس آکر حضورؐ کو نہ پایا۔ سخت متحیر و مغموم ہوئیں۔ اتنے میں ایک پیرمرد نمودار ہوا۔ اُس نے پوچھا، اے حلیمہ! اس فریاد و ماتم کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا: میں احمد (صلعم) کی دودھ دایہ ہوں۔ حطیم میں پہنچ کر میں ہوائی آوازوں کی تلاش میں بچے کو زمین پر بٹھا کر اِدھر اُدھر پھرنے لگی۔ آواز ختم نہ ہوتی تھی اور آواز دینے والا نظر نہ آتا تھا میں اسی عالمِ حیرت میں واپس آئی تو بچے کو اس مقام پر نہ دیکھا۔ پیرمرد نے کہا، غم نہ کر، میں تجھے ایسے سلطان تک پہنچادوں گا، جو تجھے بچے کے حال و مقام سے آگاہ کر دے گا یہ کہہ کر وہ پیر، حلیمہ کو عزّیٰ کے پاس لے گیا کہ یہ بت اخبارِ غیبی کا ماہر ہے، ہم نے ہزاروں گم شدہ اس سے حاصل کیے ہیں۔ پیرمرد نے عزّیٰ کو سجدہ کیا اور اس کی ثنا کے بعد مناجات شروع کی کہ حلیمہ سعدیہ کا بچہ گم ہو گیا ہے، اس بچے کا نام محمدؐ ہے ......

جب اُس کے منہ سے محمدؐ نکلا، تو سب بت سجدہ میں گر پڑے اور پکارے کہ اے مردِ پیر! جا ہمیں اس سے زیادہ نہ جلا۔ بتوں کی یہ باتیں سن کر پیرمرد کے ہاتھ سے عصا گر پڑا اور اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حلیمہ نے کہا: اے مردِ پیر!

حیرت اندر حیرت اندر حیرتم!

کبھی مجھ سے ہوا باتیں کرتی ہے، کبھی پتھر خطاب کرتے ہیں، آخر میرا بچہ گیا کہاں؟ پیرمرد نے کہا: اے حلیمہ! خوش ہو، سجدۂ شکر ادا کر!

تو مخور غم کہ نگردد یاوہ او بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو[1]

یہاں پہنچ کر حضرتِ علامہ داڑھیں مار کر رونے لگے جب ذرا افاقہ ہوا تو میں نے عرض کیا:

---

[1] مولانا رومیؒ روایات کے ضعف و قوت سے تعرض نہیں کرتے، ان سے عجیب غریب نتائج اخذ کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں۔ منہ

یہاں "یاوہ" کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا: یاوہ گشتن یعنی گم شدن ـــــ سرمد کا شعر اسی شعر سے ماخوذ ہے!

اس کے بعد ہم رخصت ہوئے۔ کوٹھی سے باہر نکل کر حکیم طالب علی صاحب نے کہا: جو لوگ علامہ پر صرف لفظی شاعر ہونے کا اتہام لگاتے ہیں، سخت غلطی پر ہیں۔ آپ بڑے صاحب دل اور صاحب تاثیر انسان ہیں۔ مَیں نے اپنی ساری عمر میں آج سے پہلے صرف ایک شخص کو اتنا موثر پایا۔ آج میں علامہ کے سامنے بیٹھا اُن کی تقریر سُن رہا تھا اور دل کی یہ حالت تھی کہ چیخیں مار کر رونا چاہتا تھا۔ ایسے مرد اس وقت کم یاب ہیں۔

ایک ملاقات کے دوران میں مَیں نے عرض کیا: آپ کے مدراس والے لیکچر بے حد مشکل ہیں۔ اگر اسلام یا قرآن کا منشا وہی ہے، جو آپ نے ان لیکچروں میں بیان فرمایا ہے اور جس کو اس ترقی یافتہ زمانے کے بڑے بڑے اہل علم سمجھنے سے قاصر ہیں، تو قرن اوّل کے عرب صحرا نشینوں نے اسے کیا سمجھا ہوگا؟

آپ نے فرمایا: بُنِیَ الاسلام عَلَی الخَمْس کسی قوم کی تشکیل و تعمیر کے لیے اسلام کے پانچ ارکانِ مشہورہ کا اجرا و انضباط کافی ہے، چنانچہ اس کی محسوس اور عملی صورت عہدِ سعادت سے بہتر کہیں نظر نہیں آسکتی اور تاریخ کا حافظہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا"۔

مَیں نے کہا: ایک طرف تو "یسّرنا القرآن للذکر" فرمایا اور اسی قسم کے دوسرے ارشادات فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ اور فصّلنٰہ علیٰ علمٍ وغیرہ بھی موجود ہیں۔ دوسری طرف بہت سی آیات کو متشابہات کہہ کر آن کے فہم پر لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم کی مُہر لگادی۔ ظاہری نگاہ اس میں تضاد دیکھتی ہے"۔

آپ نے فرمایا: اس کو یوں سمجھو ـــــ ایک دفعہ لنڈن میں ایک صاحب نے کسی مہمان کے اعزاز میں چند دوستوں کو ضیافت پر مدعو کیا۔ اُن میں مَیں بھی شامل تھا۔ فراغت طعام کے بعد مہمان عزیز سے تفصیلی تعارف کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ ماہر مجربات ہیں۔ مَیں

آپ سے دوبارہ ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ فیصلہ ہُوا کہ سَیر کو اکٹھے چلیں گے، چنانچہ سَیر کرتے ہُوئے ہم سمندر کے ساحل پر پہنچ گئے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ اپنے مضمون (حجریات) کے متعلق کچھ فرمائیں۔ اُنہوں نے ساحل سے ایک چھوٹا سا سنگ پارہ اٹھا لیا اور اُس کی سوانح عمری بیان کرنا شروع کر دی ـــــــ مختصر یہ کہ ہم ۱۵ دن روزانہ سَیر کو جاتے رہے اور وُہ اس پارہ حجر کے رموز و اسرار بیان کرتے رہے۔ اس کے مدارج نشوو ارتقا ہر درجے کے زمانے کی تعیین، اس کے اجزائے اولیہ، رنگ و صلابت و صُورت نوعیہ وغیرہ کے تفصیلی اسباب؛ تاثیرات و خواص وغیرہ اتنی باتیں بیان کر دیں، جو میرے لیے اور اس علم سے ہر ناواقف شخص کے لیے پردۂ خفا میں تھیں یا متشابہ تھیں اور اُس شخص کے لیے کہ راسخ فی العلم تھا، مفصّل و میسّر تھیں، اِسی طرح قرآن مجید سارے کا سارا مفصّل بھی ہے اور متشابہ بھی۔ جس قدر انسان کا ذوق و وجدان اور اخلاق و رُوحانیت ترقی کرتے جائیں گے، اُس پر قرآن کے مطالب آشکارا ہوتے جائیں گے،

اسی طرح کا ایک دُوسرا واقعہ آپ نے ارشاد فرمایا "ایک دعوت میں ہمیں ایک صاحب سے تعارف کا اتفاق ہُوا، جو صرف سطح بحر کی مخلوقات کے پروفیسر تھے۔ اُنہوں نے اپنے فن سے متعلق عجیب و غریب انکشافات فرمائے۔ اُن کی زبانی معلوم ہُوا کہ سمندر کی سطح پر رہنے والے جانداروں کی انواع و اقسام اور ان کے احوال و کوائف بے حد دلچسپ اور اہم ہیں مجھ پر اُن کی تقریر سے سحر ہو رہا تھا۔ اِسی طرح ہر شخص اپنے فن کا راسخ ہوتا ہے اور وُہ فن اُس کے لیے "یَسَّرْنا" اور "فُصِّلَتْ" کے مترادف ہو جاتا ہے"

میرے نزدیک، علامہ کی یہ تشریح "یَهْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ" کے مفہوم سے بھی کامل مطابقت رکھتی ہے۔

آخری عمر میں قریباً ہر صحبت میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا ذکر آجاتا تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ سُلطان ٹیپو کے جہادِ حریّت سے انگریز نے اندازہ کیا کہ مسلمانوں کا مسئلہ جہاد اُن کی حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ جب تک شریعت اسلامیہ سے اِس مسئلہ کو

خارج نہ کیا جائے' انگریز کا مستقبل مطمئن نہیں' چنانچہ اسی زمانہ سے مختلف ممالک کے علماء کو آلۂ کار بنانا شروع کیا۔ ہندوستانی علماء سے بھی ایسے فتاوی حاصل کیے، لیکن ایک منصوص قرآنی مسئلہ کو مٹانے کے لیے علماء کو ناکافی سمجھ کر ایک جدید نبوت کی ضرورت محسوس ہوئی' جس کا بنیادی مسئلہ یہی ہو کہ اقوام اسلامیہ میں نسخِ جہاد کی تبلیغ کی جائے۔ احمدیت کے اسباب وجود پر آج تک جو کچھ لکھا گیا' اس کی وقعت سطحیت سے زیادہ نہیں۔ اس کا حقیقی سبب اسی ضرورت کا احساس تھا۔"

اس کے بعد علامہ نے مجھے خاص طور پر کہا" تم ایسے فتاوی کی نقول تلاش کرو' ممکن ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرت سری سے اس کا کچھ سراغ نکلے"۔ میں نے امرت سر پہنچ کر مولوی صاحب موصوف سے دریافت کیا' تو انہوں نے سرسید مرحوم کے کتب خانہ علی گڑھ کی طرف رہنمائی کی۔ میں نے علامہ کو اس مطلب کا ایک خط لکھ دیا۔ پھر معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے اس بارہ میں کوئی قدم اٹھایا یا نہیں۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں آپ نے سید ریاست علی صاحب ندوی کو بھی اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا ——— اصل یہ ہے کہ یہ کام اسی وقت کرنے کا ہے۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جائے گا' ہم اس کی سہولتوں سے دور ہوتے جائیں گے اور اس "ملت جدید" پر تقدس کے غلاف چڑھتے جائیں گے۔

علامہ کے برادر اکبر احمدیت سے دلچسپی رکھتے تھے۔ علامہ ان کا ادب ملحوظ رکھتے اور اس بارہ میں اُن سے گفت و گو کرنے سے اجتناب فرماتے تھے' یہاں تک کہ ایک مرتبہ میری موجودگی میں احمدیت پر گفتگو ہو رہی تھی' وہ درمیان میں آ گئے تو علامہ خاموش ہو گئے۔ عمر کے آخری برسوں میں جب اُنہوں نے کھُلم کھُلا اِس مذہب کی تردید شروع کی' تو برادرِ بزرگ کو ناگوار گذرا۔ فرماتے تھے" ایک دن جوش میں آ کر اُنہوں نے میرے ساتھ بحث شروع کر دی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ حدیث علی راس کل مائۃ کا اقتضا یہ ہے کہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد مبعوث ہو۔ تمام گذشتہ صدیوں کے مجدد تو پائے جاتے ہیں' اِس صدی کے مجدد اگر مرزا صاحب نہیں' تو کون ہے؟ میں نے کہا' یہ حدیث موضوع ہے۔ کہنے لگے'

تم یہ نئی بات کر رہے ہو، جو آج تک نہیں سُنی گئی" میں نے اُسی وقت موضوعات ...[1] منگوائی اور اس میں تلاش کر کے دکھلا دی۔ بھائی صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔"

بہت سے مولوی جو تحریکِ احمدیت کے مخالف ہیں، انہوں نے اس مخالفت کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ احمدیت مٹے، کیوں کہ اس کے مٹنے سے اُن کی تجارت بٹ جائے گی، لیکن علامہ مرحوم اُن لوگوں سے تھے جو پورے خلوص اور کامل بصیرت سے اس فرقہ کو تمام عالمِ اسلامی، عقائدِ اسلامی، شرافتِ انبیاء، خاتمیتِ محمد صلعم اور کاملیتِ قرآن کے لیے قطعاً مُضر و منافی سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے کہ

"قرآن کے بعد نبوت و وحی کا دعویٰ تمام انبیائے کرام کی توہین ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ ختمیت کی دیوار میں سوراخ کرنا تمام نظامِ دیانت کو درہم و برہم کر دینے کے مترادف ہے۔"

(یہ تحریر جو حافظہ کی مدد سے لکھی گئی ہے، یہاں تک پہنچ چکی، تو مجھے ایک کاپی دستیاب ہوئی جس میں کچھ اشارات میرے قلم سے لکھے ہوئے مل گئے۔ ذیل میں اُن کی مدد سے لکھتا ہوں۔ راقم)

مؤرخہ ۷ اپریل ۳۵ء۔ وقت ۴ بجے سہ پہر۔ میں نے سوال کیا، آیہ مبارکہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ ہمارے بارے میں کوشش کرتے ہیں، ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھلائیں گے) سے کیا مراد ہے؟ علامہ نے فرمایا "تمام علوم، کمالات اور مقاصدِ عالیہ جو نوعِ انسان کے لیے کسی نہ کسی جہت سے مفید ہوں، اُن کے حصول کی سعی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور اس مشق و مزاولت کے ارتقائی نتائج لَنَهْدِیَنَّهُمْ کا ظہور ہیں۔" میں نے عرض کیا، مولانا روم نے فرمایا ہے:

نطقِ آب و نطقِ باد و نطقِ گِل
ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

اس سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: قرآن مجید میں ہے، زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اور كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ۔ ہر مخلوق کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم

[1] نام یاد نہیں رہا۔ منہ

حاصل ہے۔ ان آیتوں سے ثابت ہے کہ ہر شئے کو اس کے حال کے مطابق نُطق عطا ہوا ہے
میں نے کہا: مجھے نطق اشیا و عناصر سے انکار نہیں، میرا سوال "محسوسِ حواسِ اہلِ دل" پر ہے
آپ کی پیش کردہ دُوسری آیت کے ساتھ ہی یہ لفظ پڑے ہوئے ہیں: وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
(یعنی ہر شے نمازی اور تسبیح خواں تو ضرور ہے لیکن اے انسانو! تم اس کی سمجھ نہیں رکھتے)
پھر اہلِ دل اس نُطق کو کس طرح محسوس کرتے ہیں؟ آپ نے یہ شعر پڑھا:

ہر کہ عاشق گشت حُسن ذات را گشت سیّد جُملہ موجودات را

آپ کی حالت متغیّر ہوگئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مَیں خاموش ہوگیا ـــــ اِس کے بعد مَیں نے عرض کیا: معرفتِ الٰہی سے کیا مُراد ہے؟ آپ نے فرمایا: "سیّدالطائفہ جنید بغدادی کے نزدیک معرفت یا عرفان کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب یا مضاف نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ قرآن عزیز میں اس کا استعمال نہیں کیا گیا، البتہ علم و ایمان کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو عارف ہے، نہ معروف۔ ہاں "عالم و علیم" ہے اور "معلوم" ہے، جس پر بہت سی آیتیں شاہد ہیں اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں، جو اس کے بندوں میں علم سے ممتاز ہیں) یہاں علما کہا ہے، عرفا نہیں کہا ـــــ مجھے صحیح یاد نہیں کہ یہی آیت پڑھی تھی یا کوئی اور آیت بھی پڑھی تھی ـــــ اس کے بعد لفظ علم پر گفت وگو ہوئی۔ فرمایا "علم کی دو قسمیں ہیں، ایک ہمارے اکتسابی معلومات کا ذخیرہ، ہم خود مخلوق الٰہی ہیں اور ہمارے اکتسابی آلاتِ علمیہ ہماری مخلوق یعنی ہمارا علم مخلوق کا مخلوق ہے۔ بس ایسے علم کو علمِ الٰہی سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں ہوسکتا۔ دُوسرا وہ علم ہے، جو خواص کو عطا ہوتا ہے، وہ بے منّت کسب قلب و رُوح کے اعماق سے اُبلتا ہے"۔ مَیں نے عرض کیا، اُس علم کی کلید کیا ہے؟ فرمایا: ارشادِ خداوندی ہے، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا، جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا، اُس پر اس علم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ مَیں نے کہا: تزکیۂ نفس کا طریق کیا ہے؟ اس پر آپ نے صوفیہ کے بعض مشاغل کی طرف اشارہ کردیا۔

اس مقام پر مجھے یاد آگیا، مَیں نے کسی صحبت میں پُوچھا: صوفیہ کے اذکار مخصوصہ اور مصطلحات

مدارج (غوث، قطب، ابدال وغیرہ) کا تعلق نفس اسلام سے کیا ہے؟ صحابہ میں مومن، صالح، شہید، صدیق وغیرہ الفاظ تو ملتے ہیں، لیکن ان الفاظ کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا؟ آپ نے فرمایا: واقعی جنابِ رسالت مآبؐ اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہ یہ اصطلاحات تھیں اور نہ اس قسم کے اذکار و اوراد۔ اسلامی تصوّف مجوس، ہنود اور نصاریٰ کے تعلقات سے کافی حد تک متاثر ہوا ہے۔

اسی ۱۲ر اپریل کی ملاقات میں حضرت مسیح علیہ السّلام کی معجزانہ ولادت اور رفعِ سماوی کا ذکر ہوا تو فرمایا "یہ چیزیں[1] نو مسلم عیسائیوں کی بدولت اسلامی عقاید میں داخل ہوگئیں۔ میں نے پوچھا: اسلام بتمامہٖ قرآن میں محصور ہے یا نہیں؟ فرمایا: "مفصّل کہو"! میں نے کہا: خارج از قرآن ذخیرۂ احادیث و روایات اور کتبِ فقہ وغیرہ کو شامل کرکے اسلام مکمل ہوتا ہے یا صرف قرآن اس باب میں کفایت کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ چیزیں تاریخ و معاملات پر مشتمل ہیں، ان کی بھی ضرورت ہے۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کن ضروریات کے ماتحت وضع کی گئیں، لیکن نفسِ اسلام قرآن مجید میں بکمال و تمام آچکا ہے۔ خدا تعالیٰ کا منشا دریافت کرنے کے لیے ہمیں قرآن سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔

پھر میں نے پوچھا: مولانا رومؔ کے شعر ذیل کی شرح کیا ہے؟

دفترِ صوفی کتاب و حرف نیست — جز دلِ اسپید ہمچو برف نیست

---

[1] علامہ نے اپنے بعض اشعار و خطوط میں بھی جو میرے نام ہیں، اس طرف اشارہ کیا ہے مثلاً:

مینارِ دل پہ اپنے خدا کا نزول دیکھ! — اب انتظارِ مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

اور ــــــ

ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار — وہی مہدی وہی آخر زمانی

مرزا بیدلؔ نے بہت پہلے لکھ دیا ہے:

عالم کہ بوضعِ خودسری مسرور است — در شیوۂ غفلت جسی مجبور است

باز آمدنِ مسیح و مہدی اینجا — از تجربۂ مزاجِ احیان دور است

اُس وقت علی بخش کو بلا کر ایک کتاب منگوائی جس پر غالباً یہ شعر اور اس کے ماقبل و مابعد کے اشعار لکھ کر انگریزی زبان میں اُن کی شرح اپنے قلم سے لکھ رکھی تھی۔ مجھے اُس کا ترجمہ کر کے سمجھا دیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "عالم قلم پر چلتا ہے اور صوفی قدم پر"

پھر مولوی کا یہ شعر پڑھا:

زادِ دانشمند آثار قلم   زادِ صوفی چیست انوار قدم

یہ شعر پڑھ کر بہت روئے۔ اس کے بعد پھر مولوی کا ایک شعر پڑھا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ صوفی ہرن کے قدموں کے نشان سے اس کا سراغ لگاتا ہے اور چلتے چلتے ہوئے نافہ تک پہنچ جاتا ہے، پھر بوئے نافہ کی رہنمائی میں خود ہرن تک جا پہنچتا ہے۔ پھر فرمایا: قلم کی راہ چلنے والا بھی آخر پہنچ ہی جاتا ہے، بلکہ محفوظ طریق سے۔

اس صحبت میں میرے ساتھ ایک خوش گلو رفیق تھا۔ مَیں نے عرض کیا، اگر آپ کچھ سننا پسند فرمائیں، تو یہ صاحب حاضر ہیں۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی۔ مَیں نے بال جبریل منگوانے کو کہا۔ اُسی وقت منگوائی گئی۔ مَیں نے خاص خاص نظموں پر جو مجھے بہت پسند تھیں نشان کر دیے۔ سب سے پہلے ایک غزل پڑھی گئی، جس کا آخری شعر یہ ہے:

تری بندہ پروری سے میرے دن گذر رہے ہیں!
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایتِ زمانہ!

جب تک یہ غزل گائی جاتی رہی، آپ روتے رہے اور مَیں بھی اس حالت سے بہت متأثر ہوا۔

یہ صحبت تقریباً سوا دو گھنٹے تک قائم رہی۔

۱۴ اپریل ۳۵ء کو حاضر خدمت ہوا۔ میرے ساتھ حکیم طالب علی صاحب تھے۔ ہمارے حاضر ہونے سے پہلے مشہور شاعرہ اور قائدہ مسز سروجنی نائیڈو اور میاں بشیر احمد آف ہمایوں موجود تھے۔ اُن سے انگریزی میں بات چیت ہوتی رہی۔ مَیں نے شاعرہ کو پہلی اور آخری دفعہ دیکھا اور یہ بات بھی ایک ہی دفعہ دیکھی کہ علامہ، شاعرہ کو رخصت کرنے کے

لیے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کوٹھی کے برامدے تک تشریف لائے۔

اس کے بعد جناب عبداللہ یوسف علی اور بعض دیگر اکابر حمایت اسلام آگئے۔ کسی خاص موضوع پر میٹنگ ہوئی۔ آخر دیر کے بعد تنہائی نصیب ہوئی ــــــ میں نے پوچھا: مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کس کے متبع ہیں؟ فرمایا، مرزا سے پہلے کوئی شخص اس رنگ میں لکھنے والا نظر نہیں آتا۔ وہ اپنی طرز کے آپ ہی مُوجد و مبدع اور خالق و صانع ہیں۔ اُن کے بعد بھی کوئی اس طرز میں کامیابی حاصل نہیں کر سکا۔

اس کے بعد کئی باتیں ہوئیں، جو خاص طور پر قابل ذکر نہیں۔ پھر حکیم طالب علی صاحب کے سوال پر مسیح علیہ السلام کی معجزات سے بھری ہوئی زندگی، ولادت اور وفات سے متعلق فرمایا کہ نومسلم عیسائیوں نے اپنے غیر معقول اور خرافیاتی عقاید مسلمانوں میں شائع کر دیے۔ سادہ لوح مسلمانوں نے ان کو اجزائے اسلام سمجھ کر سر آنکھوں پر اُٹھایا اور ابتدائی مصنّفین نے روایتاً اپنی کُتب میں نقل کر دیا ــــــ اس کے علاوہ ایک صحبت میں آپ نے خاص طور پر فرمایا کہ بزرگوں کی آمد ثانی کا عقیدہ تمام مذہبی گروہوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ صرف مسلمانوں سے مختص نہیں۔ اس میں یہ مصلحت رکھی گئی ہے، کہ جب کوئی مصلح و مجدّد کھڑا ہو، وہ لوگوں کے اس انتظار و اعتقاد سے فائدہ اُٹھا کر ان کو ایک مرکز پر لا سکے۔ مسلمانوں کے مسیح و مہدی کی آمد بھی اسی قبیل سے ہے، ورنہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن اس بارے میں قطعاً خاموش ہے۔" ایک اور بزرگ نے بھی ایک دفعہ اپنا یہی خیال ظاہر کیا تھا جس پر عوام پنجے جھاڑ کر اُن کے پیچھے پڑ گئے۔ آخر اُن کو اپنے الفاظ کی نہایت نازیبا تاویل کر کے جُہّال کی زبانیں بند کرنا پڑیں۔ علّامہ کے شعر ذیل میں اسی طرف اشارہ سمجھا گیا ہے:

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو ــ کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت

اس کے بعد میں نے حیات بعد الممات سے متعلق استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا: حیاتِ اُخروی، انسان کے ذوقِ حیات کی شدّت پر منحصر ہے۔ جس قدر کسی شخص میں ذوقِ زندگی

زیادہ ہوگا۔ اتنا ہی اس کا زمانہ برزخ کم ہوگا۔ شہدا کا ذوقِ زندگی بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے اس لیے اُن کے لیے کوئی برزخ نہیں۔ اس زندگی سے آنکھ بند کرتے ہی اُن کے لئے دوسری زندگی کا دروازہ کھل جاتا ہے"۔ مَیں نے عرض کیا "عام مومنین کے لیے بھی برزخ کا کہیں ذکر نہیں۔ فرمایا" اس کا سبب بھی ذوقِ حیات ہے۔ مَیں نے اس خیال کو اپنے ایک شعر میں بھی ظاہر کیا ہے:

جانے کہ بخشند دیگر نگیرند — انساں بمیرد از بے یقینی

اس کے بعد سلسلہ گفتگو دوسری جانب مُڑ گیا۔ آپ نے فرمایا "یورپ سے آتے ہوئے ایک صبح جہاز میں مَیں قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ میرے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا آگئی وَارزق اھلہ من الثمرات رزقاً (خدایا! حرم کعبہ کے اہالی کو پھلوں سے رزق عنایت فرما) اس سے میری طبیعت بے حد متاثر ہوئی۔ اس دعا کو زبان سے نکلے ہوئے چار ہزار سال گذر گئے۔ اس کی قبولیت ایک بدیہی حقیقت بن گئی ہے۔ تمام اسلامی ممالک ایران، عراق، شام، افغانستان، بیروت، ٹرکی وغیرہ جو حرم کعبہ سے روحانی تعلق رکھتے ہیں پھلوں کے رزق سے معمور ہیں اور غیر اسلامی دُنیا یورپ، امریکہ وغیرہ اس نعمتِ خداوندی سے محروم۔ سُبحان اللہ!

۱۶ جنوری ۱۹۳۸ء، ۳ بجے بعد دوپہر۔ بمقام جاوید منزل قریباً ۱½ گھنٹہ تک ملاقات رہی۔ دوران کلام میں آپ نے فرمایا: علم کے چار ذریعے ہیں اور قرآن مجید نے اِن چاروں کی طرف واضح رہنمائی کی ہے۔ مسلمانوں نے ان کی تدوین کی اور دُنیائے جدید اس باب میں ہمیشہ مسلمانوں کی منت کش رہے گی۔ پہلا ذریعہ "وحی" ہے اور وُہ ختم ہو چکا۔ دُوسرا ذریعہ "آثار قدیمہ و تاریخ" ہے، جس پر آیات قرآن متوجہ کر رہی ہیں "سیرُوا فی الارض" اس آیت نے علم آثار کی بنیاد رکھ دی، جس پر مسلم مصنفین نے عالیشان قصر تعمیر کیے۔ ذکّرھم بایام اللہ یہ آیت مجید تاریخ کا ابتدائی نقطہ ہے، جس نے ابن خلدون جیسے باکمال محقق پیدا کیے۔ علم کا تیسرا ذریعہ "علم النفس" ہے جس کا آغاز و فی انفسکم افلا تبصرون سے ہوتا ہے۔ اس کو حضرت جنید اور اُن کے

رفقاء اتباع نے کمال تک پہنچایا۔ آخری ذریعہ صحیفہ فطرت ہے جس پر قرآن مجید کی بیشمار آیات دلالت کر رہی ہیں مثلاً الی الارض کیف سطحت"۔ اس علم پر علمائے اندلس نے بہت توجہ مبذول کی۔

آیات متشابہات' فصلت آیاتہ' راسخون فی العلم' وغیرہ آیات کی تطبیق پر حضرت علامہ کی تقریر جو میں پہلے نقل کر آیا ہوں' اسی صحبت میں ہوئی تھی' اس تملم تشریح علوم' تفصیل آیات' اور مساعی علمائے اسلام کا ذکر کرنے کے بعد آپ نے فرمایا کہ موجودہ دنیا اپنے تمام علم و تہذیب اور صنائع و بدائع سمیت مسلمانوں کی "مخلوق" ہے ——— میں نے اس لفظ پر ذرا اظہار تعجب کیا۔ آپ نے فرمایا' حقیقی خالق بے شک اللہ تعالی ہے' لیکن اس کے علاوہ بھی خالق ہو سکتے ہیں' جیسا کہ آیۂ احسن الخالقین سے ظاہر ہے' خدائے پاک تمام دوسرے خالقوں سے احسن ہے"۔

اس کے بعد فرمایا "قرآن سے پہلے کسی ارضی یا سماوی کتاب نے انسان کو اس بلند مقام پر نہیں پہنچایا' جس کی قرآن نے اطلاع دی۔ یہ لفظ تم قرآن کے سوا کہیں نہ دیکھو گے "سخر لکم ما فی السموٰت والارض" آج تک تم جن ارضی و سماوی مہیب یا مفید ہستیوں کو اپنا معبود سمجھتے رہے ہو' وہ سب اور تمام دیگر کائنات تمہاری خدمت کے لیے خلق کی گئی ہے توحید کا یہ مرتبہ اعلیٰ ماسوا سے بے پروا کر دینے والا' یہ انسانی خودی کا حقیقی عرفان' قرآن سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا"

اس کے بعد سید جمال الدین افغانی اور سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہما کا تذکرہ چل پڑا۔ فرمایا " افغانی کا مرتبۂ علم و فضیلت سید سے بدرجہا بلند ہے۔ سید کے فرزند رشید سید محمود کی علمی قابلیت بھی نادرۂ روزگار تھی۔ اُن کی قانونی استعداد حضرت امام ابو حنیفہ رح کے مشابہ تھی۔

میں نے سید احمد رح کی وفات پر تاریخ کہی تھی' جو اُن کی قبر پر کندہ ہے:

انی متوفیک و رافعک الیّ و مطھرک

ایک دفعہ میرے ساتھ میاں مولا بخش صاحب سوداگر صابون تھے۔ یہ بزرگ امرت سر میں اپنے دینی ذوق کے لیے مشہور ہیں۔ ہمارے ساتھ دو اور صاحب ملاقات کے کمرے

میں داخل ہوئے۔ باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ یہ صاحب غالی قسم کے اہل حدیث ہیں۔
ان دنوں علامہ مسیح کی آمد ثانی کے متعلق ایک بیان شائع کرا چکے تھے، جس سے احمدی حضرات ناجائز فایدہ اٹھا رہے تھے۔ یہ دونوں صاحب اس معاملہ کے متعلق علامہ سے کچھ گفت وگو کرنے آئے تھے۔ انہوں نے کہا " احمدیوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ آپ (علامہ) نے لکھا ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ مسلمانوں نے مجوسیوں سے لیا ہے، کیا آپ نے کہیں ایسا لکھا ہے؟ علامہ نے فرمایا، نہیں! انہوں نے کہا " آپ تحریر فرما دیں، تاکہ ہم اس کو شائع کر کے احمدیوں کا منہ بند کر دیں"۔ علامہ نے اسی وقت قلم کاغذ منگوا کر اس مطلب کی تحریر لکھ دی۔ ان دونوں صاحبوں نے اس تحریر کو پڑھ کر کہا " ایک سطر کا اور اضافہ کر دیجیے، جس کا مطلب یہ ہو کہ آپ حدیث شریف کے مطابق مسیح کی آمد ثانی پر اعتقاد رکھتے ہیں"۔ علامہ نے فرمایا " میرا یہ اعتقاد نہیں ہے" انہوں نے کہا، کیا آپ کو حدیث کی صحت سے انکار ہے" ؟ آپ نے فرمایا " میں اعتقادی امور میں صرف قرآن پر انحصار رکھتا ہوں اور حدیث کے متعلق مجھے اور آپ سب کو خوب معلوم ہے کہ کن ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے"، اس بات پر ایک صاحب ذرا گرم ہو کر کہنے لگے، اگر اس طرح حدیث سے بے پروائی کی جائے گی تو مسلمانی ختم ہو جائے گی۔ ہمارا کوئی عمل وعبادت حدیث کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا قرآن تو نماز ایسی روزمرہ کی چیز کے لیے بھی ہمیں کوئی تفصیل نہیں بتاتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرقہ اہل قرآن نے اپنے لیے عجیب قسم کی نمازیں تراش لی ہیں، جن کا جمہور اہل اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کی نمازوں کے اوقات، اذکار اور رکعات وغیرہ سب عالم اسلامی سے مختلف ہیں۔ کیا ایسی حالت میں آپ ان کو کافر نہیں کہیں گے؟ علامہ نے اس تیز کلامی کے جواب میں نہایت نرمی سے فرمایا، " کافر نہ کہو، کوئی اور نام رکھ لو، یہ شدت ہے، تم لوگ نمازوں کی رکعات واذکار پر لڑتے ہو، مجھے تو سرے سے نماز کا وجود ہی کہیں نظر نہیں آتا (یا یہ کہا تھا کہ خطرے میں نظر آتا ہے) اس کے بعد وہ دونوں صاحب چلے گئے، لیکن گفت وگو کا موضوع نہ بدلا۔ علامہ نے بڑے درد سے فرمایا کہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر

جھگڑا اور فتوے بازی اس امر کی دلیل ہے کہ اس قوم میں اللہ والے لوگ ختم ہو چکے ہیں
پھر آپ نے وفد طالِ احمر کا وہ قصہ سنایا، جو بعد میں ضربِ کلیم میں بصورت نظم شائع ہوا۔
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وفد موصوف کے ایک رکن علامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے شاہی مسجد میں گئے۔ وہ بوڑھے آدمی تھے۔ امام نے نماز میں طوالت اختیار کی ۔ وہ تنگ آ گئے۔ باہر آ کر انہوں نے علامہ سے اس طوالت پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کا سبب پوچھا۔ تو علامہ نے کہا، یہ ہندی مسلمان کے بے کار اور بے نصب العین ہونے کی دلیل ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے اپنی قوم اور ملت کی تعمیر و تشکیل کا کام ہے، اس لیے آپ کو ایسی بے مصرف نمازوں کی فرصت نہیں۔ اس ملک کے بے کار مُلّا اور نکمے مسلمان اگر مذہبی بحث و پیکار اور لمبے لمبے ورد و وظائف میں اپنا وقت صَرف نہ کریں، تو کیا کریں ؟

چوں کہ گفت و گو کا آغاز آمدِ مسیح سے ہوا تھا، ہم[1] نے کہا کہ ہم اس آمدِ ثانی پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ہمیں اس کا ثبوت انجیل و قرآن میں صاف نظر آ رہا ہے۔ اس پر علامہ نے کسی قدر حیرت کا اظہار کیا۔ میں نے انجیل کی آیاتِ ذیل کی طرف اشارہ کیا۔ مسیح فرماتے ہیں:

" تب لوگ ابن آدم کو بدلی میں قدرت اور بڑے جلال کے ساتھ آتے دیکھیں گے ..... میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب نہ ہو لے، یہ پُشت کبھی نہ گذرے گی آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، پر میری باتیں کبھی نہ ٹلیں گی" (لوقا $\frac{۲۲}{۲۷ \text{ تا } ۳۳}$)

"...... وہ وقت نزدیک بلکہ دروازے پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانے کے لوگ گزر نہ جائیں گے، جب تک یہ سب کچھ واقع نہ ہو وے۔ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں نہ ٹلیں گی" (مرقس $\frac{۱۳}{۲۲ \text{ تا } ۳۱}$)

---

[1] ہم سے مراد میں اور میاں مولا بخش صاحب ہیں۔ میں اور میاں صاحب اکثر دینی مسائل میں متفق ہیں اسی طرح آمدِ مسیح کے متعلق بھی ہمارے خیالات یکساں ہیں۔ مجھے صحیح یاد نہیں، میں نے کونسی بات کہی اور میاں صاحب نے کونسی ؛ اتحادِ خیال و اتحادِ گفتار کی وجہ سے "ہم" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوحنا کا کلام ہے کہ

"دیکھو! وُہ بادلوں کے ساتھ آتا ہے، ہر ایک آنکھ اس کو دیکھے گی اور وے بھی جنہوں نے اُسے چھیدا۔" (مکاشفات ۱/۷)

اسی مضمون کے قریب قریب قرآن میں ہے: وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا۔[1]

ہم نے کہا، اِن آیات سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں:

(۱) مسیح علیہ السّلام واقعہ صلیب کے بعد ضرور ظاہر ہوں گے۔

(۲) اُن کے ظہورِ ثانی کے وقت وُہ لوگ ختم نہیں ہوجائیں گے جو صلیب کے وقت موجود تھے

(۳) ان کا آنا جاہ وجلال کا آنا ہوگا، نہ کہ غلامی اور محکومیت کی زندگی کے ساتھ آنا، جیساکہ اس زمانے کے محکوم مدعیانِ مسیحیت کا حال ہے۔

ہماری یہ باتیں حضرت علامہ کے نزدیک قابلِ غور تھیں۔ وُہ بہت توجہ سے سماعت فرماتے تھے، اور کہیں کہیں وضاحت کے لیے سوال بھی کرتے جاتے تھے۔ اسی سلسلہ میں ہم نے کہا، اِس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اور انجیل مسیح کی آمدِ ثانی کا وقوع کہیں ظاہر نہیں کرتی، لیکن ان سب سے زیادہ معتبر گواہ قرآن مجید ہے، جو اُن کی با جاہ وجلال آمد پر حتمی شہادت پیش کر رہا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید منگوایا گیا اور سُورۂ صف کی آخری آیات سے استناد کیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ	اُے ایمان والو! خُدا کے انصار بنو، جیسے
كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ	عیسٰے ابن مریم نے حواریوں سے کہا، خدا
مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ۚ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ	کی راہ میں کون میرا معاون ہے؟ حواریوں
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ	نے کہا، ہم خُدا کے انصار ہیں، پس بنی

[1] اور کوئی اہلِ کتاب نہیں ہوگا، مگر مسیح کی موت سے پہلے اُس پر ایمان لے آئے گا اور وُہ قیامت کے دن اُن پر گواہ ہوگا۔

بَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ○ — اسرائیل کا ایک طائفہ ایمان لایا اور ایک طائفہ منکر ہُوا۔ پھر ہم نے دشمن کے مقابلہ میں اُن لوگوں کی تائید کی جو ایمان لائے پھر اُن کو غلبہ حاصل ہُوا

یہ سُورت مدنی ہے۔ جہاں سے مُسلمانوں کے جاہ و جلال کا زمانہ شروع ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ میں مُسلمانوں کو حواریانِ مسیح کے مانند بننے کی ترغیب دلائی گئی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ مُسلمانوں نے اس بارے میں پوری کوشش کی اور اپنے پیغمبرؐ کی زندگی میں جاہ و جلال کے مقام پر پہنچے۔ وجُوہِ مشابہت حسبِ ذیل ہیں،

(۱) مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد اپنے وطن سے ہجرت پر مجبور ہوئے، پیغمبرِ اسلام کو بھی مکہ چھوڑنا پڑا۔

(۲) مسیحؑ نے وطن سے اور کسی دوسرے مقام پر دوبارہ اپنی قوّتیں مجتمع کیں۔ پیغمبرِ اسلام نے بھی مدینہ منوّرہ میں بیٹھکر کام شروع کیا۔

(۳) مسیح حواریوں کو لے کر فاتحانہ یروشلم میں داخل ہوئے جب کہ اُن کے دشمن ابھی موجود تھے۔ پیغمبرِ اسلام انصار و مہاجرین کو لے کر فاتحانہ مکہ پہنچے جب کہ اُن کو ایذا دینے والے اس صدمہ کو دیکھنے کے لیے زندہ تھے۔

اگر فتح یروشلم مسیحؑ کی زندگی میں نہیں ہوئی تو آیۃ کونوا انصاراللہ کما قال الخ میں "کما" حرفِ تشبیہ بے کار ہُوا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت کے الفاظ بول رہے ہیں کہ مسیحؑ اپنے رفقا کو پکارتے ہیں، وہ رفاقت کا وعدہ کرتے ہیں، اُن کو تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے اور وہ غالب ہوتے ہیں (فاصبحوا ظاھرین)

تاریخ نے بہت سے اہم واقعات کی طرح اس واقعہ کو فراموش کر دیا لیکن قرآن کے یہ الفاظ کبھی نہیں مٹ سکتے۔ اس کے علاوہ بھی آیات مویّدہ موجود ہیں مثلاً

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ — اللہ نے یہ قانون ٹھیرا دیا ہے کہ میں (خدا) اور میرے رسُول ضرور غالب آئینگے

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ — مسیحؑ نے دنیا و آخرت میں عزت و وجاہت حاصل کی۔

اگر واقعہ صلیب تک کے بیانات پر انحصار رکھا جائے تو جناب مسیح کا غلبہ اور دنیوی وجاہت کہاں ہے؟ قرآن کی روشنی میں ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ مسیح اور ان کے رفقار اپنے دشمنوں پر غالب آچکے۔ مسیح نے آخرت کے پیغمبرانہ جلال و وجاہت کی طرح دنیا میں بھی عظمت واقتدار حاصل کیا اور اس طرح اس کی آمد ثانی کی موکد پیشگوئی پوری ہوئی۔ اب کسی مسیح کا انتظار کرنا عیسائیوں اور مسلمانوں کی خوش اعتقادی کے سوا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر آج مسلمان اس حقیقت کو سمجھ لیں تو اسلامی دنیا مدعیان مسیحیت کے نت نئے فتنوں سے محفوظ ہو جائے۔

ہمارے ان معروضات کو حضرت علامہ نے بہت غور و توجہ سے سُنا۔ ان کی روش سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس پر مزید غور فرمائیں گے۔ آیۂ لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ کی ضمیروں کے مراجع کے متعلق علما میں بہت اختلاف ہے۔ علامہ نے اس پر ہماری تحقیق دریافت کی ہم اس پر کوئی تسلی بخش بات نہ کر سکے۔ اس وقت خیال تھا کہ امرت سر پہنچ کر زیادہ غور کر کے بذریعہ تحریر حضرت علامہ کو اپنی تحقیق سے آگاہ کریں گے لیکن اس کا موقعہ نہ مل سکا۔

ایک صحبت میں مَیں نے علامہ ابن جوزی کی "تلبیس ابلیس" کا ذکر کیا، اس میں مصنف نے کامل جرأت اور پاک دلی سے ابلیس کے ہتھکنڈوں اور مقدس مذہبی جماعتوں پر اس کے اثرات کی وضاحت کی ہے۔ اس ضمن میں صوفیہ کے معائب بھی دل کھول کر بیان کیے ہیں۔ مَیں نے اس حصّہ کا کچھ ذکر کر کے حضرت علامہ کی رائے دریافت کی۔ آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ مَیں نے کہا، علامہ ابن تیمیہ کی روش بھی تصوف کے خلاف ابن جوزی سے کچھ کم نہیں۔ آپ نے اس پر بھی کچھ ایسے الفاظ فرمائے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ بعض لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور نظر بر ظاہر عیب چینی شروع کر دیتے ہیں ——— ایک اور صحبت میں موجودہ ہندوستانی وہابیت کو ایک خشک مذہبیت کا خطاب دیا اور فرمایا کہ "میں احمدیت کو توبہ وہابیت"

سمجھتا ہوں، ان لوگوں نے انگریز کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر احمدیت کا غلامانہ لباس اوڑھ لیا، تاکہ انگریز اُن کو سید احمدؒ اور اسماعیل شہیدؒ کے مسلک سے تائب سمجھ کر بے خوف ہو جائے۔ اس صحبت میں احمدیت سے متعلق میرے ساتھ بعض ایسی باتیں کیں جن کے اخفا کا مجھ سے عہد لے لیا، ان باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کو اس تحریک سے بہت عمیق نفرت ہے۔ بعض اہل حدیث مولویوں کا ذکر آ گیا، تو معلوم ہوا کہ اُن کی کوتہ اندیشی اور قوم کشی سے بھی آپ کو بہت دکھ ہوتا ہے۔

ہنگامہ شہید گنج کے دنوں میں جب کہ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور اخبارات آپس میں پگڑی اچھالنے کی مشق میں بہت تیزی دکھا رہے تھے، میں نے عرض کیا، آپ ان لوگوں کے لیڈروں کو بلا کر صلح کرادیں، تو بہت بڑی اسلامی خدمت ہوگی۔ آپ نے فرمایا "امرتسر میں یہ کوشش کرو"۔ میں نے کہا "امرتسر میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جو ان پر مؤثر ہو سکے"۔ آپ نے فرمایا کہ "میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ ان کے منہ بند کر سکوں۔ میں ان سب کو خوب جانتا ہوں" میں نے کہا، آپ کے نزدیک موجودہ ہندی اسلامی تحریکوں میں کونسی تحریک مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا "عموماً ان تحریکوں کے قائد جاہل ہیں" احرار کے متعلق کہا "ان سے کسی قدر اصلاح کی امید ہو سکتی ہے"۔

ایک دفعہ میں نے پوچھا۔ مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں آپ کے مصرع

"علم و حکمت از کتب، دیں از نظر"

میں "نظر" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا "صحبت"

ایک دفعہ میں نے عرض کیا، فلاں جدید فرقہ صراحتاً متضاد دعاوی اور لغو عقاید کا مجموعہ ہے لیکن بہت سے اہل علم و ثروت اور اصحاب دانش و تجربہ اس میں شامل ہیں جس سے سطحی عقل کے لوگ بانی فرقہ کی صداقت تسلیم کر لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ———— اس کے جواب میں آپ نے عقل کی متعدد قسمیں بیان کیں جن کے لیے

انگریزی الفاظ استعمال کیے جو مجھے یاد نہیں رہ سکے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا: بعض لوگ بعض مخصوص فنون و اعمال میں کافی بصیرت کے مالک ہوتے ہیں لیکن بہت سے دُوسرے اُمُور میں قطعاً سادہ اور صریح الاعتماد ثابت ہوتے ہیں"۔۔۔۔

اس پر ایک مثال بیان فرمائی کہ ۔۔۔۔ "مجھے ایک مصنّف نے اپنی ایک کتاب جو انگریزی زبان میں معدنیات پر لکھی گئی تھی' تبصرے کے لیے بھیجی۔ مَیں نے اُسے پڑھا تو مجھے اُس فن سے ذوق پیدا ہوگیا۔ تھوڑے عرصہ میں میں نے جواہر کے پرکھنے کی مہارت حاصل کر لی۔ ــــــہ ء میں جب ولایت گیا تو ایک لارڈ صاحب کی لیڈی کو میرے اِس ذوق کا علم ہوگیا۔ وہ بھی اِس کی بہت شوقین تھیں۔ اپنے جواہرات کا ڈبّہ اٹھا کر میرے پاس لے آئیں۔ مَیں ان کے گراں قدر منتخبات کو دیکھتا اور اُن کی مناسب تعریف کرتا رہا۔ اخیر میں اُنھوں نے کہا کہ میرے پاس ایک نہایت اعلیٰ .....[۱] تھا لیکن افسوس ہے کہ مَیں اُسے جُدا کرنے پر مجبور ہوگئی۔ مَیں نے کہا' آپ مجبور کیوں ہوگئیں؟ انھوں نے کہا' مجھے بتایا گیا تھا کہ وُہ میری قسمت کے موافق نہیں"۔ اس سے اندازہ لگالو کہ وہ عورت بڑی اہلِ علم و تجربہ ہونے کے باوجُود کتنے پست وہم میں گرفتار تھی۔ اِسی طرح بعض آدمی قانون میں بڑے ماہر ہوتے ہیں' جب وُہ کسی مذہبی مدعی کی بزرگی تسلیم کر لیتے ہیں تو عوام کو دھوکا ہوتا ہے کہ اتنے قانون دان نے اس کو بزرگ مانا ہے' ضرور اس میں کوئی بزرگی ہوگی' حالانکہ وُہ قانون دان مذہب کی حقیقت سے اتنا ہی کورا ہوتا ہے جتنا ایک عامی انسان۔ اِسی طرح اکثر لوگ مذہبی کتب پر عبور رکھتے ہوئے بھی صحیح مذہبی حِس نہ رکھنے کے باعث فریب میں مُبتلا ہوجاتے ہیں۔

ایک دفعہ علم جوتش کا ذکر ہُوا۔ فرمانے لگے' میرے ایک پنڈت دوست نے اپنے استاد سے جو بنارس میں اِس فن کا بہت ماہر تسلیم کیا جاتا تھا' جاوید کی ولادت پر جنم پتری بنوائی' میں اس علم کا قائل نہیں ہُوں' اِس لیے مَیں نے اس پر کچھ توجّہ نہ کی۔ چند دِن گذرے'

---

[۱] کوئی قیمتی پتھر تھا جس کا نام یاد نہیں رہا (منہ)

بڑے بھائی صاحب نے وہ پتری نکال کر دیکھی اور مجھے بھی دکھائی۔ اس میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی لکھا تھا کہ "یہ بچہ .... سال کی عمر کو پہنچے گا تو اس کا والد لمبی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ خود ... سال تک معدہ (یا شاید جگر) کے مرض میں مبتلا رہے گا"
تعجب ہے کہ یہ دونوں باتیں صحیح ہو رہی ہیں۔

ایک دفعہ اسلام یا مُسلم کی تعریف میں ایک بلیغ و عمیق تقریر فرمائی جس کو میں مشکل سمجھ سکا، اس وقت اس کا دُھندلا سا اجمال دماغ میں موجود ہے۔ کچھ ایسا مفہوم تھا، کہ انسان صحیح معنوں میں مُسلم اُس وقت ہوتا ہے جب قرآن کے فرمائے ہوئے اوامر و نواہی اس کی اپنی "خواہش" بن جائیں، یعنی وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی حاکم یا آقا کے حکم و تسلط کے ماتحت فضائل اخلاق و عبادات پر کاربند اور ذمائم و قبائح نفس سے مجتنب ہوں بلکہ یہ چیزیں اُس کی اپنی تمنا بن کر اس کے عمق رُوح سے اُٹھیں۔ قرآن اس کے حق میں ایک تلخ اور شاق دوا نہ رہے بلکہ ایک لذیذ اور زندگی بخش غذا بن جائے، منشائے الٰہی اور فطرتِ انسانی میں مغائرت نہ رہے۔ یہی مطلب ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا الخ کا"۔ اس پر تاریخ سے بعض مثالیں بھی دیں جو بالکل بھول گئی ہیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ یہ تمام داستان طویل عرصہ کے بعد ایک کمزور حافظہ کی مدد سے مرتب کی گئی ہے، اس لیے اس میں بالکل وہی کچھ نہیں ہے جو علامہ مرحوم کی زبان سے نکلا۔ بعض جگہ اشارات تفصیل کی صورت میں آ گئے ہیں اور بعض جگہ تفصیل اشارات میں ہو گئی ہے۔ تاہم یہ کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات جو اُن کے عقاید کے خلاف ہو، اُن کے ذمے لگانے کے گناہ سے احتراز کیا جائے
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَانَا۔ (عرشی)

فِیہَا کُتُبٌ قَیِّمَہ

مکتوباتِ اقبال

مولانا سراج الدین صاحب پال ایم۔اے (ایڈووکیٹ) کے نام

(۱)

لاہور۔ ۱۰ جولائی ۱۶ء

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

آپ کا خط مجھے مل گیا، جس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کے مضامین نہایت اچھے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حقائق اسلامیہ کی سمجھ عطا کی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اُسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے، مسلمان مردہ ہیں۔ انحطاطِ ملی نے اُن کے تمام قویٰ کو شل کردیا ہے اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا سحر ڈالتا ہے، جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے، مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے میں مثنوی "اسرارِ خودی" کا دوسرا حصہ لکھ رہا ہوں، امید کہ اس حصہ میں بعض باتوں پر مزید روشنی پڑے گی۔

حافظ پر ایک طویل مضمون شائع ہونے کا مجھے بھی احساس ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اِس کو بأحسن وجوہ اتمام کر سکتے ہیں۔ آپ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان عقلی و اخلاقی ایسا مضمون لکھنے کے لیے ضروری ہے، وہ سب آپ میں موجود ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل و شعار میں باطنی معانی تلاش کرنا یا اس میں باطنی مفہوم پیدا کرنا اصل میں اس دستور العمل کو مسخ کر دینا ہے۔ یہ ایک نہایت

عام ناطاری طریق تنسیخ کا ہے اور یہ طریق وہی قومیں اختیار یا ایجاد کرسکتی ہیں، جن کی فطرت گوسفندی ہو۔ شعرائے عجم میں بیشتر وہ شعرا ہیں، جو اپنے فطری میلان کے باعث وجودی فلسفے کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے بھی ایرانی قوم میں یہ میلان طبیعت موجود تھا اور اگرچہ اسلام نے کچھ عرصہ تک اس کا نشو و نما نہ ہونے دیا، تاہم وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح سے ظاہر ہوا، یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑی جس کی بنا وحدت الوجود تھی۔ ان شعرا نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دل فریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے اور اسلام کی ہر محمود شئے کو ایک طرح سے مذموم بیان کیا ہے۔ اگر اسلام افلاس کو برا کہتا ہے تو حکیم سنائی افلاس کو اعلیٰ درجہ کی سعادت قرار دیتا ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کو حیات کے لیے ضروری تصور کرتا ہے، تو شعرائے عجم اس شعارِ اسلام میں کوئی اور معنی تلاش کرتے ہیں مثلاً:

غازی ز پئے شہادت اندر تگ و پوست — غافل کہ شہید عشق فاضل تر ازوست
در روز قیامت ایں باو کے ماند — ایں کشتۂ دشمن است وآں کشتۂ دوست

یہ رباعی شاعرانہ اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور قابل تعریف، مگر نظر انصاف سے دیکھیے تو جہاد اسلامیہ کی تردید میں اس سے زیادہ دل فریب[1] اور خوب صورت طریق اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر نے کمال یہ کیا ہے کہ جس کو اس نے زہر دیا ہے، اس کو احساس بھی اس امر کا نہیں ہوسکتا کہ مجھے کسی نے زہر دیا ہے، بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھے آب حیات پلایا گیا ہے آہ! مسلمان کئی صدیوں سے یہی سمجھ رہے ہیں۔

اس نکتۂ[2] خیال سے نہ صرف حافظ بلکہ تمام شعرائے ایران پر نگاہ ڈالنی چاہیے۔ اگر آپ حافظ پر لکھیں تو اس نکتۂ[3] خیال کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ جب آپ اس نگاہ سے شعرائے معروف پر غور کریں گے تو آپ کو عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ یہ طویل خط میں نے صرف اس واسطے لکھا ہے کہ فارسی شعر کے مطالعے میں آپ کا دماغ ایک خاص رستے پر پڑ جائے۔ ان شاء اللہ "اسرار خودی" کے دوسرے حصے میں بتاؤں گا کہ شعر کا نصب العین کیا ہونا چاہیے؛

---

[1] پُرفریب (مدیر) [2-3] کذا فی الاصل (مدیر)

ایک اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں، جو وکیل میں شائع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسی جماعت پیدا کر دے، جو بقول آپ کے اِسلام کے نادان دوستوں کی پیدا کی ہوئی آمیزشوں کے خلاف جہاد کرے۔ والسلام۔

آپ کا مخلص، محمد اقبال

(۲)

لاہور۔ ۱۴ جولائی ۱۶ء

مکرم بندہ! السلام علیکم

مَیں نے پرسوں ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا تھا، جو امّید ہے آپ کو مِل گیا ہوگا۔ اس میں آپ کو یہ لکھنا بھول گیا کہ اگر آپ کا ارادہ حافظ پر مضمون لکھنے کا ہے تو حال میں ایک کتاب جو خواجہ حافظ شیرازی پر لکھی گئی ہے ملاحظہ فرما لیجیے۔ اس کتاب کا نام لطائف غیبی ہے۔ مصنّف مرزا محمد دارابی ہیں۔ طہران میں شائع ہوئی تھی، غالباً ۱۰ یا ۱۱ سال ہوگئے۔ اس میں جو اعتراضات حافظ پر وقتاً فوقتاً کیے گئے ہیں، ان کی تردید ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ کیا کیا اعتراضات حافظ کے کلام اور اُن کی تعلیم پر کیے گئے ہیں۔ مَیں نے اس کا ایک مطبوعہ نسخہ انگلستان میں دیکھا تھا۔ اُس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی، ورنہ نوٹ کر لیتا بہر حال میرا خیال ہے کہ بمبئی کے ایرانی کتب فروشوں سے مل جائے گی۔ پروفیسر براؤن نے "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" میں بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو اس کتاب میں سے کچھ اقتباس بھی کیا ہے۔ کلارک نے جو انگریزی ترجمہ حافظ کا کیا ہے اُس کے دیباچہ میں ایک عجیب بات لکھی ہے یعنی "حافظ کے چچا سعدی (یہ شیخ سعدی نہیں ہیں) نے اس سے کہا کہ تمہارے کلام کے پڑھنے والوں پر دیوانگی اور لعنت نازل ہوگی" یہ واقعہ لکھ کر حاشیہ میں مصنّف نوٹ دیتا ہے کہ قسطنطنیہ کے شیعوں کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ حافظ کا کلام پڑھنے والوں پر بالآخر جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے، تذکروں سے اور مصالحہ بھی آپ کو ملے گا۔

تاریخی اعتبار سے اس کے کلام پر نظر ڈالنی ہو تو مولوی شبلی کی "شعرالعجم" ملاحظہ کیجیے، غالباً اس سے آپ واقف ہوں گے۔

دیوان حافظ سے فال نکالنے کے دستور کے متعلق بھی عمدہ آگاہی کلارک کے دیباچے سے ملے گی۔

تیمور خاندان کے متعلق جو واقعہ مشہور ہے (اس کا ذکر آتشکدہ کے مصنف نے کیا ہے۔ یعنی بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را) وہ تاریخی اعتبار سے غلط ہے، کیوں کہ حافظ کا انتقال ۱۳۸۸ء میں ہوا۔ تیمور نے شیراز ۱۳۹۲ء میں فتح کیا۔ والسلام

آپ کا خادم محمد اقبال

(۳)

لاہور۔ ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء

مکرمی! السلام علیکم۔

صیام کے متعلق آپ کا مضمون نہایت عمدہ ہے اور میرے مذہب کے عین مطابق، بلکہ آپ کے مضمون کا آخری فقرہ میں نے سب سے پہلے پڑھا، یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آیا آپ کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ باب اِفتعال کا ایک خاصہ سلب ماخذ ہے، یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ یطیقون میں تمام بوڑھے، فطری کمزور اور حائضہ عورتیں شامل ہیں۔ ہندی مسلمانوں کی بڑی بدبختی یہ ہے کہ اس ملک سے عربی زبان کا علم اٹھ گیا ہے۔ اور قرآن کی تفسیر میں محاورۂ عرب سے بالکل کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں قناعت اور توکل کے وہ معنی لیے جاتے ہیں، جو عربی زبان میں ہرگز نہیں ہیں۔ کل میں ایک صوفی مفسر قرآن کی ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ لکھتے ہیں "خلق الارض والسمٰوت فی ستۃ ایام" میں "ایام" سے مراد تنزلات ہیں، یعنی فی ستۃ تنزلات ہیں۔ کم بخت کو یہ معلوم نہیں کہ زبان عربی میں یوم کا یہ مفہوم قطعاً نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کہ تخلیق بالتنزلات کا مفہوم ہی عربوں کے مذاق اور فطرت کے مخالف ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے نہایت بے دردی سے قرآن اور اسلام میں ہندی اد

یونانی تخیلات داخل کر دیے ہیں۔ کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔

کلارک کے ترجمہ حافظ کے لیے جو آپ نے تھیکر کو لکھا ہے ٹھیک نہیں کیا۔ بہت بڑی کتاب ہے۔ اس کی قیمت بہت زیادہ ہوگی۔ اگر خریداری کے لیے لکھا ہے تو فرمایش منسوخ کر دیجیے۔ یہاں اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ آپ وہاں سے دیکھ سکتے ہیں۔ پروفیسر براؤن کی کتاب بھی یہاں موجود ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جو یورپ میں باقساط شائع ہو رہی ہے اس میں بھی حافظ پر ضرور آرٹیکل ہوگا۔ وہ بھی آپ کو یہاں مل جائے گی۔

ایک مشکل یہ ہے کہ حافظ کی صحیح غزلوں کا پتہ نہیں چلتا۔ بعض پرانے نسخوں میں بعض ایسی غزلیں ہیں کہ وہی غزلیں خواجو کرمانی کے دیوان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ خواجو کرمانی وہ شخص ہے جس کے تتبع کا خود حافظ کو اعتراف ہے۔ لائپزک (جرمنی) میں جو ایڈیشن شائع ہوئی تھی۔ وہ غالباً سودی (ترک شارح حافظ) کے ایڈیشن پر مبنی ہے۔ اس کا مقصد زیادہ تر تشریح ہے۔ سودی کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے مگر جرمن میں ہے۔ اگر کتاب یہاں مل گئی، تو میں آپ کو اس کے سمجھنے میں مدد دے سکوں گا۔ براؤن کی "تاریخ ادبیات ایران" میں بھی حافظ پر کچھ ہوگا۔ یہ کتاب بھی جرمن میں ہے۔ اورینٹل کالج لاہور کی لائبریری میں موجود ہے۔ جب آپ مضمون لکھیں گے تو میں اس کا وہ حصہ آپ کے لیے ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ مجلسی کی "مجالس المومنین" بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ اس میں حافظ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرزا محمد دارابی کی کتاب تلاش کر رہا ہوں، مل گئی تو آپ کو بھی دکھاؤں گا۔ مولانا جامی کی "نفحات الانس" بھی ملاحظہ کیجیے اور غور سے دیکھیے کہ مولانا نے کس قدر احتیاط سے حافظ کے متعلق لکھا ہے۔ پڑھنے پر آپ کو خود بخود یہ بات معلوم ہو جائے گی۔ خواجہ حافظ کے متعلق ایک معاصرانہ شہادت ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف میں پائی جاتی ہے یہ کتاب کمیاب ہے، مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کیے اور شاہ جہانگیر اشرف

کی وفات کے کس قدر عرصہ بعد؟ شاہ جہانگیر اشرف' حافظ کے ہم عصر تھے اور جامع ملفوظات[*]
لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر اشرف' حافظ کو ولی کامل تصور کرتے تھے اور وہ حافظ سے
ہم صحبت رہے ہیں۔ اِس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں۔

مولینا اسلم جیراج پوری نے ایک کتاب حیات حافظ نام لکھی ہے۔ آسانی سے مل جائے
گی۔ اسے بھی ملاحظہ کر لیجیے۔ شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے اور نہیں تو مواخذ
معلوم ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ حافظ کی معاصرانہ تاریخ غور سے دیکھیے
مسلمانوں کی دماغی فضا کس قسم کی تھی اور کون کون سے فلسفیانہ مسائل اُس وقت
اسلامی دماغ کے سامنے تھے؟ مسلمانوں کی پولیٹیکل حالت کیا تھی؟ پھر ان سب باتوں کی
روشنی میں حافظ کے کلام کا مطالعہ کیجیے۔ تصوّف کا سب سے بڑا پہلا شاعر عراقی ہے'
جس نے لمعات میں فصوص الحکم محی الدین ابن عربی کی تعلیموں کو نظم کیا ہے (جہاں تک مجھے
علم ہے۔ فصوص میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں اس پر میں ان شاء اللہ مفصّل
لکھوں گا) اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اسے صوفی سمجھا جائے) یہ حیرت کی بات
ہے کہ تصوّف کی تمام شاعری مسلمانوں کے پولیٹیکل انحطاط کے زمانے میں پیدا ہوئی اور
ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ جس قوم میں طاقت و توانائی مفقود ہو جائے جیسا کہ تاتاری یورش
کے بعد مسلمانوں میں مفقود ہو گئی' تو پھر اس قوم کا نکتہ نگاہ بدل جایا کرتا ہے' اُن کے
نزدیک ناتوانی ایک حسین و جمیل شئی ہو جاتی ہے اور ترکِ دنیا موجب تسکین ۔۔۔ اِس
ترکِ دنیا کے پردے میں قومیں اپنی سستی و کاہلی اور اس شکست کو جو اُن کو تنازع للبقا
میں ہو' چھپایا کرتی ہیں۔ خود ہندوستان کے مسلمانوں کو دیکھیے کہ اُن کے ادبیات کا انتہائی
کمال لکھنؤ کی مرثیہ گوئی پر ہوا! والسلام

آپ کا مخلص محمد اقبال

---

[*] کذا فی الاصل (البیان)

حکیم محمد حسین عرشی کے نام

(۴)

جنابِ عرشی صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ آج صبح مجھے مل گیا۔ مولوی[1] صاحب قبلہ کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر کے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں گذشتہ ۱۸ ماہ سے ہائی کورٹ کا کام نہیں کرتا، اس واسطے مولوی صاحب سے گفت وگو کرنے کے لیے مجھے کچھ پہلے کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا جس کے لیے اس وقت میری طبیعت حاضر نہیں اور نہ اس قدر محنت برداشت ہو سکتی ہے۔ ان شاء اللہ کچھ مدت بعد ایسا کر سکوں گا۔ فی الحال میرے خیال میں چاہیے کہ ایسی مثالیں لی جائیں جن میں فقہا کے نزدیک "عول" کی ضرورت پڑتی ہے اور تقسیم سے ثابت کیا جائے کہ "عول" کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی مثالیں انگریزی کتب میں موجود ہیں مولوی سراج الدین پال آپ کو بتا سکیں گے۔ یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے۔ میں خود بھی "عول" کی تردید میں بہت دل چسپی رکھتا ہوں۔ امید کہ مولوی صاحب کا مزاج بخیر ہوگا۔

اگر مسئلہ عول پر ایک علیحدہ رسالہ لکھا جائے تو نہایت مناسب ہوگا۔ جو کچھ مولوی صاحب نے تفسیر "بیان[2] القرآن" میں لکھا ہے اسی کو مزید توضیح و تشریح کے ساتھ علیحدہ چھاپ دیا جائے تاکہ اس مسئلے کی طرف علماء کی خاص توجہ ہو جائے اور وکیل و بیرسٹر صاحبان بھی اس میں خاص دل چسپی لے سکیں۔

مخلص محمد اقبال

۱۷۔ اکتوبر ۳۵ء

---

[1] ایک صحبت میں علامہ نے مجھ سے اسلامی قانون وراثت کے بعض اجزا کے متعلق حضرت خواجہ احمدالدین مرحوم کی تحقیق دریافت فرمائی۔ میں نے لاعلمی ظاہر کی اور امرتسر پہنچ کر خواجہ صاحب کو آمادہ کیا کہ وہ علمائے مرحوم کے رد و در رد اس اہم مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ ان کی منظوری سے علامہ کو مطلع کیا تو آپ نے مکتوب مذکور سپرد قلم فرمایا (عرشی) [2] خواجہ احمدالدین صاحب مرحوم (عرشی) تفسیر بیان للناس (عرشی)

(۵)

لاہور۔ ۱۴ جون ۱۹۳۶ء

جناب عرشی[1] صاحب! السلام علیکم

آپ کا والانامہ ابھی ملا ہے۔ مولینا مرحوم کے انتقال کی خبریں میں نے اخبارات میں دیکھی۔ بہت رنج ہوا۔ خدا تعالیٰ اُنہیں مغفرت کرے۔ اس زمانے میں اُن کا دم غنیمت تھا۔ عالم باعمل، روز روز نہیں پیدا ہوتے۔

"ضرب کلیم" اُمید کہ اس ماہ کے آخر تک چھپ جائے گی۔ فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق" اِس کے بعد شائع ہوگی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے جاوید سلّمہ بھی اچھا ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(۶)

لاہور۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

جناب عرشی صاحب!

۱۔ قرشی[2] سے مُراد حضور رسالتمآب ہیں۔ بخاری سے مُراد بوعلی سینا۔ اس سے اوپر

---

[1] میں نے مولانا خواجہ احمد الدین مرحوم صاحب تفسیر بیان للنّاس کی رحلت کی اطلاع دی اور فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کی طباعت کے متعلق پوچھا تھا۔ یہ خط ان باتوں کے جواب میں لکھا گیا ہے (عرشی)

[2] علامہ رح نے "ضرب کلیم" میں ایک نظم " ایک فلسفہ زدہ سیّد زادے کے نام" لکھی ہے۔ اس میں خاقانی کا ایک شعر لائے ہیں ؎

چوں دیدۂ راہ بیں نداری　　قاید قرشی بہ از بخاری

میں نے پوچھا "قرشی و بخاری سے کیا مراد ہے"؟

اسی میں ایک دوسرا شعر بھی خاقانی کا ہے ؎

خود بوئے چنیں جہاں تواں برد　　کابلیس بماند و بوالبشر مُرد

یہ دونوں شعر خاقانی کی مثنوی "تحفۃ العراقین" سے لیے گیے ہیں۔ میرے پاس اس کا مشرح نسخہ موجود ہے۔ میں نے اُس میں دیکھا تو دوسرے شعر کو مختلف پایا۔ مفہوم میں تشابہ کے سبب علامہ سے استفسار کیا (باقی صفحہ پر)

کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

دِل در سخنِ محمدی بند اے پورِ علی ز بوعلی چند

۲۔ خود بوے چنیں جہاں الخ آپ کے نسخہ میں جو مصرع ہے، غلط ہے۔ بوئے بُردن، فارسی محاورہ ہے، جس کا مطلب کسی چیز کی اصلیت اور حقیقت کو پا جانا ہے۔ مطلب خاقانی کا یہ ہے کہ اس دنیا کی اصلیت تو اسی سے معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کی آب و ہوا ابلیس کو تو راس آگئی، جو اب تک زندہ ہے اور بے چارے آدم کو راس نہ آئی، جو یہاں سے رخصت ہوگیا۔

۳۔ مجذوب فرنگی سے مُراد حکیم نطشہ ہے۔ اس کی تشریح بال جبریل میں کردی گئی تھی۔ مہدی سے مراد کوئی خاص مہدی نہیں ہے، وہی جو عالمِ افکار میں زلزلہ پیدا کرسکے۔ ایک اور جگہ مہدی برحق ہے۔ اس کی تشریح آپ ملیں گے تو کردوں گا۔ طویل خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ محراب گل، محض فرضی نام ہے۔ جاوید اچھا ہے۔ سیال کوٹ گیا ہوا ہے۔

محمد اقبال

صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے کے نام

(۷)

لاہور۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ء

جناب من! السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ آج مجھے ملا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میری مذہبی معلومات کا دائرہ نہایت محدود ہے۔ البتہ فرصت کے اوقات میں مَیں اس بات کی کوشش کیا کرتا ہوں کہ ان معلومات میں اضافہ ہو۔ یہ بات زیادہ تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) نیز مجذوب فرنگی، مہدی اور محراب گل افغان جو ضرب کلیم میں مذکور ہیں، ان سے متعلق سوالات کیے۔ آپ نے مندرجہ بالا گرامی نامہ تحریر فرمایا (عرشی)

ذاتی اطمینان کے لئے ہے' نہ تعلیم و تعلم کی غرض سے۔ کچھ مدت ہوئی' میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا' مگر دورانِ تحریر میں اس کا احساس ہُوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں' جیسے میں نے اُسے ابتدا میں تصور کیا تھا۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے موجودہ صورت میں وہ مضمون اس قابل نہیں کہ لوگ اس سے فایدہ اُٹھا سکیں' کیوں کہ بہت سی باتیں جن کو مفصل لکھنے کی ضرورت ہے' اس مضمون میں نہایت مختصر طور پر محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اُسے آج تک شائع نہیں کیا۔ اب میں انشاء اللہ اُسے ایک کتاب کی صورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا۔ جس کا عنوان یہ ہوگا (ISLAM AS I UNDER STAND IT)[1] اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے' جو ممکن ہے غلط ہو۔

اس کے علاوہ ایک اور بات (یہ بھی ہے کہ میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعہ میں گذری ہے اور یہ نقطۂ خیال ایک حد تک طبیعتِ ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نا دانستہ میں اسی نقطۂ نگاہ سے حقائقِ اسلام کا مطالعہ کرتا ہُوں اور مجھ کو بارہا اس کا تجربہ ہُوا ہے کہ اُردو میں گفتگو کرتے ہُوئے میں اپنے مافی الضمیر کو اس زبان میں اچھی طرح ادا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا حالات کو مدنظر رکھتے ہُوئے مجھے یقین ہے کہ مولوی[2] صاحب موصوف کو میرے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنے سے کچھ فایدہ نہ ہوگا۔[3] ہاں مجھ کو اُن سے فائدہ پہنچنا غالباً یقینی ہے اس واسطے وہ اگر مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادہ سے امرت سر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو اُن کی بہت مہربانی ہے' جس کے لئے میں اُن کا نہایت شکرگذار ہوں۔

مجھ کو اُن کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آگاہی[4] ہے' کیا اچھا ہو کہ وہ شریعتِ محمدیہ

---

[1] اسلام میرے نقطۂ نظر سے [2] مولانا خواجہ احمدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

[3] پروفیسر تبسم کا ارشاد ہے کہ دورانِ گفتگو میں ڈاکٹر صاحب اصطلاحات جدیدہ کو جس بے تکلفی سے استعمال کرتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی اسی بے تکلفی سے سمجھتے تھے

[4] اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب "بلاغ" کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔

پر ایک مبسوط کتاب مرتب فرمائیں جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن[1] سے استدلال کیا گیا ہو۔ معاملات" کے متعلق خاص طور پر' اس قسم کی کتاب کی آج کل شدید ضرورت ہے۔ ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہے۔ ہاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے۔ شیخ علی رزاق اور دوسرے علمائے مصر کے مباحث سے مولوی صاحب آگاہ ہوں گے' علیٰ ہٰذا القیاس ترکی میں بھی یہی مسائل زیر غور ہیں۔ اس پر ایک آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے' اس میں زیادہ تر زمانہ حال کے مغربی اصول فقہ کو ملحوظ رکھ کے فقۂ اسلامی پر بحث کی گئی ہے۔ ترکوں نے جو چرچ" اور سٹیٹ" میں امتیاز کر کے ان کو الگ الگ کر دیا ہے' اس کے نتائج نہایت دور رس ہیں اور کوئی نہیں کہ سکتا کہ یہ افتراق اقوام اسلامیہ کے لئے باعث برکت ہوگا یا شقاوت۔ غرض کہ مولوی صاحب موصوف یا ان کے رفقا کو جو کلام الٰہی اور مسلمانوں کے دیگر مذہبی لٹریچر پر عبور رکھتے ہیں' اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ میں اور مجھ ایسے اور لوگ صرف ایک آنکھ رکھتے ہیں۔ ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے اور خود اپنے کمال کا مدعی ہے۔ رسالہ "بلاغ" امرت سر کے ہر نمبر میں اور مولوی رحمت علی[2] صاحب کے رسالہ "اشاعۃ القرآن" کے ہر نمبر میں اسی پر بحث ہوتی ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادت انسانی کے لئے تمام ضروری قواعد اس میں موجود ہیں اور اس میں فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں قواعد کا استخراج ہوتا ہے۔ نیز جو جو قواعد' عبادات یا معاملات کے متعلق (بالخصوص موخر الذکر کے متعلق) دیگر اقوام میں اس وقت مروج ہیں' ان پر قرآنی نقطۂ نگاہ سے تنقید کی جائے اور دکھایا جائے کہ وہ بالکل ناقص ہیں اور ان پر عمل کرنے سے نوع انسانی کبھی سیادت سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتی' میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے "جورس پروڈنس"[3] پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت[4] کو ثابت

---

[1] صرف "قرآن" کا لفظ ڈاکٹر صاحب کے معتقدات پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتا ہے

[2] رحمت علی نہیں بلکہ حشمت علی [3] JURIS PRUDENCE یعنی اصول فقہ

[4] احکام قرآنیہ کی ابدیت ـــــ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ چیز کتنی بڑی اہمیت رکھتی ہے (البیان)

کرے گا، وہی اسلام کا مجدد ہوگا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہوگا۔ قریباً تمام ممالک میں اس وقت مسلمان یا تو اپنی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں یا قوانین اسلامیہ پر غور و فکر کر رہے ہیں (سوائے ایران و افغانستان کے) مگر ان ممالک میں بھی امروز فردا یہ سوال پیدا ہونے والا ہے، مگر افسوس ہے کہ زمانۂ حال کے اسلامی فقہا یا تو زمانہ کے میلان طبیعت سے بالکل بے خبر ہیں یا قدامت پرستی میں مبتلا ہیں۔ ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا، جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے۔ ہندوستان میں عام حنفی اس بات کے قائل ہیں کہ اجتہاد کے تمام دروازے بند ہیں۔ میں نے ایک بہت بڑے عالم کو یہ کہتے سنا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کا نظیر ناممکن ہے۔ غرض کہ یہ وقت عملی کام کا ہے کیونکہ میری رائے ناقص میں مذہب اسلام اس وقت گویا زمانے کی کسوٹی پر کسا جا رہا ہے اور شاید تاریخ اسلام میں ایسا وقت اس سے پہلے کبھی نہیں آیا۔

(مخلص محمد اقبال)

تَوَاصَوا بِالحَقِّ

یادِ ماضی

"آج سے تقریباً اٹھارہ برس پہلے جبکہ مسلمانوں کے تمام مذہبی وسیاسی رہنما سرگرم عمل تھے علامہ اقبالؒ نے غیر معمولی طور پر خاموشی اختیار کر لی۔ بعض ارباب سخن نے آپ کی اس خاموشی پر منظومات لکھے، علامہ سے خطاب کیا مگر علامہ مرحوم کسی کی بات سے متاثر نہ ہوئے۔ بالآخر مکرمی عرشی صاحب نے ایک نظم لکھی جو غالباً روزنامہ "زمیندار" میں شائع ہوئی تھی۔ علامہ موصوف نے اس نظم سے متأثر ہو کر مُہرِ سکوت توڑی اور جواب میں ایک نظم بھی ارشاد فرمائی۔ ظفر الملک مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں نے ان دونوں نظموں پر محاکمے لکھے جو انہی دنوں "زمیندار" میں شائع ہوئے۔ میرے پاس وہ تمام منظومات محفوظ ہیں۔ چونکہ علامہ اقبالؒ کے کسی تذکرہ میں اس واقعہ کا ذکر نہیں آیا اور آپ کی مذکورہ نظم بھی آپ کے کلیات میں موجود نہیں، اس لیے ایک نادر تحفہ سمجھتے ہوئے ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ (رازی)

عرشی امرتسری

اَے ترنم ہائے رنگینت گلستانِ سخن ‌‌ ‌ معنیٔ عیسیٰ دمت بخشندۂ جانِ سخن
اَے حیاتِ تازہ دادی نغمہ را از نُطقِ خویش ‌ گشتۂ شور افگن ارض وسما از نُطقِ خویش
از عروس طبع بر ما جلوہ ہا پاشیدۂ ‌ وز چمن زارِ تکلّم تازہ گلہا چیدۂ
شعلہ سوز اندوز از آتش نوائیہائے تو ‌ بادہ کیف آموز از تخییلِ ذوق افزائے تو
بر فرازِ طارمِ اعلیٰ لوا افراختی ‌ نردِ خود را در قمارِ جمع ما درباختی
یافت از نو مرکزے ہنگامہ بیتاب ما ‌ ریختی تخم سکوں در مزرعِ سیماب ما

لیکن اے اقبال! ایں رنگیں نوائی تا بکے ‌ از نفس گرمی وا ز دل شعلہ زائی تا بکے

اے تو ئی درآشیان گلشنت برباد رفت　　نغمۂ ماندی و پروازِ تو با صیّاد رفت
خیز و گلبانگِ دہل در گنبدِ خضرا فگن　　از قبور آئید خلقے شورِ صور آسا فگن
خیز و صوتِ خود با آہنگِ رجز تبدیل کن　　قطرۂ داری بیا ور، در شرر تحلیل کن
خیز ازیں کنجِ متانت جلوۂ برما فگن
ہاں بیا ہمچو سنائی گوئے در میداں بزن

علامہ اقبال رح

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار　　عرشی گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست
دارم ہنوز از کرم ساقیِ حجاز　　آہے درو نہ تاب کہ خیز د ز سینہ مست
از شاخسارِ فطرتِ من مے دمد ہنوز　　آں لالۂ کہ موجِ نسیمے دلش نہ خست
لیکن شنیدۂ کہ دمِ گردشِ شراب　　پیرِ عجم چہ گفت برندانِ مے پرست
دانا کہ دید شعبدۂ چرخ حقّہ باز
ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو بہ بست

ظفر علی خاں

بندہ نواز! ہم سے نہیں کچھ چھپی ہوئی　　پیرِ فلک کی شعبدہ بازی کی بُود و ہست
مانا کہ آسماں سے شمس و قمر کی فوج　　پیہم اُتر رہی ہو کہ ظلمت کو دے شکست
مانا کہ اُن کو جو نظر آتے ہیں سربلند　　چرخِ ستیزہ کار کریگا زبون و پست
لیکن نہ قولِ سعدیٔ شیراز بھول لئے　　چھوٹا کہیں جو ہاتھ سے سر رشتۂ الست
رفتن بپائے مردئے ہمسایہ در بہشت
حقّا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است

طغرائی مرحوم

امروز در فضائے "زمیندار" دیدہ ام — زاقبال پاسخے کہ دلِ آرزو بجست
نادیدہ خاطرم بخطابِ تو وارسید — نشنیدہ مدعائے تو در ذہنِ من نشست
نواہم کہ نکتۂ بسرائم دریں خصوص — ہرچند غم نوائے نشاطِ مرا شکست
عالم بصد ہزار زباں گنج خامشیست — شاعر دراں میانہ لبِ نطق پرورست
باشد برائے دیدۂ بینا مقام حیف — گر گوز و چاہ دید و صدایش نداد دست
گیرم کہ گنج فلسفہ و حکمت است کس — اما چہ شود مُہرِ سکوت از لبش بہ بست

بہ پزیرا اعتذار ز طغرائی حزیں
دانی کہ او ز بندِ الم ہیچ گہ نہ رست

ولھن مثل الذی علیھن

اقبال اور صنفِ لطیف

(قرآن کی روشنی میں)

جناب شیخ شبیر احمد صاحب ایم ایس سی (آنرز) پروفیسر حیاتیات

یہ مقالہ ہمارے فاضل دوست پروفیسر شبیر احمد صاحب ایم ایس سی نے انگریزی میں لکھ کر "یومِ اقبال" کے موقعہ پر پڑھا تھا۔ ہم مقالہ نگار کے شکریئے کے ساتھ جناب رازی کے بھی شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اس مفید و کامیاب مضمون کا حذف و اختصار کے ساتھ ترجمہ کر دیا ہے۔ اگر البیان کے صفحات اجازت دیتے تو یہ سارا مضمون اس قابل تھا کہ اسے ہدیہ ناظرین کیا جاتا۔

تحریکِ نسوانیت (Feminist Movement) جس نے عورتوں کے اندر یہ بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ قدرت کے عائد کیے ہوئے وظائفِ حیات (Functions of life) سے دست بردار ہو کر ایک سرتاپا غیر فطری زندگی کی حامل ہو جائیں، عہدِ حاضر کی پیداوار ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ یورپ کا صنعتی انقلاب، انقلابِ فرانس، مذہبِ عیسائیت کا عورت کے بارے میں نفرت و استکراہ کا ردِ عمل اور موجودہ تہذیب و تمدن کی بڑھتی ہوئی رَو، یہ تمام اسباب اس تحریک کی نشو و نما کے ذمہ دار ہیں۔

جب یورپ میں اعلےٰ پیمانے پر کارخانوں کا آغاز ہوا، تو لوگ دیہات چھوڑ کر شہروں میں آباد ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معیشت و معاشرت کا معیار بلند ہو گیا اور ضروریاتِ زندگی حد درجہ بڑھ گئیں۔ اس صورتِ حال میں مردوں کے لیے مشکل ہو گیا کہ اپنی کمائی سے اپنی بیوی بچوں کے روز افزوں مصارف کے کفیل ہو سکیں۔ چنانچہ عورتیں، مردوں کے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ بن گئیں۔ بالآخر یورپ کی فیشن زدہ عورت مجبور ہو گئی کہ وہ بھی حصولِ معاش کی خاطر کارخانوں اور دفتروں میں مردوں کے دوش بدوش کام کرے۔ اس طرح وہ قدرتی

تقسیم کار، جو عورت کو گھر کے مشاغل میں اور مرد کو حصولِ معاش کی تگ و دو میں معروف رکھنا چاہتی ہے، مفقود ہوتی چلی گئی۔ جب عورت نے روزی کمانے کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اُٹھالی تو اس کے لیے وظائف فطری کی تکمیل سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہوگیا قدرت نے تو اس کے لیے یہ خدمت تجویز کی تھی کہ وہ افزائش نسل میں مصروف رہے اور اپنی قوتِ حیات Vital energy کی جوئے رواں سے نوع انسانی کو موت کے ہاتھوں معدوم ہونے سے بچائے رکھے مگر سوال یہ تھا کہ وہ کس طرح ان فرائض کو سرانجام دے سکتی ہے۔ اگر وہ بچوں کی پیدائش اور ان کی غور و پرداخت کی طرف توجہ دے، تو وہ کارخانے یا دفتر میں اپنے فرائض سرانجام نہیں دے سکتی۔

یورپ کی عورت ابھی اس گومگو کی حالت میں تھی کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا اعلان ہوگیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے یورپ کے طول و عرض پر خون و آتش کا بے پناہ سیلاب اُمڈ آیا۔ مرد میدانِ جنگ میں بلا لیے گئے اور عورتیں اپنے گھروں کو خیرباد کہہ کر ان کاموں کو سنبھالنے پر مجبور ہوگئیں، جن کا تعلق مردوں سے تھا۔ اُنہیں وہی تعلیم دی جانے لگی جو مردوں کو دی جاتی تھی، اس لیے کہ اُنھیں مردوں کی جگہیں پُر کرنا تھیں، چنانچہ آزادی، مردانہ تعلیم اور مردوں کے ساتھ بے تکلف باہمی اختلاط سے عورت کے اندر ایک ایسی ذہنیت نشو و نما پانے لگی جس کا تصور میری والسٹون کرافٹ (Mary Wollstone craft) نے اپنی تصنیف "تحفظ حقوقِ نسواں" (Vindication of the Rights of Women) میں پیش کیا تھا۔ میری والسٹون کرافٹ، انقلاب فرانس کے دلخوش کُن خوابوں، امیدوں اور آرزوؤں کی نمایندہ تھی اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ میری والسٹون کرافٹ نے تحریک نسوانیت کی نشو و نما میں اساسی حصہ لیا۔ گو میری والسٹون کرافٹ نے حقوقِ تعلیم و رائے دہندگی پر بہت زور دیا، مگر وہ اس بات کے حق میں نہیں تھی کہ عورت گھر کی ملکہ بننے کی بجائے کارخانہ کی مشین کی کل پُرزہ بن جائے یا دفتر وغیرہ کی نسوانیت سوز مصیبتوں میں مُبتلا ہوجائے۔

ہم اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کر سکتے کہ یورپ میں عورت کی بیباکانہ بغاوت اس ردِ عمل سے مبرا نہیں، جو عورت کے متعلق عیسائیت کے رویہ سے پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ عہدِ وسطیٰ میں عورت کو حوا کی یادگار یا نمائندہ تصور کیا جاتا تھا اور حوا کے متعلق یہ ایک عام خیال تھا کہ اس کے معصیت خیز مکر و فریب ہی کے باعث انسان بہشت کی نعمتوں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ عورت کو شبہ و نفرت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ بائیبل نے تجرد کی زندگی پر انتہائی زور دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے عیسائیوں نے ازدواج و مناکحت کو گناہِ عظیم کے مترادف سمجھ لیا۔ پایان کار اس جذبہ نے تحریک رہبانیت کی بنیاد ڈالی جس کو مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ غایت درجہ فروغ حاصل ہوا۔ اس تحریک کا تخیل یہ تھا کہ مرد و عورت کا رشتہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے سے روکتا ہے۔ مرد صرف اسی صورت میں بہشت میں داخل ہو سکتا ہے، جب وہ عورت کے تعلق سے آزاد ہو اور بالکل تجرد کی زندگی بسر کرتا ہو۔

ظاہر ہے کہ اس تحریک نے عورت اور مرد کے تعلق کو قطعاً بے حقیقت کر کے رکھ دیا۔ عورت کے دل و دماغ میں یہ احساس جاگزین ہو گیا کہ مذہب اُسے نوعِ انسانی کا ایک ذلیل ترین عنصر قرار دیتا اور سرچشمۂ معصیت ٹھہراتا ہے۔ ان حالات میں اس کے اندر عزتِ نفس کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ جب تفریط ہو تو افراط کا پیدا ہونا لازمی امر ہے عورت کو جوں ہی تحریک رہبانیت کے بنیادی تخیل سے نفرت پیدا ہوئی اور رفتارِ زمانہ کی تبدیلیوں کے ساتھ اُسے اپنی مظلومی کا احساس ہوا تو وہ علمِ بغاوت بلند کرتے ہوئے ایک ایسی دُنیا میں آباد ہونے کے لیے مضطرب نظر آئی، جو اعتدال کی نہیں بلکہ انتہا پسندی کی دُنیا تھی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اگر عیسائیت، لذاتِ نفسانی کی دشمن ہے تو عورت لذاتِ نفسانی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

متذکرہ صدر اسباب و علل نے عورت کو اپنی فطری حیثیت کے شعور و احساس سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کی عورت جو کبھی کھانا پکانے، کپڑے دھونے

اور بچوں کی نگرانی کرنے کی مصروفیتوں پر فخر کیا کرتی تھی، آج بالکل بے اولاد و بے خانماں بنی ہوئی ہے۔ اُس کے نزدیک اُمورِ خانہ داری کی طرف توجّہ دینا ایک ایسی مصیبت ہے، جسے وُہ کسی حال میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں اور بچّوں کی پیدائش اور اُن کی تربیت و پرورش تو ایک ایسی غیر ضروری دعوتِ ہلاکت ہے، جس کا خیال بھی اس کے لیے سوہانِ رُوح ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت گھر کے کام کاج کی طرف دھیان دیتی ہے، تو اُس کی تضحیک کی جاتی ہے۔ اُسے احمق سمجھا جاتا ہے۔ کھانا یا تو ہوٹلوں میں کھایا جاتا ہے، یا بند ڈبّوں میں تیار شدہ کھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ بہرحال مدّنظر یہ ہے کہ کھانا تیار کرنے پر کوئی وقت صرف نہ ہو، تاکہ عورت کے پاس اتنی فرصت اور وقت باقی رہے کہ بے فکری کے ساتھ خوبصورت لباس میں یا تو اپنے دوستوں کے ساتھ سَیر و تفریح کرے یا دفتروں اور کارخانوں میں کام کر سکے۔ اس امر سے کوئی بحث نہیں کہ جو غذا وُہ آج کل استعمال کرتی ہے، وُہ اُس کے لیے کس حد تک نقصان دہ ہے۔ چوں کہ موجودہ صُورتِ حالات میں اُسے فرصت مل جاتی ہے، اِس لیے کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لایا جاتا۔

گذشتہ چند سالوں کے اندر یُورپ اور امریکہ میں عورت کی آزادی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ فرائضِ مادری اور اُمورِ خانہ داری کی طرف ادنٰی سے ادنٰی توجہ بھی باقی نہیں رہی عصمت و عفت جو حیاتِ نسوانی کی امتیازی خصوصیت ہے، اب اُس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ شرم و حیا جو عورت کی سرشت کا ناگزیر عنصر ہے، آج اس کی جگہ عُریانی اور بے باکی نے لے لی ہے۔ اُس کی گہری توجہ کا اگر کوئی موضوع ہے تو محض یہ کہ کس طرح اپنے بالوں کو سنوارے اور چہرے کو غازہ سے جاذبِ نظر بنائے۔ شادی کا مسئلہ اب اس کے لیے ایک پُرانا مسئلہ بن کر رہ گیا ہے، جو اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ قدرت کا نافذ کیا ہوا طریقِ تناسل (Mode of reproduction) اُس کی نگاہوں میں ایک ایسی بے ہُودہ چیز بن کر رہ گیا ہے، جس کا استیصال جلد سے جلد ہو جانا چاہیے، اُس کی فکر و تردّد کا اگر کوئی مرکز ہے تو وُہ یہ کہ ضبطِ ولادت[1] (Birth Control)

---

[1] بلکہ منعِ ولادت (ایڈیٹر)

کے ایسے مؤثر اور بے ضرر طریقے ایجاد ہو جائیں جن کے ذریعے اُسے توالد و تناسل کی مصیبتوں سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل ہو جائے۔ مرد کے خلاف اُس کا جذبۂ نفرت اس قدر بڑھ چکا ہے کہ وہ اُسے اپنا دشمن سمجھنے لگ گئی ہے اور خیال کرتی ہے، اب وقت ہے کہ اُس سے انتقام لیا جائے۔ نسل انسانی کے قیام و وجود کا مسئلہ وہ اس طرح حل کرنا چاہتی ہے کہ نہ تو مرد کی اس سلسلہ میں کوئی شرکت ہو اور نہ ہی وہ خود جسمانی تکلیف سے دوچار ہو، تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ مرد، خدا کی ایک غیر ضروری مخلوق ہے اور یہ بھی ثابت ہو جائے کہ بچے کو اپنے پیٹ میں رکھنا اور تکمیل جسم تک اُس کی پرورش کرنا بھی کوئی ضروری نہیں۔ اس کا خیال ہے کہ عنقریب یہ کوشش بارآور ہو جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے صنفی بندشوں سے آزاد ہو جائے گی۔ علامہ اقبال تحریک نسوانیت کی موجودہ صورتِ حال اور اُس کی آراء و افکار کو حسب ذیل اشعار میں اپنی زندۂ جاوید تصنیف "جاوید نامہ" میں بنتِ زحل کی زبانی پیش کرتے ہیں (بنتِ زحل تحریک نسوانیت کی نمائندہ تصور کی گئی ہے)

اے زناں! اے مادراں! اے خواہراں   زیستن تا کے مثالِ دلبراں؟
دلبری اندر جہاں مظلومی است   دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما   مرد را نخچیر خود دانیم ما
مرد صیادی بہ نخچیری کند   گردِ تو گردد کہ زنجیری کند
خود گدازی ہائے او مکر و فریب   درد و داغ و آرزو مکر و فریب
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا   مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہم برِ او بودن آزارِ حیات   وصلِ او زہر و فراقِ او نبات
مارِ پیچاں! از خم و پیچش گریز   زہر ہایش را بخونِ خود مریز

از امومت زرد روئے مادراں
اے خنک آزادیٔ بے شوہراں

آمد آں وقتے کہ از اعجازِ فن   مے تواں دیدن جنین اندر بدن

گر نباشد بر مُرادِ ما جنیں ‌ ‌ بے محابا کُشتن او عین دیں
در پسِ ایں عصرِ اعصارِ دگر ‌ ‌ آشکارا گردد اسرارِ دگر
پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر ‌ ‌ بے شبِ ارحام دریابد سحر
خیزد با فطرت بیا اندر ستیز ‌ ‌ تا ز پیکار تو حُر گردد کنیز
رستن از ربطِ دوتن توحید زن
حافظِ خود باش و بر مرداں متن

یہ شعر:

پرورش گیرد جنیں نوعِ دگر ‌ ‌ بے شبِ ارحام دریابد سحر

تشریح طلب ہے۔ یورپ کے مشہور مصنّف مسٹر لیوڈوکی (Mr. Ludovici) نے اپنی کتاب "لائی سسٹریٹیا" (Lycestrata) میں اس موضوع پر نہایت دل چسپ اور طنز آمیز پیرائے میں روشنی ڈالی ہے۔ اُن کے الفاظ کا مجمل اور آزاد ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اس شعر کی کافی حد تک وضاحت ہو جائے گی:

"عورت کو محض شہوانی انگیخت دینے کے بعد اس کے جسم سے انڈے حاصل کیے جائیں گے۔ پھر ان انڈوں کو مصنوعی طور پر یعنی کیمیا وی ترکیبات کی مدد سے اس قابل بنا دیا جائے گا، کہ ان میں نشو و نما کا عمل شروع ہو جائے۔ اس کے بعد ان صلاحیت یافتہ انڈوں کو ایسے کیمیاوی محلولوں (Solutions) میں منتقل کر دیا جائے گا، جو اس نشو و نما کے ابتدائی مراحل کو جاری رکھ سکیں۔ پھر انہیں گائے یا بھینس کے رحم میں رکھ دیا جائے گا، جہاں وہ تمام نشوی منازل طے کر کے انسانی بچے بن جائیں گے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس طریقہ پیدائش میں اور اصلاح کی جائے گی اور گائے اور بھینس کو تکلیف دیے بغیر ان انڈوں سے محض کیمیاوی محلولوں کے ذریعے

---

[1] یعنی لڑکی پیدا ہو تو زندہ رکھی جائے اور اگر لڑکا پیدا ہو تو اسے مار ڈالا جائے، اس مضمون کے مطالعہ سے تحریک نسوانیت کے اس جذبہ کی وضاحت ہو جائے گی۔

بچے حاصل کیے جائیں گے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو جائے گی تو موجودہ تناسل و مباشرت کا طریقہ ترک کر دیا جائے گا اور مرد کی شرکت اور رحم مادر کی ظلمت سے آشنا ہوئے بغیر بچے اس طرح پیدا ہوا کریں گے جس طرح آج کل لکڑی کے ڈبوں میں مقررہ درجہ کی حرارت پہنچانے پر مرغی کے انڈوں سے بچے حاصل کیے جاتے ہیں۔"

"جوں ہی بیضۂ عورت[1] سے مصنوعی طور پر بچہ حاصل کرنے کا طریقہ عام ہو جائے گا، عورتوں کی پارلیمنٹ یہ قانون نافذ کرے گی کہ جو مرد قدرتی طریقۂ تناسل کی طرف رجوع کرے گا، وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ مرد، خدا کی زائد اور غیر ضروری مخلوق تصور کیا جائے گا۔ بتدریج اس کی تعداد گھٹتی جائے گی اور کچھ عجیب نہیں کہ وہ صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائے۔"

ظاہر ہے کہ "تحریک نسوانیت" قوانین فطرت و مذہب سے کتنا مجرمانہ گریز ہے۔ اجات یہ ہے کہ وہ تمام بنیادی برائیاں اور بداخلاقیاں جنہیں سارے مذاہب انتہائی مذموم قرار دیتے ہیں، نہ صرف قابل تحسین بلکہ اعلیٰ اخلاق کے ضروری عناصر خیال کی جاتی ہیں۔ عصمت فروش بازاری عورتیں دامن انسانیت پر ایک بدنما داغ ہیں، اور ہر زمانے میں مصلحین کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان کا قلع قمع کر دیا جائے، مگر آج تحریک نسوانیت کے حامی عورت کی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے اس مشغلہ کو ضروری سمجھتے ہیں، چنانچہ ایک مشہور انگریز مصنف ایچ ایل منیکن (H. L. Mencken) اپنی کتاب "عورتوں کی مدافعت میں" (In Defence of Women) میں لکھتے ہیں

" وہ عورت جو عصمت کے فضول اور لغو خیال سے بے نیاز ہوتی ہے، اسے اپنی زندگی

---

[1] عورت کے جسم میں بیضہ دانی ہوتی ہے جس سے بوقت مباشرت انڈے نکل کر رحم میں آجاتے ہیں۔ مرد کے مادۂ منویہ میں چھوٹے چھوٹے جراثیم نما کیڑے ہوتے ہیں جنہیں سپرم کہا جاتا ہے۔ جب سپرم کا کسی انڈے سے امتزاج ہو جاتا ہے تو وہ انڈا دیوار رحم کے ساتھ لگ جاتا ہے اور اس میں نشو و نما کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔

کو کامیاب بنانے کے بہت زیادہ موقعے مل سکتے ہیں۔ برعکس اس کے اُس عورت کو ایسے موقعے میسّر نہیں آسکتے' جو اپنے آپ کو شادی کی زنجیر میں جکڑ چکی ہو اور عصمت کی پابند ہو۔ ایک معمولی سی معمولی پیشہ ور عورت زندگی کے تمام شعبوں میں اُس عورت سے بدرجہا خوش حال ہوتی ہے' جو نیکی اور پاک دامنی کی دلدادہ ہو، اس لیے کہ اُسے کم کام کرنا پڑتا ہے' اُس کی زندگی تفریح و مسرّت سے معمور ہوتی ہے اور اُسے اُن لوگوں سے آئے دن سابقہ پڑتا ہے' جو مال و دولت کے لحاظ سے اُس سے اعلےٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ نہ اس کا پیشہ مضرت رساں ہے اور نہ اس کا انجام المناک"

جب علامہ اقبال رح یورپ کے طول و عرض میں اس صورت حال کا مطالعہ فرماتے ہیں اور اُنہیں یہ خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ کہیں اس کے اثرات ہندوستان اور دیگر ممالک اسلامیہ کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لیں' تو وہ پکار اٹھتے ہیں :

دَورِ حاضر تر فروش و پُرفن است کاروانش نقدِ دل را رہزن است
کورِ یزداں ناشناس ادراک را ناکساں زنجیرِ پیچاک را
چشمِ او بیباک و ناپروا ستے پنجۂ مژگان او گیرا ستے

آج مغرب میں عورت کی زندگی کا مقصدِ وحید یہ رہ گیا ہے کہ وہ اپنے جسم کی تزئین و آرائش کرے اور غازوں سے اپنے چہرے کو خوب صورت بنائے رکھے۔ بلاشبہ' وہ ایک ایسی لعبتِ حسین بن کر رہ گئی ہے جس کے اندر فطری زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں وہ عیاش طبع انسانوں کے لیے ایک ضیافتِ نظر تو ضرور ہے' مگر اُس کے اندر صفاتِ نسوانی کا شائبہ تک نہیں۔ اس کے چہرے پر رنگ و غازہ تو خوب کھیل رہا ہے' مگر اس کے دل میں مکر و فریب اور بے شرمی و بے حیائی کے مہیب دیو آباد ہیں۔ علامہ اقبال رح ہمیں اس سے خبردار کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اِس ظاہری حسن و دل کشی کے دام میں نہ پھنس جاؤ بلکہ ایک بلند پرواز پرندے کی طرح اُس پر سے گذر جاؤ!

گرچہ بہت ہے دِل کشا حُسن فرنگ کی بہار طائرکِ بلند بال دانہ و دام سے گذر

اور اس کا یہ سبب پیش کرتے ہیں کہ

یہ حوریانِ فرنگی دل و نظر کا حجاب　　بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب

یورپ میں عورت کی زندگی دو انتہائی حالتوں پر رہی ہے۔ پہلے عیسائیت کے ہاتھوں حد درجہ کی مظلومی اور اب انسانیت سوز آزادی دبے پاکی۔ اسلام ان دونوں حالتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ایک ایسی راہِ اعتدال پیش کرتا ہے جس پر گامزن ہو کر نوعِ انسانی ابدی مسرت سے بہرہ ور ہو سکتی ہے۔

ظہورِ اسلام سے پہلے عورت ہر طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی، اس کی حالت ایک عیسائی عورت سے بہتر نہ تھی۔ اسے کوئی آئینی و عمرانی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ جب لڑکی پیدا ہوتی تو اس کا باپ مغموم و پریشان ہو کر رہ جاتا۔ بیٹی کی پیدائش اسے ذلت کا احساس دلاتی اور اسی احساس ذلت سے مجبور ہو کر وہ اس کو زندہ دفن کر دیتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عورت کی زندگی مصائب و آلام کی جولان گاہ بنی ہوئی تھی، مگر وہ اسے بیچارگی کی حالت میں برداشت کیے جا رہی تھی، حتیٰ کہ اسلام کا ظہور ہوا اور اسے مظلومیت کی زندگی سے نجات حاصل ہوئی۔ اسلام نے اسے از سرِ نو زندگی دی اور عزت و وقار کی نعمتوں سے سرفراز کر کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا، جس سے اس وقت تک کی نسوانی زندگی ناآشنائے محض تھی، یہاں اے آر وادیا (A. R. Wadia) کی کتاب اخلاقیاتِ نسوانیت (Ethics of Feminism) سے چند الفاظ پیش کیے جاتے ہیں، جو انہوں نے ایک مسلمان عورت کی حیثیت کے متعلق لکھے ہیں:

"پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عورتوں کو اس وقار و عظمت سے سرفراز کیا، جس کی اہمیت کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے کم ہے۔ وہ ذاتی ملکیت کا حق رکھتی ہے، یہاں تک کہ شادی کے موقعہ پر خاوند پر یہ فرض کیا گیا ہے کہ بہ صورتِ مہر عورت کو حسب استطاعت روپیہ ادا کرے جسے وہ اپنی تحویل میں رکھے۔ یہ روپیہ عورت کی ملکیت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ازدواجی زندگی میں وہ جو کچھ بھی کمائے، اس کی خود مالک ہے۔ باپ، خاوند اور بچوں کی جائداد میں اس کا

حصّہ مقرر ہے' جسے وہ قانوناً لے سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ناقابل اصلاح حالات میں وہ خاوند سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ غرضیکہ ایک حقیقی مسلمان عورت عزّت واحترام کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ بیوی اور ماں دونوں حیثیتوں سے افراد خاندان پر اس کا اثر غالب رہتا ہے"

اِسلام نے عورت کی حیثیت اور اُس کی زندگی کے فرائض واضح طور پر بیان کر دیے ہیں۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد کے ساتھ عورت کا کیا رشتہ بتایا ہے؟ اس میں کسی شخص کو انکار نہیں کہ تہذیب و تمدّن انسانی کا آغاز اور اُس کی نشو و ترقی، مرد و عورت دونوں کی متفقہ مساعی کا نتیجہ ہے۔ دونوں نے حیاتِ انسانی کے پودے کی پرورش کر کے اُسے موجودہ شگفتگی کی حد تک پہنچایا۔ اگر یہ اشتراک و تعاونِ عمل نہ ہوتا، تو کیا انسانیت ایک قدم بھی ترقی کی جانب بڑھ سکتی تھی؟ ہرگز نہیں! بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسانیت کا وجود بھی نہ ہوتا۔ اسی اشتراکِ عمل کو قرآن حکیم نے حسب ذیل معنی خیز الفاظ میں پیش کیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عورتیں تم مردوں کے لیے لباس ہیں اور تم عورتوں کے لئے لباس ہو

ہر شخص جانتا ہے کہ لباس انسان کو زینت بخشتا ہے اور اُسے حیوانیت سے ممتاز کرتا ہے اسی طرح مرد، عورت کے لیے، اور عورت مرد کے لیے باعثِ زینت ہے۔ اِسی باہمی تزئین و آرایش سے انسانیت کا چہرہ حسن و خوبی سے آراستہ اور تہذیب و تمدّن کا آئینہ دار ہے۔

علامہ اقبال رح قرآن حکیم کے اسی مفہوم کو حسب ذیل شعروں میں پیش کرتے ہیں:

نغمہ خیز از زخمۂ زن سازِ مرد　　از نیازِ اُو دوبالا نازِ مرد
پوششِ عریانیٔ مرداں زن است　　حسن دلجو عشق را پیراہن است

بلا شبہ صنفِ لطیف کا وجود ارتقاء انسانی کے لیے ایک ناگزیر عنصر ہے۔ اس کی دنیا محبت کی دنیا ہے اور جب محبت، انسانی صلاحیتوں کے نازک تاروں کو چھیڑتی ہے، تو یاس و نومیدی کی چیخیں، امید و مسرت کے نغموں میں بدل جاتی ہیں۔ علامہ اقبال رح عورت کی توانائی اُس حیات انگیز لمس میں پاتے ہیں، جو قلب انسانی کو حوصلہ و طاقت اور شجاعت و بسالت سے معمور کر دیتا ہے۔ نوع انسانی کی قسمت کا فیصلہ عورت سے وابستہ ہے۔ حقائق تاریخیہ شاہد

ہیں کہ قوموں کے عروج و زوال کا انحصار عورت کے اچھے یا بُرے افعال پر منحصر رہا ہے۔ عورت زندگی کی محافظ ہے۔ وہ جس سانچے میں چاہے اُسے ڈھال سکتی ہے۔ چاہے اُسے یقین و ایمان سے لبریز کر دے چاہے اُسے الحاد و بے یقینی کی آماجگاہ بنا دے۔ وہی عورت صحیح معنوں میں مسلمان ہے جو خدائے لایزال کی پرستار ہوتے ہوئے اپنے بچوں کے اندر ہر سانس کے ساتھ رُوحِ ایمانی پھونکتی رہے۔ علامہ اقبال رحاسی سیرت کی عورت کو مخاطب فرماتے ہیں:

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما! تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما
طینتِ پاکِ تو مارا رحمت است قوّتِ دین و اساسِ ملّت است
کودکِ ما چوں لب از شیرِ تو شُست لَآ اِلٰہ آموختی او را نخست
مے تراشد مہرِ تو اطوارِ ما فکرِ ما گفتارِ ما کردارِ ما
اے امینِ نعمتِ آئینِ حق در نفس ہائے تو سوزِ دینِ حق
آب بندِ نخلِ جمعیّت توئی حافظِ سرمایۂ ملّت توئی
آں کہ نازد بر وجودش کائنات ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

مسلمے کو را پرستارے شمرد بہرۂ از حکمتِ قرآں نبرد

عورت کے مرتبہ کے بارے میں "حکمتِ قرآں" کیا ہے؟ قرآن کا ارشاد ہے:
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ (۲/۲۲۸) اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

اس آیت میں عورت کے مرتبۂ حیات کی ایک حقیقی اور قدرتی تصویر پیش کی گئی ہے
ہر شخص جانتا ہے کہ عورت اس کائنات عالم میں ایک بہت بڑی تخلیقی قوت (Creative Force) کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے ہیئتِ اجتماعیہ کا وجود وابستہ ہے۔ بچوں کی سیرت اور اُن کے قوائے ذہنی و دماغی کی نوعیت ماں ہی کے اثرات

کی مرہونِ منت ہے۔ ماں جیسا چاہے انہیں بنا دے۔ اس کی اپنی شخصیت، بچوں کی ہر استعداد وصلاحیت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے آدمیوں نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی شہرت وعظمت کا باعث وہ ابتدائی تربیت تھی جو انہوں نے شفقتِ مادری کی آغوش میں پائی۔ اس میں کلام نہیں کہ "وہ ہاتھ جو جھولا جھلانے میں مصروف ہیں، وہی دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں"!

سیرتِ فرزندہا از اُمّہات — جوہر صدق و صفا از اُمّہات

عورت، نوعِ انسانی کا وہ نصف حصہ ہے، جو اس کے اخلاقی، روحانی اور ذہنی قوے کی توسیع و ترقی کا ذمہ دار ہے۔ اگر یہ نصف حصہ ذلیل ہو، عزتِ نفس سے محروم ہو تو انسانیت تنزل و انحطاط کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس عزتِ نفس کے پیدا کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ عورت کو وہ حقوق و مراعات دی جائیں، جن کی وہ حیاتیاتی نقطۂ نگاہ سے مستحق ہے۔ اسلام اُسے اُن حقوق و مراعات سے محروم نہیں رکھتا، بلکہ اُسے ان تمام حقوق سے متمتع ہونے کا موقع دیتا ہے جن کا وہ اپنے مقام وحیثیت کے لحاظ سے استحقاق رکھتی ہے۔ وہ جائداد کی مالک ہو سکتی ہے۔ اُسے خاندان میں ویسی ہی موثر حیثیت حاصل ہے، جیسی مرد کو۔ ایک معزز بیوی کی حالت میں اُسے مجبور نہیں کیا گیا کہ وہ مرد کی ناروا بدسلوکی برداشت کرتی چلی جائے اور اُف تک نہ کرے۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ معاشری نقطۂ نگاہ سے مرد کا رویہ ناقابلِ اصلاح اور ناقابلِ برداشت ہے، تو وہ اُس سے آئینی طور پر علیحدہ ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ عورت کو وہی عمرانی و آئینی مراعات حاصل ہیں، جن سے مرد بہرہ ور ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ مرد کو عورت پر ایک درجہ فوقیت بھی حاصل ہے۔ یہ فوقیت حیاتیاتی (Biological) نوعیت رکھتی ہے۔

آپ عورت و مرد کے اعضائے جسمانی، ان کی تشکیل و تکوین اور وظائف و اعمال (Functions) کا مطالعہ کیجیے۔ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ان دونوں کے مابین ایک صنفی تباین موجود ہے۔ ان کی فطری صلاحیتیں جہاں تک اساسی عضویت کا تعلق ہے،

ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ہر ذی حیات کی خواہشات رجحانات اور افعال واعمال اس کے اعضاء کی تشکیلی وتخلیقی خصوصیات کے مرہونِ منت ہیں۔ اُسکی عضوی حالت اس کی سیرت وروش کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اگر بلی اپنے پاؤں سے زمین کریدنے میں مسرت محسوس کرتی ہے، تو اس لیے کہ اس کے پنجوں کے لمبے اور نکیلے ناخن اسی حرکت کے متقاضی ہیں۔ اگر چوہا بل بنانے پر مجبور ہے، تو اس لیے کہ اس کے اعضاءِ جسم کی ساخت کا یہی مطالبہ ہے۔ اگر بطخ پانی اور کیچڑ پر لوٹنے میں تسکین قلب محسوس کرتی ہے، تو اس لیے کہ قدرت نے اسے اس کی عضوی نوعیت کے اعتبار سے اسی ماحول کے لیے بنایا ہے۔ اگر پرند اُڑنے پر مجبور ہے اور مچھلی پانی کی تہ میں رہنے پر، تو یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ان کی جسمانی تشکیل وتکوین کا تقاضا یہی ہے۔ اگر مچھلی کو پانی سے باہر رہنے پر مجبور کیا جائے، تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ اگر بطخ کو پانی کی طرف جانے سے روکا جائے، تو وہ مضطرب ہو جائے گی۔ اگر چوہے کو فرش پر چھوڑ دیا جائے اور اُسے بل بنانے کے لیے نرم زمین میسر نہ آئے، تو وہ بے تاب ہو جائے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اعضائے جسمانی کو اپنے وظائف کی تکمیل کے موقعے نہ دیے جائیں، تو زندگی دوبھر ہو جاتی ہے اور اُن پر تنزل وانحطاط طاری ہو جاتا ہے۔ اب عورت کو دیکھیے، اس کے اندر اعضاءِ تناسلی (Sexual Organs) کا کتنا بڑا نظام (system) موجود ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کا ہر عضو اپنے موقعہ پر فریضۂ حیات سرانجام دے۔ اگر ان اعضاء کو اپنے مخصوص افعال کی تکمیل سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے، تو کیا صنفی صلاحیتیں جو اس کے اعضاء پر مبنی ہیں، خطرے میں نہیں پڑ جائیں گی؟ اور کیا ایسی حالت میں جنسِ اناث تباہی وہلاکت کے اثرات سے محفوظ رہ سکے گی؟ اب قابلِ غور یہ بات ہے کہ کیا عورت ان مشاغل کی طرف توجہ دے سکتی ہے، جو اس نے گھر سے باہر اپنے لیے تجویز کر لیے ہیں، جبکہ وہ دیکھتی ہے کہ صنفی تقاضے کی رُو سے چند لمحوں کا فعل اس کے لیے مہینوں کی ذمہ داری پیدا کر دیتا ہے، وہ ذمہ داری جو باوجود اپنی گوناگوں مشکلات کے فطری تسکین وطمانیت سے

معطّل ہوتی ہے، مگر مرد کی حالت اس کے بالکل برعکس ہے۔ عملِ تناسل (Sexual Process) میں اس کا خفیف سا حصہ ہوتا ہے۔ وہ طول طویل وقفوں کے بعد محض اس لیے عورت کے پاس جاتا ہے کہ اُسے تخلیقی وظائفِ حیات میں مہینوں کے لیے مستغرق کر دے۔ جب عورت اس صنفی عمل میں مصروف ہو جاتی ہے، تو اس پر بیرونی دُنیا کے تمام دروازے از خود بند ہو جاتے ہیں۔ وہ صرف تناسلی جبلّت (Reproductive Instincts) میں منہمک رہتی ہے اور اس کی عمرانی و صیانتی جبلّتیں (Social & Preservative instincts) اوّل الذکر جبلّت میں کھو کر رہ جاتی ہیں، مگر مرد میں صیانت نفس و نسل کی جبلّت اور عمرانی خواہشات بدستور سرگرم کار رہتی ہیں، وہ تلاشِ معاش میں باہر نکلتا ہے اور اپنی بیوی بچوں کی خوش حال زندگی کی خاطر دُنیا کے نشیب و فراز میں سرگرم رفتار رہ کر طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ عورت گھر کی چار دیواری کے اندر محفوظ زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے لیکن مرد اُس دنیا میں سرگرداں رہتا ہے جو صبر آزما آزمائشوں اور حوصلہ فرسا تکلیفوں کی دنیا ہے۔ وہ ان تمام مشکلات و مصائب کو محض اس خیال سے بطیبِ خاطر برداشت کرتا چلا جاتا ہے کہ اُس کی بیوی کی حفاظت اور اُس کی پُر مسرت زندگی کا قیام اس کے ذمّے ہے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے حسب ذیل آیت میں اشارہ کیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الخ[1] مرد عورتوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ الخ

اِس آیۂ کریمہ کی زیادہ وضاحت کے لیے یہاں مسٹر لیوڈوکی کے الفاظ پیش کیے جاتے ہیں:

"جب عملِ تناسل میں مرد کی شرکت ختم ہو جاتی ہے، جو چند لمحوں سے زیادہ وقت نہیں لیتی تو اُس کی کائناتِ ہستی پر عمرانی جبلّت (Social Instinct)

---

[1] کارگذار (شاہ ولی اللہؒ) خدمت گذار (سعدیؒ) یہ صیغہ مبالغہ ہے جو شخص انتظام کار اور اہتمام معاملات کی وجہ سے بیٹھنے کی فرصت نہ پائے اور زیادہ وقت قیام میں گذارے، وہ قوّام کہلاتا ہے (مدیر)

غالب آجاتی ہے۔ وہ عورت کی زندگی کا جو تخلیق حیات میں مصروف ہوتی ہے کفیل ہوجاتا ہے اور اس کی حفاظت پر اپنے مادی و معنوی قوائے مرکوز کر دیتا ہے"۔

یہ ہے حکمت قرآن جس کی طرف حکیم الملت علامہ اقبال رح نے اپنے شعر میں توجہ دلائی ہے اور یہ ہے وہ درجہ فوقیت جو مرد کو عورت پر حیاتیاتی اعتبار سے حاصل ہے!

مسٹر وادیا لکھتا ہے:

" تحریک نسوانیت کا مطالبہ کہ عورت کو مرد کے برابر سمجھا جائے، ایک واہی مطالبہ ہے۔ ان کے وظائف حیات (Functions of life) کا تباین ایک بدیہی چیز ہے۔ قدرت نے عورت کو یہ خدمت تفویض کر رکھی ہے کہ وہ پہلے اپنے شکم میں بچہ کی پرورش کرے اور اس کے بعد ان چشموں سے اسے سیراب کرے جنہیں قدرت حسب موقع شیریں دودھ سے لبریز کیے رکھتی ہے۔ یہ صنف لطیف کے شایان شان نہیں کہ وہ مرد کی نقالی کرے۔ اس کی حیثیت ایک نقلی حیثیت رہ جائے گی، جو نہ مرد کی قوت و استعداد کی حامل ہوگی اور نہ صنفی لطافت و نزاکت کی۔ ہاں مساوات، آئینی ہونی چاہیے، نہ کہ وظائف و افعال کی۔ مطلوبہ مساوات کتنی مضحکہ خیز ہے! جب قدرت عورت کو وظائف حیات کی مساوات نہیں دیتی تو وہ کون ہے، جو اسے یہ عطا کر سکے؟ یہ یاد رہے کہ نسوانیت عورت کے مخصوص وظائف سے وابستہ ہے۔ اگر وہ ان سے اعراض کرنے پر آمادہ ہو جائے تو وہ عورت نہیں کہلا سکتی۔ وہ کوئی اور مخلوق ہوگی جسے نہ تو خدا نے بنایا اور نہ ہی وہ خود حسب خواہش اپنے آپ کو بنانے میں کامیاب ہو سکی"۔

" ایک درخت کو لیجیے۔ جڑیں اپنے کام میں مصروف ہیں اور پتے اپنے کام میں۔ ان دونوں کی کوششوں سے جو اپنے اپنے دائرہ عمل تک محدود ہیں، درخت ہرا بھرا ہے۔ اگر جڑیں یہ دعویٰ کریں کہ ہم پتوں کے مساوی المرتبہ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جڑیں پتوں کا کام انجام دے سکتی ہیں۔ بلاشبہ، جہاں تک درخت کی زندگی کا تعلق ہے، دونوں کی اہمیت مساوی ہے، مگر یہ نہیں کہ دونوں کے وظائف زندگی بھی ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ نہ تو جڑیں پتوں کا کام

سنبھال سکتی ہیں اور نہ پتے جڑوں کا۔ دونوں تقسیم عمل کے آئین میں جکڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مرد اور عورت درخت انسانی کے دو ضروری اور اہم اجزاء ہیں اور اپنے اپنے دائرۂ عمل تک فطرتاً محدود ہیں"

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو ہر شعبۂ زندگی میں اخلاقی، عمرانی اور آئینی حقوق عطا کر رکھے ہیں تاکہ وہ عزت واحترام اور مسرت وشادمانی کی زندگی بسر کر سکے۔ چنانچہ بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ بہترین سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ تم میں سب سے اچھا وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے۔

عورت کے وقار اور اس کی عزتِ نفس کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اُسے یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر خاوند کا سلوک ناقابلِ برداشت ہو اور اس میں صلاح کی توقع نہ ہو، تو بہ طریقِ احسن اُس سے علیحدہ ہو جائے۔ اسی طرح مرد کے لیے بھی یہ صورت پیدا کر دی گئی ہے کہ اگر بیوی بدطبع ہو اور اس کی عادات مشئومہ وبالِ جان بن رہی ہوں تو بدمزگی پیدا کیے بغیر اس سے الگ ہو جائے یعنی طلاق، کے ذریعے اُس سے قطع تعلق کر لے۔

فَاَمْسِکُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ یا تو اُن کو اچھی طرح سے (زوجیت میں) رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔

مرد کو اس بات کی بے حد تاکید کی گئی ہے کہ بیوی کے ساتھ اس کے ازدواجی تعلقات خوشگوار ہونے چاہییں:

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور اُن کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو!

اور ماں کی حیثیت سے تو عورت کا درجہ بہت ہی بلند کر دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

الجنۃ تحت اقدام امھاتکم جنت تمہاری ماؤں[1] کے قدموں تلے ہے۔

علامہ اقبالؒ، والدہ کی اسی بلند مقامی کی طرف حسب ذیل شعر میں توجہ دلاتے ہیں:

گفت آں مقصودِ حرفِ کُن فکاں زیرِ پائے امہات آمد جناں

---

[1] جنت کہ رضائے مادران است زیرِ اقدام مادران است

صاحب جائداد ہونے کی حیثیت میں عورت کو وراثت کے حقوق دیے گئے ہیں وہ اپنے باپ، خاوند اور لڑکوں کی جائداد میں سے آئینی طور پر حصہ لے سکتی ہے :

لِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں، اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے۔

اور مرد کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ پوری فراخ دلی کے ساتھ ان کے حصے ان کے سپرد کر دے

وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو

شادی کے موقع پر عورت کی رضامندی پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عورت کی مرضی کے خلاف جو نکاح ہوگا، وہ خلاف قانون تصور کیا جائے گا، پس مردوں کو چاہیے کہ اس قسم کی جرأت سے اجتناب کریں:

لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ط تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ!

گھر کی ملکہ کی حیثیت سے عورت کو سرچشمہ تسکین و راحت قرار دیا گیا ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ط اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہو کر) تسکین حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی

غرضیکہ اسلام نے عورت کو اس کے فطری حدود کے اندر پوری آزادی دے رکھی ہے، مگر اسے ان حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اسلام کے اس رویہ کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت کی عضویت کا فطرت کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ حیات جو کائنات عالم کا نقطۂ ماسکہ ہے، دو بنیادی وظائف پر منحصر ہے، ایک تغذیہ (Natrition) اور دوسرا تناسل (Reproduction)۔ اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے، تو واضح ہو جائے گا کہ تغذیہ ایک ثانوی چیز ہے، جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ جسم کو تناسل کے لیے تیار کرے اور اس کے بعد اسے اس وقت تک قائم رکھے، جب تک جسم افزائش نسل یعنی تناسل کے فریضہ سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، غرضیکہ زندگی کا مقصد وحید قیام نسل

اور اس کا نکثر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جسم اس فرض کی ادائی سے سبک دوش ہو چکتا ہے تو عمل تغذیہ میں انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جسم پر مُردنی چھا جاتی ہے اور بالآخر موت کے ہاتھوں پھر خاک میں جا ملتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قدرت ایک فرد کی زندگی کی اتنی پروا نہیں کرتی، جتنی وہ تسلسل نسل کی کرتی ہے، اس لیے کہ افراد کی زندگی مختصر اوقات کے لیے ہے اور دُنیا کا ہنگامہ جاری رکھنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اُن کے بعد اور افراد زیادہ سے زیادہ تعداد کے ساتھ اُن کی جگہ لیں۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے قدرت نے زندگی کی تخلیق دو جنسوں پر کی ہے، جنس ذکور اور جنس اناث۔ اِن دونوں جنسوں کی جسمانی ساخت دو مختلف بنیادوں پر رکھی گئی ہے اور انہیں ایسے مہیجات سے آراستہ و پیراستہ کر دیا گیا ہے کہ وُہ باہمی کشش و انجذاب رکھتے ہیں۔ اگر قدرت کا یہ منشاء نہیں تھا تو یہ صنفی تباین و تخالف کیوں پیدا کیا گیا؟

متذکرہ صدر بحث و تمحیص سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کی زندگی کا اگر کوئی مقصد ہے، تو یہ ہے کہ وُہ اپنے آپ کو قیام نوع اور افزایش نسل کے لیے وقف کر دے۔ قرآن نے اسی حقیقت کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ کیا ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ — تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو، جاؤ!

یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس حقیقت کو علم و مشاہدہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کریں۔ بلوغ سے پہلے قدرت عورت کے جسم کو قوت و طاقت سے معمور کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکی کی نشو و نما لڑکے کی نشو و نما سے نسبتاً بہت زیادہ تیز رفتار ہوتی ہے۔ جب وُہ بلوغ کو پہنچتی ہے، تو حیض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، جو ہر مہینے اُس کے اندر ایک ہیجانی کیفیت پیدا کر دیتا ہے اور اُس کی توانائی کا کچھ حصہ جسم سے خارج کر دیتا ہے۔ اِن ایّام میں عورت کو کسی قدر کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے۔ اُس کے نظام اعصابی میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے اور جسم کی حرارت قدرے بڑھ جاتی ہے،

ماہرِ صنفیات ہیولاک ایلس (Havelock Ellis) اپنی تصنیف "مرد اور عورت" (Man and Woman) میں لکھتا ہے کہ "ایامِ حیض میں عورت کی ذہنی و نفسی کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ طبیعت میں ابھی غصّہ کی لہر دوڑتی اور ابھی خوش ہے۔ ابھی ہشاش بشاش ہے اور ابھی افسردہ۔ ابھی اس کی طبیعت میں حسد و بغض موجزن ہے اور ابھی اعترافِ گناہ کا جذبہ۔ غرضیکہ اس کی طبیعت ایک حالت پرسکون و اطمینان کے ساتھ نہیں رہتی ہے۔" اس سے ظاہر ہے کہ اس صورتِ حال میں عورت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ بیرونی دُنیا کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔ قدرت اُسے صرف اُس عظیم الشان فریضہ کے لیے تیار کرتی ہے جو اُس کی زندگی کا منتہا و مقصود ہے۔ جب اُس کے شکم میں بچے کی پرورش کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو اس کے بقاء و وجود کی تمام دلچسپیاں اُسی ایک عمل تک محدود ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہر لحہ وہ اپنے جسم کی طاقت و توانائی کے ایثار میں مصروف رہتی ہے۔ یہی وہ ایثار و قربانی ہے جو شفقتِ مادری کو اور زیادہ گہری بنا دیتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو قدرت عورت کی چھاتیوں کو دودھ سے بھر دیتی ہے اور اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ بچے کو اُس دودھ سے سیراب کرے۔ جوں ہی بچہ سیانا ہوتا ہے اور دودھ پینا ترک کر دیتا ہے حیض کا سلسلہ پھر جاری ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ تخلیقِ حیات کا سلسلہ عورت کی زندگی سے بدستور وابستہ رہتا ہے حتیٰ کہ جسم اپنی جاذبیتوں سے محروم اور انحطاط پذیر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر صدائے موت کو لبیک کہتے ہوئے خاک کے ذرّوں میں منتشر ہو جاتا ہے۔ عورت کی زندگی کتنی عظیم الشان زندگی ہے، جو اپنے ایثار و قربانی سے بقاءِ نوعِ انسانی کی ذمّہ دار ہے۔ الغرض عورت کی اموُمت پر ہی اس دُنیا کے قیام و نمود کا دار و مدار ہے۔ نسلِ انسانی کی بقا اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ اموُمت[1] ہی میں عورت کی زندگی کا راز مضمر ہے۔ اس کے خلاف بغاوت، اُس

---

[1] اموُمت یعنی ماں بننا

کی فطرت کے خلاف بغاوت ہے۔ پہنائے عالم میں یہی وہ تخلیقی قوت ہے جو ہئیت اجتماعیہ اور تہذیب و تمدن کے نشو و ارتقاء کی ذمہ دار ہے چنانچہ حکیم الملت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

نیک اگر بینی امومت رحمت است | زانکہ او را با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است | سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما | در خطِ سیمائے او تقدیر ما
ہست اگر فرہنگ تو معنی رسے | حرفِ امت نکتہ ہا دارد بسے
ملت از تکریم ارحام است و بس | ورنہ کارِ زندگی خام است و بس
از امومت گرم رفتارِ حیات | از امومت کشف اسرار حیات

از امومت پیچ و تاب جوئے ما
موج و گرداب و حباب جوئے ما

ایک اور جگہ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

بردمد ایں لالہ زارِ ممکنات | از خیابانِ ریاضِ امہات
قوم را سرمایہ اے صاحب نظر | نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مالِ او فرزند ہائے تندرست | تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مادراں | قوتِ قرآن و ملت مادراں

جب عورت و مرد کے مابین ایک بنیادی یعنی فطری تباین موجود ہے تو اُن کے مشاغلِ حیات میں بھی تباین ہونا چاہیئے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اُن کی تعلیم مختلف بنیادوں پر قائم ہو۔ حقیقی تعلیمِ نسواں وہی ہو سکتی ہے جس کے پیش نظر یہ ہو کہ عورت کو امورِ خانہ داری کے لیے تیار کرتا ہے اور اس کے اندر گھر کی ملکہ بننے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر دقیق از کار علوم و فنون کی تعلیم و تدریس کی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ قرینِ دانش مندی ہے کہ اُسے یونیورسٹیوں اور کالجوں کی

امتحانات کی صبر آزما مصیبت میں مبتلا کیا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لڑکیاں کالجوں اور سکولوں سے تعلیم حاصل کر کے باہر نکلتی ہیں، ہتی آغوش رہنا پسند کرتی ہیں۔ ادھر مرد سمجھ رہے ہیں کہ عورتوں کے اندر مغربی تعلیم کی ترویج و ترقی سے قوم راہ نجات ڈھونڈھ لے گی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی ڈھونڈھ لی قوم نے فلاح کی راہ
روشِ مغربی ہے مدِّنظر وضعِ مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین؟ پردہ اُٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

یہ ڈراما کیا سین دکھائے گا؟ علامہ مرحوم اس کا خود ہی جواب دیتے ہیں:

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مردِ ہوشمند! غیرت نہ تجھ میں ہوگی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

بلاشبہ وہ تعلیم جو لوازمِ حیات کے شعور و ادراک سے بے گانہ بنا دے، سماج کے لیے نہ صرف غیر مفید ہے، بلکہ انتہائی مہلک ہے۔ آج مروّجہ تعلیم کے اثر سے عورت کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے کہ عفّت و عصمت اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر آزادی و بے باکی کے ساتھ مردانہ مشاغل میں حصّہ لے، کونسلوں کی نشستوں پر قابض ہو اور لہو و لعب کی دلچسپیوں میں شریک ہو۔ جن دنوں علامہ اقبال گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں لندن میں مقیم تھے، انہوں نے ایک مضمون انگریزی جرائد میں شائع کرایا تھا، اس کے اقتباسات آزاد ترجمہ کی صورت میں یہاں پیش کیے جاتے ہیں، ان سے اسلامی نقطۂ نگاہ سے عورت کے بارے میں علامہ مرحوم کے خیالاتِ زرّیں کا اندازہ ہو سکے گا:

"یورپ میں عورت اپنے بلند مقام سے گر گئی ہے اور اس کی ذمہ دار وہ خود ہے وہ آزادی اور مساواتِ حقوق چاہتی ہے، جس کا مفہوم وہ خود نہیں سمجھتی۔ اہل مغرب کا خیال ہے کہ لڑکی میں عورت پستی کی حالت میں ہے، اس لیے کہ اُسے میدانِ

زندگی میں حصہ لینے کا بہت کم حق دیا گیا ہے۔ بلاشبہ، وہ ہمارے متعلق اور بالخصوص نفسیات پردہ کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ پردہ کی تہ میں حسد نہیں بلکہ یہ جذبہ کار فرما ہے کہ عورت ایک مقدس ہستی ہے، جسے اجنبی نگاہوں کی آلودگیوں سے ملوّث نہیں ہونا چاہیے۔ "حرم" ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں "جائے مقدس" جہاں اجنبیوں کا گذر نہ ہو۔ اس کے علاوہ پردہ کے اور بھی وجوہ ہیں جو حیاتیاتی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان وجوہ پر یہاں تبصرہ کرنا ناممکن ہے۔ میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ عورت رشتہ حیات میں ایک تخلیقی قوت (Creative force) ہے اور قدرت کی تمام تخلیقی قوتیں مستور ہیں۔"

"پردہ عورت کے وقار و احترام کی ایک نمایاں علامت ہے۔ کیا اس کے لیے یہ کم باعث عزت ہے کہ اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر غیروں کی نظروں کے استخفاف سے محفوظ رکھا جائے؟ اسلام کی کتاب مقدس یعنی قرآن میں خلوت و حجاب نسوانی کے بارے میں کئی ایک قوانین پیش کیے گئے ہیں۔ پردہ ان میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور قانون بھی ہے، جس کی رو سے عورتیں اور مرد ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں اور ہم کلام ہو سکتے ہیں، مگر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کو دیکھنے کے مجاز نہیں۔ انہیں تلقین کی گئی ہے کہ ایسے مواقع پر اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اگر یہ دستور العمل عالمگیر ہو جائے، تو پھر نقاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہندوستان کے دیہات اور دیگر ممالک اسلامیہ میں اکثر مسلمان عورتیں نقاب نہیں اوڑھتیں۔ پردہ دراصل مخصوص نفسی رویّہ (Mental Attitude) کی مادی صورت ہے جس کی ضرورت ہر ملک کے عام حالات اور رفتار زمانہ پر منحصر ہے۔"

اسلامی قانون کی رو سے تعدد ازدواج مخصوص حالات میں جائز قرار دیا گیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سماج کی ایک بہت بڑی بداخلاقی یعنی بازاری عصمت فروشی کا استیصال ہو جائے۔ ہمارے نزدیک بھی وحدت ازدواج ایک معیاری چیز ہے مگر

اس میں یہ ایک بہت بڑا نقص ہے کہ اس سے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی وافر تعداد کا کوئی مداوا نہیں"۔

" ازمنۂ وسطیٰ میں عورتوں کی فراوانی کو کھپانے کے لیے تحریک رہبانیت نے کافی مدد دی۔ اب یورپ اس طریقہ کو از سر نو اختیار کرنے سے قاصر ہے۔ صنعتی انقلاب نے جو نام نہاد استخلاص نسواں کی تحریک کا محرک ہوا، عورت کے اندر ایک ایسی ذہنیت پیدا کردی ہے، جو تعدد ازدواج کی سخت مخالف ہے، اگرچہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ سماجی برائی بدستور موجود ہے[1]"

"ان الفاظ سے میرا یہ مطلب نہیں کہ تعدد ازدواج ہی ہماری تمام برائیوں کا واحد علاج ہے بلکہ یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ صورتِ حال جس کا تقاضا ہے کہ عورت حصولِ معاش میں سرگرداں ہو جائے، نہایت ہی خطرناک ہے۔ اس سے اُس کی زندگی کا بہترین حصہ اُس کے قوائے ذہنی و نفسی کا اُدہیں جوہر (یعنی نسوانیت) برباد ہو جائے گا"

" تعدد ازدواج (Polygamy) اسلام میں کوئی ایسا قانون نہیں، جو ہر حال اور ہر زمانے میں نافذ رہے۔ ریاست اسلامیہ (Islamic State) میں ہر وہ قانون واپس لیا جاسکتا ہے، جس سے یہ خدشہ لاحق ہو کہ مخصوص حالات میں اس کا نفاذ خطرناک ہے"۔

علامہ اقبالؒ عورت کو فطری اعتبار سے ایک مکمل عورت دیکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کے

---

[1] ڈاکٹر نورمن ہیئر (Norman Haire) کہتا ہے "ہمارا یہ ظاہر کرنا کہ ہم وحدتِ ازدواج پر عمل پیرا ہیں، بہت بڑی ریاکاری ہے۔ حالانکہ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک خفیہ اور علانیہ زناکاری کا بازار گرم ہے۔ جلد یا بدیر ہمیں اس ریاکاری کو ترک کرتے ہوئے معترف ہونا پڑے گا کہ انسان کو فطرۃً کثرتِ ازدواج کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ وحدتِ ازدواج کے لیے۔

نزدیک ایک سادہ لوح غیر تعلیم یافتہ اور بدشکل دہقانی لڑکی جو طاقت ور غیور اور حق پرست بچے پیدا کرتی ہے اُس خوب صورت عورت سے بدرجہا بہتر ہے۔ جو تعلیم و تمدن کی روشنی سے تو بہرہ ور ہے مگر مرد کی نقالی میں مصروف اور حقیقی فرائض حیات کی تکمیل سے اعراض کرتی ہے۔ علامہ مرحوم ایسی عورت کے بارے میں یہ تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ یہ پھول جو دیکھنے میں تو خوب صورت معلوم ہوتا ہے، مگر جس کا کوئی فائدہ نہیں، اُلٹا نقصان دہ ہے، اگر ہمارے باغ میں پیدا ہی نہ ہو، تو اچھا ہے اور اگر یہ داغ ہمارے دامن ملت سے دُھل جائے تو بہتر ہے:

آں فرخ اشاق زادے جاہلے پست بالائے سطبرے بد گلے
نا تراشے پروَرِشش نا دادۂ کم نگاہے کم زبانے سادۂ
ملت ار گیرد ز آغوشش بدست یک مسلمانِ غیور و حق پرست
ہستیٔ ما محکم از آلامِ اوست صبحِ ما عالم فروز از شامِ اوست
واں تہی آغوشش نازک پیکرے خانہ پرورد نگاہش محشرے
فکر او از تابِ مغرب روشن است ظاہرش زن باطن او نازن است
بند ہائے ملتِ بیضا گسیخت تا ز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزاد یش از حیا نا آشنا آنادیش
علمِ او بار امومت بر نتافت بر سر شامش یکے اختر نتافت

ایں گل از بستان ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

علامہ اقبال رحمہ ہمارے سامنے فاطمۃ الزہرا رضہ کا جو حضرت علی رضہ ایسے جلیل القدر انسان کی بیوی اور حسن رضہ اور حسین رضہ ایسے غیور و شجاع بچوں کی ماں تھیں، اُسوۂ حسنہ پیش کرتے ہیں اور متمنی ہیں کہ ہر مسلمان عورت اُن ہی کے نقش قدم پر چلے، کیوں کہ اُن کی ذات میں عورت کا اسوۂ حیات مکمل اور اکمل صورت میں موجود ہے:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول | مادراں را اسوۂ کامل بتول
بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت | با یہودے چادرِ خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش | گم رضائش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گردان و لب قرآں سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز
گوہر افشاندے بدامانِ نماز

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر

یکم اکتوبر سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۹ء تک

آمد البیان		محمد عبد اللہ صاحب ٹھیکیدار	۲؍	کتب خانہ	۴؍ روپے
بابو عبد اللہ خاں صاحب	عا	بابو غلام صفدر صاحب	۲؍	رکینت	۱۲؍
میاں فیملی	سے	منشی محمد ابراہیم صاحب	عا	لائبریری	
مستری محمد قاسم صاحب	[illegible]	سیّد سرور شاہ صاحب	۲؍	حکیم طالب علی صاحب	عمر
میاں علی احمد خاں صاحب	عـہ	جناب محمد عمر صاحب	ے		
ڈاکٹر محمد شریف صاحب	۸؍	منشی مکھن خاں صاحب	۸؍	سابقہ بقایا	۱۵؍ ۹
میاں جلال الدین صاحب	عـہ	جناب محمد صدیق صاحب	۸؍	کل میزان	۱۱؍ ۳
میاں منظور الٰہی صاحب جوہری	۲؍	منشی محمد ابراہیم صاحب	سے	مصارف	
شیخ منہاج الدین صاحب	۲؍	شیخ انواری صاحب	عا	البیان	۸؍
بخشی حضور علی صاحب بی اے	۲؍	متفرق	۶؍ ۹	عمارت (مسجد)	۲؍
منشی محمد اکبر خاں صاحب	۲؍	میزان	۱۰؍ ۹	کتب خانہ	۴؍ ۹
ماسٹر کریم بخش صاحب سکھانی	۲؍	عمارت فنڈ		میزان	۷؍ ۹
ڈاکٹر اقبال مند صاحب	۲؍	کرایہ وغیرہ	سے	بقایا	۳؍ ۶

أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ

اِقبالؒ کا عشقِ قرآن

(محمد اقبال سلمانی)

قرآن کے جاذبۂ اثر و گداز کا بھی عجیب ہی معاملہ ہے! لوہے اور پتھر کے بنے ہوئے کتنے ہی دل ایسے ہیں، جنہیں قرآن حکیم کی آیتوں نے پگھلا کر رکھ دیا، کتنی ہی سنگ خارا کی بنی ہوئی آنکھیں ایسی ہیں کہ اُن میں نم کا کوئی جوہر موجود نہ تھا، لیکن کلامِ عزیز نے انہی آنکھوں سے اشک و آب کے چشمے جاری کر دیے! کتنی ہی بے درد و سعادت روحیں ایسی ہیں جنہیں خالقِ کائنات کے ساتھ کوئی اُنس و علاقہ نہ تھا، مگر وحیٔ الٰہی کے اثر و فیض کا کرشمہ دیکھیے کہ انہی روحوں کو عشقِ خداوندی کی سعادتیں نصیب ہوئیں۔ خود قرآن نے اپنی اس خصوصیت کو کہ اس میں قلب و روح کو متاثر کرنے کی بڑی قوت ہے، جابجا واضح کر دکھایا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ — جب وہ لوگ یعنی اہل کتاب کلام الٰہی کو سنتے ہیں،
تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ — تو تُو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے
مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ (۵/۸۶) — ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے!

یہ معاملہ ہے صرف انسانی قلب و دماغ کا، ورنہ قرآن کا تو یہ دعویٰ ہے کہ عقل و شعور والے انسان تو در کنار، شعور و احساس سے محروم مخلوق بھی اُس کی ہیبت و عظمت سے لرزاں ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پہاڑ، جن کا حجم و وزن، ذہن انسانی کے حساب و

قیاس سے بھی باہر ہے اور جن کو سطح ارضی کے مختلف مقامات پر زمین کا توازن قائم رکھنے کے لیے مضبوط طور پر جما کر قائم کر دیا گیا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ اگر قرآن حکیم ان ہی میں سے کسی پہاڑ پر نازل کر دیا جاتا تو کیا ہوتا؟

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے، تو تم اس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔

پس اگر یہ کلام عزیز اپنی عظمت و جلالت کے دم پر انسانی دلوں کو رقت و خشیت میں مبتلا کر دے سکتا ہے، تو یہ انسانی دل، اس کے سامنے آخر کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ پچھلے چودہ سو برس کے زمانے میں نہ جانے کتنے ہزار در ہزار انسانوں کے دل، اس کی سحر بیانیوں سے متأثر ہو کر پانی پانی ہو چکے اور نہ جانے کتنی آنکھیں اس کے دزد و عشق میں اشک بار رہ چکی ہیں؟ از انجملہ حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ تو بڑا ہی مشہور و معلوم واقعہ ہے کہ جو تلوار پیغمبر اسلام پر وار کرنے کے لیے میان سے باہر نکالتے ہیں، وہی تلوار قرآن حکیم کی چند آیتیں سن لینے کے بعد، آنحضرت صلعم کے قدموں پر لا رکھتے ہیں!

اسی سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ رضؓ کی سیرت میں یہ خاصہ نمایاں جگہ رکھتا ہے، کہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے وقت اکثر اوقات ان پر رقت طاری ہو جاتی اور وہ اسی عالمِ محویت میں کئی کئی گھنٹے آنسو بہایا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں ذکر آیا ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتی پڑھتے جب ذیل کی آیت پر پہنچے:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (۲۷)	ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بہت تلخ ہے۔

تو پھر اسی آیت کی بار بار تکرار کرنے لگے، یہاں تک کہ ساری رات پڑھتے اور روتے رہے۔

اسی طرح حضرت اویس قرنی رحؒ کا ایک واقعہ کسی کتاب میں دیکھا ہے۔ ایک

مرتبہ حرم بن حیان نے اُن سے درخواست کی کہ اُن کو رسُول اللہ صلعم کی کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے فرمایا، مَیں محدّث نہیں بننا چاہتا۔ حرم نے کہا، اگر حدیث نہیں، تو پھر قرآن حکیم کی کوئی آیت ہی ارشاد فرمائیے۔ حضرت اویس رضؓ نے حسب ذیل آیت پڑھی:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ اور مَیں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے، جب یہ آیت ختم کر چکے، تو بے اختیار اُن کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے حرم ہی کی روایت ہے کہ حضرت اویس اُس وقت دیوانے معلوم ہوتے تھے۔

اور ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بایزید بسطامی رحؒ کی طرف بھی منسوب ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب خطیب نے یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ ۖ	اور ان لوگوں (یعنی کفار و مشرکین) نے خدا کی قدر جیسی جاننا چاہیئے تھی، نہیں جانی۔

تو بایزید پر ان الفاظ کا اتنا اثر ہُوا کہ اُن پر وجد اور بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا!

یہ دو ایک واقعات ہیں، ورنہ نہ جانے کتنے ہی ایسے واقعات ہوں کہ تاریخ اُن سب کو اپنی حفاظت میں لینے کا ارادہ بھی کرتی، تو سب کام چھوڑ، صرف اس اکیلے کام کو بھی سرانجام نہ دے سکتی۔ قرآن، چودہ صدیوں سے اپنے عشق و محبت کی راہ میں جن دیوانوں کو پیدا کرتا رہا ہے، انھوں نے اپنے "دردِ نہاں" کا ڈھنڈورا کیوں پیٹا ہوگا؟ بے خودی اور بیقراری کے عالم میں کسی کے دل و جگر کا معاملہ ظاہر ہو جائے، تو یہ الگ بات ہے، ورنہ سینکڑوں نہیں، ہزاروں ایسے دل دادگانِ قرآن گذر چکے کہ دُنیا اُن کے دَرد و اندوہ سے کبھی آگاہ نہ ہوئی انہوں نے دُنیا کی نگاہوں سے ڈھل ہو کر اُسی خالق و مالک کے آگے اپنے سینے کے زخم کھولے اور اپنے درد کا معاملہ رکھا جس خالق و مالک نے انہیں قرآن عزیز کے عشق و محبت کی صلاحیت بخشی تھی، مگر ایسا کبھی نہیں ہُوا اور دل کی سچی لگن کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ایسا کبھی نہ ہو کہ وہ دُنیا کے آگے اپنے زخم کھول کر داد طلبی یا دوسرے لفظوں میں ریاکاری کی راہ اختیار کریں۔ پس تاریخ اگر حاملانِ قرآن کی دل فگاریوں کے تذکرے اُس کثرت

و فراوانی کے ساتھ ظاہر نہیں کرتی، جس کثرت و فراوانی کے ساتھ اُن کا ظہور ہوا، تو اُسے معذور سمجھنا چاہیے۔ مؤرخ کے قلم میں اتنی قوت ہی کب تھی کہ وہ یہ بتانے کا حوصلہ کرتا، قرآن کی وہ ادائیں کیا کیا ہیں، جس سے وہ اپنے مخاطبوں کو متاثر کرتا ہے؟ دلبری اور دل ربائی کے وہ انداز کون کون سے ہیں، جنہوں نے بیگانوں کو یگانہ بنا دیا؟ اس کی دل نوازی اور خوش ادائی کے وہ طور طریقے کیا ہیں کہ اُس کے چاہنے والے اُسی کی چاہت میں تڑپتے ہیں، اور اُسی کی چاہت میں زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔ پھر تاریخ کا دامن اتنی وسعت کہاں سے لائے کہ ظہورِ قرآن سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر روزِ قیامت تک کے تمام عاشقانِ قرآن کی ساری فریاد و فغان، سارے سوز و گداز، ساری جنوں مشربی اور ساری نالہ فروشی کی تفصیل اور اس کے اسباب کو سمیٹ سکے؟ تاریخ کو چھوڑیئے، اگر کشتگانِ کتابِ عزیز خود اپنی اپنی روداد سوز و گداز کے دفتر بھی کھولنا چاہیں، تو سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ نہ بتا سکیں گے کہ وہ کلامِ عزیز کے کس کس سنان و خنجر سے گھائل ہوئے؟ کس کس پیکان و خدنگ کے شکار ہوئے اور کس کس نیش و نشتر نے اُن کے قلب و جگر کی جراحت کی؟ کوئی ایک عشوہ ہو تو اس کا نام لیا جائے، کوئی ایک غمزہ ہو تو اس کی تفصیل دی جائے، مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

علامہ اقبال رحمہ کا شمار بھی اُن ہی دل دادگانِ قرآن میں ہوتا ہے، جن کے سینے رقّت و خشیت الٰہی کی دولت سے مالامال اور جن کی آنکھیں سوز و گداز قرآن سے ہمیشہ پُرنم و اشک ریز رہی ہیں۔ علامہ مرحوم اس عالم آنی و فانی سے رخصت ہوتے ہوئے یہ وصیّت فرما گئے تھے کہ اُن کی کتابیں اسلامیہ کالج لاہور کی لائبریری کو دے دی جائیں۔ چنانچہ جون ۱۹۳۹ء میں آپ کی اس وصیت کے مطابق پانچ سو سے زائد کتابیں کالج کی لائبریری میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ اِن کتابوں کی فہرست پر نگاہ ڈالنے سے یہ بات بآسانی ذہن نشین ہو سکتی ہے کہ ایشیا کے اس عظیم المرتبت شاعر اور فلسفی نے دنیا کے کیسے کیسے نادر و نایاب مصنّفات سے اپنے دل و دماغ

کی وسعتوں کو رونق عطا کر رکھی تھی! بلاشبہ اقبال کے سوا دُنیائے مشرق نے آج تک کوئی ایسا فرزند پیدا نہیں کیا جسے بیک وقت مشرق و مغرب کے مختلف قدیم و جدید علوم کے وسیع و سیر حاصل مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہو۔ جن کتابوں کا اوپر ذکر آیا ہے، اُن میں براؤننگ (Browning) گوئٹے (Goethe) شیلے (Shelley) ٹینی سن (Tennyson) اور مولانا روم کے علاوہ اکثر فارسی شعرا کے دواوین شامل ہیں۔ ٹیگور اور سروجنی نائیڈو کے مؤلفات کے علاوہ نادر شاہ مرحوم (شاہ افغانستان) کی ہمشیر کی ایک تالیف بھی اپنی کتابوں کے ساتھ علیحدہ کی گئی ہے۔ قاہرہ کی عربی یونیورسٹی الازہر کی بہت سی عربی کتابیں بھی اسی ذخیرے کے ساتھ کالج کے حوالے کردی گئی ہیں۔ علامہ مرحوم ان کتابوں کی امداد سے "اسلامی اصول فقہ کی تجدید" (Reconstruction of Islamic Jurisprudence.) کے عنوان سے ایک مہتم بالشان تصنیف کا آغاز کرچکے تھے، مگر افسوس کہ فرشتۂ اجل نے انھیں اس کام کی تکمیل سے پہلے ہی رخت سفر باندھنے پر مجبور کردیا۔

از روئے وصیت قرآنِ پاک کا ایک نسخہ آپ کے لخت جگر جاوید کو ملا ہے۔ اس مصحف کے متعلق علامہ مرحوم کے خاص خاص احباب نے بتایا ہے کہ آپ بلاناغہ صبح کے وقت اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے ایسے ذوق و شوق، ایسے درد و محبت اور ایسے سوز و گداز کے ساتھ کہ آنسوؤں کا تار بندھ جاتا تھا۔ روتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ کتابِ عزیز کے ورق بھیگ جاتے۔ جب تلاوت ختم ہوجاتی تو اُسے اٹھا کر دھوپ میں رکھ دیتے، تاکہ صفحے خشک ہوجائیں۔ مدت العمر تک آپ کا یہی دستور رہا۔ حتیٰ کہ زندگی کے آخری دنوں میں جب بیماری کا تسلط بڑھ گیا اور گلا خراب ہوجانے کے باعث آواز میں بیٹھ لگ گئی، تو ڈاکٹروں کے روکنے پر آپ کا یہ طریق تلاوت بھی چھوٹ گیا۔

قرآن عزیز کے علاوہ آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے ساتھ بھی بڑا تعلقِ خاطر تھا۔ باتوں باتوں میں جب کبھی آں حضرت صلعم کا تذکرہ ہوتا، تو آپ کی آنکھیں اشکبار

ہو جاتی تھیں۔ کالج کے طلبہ یا دوسرے مغرب زدہ نوجوان عام طور پر نبی کریم علیہ السلام کا نام لیتے وقت تعظیمی الفاظ کا خیال نہیں رکھتے۔ آپ کی صحبت میں جب کبھی ایسا ہوا کہ کہنے والے نے محمد صاحب کہہ دیا اور آپ کا چہرہ غصّے کے باعث سُرخ ہو گیا۔ عشق و احترام رسولؐ کا یہ جذبہ یہاں تک بڑھ چکا تھا کہ وفات سے کچھ عرصہ پہلے ایک رباعی لکھی کہ خداوندا! قیامت کے روز میرے گناہوں کی پُرسش سے درگذر کر، لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم نبی اکرمؐ کی نگاہوں کے سامنے میرا مؤاخذہ نہ کیا جائے

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر ۔۔۔ روزِ محشر عُذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر ۔۔۔ از نگاہِ مصطفےٰ پنہاں بگیر

پس یہ اقبالؒ کے مقام کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، ورنہ کسے معلوم کہ اُن کے سینے میں عشق و عرفان کا کیسا متلاطم چشمہ تھا کہ سالہا سال تک سُوت جاری رہے اور ہزارہا انسانی دلوں کی بے آب و گیاہ کھیتیاں سیراب ہوتی رہیں! ہندوستان میں مُسلمانوں کے زوال اور مُلّاؤں کے تسلّط کے باعث دینی خُشک سالی اور قحط کا آغاز ہو چکا تھا۔ مغربی ہواؤں نے کشتِ اسلام کی رہی سہی ہریاول کا بھی خاتمہ کر دیا تھا اور اب اس کی جگہ انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان الحاد و دہریت کی کاشت کا تجربہ کیا ہی چاہتے تھے کہ اقبالؒ کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ اب اُن کی مایُوسیاں دُور ہو رہی ہیں اور وہ اسی چشمے سے نہریں نکالنا چاہتے ہیں جس چشمے سے اقبالؒ سیراب ہُوا ہے، نہیں بلکہ چودہ سو سال پہلے ساری دُنیا سیراب ہُوئی تھی۔ خدا اُس مردِ حق آگاہ کو اپنے دامنِ لُطف و رحمت میں جگہ دے کہ اُس کی آواز سے کئی سونے والے جاگ اُٹھے ہیں اور کئی منزلِ مقصود کی طرف جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں!

القرآن یھدی للتی ھی اقوم

اِقبال اور قرآن

(جناب فیروز الدین صاحب رازی)

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد!
چشمِ خود بربست و چشمِ ما کُشاد

ظہورِ اقبال سے پہلے ہماری ملّی زندگی پر ایک جمود سا طاری تھا۔ ہمارا چمن ویران اور ہمارا خرمن برباد ہو چکا تھا۔ فصلِ خزاں کے بے رحم ہاتھوں نے باغِ اُمّت میں ایک پھول بھی نہ چھوڑا۔ بہ ظاہر باغِ امّت کے دوبارہ شاداب ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ در و دیوار سے شکست و ریخت کے آثار ہویدا تھے۔ الحاد و بے دینی کی بجلیاں بیتاب تھیں کہ آشیانِ ملّت کے رہے سہے تنکے بھی جلا کر رکھ دیں۔ مختصر یہ کہ جب شیرازۂ ملت بالکل منتشر ہو چکا، تو مجدّدِ عصر علامہ اقبالؒ کا ظہور ہوا۔

اقبال ہمارے خزاں دیدہ چمن میں قافلۂ بہار کا طائرِ پیش رس تھا، جس کے دل پذیر نغموں سے ملّتِ اسلامیہ کی مُردہ رگوں میں زندگی کا خون دوبارہ دوڑنے لگا:

قافلۂ بہار را طائرِ پیش رس نگر
آنکہ بہ خلوتِ قفس گفت پیامِ خویش را (اقبال)

اس نغمہ سنج بُلبل کے نغموں میں مژدۂ بہار مضمر تھا، خزاں دیدہ چمن کی رُت بدلنے کی خوش خبری تھی:

آمد بہار کی ہے جو بُلبل ہے نغمہ سنج
اُڑتی سی اِک خبر ہے زبانی طیور کی (غالب)

بلبل کے اِن نغموں سے خاک ہزار سالہ کو زندہ ہونا تھا، غنچۂ دل گرفتہ کی شگفتگی اور گرہ کشائی مقدر تھی۔ داغِ درُون لالہ کی قسمت میں تازگی لکھی تھی:

اے کہ زمن فسردۂ گرمیٔ آہ و نالہ را　　زندہ کُن از صدائے من خاکِ ہزار سالہ را
غنچۂ دل گرفتہ را از نفسم گرہ کُشا　　تازہ کُن از نسیم من داغ درونِ لالہ را

اقبال کے نغمے صدیوں تک کانوں میں گونجتے رہیں گے۔ ملّتِ اسلامیہ کا قافلہ اس کی بانگِ درا کی راہ نمائی میں سفر کرتا رہے گا۔ اِسی بُلبلِ تنہا کی نوا سے قلب گرمائے جائیں گے۔ اسی کی دردمند صدا ملّتِ اسلامیہ کو خوابِ خرگوش سے بیدار کرے گی:

چاک اِسی بلبلِ تنہا کی نوا سے دِل ہوں　　جاگنے والے اسی بانگ درا سے دِل ہوں
ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے　　بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگادے
سونے والوں کو جگادے شعر کے اعجاز سے　　خرمنِ باطل جلادے شعلۂ آواز سے

قسامِ ازل نے جو خدمت اس بُلبل کے سپرد کی تھی، وُہ پُوری ہوچکی۔ پیاسے مرنے والوں کو خمِ زندگی سے مئے حیات کے پیالے ملنے لگے۔ زندگی میں حرکت اور حرکت میں تیزی پیدا ہُوئی:

بہ صدائے دردمندے، بہ نوائے دِل پذیرے
خمِ زندگی کُشا دم بہ جہان تشنہ سیرے

ماضی وحال آج سے تقریبًا سات سو سال قبل یعنی ساتویں صدی کا عہد بھی عہدِ حاضر کی طرح پُرفتن تھا۔ کفر والحاد کی تاریکیاں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں، معصیت کی دُنیا میں عجیب ہنگامے برپا تھے۔ مذہب کی بُنیادیں متزلزل ہوچکی تھیں۔ افراد کے مذبذب قلوب شک وارتیاب کی آماجگاہ بنے ہُوئے تھے۔ لامذہبیت کا استیلا و غلبہ تھا۔ غرض کہ اِس دَور کو اُس دور سے کئی لحاظ سے مماثلت ہے۔

یُوں تو اسلام پر کئی بار مصائب کے بادل چھائے مگر ساتویں صدی کے صدمات جن سے اسلام کو دوچار ہونا پڑا، ایسے تھے کہ اگر اسلام کے بجائے کوئی اور مذہب ہوتا، تو آج صفحۂ

ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا ہوتا۔ اس زمانے میں تاتاریوں کے سیلاب سے صدہا شہر ویرانے بن گئے اور لاکھوں نفوس موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ نصیرالدین، محقق طوسیؒ، خواجہ عطارؒ، شیخ سعدیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، سکاکی اور مولانا رومؒ اسی پُرآشوب زمانہ کی یادگار ہیں۔

مولانا روم کا نام شعرا کی فہرست میں چوٹی پر نظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شاعر نہیں تھے ان کی مثنوی کو شاعرانہ زبان میں "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" تسلیم کیا جاتا ہے، چنانچہ اس شہرۂ آفاق مثنوی کے اسرار و رموز اس امر کی کھلی ہوئی شہادت ہیں۔ رومیؒ ساتویں صدی کے پُرفتن عہد کے مجدّد تھے تو علامہ اقبالؒ چودھویں صدی کے۔ . . . .

. . حضرت اقبالؒ اسی مرشدِ کامل کے مُرید ہیں۔ انہی کی مثنوی کے خوشہ چین ہیں۔ اُن ہی کے فیض سے فیض یاب ہو کر آئے ہیں۔ وہی پیغام سناتے ہیں جو رومی نے سنایا تھا:

باز برخوانم ز فیضِ پیرِ رُوم — دفترِ سربستہ اسرارِ علوم
پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد
رومی در حرم دادم اذانِ من — ازو آموختم اسرارِ جانِ من
بہ دورِ فتنۂ عصرِ کہن اُو — بہ دورِ فتنۂ عصرِ روانِ من

(یعنی رومی کی طرح میں نے بھی حرم میں اذان کے فرائض ادا کیے۔ اُس سے میں نے زندگی کے راز کو سیکھا۔ اُس میں اور مجھ میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ قدیم پُرفتن زمانہ میں پیدا ہوئے لیکن میں عصرِ حاضر کے پُرآشوب دَور میں پیدا ہُوا ہوں)

مولانا رومؒ کی طرح اقبالؒ بھی باوجود بہت بڑا شاعر ہونے کے شاعر نہیں۔ بلکہ اس سے کہیں بلند مقام پر ہے۔ عہدِ حاضر کے بہت کم لوگوں نے اُسے سمجھا ہے۔ اس زمانہ کی بے بصری کہیے یا کچھ اور . . . . . ہاں شاید اس لیے بھی نہیں سمجھے کہ وہ شاعرِ فردا ہے

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم — من نوائے شاعرِ فرداستم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست — یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست

(یعنی میں نغمہ ہُوں اس لیے مضراب کی چوٹ سے بے نیاز ہوں۔ میں شاعرِ فردا کی آواز ہوں

۱؎ ساتویں صدی ۲؎ چودھویں صدی

(مستقبل کی تصویر پیش کر رہا ہوں) میرا عہد محرم راز نہیں۔ میرا یوسف اس بازار میں فروخت ہونے کے لیے نہیں ہے) اگر اقبال شناس کچھ ہیں بھی تو معدودے چند۔ پھر لطف یہ ہے کہاں سمجھنے والوں میں سے ہر ایک اُس کو اپنا سمجھتا ہے۔ ہر ایک اس کو ہم مشرب خیال کرتا ہے۔

وُہ سب کا ہم نوا ہے مگر باوجود اس کے اُس کا مسلک سب سے الگ ہے اُس کا فکر و عمل سب سے نرالا ہے:

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
از درونِ من نجست اسرارِ من (رومیؒ)

یہ بھی اقبالؒ کی عظمت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اقبالؒ ہے کیا؟ اس کا جواب چنداں مشکل نہیں۔ آئیے! اقبالؒ ہی سے سوال کریں کہ اُس کا پیام کیا تھا؟ وُہ کس مقصد کو یہاں لے کر آیا تھا؟ کیا کچھ کیا یا کرنا چاہتا تھا؟ اقبالؒ کا جواب یہ ہے کہ وُہ مسلمانوں کو صدیوں کا بھولا ہُوا سبق یاد دلانے آیا تھا۔ تجدید ملت کے لیے پیدا ہُوا تھا۔ صدیوں کی مسلسل نیند سے جگانے آیا تھا۔ قرآن حکیم پر ملّاؤں اور مفسّروں کے چڑھائے ہُوئے غلاف اُتارنے آیا تھا۔ کتاب اللہ کے اسرار و حِکَم بیان کرنے آیا تھا۔ اُسی کی نشر و اشاعت اُس کا مقصدِ حیات تھا۔ وُہ کام و دہن کی تلخیوں کو اس سے دُور کرنا چاہتا تھا۔ اِسی سے اُس نے درسِ حکمت لیا تھا۔ مہد سے لے کر لحد تک اُس کے لبوں پر یہی پیام تھا۔ اُس کی آنکھیں اسی کے نور سے منوّر تھیں۔ اُس کا دل و دماغ نورِ قرآن ہی سے مُستنیر تھا۔ چنانچہ حکیم سنائیؒ کا ذکر کرتے کرتے ہُوئے لکھا ہے:

ہر دو را از حکمتِ قُرآں سَبَق
او ز حق گوید من از مَردانِ حق

(یعنی ہم دونوں (سنائیؒ اور اقبالؒ) نے قرآن کی حکمت سے سبق لیا ہے۔ وُہ (سنائیؒ) تو حق کی باتیں سُناتے ہیں اور مَیں (اقبالؒ) اہلِ حق کی)۔

اُس کو کتاب اللہ کے اندر تقدیرِ اُمم نظر آتی ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے اسباب ملتے ہیں مگر اُس وقت جب رازی ایسے مفسروں کے سُرمہ تفسیر کو آنکھوں سے دھو کر پڑھا جائے:

چوں سُرمۂ رازی را از دیدہ فرو شُستم
تقدیرِ اُمم دیدم پنہاں بہ کتاب اندر

(مطلب یہ کہ جب میں نے رازی کے سُرمہ کو اپنی آنکھوں سے دھو ڈالا۔ تو میں نے کتاب اللہ کے اندر اُمتوں کی تقدیر کو چھپا ہُوا دیکھا)

اقبالؒ اپنے احباب کو اکثر یہ بات سُنایا کرتے، جو اُن کے کارنامہ کی اصل و بنیاد تھی "والد مرحوم ہمیشہ قرآن حکیم کی تلاوت کی تلقین فرمایا کرتے اور تاکید کرتے کہ بیٹا! قرآن کو اس طرح پڑھا کرو، گویا وہ تم ہی پر نازل ہُوا ہے، یا خدا تم سے ہم کلام ہے۔ جب کبھی وہ مجھے قرآن پڑھتے دیکھتے، تو بہت خوش ہوتے۔" چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم سے اُنہیں بے حد شغف تھا۔ جب کبھی قرآن خوش الحانی سے پڑھا جاتا، تو آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا آتیں۔ جسم کانپنے لگتا۔ شبانہ روز وہ اسی کو مطالعہ میں رکھتے۔ بڑے بڑے فلسفیانہ اور دیگر ادق مسائل کا حل اسی میں تلاش کرتے۔ اُن کا فکر و عمل قرآن سے الگ نہیں تھا:

گوہرِ دریائے قرآں سُفتہ ام — شرحِ رمزِ صبغۃ اللہ گفتہ ام
با مسلماناں غمے بخشیدہ ام — کہنہ شاخے را نمے بخشیدہ ام
دارم اندر سینہ نورِ لا الٰہ — در شرابِ من سرورِ لا الٰہ
فکرِ من گردوں مسیر از فیضِ اوست — جوئے ساحل نا پذیر از فیضِ اوست

اِقبالؒ اسلامی عقائد کو شاعرانہ دلائل سے ثابت کرتا ہے۔ اُس کے کلام کو قرآن کریم کی تفسیر کہا جائے، تو بجا ہوگا۔ خدا کی قدرت جو کام بڑے بڑے زاہدوں سے نہ ہو سکا وہ ایک رند نے کر دکھایا۔ وہ کونسا موضوع ہے، جس کو مرحوم نے تشنہ چھوڑا ہو؟ آزادیٔ فکر، خودی، توحید و رسالت، شریعت و طریقت، تہذیب و تمدن، مذہب

فلسفہ، قومیت و وطنیت، سلطنت و اشتراکیت، سرمایہ و محنت، تسلیم و رضا، جبر و اختیار، فقر و تصوف، عشق و محبت، روزہ و نماز، حج و زکوٰۃ اور اطاعت و صبر غرضیکہ مذہبی اخلاقی، تمدنی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کے تمام پہلوؤں پر اس قدر لکھا ہے کہ اُن میں سے ہر ایک موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی جاسکتی ہیں۔ وُہ اپنے کلام کے متعلق خود ہی وضاحت فرماتے ہیں:

"فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللہَ لا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے ازندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔" (مقدمہ پیام مشرق)

اقبال کی شاعرانہ حیثیت رہ گیا اقبال کا شاعر ہونا۔ تو بحیثیت شاعر بھی کوئی اُس کا مثیل اور ہمسر نہیں ہو سکتا۔ اس کے کلام میں وُہ تمام خصوصیات و محاسن شعر موجود ہیں، جو ایک بہترین اور عظیم المرتبت شاعر کے کلام میں ہونے چاہییں۔ رفعتِ تخیل، حسنِ ادا، جوشِ بیان، سوز و گداز، موسیقیت و ترنم، عذوبت و شیرینی، سلاست و روانی، مصوری، تشبیہ و استعارہ، تمثیل اور فلسفیانہ انداز، اُس کے کلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

اقبال ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانوں کے جامع ہیں۔ غزالی و رازی، سعدی و رومی، عطار و سنائی، حالی و اکبر اور میر و غالب کی تمام خصوصیات اُن کی ذات میں مجتمع ہیں، نہیں، بلکہ نظیری و حافظ کا تغزل، شکسپیر کی فطرت نگاری، شیلے کی شیریں کلامی، ملٹن کی پروازِ فکر، ورڈزورتھ کا تصوف اور ترجمانی فطرت، ٹینی سن کی رنگینی و ترنم اور فصاحت و بلاغت، کیٹس کا اسلوب بیان، کولرج کی موسیقی و پروازِ تخیل اور گوئٹے کی حکمت و دانش اس کے کلام میں یک جا موجود ہیں۔ اقبال باوجود ان تمام خوبیوں کا حامل ہونے کے شاعری کا دعوےٰ نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو شاعر کہنا چاہیے۔ وُہ اس سے ماورا کچھ اور ہے، جس کا صحیح اندازہ آئندہ نسلیں کر سکیں گی۔ یہ ہے ایک

ہلکا سا خاکہ اُس کی شاعری کا۔ سلسلہ کلام طُول پکڑ گیا۔ کہاں سے کہاں چلا گیا۔ میرا مطلب دراصل یہ تھا کہ اقبال کے پیغام کی اصل بُنیاد قرآن ہے اُور مخاطب بالخصوص مِلّتِ اسلامیہ اور بالعموم نوعِ انسانی۔ اُس کی شاعری رُوحِ اسلام کو اپنے اصلی رنگ میں پیش کرتی ہے۔ محض طرزِ بیان جدید ہے، مگر ہے وُہی کچھ جو قرآن میں ہے۔ اُس کے نزدیک زوالِ اُمّت کا سبب کتاب اللہ سے بُعد وانحراف ہے۔ وُہ اُمّتِ مرحومہ کے جراحت ہائے پنہاں کو دیکھ کر مرض کی کُنہ و ماہیت تک پہنچ چُکا ہے، مِلّت کے تمام امراض کا علاج قرآن سے کرنا چاہتا ہے، کیوں کہ مُسلمان کی زندگی کا راز یہ ہے کہ وُہ قرآن پر عامل ہو۔ یہی اس کا لائحہ عمل ہے۔ اِس کے بغیر اُس کی زندگی دشوار ہے:

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جُز بہ قرآں زیستن

مُسلمانوں کو اس میں شفا مِل سکتی ہے۔ یہی اُن کا "آئین" ہے۔ رُوئے زمین پر اُن کے تمکن کا باعث بھی یہی ہے۔ یہ ایک زندہ اور پُر حکمت کتاب ہے، اس کی حکمت و صداقت، علم و جامعیت میں سرِ مُو بھی فرق نہیں آسکتا۔ قیامت تک اسے زندہ معجزہ تسلیم کیا جائے گا۔

کمزور اور ناتوان انسان اس کی قوت سے استقلال و استقامت حاصل کرتے ہیں۔ ان کے قدموں میں لغزش اور تزلزل کے بجائے ثابت قدمی آجاتی ہے۔ دنیا کی کوئی چیز اُن کو ہراساں نہیں کرسکتی۔ قرآن حکیم کے کلمات میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتا، اس میں کسی کو شک و ریب کی بھی گنجائش نہیں۔ اُس کی آیات صاف اور واضح ہیں۔ وُہ بنی نوعِ انسان کے لیے خدا کا آخری پیام ہے۔ یہ وُہ پاک کتاب ہے، جو حضرت رسول کریم صلعم پر اُتاری گئی۔ اس کی آیات پر غور و تدبر سے معلومات کی نئی دُنیا حاصل ہوتی ہے۔ علم و حکمت کے خزانے ملتے ہیں۔ ازمنۂ ثلاثہ کی کوئی بات ایسی نہیں جس کا اس میں ذکر نہ ہو:

تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست؟ — زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست؟
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرفِ او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃٌ للعالمیں
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
چوں مسلماناں اگر داری نظر — در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آیاتِ اوست
بندۂ مومن ز آیاتِ خدا است — ہر جہاں اندر برِ او چوں قبا است
چوں کہن گردد جہانے در برش — مے دہد قرآں جہانے دیگرش

یہ قرآن بے کس اور بے سروسامان انسانوں کا دست گیر ہے، ظالم و جابر سرمایہ داروں کے لیے پیغامِ موت ہے۔ جب سے قرآن کی تعلیم کی اس دُنیا میں نشر و اشاعت ہُوئی ہے، عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں کے مکر و فریب کُھل گئے ہیں۔ اب اُن کی ساکھ نہیں بیٹھتی، اُن کے تمام نقش باطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کتاب کے اندر مشرق و مغرب کی تقدیریں محفوظ ہیں۔ وُہ بجلی کی طرح جسم و جان میں اثر کر جاتی ہے۔ دل و دماغ کو جِلا دیتی ہے۔ روح و قلب میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔ ماحول کو بدل ڈالتی ہے، عصرِ نو پر فتح اسی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اہلِ ایمان کے ایمان کی حرارت اسی سے قائم ہے۔

چیست قرآں؟ خواجہ را پیغامِ مرگ! — دستگیرِ بندۂ بے ساز و برگ
نقشِ قرآں تا دریں عالم نشست — نقشہائے کاہن و پاپا شکست
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد، جہاں دیگر شود
اندرو تقدیرہائے شرق و غرب — سُرعتِ اندیشہ پیدا کن چو برق
محفلِ ما بے مے و بے ساقی است — سازِ قرآں را نواہا باقی است
دل بآیاتِ مبیں دیگر بہ بند — تا بگیری عصرِ نو را در کمند

ملّتِ اسلامیہ نے قرآن سے اعتصام کیا ہوتا، تو آج نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ اب محض قرآن پر ناز کرنے کا وقت نہیں۔ بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ اقبال مسلمانوں کو پھر سرفراز دیکھنا چاہتا ہے۔ عامل قرآن بنا کر اُن میں دلِ مرتضیٰ، سوزِ صدیق، استغنائے سلمانی، فقرِ بوذر، شجاعتِ خالد اور پاکبازئ عثمان دیکھنے کا متمنی ہے:

چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اَور نظّارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفاں کے مارے کو ہے

وُہ مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر روتا ہے، تڑپتا ہے، بے قرار ہوتا ہے! جس آگ میں خود جلتا ہے، دُوسروں کو بھی جلانا چاہتا ہے۔ ملّت کی شیرازہ بندی دیکھنے کا متمنی ہے، مسلماں کو رمز لَا اِلٰہ سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ یک آئینی یعنی قرآن کا پابند کرنا چاہتا ہے

از یک آئینی مُسلماں زندہ است
پیکرِ ملّت زِ قرآں زندہ است

اقبال کے ایک ایک لفظ سے ملّت کا درد ٹپکتا ہے۔ اُس کی اپنی متاع بھی یہی درد اور تڑپ ہے۔ یہی سوز و ساز ہے۔ نالۂ نیم شب ہے۔ دیدۂ تر کی بے خوابی ہے سوزِ جگر ہے، دل کا گداز ہے، کچھ اُمنگیں اور کچھ آرزوئیں ہیں۔ وُہ اِس متاع کو بانٹنا چاہتا ہے اور طلب خیر کی دُعا کرتا ہے۔

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر!　　زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر!
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے!　　مرا عشق میری نظر بخش دے!
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں　　مرے دِل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز　　میری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں میری آرزوئیں مری　　اُمیدیں میری جستجوئیں مری
مری فطرت آئینۂ روزگار　　غزالانِ افکار کا مَرغزار
مرا دل میری رزم گاہِ حیات　　گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر! اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے! لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے!

مختصر یہ کہ اقبال نے ایک دفعہ پھر ہم پر اسلام کے حقائق منکشف کیے۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ جدید دنیا کے لیے فکرِ اسلامی کو ازسرِ نو تشکیل دی جائے۔ اس مختصر مقالہ میں (جس کا مقصد محض اقبال کا شغفِ قرآنی واضح کرنا تھا) اتنی گنجائش نہیں کہ قرآن کی روشنی میں ان تمام مسائل پر نقد و تبصرہ کیا جائے، جو اقبال نے پیش کیے ہیں۔ اصل کام ہے بھی یہی۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو اقبال کو شاعرِ اسلام کہنے سے گریز کرتے ہیں اور شاعرِ "انسانیت" کہتے ہیں۔ اسلام بھی تو دینِ فطرت ہے اور تمام انسانیت کے لیے ہے، پھر کیا وجہ کہ اقبال کو شاعرِ اسلام نہ کہا جائے؟ اقبال کی مخاطب بالخصوص ملتِ اسلامیہ اور بالعموم بنی نوعِ انسان ہے۔ اقبال یا اس کے پیغام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے اس کی شہرۂ آفاق کتاب "تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ"[1] کا مطالعہ ازبس ضروری ہے یہ کتاب مندرجہ ذیل لیکچرز پر مشتمل ہے:

(1) Knowledge and Religious Experience. علم اور مذہبی شعور

(2) The Philosophical test of revelation of Religious experience. مذہبی شعور (الہامات) کا فلسفیانہ معیار

(3) The Conception of God & meaning of prayer { الوہیت کا تصور اور حقیقتِ عبادت

(4) The Human Eqo, His Freedom of Immortality. اسلامی خودی اور مسئلۂ جبر و اختیار

(5) The spirit of Muslim Culture. تمدنِ اسلامی کی روح

(6) The Principal of Movement in Islam. نظامِ اسلام میں حرکت کا اصول (مسئلۂ اجتہاد)

(7) Is Religion possible? مذہب کی ضرورت

حضرت رسولِ کریم صلعم سے انہیں والہانہ عقیدت تھی۔ سلسلۂ گفت گو میں جب کبھی اُن کا نام آتا، رو پڑتے۔ اُن کی روح سے درخواستِ دعا کرتے ہیں کہ میں نے تو مسلمانوں کو قرآن کا سبق دیا ہے۔ یارانِ نجد کے قصے سنائے ہیں، رمزِ حیات سے

---

[1] Reconstruction of Religious thought in Islam.

آگاہ کیا ہے۔ قرآن عزیز کے اسرار و رموز کو بیان کیا ہے، اس لیے اس ناچیز خدمت کا صلہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عمل کی توفیق دے۔ ہاں! اگر میں نے مسلمانوں کو قرآن کی تعلیم سے آگاہ نہیں کیا۔ اُن کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دی۔ میرے دل میں ان کا کوئی درد نہیں، میرے سینہ میں سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کا اثر ہے، تو پھر آپ بجائے دعا کے میرے حق میں بددعا فرمائیے۔ مجھے محشر کے دن ذلیل و رُسوا کیجیے۔ اپنے پاؤں کے بوسے سے محروم رکھیے اور ہلاکت و بربادی کی آگ میں جلنے دیجیے۔ نہیں بلکہ میں اس سے بھی بدترین سزا کا مستحق ہوں:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است — ور بحرفم غیر قرآں مُضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن — ایں خیاباں راز خارم پاک کن
خشک گرداں بادہ در انگورِ من — زہر ریزہ اندر مئے کافورِ من
روزِ محشر خوار و رُسوا کُن مَرا — بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا
گر دُرِ اسرارِ قرآں سُفتہ ام — با مسلماناں اگر حق گفتہ ام
ایکہ از احسانِ تو ناکس کس است
یک دُعائیت مُزدِ گفتارم بس است

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات و معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت، کہ فعلِ الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدماء میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لئے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ✦

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ✦

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہو ✦

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ✦

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے ✦

(۶) قانونِ وراثت کا احیا ✦

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (ستے) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (علہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

جنوری ۱۹۴۲ء

البیان

جلد ۲
(۱۹۴۵ء)

امّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے — سالانہ تین روپے

البیان

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ | جنوری سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر ۱

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

شذرات

ہمارا قومی کیریکٹر | ماہ نامہ سب رس میں پروفیسر ہارون خان صاحب شروانی ایم اے کے قلم سے اُن کے سفرِ یورپ کے تاثرات شائع ہو رہے ہیں۔ اُن کی چند سطریں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

"تقریباً ۴½ بجے لنڈن پہنچے . . . ریل بھری ہوئی تھی اور بیٹھنے کے ڈبّے میں اتنی جگہ نہ تھی کہ ہمارا اسباب بھی ساتھ ہی رکھا جائے، جس کی وجہ سے انگریز قلی نے اسباب ایک جگہ رکھا اور ہمیں بٹھایا دوسری جگہ۔ میں نے اس سے کہیں کہہ دیا کہ بھائی! کوئی صاحب ہماری چیزوں کو لے کر چمپت نہ ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی قلی میری طرف مڑا اور انتہائی خودداری اور وقار سے جواب دیا (This is England sir[1]) ان چار الفاظ سے انگریزی قوم کی خود اعتمادی اور ایمان داری کا پتہ لگتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس قلی کو اپنے ہم وطنوں پر کس قدر بھروسہ تھا کہ اس کو گوارا نہ ہوا کہ کوئی غیر اُن کی بابت شبہ بھی کرے"۔

انگلستان کے قومی کیریکٹر کا کچھ نہ کچھ اندازہ آپ نے لگا لیا۔ اب ذرا جاپان کی طرف بھی توجہ کیجیے "کشور" پٹنہ میں کماری جمنا اپادھیائے نے ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے کہ

ایک ہندوستانی بھلے آدمی جاپان گئے ہوئے تھے۔ ایک اسٹیشن پر انہیں کھانے کے لئے کچھ لینا پڑا۔ انہوں نے ایک پھیری والے کو آواز دی۔ ایک لڑکا جلدی سے اُن کے سامنے آیا:

"کیا چاہیے بابو صاحب!

بابو صاحب نے جو کچھ لینا تھا، اُس سے لے لیا اور نوٹ اُسے دے دیا، لیکن باقی پیسے لڑکے کے پاس نہ تھے۔ وہ لینے گیا کہ گاڑی دھواں اُڑاتی چل دی۔ بابو صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ لینے کے دینے پڑ گئے، مگر اب ہو ہی کیا سکتا تھا؟

گاڑی اگلے اسٹیشن پر آگئی۔ بابو صاحب نے دیکھا۔ گاڑی کے ساتھ ساتھ ایک لڑکا دوڑ

---

[1] یہ انگلستان ہے صاحب!

نور سے پوچھتا آرہا ہے، پچھلے اسٹیشن پر کس کے پیسے پھیری والے کے پاس رہ گئے ہیں؟

وہ جب پاس آیا، تو بابو صاحب نے اُس سے پیسے لے لیے اور حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"تمہیں کیسے خبر لگی کہ کسی کے پیسے پچھلے اسٹیشن پر رہ گئے ہیں"؟ لڑکے نے جواب دیا "اُس پھیری والے نے تار دیا تھا"۔

بابو صاحب کو اُس لڑکے کی ایمان داری پر بڑی حیرت ہوئی۔ اُنہوں نے پوچھا: "اچھا اگر یہ پیسے میری بجائے کوئی اور ہی لے لیتا؟

اُس نے ہنس کر کہا " یہاں کے لوگ ایمان کو پیسوں پر نہیں بیچتے"!

ملحد و بے دین انگلستان اور کافر و گمراہ جاپان کے بعد آپ اپنے مذہبوں سے گھرے ہوئے پارسا اور متقی ہندوستان کی اخلاقی حالت پر نظر کیجیے۔ یہاں کے بازاروں، اسٹیشنوں، اسکولوں جلسہ گاہوں اور تہواروں میں ہر روز ہمارے قومی اخلاق کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی شریف عورت کسی گلی کوچے، بازار یا گذرگاہ سے بے شمار نوجوانوں کی گھورتی ہوئی نگاہوں کا مرکز بنے بغیر ایک فرلانگ کا فیصلہ بھی طے نہیں کر سکتی، کوئی دکان دار اپنے گاہکوں کو دھوکا اور فریب دیے بغیر چین حاصل نہیں کر سکتا، کوئی اجنبی، کسی دوسرے شخص کے پاس ایک حقیر سے حقیر چیز بھی امانت نہیں رکھ سکتا، کوئی تہوار، کوئی میلہ کوئی کھیل یا تماشہ ایسا نہیں، جس میں گالی گلوچ، بکواس اور ناشائستہ الفاظ کی بوچھاریں پیدا نہ ہوں —— ہمارے ملک کی مسجدیں بدنام ہیں کہ وہاں جوتے چرائے جاتے ہیں، مندر بدنام ہیں کہ اُن میں جنسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں؛ لیڈر بدنام ہیں کہ وہ قوم سے چندہ جمع کر کے خود کھا جاتے ہیں۔ مولوی اور پنڈت بدنام ہیں کہ انہوں نے کبھی کسب حلال کی طرف توجہ نہیں کی اور مختصر بات تو یہ ہے کہ سارا ملک بدنام ہے اپنے اطوار کی وجہ سے' اور ساری قوم بدنام ہے' اپنے اخلاق کے باعث!

چند ماہ کا ذکر ہے کانگریس کے سابق صدر مسٹر سبھاش چندر بوس، پنجاب تشریف لائے تھے

"لاہور ریلوے اسٹیشن پر ان کا شاندار انداز میں خیر مقدم کیا گیا۔ شہر میں اُن کا شاندار جلوس نکالا گیا۔ اسی روز اُن کو دو سو روپے کا ایک منی آرڈر وصول ہوا۔ . . . . رات کو سوتے وقت انھوں نے اپنی جیب کو ٹٹولا تو وہ خالی تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جب اُن کا جلوس نکالا جا رہا تھا، تو کسی شخص نے اُن کی جیب سے سو سو روپے کے دونوں کرنسی نوٹ اُڑا لیے۔ (انقلاب ۲۱ جون ۱۹۳۹ء)

یہ ظاہر ہے کہ سبھاش بابو جیسے چوٹی کے لیڈر تک عوام الناس کی رسائی بہرحال مشکل ہے۔ اُن کا استقبال کرنے کو، شہر کے بڑے بڑے معزز لوگ ہی آگے بڑھے ہوں گے جلوس میں جن لوگوں کو اُن کے اردگرد، یا ساتھ ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہُوا، وُہ اگر لیڈر نہ ہوں گے تو اس سے کم بھی کیا ہوں گے ؟ مگر شاہانہ استقبال اور شان دار جلوس نکالنے والے قومی کارکنوں اور رہ نماؤں کا شاہانہ اخلاق ملاحظہ ہو کہ ایک معزز مہمان پر ہاتھ صاف کرنے میں بھی انھوں نے کوئی تامل نہیں کیا ـــــ پھر یہ بات کس قدر لائق فکر ہے کہ جس ملک کے "معززین" اتنے پست اخلاق کے مالک ہوں، اُس کے عوام کی حالت کیا ہو گی ؟

اذا کان رب البیت ضارباً باطبل
فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ اپنے اخلاق کی پاکیزگی اور اپنی سیرت کی صفائی پر توجہ رکھنی چاہیے۔ انگلستان کے قُلی نے This is England کہہ کر لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَـكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کی عملی تفسیر پیش کی اور جاپان کے خوانچہ فروش نے ہندوستانی مسافر کا روپیہ واپس کر کے تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے حکمِ الٰہی پر پُورا عمل کر دکھایا۔ ہم ہزارہا میل کے فاصلے پر اُن کے اخلاقی اوصاف کا مطالعہ کرتے ہیں، تو طبیعت میں رشک بھی پیدا ہوتا ہے اور افسوس بھی۔ رشک اس لیے کہ اُن لوگوں کا قومی کیرکیٹر کتنا بلند ہے اور قرآن سے کتنا قریب! افسوس اس لیے کہ ہم مسلمانوں کے اخلاق کتنے ذلیل ہیں اور قرآن سے کتنے دُور!

جان گنتھر اور اسلام نومبر ۱۹۳۹ء کے "البیان" میں "جان گنتھر اور اسلام" کے عنوان سے مولانا طالب صفوی کا ایک مختصر مضمون شائع ہُوا تھا۔ اس میں جان گنتھر کی کتاب (Inside Asia) کی مندرجہ ذیل غلط بیانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی تھی:

۱۔ حضرت عمرؓ، رسُولِ مقبولؐ کے برادر نسبتی تھے۔
۲۔ حضرت علیؓ، آں حضرت صلعم کے پسر متبنّیٰ تھے۔
۳۔ پیغمبر اسلامؐ (نعوذ باللہ) ظالم، پُر شہوت اور مغرور تھے۔
۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی صفیہؓ نامی یہودن تھیں، جن کے شوہر کو آپؐ نے اپنی شادی سے ایک رات قبل قتل کر ڈالا تھا۔

۵۔ پیغمبر صلعم نے ایک لڑائی کے بعد تمام یہودی قیدیوں کو قتل کردیا۔

فاضل مضمون نگار کی اپیل سے متأثر ہو کر ہمیں جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی نے حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا ہے:

"البیان کا تازہ پرچہ ملا، جس میں ایک صاحب علم نے مسٹر جون گنتھر کی تالیف "اندرون ایشیا" کی غلط بیانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

مجھے بھی اس مہینے کے آغاز میں کتاب مذکور کے پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اور مؤلف کی تنبیہ کے خیال سے میں نے اس کی متعدد اغلاط کو یک جا قلم بند کردیا تھا۔

اب میں نے اس تصحیح نامہ کو چند مزید اضافات کے بعد مصنف مذکور کے نام اس کے ناشر کی معرفت بھیج دیا ہے۔ امید ہے کہ مصنف کو جو ایک امریکن جرنلسٹ (ن مہ نگار) ہے، ان تصحیحات کے قبول کرنے میں زیادہ پس و پیش نہ ہوگا۔" مخلص عنایت اللہ

ہم اپنے فاضل دوست کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک خالص اسلامی اور ملّی خدمت کے لیے سبقت فرمائی، ہمیں توقع ہے کہ اگر جان گنتھر ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب کی تنبیہ پر اپنی غلط بیانیوں کو واپس لینے اور اپنی کتاب میں ترمیم و تصحیح کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو محترم موصوف قارئین البیان کو بھی اس بشارت سے اطلاع دیں گے۔

طباعتِ قرآن

پچھلے دنوں، صوبہ سرحد کی کانگریسی حکومت نے قرآن حکیم کی طباعت کے متعلق ایک بل پاس کیا تھا جس کی رو سے غیر مسلم تاجروں کو قرآن چھاپنے اور فروخت کرنے سے قانوناً منع کردیا گیا ہے۔

طباعتِ قرآن کا مسئلہ فی الحقیقت اپنے اندر بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ غیر مسلم ناشرینِ قرآن کے متعلق یہ شکایت عرصۂ دراز سے چلی آرہی ہے کہ وہ کتاب عزیز کی صحت کے بارے میں انتہائی غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں۔ چوں کہ کسی قانونی طاقت کے احتساب کا انہیں خوف نہیں ہوتا اور موجودہ تجارتی مقابلے میں، یہ بات لازمی ہوگئی ہے کہ وہ قرآن مجید کے ارزاں سے ارزاں ایڈیشن چھاپ کر فروخت کریں، اس لیے صحت اور صفائی کے معاملے میں ان کی بے نیازی اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے، یہاں تک کہ اعراب کی بے شمار غلطیوں کے علاوہ، الفاظ تک غلط چھپ جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا، قرآن کے ایک نسخے کی غلط طباعت کے متعلق یہ شکایت

مشہور ہوئی تھی کہ اُس میں اِنی جاعل فی الارض خلیفہ کے بجائے انی جاعل فی الارض حبیفۃ کے الفاظ چھاپے گئے ہیں۔

اگر ناشرینِ قرآن کی اِن بے عنوانیوں کا سدِّ باب نہ کیا گیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ تقیحیح کی جو تھوڑی بہت زحمت اب اُٹھا رہے ہیں، آیندہ روز افزوں مقابلے میں اس سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے اور مسلمانوں کو قرآن کی صحت میں جو اعتماد قائم رکھنا چاہیے، وُہ آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ ہمیں صرف غیر مسلم پبلشروں کے خلاف ہی شکایت نہیں، مسلمان پبلشر بھی اس معاملے میں کسی حد تک ضرور مجرم ہیں۔ اُن کے چھاپے ہوئے نسخوں میں بھی غلطیاں موجود ہیں اور اس بارے میں اُن کی غفلت بھی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے، لہٰذا اُنھیں محض اس لیے معاف نہیں کیا جا سکتا کہ وُہ مسلمان ہیں، بلکہ مسلمان ہونے کی حیثیت میں وُہ نامسلموں سے بھی زیادہ مجرم ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو، اگر حکومتِ سرحد کی طرح پنجاب گورنمنٹ بھی طباعتِ قرآن کے متعلق کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو کتابِ عزیز کو اِن بے رحم پبلشروں کی ستم ظریفیوں سے بچا سکے اگر گورنمنٹ خود بہ خود اس اہم ضرورت کی طرف متوجہ نہیں ہوتی تو کم از کم پنجاب بلی کے کوئی مسلمان ممبر ہی طباعتِ قرآن کے متعلق ایک ایسا مسودہ قانون پیش کرنے کی تکلیف گوارا کریں جس کی رُو سے

۱۔ تمام غیر مسلم پبلشر یا تاجر قرآن کی طباعت اور فروخت سے قانوناً محروم کر دیے جائیں

۲۔ اور مسلمان ناشرینِ قرآن پر حکومت کی طرف سے ایک ایسے بورڈ کی نگرانی قائم کر دی جائے جو اُن کو صحتِ قرآن کے معاملے میں انتہائی احتیاط پر مجبور رکھے ؛

اگر یہ قانون پاس ہو گیا تو مسلمان دو لحاظ سے مطمئن ہو جائیں گے، اوّلاً اس لیے کہ قرآن کی طباعت کا کام براہِ راست گورنمنٹ کی نگرانی میں آجانے سے بہتر طریق پر سرانجام پائے گا۔ ثانیاً قرآن حکیم کا تقدس، نامسلموں کی دست اندازی سے پُوری طرح محفوظ ہو جائے گا۔ اور قرآن کی صحتِ طباعت کے متعلق جو بے اعتمادی، آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے، وُہ ختم ہو جائے گی[1] ؛

---

[1] طباعتِ قرآن کے متعلق سرکاری قانون نافذ کرانے کے مسئلے پر امتِ مسلمہ امرت سر بھی غور کر رہی ہے۔ کسی آیندہ اشاعت میں ہم اپنی کوششوں کا تعارف کرائیں گے ؛

رجس من عمل الشیطٰن

۱۴ دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء کے "طاپ" میں بمبئی کے تجارتی حالات کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اُس کا اقتباس ذیل ملاحظہ کیجئے:

"بمبئی میں ۸۰ فی صدی لوگ جُوا کھیل کر روپیہ کماتے ہیں، کوئی سٹہ کے نام سے، کوئی گھوڑ دوڑ کے نام سے، کوئی ہندسوں کے نام سے، غرضیکہ عجیب عجیب طریقوں سے جُوا کھیلا جاتا ہے اور پھر اُسے بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ یہاں ہر روز کتنے ہی بڑے بڑے دولت مند کنگال بن جاتے ہیں اور کتنے ہی کنگال لاکھ پتی بن جاتے ہیں .... یہاں کے ایک بہت بڑے سیٹھ کو جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس کے پاس گیارہ بارہ کروڑ نقد موجود ہے آٹھ کروڑ کا گھاٹا ایک ہی رات میں ہوگیا۔"

آپ کے سامنے جُوئے کی تباہ کاریوں کی ایک ایسی مثال رکھ دی گئی ہے جس کی حقیقت اور سچائی میں کوئی شبہ نہیں۔ صرف ایک بمبئی ہی نہیں، بلکہ ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں قماربازی کی وبا عام ہے۔ آپ خیال کیجئے، یہ کتنے درد و افسوس کی بات ہے کہ ایک شخص جو کروڑوں روپے کی جائداد کا مالک ہو، آناً فاناً ایک گداگر کی حالت میں مبتلا ہو جائے یا اس کے خلاف ایک مثال کہ ایک شخص جسے دو وقت کا کھانا بھی پیٹ بھر کر میسر نہ ہو، دیکھتے ہی دیکھتے زر و جواہر کے ڈھیروں میں کھیلنے لگ جائے، ایسی حقیر و ذلیل حالت سے اٹھ کر اچانک اتنی دولت و حشمت کے مالک ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ انسان کے حواس بالکل معطل ہو کر رہ جائیں۔ دُنیا کے پردے پر ایسی مثالیں ہر روز ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں کہ اگر کسی مفلوک الحال شخص کو اچانک کوئی خزانہ یا کوئی جلیل القدر منصب حاصل ہو جاتا ہے تو اس سے عیاشی، بدأطواری اور بددماغی کی ایسی ایسی ذلیل حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں، جنہیں دیکھ دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اچانک حاصل ہو جانے والی دولت یا منصب بھی دراصل قدرت کی طرف سے ایک عذاب ہے۔ مَیں آپ کے سامنے روشنی اور تاریکی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ کسی تاریک کمرے سے نکل کر فوراً دھوپ میں چلے جائیں تو یہ بات یقینی ہے کہ آپ کی آنکھوں کو کچھ سجھائی نہ دے گا لیکن اگر آپ آہستہ آہستہ تاریکی سے روشنی میں یا روشنی سے تاریکی میں جائیں گے تو آپ کی بصارت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اسی مثال کو بڑے پیمانے پر رکھ کر دولت اور افلاس کے فلسفے پر غور کیا جا سکتا ہے ـــــ اسلام یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کی عام تجارتی اور تمدنی زندگی میں وہ دولت کی طرف لے جائے، یا افلاس کی طرف تدریجی ارتقا یا تدریجی تنزل کی حالت کا قائم رہنا اشد ضروری ہے۔ وہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں کسی ایسے دستور العمل

کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا، جو ہمارے مالی یا معاشری حالات کو منٹوں اور سکنڈوں میں تہ وبالا کر سکے۔ تجارت اس کے نزدیک جائز ہے جو آہستہ آہستہ ثروت کی طرف لے جاتی ہے یا لمحہ بہ لحظہ افلاس کی طرف (اور وہ بھی شاذ و نادر) مگر جُوا اس کے نزدیک جائز نہیں، کیوں کہ وہ اچانک اُٹھا سکتا ہے اور فوراً گرا سکتا ہے۔ کائنات انسانی میں، اس طرح کے فوری انقلاب، شدید اخلاقی اور جسمانی ہلاکتوں کے موجب ہوتے ہیں۔ دلوں کا سکون رخصت ہو جاتا ہے اور اس کے بجائے رسوائی اور مایوسی کا عذاب، روح کی افسردگی اور قلب و دماغ کی بے قراری کا باعث ہوتا ہے خدا نہیں چاہتا کہ بنی آدم کا امن و سکون برباد ہو اور وہ شیطان کی طرح زمین کے فساد کے ذمہ دار قرار پائیں۔ چنانچہ آج سے صدہا سال پہلے اُس کی آخری کتاب نے قماربازی کی لعنت کے خلاف ایک محکم صدا بلند کی تھی۔ آج پھر ضرورت ہے کہ زمین کے چپے چپے پر اس کی منادی کرا دی جائے:

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ	بلاشبہ شراب، جُوا، معبودانِ باطل کے نشان اور پانسے
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ	شیطان کے کاموں کی گندگی ہیں۔ پس ان سے بچو،
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝	تاکہ تمھیں فلاح حاصل ہو!

محمد اقبال سلمانی

عید

(حضرت سیماب اکبرآبادی)

جی کھول کر سال بھر بدی کی — مفتی کی سُنی نہ مُقتدی کی
سجدے میں کبھی نہ سر جُھکایا — کی فکر نہ فرضِ ایزدی کی
حُجّت ہی رہی غرض ہمیشہ — تعمیل میں شرعِ احمدی کی

عید آئی تو بن گئے مسلماں
یہ عید ہے چودھویں صدی کی

علم حدیث

علامہ اسلم جیراج پوری

حدیثیں یعنی وہ اقوال و اعمال و احوال وغیرہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور بسلسلہ روایت کتابوں میں مدوّن کیے گئے ہیں، اُن کے متعلق ابتدا ہی میں یہ بحث شروع ہوئی کہ اُن کی حیثیت دینی نہیں ہے بلکہ تاریخی ہے جس کی بنا اس پر تھی کہ ان کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غیر یقینی ہے کیونکہ خبروں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ صبح سے شام تک میں تبدیل ہو کر کچھ سے کچھ ہو جایا کرتی ہیں اور جتنے بڑے آدمی کی باتیں بیان کی جاتی ہیں، اتنا ہی اُن میں تبدّل و تغیّر کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں سب سے بڑے آدمی تھے۔ چنانچہ پہلی ہی صدی ہجری سے اُمّت میں ایسے طبقات پیدا ہو گئے جو اپنے اغراض کے لیے حدیثیں بنا بنا کے حضورؐ کی طرف منسوب کرنے لگے۔ وضّاعین و کذّابین کے تراجم اور موضوع روایات جن کے بیسیوں مجموعے موجود ہیں، اس پر شاہد ہیں اور آج حدیث کی جس قدر کتابیں اُمّت کے ہاتھوں میں ہیں، اُن میں سے کوئی عہد رسالت یا زمانۂ صحابہ کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ ایک موطا امام مالک کے سوا جو دُوسری صدی ہجری کے اواخر کی تالیف ہے بقیہ جملہ کُتب حدیث جن میں صحاح ستہ بھی شامل ہیں، تیسری صدی ہجری اور اس کے بعد کی مُرتّب کی ہوئی ہیں۔

محدّثین نے روایات کو دینی تسلیم کر لیا اور ان کے اثر سے تمام اُمّت میں اُن کی دینی حیثیت مسلّم ہو گئی، مگر محقّقین کی ایک جماعت ہمیشہ سے قرآن ہی کو مکمل دین مانتی اور حدیثوں کو تاریخ دینی سمجھتی رہی ہے، اس لیے مَیں نے چاہا کہ تاریخ حدیث کے اِن ابواب کو روشنی میں لاؤں، جن سے اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے، تاکہ اس کا صحیح رتبہ معلوم ہو سکے۔

روایتِ حدیث

روایت کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہو چکا تھا۔ صحابۂ کرام جن

اوقات میں صحبتِ مبارک میں موجود نہیں رہتے تھے۔ ان اوقات کے احوال و اقوالِ نبوی کو دوسرے صحابہ سے جو حاضر رہتے تھے، پوچھتے اور سُنتے تھے۔ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی باری باری سے ایک ایک دن رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ پھر ہم ایک دُوسرے کو اپنے اپنے دن کے وُہ حالات جو وہاں گذرتے تھے، سُنا دیتے تھے[۱]۔

لیکن یہ حضرات کرام سُنتے اُسی سے تھے جس پر اُن کو خود اعتماد ہوتا تھا کیونکہ اس عہد میں منافقین بھی تھے جو طرح طرح کی غلط باتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا کرتے تھے اور وُہ مسلمانوں میں ایسے ملے جُلے رہتے تھے کہ اُن کا امتیاز کرنا مشکل تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (۹:۱۰۱)

مدینہ والو! تم ہی سے کچھ لوگ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تم ان کو جانتے نہیں ہو، ہم اُن کو جانتے ہیں۔

علاوہ بریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی کہ مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے بچو[۲]۔ اس لیے عہدِ رسالت میں روایتیں بہت تھوڑی تھیں اور وُہ بھی اخباری حیثیت رکھتی تھیں دین کی بنا قرآن کریم اور آنحضرتؐ کے اُسوۂ حسنہ پر تھی جیسا آپ کو کرتے دیکھتے یا حکم پاتے، اس کے مطابق عمل کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ چونکہ اپنی محبوب ترین شخصیت سے محروم ہو گئے تھے، اس لیے فرصت کے اوقات میں دو چار جب مل کر بیٹھتے، تو آپ کے زمانے کے تذکرے درمیان لا کر آپ کی یاد تازہ کرتے مگر ان بیانات میں اختلافات ہونے لگے۔ اس وجہ سے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ نے روایت کی یک قلم ممانعت کر دی اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

تم جب آج اختلافات کرتے ہو تو آیندہ نسلیں اور بھی اختلافات کریں گی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہ کرو۔ اگر کوئی پُوچھے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے۔ جو اُس نے جائز کیا ہے اُس کو جائز اور جو ناجائز کیا ہے۔ اُس کو ناجائز سمجھو[۳]۔

مگر باوجود اس ممانعت کے بھی روایت کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ اس کو جرم نہیں قرار دیا تھا۔

---

[۱] ان کی سکونت مسجد نبوی سے فاصلہ پر محلہ بنی امیہ بن زید میں تھی۔ [۲] صحیح بخاری [۳] ابن ماجہ ص۵
[۴] تذکرۃ الحفاظ ذہبی

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ بھی اپنے زمانہ میں روایت کو رد کرتے رہے۔ قرظہ بن کعب کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ عراق کو روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ مقام حرار تک ہم کو رخصت کرنے کے لیے ساتھ آئے۔ وہاں پہنچ کر فرمایا: "تم جانتے ہو کہ میں کیوں یہاں آیا ہوں؟" ہم نے کہا کہ ہماری مشایعت اور تکریم کی غرض سے۔ فرمایا: کہ ہاں! اور اس لیے بھی کہ تم سے کہوں کہ تم وہاں جا رہے ہو، جہاں لوگوں کی تلاوت قرآن کی آواز شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح گونجتی رہتی ہے، لہٰذا اُن کو حدیثوں میں پھنسا کر قرآن سے نہ روکنا اور روایتیں نہ سُنانا" قرظہ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے پھر کبھی میں نے حدیث نہیں بیان کی[1]۔

فاروق اعظم روایت کے معاملہ میں اس قدر سخت تھے کہ ابی بن کعب کو جب حدیثیں سناتے دیکھا تو دُرّہ لے کر اُن کو مارنے کے لیے تیار ہو گئے[2]۔ ایک بار ابوسلمہ نے حضرت ابو ہریرہ سے جو کثرت روایت میں مشہور ہیں، پُوچھا کہ کیا تم اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی حدیثیں بیان کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ان کے زمانہ میں بیان کرتا تو مجھے پیٹ ڈالتے[3]۔

حضرت عمرؓ اس امر میں صحابۂ کبار کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ ابوالدرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا کہ تم یہ کیا روایتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے رہتے ہو؟ پھر ان کو مدینہ میں نظر بند رکھا اور جب تک زندہ رہے، کہیں جانے کی اجازت نہیں دی۔

خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ کو روایت کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی اور وہ اس کو مسترد کر دیا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت علیؓ کے بیٹے محمد اپنے والد سے ایک پرچہ لے کر جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم زکوٰۃ کے متعلق لکھا ہُوا تھا، اُن کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اس سے معاف رکھو[4]۔

خلیفۂ چہارم حضرت علیؓ کثرت روایت سے منع فرماتے۔ خود اُن کے سامنے جب کوئی حدیث بیان کرتا تو اُس سے حلف لیتے[5]۔ اکثر تاکید کیا کرتے کہ جن حدیثوں کو لوگ نہیں جانتے ان کو نہ بیان کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ لوگ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے لگیں[6]۔

خلفاء راشدین ہی کی طرح بالعموم صحابۂ کرام بھی روایت کے معاملہ میں سخت محتاط تھے بلکہ بعض حضرات اس سے بالکلیہ اجتناب کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت زبیرؓ سے

---

[1] مختصر جامع بیان العلم ص ۱۷۵ [2] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۷ [3] تا [6] توجیہ النظر الی اصول الاثر للشیخ طاہر بن صالح الجزائری، ص ۱ تا ۸

ان کے بیٹے حضرت عبداللہ نے کہا کہ جس طرح دُوسرے اصحاب حدیثیں بیان کرتے ہیں، مَیں نے آپ کو بیان کرتے نہیں سُنا۔ فرمایا کہ مَیں نے کبھی آں حضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا، مگر مَیں نے آپ کو یہ کہتے سُنا ہے کہ "من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار" جو میرے اُوپر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔ پھر حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ مَیں دیکھتا ہُوں کہ لوگوں نے اس میں "متعمدا" یعنی قصداً کا لفظ بڑھا لیا ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ مَیں نے یہ لفظ رسُول اللہ کی زبان سے نہیں سُنا۔[۹]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ توسیع روایت کے لیے لوگوں نے کرلیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرنا خواہ قصداً ہو یا بلا قصد جہنم مول لینا ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے کہ آں حضرتؐ کا یہی فرمان مجھ کو حدیث بیان کرنے سے روکتا ہے۔[۱۰]

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے حضرت زید بن ارقم سے درخواست کی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سنائیے۔ فرمایا کہ ہم بوڑھے ہو گئے اور بھول گئے۔ اور آں حضرتؐ کی حدیث بیان کرنے کا معاملہ بھی بہت سخت ہے۔ سائب بن یزید کا بیان ہے کہ مَیں حضرت سعد بن مالک کے ساتھ مدینہ تک گیا مگر اُن کو کوئی حدیث بیان کرتے نہیں سُنا۔ اسی طرح امام شعبی کا قول ہے کہ مَیں حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ایک سال تک رہا اور کوئی حدیث ان کی زبان سے نہیں سنی۔[۱۱] یہی نہیں کہ صحابہ خود حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے بلکہ دُوسروں سے جو حدیثیں سُنتے تھے اُن کو قبول کرنے میں بھی تامل فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر صحابہ سے بہت سی روایتوں کے قبول کرنے میں توقف کرنا ثابت ہے جس سے ان لوگوں نے سند پکڑی ہے جو حدیثوں کو دینی حجت نہیں مانتے۔[۱۲]

حضرت عبداللہ ابن عباس نے حضرت ابوہریرہ کی روایت کہ آگ کی چھوئی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ اس بنیاد پر تو آگ پر گرم کیے ہوئے پانی سے وضو ہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے بھی جب حضرت ابوہریرہ کی روایت کھیتی کے کُتے کے متعلق سُنی تو فرمایا کہ ہاں ابوہریرہ کے پاس کھیتی ہے۔[۱۳]

حضرت محمود انصاری نے جو صحابی تھے، جب یہ حدیث بیان کی کہ جس نے "لا الٰہ الا اللہ"

---

۱۱ تا ۱۳ توجیہ النظر الی اصول الاثر للشیخ طاہر بن صالح الجزائری ص۱۰

کہ دیا وہ جہنم کے اوپر حرام ہو گیا تو حضرت ایوب انصاری نے فرمایا کہ واللہ! میں نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ایسا کہا ہو[1]۔

بعض روایات کو صحابہ نے قرآن کے خلاف دیکھ کر اُن کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مثلاً فاطمہ بنت قیس کی روایت کہ طلاق بائنہ پائی ہوئی عورت کے لیے شوہر کے ذمہ نہ مکان ہے نہ نفقہ، حضرت عمر نے نہیں قبول کیا اور کہا کہ قرآن کے خلاف میں ایک عورت کی روایت کیسے مان لوں، جس نے معلوم نہیں کہ صحیح یاد بھی رکھا ہے یا نہیں؟

حضرت ابن عمر نے قلیب بدر والی روایت جب بیان کی کہ مردے سنتے ہیں تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی نے فرمایا کہ اللہ ابن عمر پر رحم کرے۔ قرآن میں تو ہے انك لا تسمع الموتیٰ" وما انت بسمع من فی القبور"۔

اسی طرح جب ام المومنین موصوفہ کے سامنے یہ روایت پیش کی گئی کہ مُردہ پر اُس کے گھر والوں کے نوحہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے تو کہا یہ روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ قرآن میں ہے کہ ایک کا گناہ دُوسرا نہیں اُٹھائے گا۔

اس قسم کی روایات سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ صحابہ حدیث کو حتمی حجت نہیں سمجھتے تھے۔ اور کبھی قرآن اور کبھی قیاس کے خلاف دیکھ کر اُس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

وجوہات مذکورہ کے باعث عہد صحابہ میں روایات کا ذخیرہ نہایت قلیل تھا۔ علاوہ بریں وہ عملی زندگی میں منہمک تھے اور اعلائے کلمۃ الحق و حروب و فتوحات کی مشغولیت سے اُن کے لئے یہ موقع بھی کم تھا کہ بیٹھ کر روایتیں کرتے۔ اس لیے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے ناموں سے جو بے شمار روایتیں منسوب کی گئی ہیں وہ زمانۂ مابعد کے رواۃ کا کارنامہ ہیں، جبکہ حدیثوں نے فن کی صورت اختیار کر لی اور ہر روایت کے لیے سلسلۂ سند کی ضرورت پڑی جو بلا کسی صحابی کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک منتہی نہیں ہو سکتا تھا۔

جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ جس کے نام سے روایتیں بیان کی گئی ہیں وہ حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ ابن مخلد کا بیان ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے[5] حالانکہ وہ عام خیبر میں اسلام لائے اور صرف تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں شرف[1] بلی کا موقع پایا، پھر یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ ان کی روایتیں اس قدر ہو سکتی ہیں جن میں سے بہت سی ایسی

---

[1] صحیح بخاری باب صلوٰۃ النوافل جماعتاً [2] توجیہ النظر صلا

ہیں جن کے اوپر عقل و علم کی رُو سے گرفت کی گئی ہے اور کی جاسکتی ہے۔ اس لیے ہمارا ضمیر قبول نہیں کر سکتا کہ اس قسم کی روایتیں اُنہوں نے بیان کی ہوں گی۔

عہدِ صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ آتا ہے، جس میں خلفاء بنی اُمیہ کا استبداد اُمت پر مسلّط ہو چکا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ خلافت راشدہ میں ہر مسلم خود مختار آزاد اور صرف اکیلے اللہ کا بندہ تھا، اب شخصی حکومت کے شکنجہ میں کسا ہوا تھا اور تمام اُمت جبراً و قہراً رعایا بنائی گئی تھی، اس لیے ذہنیتوں میں نمایاں تبدیلی ہو گئی تھی اور صلاح و تقویٰ کی بھی وُہ کیفیت باقی نہیں تھی جو صحابہ کرامؓ کے عہد میں تھی۔ سلطنت اور مذہب میں تفریق ہو جانے کے باعث دینی قیادت علما کے ہاتھ میں آگئی تھی۔

اس وجہ سے روایت کا سلسلہ بہ نسبت سابق کے بڑھ گیا تھا۔ پھر بھی ان شاگردانِ صحابہ میں بہت کچھ صداقت موجود تھی اور وُہ روایتوں کے بیان نیز اُن کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیتے تھے۔

رفتہ رفتہ دوسری صدی ہجری کے آغاز میں جب حدیث کی تدوین شروع ہوئی، اُس نے فن کی صورت اختیار کرلی اور طالبانِ حدیث اُن ائمہ کے پاس جو اس میں شہرت رکھتے تھے اُس کی تحصیل کے لیے جمع ہونے لگے اور یہ سلسلہ بڑھنے لگا۔ عہد عباسیہ میں جو ۱۳۲ھ سے شروع ہوا، حدیثوں کی روایت سیلاب کی طرح بڑھ گئی اور جملہ اسلامی ممالک میں کثرت کے ساتھ اس کا چرچا پھیل گیا، کیونکہ خلفاء و امرا کی دُنیاداری اور دین سے بے پروائی کی وجہ سے طالبانِ دین تمام تر علمارِ حدیث کے گرد سمٹ گئے، جس سے ان کی عظمت و شان قائم ہو گئی۔ یہ دیکھ کر ہزاروں دُنیاوی جاہ و شہرت کے طالبوں نے بھی حدیث کا پیشہ اختیار کرلیا اور سچی اور جھوٹی ہر قسم کی روایتیں بیان کر کے عوام پر اپنی بزرگی کا سکہ جمانے لگے۔ یہاں تک کہ حدیثوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ صحیح حدیثوں کی تعداد سات لاکھ سے اوپر ہے[1]۔ امام یحییٰ بن معین جو حدیث کے امیر المومنین بولے جاتے ہیں، بارہ لاکھ حدیثوں کے مالک تھے[2]۔ مقدمہ صحیح بخاری میں ہے کہ امام بخاری نے جب اپنی صحیح لکھنی شروع کی تو چھ لاکھ حدیثوں میں سے جو اُن کے پاس تھیں، ۷۲۷۵ حدیثوں کو اپنے شروط کے مطابق پایا، جن کو درج کیا۔

لیکن خود ان ہی ائمہ حدیث میں سے جن کا مشغلہ دن رات روایت تھا، ایسے لوگ نکلے جن کی طبیعتیں اس سے بیزار ہو گئیں اور وُہ اُس کو تقوے کے خلاف سمجھنے لگے۔ حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ کی کتاب مختصر جامع بیان العلم وفضلہ سے اقتباس کر کے چند ائمہ کے اقوال لکھتا ہوں:

---

[1] توجیہ النظر ص۲ [2] تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ ص۱۵۱

"ضحاک ابن مزاحم متوفی ۱۰۵ھ نے فرمایا کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ قرآن لٹکا دیا جائے گا۔ اس کے اوپر مکڑیاں جالے تنیں گی، کوئی کام اس سے نہیں لیا جائے گا اور لوگوں کا عمل حدیث و روایت پر ہوگا۔

سلیمان بن حیان ازدی متوفی ۱۹۰ھ نے بھی جن کی کنیت ابو خالد الاحمر ہے کہا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مصاحف کو بے کار چھوڑ دیں گے اور صرف حدیث و فقہ ان کا مشغلہ ہوگا۔

امام داؤد طائی نے روایت ترک کردی تھی۔ اُن سے کہا گیا کہ کب تک آپ حدیث کی تعلیم چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہیں گے۔ جواب دیا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ ایسے راستہ میں ایک قدم بھی رکھوں جو حق کے خلاف ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض عابد الحرمین متوفی ۱۸۷ھ کے پاس ایک جماعت طالبان حدیث کی پہنچی۔ انہوں نے ان کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی اور کھڑکی سے ان کی طرف سر نکالا۔ لوگوں نے سلام کیا اور کیفیت پوچھی۔ فرمایا: کہ میں اللہ کی طرف سے تو عافیت میں ہوں مگر تمہاری طرف سے مصیبت میں۔ جس شغل میں تم ہو یہ اسلام میں نئی بدعت پیدا ہوئی ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تم نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ رکھا ہے۔ اس کو حاصل کرتے تو تمہارے دلوں کو شفا نصیب ہوتی۔ لوگوں نے کہا کہ اسے تو ہم پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا کہ وہ ایسی کتاب ہے جو تمہاری اور تمہاری اولاد کی مشغولیت کے لئے بھی کافی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. قُلْ بِفَضْلِ ٱللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا۟ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔	لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آچکی۔ کہہ دے کہ اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت پر تم خوشی مناؤ یہ اس سے بہتر ہے جس کو تم جمع کر رہے ہو

امام سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ اس علم میں کیا خوبی ہے جس میں ساٹھ سال گزارنے کے بعد اب یہی آرزو ہے کہ کاش برابر سرابر نکل جاتے، نہ عذاب پاتے نہ ثواب۔ ایک بار فرمایا کہ حدیث اگر اچھی ہوتی تو دن بدن بڑھتی نہ جاتی۔

امام شعبہ کہا کہ پہلے جب میں کسی محدث کو دیکھتا تھا تو خوش ہوتا تھا مگر اب کوئی

شے میرے نزدیک اس سے زیادہ مکروہ نہیں ہے کہ میں ان میں سے کسی کا چہرہ دیکھوں
ایک بار انہوں نے راویان حدیث کی ایک جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا: اِنَّ ھٰذَا الحدیثَ
یَصُدُّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ، فَھَلْ اَنْتُمْ مُنْتَھُوْنَ[1]

امام سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ کہا کرتے تھے کہ کاش یہ علم (حدیث) میرے سر پر شیشوں کا ٹوکرا ہوتا اور گر کر چور چور ہو جاتا کہ اس کے خریداروں سے تو نجات مل جاتی۔ ایک بار فرمایا: کہ جو مجھ سے دشمنی رکھے اللہ اس کو محدث بنا دے۔ ایک دن اصحاب حدیث کی ایک جماعت سے کہا کہ اگر ہم کو اور تم کو حضرت عمر دیکھ پاتے تو درہ سے خبر لیتے۔ امام شعبہ کی طرح یہ بھی محدثوں کی صورت سے بیزار تھے۔ طالبان حدیث کے ہجوم سے بھاگ کر اپنے گاؤں میں اخضر میں رہتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ حدیث اگر خیر ہوتی تو روز بروز کم ہوتی، بڑھتی نہ جاتی

اسی عہد کے مشہور شاعر بکر بن حماد نے بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

لقد جفت الاقلام بالخلق کلھم   فمنھم شقی خائب وسعید

تمرّ اللیالی بالنفوس سریعۃ   ویبدئ ربی خلقہ ویعید

اریٰ الخیر فی الدنیا یقل کثیرہ   وینقص نقصا والحدیث یزید

فلو کان خیرا قلّ کالخیر کلہ   واحسب ان الخیر منہ بعید

یعنی ساری مخلوقات کی تقدیر لکھ کر قلم خشک ہو گیا۔ اب کوئی ان میں سے بدبخت نامراد ہے کوئی بانصیب۔

زمانہ لوگوں پر تیزی سے گزر رہا ہے اور اللہ مخلوق کو یکے بعد دیگرے پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ اچھی چیزیں دنیا میں کم ہوتی اور گھٹتی جا رہی ہیں لیکن حدیث ہے کہ برابر بڑھتی جاتی ہے۔

اگر یہ بھی اچھی چیز ہوتی تو دوسری اچھی چیزوں کی طرح گھٹتی۔ میرا خیال ہے کہ خیر اس سے بعید ہے"

یہ اقوال ان اہل بصیرت ائمہ حدیث کے ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے کمال اور جامعیت کو دیکھ لیا تھا اور سمجھ گئے تھے کہ حدیث کی حیثیت دینی نہیں ہے، مگر عام محدثین کے نفوس و طبائع پر حدیث کا دینی حیثیت سے اس قدر غلبہ ہو چکا تھا کہ ان کا انحراف اس سے مشکل تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان اماموں کے اقوال کے اثر کو مٹانے کے لیے روایت کی فضیلت اور اس کے ثواب کی حدیثیں

[1] یہ حدیث تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے کیا تم باز آ جاؤ گے؟ اس میں لطف یہ ہے کہ ان ھذا الحدیث کو چھوڑ کر بقیہ جملہ قرآن کی آیت ہے۔

پھیلائیں۔ نیز ان بزرگوں کی مخالفت بلکہ اہانت کے لیے اس قسم کی روایتیں وضع کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم میں سے کوئی پیٹ بھرا شخص اپنے پلنگ پر تکیہ لگائے میری حدیثیں سن کر کہے گا کہ ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے۔ اس کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور حرام کیے ہوئے کو حرام سمجھو۔ یاد رکھو کہ مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کے مثل اور بھی بلکہ زیادہ۔[1] حالانکہ صدیق اکبرؓ نے جیسا کہ ہم نقل کر چکے ہیں، روایت سے منع کرتے وقت فرمایا تھا کہ اگر کوئی سوال کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے جو اس نے جائز کیا ہے اس کو جائز اور جو ناجائز کیا ہے اس کو ناجائز سمجھو۔ نیز فاروق اعظم فرمایا کرتے تھے کہ "حَسْبُنَا کِتَابُ اللہ" ہمارے واسطے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ ان کے خلاف یہ روایت قرآن کریم کو ناکافی اور غیر مکمل بتاتی ہے، جو اس کے جعلی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

اس قسم کی باہم متعارض روایات کو دیکھ کر جو ہر باب اور ہر شعبہ میں ہیں، معتزلہ نے محدثین پر سخت حملے کیے کہ تم نے مکذب روایات سے دین کو فاسد کر ڈالا، اور علماء میں اختلاف پیدا کیا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی مخالفت بلکہ تکفیر کرنے لگے یہاں تک کہ امت فرقوں میں بٹ گئی۔ امام ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث لکھ کر اعتراضات کے جوابات دینے کی کوشش کی، لیکن اس میں سوائے محدثانہ تاویلات و توجیہات کے اور کیا ہے؟

الغرض ان ائمہ کے باعث قصر حدیث میں جو زلزلہ آگیا تھا، اس کا روک دینا محدثین کے لیے کچھ زیادہ دشوار نہ تھا۔ آخرکار حدیث کا غلبہ یہاں تک پہنچ گیا کہ قرآن کریم سے بھی اس کی اہمیت بڑھا دی گئی۔ امام اوزاعی نے کہا کہ قرآن اس سے زیادہ حدیثوں کا محتاج ہے۔ امام یحییٰ بن کثیر کا قول ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اور قرآن حدیث پر قاضی نہیں ہے۔ یہ بات جب امام احمد بن حنبل سے کہی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اتنی جسارت تو نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ کہتا ہوں کہ حدیثیں قرآن کی مفسر ہیں۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۱۸ [2] مختصر جامع بیان العلم صفحہ ۲۲۳

کتابتِ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اعلان فرما دیا تھا کہ

"مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو اور جو کسی نے کچھ لکھ لیا ہو تو اس کو مٹا دے"

یہ روایت صحیح مسلم میں ہے، اس وجہ سے محدثین اس کو موضوع تو نہیں کہہ سکے مگر چونکہ اس سے ان کی ساری بنیاد منہدم ہوئی جاتی تھی اس لیے اس کی توجیہ یہ کی کہ مقصد اس ممانعت سے یہ تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی دوسری چیز مخلوط نہ ہو جائے۔ لہٰذا جب التباس کا خوف نہ ہو تو کتابت جائز ہے۔ اس طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کتابتِ حدیث کے واضح اور صریح حکم کو مٹا دیا۔ حالانکہ آپ نے اس کی کوئی علت بیان نہیں فرمائی تھی اور بلا کسی قید کے مطلقاً ممانعت کی تھی۔ اگر حضور اکرم کا یہ مقصد ہوتا کہ قرآن وحدیث مخلوط نہ ہونے پائیں تو فرما سکتے تھے کہ دونوں کو الگ الگ لکھو۔ اس لیے محدثین کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے، بلکہ اصلی وجہ اس کی وہ ہے جو صحابہ کرام نے سمجھی یعنی یہ کہ گذشتہ قومیں اپنے انبیاء کی روایات لکھنے کی بدولت گمراہ ہوئیں۔

انبیاء کرام اور خاص کر سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا لکھنا عقل وعلم کی رُو سے نہایت پسندیدہ اور مفید کام ہو سکتا تھا مگر یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ایسی عظیم الشان ہستیوں کے اقوال جمع و مدوّن کرنے کے بعد قومیں ان ہی کو اصل دین قرار دے لیتی ہیں اور کتاب الٰہی کو پسِ پشت ڈال دیتی ہیں۔ یہی راز تھا جس کی بنا پر حضورؐ نے کتابتِ روایت سے منع فرمایا تھا۔

محدثین نے جوازِ کتابت کے لیے بعض روایتوں سے بھی استدلال کی کوشش کی ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ میں جو کچھ آں حضرتؐ سے سنا کرتا تھا، لکھ لیا کرتا تھا نیز عبداللہ بن عمرو بن العاص کے متعلق بھی ان کا بیان ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ یمن کے ایک شخص ابوشاہ نے لکھوانے کی درخواست کی تو حضورؐ نے لکھوا دیا۔ مگر یہ چیزیں مستثنیات میں شمار ہوں گی۔ عام حکم یہی تھا کہ قرآن کے سوا کچھ نہ لکھا جائے اور صحابہ کرام نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب العلم میں ہے کہ ایک بار حضرت زید بن ثابت کاتب وحی امیر معاویہ کے پاس گئے۔ امیر موصوف نے ان سے ایک حدیث پوچھی۔ جب حضرت زید نے بیان کیا تو انہوں نے ایک شخص کو اس کے لکھنے کا حکم دیا۔ حضرت زید نے اس کو لے کر مٹا دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ آپ کی حدیثیں نہ لکھی جائیں۔

تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مجموعہ تقریباً پانچ سو حدیثوں کا لکھ رکھا تھا۔ ایک رات اس کے متعلق نہایت متردد اور مضطرب تھے۔ آخر صبح کے وقت اس کو لے کر آگ میں جلا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے صحیح مجموعہ اور کون ہو سکتا تھا مگر صدیق اکبر نے اس کا رکھنا بھی تقویٰ کے منافی خیال کیا کہ شاید کوئی غلط روایت اس میں شامل ہو گئی ہو۔

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ[۲] نے ایک بار خواہش کی کہ سنن (اسوۂ رسولؐ) کو لکھوالیں صحابہ سے بھی مشورہ لیا۔ انہوں نے رائے دی۔ پھر وہ ایک مہینہ تک اللہ سے دعا اور استخارہ کرتے رہے۔ بالآخر اس ارادہ سے باز رہے اور کہا کہ پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی حدیثیں لکھیں اور ان ہی پر جھک پڑے اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔[۱]

فاروق اعظم جس طرح روایت حدیث کو روکنے میں سخت تھے، اسی طرح کتابتِ حدیث میں بھی ان کے عہد میں جب حدیثیں زیادہ ہو گئیں، تو اعلان کر دیا کہ لوگ ان کے پاس لائیں۔ پھر انہوں نے ان سب کو جلا دیا اور فرمایا کہ کیا اہل کتاب کی مثناۃ کی طرح تم بھی مثناۃ بنانی چاہتے ہو؟[۲] (یہود نے اپنے انبیاء کی روایتیں جمع کر کے اس کا نام مثناۃ رکھا ہے)

دیگر صحابۂ کرام کا طرز عمل مختصر جامع بیان العلم ص۳۳ سے اقتباس کر کے لکھتا ہوں:

"عبداللہ بن یسار کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ میں ہر اُس شخص کو جس کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہو، عہد دلاتا ہوں کہ یہاں سے واپس جانے کے بعد اس کو مٹا ڈالے۔ کیونکہ گزشتہ اقوام اسی وجہ سے تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اپنے علماء کی روایات کی پیروی کی اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔

ابو نضرہ نے حضرت ابو سعید خدری سے پوچھا کہ جو حدیثیں ہم آپ کی زبان سے سنتے ہیں لکھ لیا کریں؟ فرمایا: کیا تم ان کو مصحف بنانا چاہتے ہو؟

حضرت زید بن ثابت کو خلیفہ مروان نے بلایا۔ وہاں انہوں نے کچھ لوگوں کو حدیثیں لکھتے ہوئے دیکھا۔ ان سے فرمایا کہ ممکن ہے کہ روایت جس طرح تم سے بیان کی گئی ہے، اس طرح ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پاس ایک نوشتہ لایا گیا جس میں حدیثیں تھیں

---

[۱] مختصر جامع بیان العلم ص۳۳ [۲] طبقات ابن سعد جز خامس ص۱۴۰

اُنہوں نے اس کو جلا دیا اور کہا کہ مَیں اللہ کا واسطہ دلاتا ہُوں کہ جس شخص کو کسی کے پاس کسی تحریر کی موجودگی کا علم ہو، وُہ ضرور آ کر مجھ کو بتا دے تاکہ مَیں وہاں پہنچوں۔ تم سے پہلے اہل کتاب اسی باعث سے ہلاک ہو چکے ہیں کہ اُنہوں نے اس قسم کے نوشتوں کے پیچھے اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔[1]

حضرت عبداللہ بن عباس بھی کتابت حدیث سے منع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ گزشتہ قوموں کی ہلاکت اسی وجہ سے ہوئی ہے۔ یہی حال حضرت عبداللہ بن عمر کا تھا۔[2]

عہد صحابہ کے بعد ائمہ تابعین بھی مثلاً علقمہ، مسروق، قاسم، شعبی، منصور، مغیرہ اور اعمش وغیرہ کتابت حدیث کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

امام اوزاعی کہا کرتے تھے کہ "حدیثوں کا علم جب تک زبانی تھا، شریف علم تھا، مگر جب سے لکھا جانے لگا۔ اس کا نور جانے لگا۔ اس کا نور جاتا رہا۔ اور نااہلوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا"۔ یہی وجہ تھی کہ تابعین کبار کے عہد تک حدیثیں غیر مدوّن تھیں اور سوائے قرآن مجید کے اُمت کے ہاتھوں میں کوئی دُوسری کتاب نہ تھی۔ بعض چیزیں محض علمی لحاظ سے لکھ لی گئی تھیں۔ مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد خلافت میں جو صفر ۹۹ھ سے رجب ۱۰۱ھ تک تھا، سعید بن ابراہیم سے حدیثیں لکھوائیں اور مدینہ کے قاضی ابوبکر بن حزم کو فرمان بھیجا کہ عمرہ کی روایتیں لکھ لی جائیں کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ ان کی وفات سے ان کا علم ضائع ہو جائے گا۔ یہ عمرہ حضرت عائشہ ام المومنین کی بھتیجی اور آپ ہی کی پروردہ تھیں اور ان کی روایات کا علم رکھتی تھیں۔

حدیث کے مدوّن اول محدثین کے نزدیک امام ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۴ھ تسلیم کیے گئے ہیں۔ یہ خلفاء بنی امیہ کے درباروں میں بہت معزز تھے اور ان ہی کے حکم سے اُنہوں نے حدیثیں لکھیں۔ وُہ خود کہتے ہیں کہ ہم کو حدیثوں کا لکھنا گوارا نہ تھا لیکن ان خلفاء نے مجبور کر کے لکھوایا۔

امام زہری کے بعد ابن جریج نے مکّہ میں، محمد بن اسحاق اور مالک بن انس نے مدینہ میں، ربیع بن صبیح اور حماد بن سلمہ نے بصرہ میں، سفیان ثوری نے کوفہ میں، اوزاعی نے شام میں، معمر نے

[1] توجیہہ النظر ص۳ [2] مختصر جامع بیان العلم ص۳۳

یمن میں ہشیم نے واسط میں۔ جریر نے رے میں اور ابن المبارک نے خراسان میں جو سب کے سب ایک ہی زمانہ میں تھے، حدیث کی کتابیں مدوّن کیں۔

یہ جملہ حضرات دوسری صدی ہجری کے ہیں لیکن ان کی کتابوں میں سے جہاں تک علم ہے سوائے مؤطا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کے اور کوئی کتاب اُمت کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اس کے بھی مختلف نسخوں میں صرف تین سو سے پانچ سو تک حدیثیں ہیں۔ بیان کیا گیا ہے کہ امام مالک جب تک زندہ تھے، ہر سال اس میں سے کچھ حدیثیں ساقط کر دیتے تھے[1]۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نسخوں میں روایات کی تعداد مختلف نظر آتی ہے۔

ان ابتدائی تالیفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں، صحابہ کے اقوال اور تابعین کے فتاوے سب ملے جُلے تھے۔ بعد کے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو الگ مدوّن کرنا شروع کیا۔ اس قسم کی تالیفیں مسند کہی جاتی ہیں۔ سب سے پہلی مسند عبد اللہ بن موسیٰ نے تیسری صدی ہجری کے آغاز میں لکھی۔ پھر مسدد وبصری۔ اسد بن موسیٰ اور نعیم بن حماد وغیرہ نے۔ ان کے بعد کے طبقہ نے بھی اُن ہی کی پیروی کی۔ مثلاً امام احمد بن حنبل۔ اسحاق بن راہویہ اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ۔ چوتھے طبقہ میں امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے صرف صحیح حدیثوں کو مدوّن کرنے کی کوشش کی۔ ان کے بعد ان کے شاگرد امام مسلم نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ نے بھی اُنہی کی پیروی کی۔ یہ دونوں کتابیں صحیحین کہی جاتی ہیں۔ اس زمانہ سے کتابتِ حدیث محدثین کا مشغلہ ہو گیا اور مختلف نوعیتوں سے اس کی اس قدر کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار مشکل ہے

یہاں غور کے قابل یہ امر ہے کہ حدیثوں کی اگر دینی حیثیت ہوتی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس شدت کے ساتھ اس کی کتابت کو نہ روکتے بلکہ اس کے خلاف اس کی حفاظت کی کوشش کرتے۔

وضعِ حدیث

ہر چند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید کے ساتھ فرمایا تھا کہ "جو میرے اوپر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے" اور یہ قول اتنے صحابہ سے مروی ہے کہ بعض محدثین نے اُس کے متواتر ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے لیکن باوجود اس کے بھی ایسے لوگ تھے جو اُسی زمانہ

[1] توجیہ النظر ص۱۷

سے جھوٹی حدیثیں بیان کرنے لگے۔ توجیہ النظر ص۲۴۶ میں ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ان کے اوپر جھوٹ بولا گیا اور عصر صحابہ میں بھی منافقین اور مرتدین تھے۔"

علاوہ منافقین اور مرتدین کے عہد صحابہ میں جب روایتیں عوام میں پھیلیں تو مبالغہ اور کذب ان میں شامل ہو گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ "بشیر بن کعب نے حضرت ابن عباس کے سامنے حدیثیں بیان کرنی شروع کیں۔ انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ بشیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے جو آپ میری روایتیں نہیں سنتے؟ فرمایا کہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ اگر کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بیان کرتا تو ہم اس کی طرف لپکتے اور کان لگا کر سنتے مگر جب سے لوگوں نے ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں کرنی شروع کیں اس وقت سے ہم نے حدیث کو ترک کر دیا۔"

صحابہ کے بعد بتدریج کذابین اور وضاعین کی کثرت ہوتی گئی، کیونکہ بنی امیہ کے زمانہ میں سلطنت اور مذہب میں تفریق ہو جانے کے باعث اہل روایت کے سروں پر فاروقی درہ نہ رہا اور ان کو موقع ملا کہ آزادی کے ساتھ سچی یا جھوٹی جس قسم کی روایتیں چاہیں، بیان کریں۔ خلفائے بنی امیہ بالعموم حدیث کو بہ نسبت قرآن کے اپنی سلطنت اور استبداد کے لیے زیادہ موجب عافیت سمجھتے تھے۔ انہوں نے خود حضرت علی کو برسر منبر برا کہنے کی رسم ڈالی تھی اور سینکڑوں حدیثیں ان کے مثالب اور امیر معاویہ وغیرہ کے مناقب میں وضع کرائی تھیں۔ عہد عباسی میں تو ایک ایک خلیفہ کی پیشین گوئی اور مدح کی حدیثیں وضع ہوئیں۔ یہاں تک کہ یہ حدیث بھی پھیلائی گئی کہ کسی شخص کے دل میں اس وقت تک ایمان نہیں داخل ہوتا جب تک کہ حضرت عباس اور ان کی اولاد سے محبت نہ رکھے[1] اور بنی امیہ کے خلاف تو ان کے دعاۃ آغاز تبلیغ ہی سے حدیثیں گھڑتے تھے۔ اس عہد میں کذب اور وضع کا بازار اس قدر گرم ہوا کہ ہزاروں پیشہ ور کذاب پیدا ہو گئے جن کا رات دن یہی کام تھا کہ حدیثیں گھڑیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں لکھا ہے کہ زنادقہ نے بارہ ہزار حدیثیں وضع کیں۔ شیخ محمد طاہر گجراتی اپنی کتاب تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ جوئباری، ابن عکاشہ اور محمد بن تمیم فاریابی نے دس ہزار حدیثیں وضع کر ڈالیں۔ ابن ابی العوجاء زندیق کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب وہ پکڑ آگیا تو اس نے کہا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں وضع کی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا تا رہا ہوں۔

بیشتر وضاعین اپنی وعظ گوئی اور قصہ خوانی کی وجہ سے عوام پر اس قدر اثر رکھتے تھے کہ نہایت مقدس اور بزرگ سمجھے جاتے تھے اور ائمہ حدیث ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال

[1] ترمذی کتاب المناقب

میں شعبی کا جو تابعین میں کوفہ کے سب سے بڑے امام حدیث تھے بیان نقل کیا ہے کہ "میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے لگا۔ اس میں ایک دراز ریش واعظ کھڑا ہوا تقریر کر رہا تھا کہ اللہ نے دو صور پیدا کیے ہیں۔ ہر ایک دو دو بار پھونکا جائے گا۔ میں نے جلدی سے نماز ختم کر کے اس سے کہا کہ اے شخص اللہ سے ڈر اور جھوٹی حدیثیں نہ بیان کر۔ صور تو صرف ایک ہی ہے۔ وہ خفا ہوا اور بولا کہ کیسا فاجر آدمی ہے کہ بڑے بڑے بزرگوں کو جھٹلاتا ہے۔ اس کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ عوام مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے اور جب تک مجھ سے اقرار نہ لے لیا کہ اللہ نے تیس صور پیدا کیے ہیں، اس وقت تک نہیں چھوڑا۔"

موضوعات کبیر میں ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ "ایک قصہ گو نے مقام محمود کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ساتھ عرش پر بیٹھیں گے۔ امام ابن جریر طبری نے اس کی مخالفت کی اور اپنے دروازہ پر لکھ دیا کہ اللہ کا کوئی ہم نشین نہیں ہے۔ بغداد کے لوگ اس پر بگڑ گئے اور امام موصوف کے دروازے پر اس قدر پتھراؤ کیا کہ اس کا منہ ڈھک گیا"

امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے جو ائمہ حدیث میں بلند ترین مقام رکھتے ہیں، ایک بار بغداد کے محلہ رصافہ میں نماز پڑھی۔ مسجد میں ایک قصاص نے تقریر شروع کی کہ میں نے سُنا احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے اُنہوں نے معمر سے، اُنہوں نے قتادہ سے، اُنہوں نے حضرت انس سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب کوئی بندہ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اللہ اس کلمہ کے ہر ہر حرف سے ایک ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے۔ اور پر زمرد کے آخر تک تقریباً بیس ورق کی روایت۔ اِس طویل داستان کو سُن کر دونوں حضرات نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر یحییٰ بن معین نے قصاص کو اپنی طرف بلایا اور پوچھا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سُنی ہے۔ اس نے کہا کہ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں یحییٰ ہوں اور یہ ابن حنبل۔ ہم دونوں میں سے کسی نے آج سے پہلے اس روایت کو سُنا تک نہیں۔ تم کو اگر جھوٹ بولنا ہی تھا تو کسی اور کا نام لیا ہوتا۔ اُس نے کہا کہ میں نے سُنا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے۔ آج اس کی تصدیق ہو گئی۔ پوچھا یہ کیونکر؟ بولا کہ سترہ یحییٰ بن معین ہیں اور سترہ احمد بن حنبل جن سے میں روایت کرتا ہوں۔ یہ تم نے کیسے سمجھ لیا کہ دُنیا میں بس ایک تم ہی یحییٰ بن معین ہو۔ یہ سُن کر اُنہوں نے آستین منہ پر رکھ لی اور چپ چاپ چلے آئے[1]۔

[1] موضوعات کبیر

ران مذکروں اور واعظوں کی مقبولیت اس قدر تھی کہ جمہور ان ہی کو اپنا ہادی سمجھتے تھے اور ان ہی کی بات مانتے تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی والدہ کا قصہ ہے کہ انہوں نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ امام صاحب نے اس کا جواب دے دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وقت تک نہیں مانوں گی جب تک کہ مسجد کوفہ کا قصاص زرعہ اس کی تصدیق نہ کرے۔ چنانچہ امام صاحب ان کو خود ساتھ لے کر گئے اور جب زرعہ نے کہہ دیا کہ فتویٰ صحیح ہے، تب انہوں نے تسلیم کیا۔

امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں جعفر بن حجاج سے نقل کیا ہے کہ محمد بن عبداللہ نے موصل میں پہنچ کر عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنی شروع کیں۔ علماء حدیث کو جب خبر ہوئی تو ان میں سے چند نے چاہا کہ چل کر اس کی تردید کریں۔ وہ ایک مجمع میں سرگرم تقریر تھا۔ جب علما کو اپنی طرف آتے دیکھا تو معاملہ کو سمجھ گیا۔ فوراً ایک روایت حضرت جابر سے بیان کرنی شروع کر دی کہ "قرآن کلام اللہ ہے اور غیر مخلوق" اب عوام کے خوف سے ان علماء کو جرأت نہ ہو سکی کہ آگے بڑھ کر اس سے کچھ کہہ سکیں[۲]۔

یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے خلاف اگر ائمہ حدیث کچھ کہتے تو ان کے معتقدین آکر بحث و مجادلہ کرتے۔ امام داؤد طائی نے اسی خوف سے روایت چھوڑ دی تھی اور کہا کرتے تھے کہ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور جب میں کچھ لکھوا دیتا ہوں تو میری غلطیاں نکالتے ہیں۔ امام اعمش کہتے تھے کہ واللہ تم لوگوں نے حدیثوں کو رد کر کر کے میرے حلق کو عود سے بھی زیادہ تلخ بنا دیا ہے۔ تم جس کی طرف رخ کرتے ہو اس سے جھوٹ بلوا کے چھوڑتے ہو اور ابن مزرع کہا کرتے تھے کہ جب کسی شیخ کو بھاگتا ہوا دیکھو، تو سمجھ لو کہ اس کے پیچھے اصحاب حدیث ہیں[۳]۔

سینکڑوں واضعین حدیث ایسے بھی تھے جو مخفی طور پر جھوٹی حدیثیں گھڑتے اور ان کو اپنی جماعت میں پھیلاتے۔ اگر ان کا پایۂ اعتبار کم ہوتا تو بڑے بڑے ثقہ راویوں کے ناموں سے روایت کرتے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اپنے شیوخ کے مشابہ خط میں اپنی مکذوبات چوری سے ان کی کتابوں میں درج کر دیتے۔ کچھ لوگ جہاد اور ثواب کا کام سمجھ کر حدیثیں بناتے تھے۔ نوح بن مریم نے قرآن کے ایک ایک سورہ کی فضیلت میں حدیثیں وضع کیں۔ جب ائمہ حدیث نے تحقیق کی اور اس

---

[۱] موضوعات کبیر [۲] کیونکہ اس زمانہ میں یہی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ جو عالم قرآن کو غیر مخلوق کہہ دیتا وہ عوام میں مقبول ہو جاتا۔ پھر اس کی بات قابل تردید خیال نہ کی جاتی [۳] مختصر جامع بیان العلم ص ۱۸۱-۱۸۲

کے پاس پہنچے، تو اس نے بے تکلف اقرار کر لیا کہ یہ روایتیں میں نے خود بنائی ہیں تاکہ لوگوں کو قرآن کی طرف رغبت دلاؤں۔ یہی حال اکثر ان رواۃ کا تھا جنہوں نے ترغیب یا ترہیب کی روایتیں کی ہیں۔ روایات کا تو کیا ذکر بعض بعض وضاعین نے تو حدیث کی پوری پوری کتابیں تصنیف کر ڈالیں جو اوّل سے آخر تک موضوع ہیں۔ اس قسم کی چند کتابوں کے نام اور ان کے حالات تذکرۃ الموضوعات میں ہیں۔

علّامہ ابن جوزی نے وضع حدیث کے مندرجہ ذیل اسباب لکھے ہیں:-

(۱) بعض لوگوں تھے جن کے اوپر زہد غالب تھا حفظ میں غفلت کی اور کچھ کا کچھ بیان کرنے لگے

(۲) بعض اہل علم کی یادداشتیں ضائع ہو گئیں اور اُنہوں نے مجبوراً حافظہ سے کام لیا اور جو خیال میں آیا، کہہ گئے۔

(۳) بہت سے ثقہ راویوں نے بھی جن کی عقلوں نے بڑھاپے میں جواب دے دیا تھا، غلط روایتیں کیں،

(۴) ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے غلط روایتیں کر دیں اور بعد میں باوجود اپنی غلطی کے علم کے اس سے رجوع کرنا شان کے خلاف سمجھا۔

(۵) زنادقہ نے (یعنے ان عجمیوں نے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن درپردہ اسلام کو مٹانے کی فکر میں تھے اور عہد عباسی میں ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی) ایسی حدیثیں گھڑیں جو شریعت کو فنا کرنے والی ہیں[۱]۔

(۶) جب مذہبی تفریق پیدا ہوئی اور سُنّی، شیعہ، خارجی، قدری، جہمی، مرجیہ اور معتزلہ وغیرہ فرقے بن گئے، اُس وقت اُن میں سے اکثر نے اپنی تائید اور دوسروں کی تردید میں حدیثیں وضع کیں۔

(۷) بہت سے عابد و زاہد لوگ ایسے تھے جو عوام کو کسی اچھے کام کی رغبت دلانے اور بُرے کام سے ڈرانے کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے۔

(۸) بعضوں کا خیال یہ تھا کہ ہر پسندیدہ قول کے لیے اسناد ترتیب دے لینا اور اس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دینا جائز ہے اور عملاً وہ ایسا ہی کیا کرتے تھے[۲]۔

---

[۱] یہ لوگ طرح طرح کے پیرایہ میں سیرت رسول کو معیوب، قرآن کی آیات کو محرّف اور شریعت کو ناقص دکھاتے۔ نیز اپنے عقاید کو اسلامی تعلیمات میں شامل کرنے کی کوشش کرتے تھے جن کا اثر آج بھی کتب تفسیر و حدیث میں باقی ہے

[۲] تذکرۃ الموضوعات میں ہے کہ ایک محدّث نے آخر عمر میں وضع حدیث سے توبہ کی اس وقت اس نے کہا کہ حدیثوں کو ذرا دیکھ بھال کر قبول کیا کرو کیونکہ ہم لوگ جب کسی بات کو اپنے حسب منشا پاتے تھے تو اس کو دین بنا لیتے تھے یعنی رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔

(۹) خلفاء و امراء کے مقربین اور حاشیہ نشین ان کے حسب منشاء روایتیں گھڑتے اور ان کو اپنے تقرب کا ذریعہ بناتے تھے۔

(۱۰) قصہ گو واعظ اور ذاکر طرح طرح کے افسانوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی طرف منسوب کرتے تھے کیونکہ ان کی ہم بازاری کا سرمایہ یہی تھا۔ یہ دس وجوہ ہیں جن کے باعث مکذوب و مجہول روایتیں امت میں پھیلیں لیکن ان سب سے بڑھکر سیاسی جماعتوں نے جو دین کی راہ سے عوام کے قلوب کو مسخر کرنا چاہتی تھیں حدیثیں بنائیں اور کبھی ان کو مخفی اور کبھی علانیہ مشرق سے مغرب تک پھیلایا۔ اور ان سے بھی زیادہ ان جاہ پسندوں نے روایتیں گھڑیں جو اپنے علم و تقدس کا سکہ جماکر بزرگی اور عظمت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

ان وضاعین اور موضوعات سے حدیث پر ایسی آفت آئی جس کا اندازہ مشکل ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک تھی اور حدیثیں بھی جو آپ سے روایت کی گئی ہیں ان کا ۹۹ فی صدی حصہ مدنی زندگی سے متعلق ہے جس کی کل مدت دس سال ہے اور ادھر کذابین اور وضاعین کی بے شمار فوج ہوگئی جو دن رات حدیثیں گھڑنے میں لگی رہتی تھی؛ بلکہ ان میں سے بعض کا پیشہ یہی تھا۔ ان ہزارہا ہزار وضاعوں نے لاکھوں حدیثیں وضع کرڈالیں اور ان کو آفاق میں پھیلا دیا۔ اس جھوٹ کے سیلاب میں وہ تھوڑی سی حدیثیں جو بلا شبہ صحیح تھیں اس طرح مخلوط ہوگئیں کہ ان سچائی کے قطروں کا نکالنا بڑے بڑے نقادوں کے لیے مشکل ہوگیا، کیونکہ یہ وضاعین حدیث کی رگ رگ میں گھس گئے تھے اور اس کا کوئی باب اور کوئی شعبہ انہوں نے ایسا نہیں چھوڑا جس میں اپنے حسب منشاء حدیثیں نہ تراشی ہوں اور ایک ایک سچ میں سو سو جھوٹ نہ ملایا ہو۔ پورے باب کے باب موضوع ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ "تین کتابیں ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ ملاحم (پیشین گوئیاں) مغازی (لڑائیاں) اور تفسیر[۱] ان تینوں ابواب میں کس قدر حدیثیں ہیں؟ ان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ خود امام موصوف کے ایک رفیق ابو زرعہ کو صرف تفسیر میں ایک لاکھ چالیس ہزار حدیثیں یاد تھیں[۲]۔

کذب کا تسلط یہاں تک ہوا کہ روایات تو کیا کئی ایک موضوع صحابی بنا لیے گئے، تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۱۰۱ میں ہے کہ:

جملہ مورخین متفق ہیں کہ روئے زمین میں سب سے آخری صحابی جو رہ گئے تھے وہ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ۱۱۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے بعد چھٹی بلکہ ساتویں صدی ہجری میں طویل العمر صحابہ مخترع کر لیے گئے جن میں سے یہ لوگ ہیں:

جبیر بن حرب۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے متعلق مشہور تھا کہ غزوۂ خندق میں شریک تھے۔ امیر عبدالکریم کا بیان ہے کہ میں نے امام ناصر کے سالنہ ۵۷۳ھ میں ان کی زیارت کی تھی۔

ابو عبداللہ صقلی۔ پانچویں صدی ہجری میں تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[۱] تذکرۃ الموضوعات صفحہ ۸۲ [۲] توجیہ النظر صفحہ

مصافحہ کیا ہے، اس لیے لوگ جا جا کر تبرکاً[۲۰] اُن سے مصافحہ کرتے تھے۔

قیسؒ بن تمیم گیلانی۔ ان کی پیشانی پر ایک نشان تھا، جس کی نسبت مشہور کیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے خچر نے لات ماردی تھی چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں ان سے حدیثیں روایت کی جاتی تھیں۔

بابا رتنؒ ہندی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ حضرت فاطمہؓ کی رخصتی کی تقریب میں شریک تھے۔ یہ ہندوستان میں رہتے تھے۔ ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔

ان زندہ صحابیوں کو کھڑا کر کے ان کی زبانوں سے طرح طرح کی روایتیں امت میں پھیلائی جاتی تھیں بعض لوگ سند عالی کے خیال سے ان کو اپنی بیاضوں میں درج کرتے تھے[۱] علماء کی ذہنیتوں کا حال یہ تھا کہ جب ائمہ حدیث ان خرافات کا انکار کرنے لگے تو اُن کے ساتھ مجادلہ کے لیے کھڑے ہو گئے۔ امام ذہبی نے بابا رتن کی جملہ روایتیں موضوعات میں شامل کیں اس پر علامہ مجدالدین صاحبِ قاموس بگڑ بیٹھے اور حافظ ابن حجر نے جب ان باتوں کی تغلیط کی تو علامہ صفدی نے سختی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔

اس مختصر کیفیت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ راویانِ حدیث میں کذابوں اور وضاعوں کا عنصر کس قدر غالب تھا۔ اور جمہور میں ان کی قدردانی کی کتنی صلاحیت موجود تھی۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ امت جس کے پاس قرآن جیسی کامل اور روشن کتاب ہو، کذب کے ایسے تاریک غار میں گر جائے!

تنقیدِ حدیث

جامعینِ حدیث نے جس وقت حدیثوں کو مدون کیا، اُس وقت جو کچھ بھی ذخیرہ روایات کا اُن تک پہنچا تھا کتابوں میں لکھ دیا۔ صرف خال خال روایتوں کو جن کا موضوع یا مکذوب ہونا بالکل ہی عیاں تھا، چھوڑ دیا[۲]۔ یہ روایتیں اسناد کے ساتھ جمع کی گئی تھیں یعنی اُن راویوں کے ناموں کے ساتھ جن کے ذریعہ سے پہنچی تھیں۔ اس کے بعد سے تنقید کا سلسلہ شروع ہوا اور صحیح اور غلط کی چھان بین ہونے لگی۔

اس تنقید میں ائمہ حدیث نے دو چیزوں کو سامنے رکھا۔ ایک متنِ حدیث کو، دوسرے رواۃ کو۔ موضوع متن کی شناخت کے لیے انہوں نے حسبِ ذیل اصول قرار دیئے:

(۱) عقل کے خلاف ہو۔

(۲) فطرت کے خلاف ہو۔

(۳) قرآن کے خلاف ہو۔

---

[۱] تذکرۃ الموضوعات کے ص۱۱۶ میں علامہ آقشہری کا قول نقل کیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہر چند کہ "رتنیات" کی صحت پر وثوق نہیں مگر انکی سند سے برکت حاصل کی جا سکتی ہے۔ [۲] توجیہ النظر ص۱۹۔

(۴) تاریخ کے خلاف ہو۔

(۵) موقع یا قرینہ کے خلاف ہو۔

(۶) رافضی صحابہؓ کے یا خارجی اہل بیت کے مطاعن میں روایت کرتا ہو۔

(۷) چھوٹے چھوٹے عمل پر بڑے بڑے اجر کا وعدہ یا چھوٹے چھوٹے گناہ پر بڑے بڑے عذاب کی وعید ہو۔

(۸) واقعہ ایسا ہو جس کے بیان کرنے والے بہت سے لوگ ہو سکتے ہوں، مگر صرف ایک ہی شخص روایت کرتا ہو۔

لیکن ان اصولوں سے صرف تھوڑی سی غلط اور موضوع حدیثیں پکڑی جا سکیں، کیونکہ جو لوگ حدیثیں تراشتے تھے، وہ اس کے ہر پہلو پر نظر ڈال لیتے تھے تاکہ کہیں سے گرفت نہ ہو سکے۔ علاوہ بریں محدثانہ تاویلات کا دروازہ ایسا کھلا ہوا تھا کہ جہاں کوئی روایت عقل یا قرآن وغیرہ کے خلاف معلوم ہوتی، فوراً مطابقت پیدا کر لی جاتی۔ چنانچہ صحیح بخاری کا صرف ایک باب "کتاب الانبیاء" لے لیجیے۔

اس میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس امید میں کہ ان کی ہر ہر بیوی ایک ایک مجاہد فرزند جنے گی، ایک رات میں اپنی نوّے بیویوں پر گشت لگایا۔ اسی میں ہے کہ حضرت موسٰیؑ نے ملک الموت کو ایسا تھپڑ مارا کہ وہ واپس لوٹ گئے۔ اسی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جن کو قرآن میں صدیق نبی کہا گیا ہے، تین جھوٹ بولے۔ اسی میں ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو ساٹھ گز قد کا پیدا کیا، جس پر اس کے بہترین شارح حافظ ابن حجر بھی لکھتے ہیں کہ قدیم اقوام کے آثار سے جہاں تک پتہ لگ سکا ہے، انسان کا قد اتنا بڑا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لیے اب تک اس کی کوئی توجیہ میری سمجھ میں نہیں آسکی ہے[۱]۔ مگر محدثانہ تاویلات کے یہ کرشمے ہیں کہ باوجود ان سب کے بھی بخاری کی کوئی روایت غلط نہیں ہے اور وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ لہٰذا یہ اصول جو غلط روایتوں کو پہچاننے کیلئے مقرر کئے گئے تھے، تقریباً بے کار ثابت ہوئے۔ اس لیے ان نقادوں نے دوسری چیز یعنی رواۃ کی جانچ پر زیادہ مدار رکھا لیکن ظاہر ہے کہ یہ حضرات نبی تو تھے ہی نہیں کہ سو ڈیڑھ سو سال سے ہزارہا وضاعین اور کذابین جو پیدا ہوتے چلے آرہے تھے اور جن میں سے اکثر جمہور میں مقبول اور محترم بھی تھے، ان کو الہام الٰہی سے شناخت کر لیتے۔ ان کے پاس ان کے پہچاننے کا جو کچھ ذریعہ تھا وہ بھی روایات ہی کا تھا یعنی ہر ایک راوی کے صدق و کذب کی بنیاد انہوں نے ان روایات پر رکھی جو اس کے متعلق لوگوں سے پہنچی تھیں۔

عہد صحابہؓ نیز تابعین میں ضعفاء اور کذابین کم تھے، اس وجہ سے ان کی بابت کلام بھی کم کیا گیا ہے۔ صرف امام شعبی، ابن سیرین اور سعید بن المسیب سے بعض کے متعلق جرح مذکور ہوئی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے وسط میں امام اعمش اور مالک وغیرہ نے ضعفاء کا کھوج لگانا شروع کیا۔ پھر معمر، ھشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون اور حماد بن سلمہ وغیرہ نے۔ ان کے بعد یحییٰ بن سعید القطان متوفی ۱۹۸ھ اور ابن مہدی رجال کے مستند امام مانے گئے، لیکن ان کے زمانہ تک یہ علم زبانی تھا۔ تیسری صدی ہجری سے اس میں تدوین کتب شروع ہوئی، جن میں ایک ایک راوی کے حالات جمع کیے گئے اور اسکے

[۱] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۲۶۹۔

اوپر جرح وتعدیل ہونے لگی۔ اس عہد کی نامور شخصیتیں دو ہیں: امام یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ اور احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ جن کے بعد یہ سلسلہ پھیل گیا اور اس فن نے سینکڑوں امام ہوئے اور اس میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں، مگر چونکہ صدق وکذب باطنی صفات میں سے ہیں، جن کے اوپر یقینی شہادت ہو ہی نہیں سکتی، اس وجہ سے رواۃ کے متعلق بے حد اختلافات ہوئے۔ ہزاروں ہیں جن کو ایک اگر سچا کہتا ہے تو دوسرا جھوٹا۔

سب سے ظاہری اوصاف یعنی زہد وعبادت وغیرہ تو ان کے متعلق خود محدثین کا تجربہ بہت تلخ ہے۔ امام یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اہلِ اصلاح وخیر سے زیادہ حدیث کے معاملہ میں کوئی جھوٹا نہیں ہوتا۔ امام مسلم اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اہلِ خیر کی زبان سے بلا ارادہ بھی جھوٹ نکلتا ہے۔ ایوب سختیانی نے اپنے ایک پڑوسی کے علم وزہد اور عبادت وطہارت کی بہت تعریف کی مگر اس کے بعد کہا کہ اگر وہ میرے سامنے ایک کھجور کے معاملہ میں بھی گواہی دے تو میں قبول نہیں کروں گا۔ اس لئے مجبوراً توثیق کی بنیاد محض مقبولیت اور شہرت پر رکھی گئی اور مقبولیت اور شہرت کا حال یہ ہے کہ جو لوگ مسلّم امام ہیں، وہ بھی جرح سے محفوظ نہیں ہیں، بلکہ جب ہم ان کے متعلق ان کے ہم عصر اماموں کی رائیں سنتے ہیں، تو ہم کو ان کی امامت میں شک ہونے لگتا ہے۔ اس قسم کے چند اقوال حافظ ابن عبد البر کی کتاب مختصر جامع بیان العلم صفحہ ۱۹۱ سے نقل کرتا ہوں:

"امام حماد بن ابی سلیمان جو امام ابوحنیفہ کے استاد ہیں جب مکہ کے سفر سے عراق میں واپس آئے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوئے تو کہا کہ عراقیو! اللہ کا شکر کرو، میں نے علماء حجاز کو دیکھا، واللہ تمہارے بچے بلکہ بچوں کے بھی بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔" اور یہ علماء حجاز کون تھے؟ ابن رباح، طاؤس، عکرمہ اور مجاہد وغیرہ جو سارے عالم اسلامی میں مستند مانے جاتے ہیں۔

انہیں حماد کے استاد ابراہیم نخعی کا ذکر امام شعبی کے سامنے آیا تو انہوں نے کہا کہ وہ رات کو آکر ہم سے پوچھتا ہے اور صبح کو فتوے دیتا ہے۔ امام ابراہیم نے جب یہ بات سُنی تو کہا کہ شعبی کذاب ہیں، وہ مسروق سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ایک لفظ بھی ان سے نہیں سنا ہے۔

امام مغازی محمد ابن اسحٰق کے پاس امام مالک کا ذکر ہوا تو کہا کہ ان کی روایتیں میرے سامنے پیش کرو میں ان کا بیطار ہوں۔ جب امام مالک نے یہ بات سُنی تو فرمایا کہ ابن اسحٰق دجال ہے۔

ایک بار امام مالک سے کسی نے علماء عراق کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا کہ "ان کو بمنزلہ اہل کتاب کے سمجھو، نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب۔"

امام ابوحنیفہ امام اعمش کی بیمار پرسی کو گئے تھے۔ اُٹھتے وقت کہا کہ اگر میرا آنا آپ کے اوپر گراں نہ گذرتا تو میں اس سے زیادہ عیادت کے لیے حاضر ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا تو اپنے گھر میں رہنا بھی میرے اوپر گراں ہے، چہ جائیکہ یہاں آنا۔ باہر نکل کر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اعمش کی کبھی نماز ہوئی نہ روزہ۔"

۵۱ توجیہ النظر صفحہ ۱۱۴ ۵۲ توجیہ النظر صفحہ ۲۵

اس قسم کی باتوں کے متعلق محدثین یہ کہتے ہیں کہ ہم عصر علماء میں باہمی رقابت رہا کرتی ہے، اس وجہ سے ان کے اقوال ایک دوسرے کی نسبت قابلِ اعتنا نہیں ہیں اور ان سے کسی کی امامت میں فرق نہیں آتا۔ میں اس جواب کی صحت پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ ان ائمہ کی رایوں پر جب معاصرانہ چشمک غالب آجاتی تھی تو دوسرے جذبات کیوں نہیں غالب آسکتے تھے۔ ہم تو صاف دیکھ رہے ہیں کہ رواۃ کی توثیق صرف ان کے صدق کی بنا پر نہیں کی گئی ہے بلکہ استادی شاگردی اور ہم خیالی کے عواطف و میلانات بھی اس میں شریک ہیں۔ جہاں کسی امر میں اختلاف ہوتا ہے وہاں بڑے سے بڑے ثقہ پر بھی جرح ہو جاتی ہے۔ حارث ہمدانی مسلمہ طور پر ثقہ تھے جن کا کبھی جھوٹ ثابت نہیں ہوا مگر چونکہ حضرت علیؓ کی محبت کا اظہار کرتے تھے اس وجہ سے شعبی نے ان کو کذاب کہہ دیا[1] اور پھر رفتہ رفتہ وہ وضاعین میں شمار کیے گئے۔ بہت سے لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے متعلق بعض اختلافات کی بنا پر کلام کیا۔ ابن ابی ذئب اور عبد العزیز بن سلمہ وغیرہ نے چند مخصوص مسائل کی وجہ سے امام مالک پر جرح کی۔ خود یحییٰ بن معین نے امام شافعیؒ کو غیر ثقہ قرار دیا۔ اسی طرح سینکڑوں ائمہ ہیں جو بعض اختلافِ خیالی کے باعث مجروح کیے گئے۔ اسی کا ماتم کرتے ہوئے ہارون الرشید کے عہد کے نامور شاعر ابو العتاہیہ نے کہا:

بکی شجوہ الاسلام من علمائہ — فما اکترثوا لما رأوا من بکائہ
فاکثرھم مستقبح لصواب من — یخالفہ مستحسن لخطائہ
فایھم المرجو فینا لدینہ — وایھم الموثوق فینا لرائہ

(اسلام اپنے علماء کے دکھ سے رو پڑا اور انہوں نے اس کو روتے دیکھ کر بھی پروا نہ کی۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو اپنے مخالف کی صحیح بات کو بھی بری اور اپنی غلط بات کو بھی اچھی سمجھتے ہیں لہذا ہم ان میں سے کس سے دین کی امید رکھیں اور ان میں سے کون ہے جس کی رائے پر اعتماد کریں)

الغرض جرح و تعدیل کا فن سراسر قیاسی ہے اور اس قیاس میں بھی جذبات اور عواطف کے علاوہ تسرع سے کام لیا گیا ہے۔ تذکرۃ الموضوعات میں ہے کہ:

امام احمد بن حنبل، ابن مہدی اور ابن مبارک تینوں کا بیان ہے کہ ہم حلال اور حرام کی روایتوں کی جانچ میں سختی کرتے ہیں اور فضائل وغیرہ کی روایات میں نرمی۔

شروع سے آخر تک ان میں نرم اور گرم دو فریق رہے ہیں۔ طبقہ اول میں امام شعبی سخت تھے اور سفیان ثوری نرم۔ دوم میں ابن مہدی نرم تھے اور یحییٰ بن سعید القطان سخت۔ سوم میں احمد بن حنبل بمقابلہ ابن معین کے سخت تھے اور چہارم میں ابو حاتم بمقابلہ امام بخاری کے سخت[2]

اس لیے رواۃ کی توثیق یا تضعیف تمام تر تخمین پر مبنی ہے اور صرف حدیثیں ظنی نہیں ہیں بلکہ ان کے

[1] مختصر جامع بیان العلم ص۱۹۶ [2] مختصر جامع بیان العلم ص۲۰۱

جانچنے کا معیار بھی ظنی ہے۔ اور یہ وہ بات ہے جس کو خود محدثین نے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری موضوعات کبیر صلا۱ میں لکھتے ہیں کہ:

یہ (حدیثوں کی صحت) تمام تر وہ ہے جو محدثین کو اسناد پر نظر ڈالنے سے سمجھ میں آئی ہے ورنہ یقین کی کوئی صورت نہیں کیونکہ عقل جائز رکھتی ہے کہ جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے وہ نفس الامر میں موضوع ہو اور جس کو موضوع کہا ہے وہ صحیح ہو۔

اس لیے کسی حدیث کی نسبت یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قول رسول ہے بلکہ صرف یہ کہ وہ ایک قول ہے جو رسول کی طرف منسوب ہے خواہ اس کی نسبت صحیح ہو یا غلط۔ امام مالک یہ آیت پڑھا کرتے تھے[1]

إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ — ہم تو صرف گمان کرتے ہیں ہم کو یقین نہیں حاصل ہے۔

پھر ایک بڑا سوال یہ ہے کہ رجال اسناد کے ثقہ ثابت کرنے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ متن حدیث بھی صحیح ہو۔ اس لیے کہ وضاعین اپنی موضوعہ روایات کے ساتھ معتبر سند لگا دیتے تھے تاکہ کوئی ان کو غلط نہ کہ سکے۔ ان کے پاس ستر۷۰ یحییٰ بن معین ہوتے تھے اور ستر۷۰ احمد بن حنبل۔ لہٰذا پہلا اصول تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جو روایت جس سند کے ساتھ مروی ہے اس کی صحت کا ثبوت بہم پہنچایا جائے اور دوسرا یہ کہ جس کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک کا قول دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے اس کی کوئی روایت نہ تسلیم کی جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے خلاف اس تدلیس کے عیب میں بڑے بڑے ائمہ مبتلا ہیں مثلاً امام حسن بصری، مکحول شامی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابراہیم نخعی، مالک بن انس اور دارقطنی وغیرہ۔[2] اس لیے روایت کی تنقید کا یہ طریقہ بھی بے کار ثابت ہوا۔ علاوہ بریں یہ تقویٰ کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔ کیونکہ جس امت کے ہاتھ میں قرآن جیسی کتاب موجود ہے جس میں الیوم اکملت لکم دینکم فرما کر اللہ نے دین اسلام کو مکمل کر دیا ہے، اس کو دین کی تلاش کے لیے کب جائز ہے کہ مرے ہوئے ائمہ اور رواۃ کے گڑے مردے اکھیڑ کر جرح و تعدیل کے مسلخ میں لائے اور ہر ایک کی پوست کشی کر کے اس کے صدق و کذب کا پتہ لگانے کی کوشش کرے، وہ بھی محض لوگوں کے بیانات سے۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معین نے جب سب سے پہلے تاریخ الرجال لکھی اور اس میں سینکڑوں رواۃ حدیث کو جہاں ثقہ و صادق قرار دیا وہاں ہزاروں کو کذاب اور دجال کہا۔ اس وقت علماء امت پر یہ امر اس قدر شاق گذرا کہ انہوں نے سخت ناراضی کا اظہار کیا۔ بکر بن حماد شاعر نے کہا:

لِابنِ معينٍ في الرجال مقالة — سيسئل عنها والمليك شهيد
فان كان حقًّا قوله كان غيبةً — وان كان زورًا فالقصاص شديد

(ابن معین نے لوگوں کے بارے میں باتیں کہی ہیں جن کی بابت اللہ کے سامنے ان سے سوال کیا جائیگا

---

[1] مختصر جامع بیان العلم ص۱۱۳ [2] طبقات المدلسین لابن حجر

اگر وہ سچی بھی ہیں تو غیبت ہیں اور اگر جھوٹی ہیں تو سزا سخت ہوگی"[1]

لیکن محدثین کو چونکہ حدیثوں کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لیے ایک معیار کی ضرورت تھی اس وجہ سے انہوں نے کوئی پروا نہیں کی اور اس سلسلہ کو بڑھا کر ایک مستقل فن بنا لیا۔ اور آج تو وہ بڑے فخر کے ساتھ ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "مسلمان اس خصوصیت میں ممتاز ہیں کہ انہوں نے اپنے پانچ لاکھ علماء کے حالات محفوظ رکھے"!

مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پانچ لاکھ میں سے ایسے حضرات کے سوا جنہوں نے اعلائے کلمۃ الحق یا ملت کی تعمیر میں کارنامے چھوڑے ہیں، بقیہ کے متعلق جن کا کام سوائے روایت گستری کے اور کچھ نہ تھا۔ یہ دریافت کرنا کہ ان کا نام کیا تھا، ان کی کنیت کیا تھی، ان کے کون کون استاد تھے اور کون کون شاگرد، انہوں نے کتنے اکابر سے روایت کی اور کتنے اصاغر سے؟ ان کی کس قدر روایتیں صحیح ہیں اور کس قدر غلط وغیرہ وغیرہ کوئی مفید یا قابلِ فخر تاریخی علم نہیں ہے بلکہ ملت کے لیے ایک قسم کی دماغی تعزیر ہے جو روایت پرستی کے سبب سے ملی ہے۔

اصولِ حدیث

اصولِ حدیث سے یہاں میری مراد اس کی اصطلاحات نہیں ہیں، بلکہ وہ قواعد ہیں جن کو محدثین نے روایت میں مرعی رکھا۔ یہ اصول تقریباً سب کے سب ناقص اور نظری حیثیت سے نہایت کمزور ہیں اس موقع پر ان میں سے صرف دو اصول کو لیتا ہوں جن سے حدیثوں کی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے۔

پہلا اصول روایت بالمعنیٰ کا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو روایتیں کی گئی ہیں وہ بلفظہ نہیں ہیں بلکہ بالمعنے ہیں۔ اور بلفظہ ہو بھی کیسے سکتی تھیں کیونکہ حضورؐ کی مجلس میں جو صحابہ موجود ہوتے تھے، وہ نہ آپ کی باتیں لکھا کرتے تھے، نہ یاد کرکے سنایا کرتے تھے۔ اور ان کو بیان کرنے کا موقع بھی ایک مدت کے بعد پیش آیا۔ اس وجہ سے ان کے لیے انہیں الفاظ کو نقل کرنا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلتے تھے، متعذر تھا۔ لہذا وہ اپنے الفاظ میں بیان کرنے لگے اور اس کو محدثین نے اصولاً جائز قرار دے دیا اور روایت بالمعنے رائج ہوگئی۔[2] حالانکہ بعض صحابہ حضرت ابن عمر جیسے اس کو ناجائز سمجھتے تھے اور وہ یا تو زبان بند رکھتے تھے یا انہیں روایات کو بیان کرتے تھے، جن کے الفاظ ان کو یاد ہوتے تھے، کیونکہ لفظوں کے بدل جانے سے معانی میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہو جاتی ہے جو روایتِ حدیث میں یقیناً تقوے کے خلاف ہے۔ حضرت عمران بن حصین نے کہا کہ دوسروں کی طرح اگر میں بھی روایتیں بیان کرنی چاہوں تو دو دن اور دو رات تک مسلسل بیان کرسکتا ہوں، کیونکہ جس طرح ان لوگوں نے رسول

---

[1] مگر شاعر کے خیال کے خلاف ایک محدث لے یحییٰ بن معین کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسی گذری؟ انہوں نے کہا کہ خدا نے مجھ کو چار حوریں بخش دیں۔ کتاب الاسماء جلد ا صفحہ ۱۵۱

[2] توجیہ النظر صفحہ ۳۰۰

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنی ہیں میں نے بھی سُنی ہیں، مگر ڈرتا ہوں کہ انہیں غلطیوں میں پڑ جاؤں گا جن میں دوسروں کو پڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں[۵]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع ہی سے الفاظ کی تبدیلی سے معانی بدلنے لگے تھے اور اختلافات پیدا ہونے لگے تھے۔ اور اہلِ نظر و صلاح اس سے عبرت پکڑتے تھے۔

تابعین میں سے بعض ائمہ مثلاً ابن سیرین، مالک، قتادہ اور ابوبکر رازی کے سوا بالعموم محدثین روایت بالمعنیٰ ہی کرتے تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا کہ:

"اگر میں تم سے کہوں کہ میری روایت کے الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے تو مجھ کو سچا نہ جانو۔ میں تو بالمعنیٰ روایت کرتا ہوں[۶]"۔

یہی دوسرے محدثین بھی کہا کرتے تھے۔ قاضی بدرالدین نے اپنے استاد ابن مالک سے کہا کہ حدیثیں بالمعنیٰ مروی ہیں اور رواۃ زیادہ تر عجمی ہیں جو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ پھر ہم کس طرح معلوم کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا اصل مفہوم کیا تھا، وہ چپ رہے اور کچھ نہیں بولے[۷]۔

ابوحیان نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ ائمہ نحو نے جس قدر استشہاد کیا ہے آیات سے کیا ہے روایات سے نہیں کیونکہ ان کو الفاظِ حدیث پر وثوق نہیں تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں[۸]۔ اگر کسی روایت میں بعینہ الفاظ محفوظ ثابت ہو جائیں تو یہ اتفاقی امر ہے۔

روایات کے بالمعنیٰ ہونے سے حدیثوں کی منزلت میں بہت فرق آ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت صرف معنوی رہ گئی اور صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ رواۃ کے الفاظ کہاں تک آپ کے بیان کے منشا کے مطابق ہیں، اس لیے کہ کبھی کبھی صرف ایک لفظ کی تبدیلی سے پورے کلام کا مفہوم بدل جاتا ہے اور یہ امر تو بالکل واضح ہے کہ ایسی صورت میں الفاظ حدیث سے کسی خاص مقصد پر استدلال نہایت بے بنیاد ہے کیونکہ معلوم نہیں کہ اصلی لفظ کیا تھا۔

دوسرا اصول جزء منفرد کی مقبولیت کا ہے یعنی محدثین نے اس روایت کو جس کا راوی کسی درجہ میں صرف ایک ہی ہو لیکن ان کے معیار کے مطابق ثقہ ہو، مقبول قرار دیا۔ علماءِ محققین نے اسی وقت اس کی مخالفت کی۔ ابراہیم بن اسمٰعیل نے کہا کہ روایت بمنزلہ شہادت کے ہے۔ اس لیے جب تک ہر درجہ میں کم سے کم دو راوی نہ ہوں، قبول نہیں کی جا سکتی۔ معتزلہ اور خاصکر ابوعلی جُبائی نے بھی نہایت سختی کے ساتھ ٹوکا۔ مگر محدثین نے کوئی التفات نہیں کیا۔ کیونکہ اس سے احادیث کے ایک بڑے حصہ سے ان کو دست بردار ہو جانا پڑتا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ امام غزالی اور رازی نے باوجود فلسفی اور معقولی ہونے کے بھی ان کے ساتھ موافقت کی، حالانکہ قرآن میں جب معمولی لین دین پر جو دنیاوی ہے

---

۵ توجیہ النظر صـ۱۱ ۶تا۸ توجیہ النظر صـ۳۱۳-۳۱۴ ـــ۵

ہیں، دو مسلمانوں کو گواہ بنا لینے کا حکم دیا گیا ہے تو دینی امور میں کیوں دو گواہوں کی ضرورت نہیں ہے ؟

خود روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین گواہ طلب کرتے تھے ۔ قبیصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر کے پاس ایک عورت آئی جو اپنے پوتے کے ترکہ میں سے حصہ مانگتی تھی ۔ انہوں نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ میں تیرا حصہ نہیں پاتا ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو سدس دلوایا ہے ۔ فرمایا کہ کوئی تمہارے اس قول پر شاہد ہے ؟ محمد بن سلمہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں ۔ اس وقت اس کو ایک سدس دلوا دیا ہے

اسی طرح حضرت عمرؓ کے دروازہ پر ابو موسیٰ نے آواز دی جب جواب نہ ملا تو واپس چلے ، اتنے میں فاروق اعظم اندر سے نکل آئے اور پوچھا کہ آواز دینے کے بعد پلٹے کیوں ؟ کہا کہ حضور اکرم نے فرمایا ہے کہ جب تین بار پکارنے کے بعد جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ ۔ فرمایا کہ گواہ لاؤ ورنہ اچھی طرح خبر لوں گا ۔ ابو موسیٰ کا رنگ خوف سے اڑ گیا ۔ بھاگے ہوئے مسجد کی طرف صحابۂ کرام کے پاس آئے ۔ واقعہ سنایا اور کہا کسی نے اگر سنا ہو تو میرے ساتھ چلے ، چنانچہ جب ایک صحابی نے جا کر شہادت دے دی ، تب حضرت عمر نے اُن کو چھوڑا [۵۵]

مگر عہدِ صحابہ میں عینی شاہد کا ملنا ممکن تھا ، اس لیے اس وقت یہ طرزِ عمل بالکل حق بجانب تھا ، لیکن زمانۂ مابعد میں راوی کی حیثیت شاہد کی نہیں رہی بلکہ مدعی کی ہو گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُمت کے جملہ افراد پر جن کی تعداد کروڑوں بلکہ ممکن ہے کہ اربوں ہو جائے ، ایک عقیدہ یا عمل کی پابندی عائد کرنی چاہتا ہے اور اس کا بیان بھی بواسطہ در واسطہ ہے ۔ اس لیے اس کے اوپر لازم ہے کہ وہ دو شاہد عدل پیش کرے ، جو گواہی دیں کہ اس نے فلاں سے ہمارے سامنے سنا ہے ۔ پھر اسی طرح سلسلہ کے آخر تک ہر راوی کی سماعت کے دو گواہ ہونے ضروری ہیں ۔ بلا اُن کے اصولِ عدالت اور قانونِ شریعت کے مطابق اس کا قول تسلیم کے قابل نہیں ۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے پاس جس قدر ذخیرہ روایات کا ہے ، اس میں ایک روایت بھی ایسی ہے جو اس طرح شہادتوں سے ثابت کی گئی ہو یا کی جا سکتی ہو ، اس لیے تمام روایتیں غیر یقینی ہیں ۔ روایت کی صرف ایک قسم یقینی ہو سکتی تھی یعنی متواتر ، جس کی تعریف حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں یہ لکھی ہے :

"ایک تعداد کثیر جس کا عادتاً جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ہو ، اس کو روایت کرے ، اور ابتدا سے انتہا تک انکی تعداد اتنی ہی کثیر ہو اور اس کی بنا محسوس پر ہو اور اس سے بداہتہً سامع کو یقین حاصل ہو جائے "

یعنی خبر کے متواتر ہونے کے لیے چار شرطیں ہیں :

(۱) اس کے راویوں کی تعداد اتنی کثیر ہو کہ ان کا کذب پر باہم اتفاق کر لینا عادۃً ناممکن ہو ۔

(۲) ابتدا سے انتہا تک ہر درجہ میں اس کے راویوں کی تعداد اتنی ہی کثیر ہو کسی ایک درجہ میں بھی اس سے کم ہو گی

---

[۵۵] توجیہ النظر صہ ۱۲

تو وہ متواتر نہ رہے گی۔

(۳) خبرِ متواتر کا مبنیٰ محسوس ہو۔ اگر غیر محسوس ہوگا تو متواتر نہ ہوگی مثلاً مکہ ایک شہر ہے۔ اس کو بیان کرنے والے خواہ ہزار ہی آدمی کیوں نہ ہوں۔ یہ خبر متواتر اور یقینی ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر کروڑوں آدمی کہیں کہ عیسٰےؑ خدا کے بیٹے ہیں تو یہ خبر متواتر نہ ہوگی کیونکہ اس کا مبنٰے غیر محسوس اور محض اعتقادی ہے۔

(۴) اس خبر کو سنتے ہی سامع کو یقین حاصل ہو جائے اور وہ کسی دلیل کا محتاج نہ رہے۔

ایسی حدیث جس میں یہ چاروں شرطیں پائی جائیں، متواتر اور مفید یقین ہوگی اور اسی کو علماء معقول یعنی منطقیوں یقینیات میں شمار کیا ہے، لیکن اس قسم کی متواتر حدیث کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن صلاح نے باوجود اس کے کہ حدیث کے معاملہ میں نہایت خوش اعتقاد ہیں، لکھا ہے کہ اس تعریف کے مطابق متواتر حدیث کا ملنا مشکل ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ ان کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ایسی حدیثیں مل سکتی ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ محدثین نے جن تین یا چار حدیثوں کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے، ان میں تواتر لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے[1]۔ علاوہ بریں انہوں نے تواتر کا مفہوم ہی بدل دیا ہے اور مشہور حدیث کو متواتر قرار دینے کی کوشش کی ہے جس کے یقینی ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کسی صحابی یا امام نے کوئی روایت کی جس کے بعد اس کے بیان کرنے والے حد شمار سے زیادہ ہو گئے تو وہ متواتر نہ ہوگی کیونکہ اس میں رواۃ کی تعداد اوّل سے آخر تک یکساں نہیں ہے۔ جو لوگ فرطِ عقیدت سے صحیحین کی روایتوں کو متواتر کہنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً امام ابن تیمیہ یا ابن صلاح، ان کے ساتھ اس حد تک تو موافقت کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے مصنفین تک متواتر ہیں مگر ڈھائی سو سال کا زمانہ جو ان سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہے اس میں خبر واحد ہی تھیں۔ زیادہ صاف لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ خبر متواتر وہ ہے جس سے بداہتاً یقین حاصل ہو اور وہ دعوے، دلیل اور سند کی بھی محتاج نہ ہو، اور ایسی کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ جملہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں اور ائمہ اصول نے تصریح کی ہے کہ خبر واحد مفید یقین نہیں ہے۔

دلائلِ حدیث

محدثین نے حدیث کی دینی حیثیت پر آیات قرآنی سے بھی استدلال کی کوشش کی ہے، اس لیے ان کے جوابات بھی لکھنے ضروری ہیں تاکہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے۔

امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ نے اپنی کتاب الام کی ساتویں جلد میں اس جماعت کا ذکر کیا ہے جو حدیث کو دینی حجت نہیں مانتی تھی اور ان میں سے ایک کے ساتھ اپنی بحث کا بھی حال لکھا ہے۔ اس نے امام موصوف سے سوال کیا کہ:

"قرآن کریم نے جو فرائض امت پر عائد کیے ہیں۔ ان میں سے تم کسی کو عام قرار دیتے ہو، کسی کو خاص، کسی کو لازم اور کسی کو مباح۔ اور یہ سب کچھ ان روایات کی بنا پر کرتے ہو جو ایسے لوگوں سے مروی ہیں جن میں سے اکثر کو تم

---

[1] توجیہ النظر ص۲۷

نے دیکھا، نہ اُن سے ملے۔ اور باوجود ان کی عدالت اور ثقاہت کے قائل ہونے کے بھی تم ان میں سے کسی کی نسبت یہ عقیدہ نہیں رکھتے ہو کہ وہ غلطی، غلط فہمی خطا اور نسیان سے بھی بری ہے۔ پھر بھی ان کی روایتوں کو اس قدر برحق سمجھتے ہو کہ ان کی بنا پر احکامِ الٰہی میں تفریق کر ڈالتے ہو؟

امام صاحب نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان روایات سے سُنّت کی خبر صادق ہم تک پہنچتی ہے اور سنّت وہ ہے جس کو قرآن نے "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" میں حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ نیز دوسری آیت ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۝ "رسُول جو کچھ تم کو دے وہ لو اور جس سے روکے اس سے باز رہو"

اس سے سُنّت کی دینی حیثیت ثابت ہے۔ اس کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سُن کر اس نے اپنے قول سے رجوع کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دلیلوں سے اس منکر کے قائل کر دینے کو ہم امام شافعی کی کرامت ہی سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان سے تو اس کے سوال کے کسی حصہ کا بھی جواب نہ ہُوا، کیونکہ اس کا اعتراض نفس روایت اور ذریعۂ روایت کے متعلق تھا کہ وہ مشتبہ ہے اس لیے قرآن کی غیر مشتبہ آیات میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔

علاوہ بریں حکمت کا مفہوم جو انہوں نے حدیث کو قرار دیا کسی طرح صحیح نہیں۔ حکمت ایک عام لفظ ہے جس کے معنے ہیں دانائی کی باتیں۔ خود قرآن کی صفت بھی حکیم ہے یعنی اس میں حکمت کی باتیں ہیں جیسا کہ جا بجا آیات میں تصریح ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۝ "اور اللہ نے تجھ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی"

سورۂ بنی اسرائیل میں تورات کے احکام عشرہ کے مقابل تیرہ احکام نازل کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۝ "یہ حکمت کی ان باتوں میں سے ہے جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں"

خود اس منکر نے اعتراض کیا تھا کہ ازواجِ رسُول کو قرآن میں حکم دیا گیا ہے کہ:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۝ "اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں جو تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو"

جس سے معلوم ہُوا کہ حکمت قرآن میں شامل ہے۔ ورنہ حدیثوں کی کون تلاوت کرتا ہے، مگر امام صاحب نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ حالانکہ خود ان کا قول ہے کہ حدیثیں منزل من اللہ نہیں ہیں بلکہ استنباطات نبویہ ہیں یعنی قرآنی آیات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سمجھا اور فرمایا۔ پھر جس حکمت کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہے تو وہ حدیث کیسے ہو سکتی ہے۔ قرآن میں ہے کہ "ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی" کیا لقمان کو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں دی گئی تھیں؟

دوسری آیت "مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ" جو انہوں نے پیش کی اور ان کی تقلید میں آج تک علماء حدیث پیش کرتے چلے آتے ہیں وہ مالِ فئے (غنیمت بلا جنگ) کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہاں "آتا" کے لفظ کو جو "نہٰے" کے بالمقابل واقع ہے، لوگوں نے غلط فہمی سے "اَمَرَ یا قَالَ" کے معنے میں سمجھ لیا، حالانکہ یہ لفظ قرآن

میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ ہر جگہ اس کے معنے دینے ہی کے ہیں۔ لہٰذا یا استدلال بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں ان کے لیے دینے کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔

تیسری دلیل بعض حضرات کی یہ ہے کہ سورۂ والنجم میں ہے:

مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ "رسول اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس پر اُتاری جاتی ہے"

لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو نکلتا تھا سب وحی تھا۔

لیکن یہ استدلال حقیقت فہمی سے بہت دُور ہے، کیونکہ یہاں ذکر ہے اس کلام کا جو بذریعہ وحی کے اُترتا تھا اور جس سے کفار کو انکار تھا اور وہ صرف قرآن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانگی امور میں ازواجِ مطہرات سے یا عام معاملات میں دوسرے لوگوں سے رات دن جو گفت گو فرماتے تھے، اس کے وحی ہونے کا نہ دعوٰے تھا، نہ اس کے متعلق کوئی بحث تھی مخالفت صرف قرآن کی تھی اور وہی بذریعہ وحی کے نازل کیا گیا تھا جس کی تصریح اس آیت میں ہے:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ ۚ ؎ "اور میری طرف یہ قرآن اُتارا گیا ہے کہ میں تم کو اس کے ذریعہ سے آگاہ کروں اور ان کو بھی جن تک یہ پہنچے"

دوسری جگہ ہے:

قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُم بِالْوَحْيِ ۚ ۲۱/۴۵ کہ دے کہ میں تم کو صرف وحی کے ذریعہ سے آگاہ کرتا ہوں"

حصر ہے کہ سرمایۂ انذار صرف قرآن ہے۔ اور وہی لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے وحی کیا گیا۔ اسی کو آں حضرت ؐ نے لوگوں کو یاد کرایا اور حکم دیا۔ بعض لوگوں نے وحی کی دو قسمیں کر ڈالی ہیں۔ متلو اور غیر متلو یا جلی اور خفی۔ ایک کو قرآن کہتے ہیں ایک کو حدیث۔ لیکن یہ ان کی محض خیالی اصطلاح ہے، جس کو قرآن سے کوئی سروکار نہیں۔ حدیثیں بھی اگر وحی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قرآن کی طرح لکھایا کیوں نہیں؟

چوتھی دلیل جو بڑے شدومد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے، یہ ہے کہ بیسیوں آیتوں میں اللہ نے اطاعتِ رسول ؐ کا حکم دیا ہے۔ اگر حدیثیں دینی حجت نہ ہوں تو یہ اطاعت کس طرح ہوگی؟ دراصل یہی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو حدیثوں کو دین بنانے کا موجب ہوئی ہے۔ میں نے اس بحث پر ایک مفصل مقالہ "اسلامی نظام" کے عنوان سے لکھا ہے۔ وہ رسالہ طلوع اسلام اکتوبر ۳۸ء میں شائع ہو چکا ہے جس کو دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں مختصراً صرف اس قدر لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں تھیں۔

(۱) پیغمبری، یعنی پیغاماتِ الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم وکاست پہنچا دینا۔ اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ کے اوپر ایمان لانا فرض کیا گیا۔

(۲) امامت یعنی اُمت کا انتظام۔ اس کو قرآن کے مطابق چلانا، اس کی شیرازہ بندی، ان کے باہمی قضایا کے فیصلے، تدبیر مہمات و جنگ و صلح جیسے اجتماعی امور میں ان کی قیادت اور قائم مقامی وغیرہ۔ اس حیثیت میں آپ کی اطاعت اور فرماں برداری لازم کی گئی۔

یہ امامت کبریٰ جو آپ کی ذات سے بنی نوع انسان کی صلاح و فلاح کے لیے قائم ہوئی، قیامت تک مستمر ہے، جو آپ کے زندہ جانشینوں کے ذریعہ سے ہمیشہ رہنی چاہیے۔ قرآن میں اطاعتِ رسول کے جو احکام ہیں، وہ آپ کی ذات اور زندگی تک محدود نہیں ہیں بلکہ منصب امامت کے لیے ہیں، جس میں آپ کے بعد آنے والے تمام خلفاء داخل ہیں۔ ان کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے اور رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت تھی (اور یہ امت ہمیشہ آپ ہی کی امت رہے گی، کیونکہ آپ کے اوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی۔ اور اطاعت عربی میں کہتے ہی ہیں زندہ کی فرماں برداری کو۔ رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بعد جو کوئی ان کے نام سے کچھ کہہ دے، ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں۔ یہ ذہنیت اُمت میں اس وقت پیدا ہوئی، جب کوئی صحیح خلیفۂ رسول نہیں رہا اور مستبدوں نے مرکز پر تغلب حاصل کرکے اُمت کو اپنا غلام بنالیا اور ان کی دینی قیادت چھوڑ دی، جو علماء اور رواۃِ حدیث نے لے لی۔ اسی دن سے اُمت مذہبی انفرادیت اور انتشار میں مبتلا ہوگئی ورنہ دین کی جملہ ضروریات قرآن کے اتباع اور امام وقت کی اطاعت سے پوری ہو جاتی ہیں۔ امام کے ساتھ امت کے منتخب کیے ہوئے افراد ہوں گے جن کی مشاورت سے وہ اس کو حسب اقتضائے زمانہ قرآن کے مطابق چلائے گا اور ان میں وحدتِ مرکزی قائم رکھے گا اور متفرق نہ ہونے دے گا۔ الغرض قرآن امام وقت ہی کے ساتھ امت کی نجات اور کامیابی کا ذریعہ ہے اور حدیثوں کی حیثیت صرف تاریخی ہے۔ ان میں سے جو قرآن کے مطابق ہوں گی، قبول کی جائیں گی۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو قرآن کا مخاطب قرار دیا ہے وہ انسانی عقل ہے جس میں اس نے فکر و نظر کی قوت ودیعت فرمائی ہے۔ اس کی ہدایت کے لیے جس قدر روشنی کی ضرورت ہے اس کتاب میں رکھ دی ہے، جو ہر زمان و مکان میں اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے اور کسی ماحول کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی بخلاف روایات کے جو ماضی کے ساتھ وابستہ کر دیتی ہیں۔

پانچویں دلیل اُن کی یہ ہے کہ قرآن میں نماز کے اوقات، تعداد رکعات، نصاب زکوٰۃ اور روزہ اور حج کی تفصیلات کہاں ہیں؟ لہٰذا اگر حدیثیں دین نہ مانی جائیں تو یہ باتیں ہم کو کیونکر معلوم ہوں گی؟

ہر چند کہ یہ قرآنی حجت نہیں ہے بلکہ الزامی ہے، مگر چونکہ حامیانِ حدیث کی زبانوں پر سب سے پہلے یہی آتی ہے اس لیے اس کا ازالہ ضروری ہے۔

بے شک قرآن کریم نے ان تفصیلات کو اپنے ذمہ نہیں لیا، مگر اُس نے اپنے احکام کی عملی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دی اور فرمایا "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے احکام پر عمل کر کے دکھلا دیا اور ان کی تفصیلات اُمّت کو سکھلا دیں۔ وہ عملی نمونے سلسلہ بسلسلہ متواتر چلے آ رہے ہیں اور بالکل یقینی ہیں۔ ان کے لیے غیر یقینی روایات کی کیا ضرورت ہے۔ ان کی وجہ سے تو کہیں کہیں اس تواتر میں بھی اختلافات پڑ گئے ہیں جو مٹائے نہیں مٹتے۔

چھٹی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ کتاب کی تعلیم و تبئین کا فریضہ آں حضرتؐ کے ذمہ تھا لہٰذا حدیثیں دینی ہیں کیونکہ وہ قرآن کی تفسیر ہیں۔

لاریب آپ کی تعلیم و تبئین دینی ہے لیکن وہ وہی عملی تشریح یعنی اسوۂ حسنہ ہے جس کا اوپر ذکر کیا جا چکا۔ ورنہ آیات کی تفسیر میں جو حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے روایت کی گئی ہیں ان کے متعلق تو خود ائمۂ حدیث کا بیان ہم نقل کر چکے ہیں کہ بے اصل ہیں۔ ان سے قرآن کی تفسیر کرنا اس کی قطعیت کو کھونا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نورِ مبین اور مفصل کتاب ہے جس کو اس کے اوّلین مخاطب یعنی صحابۂ کرامؓ بے تکلف سمجھتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے الفاظ و معانی کی تشریح کی ضرورت بہت کم پیش آئی۔ کل زمانۂ نبوت میں قرآنی تعلیمات کے متعلق صحابہؓ نے جس قدر باتیں پوچھیں، وہ امام رازی کے بیان کے مطابق ۱۴ اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں صرف ۱۲ ہیں۔ ان سب کے جوابات قرآن ہی میں نازل کیے گئے جو علامہ سیوطی کی اتقان میں نیز مختصر جامع بیان العلم کے آخری صفحہ میں ایک ایک کر کے گنا دیے گئے ہیں بلکہ ہر شخص قرآن میں يسئلونك اور يستفتونك کے الفاظ سے خود بھی ان کو شمار کر سکتا ہے۔

رتبۂ حدیث

گذشتہ ابواب پر نظر ڈالنے سے حسب ذیل امور واضح طور پر سامنے آ جاتے ہیں:

(۱) حدیثیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی مرضی کے خلاف رواج پذیر ہوئیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید تھی کہ مجھ سے زیادہ روایت کرنے سے بچو۔ اور خلفاء راشدین مسلسل کوشش کرتے رہے کہ اس کو یک قلم روک دیں۔

(۲) حدیثوں کی کتابت کا بھی یہی حال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریحاً ان کے لکھنے کی ممانعت فرمائی

اور خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برابر ان کے نوشتوں کو مٹاتے اور جلاتے اور امت کو فتنہ کتابت سے روکتے رہے۔

(۳) دوسری صدی ہجری میں جب خلفاء بنی امیہ نے امت کو غلام بنا لیا تھا۔ حدیثوں کی تدوین کا آغاز ہوا اور اس کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ اس کے کل مجموعے جو آج امت کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اس سے قبل کا نہیں ہے بلکہ صحاح ستہ تو تیسری صدی ہجری کی مرتب کی ہوئی ہیں۔

(۴) دینی قیادت چونکہ خلفاء بنی امیہ نے چھوڑ دی تھی اور وہ محدثین اور رواۃ کے ہاتھوں میں آ گئی تھی اس وجہ سے امت میں ان کی عظمت و شان قائم ہو گئی جس کو دیکھ کر بہت سے دنیاداروں نے روایت کو بطور پیشہ کے اختیار کر لیا اور جمہور میں محترم اور مقبول ہو گئے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے غیر معتبر تھے۔

(۵) حدیثوں کی دینی حیثیت قائم ہو جانے کی وجہ سے مختلف طبقات نے اپنے اپنے اغراض سے جھوٹی حدیثیں بنائیں اور ان کو امت میں پھیلایا اور جو ائمہ ان کی تنقید کے لئے کھڑے ہوئے ان کے پاس سوائے لوگوں کے بیانات اور اپنے قیاس کے کوئی ایسا معیار نہ تھا جس سے کھری کھوٹی حدیثوں کو پرکھ کر الگ الگ کر سکتے۔ اس وجہ سے ان کی صحیح قرار دادہ حدیثیں بھی مشتبہ رہیں۔ غیر مسلم معترضین نے اسلام پر جس قدر اعتراضات کیے ہیں۔ ان کا سبب زیادہ تر ایسی ہی حدیثیں ہیں جن کو مسلمانوں نے صحیح سمجھ کر تسلیم کر لیا ہے۔ مگر اصل میں وہ موضوع ہیں کیونکہ روایات کا جو ذخیرہ اصول حدیث کے مطابق صحیح قرار دیا گیا ہے۔ وہ ظنیات سے آگے نہیں بڑھتا اور ظن دین میں کارآمد نہیں ہے:

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۲۸/۵۳	"ظن حق کی جگہ پر کچھ کام نہیں دیتا"
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۶/۱۱۶	"روئے زمین کے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان کی تو اطاعت کرے گا تو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے وہ تو صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں"

ظنی اور غیر یقینی شئے کی اتباع ممنوع ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔوْلًا ۱۷/۳۶	"جس کا تجھ کو یقین نہیں اس کے پیچھے نہ چل۔ کان، آنکھ اور دل ہر ایک سے اس کی باز پرس ہوگی"

یقینی چیز جس پر ہم ایمان لائے ہیں، وہ قرآن ہی ہے اور حدیثیں یقینی نہیں ہیں۔ چنانچہ خود محدثین کے نزدیک حدیث کے معاملہ میں حسن ظن جائز نہیں ہے بلکہ اس کو پرکھنا اور جانچنا ضروری ہے۔ لیکن پرکھنے اور جانچنے پر بھی اس کی جو حیثیت قائم ہوتی ہے وہ تاریخی ہی ہے کیونکہ اس کا اعتماد رواۃ کے اعتماد پر مبنی ہے اور رواۃ کا اعتماد ان کے ہم عصروں کے بیانات پر۔ اور یہ تاریخی چیز ہے اس لئے اس تاریخی بنیاد پر سوائے تاریخ کے دین کی تعمیر کیونکر ہو سکتی ہے۔ انتہ

نے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم اس وجہ سے دیا ہے کہ ان کے پیغامات کی تصدیق میں کوئی شک نہ واقع ہو سکے بخلاف اس کے حدیث کے راویوں پر ایمان لانے کا کوئی حکم نہیں ہے جو ان کے روایات کی تصدیق واجب ہو۔ روایات تو کیا خود ہزاروں راوی ایسے ہیں جن کو ایک اگر سچا کہتا ہے تو دوسرا جھوٹا کہتا ہے اور ان میں سے ہم کسی کی گرفت نہیں کر سکتے کیونکہ تنقید میں ہر شخص آزاد ہے۔ اس لئے رواۃ کی ثقاہت اور روایتوں کی صحت کی بحث محض علمی ہے۔ کیونکہ حدیثیں بسلسلۂ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی جاتی ہیں مثلاً زید نے سنا عمرو سے اس نے بکر سے اس نے خالد سے الخ اور ایسا بیان نہ یقینی ہو سکتا ہے نہ شہادت ہے بلکہ عدالتوں کے نزدیک قابلِ سماعت بھی نہیں۔ اس لئے محدثین کے وضع کردہ اصول کے مطابق اس کی جانچ کی جاتی ہے۔ اس جانچ کے معیار پر پورا اُتر جانے کی صورت میں اس کی صحت کا حکم لگایا جاتا ہے نہ کہ عصمت کا۔ یعنی قواعد مقررہ کی رو سے اس کے صحیح ہونے کے معنے یہ ہوئے کہ ظن غالب یہ ہے کہ ایسا ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا نہ کہ قطعی یقین کہ بے شک ایسا ہی کہا ہے۔ پھر یہ صحیح قرار دی ہوئی حدیثیں بھی بالمعنے روایت کی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں بے حد اختلافات ہیں۔ ان کو دین مان لینے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ امت میں سینکڑوں فرقے بن گئے ہیں اور ملت کا شیرازہ بکھر گیا ہے سنیوں کی حدیثیں الگ ہیں، شیعوں کی الگ اور خارجیوں کی الگ۔ ہر ایک فرقہ نے اپنے مذہب کی تعمیر اپنے حسب منشأ روایات سے کی ہے اور صرف اپنی ہی حدیثوں کو صحیح سمجھتا ہے اور دوسروں کی حدیثوں کو غلط۔ اور فرقہ بندی قرآن کریم کی رو سے شرک ہے "ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم الآیۃ" بے شک آیات کے معانی سمجھنے میں بھی اختلافات ہو سکتے ہیں مگر یہ اختلافات چونکہ الفاظ و عبارات کے نہ ہوں گے بلکہ صرف فہم کے ہوں گے۔ اس لئے مزید غور و فکر سے مٹ جائیں گے اور ان سے فرقہ بندی نہ ہو سکے گی۔

الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کو دین بنا لینا صحیح نہیں۔ اس کی وجہ سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ قرآن جو سراسر زندگی ہے، حجاب میں آگیا ہے۔ چنانچہ محدثین میں شروع سے لے کر آج تک جو اہم اور معرکہ آراء امور زیر بحث رہے ہیں، بالعموم اس قسم کے ہیں جن کا ملت کی صلاح و فلاح اور اجتماعی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، مثلاً حضرت ابوبکر افضل ہیں یا حضرت علی؟ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سماء دنیا پر کس طرح نزول فرماتا ہے؟ قیام نماز میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا نہیں؟ کیا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے؟ آمین زور سے کہی جائے یا آہستہ آہستہ وغیرہ وغیرہ۔

بخلاف اس کے اگر قرآن پر مدار رہتا تو اس نوعیت کے مسائل پیش نظر رہتے کہ مرکز کو قوی اور صالح العمل کیونکر رکھا جائے۔ قرآنی ہدایت کو عام کرنے اور جملہ انسانی برادری کو اس نجات اور سعادت کے راستہ

بروئے کار لانے کے کیا وسائل ہیں، کائنات فطرت جن کی نسبت قرآن نے کہا ہے کہ وہ انسان کے لیے مسخر کیے گئے ہیں، ان کی مخفی قوتوں کو کن تدابیر سے لاکر انسانی خدمت میں لگایا جاسکتا ہے۔ ایمان وعمل صالح کو کن ذرائع سے ایسا فروغ دیا جائے کہ ملت کا ہر فرد صحیح "خلیفہ فی الارض" ہوسکے جس کے لیے اس کی تکوین ہوئی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ یہ تمام بحث تاریخی ہے۔ قرآن کریم اور عقلی حیثیت سے حدیثوں کے متعلق جو بحث ہوسکتی ہے اس کو جستہ جستہ میں اپنے دوسرے مقالات میں لکھ چکا ہوں۔

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کی خدمات

۱ - ایک ماہوار رسالہ جاری کیا، جو پندرہ سال سے قرآن حکیم کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہے۔

۲ - تبلیغی کاموں کے لیے قریباً ۲۰ ہزار روپے کے صرف سے ایک مستقل دفتر اور عمارتیں تعمیر کر کے خدا کی راہ میں وقف کی گئیں ۔

۳ - اسلامی تہواروں کے علاوہ وقتاً فوقتاً پندرہ ہزار تبلیغی پوسٹر شائع کیے گئے ۔

۴ - "بیانُ للناس" کے نام سے قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر شائع کی گئی

۵ - مسلمانوں کی قومی اور ملی اصلاح کے لیے صدہا کتابیں مفت تقسیم کرائی گئیں ۔

۶ - صدہا روپے کے مصارف سے چار سالانہ جلسے منعقد کیے گئے، جن کے ذریعے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا ۔

۷ - ایک لائبریری قائم کی گئی، جس سے بے شمار مسلمان علمی اور دینی فائدے حاصل کر رہے ہیں ۔

۸ - "مدرسۃ تبلیغ القرآن" کے نام سے ایک قرآنی سکول جاری کیا گیا، جس نے قدامت پرستی اور کے خلاف مسلمانوں میں قرآن پاک کے موحدانہ خیالات کی تبلیغ کی ۔

اگر یہ تمام خدمات کسی بھی لحاظ سے آپ کے دل میں خدمت و اشاعتِ قرآن کا اشتیاق پیدا کر سکیں، تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ براہ کرم ہر ممکن تکلیف و ایثار گوارا کر کے **دفتر اُمّتِ مسلمہ** کی مالی اور اخلاقی سرپرستی قبول فرمائیں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ ۲ ر ماہوار چندہ دے کر مجلس کے رُکن بن جائیں۔ دوسرے یہ کہ تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر ماہ نامہ **البیان** کی اعانت کریں، تیسرے یہ کہ دفتر امتِ مسلمہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں خرید کر عامۃ المسلمین میں مفت تقسیم کریں ۔

محمد حسین آنریری جنرل سکرٹری اُمّتِ مسلمہ امرتسر

بندوں میں سے تھا۔

اب آگے لوطؑ کا ذکر فرمایا۔ رسالت اکتسابی چیز نہیں ہے۔ یہ محض تصرفِ الٰہی اور فضل خداوندی سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

(۱۳۳) وَاِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ؕ اور تحقیق لوطؑ ابتہ رسولوں میں سے تھا

(۱۳۴) اِذۡ نَجَّيۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗۤ اَجۡمَعِيۡنَ ۙ (ہم نے اسے شریر لوگوں میں سے چند مسلم متعلقین سمیت بچا لیا۔ متعلقین میں سے ایک عورت بھی تھی، مگر وہ خائنہ تھی اور بدکردار مجرمین سے ساز باز رکھتی تھی۔ اسی طرح دوسرے ظالموں کی عورتیں وغیرہ بھی ان ناہنجاروں کے اس فعل قبیح میں شریک و معاون تھیں۔ لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ ہی عذابِ الیم کی چکی میں پس گئیں۔ نیک لوگوں کو بچا لیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا، دیکھو ہمارا تصرف) جب ہم (خدا) نے اس (لوطؑ) کو اور اس کے سب اہل کو (زلزلہ اور پتھروں وغیرہ کی بارش کے عذاب الیم سے) نجات دی)

(۱۳۵) اِلَّا عَجُوۡزًا فِى الۡغٰبِرِيۡنَ‏ ۝ مگر (اس کی عورت) بڑھیا (کو نہ بچایا، کیوں کہ وہ اپنے اعمال غیر حسنہ کے سبب ان تباہ و برباد ہونے والے لوگوں کے ہمراہ) پیچھے رہنے (اور ہلاک ہونے) والوں سے تھی (اس قوم کی تمام عورتیں اس بات پر فخر کیا کرتی تھیں کہ ہمارے مرد دوسری قوموں کو لوٹ لیتے ہیں اور ان کے ساتھ بدفعلی کرکے شرمندہ کرتے ہیں۔ اس لیے وہ بھی ساتھ ہی غارت کر دی گئیں۔ اگر عورتیں نیک ہوتیں تو ان کو بھی نجات مل جاتی، مگر وہ خود ظلم و معصیت میں برابر کی شریک تھیں اور مردوں کے مظالم پہ فخر و غرور کا اظہار کیا کرتی تھیں پس وہ بھی ساتھ ہی رگید دی گئیں۔ صرف چند نفوس کے سوائے باقی سب غارت کر دیے گئے جیسا کہ فرمایا:)

(۱۳۶) ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِيۡنَ‏ ۝ پھر ہم (خدا) نے (سب) پچھلوں کو اکھاڑ مارا۔ (اور ان کا تمام علاقہ کھارے پانی کی جھیل میں تبدیل کر دیا، جو آج تک بحیرۂ مردار کی شکل میں موجود ہے اور عذاب الٰہی کا خوف ناک منظر پیش کر رہا ہے۔ عقل مندوں کو اس سے سبق اور عبرت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ فرمایا۔ اے لوگو! خاص کر عرب والو! تمہارے تو شام کے سفر وغیرہ میں یہ ہَول ناک منظر راستہ میں آجاتا ہے۔ پھر غور و فکر کرو اور بے خوف نہ ہو جاؤ۔ یہ سنت اللہ ہمیشہ جاری رہے گی کہ جب کبھی ظلم کا پیمانہ لب ریز ہوا۔ ہم نے اُلٹ دیا اس عالیشان نصیحت کو گوشِ ہوش سے سنو اور

موقعہ ہاتھ سے نہیں نکلا تھا۔ اس لیے رسولوں میں سے نکالے نہیں گئے۔ غرض بھری ہوئی کشتی میں جا بیٹھے وہ ہچکولے کھانے لگی۔ کشتیوں کو خدا ہی پانی پر چلاتا ہے۔ دوسرا کوئی اس لائق نہیں ہے۔ کشتی کے ڈگمگانے سے ملاحوں نے یہ سمجھا کہ سمندر کا دیوتا ناراض ہے ایک آدھ آدمی کو بھینٹ چڑھانا چاہیے، تاکہ باقی صحیح سلامت بچ جائیں۔ اپنی خوشی سے تو کون جان دیتا، قرعہ اندازی کی ٹھہری، جس میں یونسؑ بھی شریک تھے)

(۱۴۱) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۴۱﴾ اس نے بھی قرعہ ڈالا (تو اُسی کا نام نکلا) پس ہوگیا زک اُٹھانے والوں سے (سمندر میں پھینکا گیا۔ یہ ثمرہ تھا، جو اُن کو خدا کے بھاگنے پر ملا)

(۱۴۲) فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۲﴾ جوں ہی ان کو سمندر میں پھینکا گیا، ایک بہت بڑی مچھلی (شارل) نے اُن کو نگل لیا، جو خدا کے حکم سے منہ کھولے ہوئے اُن کی منتظر تھی۔ مچھلی کا منہ بڑا تھا، منہ کے اندر ٹھہرے نہیں بلکہ فوراً پیٹ میں چلے گئے۔ یہ مچھلی بحیرۂ روم میں پائی جاتی ہے اور اُسی سمندر کا یہ واقعہ ہے۔ برعکس اس کے وہیل مچھلی کا پیٹ اگرچہ بہت بڑا ہوتا ہے، مگر منہ تنگ ہوتا ہے اور منہ میں جالی ہونے کے باعث بغیر چبائے کوئی چیز پیٹ میں نہیں جا سکتی لیکن شارل کے منہ میں جالی نہیں ہوتی، اس لیے فرمایا کہ اس کو نگل لیا، چبایا نہیں، منہ میں ذرا نہیں رُکے۔ فوراً پیٹ میں اتر گئے۔ غرض جب پھینکے گئے تو) پس لقمہ بنایا اس کو مچھلی (شارل) نے اور وہ (یونسؑ) سزاوار ملامت تھا۔ (یہ ملامت کا لفظ ذاریات میں فرعون پر بھی آیا ہے اور یہاں نبی پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے۔ انسان پیدا ہی ضعیف کیا گیا ہے اس کی باتیں خدا تعالیٰ کی باتوں کی مانند نہیں ہوا کرتیں۔ غرض مچھلی کے پیٹ میں جاتے ہی اپنے ظلم اور نافرمانی کا سچے دل سے اقرار کیا اور خدا کی معبودیت اور قدوسیت کی تعریف شروع کر دی۔ ابھی دوسرا عالم وارد نہیں ہوا تھا۔ ہاں، فرعون پر دوسرا عالم وارد ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی فریاد نہیں سُنی گئی۔ یونسؑ کو موقعہ حاصل تھا، اس لیے جلد ہی خدا کی جناب میں آہ وزاری کر کے نجات حاصل کر لی۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:)

(۱۴۳) فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۳﴾ (۱۴۴) لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۴۴﴾

پھر اگر نہ ہوتا (قریب ہی وہ یونسؑ) تسبیح کہنے والوں میں سے (تو پھر اس کا انجام کیا ہوتا؟ یہ کہ) البتہ اس (مچھلی) کے پیٹ میں اُس دن تک رہتا (جب) کہ لوگ (مر کر خدا تعالیٰ کے حضور) پیش ہوتے ہیں (یعنی

وہیں مرکر حاضر ہوتا اور تکالیف اُٹھاتا۔ ثابت ہُوا کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی بہشتی میں چلا جاتا ہے نہ کہ کسی دُور دراز قیامت کا انتظار کرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو کیا وُہ مچھلی ہمیشہ رہنے والی تھی کہ اُس قیامت تک یہ اس کے پیٹ ہی میں رہتے؟ ہرگز نہیں۔ اگر یونسؑ بغیر توبہ کے مرتا تو بھی ہرگز نہ رہتا۔ پس عجز منظور ہُوا۔ گڑگڑانے اور توبہ کرنے پر خدا تعالیٰ نے ان کو صالحین سے بنا دیا۔ انسان فوراً معافی مانگ لے تو بُہت کچھ بہتری ہو جاتی ہے جیسے فرمایا:)

(۱۴۵) فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ○ ہم (خدا) نے (نہ کہ مچھلی نے) اس (یونسؑ) کو ننگے میدان میں پھینکا۔ اس حال میں کہ وُہ بیمار تھا (انسان اگر وقت پر توبہ کرے تو خدا تعالیٰ کی رحمت سے ہر طرح کی تلافی ہو سکتی ہے۔ یونسؑ ابھی آخری درجہ میں نہیں پہنچا تھا کہ گناہوں کا اقرار اور خدا کی تعریف کرنے لگا، پس بچا لیا گیا اور اس میدان میں ان کی ایسی نازک حالت میں یہ حفاظت کی کہ قدرتی طور پر کدو کا بیج قریب کر دیا۔ وُہ جلدی اُگتا ہے ایک تو اُس کے پتے چوڑے ہوتے ہیں۔ قدرے سائے کا کام دیتے ہیں۔ دوسرے اُس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی!

(۱۴۶) وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ○ (کہ) اور ہم (خدا) نے اُس (بیمار یونسؑ) پر کدو کا (بیل دار) درخت اُگا دیا (انسان سچے دل سے وقت نکل جانے سے پہلے پہلے توبہ کرے تو خدا تعالیٰ کی رحمت اپنی بخشش میں بُخل نہیں کرتی ہاں! بعد از وقت گڑگڑانا فضول محض ہوتا ہے۔ قوم یونسؑ نے جناب یونسؑ کے بھاگ جانے کے بعد جب کچھ آثار عذاب الٰہی کے پائے تو فوراً نہ صرف خود بھی گناہوں سے باز آ گئی بلکہ دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کرنے لگ گئی اور ان کو اصل راستہ پر لانے کی سر توڑ کوشش کر کے اپنی ایک لاکھ کی تعداد میں اور اضافہ مصلحین کا کر دیا، تو خداوند کریم نے ان سے گرفت دُور کر دی اور اُن کو اور بھی موقعہ دیا جیسا کہ فرمایا:)

(۱۴۷) وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ○ اور ہم نے اس (یونسؑ) کو ایک لاکھ (انسانوں) یا زیادہ کی طرف بھیجا (تھا۔ یعنی اُنہوں نے اوروں کو بھی دعوت اسلام دی اور اپنے ساتھ ملا لیا، حالاں کہ پہلے ہی ایک لاکھ انسان حقیقی تعلیم سے بیزار تھے۔ اب وُہ دوسروں کے معلم بن گئے۔ یا یہ معنے کہ یونسؑ ان کی طرف بھی آئے تھے جن کو اُن کی قوم اب اپنی طرف بلا کر ملا رہی ہے۔ الغرض وہ ایمان لائے اور عذاب ٹل گیا)۔

(۱۴۸) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ پس وہ (قوم یونسؑ واحد خدا پر) ایمان لے آئے

پس ہم (خدا) نے ان کو ایک وقت تک موقع دیا (کہ فایدہ اٹھاؤ اور سیدھے راستہ پر چل کر نیکو کاری میں اور بھی بڑھو۔ یہ لوگ خوب پھلے پھولے اور اُنہوں نے عروج حاصل کیا اور کئی نسلوں تک نیکی اور اچھائی کے ساتھ بسر کرتے رہے۔ صدیوں بعد بگڑے تو نینوا پر ایسی تباہی آئی کہ اینٹ سے اینٹ بج گئی اور ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ انسان بڑا نا قدر شناس ہے اور احسانات الٰہی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اِس سورہ میں جو انبیاء کا ذکر آیا ہے، تو اس میں بھی یہی بات ہے کہ دیکھو ہم نے اُن پر کیسے کیسے احسان و انعام کیے وہ اپنی ذات میں بے احتیاج نہ تھے۔ ہمارے محتاج اور عاجز بندے تھے اور ان پر پیغام لانے والے ملائکہ تھے۔ یہ نبیوں سے نچلے درجے کے کارکن تھے، کیوں کہ یہ محض مجبور اور کٹ پتلی تھے۔ انبیاء تو پھر بھی کسی قدر اختیار رکھتے، مگر فرشتے محض بے اختیار ہیں۔ پھر جب (خدا) نے رسُولوں اور نبیوں کو اپنے بیٹے نہ بنایا، تو اُن سے گھٹیا درجہ کی مخلوق (فرشتوں) کو کب بیٹیاں بنانے لگا تھا۔ تُف ہے ایسے اعتقاد پر! ناقصوں کا مجموعہ ناقص ہی ہو گا اور کامل مطلق صرف ایک ہی ہو گا۔ دو کامل مطلق کبھی نہیں ہو سکتے کیا خدا کی اولاد بتانے والے یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ولد کے لیے والد اور والدہ کا ہونا ضروری ہے۔ والد رکن ہے اور والدہ شرط ہے۔ جیسے مٹی رُکن اور سانچا شرط۔ اگر سانچے کے بغیر اولاد نہیں ہو سکتی تو پھر رُکن کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا جیسی ہستی کے لیے تو اولاد صاحبہ (عورت) یعنی سانچے کے بغیر نہ ہو سکے، لیکن نعوذ باللہ مریمؑ صدیقہ کو بغیر رکن (یعنی مٹی) کے مسیحؑ ہو جائے! لوگ کدھر بہکے جا رہے ہیں؟ یہ جملہ معترضہ آ گیا ہے غرض یہ ہے کہ کامل مطلق کسی رشتے ناطے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ارشاد ہوتا ہے، جو لوگ ایسا بُرا عقیدہ رکھتے ہیں) ÷

(۱۴۹) فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ○ پس اُن سے پُوچھ کہ کیا تیرے (بلکہ تمام جہانوں کے) پروردگار کے لیے تو لڑکیاں ہوں اور اُن کے لیے بیٹے؟ (ظالم لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ فرشتے عورتیں ہیں اور (نعوذ باللہ) خدا کی لڑکیاں ہیں اور کاہن لوگ انھیں قابو یا مسخر کر کے ان سے جماع بھی کر لیتے ہیں اور اس طرح خدا سے رشتہ بھی کر لیتے ہیں اور ان کے ذریعے سے اور بھی جو کام چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اُن حد درجہ شریر ظالموں کا خدائے برتر کے متعلق ایسا گندہ اور پلید عقیدہ تھا۔ اس پر یہ پُوچھا گیا کہ)

(۱۵۰) أَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ إِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُونَ ○ یا کیا یہ لوگ دیکھنے والے تھے کہ ہم (خدا) نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے؟

(۱۵۱) اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۙ خبردار! (سن رکھو) تحقیق یہ لوگ جھوٹ باندھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ

(۱۵۲) وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۙ اللہ نے (اولاد کو) جنا ہے اور تحقیق یہ (لوگ بالکل ہی) البتہ جھوٹے ہیں (وہ اولاد سے پاک ہے۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے۔ پھر جب یہ بات ہے تو اگر بالفرض اولاد بھی بناتا تو کیا لڑکیوں کو ترجیح دیتا؟ جیساکہ فرمایا)

(۱۵۳) اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۙ کیا (خدا نے) بیٹوں پر بیٹیوں کو چن لیا ہے (شرم کرو، یہ بے چاری تو جھگڑے میں اپنے حقوق تک بھی پیش نہیں کر سکتیں۔ دوسری کمزوریاں تو الگ رہیں)

(۱۵۴) مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۙ تمہیں (اے ایسا عقیدہ رکھنے والے ظالمو!) کیا ہوگیا؟ کیسے (ذلیل اور گرے ہوئے) فیصلے دیتے ہو؟ (اس سچی اور پاکیزہ تعلیم سے اثر نہیں لیتے۔ کوئی معقول جواب دو)

(۱۵۵) اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۙ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ (کیوں اس قدر طغیان وعصیان میں بڑھنے کی جرأت کرتے ہو اور دانستہ اندھے بنتے ہو؟)

(۱۵۶) اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ یا کیا تمہارے واسطے (اس بہت بڑے عقیدہ کی سند میں) کوئی (بھی معقول، ظاہر اور سچی اور) واضح دلیل ہے؟ (اس بے ہودہ اور ناپاک خیال کی دلیل بھی کیا ہوگی؟ اب انہیں نادم کرنے کو فرمایا)

(۱۵۷) فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ پس تم اپنی (کوئی ایسی) کتاب لے آؤ (جس میں یہ لغو و باطل خیال درج ہو (اور اسے عقلمندوں کی سوسائٹی میں پیش کرو) اگر تم سچے ہو (اور جس سے خدا کی لڑکیاں ثابت ہوں اور کاہنوں کا ان کو مسخر کرکے سب کام لینے کا ثبوت مل جائے اور پھر ان کاہنوں اور خدا میں سمدھی والا رشتہ ثابت ہو۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی معقول دلیل ہے تو سامنے لاؤ۔ تف ہے یہ نامعقول عقیدہ رکھنے والوں پر۔ ان لوگوں نے برائی میں یہاں تک ترقی کی کہ

(۱۵۸) وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ اور بنایا ان (ظالم مشرکوں) نے (اپنے دل کے چاؤں سے) اس

(خداتعا) کے درمیان اور جنّوں (یعنے کاہنوں، رمّالوں اور وہم پرست جفّاروں وغیرہ) کے درمیان رشتہ (ان بدبختوں نے خدائے قدوس کے داماد ٹھہرائے۔ نعوذ باللہ) اور البتہ جن (یعنی یہ کاہن اپنی بدکاری، بدعملی اور کذب وافترا کے سبب یقیناً) جان چکے ہیں کہ تحقیق وُہ (خُدا کی) حضوری میں پکڑے جائیں گے (لوگوں کا مال کھانا اور اپنے مرید بنانا، ان کو معلوم تھا کہ ایک دن یہ چیزیں رنگ لائیں گی، مگر دنیا کے لذائذ سے نکلنا بھی نہ چاہتے تھے اور خوب جانتے تھے کہ ہم لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں، کیوں کہ،

(۱۵۹) سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ○ اللہ پاک ہے، اُس سے جو یہ کہتے ہیں۔ اُن کو اسی لیے دُنیا اور آخرت میں رُسوائی ہے کہ دانستہ جرائم کرتے اور کراتے ہیں) مگر اللہ تعا کے چُنے ہُوئے بندے (ایسا کام نہیں کرتے، وُہ تو اگر بھُول جائیں تو فوراً مغفرت مانگتے ہیں۔ گناہ کرکے اصرار نہیں کرتے اس لیے وُہ گرفتار کرکے اور پابہ زنجیر نہیں لائے جاتے، بلکہ مہمانوں کی طرح عزّت وتوقیر اور شان وشوکت سے بُلائے جاتے ہیں۔ یہ ہے سعید وشقی کا بیّن فرق! اُس دن مجرمین الگ کیے جاتے ہیں اور مخلصین الگ۔ اب نیک اور خداپرست جنوں کا قول نقل فرمایا کہ وہ بدباطن پیروں اور ان کے مُریدوں کو کہتے ہیں کہ

(۱۶۱) فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ○ (۱۶۲) مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ○

(۱۶۳) اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ○ پس تم لوگ اور جن کی تم خداتعا کے سوائے پرستش کرتے ہو۔ کسی کو گمراہ نہیں کرسکتے (کون کسی کے جبر وغیرہ سے گمراہ بنتا ہے) مگر وہی (شخص) جو خود جہنم میں جانا چاہتا ہے (جو بدباطن ہو اور اپنے ہاتھوں دوزخ کا ایندھن اکٹھا کر رہا ہو۔ بس بات یہ ہے کہ یہاں کوئی بے انصافی نہیں ہے۔ ہر ایک کے ساتھ پُورا پُورا عدل وانصاف کیا جائے گا۔ جو جس لائق ہے وُہی پائے گا، کوئی کسی کے ذرہ بھر کام نہ آئے گا۔ ہر جماعت کے لیے الگ الگ حدُود مقرر ہیں اور اُن کو بتدریج ترقیاں حاصل ہوتی رہیں گی۔

(۱۶۴) وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○ اور ہم میں سے جو (بھی) ہیں (ہمارا معاملہ بالکل صاف رکھا جائے گا، ایک کی جگہ دوسرے کو نہیں ملے گی، شفاعت وسفارش بھی کسی کے کام نہیں آئے گی۔ قانون مقرّرہ کے مطابق جیسا کسی نے کیا ہوگا، اُس کے عین مناسب) اس کے واسطے معلوم (اور مقرر) جگہ ہے (کوئی کتنی بھی ترقی کرے۔ انسانیت سے

ہم آپ سے اِن کتابوں کے
مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں

فہرست کتب

تعلیمات قرآن
کلیات طغرائی
مطالعہ حدیث
برہان القرآن
ریحان القرآن
قرآن مجید اور رسول حمید
اسلام اور حریت و مساوات
التنقیح فی ولادۃ المسیح
تحقیق قربانی
خدا کی محبت
خاتم النبیین
خون کے آنسو
حضرت محمد رسول اللہ
ملت ابراہیم
برگ سبز
قول احسن
جنت کا گہنا

عـــہ
ـہ
۱۲/
۸/
۳/
۲/
۶/
۸/
۲/
۳/
۳/
۳/
۲/
۲/
۲/
۲/
۰/

محصول ڈاک بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ
مینیجر دفتر امت مسلمہ امرت سر - پنجاب

کتابوں کی مُفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسب ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر اُمّت مسلمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مُفت تقسیم ہو چکی ہیں:-

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد تقسیم
سکرٹری اُمّت مسلمہ امرت سر	۱۰ روپے	تفسیر سورۃ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمد رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	مِلّت ابراہیم	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے۔ لاہور	۱۰ روپے	قول احسن	۸۰
بابو عبداللہ خان صاحب	۱۰ روپے	برگ سبز	۸۰
جناب خواجہ رحمت اللہ صاحب	۱ روپے	قول احسن	۸۰

اب جنوری ۱۹۴۰ء میں جناب ایس۔ ایم۔ احسن صاحب کی طرف سے خاتم النبیّین کے ۸۰ نسخے مُفت تقسیم کیے جائیں گے۔ جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف ایک آنہ کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مُفت طلب کرسکتے ہیں۔

اہل خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں۔

سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرت سر

تعلیمات قرآن

مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری

اس کتاب میں جملہ اصول وعقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہونا چاہئے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے؀

اس کی کتابت نہایت عمدہ طباعت بہت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۲۴۰ صفحات قیمت فی نسخہ دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک

مطالعۂ حدیث

مدیر "نگار" کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے، جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اس لئے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقۃً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت ۱۲؍

دفتر امت مسلمہ امرتسر

(چربہ اُڑ گیا)

ضرورت ہے ایک مبلّغ کی

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کو ایک ایسے مبلّغ کی ضرورت ہے جو ہمارے جماعتی اصول ومقاصد کے مطابق مختلف شہروں اور قصبوں کا دورہ کر کے پوری جرأت اور بے باکی کے ساتھ تبلیغ کر سکے۔ اس کے لیے خوش بیان اور تجربہ کار مقرّر ہونے کے علاوہ دینی اور اخلاقی حیثیت سے بھی بہت تسلی بخش ہونا چاہیے۔ جو اصحاب قرآن پاک کی اشاعت اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کم سے کم تنخواہ لے کر اپنی خدمات پیش کر سکیں، انہیں اپنی علمی قابلیت اور اپنے ضروری حالات کی تصریح کے ساتھ بہت جلد اپنی درخواستیں بھیج دینی چاہئیں،

(نوٹ): بالمشافہ گفتگو کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکے گا۔

محمد حسین آنریری جنرل سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

تحقیق قربانی

اس کتاب میں قرآن مجید، تورات اور شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا ابوالکلام، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری، مولانا وحیدالزمان وغیرہم کے تراجم اور معتدبہ تفاسیر واحادیث اور اکثر جرائد واخبارات لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے وہ قدیم زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔ دوسرے بلاد وممالک میں اس کی قطعًا ضرورت نہیں قیمت صرف دو آنے (۲ر)

ملت ابراہیم

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ دین وصال ابراہیمؑ ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہوسکتی ہے قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے، جس میں قرآن ہی سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے (۲ر)

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم دور کرنے کے لئے کتنا بڑا جہاد کیا، یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے، اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجئے۔ قیمت دو آنے (۲ر)

جنت کا گہنا ایک نہایت سادہ سلیس اور عام فہم نظم ہے، جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف گھرانے کا فرض ہے کہ وہ اس نصیحت آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے اور حکمت کی باتوں سے ان کو فایدہ اٹھانے کا موقعہ دے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں۔

مینجر دفتر امت مسلمہ۔ امرت سر

حساب آمد وخرچ اُمت مسلمہ امرتسر

یکم نومبر سنہ ۱۹۳۹ء سے ۵ دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء تک

آمد البیان

منشی قمرالدین صاحب	۰	۰	۱
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	۰	۰	۱۰
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۰	۰	۲
میاں فضیلی	۰	۰	۶
قاضی ... امرتسر	۰	۸	۱
معرفت مستری تاج الدین صاحب	۰	۰	۱
جناب سید حیدر صاحب	۰	۲	۳
جناب مولانا محب الحق صاحب	۰	۳	۳
ہیڈ مسٹرس صاحبہ برہام پور	۰	۸	۱
چودھری دیدار بخش صاحب	۰	۰	۳
ڈاکٹر اللہ دتا صاحب	۰	۰	۱
جناب سردار اکرم خاں صاحب	۰	۳	۳
میسرز اے۔ایل منیار	۰	۱۱	۱
متفرق	۰	۰	۱
میزان	۰	۴	۳۹

عمارت فنڈ

شہاب الدین صاحب	۰	۰	۲۱
متفرق	۹	۲	۱
میزان	۹	۲	۲۲
رکنیت فنڈ	۰	۱۴	۰
لائبریری فنڈ			
حکیم طالب علی صاحب	۰	۰	۲
لٹریچر فنڈ			
جناب خواجہ رحمت اللہ صاحب	۰	۰	۱۰
میزان آمد	۹	۴	۷۴
سابقہ بقایا	۶	۳	۲۸۴
کل میزان	۳	۸	۳۵۸
اخراجات			
البیان	۶	۷	۱۰۴
عمارات	۰	۴	۶
کتب خانہ	۶	۶	۵
تبلیغ	۰	۱۱	۴
میزان	۰	۱۲	۲۰
بقایا	۳	۱۱	۳۷

ضرورت ہے: ہمارے مخدوم جناب میاں محمد امین الدین صاحب کو بلاغ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۲۳ء کے ایک پرچہ کی ضرورت ہے۔ کوئی صاحب جناب موصوف کے پتہ ذیل پر مطلوبہ پرچہ بھیج کر دفتر اُمت کو شکر گذاری کا موقعہ دیں :- میاں محمد امین الدین صاحب فیض باغ - دونالی پل - لاہور

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیانٌ للنّاس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات و معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ واجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الاماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں نہ کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانون وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:- منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (للعہ) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر اُمّت مسلمہ امرتسر

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے | سالانہ تین روپے

البیان

اُمتِ مُسلمہ امرت سر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ — فروری ۱۹۴۰ء — نمبر ۲

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرت سر میں چھپوا کر دفتر اُمتِ مُسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرت سر سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

کوئی مشکل، کوئی مصیبت، کوئی کٹھن مرحلہ، کوئی نازک معاملہ ہماری زندگی کی سڑک پر ابھی دُور کسی فاصلے کے مقام پر ہی ہوتا ہے کہ ہماری طبیعت پریشان ہوجاتی ہے۔ مشکل ابھی آنہیں چکتی، مگر ہم پہلے ہی مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ مصیبت ابھی وارد نہیں ہوتی، مگر ہم خواہ مخواہ اپنی زندگی کو تلخ بنا لیتے ہیں۔ کوئی کٹھن مرحلہ، کوئی نازک معاملہ ابھی درپیش ہونے میں خدا جانے کتنا وقت لے، مگر ہم اپنے دل و دماغ کو اس کے وقوع و وجود سے پہلے پہلے اس حد تک متاثر کر لیتے ہیں کہ ہمارا وقت اتنا ہی رنجیدگی اور شکایت کے ساتھ گذرنے لگتا ہے، جتنا سچ مچ تنگی اور تکلیف میں مبتلا ہونے کی حیثیت میں گذرنا چاہیے تھا۔ عمیق النظر غالب کتنی دور پہنچا ہے:

بے تکلف در بلا بودن بہ از بیم بلاست
قعرِ دریا سلسبیل و روئے دریا آتش است

حالاں کہ یہ بات واضح ہے کہ ہم اپنے اعمال و ضروریات کے باعث اپنی زندگی کے بڑے بڑے واقعات (جو جد و جہد کے طالب ہوتے ہیں یا فکر و تردد کا باعث) اپنی گذرگاہ پر خود کھڑے کر لیتے ہیں۔ دانش مندی کا طریقہ تو یہ ہونا چاہیے کہ ہم اُن واقعات سے وُہی کام لیں، جو ایک مسافر کسی منزل سے یا کارواں کسی سرائے سے لیتا ہے یعنی سستانا، سوچ بچار کرنا اور آئندہ منزل کے لیے سامانِ سفر درست کرنا، لیکن ہوتا یہ ہے کہ زندگی کے اہم فرائض و واقعات، بجائے اس کے کہ ہم اُن سے عہدہ برا ہو کر صحیح اور سچی مسرت حاصل کریں، اُلٹا ہماری غفلت و کوتاہی کے باعث، درد و مصیبت کے نتائج پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ تقدیر کا ماتم کرنے والے تو قریباً سبھی ہوتے ہیں، بے تدبیری اور بے عملی پر آنسو گرانے والا کوئی نہیں ہوتا!

کسی کام کو مشکل سمجھ کر نہ صرف اس سے گریز کرنا بلکہ اس کے تصور ہی سے اپنے آپ میں کمزوری اور بزدلی کے جذبات کو نشو و نما کا موقعہ دینا، جب کوئی قوم انتہائی ذلت اور محکومیت کے مقام پر پہنچ جاتی ہے، تو اس کے دل و دماغ میں بزدلی کی یہی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ فنا آمادہ قوم کا محبوب ترین شیوہ یہ قرار پاتا ہے کہ جب کبھی اُسے کوئی ٹھوس کام کرنے کی دعوت دی جائے، کسی اچھے نصب العین کے حصول کی ترغیب دلائی جائے، تو اُس کے ایک ایک فرد کی زبان پر مشکل، محال، ناممکن اور نامناسب ایسے الفاظ کا ورد جاری ہو جائے گا۔ وقت، مال اور جان، جو قوم ان تینوں چیزوں کا ایثار کر سکتی

ہے، اس کے لیے کوئی زوال نہیں، کوئی ذلت نہیں اور کوئی فنا نہیں، مگر دنیا کی جن قوموں کے پاس ایثار و جہاد کا یہ جوہر موجود نہیں، آپ یقین کیجیے، اُن کے لیے کوئی بلندی نہیں، کوئی عزت نہیں اور کوئی زندگی نہیں ـــــــ آج ہندوستان کے مسلمان وقت، مال اور جان کے ایثار سے پوری طرح گریزاں ہیں نتیجہ یہ ہے کہ عزت و آزادی کی ساری قوتیں اس قوم سے بے نیاز ہو چکی ہیں۔ اگر میں تقدیر کا قائل ہوتا، تو مجھے یہ دعویٰ کرنے میں کوئی باک نہ ہوتا کہ خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے یہ بات مقدر کر دی ہے کہ وہ اپنی بے عملی اور بے جہاد زندگی کی پاداش میں جو سزائیں بھگت رہے ہیں، انہیں روئے زمین کی ساری قوموں کے لیے عبرت و بصیرت کا نشان بنا دیا جائے :

یہ صحیح نہیں کہ ہم لوگوں میں اپنے زوال و انحطاط کا مطلقاً احساس نہیں۔ احساس ضرور ہے اور اس کے ساتھ یہ فرض بھی غلطی ہے کہ سَو میں سے پانچ مسلمان ایسے بھی ضرور ہیں جو اپنے دلوں میں خدمتِ دین کی گہری تڑپ رکھتے ہیں، مگر یہ احساس اور تڑپ اُس وقت تک مفید نہیں، جب تک اِس کا صحیح استعمال نہ کیا جائے۔ ہمارے ہاں قومی خدمات سرانجام دینے کا عام طریق یہ ہے کہ جو شخص کام کرنا چاہتا ہے وہ اپنے عمل کا آغاز بعد میں کرتا ہے، مگر "انجمن" پہلے بنا ڈالتا ہے۔ قواعد و ضوابط، دستورالعمل اور انتخاب ارکین ہی کے جھمیلوں میں نہ صرف وقت گذر جاتا ہے، بلکہ انجمن بھی گذر جاتی ہے۔

عام طور پر یہ چیز قریب قریب سبھی انجمنوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے کہ کسی مخصوص معاملے کے لیے ایک مخصوص کمیٹی بنا دی جاتی ہے اور آپ یقین کیجیے، یہ ایک ایسا غلط طریق کار ہے جس نے ہماری انجمنوں اور سوسائٹیوں کو پوری طرح بے حس و بے عمل بنا کر رکھ دیا ہے۔ راقم حروف کو اپنے اس خیال پر اس حد تک اعتماد ہو چکا ہے کہ اُس کے نزدیک یہ امر شدید ضروری ہے کہ اُردو زبان میں ایک ایسی ضرب المثل رواج دی جائے جس کا مفہوم یا الفاظ یہ ہوں کہ "جس کام کو ٹالنا یا نہ کرنا مقصود ہو، اُسے ایک سب کمیٹی کے سپرد کر دینا چاہیے"

ـــــــ سب کمیٹی بنا ڈالنے کا صاف مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم "انفرادی ذمہ داریوں" کی اہمیتوں کو سمجھنے کے قابل نہیں ہیں؟ میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ فرض کیجیے کسی مجلس کے ارکان کسی معاملے کو سرانجام دینے کے لیے زید، بکر اور عمرو کی ایک سب کمیٹی بنا دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اپنی اپنی جگہ پر ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ختم ہو جائے گا۔ زید کا خیال ہو گا، میرا کیا ہے، بکر اور عمرو ہی اس کام کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ بکر یہ سوچے گا کہ عمرو اور زید مل کر یہ کام کر لیں گے۔ عمرو یہ سمجھے گا کہ زید اور بکر کافی ہیں، میں اگر شامل نہ بھی ہو سکا، تو بھی وُہ سارا معاملہ سرانجام دے لیں گے جب تینوں ارکان مساوی طور پر ایک ہی طرح کے خیالات کے دائرے میں محصور ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ جو کام اُن کے سپرد کیا گیا ہے، وہ پورا ہو سکے۔

اُمتِ مسلمہ امرت سر کا سالانہ جلسہ جو گذشتہ دو برس سے دسہرے کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا تھا، اب کے رمضان کے باعث دسہرے کے دنوں میں منعقد نہ ہو سکا چنانچہ تاریخ تبدیل کی گئی اور اسے کرسمس کے آخری دو دنوں پر ملتوی کیا گیا جن دنوں

اس کے التوا کا فیصلہ کیا گیا تھا، اس وقت یہ بھی اطمینان تھا کہ جلسے کے انتظامات میں اور روپے کی فراہمی میں اس مرتبہ خصوصیت سے ساتھ جو کمی رہ گئی ہے، وہ تین ماہ کی مزید مہلت میں جو ہمیں اتفاقاً حاصل ہو گئی ہے، پوری ہو جائے گی مگر یہ اطمینان غلط ثابت ہوا۔ ہماری مجلس کے سب سے زیادہ سرگرم رکن، محترم خواجہ ضیاء اللہ صاحب اکتوبر ۱۹۳۹ء کے اوائل ہی میں علیل ہو گئے۔ انہیں اختلاج قلب کی بہت پرانی شکایت ہے، مگر تکلیف کبھی اس مقام تک نہیں پہنچی تھی کہ اُن کے نجی اور مجلسی کاموں میں رکاوٹ کا باعث ہوئی ہو۔ سالانہ جلسے کے انتظامات کے سلسلے میں قریب قریب سارے فرائض انہیں سے متعلق تھے اور اُن کی اپنی حالت یہ تھی کہ تین ماہ تک شب و روز چارپائی پر پڑے رہے۔ جوں جوں جلسے کے ایام قریب آ رہے تھے، ہم سب اپنی اپنی جگہ پہ بے چینی اور تشویش میں مبتلا تھے۔ چند ارکان کا یہ خیال تھا کہ جلسہ ایک بار پھر ملتوی کر دیا جائے، مگر خواجہ صاحب موصوف نے ہمیں اس کی اجازت نہیں دی۔ اُن کا خیال تھا کہ سالانہ جلسہ ہی ہماری مجلس کی زندگی کا ایک نمایاں عنصر ہے اور اسے ملتوی کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی رہی سہی سرگرمیوں کا خود اپنے ہاتھوں سے خاتمہ کر ڈالیں۔

ایک مرتبہ میں بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا۔ باتوں باتوں میں جلسے کا ذکر آ گیا۔ کہنے لگے "بھلا یہ تو بتاؤ، کہ اگر میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں، تو پھر تم کبھی جلسہ منعقد نہ کرو گے؟ مجھ اکیلے آدمی پر اس حد تک انحصار رکھنا کہ اگر میں کسی کام کو نباہ نہ سکوں، تو دوسرا کوئی بھی میری جگہ لینے کے لیے آگے نہ بڑھے، قطعاً ناجائز ہے۔ میں باوجودیکہ بیمار ہوں، پھر بھی میں ہر تکلیف اٹھا کر جلسے کے سارے انتظامات خود مکمل کر لوں گا"۔

اس سلسلے میں دفتر کی طرف سے جس قدر تحریری کام کی ضرورت تھی، وہ اُن کی ہدایات اور اُن کے مشوروں کے مطابق جاری رہا۔ علماء و مقررین کے ساتھ خط و کتابت کی گئی اور یہ کہنا چاہیے کہ ہمیں سب کی طرف سے حوصلہ افزا جواب موصول ہوئے۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کو خواجہ صاحب کی صحت نے کسی قدر چلنے پھرنے کی اجازت دی۔ تو ہم لاہور کے احباب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گوجرانوالہ جانے کا قصد تھا، مگر جناب پیرزادہ محمد ابراہیم حنیف نے وہاں کے احباب سے خط و کتابت کرنے اور انہیں جلسے میں شرکت کی دعوت دینے کا ذمہ اٹھا لیا، خواجہ صاحب کی طبیعت مزید سفر کی متحمل بھی نہ تھی، اس لیے پیرزادہ موصوف کے وعدے کو غنیمت سمجھ کر ہم شام کو واپس چلے آئے۔

۲۷ دسمبر ۱۹۳۹ء کو ترن تارن پہنچے، ۲۹ کو لدھیانے جانا پڑا۔ دینا نگر کے احباب نے ہمیں اس مرتبہ ایک تکلیف دہ سفر سے بچا لیا اور جو خدمت ہمیں وہاں پہنچ کر اُن سے حاصل کرنا تھی، وہ صرف ایک یاددہانی کے ذریعے حاصل ہو گئی۔ اس امر کا افسوس ہے کہ خواجہ صاحب کی علالت نے اس مرتبہ گجرات اور سیالکوٹ کے احباب کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہ دی۔

اس اقتصادی بدحالی کے نازک دور میں روپیہ کہاں سے آئے؟ اور روپے کے بغیر قومی ضرورتیں کیونکر پوری ہوں؟ یہ دونوں سوال اپنی اپنی جگہ پر پوری اہمیت رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو جلسوں کے مقابلے میں اس مرتبہ جلسے کے مصارف کے لیے نسبتاً بہت کم روپیہ جمع ہو سکا۔ پھر بھی ہم اپنے احباب کی مالی امداد کے ہر لحاظ سے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے حتی المقدور اپنے سالانہ اجتماع کی مالی

امداد فرمائی۔ ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب، بیگم صاحبہ خواجہ محمد عباد اللہ اختر، میاں فیض بخش صاحب چغتائی، جناب ایس ایم احسن صاحب، خواجہ رحمت اللہ صاحب، خواجہ سخاء اللہ صاحب، بابو عبد الرحیم صاحب، شیخ عبد الرحمٰن صاحب انصاری۔

ان سارے دوستوں کے مالی اور اخلاقی تعاون کا ہمارے دلوں میں احترام ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے بہرہ مند رکھے اور خدمت دین کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔

خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان نے مہمانوں کی خدمت و تواضع میں قابلِ تحسین حصہ لیا۔ ایک وقت کا کھانا خواجہ ضیاء اللہ صاحب نے، ایک وقت کا خواجہ سخاء اللہ صاحب ایم اے نے اور ایک وقت کا خواجہ نعمت اللہ صاحب نے اپنے ذمے لے لیا۔ ان تینوں دوستوں نے تجدد اللہ پوری فراخ دلی کے ساتھ باہر سے تشریف لانے والے احباب کی مہمان نوازی کی۔ کھانے کے علاوہ چائے کے اخراجات بھی ان ہی اصحاب نے اٹھائے۔ مہمانوں کے قیام وغیرہ کے سلسلے میں بستر وغیرہ بھی زیادہ تر اسی خاندان نے مہیا کیے۔

محترم بابو چراغ الدین صاحب سدھو خصوصیت کے ساتھ ہمارے شکریہ کا استحقاق رکھتے ہیں کہ پچھلے برس بھی مہمانوں کی ایک وقت کی ضیافت اُن ہی کے ہاں تھی اور اب کے بھی ایک وقت کا کھانا انہیں نے کھلایا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کے جذبات صدق و خلوص کی جزا کے لیے دعا مانگتے ہیں۔

منتظمین جلسہ میں سے خواجہ ضیاء اللہ صاحب کے علاوہ آپ کے صاحب زادے ڈاکٹر احسان اللہ صاحب نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر کام کیا۔ اُن کے پاؤں میں تکلیف تھی لیکن اس کے باوجود جلسے کے اہتمام میں تگ و دو کرتے رہے اُن کی خدمت خالص رضاکارانہ تھی۔ جو کام اُن کے سپرد کیا گیا، وہ چھوٹا ہو یا بڑا، انہوں نے بے لیت و لعل، نہایت خوشی سے سرانجام دیا۔ عبد الرحیم صاحب قریشی کی خدمت سب سے زیادہ قابلِ ذکر ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اُمتِ مسلمہ میں مزدوروں کی طرح اَن تھک کام کرنے والا کارکن کون ہے؟ تو کم از کم میرا جواب یہی ہوگا کہ قریشی صاحب اس بارے میں اپنا کوئی حریف نہیں رکھتے۔ تعریف و ستائش سے بے نیاز رہ کر صرف اللہ کے لیے کام کرنا، یہ اُن کی ایسی خصوصیت ہے جس میں اُن کا کوئی حریف نہیں۔ ۲۹ر دسمبر کو انہیں باہر کسی کام کے لیے بھیجا گیا، کافی رات گئے وہ واپس تشریف لائے۔ اُن کے بازوؤں اور کہنیوں پر زخم تھے۔ معلوم ہوا کہ راستے کی عدم واقفیت اور رات کی گہری تاریکی کے باعث وہ ایک بدرو میں گر گئے تھے۔ اُن کا سارا لباس کیچڑ میں لت پت ہوگیا۔ اسی تکلیف دہ حالت میں وہ لاری میں بیٹھ کر چالیس میل کا سفر طے کرکے واپس آئے اور بغیر کسی آرام کے پھر اپنے فرائض پر حاضر ہوگئے۔ دو دن اور دو راتیں اپنے سارے کام چھوڑ کر وہ مزدوروں کی طرح جلسے میں کام کرتے رہے۔ اُن کا عزم و جہاد، اُن کی بے ریا خدمت دیکھ کر دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش! ہماری جماعت کو اس طرح کے دو چار اور عبد الرحیم

قریشی مل جائیں۔ ہمارے کئی کام صرف اس طرح کے مخلص مجاہدوں کی توجہ فرمائی کے تشنۂ احتیاج ہیں۔

خلیفہ عبد اللہ صاحب عمر رسیدگی کے باوجود سارے انتظامات میں ہمارا ہاتھ بٹاتے رہے۔ اُن کی خدمت بالکل خاموش خدمت تھی۔ مہمانوں کے آرام و آسائش اور پنڈال کے انتظامات میں انہوں نے گہری توجہ کے ساتھ کام کیا۔ جلسے کے آخری روز، وہ بالکل مزدور بن گئے، یہاں تک کہ ایک تخت اُٹھاتے ہوئے اُن کے شانے میں درد اُٹھا، اور جلسے کے بعد وہ اس قابل بھی نہ رہے کہ اپنے ذاتی روزگار پر حاضر ہو سکیں (اس وقت بھی جب کہ یہ الفاظ دفتر سے دُور دراز ایک گاؤں میں بیٹھ کر لکھے جا رہے ہیں، معلوم نہیں اُن کی صحت کا کیا حال ہے؟)

خواجہ ضیاء اللہ صاحب (شاید خدا تعالیٰ نے انہیں صرف ایامِ جلسہ ہی کے لیے صحت عطا کی تھی) جلسے کے معاً بعد پھر علیل ہو گئے۔ اُن کی طبیعت میں ابھی کمزوری باقی تھی، کثرتِ کار نے انہیں پھر مضمحل کر دیا ہے۔ ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے عاجل سے بہرہ مند کرے۔

تعجب ہے کہ جن مقرروں کے متعلق ہمیں پورا وثوق تھا کہ وہ جلسے میں ضرور شرکت فرمائیں گے، وہی اصحاب سب کے غیر حاضر تھے۔ مولانا عبد المجید صاحب قریشی ہمارے گذشتہ جلسوں میں بلاناغہ تشریف لاتے، آپ نے اس مرتبہ بھی تشریف آوری کا وعدہ فرمایا تھا، لیکن ہمارے انتظار کو بہت مایوسی ہوئی کہ وہ خود آسکے نہ یہ اطلاع بھیجی کہ اُن کی عدم شرکت کا باعث کیا ہے؟ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کا سب دوستوں کو بڑے اشتیاق کے ساتھ انتظار تھا۔ جلسے سے ایک ہی روز پہلے اُن کا گرامی نامہ موصول ہوا کہ وہ اپنے بچوں کی علالت کے باعث تشریف نہیں لائیں گے۔ حکیم مولوی عبد الحکیم صاحب نے بلا کسی درخواست کے پیشکش فرمائی تھی کہ وہ ہمارے جلسے میں شامل ہو کر "اسلام اور فرقہ بندی" کے موضوع پر تقریر کریں گے۔ لیکن وہ بھی غیر حاضر رہے۔ شیخ عبد القادر صاحب بیرسٹرایٹ لاء، سیالکوٹ ہمارے قدیم کرم فرما ہیں، اُن کا بھی بے حد انتظار تھا، مگر اُنہوں نے اطلاع بھیجی کہ وہ کسی نجی معذوری کے باعث جلسے میں شامل نہیں ہو سکیں گے ——— بیرونی احباب کو بالعموم اور لاہور کے دوستوں کو بالخصوص ان اصحاب کی عدم تشریف آوری کا بہت احساس تھا۔ بعض دوستوں میں چہ میگوئیاں بھی ہوئی تھیں کہ کہیں ان بزرگوں کے نام بلا اجازت تو پروگرام میں نہیں دیے گئے؟ ہم اس قسم کے شکوک کی پوری ذمہ داری کے ساتھ تردید کرتے ہیں۔ تمام مقررین جن کے اسمائے گرامی پروگرام میں شامل کیے گئے ہیں، اُن کے خطوط دفتر میں محفوظ ہیں!

---

۲۹ دسمبر کی رات کو گجرات سے جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل، جناب احمد مختار صاحب کنسلٹنگ انجینیر اور جناب قاضی فضل احمد صاحب سینیٹری انسپکٹر تشریف لائے۔ دوسرے روز جناب مولوی ابو عیسیٰ صاحب، میاں مہر بخش صاحب چاندی والے

غازی محمود دھرمپال بی اے لدھیانوی، جناب چودھری غلام عباس خاں صاحب ایم اے، جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے، جناب ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب اسسٹنٹ سرجن، جناب چودھری بشیر احمد صاحب بی اے، جناب منشی حضور علی صاحب، جناب میاں محمد امین الدین صاحب، جناب خلیفہ نور احمد صاحب اور جناب خواجہ ضیاء اللہ صاحب ایم اے وغیرہ معززین تشریف فرما ہوئے۔ میں اُمت مسلمہ امرتسر کی طرف سے ان سب حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اس کڑاکے کی سردی میں اپنے وقت و زر کی قربانی کے ساتھ ایک خالص دینی خدمت کے لیے دُور دراز سے حاضر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مخلصانہ تگ و دو کو شرف قبولیت سے مشرف فرمائے۔

جلسے میں جس قدر لیکچر ہوئے، مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ ان پر تنقید و تبصرہ، اگر مشکل نہیں، تو فرصت طلب ضرور ہے، اس لیے اس کا موقعہ تو اب میسر نہیں۔ ہاں میرے نزدیک کم سے کم الفاظ میں ان تقریروں کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ اس سے پیشتر ہمارے جلسوں میں ایسی بلند پایہ، خالص علمی اور مفید تقریریں پیش نہیں کی گئیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ یہ ساری تقریریں البیان کے قارئین تک پہنچا دی جائیں۔ زیر نظر اشاعت میں جناب پروفیسر شبیر احمد صاحب ایم ایس سی کے لیکچر "قرآن اور حیاتیات" کا ایک حصہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے صفحات کے نمبر آئندہ قسطوں پر مسلسل جائیں گے، گویا یہ ایک مستقل کتاب بن جائے گی (تفسیر بیان للناس کی طرح، جو بالاقساط پرچے میں چھپ رہی ہے)۔ ہم اپنے ناظرین کو مشورہ دیں گے کہ وہ "قرآن اور حیاتیات" کے اجزا پرچے سے الگ کر لیں اور اس کا سرورق (جو عنقریب چھاپ دیا جائے گا) ایک آنے کا ٹکٹ بھیج کر دفتر اُمت مسلمہ سے منگوا کر اپنی کتاب مکمل کر لیں۔

جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ کئی ماہ تک اعلان شائع ہوتے رہے اور جب ایام جلسہ قریب آ پہنچے تو [illegible] ہزار پوسٹر اور ہینڈ بل چھاپ کر امرتسر اور اس کے نواحی شہروں میں شائع کیے گئے۔ مقامی معززین کو شرکت اجلاس کی دعوت دینے کے لیے ۵۰۰ کی تعداد میں ایک مطبوعہ چٹھی تیار کی گئی اور فرداً فرداً تمام معززین کی خدمت میں ارسال کی گئی۔ متواتر تین روز تک جلسے کے انعقاد کے متعلق شہر میں منادی کرائی گئی۔ بیرونی حضرات کی خدمت میں الگ خطوط لکھے گئے۔ غرضیکہ ایک سالانہ جلسے کو کامیاب بنانے کے لیے ایک مجلس نہیں، بلکہ ایک فرد واحد جس قدر کوشش کر سکتا ہے، کی گئی، مگر جن دو [illegible] کی طرف ان سطور کے آغاز میں اشارہ کیا جا چکا ہے، یعنی یہ کہ کسی چیز کو مشکل سمجھ کر اس کے اہتمام سے گریز کرنا اور ہر معاملے کو سرانجام دینے کے لیے سب کمیٹی کا بنانا، تو یہی دو امور ہیں، جو فی الحقیقت ہمارے اجلاس پر بھی موثر ہوئے۔ [illegible] مقررہ تاریخوں میں صرف تین ہفتوں کا وقفہ رہ گیا تھا، مگر مجلس کے نئے ارکان، خواجہ ضیاء اللہ صاحب کی علالت کو بہانہ [illegible] التواء اجلاس کی تحریک کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ۸ر دسمبر ۳۹ء کو مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد ہوا، اور اس میں یہ

معاملہ پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں بھی خواجہ صاحب کا یہ پیغام پہنچا، کہ جلسے کو ملتوی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ تمام معاملات خود سرانجام دے لیں گے۔ اب مجلس نے انعقاد کا خیال تو چھوڑ دیا، مگر اس کے ساتھ اتنی احتیاط ضرور کی کہ پانچ اصحاب کی ایک سب کمیٹی روپے کی فراہمی اور جلسے کے انتظام کے لیے مقرر کر دی۔ اس کمیٹی نے اپنا کام شروع کرنے کے لیے ایک خاص تاریخ اور ایک خاص وقت مقرر کر لیا۔ مجھے یہ بیان کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ ذمہ داری کے عدم احساس اور وقت کے عدم التزام کے باعث یہ اصحاب ایک مرتبہ بھی جمع ہو کر کام نہیں کر سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ روپیہ جمع ہو سکا، نہ انتظامات مکمل ہوئے، اور ہمارا اجلاس ان دوستوں کی سعی و کوشش کا مرہونِ احسان ہوئے بغیر ہو گیا۔

میرا یہ منصب نہیں ہے کہ میں ارکانِ مجلس کے معاملات پر نکتہ چینی یا اعتراض کی جرأت کروں، مگر یہ سب کچھ اس واسطے کیا جا رہا ہے کہ آپ حضرات اس نکتہ چینی کی روشنی میں اپنے حال و استقبال میں کوئی مفید طریقِ عمل پیدا کر سکیں۔ دو باتیں ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہییں۔ اول یہ کہ جب ہم کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیں، تو ہماری جماعتی زندگی اور اس کے ماحول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے فیصلے سے بطریقِ احسن عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں، نہ یہ کہ اس کو وبالِ جان سمجھ کر غفلت و احتراز کی راہ اختیار کر لیں۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ سب کمیٹی بنانے کا سسٹم بالکل ترک کر دیا جائے۔ جب کبھی کوئی معاملہ ہمارے در پیش ہو، تو سب کمیٹی کے بجائے کسی ایک مناسب کارکن کو اس کا ذمہ دار اور مہتمم مقرر کر دیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی سہولت کے خیال سے مجلس کے بعض دوسرے ارکان سے بھی استفادہ کر لے، اُن سے مشورے حاصل کرے یا اُن کی امداد سے فائدہ اٹھائے، مگر ذمہ دار بہرحال ایک ہی شخص ہو، تاکہ وہ اس فکر کے باعث کہ مجلس اُس سے باز پرس کرے گی، اپنے فرائض کو پوری تن دہی کے ساتھ سرانجام دے سکے۔

آخر میں مجھے ان احباب کرام کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کے دل کی تڑپ یہ تھی کہ وہ ہمارے اجلاس میں شامل ہوں، مگر حالات نے ان کو شمولیت کی اجازت نہ دی۔ جناب مولوی نور محمد صاحب (عربی ولوی) مردان کا ایک درد بھرا مکتوب موصول ہوا کہ وہ اپنی علالت اور بعض دوسری مجبوریوں کے باعث شاملِ اجلاس نہیں ہو سکتے۔ جناب ایس ایم احسن صاحب خازن آفیسر جو مہینوں سے ہمارے اجلاس میں شمولیت کے لیے بے قرار تھے اور جو بڑے صدق و خلوص کے ساتھ پچھلے ایک سال سے دفتر اُمتِ مُسلمہ کو اپنی مالی اور اخلاقی سرپرستی سے ممنون فرما رہے ہیں، اپنی انتہائی ارادت و عقیدت کے باوجود تشریف نہیں لا سکے۔ اجلاس سے دو ایک دن پہلے آپ کا تار موصول ہوا کہ آپ اپنے والد محترم کی علالت کے باعث شمولیتِ اجلاس سے مجبور رہیں گے۔ میاں مہر بخش صاحب چغتائی جنہیں اُمتِ مُسلمہ کے مقاصد کے ساتھ انتہائی عشق و شغف حاصل ہے، اُن کا گرامی نامہ موصول ہوا کہ بعض مجبوریوں کے باعث وہ شاملِ اجلاس نہیں ہو سکتے ——— ہم ان تمام کرم فرماؤں کے شکریے کے ساتھ دعا گو بھی ہیں اور آرزو مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی دردمندی اور اُن کے اخلاص کو قبول فرمائے، انہیں دین و دنیا کی خدمات کی توفیق دے اور دنیا و آخرت کی حسنات سے بہرہ مند رکھے۔

محمد اقبال سلمانی

قرآن اور حیاتیات

پروفیسر شیر احمد صاحب
ایم ایس سی (آنرز)

قرآن اور حیاتیات

قرآن اور سائنس | بعض علماء کا خیال ہے کہ مذہب کا سائنس سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے کہ سائنس جن چیزوں کو صحیح یا باطل ٹھہراتا ہے۔ ان سے مذہب کا کوئی سروکار نہیں۔ میرے خیال میں یہ نظریہ کسی قدر تنگ نظری پر مبنی ہے۔ سائنس کی غرض وغایت یہ ہے کہ مظاہر و شواہد قدرت کا مطالعہ کیا جائے اور ان سے نتائج اخذ کر کے انسانی ترقی وبہبود کے ذرائع تلاش کیے جائیں۔ مذہب کا نصب العین بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں۔ جو حقائق سائنس کا سرمایہ ہیں، ان کا بیشتر حصہ مذہب کے حدود میں بھی شامل ہے بعض مذہبی مسائل کے سمجھنے کے لیے ہمیں سائنس سے استمداد کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ذہن انسانی کو شواہد قدرت کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا گیا ہے تاکہ انسان ان سے نتائج اخذ کر کے اپنی راہ نمائی کر سکے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (۱۲ع۱۰۵)	اور آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں، لیکن (افسوس انسان کی غفلت پر کہ) لوگ ان پر سے گذر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے تک نہیں۔

بلاشبہ، قرآن دیگر الہامی کتب کی طرح فاطر کائنات کی زبان سے نکلا ہوا ایک قول ہے اور مظاہر و شواہد فطرت اس کی مشیتِ کاملہ کا ایک فعل ہیں۔ پھر کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے قول و فعل میں تطابق نہ ہو؟ یقیناً یہ تطابق موجود ہے اور یہی تطابق اسلام کے دینِ فطرت ہونے کی دلیل ہے۔ قول کی صداقت وتفہم کے لیے فعل کا مطالعہ ایک

لابدی امر ہے۔ اگر فعل کو نظرانداز کر دیا جائے تو نہ تو قول کی پوری تشریح ہمارے سامنے آسکتی ہے اور نہ اس کی صداقت کے ہم پورے یقین کے ساتھ قائل ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جابجا ظواہرِ فطرت کے مطالعہ پر زور دیا گیا ہے اور آیات کے فہم و ادراک کے لیے اُن سے استشہاد کیا گیا ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ (۷/۱۸۵) — آیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور خدا کی پیدائش کے باب میں کچھ غور نہیں کیا؟

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (۲۹/۲۰) — کہہ دے کہ کائنات ارضی کی سیر و مطالعہ سے ابتدائے تخلیق کی ٹوہ لگاؤ!

حدودِ مذہب و سائنس | یہ صحیح ہے کہ سائنس کے بعض مسائل ایسے ہیں جن کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً عناصر (ELMENTS) کتنے ہیں؟ پانی کن عناصر سے مرکب ہے؟ ہوا کا وزن کیا ہے؟ روشنی کی رفتار کیا ہے؟ بجلی کی ماہیت کیا ہے؟ سالمات (ATOMS) کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل کو مذہب کی دُنیا میں تلاش کرنا عبث ہے۔ اِسی طرح مذہب کے بعض مسائل ایسے ہیں، جن سے سائنس کو کوئی تعلق نہیں، مثلاً: خدا موجود ہے یا نہیں؟ مرنے کے بعد کسی قسم کی زندگی ہوگی؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کی کیا حقیقت ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب کے ہر مسئلہ کو بلا استثنا، سائنس کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا قرینِ دانش مندی نہیں، مگر اس کے ساتھ ہی یہ قول بھی کہ سائنس کی دُنیا مذہب کی دُنیا سے بالکل علیحدہ ہے، صحت پر مبنی نہیں۔ مذہب کے متعدد مسائل ایسے ہیں، جن کے صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں سائنس کے مشاہدات و نتائج سے مدد لینی پڑتی ہے۔

قرآن حکیم میں یہ حقیقت واشگاف نظر آئے گی کہ مذہب کا سائنس کے ساتھ ایک حد تک تعلق ضرور ہے۔ اس حد کی تعیین قرآن میں پورے طور پر کی گئی ہے۔ عمرانی، اخلاقی، معاشی اور ازدواجی مسائل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سائنس کے ایسے بیّن اور مبرہن اصولوں پر پیش کیا ہے کہ ہم اپنے مشاہدات اور عقلی نتائج کی روشنی میں اُن کو پورے طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ باقی رہے، وہ مسائل جو مابعد الطبعیات سے متعلق ہیں اور اقلیم رُوحانیت کا

مخصوص سرمایہ ہیں، ان کے متعلق ایسا انداز اختیار کیا گیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ انسانی فہم و ادراک انہیں مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایسی صورت میں "ایمان بالغیب" پر زور دیا گیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اُن مسائل پر بھی جن کا ادراک ہم اپنے مشاہدات و نتائج کی وساطت سے کر سکتے ہیں، غور و فکر نہ کیا جائے تو یقیناً یہ معقولیت کے منافی ہے۔ بلاشبہ اس پہنائے عالم میں ایسے اسرار کارفرما ہیں، جن کو سمجھنے کی ہم قدرت نہیں رکھتے، مگر اس کے ساتھ ہی ہم یہ دعویٰ بھی نہیں کر سکتے کہ یہ دُنیا سراسر اسرار ہی کا مجموعہ ہے، اس کے کسی معاملہ کو ہم سمجھ نہیں سکتے اور جو کچھ ہم پر اُتارا گیا ہے، بلا غور و تامل اس پر ایمان لے آئیں۔ اگر یہی حقیقت تھی تو اللہ تعالیٰ نے بار بار قرآن حکیم میں کیوں غور و فکر کرنے پر انسانی توجہ مبذول کرائی؟

اگر مذہب کا تعلق سائنس کے ساتھ مطلقاً نہ ہوتا، تو کیا ضرورت تھی کہ قرآن میں اُن حقائق سے استشہاد کیا جاتا ہے جو سائنس کا موضوع فکر و نظر ہیں۔ کہیں سورج اور چاند کی قطع منازل اور دیگر سیاروں کی رفتار و حرکت کی طرف اشارہ ہے، کہیں حیوانات و نباتات کی خلقت کی تصریح کی گئی ہے، کہیں جوّی و ارضی مسائل کی طرف تلمیحات ہیں، کہیں نوامیس طبعیہ کا تذکرہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب سائنس کے ساتھ وابستہ ہے مگر یہ وابستگی ایک مخصوص دائرہ تک محدود ہے۔

سائنس اور فہم قرآن | اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سائنس کے نظریے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ پھر ہم کیوں کر وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جن نظریوں پر ہم قرآنی آیات منطبق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، وہ نظریے حتمی طور پر صحیح ہیں؟ جب نظریے ہی مشکوک ہیں، اور ان کی صحت کی ہمارے پاس کوئی ضمانت موجود نہیں، تو کیوں نہ مذہب کو ان نظریات کے استمداد سے بالاتر رکھا جائے اور انہیں مذہبی مسائل پر منطبق کرنے کی کوشش ہی نہ کی جائے؟

اس سوال کا جواب بہت تشریح طلب ہے۔ یہاں مجملاً اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ سائنس کے مباحث کی دو شقیں ہیں، ایک شق مشاہدات پر مشتمل ہے اور دوسری استقرا یعنی اخذ نتائج پر۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نتائج غلط ہوں، گر مشاہدات کا غلط ثابت ہونا قریباً محال ہے۔ مشاہدات کی نوعیت بہت بڑی حد تک ہمیشہ یکساں رہی ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیائے

سائنس میں بعض نتائج ایسے ہیں، جو مشاہدات پر کچھ اس طرح مبنی ہیں کہ ہم ان کی تکذیب کی جرأت نہیں کر سکتے۔ پس، اگر مشاہدات و نتائج کی روشنی میں بعض آیاتِ قرآنی کی صاف اور واضح تشریح سامنے آتی ہے، تو کیوں نہ اُن کی طرف رجوع کیا جائے؟

یہ یاد رہے کہ جب قرآن اپنی آیات کی وضاحت و تشریح کے لیے مظاہرِ کائنات سے استشہاد کرتا ہے، تو پھر یہ لازمی امر ہے کہ ہم بھی ان کا مشاہدہ کریں۔ یہی مشاہدات اور اُن سے اخذ کیے ہوئے نتائج سائنس کا برگ و سامان ہیں۔ اگر آیاتِ قرآنی ان مشاہدات کی تصدیق کرتی ہیں اور اِن مشاہدات سے اُن کے مطالب واضح ہوتے ہیں، تو یہ خلافِ عقل بات ہے کہ ان سے استفادہ نہ کیا جائے اور کہا جائے کہ سائنس کے مشاہدات کو الگ رکھو اور قرآن کی آیات پر اُس انسان کی طرح ایمان لے آؤ، جس کو خدا نے آنکھیں تو دی ہیں، مگر دیکھتا نہیں، دل اور دماغ تو دیا ہے، مگر سوچتا نہیں، کان تو دیے ہیں، مگر سُنتا نہیں۔ ایسے انسان کے لیے کائناتِ فطرت کی جلوہ آرائیاں بے سود، نوامیسِ طبعیہ کی کارفرمائیاں لایعنی، اور سازِ فطرت کی صدائیں بے حقیقت ہیں! یقیناً ایسے شخص کا ایمان راسخ نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے بغیر یہ ممکن ہوتا، تو قرآن اِن حقائق کی طرف اُس کی توجہ منعطف کرانے کی سعی نہ کرتا۔

بلاشبہ، راسخ الایمان اور صاحبِ بصیرت لوگ وہی ہو سکتے ہیں، جو آسمان و زمین کی خلقت پر غور و فکر کرتے ہیں اور اُن کے مطالعہ سے اپنے لیے رشد و ہدایت کی راہیں ڈھونڈتے ہیں۔

...ون فِي خَلْقِ ... الْاَرْضِ (۳/۱۹۱) — وہ آسمان و زمین کی مخلوق کے متعلق غور و فکر کرتے ہیں۔

... السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ ... لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۲۹/۴۴) — خدا نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لیے اِس میں نشانی ہے۔

... السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا ... ىبِيْنَ ○ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ... هُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (۴۴/۳۸-۳۹) — اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے، ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ اُن کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تصنیفات میں کئی ایک جگہ اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ بالکل بے سود ہے کہ سائنس کے نظریات کی روشنی میں آیات قرآنی کی تاویل کرنے کی کوشش کی جائے، خواہ وہ نظریات کتنے ہی مستند و مسلّم کیوں نہ ہوں، مگر اس کے باوجود وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ ان نظریات سے مدد لیں۔ میں طوالت کے خوف سے ان تمام مقامات کو پیش کرنا نہیں چاہتا۔ صرف ایک مقام پر آپ کی توجہ مبذول کراتا ہوں۔ مولانا موصوف نے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ (۲۳)

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے اور جاؤ پانے کی جگہ میں، پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا اور پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا، پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھادی۔ پھر دیکھو! کس طرح اُسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا! تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی! سب سے بہتر پیدا کرنے والا!

کی توضیح و تشریح میں حیاتیات کے شاہدات سے استمداد کیا ہے اور یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ اگر اس مقام کی شرح و تحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اس باب میں وہ قطعاً معذور تھے۔ علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانۂ حال کی پیداوار ہے اور زمانۂ حال کی پیداوار میں سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علوم حدیثیہ کے انکشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے، پورا گذر گیا اور کارخانۂ فطرت کے اس گوشۂ مستور کے تمام حجاب اُٹھ سکے۔ پس، اگر اٹھارھویں صدی کے حکماء معذور تصور کیے جاسکتے ہیں کہ اس معاملے میں بالکل غلط رُخ پر جارہے تھے، حالاں کہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نعش کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا۔ تو ظاہر ہے، نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور تصور نہ کیے جائیں، جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے مقالات میں لکھ چکا ہے۔"

ترقیات علوم جدیدہ اور تفسیر قرآن ان الفاظ سے دو باتوں کا استنباط ہوتا ہے۔ ایک

یہ کہ آیاتِ قرآنی کی توضیح و تشریح کے لیے ہمیں سائنس کے مشاہدات سے مدد لینے میں تامل نہیں کرنا چاہیے اور دوسری یہ ہے کہ جُوں جُوں علومِ عقلیہ میں ترقی و اضافہ ہوگا، آیاتِ قرآنی کے فہم و ادراک کے امکانات بڑھتے چلے جائیں گے۔ متذکرہ صدر آیات کا جو مفہوم پہلے مفسرین نے سمجھا ہے، وہ اس لیے غلط ہے کہ جنسیات کا علم ترقی یافتہ نہیں تھا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر یہ ممکن ہے کہ آیاتِ قرآنی کے جو مطالب ہم آج سمجھ رہے ہیں، آنے والے مفسرین، علوم کی مزید ترقیات کی روشنی میں انہیں سراپا غلط قرار دیں اور وہ اُن کی کچھ اور تشریحات پیش کریں۔

اِن آیات کی تشریح کے ضمن میں ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ آغاز میں مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ

"اب علم الجنین کا ہر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ہو گیا ہے، اور جو کچھ ہے، تمام تر استقرار و مشاہدات پر مبنی ہے۔ یہ اب فلسفہ کی بحث و تعیین کا محتاج نہیں کیوں کہ خود علم کی ایک حقیقت ہے۔"

اب چاہیے تو یہ تھا کہ مولانا موصوف صرف مشاہدات تک ہی اکتفا کرتے، مگر ان مشاہدات سے حیاتیین نے جو نتائج اخذ کیے ہیں، مولانا موصوف نے بلا کم و کاست ان کو پورے تبحرِ علمی کے ساتھ ان آیات پر چسپاں کر دیا ہے یعنی، علمائے حیاتیات نے ان مشاہدات سے سلسلۂ ارتقاءِ انسانی کے جو مختلف مراتب مستنبط کیے ہیں، مولانا موصوف نے انہی مراتب کی تطبیق کی ہے، چنانچہ ان کے حسبِ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:

پیدائشِ انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں، اُن سے تمہیں پتہ لگ گیا ہوگا کہ قانونِ نشو و ارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفۂ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے، جن مدارج سے گزر کر انسان اپنی موجودہ مرتبہ خلقت تک پہنچا ہے۔ اچھا اب غور کرو۔ ان مدارجِ خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کون سا ہے؟ آبی مخلوقات کا یعنی تمام وجعلنا من الماء کل شیٔ حی زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں ہوا اور سب پہلی مخلوقات آبی مخلوقات ہوئی۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا۔"

مختصر یہ ہے کہ محولہ فوق آیات کی توضیح و تشریح مولانا موصوف نے شروع سے لے کر آخر تک علم الجنین کی روشنی میں کی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ یہ تشریح اس وقت تک سب سے بہترین تشریح ہے۔ اور جس خیال کا ہم نے اوپر اظہار کیا ہے اس کی تائید کرتی ہے۔

اس بحث و تمحیص سے میرا یہ مطلب ہے کہ اگر سائنس کی مدد سے بعض آیات قرآنی کی جچتی ہوئی توضیح و تشریح ہوسکتی ہے تو ایسی صورت میں قرین مصلحت نہیں کہ سائنس سے مدد نہ لی جائے۔

قرآن اور دعوتِ فکر و تدبّر | شاید بعض لوگوں کا یہ خیال ہو کہ مذہب کے بارے میں فکر و تدبر کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ قرآن اس خیال کی تائید نہیں کرتا۔ اسلام دنیا میں وہ پہلا مذہب ہے، جس نے اپنے مسائل کی بنیاد عقل پر رکھی۔ قرآن میں جا بجا اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مسائل کے سمجھنے میں عقل و فکر اور غور و تدبر سے کام لیا جائے۔ قرآن میں ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی پیش کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ہماری کوئی نقل و حرکت دلائل کی معیت سے آزاد نہیں ہونی چاہیے:

لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ	چاہیے کہ مرے تو وہ بھی دلیل سے اور جیے تو وہ بھی دلیل سے۔
لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ	جس بات کو تم علمی رنگ میں نہیں سمجھتے، اس کے پیچھے نہ ہولیا کرو۔
قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ	خدا کی طرف سے روشن دلیلیں تمہارے پاس آئیں۔
اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ	کیا یہ لوگ قرآن میں غور و تدبّر نہیں کرتے۔

دراصل یہی تطابق عقل و نقل مفسّرین کے لیے تفاسیر لکھنے کا محرک ہوا، تفسیر ابومسلم اصفہانی، تفسیر شیخ محی الدین ابن عربی شاگرد امام غزالی، تفسیر کشف الاسرار، تفسیر کبیر امام رازی اور عہد حاضر کی متعدد تفسیریں قرآن کی اسی دعوت فکر و تدبّر کے نتائج ہیں۔ قرآن نے دُنیائے مذاہب میں ایک نیا شور پیدا کر دیا۔ اس نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ مذہب عقل کے منافی نہیں، بلکہ مذہب کی جان اجتہاد، فکر و نظر ہے۔ جن لوگوں نے تاریخ عیسائیت کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ عیسائیت یعنی کلیسا نے محققین و مفکّرین کے ساتھ

کیا سلوک کیا؟ انکوئزیشن (Inquisition) یعنی محکمۂ تفتیش مذہبی[1] قائم کیا جاتا ہے اور جو شخص علمی تحقیقات کی بنا پر ایسے خیالات پیش کرتا ہے، جن کا انجیل کے صفحات پر کوئی ذکر نہیں یا اُس کی تعلیم کے منافی ہیں تو اُسے مجرموں کی طرح عدالت مذہبی کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ گیلیلیو کو اس لیے قید کی مشقّتیں جھیلنا پڑیں کہ اُس نے دوربین ایجاد کی اور گردشِ زمین کے مسئلہ پر تحقیق کی۔ کولمبس جب ایک براعظم کی تلاش میں نکلتا ہے، تو کلیسا کا فتویٰ صادر ہوتا ہے کہ یہ ارادہ خلافِ مذہب ہے۔ برونو اس لیے زندہ جلا دیا جاتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ دنیاؤں کا قائل ہے، مگر اس کے برعکس اسلام نے اپنے پیروؤں کے اندر علوم و فنون کے اکتساب کا بے پناہ جذبہ پیدا کیا، اس جذبہ کی محرک قرآن کی وہ دعوتِ تعقّل و تفکّر ہے، جس کا اعادہ کثیر آیات میں کیا گیا ہے۔ ان کے تمام علمی کمالات قرآن ہی کی ترغیب کے مرہونِ احسان تھے۔

ابن بیطار نے علم نباتات میں اس لیے کمال حاصل کیا کہ قرآن میں نباتات کی طرف جا بجا اشارات موجود تھے۔ چنانچہ نباتات کے متعلق چند آیات ملاحظہ ہوں:

---

[1] جن دنوں ہسپانیہ کی اسلامی درسگاہوں میں علوم عقلیہ کی تعلیم و تدریس عام تھی، یورپ میں اربابِ حکومت و کلیسا علم و عقل کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیے ہوئے تھے۔ جو عیسائی اِن درسگاہوں سے پڑھ کر نکلتا تھا، یا دہریوں کے ہتھے چڑھ جاتا یا انتہائی مصائب میں مُبتلا ہو جاتا تھا۔ انہیں اندیشہ تھا کہ مسلمانوں کے علوم سے لوگ گمراہ نہ ہو جائیں اور عیسائیت کو صدمہ نہ پہنچے، چنانچہ اس مقصد کی خاطر ایک محکمہ تفتیش مذہبی (Inquisition) قائم کیا گیا، جس کے محرک و مربی تقدّس مآب پاپائے اعظم تھے، اس محکمہ کی غرض و غایت یہ تھی کہ عیسائیت کا دامن علم سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے اور اس مقصد کے حصول کی خاطر ہر ممکن تعزیر عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۴۹۱ء سے لیکر ۱۴۹۹ء تک یعنی صرف آٹھ سال کی قلیل مدت میں ۱۰۲۲۰ اشخاص زندہ جلا دیئے گئے، ۶۸۰۶ تشہیر کے بعد پھانسی کے تختے پر لٹکائے گئے اور ۲۷۰۲۳ مختلف سزاؤں میں مبتلا کیے گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر اسلامی کتابوں کے مطالعہ سے علمی ذوق پیدا ہونے کا کم و بیش شبہ ہوا۔ آپ ڈاکٹر ڈریپر کی مشہور تصنیف The Intellectual Development of Europe "یورپ کی عقلی نشو و ترقی" کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں نے علوم و فنون کی کیا کیا خدمات سر انجام دیں اور اس زمانے میں یورپ کے عیسائیوں کی کیا حالت تھی؟

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ
کیا ان لوگوں نے کبھی زمین پر نظر نہیں ڈالی، اور غور نہیں کیا
أَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ (۷)
کہ ہم نے ہر دو بہتر جوڑوں کی کتنی نباتات کی پیدائش کی۔
فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ۝ أَنَّا
انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا پر نظر ڈالے، ہم پہلے زمین پر
صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ
پانی برساتے ہیں۔ پھر اس کی سطح شق کرتے ہیں (پھر جو بیج اس
شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا
میں ڈالا گیا تھا، وہ نشوونما پاکر ابھرتا اور بار آور ہو جاتا ہے) پھر اس روئیدگی
وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ
سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں، اناج کے دانے، انگور کی بیلیں، کھجور کے
غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ
خوشے، سبزی ترکاری، زیتون، درختوں کے جھنڈ، قسم قسم کے میوے، طرح طرح کا چارہ
وَلِأَنْعَامِكُمْ ۳۲/۸۰
اور یہ سب کچھ کس لئے؟) تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے جانوروں کے لیے!
وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۷/۵۰
اور ہم نے زمین میں ہر قسم کی خوش منظر روئیدگیاں پیدا کیں۔
فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ
جب ہم زمین پر بارش اتارتے ہیں تو وہ جنبش کر کے پھول جاتی ہے
وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۲۲/۵
اور ہر ایک قسم کی خوش منظر نباتات کی روئیدگی کا باعث ہوتی ہے
وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ
اور وہی ہے، جو آسمان سے (یعنی بلندی سے) پانی برساتا ہے
مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ
پھر فرماتا ہے کہ ہم اس سے ہر طرح کی روئیدگی پیدا کرتے ہیں، پھر روئیدگی
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ
سے ہری ہری ٹہنیاں نکل آتی ہیں اور ٹہنیوں سے دانے نمودار
فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا
ہو جاتے ہیں، ایک دانے سے دوسرا دانہ ملا ہوا اور (اسی طرح)
مُتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ
کھجور کے درخت سے (بھی پھل پیدا ہو جاتے ہیں) جس کی شاخوں
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ
میں گچھے جھکے پڑتے ہیں اور (اسی طرح) انگور، زیتون اور انار کے
وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ
باغ پیدا کیے، صورت شکل میں ایک دوسرے کے مانند اور ایک
وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
دوسرے سے الگ الگ۔ ان کے پھلوں کو دیکھو! جب درختوں
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ
میں پھل لگتا ہے (کہ کیسے عجیب و غریب طریقہ سے ٹہنیوں اور
مُتَشَابِهٍ ۗ انْظُرُوا
جڑوں میں سے نکلتے ہیں، پھر ایک مقررہ انتظام کے ساتھ درجہ بدرجہ
إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ
بڑھتے اور پختگی سے قریب ہوتے جاتے ہیں؟) اور پھر ان کے
وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ
پکنے کو دیکھو (کہ پکنے کے بعد اپنے جرم، اپنی رنگت، اپنی خوشبو
فِي ذَٰلِكُمْ
اور اپنے مزہ میں کیسی عجیب نوعیت پیدا کر لیتے ہیں؟) بلاشبہ

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ — جو لوگ یقین رکھتے ہیں، اُن کے لیے اس بات میں بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ — اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ اور عرق اور اچھی غذا، دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو۔ بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لیے (فہم و بصیرت کی) ایک نشانی ہے، جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ (۲۷) — کیا اُنھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم بنجر زمین کی طرف پانی بہالے جاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے اُن کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود (بھی کھاتے) ہیں تو یہ دیکھتے کیوں نہیں؟

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ — کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر زمین میں اُس کے چشمے رواں ہو گئے۔ پھر اسی پانی سے رنگ برنگ کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں۔ پھر ان کی نشو و نما میں ترقی ہوئی اور پوری طرح پک کر تیار ہو گئیں۔ پھر دیکھتے ہو کہ اُن پر زردی چھا گئی۔ پھر بالآخر خشک ہو کر چورا چورا ہو گئیں بلاشبہ دانش مندوں کے لیے اس میں بڑی ہی عبرت ہے۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۱۹ — اس پانی کے ذریعے ہم نے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے، جن میں بے شمار پھل لگتے ہیں، اور ان ہی سے تم اپنی غذا کے لیے پھل حاصل کرتے ہو۔

وَاَنۡبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَيۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ﴿۱۹﴾ — اور ہم نے زمین میں ہر ایک چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى — یقیناً یہ اللہ ہی کی کارفرمائی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی کو شق کرتا ہے اور اس سے ہر چیز کا درخت پیدا کرتا ہے۔

"طبقات الاطباء" کا فاضل مصنف ابی العباس احمد بن قاسم لکھتا ہے کہ ابن بیطار نے دنیائے معلوم کے اکثر ممالک کی سیاحت اس غرض سے کی کہ وہ ان کی مختلف نباتات کا ان کے قدرتی ماحول میں مطالعہ کرے۔ وہ اپنے وقت کا ایک متبحر عالم نباتات خیال کیا جاتا تھا۔ نباتات کے بارے میں اس کی معلومات غایت درجہ وسیع تھیں۔ اس نے ہر پودے کی تخم کی حالت سے لے کر بارآور ہونے کی حالت تک کا مطالعہ کیا اور اپنے مشاہدات ایک ضخیم کتاب کی صورت میں قلم بند کیے۔ دیگر علماء طب بھی علم نباتات کے ماہر تھے۔

علم حیوانات اور قرآن اسی طرح حافظ عبداللطیف، محمد الدمیری، القزوینی اور دیگر علمائے حیوانات پر مبسوط کتابیں تصنیف کیں، اس لیے کہ قرآن میں حیوانات کے مطالعہ کی دعوت موجود تھی۔ یوں تو حیوانات کے متعلق قرآن میں بہت سی آیات ہیں، مگر ان میں سے چند ایک یہاں پیش کی جاتی ہیں:

وَفِيۡ خَلۡقِكُمۡ وَمَا يَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ (جاثیہ ۴۵) — اور تمہاری پیدائش میں اور ان چارپایوں میں جنہیں اس نے زمین میں پھیلا رکھا ہے، اہل یقین کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَثَّ فِيۡهِمَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمۡعِهِمۡ اِذَا يَشَآءُ قَدِيۡرٌ[1]۔ — اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان دونوں میں جانداروں کا پھیلانا اور وہ جب چاہے، زمین اور کرات سماوی کی مخلوق جمع کر دینے پر قادر ہے۔

---

[1] عہد حاضر کے علماء ہیئت نے بڑی بڑی دوربینوں کی مدد سے جو مشاہدات کیے ہیں ان سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ سیاروں میں بھی آبادیاں موجود ہیں۔ قرآن نے اس حقیقت کی صراحت کے ساتھ تصدیق کی ہے اور زمین اور سیاروں میں جانداروں کا وجود بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آیت کرہ ماہ و مریخ وغیرہ کے باشندوں اور اہل زمین کے تعلقات کی طرف اشارہ ہو۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ط اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۝ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (نحل)۱

اس نے طرح طرح کے چارپائے پیدا کیے، جن میں تمہارے لیے بے شمار فواید ہیں ازاں جملہ یہ کہ ان کی کھال اور اون میں جاڑے کا سامان ہے اور گوشت میں غذا، اور (پھر دیکھو) جب ان کے غول شام کو چر کر واپس آتے ہیں اور جب چراگاہوں کے لیے نکلتے ہیں تو ان کے منظر میں کیسی خوش نمائی و رونق ہوتی ہے اور انہی میں وہ جانور بھی ہیں، جو تمہارا بوجھ اٹھا کر ان (دور دراز) شہروں میں پہنچا دیتے ہیں، جہاں تم بغیر سخت مشقت کے نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا صاحب رحمت ہے، اور (دیکھو!) گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کیے گئے تاکہ تم ان سے سواری کا کام لو اور خوش نمائی کا بھی موجب ہوں اور (دیکھو!) وہ اسی طرح (طرح طرح کی مخلوق) پیدا کرتا ہے، جن کا تمہیں علم نہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ

اور (دیکھو) چارپایوں کے وجود میں تمہارے لیے فہم و بصیرت کی بڑی ہی عبرت ہے۔ انہی جانوروں کے جسم سے ہم خون اور کثافتوں کے درمیان پاک و صاف دودھ پیدا کر دیتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بے غل و غش مشروب ہوتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض سورتوں کے عنوان بھی حیوانات کے ناموں پر مشتمل ہیں۔ مثلاً سورۃ النحل، سورۃ الانعام، سورۃ العنکبوت، سورۃ البقر، سورۃ الفیل، اس سے ظاہر ہے کہ حیوانات کو قرآن حکیم میں کہاں تک درخورِ اعتنا سمجھا گیا ہے۔

قدیم مسلم علماء حیوانات میں سے جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، عبداللطیف

۱؎ علماء حیاتیات کی تحقیق و جستجو سے ہر آن نئے نئے حیوانات و نباتات کا انکشاف ہو رہا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ ابھی لاتعداد ذی حیات اجسام ہماری نظر انکشاف سے پوشیدہ پڑے ہیں، انسان نامعلوم حیوانات و نباتات کا ذخیرہ کبھی ختم ہونے والا نہیں وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ط

محمد الدمیری، القزوینی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

قدیم مسلم علماء حیوانیات | عبداللطیف (۱۱۶۲ - ۱۲۳۱) کی ایک تصنیف اب تک موجود ہے، جس میں اُس نے حیواناتِ مصر کا مسلسل ذکر کیا ہے اور ان کے عادات و اطوار پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب کا مواد صرف قدیم علماء کی کتابوں ہی سے ماخوذ نہیں، بلکہ اُس نے اپنے ذاتی مشاہدات بھی پیش کیے ہیں، مثلاً اُس نے دریائی گھوڑوں اور مگرمچھوں کا مفصل طور پر بیان کیا ہے اور سب سے زیادہ قابلِ ذکر یہ بات ہے کہ یہ وہ پہلا شخص ہے، جس نے انڈوں کو مصنوعی طور پر گرمی دے کر بچے حاصل کرنے کا طریقہ اپنی کتاب میں قلم بند کیا۔

محمد الدمیری کی مشہور و معروف تصنیف "حیات الحیوان" جو پندرھویں صدی کے اواخر میں لکھی گئی، آج تک موجود ہے۔ اس نے اس کتاب میں قریباً نو سو مختلف انواع واقسام کے حیوانات کو بیان کیا ہے اور ہر حیوان کے متعلق وہی حقائق پیش کیے ہیں، جو اس کے مشاہدات پر مبنی ہیں۔

القزوینی تیرھویں صدی کا ایک فقید المثال ماہر علم حیوانات تھا۔ اس کی اہم تصنیف ارسطو کے فلسفۂ طبعیہ کے نظریۂ ارتقاء پر مبنی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ادنیٰ درجہ کے حیوانات اعلیٰ درجہ کے حیوانات کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اُس نے اس حقیقت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے کہ حرکت واحساس کی قابلیت حیوانات کو نباتات سے متمیز کرتی ہے۔ حیوانات ونباتات کے آثار متحجرہ کے بارے میں اس کا یہ خیال ہے کہ یہ آثار باقیہ زمین کے بخارات کے باعث پتھر بن گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اُس نے گرم ممالک کے کئی ایک ایسے حیوانات کا ذکر کیا ہے، جو قدیم علماء کو معلوم نہیں تھے۔ اُس نے اورنگ اوٹان (بندر کی ایک نوع ہے، جو انسان سے بہت مشابہ ہے) کے متعلق یہ لکھا ہے کہ اس میں بیشتر انسانی خصائص پائے جاتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور آیاتِ قرآنی کی روشنی میں نظریۂ ارتقاء | ابونصر فارابی، ابن باجہ، ابن مسکویہ، ابن رشد، بوعلی سینا، ابن صائغ، اخوان الصفا اور مولانا روم ایسے فاضل حکماء نے ارتقاء کا نظریہ پیش کیا، اِس لیے کہ قرآن

میں اس کی جھلک صاف نظر آرہی تھی۔ حسب ذیل آیات میں مراتب تطور انسانی کا پورا خاکہ پیش کیا گیا ہے، جس کی ہمارے جلیل القدر مفسر مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۵۴۰ پر سورۂ قد افلح المومنون کے ضمن میں اپنے مخصوص عالمانہ انداز میں پوری وضاحت کی ہے۔ ہم ان کی اس تشریح کو حذف و اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کریں گے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا آخَرَ ۝ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اُسے نطفہ بنایا، ایک ٹھہر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں، پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا، پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کردیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچا پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھا دی، پھر (دیکھو!) کس طرح اُسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی، پیدا کرنے والوں میں بہتر پیدا کرنے والا،

"نطفہ کے قرار پانے کے معنی یہ ہیں کہ جنس رجال کا خلیۂ تخم جنس اناث کے خلیۂ بیضہ میں جگہ پا جائے۔ استقرار کے بعد جنین کا تطور شروع ہوتا ہے۔ ابتدا میں وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعہ ہوتا ہے۔ پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ایک نعل نما (sole shaped) صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ اب ان میں ایک ایسی ہیکل ہیئت پیدا ہو جاتی ہے جیسی مچھلی کی ہوتی ہے۔ پھر یہ ہیئت حیوانات قوازب (Ampbilia) کا سا ہیکل اختیار کرلیتی ہے۔ اس کے بعد حیوانات لبونہ (Mammals) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے لیکن پہلے ادنیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کا مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے خلد آبی (Duckbill) کا ہوتا ہے، یا اُن حیوانات کا جنہیں ذوات الکیس (Mareupials)

کہتے ہیں۔ پھر اونچے درجہ کے حیوانات بنو نہ کا مثلاً گھوڑا، کتا، بیل۔ پھر یہ مرتبہ ترقی کرکے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے، جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے۔ دُم بھی موجود ہوتی ہے۔ پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلےٰ اقسام کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے یعنی گوریلا، شمپانزی گیبون وغیرہ اقسام کا، اب اس کے بعد آخری مرتبہ ظہور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے یعنی تمام حیوانی و میمونی خصوصیات مفقود ہوجاتی ہیں اور ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہوجاتا ہے اور وجودِ انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے۔"

"اس سلسلہ میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے اور جس نے علم و نظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب پیدا کردیا ہے، وہ پیدائش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے۔ نباتات سے لے کر وجودِ انسانی تک، اصل و بنیادِ حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں، ٹھیک ٹھیک اپنی حدود کے اندر اور اپنی ترتیبات سے جو قانون نشوو ارتقاء کی بنا پر ضروری ہیں۔ اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے، تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئیں گے"

"ا۔ پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیۂ تخم[1] (اصل میں "نطفہ خلیہ" چاہیے تھا) کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی۔ گویا اس ابتدائی درجہ میں ایک انسان

---

[1] میرے خیال میں مولانا موصوف نے اس مضمون میں خلیہ تخم، بیضہ، مبیض، کو کچھ اس طرح استعمال کیا ہے کہ ان کے مفہوم میں اغلاق پڑ گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جسے انگریزی میں (ovum) کہا جاتا ہے اس کا ترجمہ عام طور پر "بیضہ خلیہ" کیا جاتا ہے۔ جسے (Sperm) کہا جاتا ہے، اس کا ترجمہ "تخم" یا "تخم خلیہ" کیا جاتا ہے جسے Zygote یا Oosperm کہا جاتا ہے۔ اس کا ترجمہ "نطفۂ خلیہ" کیا جاتا ہے اور جسے Ovary کہا جاتا ہے اس کا ترجمہ مبیض یا بیضہ دانی کیا جاتا ہے۔ اگر مولانا موصوف یہ اصطلاحات پہلے واضح طور پر قرار دے لیتے، تو یہ اغلاق پیدا نہ ہوتا۔ اصطلاحات کے اس طرح خلط ملط ہو جانے سے ایک عامی انسان اس مضمون کو پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ ۱۲ منہ

کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے، جیسا ایک درخت کا، ایک مچھلی کا، ایک پرندہ کا
یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہے،

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس درجہ میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے یعنی اب جنین نباتات کے دائرہ سے باہر ہو کر صرف حیوانات کے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے۔ ہم تمام حیوانات کا جنین یکساں ہی پاتے ہیں، مگر نباتات کا نہیں

(ج) جنین دُمی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور نعل کی سی شکل بن جاتی ہے، نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے، جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے یہی نشان تین بنیادی حاسوں کی پہلی داغ بیل ہے۔ اب جنین حیوانات کے عام دائرہ سے نکل کر حیوانات مہرہ کے خاص دائرہ میں آجاتا ہے، لیکن ادنی درجہ کے دائرہ میں۔

(د) اس درجہ میں جنین اعلیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے، یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے، جیسا گھوڑے، بیل، کتے وغیرہ شیرخوار جانوروں کا ہوتا ہے۔

(ہ) اب بندر کے سے ہیکل کا ہو جاتا ہے۔ اس درجہ کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا
(و) پھر یہ ہیکل اونچی قسم کے ہیکلوں کی طرف بڑھتا ہے اور گوریلا اور شمپانزی وغیرہ کے جنین کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ہوتا ہے اور انسانی جسم و صورت کی خصوصیات یکایک ابھرنے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب و اعتدال ظہور میں آجاتا ہے
(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوک پلک درست کرنے لگتی ہے، یعنی نوع انسانی کے مختلف وطنی، موسمی، نسلی اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ہیں۔ پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ہوتی ہے اور ہر والدین کو اپنی قوم، اپنے ملک اپنی نسل اور اپنے ماحولی مؤثرات کا مولود میسر آجاتا ہے۔"

حسب ذیل آیات میں بھی نوع انسانی کے ارتقاء اور اس کے تطور و تحول کی طرف صاف اشارات موجود ہیں:

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ٥	تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت پر ترقی پاؤ گے۔
وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ٥	اور خدا نے تمہیں اے نوع انسان! زمین سے قانونِ فروغ نباتات کے مطابق پیدا کیا۔
قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ٥ ۲۹	اس نے تم کو رنگا رنگ حالات میں (لا کر) پیدا کیا ہے

ہم آگے چل کر ارتقاء انسانی کو قرآن حکیم کی آیات سے چنداں تفصیل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش کریں گے:

قدیم مسلم حکماء کا نظریہ ارتقاء | اس موقع پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان قدیم مسلم حکماء کے نظریات پر اجمالی نظر ڈالیں، جن کے دماغوں میں قانون نشو و ارتقا کا خیال موجود تھا۔ آج علم الارتقاء یورپ کے مشہور حکما چارلس ڈارون، لامارک، لیفن، والیس وغیرہم سے منسوب کیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس میدان میں بھی کافی تحقیق و جستجو کی اور ایک بنیادی تخیل کا سامان فراہم کر کے اس کے لیے مزید ترقی و توسیع کے دروازے کھول دیے۔ گو اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اس نظریہ کا دھندلا سا تخیل ارسطو سے حاصل کیا، مگر انہوں نے جو کچھ لیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس میں بہت کچھ ترقی و اضافہ کیا، اور اسے ایک مستقل علم کی حیثیت دے دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اس علم کے اصول صحیح ہیں اور حقائق پر مبنی ہیں، تو یقیناً

---

[1] ایک انگریز مصنف کے الفاظ میں ارسطو کا نظریہ ارتقاء حسب ذیل تھا:

He had an idea of a linear phylogenatic series beginning with plants, then plant—animals such as sponges and sea anemones, then animals with sensibility and thence, by graded stages upto man.

وہ (یعنی ارسطو) ایک متواتر و مسلسل رشتہ نسلی کا تخیل رکھتا تھا، جو نباتات سے شروع ہو کر نباتی حیوانات مثلاً اسفنج اور بحری اینی مونی پر پہنچتا ہے، یہاں سے ترقی کر کے ایسے حیوانات پر منتج ہوتا ہے جو حواس سے سرفراز ہیں۔ پھر درجہ بدرجہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا انسان پر منتہی ہو جاتا ہے۔

مذہب اسلام کے منافی نہیں ہو سکتے۔ قرآن ضرور اُن پر مہر تصدیق ثبت کرے گا چنانچہ وُہ اس جستجو میں نکلے اور یہ آپ فیصلہ کیجیے کہ وُہ کہاں تک کامیاب ہوئے؟

نظریۂ ارتقاء کا تخیل زیادہ تر اُن کے علم کیمیا کا مرہونِ منت ہے جس میں وُہ بانیانِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جب علم کیمیا کو ترقی ہوئی تو کیمیاوی تجربات کی بنا پر یہ ثابت ہو گیا کہ جماد و نبات و حیوان میں استحالہ ممکن ہے۔ اصلیت میں یہ سب ایک ہیں محض مختلف اوقات کے تغیرات و کیفیات نے حیثیتیں بدل دی ہیں، تو وہ نظریۂ ارتقاء کی اصابت کے قائل ہو گئے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

اِن مبنی الکلام فی هذه الصناعة عند الحکماء علی حال المعادن.. هل هی مختلفات بالفصول وکلها انواع قائمة بانفسها او انها مختلفة بخواص من الکیفیات۔ وهی کلها اصناف لنوع واحد فالذی ذهب الیه ابونصر فارابی وتابعه علیه حکماء الاندلس انها نوع واحد وان اختلافها انما هو بالکیفیات من الرطوبة والیبوسة واللین والصلابة والالوان من الصفرة والبیاض والسواد وهی کلها اصناف لذلك النوع الواحد

اس فن میں بنائے کلام حکماء کے نزدیک معدنیات کے حال پر مبنی ہے کہ آیا یہ بالکل مختلف اور جداگانہ اور قائم بنفسہٖ ہیں، یا ان کا اختلاف کیفیتوں کے افعال و خواص سے متعلق ہے اور یہ سب ایک ہی نوع کی قسمیں ہیں؟ ابونصر فارابی کا یہ مذہب ہے اور حکمائے اندلس بھی اسی مذہب کے پیرو ہیں کہ تمام معدنیات کی نوع جنس میں ایک ہے یہ ظاہری اختلاف فقط کیفیتوں کا مثلاً تری، خشکی، نرمی، سختی اور رنگوں میں زردی، سفیدی، سیاہی وغیرہ کا نتیجہ ہے، ورنہ تمام فلزات ایک ہی نوع کی قسمیں ہیں۔

اس خیال میں جو اوپر ظاہر کیا گیا ہے بتدریج ترقی ہوئی، چنانچہ ابن مشبرون کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

یصیر التراب نباتا والنبات حیوانا... فامّا النبات فلیس فیه ما فی الحیوان من اللطافة والقوه.. وامّا الحیوان فهو آخر الاستحالات الثلاث ونهایتها وذلك ان المعدن یستحیل نباتا والنبات یستحیل حیوانا۔

مٹی نبات ہو جاتی ہے اور نبات سے حیوان ہوتے ہیں۔ نبات میں حیوان سی لطافت اور قوت نہیں ہے، لیکن حیوان البتہ تینوں استحالوں کا آخری اور انتہائی درجہ ہے، اس لیے کہ دھاتیں استحالہ سے نبات ہو جاتی ہیں، نبات استحالہ سے حیوان بن جاتی ہے۔

یہ مسئلہ حکماء اسلام کے فکر و نظر کا ایک عرصہ تک موضوع بنا رہا۔ انجمن اخوان الصفا نے جو تیسری صدی ہجری کے آخر میں قائم ہوئی اور جس کے جلسے بصرہ اور بغداد میں ہوا کرتے تھے، اس بارے میں بہت کچھ تحقیق و جستجو کی۔ اس انجمن کے علماء کا قانون نشو و ارتقاء کے متعلق یہ نظریہ تھا:

اٰخر مرتبۃ المعدنیۃ متصلۃ باوّل مرتبۃ النباتیۃ... ان اٰخر مرتبۃ النبات متصلۃ باوّل مرتبۃ الحیوانیۃ وان اٰخر مرتبۃ الحیوانیہ متصلۃ باوّل المرتبۃ الانسانیۃ	فلزات کا آخری درجہ نباتات کے پہلے درجہ سے ملا ہوا ہے... نباتات کا آخری درجہ حیوانیت کے پہلے درجے سے ملحق ہے اور حیوانیت کا آخری درجہ انسانیت کے پہلے درجے سے ملا ہوا ہے۔

اندلس کے مشہور و معروف حکیم ابن صائغ (متوفی ۵۳۳ھ) کے نظریۂ ارتقا کو ابو نصر قیسی نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

نظر فی کتاب التعالیم و فکر اجرام الافلاک و حدود الاقالیم . . . . . . فھو یعتقد ان الزمان دوْر وان الانسان نبات او نوْر	اس نے (یعنی ابن صائغ نے) تعلیمات ارسطو کی کتابیں دیکھی ہیں، آسمانوں کے اجرام اور فلک و اقلیم کی سرحدوں میں فکر کی ہے . . . وہ معتقد ہے کہ زمانہ ایک طرح کے دور و تسلسل کا نام ہے اور انسان اصل میں نبات یا شگوفہ تھا۔

علامہ ابن مسکویہ نے اپنی بلند پایہ تصنیف الفوز الاصغر میں مسئلہ ارتقاء پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا تھا۔ بحث و تمحیص کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جمادات کے ارتقاء سے نباتات کا ظہور ہوا، نباتات کے ارتقاء سے حیوانات کی تکوین ہوئی اور حیوانات کے ارتقاء سے نوع انسانی کی تکمیل ہوئی۔ ارتقاء انسانی کے بارے میں علامہ موصوف فرماتے ہیں:

ثم یقترب من اٰخر مرتبۃ البھائم و یصیر فی افقہ	اس کے بعد حیوان ترقی کرکے حیوانیت کے انتہائی درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور انسان کی سرحد میں داخل

الاعلیٰ و فی مرتبة الانسان و هٰذه
المرتبة وان کانت شریفة فهی خسیسة
دنیة من مرتبة الانسان و هی مراتب
القرود واشباهها من الحیوان التی قاربت
الانسان فی خلاقة الانسانیه وما بینها
و بینه الا الفرق الیسیر الذی ان
تجاوزه صار انساناً

فاذا بلغه انتصبت قامة ویظهر
فیه قوة التمییز الیسیر فظل متمیزاً
واهتداءً الی المعارف ویقوی فیه
اثر النفس . . . . . . و
هٰذه المرتبة القریبة من الانسان
هی فی افق البهیمیه وهی فی اقصی
المعمورة من الارض و فی
اطرافها . . . کالزنج وغیرهم
فان هؤلاء لیس بینهم و بین
المرتبة الاخرة من البهائم
کثیر فرق ولیس تؤثر عنهم حکمة و
لا یقتبونها من الامم المجاورة ثم لا یزال
اثر النطق یزید الی ان یصیر فی وسط
المعمورة فی الاقلیم الثالث والرابع و
الخامس فحینئذ یکمل هٰذا الاثر ویصیر
بحیث تراه من الذکاء والفهم و
الیقظ من الامور والکیس فی الصناعات

ہونا چاہتا ہے۔ گو یہ درجہ باعتبار حیوانیت
کے اعلےٰ ہے، مگر بہ نسبت انسانیت کے بہت
نیچے ہے، یہ بندروں اور اس کے مانند حیوانوں
کا درجہ ہے جو انسان کے بالکل مشابہ ہیں۔
ان میں اور انسان میں تھوڑا ہی سا فرق ہے،
جس کو اگر یہ طے کرلیں، تو بالکل انسان
ہوجائیں۔

جب حیوان اس درجہ پر پہنچتا ہے، تو اس کا قد
سیدھا ہوجاتا ہے اور اس میں تھوڑی سی
تمیز کی قوت آجاتی ہے، مگر ابھی علوم کی استعداد
نہیں ہوتی اور نہ روحانی قوت کچھ زیادہ زور آور
ہوتی ہے . . . . یہ انسان کامل سے قریب
کا درجہ حیوانیت کی انتہا ہے۔ اس قسم کے حیوانی
انسان (بن مانس) زمین کے انتہائی آباد حصہ
میں ادھر ادھر پائے جاتے ہیں . . . جیسے
زنگی اور وحشی قومیں کہ ان میں اور آخری درجہ
کے حیوانوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہوتا، نہ تو
ان سے کوئی حکمت اخذ کی جاتی ہے اور نہ یہ
اپنی ہمسایہ قوموں سے کچھ اخذ کرتے ہیں آخر
عقل انسانی اس طرح درجہ بدرجہ بڑھتی جاتی
ہے، یہاں تک کہ زمین کی وسط آبادی میں
یعنی تیسری چوتھی اور پانچویں اقلیم میں عقل
انسانی کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ ان میں ذہانت،
سمجھ بیدار مغزی پیدا ہوتی ہے، صنائع میں ادراک

واستخراج غوامض العلوم واتساع المعارف

ہوتا ہے، علوم کی باریکیاں حل کرتے ہیں، فنون کو وسعت دیتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی نے جو پانچویں صدی کے مشہور متکلم ہیں، ارتقا کو قرآن حکیم سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، فرماتے ہیں:

الانسان یکون اولاً جماداً میّتاً قال الله تعالیٰ "وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ" وذٰلك حيث كان ترابًا وطينًا وصلصالًا ونحوها ثم يصير نباتًا كما قال الله تعالیٰ وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا وذٰلك حيث ما كان نطفة ومضغة ونحوها ثم يصير حيوانًا وذٰلك حيثما يتبع بطبعه بعض ما ينفعه ويحترز من بعض ما يضرّ ثم يصير انسانًا مختصًا بالافعال الانسانية وقد نبه الله تعالیٰ علی ذٰلك فی مواضع نحو قوله تعالیٰ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

انسان پہلے مردہ جماد تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "تم مردہ تھے خدا نے تم کو زندہ کیا۔" اس کی توجیہ یوں ہے کہ پہلے اس کی حیثیت خاک اور مٹی اور ٹھیکری وغیرہ کی تھی۔ جماد سے پھر نبات ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "خدا نے اگایا تم کو زمین سے نبات کرکے"، اور یہ اس طرح کہ انسان نطفہ اور گوشت کی بوٹی وغیرہ تھا پھر حیوان ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ازخود بعض ان چیزوں کی پیروی کرتا ہے، جو اس کے لیے مفید ہوتی ہیں اور جو مضر ہوں ان سے بچتا ہے۔ پھر کہیں جاکر انسان بنتا ہے اور افعال انسانی سے مخصوص ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات میں اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے۔ مثلاً فرمایا ہے کہ اے لوگو! قیامت میں اگر تمہیں شک ہے تو یاد رکھو ہم نے تم کو خاک سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر علقہ سے، پھر مکمل و غیر مکمل گوشت کے لوتھڑوں سے۔

ابونصر فارابی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُسے مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں بہت بڑا دخل حاصل تھا۔

ڈاکٹر سٹاکل نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "تاریخ فلسفہ" میں ابن باجہ، ابن طفیل

ابوبکر محمد بن عبدالملک القیسی اور ابن رشد کے نظریۂ ارتقاء کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اشارہ کیا ہے :

The most important Arabian

Philosophers in the west were Avempace (Ibn-Badia) Abu—bucer (Ibn—Tophail) and Averroes (Ibn Roshed) Avempace and Abubucer dwell in their works on the idea of the independent & gradual developement of man.

"ابن باجہ، ابوبکر (ابن طفیل) اور ابن رشد مغرب میں سب سے زیادہ اہم عرب فلسفی تھے۔

ابن باجہ اور ابن طفیل نے اپنی تصنیفات میں انسان کے آزادانہ اور تدریجی نشوونما ارتقاء کے نظریہ پر نقد و تبصرہ کیا ہے۔"

مولانا روم نے مسلم حکماء کے نظریۂ ارتقاء انسانی کو ایجاز و بلاغت کے ساتھ حسب ذیل الفاظ میں پیش کر دیا ہے :

آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد   وز جمادی در نباتی اوفتاد

سالہا اندر نباتی عمر کرد   وز جمادی یاد نا ورد از نبرد

وز نباتی چوں بہ حیواں اوفتاد   نامدش حال نباتی ہیچ یاد

جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں   خاصہ در وقت بہار ضیمراں

ہمچو میل کودکاں با مادراں   سرّ میل خود نداند در میاں

ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت   تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت

ان اشعار میں انسان کا جمادات سے پیدا ہونا اور نباتات کے درجہ پر پہنچنا، پھر نباتات سے ترقی کر کے حیوانات کے درجہ پر پہنچنا اور پایان کار عقل و دانش سے سرفراز ہو کر اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرنا واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

اِسی طرح دوسرے مسلم حکماء و محققین نے دیگر علوم عقلیہ میں کمالات حاصل کیے، اس لیے کہ قرآن ان علوم پر اُن کی توجہ مبذول کرانے میں

پیش پیش تھا۔[1]

آج جب ہم اپنی حالت کا اپنے اسلاف کی عقلی وعلمی گہرائیوں سے موازنہ کرتے ہیں تو ہمارا سر انتہائی ندامت کے احساس سے جھک جاتا ہے۔ چودھویں اور پندرھویں صدی کے ارباب کلیسا کی طرح ہمارے ملاؤں کا خیال ہے کہ مذہب کے بارے میں عقل وفکر

---

[1] اسلام نے عیسیٰ بن حکم (مصنف منافع الحیوان) بو علی سینا، ابو بکر محمد بن زکریا رازی، یعقوب الکندی بن جزلہ، ابن تلمیذ وغیرہم جیسے مجتہد الفن اطبا پیدا کیے جنہوں نے علم طب میں محیر العقول کمالات حاصل کیے

ابو القاسم مجریطی۔ ابن الزرقالہ، ابو العباس احمد تمیمی، علامہ کوشیار جنبلی۔ ثابت بن قرہ، علامہ محمد بن جابر بتانی، علامہ ابو الوفا بوزجانی، محقق طوسی، حکیم عمر خیام وغیرہم باکمال علماء ہیئت تھے جن کے مشاہدات واکتشافات اس علم میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔

علامہ بیرونی، ابو عبد اللہ خوارزمی، ابو حنیفہ دینوری، احمد بن محمد سرخسی، ابو کامل شجاع بن اسلم، عمر خیام ابو بکر فخر الدین کرخی، ابن ہیثم وغیرہم نے علم جبر ومقابلہ کی بنیاد ڈالی۔ اسکے اصول ومبادی اختراع کیے، اور اس میں ایسی حیرت انگیز ترتیبات کیں کہ اسے ایک اہم ترین اور بلند پایہ علم کے درجے تک پہنچا دیا۔

علم المناظر والمرایا (Optics) نے بھی اسلام کی آغوش میں پرورش پائی۔ اس علم میں ابن ہیثم (مصنف کتاب المرایا) خازن مزنی (مصنف کتاب الفجر والشفق) محقق طوسی (مصنف انعکاس الشعاع وانعطافہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علم الآثار (Archeology) میں بھی اسلام نے بڑے بڑے مکتشفین پیدا کیے، مثلاً ذوالنون مصری جو ایک باخدا صوفی ہونے کے علاوہ علم کیمیا کے بھی ماہر تھے اس علم کے بہت بڑے عالم تھے جابر بن حیان بھی اس علم کا بہت بڑا ماہر تھا اسے ہیروغلیفی (Heiroglyphy) میں اس درجہ مہارت حاصل تھی کہ اس نے اس خط تصویری کے نقوش اور اس کی کتابوں کے مطالب حل کیے اور اس موضوع پر ایک کتاب اسرار البرابیات لکھی،

علم کیمیا (Chemistry) میں مسلمان موجدین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جابر بن حیان کے اجتہادات وایجادات نے کیمیا کو ایک مستقل علم بنا دیا۔ اس کے علاوہ یعقوب الکندی۔ ابو بکر رازی)۔ ابن صائغ بھی اس علم کے مجتہد الفن تھے۔

اسلام نے بے شمار علماء فلسفہ ومنطق بھی پیدا کیے جن میں سے امام غزالی، ابن رشد، شیخ اکبر، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

نقد و نظر

دلائل السُّنن والآثار

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے)

ماہ نامہ "ترجمان القرآن" میں ایک قابل قدر مقالہ زیر عنوان "دلائل السُّنن والآثار" مسلسل شائع ہوتا ہے۔ رمضان ۱۳۵۸ھ کے پرچے میں غالباً اُس کی آخری قسط(۱) ہے، جو ہمارے زیر نظر ہے۔ فاضل مقالہ نگار مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ

"کتاب اللہ اور سنّت رسولؐ دونوں دین کے رُکن ہیں۔ ایک علم خالص ہے اور دوسرا اسی علم کی عملی تفصیل ہے"۔

اس دعویٰ کی تائید میں چند آیات قرآن کا حوالہ دیا ہے، جن میں اتباع رسولؐ، اُسوۂ حسنہ اور سبیل المومنین کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور نتیجہ یہ اخذ کیا ہے۔

"سنّت کی قطعیت قرآن مجید کی قطعیت سے کسی طرح کم نہیں ہے"۔

اور یہ بدیہی دلیل بھی پیش کی ہے کہ

قرآن مجید کے حافظوں کی تعداد ہر ایک آبادی میں محدود رہی ہے لیکن احکام شرعیہ

۱؎ کیا قیامت تک ہر ایک زمان و مکان کے حالات پر یہ عملی تفصیل جاری ہے؟ اگر ہمارے پاس عملی تفصیل نہ ہو تو کیا قرآن کی ہدایت کے ماتحت ہم خود عملی تفصیل پیدا نہیں کر سکتے؟ کیا قرآن ہمیں نہیں سکھاتا، کہ اس کی ہدایات پر عمل کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو آں حضرتؐ نے عملی تفصیل کس طرح سیکھی فطرۃً یا وحیاً یا عقلاً؟ اور یہ کہ ہمیں عقل عطا فرما کر اسے بے کار رکھنے کی ہدایت ہو چکی ہے یا اس سے کچھ کام بھی لینا ہے: حضرت ابراہیمؑ والذین معہ اور آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ قرآن میں مفصل مذکور ہے۔ دیگر چہ علم دکتا بت باید۔

نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کی مخصوص صورتوں کے ساتھ عمل تقریباً تمام مسلمانوں کا ہے"
یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ جزئی اختلاف ان مخصوص صورتوں میں ضرور پایا جاتا ہے، اس قول حق کا اعلان فرماتے ہیں کہ

"اُن کے ترک یا عمل پر نجات موقوف نہیں، مدارِ نجات وہی ہے جس پر تعامل بلا اختلاف چلا آتا ہے"

آخر میں ایک قول فیصل جو اُن کے نزدیک سُنن و آثار نبوی کے حجّتِ شرعی ہونے پر محکم ہے سورۂ احقاف سے نقل کرتے ہیں کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَا اَوْ اَثَارَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"

یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ آیۂ کریمہ مجادلہ فی اللہ میں ہے، لکھتے ہیں کہ

"اَوْ اَثَارَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ سے اللہ تعالیٰ نے اس علم[1] کو بھی حجت و دلیل قطعی مانا ہے جو اہلِ علم کے نزدیک ثابت اور مسلّم مروی ہوتا ہے اور آثار کو حدیث کے مرادف ماننا قرآن سے[2] ثابت ہوتا ہے اور کیا یہ سلسلہ حدثنا و اخبرنا کوئی علمی شرعی بات نہیں ہے؟"

آخر میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ

"بہتوں نے ہزاروں حدیثیں محض قرآن کی طرف[3] مائل کرنے کے لیے بنائیں اور من کذب

---

[1] ایک صحابیؓ کا قول ہے کہ میں نماز وغیرہ کو اپنی اصلی صورت پر نہیں پاتا، جس صورت پر آں حضرتؐ کے زمانے میں تھی۔ صورت بہت کچھ قریب تر زمانہ میں بدل گئی۔

[2] المنہ حدیث تو احادیث کو ظنی تسلیم کرتے ہیں وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ وہ علم کس طرح ہوگا؟

[3] یہ نئی بات ہے۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ سلسلہ حَدَّثَنَا و اَخْبَرَنَا وضع ہی اس لیے ہوا کہ مسلمانوں کی توجہ قرآن مجید سے ہٹائی جائے۔ ملاحظہ ہوں وہ احادیث جو ابن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ سے مروی ہیں جن میں مذکور ہے کہ قرآن میں دو سورتیں تھیں جو شدت میں سورۂ براۃ کے برابر تھیں اور اب دونوں قرآن میں موجود نہیں۔ صحاح ستہ میں ایک سورت کی دو آیتیں موجود ہیں۔ جس غرض کو لیے ہوئے حدیثیں وضع ہوئیں، وہ تو پوری ہوئی۔ اگر یہ غرض ہے کہ قرآن کی طرف میلان ہو تو یہ پوری نہیں ہوئی۔ لسان العصر نے سچ کہا:

سررشتۂ اتحاد ہم سے ٹوٹا　　آپس کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روکنے کے لیے　　ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

متعمداً کی وعید میں آ گئے۔ اسی طرح وہ لوگ جو قرآن سے بہ ظاہر حسن ظن رکھتے ہیں آں حضرتؐ کی صحیح سنتوں اور آثار کے ترک کے جرم میں ماخوذ ہوں گے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہر وہ خبر جو رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے بیان کی جائے، اس پر آمنا وصدقنا کہہ دیا جائے، جانچ پرتال کرنے کا حق ہر ایک اہل علم کو ہر ایک زمانہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی سعی مشکور فرما رہا ہے۔ یہ کیسے توقع تھی، وہ وقت نزدیک تر ہے کہ اہل حدیث یہ تسلیم کر لیں گے کہ وہ مجموعہ احادیث جو صحاح ستہ میں محفوظ ہے، اس قابل نہیں کہ قرآن عظیم کی طرح بلا چون و چرا قبول کیا جائے؟ سر دست یہی غنیمت ہے کہ حامیان سلسلۂ حدثنا و اخبرنا اس اختلاف تعامل کو کچھ وقعت نہیں دیتے، جو مسلمانوں میں شر انگیز فرقہ بندی اور تفرقہ کا موجب ہے اور جو فتاوی کفر کا سنگ بنیاد ہے۔

اہل حدیث کی سعی بے حاصل یہ ہے کہ کسی طرح سلسلۂ حدثنا و اخبرنا کو بھی قرآن عظیم کے برابر منوایا جائے کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ احادیث وحی خفی یا غیر متلو کے ماتحت ہیں اور قرآن مجید وحی متلو اور یہ دعوی تو عرصہ سے سنتے آئے ہیں کہ "مثلہ معہ" اور یہ کہ قرآن کی طرح ان کی قطعیت میں کچھ کلام نہیں اور قرآن کی طرح حجت شرعی ہیں اور اب یہ دعویٰ بھی سننے میں آیا ہے کہ قرآن خالص علم ہے، تو احادیث بھی علم[1] یا آثارة من علم ہیں۔ یہ حضرات قرآن مجید میں تدبر نہیں کرتے کہ شروع میں ہی قرآن نے منکرین قرآن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا	اگر تم کو اس میں (شک) ریب ہے جو ہم نے اپنے ایک
عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ	بندہ پر نازل فرمایا ہے، تو تم بھی اس جیسی ایک سورت ہی
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ	بنا لاؤ اور مدد کے لیے اللہ کے سوا ان کو بھی بلا لو، جن کو تم
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	اپنا نگران حال سمجھتے ہو، اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

[1] حجاج نے مکہ معظمہ دیکھا ہے۔ ان کو اس کا علم ہے لیکن ان لوگوں کو صرف یقین ہے، جو حجاج کی شہادت پر کہ مکہ ہے' یقین کرتے ہیں۔ احادیث کا علم تو صحابہ ہی کو ہو سکتا ہے مکہ چونکہ موجود ہے اس لیے اس کا یقین پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے اور شاہد کے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے لیکن احادیث کا درجہ "یقین" سے بھی کمتر ہے۔ یہ صرف باتیں ہی باتیں ہیں، آثار قدیمہ اور تواریخی روایات میں مطابقت ہو سکتی ہے لیکن احادیث کے لیے کون سا علمی آثار ہے جن سے تصدیق ہو؟

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا کیا کہتے ہیں یہ (منکرین) کہ باندھ لایا ہے اس (قرآن کے
بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مضامین) کو کہو کہ تم بھی اسی کی مثل دس سورتیں باندھ لاؤ
مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اور پکار دو اللہ کے سوا ان کو جن کو پکار سکو اگر تم سچے ہو۔

قرآن مجید کا یہ دعوی بھی ہے کہ تمام جن و انس بھی مل کر قرآن کی سورت کی مثل نہیں بنا سکتے۔ ناممکن ہے کہ کوئی بشر کوئی شے بنا سکے جس کی مثل پہلے موجود نہ ہو، معارضہ بالکل ممکنات میں ہے کہ نمونہ بھی موجود ہے اور اگر یہ کلام بشر ہے تو اس کا مثل بشر بنا سکتا ہے۔ اگر ایک نہ بنا سکے تو ایک جماعت بنا سکتی ہے اور کل عالم انسانی بنا سکتا ہے، لیکن منکرین مثل تو نہ بنا سکے، مگر یہی کہتے رہے کہ قرآن کے مضامین رسول کریمؐ اپنے دل سے باندھا کرتے ہیں۔

ہزار آفرین ہے اہل حدیث کی جرأت پر کہ جو بات منکرین قرآن نہ کہہ سکے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ احادیث قرآن مجید کی مثل ہیں۔ قرآن کی طرح حجت ہیں۔ قرآن کی قطعیت سے احادیث کی قطعیت کسی طرح کم نہیں۔ قرآن و احادیث میں کچھ مابہ الامتیاز نہیں ہے۔ مناسب تو یہی تھا کہ ان حضرات سے سلسلہ بحث قطع کر دیا جائے، لیکن اس خیال سے کہ ممکن ہے کوئی سعید روح ان میں ہو اور عقل و فکر سے کام لے، ہم آج پھر اس دعوی پر بحث کرتے ہیں کہ یہ سنن کی قطعیت جو تعامل سے ثابت شدہ ہے اور تعامل سلسلہ حدثنا و اخبرنا سے، قرآن مجید کی قطعیت سے کسی طرح کم نہیں۔ قرآن مجید خالص علم ہے تو سلسلہ حدثنا و اخبرنا آثارۃ من علم جسے خود اللہ تعالیٰ نے مانا ہے"۔

قرآن مجید نے اصل اصول مجادلہ اس طرح واضح فرمایا ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے، جو اللہ کے بارے
بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ (الایۃ) میں جھگڑتا ہے بغیر علم اور بلا ہدایت اور بلا کتاب منیر کے،

اس آیۂ مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ مجادلہ ایسی حالت میں مفید ہوتا ہے جب علمی ہو۔ "ہدایت" سے مراد ہر ایک آسمانی کتاب ہے اور توراۃ و انجیل و قرآن پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور کتاب منیر سے مراد صحیفۂ فطرت ہے، جو تمام علوم کا ماخذ ہے

لہ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ۚ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ ؕ ۲۴

اور تمام کتبؑ اسی کا بیان ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ	یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور بنا سکے اور (منکرین کا
اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ	یہ خیال تو غلط ہے کہ محمدؐ دل سے باندھ لاتا ہے) لیکن یہ
اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ	مصدق ہے اس کا جو اس سے پہلے ہے (توراۃ و انجیل
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ	وصحف انبیاء) اور بیان ہے کتاب (فطرت) کا جس میں کچھ
تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ	(شک و) ریب نہیں، تصنیف ہے تمام جہانوں کے
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ الآیۃ (۱۰/۳۷)	پروردگار کی۔

قرآن میں منکرین کو ریب تھا اور اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا انکار کفار کرتے آئے اور اب بھی کرتے ہیں، لیکن صحیفۂ فطرت کا انکار آج تک کسی نے نہ کیا، اس لیے اس میں کسی کو شک و ریب نہیں اور یہی وجہ ہے کہ شروع میں اسی صحیفۂ فطرت کو معیار صداقت پیش کیا گیا۔ "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (۲/۱)" اس معیار صداقت پر ہر ایک دعوی کی جانچ پرتال ہو سکتی ہے اور سب سے پہلے خود قرآن نے اس کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ	کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے کہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ	ہوتا تو اس میں (اور صحیفۂ فطرت میں جو اللہ کی تصنیف ہے)
اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (۴/۸۲)	کثیر اختلاف پاتے۔

ؑ "ویعلمه الکتٰب والحکمة والتورات والانجیل" (۳/۴۸) کتاب توراۃ و انجیل سے علیحدہ شے ہے۔ توراۃ و انجیل بھی الکتاب ہی کا بیان ہے۔ "تلك ایٰت القرآن وکتٰب مبین" (۲۷/۱)، "تلك ایٰت الکتٰب وقرآن مبین" (۱۵/۱) لوح محفوظ بھی یہی ہے۔ کتاب فطرت تصویری حروف میں لکھی ہوئی ہے، جو حروف ابجد کا ماخذ ہیں۔ یہ کتاب مکنون بھی ہے "لا یمسه الا المطهرون" (۵۶/۷۹)، جو ... مکنون ہو وہ مخزونا ہوتی ہے، یہ حقیقت ہے جو صورتوں میں رونما ہوتی ہے اور صورتوں میں محجوب ہے، یہ نور ہے جو حجاب ... ہے لیکن اہل نظر کے لیے اس کے حجاب بھی نور علیٰ نور ہوتے ہیں اور جن کی نظر محض صورتوں پر ہوتی ہے جو نفس ... ربلے ... اُن پر تاریکی پر تاریکی چھائی ہوتی ہے۔ حقیقت ام الکتب ہے اور صورتیں آیات متشابہات۔ حقیقت ... ہے اور اہل ہدایت ہی پر اس کا اظہار ہوتا ہے اور وہ بھی اہل ہدایت ہیں، جو علیٰ بصیرت اہل ہدایت تحقیق ... کرتے ہیں "اولٰئك هم المفلحون" حقیقت نور ہے اور صورتیں تاریک، اس لیے نور حقیقت تاریک اشیا ... روشن کرتا ہے۔ صورتیں حقیقت کی معرفت کا ذریعہ ہیں اپنے نفوس اور آفاق میں اس کا مشاہدہ کرو۔ انا الحق حقیقت ... مشہود ہے۔ امثال سے معرفت ہوتی ہے اضداد سے امتیاز عرفت ربی بنور ربی!

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس آیت کریمہ میں اختلاف کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی اپنی آیات میں کوئی اختلاف نہیں، تو غالباً اہل حدیث یہ مفہوم ہرگز نہ مانیں گے، کیوں کہ سلسلہ حدثنا واخبرنا میں یہ واضح ہے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری کی ناسخ ہے اور ناسخ و منسوخ پر ان کا کامل ایمان ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح ہے کہ قرآن اس اختلاف سے پاک ہے لیکن صحیح مفہوم وہی ہے، جو ترجمہ میں ہم واضح کر چکے ہیں اور اس کے ثبوت میں اور تائیدی دلائل بھی ہیں، مگر یہ بحث سردست ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اگر سلسلہ حدثنا و اخبرنا کو جو صحاح ستہ وغیرہ میں محفوظ کیا گیا ہے، اس معیار صداقت پر پیش کیا جائے تو کھرا کھوٹا متمیز ہو جاتا ہے، لیکن یہ بحث طویل ہے اور ہم اس مقام پر اسے نظرانداز کرتے ہیں۔

قرآن مجید کا ایک نام "علم" ہے اور "حق" اور "بصائر للناس" وغیرہم بھی ہیں "علم" کی تعریف یہ ہے کہ "حق" اس طرح صاف صاف متمیز ہو جائے کہ شک و شبہ کی گنجایش نہ رہے، اگر بقول امام غزالی کوئی شخص یہ کہے کہ دو اور دو چار نہیں بلکہ تین ہیں اور لاٹھی کا سانپ اور سانپ کی لاٹھی بنا کر دکھائے پھر بھی ہم یہی بہ وثوق کہیں گے کہ دو اور دو چار ہی ہیں، یہ تعریف تو قرآن عظیم پر صادق آتی ہے، سنن جو ثبوت کے لیے تعامل کی محتاج ہیں اور تعامل سلسلہ حدثنا و اخبرنا کا، اس تعریف میں آتے ہیں یا نہیں، قابل غور ہے۔

اگر یہ کسی طرح ثابت بھی ہو جائے کہ یہ اور وہ سنت نبوی ہے، پھر بھی جہاں تک عمل کا تعلق ہے، قابل قبول نہیں ہو سکتی، جب تک کسی علمی شہادت سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ قابل عمل بھی ہے اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو قابل مواخذہ ہے۔ یہ بات ضرور اہل حدیث کو کھٹکے گی اور غالباً ناگوار بھی گذرے گی، لیکن خود قرآن مجید نے اپنے منوانے کے لیے یہی علمی بات پیش کی ہے۔ کون اہل علم کسی عبث غیر مفید امر کو اختیار کرے گا؟ اور جب کہ یہ مضر بھی ہو تو اس سے پرہیز ہی فتوئے اہل عقل ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن علم ہے اور علم کا نتیجہ ہدایت اور ہدایت کا نتیجہ فلاح ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا سنن نبوی بھی علم و ہدایت و فلاح کو لیے ہوئے ہیں؟ اس کا بار ثبوت اہل حدیث پر ہے کہ پہلے وہ یہ ثابت کریں کہ صحیح سنن نبوی کیا ہیں؟ اور پھر یہ کہ علم و ہدایت و فلاح کی حامل ہیں؟

اول الذکر امر کی تنقیح کے لیے وہ تعامل اور سلسلہ حدثنا و اخبرنا ثبوت میں پیش کرتے ہیں، آؤ دیکھیں کہ قرآن کا فتویٰ تعامل اور سلسلہ حدثنا و اخبرنا کے متعلق کیا ہے؟

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل فرمایا
اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا ہے اُس کی طرف آؤ اور اس کی طرف جس کو اُس نے بھیجا ہے
مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ (یعنی رسُول) کہنے لگے کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے، جس پر
آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا (تعامل) بھلا پھر بھی جب کہ
وَلَا يَهْتَدُونَ (۵/۱۰۴) اُن کے باپ دادے کسی شے کا علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں؟

اس آیتِ کریمہ کے مخاطب تعامل بھی پیش کرتے ہیں اور آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اُن کے بزرگ جن کا تعامل پیش کیا جاتا ہے، اہلِ علم ہوں اور ہدایت یافتہ ہوں، تو کچھ بات بھی ہے اور جب دونوں باتیں نہ ہوں تو تعامل کوئی دلیل اتباع کی نہیں۔ چوں کہ ہدایت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے مراد ہر ایک آسمانی کتاب ہے (۱؎)، اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کوئی تعامل دلیل اتباع نہیں، جب تک اس کی ہدایت اس کتاب میں نہ ہو، جو مخاطب کے ہاتھ میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعامل کے لیے جو قابلِ قبول ہو، شرطِ علم مقدم ہے، یعنی تعامل علی وجہ البصیرت ہو، ہر ایک تعامل جو کسی بزرگ سے منسوب ہو، یہ ضرور نہیں کہ وہ قابلِ اتباع بھی ہو، جب تک علماً ثابت نہ ہو کہ اس کا نتیجہ ہدایت و فلاح ہے۔ یہ بحث تقلید، تحقیق کے متعلق ہے اور ضمناً عصمتِ انبیاء کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے، لیکن اسے نظر انداز کرو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ کہ کہ یہ میرا طریق ہے کہ اللہ کی طرف علی البصیرت دعوت
عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي دیتا ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتا ہے اور اللہ پاک
وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ہے اور مَیں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس آیۂ کریمہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اتباع ما انزل اللہ علی البصیرت ہی کرنا چاہیے اور یہی مفید ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ اور وہ (مومن صالح) ہیں، جب انہیں اپنے پروردگار کی آیات
لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا (۲۵/۷۳) یاد کرائی جائیں، تو بہرے اور اندھے ہو کر اُن پر نہیں گرتے۔

۱؎ قالوا اتخذ اللہ ولداً، ما لهم به من علم ولا لآبائهم (۱۸/۵) یہ تعامل اہلِ کتاب کا ہے۔ اس لیے کوئی تعامل کسی عقیدہ میں کوئی دلیل نہیں، جب تک علمی شہادت سے صحیح ثابت نہ ہو۔

نیز یہ کہ جو لوگ کورانہ تقلید کسی شخصیت کی کرتے ہیں، تو وہ "ما انزل اللہ" کی نہیں بلکہ اس شخصیت کی کرتے ہیں اور یہ شرک ہے اور اسی اندھا دُھند تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ

کفر گیرد کاملے ملت شود

کسی شخص کی شان بلحاظ رسالت و نبوت خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو غلطی جو خاصۂ بشریت ہے بالکل ممکنات سے ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنّٰى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ أُمْنِيَّتِهٖ (۲۲/۵۲)

اور تجھ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ہی ایسا بھیجا اور نہ نبی مگر یہ کہ جب آرزو باندھنے لگا، تو شیطان نے اس کی آرزو میں القا نہ کیا ہو۔

قرآن مجید میں لفظ "تمنا" متعدد آیات میں استعمال ہوا ہے اور ایک ہی مذموم معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جب انبیاء و رسل بھی تمناؤں سے پاک نہ تھے، تو ما و شما کس شمار میں ہیں؟ توراۃ میں لکھا ہے کہ اسرائیل میرا پلوٹھا بلکہ اکلوتا ہے۔ انجیل میں بھی مذکور ہے کہ بیٹوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں (غیر بنی اسرائیل) کو نہیں دی جا سکتی اور قرآن میں بھی مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ "نحن ابنؤا اللہ واحباؤہ" کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ توراۃ و انجیل محرف ہی سہی، یہ تمنائیں تو موجود ہیں اور آخر کسی سلسلہ حدثنا و اخبرنا پر ہی مبنی ہیں، لیکن ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء و رسل کی تمناؤں کی وجہ سے یہ عقیدہ یہود و نصاریٰ میں راسخ ہو گیا اور آخر ملت بن گیا۔ اگر وہ علیٰ وجہ البصیرت ما انزل اللہ کا اتباع کرتے، تو سمجھ جاتے کہ جب ہمارے ذنوب پر ہمیں سزائیں مل رہی ہیں، تو کیسے خدازادے اور کیسے پیارے؟ جس طرح اور لوگ مخلوق بشر ہیں، ہم بھی ہیں۔ بہرحال کسی رسول یا نبی سے بشریت کی نفی ناممکن ہے اس لیے سنت انبیا خواہ صحیح بھی ہو بلا بصیرت قابل اتباع نہیں، ورنہ شرک میں کچھ کلام نہیں۔

آفرینش سے یہی آسمان یہی زمین اور یہی لیل و نہار ہیں، لیکن ذہنی ارتقاء کے ساتھ علمی انکشافات ہو رہے ہیں اور ان کے ساتھ حالات بدل رہے ہیں۔ اگر ہم وہ بات جو ہمارے نفوس میں ہے، نہیں بدلتے، تو ہم ان فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں، جو ارتقاء کے مقتضی ہیں۔ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ ابن مریم تک انبیاء و رسل پے در پے مبعوث ہوتے رہے

[1] خروج ۴/۲۲ و ہوسیع ۱۱/۱ رومیون ۹/۴ [2] ۱ کرنتھیان ۶/۱۸ متی ۱۵/۲۶

غور کرنا چاہیے کہ ان کی ضرورت ہی کیا تھی! ان کی بعثت کی غرض یہی تھی کہ اپنی قوم کو صحیفۂ فطرت کی آیات کی طرف توجہ دلائیں اور ارتقائی مرحلہ پر راہ نمائی کریں۔ ان میں سے کسی کو ناحق قتل کیا اور کسی کی مخالفت شدت سے کی۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں بے پناہ حربہ تعامل کا تھا اور سلسلہ حدثنا و اخبرنا گلے کا ہار ہو رہا تھا۔ چنانچہ مسیحؑ پر بھی یہ اعتراض بار بار ہوتا کہ سنتِ موسوی کا پابند نہیں۔ حواریان بزرگان دین کی سنت کا اتباع نہیں کرتے۔ سبت کے دن بھی کام کرتے ہیں خواہ یہ نیکی کا کام ہی ہو تا کھانے سے پہلے ہاتھ نہیں دھوتے وغیرہ وغیرہ۔ بالکل یہی حال ہمارے علمائے دین کا ہے جو مسیحؑ کے زمانہ میں فریسیوں کا تھا۔ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (۲۲) سنت اللہ یہ ہے کہ ایک ہی اسباب سے ایک ہی جیسے نتائج برآمد ہوں گے۔ وہ زمانہ جاہلیت کا تھا جس کو از منۂ تاریک کہتے ہیں۔ فہم انسانی بالغ نہ تھا۔ اب جب کہ زمانہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا اس مرحلے پر پہنچ گیا ہے کہ "قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" اور منصب امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو ان ایام میں انبیاء کا کام تھا خاتم النبیین ؐ کے بعد امت مسلمہ میں منتقل ہو چکا ہے اور وہ انبیاء سابقین اور آں حضرت ؐ کی طرح شہداء علی الناس ہیں، کتنے تعجب کی بات ہے کہ وہ حضرات جن کو دعویٰ علم و فضل بھی ہے، رجعت پسند واقع ہوئے ہیں اور وہ بات جو ناممکن ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پہلے کا احول اور حالات پیدا ہوں، آیتوں اور روایتوں سے پیدا کرنا چاہتے ہیں اور اسی فریسی جبہ و دستار میں ملبوس ہیں۔ وہ جس قعر پستی میں گرے ہوئے ہیں اس کا رونا تو روتے ہیں، چیختے چلاتے اور روا ت پیٹتے ہیں لیکن زمانہ کے ارتقائی حالات کا ساتھ نہیں دیتے کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ کا خطاب ان کے تعامل کی وجہ سے بالکل صحیح ہے۔ وہ نقال تو واقع ہوئے ہیں لیکن اصلیت کا علم نہیں اور ترقی کرنا نہیں چاہتے۔ آباؤ اجداد نے تو اپنے زمانہ کا ساتھ دیا۔ چوں کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے اس لیے اگر وہ سلف صالحین کی مثل بننا چاہتے ہیں تو ان سے بہتر بن ہی بن سکتے ہیں یعنی اپنے زمانہ کے ارتقاء کا ساتھ دے کر۔

سوختنی قربانی اہل کتاب کے مسلمات میں سے ہے اور اس پر بنی اسرائیل کے انبیاء کا عمل

بھی تھا، لیکن یہود نے آں حضرت ؐ کی رسالت کا انکار اس وجہ سے بھی کیا کہ سوختنی قربانی کو بے وقعت سمجھتے ہیں۔ "اصطباغ" بھی اہل کتاب کے نزدیک مسلّم، انبیاء کی سنّت اور بزرگانِ دین کا تعامل اور سلسلہ حدثنا واخبرنا سے ثابت شدہ ہے۔ اکثر علماء مسیحی کے نزدیک جو بچہ بلا اصطباغ فوت ہو جائے، نجات نہیں پائے گا، لیکن قرآن میں اس پانی کے اصطباغ کی کیا وقعت ہے؟ وہاں تو صبغۃ اللہ ہے اور الٰہی رنگ سے بہتر اور کیا رنگ ہو سکتا ہے۔ آں حضرت ؐ کے متعلق اہل کتاب یہی کہتے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں کتب سابقہ کا مصدق ہوں اور ہمارے مسلّمات سے انکار ہے! یہ مسلّمات کیا تھے، یہی جو تعامل اور سلسلہ حدثنا واخبرنا سے سنن انبیاء ثابت شدہ ہیں۔ سلف صالحین کو ہمارے زمانے کے حالات کا کیا علم تھا جو آن کے اپنے زمانہ کے حالات سے بہت مختلف ہیں؟ روشن دماغ وزیر اعظم نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ "اگر بوحنیفہ در زمانِ ما بودے فقہ دیگرے نوشت"۔ اس لیے کوئی تعامل خواہ وہ قطعی طور پر سنّت انبیاء ہی بھی ثابت ہو جب تک علماً یہ ثابت نہ ہو کہ زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب بھی ہے، محض رسم پرستی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ الآیہ (نہم) جس کا مفہوم یہ ہے کہ مخالفین کو مرعوب کرنے کے لیے ہر ایک ممکن قوت کا مظاہرہ کیا کرو۔ آں حضرت ؐ نے یہ اجتہاد فرمایا کہ قوت تیروں میں ہے۔ چنانچہ آں حضرت ؐ، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اس پر عمل بھی رہا، بلاشبہ یہ سنّت صحیح مگر وقتی اجتہاد پر مبنی تھی۔ آج اگر تیروں کا استعمال کیا جائے تو ہلاکت یقینی امر ہے وقس علی ہذا۔ آں حضرت ؐ کعبۃ اللہ کو [illegible] حضرت ابراہیم کے وقت تھی، مگر یہ جانتے ہوئے کہ قریش [illegible]

[illegible]

ہے، [illegible]

اسرائیل میں حضرت [illegible]

لہ خروج [illegible]

وبالغ کتاب قرآن عظیم ہے جنہیں احکام شرعیہ کہتے ہیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اصولاً قرآن میں مفصل مذکور ہیں۔ رہے اُن کے ارکان جو سُنن نبوی سے تعبیر ہوتے ہیں جو قال اور سلسلہ حدثنا واخبرنا سے ثابت شدہ ہیں، وہ حالات کے مناسب ضرور بدلیں گے سب سے بڑا حکم شرعی صلوٰۃ ہے۔ قرآن محض مجتہدین کی ہدایت کے لیے اصول صلوٰۃ کی تشریح بعض ہدایات سے فرماتا ہے کہ مختلف حالات میں مناسب صورت پر نماز پڑھ لیا کرو۔ ایک جنگ میں رجعت پسند مسلمانوں کو حشاشین کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی، حشاشین نے تو سواری پر ہی نماز پڑھ لی اور فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کا خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا اور یہ محروم رہے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (پ۴) یہ تین حالتیں اور صورتیں ہیں اور ان میں سے کسی ایک حالت پر ضرور انسان کسی ایک وقت میں ہوتا ہے۔ اس لیے "ذکر" جس کی صورت صلوٰۃ ہے ہر حالت اور ہر صورت میں ہو سکتا ہے۔ ... اہل حدیث کا یہ عقیدہ ہے کہ نماز کی وہ مخصوص صورت یا صورتیں جو سنتِ نبوی ... میں نماز ہیں، ورنہ کوئی نماز نہیں لیکن ہم معقول پسند ہیں اور احسن واہدیٰ کا اتباع ہر ... وقت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہر ایک معقول بات قبول کر لینی چاہیے، خواہ کسی نبی یا رسول ... منسوب نہ ہو اور ہر ایک نامعقول بات رد کرنی چاہیے، خواہ کسی نبی یا رسول سے منسوب ہو ... موجودہ صورت نماز نہایت معقول ہے۔ حالات کے ماتحت تو خود قرآن مجید نے اجازت دی ہے کہ جیسی مناسب صورت ہو، اختیار کر لو، لیکن ہر ایک معقول پسند کی یہی رائے ہوگی کہ بحالت امن وقیام وصحت یہ جزئی اختلاف جو اُمتِ مسلمہ کے فرقوں میں پایا جاتا ہے مٹ جائے۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا پرست ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ غرض عبادتِ الٰہی ہے

یکے است ترکی وتازی دریں معاملہ حافظ ... حدیثِ عشق بخواں در زباں کہ تو دانی

... کا ارشاد ہے کہ میں تمہیں بتاؤں وہ بات کہ تم اس میں دست دگریباں نہ ہو اور ... کا گلا کاٹے، وہ ذکرِ الٰہی ہے" خدا پرستوں میں کوئی فتنہ وفساد نہیں ہوتا، ... پرستوں میں سب کچھ ہوتا ہے۔ خدا سب کا خدا ہے اور وہ خوب ... ہدایت یافتہ اور کون گمراہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کی نظر صورتوں پر نہیں

بلکہ دِلوں پر ہے اور مقابل موأخذہ بھی وہی کچھ ہے جو قلوب کسب کرتے ہیں۔ صُورت پرست صُورتوں ہی کو مقصد بالذات سمجھتے ہیں اور اختلاف صُورت فطری امر ہے، اِس لیے صورتوں پر لڑتے ہیں۔ جن کی نگاہ حقیقت پر ہوتی ہے، اُن کے نفوس مطمئن ہوتے ہیں، واقفانِ حقیقت تو جانتے ہیں کہ کوئی صورت اپنے صورت گر کی بے صورت نہیں" اور ہر ایک صورت احسن ہی ہے، اِس لیے وُہ ان میں جلوۂ حقیقت مشاہدہ کرتے ہیں اور جن کی نظر محض صورت پر ہوتی ہے، حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں وہ محض بُت پرست ہوتے ہیں۔

اوقاتِ صلوٰۃ | سورۃ المزمل سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرتؐ کو عبادتِ الٰہی سے انتہائی شغف ابتدا سے آخر دم تک رہا۔ مؤمنین کی ایک جماعت بھی آں حضرتؐ کے ساتھ راتوں کو ذکر الٰہی میں مشغول رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو منع فرمادیا کہ علمو أن لن تحصوہ۔ انہی شغف کے جذبات نے اہلِ کتاب میں "رہبانیت" کا شاخسانہ نکالا تھا اگرچہ مدنظر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی، مگر نباہ نہ سکے، اس لیے آں حضرتؐ نے فرمایا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام"۔ رہبانیت تجرید سے شروع ہوتی ہے اور اگر یہ کوئی فرض من جانب اللہ عائد ہوتا تو نسلِ انسانی کا دیر سویر خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اصل اصول عبادت اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا ہے کہ

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتۡ وَعَلَیۡھَا مَا اکۡتَسَبَتۡ (۲۸۶)	اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا اور جو کچھ وُہ کسب واکتساب کرے وُہ اس کے لیے ہے۔

جسے "فرض" کہتے ہیں، وُہ وہی کچھ ہے، جسے ہر ایک نفس برداشت کر سکتا ہے جو کچھ اس سے زیادہ ہے وُہ "نفل" ہے اور اس کا اجر مُناسب ملے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَجَعَلۡنَا نَوۡمَکُمۡ سُبَاتًا وَّجَعَلۡنَا الَّیۡلَ لِبَاسًا وَّجَعَلۡنَا النَّھَارَ مَعَاشًا (۲۸)	اور ہم نے بنائی نیند دفع ماندگی کے لیے اور رات اوڑھنا اور دن روزگار کے لیے۔

یہ سب فطری امُور ہیں اور تقاضائے فطرت کا مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنا ہے سورۃ المزمل میں بالخصُوص اس عبادت کا مذکور ہے، جو رات کے وقت ہو، رات آرام کا وقت ہے۔ دن بھر کی محنت ومشقت سے جو ماندگی محسُوس ہوتی ہے، وُہ نیند سے

دفع ہوتی ہے۔ دن کاروبار کا وقت ہے اور اس میں بھی یکسوئی اور وہ اطمینان قلب جو عبادت الٰہی کے لیے لازم ہے حاصل نہیں ہو سکتا۔ عبادت ہو یا کچھ اور جب تک کسی کام میں دل نہ لگایا جائے وہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں پاتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ پس جب تم فارغ ہو تو مکلف ہو کر اپنے پروردگار کی طرف
إِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (۳۰/۱۵) دل لگاؤ۔

ہر ایک کام مناسب وقت پر ہی ہوتا ہے: كُلُّ أَمْرٍ مَرْهُونٌ بِأَوْقَاتِهَا کام کوئی ہو کامیابی پابندی اوقات سے وابستہ ہے۔ دن کام اور رات آرام کے لیے۔ پھر وہ کون سا وقت صلوٰۃ ہے جو ان کے علاوہ ہو؟ یہ دو وقت صبح و شام کے ہیں۔ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک اور غروب آفتاب سے اِلیٰ غسق الّیل تک انسان فارغ ہوتا ہے یہی دو وقت صلوٰۃ کے ہیں، جو فرض ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ نفل ہے۔ تہجد صرف آں حضرت ص کے لیے نفل صلوٰۃ ہے لیکن صالحین کی ایک جماعت ہمیشہ سے ایسی بھی رہی ہے جو اسے بھی قضا ہونے نہیں دیتی۔ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ اختیار ہے جو کچھ بھی نیکی کسب و اکتساب کرے لیکن افراط و تفریط سے بچنا چاہیے۔ دونوں جہنم کے کنارے ہیں عدل شعار ذات ہے اور یہی صراط مستقیم ہے، انسان مجاہدہ اور ریاضت شاقہ کر سکتا ہے، بلکہ جان پر بھی کھیل جاتا ہے لیکن عدل و اعتدال قائم رکھنا کارے دارد۔ اُمّتِ وسطیٰ کو میانہ روی ہی کی تعلیم دی گئی ہے۔ وہ امور جو ذنوب وغیرہ سے تعبیر ہوتے ہیں، اسی افراط و تفریط کا کرشمہ ہیں۔ روزانہ اِن دو وقتوں کے علاوہ ایک تیسری نماز بھی ہے، جو "صلوٰۃ الجمعہ" ہے۔ یہ ہفتہ میں ایک دن کے ایک دو گھنٹے ہیں اور یہ عین کاروبار کا وقت ہے اور اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ جب صلوٰۃ الجمعہ کی ندا ہو تو سب کاروبار چھوڑ کر ذکرِ الٰہی کی طرف جمع ہو جاؤ۔ اہل کتاب کا سبت بھی یہی تھا لیکن سبت تو تمام دن تھا بلکہ رات بھی تھی۔ ہمارے ہاں تھوڑا سا وقت ہے۔ روزانہ صبح و شام دو وقت۔ ہفتہ میں ایک وقت کے علاوہ سال میں أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ "حج" کے لیے خاص ہیں لیکن یہ اُن پر فرض ہے جو استطاعت رکھتے ہیں اور اس کے متعلق بھی مفصل ہدایات قرآن مجید میں ہیں۔ صلوٰۃ الوسطیٰ میں بھی جو بات زیادہ ملحوظ رکھنی چاہیے اور جس کی حفاظت کرنی چاہیے، وہ تعدیل ہی ہے؛

یعنی ہر ایک نماز میں تعدیل ہو، یہی صلوٰۃ ہے خیر الامور اوسطہا

صیام | روزے کے متعلق تمام اصولی باتیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ زمانہ و تعداد کے متعلق فرمایا، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (بقرہ ۲۳) پس تم سے جو کوئی اس مہینے (رمضان) کو پائے، تو وہ اس کے روزے رکھے (شہر کا لفظ گنتی ظاہر کرتا ہے یعنی ایک مہینہ) پھر فرمایا کہ مریض اور مسافر کو اجازت ہے، کہ وہ اپنے روزے رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں پورے کرے (وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ) پھر فرمایا کہ جو لوگ طاقت رکھتے ہوئے روزہ نہ رکھیں، وہ فدیے کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں" (وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ) پھر فرمایا لیکن تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ روزے رکھو۔ پھر فرمایا "روزے کی رات کو تمہارے لیے عورتوں سے مباشرت حلال کی گئی ہے" (أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ) پھر روزے کے اوقات معین فرمائے: يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ یعنی صبح صادق تک کھانا پینا جائز ہے اور پھر اس وقت سے لے کر إِلَى اللَّيْلِ یعنی رات تک روزہ پورا کرو۔ پھر فرمایا، اعتکاف کی حالت میں عورتوں کے ساتھ مباشرت نہ کرو۔ غرضیکہ قرآن نے روزے کے تمام ضروری ارکان اس حد تک تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے ہیں کہ اس سلسلے میں تعامل و تواتر کی خارجی شہادت کی کوئی احتیاج قطعاً محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس میں کسی قسم کے فقیہانہ اختلاف کی گنجایش ہے ؎

زکوٰۃ | یہ اہم موضوع ہے اور مفصل بحث کی گنجایش نہیں ہے اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ تعیین زکوٰۃ نہ قرآن میں اور نہ سلسلہ حدثنا و اخبرنا سے سنت نبوی ثابت ہوتی ہے۔ البتہ تعامل ہے تعیین زکوٰۃ حضرت عمرؓ نے شوریٰ میں کی تھی حضرت ابو ذر غفاری رضؓ بھی شوریٰ میں شامل تھے، سخت برافروختہ ہوئے اور کہا "اے عمرؓ! آج یہ تعیین خواہ کسی مصلحت سے کیا جائے لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان جمع مال میں مشغول ہو جائیں گے، اور سود خواری پر بھی اتر آئیں گے" اور وہ یہ کہتے ہوئے "واک آؤٹ" (walk out) کر گئے کہ اس مجلس پر عذاب الٰہی نازل ہونے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کا اجتہاد بھی وقتی صحیح اور حضرت ابو ذر غفاری رضؓ کا اعتراض بھی اصولاً درست، لیکن ہمارا جمود ذہنی ملاحظہ ہو کہ اسی کو فرض سمجھتے ہیں اور اس میں بھی شرعی حیلے تراشتے ہیں۔ اگر اس کے متعلق تعامل پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک تعامل سنت نبوی پر منتہی نہیں ہوتا۔

بُت کچھ زمانہ مابعد کی صنعت ہے گو محمود ہو - ارشاد الٰہی ہے :

صلوٰة کی غرض تو یہی کچھ ہے کہ بے حیائی اور بُری بات سے روکتی ہے، اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی اور اللہ جانتا ہے جو (اس میں) تمہاری اپنی صنعت ہے، اور (بوجہ اختلاف صورت) اہل کتاب سے مجادلہ نہ کرو مگر احسن طور پر -	إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ○ وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتٰبِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

فرائض کے علاوہ جو کچھ بھی ہے، وہ صنعت ہی ہے، خواہ محمود ہو۔ سُنن ہوں یا نوافل، مستحب ہوں یا واجب، سب صنعت ہے!

ہم ان جذباتِ محبّت کا واجب احترام کرتے ہیں، جو رسُول کریمؐ کی ذات بابرکات سے ہر ایک مسلمان کے دل میں مَوج زن ہیں اور یہی جذبات ہیں، جن کی تہ میں سُنن والآثار پر زور دیا جاتا ہے ۔ اگر کوئی اسے نباہ سکے، تو چشم ما روشن ودل ما شاد، اور شاید ہم بھی کوشش کرتے ہیں کہ نباہیں، لیکن دین میں غلو نہ کرو! محبّت بعض اوقات انسان کو اندھا کر دیتی ہے، اس لیے عقل سے بھی کام لو۔ ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کی طرح جو عقل سے کام نہیں لیتے، تم پر بھی رجس ڈالی جائے اور سچ تو یہ ہے کہ ڈالی گئی ہے اور سمجھو کہ آں حضرتؐ بھی خدا داد عقل سے کام لیتے تھے، جسے تم آج سُنن سے تعبیر کرتے ہو، لیکن عقل خواہ کتنی دُور اندیش ہو، اپنی حد سے تجاوز نہیں کر سکتی اور آئندہ کے حالات اور واقعات کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس لئے کتاب اللہ ہر ایک زمان و مکان میں ہمارے لیے کافی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بات حجت نہیں ہے، اور نہ ہو سکتی ہے۔ فتویٰ عقل وقتی و ہنگامی ہی ہوگا، دایمی نہیں ہو سکتا۔ بُت پرستوں نے اپنے بزرگوں کو خدائی کا درجہ دیا اور اہل کتاب نے عزیرؑ و مسیحؑ کو خدا کے بیٹے کہا، ڈر ہے کہ کہیں مسلمان بھی اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں +

اُمّتِ مسلمہ امرتسر کی خدمات

۱۔ایک ماہوار رسالہ جاری کیا، جو پندرہ سال سے قرآن حکیم کی خدمت واشاعت میں معروف ہے۔

۲۔ تبلیغی کاموں کے لیے قریبًا چار ہزار روپے کے صَرف سے ایک مستقل دفتر اور عمارتیں تعمیر کر کے خدا کی راہ میں وقف کی گئیں۔

۳۔اسلامی تہواروں کے علاوہ وقتاً فوقتاً پندرہ ہزار تبلیغی پوسٹر شائع کیے گئے۔

۴۔ "بیان للناس" کے نام سے قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر شائع کی گئی۔

۵۔مسلمانوں کی قومی اور ملّی اصلاح کے لیے صدہا کتابیں مُفت تقسیم کی گئیں

۶۔ صدہا روپے کے مصارف سے چار سالانہ جلسے منعقد کیے گئے، جن کے ذریعے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا۔

۷۔ ایک لائبریری قائم کی گئی جس سے بے شمار مسلمان علمی اور دینی فائدے حاصل کر رہے ہیں

۸۔ مدرسۂ "تبلیغ القرآن" کے نام سے ایک قرآنی سکول جاری کیا گیا، جس نے قدامت پرستی کے خلاف مسلمانوں میں قرآن پاک کے موحدانہ خیالات کی تبلیغ کی۔

اگر یہ تمام خدمات کسی بھی لحاظ سے آپ کے دِل میں خدمت و اشاعت قرآن کا اشتیاق پیدا کر سکیں، تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ براہِ کرم ہر ممکن تکلیف و ایثار گوارا کر کے دفتر اُمّت مسلمہ امرتسر کی مالی اور اخلاقی سرپرستی قبول فرمائیں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں، اوّل یہ کہ آپ ۲ ماہوار چندہ دے کر مجلس کے رُکن بن جائیں، دوسرے یہ کہ تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر ماہنامہ "البیان" کی اعانت کریں، تیسرے یہ کہ دفتر اُمّتِ مسلمہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں خرید کر عامۃ المسلمین میں مُفت تقسیم کریں۔

محمد حسین آنریری جنرل سکرٹری اُمّت مسلمہ امرتسر

حساب آمد و خرچ امت مسلمہ امرتسر

۶ دسمبر ۱۹۳۹ء سے ۱۲ جنوری ۱۹۴۰ء تک

آمد البیان

میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	٠	٠	١٣
میاں جلال الدین صاحب	٠	٠	١
بابو عبداللہ خاں صاحب	٠	٠	٤
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	٠	٦	٣
میاں فہمیلی	٠	٠	٦
چودھری خیرالدین صاحب	٠	٠	٧٠
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	٠	٠	١
ماسٹر محمد شفیع صاحب	٠	٨	١
جناب میراں بخش صاحب	٠	٨	٠
خواجہ رحمت اللہ صاحب	٠	٠	٣
ڈاکٹر اللہ دتا صاحب	٠	٨	٠
بابو محمد جہانگیر صاحب لاہور	٠	٠	٢
خلیفہ نور احمد صاحب لاہور	٠	٠	٣
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	٠	٠	٣
ڈاکٹر فضل احمد صاحب عثمان کھاٹر	٠	٠	٣
جناب عبدالکریم صاحب کسایہ	٠	٠	١
ڈاکٹر سعید اللہ صاحب ایم اے لاہور	٠	٣	٣
خان بہادر کرنل ایم ایچ قریشی صاحب	٠	٣	٣
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	٠	٠	١٠

صوبیدار حسین بخش صاحب	٠	٠	٣
متفرق و رکنیت	٠		١

عمارت فنڈ

شہاب الدین صاحب	٠	٠	١
متفرق	٠	٧	٣
کتب خانہ	٠	٣	١١

تبلیغ فنڈ (جلسہ)

بابو عبدالرحیم صاحب	٠	٠	٧
خواجہ ثناء اللہ صاحب	٠	٠	١
خواجہ غلام محمد صاحب	٠	٠	١
نامعلوم الاسم	٠	٢	٠
میاں الٰہی بخش صاحب	٠	٠	٢
جناب محمد شفیع صاحب	٠	٤	٠
میاں جلال الدین صاحب	٠	٠	١
جناب عبدالرحیم صاحب قریشی	٠	٠	١
خلیفہ عبداللہ صاحب	٠	٠	١
معرفت مستری تاج الدین صاحب	٠	٠	٢
میاں مہر بخش صاحب چغتائی	٠	٠	١٠
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	٠	٠	٥

خواجہ محمد اسحٰق صاحب	.	.	۲
مسٹر محمد جمیل صاحب	.	۸	.
ملک محمد صادق صاحب	.	.	۱
بابو محمد شفیع صاحب	.	.	۱
خواجہ رحمت اللہ صاحب	.	.	۷
خواجہ سراج الدین صاحب	.	.	۱
ڈاکٹر اللہ دتا صاحب	.	۸	.
ماسٹر محمد شفیع صاحب	.	.	۱
ماسٹر غلام محمد خاں صاحب	.	۴	.
بیگم صاحبہ خواجہ محمد عباد اللہ اختر	.	.	۱۰
بابو محمد حسین صاحب	.	.	۲
میاں مہر بخش صاحب چاندی والا	.	.	۲
خلیفہ نور احمد صاحب	.	.	۲
ڈاکٹر میر حبیب اللہ صاحب	.	.	۵

لائبریری

حکیم طالب علی صاحب	.	.	۱
میزان	.	۸	۲۱۹
سابقہ بقایا	۳	۱۱	۲۳۷
کُل میزان	۳	۳	۴۵۷

اخراجات

البیان	۶	۸	۱۱۰
عمارات	.	۵	۵۵
کتب خانہ	۶	۱۳	۱
تبلیغ (جلسہ)	۳	۱	۱۱۱
میزان	۳	۱۲	۲۷۸
بقایا	.	۷	۱۷۸

کتابوں کی مُفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسبِ ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر اُمتِ مسلمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مُفت تقسیم ہو چکی ہیں:

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد تقسیم
سکرٹری اُمتِ مسلمہ امرتسر	۱۰ روپے	تفسیر سورۂ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمدؐ رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملّتِ ابراہیمؑ	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
بابو عبداللہ خاں صاحب	۱۰ روپے	برگِ سبز	۸۰
جناب خواجہ رحمت اللہ صاحب	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
جناب ایس ایم احسن صاحب	۱۰ روپے	خاتم النبیین	۴۰

اب فروری سنہ ۱۹۴۰ء میں جناب میاں مولا بخش صاحب کی طرف سے "برہان القرآن" کے ۸۰ نسخے مُفت تقسیم کیے جائیں گے جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف دو آنے کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مُفت طلب کر سکتے ہیں۔

اہلِ خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی سکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکرگزاری کا موقعہ دیں۔

سکرٹری اُمتِ مسلمہ امرتسر

تعلیماتِ قرآن

مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری

اس کتاب میں جملہ اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت بہت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۴۰ صفحات قیمت فی نسخہ دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

مطالعۂ حدیث

مدیر "نگار" کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور اُن کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے، جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایامِ صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے قیمت بارہ آنے۔

ملنے کا پتہ:

دفتر اُمتِ مُسلمہ امرت سر (پنجاب)

برگِ سبز

(”طلوع اسلام“ کی نظر میں)

”کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، کوئی خادمِ قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں اُن کی تحقیق اجتہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے۔ اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابلِ ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے۔ مروّجہ فقہ کی رُو سے یتیم پوتا، دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے دلائلِ قرآنی سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حُسن وخوبی سے کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کیے۔ زیرِ نظر رسالہ اُن کے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے، جو رسالہ البیان کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہوا ہے جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر اُس مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا، جو قرآن کریم کے احکامِ وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو“

قیمت دو آنے (۲ر)　　　　　　　　(طلوع اسلام نومبر ۱۹۳۹ء)

مہتمم دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر (پنجاب)

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مُفت

آپ ”البیان“ کے لیے اپنا یا اپنے کسی دوست کا سالانہ چندہ تین روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیجیے۔ ہم آپ کو رسالہ ”بلاغ“ کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم قریباً ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۶ روپے، مُفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام ایک سال کے لیے البیان بھی جاری کر دیں گے۔ یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق ومعارف، اسلامی وتاریخی معلومات اور علمی ورُوحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وہ تمام مُسلمان جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہو کر اسلام کو اس کے صحیح خدوخال میں پہچاننے کے آرزو مند ہیں، اُنہیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہییں۔

(نوٹ) ”بلاغ“ کے مذکورہ پرچوں کے محصول ڈاک کا ایک روپیہ بھی ”البیان“ کے سالانہ چندہ کے ساتھ ہی بھیج دیجیے۔

ملنے کا پتہ:

مینیجر رسالہ ”البیان“ امرت سر

ضرورت ہے ایک مبلّغ کی!

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کو ایک ایسے مبلّغ کی ضرورت ہے، جو ہمارے جماعتی اصُول و مقاصد کے مطابق مختلف شہروں اور قصبوں کا دورہ کر کے پوری جرات اور بے باکی کے ساتھ تبلیغ کر سکے۔ اس کے لیے خوش بیان اور تجربہ کار مقرر ہونے کے علاوہ دینی اور اخلاقی حیثیت سے بھی بہت تسلّی بخش ہونا چاہیے۔ جو اصحاب قرآن پاک کی اشاعت اور خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر کم سے کم تنخواہ لے کر اپنی خدمات پیش کر سکیں۔ انہیں اپنی علمی قابلیت اور اپنے ضروری حالات کی تصریح کے ساتھ بہت جلد اپنی درخواستیں بھیج دینی چاہییں۔

(نوٹ) بالمشافہ گفت گو کے بغیر کوئی معاملہ طے نہیں ہو سکے گا۔

محمد حسین آنریری جنرل سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

تحقیق قربانی

اس کتاب میں قرآن مجید، تورات، اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ مولانا ابوالکلام، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری مولانا وحید الزمان وغیرہم کے تراجم اور معتدبہ تفاسیر واحادیث اور اکثر جرائد واخبارات لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے وہ قدیم زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔ دوسرے بلاد و ممالک میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں قیمت صرف دو آنے (۲ر)

ملتِ ابراہیمؑ

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ دین در اصل ابراہیمؑ ہی کا دین ہے حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے، اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن بنی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے حضرت ابراہیمؑ کی مکمل سیرت، یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں قرآن ہی سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے (۲ر)

حضرت محمدؐ رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا، یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے، اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ قیمت دو آنے (۲ر)

جنّت کا گہنا

ایک نہایت سادہ سلیس اور عام فہم نظم ہے، جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف گھرانے کا فرض ہے کہ وہ اس نصیحت آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے اور حکمت و دانائی کی باتوں سے ان کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں۔

مینیجر دفتر اُمّتِ مُسلمہ۔ امرت سر

بجز کر الوہیت کا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔)
(۱۶۵) وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○ ہم (انتہائی عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور) صف بستہ (کھڑے) رہتے ہیں۔
(۱۶۶) وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ○ اور تحقیق، البتہ ہم (خدا تعالیٰ کی) پاکیزہ تعریفیں بیان کرتے رہتے ہیں۔ (آگے چل کر کفار اور مشرکین مکہ کی ضد و عداوت اور ہٹ دھرمی کا ذکر فرمایا):
(۱۶۷) وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ○ اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی نصیحت کی کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی دوسری قوموں کی طرح نیک اعمال سرانجام دیتے، مگر کتاب نازل ہوتے پر ان ہی لوگوں نے اس کی مخالفت کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:)
(۱۶۸) لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب موجود) ہوتی،
(۱۶۹) لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ تو ہم اللہ کے مخلص (اور نیک) بندے ہوتے۔
(۱۷۰) فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ مگر جب ہدایت والی کتاب اُن کے پاس آگئی، تو بجائے اس کے اس پر ایمان لاتے، اُلٹا اُس سے انکار کیا (یاد رہے کہ یہ انکار اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی معمولی بات نہیں) پس جلدی ہی وہ جان لیں گے (کہ اس کفر و انکار کی پاداش میں ان کے لیے کتنا سخت عذاب تیار ہے۔)
(۱۷۱) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○ (۱۷۲) اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ (جس طرح کفار اور مشرکین کو عذاب کی وعید لائی گئی، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو جزائے خیر کی بشارت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے) اور ہمارے پیغام پہنچانے والے بندوں کے ساتھ ہمارا وعدہ ہو چکا کہ تحقیق وہی غالب (اور فتح مند) رہیں گے (خدا اُن کا ناصر اور وہ منصور ہیں۔ ہمیشہ فتح اور کامیابی انہیں ہی ملی اور اُنہی کے لشکروں کو ظفر مندی حاصل ہوتی رہی۔ جیسا کہ فرمایا)
(۱۷۳) وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ اور تحقیق ہماری (خدا کی) فوج ضرور غالب ہونے والی ہے) سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کب وقوع میں آئے گا؟ محض ڈراوے ہی سے تو کام نہیں لیا جارہا؟ پس اے رسول! گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لمبا انتظار نہیں کرنا پڑے گا)
(۱۷۴) فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ (۱۷۵) وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ○

پس ایک (تھوڑے) وقت تک ان سے مُنہ موڑ اور تُو دیکھے گا (یعنی تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا) اور یہ لوگ (بھی) قریب ہی دیکھ لیں گے (کہ اُن کی یہ مخالفت کیا رنگ لائی؟ ہمارا سچا وعدہ ہے کہ ہمارے رسول اور دوسرے مؤمنین ضرور غالب آئیں گے۔ یہ وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ ہاں مناسب موقعہ پر مناسب عمل کیا جائے گا۔ نہ اُن کے کہنے سے کچھ ہوگا، نہ تمہارے گھبرانے سے کوئی کام قبل از وقت کیا جائے گا۔ ہمارے اندازے مقرر ہیں، آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اور تغیر و تبدل سے پاک ہیں۔ جب وہ گھڑی آجاتی ہے تو پیچھے ہٹنا تو محال ہے ہی، آگے بھی نہیں بڑھ سکتی۔ پس تم ان کے سوالوں سے بے چین نہ ہو جایا کرو۔ ہم کو اور اُن کو چھوڑ دو۔ ہم خود اُن سے نپٹ لیں گے)

(۱۷۶) اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ○ کیا پس یہ لوگ ہمارے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں؟ (انہیں چاہیے کہ اپنے اِس خیال سے توبہ کریں۔ ان پر جب ہمارا عذاب آگیا، تو بہت بُری گت بنے گی۔ تصور میں لاؤ ہمارے اس دردناک عذاب کو اور اس ہولناک منظر کو آنکھوں کے سامنے لاکر اس پر غور کرو۔ اب بھی موقعہ ہے کہ حق کی مخالفت سے باز آکر امن و سلامتی کی راہ اختیار کرلو، ورنہ دنیا میں بھی ذلیل اور تباہ ہو جاؤ گے اور دوسرے عالم میں بھی بُری طرح جکڑے جاکر طرح طرح کی تکالیف کا شکار ہو گے۔ سُنو!)

(۱۷۷) فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ پس جب عذاب اُن کے میدان میں اُتر آیا (فتح مکہ کے موقعہ پر دس ہزار کفار کیسی وحشت اور خوف کی حالت میں دست بستہ حاضر ہوئے! اسی طرف اشارہ ہے کہ) پس جو ڈرائے گئے ہیں، اُن کی صبح بہت بُری ہوگی۔ (یہ دنیا کی رسوائی کا حال ہے، آگے عقبےٰ کی ذلت کا حال ہے۔ تکرار لفظی نہیں ہے۔)

(۱۷۸) وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۙ اور تُو اُن سے ایک وقت تک مُنہ پھیر لے (قدرے انتظار کر، اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کی طرف دھیان رکھ)

(۱۷۹) وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ○ اور دیکھ پس قریب ہے کہ وہ لوگ بھی (عبرت ناک اور غرور شکن عذاب) دیکھیں گے (اور اُن کے جہنمی عذاب کا حال بھی تجھے بتا دیا جائے گا کہ کس طرح دو پیغمبروں کی بیویوں کی طرح اُن سے یہ برتاؤ ہوا۔ یہ بظاہر جو تکرار لفظی ہے اس میں دونوں عذابوں کا ذکر فرمایا، ایک دنیا کا دوسرا عقبیٰ کا تکرار نہیں ہے، واقعات کا اظہار ہے۔ قرآن مجید نے تمام اقوام عالم کو دعوت دی ہے کہ اس نظام میں آجائیں۔ اہل کتاب کے نیک لوگ جو اپنی اپنی کتب کے صحیح حصہ پر ٹکے ہوئے تھے، وہ بھی ممکن ہے فلاح پائیں۔ اس عالمگیر دستور العمل کے ماتحت بہت بڑی بھلائی موجود ہے اس لیے وہ بھی مدعو ہیں۔

الغرض کفار مکہ کی رسوائی اور ان کے عذاب عاقبت کا ذکر کرکے فرمایا یہ وعدے کسی ایسے ویسے شخص کے نہیں جو ٹل جانے والے ہوں یا غلط ثابت ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جو کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ تمام عزتیں اور غلبے اسی کی ملکیت ہیں جب اس کے وعدے دنیا میں بھی صحیح اور ٹھیک ہوئے تو کیا آخرت میں صحیح ثابت نہ ہوں گے، حالاں کہ آخرت کا ذکر بار بار قرآن مجید میں دہرایا گیا ہے۔ خدا کے وعدوں کی سچائی جب دنیا میں واضح ہوتی رہتی ہے، تو سوائے کسی سخت ضدی ظالم اور ناقدر دان کے کس کا منہ ہے کہ اسے غلط قرار دے پس عاقبت ضرور ہے اور نتیجہ خیز ہے۔)

(۱۸۰) سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (۱۸۱) وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ تیرا رب (تمام موجودات کی ربوبیت کرنے والا) عزت والا رب اس سے پاک ہے، جو یہ (لوگ اس کے شریک یا داماد اور رشتہ دار وغیرہ بنا کر طرح طرح کی بکواس اور غلط باتیں) بیان کرتے ہیں اور سلام ہے پیغام لانے والوں (اور دوسرے مومنین صالحین) پر (اللہ کی طرف سے بھی اور لوگوں کی طرف سے بھی۔ مگر مرکزی اور بنیادی بات یہ ہے کہ سب عزتیں اور تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، پس چاہیے کہ اللہ ہی کی بڑائی بیان کی جائے اور بس، جیسا کہ فرمایا:)

(۱۸۲) وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور ساری کی ساری تعریف (صرف کامل ذات) اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے پرورش کرنے والے ہی کے لیے ہے۔

(اس سورۃ میں رسولوں کی حیثیت واضح کی گئی ہے کہ وہ بندے ہیں، عاجز ہیں اور خدا کے محکوم ہیں۔ اس نے ان پر انعام کیے۔ فرشتے مجبور محض ہیں اور اللہ تعالیٰ کے منشا اور مرضی کے مطابق مشین کی طرح کام کرنے کے لیے فطرۃً مجبور ہیں، مگر تم نے ان کو مختار اور خدا کے رشتہ دار بنا کر ظلم عظیم کی راہ اختیار کی ہے۔ بغیر کسی معقول دلیل کے بہتان تراشنا بہت بڑا افترا ہے۔ تم نے یہ بھی کہا کہ کاہنوں نے فرشتوں کے ساتھ تعلق پیدا کر کے خدا کے ساتھ ناطہ جوڑ رکھا ہے، حالاں کہ کاہن خود یہ جانتے ہیں کہ انہیں خدا کے حضور جا کر ان ساری لغویات کا جواب دینا پڑے گا، جیسے جادوگر یہود سب کچھ جانتے بوجھتے کے باوجود اپنے علم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ اسی طرح کئی نام نہاد مسلمان بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہتے اور مانتے ہیں اور ظلم و کفر کی باتیں کہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو جان بوجھ کر علم کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ کاہن لوگ قریباً سب کے سب یہودی تھے۔ زبان سے کتاب موسیٰ کا اقرار کرتے تھے، مگر ان کا عمل علم کے خلاف تھا۔ ہاں ان میں نیک اور توحید پرست بھی تھے۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ص

مضمون اور نظم و ربط

ص - یہ ایک حرف ہے جس میں پروردگار نے ساری سورۃ بطور بیج کے رکھی ہے اور پھر اس کی تشریح و تفصیل بھی اپنی وحی کے ذریعے کر دی۔ یہ خدائی تفسیر کسی انسان پر نہیں چھوڑی جاتی، جیسا کہ سورۃ کے مضمون سے ظاہر ہے۔ اس کی تمام عبارت شاہد ہے کہ ایسی تفسیر انسانی طاقت اور انسانی فہم سے بعید ہے۔ قرآن مجید کے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے میں یہی راز تھا اور یہی حکمت تھی کہ اس کی الٰہی تفسیر قرآن میں آجائے اور انسانی دماغوں پر نہ چھوڑی جائے۔ چنانچہ حروف تک قرآن میں آگئے۔ یہی اس کے کامل ہونے کی دلیل ہے۔ یہ کتاب مفصل، مکمل اور اپنی شرح آپ ہے۔

گذشتہ سورۃ میں فرمایا کہ نبی انسان ہیں، وہ بھول لینے والے ہیں اور ہمارے عاجز اور محکوم بندے ہیں۔ ہم ہی ان پر انعام و احسان کرتے ہیں۔ اس سورۃ میں بھی نبیوں کی کمزوریاں دکھائی ہیں کہ وہ باوجود نبی اور بادشاہ ہونے کے غلطی کر جاتے تھے۔ خدا تعالےٰ نے تو ان کی یہ حیثیت قرار دی ہے، مگر ظالم لوگ ہیں کہ ان کو آسمان تک لے گئے ہیں اور خدائی صفات سے متصف قرار دے کر اور قرآن پاک کو پس پشت ڈال کر اپنی اہوا کے پیچھے لگ رہے ہیں، جیسا کہ فرمایا کہ ہم قسم کے پیرائے میں مؤکد کر کے کہتے ہیں کہ:

رکوع اول (۱)، صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِؕ یہ قرآن نصیحت والا ہے (یعنی ذکر و نصائح سے بھرپور ہے۔ راستہ دکھانے کی سب باتیں اس میں موجود ہیں اور سمجھنے کے لیے اس کو آسان کر دیا ہے۔ سینے کی بیماریوں کی شفا کے نسخے اس قرآن میں رکھ دیے گئے ہیں۔ غرض اگر ہم وحی یا عقل سے ہی کام لیتے، تو سب سامان اس میں ہماری فلاح و بہبود کا ہمیں مل جاتا، مگر انسان بڑا سرکش ہو جاتا ہے اور تمام دانائیوں کو بالائے طاق رکھ کر ضد و شرارت سے حق کا مقابلہ کرنے پر اتر آتا ہے۔ بھول چوک تو قابلِ معافی ہے، مگر عناد قابلِ مواخذہ ہے۔ خداوند کریم نے انسان کو عقل و تمیز دے کر اس کی وسعت کے مطابق مکلف بنایا ہے اور اتنی ہی بات کا یہ جواب دہ بھی ہے اور اکثر خطائیں جو بھول اور غفلت سے ہو جاتی ہیں، ان سے درگذر کیا جاتا ہے، مگر شرارت و تکبر سے جو فعل کیا جائے، وہ باعث گرفت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ آئندہ احتیاط کیا کرے اور اپنے امراض کا علاج قرآن مجید میں

تلاش کرے، کیوں کہ یہ صاحبِ اختیار ہے۔ اُس سے ضرور جواب طلب کیا جائے گا پس وحی اور صحیفۂ فطرت سے حکمت حاصل کر کے فائدہ اٹھانا فلاح کا باعث ہے۔ یہ دونوں چیزیں خدا کا کلام اور کام ہیں اور پُر حکمت مکمل و بے غلط ہیں۔ ان میں کبھی تبدیلی نہ پائی جائے گی۔ انسانی کوششیں اکثر غلط اور قابلِ تبدیل ثابت ہوتی ہیں اور ان میں ایک کا دوسرے کے ساتھ تصادم بھی ہو جاتا ہے، اس لیے صرف عقلی فیصلوں پر تمام انسانوں کا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ ہاں سب کا اجتماع صرف وحی یعنی قرآن پر ہو سکتا ہے۔ مَن گھڑت عقاید و خیالات میں رہ کر دنیا کبھی امن کی صورت نہیں دیکھ سکتی۔ قرآن مجید مؤثر کتاب ہے یہ غور و فکر والے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ پھر کیا ان ناقدروانوں کو نہیں کھینچتی؟ کھینچتی تو ضرور ہے۔ مگر یہ لوگ دیدہ و دانستہ اپنے جھوٹے وقار اور جھوٹی عزت کو بچانے کی خاطر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا کہ قرآن پاک کے جاذبِ اثر میں تو کچھ کلام نہیں)

(۲) بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ بلکہ جو لوگ کافر ہیں وہ اپنی عزت (کے زعم) میں ہیں اور (اس لیے) مخالفت کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ کیا اس شخص (محمدؐ) کی بات مان لیں، اس میں تو ہماری ہتک وقوہین ہے اور ہماری امارت کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ان کا یہی غرور و تکبر اُن کو حق کی طرف آنے سے روکتا ہے اور کئی دفعہ ایمان لانے کی خواہش کرتے ہیں تو یہی جھوٹی عزت اُن کے راستے میں حائل ہوتی ہے اور آباؤ اجداد کے طور طریقے نباہے چلے جاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر انہوں نے اپنے اسلاف کی رَوش کو چھوڑ دیا، تو وہ غلط کار قرار پائیں گے۔ لہٰذا ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم اُنہیں کے نقشِ قدم پر چلیں اور انچ برابر ادھر اُدھر نہ ہٹیں۔ اس طرح ہمارے بزرگوں کا وقار اور ہماری عزت قائم رہے گی، ورنہ جگ ہنسائی اور سخت بدنامی ہوگی۔ یہ چیز تھی، جو اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے باوجود صراطِ مستقیم سے دُور رکھتی تھی۔ یہ کفار کی دائمی سنت ہے۔ اگلوں کو بھی یہی خیال صداقت سے محروم رکھتا تھا، چنانچہ اُن کا انجام بھی بہت افسوس ناک ہُوا ارشاد ہوتا ہے:)

(۳) كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی (ناقدروان) تباہ کیے۔ قرنوں سے (پھر یہ عذاب انہیں عذابِ آخرت میں لے گیا۔ وہ مر کر چھوٹ نہیں گئے اور نہ ہی وہ ضائع ہونے کے لیے بنائے گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے کوئی شے عبث نہیں بنائی ہے۔ پس جب ان اشرار کو دوسرے عالم کا نقشہ سامنے آیا، تو) پھر اُنہوں نے دُہائی دی اور (بہت چیخے چلائے، مگر بے سُود، کیوں کہ) اس وقت رہائی کا کوئی موقعہ نہ تھا (کفار کا ہمیشہ سے یہ خیال رہا کہ اُن کو ڈرانے والا فوق الفطرت اور دوسری نوع کا پیغمبر ہونا چاہیے جو عجیب و غریب کام کر کے دکھا سکے اور خلافِ قدرت اعجوبے دکھا سکے جب کبھی اس سے عجائبات و معجزات کا مطالبہ کیا جائے، فوراً حاضر کر سکے۔ نادان یہ نہیں سوچتے کہ ایسے شخص کو خدا کی کتاب کی کیا ضرورت

ہے؟ جب کسی نے کوئی مطالبہ کیا، فوراً پورا کردیا۔ کم بخت یہ نہیں سوچتے کہ غرض تو پیغام حق سے ہے جس کو خدا نے منتخب کر لیا، اُسی سے کام لے لیا۔ اس میں شخصیت سے کیا بحث ہے؟ ان کی ضد و شرارت کی انتہا یہ ہے کہ پیغمبر بھی مانگتے ہیں تو ایسا، جو عجیب و غریب شخصیت کا حامل ہو، نہ کہ تمہارے جیسا انسان۔ حالاں کہ یہ خدائی انتخاب ہے، اس میں کسی کو چُون وچرا کی مجال نہیں ہے۔ وہ جس کو اپنے کام کے لائق سمجھتا ہے، اپنی رحمت اور مہربانی سے اس کو منصب نبوت عطا کر دیتا ہے۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے؟ وہ مناسب موقعہ و محل دیکھ کر عزت و اکرام کرتا ہے۔ ہاں جن کے متعلق قبل از پیدائش نبی بننے کی خبر فرمائی، وہ مشروط تھی کہ اگر ایسا ہوگا اور ایسا کرے گا، تو کریں گے، ورنہ یہ کام کسی دوسرے سے لے لیں گے، جیسے یونسؑ وغیرہ کا حال ہُوا اور یہ بھی فرمایا کہ اے گروہ انبیاء! ڈرتے رہو، اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کروگے، تو یہ وعدہ پورا نہ ہوگا۔ یہ ہے خدا کے سامنے انسانوں کی حیثیت! مگر عجائب پرست لوگوں کی ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ وہ ان انبیاء کو کچھ اور ہی دیکھنا چاہتے ہیں، جیسا کہ فرمایا)

(۴) وَعَجِبُوٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝

اور (ان کفار نے) تعجب کیا کہ اُن کے پاس اُنہی میں سے ڈرانے والا آیا (بڑے حیران ہوئے) اور کافروں نے یہ کہا کہ یہ شخص) جادوگر (دھوکے باز، اپنی باتوں کو خدا کا کلام کہنے والا) بہت جھوٹا (بات کو خوب سنوار سلوار کر ظاہر کرنے والا ہے۔ پس ہمیں جھوٹی لچھے دار گفت وگو سے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ کیا یہ غلط نہیں ہے کہ ایک ہی خدا منوانا چاہتا ہے اور دوسرے تمام معبودوں کو باطل قرار دیتا ہے؟ کیا اس کی ایسی ناقص تعلیم جسے یہ توحید کا نام لے کر ہمیں سناتا ہے، کبھی ماننے کے لائق ہو سکتی ہے؟ خدا نے خود ہمارے دیوتاؤں کے سپرد مختلف کام کیے ہوئے ہیں۔ کوئی مارنے کوئی پیدا کرے، بارش، ہوا، روشنی، رزق، اولاد وغیرہ وغیرہ پر الگ الگ الٰہ ہیں۔ ان سب کاموں کو صرف ایک ہی ہستی کے قبضے میں ماننا تو بہت ہی تعجب کی بات ہے۔ یہ تعلیم قابل قبول نہیں ہے۔ اس سے تو یعوق، یغوث، نسر وغیرہ وغیرہ سب دیوتے محض بے کار اور عبث قرار دینے پڑیں گے۔ افسوس ان سیاہ بختوں نے یہ نہ سوچا کہ الٰہ ایک ہی ہونا چاہیے جس کی مرضی کو کوئی نہ توڑ سکے۔ الٰہ میں ساری الوہیت آجاتی ہے اور الٰہ قابلِ تقسیم بھی نہیں ہُوا کرتا۔ سب کام وہ اکیلا ہی کرتا ہے۔ یہی بات ان کو بہت ناگوار گذرتی تھی اور کہتے تھے کہ ہماری عقل و فہم سے باہر ہے کہ ساری کائنات کا چلانے والا ایک ہی تسلیم کیا جائے، جیسے کہ ان مشرکوں نے کہا کہ)

(۵) اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ کیا اس (پیغمبر) نے بہت سے معبودوں کو اکٹھا کر کے ایک معبود بنا دیا؟ تحقیق یہ بات بڑی عجیب (حیرت ناک اور پریشان کُن) ہے۔ (پس اُنہوں نے اس پر بڑی نفرت کا اظہار کیا، وہ غصے میں آگئے کہ یہاں ٹھہرنا اچھا نہیں ہے)

(۶) وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۚ اوران میں سے ایک جماعت امراء کی چلی گئی (یہ کہتے ہوئے) کہ چلو اور اپنے معبودوں (کی پرستش) پر قائم رہو۔ بتحقیق یہ ہمارے معبود عمدہ شئے ہیں (ہم اپنے آباؤ اجداد سے ہمیشہ یہی سنتے دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ معبود برحق ہیں۔ اکیلا معبود ماننا باطل ہے۔ عیسائیت بھی تین معبودوں کی قائل ہے، پھر ہم ہی خدائے واحد کے پرستار کیوں بن جائیں؟ دنیا میں بے شمار مذہب آئے اور ہیں، مگر ایسی توحید کہیں بھی دیکھی سنی نہیں جیسی کہ اب ہمیں بتائی جا رہی ہے)

(۷) مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ ہم نے اس بات کو نہیں سنا (کہ خدا ایک ہی کامل مطلق ہے اور تمام کارخانہ کو آپ ہی چلا رہا ہے اور تو اور) پچھلے مذہب (مسیحی) میں بھی (عیسائیت تثلیث پرست تھی) پس سوائے اس کے یہ (تعلیم) کچھ بھی نہیں، مگر (دل سے گھڑی ہوئی) نری بناوٹ ہے (اس میں اصلیت ذرہ برابر بھی نہیں ہے۔ ایک ایسی چیز کو جو تمام ادیانِ عالم کے خلاف کسی دوسری راہ پر چلنے کا حکم دے، ہم ایسے امیر و کبیر لوگ اس غریب آدمی کے کہنے پر کیسے مان لیں؟ ہم رؤساء ایک معمولی انسان کی بات تسلیم کرلیں تو مر مٹنے کی جگہ ہے! گویا ان لوگوں نے شخصیتوں کی بحث چھیڑ دی اور شخصیت کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں پڑ کر انہوں نے اصل چیز یعنی تعلیمِ الٰہی کو بھی اب نظر انداز کر دیا وہ کہتے ہیں)

(۸) ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۞ کیا اس پر ہمارے درمیان سے ذکر (یعنی قرآن مجید) اتارا گیا ہے؟ (یعنی بالفرض اگر خدا نے کوئی دستور العمل بھیجنا ہی تھا، تو کیا ہم ایسوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہ تھا کہ اس کام کے لیے اسے منتخب کیا جاتا؟ لے دے کر یہی ایک غریب و نادار شخص رہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ غریب امیر کا جھگڑا ان کی اصل غرض نہیں ہے) بلکہ (واقعہ تو یہ ہے کہ یہ لوگ) میرے ذکر (یعنی کتاب ہی) میں شک رکھتے ہیں (چاہیے تو یہ تھا کہ نسخہ پر غور کرتے کہ عین ان کے امراض کے مطابق اور مناسب ہے یا نہیں؟ اس سے کیا غرض کہ کس کے ذریعے پہنچا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ ضد و عناد کے باعث ذلت و بربادی کے عذاب کو دعوت دے رہے ہیں، فرمایا:) بلکہ ابھی (تک) انہوں نے میرے عذاب کا مزہ (ہی) نہیں چکھا۔ (یہ کس برتے پر اکڑتے پھرتے ہیں؟ کارخانۂ قدرت میں ان کو کیا دخل ہے، کیا اہمیت ہے؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اختیار نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم جو بھی چاہیں کریں، مہربانیوں پر ہمارا قبضہ ہے۔ ہم آپ اپنے اوپر آسانیاں پیدا کرلیں گے ہمیں کوئی روک ٹوک یا گرفت کرنے والا نہیں ہے۔

ہم مختار اور سعید ازلی ہیں۔ کیا یہ لوگ واقعی اپنے ادعا میں درست ہیں؟)

(۹) أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ۝ یا کیا ان کے پاس تیرے غالب بخشنے والے رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ (یا خود ہی خدائی کا دعوے رکھتے ہیں اور سب کو ماتحت کر سکتے ہیں؟)

(۱۰) أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ۝ یا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے اُن (سب) پر ان کو حکومت (حاصل) ہے (اگر ایسا نہیں، بلکہ اس سے کچھ کم درجہ پر بھی ان کو کچھ اختیار ہے، تو) بس اسباب میں ہی (ارتقاء پاکر) اوپر چڑھ جائیں (دراصل وہ بہت ہی بودے اور کمزور لوگ ہیں۔ اب اس جگہ جنگِ احزاب کی پیشین گوئی فرمائی کہ ادھیڑی خیمے اکھاڑ کر تباہی مچائے گی، جیساکہ ارشاد فرمایا:)

(۱۱) جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ۝ یہ ایک حقیر جماعت ہے، جو یہاں دوسری جماعتوں میں بھاگ اٹھی ہے (غور و فکر سے کام لو اور قبل از وقت بربادی اور عذابِ الیم سے بچنے کی کوشش کرو اور اس عالم گیر اور پُرامن نظام میں سلامتی کے ساتھ رہو، ورنہ یاد رکھو میرے پیغام اور میرے رسل و انبیاء کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا کچھ ہوتا رہا ہے: تمہارے آس پاس کے کھنڈرات بھی مکذبین کی تباہی کے زندہ شاہد ہیں۔ ان لوگوں کے عبرت ناک انجام پر غور کرو۔ اس سے سبق حاصل کرو، عبرت پکڑو اور یاد رکھو کہ حق کی مخالفت کا ہمیشہ یہی نتیجہ نکلا کرتا ہے، ہمارے ہاں دیر تو ہے لیکن اندھیر نہیں۔ اگر تم لوگ اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں سے باز نہ آئے، تو تم بھی اُسی عذاب کی لپیٹ میں آجاؤ گے، جس میں پہلے مکذبین آتے رہے ہیں۔ فرمایا:)

(۱۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝

(۱۳) وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۝

ان (موجودہ اشرار) سے پہلے نوحؑ کی قوم اور عاد نے اور فرعون میخوں والے نے (حق کو) جھٹلایا تھا (اور میخوں والا فرعون کون تھا؟ بڑے سامانوں اور لشکروں کا مالک، جو اہلِ ایمان کو میخوں سے تکلیف دیا کرتا تھا) اور ثمود نے اور قومِ لوطؑ نے (بھی حق کو) جھٹلایا تھا اور سرکشی کی راہ اختیار کی تھی۔ پھر دیکھو، اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا؟) اور بَن (کے رہنے والوں نے (بھی) نہ صرف سچی بات سے مُنہ موڑا، بلکہ وہ حق کے خلاف مقابلہ پہ

الرّحمٰن ۙ علّم القرآن ۙ خلق الانسان ۙ علّمہ البیان

البیان

امّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے

سالانہ تین روپے

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ مارچ سنہ ۱۹۴۰ نمبر ۳

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتو کہ سر امرت سر میں چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرت سر سے شائع کیا۔

شذرات

کارِ خود خود کُن، جو دستت نیست شل | ایک صاحب جو امریکہ میں کچھ وقت گذار چکے ہیں، وہاں کے حالات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بازار میں کئی مرتبہ ہماری یونیورسٹی کا ڈین (DEAN)[1] سٹوروں سے دو تین چھوٹے چھوٹے بنڈل اٹھا کر لیے جاتا ملا کرتا تھا۔ یہ دیکھ کر پہلے تو مجھے شرم سی آجاتی اور دل چاہتا کہ میں خود بنڈل اٹھا کر ڈین کے گھر چھوڑ آؤں، مگر ڈین کو شرم کا خیال تک بھی نہ آتا تھا۔ ۔۔۔۔ اگر میں مدد پیش کرنے کی گستاخی کر بیٹھتا، تو وہ بڑی حیرانی سے کہتا "بھلا کیوں؟"
>
> وہ ڈین کوئی چھوٹی سی شخصیت کا مالک نہ تھا۔ آدمیوں میں شہزادہ گنا جاتا تھا۔ اُس کے ایک مشورہ کی فیس کئی ہزار روپے تھی اور کئی ہزار اُس کی تنخواہ تھی۔ اس کی ساری اولاد اعلیٰ عہدوں پر فائز تھی۔ ۔۔۔۔
>
> ایم اے پاس کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے والے (امریکن) طلباء پروفیسروں کے گھروں میں برتن صاف کرتے اور جھاڑو دیتے ہیں۔ ۔۔۔۔ اسٹیشن پر گاڑی ٹھیرتی ہے۔ تو کوئی شخص قلیوں کو آواز نہیں دیتا۔ ہر کوئی اپنا سوٹ کیس یا بنڈل خود اٹھا کر چلتا ہے ——— وغیرہ　　(پریت لڑی)

امریکہ، جسے جدید تہذیب اور اس کے پیدا کیے ہوئے فیشنوں کا مرکز سمجھنا چاہیے، اس کی پبلک زندگی کا ایک منظر آپ نے دیکھ لیا۔ اس زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ کوئی انسان، وہ دولت، عزّت یا خاندان کے لحاظ سے خواہ کتنی بھی بڑی حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو، خود اپنے ہاتھوں سے کام کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرے ——— ——— ہندوستان، جسے غلامی اور افلاس کی پیدا کی ہوئی بیماریوں کا گہوارہ ہونے کا فخر حاصل ہے، اس کی پبلک زندگی آپ ہر روز دیکھتے ہیں۔ یہاں عزت، دولت اور خاندان کا وقار قائم رکھنے کے لیے ہماری سوسائٹی کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ کسی معمولی سے معمولی کام کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے۔ امریکہ میں پی ایچ ڈی کے طالب علم لوگوں کے برتن مانجھ لیتے

---

[1] یونیورسٹی کی فکلٹی کا پریزیڈنٹ۔

میں، لیکن ہندوستان میں پرائمری جماعتوں کا لڑکا بھی دوسروں کے نہیں، خود اپنے گھر کے برتن مانجھنے کو بھی توہین خیال کرے گا۔ یہاں کے بے حیثیت گداگر کو موت منظور ہے، مگر یہ منظور نہیں کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے عزت کے ساتھ پیٹ بھر سکے۔

یورپ کے سارے فیشنوں کی یہاں تقلید کی جاتی ہے۔ ہمارے خوش حال خاندانوں کو اس بات کا فخر ہے کہ وہ انگریزی طرز کی کوٹھیوں اور بنگلوں میں بسر کرتے ہیں۔ اُن کے پاس ٹیلیفون، ریڈیو، بجلی کے پنکھے، موٹر سائیکل، کاریں اور اعلیٰ درجے کا قیمتی فرنیچر موجود ہے، وہ انگریزی طریقوں پر کھانا کھاتے ہیں، انگریزی زبان میں گفت و گو کرتے ہیں، انگریزی وضع قطع کے لباس پہنتے ہیں اور اس باب میں انہوں نے یہاں تک ترقی کی ہے کہ وہ اپنی یورپ زدہ معاشرت کو خود اہل یورپ کے معیار سے بھی اوپر اٹھا لے گئے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، ایک مرتبہ کسی انگریزی اخبار میں لارڈ لن لتھگو وائسرائے ہند کی تصویر شائع ہوئی تھی۔ ایک ہندوستانی گریجویٹ جو اُن دنوں طلعتاً بے کار تھے اس تصویر کو دیکھ کر بول اٹھے کہ دیکھیے لارڈ لن لتھگو کا کوٹ، اس پر کس قدر سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ مجھے ان کی نکتہ چینی پر بہت تعجب ہوا اور یہ بات ہے بھی تعجب کے لائق کہ ایک معمولی درجے کے غلام ہندوستانی کی نظروں میں وائسرائے تک کا لباس بھی نہ جچ سکے۔

اہل مغرب کی تقلید میں ہماری ذہنیتیں اس حد تک مسخ ہو چکی ہیں کہ زندگی کا ہر چھوٹا بڑا اصول تلاش کرنے کے لیے ہمیں یورپ کے واقعات سے مدد لینی پڑتی ہے۔ امریکن زندگی کے متعلق جن الفاظ کو اوپر نقل کیا جا چکا ہے، وہ بھی اسی مجبوری کا نتیجہ ہیں ورنہ کون نہیں جانتا کہ اسلام اس معاملے میں بھی بنی نوع انسان کی راہ نمائی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ آں حضرت صلعم فی الحقیقت دین اور دنیا کے بادشاہ تھے، مگر انھوں نے اپنی ساری زندگی میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بھی اپنے لیے عار نہیں سمجھا۔ آپ کے سوانح حیات میں لکھا ہے کہ:

> "آپ اپنی جوتی کو خود گانٹھ لیتے، اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا لیتے، مویشی کو چارا خود ڈال دیتے، اونٹ کو باندھتے، گھر میں صفائی کر دیتے، بکری دودھ لیتے، خادم کے ساتھ بیٹھ کر (کھانا) کھا لیتے، خادم کو اُس کے کام کاج میں مدد دیتے، بازار سے چیز خود جا کر خرید لیتے (اور) خود اُسے اٹھا لاتے۔ (رحمت للعٰلمین، جلد ۱، صفحہ ۲۷۰)

امریکی یونیورسٹی کا ڈین اور امریکن کالجوں کے سکالروں کا اوپر ذکر آیا ہے، قولاً نہ سہی، عملاً وہ پیغمبر اسلام ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کی حالت قابل رحم ہے کہ ہم قولاً و فعلاً دونوں لحاظ سے، نہ اپنے پیغمبر صلعم کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں چلتے ہیں، نہ اہل امریکہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ دنیا کے تختے پر جتنی قومیں آباد ہیں، ان سب سے زیادہ بے کار اور سب سے زیادہ نکمے شخص ہماری قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے جھوٹے وقار اور مصنوعی عزت کو بالائے طاق رکھ کر سچا وقار اور حقیقی عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ آپ اپنی زندگی کا یہ وتیرہ مقرر کر لیجیے کہ گھر میں، بازار میں، دوستوں کی رفاقت

میں اور اجنبیوں کی نظروں میں جہاں کہیں بھی آپ کو اپنے جسم و جان کی خدمت کی ضرورت پڑے، آپ کسی ہچکچاہٹ اور شرمندگی کے بغیر اپنے تمام کام خود سرانجام دے لیا کریں۔ شرمندگی یا ہچکچاہٹ صرف غیر دیانت دارانہ کاموں کے ساتھ مخصوص ہونی چاہیے نہ کہ دیانت دارانہ کاموں کے ساتھ ——

غضِ بصری | آیتِ ذیل کی تلاوت کیجیے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (۱۸/۲)

مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ اُن کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا اُس سے خبردار ہے۔

اب آپ ذیل کی خبر ملاحظہ فرمائیے:

"لاہور کے نواح سے ایک عبرت ناک اور دل خراش اطلاع موصول ہوئی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تقریباً دو سال کا عرصہ ہوا کہ موضع ہرپالپور میں ایک نوجوان سکھ کی اُسی گاؤں کے کچھ آدمیوں سے لڑائی ہو گئی۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ نوجوان اُن کی رشتہ دار نوجوان عورتوں کو گھور گھور کر دیکھا کرتا تھا۔ مخالفوں نے اُسے طاقتِ نظارہ سے محروم کرنے کے لیے اُس کی آنکھیں نکالنی چاہیں چنانچہ اُس کی ایک آنکھ نکال دی گئی۔ مقدمہ بازی ہوئی۔ کچھ آدمی سزایاب ہوئے چند ایک بری ہو گئے۔ انھوں نے کل اُس شخص کو پکڑ کر اُس کی دوسری آنکھ بھی نکال دی، نیز اور بھی زخم پہنچائے۔ پولیس واقعہ کی تحقیقات کر رہی ہے" (انقلاب ۴ر جنوری ۱۹۴۰ء)

اوپر کی آیت اور اوپر کی خبر پڑھ چکنے کے بعد آپ براہِ کرم چند منٹ کے غور و فکر کی تکلیف گوارا کیجیے۔ سب سے بڑی بات جسے میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں، یہ ہے کہ اسلام حقیقتہً ایک ایسا مذہب ہے جو دنیا بھر کے انسانوں میں باہمی اعتماد، رواداری اور سلامتی کی حقیقی رُوح پیدا کرنا چاہتا ہے۔ آپ قرآن مجید کے تمام احکام پر فرداً فرداً غور کیجیے۔ اُن میں خصوصیت آپ کو بہ درجہ کمال نظر آئے گی کہ اُن کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہماری معاشرتی، سیاسی اور اجتماعی زندگی میں امن اور سلامتی کی فضا قائم رکھنا چاہتا ہے۔ میں آپ کے سامنے قرآن مجید کے بے شمار اوامر و نواہی میں سے چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے: "جب تم گھروں میں داخل ہو، تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو"[1]۔ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تم قولاً ایک دوسرے کے ساتھ امن و سلام کی خواہش کا اظہار کرو۔ فرمایا: جب تم ماپو، تو ماپ کو پورا کرو اور سیدھے ترازو سے تولو[2]۔ اس ہدایت کا مقصود بھی واضح ہے۔ سب جانتے ہیں کہ کم تولنے ماپنے سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور شکر رنجی بڑھتی ہے، قرآن نے بے امنی اور ناسلامتی کا یہ دروازہ بھی بند کر دیا۔ فرمایا:

---

[1] فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ الخ

[2] وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

"کمیت کی کٹائی کے موقعہ پر مستحقین کا حق ادا کرو"۔ کیوں کہ اگر مستحقین یعنی مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کی ضروریات کی طرف سوسائٹی توجہ نہ کرے گی، تو لازماً وہ لوگ گداگری، چوری اور لوٹ کھسوٹ کا فتنہ برپا کریں گے۔ قرآن نے یہ حکم دے کر اس فتنے کا بھی سدباب کیا۔ فرمایا: لوگوں کے سامنے تکبر کے ساتھ گال مت پھلاؤ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو"۔ اس آیت کا مفہوم بھی ظاہر ہے۔ آپ تکبر کریں گے، تو لوگ یقیناً آپ سے نفرت کریں گے، بلکہ تکبر کا جواب تکبر سے دیں گے، لہذا اس بات کو بھی صلح و سلام کے خلاف سمجھ کر ممنوع قرار دے دیا۔ پھر فرمایا: کوئی قوم کسی قوم سے ٹھٹھا نہ کرے، ایک دوسرے پر طعنہ نہ مارو۔ برے نام نہ رکھو"۔ اس لیے کہ ان ساری باتوں سے امن و محبت کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے۔ فرمایا: جب تم ایک مقررہ میعاد تک آپس میں قرض کا معاملہ کرو، تو اس کو لکھ لیا کرو"۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ لین دین کے معاملے کو محض حافظے پر چھوڑنے سے بھول چوک کا بھی اندیشہ ہے اور اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کہیں مقروض اپنی آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ادائے قرض سے انکار نہ کردے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح تعلقات منائع ہونے کے علاوہ کشیدگی اور کش مکش کا سخت احتمال ہے۔ لہذا قرض کو کتابت اور شہادت کے ساتھ لازم کر کے ان خطرات کی پیش بندی کر دی گئی ——— جہاد و قتال کا حکم، قرآن کا سب سے بڑا حکم ہے اور مخالفین اسلام نے اس کو سراسر امن و سلامتی کی روح کے خلاف قرار دیا ہے، مگر قرآن کہتا ہے کہ فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے کوئی جنگ و جہاد جائز نہیں، بلکہ جنگ صرف امن قائم کرنے کے لیے روا رکھی گئی ہے۔ وہ لڑائی جو فساد و شرارت کا باعث ہو، جو فتنے پیدا کرے اور امن و سلامتی کے نتائج پیدا نہ کرے، اسلامی جنگ نہیں کہلا سکتی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ الخ (۲-۱۹۳)	اور اُن سے (یعنی مخالفوں) سے لڑتے رہو، یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے۔

پس اگر اسلام کی لڑائی میں بھی امن و محبت کی روح کارفرما ہے، تو اس کے امن و محبت کے احکام کی عزت و وقعت کا اندازہ لگانا کیا مشکل ہے؟

اسلام حکم دیتا ہے، یغضوا من ابصارھم، مردوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ افسوس ہے کہ دنیا نے جتنی اس حکم کی تعمیل سے غفلت کی، اتنی ہی زیادہ مصیبت اور اتنے ہی زیادہ فتنے برپا ہوئے۔ غیر اسلامی دنیا کو چھوڑیے۔ خود قرآن حکیم کے ایمان کا دم بھرنے والے مسلمانوں نے اس ارشادِ خداوندی پر بہت کم عمل کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے اور اس نتیجے کو اور بھی زیادہ واضح طور پر سمجھنے کے لیے آپ اس خبر کو ایک مرتبہ پھر ملاحظہ فرمالیجیے، جو اوپر نقل کی جا چکی ہے، یعنی "یغضوا من ابصارھم" سے روگردانی کا نتیجہ یہ ہے کہ دو سال سے دو خاندانوں کا امن برباد ہے۔ ایک مستقل عداوت

---

۱ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ الخ ۲ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا الخ ۳ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ .... الخ (۴۹-۱۱) ۴ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ (۲-۲۸۲)

ایک متواتر بے چینی اور مسلسل پریشانی نے فریقین کے دو گھروں کا امن و سکون چھین لیا ہے۔ ایک نوجوان اپنی آنکھیں نکلوا چکا ہے، کئی آدمی جیلوں میں قید کاٹ چکے ہیں، صدہا روپے مقدمہ بازی میں برباد ہو چکے ہیں اور ابھی معلوم نہیں، یہ معاملہ کتنا طول کھینچے گا، کتنی دھڑے بندی پیدا ہوگی، کتنے حملے، کتنے فساد، کتنے مقدمے اور کتنے فتنے پیدا ہوں گے اور یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ قرآن حکیم کے اس حکم پر کہ مردوں کو چاہیے وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں، عمل نہیں کیا گیا۔ قرآن کتاب فطرت ہے اور جو شخص یا جو قوم قوانین فطرت کی پیروی نہیں کرے گی، وہ یقیناً امن و سلامتی کی راہ سے بھٹک کر فساد و شرارت کے جہنم میں گر جائے گی۔

پیشتر اس کے کہ کسی مغرب زدہ دماغ سے یہ سوال پیدا ہو کہ یورپ کے تقریباً تمام ممالک میں یغضوا من ابصارھم پر کوئی عمل نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود وہاں نہ مقدمہ بازی ہوتی ہے، نہ حملے ہوتے ہیں اور نہ قتل و خون ریزی، مجھے یہ جواب دینا چاہیے کہ یورپ کی حالت ہندوستان سے بھی زیادہ قابلِ رحم ہے۔ وہاں عورت کو کھلی آزادی دے دی گئی ہے۔ وہ سینماؤں میں، بازاروں اور ہوٹلوں میں، ناچ گھروں اور تماشہ گاہوں میں، جلسوں اور تقریبوں میں انتہائی بے باکی کے ساتھ حصہ لیتی ہے۔ ہر طرح کے لوگوں سے مل کر اور عجیب عجیب فیشنوں میں پڑ کر اس کے دماغ کا توازن ختم ہو جاتا ہے۔ وہ ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں، ایک حیثیت سے نکل کر دوسری حیثیت میں داخل ہونے کے لیے ہر وقت بے قرار رہتی ہے۔ چنانچہ اب یہ دعویٰ ثبوت کا محتاج نہیں کہ یورپ کی ایک ایک عورت اپنی زندگی میں بیس بیس مرتبہ طلاق حاصل کر لیتی ہے۔ اُسے اپنے خاوند کے ساتھ ذرا بھی اختلاف ہو جائے تو وہ جھٹ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر ایک سے طلاق لے کر دوسرے سے نکاح کر لیتی ہے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا کوئی گھر نہیں ہوتا، کوئی خاندان نہیں ہوتا، کوئی خاوند نہیں ہوتا۔ اُس کا ہر قدم غیر یقینی، اس کا ہر فعل بے ثبات، اس کی ہر بات بے وقعت سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ جس مرد کے پاس جاتی ہے اُس کا اعتماد حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے اور اعتماد کے بغیر خانگی زندگی کی گاڑی کبھی کھنچی ہی نہیں جا سکتی۔ مرد پریشان رہتے ہیں کہ انھیں مستقل مزاج بیویاں نہیں ملتیں، عورتیں پریشان رہتی ہیں کہ مرد اُن پر اعتماد نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی خانگی زندگی بالکل تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ پچھلے چند ہی برس کے اندر اندر صرف ایک انگلینڈ میں محض نکاح و طلاق کے جھگڑے چکانے کے لیے بے شمار مخصوص عدالتیں قائم ہو چکی ہیں۔ دلوں کا امن و سکون رخصت ہو چکا ہے۔ گھروں کی آبادیاں بے کیف ہو کر رہ گئی ہیں اور یورپ کا مرد اپنے کیے پر خود پشیمان ہے کہ اس نے عورت کو اتنی آزادی ہی کیوں دی کہ آج زندگی اس کے لیے وبالِ جان ثابت ہو رہی ہے۔

اسلام محض مردوں ہی کو غضِ بصر کا پابند نہیں بناتا، بلکہ عورتوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کے لیے مجبور کرتا ہے:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ	مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور

وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ الخ | اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں

جنسی خرابیوں کے احتمال کو روکنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ مرد اور عورت دونوں فریق ایک دوسرے کا احترام کریں۔ قرآن حکیم نے یکساں طور پر دونوں کو ایک ہی ہدایت کے اتباع پر متوجہ کیا ہے۔ اگر مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو نہ دیکھا کریں تو اس کا لازمی نتیجہ حفظ فروج کی صورت میں ظاہر ہوگا یعنی بے حیائی اور بدکاری کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن اس کے ساتھ ایک اور بات بھی ضروری ہے یعنی یہ کہ عورتیں اپنی زیب و زینت اور لباس و آرائش کا دکھلاوا ترک کر دیں۔ قرآن انھیں زینتوں کے استعمال سے منع نہیں کرتا، اُن کی نمائش سے منع کرتا ہے۔ اُسے فطرت انسانی کے مد و جزر کا، انسانی جذبات کے اشتعال و حرارت کا پورا پورا احساس ہے اور اسی لیے وہ ہماری نظروں کی پاکیزگی، ہمارے دلوں کی طہارت اور ہمارے عملوں کی سچائی اور صفائی کے واسطے ایسے نسخے تجویز کرتا ہے جو بظاہر سادہ ہیں، مگر حقیقتہً موثر بھی ہیں اور مفید بھی ——— یورپ اور یورپ زدہ ہندوستان نظر بازی، بے حجابی اور عریانی کے جس جہاز پر سوار ہے وہ بدکاری اور فحاشی کے سیاہ سمندر میں تیزی کے ساتھ ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ قرآن کے سوا کون ایسی طاقت ہے جو اُسے نجات کی امید دلائے؟

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں | جناب سید منظور احسن صاحب بہاری کئی ماہ سے "احکام القرآن" کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب کر رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے پہلے باب کا اردو اور انگریزی مسودہ حال ہی میں ہمیں ارسال فرمایا ہے۔

سید صاحب نے کتاب کے دیباچے کے طور پر ایک "پیش کش" بھی تحریر فرمایا ہے جس میں انھوں نے مسلم لیگ کو مخاطب کر کے اُسے مسلمانوں کی بدقسمتی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کے اوامر و نواہی پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اُن میں جلسے ہوتے ہیں، تجویزیں سوچی جاتی ہیں، ریزولیوشن منظور کیے جاتے ہیں، مگر اس بات کا کبھی فیصلہ نہیں کیا گیا کہ مسلمانوں کو بہ حیثیت قوم، قرآن حکیم کے تمام اوامر و نواہی پر بلا چون و چرا عمل کرنا اپنا فرض قرار دے لینا چاہیے۔

محترم موصوف نے مسلمانوں کے زوال و عروج پر بحث کرتے ہوئے مسلم لیگ کے نام یہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنے دستور العمل میں "احکام قرآن کی اطاعت" کو مرکزی اور بنیادی حیثیت سے تسلیم کرے۔ اُن کی خواہش ہے کہ مسلم لیگ اپنے سالانہ اجلاس لاہور میں حسب ذیل الفاظ کا ایک ریزولیوشن منظور کرے:

"یہ جلسہ ہر اُس رکن مسلم لیگ پر جس میں اس بات کی صلاحیت ہو، یہ فرض عاید کرتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کا کماحقہ علم حاصل کرے گا اور اس غرض سے خواہ کیسی ہی مشغولیت ہو، روزانہ تھوڑی بہت اس کی تلاوت کرے گا۔"

سید صاحب نے دفتر امت مسلم امرت سر سے درخواست کی ہے کہ اُن کی کتاب کا پہلا باب "صفات القرآن" اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں چھاپ کر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مفت تقسیم کر دیا جائے۔ مؤلف نے اس باب میں قرآن مجید کی وہ آیات جمع کی ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں خود اپنی کتاب کا کیا مرتبہ ہے؟ اس باب کی تالیف سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کتاب الٰہی

عزت و وقعت کا احساس ہو جائے تاکہ اُس کے علم و عمل کو اُسی عزت و احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھیں، جو اس کی شان کے شایان ہے!! اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کلام الٰہی پر عمل کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی کن کن بشارتوں کا استحقاق رکھتا ہے اور اس پر عمل نہ کرنے یا دوسرے لفظوں میں اس کا انکار کرنے پر کون کون سے عذاب کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ اوامر و نواہی کا مطالعہ کرنے سے پہلے، یہ باب پڑھنے والے کے دل میں احکام قرآن پر عمل کرنے کی ترغیب دلائے گا۔

مؤلف نے پوری کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ ہر مضمون کے اوامر و نواہی کو الگ الگ عنوانوں کے ماتحت جمع کر دیا گیا ہے، مثلاً نماز کے عنوان کے ماتحت، نماز سے متعلق تمام آیات یک جا کر دی گئی ہیں، اسی طرح حج، زکوٰۃ، خیرات، ازدواج و نکاح وغیرہ ۲۰ سے زائد عنوان قائم کرکے تمام اوامر و نواہی مرتب کر دیے گئے ہیں۔ لائق مؤلف کی یہ محنت، بڑی مبارک محنت ہے اور ان کا یہ ایثار اور بھی زیادہ لائق احترام ہے کہ "صفحات القرآن" کی اشاعت پر جس قدر خرچ آئے گا، وہ اپنی جیب سے ادا کریں گے۔ جزاہ اللہ۔

اب ہم سید صاحب کے ریزولیوشن کے متعلق دو ایک لفظ عرض کرتے ہیں۔ دفتر امت مسلمہ نے یہ ریزولیوشن جناب شیخ صادق حسن صاحب ایم ایل اے کی وساطت سے مسلم لیگ امرتسر کے حوالے کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ صاحب موصوف سب سے پہلے اس ریزولیوشن کو منظور کرائیں گے، کیوں کہ یہ ریزولیوشن کسی پیچیدہ سیاسی مسئلے سے تعلق نہیں رکھتا، جس پر کسی بھی اس شخص کو جو مسلم کہلاتا ہے بحث و تمحیص یا چون و چرا کی ضرورت پڑے۔ مسلم لیگ ہندوستان کی سب سے بڑی اسلامی جماعت ہے، اس لیے اس کو سب سے بڑی اسلامی کتاب یعنی قرآن حکیم کی اطاعت کی تجویز کا خیر مقدم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔

قرآن اپنے اور بیگانے سبھی سے اپنی طاقت اور صداقت کا خراج وصول کر رہا ہے۔ ٹرکی نے سالہا سال کے بعد حدت نکاح کا قانون واپس لے کر تعدد ازدواج کی اجازت دے دی، روس نے بھی کئی برس کے بعد عوام الناس کو ذاتی جائدادوں کا حق دے دیا ہے، جرمنی نے عورتوں کی نام نہاد مساوات واپس لے کر انھیں گھر کی حکومت عطا کر دی ہے، ہندوستان کے ہندوؤں نے نکاح و طلاق کے بارے میں شریعت قرآن کی پیروی قبول کر لی ہے، لیکن مسلمان —— کیا ان لوگوں کو قرآن کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی ضرورت نہیں:

ہمیں مسلم لیگ کے ارباب اختیار سے پوری توقع ہے کہ وہ مسلم عوام کی راہ نمائی کے لیے قرآن اور صرف قرآن کو پیش نظر رکھیں گے۔ اگر غیر مسلم دنیا کو قرآن کے سوا کہیں پناہ نہیں ملتی، تو یقین کیجیے کہ مسلمان بھی اس کتاب عظیم سے بے نیاز رہ کر زندہ نہیں رہ سکتے ——

ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ سید منظور احسن صاحب کی کتاب کا مذکورہ باب آئندہ ماہ کے "البیان" میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں چھاپ دیا جائے۔ گویا آئندہ پرچہ اپنے خاص مقصود کی وجہ سے خاص نمبر کہلانے کا مستحق ہوگا۔ قارئین کرام کا فرض ہے کہ وہ اس بیش بہا نمبر کو اپنے حلقۂ اثر میں زیادہ سے زیادہ اشاعت دے کر اجر جزیل کے مستحق ہوں۔ اس کی قیمت حسب معمول صرف چار آنے رکھی گئی ہے۔

محمد اقبال سلمانی

بیان

(جناب خواجہ محمد عباداللہ صاحب اختر بی اے)

قتل بقول امام راغب "قتل" ازالۃ الرّوح عن الجسد ہے جس کا نتیجہ موت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝" (۳/۴)

محمد محض ایک رسول ہے اور اس سے پیشتر کئی رسول گذر چکے ہیں۔ اگر وہ مرجائے یا مارا جائے، تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤگے؟ (اگر یہی کچھ ہو، تو یاد رکھو کہ) جو کوئی اُلٹے پاؤں پھر جائے، وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکرگذار بندوں کو ضرور جزا دیتا ہے۔

"الاسلام" "دین الفطرت" ہے۔ دین اللہ، دین الحق ہے۔ یہ کچھ انسانی اختراع نہیں اور نہ کسی شخص کی شخصیت یا قوم کی قومیت یا ملک سے وابستہ ہے کہ ان کے عدم پر اس کا عدم بھی لازم ہو۔ مثلاً یہودیت اور زرتشتیت اور ہندو مذاہب کا رشتہ قوم شخصیت و ملک سے قائم ہے۔ اگر یہ معدوم ہوں، تو یہ مذاہب بھی معدوم ہو جائیں گے اور ان سے باہر ان مذاہب کے تصور کی تصدیق ناممکن ہے۔ اسلام عالمگیر دین الفطرت ہے: "لہ اسلم من فی السمٰوات والارض" اسی کے حضور ہر ایک شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، سرِ تسلیم خم کردیتی ہے۔ یہ دین اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہے جو حی و قیوم ہے۔ خواہ تمام بنی نوع انسان اس دین کا انکار کریں، اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اگر اس پر ایمان لائیں، تو اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، بلکہ حقیقت یہ ہے:

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا (۶/۱۹)

جو بصیرت سے کام لیتا ہے، تو اپنے بھلے کے لیے اور جو چشم پوشی کرتا ہے تو گھاٹے میں وہی رہے گا۔

کتابِ فطرت کھلی ہوئی ہے۔ اس کی آیات مبین ہیں۔ قرآن عظیم اس کا بیان ہے۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہوا اس کا مشاہدہ نہیں کرتا، وہ ضرور نقصان اُٹھاتا ہے اور ترقی سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جہنمی زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے ہم ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔

علم ہیئت کو جن اشخاص نے ترقی دی ہے، اُن میں سے کپلر بھی ایک ہے۔ اس نے چند قوانین دریافت کیے جن سے سیاروں کی رفتار وغیرہ کا حیرت انگیز نظام منکشف ہوتا ہے۔ یہ قوانین اپنا کام آفرینش سے کر رہے ہیں۔

کیپلر پیدا بھی نہ ہوا تھا کہ یہ قوانین موجود تھے اور کیپلر فوت ہو گیا، مگر یہ قوانین اسی طرح مصروف عمل ہیں۔ ان قوانین کا علم اور عدم علم ان کو نہ تو کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا نقصان۔ یہ ان باتوں سے بے نیاز ہیں۔ البتہ دریافت کا فائدہ کیپلر کو اور ہمیں یکساں پہنچ رہا ہے۔ انسانی مذہب میں یوں کہیے کہ کیپلر کو ان قوانین کا القا ہوا۔ کیپلر کو اللہ تعالیٰ نے ذہن رسا دیا تھا۔ ہر ایک شخص کیپلر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، درجات بلند فرماتا ہے۔ اس دریافت کا فائدہ کیپلر کی ذات تک محدود نہیں۔ یکساں ہر ایک شخص اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح اور علمی دریافت اور ایجاد کی کیفیت ہے کہ دریافت اور ایجاد کرنے والے کو ان سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔ فائدہ وہی شخص اٹھائے گا جو ان کو استعمال میں لائے گا اور وہ شخص ان فوائد سے محروم رہے گا، جو ان کا انکار کرے گا، یا ان پر عمل نہیں کرے گا۔ اس لیے علم بلا عمل بے فائدہ ہے۔

یہی کیفیت رسولوں کی ہے کہ ان کے قلب سلیم پر صحیفۂ فطرت کی آیات کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور یہ تقاضاء فطرت ہے کہ وہ ان انکشافات کو اپنے سینے میں پوشیدہ نہیں رکھتے، بلکہ خلق اللہ کے فائدے کے لیے شائع کر دیتے ہیں۔ "بر رسولاں بلاغ باشد و بس"۔ اگر وہ خود نبی ہیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں ایسا اختیار و حکومت بھی عطا فرماتا ہے کہ وہ اس کی اشاعت میں کامیاب ہوتے ہیں ورنہ محض انبیاء کا یہ کام ہے کہ رسولوں کے ارشادات کی تعمیل پر لوگوں کو آمادہ کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ (۶/۷۵)	اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے انتظام سلطنت کا مشاہدہ کرایا، تاکہ اس کا علم پختہ ہو جائے۔

"ملکوت السموات والارض" حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش سے پہلے بھی موجود تھے اور وفات کے بعد بھی ویسے ہی موجود ہیں اور آپ کی شخصیت سے بالکل بے نیاز ہیں۔ یہ اور ان کا نظام اور انتظام جو کچھ بھی ہے، ہمارے ایمان و کفر سے بالکل غنی ہے۔ (ملاحظہ ہو ۳۵/۴۱)

آیت زیر بحث کا مفہوم یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ پر جو کچھ صحیفۂ فطرت کی آیات کا انکشاف ہوا، اس کا بیان یہ قرآن ہے۔ آں حضرتؐ کی شخصیت سے صحیفۂ فطرت اور قرآن دونوں بے نیاز ہیں۔ قرآن اور صحیفۂ فطرت کی آیات پر ایمان رکھتے ہوئے اگر تم عمل نہ کرو، یا پھر کفر کی حالت کی طرف رجوع کرو، تو تم اللہ اور کلام اللہ کا کیا بگاڑ سکتے ہو؟ نقصان تمہارا اپنا ہے اور اگر ایمان اور عمل پر قائم رہو، تو یقیناً فائدے میں رہو گے، کیوں کہ قانونِ فطرت ہے کہ کفر کی سزا اور شکر کی جزا ہمیشہ ملا کرتی ہے (ملاحظہ ہوں الفاظ "کفر" و "شکر")

قرآن عظیم کی عظمت اور بلاغت اس کی ہر ایک آیت سے واضح ہوتی ہے۔ اسی آیت میں تدبر کرو۔ چند لفظوں میں یہ ایسے جامع ہیں کہ ان کی تشریح صرف قرآن کی آیات سے اسی طرح ہو سکتی ہے، جس طرح صحیفۂ فطرت کی آیات کی انہی کی آیات سے ہوتی ہے، وہ کچھ بیان کیا گیا ہے کہ ان تمام فتنوں کا استیصال خاطر خواہ ہو جاتا ہے، جو مذہبی دنیا میں برپا ہوتے رہتے

ہیں۔ آں حضرتؐ کی وفات پر مسلمانوں کے جذباتِ محبت نے وُہی صورت اختیار کی، جو وفات مسیحؑ کے بعد مسیحؑ کی اُمت میں رُونما ہوئی اور یہ ایسا فتنہ ہے کہ اس کی زد میں دنیا آچکی ہے۔ عام مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ آں حضرتؐ فی الحقیقت فوت نہیں ہوئے، خدا کے ہاں گئے ہیں اور پھر واپس آئیں گے۔ اس خیال نے آمدِ ثانی کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن اُس وقت صدیق اکبرؓ موجود تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور کہا کہ جو لوگ محمدؐ کے پرستار ہیں، وہ دیکھ لیں کہ آں حضرتؐ فوت ہو چکے ہیں اور جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے ہیں، سمجھ لیں کہ اللہ تعالےٰ حی و قیوم ہے۔ ایک پردہ تھا، جو لوگوں کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا، اس تقریر سے اٹھ گیا اور ان کی آنکھیں کھل گئیں۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ محمدؐ ایسے ہی ایک رسول ہیں، جیسے ان سے پیشتر گذر چکے ہیں۔ موت تو ہر ایک نفس کے لیے، خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو، مقدر ہو چکی ہے۔ لیکن اس امر کا امکان بھی ہے کہ وہ قتل ہو جائے۔ اگرچہ اس کا نتیجہ بھی موت ہے، لیکن یہ طبعی موت نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے، محمدؐ اگر طبعی موت سے مر جائے یا ان اسباب کے تحت جو حالات و واقعات نے پیدا کر دیے ہوں، طبعی موت سے بھی پہلے مارا جائے، تو یہ نہ سمجھنا کہ اسلام کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ دین الفطرت دین اللہ ہے۔ کسی اور شخصیت کی حیات و ممات سے وابستہ نہیں۔

اس آیت سے بشر کی خواہ وہ رسول اور نبی ہی کیوں نہ ہو، حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ مسیحؑ کو لوگوں نے بزعم خود اُن کی وفات کے بعد بھی زندہ رکھا ہے اور مسیحیت کو ان کی ذات سے وابستہ کر دیا ہے، کیوں کہ اگر اُن کو خدائی صفات سے متصف نہ کریں، تو مسیحیت کا قیام محال ہے۔ حیاتِ مسیحؑ اور مسیحیت سب خیالی باتیں ہیں۔ حضرتِ انسان کی بھی عجب حالت ہے کہ جب مسیحؑ زندہ تھے، تو اُن کا انکار اس حد تک کیا گیا کہ ان کو دار پر کھینچا گیا، مرنے کے بعد اب ان کو خدائی کا درجہ دیا گیا ہے۔ دونوں حالتوں میں گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

کس قدر عظیم الشان تعلیم قرآن عظیم کی ہے، جو خالص توحید کی تعلیم بلا شائبہ شرک ہے۔ اس آیت نے بندہ پرستی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے۔

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء اور رسل قتل سے مستثنےٰ ہیں۔ یہ محض خوش اعتقادی ہے۔ ان کے قتل کا امکان ہے اور ایسا ہی ہے، جیسے کہ دوسرے آدمیوں کا، جو رسول اور نبی نہ ہوں۔ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ اُن کا قتل امکانی ہے۔ یہ امر کہ رسول یا نبی کسی وجہ سے قتل نہ ہوئے یا قتل ہوتے ہوتے بچ گئے، اور بات ہے، لیکن قتل کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ خود رسول کریمؐ کئی خونریز جنگوں میں حریف کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ شامل رہے اور حضورؐ کے قتل کی سازش کئی دفعہ ہوئی۔ ان تمام حالات میں قتل کا امکان تھا۔ یہ اور بات ہے کہ آں حضرتؐ لوگوں

کے شر سے بچ رہے (۵۷/۲)۔ عام حالات میں اکثر لوگ قتل بھی ہوتے ہیں اور بچ بھی رہتے ہیں لیکن اس سے امکانِ قتل کی نفی نہیں ہوتی۔

یہ غلط فہمی کہ انبیاء معصوم ہیں اور قتل نہیں ہو سکتے، اسی جذبہ بندہ پرستی سے پیدا ہوتی ہے جو دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔ ہم نے لفظ "نبی" کے تحت مفصل بحث کی ہے کہ "نبی" صاحبِ اختیار و حکومت ہوتا ہے۔ رسول کا کام صرف "بلاغ" ہے۔ رسولوں کے قتل کا امکان بہ نسبت نبی بہت کم ہے[۱]۔ رسول پیغامِ حق لے کر آتا ہے، نبی اس پیغام کو لوگوں میں نافذ کرتا ہے، اس لیے اس کا مقابلہ براہِ راست ہوتا ہے۔ آں حضرت، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسےٰ کی طرح نبی اور رسول دونوں تھے، اس لیے مشکلات بہت تھیں اور اسی رنگ میں تھیں، جو ان انبیاء کو پیش آئیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ سب حضرات لوگوں کے شر سے بچ رہے۔ اگرچہ مسیح کی نسبت یہود و نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ قتل ہوئے، جو غلط ہے (ملاحظہ ہو لفظ مسیح)، اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ حسبِ پیش گوئی تورات مثیلِ موسیٰ حسبِ وعدہ خداوندی قتل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ خاص نشان النبی الامی کی صداقت کا تھا، لیکن آیت زیرِ بحث عمومیت کو لیے ہوئے ہے، جو محض امکانِ قتل ہے۔ امکان تسلیم کرتے ہوئے یہ غلط فہمی بھی پیدا کی جا سکتی ہے کہ آں حضرت چوں کہ قتل نہ ہوئے، اس لیے فوت بھی نہ ہوئے۔ قتل امکانی امر ہے، ممکن ہے کہ ہو اور ممکن ہے کہ نہ ہو، لیکن موت یقینی اور لازمی ہے۔ اس آیت میں یہی ظاہر کیا گیا ہے۔ اگرچہ تمام رسولوں کا قتل امکانی تھا اور بچ رہے، لیکن موت کا ہر ایک نفس ذائقہ شناس ہے۔ و آپ یقیناً فوت ہوئے۔ (مزید بحث لفظ موت و حیات کے تحت ملاحظہ ہو)

قرآن مجید جامع و مانع کتاب اصول و حکمت ہے۔ "قتل" کے متعلق اصل اصول بہ حوالہ تورات اس طرح واضح کیا گیا ہے:

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (۵/۳۲)	بنی اسرائیل پر ہم نے لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو جان سے مار ڈالے، سوائے بدلے جان کے یا فساد کرنے پر ملک میں، تو گویا اس نے سب لوگوں کو جان سے مار ڈالا اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ رکھا سب لوگوں کو۔

تورات کے دس احکام میں سے ایک یہ ہے کہ "تو قتل (ناحق) نہ کر"۔ تورات کتابِ احکام ہے اور قرآن کتابِ اصول و حکمت ہے۔ اصل اصول اور اس کی حکمت قرآن میں واضح کی گئی ہے۔ تمام آئین و قوانین و قواعد و ضوابط کی ضرورت اجتماعی زندگی

[۱] ملاحظہ ہو آیات ۲/۸۷، ۳/۲۱، ۴/۱۵۵ — آیت ۵/۷۰ (فریقاً کذبوا و فریقاً یقتلون) سے پایا جاتا ہے کہ رسول بھی قتل ہوتے رہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ انبیاء اور رسل قتل ہوتے رہے، تو یہ مشکل سمجھی گئی ہے کہ عمومیت قتل جو آیات میں پائی جاتی ہے، وہ ان انبیاء اور رسل پر بھی حاوی ہوگی، جو قتل نہیں ہوئے۔ یہ توہم فضول ہے۔ وہ موت نہایت شاندار ہے، جو فرضِ منصبی کی انجام دہی میں واقع ہو اور ایسی برگزیدہ ہستیاں مرا نہیں کرتیں۔ وہ رات دن زندہ رہتی ہیں، اگرچہ اُن کی زندگی دنیوی نہیں ہوتی۔

سے وابستہ ہے۔ انفرادی زندگی میں کسی شریعت کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک شخص جماعت کا فرد ہے، اور افراد کے تعلقات معاشری وغیرہ کا تقاضا ہے کہ قائم رہیں اور حقوق محفوظ رہیں۔ حقوق کا سوال بھی انہی تعلقات سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک شخص اپنے والدین کے ہاں پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ اُس کی مناسب تعلیم و تربیت ہوتی ہے، لیکن اگر تدبر سے کام لیا جائے، تو واضح ہوگا کہ اس شخصیت کی ذات سے تمام جماعت انسانی کا تعلق کم و بیش ہے۔ نسلی تعلق کے لحاظ سے سب کا مورث اعلیٰ ایک آدم ہے۔ بلحاظ قومی تعلقات جن میں مذہب، معاشرت، و مشترکہ مفاد و نقصان شامل ہیں، یہ شخص قوم کا فرد ہے اور اس لیے قوم کا اس پر اور اس کا قوم پر بہت کچھ حق بوجہ قومی تعلقات ہے، اس لیے کسی شخص کا قتل قومی نقصان ہے اور ایسا اہم امر ہے کہ ایک شخص کا قتل بمنزلہ قتل جماعت ہے۔ اس لیے ایک شخص کی حفاظت پوری جماعت کی حفاظت کے مترادف ہے۔ جماعت افراد سے بنتی ہے۔ افراد کی کمی جماعت کے معدوم ہونے پر دلالت کرتی ہے اور بعض افراد کی شخصیت ایسی اہمیت رکھتی ہے کہ کل جماعت کا مدار ان کی ذات پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بالخصوص انبیاء کا قتل اسرائیلی تنزل و بربادی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔

ہر شخص کو خواہ اس کی حیثیت کچھ بھی ہو، فطرۃً اس کمال کی توقع ہے، جو زندگی کا منشا ہے اور اس کمال کا فائدہ نہ صرف اس کی ذات کو، بلکہ ان تمام افراد کو بھی پہنچنا چاہیے، جو اس سے مختلف تعلقات کی بنا پر وابستہ ہیں، اس لیے شخص کا نقصان جان خاص اہمیت رکھتا ہے۔ تورات کے رو سے "قتل کا بدلہ قتل ہے"۔ قرآن مجید کے رو سے یہ ... ہیں، کوئی حکم مطلق نہیں ہو سکتا۔ احکام حالات کے تابع ہوتے ہیں اور حالات بے شمار، غیر محدود اور ... میں بدلتے ہیں، اس لیے احکام کو ان حالات کے تحت بدلنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم تورات کی طرح ... کا نہیں ہے۔ قرآن جامع و مانع کتاب اصول و حکمت ہے۔ احکام کا وضع کرنا قرآن نے فہم انسانی پر چھوڑ دیا ہے۔ ... بالغ ہو چکا ہے۔ "قد تبین الرشد من الغی" اور ہر ایک بالغ و عاقل اب ہدایت و گمراہی میں تمیز ... ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم دائمی صداقت ہے اور علی الدوام محفوظ ہے۔ قرآن یہ اصل اصول واضح کرتا ہے: ... سیئۃ سیئۃ مثلها" (۴۲) برائی کا بدلہ ویسی ہی ایک برائی ہے یعنی کوئی نیکی نہیں، (۴۲) اگرچہ ... رعایت اصلح" مدنظر رکھتے ہوئے مشروع ہے، لیکن اس کی مذمت میں کچھ کلام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن قصاص کو تسلیم کرتے ہوئے ایسے جرائم کے متعلق جو سنگین نہ ہوں اور جن کا اثر زیادہ تر انفرادی شخصیت پر پڑتا ... اور معافی کی تلقین کرتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر احسان کی۔ (۳)

... الکاظمین الغیظ والعافین عن الناس ... اللہ یحب المحسنین ۝ (۳)	(متقی وہ ہیں جو) غصے کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور احسان کرتے ہیں، اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اگرچہ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسری گال تھپڑ کے لیے پیش کرنا ضبطِ نفس کی اعلیٰ تربیت ہے لیکن قرآن حکیم کی تعلیم یہ نہیں کہ دوسری گال پر بھی از خود تھپڑ کی تکلیف برداشت کرو۔ انجیل کی تعلیم محکوم قوموں کے لیے مفید ہے لیکن قرآن عظیم آزاد اقوام کو بھی ہدایت کرتا ہے کہ بدلہ کی طاقت رکھتے ہوئے معاف کرو، بلکہ احسان بھی کرو۔ مقصود اصلاح ہے نہ کہ کینہ توزی (ﷺ)

حضرت موسےٰؑ نے ایک قبطی کو اشتعال میں جان سے مار ڈالا۔ (۱۹/۲۱، ۲۰/۱۵) عند الناس تو یہ ایک سنگین جرم تھا اور قابل مواخذہ تھا اور اس لیے آپ اپنی جان بچانے کے لیے مصر سے بھاگ کر مدین میں آئے۔ اس واقعہ کے دس سال بعد آپ کو منصب رسالت و نبوت عطا ہوا اور حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے راہ ہدایت پر لاؤ۔ حضرت موسےٰؑ عذر کرتے ہیں کہ "میں نے ان کی قوم کے ایک فرد کو ہلاک کر دیا تھا ڈر ہے کہ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے" لیکن عند اللہ یہ جرم ایسا سنگین نہ تھا۔ نادانستہ بلا ارادہ و نیت اشتعال میں سرزد ہوا۔ حضرت موسےٰ نے فرعون کے روبرو جرم کا اقبال کیا، لیکن عذر یہ کیا کہ نادانستہ مرتکب ہوا ہوں (ملاحظہ ہو لفظ "ضال") چنانچہ فرعون نے بھی مواخذہ نہ کیا۔ اگر حضرت موسےٰ بوقت ارتکاب جرم مصریوں کے ہتے چڑھ جاتے اور قتل کے بدلے قتل ہو جاتے، تو ایک قوم کی قوم تباہ ہو جاتی۔ اور اسرائیلی قومیت کو جو فائدہ آپ کی ذات سے پہنچا، اس سے محروم ہو جاتی، یا اسرائیلی تاریخ کسی اور طرح قلم بند ہوتی۔

قرآنی ہدایت یہ ہے کہ قرآنی ہدایات کے تحت ایسی فضا پیدا ہو سکتی ہے اور ہونی چاہیے کہ جرائم کا ارتکاب نہ ہو اور اگر ہو تو بہت کم ہو اور رفتہ رفتہ ارتقاء ذہن انسانی کے ساتھ جرائم کا سدباب خاطر خواہ ہو۔ جرائم کی سزا بھی اصلاحی ہو اور اگر مجرم ناقابل اصلاح ہو اور قوم کے لیے اس کا وجود خطرناک ہو، تو مجرم کو ایسا بنا دو کہ وہ اس قابل نہ رہے کہ دست درازی کر سکے۔ رعایت اصلح کا تقاضا ہے کہ انفرادی فائدہ اجتماعی فائدے پر قربان کیا جائے جب صرف برائیاں ہی موجود ہوں، تو تقاضا نا عقل یہ ہے کہ کم تر درجہ کی برائی قبول کی جائے۔

قتال فی سبیل اللہ یہاں تک تو بحث ایسے قتل کے متعلق ہے، جو انفرادی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ایسا قتال کہ ایک وقت میں ہزاروں کا کھیت ہو جائے کس حد تک جائز ہے؟ اصولاً اسی حد تک جائز ہے، جس حد تک انفرادی قتل۔ قرآن میں قتال کی حقیقت واضح ہے: "قتال فی سبیل اللہ" کی اصطلاح قرآنی ہے اور حرب کے مقابل وضع ہوئی ہے اور دونوں اصطلاحوں کی تشریح قرآن میں کی گئی ہے۔ "حرب" کا مفہوم یہی کچھ ہے کہ بحر و بر میں فساد اور وسیع پیمانہ پر ڈاکہ ڈالنا، انقطاع نسل انسانی، بندگان خدا کو لونڈی غلام بنانا، ان کے تمام ذرائع حیات پر قابض ہونا، یا برباد کرنا، ملاحظہ

سلہ ملاحظہ ہوں آیات ۲/۱۹۰ ، ۲/۲۲ ، ۸/۳۹ ، ۱۹/۲۲ ، ۲/۲۱۷ ، ۱۶/۱۲۸ آیات ۲/۱۹۱ میں واضح کیا گیا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی بڑا ہے، "الفتنۃ اکبر من القتل" اس لیے اس کا سدباب اگر قتل سے ہو تو جائز ہے۔

ہوں آیات:

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (۵/۶۴)

جب لڑائی کے لیے آگ سلگاتے ہیں اللہ اُسے بجھاتا رہتا ہے اور وہ ملک میں فساد کے لیے سعی کرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○ (۲/۲۰۵)

سعی کرتا پھرے ملک میں کہ اس میں ویرانی ڈالے اور کھیتیاں اور جانیں ہلاک کرے، اور اللہ فساد پسند نہیں فرماتا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں اور ان کے لیے جو مغلوب ہو رہے ہیں، مرد اور عورتیں اور بچے جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال اور اپنے پاس سے کوئی ہمارا حمایتی پیدا کر اور ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار پیدا کر۔ جو ایمان والے ہیں، وہ تو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں مفسدوں کی راہ میں لڑتے ہیں۔

"قتال فی سبیل اللہ" حرب کے خلاف جہاد ہے۔ وضع جہاں کچھ ایسی واقعہ ہوئی ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ قرآن حکیم بھی حرب کا علاج بالمثل تجویز فرماتا ہے، لیکن حرب کے جذبات سے بالکل الگ ہو کر۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ "قتال فی سبیل اللہ" اسی وقت تک جائز ہے "حتی تضع الحرب اوزارها (۴۷/۴)" کہ حرب ہتھیار رکھ دے" اس کے بعد قطعاً ناجائز ہے اور قتال فی سبیل المفسدین یعنی "حرب" ہو جائے گا۔[۵]

"قتال فی سبیل المفسدین" حرب سے تعبیر ہوتا ہے اور محض شیطنت اور نفسانیت کا نتیجہ ہے اور بحر و بر میں فساد اسی سے رونما ہوتا ہے۔ "حرب" کا قلع قمع قتال فی سبیل اللہ ہی سے ممکن ہے۔ قرآن میں مفصل مذکور ان اسباب کا ہے، جن کی وجہ سے رسول کریم کو حرب کے مقابل ہتھیار اٹھانے پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مصریوں کی غلامی سے آزاد کرایا اور پھر ان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ عظیم الشان سلطنت کے مالک ہو گئے۔ ان ایام کی خصوصیت

---

۵ قرآن عظیم میں اصول حکم یہ واضح کیا ہے کہ:

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۲/۱۹۰)

قتال فی سبیل اللہ اُن سے کرو، جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ صحیح ہے۔ توریت میں قتال کے متعلق احکام کچھ نرم ہی ہیں، لیکن قرآن کی ہدایات کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔ توریت کے رو سے کسی غیر اسرائیلی قوم کو نیست و نابود کر دینا جائز ہے۔ ان کو لونڈی غلام بنانا بالکل بجا ہے۔ قرآن اِن باتوں کو کسی حالت میں جائز قرار نہیں دیتا۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ جب فریقِ مخالف سے مڈبھیڑ ہو، تو جی کھول کر لڑو، اُن کی گردنیں مارو۔ پھر اُن کو اسیر کرو اور اس کے بعد یعنی جنگ کے خاتمہ پر ان قیدیانِ حرب کو فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دو۔ فدیہ سے مراد مبادلہ قیدیانِ جنگ اور تاوانِ جنگ دونوں ہیں۔ جیسی صورت ہو ویسے عمل کرو اور اگر دونوں صورتیں نہ ہوں، تو احسان رکھ کر آزاد کر دو۔ احسان آزادی میں ہی ہے۔ لیکن "احسان" کا لفظ قرآن میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے، کہ اُن کو زادِ راہ دے کر اُن کے گھروں تک امن سے پہنچا دو۔ پہلی لڑائی جو منظم صورت میں رونما ہوئی اور جس کی طرح "حرب" نے ڈالی تھی، غزوہ بدر سے موسوم ہوئی ہے۔ (ملاحظہ ہو لفظ بدر) اس لڑائی میں مسلمانوں کی طرف سے ایسی ہی بے اعتدالی ظہور میں آئی، جو "حرب" کے مناسب تھی، لیکن "قتال فی سبیل اللہ" کے مخالف تھی۔ دستورِ حرب کے مطابق فتح کے بعد مسلمانوں نے مغلوب اور اسیر فریقِ مخالف کو لوٹ لیا اور جس جس کے ہاتھ جو جو قیدی چڑھا، اس کو اپنا غلام سمجھ لیا اور فدیہ کا مطالبہ کیا۔ مسلمانوں نے عملاً ابھی قتال فی سبیل اللہ کا مفہوم نہ سمجھا تھا، وہ "حرب" کے آئین سے واقف تھے اور اسی پر کاربند ہوئے۔ اس پر سخت تہدید منجانب اللہ نازل ہوئی (۸)

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَّوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۱۰/۶۹۵

تم چاہتے ہو جنسِ دنیا کی اور اللہ آخرت چاہتا ہے (تمہارے لیے) اور اللہ زبردست حکمت والا ہے (اسی کا منشاء پورا ہو کر رہے گا) اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ پہلے ہی تو تم کو اس دست برد پر سخت عذاب ہوتا۔ سو کھاؤ، جو غنیمت لاؤ، مگر حلال اور طیب بنا کر اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے نبی اُن قیدیوں کو جو تمہارے ہاتھ پڑے ہیں کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی جانے گا، تو اس سے بہتر تم کو دے گا، جو تم سے چھینا گیا ہے اور تم کو بخشے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیات کا مفہوم واضح ہے اور مزید بحث لفظ "غنم" کے تحت کی جائے گی۔ غنیمت جائز ہے لیکن حلال اور طیب اسی صورت میں ہو سکتی ہے، جب حربی طریقہ پر حاصل نہ کی جائے۔ غنیمت کا مال کس طرح کام میں لانا چاہیے، قرآن نے واضح کر دیا ہے۔ ہم مناسب مقام پر اس کی تشریح کریں گے۔

چوں کہ غلامی کا سرچشمہ بھی "حرب" ہے، اس لیے آیت (۴۷) نے اس کو قطعاً موقوف کردیا ہے کہ جنگ کے بعد اسیرانِ جنگ کسی حالت میں قید نہیں رہ سکتے۔ یا فدیہ دے کر یا احسان کے ساتھ آزاد ہوں گے۔ اگر عملاً کسی مسلمان فاتح کا اس آیت پر عمل نہیں ہوا اور اس کے خلاف اس نے لونڈی اور غلام بنائے تو قرآن اس کا ذمہ دار نہیں اور ایسے لوگوں کے افعال کی مذمت کرنی چاہیے۔ اُن کی حمایت محض تعصب ہے۔

غلامی کی اور بھی صورتیں ہیں، لیکن سب "حرب" کے نتائج میں شامل ہیں۔ مثلاً سود خواری، ارشادِ الٰہی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝	اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود سے رہ گیا ہے، اس کو چھوڑ دو، اگر تم صحیح معنوں میں مومن ہو (تو ایسا ضرور کرو گے) اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر توبہ کرتے ہو، تو تمھیں اصل مال پہنچتا ہے (وہ لے لو)، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے اور اگر ایک شخص تنگ حال ہے تو اس کو فرصت دینی چاہیے، جب تک کشائش پائے اور اگر خیرات کر دو تو تمہارا بھلا ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو (تو ایسا ہی کرو گے)۔

اس آیت کے مخاطب کفار نہیں، بلکہ خود مومنین مسلمان ہیں۔ قرآن سود خواری مٹانا چاہتا ہے، کیوں کہ "حرب" کی ممد اور اسبابِ حرب سے ہے۔ دوسروں کو وہ کیا کہہ سکتا ہے، جب خود اس کے گھر کا یہ حال ہو کہ مسلمان ہی سود خوار ہوں۔ "چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"؟ اس لیے ہدایت کی گئی ہے کہ خود مسلمانوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیے اور ایسا نمونہ کہ دوسروں کے دل میں خود بخود کشش پیدا ہو۔

قرآن قتال کو مذموم قرار دیتا ہے لیکن   کو جائز قرار دیتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک قومی رسول تھے اور اُن کی رسالت کا منشا، ایک قوم کو اُبھارنا، قیدِ غلامی سے آزاد کرانا اور ان کو رتبۂ شاہی تک پہنچانا تھا "قتال فی سبیل اللہ" کا مفہوم بروئے قرآن یہ نہیں ہے، کیوں کہ رسول کریم کوئی قومی رسول نہ تھے۔ آں حضرتؐ رحمۃ للعالمین ہیں آں حضرتؐ کا منصبِ رسالت وسیع تر پیمانہ پر کُل بنی نوع انسان کی بہتری اور ترقی کے لیے ہے اور "حرب" مانعِ ارتقا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں قومی رسول بھی ممکن تھے اور اس طرح قومیں ارتقائی میدان میں یکے بعد دیگرے آتی رہیں، لیکن آں حضرت کی بعثت کے ساتھ اقوامِ عالم نے ایک قومِ انسانی بننا تھا اور کُل اقوامِ عالم میں تعلقات پیدا ہونے تھے۔ ایامِ جاہلیت جو ازمنۂ تاریک سے تعبیر ہوتے ہیں، اس امر کے مقتضی تھے کہ ہندو، آریہ غیر اقوام کو ملیچھ اور بنی اسرائیل غیر بنی اسرائیل

کو گئتے اور اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد اور خداوند دے سمجھیں، مگر اب زمانہ دگرگوں آئیں نہاد؛ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ انسانی تعلقات اخوت پہ قائم ہوں، اس لیے قرآن کا منشاء "قتال فی سبیل اللہ" سے ہوس ملک گیری نہیں، جو حرب کے مناسب ہے بلکہ صاف صاف آیات میں واضح کیا گیا ہے کہ آں حضرتؐ کی رسالت کا منشاء یہ تھا کہ ایک امت جو اعتدال پسند ہو، تیار کی جائے، تاکہ وہ آں حضرتؐ کی طرح اقوام عالم میں تبلیغ ہدایت کرے۔ قتال کے متعلق جو احکام قرآن میں ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ بشرطِ ضرورت ایسے طریقہ سے ہو جس میں نفسانیت کا دخل نہ ہو اور انسانیت کے مناسب ہو۔ مہذب دنیا نے اگرچہ بظاہر اس پر عمل شروع کر دیا ہے، مگر ان کا عمل زیادہ تر حربی جذبات کے تحت ہے۔ ہر ایک فرد او رقوم کا فرض ہے کہ وہ ہمسایہ اقوام کو جہالت کی تاریکی سے نکالے۔ یہ فرض اس پر اس اختیار اور حکومت کے باعث عاید ہوتا ہے، جو اُس کو اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے، لیکن اس فرض کی آڑ میں قوموں کو نیست و نابود کرنا اور ان کے ذرائع زندگی پر خود قابض ہو کر اُن کو ترقی سے محروم کرنا حرب کے مناسب ہے۔

قرآن کا فتویٰ ہے کہ حرب ضرور ایک نہ ایک دن ہتھیار رکھ دے گی، اور اس وقت قتال موقوف ہو جائے گا (۴۷:۴)، اور ویسے بھی جب حرب مقابل صف آرا نہ ہو، قتال جائز نہیں ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں حرب خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے اور قوموں کی نفسانیت طرح طرح کے حیلے تراشتی ہے۔ قرآن کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کا وبال ان ہی پر پڑے گا اور آخر وہ وقت آنے والا ہے جب قرآن کا منشاء پورا ہو کر رہے گا۔ بہرحال جب تک حرب کا بازار گرم ہے، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہر وقت مستعد رہنا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ فتنہ و فساد دنیا سے اُٹھ جائے اور تبلیغ اسلام کے ذریعے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے، تاکہ اخوت کا دَور دَورہ ہو۔ مزید بحث کے لیے "خلافت" ملاحظہ ہو، (لغات خلف)

عرب ایک ایسا ہی ملک ہے، جیسے کرۂ ارض پر اَور بھی ہیں اور ان میں ایک قوم ایسی ہی آباد ہے، جیسے دیگر ممالک میں اقوام ہیں۔ عربی فتوحات وغیرہ کو ایک حد تک قرآنی ہدایات کے ساتھ ضرور تعلق ہے، لیکن ان کا دیگر اقوام کی فتوحات اور اعمال کے ساتھ موازنہ کرنا چاہیے کہ زیر اثر قرآن اس قوم کے اعمال میں کیا قابل تقلید تبدیلی واقع ہوئی؟ جو امر ایک قوم اپنے لیے جائز سمجھتی ہے۔ وہ دوسری قوم کے لیے ناجائز کس طرح خیال کر سکتی ہے؟ یہ تو الزامی جواب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن قتال بوقتِ اشد ضرورت جب کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو، جائز قرار دیتا ہے، بلکہ حکم کرتا ہے۔ اب ان حالات کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیا ہیں، جب قتال کی ضرورت لاحق ہوئی؟

ہر ایک شخص کا حق ہے کہ وہ جو کچھ نیک نیتی سے اپنے اور غیروں کے لیے اچھا سمجھتا ہے، اس کا اظہار کرے اور جب ایسی بات ہو کہ اس سے اہل دنیا کی حالت سنور جائے تو قیاس ہو سکتا ہے کہ اس کا اظہار کتنا لازمی ہے۔ حضرت

عیسیٰ قومی رسول تھے۔ اپنی قوم کو رومی گورنمنٹ کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے تھے کیوں کہ ہر ایک ترقی آزادی کے ساتھ وابستہ ہے۔ محکوم قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں۔ وہ جہنمی زندگی بسر کرتی ہیں۔ جو کچھ مسیح سے لوگوں نے جن کے فائدے کے لیے آپ کوشش فرماتے رہے اور حکومت نے جس نے اُن کی تعلیم سے خطرہ محسوس کیا، سلوک کیا، وہ تاریخی واقعات ہیں، دونوں پر وبال آیا۔

رسول کریمؐ نے اپنی قوم کو مخاطب کیا اور جو کچھ ہدایت فرمائی، وہ قرآن میں موجود ہے۔ فرض کرو کہ قوم اسے اپنے حق میں مضر سمجھتی تھی اور اس کا حق تھا کہ اس مضرت کو جس طرح ہو دُور کرتے، لیکن قوم نے جو طریقہ اختیار کیا، اگر یہ جائز ہو تو ہر ایک شخص اور قوم "حرب" پر اُتر آئے گی اور بحر و بر میں فساد رونما ہو جائے گا۔ اس لیے جائز طریقہ یہی ہے جو قرآن نے واضح کیا ہے کہ "ھاتوا برھانکم" برہان سے مدعیِ حق کا مقابلہ کرو اور اس امر کا فیصلہ لوگوں کے فہم پر چھوڑ دو۔ لا اکراہ فی الدین۔ قد تبین الرشد من الغی۔ "جبر" ایسے امور میں "حرب" کے ہم معنی ہے۔ اگر قوم حرب کو جائز تصور کرتی ہے، تو بحث تحصیل حاصل ہے۔ قرآن اسے جائز قرار نہیں دیتا۔ اس کے مقابلہ میں قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے جس کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔

آں حضرتؐ کو قوم نے ہجرت پر مجبور کیا۔ مکہ میں آں حضرتؐ کے اصحاب کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ جب تک کسی شخص میں اپنی کمزوری کا احساس ہو، وہ زبردست حریف سے نہیں اُلجھتا۔ اگر آں حضرتؐ تیرہ سال تک مکہ میں صبر و تحمل سے مظالم سہتے رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اپنے اسوہ حسنہ سے یہی تلقین فرماتے رہے، تو خیر اس کو ان کی کمزوری پر محمول کرو، لیکن جب سربرآوردہ قبائل کے سربرآوردہ اشخاص حلقہ بگوشِ اسلام ہونے لگے اور طاقت بڑھنے لگی، تو آں حضرت سمجھ گئے کہ مکہ کا امن معرضِ خطر میں ہے۔ انہی اصحاب نے بدر کے میدان میں کفارِ مکہ کی طاقت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ مکہ میں کیا وہ یہی کچھ نہیں کر سکتے تھے؟ واقعہ بدر ہجرت کے پہلے سال میں رونما ہوا اور اس عرصہ میں قیاس ہو سکتا ہے کہ کیا کچھ طاقت جمع ہو چکی تھی۔ آں حضرتؐ نے محض امن مکہ کو بحال رکھنے کے لیے ہجرت فرمائی اور آپؐ نے اور آپ کے اصحابؓ نے اپنے املاک چھوڑ کر ہجرت کی۔ یہ کتنی بڑی قربانی ہے! اس کے بعد جو کچھ سلوک اسیرانِ جنگ سے ہوتا رہا اور جن شرائط پر صلح ہوتی رہی، وہ تاریخ عالم میں پہلی مثال ہے۔ فتح مکہ کے بعد جو کچھ سلوک مغلوب فریق سے کیا گیا، وہ برادرانہ سلوک ہے۔

قرآن میں پیش گوئی موجود ہے کہ مسلمانوں کا تصادم رومیوں اور ایرانیوں سے ہوگا۔ یہ اقوام فنونِ حرب سے خوب واقف تھیں۔ یہ بھی پیش گوئی ہے کہ جنگ جاری رہے گا، جب تک ایک قوم (اہل روم) مغلوب نہ ہوں اور

دوسری (اہل ایران) مسلمان نہ ہوں۔ ان واقعات کا ذکر مناسب مقام پر آئے گا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ملک شام خواہ کسی طرح اولادِ ابراہیمؑ کے قبضہ میں آیا، یہ ملک عرصہ دراز سے اس قوم کے قبضہ میں تھا اور جس طرح ہندوستان کو ہندو اپنا جنم بھومی سمجھتے ہیں، اسی طرح بنی اسرائیل کی کیفیت تھی۔ رومیوں نے ان کو بے دخل کر دیا اور مُبری گت بنائی اور یہودی آج تک آوارہ نظر آتے ہیں۔ بنی اسرائیل، بنی اسمٰعیل کے بھائی تھے۔ یہ ملک اب اولادِ ابراہیمؑ کا میراث ہو چکا تھا اور بروئے تورات دائمی میراث تھی۔ اگر رومی گورنمنٹ کو تلوار کا حق پہنچتا تھا، تو بنی اسمٰعیل کو بدرجہ اولیٰ یہ حق حاصل تھا، لیکن قرآن اسے حق تسلیم نہیں کرتا، اس لیے بروئے قرآن رومی گورنمنٹ کا کوئی حق نہ تھا اور نہ اس حق کی بنا پر رومی گورنمنٹ کو مسلمانوں نے ارضِ شام سے بے دخل کیا۔ رومی گورنمنٹ نے عرب کی بڑھتی ہوئی طاقت میں خطرہ محسوس کیا اور اس کا سدِباب کرنا چاہا۔ آں حضرتؐ کے قاصد سرحدِ شام پر مارے گئے۔ ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی اور "البادی اظلم" چنانچہ پہلی منظم لڑائی موتہ پر ہوئی، جس میں عربی سپہ سالار حضرت زیدؓ جس کی نسبت محققین کا خیال ہے کہ اگر زندہ رہتا تو خلیفہ اول ہوتا، شہید ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہُوا، تاریخی واقعات ہیں۔

ایرانی، عرب پر قابض ہو چکے تھے اور ان کا کوئی حق نہ تھا کہ وہ عرب پر استبدادی حکومت کرتے، اس پر بھی آں حضرتؐ سے چھیڑ کا سلسلہ ان لوگوں نے ہلایا۔ ایرانی آج تک ایران پر قابض چلے آتے ہیں، مگر مسلمان ہیں۔

مسلمانوں میں قومیت کا نسلی احساس دیگر اقوام کی طرح نہیں، بلکہ ان معنوں میں یہ کوئی قوم ہی نہیں، لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ مسلمان قومیت کے معنوں میں قومیں بھی ہیں اور دیگر اقوام کی طرح وہ بھی شہنشاہ رہے ہیں اور بادشاہ ہیں۔ ان کے قومی کارناموں کو قرآنی ہدایات کے خلاف دیکھتے ہوئے قرآن کو ذمہ دار قرار دینا غلط مبحث ہے۔ قرآن کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جو قومیں حرب کی طرح ڈالتی ہیں اور لوگوں کے ذرائع زندگی پر قبضہ جما کر ان کو غلام بناتی ہیں، وہ ضرور دیر سویر ان کی جگہ اسی طرح غلام ہوں گی اور تاریخ ان واقعات کا اعادہ کرتی رہی ہے اور شاہد ہے کہ ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔

خطبۂ جمعہ

۲۳ فروری ۱۹۴۰ء

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. رب اشرح لی صدری
ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی۔

برادرانِ عزیز! اس دنیا میں کوئی چیز نئی نہیں:

تلک الایام نداولہا بین الناس

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ سورج کے طلوع و غروب اور چاند کے زوال و کمال کی طرح انسان کی مادی و روحانی ترقی و تنزل کے دور آتے ہیں۔ اگر آج مادی فنون عروج پر ہیں، تو آج سے پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے۔ اگر آج اخلاق و روحانیت کا سورج غروب ہو چکا ہے، تو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ مشین کی ترقی انسان کی ترقی نہیں۔ مال و تجارت، علم و فلسفہ اور تعمیر و تشکیل کا عروج، انسانیت کا عروج نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پنجاب کا ایک دیہاتی اپنے کرم و اخلاق اور ہمسایہ کو سکھ پہنچانے کے لحاظ سے یورپ کے اُس سائنس دان سے بلحاظ انسانیت اعلیٰ ہو، جو انسانوں کو تباہ کرنے والی بہترین ایجادات کا موجد ہے۔ تہذیب کی یہ تقسیم جو آج کل کی گئی ہے، بلحاظِ روح و مغز نہیں، بلحاظ جسم و پوست ہے۔ جسم و پوست کی ترقی روح انسانیت کی ترقی نہیں۔ سانپوں اور بچھوؤں، شیروں اور بھیڑیوں، زلزلوں اور طوفانوں، زہروں اور ہلاہلوں نے بل کر بھی انسانی جان کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا، جتنا خود ان قابیلوں نے اپنے ماں جائے ہابیلوں کو۔ انسان انسان کو کچلتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ پڑھا لکھا، مہذب، متموّل اور قوی الجثہ انسان اپنی تمام دماغی و مادی قوتوں سے کام لے کر ان انسانی بستیوں کو تباہ و ویران اور برباد و پامال کر دیتا ہے جن میں بوڑھے بھی ہیں بیمار بھی، اور عورتیں بھی ہیں بچے بھی، پھر اپنے اس کارنامے کو بڑھا چڑھا کر اخباروں میں شائع کراتا ہے اور اس سے شرم نہیں کرتا۔ وہ شرم کیوں کرے، جب کہ اُس کی اس خوں خواری و درندگی پر تحسین و آفرین کہنے والے موجود ہیں، اس کی ترقی تنخواہ کی سفارش کرنے والے، اس کو اس کھلی ہوئی قزاقی و غارت گری کے عوض میں تمغہ و خطاب دینے والے اس کی راہ دیکھ رہے ہیں، تم اے دنیا والو! اس کو تہذیب کہتے ہو! آسمان

کے فرشتے اس پر لعنتوں کی بارش کرتے ہیں، لیکن وہ بارش تمہیں نظر نہیں آرہی۔ تمہاری بینائی سلب کی جا چکی ہے۔ تمہارے کان بہرے ہو چکے ہیں۔ نہ تم اپنے ضمیر کی آواز سنتے ہو، نہ فطرت کے نقارچی کی۔

آج ہندوستان جہنم نشان بن رہا ہے۔ شہروں کا امن برباد ہو رہا ہے۔ راہ چلتے انسانوں پر انسان حملہ آور ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ اُن کے ہم مذہب یا ہم خیال گروہ سے متعلق نہیں۔ چند بدمعاش ہزاروں شریفوں کے لیے امراضِ مہلکہ کے جراثیم بن رہے ہیں۔ باہمی اعتماد اٹھ رہا ہے، معاشی سہولتیں تباہ ہو رہی ہیں۔ نہ واعظ کے وعظ میں اس کا علاج ہے، نہ حکومت کے قانون میں۔ یہ بدلہ مل رہا ہے اس ناشکری و ناقدری کا جو الٰہی نعمتوں کے ساتھ روا رکھی گئی۔ قرآن اس معاملہ میں خاموش نہیں۔ وہ انسانی فطرت کے اس تاریک پہلو کو پیش کرتا ہے، پھر اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اس علاج سے صحت حاصل کریں۔ ارشاد ہے:

لَقَدْ کَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْکَنِہِمْ اٰیَۃٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ کُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّکُمْ وَ اشْکُرُوْا لَہٗ ؕ بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ سَیْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰہُمْ بِجَنَّتَیْہِمْ جَنَّتَیْنِ ذَوَاتَیْ اُکُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِیْلٍ ۝ ذٰلِکَ جَزَیْنٰہُمْ بِمَا کَفَرُوْا ؕ وَ ہَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْکَفُوْرَ ۝ وَ جَعَلْنَا بَیْنَہُمْ وَ بَیْنَ الْقُرَی الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْہَا قُرًی ظَاہِرَۃً وَّ قَدَّرْنَا فِیْہَا السَّیْرَ ؕ سِیْرُوْا فِیْہَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیْنَ ۝ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَہُمْ فَجَعَلْنٰہُمْ اَحَادِیْثَ وَ مَزَّقْنٰہُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْہِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوْہُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ

اہلِ سبا کے لیے اُن کے مقامِ بود و باش میں ایک نشانی تھی، یعنی دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) خدائے غفار۔ تو انہوں نے (شکرگزاری سے) منہ پھیر لیا۔ پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں اُن کے بدلے دو ایسے باغ دیے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ یہ ہم نے اُن کی ناشکری کی اُن کو سزا دی اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں اور ہم نے اُن کے اور (شام کی) اُن بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنائے تھے، جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بےخوف و خطر چلتے رہو تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار! ہماری مسافتوں میں بُعد (اور طول پیدا) کر دے اور (اس سے) انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا۔ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال

اَلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ لَہٗ عَلَیْہِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَۃِ مِمَّنْ ہُوَ مِنْہَا فِیْ شَکٍّ ؕ وَرَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۝ (۳۴)

سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اُس کے پیچھے چل پڑے اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا، مگر ہمارا مقصود یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک رکھتے ہیں، اُن سے اُن لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے ہیں متمیز کر دیں اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔

ان آیات نے بتایا کہ لوگوں کے پاس رہنے کے لیے مسکن تھے۔ آج اناطولیہ کے زلزلہ زدہ تباہ حال لوگوں سے پوچھو مسکن کی قدر جن کو بنے بنائے مسکن مِل گئے اور ابھی ان سے چھینے نہیں گئے وہ ان کی قدر کیا جانیں؟ موروثی جائداد عموماً بدکاری میں صرف کی جاتی ہے۔ شہری لوگ اپنے موروثی امن کی قدر نہیں کرتے۔ اس کو پامال کرنے میں بہادری سمجھتے ہیں۔ شہر سبا کے مساکن میں خدا کے فضل کا نشان تھا۔ دائیں بائیں دو باغ پھلوں سے بھرپور کہ خدا کے رزق کو کھاؤ اور اس سے جو قوت و توانائی حاصل کرو اس کو اس کی مرضی کے مطابق اشاعت امن وخیر میں استعمال کرو۔ یہ ہے شکر نعمت! شہر کا ستھرا ہونا اور نعمتوں کا مہیا ہونا، گھروں کا منظم ہونا، باغوں میں پھلوں کی فراوانی، یہ سب چیزیں ایک رب غفور کے وجود کی مقتضی ہیں۔ اگر رب غفور کا احساس موجود ہے اور اُس کے ارشادات کی تعمیل ملحوظ ہے، تو یہ نعمتیں موجود رہیں گی، ورنہ چھین لی جائیں گی۔

سبا کے لوگوں نے آج کے ہندوستانی بدمعاش شہریوں کی طرح رب غفور اور اُس کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔ اس سے منہ موڑا۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ سمندر میں طوفان اٹھا۔ انہوں نے بند لگائے، پشتے بنائے، لیکن جب رب غفور رب قہار بن جائے، تو تمہاری صنعت وحرفت کچھ کام نہیں آسکتی۔ تمہاری صنعتی ترقی ہی تمہاری تباہی کا موجب ہو سکتی ہے۔ سیلاب کا پہلا اثر یہ ہوا کہ زمین کی تاثیر بدل گئی۔ باغوں کے پھل کڑوے ہو گئے۔ اب اس کو کون سی دوا پلائی گئے جس سے اس کا صفرا خارج ہو کر پھر اعتدالِ مزاج پیدا ہو؟ یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ یہ سزا تھی اس ناقدری کی، جو انہوں نے کی اور ایسی سزا ناشکر گذاروں سے خاص ہے۔ وہ کیسی آبادیاں تھیں؟ سبا سے شام تک ایک طویل سڑک تھی، جو ملکہ سبا، تبع (جس کی بہت مخلوق تابع تھی) اور سلیمان نے مل کر بنوائی تھی، جس پر جابجا گاؤں آباد تھے۔ سرائیں تھیں، کھانے پینے کی ضرورتیں مہیا تھیں۔ منزلوں کے لحاظ سے سفر کے اندازے مقرر تھے۔ سفر کیا تھا، ایک سیر تھی۔ راتوں اور دنوں کو اس سے سفر کرتے تھے لیکن وہ آسائش کو ہضم نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنی زبانِ قال اور زبانِ حال سے دُوری چاہی۔ لمبے سفر اور غیر آباد راستے مانگے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ نتیجہ یہ نکلا وہ رونقیں، وہ آبادیاں، وہ کاروبار کی گہما گہمی، وہ دکانوں کی سجاوٹیں، وہ تمول و امارت ایک قصہ کہانی بن کر رہ گئی، جب اُن کی ضرورتیں وہاں پوری نہ ہوئیں، تو وہ بکھر گئے۔ تلاش معاش نے اُن کا شیرازہ پراگندہ کر دیا۔ بد امنی نے اُن پر زندگی تنگ کر دی۔ زمانے نے دیکھا کہ وہ بے نشان ہو گئے۔ یہ واقعات صرف داستان نہیں مصائب پر تحمل کرنے والوں اور نعمت کی قدر کرنے والوں کے لیے ان میں

بے شمار عبرتیں اور بصیرتیں نہاں ہیں! ابلیس جو انسانی امن و سلام کا ہمیشہ دشمن رہا ہے، اس نے ان لوگوں پر اپنا گمان پورا کر دیا ... وہ بالکل ابلیس کے ہو لیے۔ اُس کے ہتھکنڈوں میں آگئے۔ اپنی بداعمالیوں کو قابلِ فخر کارنامے سمجھا کیے۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جن پر ابلیس قابو نہ پا سکا جن کی نعمتیں زحمتوں سے مبدل نہ ہو سکیں۔ وہ کون تھے؟ فریقاً من المؤمنین۔ مومنوں کی ایک جماعت معلوم ہوا کہ ایسے حالات میں پناہ کی صورت صرف ایمان داری میں ہے۔ ایمان، امن پسندی، خیر اندیشی اور دانش مندی کا دامن ہاتھ سے نہ جائے۔ بھلا چاہو! بھلا مانگو! بھلا کرو! برائی، شیطنت اور فساد سے بچو! شیطان کو ایسے لوگوں پر غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ شیطان تو ایک قدرتی کسوٹی ہے، جس سے پرکھ کی جاتی ہے، انجام پر یقین لانے والوں اور شک کرنے والوں کی، اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز، کوئی قوت کوئی نعمت پروردگار کی حفاظت سے باہر نہیں۔ دنیا اپنے حقیقی اور قطعی انجام سے غافل ہو چکی ہے؟ پچھلے دنوں میرے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ بنایا گیا۔ ایسی حالت میں حاضرِ عدالت ہونا میرے لیے بالکل انوکھی بات تھی۔ صبح کو پہلی پیشی تھی۔ رات مجھے ایک منٹ نیند نہیں آئی۔ یہ ایک ایسے حاکم کی عدالت تھی، جس کو رشوت سے پھسلایا جا سکتا تھا۔ وکیل اور گواہ دھوکا دے سکتے تھے۔ سفارش انصاف سے منحرف کر سکتی تھی۔ ممکن تھا کہ حاضرِ عدالت ہونے سے پہلے میں یا حاکم یا فریقِ مخالف لقمۂ اجل ہو جاتا اور سارا نظام مقدمہ تہس نہس ہو جاتا۔ ایسی ظنی عدالت کا یہ یقین کہ رات بھر نیند نہ آئے، لیکن وہ قطعی اور حقیقی عدالت جہاں کوئی سہو و نسیان نہیں یا کوئی رشوت و سفارش نہیں، جو اٹل ہے، جو ہو کر رہے گی، اُس کے لیے میں کتنی راتیں جاگا؟ اُس سے بچنے کی کتنی کوشش کی؟ یہ میری حالت ہے، جو قرآن پڑھتا ہوں، قرآن سناتا ہوں، قرآن لکھتا ہوں۔ دوسروں کو کیا کہوں؟ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے:

منع القرآن بوعدہٖ و وعیدہٖ		مقل العیون بلیلہا ان تہجعا

فہو عن الملک الجلیل کلامہ		فرقابہم ذلت الیہ تخشعا

یعنی قرآن مجید نے اپنے وعدہ و وعید کی مؤثر آیات سے آنکھوں کو رات کے سونے سے روک دیا۔ قرآن جلیل القدر بادشاہ کا کلام ہے، جس کے سامنے گردنیں عاجزی سے جھکنے کے لیے مجبور ہیں۔" یہ ہے انجام کا وہ یقین، جس کا قرآن مطالبہ کرتا ہے! اور جس سے ہمارے دل و دماغ خالی ہو کر شیطان کے ہاتھ کا کھلونا بن چکے ہیں اور فتنہ و فساد اور انکار و الحاد کو ہی غذا سمجھ چکے ہیں ——— عزیزانِ من! حالات کی رفتار نازک سے نازک تر ہو رہی ہے۔ حکومت اس کے چارے سے عاجز ہے۔ انجمنیں معطل ہیں۔ اخبار و تصنیفات بجائے بجھانے کے آتشِ الحاد و فساد پر تیل چھڑک رہے ہیں۔ اگر ہم اس طوفان بے تمیزی سے نجات چاہتے ہیں تو ہمیں ایمان کو اپنی ڈھال بنانا لازم ہے اور بس! ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃً وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اُن کی تنگ نظری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ قرآن کو علوم متداولہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرنا اُن کے نزدیک ایک بدترین قسم کا الحاد ہے، مگر انہیں یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ اسلام کا یہ اصول رہا ہے کہ العلم والدین توامان" علم اور مذہب دونوں توام بھائی ہیں۔

قرآن میں مختلف علوم کے مباحث موجود ہیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر اقبالؒ نے احباب کی ایک صحبت میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ قرآن کی آیات مختلف علوم کے ماہرین و محققین میں تقسیم کر دی جائیں اور وہ اپنے اپنے علم کی روشنی میں اُن آیات کی تفسیر کریں۔ اس سے قرآن کی جو تفسیر مرتب ہوگی، وہ ایک ایسی تفسیر ہوگی، جو مسلمانوں کے لیے صحیح راہ نمائی کا کام دے سکے گی میں نے اسی خیال کے ماتحت کوشش کی ہے کہ وہ تمام آیات یکجا جمع کر دوں، جن کا تعلق حیاتیات سے ہے۔

ابتدائے آفرینش عالم | آج تک ابتدائے عالم کے بارے میں جتنی تحقیقات کی گئی ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ ابتداء میں صرف ایتھر (ایثر) یا گیسوں کے بادل موجود تھے۔ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ پھر انہی بادلوں سے امتداد وقت کے ساتھ قانون جذب و دفع کے ماتحت اجرام[۱] سماویہ کی تکوین ہوئی۔ قرآن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ

---

[۱] قرآن میں ایک دوسری جگہ یہ آیت موجود ہے کہ:

أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۔ | کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح تہ برتہ سات آسمان بنائے؟

" سَبْعَ سَمٰوٰت" سے مراد سات بڑے بڑے سیارے نیپچون، اورانوس، زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ہیں، جو سورج سے کچھ اس طرح فاصلے پر واقع ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر منطبق نظر آتے ہیں، یعنی ان کے مدار تہ بہ تہ ہیں۔ سورج سے نیپچون کا بُعد 2778300,000 میل ہے، اورانوس کا 1832650000 میل، زحل کا 882200000 میل، مشتری کا 481250000 میل، مریخ 139300000 میل، زہرہ کا 66134000 میل اور عطارد کا 35000000 میل۔ یہ سات عظیم الشان سیارے زمین کی سات بلندیوں پر واقع ہیں اور اُن کے مدار ایک دوسرے پر منطبق ہیں، " سبع سمٰوٰتٍ طباقاً " اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے،" ولقد خلقنا فوقکم سبع طرائق کی آیت اس مفہوم کی تائید کرتی ہے۔ " طرائق " کے معنی راستوں کے ہیں۔ یہ سات راستے کیا ہیں؟ یقیناً سات سیاروں کے مدار ہیں، جن پر یہ گردش کرتے ہیں۔

"السماء" " سبع سمٰوٰتٍ طباقاً " کا مترادف ہے، لہٰذا "السماء" کا مفہوم اجرام سماویہ لیا گیا ہے، جو سات عظیم الشان سیاروں پر مشتمل ہیں۔

قرآن میں حسب ذیل آیت بھی ملتی ہے:

کیا گیا ہے:

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ٥	پھر خدا نے اجرام سماویہ کی طرف توجہ کی اس حال میں کہ وہ دھواں تھے، تو کہا اُن سے اور زمین سے کہ آؤ ہستی میں بخوشی یا بالجبر! بولے کہ ہم بخوشی آئے۔

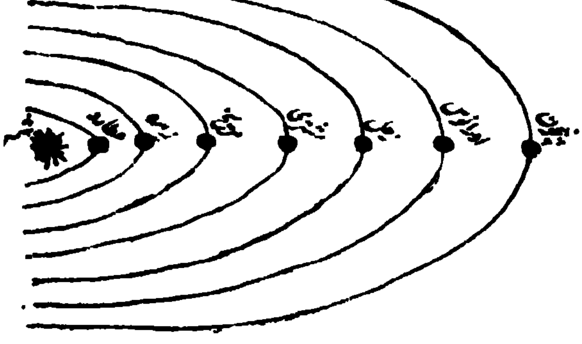
کس دل آویز مکالمہ کی صورت میں خدائے پاک نے ابتدائے آفرینش کا حال بیان کیا ہے! آپ ہی بتائیے کہ ایتھر یا گیس کے بادل کے لیے دھواں (دخان) سے بڑھ کر اور کون سا لفظ جامع اور موزون ہوسکتا ہے؟

پھر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ بادل ایک بہت بڑے روشن کرے کی صورت میں آپس میں مل گئے۔ اس کرے نے گردش کرنا اور سکڑنا شروع کر دیا۔ اس طرح اس روشن و مشتعل کرے سے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر فضا میں پھیل گئے اور ان ہی ٹکڑوں سے تمام سیاروں کی تشکیل ہوئی۔ باقی جو مرکزی حصہ بچ رہا، وہ سورج کی صورت میں موجود رہا۔ ہماری زمین جس پر ہم آباد ہیں، یہ بھی اسی عظیم الشان مشتعل کرے سے ٹوٹ کر بنی جس وقت یہ زمین علیحدہ ہوئی تھی، اُسی روشن اور آتشین کرے کی طرح گرم تھی، مگر رفتہ رفتہ سرد ہوتی چلی گئی اور پھر اس قابل ہوگئی کہ اُس پر آبادی ہوسکے۔ قرآن اس حقیقت کو اس طرح پیش کرتا ہے:

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا	کیا کفار نہیں جانتے کہ اجرام سماویہ اور زمین پہلے ایک گولا کرہ تھے، تو ہم نے اُن کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

پروفیسر سمپسن (Sampson) اس نظریہ کو حسب ذیل الفاظ میں ادا کرتا ہے:

Both sun and planets were formed out of a single gaseous



(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۵)

اللّٰه الذی خلق سبع سمٰوٰت و من الارض مثلهن۔	اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین بھی انہی کی مانند۔

"و من الارض مثلهن" کا مطلب یہ ہے کہ زمین بھی ان سیاروں کی طرح سورج کے گرد اپنے مدار کے لحاظ سے ایک اور طبقہ کے اضافہ کی باعث ہے۔

nebula, contracting on itself and rotating faster, as it would, and flattening out in the process. The planets were formed out of rings shed off in succession, and collected into single bodies, while the Sun was the residen, that remained at the centre.

یعنی سورج اور سیارے ایک سحابی کتلے سے متشکل ہوئے جو بہ حالت گردش سکڑتا اور اطراف میں پھیلتا چلا گیا۔
سیارے اُن پٹیوں سے بنے ہیں، جو اس کتلے سے یکے بعد دیگرے علیحدہ ہوئیں اور یکہ کران اجرام میں صورت پذیر ہوئیں۔
سورج اسی کتلہ کا مرکزی حصہ ہے، جو باقی بچ رہا۔

تخلیق حیات علماء حیاتیات کا خیال ہے کہ سب سے پہلے قطبین کے سمندروں میں زندگی کی ابتدا ہوئی، کیوں کہ یہی حصے سب سے پہلے ٹھنڈے ہوئے ہوں گے۔ تمام جانوروں اور انسان کے خون پر تجربات کیے جانے کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ زندگی کی ابتداء سمندر کے پانی میں ہوئی ہے، اس لیے کہ خون میں نمک کی مقدار وہی ہے، جو سمندر کے پانی میں پائی جاتی ہے۔
قرآن اس نظریہ پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ | ہم نے ہر جاندار چیز یعنی حیوانات و نباتات کا مبدء پانی بنایا ہے۔

علماء ارتقاء (Evolutionists) کا خیال ہے کہ پروٹوپلازم (مادۂ حیات) جس سے تمام ذی حیات اشیاء یعنی حیوانات و نباتات کے اجسام متشکل ہیں، غیر ذی حیات مرکبات کے ارتقاء سے وجود میں آیا، یعنی پروٹوپلازم کی ابتداء بے جان مادے میں کیمیاوی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ پروٹوپلازم ایک پیچیدہ ترین مرکب ہے، جو کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور گندھک وغیرہ عناصر پر مشتمل ہے۔ یہ عناصر ایک نامعلوم تناسب کے ساتھ آپس میں ملے ہوئے ہیں۔

کیمیاء عضوی (organic chemistry) اور حیاتیات (biology) کے محققین و علماء نے بہت کوشش کی ہے کہ وہ ان عناصر کو آپس میں ترکیب دے کر پروٹوپلازم، معملوں (laboratories) میں تیار کر سکیں، مگر وہ آج تک اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اب بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پروٹوپلازم جو اساس حیات ہے کبھی بھی انسان تیار نہیں کر سکے گا۔ پروٹوپلازم کا بنانا تو درکنار یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کس تناسب سے پروٹوپلازم کے عناصر ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں؟ پس ہم یہ ماننے

پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ قدرت کا عناصر کو ایک حکم تھا کہ وہ آپس میں اس طرح ممتزج ہو جائیں کہ اُن سے پروٹو پلازم یعنی مادۂ حیات معرضِ ظہور میں آجائے۔ قرآن اسی خیال کو اس طرح ادا کرتا ہے:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ ۱۷	کہ دے کہ رُوح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔

روح کیا ہے؟ عناصر کی وہ ترکیب ہے جس سے پروٹو پلازم کی تشکیل ہوئی۔ جس طرح پانی کے اپنے خواص ہیں، اسی طرح پروٹو پلازم (جو پانی کے مرکب سے بہت زیادہ ترقی یافتہ اور پیچیدہ مرکب ہے) کے خواص ہیں۔ ان خواص کو ہم مظاہرِ حیات سے موسوم کرتے ہیں۔ موت کیا ہے؟ اسی ترکیب کے انتشار کا دوسرا نام ہے جب پروٹو پلازم کی ترکیب میں فساد واقع ہوتا ہے تو موت وارد ہو جاتی ہے۔ قرآن بھی موت کو "تمزّق" یعنی انتشارِ اجزاء سے تعبیر کرتا ہے:

فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۔	ہم نے اُن کو قصہ کہانی بنا دیا اور ہم نے انہیں بالکل منتشر کر دیا۔

زندگی کیا ہے؟ عناصر کا ظہورِ ترکیب

موت کیا ہے؟ انہی اجزا کا پریشاں ہونا!

مسلسل تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ پروٹو پلازم یعنی مادۂ حیات کے عناصر کی ترکیب سب سے پہلے ایسے کیچڑ میں ہوئی، جو جوہڑوں یا پانی کے ذخیروں کی تہوں میں تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ امیبا (   ) جو اوّلین و سادہ ترین مخلوق ہے اور جس سے بذریعۂ ارتقاء تمام حیوانات و نباتات کا ظہور ہوا، جوہڑوں کے کیچڑ میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں نشوونما پاتا ہے۔ آپ اس کیچڑ کو خشک کیجیے۔ خشک ہونے پر یہ سخت ہو جائے گا اور ٹھیکری کی طرح بجنے لگے گا، تو گویا امیبا کی تخلیق ایک ایسی مٹی سے ہوتی ہے، جو خمیر اُٹھے ہوئے گارے پر مشتمل ہوتی ہے اور جو سوکھ کر بجنے لگتی ہے۔ اب چوں کہ یہ امیبا مختلف مدارج ارتقا طے کرتا ہوا انسانی درجہ پر پہنچ جاتا ہے، تو ہم انسان کی ابتدائی تخلیق کے سلسلہ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان ایک خمیر اُٹھے ہوئے گارے یا مٹی سے ظہور پذیر ہوا۔ قرآن اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتا ہے:

بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۔ ۷/۳۲	(قدرت و حکمت ہے کہ) انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۲۶/۱۴ | اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ (یعنی زندگی کی ابتدا مٹی سے ہوئی ہے)

چوں کہ پروٹوپلازم یا دوسرے الفاظ میں اولین مخلوق امیبا کی تکوین مٹی یا گارے سے ہوئی ہے جو پانی کی تہ میں ہوتا ہے اور اسی اولین مخلوق سے بذریعہ تطور و ارتقاء انسان ماخوذ ہے، اس لیے ہم انسان کے سلسلۂ ارتقاء کی پہلی کڑی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق پانی سے کی گئی ہے، کیوں کہ پہلا ذی حیات حیوان پانی ہی میں نمودار ہوا تھا۔ چنانچہ اس پہلو کو بھی قرآن حکیم نے نظر انداز نہیں فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا | اور وہی حکیم و قدیر ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔

اس خیال کی تائید وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اور وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ سے ہوتی ہے۔ انسان بھی تو شَیْءٍ حَیٍّ ہے۔ بعض علماء نے اس آیت میں "ماء" سے مراد منی لی ہے، مگر یہ ضرور ایک قابلِ غور بات ہے کہ جہاں قرآن میں "ماء" سے مقصود منی ہے، وہاں "ماء" کے ساتھ "مهین" ضرور چسپاں ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ | اس نے انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی، پھر اس کے توالد و تناسل کا سلسلہ خون کے خلاصہ سے جو پانی کا ایک حقیر سا قطرہ ہوتا ہے، قائم کر دیا۔

اس ضمن میں قرآن کے اندر بیشتر آیات وہ ہیں جن میں وجودِ انسانی کی خاک سے ابتدا بتا کر موجودہ صورتِ پیدائش کے لیے نطفہ کا لفظ استعمال کیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۱۸ | اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط اور محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔

تخلیق اجرامِ سماوی و ارضی | علماءِ ارضیات (Geologists) کے نزدیک طبقاتِ زمین اور ان کی چٹانوں (Rocks) کی تشکیل اور ان کے قوائے حیاتیہ کی تکمیل ظہورِ انسان کے زمانہ تک چار دوروں میں ہوئی ہے۔ یہ چار دور حسبِ ذیل ہیں:

(۱) عہد قدیمۃ الاولیٰ۔

(۲) عہد قدیمۃ الاخریٰ۔

(۳) عہد قدیمۃ الوسطیٰ۔

۲۹

(٤) عہد جدیدۃ الاخری۔

قرآن اس مشاہدہ و مطالعہ کی تصدیق کرتا ہے:

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ۔

اور اُس نے زمین میں اس کے اوپر سے بھاری بوجھل پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں ہر طرح کی برکت دی اور اُسی میں پیداوار کا اندازہ بھی ٹھہرادیا اور یہ سب کچھ چار دن (یعنی چار عہدوں) میں ہوا سب مانگنے والوں کے لیے برابر۔

قرآن اس حقیقت پر بھی روشنی ڈالتا ہے کہ مادہ دخانیہ سے جو ابتداء میں موجود تھا۔ سات سیاروں کی تکوین دو دوروں میں ہوئی:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِي يَوْمَيْنِ

پس دو دن (یعنی دو دوروں) میں اُن (طبقات دخانیہ) سے سات آسمان بنائے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین اور اجرام سماویہ کی تکمیل چھ مختلف دوروں میں ہوئی۔ دو دور وہ ہیں، جن میں اجرام سماویہ کی تکوین ہوئی اور چار دور وہ ہیں جن میں زمین کے مختلف طبقات کی تشکیل ہوئی اور ان میں نباتات و حیوانات کا باقاعدہ ارتقاء ہوا جو پایاں کار ظہور انسان پہ جا کر ختم ہوا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ طبقات زمین میں ہر اوپر کا طبقہ ایسے حیوانات و نباتات کے آثار متحجرہ یا رکازات (Fossils) رکھتا ہے جو نیچے طبقے کے حیوانات و نباتات سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، یعنی ہم جوں جوں نیچے سے اوپر کو آتے ہیں حیوانات و نباتات میں تدریجی ارتقاء پاتے ہیں، حتیٰ کہ آخری طبقے میں انسان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم سلسلۂ ارتقاء کی آخری کڑی تک پہنچ جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ کائنات عالم کی تخلیق کی تکمیل ہو گئی ہے اور ایک ایسی ہستی معرض وجود میں آگئی ہے، جو خدائے تعالیٰ کی سطوت و عظمت کا اعتراف و شعور رکھنے والی ہے۔ قرآن اس ساری حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کرتا ہے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔

پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے اجرام سماویہ اور زمین کو چھ ایام (یعنی چھ دوروں) میں پیدا کیا اور پھر اپنی حکومت و جلال کے تخت پر متمکن ہو گیا، یعنی، خدا کی بادشاہت کائنات ہستی میں نافذ ہو گئی۔

تمام حیوانات و نباتات کے جسموں کا خوردبین کے ذریعے مطالعہ کیا گیا ہے اور دیکھا گیا ہے کہ ان کے جسم شہد کی مکھیوں کے چھتہ کی طرح چھوٹے چھوٹے خانوں سے بنے ہوئے ہیں، جن کو علمی اصطلاح میں خلیہ (Cell) کہا جاتا ہے۔ یہ خلیے اپنے اندر مخزمایہ (Protoplasm) رکھتے ہیں، دپروٹو پلازم خلیہ مایہ (Cytoplamr) اور مرکزے (Nucleus) سے مرکب ہے) ان خلیوں کی زندگی اس پروٹوپلازم کی موجودگی پر منحصر ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سادہ ترین جان دار جسم وہی ہو سکتا ہے، جو صرف ایک خلیہ پر مشتمل ہو۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ امیبا (Amoeba) جو



پانی کے اندر کیچڑ پر رہتا ہے، صرف ایک خلیہ کا حیوان ہے، اس کو (Unicellular) یعنی واحد الخلیہ کہا جاتا ہے۔ ماہرین حیاتیات اپنی تمام علمی تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس واحد الخلیہ مخلوق کے استحالہ وارتقاء سے تمام حیوانات و نباتات معرض ظہور میں آئے۔ انسان اسی سلسلۂ ارتقاء کی ایک آخری کڑی ہے۔ قرآن نے اس واحد الخلیہ مخلوق کو "نفس واحدہ" کے نام سے موسوم کیا ہے؛

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا۔	وہ خدا جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اسی سے اُس کا جوڑا پیدا کیا۔

چوں کہ انسان اس نفس واحدہ سے بسلسلۂ ارتقاء ماخوذ ہے، اس لیے یہ کہنا کہ انسان نفس واحدہ سے پیدا کیا گیا ہے، اس کے تخلیقی ارتقاء کی طرف ایک مجمل اشارہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس ابتدائی حیوان (امیبا) میں نر اور مادہ کا کوئی امتیاز نہیں، مگر جوں جوں ہم اوپر کے حیوانات کی طرف آتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ بہ تدریج نر اور مادہ کا امتیاز نمایاں ہوتا چلا آرہا ہے۔ حتّٰی کہ ہمارے وہ حیوانات و نباتات آ جاتے ہیں، جن میں یہ تفریق و امتیاز پورے طور پر نمایاں ہے۔ اب چوں کہ تمام اعلیٰ حیوانات و نباتات امیبا سے ماخوذ ہیں، اس لیے یہ کہنا کہ امیبا یعنی نفس واحدہ سے نر اور مادہ کی تخلیق ہوئی، سراسر حقیقت پر مبنی ہے۔ متذکرۂ صدر آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نظریہ خلق خصوصیلہ | تخلیق عالم کے بارے میں قرون اولیٰ میں یہ عالم گیر عقیدہ تھا کہ بہت سے خداؤں یا ایک خدا نے دنیا کو ہو بہو اسی شکل میں پیدا کیا، جیسی کہ آج نظر آرہی ہے اور ایسی ہی ابدالآباد تک رہے گی۔ یہ خلق خصوصی کا عقیدہ (Doctorine of special creation) ہے۔ اس عقیدے کے نزدیک تمام حیوانات و نباتات کی

لہ (Doctrine of special creation)

مختلف نوعیں اور جنسیں جنہیں ہم آج روئے زمین پر آباد دیکھتے ہیں، بہ یک وقت معرضِ وجود میں آگئی تھیں
اور ان کی ہر نوع ناقابلِ تغیر و ناقابلِ ارتقاء ہے۔

نظریۂ ارتقاءِ عضوی | دوسرا عقیدہ جس کا زیادہ تر نشو و بلوغ اٹھارھویں صدی کے اواخر سے شروع ہوا، ا
عضوی (Organic Evolution) کا عقیدہ ہے۔ یہ "خلقِ خصوصی" کے نظریہ کے بالکل منافی ہے۔ ا
عقیدے کی رو سے تمام حیوانات و نباتات کی انواع و اجناس میں بہ تدریج تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں اور انہی تغ
کی وساطت سے ادنیٰ انواع اعلیٰ انواع میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ سب سے پہلے وحید الخلوی مخلوق (ozoa
کا ظہور ہوا، جن میں سب سے زیادہ سادہ عضویہ (؟) "امیبا" ہے۔ اس وحید الخلوی مخلوق کے افراد کے جسم صرف
ایک خلیہ پر مشتمل ہیں۔ ان کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام افعال و وظائف جو کسی جاندار کی حیات کے لیے نا
ہیں، صرف ایک ہی خلیہ سے تکمیل پاتے ہیں، یعنی، ان میں سے ہر ایک کا جسم صرف ایک ہی خلیہ سے بنا ہوا ہے، جو
وظائفِ حیات (Vital fuctions) تنفس، تغذیہ، تناسل، حرکت وغیرہ کو پورا کرتا ہے۔ اس
اعتبار سے ان میں تقسیمِ کار کہ اعلیٰ نباتات و حیوانات کی بنیادی خصوصیت ہے مفقود ہے۔

امیبا وہ ابتدائی نقطہ ہے، جہاں سے ارتقاءِ عضوی کا آغاز ہوا۔ بعض امیبا اپنے ماحول کی موافقت کے
باعث اپنی ابتدائی حالت پر قائم رہے اور آج تک قائم ہیں۔ بعض کے گردو پیش تبدیلیاں واقع ہوئیں، جن
باعث انہیں نئی ضروریات سے دوچار ہونا پڑا، جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے اندر تغیرات رونما ہونا شروع ہو گ
اور تطور و ارتقاء کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ایک طرف تو یہ ارتقائی تغیرات ایک ہی خلیہ کے دائرہ کے اندر محدود رہ
اور یہ وحید الخلوی مخلوق زیادہ سے زیادہ صلاحیت سے سرفراز ہو گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں ایک
تدریجی ارتقاء پایا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح جس طرح دوسرے حیوانات و نباتات کی مختلف جماعتوں میں اپنی اپ
حدود کے اندر نظر آتا ہے۔ دوسری طرف ان کے اندر ماحول کی ضروریات کے باعث ایسے تغیرات واقع ہوئے
جنہوں نے انہیں وحید الخلوی درجہ سے اٹھا کر کثیر الخلوی درجہ پر بہ تدریج پہنچا دیا۔ یہاں سے اس ارتقاء
داغ بیل پڑی، جو اعلیٰ حیوانات و نباتات حتیٰ کہ انسان کے ظہور پر منتج ہوا۔ جب امیباؤں کو اپنے آبی ماحول
تبدیلیوں کی وجہ سے ایسی ضروریات پیش آئیں کہ اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کریں، تو وہ بہت
سے خطروں سے محفوظ ہو سکتے ہیں، مثلاً پانی کی لہروں کا زیادہ کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکتے ہیں، تو انہوں

له (Organic Evolution)

ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا شروع کر دیا، چنانچہ خلیوں کے اس استمار (Colony-formation) اور ارتباط (Combination) سے طویل مدتوں کے اندر ان ذی حیات اجسام کی تشکیل ہو گئی، جن کے جسم متعدد خلیوں پر مشتمل ہیں اور جنہیں کثیر الخلوی (Metazoa) کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شاخ نباتات کی سمت میں نکل گئی اور دوسری حیوانات کی سمت میں۔ حیوانات نے بتدریج ترقی کی اور طویل طویل زمانوں کے اندر علی الاتصال اعلیٰ انواع کے حیوانات ظہور پذیر ہوتے چلے گئے۔ یہ تدریجی ترقیات ان تغیرات کا نتیجہ تھیں، جو ماحول کی تبدیلیوں سے پیدا ہوتے تھے۔ جب ماحول نے مختلف قطعات زمین میں کچھ ایسی نوعیت اختیار کی کہ مچھلیوں کو آبی زندگی ترک کرنی پڑی، تو مدتوں کی کشمکش کے بعد ان کی عضویت کچھ اس طرح مختلف ہو گئی کہ وہ مینڈکوں کی شکل و صورت کے حیوانات بن گئیں۔ جب مینڈکوں کے اعضاء میں گرد و پیش کی تبدیلیوں کی وجہ سے تغیرات واقع ہوئے، تو وہ چھپکلیاں بن گئے۔ اگر مچھلیوں کی رہائش صرف پانی تھا، تو مینڈک پانی کے علاوہ خشکی پر بھی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گئے۔ اس طرح پانی اور خشکی دونوں ان کی جائے رہائش بن گئے۔ مینڈکوں نے اپنے ماحول میں تبدیلیاں پائیں، تو وہ صرف ارضی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ مجبوری انہیں ایک ایسی سمت میں لے گئی جس نے ان کو چھپکلیوں کے ارتقاء تک پہنچا دیا۔ جب چھپکلیوں نے اپنے ماحول میں تغیرات پائے تو وہ ہوا میں اڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ اس طرح چھپکلیوں کا ایک حصہ پرندوں کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ بعض جگہوں پر ماحول کی تبدیلیوں نے چھپکلیوں میں ایسے تغیرات پیدا کیے کہ وہ ایسے حیوانات میں منتقل ہو گئیں، جو انڈوں کی بجائے بچے جنتے ہیں اور انہیں اپنی چھاتیوں کا دودھ پلاتے ہیں۔ ان حیوانات کو ذوات الثدی یا حیوانات لبونہ (Mammals) کہا جاتا ہے۔ حیواناتِ لبونہ میں ارتقاء ہوا اور درجہ بہ درجہ اعلیٰ حیواناتِ لبونہ معرضِ وجود میں آتے چلے گئے۔ انسان ان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ حیوان ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ارتقاء محض نظریہ ہی نظریہ ہے، یا ایک حقیقتِ واقعہ ہے؟ علماء حیاتیات نے ایسے بدیہی شواہد فراہم کیے ہیں، جو حتمی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ واقعی کائناتِ ہستی میں ارتقاء جاری و ساری ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ان شواہد کو پیش کریں، یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نظریۂ ارتقاء کو مانتے ہیں تو اس سے خدا کی ہستی کا انکار لازم نہیں آتا۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ حیات کا خالق خدا ہے۔ اُسی نے اولین حیوان "نفسِ واحدہ" پیدا کیا اور اُسے پیدا کر کے اپنی مشیت سے قانونِ ارتقاء کے سلسلہ سے منسلک کر دیا۔ قانونِ ارتقاء بھی دیگر قوانینِ فطرت کی طرح اُسی کا بنایا ہوا ہے، یعنی ارتقاء حیات اُسی کی مشیت سے جاری ہے۔ پس یہ خیال غلط ہے کہ نظریۂ ارتقاء

ایک ایسا مادی نظریہ ہے، جو ہمیں خدا کی ہستی سے انکار کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر دیگر طبیعی قوانین کے تسلیم کرنے سے جو اس کائنات عالم میں کارفرما ہیں، ہم منکر خدا نہیں بن جاتے، تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا، جو اُس کے دوسرے بنائے ہوئے قوانین میں سے ایک قانون ہے، ہمیں ایسا بنا سکے؟ پس یہ یاد رکھیے کہ ایک انسان قانون ارتقا کو مانتے ہوئے بھی وجودِ باری تعالیٰ کا قائل رہ سکتا ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو انسان قانونِ ارتقا کا مطالعہ کرتا ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی کبریائی و عظمت کا بہت زیادہ پرستار ہو جاتا ہے۔ مجھے اپنے ایک پروفیسر کے وہ الفاظ ابھی تک یاد ہیں، جن کا مفہوم یہ تھا کہ حیاتیات کا طالب علم جب انواع و اقسام کے عجیب و غریب حیوانات و نباتات دیکھتا ہے اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ایک سلسلہ میں جکڑے ہوئے پاتا ہے، تو خدا کی عظمت کا احساس اُس کے دل و دماغ کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ انما یتذکر اولوالالباب۔

ارتقاءِ عضوی کے تشریحی شواہد[۳۴] اب ہم ان شواہد کی طرف آتے ہیں، جو قانونِ ارتقا کو وضاحت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔ جب ہم حیوانات و نباتات پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی لاتعداد انواع و اقسام ہیں۔ ان انواع و اقسام میں امتیاز و فرق اس درجہ نمایاں ہے کہ کبھی ایک نوع پر دوسری نوع کا شبہ نہیں ہوتا۔ فرق باہمی کا یہ وضوح دائرہ صرف نوعوں (Species) تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر ایک نوع کی مختلف فروع (Varieties) ہیں۔ خود انسان ہی کو لیجیے۔ اس کی کتنی فروع موجود ہیں، جو مختلف قطعاتِ ارضی میں آباد ہیں؟ اسی طرح حشرات الارض، آبی حیوانات اور چوپایوں کو لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ ان کی اجناس و اقسام حدِ شمار سے باہر ہیں۔

ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه | اور انسان، جانور، چارپائے طرح طرح کی رنگتوں (انواع و اقسام) کے۔

اسی طرح دنیائے نباتات (Plant kingdom) میں بھی بے پایاں تنوع و تلون ہے۔ ایک طرف تو یہ عالمِ اختلاف ہے، دوسری طرف ایک عالمِ اتحاد و اشتراک بھی موجود ہے جس طرح تمام انواع ایک دوسرے سے مختلف نظر آتی ہیں، اسی طرح ایک لحاظ سے بالکل مشترک و متشابہ بھی ہیں۔ کہیں مشابہت زیادہ پائی جاتی ہے اور کہیں کم۔ ان باہمی مماثلتوں کے مختلف مدارج کی بنا پر حیوانات و نباتات کی جماعت بندی (Classification) کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم مچھلیوں، مینڈکوں، چھپکلیوں، پرندوں اور رضاعی جانوروں کو لیتے ہیں۔ ان تمام حیوانات کا جو مختلف جماعتوں پر مشتمل ہیں، ایک گروہ بنایا گیا ہے، جس کو حیوانات فقاریہ (Vertebrata,) کا گروہ کہا جاتا ہے۔ بہ ظاہر یہ حیوانات ایک دوسرے سے کس قدر مختلف نظر آتے ہیں، مگر ان اختلافات کے باوجود ان کے اندر بہت سی بنیادی مماثلتیں پائی جاتی ہیں، مثلاً ان سب میں دماغ کی حفاظت کے لیے کھوپری (جمجمہ) اور حرام مغز کی

---

۳۴ Anatomical evidences. ـط

حفاظت کے لیے ریڑھ کی ہڈی موجود ہے۔ قلب اور دیگر اعضاء کی نوعیت اور ساخت بھی ایک ہی طرح کی ہے۔ ان بنیادی مماثلتوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حیوانات کی یہ مختلف جماعتیں ایسی امتیں ہیں جو نہ صرف ایک دوسرے سے متماثل ہیں، بلکہ انسان سے بھی متشابہ ہیں۔ قرآن اس حقیقت کی اس طرح تصریح کرتا ہے:

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ۔

اور زمین کے تمام جانور اور بازوؤں سے اڑنے والے تمام پرند ایسی جماعتیں ہیں، جو تم (انسان) سے مماثلت رکھتی ہیں۔

خلق خصوصی (Special creation) کے نظریہ کی رو سے ہمارے لیے ان مشابہتوں کی توجیہ ناممکن ہو جاتی ہے، مگر ہم نظریۂ ارتقاء کے ماتحت ان کی توجیہ بآسانی کر سکتے ہیں۔ ہم کہ سکتے ہیں کہ چوں کہ حیوانات و نباتات کی تمام اعلیٰ و ادنیٰ انواع و اقسام ایک ہی اولین مخلوق سے بذریعہ ارتقاء ماخوذ ہیں، اس لیے ان کے اندر بنیادی مماثلتیں موجود ہیں۔

ہم ویل مچھلی اور چمگادڑ (خفاش) کو ایک ہی جماعت میں رکھتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بظاہر ان دونوں کے مابین کس قدر تباین ہے، مگر آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ اس ظاہری تباین کے باوجود ایسی بنیادی اور قریبی مماثلتیں موجود ہیں، جو ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ انہیں ایک ہی جماعت کے افراد شمار کریں۔ استخوانی نظام، عصبی نظام، دوران خون کا نظام، تناسلی اعضاء، نظام ہضم سب ایک ہی ساخت پر مبنی ہیں۔ گو چند ایک اعضاء نے مختلف افعال و وظائف اپنے ذمے لے لیے ہیں اور اس وجہ سے ان میں کم و بیش ظاہری تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں، مگر ان کی بنیادی ساختوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر چمگادڑ اور ویل مچھلی کو اپنے اپنے ماحول کے لیے آزادانہ طور پر پیدا کیا گیا تھا اور وہ ایک ہی موروثی منبع سے ماخوذ نہیں، تو کیا وجہ ہے کہ ان کی بنیادی ساختیں ایک ہی طرح کی ہوں؟ آپ سیل (Seal) کو دیکھیے، گو اس کی شکل بالکل مچھلی کی طرح ہے، مگر اس کی اگلی ٹانگوں کی نما

سورۂ نور میں "دآبّۃ" کی تشریح موجود ہے:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اور اللہ نے سارے جان داروں کو پانی سے پیدا کیا۔ ان میں سے کچھ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور ان میں سے وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ "دآبّۃ" اور "طائر" کے ماتحت وہ تمام حیوانات آ جاتے ہیں، جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔

پچھلی ٹانگوں میں جو پیچھے کی طرف مڑ کر مچھلی نما صورت بنانے کا باعث ہوئی ہیں، وہی ہڈیاں ہیں، جو خشکی کے دوسرے حیوانات میں پائی جاتی ہیں۔ یہ صورت حال اس حقیقت کا پتہ دیتی ہے کہ سیل ارضی حیوانات لبونہ سے ماخوذ ہے، جن میں مطابقت ماحول کے باعث یہ تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ویل مچھلی کے اگلے پروں (Flippers) کا مطالعہ کیجیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی ہڈیاں خشکی پر چلنے والے چوپایوں کی ٹانگوں کی ہڈیوں سے بالکل مشابہ ہیں۔ گو ضروریاتِ ماحول کی وجہ سے اُن کے طول و حجم میں نمایاں کمی واقع ہوگئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پر اُن حیوانات لبونہ کی پانچ انگلیوں والی اگلی ٹانگوں سے ماخوذ ہیں جو خشکی پر آباد تھے۔ اب قابلِ غور امر یہ ہے کہ گو پچھلی ٹانگیں بالکل مفقود ہیں مگر ان کی جگہ جسم کے اندر ہڈیوں کے ایسے نشانات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی زمانہ ہائے گزشتہ میں ٹانگیں موجود تھیں، مگر ضروریاتِ ماحول کے مطابق عدم استعمال کی وجہ سے بہ تدریج گھٹتی چلی گئیں اور بالآخر غائب ہوگئیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ویل مچھلی کسی ایسے حیوان سے تغیراتِ ماحول کے باعث معرض وجود میں آئی ہے، جو خشکی پر رہتا تھا۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی اور ویل مچھلی کی تخلیق آزادانہ طور پر ہوئی ہوتی، تو اس کے پروں کی ہڈیوں کی ساخت و نوعیت چوپایوں کی ٹانگوں کی ہڈیوں کی مانند نہ ہوتی۔ ان کی ساخت کسی اور طرح کی ہوتی، جو آبی ماحول سے مختص ہوتی۔

مینڈک، کچھوے اور پرندوں کے بازو، ویل مچھلی اور چمگادڑ کے پر اور انسان کے بازو کی ہڈیاں ایک ہی ساخت رکھتی ہیں، مگر ان میں اپنی اپنی ضروریات کے مطابق کم و بیش تبدیلیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ ان تمام تبدیلیوں کے باوجود بنیادی حالت تبدیل نہیں ہوئی۔ یہی بنیادی حالت پتہ دیتی ہے کہ یہ تمام حیوانات فقاریہ ایک ہی منبع سے ماخوذ ہیں۔

ارتقاءِ عضوی پر اعضاءِ اثریہ کی شہادت | اس خیال کی تصدیق اُن اعضاء سے ہوتی ہے، جو بعض جانوروں میں مفید اور ضروری کام انجام دے رہے ہیں اور دوسرے جانوروں میں بے کار پڑے ہیں۔ ان اعضاء کو اعضاءِ اثریہ (Vestigial Organs) کہا جاتا ہے۔ ہم ان اعضاء کے مطالعہ کے لیے انسان کو منتخب کرتے ہیں۔

انسان کا جنین (Foetus) جب رحمِ مادر میں پرورش پاتا ہے، تو ایک حالت ایسی آتی ہے، جب کہ اس کی دُم کافی لمبی ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ دُم گھٹتی جاتی ہے اور جب بچہ رحم سے باہر نکلتا ہے، تو دُم اس درجہ گھٹ جاتی ہے کہ وہ بظاہر نظر نہیں آتی، مگر بعض دفعہ دیکھا گیا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس کی دم کافی لمبی بدستور موجود ہوتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ دُم بندروں یا دوسرے حیوانات میں بہت کام کی چیز ہے، مگر انسان کے لیے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک بے کار چیز انسان کے جسم سے وابستہ رہے اور جنین کی حالت میں اس درجہ نمایاں ہو، حالاں کہ رحم کے اندر اس کی مطلقاً ضرورت نہیں ہوتی؟ دُم کا اس طرح ظاہر ہونا، بڑھنا اور پھر گھٹنا اس حقیقت

کی طرف قدرت کا ایک اشارہ ہے کہ انسان کے اسلاف وہ حیوانات تھے جن کے جسموں کے ساتھ دُم وابستہ تھی۔

زائدۂ اعور یا اندھی آنت (Vermiform Appendix) جو نباتات خور حیوانات میں بہت لمبی ہوتی ہے اور ضروری وظائف انجام دیتی ہے، انسان کے جسم میں بھی موجود ہے، حالاں کہ اس کا مطلقاً کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اکثر حالتوں میں خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ اگر اسے کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا جائے تو انسان اس کے مہلک عارضہ سے جسے (Appendicities) کہا جاتا ہے، محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر خدا نے انسان کو انسان ہی پیدا کیا تھا، تو اس غیر ضروری اور بے کار عضو کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت تھی؟ نہیں یہ بے کار عضو اس زمانۂ گذشتہ کی یادگار ہے، جب کہ انسان کی تشکیل ایک نبات خور حیوان سے ہو رہی تھی۔ گو یہ عضو عدم استعمال کی وجہ سے رو بہ انحطاط ہے، مگر ابھی تک موجود ہے۔

ناک کی طرف آنکھوں کے کونوں میں سرخ گوشت کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں یہ اُن جھلیوں کی یادگار ہیں، جو پرندوں، بعض چھپکلیوں اور مینڈکوں (اصنبیات) کی آنکھوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان جانوروں میں یہ جھلی آنکھ کی تیسری جھلی کہلاتی ہے اور آنکھ کے ڈیلے کو صاف رکھنے کا کام انجام دیتی ہے۔ اگرچہ انسان کی آنکھ میں یہ تیسری جھلی مفقود ہے، مگر اس کے آثار اب تک موجود ہیں اور اس بات کی زبانِ حال سے گواہی دیتے ہیں کہ انسان کے اسلاف وہ حیوان تھے، جن کی آنکھوں میں یہ تیسری جھلی پائی جاتی تھی۔

بندروں اور دوسرے رضاعی حیوانات (Mammals) میں کانوں کے ساتھ ایسے عضلات وابستہ ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے کانوں کو ہلا سکتے ہیں۔ گو عدم ضرورت کی وجہ سے انسان اپنے کانوں کو ہلانے کی صلاحیت سے محروم ہو گیا ہے، مگر وہ عضلات بدستور موجود ہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ بعض آدمی اپنے کانوں کو نمایاں حرکت دے سکتے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان عضلات کی ضرورت ہی نہیں، تو یہ بے کار حالت میں موجود کیوں ہیں؟ اور کیا ان کو عبث ہی پیدا کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ چوں کہ انسان ایسے حیوانات سے ماخوذ ہے، جنہیں اپنے ماحول کے باعث کانوں کے ہلانے کی ضرورت پڑتی تھی اور اس ضرورت کے باعث اُن کے کانوں کے ساتھ عضلات پیدا ہو گئے تھے، اس لیے انسان میں یہ بے کار عضلات اب تک چلے آ رہے ہیں۔

حالتِ جنین میں بچے کے تمام جسم پر بندر یا دوسرے حیوانات کے جسموں کی طرح بال ہوتے ہیں، جو بعد میں گھٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ پیدائش پر چھوٹے بچے کے ہاتھ اور

پاؤں کی انگلیوں میں بندر کی طرح گرفت کی طاقت بہت زیادہ ہوتی ہے اور جب زمین پر بیٹھتا ہے تو اس کی نشست کی نوعیت بالکل بندر کی سی ہوتی ہے۔ گھٹنے باہر کی طرف نکلے ہوتے ہیں اور پیروں کے تلوے ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ انسان اور بندروں کے جسم کی ہڈیوں کی ساخت بالکل یکساں ہے۔ صرف انتصاب جسم (Fret body) یعنی عمودی چال کی وجہ سے انسان کی کھوپڑی (جمجمہ)، پاؤں اور ریڑھ کی ہڈیوں وغیرہ میں معمولی سی تبدیلیاں واقع ہوگئی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رینگتے وقت انسانی بچے کی ریڑھ کی ہڈی کی ویسی ہی منحنی (curved) شکل و صورت ہوتی ہے جیسی بندروں میں پائی جاتی ہے۔

اسی طرح اور آثارِ باقیہ[۱] انسان کے جسم کے اندر موجود ہیں، مثلاً بدن بالخصوص بازوؤں پر بالوں کا رخ، خون کی کیمیاوی ترکیب، پاؤں کی انگلیاں وغیرہ وغیرہ، یہ سب ہمیں اپنی نسل کے ارتقار کی یاد دلاتے ہیں:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○	یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود
وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ○	تمہارے وجود میں، پھر کیا تم دیکھتے نہیں ؟

گو سانپوں میں اگلی و پچھلی ٹانگیں مفقود ہیں مگر ان کی جگہوں پر کھال کے اندر ٹانگوں کی ہڈیوں کے آثار موجود ہیں۔ یہ آثار بتاتے ہیں کہ سانپ ایسی چھپکلیوں سے اپنے ماحول کے مطابق صورت پذیر ہوئے ہیں، جو چار ٹانگیں رکھتی تھیں۔ گھوڑے کے سموں میں انگلیوں کی ہڈیوں کے نشانات موجود ہیں ان نشانات سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑا ایسے حیوانات سے ماخوذ ہے جن کے پیروں میں پانچوں انگلیاں تھیں۔ گھوڑے کے آثار متحجرہ (Fossils) کے مطالعہ سے جو مختلف طبقاتِ زمین سے حاصل کیے گئے ہیں، اس امر کی توثیق ہوتی ہے کہ واقعی گھوڑا ایک طول طویل سلسلۂ ارتقار کے بعد اس موجودہ شکل و صورت پر پہنچا ہے۔

ارتقارِ عضوی اور تقہقر | یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ کبھی کبھی حیوانات میں ایسی ساختیں (Structures) دفعتۃً نمودار ہو جاتی ہیں، جو ان کے اسلاف میں موجود تھیں، مگر اب یا تو مکمل طور پر مفقود ہو گئی ہیں، یا ان میں اتنی کمی

---

[۱] میچینکاف (Melchnikoff) نے کوئی ایک سو سے زیادہ اعضاء اثریہ (Vestigial Organs.) انسان کے جسم میں شمار کیے ہیں۔

[۲] طبقات زمین میں بھی آثار متحجرہ (رکازات) ارتقاء نسل انسانی پر شاہد ہیں جیسے کہ خود انسان کے جسم میں اعضاء اثریہ اس بات کی شہادت پیش کر رہے ہیں۔ اسی لیے ان آیات میں ایک ہی جگہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واقع ہوگئی ہے کہ ان کے خفیف سے وجود باقی رہ گئے ہیں۔ حیوانات کا موروثی حالتوں کی طرف اس طرح عود کرنے کو علمی اصطلاح میں تقہقر (Atavism) کہا جاتا ہے۔ تقہقر کا مطالعہ بھی نظریۂ ارتقاء کو تقویت دیتا ہے۔ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض آدمیوں کے منہ میں "کتا دانت" (Canines) بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان دانتوں کا بڑا ہونا انسان کا اس موروثی حالت (Ancestrat Condition) کی طرف رجوع ہے، جب کہ اس کی شکل بندروں کی شکل سے زیادہ مختلف نہیں تھی، کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتا دانت ترقی یافتہ بندروں میں بہت لمبے ہوتے ہیں اور یہ انہیں بطور آلات (Weapons) کے استعمال کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض آدمیوں کا سارا جسم بندر کے جسم کی طرح بالوں سے ملفوف ہوتا ہے۔ کیا بدن اور کیا چہرہ ہر جگہ بال ہی بال ہوتے ہیں۔ بالوں کا اس طرح نمودار ہونا زمانہ ماضی کی اس حالت کا اعادہ ہے، جب کہ انسان کے اسلاف کو اپنے ماحول کے باعث تمام جسم پر بالوں کی ضرورت تھی، مگر اب یہ ضرورت ارتقاء انسانی کے ساتھ جاتی رہی ہے۔ بعض آدمیوں میں چھوٹی سی دُم کا پایا جانا یا دُم کے عضلات کا نمایاں طور پر بڑھ جانا بھی انسان کے تقہقر پر دلالت کرتا ہے۔

ان اعضاء کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ چوں کہ انسان کے اسلاف میں جن میں سے وہ بذریعۂ ارتقاء صورت پذیر ہوا ہے۔ یہ اعضاء اس حالت میں موجود تھے، اس لیے یہ کبھی کبھی اس کی نسل کے افراد میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ صورت حال نہ ہوتی، تو ان اعضاء کے ظہور پذیر ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ ہم تقہقر کی توجیہ صرف نظریۂ ارتقاء کی روشنی ہی میں کر سکتے ہیں۔

ارتقاءِ عضوی کے جنینی شواہد[لہ] اب ہم نظریۂ ارتقاء پر ان حقائق سے استشہاد کرتے ہیں، جن کا تعلق جنینیات سے ہے جب ہم چھپکلیوں، پرندوں اور حیوانات لبونہ کے نشوی مراتب (Developmental stages) کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں اس قدر آپس میں مشابہ ہوتے ہیں کہ ہم ایک کو دوسرے سے متمیز نہیں کر سکتے اور اگر یہ حیوانات عضویت کے لحاظ سے بہت قریب ہوں، تو یہ جنینی مماثلت اور بھی زیادہ نمایاں ہوتی ہے یعنی مختلف حیوانات لبونہ کے جنین ایک دوسرے سے بہت زیادہ مماثل ہوں گے۔ یہی حالت چھپکلیوں اور پرندوں کی ہوگی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جو ہماری اس نتیجہ کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ چوں کہ تمام حیوانات ایک ہی مورث سے بذریعہ ارتقاء ماخوذ ہیں، اس لیے ان کی نشوی حالتوں میں یہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ ہم اس نظریہ پر ذرا تفصیل کے ساتھ نقد و نظر کرتے ہیں۔

لہ Embryological Evidences

ہر عضویہ (Organism) کا خواہ وہ نبات ہو یا حیوان ایک خلیہ (cell) سے آغاز ہوتا ہے۔ یہ خلیہ، بیضۂ خلیہ (Ovum) اور تخم خلیہ (Sperm) کی تزویج سے حاصل ہوتا ہے، جس کو علمی اصطلاح میں تخم آمیختہ بیضہ (Oosperm) کہا جاتا ہے۔ بیضۂ خلیہ، مادہ میں پیدا ہوتا ہے اور تخم خلیہ نر میں۔ تخم خلیہ ایک دُم اور سر پر مشتمل ہوتا ہے اور متحرک ہونے کے باعث بیضۂ خلیہ کی تلاش کرتا ہے جب بیضۂ خلیہ سے ملتا ہے تو فوراً اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

بیضۂ خلیہ اور تخم خلیہ کے اس امتزاج کو عمل تلقیح (Fertilisations) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد بارور بیضہ یا نطفہ (Fertilized egg) عمل تقسیم میں مصروف ہو جاتا ہے اور یہ تدریج لاتعداد خلیے بن جاتے ہیں۔ یہ خلیے ایک ٹھوس گیند کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ نطفہ کے نشو و نما کی پہلی حالت ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد یہ ٹھوس گیند ایک مجوف گیند میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کی دیوار خلیوں کی ایک تہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ اس کی نشو و نما کی دوسری حالت ہے۔ یہ مجوف گیند پھر بہ تدریج طولانی شکل اختیار کرتا ہے اور اس اثناء میں اس کے اندر کئی ایک اہم تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی دیوار خلیوں کی دو تہوں (Layers) پر مشتمل ہو جاتی ہے۔ ایک تہ اندر کی طرف ہوتی ہے اور دوسری باہر کی طرف۔ اس کے بعد نشو و نما کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے اور جنین ایک ایسی حالت پر پہنچتا ہے جہاں اس کی شکل مچھلی سے بالکل مشابہ ہو جاتی ہے۔ اگر یہ جنین مچھلی کا ہو، تو نشو و نما اس حالت کی تکمیل تک ختم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ جنین مینڈک کا ہو تو ہم دیکھتے ہیں کہ دُم آہستہ آہستہ گھٹنا شروع ہو جاتی ہے۔ اور اندرونی عضویت میں بھی چند ایک تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ جنین چھپکلی کا ہو تو جنین کی نشو و نما جاری رہتی ہے اور مینڈک کی حالت سے نکل کر اپنی عضویت میں ایسی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے جو اُسے چھپکلی کے درجے تک پہنچا دیتی ہیں۔ اگر یہ جنین پرندوں کا ہو، تو نشو و نما میں اور ترقی ہوتی ہے اور وہ عضویت پیدا ہو جاتی ہے، جو پرندوں کی ہے۔ اگر یہ جنین کسی حیوانِ لبونہ کا ہو تو اس کا ہیکل چھپکلی کی عضویت سے ترقی کر کے وہ شکل و صورت اختیار کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے، جو اس حیوان کی ہو۔ اگر یہ جنین انسان کا ہو، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بتدریج مچھلی، مینڈک، اور چھپکلی کی حالتوں سے گذر کر پہلے نچلے درجہ کے حیواناتِ لبونہ کا سا جسم اختیار کرتا ہے، اس کے بعد بندروں مثلاً شمپانزی کی صورت و ہیئت پر پہنچتا ہے اور پایانِ کار شکلِ انسانی سے سرفراز ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور حدیث

(حضرت خواجہ احمدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

قلم سے بھلا یا بُرا جو کچھ لکھا جاتا ہے، اُس میں قلم کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اگر بھلائی کے لیے تعریف کی جائے گی، تو لکھنے والے کی تعریف کی جائے گی اور اگر بُرائی کے لیے کوئی مواخذہ ہوگا، تو لکھنے والا ہی پکڑا جائے گا۔ بے اختیار چیز سے جو کام بطورِ اوزار کے لیا جاتا ہے، وہ کام فاعل مختار کا ہوتا ہے۔ اگر سورج سے تمام دنیا کی آبادی ہے، تو یہ عنایت خدا تعالے کی ہے، نہ کہ سورج کی۔ اسی طرح رسولوں کو بے اختیاری کی حالت میں جو وحی کی جاتی ہے، اُس میں چونکہ رسولوں کے اپنے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اس لیے وہ وحی صرف خدا تعالے کا کام ہی قرار پا سکتی ہے۔ رسول اس میں محض بمنزلۂ قلم و اوزار کے ہوتے ہیں۔ ہاں جو کام نبی اپنے اختیار سے کرتے ہیں، وہ کام اُن کے اپنے ہو سکتے ہیں اور اُن کاموں کی اُن سے بوقتِ اختیار درخواست کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں اکثر جگہ فرمایا ہے کہ حکم صرف خدا ہی کے لیے ہے اور یہ بھی کہ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ اللہ کے سوائے کسی کو حکم نہ بنانا چاہیے، لیکن دوسری آیات میں آدمیوں کے لیے بھی حکم ثابت کیا ہے اور انھیں حکم بنانا جائز قرار دیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکم ماننے اور اطاعت کرنے کے لحاظ سے اللہ تعالے اور آدمیوں میں ضرور فرق موجود ہے، ورنہ آیات میں اختلاف و تناقض لازم آئے گا، جو کلام الہٰی کی شان کے قطعاً منافی ہے۔

اس سے سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ وہ اطاعت جو خدا تعالے کے لیے خاص ہے، اَور ہے اور جو اطاعت آدمیوں کی کرنی چاہیے اَور ہے۔ یہ دونوں اطاعتیں کسی صورت میں بھی ایک نہیں ہو سکتیں۔ ان میں امتیاز کر کے دکھلانا لازم ہے۔

پھر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ میں اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم کے ماننے کے لحاظ سے بھی بالضرور شرک پیدا ہوتا ہے۔ اگر شرک کرنا آسمان سے گر پڑنا ہے، اگر شرک سے بڑے بڑے انبیاء کی تمام نیکیاں حبط ہو سکتی ہیں اور اگر شرک ناقابلِ عفو گناہ ہے، تو شرک فی الحکم کو سمجھنا اور پھر اُس سے بچنا، ہر ایک

عاقل و بالغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مسلمان کا کام نہیں کہ ایسی تحقیق سے بے نیازی دکھلائے اور بے پروائی اختیار کرے۔

فرماں برداری جس کی بھی کی جاتی ہے، صرف حق اور راستی ہی کے لحاظ سے کی جاتی ہے۔ خداتعالےٰ کا حکم اس اعتقاد کے ساتھ نہیں مانا جاتا کہ وہ اندھا دھند حکم دیتا ہے، بلکہ اس لیے مانا جاتا ہے کہ جو کچھ وہ فرماتا ہے حق ہے۔ خداتعالےٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا۔ وہ عدل و احسان کے حکم دیتا ہے اور بے حیائی، نامعقول بات اور ظلم و بغاوت سے روکتا ہے۔ فساد کو خداتعالےٰ پسند ہی نہیں کرتا۔

اسی طرح اگر کسی انسان کی اعتقادی اطاعت کی جاتی ہے، تو وہ بھی اسی اعتقاد کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے کہ جو کچھ وہ فرماتا ہے، حق ہے۔ جب بات یہ ہے، تو اصل حق کے لحاظ سے ان دونوں اطاعتوں میں کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔

جب کسی بات کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ بات خداتعالےٰ کی ہے اور اُس مالک کا یہ منشا ہے، تو اس کے بعد کسی اَور خارجی ثبوت اور دلیل کی کوئی حاجت باقی نہیں رہ سکتی۔ صرف خدائے تعالےٰ کا فرمانا ہی کافی اور مستقل سند ہوتا ہے لیکن انسان چوں کہ عالم کُل اور بے غلط نہیں ہے، اس لیے کوئی بات محض انسان کے کہ دینے سے صحیح قرار نہیں پا سکتی، جب تک اُس کے ساتھ کوئی خارجی دلیل موجود نہ ہو۔ انسان کی بات صرف اُسی صورت میں صحیح سمجھی جا سکتی ہے، جب کہ وحی اُس کی تصدیق کرے، یا عقل و مشاہدہ سے اُس کا ثبوت مل جائے۔ کوئی بات محض کسی انسان کی سند سے مستقل دلیل نہیں بن سکتی۔

پس خدا کی اطاعت، اعتقادِ صحت کے ساتھ صرف اس لیے کی جا سکتی ہے کہ خدا کہتا ہے لیکن بڑے سے بڑے انسان کی اطاعت، اعتقادِ صحت کے ساتھ اس لیے کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ انسان کہتا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ (۱۷ پ) | یعنی اللہ تعالےٰ اپنے کاموں سے نہیں پوچھا جاتا اور وہ پوچھے جاتے ہیں۔

خداتعالےٰ کسی بیوہ کے بیٹے کو جو بظاہر اُس کا اکیلا سہارا نظر آتا ہے، فوت کر دیتا ہے۔ ہم فوراً بالیقین کر دیتے ہیں کہ اس میں کوئی حکمت ہے، لیکن اگر کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی اُس بیوہ کے بیٹے کو قتل کر دیتا، تو انصاف کے رو سے اُس پر ضرور مقدمہ چلایا جاتا، دلیل پوچھی جاتی، اور بے دلیل ہونے کی صورت میں اُسے مناسب سزا بھی ملتی۔

حاصل یہ ہے کہ کوئی بات محض اس لیے صحیح نہیں مانی جا سکتی کہ فلاں انسان نے اِسے کہا ہے، یا اسے کیا ہے۔ بیعت

صرف خدا تعالیٰ میں ہے اور اس لیے آخری فیصلہ صرف احکم الحاکمین ہی کی طرف لے جانا لازم ہے۔ اعلیٰ حاکموں کی طرف مقدمات اعتقادی فیصلہ کے لیے نہیں لے جائے جاتے، بلکہ اس لیے پیش کیے جاتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، اپنی طرف سے صحت اور درستی کی کوشش کی جائے اور جھگڑے کو جلدی سے ختم ہونے دیا جائے۔ لیکن اعتقادی فیصلے کے لیے صرف احکم الحاکمین ہی کی ضرورت ہے۔ اللہ اپنے رسولؐ کی زبان سے کہلواتا ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي (۴۲)	جس بات میں بھی تمہارا اختلاف پڑ جائے، تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔ یہ جس میں آخری فیصلہ دینے کی صفت ہے، اللہ میرا رب ہے۔

پھر ارشاد کیا،

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (۴۲)	یعنی کیا اُن کے لیے ایسے شرکا ہیں، جنہوں نے اُن کے لیے دو دینی شرع بنائی ہے، جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔

حاصل یہ ہے کہ رسولؐ خدا کو اپنی بشری اور اختیاری باتوں میں لائق اعتقاد سمجھنا صریح شرک ہے۔ ہاں اگر رسولؐ خدا کو بالکل بے اختیار بنا دیا جائے اور بشر ہوتے ہوئے بشریت کے لوازم سے جدا کر دیا جائے، تو اس سے حضورؐ محض ایک کٹھ پتلی بن جائیں گے۔ (ولا اقول لکم انی ملک ۴۲) لیکن اگر آں جنابؐ بشری عقل و اختیار رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنے اقوال و اعمال کے جواب دہ تھے، تو ساتھ ہی حضورؐ کو ہر بات میں کٹھ پتلی بھی بنا دینا اور قیامت کی جواب دہی کے لائق نہ چھوڑنا قرآن اور عقل دونوں کا خون کرنا ہے۔

برادران! اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اطاعتِ خدا اور اطاعتِ انسان میں بالضرور فرق ہے اور اُس فرق کا دریافت کرنا لازم ہے۔ پھر وہ فرق بھی بتلایا جا چکا ہے کہ خدا میں یہ صفت ہے کہ اُس کے قول و فعل کو کسی خارجی دلیل کے بغیر صرف اُس کے کہنے اور کرنے ہی سے صحیح یقین کرنا چاہیے، لیکن کسی اپنی عقل اور اختیار والے رسول کے اقوال و افعال کو کسی خارجی دلیل کے بغیر اعتقاداً صحیح مان لینا قطعاً شرک ہے۔ اگر یہ فرق صحیح ہے، تو ہماری تمام بحث کا یہی حاصل ہے اور اگر یہ فرق غلط ہے اور ظاہر ہے کہ ہمیں شرک فی الحکم سے بچانے کے لیے اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول میں فرق کر کے دکھانا لازم ہے، تو للہ کوئی صاحب اس فرق کو ہم پر واضح فرمائیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسولؐ میں یہ فرق ہے کہ خدا تعالیٰ میں یہ صفت بالاستقلال موجود ہے کہ اس کے قول و فعل کے معلوم ہو جانے کے بعد اس قول و فعل کی صحت کے لیے کسی اور خارجی دلیل کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن رسولؐ خدا میں یہ صفت بالاستقلال نہیں مانی جا سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رسول چوں کہ ہر بات میں حفاظت و عصمتِ الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے، اس لیے جب کسی بات کے متعلق معلوم ہو جائے کہ

یہ بات رسولؐ کی ہے، تو اس کی صحت کے لیے بھی خدا تعالیٰ ہی کے وعدۂ حفاظت کے سبب ہمیں کسی اور خارجی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ مطلب یہ کہ قول و فعل کے بلا دلیل خارجی صحیح ہونے کی صفت خدا تعالیٰ میں بالاستقلال موجود ہے اور رسولِ خدا میں وعدہ حفاظتِ الٰہی کے سبب بالتبع پائی جاتی ہے۔ پس اس صفت کو کسی رسول میں بالاستقلال سمجھ کر ماننا شرک ہے، بالتبع قرار دے کر ماننا شرک نہیں۔ لیکن یہ سراپا باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یشرک فی حکمہ احدًا (پ ۱۵) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا شریک فی الحکم نہیں بناتا۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حکم میں بالاستقلال شریک کا ہونا تو علیحدہ رہا، بنائے ہوئے شریک فی الحکم کا ماننا بھی باطل ہے۔

صاحبان! خدا تعالیٰ تو اس جگہ بنائے ہوئے شریک فی الحکم کے ماننے کو بھی باطل ٹھہراتا ہے، لیکن معترضین کی مذکورہ بالا تقریر سے واضح ہوتا ہے کہ رسولوں میں اس صفت کا صرف بالاستقلال ماننا شرک ہے، مگر بالتبع یعنے خدا کے دینے سے ماننا شرک نہیں۔ معترضین کا یہ بیان خدا تعالیٰ کے فرمان کے صراحۃً خلاف ہے۔ معترضوں کو لازم ہے کہ پہلے یہ سمجھائیں کہ بنایا ہوا شریک فی الحکم کیسا ہو سکتا ہے؟ پھر اس اعتقاد بد سے بچنا سکھلائیں، نہ یہ کہ بنائے ہوئے شریک فی الحکم کو شرک کی تعریف ہی سے خارج کر دیں اور صرف بالاستقلال شریک ہی کے ماننے کو شرک ٹھہرائیں۔

مختار انسان کی اطاعت خدا تعالیٰ سے علیحدہ، اس انسان کی طرف بھی حقیقت کے لحاظ سے منسوب ہو سکتی ہے۔ پس ایسے انسان کی اطاعت اگر وعدۂ الٰہی کے سبب کسی خارجی دلیل کے بغیر قطعًا صحیح مانے جانے کے لائق بنا دی جائے گی، تو اس سے وہ انسان بنایا ہوا شریک فی الحکم بن جائے گا۔ بنایا ہوا شریک فی الحکم محض عارضی اور بالتبع اور محدود ہی ہوگا۔

خدا تعالیٰ کا کسی انسان کو شریک فی الحکم بنانا صرف اسی طرح متصور ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس انسان سے یہ وعدہ کر لے کہ میں تیرے ہر قول و فعل کو صحیح بنا دیا کروں گا۔ اس سے وہ انسان اپنے تمام اقوال و افعال میں کسی خارجی دلیل کی ضرورت کے بغیر صرف وعدۂ الٰہی کے سبب بے غلط اعتقاد کیے جانے کے لائق بن جائے گا پس اللہ تعالیٰ کو ہر ایسے فعل اور وعدے سے مبرا ماننا لازم ہے، جس سے یہ نتیجہ نکلے کہ کوئی مختار انسان اپنے ہر قول و فعل میں صرف اللہ تعالیٰ کے بنا لینے سے بلا ضرورت کسی خارجی دلیل کے قطعًا صحیح اعتقاد کیا جا سکے۔ شرک فی الحکم کی یہی اصل ہے جس میں اکثر مسلمان شد و مد کے ساتھ سر کے بل گرتے چلے جا رہے ہیں، بلکہ ہم پر آوازے کس رہے ہیں کہ یہ لوگ انبیاء میں بھی بشری کمزوریوں کے قائل ہیں۔

مختصر یہ کہ کسی رسول کا اپنا اختیاری وعقلی قول وفعل صرف وعدۂ الٰہی کی بنا پر بغیر کسی دلیل خارجی کے قطعاً صحیح مان لینا شرک ہے۔

خدا تعالیٰ کبھی کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا کرتا جس سے تشبیہ فی الحکم کا بن جانا لازم آئے، جس طرح تمام مجتہدین وحکماء اور احبار و رہبان کے حق میں ایسا اعتقاد رکھنا انھیں رب بنانا ہے۔ یہی حال مسیح ابن مریمؑ اور دیگر انبیاء کا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ" (۹)	یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوائے رب بنا لیا ہے اور خاص کر مسیح ابن مریم کو۔

مخفی نہ رہے کہ خدا تعالیٰ محض اپنی مرضی سے جب خود ہی پسند فرمائے، اپنے کسی غیب کو کسی انسان کے ذریعہ دنیا پر ظاہر کر سکتا ہے لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ خدا تعالیٰ نے کسی انسان سے یہ وعدہ کیا ہوا ہے کہ جو غیب تو مجھ سے پوچھے گا میں ضرور ہی تجھ کو بتلا دوں گا اور تیری ہر دعا کو جس صورت و وقت میں تو اس کا پورا ہونا چاہے گا اسی صورت میں اس کو پورا کر دیا کروں گا تو ایسے انسان کے لیے ہر غیب کا حاصل کر لینا اور ہر دعا کو حسب منشا پورا کرا لینا ایک اختیاری فعل ہو جائے گا۔ اس سے لازم آئے گا کہ وہ انسان بہت سی بھلائی اکٹھی کر لے اور اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچے (دیکھو)۔ ایسی صورت میں وہ انسان خود ہی تمام تکلیفوں اور غلطیوں سے نہیں بچ رہے گا، بلکہ اس کے سبب اُس کے تمام رفیق اور خیر خواہ بھی یقیناً وہی فوائد حاصل کر لیں گے اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچ سکے گی۔ اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ تمام دوسرے لوگ بھی اس کی خاطر و مدارات کر کے اُسے راضی رکھیں اور یوں اُس کے ذریعے ہر غیب حاصل کر لیا کریں اور ہر تکلیف سے محفوظ رہیں۔ ایسا اعتقاد دنیا کے تمام شرکوں کی بنیاد ہے۔ تمام مشرک ایسی تاویلوں سے اپنے شرکوں کو صحیح بنانے کی بے فائدہ کوشش کیا کرتے ہیں۔ افسوس! یہ اعتقاد قرآن کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں میں بھی موجود ہے۔ اسی بنا پر مُردہ اور زندہ بزرگوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ ہماری مرادیں خدا تعالیٰ سے پوری کرا دیں گے، کیوں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر راضی ہو کر اُن سے وعدہ کر لیا کرتا ہے کہ میں تمہارے تمام اختیاری اقوال و افعال کو معصوم و بے غلط بنا دیا کروں گا۔

یہی اعتقاد ہمیشہ تمام شرکوں کی اصل بنتا رہا ہے۔ اس میں وجہ شرک کی یہ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے اپنی مرضی سے کوئی غیب بتلا دے، بلکہ وجہ شرک یہ ہے کہ ایسے وعدوں کے تسلیم کر لینے سے غیب کا حاصل کر لینا اُن کا اختیاری فعل ہو جاتا ہے اور ان کو پکارنا اور اُن سے مرادیں مانگنا صحیح قرار پا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر وحی الٰہی انسان کا اختیاری فعل نہیں ہے، تو اس کو عام وعدہ الٰہی قرار دے کے اختیاری بنا دینا خدا تعالیٰ کے لیے ہرگز ہرگز زیبا نہیں پس انبیاء کے ساتھ ایسا کوئی وعدہ ماننا جائز نہیں ہو سکتا۔ اگر انبیاء کے بشری اقوال و افعال بلا دلیل خارجی باعتقادِ صحت قابل اطاعت ہوتے، تو خدا تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا:

"لا تکن کصاحب الحوت" (سورہ ن) | یعنی مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی مانند مت بننا۔

اگر خدا تعالیٰ نے رسولوں کی اطاعت محض اُن کے رسول ہونے کے سبب غیر وحی باتوں میں بھی عام کی ہوتی، تو خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا کہ ہم نے ہر ایک رسول کو ۔ ۔ ۔ عام اطاعت ہی کے لیے بھیجا ہے، اس کے برعکس یہ ہرگز ارشاد نہ کرتا: "ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (۴) یعنی ہم نے کوئی ایک رسول بھی اس لیے نہیں بھیجا کہ اس کی عام اطاعت کی جائے، بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ اُس کی اطاعت حکم الٰہی کے مطابق کی جائے پس کسی رسول کی کوئی بات بھی اذن الٰہی کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتی جس بات کو جس طرح ماننا یا نہ ماننا اذن الٰہی سے ثابت ہوگا اسی کی پیروی کی جائے گی۔

عورتیں رسولِ خدا کے ساتھ مجادلہ کرنا جائز سمجھتی تھیں، اگر انہوں نے سُنا ہوتا کہ رسول ؐ کی ہر بات ہم پایۂ وحی اور بے چون و چرا صحیح مان لینے کے قابل ہے تو ہرگز ہرگز وہ ایسی جرأت نہ کرتیں۔ نہیں نہیں، بلکہ خود خدا تعالیٰ نے یہ نمونہ پیش کر کے اور مجادلہ کرنے والی عورت کی بات کو قبول فرما کے دوسرے لوگوں کو بھی مجادلہ کی جرأت دلائی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک رسول ؐ کی ہر بات ہم پایۂ وحی نہ تھی، یا معاذ اللہ اُس وقت تک خدا تعالیٰ کو معلوم نہ تھا کہ رسول کی ہر بات ہم پایۂ وحی ہوا کرتی ہے۔ مناسب تو یہ تھا کہ اُس عورت کو ڈانٹا جاتا، نہ کہ رسول کے مقابلہ میں غیر وحی والی عورت کی بات کو قبول فرمایا جاتا۔

خود رسولِ خدا کے سامنے منافقین کے بارہ میں صحابہؓ کے دو گروہ بن گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اُس فریق کی غلطی ظاہر کی، جس کی طرف خود رسول اللہ صلعم تھے۔ اس سے صراحۃً یہ سکھلانا مقصود ہے کہ غیر وحی والے لوگوں کے مقابلہ میں رسولِ خدا غلطی پر ہو سکتے ہیں۔ نہیں نہیں، بلکہ رسولِ خدا غیر وحی والے لوگوں کے ذریعے اپنی غلطیاں درست کر لیتے تھے۔ یہ کیوں کرتے تھے؟ کیا اُس وقت آپؐ پر لازم ہوتا تھا کہ اُن لوگوں کو تصرفِ الٰہی کے ماتحت ہوتے ہوئے یقین کریں اور اُن کی اس بات کو ہم پایۂ وحی قرار دے لیں، لیکن اگر وہ بات اُن لوگوں کی زبان پر ہم پایۂ وحی نہیں ہوتی تھی، تو رسولِ خدا کی اُس بات کو سیکھ لینے سے وہی بات ہم پایۂ وحی کس طرح بن جاتی تھی۔ رسولِ خدا مومنوں کی باتوں پر یقین کیا کرتے تھے

(یؤمن للمؤمنین ﷺ)، بلکہ حضورِ انور مقدمہ کے ایک فریق کے جھوٹے اظہار و بیان کو اُس کے ابلغ ہونے کے سبب بعض دفعہ سچا سمجھ لیتے تھے اور اُس کے مطابق حق بھی دلا دیتے تھے۔ اب کیا وہ جھوٹا بیان نبی کے دل نشین ہونے سے ہم پایۂ وحی بن جاتا تھا؟ اور حضورؐ کے زبانی اور عملی فیصلہ سے ناحق حق ہوجاتا تھا؟ معاذاللہ!

المختصر یہ بات سرتاپا باطل ہے کہ غیرِ وحی والے لوگوں سے سیکھی ہوئی بات بلاتصدیق الٰہی صرف نبی کے دل میں آنے اور زبان سے نکل جانے اور اس پر عمل کرنے اور کرانے کے سبب ہم پایۂ وحی بن جاتی ہے۔

اگر خدا تعالیٰ نے رسولِ خدا سے کوئی ایسا وعدہ کیا ہوتا کہ میں تیری ہر بات کو ہم پایۂ وحی بنادیا کروں گا اور تیری ہر غلطی کو میں بالضرور خود ہی نکال دیا کروں گا، تو یہ حکم کیوں دیتا کہ تو غیر وحی والے لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا کر! (۳/۱۵۹)

پھر اگر کوئی ایسا وعدہ ہوتا تو یہ ارشاد کیوں کیا جاتا؟

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۔ (۱۰/۹۴)	یعنی پھر اگر تجھے ہمارے اُتارے ہوئے میں سے کسی امر میں شک ہو، تو اُن لوگوں سے پوچھ لے، جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔

سو اگر خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ کوئی ایسا وعدہ کیا ہوتا، تو حضورؐ کو بے وحی لوگوں کی ضرورت کیوں ڈالتا اور اُن کی طرف کیوں رجوع کراتا اور اُن سے تحقیق کرلینا کیوں سکھلاتا؟

جس شخص کا ہر قول و فعل دوسرے ایمان داروں سے الگ حیثیت رکھتا ہو، وہ قواعدِ تحقیق اور بھول چوک اور غلطیوں اور بیماریوں اور تکلیفوں میں کس طرح دوسرے بشروں کی مانند قرار دیا جاسکتا ہے؟

رسولِ خدا قرآن مجید کو کسی بشر سے نہیں سیکھتے تھے، لیکن کفار نے اس کے متعلق بن دیکھے یہ جھوٹا الزام کھڑا کردیا کہ اسے کوئی بشر سکھاتا ہے۔ (۱۶/۱۰۳) حدیثوں کو حضورؐ سب کے سامنے مشورے اور سوال کرکے بھی حاصل کرلیا کرتے تھے، لیکن کسی کو ان کے متعلق یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی کہ یہ رسول حدیثوں کو ہمارے سامنے لوگوں سے حاصل کرتا ہے۔

وجہ اس کی بالکل ظاہر ہے۔ قرآن مجید کے متعلق بڑے زور سے دعویٰ کیا جاتا تھا کہ یہ تصرفِ الٰہی سے پہنچتا ہے، اس لیے کفار محض شرارت سے بن دیکھے ہی قرآن مجید کو جھٹلانے کے لیے کہہ دیتے تھے کہ اُسے کوئی

بشر سکھاتا ہے، لیکن حدیثوں کے بارہ میں تصرف الٰہی کا کوئی دعویٰ نہ تھا، اس لیے دیکھ بھال کر بھی اُن کے متعلق کسی ایسے بیان کی ضرورت نہ پڑ سکتی تھی۔ اگر اُس وقت حدیثوں کو وحی یا ہم پایۂ وحی بتلایا گیا ہوتا، تو کفار تو علیحدہ رہے، خود مومن بھی سوال کرتے کہ آں جناب ہمارے سامنے جن باتوں کو مشورہ کرکے جاری فرماتے ہیں یا اہل کتاب سے پوچھ کر تحقیقات کرتے ہیں، ایسی باتوں کو وحی یا ہم پایۂ وحی کس طرح قرار دے لیتے ہیں؟ اگر اِدھر اُدھر سے سیکھی ہوئی باتیں وحی یا ہم پایۂ وحی بن سکتی ہیں، تو اگر قرآن مجید بھی اسی طرح سے کسی بشر سے سیکھ کر وحی الٰہی بنالیا گیا ہو تو کیا تعجب ہے؟ یا کیا قرآن مجید تب ہی وحی الٰہی ہو سکتا ہے جب دوسرے بشروں سے سیکھنے کا انکار کیا جائے؟ لیکن حدیثیں دوسرے بشروں سے یقیناً سیکھی جا کر بھی مثل قرآن بن سکتی ہے؟

اور جب دوسروں سے پوچھی ہوئی باتیں بھی ہم پایۂ وحی اور مثل قرآن قرار پا سکتی ہیں تو پھر ہمارے بیے کونسی ضرورت باقی رہ سکتی ہے کہ ہم قرآن کے نزول کا انتظار کیا کریں؟ اور ظاہر ہے کہ مومن قرآن مجید کے نزول کے منتظر رہتے تھے اور کہا کرتے تھے، لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ (۴۷) منافق بھی سورتوں کے نازل ہونے سے ڈر کر آنکھ بچا کر کھسک جاتے تھے کہ کہیں خدا تعالیٰ ہمارا صاف پتہ نہ بتلا دے اور جب تسلی کر لیتے تھے کہ صاف پتہ نہیں بتلایا گیا، تو پھر دندناتے ہوئے رسولؐ کے پاس آ موجود ہوتے تھے اور ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتے تھے کہ رسولِ خدا خود بھی ان پہ کان دھرتے تھے۔ (تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ۔ سورہ منافقون)

پھر قرآن مجید اگر اپنے نزول کے وقت میں رُک جاتا تھا، تو یہ رُکنا اس کے مساوی سمجھا جاتا تھا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو چھوڑ دیا ہے اور ناراض ہو گیا ہے، لیکن حدیثوں کی موجودگی سے خود رسولِ خدا بھی یہ نتیجہ نہیں نکال لیتے تھے کہ نہیں، نہیں، خدا تعالیٰ ناراض نہیں ہوا اور نہ اُس نے مجھے چھوڑا ہے۔ اگر قرآن نہیں آتا تو مثلِ قرآن تو ہر وقت میرے پاس موجود ہے، کیوں کہ میرا ہر قول و فعل خدا کے خاص تصرف سے ہم پایۂ وحی اور مثلِ قرآن بن جاتا ہے۔

رسولِ خدا نازل شدہ قرآن مجید کی تبلیغ کو کسی حالت میں بھی روک رکھنے کے مجاز نہیں تھے، لیکن حدیثیں حق اور صحیح ہو کر بھی حیا اور دل جوئی کے سبب روکی جا سکتی تھیں۔ بس جو باتیں قبل از تصدیقِ قرآن روکی جا سکتی تھیں، وہ کسی صورت سے بھی ہم پایۂ وحی نہیں قرار پا سکتی تھیں۔

رسولِ خدا کو بغیر از اعلام الٰہی کچھ خبر نہ ہوتی تھی کہ کل کیا ہو جانا ہے؟ اس لیے حضورؐ کو حکم دیا گیا تھا

تھا کہ کسی بات کے متعلق یہ مت کہنا کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں۔ چوں کہ رسولؐ کی اختیاری باتیں دوسرے بشروں کی مانند ہی تھیں اس لیے ضرور تھا کہ جس طرح پہلے لوگ انشاء اللہ کہتے آتے تھے، رسولِ خدا کو بھی ارشاد کیا جائے کہ تو بھی اسی طرح کہا کر! پس حضورؐ کے اختیاری قول اسی طرح کے ہوتے تھے جس طرح دوسرے بڑے بڑے نیک لوگوں کے ہو سکتے ہیں۔

اس مضمون کے متعلق اب ایک اور بات کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے اور وہ یہ کہ:

اگر نبیوں کے تمام اعمال ہم پایۂ وحی ہوا کرتے ہیں، یا اُن کی زندگی ہی میں اُن کے تمام افعال و اعمال صوا درست بنائے جانے لازم ہیں، تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ اگر فرضاً کوئی نبی گناہ یا نافرمانی یا شرک کا مرتکب ہو جائے تو چوں کہ اُس کے افعال و اعمال کا اُس کی زندگی میں ہی ہم پایۂ وحی ادرو جب الاتباع بنایا جانا لازم ہے، اس لیے ضرور ہے کہ وہ اُن بُرے اعمال سے پاک کر کے دنیا سے اٹھایا جائے اور جو لازمی طور پر پاک کیا جا کر اس جہان سے رخصت ہو گا، اس کے لیے ممکن ہی نہیں کہ شرک وغیرہ کے جرم میں جہنم میں ڈالا جا سکے اور نافرمانی کرنے کے باوجود عذاب آخرت میں پھنس سکے۔ کیوں کہ وہ نافرمانی کرنے کے باوجود پاک و صاف ہو کر ہی دنیا سے رخصت ہو گا۔

سو جب فرضاً شرک کرنے کے بعد نبی نے ضرور ہی تائب و فرماں بردار اور صالح ہو جانا ہے، تو تائب و موحد و فرماں بردار و صالح کے لیے ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں پڑنے کا امکان کیسے رہ سکتا ہے؟ اگر یہ بات صحیح ہے تو نبیوں کے متعلق یہ کہنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ شرک کریں، تو ملوم و مدحور ہو کر جہنم میں ڈالے جائیں گے، یا اگر وہ اپنے رب کی نافرمانی کریں تو انھیں بھی عذاب آخرت میں پھنسنے کا خوف ہے یا اگر حضرت یونس علیہ السلام تسبیح الٰہی نہ کرتے، تو مچھلی کے پیٹ ہی میں مر کر خدا تعالٰے کے حضور پیش ہو جاتے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے قرآن پاک میں یہ تمام باتیں بڑی تاکید کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ سورۂ زمر میں ارشاد کیا ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ؁ ۶۵	یعنی بالتحقیق تیری طرف اور اُن لوگوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے، یہ وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرا کیا کرایا حبط کیا جائے گا اور تو گھاٹے والوں سے بن جائے گا۔

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (۱۷/۳۹) | یعنی تُو اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود مت ٹھیرا، اگر ایسا کرے گا تو جہنّم میں ملوم اور مدحور ہو کر ڈالا جائے گا۔

اگر خدا تعالیٰ پر لازم ہوتا کہ نبی کو اُس کی زندگی میں ہی ہر گناہ سے پاک کر دے، تو مذکورہ بالا وعدوں کے بجائے یوں ارشاد کیا جاتا کہ تو ہرگز شرک نہ کرنا، لیکن اگر تو کرے گا، تو ہم تجھ کو تیری زندگی ہی میں پاک کر دیں گے اور جہنّم میں پڑنے نہیں دیں گے اور یہ نہیں کریں گے کہ بجائے پاک کرنے کے تیرے عمل حبط کر دیں اور تجھے گھاٹے والوں سے بنا دیں۔ قرآنی بیان اس فرضی بیان کے قطعاً مخالف ہے۔ پس یہ فرضی بیان سرتا پا غلط ہے اور وہی صحیح ہے، جو قرآن فرماتا ہے۔

پھر رسولِؐ خدا بحکمِ خدا اقرار کرتے ہیں کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں، تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے (۱۵/۶، ۱۵/۱۰، ۱۳/۳۹) یہ نہیں کہتے کہ نافرمانی کی صورت میں اس زندگی ہی میں پاک کیا جاؤں گا اور یوں عذابِ آخرت میں مبتلا نہیں ہو سکوں گا۔

سورۃ حاقّہ میں فرمایا ہے کہ اگر یہ رسولؐ کوئی بات ہم پر اپنی طرف سے لگا دے، تو ہم اُسے بُری طرح سے قتل کرا دیں۔ یہ نہیں کہا، نہیں، نہیں، بلکہ زندگی ہی میں پاک کر دیں۔ وغیرہ ذٰلک من الآیات۔

حاصل یہ ہے کہ رسولوں اور دوسرے نیک لوگوں کی باتیں بلا تصدیقِ الٰہی یا بلا دلیلِ عقلی خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسری بالاستقلال سند بننے کے لائق نہیں ہیں۔

انتظامی اطاعت

رسولِؐ خدا کے پاس جو تعلیم ہوتی تھی، حضورؐ اُسے لوگوں کو پہنچا دیتے تھے۔ اس تعلیم کے علاوہ آپ کو اکثر حالات میں تعمیل بھی کرانی پڑتی تھی۔ آپ کسی دشمن کے حملے کے وقت اپنے ساتھیوں کو مقابلہ کے لیے بہ ذاتِ خود بھی لے جاتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کے لیے مقاعد للقتال مقرر فرماتے تھے۔ کسی کو دائیں کھڑا کرتے، کسی کو بائیں، کسی کو آگے بھیجتے تھے اور کسی کو پیچھے چھوڑتے تھے۔ اُن کو الگ الگ خدمات کی بجا آوری کا حکم دیتے اور اُن میں اپنی سمجھ کے مطابق کام تقسیم کر دیتے تھے۔ کسی فریق کو ایک ناکہ پر متعین فرماتے اور کسی کو دوسرے پر۔ جو لوگ نالائقی سے خلاف ورزی کرتے اور اپنی مرضی سے ناکہ چھوڑ دیتے تھے، اُنھیں آپ پیچھے سے پکارتے تھے۔ اگرچہ وہ اس آواز پر دھیان نہ دیتے تھے اور اگرچہ اُن کی عدم توجہی سے فتح شکست

میں تبدیل ہوجاتی تھی اور خود رسولِ خدا زخمی بھی ہوجاتے تھے بلکہ موت کی افواہ بھی اُڑ جاتی تھی۔ حاصل یہ ہے کہ رسولِ خدا اپنی انسانی سمجھ کے مطابق جس طرح مناسب سمجھتے، افواج کو ترتیب دیتے اور حسبِ ضرورت تغیر و تبدل فرماتے تھے۔

رسولِ خدا کے تعمیلی فرائض تعلیم سے علاوہ تھے۔ ان تعمیلی فرائض میں آپ کے ہمراہیوں کو آپؐ کی اطاعت کرنا قطعاً ضروری تھا۔ اس اطاعت سے روگردانی کرنے والے یقیناً جرم کے مرتکب ہوتے تھے۔

پھر رسولِ خدا کی تعلیم کے موجود ہوتے ہوئے اگر دو فریق کسی مقدمہ میں جھگڑا کرتے تھے، تو رسولِ خدا بہ ذاتِ خاص بھی اُن کے مقدموں کی تحقیقات کر کے اپنی بشری سمجھ کے مطابق فیصلے دیتے تھے۔ نری تعلیم ہی اُن کو راہِ راست پر چلانے کے لیے بہر صورت کافی نہیں ہوتی تھی، بلکہ حضورؐ کو عملاً بھی اپنے احکام نافذ کرانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ آپ حق داروں کو ڈگریاں دیتے اور مجرموں کو اپنے سامنے سزائیں دلاتے تھے۔ ان سب احکام میں آپ کی اطاعت قطعاً واجب تھی۔

ایسے فرائض کی تعمیل حضورؐ پُرنور پر محض آپ کی زندگی تک ہی عاید ہوسکتی ہے۔ وفات کے بعد حضورؐ بہ ذاتِ خاص نہ فوجوں کے قائد بن سکتے ہیں اور نہ اُنھیں کوچ و مقام کرا سکتے ہیں اور نہ اُن کے لیے مقاعد للقتال مقرر فرما سکتے ہیں اور نہ اُن کے مقدمات کی کافی تحقیقات کے بعد اُنھیں ڈگریاں دلا سکتے ہیں۔ تعلیمی اطاعت کا پیچھے بھی ہوسکنا ممکن ہے۔ لیکن تعمیلی اطاعت کی وفات کے بعد کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔ حضورؐ کے بعد یہ سب فرائض دیگر اعلیٰ حکام کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں اور موجودہ حکام کی اطاعت اسی طرح سے فرض اور ضروری بن جاتی ہے، جس طرح رسولِ خدا کی بشری عقل والے انتظامات کی اطاعت حضورؐ کی زندگی میں ضروری تھی۔ جب بات یہ ہے تو کیا رسولِ مقبولؐ کی زندگی میں آپؐ کی اس قسم کی اطاعت کا حکم من جانب اللہ جاری ہونے سے مقصود یہ تھا کہ حضورؐ کی دنیوی زندگی کے ساتھ ہی قطعاً بند ہوجائے اور اس اطاعت کا حکم جو من جانب اللہ جاری ہوا ہے، آپ کی وفات کے ساتھ ہی وفات پا جائے، یا کیا خدا تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس قسم کی اطاعت کے لیے حضورؐ کو وفات کے بعد بھی کسی طریق سے بُلا لیا جائے اور اُسی طرح عام مقدمات فیصل کرائے جائیں، جس طرح آپؐ اپنی دُنیوی زندگی میں کرتے تھے۔ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

رسولؐ کی اس قسم کی اطاعت کا جو حکم خدا تعالیٰ نے دیا ہے، وہ رسولؐ کے تعمیلی فرائض کے ساتھ ہی فوت نہیں ہوگیا، بلکہ یہ حکم خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک نمونہ کے طور پر وارد ہوا ہے۔ یہ حکم سکھلاتا ہے کہ اعلے

حاکموں کی اطاعت اسی طرح کرنی چاہیے، جیسے خود رسولِ خدا کی بشری کوششوں کی اطاعت کی جاتی تھی۔ پس یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور جب یہ حکم عام ٹھہرا، تو وہ وعید بھی جو اس اطاعت کے نہ کرنے پر آئے ہیں، وہ بھی اُسی طرح سے عام ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے کہ یہ رسولؐ والی تعمیلی اطاعت تمام و کمال دوسرے اعلیٰ حاکموں کی طرف سچ مچ منتقل ہو جاتی ہے، تو کیا وجہ ہے کہ وہ وعید جو رسولؐ کی اس اطاعت کے نہ کرنے پر سنائے گئے ہیں، وہ اعلیٰ حاکموں کی اسی قسم کی اطاعت کے نہ کرنے پر عائد نہ ہوں۔ ہاں اگر رسولِ خدا کے یہ تعمیلی فرائض دوسروں کی طرف تمام و کمال منتقل نہیں ہو جاتے، تو بلاشبہ دوسروں کی عدم اطاعت پر وہ وعید بھی پورے پورے نہیں لگ سکتے۔

اگر رسولِ خدا آج تک زندہ ہوتے، تو حضورؐ کو اپنے وہ تمام فرائض خود ہی ادا کرنے پڑتے، جو اعلیٰ حاکموں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں بجالانے ضروری ہیں، اور جس طرح اس وقت اعلیٰ حاکموں کی اطاعت ضروری ہے۔ اگر رسولِ خدا اس دنیا میں زندہ موجود ہوتے، تو اسی طرح سے حضورؐ کی دنیوی زندگی والی اطاعت ہم پر اس وقت بھی لازم ہوتی۔ اگر یہ صحیح ہے، تو کیا اس زمانہ میں حضورؐ کی وہ اطاعت پہلی زندگی کی طرح وحی والی اطاعت ہوتی؟ اگر بات یہی ہے، تو خدا تعالیٰ نے یہ کیا کیا کہ حضورؐ انور کو وفات دے کے اُس وحی والی اطاعت کو جو آج تک جاری رہ سکتی تھی، بند کر دیا اور اس کی جگہ دوسرے منتظموں کی اطاعت بلا وحی کو ہی کافی قرار دے دیا۔ خدا تعالیٰ کے اس فعل سے صاف کھل جاتا ہے کہ اُس مالک الملک کے نزدیک رسولِ خدا کی تعمیلی اطاعت اگر آپؐ اس وقت زندہ ہوتے، تو بالکل ویسی ہی ہوتی جیسے دوسرے اعلیٰ حاکموں کی۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اعلیٰ حاکموں کی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت کا صحیح معنوں میں کافی نمائندہ قرار دے دیتا۔ حاصل یہ ہے کہ کسی مرنے والے رسول کی اطاعت کا اس کی زندگی تک ہی محدود ہونا اور اس کے بعد اس اطاعت کا دوسرے حاکموں میں منتقل ہو جانا اُس رسول کے لیے کسی عیب کی بات نہیں ہو سکتا۔

جس اطاعت میں رسولؐ کے زندگانی والے اعمال کا دخل ہے، وہ محض انتظامی اطاعت ہی ہے۔ رسولؐ کے بعد اس کا بدل ہو سکتا ہے، لیکن ہدایت کے علاوہ خود رسول کی شخصیت کا اس میں کوئی دخل نہیں رہتا۔ وُہ اطاعت کوئی ایسی خصوصیت نہیں رکھتی، جو رسول کے زندہ رہنے سے ہی ہو سکے اور رسول کے

اُٹھ جانے کے بعد اس کے کسی خلیفہ کی نہ ہو سکے۔ جب بات یہ ہے تو ایسی اطاعت کو وحی والی اطاعت قرار دینا خدا جانے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی موٹی باتوں کا بھی اقرار نہیں کیا جاتا اور تمام اطاعت کو ہم پایۂ وحی بنا دیا جاتا ہے، تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔

عہد رسول کے بعد مقدمات کے تصفیہ کے لیے ایسے اعلیٰ حاکموں کی ضرورت ہمیشہ رہی ہے، جن کے آخری فیصلہ پر مقدمہ کا ختم کر دینا لازم ہو اور جن کے فیصلے کے بعد کسی انسان کے آگے اپیل کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ ایسے اعلیٰ حاکموں کی اطاعت بالضرور واجب ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ ایسے اعلیٰ حکام وحی الٰہی کے علاوہ اپنی بشری عقل و اجتہاد سے بھی بہت کچھ کام لیتے ہیں۔ حالاں کہ خدا تعالیٰ نے کسی حاکم کی عقل و اجتہاد کو بے غلط اور ہم پایۂ وحی نہیں ٹھہرایا۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے ہمارے مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے ایسی ہی بشری عقل و اجتہاد والے اعلیٰ حاکموں کا ہونا منظور فرمایا ہوا ہے اور ایسے ہی حاکموں کے ہونے کو کافی قرار دیا ہوا ہے۔ جب بات یہ ہے تو رسولِ خدا کے عہد میں ایسے ہی اعلیٰ حاکم کو خدا تعالیٰ کا کافی قرار دینا اور منظور فرما لینا کس طرح خدا کے لیے یا اس حاکم اعلیٰ کے لیے کوئی عیب ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ رسولِ خدا کے وقت میں وہ اعلیٰ حاکم خود رسولِ خدا ہی تھے۔ نہ ان کے ماتحت اولو الامر اور نہ باقی صحابہؓ۔

یہی نہیں بلکہ مذکورہ بالا بشری عقل و اجتہاد والی اطاعت میں خود رسولِ خدا کو بھی دوسرے اعلیٰ حاکموں کی اطاعت کرنے کا نمونہ سمجھنا آپؐ کی بڑی خوبی ہے۔ یہی سچا نمونہ ہے۔ بے غلط ہو کر فیصلہ دینے کا نمونہ قابلِ اتباع نہیں ہو سکتا۔ بے غلط حکومت اور فیصلے کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ رسول بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت و استطاعت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا۔ حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت۔ (۱۲/۱۱) یعنی میں صرف اسی قدر اصلاح کا ارادہ کرتا ہوں جو میری اپنی استطاعت میں ہے۔ اتنے ارادہ کا پورا ہونا بھی خدا تعالیٰ کی توفیق پر ہی منحصر ہے (وما توفیقی الا باللہ۔ ۱۲/۱۱) نبیوں کے کئی ارادے حسبِ منشا نہیں پورے ہوتے۔ نبی تو چاہتے ہیں کہ تمام دنیا ایمان دار ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ (۱۳/۱۲) یعنی اگرچہ تجھے حرص ہے پر اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ (حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ ۱۱/۹) إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ (۱۴/۱۶) أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۱۱/۱۰) إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ۔ (۲۰/۲۸) فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (۱۵/۱۸) وغیرہ ذلک من الآیات۔ نبی تو دعائیں مانگتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کافر نہ رہے، کیوں کہ اس سے ان کی اولاد میں کفر و فجور جاری رہے گا، لیکن انسان

کی ہر دعا کا مطلوبہ صورت میں پورا کر دینا خدا تعالیٰ کے ذمہ نہیں۔

پھر نبی اپنے مریضوں کے علاج کرتے کراتے تھے اور اُن کی صحت کی دعائیں مانگتے تھے لیکن باوجود اِس کے اُن کے جگر گوشوں تک کو بھی موت آجاتی تھی، جن کے فراق میں زبان سے بھی نکل جاتا تھا کہ ہم محزون ہیں۔ پھر آئندہ کے واسطے بھی اُن کے علاج و معالجہ کی غلطیاں نہیں نکالی جاتی تھیں "تاکہ آئندہ ہی اُن کے خاندان کے بچے بچیاں چھوٹی عمر میں فوت نہ ہوا کریں۔ اب جو حال طبی غلطیوں کا ہے، جن سے جان کا خطرہ ہے، وہی حال سیاسی وغیرہ غلطیوں کا بھی ہونا چاہیے۔ طبی مسائل میں غلطی کا نکال دینا ضروری نہ ہو اور باقی میں ضروری ہو۔ تعجب ہے!

خدا تعالیٰ اپنی آیات کے ذریعہ سے نبی اور دیگر لوگوں کی صرف اسی غلطی کو دُور کرتا ہے، جس کو وحی کے ذریعے نکالنا ضروری سمجھتا ہے، لیکن جن باتوں کو مشوروں اور عقلوں اور قسموں اور حکموں کے فیصلوں پر چھوڑا ہوا ہے، اُن کی غلطی کو ہر کل کے زمانے میں دُور کرنا بھی خدا تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہیں لیا ہوتا۔

حاصل یہ ہے کہ انبیاء اپنے تعمیلی فرائض کو اپنی بشری استطاعت اور وسعت کے مطابق ہی بجالاتے تھے، انسان کی خوبی انہی نیکیوں کے کرنے میں ہے جو وہ خود اپنی سمجھ اور کوشش کے مطابق کرے۔ جو کام وہ الٰہی مداخلت سے کرے گا، اس میں اُس کی اپنی کوئی خوبی نہیں ہے۔ معصوم بنائے جانے سے کسی کی خود اپنی بزرگی نہیں ہو سکتی۔ اگر فرشتے معصوم ہیں تو وہ انسان کے آگے ساجد بھی ہیں۔ خلافت کے لائق بشر ہے، جو من صلصال من حماٍ مسنون پیدا ہوا ہے۔ معصوم فرشتے خلافت کے لائق نہیں۔ ڈوب جانے والا تیراک نہ ڈوبنے والی مچھلی سے کروڑہا درجے برتر و بہتر ہے۔ نبیوں کے لیے بڑی بزرگی یہ ہے کہ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی طرف سے جان توڑ کوشش کریں۔ یہ کوئی خوبی نہیں کہ وہ ہر بات میں بے غلط بھی ہوں۔ جو لوگ نبیوں کو ہر بات میں معصوم بنانا چاہتے ہیں، وہ اُن کی اپنی جاں فشانیوں کو ملیا میٹ کر رہے ہیں۔

رسولوں کو ایک دوسرے پر فضیلت حقیقت کے لحاظ سے صرف اسی طریق سے مل سکتی ہے کہ اُنھیں اپنی بشری استطاعت کے موافق بھی کام کرنے دیا جائے۔ محض معصوموں کو ایک دوسرے پر بہ لحاظ حقیقت کے فضیلت نہیں دی جا سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء اسی طرح ابتلاء میں ہوتے ہیں، جس طرح دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جب تختِ بلقیس لایا گیا، تو انہوں نے صاف اقرار کیا کہ "یہ میرے رب کے فضل سے ہے" تاکہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرے، تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ اپنی جان کے لیے شکر کرتا ہے اور جو کفر کرے تو بالتحقیق میرا رب بے پروا (ذاتی) بزرگی والا ہے" ۱۹/۱۸

سو جب نبی اپنے اعمال کے لیے اُسی طرح جواب دہ ہیں جیسے دوسرے لوگ (وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۲۵) تو اُن کے افعال و اقوال کو قبل از محاسبۂ الٰہی یا قبل از تصدیق خدائی یا قبل از تحقیق عقلی اصولاً بے غلط ٹھہرا لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

کسی شخص سے نبیوں کے اعمال کی بابت سوال نہیں ہوگا (وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۴) سوال ہوگا تو یہ ہوگا کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے؟ (۲۴)

اگر یہ صحیح ہے کہ جس طرح اس وقت وحی الٰہی کے ساتھ اعلیٰ حاکموں کی تعمیلی اطاعت کی ضرورت ہے، اسی طرح عہدِ رسولؐ میں وحی الٰہی کے ساتھ ایک اعلیٰ حاکم کی تعمیلی اطاعت کی ضرورت تھی، تو یہ نہیں ہو سکتا کہ ان اطاعتوں کا حکم الگ الگ ہو؟ کسی اطاعت کو بے غلط اعتقاد کرنا لازم ہو اور کوئی پُر غلط مانی جا کر بھی اُس کی جگہ برابر کام دینے والی سمجھی جائے؟

جب رسولؐ والی تعمیلی اطاعت تمام و کمال دوسرے اعلیٰ حاکم میں منتقل ہو جاتی ہے، تو یہ فرق کہاں سے نکل آتا ہے کہ ایک اطاعت کو بے غلط اعتقاد کرنا ضروری ہو اور دوسری اطاعت کو بے غلط اعتقاد کرنا ممنوع و حرام ہو اور اگر کسی اعلیٰ حاکم کی اطاعت کو بے غلط اعتقاد کرنا حرام نہیں، تو پھر خدا کی وحی کی اطاعت اور اعلیٰ حاکم کی اطاعت میں فرق کیا ہے؟

اعلیٰ حاکموں کی تعمیلی اطاعت میں وحی الٰہی کے علاوہ اُن کے اپنے اجتہاد و مشورے اور قولی احکام بھی ہوتے ہیں۔ وہ مناسب قانون بھی بناتے رہتے ہیں۔ یہ سب کام اُن کی بشری عقلوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں خدا تعالیٰ نے ہر بات میں انھیں بے غلط بنانے کا کوئی ذمہ نہیں لیا ہوتا۔ باوجود اس کے اُن کی اطاعت قطعاً واجب ہوتی ہے، سو اگر رسولِ خدا اِس تعمیلی اطاعت کا نمونہ تھے، تو بلا شبہ آپؐ کی تعمیلی اطاعت کے متعلق ایسا ہی اعتقاد رکھنا لازم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سورتِ نور میں پہلے رسولی عدالتوں کی طرف لوگوں کو بلایا جاتا ہے۔ پھر اس اطاعت کا طاعت معروف ہونا دکھلایا جاتا ہے۔ پھر خلفاء کا وعدہ کر کے یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ رسولؐ کی اس اطاعت کا بدل ہو سکتا ہے۔ بس رسولؐ کی یہ اطاعت خلیفہ کی طرح ہی ہے۔ جب بات یہ ہے، تو اے لوگو! تم اس وقت رسولؐ کی اطاعت سے کیوں بھاگتے ہو؟ جب کہ خلیفہ کی اطاعت رسولؐ کے بعد بھی ضروری ہے، تو کیا حیاتِ رسولؐ میں ہی

اطیعوا الرسول کا حکم دینا بُرا ہو سکتا ہے؟ معاذ اللہ!

رسولِ خدا کو بذاتِ خود بھی جنگ کرنے کا حکم تھا۔ آپ مخالفوں سے عہد و پیمان اور صلح بھی کرتے تھے۔ امر جامع پر لوگوں کو بلاتے تھے۔ جس کو مناسب دیکھتے، اجازت بھی دیتے تھے۔ غنائم و صدقات جس طرح مناسب سمجھتے، کم و بیش تقسیم کرتے تھے۔ خوف کے وقت قصر صلوٰۃ کے بجائے اگر مناسب جانتے تو اقامت بھی کراتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے سب کام اس وقت دوسرے اعلیٰ حاکموں کی طرف منتقل ہو گئے ہیں۔ ان میں اسی طرح اُن کی اطاعت لازم ہے۔ وہ ان سب کاموں کو اپنی بشری عقل کے مطابق ہی کرائیں گے۔

حضورؐ کو مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ ہمارے لیے بھی مشورہ کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ پس اس وقت حضورؐ کے زمانہ کا مشورہ ہمارے نئے مشورہ کے لیے کوئی روک نہیں بن سکتا۔ اسی طرح مجالس کے صدر کا جو اُس وقت حکم تھا، وہی اب بھی ہے۔

رسولِ خدا کے عہد میں کئی جھگڑے منصفوں کے ذریعے بھی فیصلہ پاتے تھے۔ ہمیں بھی اسی طرح منصفوں کے تقرر کا حکم ہے۔ پس ہمارے زمانہ کے منصف پہلے منصفوں کے فیصلہ کے پابند نہیں ہو سکتے۔ جو انہیں اپنی سمجھ کے موافق مناسب معلوم ہوا، انھوں نے کیا۔ جو ہمارے زمانہ کے منصفوں کو ٹھیک معلوم ہوگا، وہ ویسا ہی فیصلہ دیں گے۔ اس میں کسی رد و روایت اور ادب و لحاظ کا کوئی دخل نہیں۔

رسولِ خدا کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا اور حضورؐ کے ساتھ گستاخی کے ساتھ بولنا منع تھا۔ اس وقت حضورؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرنا بالکل بے معنی بات ہے۔ جب بات یہ ہے تو کیا یہ حکم حضورؐ کی وفات کے ساتھ ہی فوت ہو گیا ہے؟ ہرگز نہیں! ایسا ہی حکم بلا فرق اعلیٰ حاکموں کے لیے ہے۔

الحاصل رسولِ خدا کے وقت میں اجتہاد و استنباط، حکمت و عقل، صحیفۂ فطرت اور تدبر و تفکر و تذکر سب چیزوں سے برابر کام لیا جاتا تھا۔ یہ کام پیچھے ہی نہیں رہ گئے۔ اب بھی اسی طرح سے ضروری ہیں۔ ان میں ایک انسان کو دوسرے پر ہمیشہ کے لیے اصولی طور پر مزیت دینا قطعاً ناجائز ہے۔

الغرض جب رسولِ خدا کے وہ کام جو تعمیل و انتظام و حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، سب کے سب دوسرے حاکموں میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو ان کے متعلق جو اعتقاد لازم ہے، وہ بھی ساتھ ہی چلا آتا ہے۔

(باقی)

غزل

(جو ۲۸ جنوری ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا ریڈیو سٹیشن لاہور سے براڈکاسٹ کی گئی)

تُو میرے سامنے ہے اور مَیں خرابِ تلاش — جو آشکار ہے وہ شے بھی آشکار نہیں
نہ دیکھنے سے رُکیں ہم نہ پا سکیں تجھ کو — نظر پہ جبر نہیں تُجھ پہ اختیار نہیں
سراغِ منزلِ مقصود پا نہیں سکتا — وہ کارواں جو تری راہ میں غبار نہیں
بتا دیا مِرے ساقی نے آج سرِّ وجود — سُرورِ جام بہ اندازۂ خمار نہیں
مسخّر اُس کے لیے ہے تمام ارض و سما — وُہ جس کے قبضہ میں اِک ذرّۂ غبار نہیں
نہیں ہے دردِ محبّت کو حاجتِ درماں — یہ وُہ خزاں ہے کہ شرمندۂ بہار نہیں
نہ کر شمار کہ کافی نہیں ہے روزِ شمار — مِرے گناہ کا یارب کوئی شمار نہیں
ہزار مرحلے آگے نکل گئے ہم لوگ — جو دیکھا خُلد میں وہ حُسن جلوہ بار نہیں
بہ شانِ محبّت کی زندگی ہو کہ موت — کہیں مقام نہیں ہے، کہیں مزار نہیں
میں بے قرار ہُوں ناصح تو کیا تعجّب ہے — کہ ایک ذرّے کو زیرِ فلک قرار نہیں

مَیں اُن کے زُہد و عبادت سے کانپ اُٹھتا ہوں
جو لوگ اپنی خطاؤں پہ شرمسار نہیں

عرشی

اقتصادی

گناہ

(۱) روپیہ کو زمین میں دفن رکھ کر یا گھروں میں محفوظ رکھ کر اُسے بے کار پڑا رہنے دینا۔

(۲) روپیہ کو زیور میں منتقل کر کے اس کی حفاظت کی فکروں میں پریشان رہنا اور اپنے خاندان کی جان اور آبرو خطرہ میں ڈالنا۔

(۳) روپیہ کو ایسے قیمتی کپڑوں پر صرف کرنا، جو اہلِ ہند کی عام حالت سے بالاتر ہوں۔

(۴) روپیہ کو ایسے قیمتی کھانوں میں صرف کرنا، جو اہلِ ہند کی عام حالت سے بالاتر ہونے کے ساتھ ثقیل الہضم اور مضر صحت ہوں۔

(۵) اپنے بچوں کو چاٹ کے لیے پیسے دے کر انھیں مسرف اور چٹورا بنانا۔

(۶) اپنی اہلیہ کے لیے جان کا بیمہ نہ کرانا اور اپنے بچوں کو تعلیمی بیمہ سے محروم رکھنا جس کے بغیر پس ماندگان برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں اور بعض وقت گداگری پر مجبور ہوتے ہیں۔

ثواب

(۱) جس قدر روپیہ زمین میں دفن ہے اُسے وہاں سے نکال کر معتبر بنکوں میں داخل کرنا، اس کے کیش سرٹیفکیٹ خریدنا، معتبر کارخانوں میں لگانا، غریب کاری گروں اور دکان داروں کو معین اور غیر معین منافع پر دے کر اُن کے کاروبار کو ترقی دینا، اور ریلوں، نہروں اور ملک کی ترقی کے کاموں میں لگانا۔

(۲) مستورات کو آمادہ کرنا کہ وہ اپنی خوشی سے قیمتی زیور روپیہ میں منتقل کر کے مندرجہ بالا کاموں میں لگائیں

(۳) جو سالانہ رقم عمدہ کپڑوں پر صرف ہوتی ہے اُس کا تخمینہ کر کے اور سادہ کپڑوں کی قیمت منہا کر کے باقی ماندہ رقم مندرجہ بالا کاموں میں سال بہ سال لگانا۔

(۴) سادے سے سادہ کھانا کھا کر اپنی صحت اور مالی حالت کو درست کرنا۔

(۵) اپنے بچوں کو روپیہ بچانے پر انعامات دے کر انھیں کفایت شعاری سکھانا۔

(۶) اپنی اہلیہ کے لیے اپنا جان کا بیمہ کرانا اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرانا۔

طفیل احمد (سود مند)

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مفت

آپ "البیان" کے لیے اپنا یا اپنے کسی دوست کا سالانہ چندہ تین روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیجیے ہم آپ کو رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم قریباً ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۲ روپے مفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام سال بھر کے لیے "البیان" بھی جاری کر دیں گے۔ یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق و معارف، اسلامی و تاریخی معلومات اور علمی و روحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وہ تمام مسلمان جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہو کر اسلام کو اس کے صحیح خد و خال میں پہچاننے کے آرزومند ہیں انہیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہییں۔

(نوٹ) "بلاغ" کے مذکورہ پرچوں کے لیے محصول ڈاک کا ایک روپیہ بھی "البیان" کے سالانہ چندہ کے ساتھ ہی بھیج دیجیے۔

ملنے کا پتہ:

منیجر رسالہ "البیان" امرتسر

پیامِ نسواں لکھنؤ

خواتینِ ہند کا ایک بیش قیمت رسالہ

جس میں ہندوستان کی مشہور خواتین کے علمی و ادبی مضامین، معاشرتی افسانے، روح نواز نظمیں، نجوم و قیافہ کی دلچسپ باتیں، طبی معلومات اور کشیدہ کاری کے خوب صورت نمونے شائع ہوتے ہیں۔
کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ، دل فریب۔ چندہ سالانہ دو روپے، نمونہ مفت۔

منیجر "پیامِ نسواں" حلقہ اشاعت لکھنؤ

اُمّتِ مُسلمہ کے مطبوعات

شہادت الفرقان علیٰ جمع القرآن

یہ کتاب حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل کی عالمانہ تصنیف ہے جو حسبِ ذیل مضامین پر مشتمل ہے:

(۱) کلماتِ وحی کو بصورتِ کتاب مرتب کرنا انبیاء کی سُنّتِ قدیمہ تھی،

(۲) قرآن مجید کے نزول کے وقت کاغذ اور کتابت کا رواج موجود تھا،

(۳) قرآن مجید کے نزدیک فنِ کتابت کی حقیقی قدر و منزلت کیا تھی،

(۴) مومنوں، مخالفوں اور معترضوں سبھی کے اقوال جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید عہدِ رسالت ہی میں کتاب کی صورت میں مرتب ہو چکا تھا،

(۵) وحی کی کتابت ایک صالح جماعت کے اہتمام میں تھی،

(۶) کلماتِ وحی نزول کے وقت سب سے پہلے قرآن مجید میں لکھے جاتے تھے،

(۷) قرآن مجید کی ترتیب وحی کے اہتمام سے ہوئی،

(۸) حفاظتِ قرآن کے متعلق متفرق دلائل،

(۹) قرآن مجید کے متعلق اصحابِ رسول کی قرات،

(۱۰) قرآنِ حکیم کی کاملیت،

کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تمام کے تمام دلائل صرف قرآن حکیم سے اخذ کیے گئے ہیں۔ دفتر میں صرف چند کتابیں موجود ہیں۔ جلد منگائیے قیمت ۸ر

تعلیماتِ قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں جملہ اصول و عقائدِ اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت بہت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۴۴۲ صفحات قیمت فی نسخہ دو روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ریحان القرآن

مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ "نصرت الحدیث" مولوی قاسمی کے "عقائد کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائدِ بے حدیثہ" وغیرہ کا مکمل جواب، قابلِ دید کتاب ہے قیمت ۴ر

مطالعۂ حدیث

مدیر "نگار" کا تبصرہ

یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی شرح اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا، اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ بپا ہوا اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور اُن کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے، جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے ہدایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے

برگ سبز

(طلوع اسلام کی نظر میں)

کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، کوئی خادم قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں اُن کی تحقیق اجتہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے۔ اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابل ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے۔ مروجہ فقہ کی رو سے یتیم پوتا دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے دلائل قرآنی سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حسن و خوبی سے کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کیے۔ زیر نظر رسالہ ان کے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے، جو رسالہ البیان کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہوا ہے۔ جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر ایک مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا جو قرآن کریم کے احکام وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو۔ قیمت دو آنے (طلوع اسلام نومبر سنہ ۱۹۳۹ء)

تفسیر سورۂ فاتحہ

تفسیر بیان للناس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید کی آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے اور سورۃ کا سورۃ سے موزوں ربط، (۲) قرآن مبین کے متشابہات کی تفسیر محکمات کی روشنی میں، (۳) قرآن مبین وحی الٰہی کے لحاظ سے تمام کائنات انسانی کے لیے کافی ہے، (۴) قرآن حکیم (قول الٰہی) اور صحیفۂ فطرت (فعل الٰہی) میں اختلاف محال ہے، (۵) قرآن پاک پر تمام اعتراضات مادہ کے حجابات خود قرآن او صحیفۂ فطرت سے، (۶) قرآن عظیم ہر ملک و قوم اور ہر زمانے کے لیے بے غلط ہادی ہے۔ قیمت ۲ ر

برہان القرآن

یہ کتاب اُن دو مباحث کو شامل ہے، جو مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے مابین ہوئے۔ اس میں اہلحدیث پر ابتک کے لیے تمام حجت کر دیا گیا ہے

کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مستلزم نہیں اور قرآن حکیم کے سوا کوئی غیر ظنی وحی نہیں۔ قیمت ۲ ۔

خاتم النبیین

یہ کتاب حضرت خواجہ احمد الدین کی تالیف ہے جس میں نہایت متانت اور سنجیدگی سے قرآن حکیم کے روشن اور یقینی دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا کو کسی اور نبی کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ قادیانیوں سے آج تک اس کتاب کا کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ ۵ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

تحقیق قربانی

اس کتاب میں قرآن مجید، تورات، اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدینؒ، مولانا ابوالکلام، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری، مولانا وحیدالزمان وغیرہم کے تراجم اور معتدبہ تفاسیر و احادیث اور اکثر جرائد و اخبارات، لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے، وہ قدیم زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔ دوسرے بلاد و ممالک میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قیمت صرف دو آنے۔

ملت ابراہیمؑ

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ دین، دراصل ابراہیم ہی کا دین ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اسی دین کے مبلغ تھے، اسی دین کی پیروی اور اتباع سے ہماری نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن ہی نوع انسان کو اسی دین کی دعوت دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی مکمل سیرت یہاں تک کہ ان کی پرائیویٹ زندگی بھی قرآن ہی میں موجود ہے۔ کتاب کے آخر میں ایک تتمہ ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہماری تمام دینی ضروریات کی تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے اور ہمیں غیر از قرآن کسی دوسری کتاب کی بطور وحی کے ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے، اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ قیمت دو آنے۔

جنت کا گہنا

ایک نہایت سادہ، سلیس اور عام فہم نظم ہے، جو بچیوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ یہ نظم کسی خاص فرقہ سے تعلق نہیں رکھتی۔ ہر شریف گھرانے کا فرض ہے کہ وہ اس نصیحت آموز ٹریکٹ کو منگوا کر اپنی بچیوں کو پڑھائے اور حکمت و دانائی کی باتوں سے ان کو فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے۔ ایک آنہ کا ٹکٹ بھیج کر طلب کریں۔

مینیجر دفتر امت مسلمہ۔ امرتسر۔

Regd. No. L. 4445.

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے | سالانہ تین روپے

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ — اپریل ۱۹۴۰ء — نمبر ۴

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتو کھسر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمّتِ مسلمہ بیرون دروازہ چٹیان امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

چین کے مسلمان | سنگاپور کے رسالہ "GENUINE ISLAM" ماہ دسمبر ۱۹۳۹ء میں چینی مسلمانوں کے ایک لیڈر حاجی ابراہیم ٹی ٹینگ ما کے قلم سے مسلمانانِ چین کے متعلق ایک مختصر سا مضمون شائع ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا مفاد پیش کرتے ہیں:

اسلام، چین میں پہلے پہل حضرت عثمان بن عفان رضہ کے زمانے میں، ۶۵۱ء میں داخل ہوا۔ گذشتہ تیرہ صدیوں میں صرف چند ہزار مسلمان بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کرتے کرتے ۵ کروڑ کی تعداد تک پہنچ گئے ہیں۔ چین کے شمال مغربی علاقے میں اور چینی ترکستان، شنگھائی، کانسو، ننگسیا، شانسی، سویان، ہوپی، ہونان، شانتنگ وغیرہ صوبوں میں مسلمان کثرت کے ساتھ آباد ہیں اور اس کے علاوہ دریائے زرد، دریائے ینگسی کے متصل علاقوں میں اور جنوب مغربی صوبوں یعنی یُنّان، کانگسی اور زیچوین میں بھی ان کی وسیع آبادی ملتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی اشاعت تلوار کے ذریعے نہیں ہوئی۔

اسلام چین میں دو ہی راہوں سے داخل ہوا: جنوب کی طرف سے سمندر کے راستے اور مغرب کی طرف سے خشکی کے راستے۔ جنوب کی طرف سے داخل ہونے والوں میں زیادہ تر عرب تھے، ہندوستانی تھے اور ملائی تھے۔ چین کے مغربی حصوں کی طرف سے آنے والوں میں ترک تھے، افغانی تھے اور ایرانی تھے۔ چوں کہ کئی ایرانی اماموں نے چین کو اپنا وطن بنا لیا تھا، اس واسطے چین کے مسلمانوں نے فارسی زبان ہی میں تعلیم حاصل کی اور چین کے مسلمان گھرانوں میں فارسی زبان کے بے شمار الفاظ بولے جاتے ہیں۔

یوآن خاندان کے دورِ حکومت ۱۲۷۶ء سے ۱۳۶۶ء میں مسلمانوں کو اچھا خاصا اقتدار حاصل رہا اور منگ خاندان کے عہد (یعنی ۱۳۶۸ء سے ۱۶۴۳ء تک کے عرصے) میں مسلمان قوم میں بڑے بڑے مشہور آدمی پیدا ہوئے۔ اُن میں ڈاکٹر مہر بے تھے، جو فنِ خوش نویسی کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ اُن میں سنیانگ کے شاہزادے سعید سینی تھے، جنھوں نے یُنّان میں اشاعتِ اسلام کا کام کیا، لوگوں کو آب پاشی، زراعت

اور بافندگی کے کام سکھلائے اور حصول علم کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے اپنے ان تھک عزم وجہاد کے ذریعے ہزاروں مدرسے قائم کیے۔ اُن میں صوبہ فوکین کے ابوبکر تھے، جو چین بھر میں سب سے زیادہ دولت مند انسان تھے اور انھوں نے سونگ خاندان کی حکومت کو بغاوتیں فرو کرنے کے لیے، بہت بڑی مالی امداد دی۔ شہنشاہ نے اُن کو فوکین اور کانگ ٹنگ کا مصلح" کا خطاب دے رکھا تھا۔ ان مشاہیر میں یوآن خاندان کے وزیر اعظم حسن جانشین تھے، جو نجوم، ریاضی اور جغرافیے کے علوم میں، اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

پیکن جو صدہا برس سے چین کا دارالحکومت چلا آ رہا ہے، اُسے ایک مشہور مسلمان یا ہیدار نے تعمیر کیا تھا۔ ہمیں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ مشرق اقصیٰ کے تمام شہروں میں پیکن کو سب سے زیادہ خوبصورت شہر قرار دیا گیا ہے۔ اس شہر کی کوئی بھی یادگار ایسی نہیں، جس میں زرد، سبز اور لال پتھروں کے سوا، دوسرے پتھر استعمال کیے گئے ہوں۔ چینی کلینڈر کے بانی بھی دو مسلمان ہی تھے، یعنی، کمال الدین اور جمال الدین پیکن کی رصدگاہ کا انتظام پورے چار سو برس یعنی ۱۹۱۲ء تک مسلمانوں ہی کے قبضے میں رہا۔

میتان کے حاجی محمد ما کے صاحب زادے چے ہو محمد ملک کے سب سے بڑے جہازی تھے۔ اُن کے پاس ۶۳ عظیم الشان جہاز تھے اور انھوں نے عرب اور جنوبی افریقہ کا سات مرتبہ سفر کیا تھا۔

عہد حاضر کا چین، ۳۰ صوبوں پر مشتمل ہے۔ اُن میں سے تین صوبوں پر جو مجالس حکومت کر رہی ہیں، اُن کے صدر مسلمان ہیں۔ پچاس سے زیادہ مسلمانوں کو چینی فوجوں میں سپہ سالاری کے منصب حاصل ہیں۔ اہل چین دنیا کی سب سے زیادہ امن پسند قوم تسلیم کیے گئے ہیں۔ وہ چار ہزار برس کی تاریخ کے مالک ہیں۔ اسلام بھی اس ملک میں، ۱۴۰۰ برس کی تاریخ رکھتا ہے۔ چین ۱۹۲۶ء تک دنیا کی ترقی یافتہ سلطنتوں میں شامل ہونے کی بہت کوشش کرتا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے گذشتہ دس برس میں ۱۰۰۰،۷۱ کیلومیٹر جرنیلی سڑک اور ۲۰۲ ۷۴ کیلو میٹر ریلوے لائن تعمیر کی۔ مشرق اقصیٰ کا سب سے بڑا ریڈیو اسٹیشن چین میں ہے۔ چین کے کسان، زمین داروں کے جبر و ستم سے بالکل محفوظ ہیں اور اس طرح کے جبر و ستم سے در اصل یہاں کے باشندے آشنا ہی نہیں۔ سال کے تین موسموں میں کسان خوب محنت کرتے ہیں۔ سردیوں کا موسم وہ اپنے اپنے آرام دہ گھروں میں گذار دیتے ہیں۔ جب ساری زمین پر برف کی سطح جم جاتی ہے، تو وہ اُس وقت اپنی زندگی کا لطف اٹھاتے ہیں۔

چین — تہذیب کا گہوارہ، جاپان کی وحشیانہ جنگ آزمائی کے باعث دردناک مصائب میں

مبتلا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں پر اپنے وطن کی مدافعت کے متعلق جو فرض عاید کر رکھا ہے، اس کے پیش نظر، چین کے مسلمان بھی ہر ممکن ایثار و جہاد سے مقابلہ کر رہے ہیں، مگر یہ کوئی آسان کام نہیں۔ ہوا، خشکی اور سمندر، تینوں طرف سے اہل چین پر مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں، لاکھوں گھر تباہ ہو گئے ہیں، ان کی تجارت، ان کی خانگی زندگی، ان کی مذہبی اور علمی درسگاہیں برباد ہو گئی ہیں۔ لاکھوں آدمی تباہ حالی اور پریشانی کی زندگی گذار رہے ہیں اور ان میں ۸ فی صدی مسلمان ہیں۔ سیان، چانگشا، چانگن، اور چانگٹو وغیرہ شہروں کی مسجدیں، پناہ گیروں کے ٹھکانوں میں تبدیل کر دی گئی ہیں۔ یہ لوگ ملیریا، ہیضہ، دق، بخار اور اسی طرح کے متعدد مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔ چین کے تین بڑے بڑے مسلمان راہ نماؤں نے دنیائے اسلام کے نام یہ اپیل کی ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان اُن کے حق میں دعائیں مانگیں اور اُن کی طبی امداد میں حصہ لیں۔

اعتذار پچھلے ماہ کے شذرات میں جناب سید منظور احسن صاحب بہاری کی کتاب "احکام القرآن" کا اور اُن کے ایک ریزولیوشن کا ذکر کیا گیا تھا۔ بڑی امید تھی کہ جناب موصوف کا ریزولیوشن بھی مسلم لیگ کے اجلاس میں پیش ہو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی صفات القرآن" کی تقسیم کا انتظام بھی، مگر اجلاس کی مقررہ تاریخوں سے تین ہی چار دن پہلے جناب شیخ صادق حسن صاحب ایم ایل اے اور سیکرٹری صاحب مسلم لیگ امرتسر کے ذریعے معلوم ہوا کہ ہمارے ریزولیوشن کو جن مرحلوں سے گذرنا چاہیے تھا، وقت کی کمی کے باعث وہ مرحلے طے نہیں ہو سکے، لہٰذا اجلاس لاہور میں اس کے پیش ہونے کا کوئی امکان نہیں ——

"صفات القرآن" کی کتابت اس وقت قریباً مکمل ہونے والی تھی، مطبعے سے اُس کی طباعت کا معاملہ بھی طے ہو چکا تھا اور اگر مزید دو روز تک لیگ کی طرف سے ہمیں کوئی اطلاع نہ ملتی، تو یقیناً ہم کتاب کی طباعت میں ایک بڑی رقم ضائع کر جاتے، مگر خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں دوہرے پچھتاوے سے بچا لیا۔ کتاب بھی چھپ جاتی اور ریزولیوشن کے ساتھ اس کی تقسیم کا انتظام بھی نہ ہوتا، تو یقیناً ہمیں اور کتاب کے مؤلف کو اس ناکامی سے بہت تکلیف پہنچتی —— اب یہ کتاب اسی ماہ کے رسالے میں شائع ہو رہی ہے اور اسے ایک تھوڑی سی تعداد میں الگ بھی چھپوا لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں سید منظور احسن صاحب کی رقم اُن کی خدمت میں واپس بھیج دی گئی ہے اور اگرچہ یہ سب کچھ بعد از وقت ہے، مگر پھر بھی لیگ کے تمام بڑے بڑے راہ نماؤں کی خدمت میں "صفات القرآن" کی ایک ایک کاپی بھیج دی گئی ہے۔

ہمیں توقع ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی توفیق کو ہمارے شامل حال رکھا، تو یہ ریزولیوشن ان شاء اللہ لیگ کے

آئندہ اجلاس میں، کسی نہ کسی کوشش سے ضرور پیش کیا جا سکے گا۔

کچھ اپنے متعلق ہم نے چند چھوٹی چھوٹی مسرتوں کے پھول جمع کرکے آپ کے لیے ایک گل دستہ تیار کیا ہے دفتر امت کے حالات بحمداللہ، پچھلے چند ماہ سے نہایت ہی حوصلہ افزا اور کامیاب ثابت ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی بڑی بات یہ ہے کہ البیان کا اقبال نمبر، ہماری توقعات سے بھی بڑھ کر کامیاب ثابت ہوا۔ ملک کے تمام چوٹی کے رسائل و اخبارات یعنی، معارف، طلوع اسلام، حمایت اسلام، شیرازہ، روزنامہ شہباز اور روزنامہ احسان نے نہایت شاندار ریویو لکھ کر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ اس کے علاوہ بعض اہل علم حضرات نے دفتر کو فرداً فرداً خطوط لکھ کر اقبال نمبر کے متعلق اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اقبال نمبر عام اشاعت کی بہ نسبت ڈیوڑھی تعداد میں چھپوایا گیا تھا، لیکن اس وقت صرف دس بارہ کاپیاں دفتر میں باقی رہ گئی ہیں۔ چند مقامات سے ایجنٹوں کے آرڈر موصول ہوئے جن میں سے صرف ایک فرمائش کی تعمیل ہو سکی، باقی تمام اصحاب کو مایوس ہونا پڑا جس کا ہمیں دلی افسوس ہے ———

اقبال نمبر ہی مقبول نہیں ہوا، البیان نے عام حیثیت سے بھی ملک کے سربرآوردہ جرائد میں جگہ حاصل کر لی ہے اور مسلمانوں کے اعلیٰ طبقے میں اسے مقبولیت کی نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے۔ اس کی اشاعت میں بھی کسی حد تک اضافہ ہو رہا ہے اور ہمیں پوری توقع ہے کہ البیان ان شاء اللہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب ماہنامہ ثابت ہوگا۔

ہمیں حال ہی میں اپنے فاضل دوست ڈاکٹر غلام جیلانی برق ایم اے پی ایچ ڈی کی طرف سے ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"البیان کے دو شمارے (دسمبر و جنوری) بیش بہا معلومات سے لبریز ہیں۔ اقبال نمبر میں فکان قاب قوسین کی تفسیر سے مجھ پر وجد طاری ہو گیا۔ جنوری کے البیان میں حدیث پر مقالہ ایک نہایت گراں قدر مقالہ ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ البیان میں جو چیز خصوصیت سے مجھے عزیز بنا رہی ہے، وہ اس کی حکمت عملی ہے۔ آپ دنیا کو احادیث و فقہ، شافعی و حنبلی و ... دو و ... ... کی دلدل سے نکال کر قرآنی اسلام کے افق اعلیٰ پر لے جانا چاہتے ہیں۔ حقیقتہً مسلمانوں کو ایسی ہی تعلیم کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے البیان کو صرف زبانی تعریف ہی کا مستحق نہیں سمجھا بلکہ ناظرین کرام کو معلوم

کر کے خوش ہوں گے کہ محترم موصوف نے، اس کی قلمی امداد کی طرف بھی توجہ فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ کا ایک مضمون دآئینِ فطرت، حال ہی میں دفتر میں موصول ہو چکا ہے۔ ہم ان شاء اللہ اس کو آئندہ ماہ کی اشاعت کے ذریعے قارئینِ البیان کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ ہمیں پوری امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف البیان کی قلمی اور اخلاقی امداد بدستور جاری رکھ کر ہمیں اور ناظرینِ البیان کو شکر گذاری کا موقعہ دیں گے ——

البیان کے ناظرین کے لیے دوسری بڑی بشارت یہ ہے کہ جناب مفتی محمدالدین صاحب وکیل گجرات نے بھی ہماری طرف دست تعاون بڑھایا ہے۔ پچھلے ہفتے جناب موصوف کی طرف سے ایک گرامی نامہ ہمیں موصول ہُوا ہے۔ آپ نے نہ صرف البیان کی قلمی امداد کا وعدہ فرمایا ہے، بلکہ آپ اپنی ایک تصنیف کی کچھ جلدیں بھی دفترِ اُمت مُسلمہ کے کتب خانے کو امداد کے طور پر مرحمت فرما رہے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ اپنے حلقۂ اثر سے البیان کے نئے خریدار پیدا کرنے کی کوشش کریں گے —— مفتی صاحب موصوف کے حوصلہ افزا گرامی نامے سے ہماری کوششوں کو تقویت حاصل ہو رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اگر صاحب موصوف نے پوری توجہ کے ساتھ البیان کی سرپرستی جاری رکھی، تو دفترِ اُمت مُسلمہ کے مقاصد کو نمایاں طور پر ترقی اور کامیابی حاصل ہو سکے گی —— اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دوسرے تمام دوستوں کو بھی اس امر کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے وقت و دولت کا ایثار کر کے، خدمت و اشاعت قرآن کے نیک کام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں ——

مسجدِ اُمتِ مُسلمہ کی تعمیر کا کام کئی ماہ سے رُکا ہُوا تھا۔ اس سلسلے میں البیان میں روپے کے واسطے کی دو ایک مرتبہ اپیل بھی کی گئی تھی۔ اب یہ اطلاع حلقۂ "البیان" میں یقیناً مسرت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ جناب چودھری خیرالدین صاحب صدرِ اُمتِ مُسلمہ امرتسر کی کوشش سے مسجد کی چھت کے تمام اخراجات، جن کا تخمینہ قریباً ۵۰۰ روپیہ کیا گیا ہے، کا انتظام ہو گیا ہے۔ ہم محترم موصوف کے شکر گذار بھی ہیں اور اُن کے لیے دست بہ دعا بھی، کہ باوجودیکہ اُنھیں دفترِ اُمتِ مُسلمہ کی پہلے بھی بہت امداد کرنا پڑتی ہے، پھر بھی اُنھوں نے اس کارِ خیر میں انتہائی سعی و کوشش کو اپنے ذمے لے لیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اجرِ جزیل سے بہرہ مند رکھے اور دوسرے اصحابِ خیر کو بھی اُن کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ارضِ اُمت کی دوسری ضرورتوں کا بھی اہتمام ہو سکے۔

جب سے دفترِ اُمت مُسلمہ کی تعمیر ہوئی ہے، اُس کے برآمدے پر چھت نہیں ڈالی جا سکی۔ اب

اُمید ہے کہ عن قریب ہی خدا تعالیٰ اس کا بھی کچھ نہ کچھ سرو سامان کردے گا۔ ہم تمام معاونین اُمتِ مُسلمہ کی خدمت میں پُرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ برآمدے کے اخراجات میں حسبِ استطاعت حصّہ لے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ یہ بہت ہی ناگزیر ضرورت ہے اور ایک ایسی مسلسل تکلیف ہے، جس کا اندازہ صرف دفتر کے کارکن ہی لگا سکتے ہیں۔ بالخصوص بارش اور تیز دھوپ کے دنوں میں تو ہماری تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے۔ تمام احباب کا فرض ہے کہ وہ اس تکلیف کو دُور کرنے کی پوری کوشش کریں۔

ایک اور بات مسرت کے ساتھ سُنی جائے گی کہ دفترِ اُمتِ مُسلمہ کی طرف سے کتابوں کی مُفت تقسیم کا سلسلہ، توقع اور اُمید سے بھی بڑھ کر کامیاب ثابت ہوا ہے۔ پچھلے چند ہی ماہ کے اندر اندر قریباً سات سو کتابیں (جن کی قیمت ۷۰۰ روپے ہے) مُفت تقسیم کی جاچکی ہیں۔ یہ اگرچہ کوئی اہم بات نہیں، مگر ہم بھی پچھلے پندرہ سال کے طویل عرصہ میں، یہ پہلا ریکارڈ ہے کہ ہم اس وسعت و کثرت کے ساتھ مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی کتابیں پہنچا رہے ہیں اور ابھی یہ سلسلہ ان شاء اللہ العزیز جاری رہے گا۔ ہم تمام اُن دوستوں کا جنھوں نے تبلیغِ دین کے اس مبارک مشن میں حصہ لیا، تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور تمام اُن دوستوں سے جو دفترِ اُمتِ مُسلمہ کی تبلیغی کوششوں کو قدر و عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، بہ ادب درخواست کرتے ہیں کہ وہ براہِ کرم، ہر ممکن تکلیف اٹھا کر بھی لٹریچر کی مفت تقسیم میں حصہ لیں۔ جب تک ہمارا لٹریچر، عام پبلک کے ہاتھوں میں نہیں پہنچے گا، ہم کامیابی کے ساتھ اپنا سفر طے نہیں کر سکتے۔

بس تمام احباب کا فرض ہے کہ وہ اس شعبے میں بھی اپنی امدادی رقوم ارسال فرماتے رہیں۔ بلکہ ہماری یہ بڑی خواہش ہے کہ خیرات، زکوٰۃ یا صدقہ وغیرہ کے نام سے دفتر کو جو بھی رقم بھیجی جائے، اُس کے متعلق بھی ہمیں اجازت دے دی جائے کہ ہم اتنی قیمت کی کتابیں مفت شائع کر دیا کریں یا آپ خود اپنی پسند کے مطابق لٹریچر طلب فرما کر اپنے احباب میں تقسیم فرما دیا کریں۔

آخر میں ہمیں جناب غازی فیروز الدین احمد کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا ہے کہ صاحبِ موصوف پچھلے دو ایک ماہ سے البیان کی توسیعِ اشاعت میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہر ماہ البیان کے لیے کم از کم دو جدید خریدار مہیا کیا کریں گے۔ ہم خدا تعالیٰ سے اُن کے اجرِ خیر کے لیے بصدقِ دل دعا کرتے ہیں

محمد اقبال سلمانی

رُباعیاتِ حالیؔ

سچ کہاں ہے؟

دیکھنے ہوں تمھیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں
سچ کہیں ہے، تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جواتو مفتوں!
گردن پہ نہ لو عقلِ خداداد کا خوں
خود عہدِ شباب ایک جنوں ہے اب تم
کرتے ہو فزوں جنوں پہ اِک اور جنوں

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دُور
پر عیب سے بچیے تا بہ مقدُور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو!
گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غرور

گُفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ، زباں سے کہتے ہیں وہ کم
ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حُسنِ گفتار
بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

صفات القرآن

سید منظور احسن صاحب بہاری کی کتاب "احکام القرآن" کا باب اول

دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر

فہرست

۳

غایت

اِس وقت مُسلم اکثریت کی نگاہیں مُسلم لیگ کی طرف اُٹھ رہی ہیں۔ لیگ کو جو مرکزیت اور جمعیت حاصل ہو رہی ہے غالباً اس سے پہلے کسی ہندوستانی مُسلم انجمن کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ توقع رکھنا بالکل جائز ہے کہ لیگ کے اربابِ حل و عقد چاہیں تو بیچ مچ مسلمانوں کے ہر شعبۂ حیات میں نشو و ارتقا کی لہر پیدا کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مسلم لیگ حقیقی معنی میں مُسلم لیگ بن جائے، یعنی قرآنِ مجید کو ایک پرانی قسم کی تاریخی یادگار سمجھنے کی بجائے زندہ دستورالعمل یقین کرے۔ فرقہ پرست علماء کے بے اندازہ اختلافات نے قرآن مجید کے زندگی بخش مفہوم پر بے شمار حجاب ڈال رکھے ہیں۔ لیگ کا فرض ہونا چاہیے کہ اپنی پوری قوت سے کام لے کر سب سے پہلے مسلمانوں کو تفرق و اختلاف سے نجات دلائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ روشن خیال اور حالاتِ حاضرہ سے باخبر علماء کی ایک سب کمیٹی بنائی جائے، جو کتابِ عزیز کا ایک ترجمہ متعیّن کر دے اور اسی کے مطابق دینی نصابِ تعلیم تجویز کرے۔ اس کے سوا تمام ترجموں اور نصابوں کو مسلمانوں کی عملی زندگی سے خارج کر دیا جائے اور علماء کے اکھاڑے بند کر دیے جائیں۔

سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے لیگ کے سامنے دو بلند پہاڑ ہیں:

(۱) کانگرس۔

(۲) بدیسی حکومت۔

اِن کو پھاندنا آسان نہیں، لیکن داخلی اصلاح کی برکت سے یہ بھی ممکن ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قوم کی داخلی اور تدریجی اصلاح کے بغیر لیگ یا کوئی اور انجمن ایک بے معنی شور و شغب ہے۔ کسی درخت کے پھول، پھل، شاخوں، پتّوں اور تنے کی حفاظت اس کی نسل کو نہیں بچا سکتی، جب تک اُس کے بیج کی نگہداشت نہ کی جائے۔ لیگ کے محترم ارکان کو یقین کرنا چاہیے کہ ہمارے قومی درخت کا بیج قرآن اور صرف قرآن ہے۔ ہماری جماعتی زندگی کی بنیاد اسی سے پڑی۔ ہماری صنعتی، علمی اور ملکتی تگ و دو کا پہلا محرک قرآن ہی رہا ہے اور اب ہماری غلامی، افلاس اور جہالت کا سب سے بڑا باعث قرآن سے مہجوری کے سوا کچھ نہیں۔ اس نسخہ کو گذشتہ ۱۳½ صدیوں میں جب بھی اور جہاں بھی آزمایا گیا، کبھی ناکامی نہیں ہوئی (اس کے شواہد کی تفصیل کا یہ محل نہیں)، ہم بصدق و ادب مسلم لیگ کے واجب الاحترام قوائے عاملہ کی خدمت

یں التماس کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ پھر اس سماوی نسخہ کو آزما کر دیکھیں ـــــ انسانی دماغ کے بنائے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ نسخے بھی انسانیت کو ملاکت سے بچا نہیں سکتے۔ اس حقیقت کو مجسم دیکھنے کے لیے ہمیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ عہدِ حاضر کے ترقی یافتہ، مہذب اور خوں خوار یورپ کو ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے۔

لیگ کے عملی اقدامات کچھ اس قسم کے ہونے چاہییں:

(۱) اسلامی اوقاف اور زکوٰۃ کو منظم کرنے کے علاوہ ان کی آمد کو مفید قومی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

(۲) معاش کی خاطر قوم کو لڑا لڑا کر تباہ کرنے والے مولویوں، لیڈروں اور پیروں کی معاش کا معقول انتظام کیا جائے اور اُن سے کوئی مفید قومی کام لیا جائے۔

(۳) اخبارات و تصانیف کی بے راہ روی کا انسداد کرنے کے لیے ان پر ایک نگران محکمہ مقرر کیا جائے۔

(۴) مسلمانوں کو مُسرفانہ رسوم کی پستیوں سے نکال کر قرآن حکیم کی معقول روش سے روشناس کرایا جائے۔

(۵) قومی سرمایہ سے وسیع صنعتی اور علمی ادارے قائم کیے جائیں جن سے بے کاری اور جہالت کا سدِ باب ہوسکے۔

(۶) قانون کے حدود میں رہ کر اسلامی پنچایتیں قائم کی جائیں۔

(۷) جن مسائل کو عہدِ رسالت میں قابلِ التفات نہیں سمجھا گیا اُن پر بحث کرنے سے احتیاط برتی جائے۔

(۸) مسلمانوں کی تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پیشِ نظر اوراق اسی جذبہ و احساس سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں۔ ان کو بہ غور پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ قرآن کیا ہے؟ کسی خوش عقیدہ حامیٔ قرآن کی زبان سے نہیں، خود قرآن کی اپنی زبان سے قرآن کی پوزیشن واضح ہوگی۔ اس سے آپ اچھی طرح سمجھ لیں گے کہ قرآن کے اتباع سے کیا کیا فائدے حاصل کیے جاسکتے ہیں اور اس کو چھوڑ کر جماعتی زندگی کن کن تباہیوں سے دوچار ہو سکتی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مولف کی کوشش قبول فرمائے اور قوم کو قرآن سے استفادہ کی توفیق عطا کرے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

عرشی امرتسری

۷ مارچ ۱۹۴۰ء

پیشکش

اسلامیانِ ہند کی واحد اُمیدگاہ "مُسلم لیگ" کے اجلاس لاہور

منعقدہ ۲۲،۲۳،۲۴ مارچ ۱۹۴۰ء کی خدمت میں

میں آپ کے سامنے یہ کتاب جو دراصل کسی کتاب کا صرف ایک باب ہے، پیش کر رہا ہوں۔ اس سے میری غرض یہ ہے کہ آپ کو اپنا بھولا بسرا ہُوا سبق پھر سے یاد دلاؤں۔ اگر یہ لیگ مُسلم لیگ ہے اگر اس کے مقاصد اسلامی مقاصد ہیں اگر اس کا ترانہ اسلامی ترانہ ہے، تو پھر ضروری ہے کہ ہمارا عمل بھی قرآن حکیم کا مقرر کیا ہوا عمل ہو اور اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہمارے صدر اور وُہ حضرات جن کے ہاتھوں قوم کی باگ دے دی گئی ہے، اس کتاب یعنی قرآن حکیم کا ماحقہٗ علم رکھیں کیوں کہ جس راہ کا علم ہی نہ ہو اُس راہ پر سفر کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ میں نے اس کمزوری کو گذشتہ سال کے سالانہ اجلاس میں محسوس کیا تھا۔ اس اجلاس میں اتنی تقریریں ہوئیں، اتنی تجویزیں پاس ہوئیں، مگر کسی تقریر اور کسی تجویز میں میں نے یہ جُملہ نہیں سُنا کہ "ایسے موقعہ پر قرآن حکیم کی ہدایت یہ ہے اس لیے ہمارا عمل یہ ہونا چاہیے"۔ یہ نہیں کہ اس جلسہ میں علماء کی کمی تھی یا قرآن حکیم کے جاننے والوں کی کمی تھی، مگر یہ ضرور ہے کہ ہم سبھوں نے اپنے لیے قرآن حکیم کو اور اس کی ہدایت کو اپنی زندگی کے لیے یا اپنے افعال کے لیے وُہ اہمیت نہیں دے رکھی ہے، جو اس کتاب یعنی قرآن حکیم کا حق ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ جلسہ خدانا خواستہ اسلامی نقطۂ نظر سے ناکام رہا، کیوں کہ ہمارے رضا کاروں نے اپنے اخلاق اور چال چلن کا وہ اعلیٰ معیار پیش کیا، جو واقعی مُسلم قوم کے شایانِ شان تھا۔ ہمارے اکابرِ قوم نے جس خلوص سے ہمارے مختلف مسائل کے حل کرنے میں تدبر و تفکر سے کام لیا، وہ ہماری صدق دلی اور راست بازی کا کافی ثبوت تھا۔ پھر بھی میں یہی عرض کروں گا کہ قرآن حکیم کو جو اہمیت ہونی چاہیے، وہ اس جلسہ میں مفقود تھی جلسہ سے میں یہ درد بھری ٹیس لے کر اُٹھا کہ کس طرح قوم کی توجہ قوم کی اس کمزوری کی طرف مبذول کرائی جائے؟ میں نے اس کی مختلف ترکیبیں اختیار کیں، جو ممکن ہے کامیاب ہوئی ہوں۔ اس تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ بہرحال میرے غور و فکر کا نتیجہ یہ ہُوا کہ میں نے ایک کتاب مرتب کرنی شروع کی، جس میں قرآن پاک کے کُل اوامر و نواہی کو جمع کیا اور انہیں مختلف عنوانوں

کے ماتحت درج کر دیا۔ مثلاً:

اطاعت، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ و خیرات، لین دین، ربوٰ، ازدواج، نکاح، طلاق، وراثت، یتامیٰ، حلال و حرام وغیرہ اور متفرقات۔

مَیں صرف اوامر و نواہی پر زور دے رہا ہوں اور صرف اوامر و نواہی ہی کو میں نے جمع کیا ہے کسی قسم کے استدلال کو دخل نہیں دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ استدلال سے کسی مسئلہ کا حل نہیں نکالنا چاہیے یا یہ کہ استدلال سے حکم لگانا نامناسب نہیں، بلکہ مدعا محض یہ ہے کہ جہاں پر اللہ کا صریحی حکم ہے، جہاں پر امر کا صیغہ استعمال ہُوا ہے، وہاں ہمیں کسی قسم کے پس و پیش یا لیت و لعل کی گنجائش نہیں، یا کم از کم بہت ہی کم گنجائش ہے اور اگر ہم سب قومی طور پر صرف اِن اوامر ہی پر عمل شروع کر دیں، تو پھر گویا راہ ترقی پر لگ گئے۔ استدلال اگر غیر متقی دماغوں کا نتیجہ ہو تو پھر انتشار و تفریق کا باعث ہو سکتا ہے اور ہماری اس افرا تفری اور اس مسموم فضا میں ابھی استدلال پر زور دینا میرے نزدیک بنیاد سے پہلے عمارت کو ہاتھ لگانے کے مترادف ہوگا۔ علیحدہ علیحدہ عنوانات اس لیے قائم کیے گئے کہ کُل اوامر جنھیں احکام کہیے، ہر عنوان کے ماتحت جمع کر کے ناظرین پر واضح کیا جا سکے کہ احکام خداوندی کس قدر مکمل اور مفصل ہیں اور یہ جو مشہور ہے کہ احکام کی تفصیل قرآن میں نہیں محض ایک لغو اور فضول بات ہے۔ ہر عنوان کے ماتحت جو احکام ہیں آپ انھیں دیکھ کر یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ قرآن پاک کا دعوٰی تفصیل لکل شئی کس قدر صحیح ہے۔

پھر یہ بتانے کے لیے کہ یہ اوامر و نواہی کس کتاب سے لیے گئے ہیں یا وہ کون سی کتاب ہے جس کے یہ اوامر و نواہی ہیں مَیں نے ایک عنوان "صفات القرآن" قائم کیا ہے، جس میں قرآن پاک سے وہ تمام آیات جو اس کتاب یعنی قرآن حکیم سے متعلق ہیں، درج کر دی ہیں، تاکہ ناظرین پر یہ واضح ہو جائے کہ خود خداوند کریم اس کتاب یعنی قرآن حکیم کی کیا کیا تعریف کرتا ہے۔ ہماری کتاب کا یہی باب آپ کے پیش نظر ہے، جو یہاں تقسیم ہو رہا ہے۔

مَیں نے اس غرض کے لیے اس باب کو کیوں منتخب کیا، یا یہ کہ اپنی ساری کتاب آپ کے سامنے کیوں نہ پیش کی؟ تو اس کے متعلق گذارش ہے کہ ساری کتاب کے تیار ہونے میں ابھی کچھ تاخیر ہے اور اس باب کو مَیں نے اس لیے منتخب کیا، تاکہ عامۃ المسلمین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ خدا اپنی کتاب (یعنی قرآن حکیم) کی ہدایت کی تعریف میں کیا کچھ ارشاد فرماتا ہے؛ ان ہدایات پر عمل کرنے والوں کے لیے فلاح و بہبود کے کیا کیا وعدے کرتا ہے؛ انھیں کیا کیا بشارتیں دیتا ہے اور اس کتاب یعنی قرآن حکیم کے منکرین کے لیے کون کون سے عذاب و سزا کی خبریں سناتا ہے؟ غرضیکہ اس باب کو پیش کرنے سے میرا مدعا یہ ہے کہ قرآن حکیم کے علم و عمل کی طرف اُمت مسلمہ کو ترغیب دلاؤں

اور اس غرض کے لیے یہ باب یعنی صفات القرآن نہایت موزوں تھا۔ چنانچہ جب ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہماری ترقی کی یہ راہیں ہیں، اور ہمارے فلاح کی یہ ترکیبیں ہیں، تو مجھے معاً یہ خیال آجاتا ہے کہ آخر ترقی کی بہترین شاہراہ جو ہمارے فلاح کی اعلیٰ ترین ترکیب ہے، وہ کیوں ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے؟ کیا خدا کے اس دعوے کا ہمیں یقین نہیں آتا کہ:

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝	غمگین نہ ہو، افسردہ نہ ہو، تمھیں غالب رہوگے اگر تم سب مومن ہو۔ (یعنی اگر تم سبھوں نے صدق دل سے میری دی ہوئی آیات پر عمل کیا)

حضرات! کیا مجھے یہ یقین دلانے کی ضرورت ہے۔ اگر اس اعلیٰ ہدایت اگر اس روشن کتاب یعنی قرآن حکیم کے کل اوامر و نواہی پر صدق دل سے قومی طور پر عمل ہوا تو ہم سب یقیناً غالب ہو کر رہیں گے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں یہ کتاب دعویٰ کرتی ہے اور اللہ دعویٰ کرتا ہے کہ حقیقتہً ایسا ہی ہو کر رہے گا۔ عامۃ المسلمین سے عموماً اور اپنے اکابر قوم سے خصوصاً میری یہ التماس ہے کہ آپ حضرات قرآن حکیم کا کماحقہٗ علم حاصل کرنا اپنے اوپر انفرادی اور قومی طور سے فرض قرار دے لیں اور دوران تلاوت میں جب کوئی امر یا نہی آپ کی نظر سے گذرے تو آپ عہد کرلیں کہ اپنے اللہ کا یہ حکم آپ اس دن سے اپنی زندگی میں برابر بجا لائیں گے۔ انفرادی طور سے ہم اسے ضرور کرتے ہیں لیکن میری التجا یہ ہے کہ اب ہمیں اسے قومی طور سے کرنا چاہیے اور قوی ارادہ ہونا چاہیے کہ ہم مسلمان صحیح معنوں میں مطیع قرآن ہو کر رہیں گے۔ اگر صدق دل سے ہمارا یہ ایمان ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں تو اللہ کے حکم پر چل کر اپنے صدق ایمان کا ثبوت دیں، ورنہ محض زبانی دعوے سے کیا ہوتا ہے؟ آج سے اس کا عہد کر لیجیے کہ قرآن حکیم کو طاق پر نہیں رکھ چھوڑیں گے، بلکہ گردن میں ڈال کر اپنی روزانہ زندگی کا دستور العمل بنائیں گے۔

میری اس مختصر سی تحریر سے اگر قرآن حکیم کی اہمیت آپ پر واضح نہ ہوئی ہو، تو آپ دس منٹ خرچ کرکے میری کتاب احکام القرآن کا یہ باب صفات القرآن جو آپ کے پیش نظر ہے، اسے پڑھ ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ جب اللہ کی زبانی آپ قرآن حکیم کی اہمیت کے دلائل سنیں گے، تو بلا چون و چرا اس پر عمل کرنے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔

آپ اگر مناسب سمجھیں تو یہ تجویز بھی پاس کرا سکتے ہیں کہ "یہ جلسہ ہر اس رکن مسلم لیگ پر جس میں اس بات کی صلاحیت ہو، یہ فرض عاید کرتا ہے کہ قرآن حکیم کا کماحقہٗ علم حاصل کرے گا اور اس غرض سے خواہ کیسی ہی مشغولیت ہو، روزانہ تھوڑی بہت اس کی تلاوت کرے گا اور جب کوئی امر اور نہی من جانب اللہ اس کتاب کے ذریعہ اُسے

معلوم ہو جائے تو وہ اسے اپنی زندگی کا شعار بنالے گا۔ اب اکابرِ قوم سے خصوصیت کے ساتھ یہ التماس ہے کہ وہ اس امر میں نمونہ بن کر اپنے آپ کو عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کریں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔

(۱) اگر آپ غیر مناسب نہ جانیں تو میں آپ کی خدمت میں اپنا یہ ذاتی مشورہ عرض کر دوں کہ قرآن مجید کی آیات کے سمجھنے میں اور آپ کے شکوک کے رفع کرنے میں اُمتِ مسلمہ امت سراِن شاء اللہ آپ کی ہر طرح مدد کرے گی۔ میرا یہ مدعا نہیں کہ کسی خاص جماعت کے تفوق کا پروپیگنڈا کروں۔ میں نے آپ کو صدق و خلوص سے یہ مشورہ دیا ہے۔ ورنہ جس سے آپ کی تشفی ہو آپ اُس سے استفادہ کریں۔ صرف اتنا خیال رہے کہ جب آپ کو کوئی صریحی امر یا حکم قرآن پاک میں مل جائے تو اسے اللہ کا حکم جان کر نہایت سختی و پابندی سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اگر قومی طور پر ہم نے ایسا کیا، تو تقویٰ کے اس درجہ پر پہنچ جائیں گے کہ یہ تو تو میں میں جو قوم میں آج کل ہے، انشاء اللہ باقی نہ رہے گی اور ہمارے تمام قومی و ملی تنازعوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

میری یہ دعا ہے اور آپ بھی یہ دعا کریں: ربنا اھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیہم ۝ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ۝

منظور احسن بہاری

اس کتاب کا مسودہ ہمارے پاس ایسے تنگ وقت میں پہنچا کہ ہم مؤلف کی اجازت کے باوجود حسب خواہش اس کی ترتیب و تصحیح نہیں کر سکے۔ محترم مؤلف کا دل ملتِ اسلامیہ کے عشق، درد اور ایثار کی دولت سے مالا مال ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی آپ تصنیف و تالیف کے فن کی باقاعدہ مہارت نہیں رکھتے۔ امید ہے کہ پوری کتاب کی طباعت کے وقت اس کمی کو پورا کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

(ناشر)

صفات القرآن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡهِ ۚۛ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۝ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۝ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (پ ۱ ع ۲)

اللہ الرحمٰن الرحیم کے نام سے۔ الف، لام، میم۔ یہ کتاب اس میں ذرا شبہ نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے (یا یوں کہیے متقی بنانے کے لیے ہدایت ہے) یعنی ایسے لوگ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے جو روزی انھیں دے رکھی ہے اُس میں سے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، نیز وہ لوگ جو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوئی ہے اور اُن تمام (کتابوں) پر جو آپ سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور آخرت پر یقین (کامل) رکھتے ہیں یہی لوگ ہدایت پذیر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی ہیں جو دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

اِن آیات کے معنی دو طور پر ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ کتاب متقیوں کے لیے ہدایت ہے یعنی متقی ہی اس سے ہدایت اخذ کر سکتے ہیں۔ اُن ہی کے قلب میں اس کی ہدایت اخذ کرنے کی صلاحیت ہے متقی کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں: جو غیب پر یعنی اللہ پر، اللہ کی قدرت و اختیار پر یقین کامل رکھتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں کسب حلال کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اپنے کسب حلال سے خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں، نیز ایسے لوگ بھی متقی ہیں، جن کو یقین کامل ہے کہ یہ کتاب من جانب اللہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبی آئے، اُن پر بھی انھیں یقین ہے اور اس پر بھی اُن کا ایمان ہے کہ آخرت میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اپنے اچھے یا بُرے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا ذائقہ چکھنا ہوگا۔ بس ایسے ہی لوگ اس صحیفۂ فطرت سے اپنے لیے ہدایت اخذ کر سکتے ہیں اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

دوسرے، هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کے ل کو جب لام اسبابیہ کے معنی میں لیا جائے، تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کتاب (قرآن) میں بلاشبہ انسان کو متقی بنانے کے لیے کل ہدایات ہیں۔ متقی کون لوگ ہیں؟ تو متقی وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ اور اُس کی قدرت اور اُس کے اختیار پر یقین کامل رکھتے ہیں (یعنی یہ کتاب بحث و تمحیص سے

یہ بات ثابت کردے گی) وہ نماز پڑھتے ہیں، کسبِ حلال کرتے ہیں اور اسی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں (یعنی اس کتاب کی ہدایت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ سب صفات انسان میں پیدا ہوجائیں گی) یہ کتاب ضرورتِ وحی پر کامل بحث کرے گی (یعنی اس کتاب کی ہدایت پر عمل کرنے سے نہ صرف اسی کے من جانب اللہ ہونے کا یقین ہو جائے گا، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں اتاری گئی ہیں ان پر بھی یقین کامل ہوجائے گا اور آخرت پر بھی یقین واثق۔ اس کتاب سے جن لوگوں میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوجائیں گی، تو ایسے ہی لوگ متقی ہیں اور یہی اس کتاب کی غرض ہے اور یہی لوگ مفلحون ہیں اور فلاح فی الدنیا والآخرۃ کے حامل۔

ذاتی طور پر میں دوسرے معنی کو زیادہ قرین قیاس سمجھتا ہوں۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو، پہلی صورت میں، یہ امر دریافت طلب ہے کہ کیا ہمیں اس کتاب کے الہامی ہونے میں، من جانب اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے؟ اگر شبہ ہے، تو ایسے لوگوں سے کچھ کہنا نہیں۔ جیسا کہ خود قرآن پاک کہتا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ اور اگر سچے دل سے یقین ہے کہ یہ کتاب فی الحقیقت من جانب اللہ ہے اور اللہ کے وجود کا بھی یقین ہے، تو کیا ہم بتا سکتے ہیں کہ پھر کیوں ہم اس کی تمام ہدایات کا کماحقہٗ علم حاصل نہیں کرتے اور اس پر اور صرف اسی پر عمل نہیں کرتے؟ کیوں کہ اس میں یقینی طور پر اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو احکام ہیں، کسی انسان کی طرف سے نہیں۔ ہم اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر اس سوال کا جواب دیں، کیا ہم نے کماحقہٗ اس فرض کو پورا کیا ہے؟ اگر نہیں، تو کیا اب سے ہم اسے پورا کرنے کے لیے تیار ہیں؟

دوسری صورت میں یہ امر دریافت طلب ہے کہ کیا مسلمان متقی سے بھی کوئی بڑا درجہ حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یہ کتاب بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ اس کی ہدایت پر عمل کرنے سے انسان متقی ہو جائے گا۔ دنیا میں کوئی اور کتاب اس قسم کا دعویٰ نہیں پیش کرتی اور نہ کر سکتی ہے اور اس کتاب کا یہ دعویٰ محض زبانی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس نے نہایت سخت گم راہوں کو متقی بنا کر دکھلا دیا۔ کیا اب ہمیں اس کی ہدایت کافی نہیں ہے کہ ہم ماؤشما کی نصیحت اور ہدایت پر عمل کرتے رہیں اور اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیں کہ آخر اس کتاب میں اللہ کی طرف سے ہمیں کیا کیا اوامر و نواہی ہیں؟ کیوں نہیں ہم صدقِ دل سے اس پر اور صرف اسی پر عمل پیرا ہو جاتے؟ بلکہ اللہ کہتا ہے کہ یہی لوگ مفلحون (کام یاب) بھی ہیں (فی الدنیا والآخرۃ) کیا فلاح کی کوئی اور صورت بھی نکل سکتی ہے؟ ہم سب اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ کیا ہمیں واقعی اپنی اور قوم کی فلاح مطلوب ہے؟ اگر ہے تو پھر کیوں نہ ہم اس کتاب کے اوامر و نواہی سے کماحقہٗ علم حاصل کرکے اس پر عمل شروع کر دیں، تاکہ اللہ اپنا وعدہ پورا فرمائے،

ورنہ خواہ کتنی ہی اچھی تنظیم ہو، سیاسی یا فوجی نتیجہ معلوم! مسلمان صرف اسی صورت میں کامیابی یا فلاح حاصل کر سکتے ہیں، جب سیاسی تنظیم اور تلوار کے ساتھ ساتھ قرآن بھی ہاتھ میں ہو۔ اگر ہاتھ سے قرآن پاک چھوٹ گیا اور اُس کے اوامر ونواہی پر قومی طور پر عمل نہ ہوا، تو پھر فلاح بھی ناممکن ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمھیں پیدا کیا اور (اُنھیں بھی) جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم متقی بنو۔ وہ جس نے زمین کو تمھارے لیے فرش بنایا اور آسمان کو چھت اور آسمان سے پانی اُتارا، پھر اُس کے ذریعے پھلوں سے تمھارے لیے رزق نکالا۔ پس تم اللہ کے ہمسر نہ بناؤ! حالاں کہ تم جانتے ہو (کہ اُس کا کوئی ہمسر ہو نہیں سکتا)، اور اگر تمھیں اس میں شک ہے، جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے، تو ایک سورۃ (ہی) اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا (اوروں کو بھی) اپنا گواہ بنا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا اور ہرگز نہیں کر سکو گے، تو اُس آگ سے اپنا بچاؤ کر لو، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں (یعنی انکار کرنے والوں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(۲۱–۲۶ / ۲)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو یا ہمارے حکم پر چلو! (یا یوں کہیے کہ) قرآن کے احکام کو جو ہمارے احکام ہیں، اصولِ زندگی بنا لو! کیوں؟ کس غرض سے؟ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم متقی بن جاؤ (اوپر کی آیت کو پھر دیکھ لیجیے)۔ کیا تمھیں اس میں شبہ ہے؟ اللہ تو کہتا ہے کہ یہ کتاب لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ لیکن اگر تمھیں اس میں کچھ شبہ ہے، تو پھر تم بھی زندگی کے کسی شعبے کے لیے اس جیسے احکام یا اصول مرتب کرو۔ انسان کے بنائے ہوئے قواعد کا تو یہ حال ہے کہ بننے کے ساتھ ہی اس میں ردّ و بدل بلکہ تنسیخ کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور یہ اللہ کا بنایا ہوا زندگی کا مکمل دستورالعمل ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صحیح رہے گا۔ اسی لیے اللہ اپنے سوا انسانوں ہی پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتا ہے کہ تمھیں نہ دو کہ تمھارے مرتب کردہ اصول اس جیسے ہیں! اور ساتھ ہی

انسانی عقل کی حد بتادی جاتی ہے کہ نہیں ایسا ہوا ہے نہ ہوگا۔ کیا اب بھی ہم کو اس کتاب کے احکام کے ماننے میں پس وپیش ہے؟ اگر اب بھی ہم اس پر چلنا نہیں چاہتے، تو خدا کے وعید کا خیال رہے۔ کوئی چیز اس اصول فطرت کو روک نہیں سکتی۔

قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ (۱۳۸-۱۳۹/۳)

یہ (کتاب) لوگوں کے لیے ایک بیان ہے، ہدایت ہے، وعظ ہے متقی (بنانے) کے لیے۔ چنانچہ سست نہ ہو، غمگین نہ ہو، تم ہی غالب رہوگے، بشرطیکہ تم مومن ہو (یعنی بشرطیکہ تم کو اس کتاب پر ایمان یعنی یقین کامل ہو)

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

ہم نے کہا: نکل جاؤ سب کے سب یہاں سے (یعنی اس زمین کو جا کر آباد کرو) پھر اگر ہماری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے اس (ہدایت) کا اتباع کیا، تو ان کو نہ کسی بات کا خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے

ہمارے زمانہ میں وہ ہدایت کون سی ہے؟ قرآن پاک!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ○ (۱۸۵/۲)

رمضان کا مہینہ جس میں القرآن اتارا گیا لوگوں کی ہدایت کی غرض سے۔ ہدایت بھی بالکل واضح، والفرقان (یعنی حق و باطل کو بالکل الگ تھلگ کر دکھانے والی)

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ (۲/۲)

متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن واضح ہے

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○ (۹۹/۲)

بے شک ہم نے آپ پر واضح آیات نازل کی ہیں اور فاسقوں کے سوا کوئی اس کا منکر نہیں ہوتا (یا ہوگا)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ

بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتے ہوں اور ان کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی

كِتٰبُ مُوْسٰىٓ اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (۱۱)

جانب سے ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہو، جو پیشوا اور رحمت ہے (تو کیا وہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے؟) یہی لوگ تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اور فرقوں (میں سے) اس سے منکر ہوں، تو اُن کا ٹھکانا آگ ہے۔ تو تم اس (قرآن) سے شک میں نہ ہونا۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے۔ ایسے ہی لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔ یاد رکھو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے، جو لوگ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اس میں کجی (کی بات) پیدا کرتے ہیں اور یہی (یعنی ایسے ہی لوگ) آخرت سے بھی منکر ہیں۔

الٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

الرا۔ یہ کتاب روشن کی آیات ہیں۔ ہم نے اس (قرآن) کو عربی میں نازل کیا ہے، تاکہ تم سمجھ سکو۔

الٓرٰ ۣ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

الرٰ۔ یہ اس کتاب کی آیات ہیں اور روشن قرآن۔

طٰسۗمّۗ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

طسم۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔

حٰـمۗ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝

حٰم۔ قسم کتاب مبین کی تحقیق ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا، تاکہ تم سمجھ لو اور بے شک یہ کتاب ہمارے پاس اصل کتاب میں بلند مرتبہ باحکمت ہے۔

حٰـمۗ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً

حٰم۔ قسم کتاب مبین کی تحقیق ہم نے اسے ایک مبارک رات میں اُتارا۔ ہم ہی ڈراتے رہے ہیں۔ اس میں بیان کردی جاتی ہے ہر ایک حکمت والی بات ہمارے یہاں سے حکم ہو کر۔ بے شک ہم ہی بھیجتے ہیں۔ یہ آپ کے رب کی رحمت ہے۔ بے شک

مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ۝ (الدخان)

وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ کہ ان دونوں کے درمیان ہے (اس کا رب) بشرطیکہ تم یقین کی دولت سے بہرہ ور ہو۔

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحدید)

وُہی ہے جو اپنے بندہ پر واضح آیات اُتارتا ہے تاکہ وہ تم سب کو اندھیرے سے نُور کی طرف نکال لائے۔ تحقیق کہ اللہ تم سب پر مہربانی کرنے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ (المجادلہ)

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، ذلیل کیے جائیں گے، جس طرح اُن سے پہلے (مخالفتِ حق کرنے والے) ذلیل کیے گئے اور ہم نے تو کھلی آیتیں اُتار دی ہیں اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

قرآن مستحق تلاوت ہے

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ (البقرہ)

جنھیں ہم نے الکتاب (یعنی قرآن پاک) دیا ہے، وہ اُس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں، وُہی لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اور جن لوگوں نے اس سے (یعنی اس کی ہدایتوں سے) انکار کیا، وہ خسارے میں ہیں۔

یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ کے معنی مجاہد سے مروی ہیں یَعْمَلُوْنَ بِہٖ حَقَّ عَمَلِہٖ یعنی اس پر عمل کرتے ہیں جیسا عمل کرنے کا حق ہے۔ تلاوت کہتے ہیں پوری پوری پیروی کرنے کو، خواہ جسم سے ہو یا اقتدا حکم سے۔ چنانچہ ایسے ہی لوگ اس کتاب کے ماننے والے ہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ اس کتاب کے ماننے کا محض زبانی دعوے کرتے ہیں۔

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ

سو جب آپ قرآن پڑھیں، تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیے حقیقت یہ ہے کہ اس کا کوئی غلبہ اُن لوگوں پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا غلبہ صرف اُن ہی لوگوں پر ہے، جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کے

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ (۱۶ النحل)

وسوسہ کی وجہ) سے شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ
بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا
وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ
وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ (۱۵ بنی اسرائیل)

چنانچہ جب کبھی آپ نے قرآن پڑھا، تو ہم نے آپ کے اور اُن لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہیں، ایک حجاب مستور ڈال دیا ہے اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیا تاکہ وہ اسے (یعنی قرآن کو) نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں گرانی ڈال دی اور جب کبھی آپ قرآن میں اپنے واحد رب کا ذکر کرتے ہیں، تو وہ نفرت سے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ
عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

(۱۵ بنی اسرائیل)

اور ہم نے قرآن (سورتوں میں) جدا جدا کر کے نازل کر دیا تاکہ آپ ٹھیر ٹھیر کر لوگوں پر پڑھیں اور اسی غرض سے تھوڑا تھوڑا کر کے ہم نے اسے نازل (بھی) کیا۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ (۲۰ النمل)

مجھے حکم ہے کہ میں قرآن کی تلاوت کروں، سو جس کسی نے ہدایت اختیار کی تو اپنے لیے ہدایت اختیار کی اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے، تو آپ صاف کہ دیں کہ میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

قرآن حکمت اور تزکیہ کی تعلیم ہے

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ
وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(۲ البقرۃ)

جس طرح ہم نے تمھیں میں سے تم میں ایک رسول بھیجا ہے، جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور تم کو (یعنی تمہارے دلوں کو) پاک کرتا ہے (یا یوں کہو تمہاری اصلاح کرتا ہے) اور تم سب کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے، جو تم سب (پہلے) نہیں جانتے تھے۔

قرآن خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

جب اُن سے کہا گیا کہ (اس کتاب کا) اتباع کرو، جو اللہ نے

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (پ ۲)

اُتارا ہے، تو کہتے ہیں، بلکہ ہم اُس کی پیروی کریں گے، جس پر اپنے آباء کو پایا، خواہ اُن کے آباء عقل سے کام لیتے ہوں نہ ہدایت پر ہوں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ (پ ۲)

یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے یہ کتاب (یعنی قرآن) حق کے ساتھ نازل کیا اور جن لوگوں نے الکتٰب (یعنی قرآن پاک) میں اختلاف کیا، وہ انتہائی ضد میں ہیں۔

ابو الکلام صاحب آزاد اپنے مخصوص طرز میں اس آیت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں: "اور جن لوگوں نے کتاب اللہ (کے احکام) میں اختلاف کیا ہے (باوجودیکہ اس کے واضح اور قطعی احکام میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہ تھی)، تو وہ تفرقہ و مخالفت کی دور دراز راہوں میں کھوئے گئے ہیں. چنانچہ اس آیت کے بعد جو آیت ہے، وہ قابلِ غور ہے۔ اللہ کہتا ہے، یہ کوئی نیکی کی بات نہیں کہ تم پورب کا رُخ کرتے ہو، یا پچھم کا، یا از قبیل فروعات، مثلاً آمین بالجہر و آمین بالخفی۔ داڑھی، مونچھیں رکھنا وغیرہ۔ ان سب باتوں میں تو نیکی نہیں ہے۔ نیکی کی بات تو یہ ہے اور یہی قرآن سکھانے آیا کہ اللہ پر، آخرت کے دن پر، یعنی اپنے اعمال کی جواب دہی اور احتساب پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر، اللہ کے نبیوں پر ایمان و یقین، خدا کی راہ میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں کے لیے بلا چون و چرا نکالو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اپنی بات، اپنے قول کے پکے ہوں، تنگی اور مصیبت کے وقت خوف و ہراس کے وقت، ہر حالت میں صابر و شاکر ہوں (جن لوگوں میں یہ نشانیاں پائی جائیں)، تو ایسے ہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔"

میری التماس ہے کہ قرآن پاک کھول کر اُن آیات کا بغور مطالعہ کیجیے اور یقین جانیے کہ فروعی اختلاف کرنے والے پورے شقاق میں ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۚ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (پ ۷)

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) خدا نے نازل فرمائی ہے، اُس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو، تو کہتے ہیں "جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، وہی ہمیں کافی ہے" خواہ اُن کے باپ دادا جاہلِ مطلق اور گمراہ ہی ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ
رِسٰلَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(٦٧ / ٥)

اے رسول (صلعم) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا (وہ پیغام بلا کم و کاست) پہنچا دیجیے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اُس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا کیوں کہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا (یعنی اُن کے منصوبے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ
ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ
فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى
عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ
الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(٤ تا ٦ / ٢٥)

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنائی ہیں اور اور لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے۔ یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر اُتر آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اُس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح و شام اُس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ کہ دیجیے کہ اس کو اس نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰي
قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝
بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ
زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً
اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰۗؤُا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝
وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰي بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ۝
فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۝
كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

(١٩٢ تا ٢٠٠ / ٢٦)

اور یہ جہانوں کے رب کی طرف سے اُتارا ہوا، روح الامین اس کو لے کر اُترتے ہیں آپ کے قلب پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ واضح عربی زبان میں (یہ کتاب اُتری) اور تحقیق کہ یہ (پیشین گوئی) پہلے صحیفوں میں ہے۔ کیا ان کے لیے یہ نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء اسے جانتے ہیں۔ اگر ہم اسے عجمیوں میں سے کسی پر اتارتے اور وہ اسے اُن پر پڑھتا (یعنی پڑھ کر سناتا)، تو (یوں بھی) اس پر ایمان نہ لاتے (یعنی اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین نہ کرتے) اس طرح کی (کج بحثی کی) باتیں ہم نے (بپاداش جرم میں) مجرموں کے قلب میں داخل کر دی ہیں۔

کس قدر اہتمام اس کے نزول میں کیا جاتا ہے، یعنی اس روح کے ذریعہ سے نازل کیا جاتا ہے، جو امین ہیں۔ اس انسان کے متعلق جس کے ذریعہ سے وحی ہمیں پہنچائی گئی، ناقابلِ انکار تاریخی شہادتیں ہیں کہ آپ اس قدر امین تھے کہ آپ کا لقب ہی لوگوں نے امین رکھ دیا تھا۔ اُس فرشتہ کے متعلق جس کے ذریعہ سے وحیٔ اتری، خدا کہتا ہے کہ وہ بھی امین ہے۔ چنانچہ اس امانت میں کہیں خیانت نہیں ہوئی ہے، بلکہ بہ تمام و کمال اللہ کی طرف سے انسان تک پہنچا یا گیا۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ○ (۶:۲۷)	اور تحقیق کہ آپ کو قرآن خدائے حکیم و علیم کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے۔

پھر بھی بعض حضرات کو اصرار ہے کہ حکمت خارج از قرآن کوئی شے ہے۔

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (۳:۴۲) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ○ (۵۱-۵۳:۴۲)	خدائے غالب و دانا ہی طرح آپ کی طرف وحی کرتا ہے، جس طرح آپ سے پہلے لوگوں پر (وحی آتی رہی ہے) (یعنی یہ وحی ایک قانون کے مطابق نازل ہوئی) اور کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے بات کرے، مگر وحی (کے ذریعے) سے، یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیامبر بھیج دے، تو وہ خدا کے حکم سے جو خدا چاہے وحی کرے۔ بے شک وہ عالی رتبہ (اور) حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے آپ کی طرف ایک کلام (قرآن) وحی کیا۔ آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو، لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتے ہیں، خدائے ارض و سما کے راستے کی طرف۔ خدا ہی کی طرف تمام کام لوٹتے ہیں
حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○ (۱-۳:۴۰)	حٰم۔ کتاب کا اُتارنا اللہ غالب علم والے کی طرف سے ہے، گناہ کا بخشنے والا، توبہ کا قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا صاحب کرم، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کی طرف انجام کار جانا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ (۴۵)
الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ
الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (۵۵)
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمَا
لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۶۹: ۳۸ تا ۴۳)
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ (۷۶)

حٰم۔ الکتاب کا اُتارنا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے۔
رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ (اُسی نے) انسان کو پیدا کیا (اُسی نے) اس کو (یعنی انسان کو) بیان سکھایا۔
تو ہم اشیاء کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جو تمہیں نظر آتی ہیں اور اُن کو جو نظر نہیں آتیں تحقیق یہ (قرآن) رسولِ کریم کا قول ہے اور کسی شاعر کا قول نہیں۔ تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو اور نہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (یہ تو) جہان کے رب کی طرف سے اُتری ہوئی (کتاب) ہے۔
تحقیق ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا۔ رفتہ رفتہ۔

قرآن حق ہے

الٓمّٓ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ
التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ
قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝
(۳)

الف۔ لام۔ میم۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی الحی (ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے) وہی القیوم (ہمیشہ قائم رہنے والا) ہے۔ اس نے آپ پر کتاب حق نازل کی۔ تصدیق کرنے والی اُن کتابوں کی، جو اس سے پہلے تھیں اور اُسی نے توراۃ و انجیل نازل کیں اگلے لوگوں کی ہدایت کی غرض سے اور (اب) الفرقان (حق و باطل، کھرا کھوٹا الگ کر دینے والا اور اس کتاب پر پورا پورا عمل کرنے سے انسان میں بھی حق و باطل کے امتیاز کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ
وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّ
اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
(۴: ۱۰۴-۱۰۵)

(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ خدا کی ہدایت کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کیجیے اور دغا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کیجیے اور خدا سے بخشش مانگیے بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۞ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞

ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے، جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان پر نگہبان پس چاہیے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق آپ ان لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے، لوگوں کی خواہشوں (کی) پیروی نہ کریں۔ لوگو! ہم نے تم میں سے سب کے لیے ایک شریعت و طریق مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا، تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتا، لیکن تمھیں جو اس نے دیا ہے، اس میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں سبقت کرو۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمھیں تمھارے اختلافات سے مطلع کرے گا اور اے پیغمبر ان لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ کیجیے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجیے اور ان کے فتنوں سے بچتے رہیے! ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کی نازل کردہ (کتاب) کی کسی بات سے ہٹا دیں۔

پھر اگر وہ سب پھر جائیں (یعنی نہ مانیں)، تو آپ جان لیں کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور لوگوں میں سے کثیر تعداد فاسقوں (یعنی نافرمانوں) کی ہے کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہش مند ہیں اور اہل یقین کے لیے اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے؟

(۴۸ تا ۵۰)

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۞ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ

کہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمھیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزا چکھا دے۔ دیکھو! ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں اور اس (قرآن) کو تمھاری قوم نے جھٹلایا، حالانکہ

وَهُوَ الْحَقُّ ۚ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

(۶۵ تا ۶۷)

وہ سراسر حق ہے۔ کہ دو کہ میں تمھارا داروغہ نہیں ہوں۔ ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور تم کو عن قریب معلوم ہو جائے گا۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۚ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝

(۳۵ تا ۳۳)

ان سے پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کوئی بھی ایسا ہے جو کسی مخلوق کو ابتداءً پیدا کرے اور پھر اُس کو دوبارہ بنائے۔ کہ دیجیے کہ خدا ہی ہر شے کو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور اس کی دوبارہ پیدائش کا سامان کر دیتا ہے۔ پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو؟ پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کوئی بھی ایسا ہے کہ حق کی طرف ہدایت کرتا ہو؟ کہ دیجیے کہ صرف اللہ ہی (یقینی طور پر) حق کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے (وہ) زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، یا وہ (شخص) جو خود ہدایت نہیں پا سکتا جب تک کوئی اُسے رستہ نہ دکھائے، تو تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسا حکم لگاتے ہو؟

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (۱۰۸ تا ۱۰۹)

کہ دیجیے! لوگو! تمھارے پروردگار کے ہاں سے تمھارے پاس حق آ چکا ہے۔ تو جو کوئی ہدایت کرتا ہے تو (اُس) ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے، تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اور میں تمھارا وکیل نہیں ہوں اور آپ کو جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کیجیے اور صبر کیجیے، یہاں تک کہ خدا فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(۱۲۰)

اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں اُن سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس (کتاب) میں آپ کے پاس حق آ گیا (اور اس میں) مومنوں کے لیے وعظ اور نصیحت ہے۔

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (رعد)

المرا۔ یہ کتاب کی آیات ہیں جو کچھ نازل ہوا آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ (امر) حق ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے (یعنی اکثروں کو اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین ہی نہیں آتا)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۱۴ آخری سے پہلے)

کہہ دیجیے کہ اس کو روح القدس آپ کے پروردگار کی طرف سے لے کر نازل ہوئے ہیں، تاکہ یہ (قرآن)، مؤمنوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمین کے لیے ہدایت اور بشارت ہے اور ہمیں معلوم ہے، یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے، مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (تو) صاف عربی زبان ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲)

تاکہ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ (یعنی قرآن) آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے۔ پس اس پر ایمان لائیں پس ان کے قلوب اس کے (یعنی اللہ کے) آگے عاجزی کرنے لگیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے، سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

(۶/۳۴)

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے، وہ حق ہے اور عزت و حمد والے خدا کی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

کاش! ہمارے علماء اور قائدین پر یہ راز کھل جائے کہ یہی کتاب قوم کو غلبہ و حمد کے اوصاف سے متصف کر سکتی ہے۔

وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

(۳۱/۳۵)

اور جو ہم نے آپ کی طرف کتاب سے وحی بھیجی ہے وہ حق ہے، تصدیق کرنے والی (ان کتابوں کی) جو اس سے پہلے (آئیں)، تحقیق اللہ اپنے بندوں کے خیالات سے خبردار اور بینا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝

اِس کتاب کا اُتارنا اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے، تو خدا کی عبادت کیجیے خالصتہً اُسی کے ہو کر۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ (۵۲-۵۳ / ۴۱)

کہیے کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) خدا کی طرف سے ہو، پھر تم اس سے انکار کرو، تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے، جو (حق کی) پرلے درجے کی مخالفت میں ہو۔ ہم عن قریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود اُن کی قوم میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ (۱۷ / ۴۲)

اللہ وہ ہے جس نے کتاب کو حق اور ترازو (عدل) کے ساتھ اتارا اور آپ کیا جانیں، شاید ساعت (یعنی قیامت) قریب ہی ہو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝ (۴۱ / ۳۹)

تحقیق ہم نے آپ پر لوگوں (کی ہدایت) کے لیے حق کے ساتھ کتاب اتاری، سو جس کسی نے ہدایت پائی، تو اپنے نفس کے لیے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے، تو اس کے گمراہ ہونے کا وبال اُسی پر ہے اور آپ ان سب پر وکیل نہیں ہیں (یعنی ذمہ دار نہیں ہیں)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۶ / ۴۵)

یہ اللہ کی آیات۔ ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں تو اللہ اور اُس کی آیات کے بعد کس بات پر لوگ ایمان لائیں گے؟

قرآن اصول ہے

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ

وُہی ہے جس نے آپ پر کتاب اُتاری، اس میں محکم آیات ہیں، جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں، تاکہ

زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (۳/۷)

فتنہ برپا کریں اور اس کی (من مانی) تاویل کریں، حالاں کہ اس کی حقیقت اللہ جانتا ہے اور وہ لوگ جو علم میں پختگی حاصل کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم اس (پوری کتاب) پر ایمان لائے ہیں۔ سب ہی ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔

قرآن علم ہے

لَٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ○ (۴/۱۶۶-۱۶۷)

لیکن خدا نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے، اُس کی نسبت خدا گواہی دیتا ہے کہ اُس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو خدا ہی کافی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کے رستے سے روکا وہ رستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔

وَلَقَدْ جِئْنَاهُم بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ (۷/۵۲)

اور کچھ شک نہیں کہ ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں، جس کو ہم نے علم کے ساتھ ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر مفصل بیان کیا ہے۔

كَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ○ (۱۳/۳۷)

اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی (زبان کا) فرمان (بنا کر) نازل کیا ہے اور اگر آپ علم کے آنے کے بعد اُن لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے چلیں گے، تو خدا کے سامنے کوئی نہ آپ کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

قرآن دینِ کامل ہے

الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ

آج وہ لوگ جو کافر ہیں تمہارے دین سے ناامید ہو گئے، سو اُن سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارا دین تمہارے

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (۵:۳)	لیے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہُوا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اندھیرا چھایا ہُوا تھا جب کہ وحی کے نزول کا فیصلہ ہُوا اور وحی آنا شروع ہوئی۔ چنانچہ وحی کی تکمیل ہی کے ساتھ دن یعنی روشنی کا ظہور بھی ضروری ہے اور جیسا کہ خداوندِ عالم نے کہا ہے کہ جب جب بھی دنیا میں اندھیرا چھایا، اس کے ازالہ کے لیے رسول اور وحی بھیجی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ وحی میں نے آپ مکمل کر دی اور آئندہ اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اس لیے الیوم سے مراد ہم سبھوں کا زمانہ ہے، جنھیں مکمل وحی عطا ہوئی ہے، کسی اور وحی کے آنے کی حاجت نہیں۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷۷:۵۰)	اس کے بعد (یعنی قرآن کے بعد) یہ لوگ اور کون سی حدیث (یعنی بات یا کلام) پر ایمان لائیں گے؟

یعنی اگر قرآن سی کتاب کسی شخص یا کسی قوم کی ہدایت کا موجب نہیں ہوسکتی ہے تو پھر لوگ کون سی بات سے اور کس کلام سے ہدایت حاصل کر سکیں گے؟

قرآن تمام صداقتوں پر مصدق ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (۴:۴۷)	اے لوگو! جنھیں کتاب دی گئی، ایمان لاؤ (اس کتاب پر) جو ہم نے نازل کی تصدیق کرنے والی (ان کتابوں کی) جو تمہارے پاس ہے، قبل اس کے کہ ہم چہرے مسخ کر دیں (یعنی قومی سرخروئی اور قومی دبدبہ مٹا دیں) پس ان پر ذلت وارد کریں یا ان پر لعنت کر دیں جس طرح کہ ہم نے سبت والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم تو ہو کر ہی رہے گا۔

کس قدر سخت وعید ہے! کاش ہم سمجھیں اور اسے اوپر کی بشارت سے موازنہ کریں۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۲:۱۱۱)	یہ (کتاب یعنی قرآن) کوئی افترا کی ہوئی حدیث (یعنی بات نہیں ہے) بلکہ گذشتہ کتابوں کی تصدیق ہے۔ (اس میں) ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اُن کے لیے جو ایمان لائے ہوں۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۲۶)

اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب تھی (لوگوں کے لیے) پیشوا اور رحمت اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اُسی کی تصدیق کرنے والی تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکوکاروں کو خوش خبری سنائے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(۲۹-۳۰ / ۴۶)

اور جب ہم نے جنوں کے کچھ لوگ آپ کی طرف پھیر دیے کہ وہ سب قرآن سنیں، پھر جب وہ حاضر ہوئے اس کے (یعنی تلاوت قرآن کے) پاس، تو بولے کہ خاموش رہو (یعنی غور سے سنو) پھر جب وہ (تلاوت) ختم ہو گئی، تو لوٹ گئے اپنی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے اور (ان سے) کہا کہ اے ہماری قوم! تحقیق سنی ہے ہم نے ایک کتاب، جو (حضرت) موسیٰ کے بعد اُتاری گئی ہے تصدیق کرنے والی (اُن کتابوں کی) جو پہلے (اُتاری جا چکی) ہیں اور ہدایت کرتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف۔

قرآن بے اختلاف ہے

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۸۲/۴)

پھر کیا قرآن میں تدبر (یعنی غور و فکر) نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

اَلَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۹۱ تا ۹۳ / ۱۵)

جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور ہی باز پُرس کریں گے اس کے متعلق جو وہ عمل کرتے تھے۔

ہم ان آیات کے یہ معنی سمجھتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ کے متعلق قرآن سے استفسار کیا جائے، تو اس کی یہ ترکیب نہیں ہونی چاہیے کہ کہیں کسی ایک ٹکڑے سے حکم لگا لیا جائے، بلکہ چاہیے کہ اس مسئلہ کے متعلق جتنی آیات ہیں سب یک جا جمع کر کے دیکھیں کہ کیا مطلب نکلتا ہے، پھر حکم لینا چاہیے۔ ہمارے اس خیال کی تصدیق عما کانوا یعملون سے ہوتی ہے، یعنی باز پُرس اُن کے عمل کے متعلق ہو گی اور یہ مرض ہم میں عام ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے مخصوص حصوں کو لے لیا اور اس سے ایک حکم نکال لیا، حالاں کہ تفصیل سے قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے، تو برعکس مطلب نکل آئے۔

قرآن نور و برہان ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

(۱۷۵-۱۷۶ / ۴)

اے لوگو! یقیناً تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آگئی ہے اور ہم نے تمہاری طرف چمکتا ہوا نور نازل کیا (یعنی اندھیرے اور کفر و ضلالت کا قطعی دفعیہ کر دیا) پس جو لوگ خدا پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑے رہے ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور اپنی طرف سے سیدھا راستہ دکھائے گا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(۱۵-۱۶ / ۵)

یقیناً تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آگئی ہے۔ اس کے (یعنی اس کتاب کے) ذریعے اللہ اُن لوگوں کو جو اس کی رضا کی پیروی کرتے ہیں، سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو شک و گمراہی کے اندھیرے سے روشنی (یقین) کی طرف نکال لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ (صراطِ مستقیم) کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

اس کتاب کو تشبیہ دی ہے ایک چمکتے ہوئے نور سے۔ کیا روشنی کی یہ تعریف ہے کہ اُس کے آنے کے بعد بھی اندھیرا باقی رہے اور دوسری روشنیوں کی ضرورت باقی رہے، یا یہ کہ عمدہ چمکتی ہوئی روشنی کے بعد اندھیرے کا امکان ہی نہ ہو؟ اگر ہم عقل سے کام لیں تو سمجھ سکتے ہیں کہ یہ وہ اعلیٰ روشنی ہے، یہ وہ اعلےٰ کتاب ہے، جو دنیا بھر کی تاریکیوں کو دُور کرنے اور گتھیوں کو سلجھانے کے لیے کسی اور روشنی یا کسی اور کتاب کی قطعاً محتاج نہیں۔ غور کیجیے: گمراہی کی تمثیل ظلمات سے دی جاتی ہے جو جمع ہے۔ گمراہیاں بہتیری ہو سکتی ہیں، مگر ہدایت کی تمثیل نُور سے دی، جو واحد ہے۔ کیوں کہ ہدایت صرف ایک ہی ہو سکتی ہے ہر رستہ صراطِ مستقیم نہیں ہو سکتا۔ صراطِ مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ باقی راہوں میں کجی یا گمراہی ہو گی۔ مثلہ و معہ بنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اِس قسم کی تاویلوں کا نتیجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ صراطِ مستقیم جو صرف ایک ہی ہے اس سے انسان بھٹکتے جائیں؛ اگر ہمیں صدق دل سے یقین ہو جائے

کہ یہی وہ شمع ہدایت ہے، جو من جانب اللہ ہے، تو پھر اس کے سوا ہر حکم کو دُور سے سلام کریں اور صرف اسی کتاب کے صحیح معنوں میں مطیع ہو جائیں۔

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ۬ بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ

الرا۔ کتاب، ہم نے اسے نازل کیا آپ کی طرف، تاکہ آپ لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالیں، اپنے رب کے حکم سے۔ عزت والے، خوبیوں والے خدا کی راہ کی طرف۔

اِس کتاب کا یہ زبانی دعویٰ نہیں ہے، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کتاب نے عرب قوم کو جن کی زبان میں یہ کتاب اُتری، ایک سخت گمراہی اور تاریکی سے نکال کر انتہائی ترقی و فلاح کی راہ پر چلا دیا، وُہ راہ جس کی تعریف ہر مورخ نے کی ہے۔

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ۝ (تغابن)

تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اُتارا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔

اور نور سوا ے قرآن پاک کے اَور کیا ہے؟

قرآن حکم ہے

فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝ (مائدہ)

مسلمانو! تم لوگوں سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو (یعنی محض دنیوی فائدہ کے لیے اس کے معنی کو توڑ مروڑ کر نہ بیان کرو) اور جو لوگ اللہ نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی لوگ کافر ہیں۔

کیا جو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اُس کا اس کتاب پر ایمان ہو سکتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے، اگر یہ دل سے یقین ہو جائے، کہ اس کے ذریعے خود اللہ ہمیں حکم دے رہا ہے، تو پھر مثلاً، و معاکی ضرورت نہیں رہتی اور جو حضرات ایسا کریں، تو وہ صریح طور پر اس کتاب کو اللہ کا حکم نہیں سمجھتے، بلکہ اُن کے نزدیک یہ ایک کھیل ہے، جس کی تردید یا تبدیلی کسی دوسرے کے احکام یا اسناد کر سکتے ہیں۔

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ (پ۸)

کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم دینے والا تلاش کروں، حالاں کہ وہی ہے (سب سے بہتر حکم دینے والا) جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی، وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ (یہ کتاب) اتاری گئی ہے، سو آپ جھگڑنے والوں میں سے نہ ہوں۔

حکم صرف ایک ہی کا چل سکتا ہے اور حکم کی تعریف ہی یہ ہے کہ مفصل ہو یعنی بعد کو حجت نہ باقی رہے۔ چنانچہ رسول صلعم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ کیا خدا سے بہتر بھی کوئی حکم دینے والا ہو سکتا ہے جس نے اس قدر واضح و مفصل احکام نازل فرمائے؟ بہرحال اگر انتہائی چمکدار روشنی کے بعد کسی کو اور روشنیوں، چراغوں یا شموں کی ضرورت باقی رہے، تو اس کے متعلق کیا کہا جائے؟ چنانچہ حکم ہے کہ جھگڑا فضول ہے۔ دیدۂ بینا کو روشنی سے استفادہ حاصل کرنا چاہیے۔ ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

قرآن سب لوگوں کے لیے ہے

قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ بَلَغَ ؕ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً أُخْرٰى ؕ قُلْ لَّا أَشْهَدُ ؕ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ (پ۷)

کہہ دیجیے! (یعنی دریافت کیجیے) کہ کس کی شہادت سب سے بڑی ہے؟ کہہ دیجیے کہ اللہ میرے اور تم سب کے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے، تاکہ میں تم سب کو اور جن تک (یہ قرآن) پہنچے، ڈراؤں۔ کیا تم لوگ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ کہہ دیجیے کہ میں (تو یہ) گواہی نہیں دیتا۔ کہہ دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور میں اس سے بیزار ہوں، جو تم شرک کرتے ہو۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (پ۱۳)

یہ (قرآن) لوگوں کے نام پیغام ہے (اللہ کا) تاکہ انھیں ڈرایا جائے (بُری باتوں کے بُرے انجام سے) تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۲۸/۳۴)

ہم نے آپ کو تمام ہی لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بناکر) بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں سمجھتے (یعنی اس کتاب کو ایسا نہیں جانتے ہیں)

قرآن بابرکت ہے

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (۹۲/۶)

اور یہ کتاب ہم نے اتاری ہے، بابرکت ہے، تصدیق کرنے والی ہے (اُن کتابوں کی) جو اس سے پہلے آئیں، تاکہ آپ اُم القریٰ (یعنی مکہ) کو اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو ڈرا سکیں اور جو لوگ آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں وہ اس (کتاب) پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں (یعنی کما حقہ نماز ادا کرتے ہیں)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۱۵۵/۶)

اور یہ کتاب، ہم نے اتارا ہے اسے، مبارک ہے پس اس کا اتباع کرو تم سب اور تقویٰ اختیار کرو تم سب تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت نازل کی جائے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ (۵۰/۲۱)

اور یہ ذکر مبارک ہے، ہم نے اُتارا ہے اِسے۔ تو کیا تم اس کے منکر ہو (یعنی انکار کی مطلق گنجائش نہیں، پھر بھی لوگ انکاری ہیں)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۲۹/۳۸)

برکت والی کتاب ہم نے اتاری آپ کی طرف تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور تاکہ عقل مند اصحاب اس سے نصیحت اخذ کریں۔

قرآن بصیرت ہے

قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ

یقیناً آگیا بصیرت افروز بیان تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے جس نے اسے دیکھا وہ اس کے اپنے نفس کی بھلائی کے لیے ہے اور جو اندھا بنا، تو اس کا وبال اسی (شخص) پر ہے اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ اسی طرح ہم آیات کو وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ کہیں کہ آپ نے ٹھیک پڑھ دیا اور تاکہ اہلِ علم

یَعْلَمُوْنَ ○ (۱۰۶-۱۰۵/۹)
قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۲۰۴-۲۰۳/۷)

کے لیے وضاحت سے ہم بیان کردیں۔
کہ دیجیے تحقیق کہ میں تو صرف اس کا اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میری طرف اُتارا گیا۔ یہ (قرآن) بصیرت افروز ہے تمہارے رب کی جانب سے اور ہدایت و رحمت اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے (غور سے) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحمت نازل کی جائے۔

خدا کی رحمت کے نزول کی شرط یہ ہے کہ قرآن غور سے خاموش رہ کر سنو تاکہ قلب پر اس کی ہدایت کا اثر ہو۔ یہی خدا کی رحمت ہے۔ چنانچہ قرآن اسی طرح سمجھ کر سُننا چاہیے

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ○ (۲۰/۴۵)

یہ بصیرت افروز (بیان) ہے لوگوں کے لیے۔ ہدایت و رحمت اُن لوگوں کے لیے، جو یقین رکھتے ہیں۔

قرآن مفصّل ہے

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ○ (۶/۱۱۴)
وَ هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ○ (۶/۱۲۶)

کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم دینے والا تلاش کروں، حالانکہ وُہی ہے (سب سے بہتر حکم دینے والا) جس نے تمہاری طرف مفصّل کتاب اُتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی، وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ (یہ کتاب) اُتاری گئی ہے، سو آپ جھگڑنے والوں میں سے نہ ہوں۔
اور یہی ایک (کتاب یا اسلام) آپ کے رب کا سیدھا رستہ ہے، یقیناً ہم نے آیات واضح کردی ہیں ان لوگوں کے لیے، جو پند و نصیحت پر دھیان دیتے ہیں۔

ذرا غور کیجیے ان الفاظ کو ٹھنڈے دل سے قلب پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجیے کہ کیا ہم تیار ہیں اس کی پند و نصیحت پر عمل کرنے کو؟

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ٥ (۵۲/۷)

اور کچھ شک نہیں کہ ہم اُن کے پاس ایسی کتاب لائے ہیں جس کو ہم نے علم کے ساتھ ایمان دار لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنا کر مفصل بیان کیا ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ٥ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ (۳۶ تا ۳۸/۱۰)

اور ان میں سے اکثر سوائے ظن کے اور کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے۔ یقیناً ظن حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتا۔ جو وہ کرتے ہیں، بے شک اللہ کو معلوم ہے اور یہ قرآن ایسی (کتاب) نہیں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لائے، بلکہ یہ تصدیق کرنے والی ہے (اُن کتابوں کی، جو پہلے سے ہیں اور (قرآن) بلاشبہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے کتاب (فطرت) کی تفصیل ہے۔ کیا (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اسے (اپنی طرف سے) افترا کیا ہے، تو کہ دیجیے کہ ایک سورۃ (بھی) اس کے مثل لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو (مدد کے لیے) بلا لو، اگر تم سچے ہو۔

قرآن ہی کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے اور اس میں خود اللہ کی طرف سے بندوں کے نام احکام ہیں اور اس کے سوا جتنے احکام ہیں، خواہ رسولؐ کی طرف منسوب ہوں یا کسی امام کی طرف، یقین کا درجہ نہیں رکھتے، ظن کی حد سے آگے نہیں بڑھتے، تو خداوند عالم کہتا ہے کہ ظن کا اتباع کیوں کر حق کے اتباع کے برابر ہو سکتا ہے اور قلب میں وہ یقین، وہ ایمان کیوں کر پیدا کر سکتا ہے، جو صرف قرآن کا خاصہ ہے؟

الٓرٰ ۟ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ٥ (۱/۱۱)

الٓرٰ۔ (یہ وُہ) کتاب (ہے) جس کی آیتیں پُر حکمت بنائی گئیں۔ پھر وہ (یکتائے) حکیم و خبیر (یعنی حکمت جاننے والے اور خبر رکھنے والے) کی طرف سے تفصیل کے ساتھ بیان کر دی گئیں۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝
وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا
فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۝
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ
شِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ
وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ
يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝

حٰم. کتاب بخشش والے مہربان کی طرف سے اُتری ہے. کتاب کی آیتیں مفصل کی گئی ہیں. قرآن عربی جاننے والے لوگوں کے لیے بشارت دینے والا ڈرانے والا. پر لوگوں میں سے اکثر نے اعراض کیا پس وہ نہیں سنتے.

اگر ہم اسے عجمی بناتے، تو یہ کہتے کہ اس کی آیات مفصل کیوں نہیں. عجمی کہاں اور عربی کہاں. کہہ دیجیے، یہ تو اُن کے لیے، جو ایمان لائے ہیں، ہدایت اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں اُن کے کانوں میں گرانی ہے؛ اور یہ قرآن اُن سبھوں کو نظر نہیں آتا. گویا وہ سب کسی دور جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (یعنی نہ آواز سُن سکتے ہیں نہ پکارنے والے کو دیکھ سکتے ہیں)

قرآن لاریب ہے

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (۹۳-۹۴: ۱۰)

اگر تم کو اس (کتاب کے) بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، کچھ شک ہو، تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اُتری ہوئی) کتابیں پڑھتے ہیں اُن سے پوچھ لو. تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے، تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا اور نہ ان لوگوں میں ہونا، جو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں؛ نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے.

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور دوسرے صحف آسمانی کا ماخذ در اصل ایک ہی ہے.

الٓمّٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

الف لام میم (اس) کتاب کا اُتارنا. بلاشبہ جہانوں کے رب کی طرف سے ہے. کیا لوگ کہتے ہیں، رسول نے اس کو افترا کیا. جی نہیں، وہ حق ہے آپ کے رب کی جانب سے، تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی نذیر (ڈرانے والا) نہیں آیا.

مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ٥ (ق ۳ پ ۲۱) — کہ وہ ہدایت پا سکیں۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (پ ۱) — یہ کتاب اس میں ذرا شبہ نہیں۔

قرآن بے مثل ہے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ (۱۳-۱۴ / ۱۱)

یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے) قرآن از خود بنا لیا ہے۔ کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو، تو تم بھی ایسی ہی دس سورتیں بنا لاؤ اور خدا کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا لو۔ اگر وہ سب (تمہارے مددگار) تمہاری نہ سنیں (یعنی اس امر میں تمہاری مدد نہ کریں) تو جان لو کہ وہ خدا کے علم کے مطابق اترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم بھی تسلیم کروگے؟ (یعنی اللہ کی بارگاہ میں جھک جاؤ گے؟)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ٥ (۱۵)

کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس (قرآن) جیسا بنا لائیں، تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

قرآن نصیحت ہے

طٰهٰ ٥ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ٥ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ٥ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ٥ (پ ۱۶)

طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ ناکام رہیں (یعنی قرآن کے احکام کی پابندی کا لازمی نتیجہ کامیابی ہے) بلکہ یہ تو تذکرہ (عمدہ نصیحت) ہے اس کے لیے، جو ڈرتا ہے اور اس (خدا) کی طرف سے اتارا ہوا ہے، جس نے زمین اور بلند آسمان بنائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (پ ۱۱)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت (یعنی اُن کے لیے جنہیں اس کتاب کے من جانب اللہ ہونے کا یقین ہے)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○ (۹)

بے شک ہم ہی نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○ (۴۴)

ہم نے آپ کی طرف ذکر (یعنی نصیحت نامہ) نازل کیا، تاکہ آپ بتادیں لوگوں کو، جو اتارا گیا اُن کی طرف کاش کہ لوگ غور وفکر کریں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا (۴۱)

اور یقیناً ہم نے اس قرآن، میں طرح طرح کی باتیں (دلیلیں) بیان کی ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور (باوجود ان باتوں کے) ان سبھوں کی نفرت بڑھتی ہی جاتی ہے۔

الٓمٓصٓ ○ كِتَابٌ أُنْزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنْذِرَ بِهِ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ○ اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ○ (۱تا۳)

الف، ل، م، ص۔ کتاب آپ کی طرف نازل کی گئی، تو آپ کے سینے میں کچھ حرج نہ ہو (یعنی آپ پریشان نہ ہوں کہ بہت کم لوگوں کو اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین آتا ہے)۔ (اس کتاب کی غرض تو یہ ہے کہ) آپ اس سے ڈرائیں (یعنی بدی کے انجام بد سے) اور (یہ کتاب) مومنوں کے لیے (پند و) نصیحت ہے۔ تم لوگ اس کی پیروی کرو، جو تمھارے رب سے تمھاری طرف اتاری گئی اور اس (کتاب) کے سوا اور اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ بہت ہی کم لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں۔

غور کیجیے ان الفاظ پر۔ اوروں کے احکام کو ماننا کس قدر مشکوک ہے۔ خدا جانے صحیح ہیں یا نہیں؟ جنھیں رسول اللہ صلعم کے زمانہ کی قربت حاصل تھی (جب کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کو ایک صدی بھی نہیں ہوئی تھی) اُن سے بھی اس وقت اس کا فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سی حدیث صحیح ہے، اور کون سی غلط؛ کون سی فقہ صحیح ہے اور کون سی غلط؟ اور آپس میں تفرقہ ہو کر رہ گیا، تو کیا یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آج صدیوں کے بعد اس تفریق کو ہم مٹا سکیں گے اور اگر مٹا سکیں، تو اس کی صرف یہی ایک صورت ہو سکتی ہے: لَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (یعنی، اس کے سوا اور اولیاء کی پیروی نہ کرو!

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (٣٥-٣٤ / ٢٤)

اور ہم نے تمھاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں، اُن کی خبریں اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝

(١١٤-١١٣ / ٢٠)

اور اسی طرح ہم نے اس کو اُتارا ہے قرآن عربی (میں) اور اس میں بار بار دلیل کے ساتھ وعید (یعنی بُرے کام کے بُرے انجام کا انتباہ) بیان کر دیا ہے، تاکہ وہ تقوے اختیار کریں یا اُن کے لیے کوئی نصیحت کا ذریعہ پیدا ہو جائے پس بلند درجہ اللہ سچے بادشاہ کا ہے اور آپ قرآن کے ساتھ جلدی نہ کریں قبل اس کے کہ اُس کی وحی آپ کے پاس تمام نہ ہو جائے اور کہیے (یعنی، یوں کہ دیجیے) کہ پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (١٠ / ٢١)

تحقیق ہم نے تمھاری طرف کتاب اُتاری۔ اس میں تمھارا ذکر ہے، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ ہے کہ یہ ذکر اور نصیحت ہے تم سب کے لیے یا یہ کہ آدم علیہ السلام کا ذکر کر کے یہ بتایا کہ ہماری طرف سے جو ہدایت جب آئے، تو جو اس پر عمل کرے گا، گمراہ نہ ہوگا،

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِىْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِىْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا ظالم اپنے ہاتھوں کو۔ کہے گا اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہمراہی کی ہوتی۔ ہائے میری بدبختی! کاش! میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ اُس نے تو نصیحت سے مجھے گمراہ کر دیا، بعد اس کے کہ وہ (نصیحت) مجھ تک پہنچ گئی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا نکلا اور رسول (یوں) بولے کہ اے پروردگار! ہماری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا ہے اور اسی طرح ہم نے

لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ ؕ
وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ وَقَالَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ
جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ
فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ وَلَا
يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ
اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝

(۳۱-۳۳ / ۲۵)

گنہ گاروں میں سے ہر نبی کے دشمن بنائے ہیں اور ہدایت دینے والا مدد دینے والا آپ کا رب کافی ہے اور جنھوں نے انکار کیا (اس کے من جانب اللہ ہونے سے) انھوں نے کہا کہ کیوں یہ قرآن نہیں اتارا گیا ان پر ایک جُملہ کی طرح (یعنی سب کا سب ایک ہی دفعہ) اس طور سے (مقصود یہ تھا) کہ ہم ثابت رکھیں اس سے آپ کے دل کو اور ہم نے اسے اچھی ترتیب سے مرتب کیا۔ وہ آپ کے پاس (کوئی اعتراض) نہیں لاتے ہیں، مگر یہ کہ ہم آپ کے پاس حق (جواب) اور عمدہ تفسیر لائے ہیں۔

یہ ہدایت بہت غور طلب ہے۔ ہم جواب دیں کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے کہ نہیں اور پھر ایسی قوم دشمنِ رسولؐ ہے یا نہیں؟ کیا محبتِ رسولؐ کے مدعی قرآن پر عمل کرکے بتائیں گے کہ سچے معنوں میں انھیں حبّ رسولؐ ہے؟ کیا اپنا اخلاقی معیار قرآن پاک کو قرار دیں گے، کیا قومی طور پہ یہ عہد کریں گے کہ ہم سب نمونۂ قرآن بن جائیں کہ دنیا کہے کہ مُسلم ایسے ہوتے ہیں، مُسلم کی یہ شان ہے۔ اگر ہم نے قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس پر عمل کرنے کا قومی طور پر تہیہ نہ کرلیا تو حبِّ رسولؐ کا محض زبانی دعویٰ ہے۔ ایسے لوگ دشمنِ رسولؐ ہیں جن کی وجہ سے رسولؐ کو یہ فرمانا ہوگا کہ میری ہی قوم نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ معاف کیجیے! اگر میں اپنی دو طولاز بڑی منظم جماعتوں، خاکسار اور مُسلم لیگ سے دریافت کروں کہ کیا یہ شرط اُن کی رکنیت میں شامل ہے کہ وہ قرآن پاک ضرور ہی ایک یا دو رکوع سمجھ کر پڑھیں گے اور جہاں پہ کوئی امر و نہی آجائے تو اُس پر عمل کرنا اُن کے لیے لازمی ہوگا۔ ہٹ دھرمی نہ کیجیے، اللہ کو گواہ رکھ کر اس کا جواب دیجیے۔ کیا آپ کے اراکین یا کم از کم رہنما ایسا کرتے ہیں؟ کیا یہ شرط ہے؟ اگر نہیں، تو قرآن پاک کو چھوڑ رکھنا آخر کسے کہتے ہیں؟

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ
كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

(۶۹-۷۰ / ۳۶)

اور ہم نے ان (پیغمبر) کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کے شایان ہے، یہ تو محض نصیحت اور واضح قرآن ہے تاکہ اُس شخص کو جو زندہ ہو، ہدایت کا رستہ دکھلائے اور کافروں پر بات پوری ہوجائے۔

اگر ہم میں زندگی کے آثار باقی ہیں اور قومی طور پر مُردہ نہیں ہوئے ہیں، جیسا کہ دنیا کی بعض قومیں

ہوگئی ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ اس کتاب پر عمل کرکے اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ اللہ سے امید تو ہے کہ ہمیں اس پرانے قومی مرض سے اس کتاب کے ذریعے نجات دے کر اعلیٰ مقام پر پہنچا دے گا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝ (۳۸: ۸۷-۸۸)	یہ قرآن تو اہل عالم کے لیے نصیحت ہے اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

ان آیات کی صداقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِى الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ (۳۸: ۱-۲)	ص۔ نصیحت بخش قرآن اپنی خوبیوں پر خود گواہ ہے؛ مگر جو لوگ (اس سے) انکار کرتے ہیں، وہ جھوٹی شیخی اور ضد میں ہیں۔
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (۵۰: ۴۵)	یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ پس جو ہمارے (عذاب کی) وعید سے ڈرے، اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیں۔
وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (۶۸: ۵۲)	اور یہ (قرآن) سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جہانوں (یعنی اہل جہاں) کے لیے نصیحت
وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ (۶۹: ۴۸-۵۲)	اور یہ کتاب، تو متقیوں کے لیے ایک تذکرہ (یعنی نصیحت) ہے اور ہم جانتے ہیں کہ بعض تم میں جھٹلانے والے ہیں اور بے شک یہ قرآن حسرت ہے کافروں پر اور تحقیق یہ قرآن حق الیقین (یعنی یقینی طور پر حق) ہے۔ پس آپ تسبیح کریں اپنے رب بزرگ کے نام کی۔
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ (۷۳: ۱۹)	یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے۔ سو جو کوئی چاہے، اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔
وَمَا هِىَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ (۷۴: ۳۱)	اور یہ نہیں ہے (کچھ)، مگر انسان کے لیے ایک نصیحت۔
كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝ (۷۴: ۵۴-۵۶)	کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے۔ تو جو چاہے، اسے یاد رکھے (یعنی نصیحت حاصل کرے) اور وہی لوگ یاد رکھتے ہیں (یا نصیحت پکڑتے ہیں)، جو اللہ سے توفیق پاتے ہیں، وہی (اللہ) ہے تقویٰ کا اہل اور وہ (اللہ ہی) مغفرت کا (بھی) اہل ہے۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ (عبس)

دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے، اُسے یاد رکھے (یعنی نصیحت حاصل کرے)، قابل ادب صحیفوں میں۔ بلند مقام اور پاک معزز اور نیک سفیروں کے ہاتھوں میں۔ (سفرۃ کے معنی بعضوں نے کاتب قرآن لیے ہیں کسی نے ملائکہ، کسی نے صحابہ کرام، کیوں کہ وہ سفیر ہیں آں حضرت صلعم اور ہمارے درمیان۔ واللہ اعلم بالصواب)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (التکویر)

اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں، پھر تم کدھر جا رہے ہو؟ وہ (قرآن) جہانوں (یعنی اہل جہان) کے لیے صرف ایک نصیحت ہے، اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھی راہ پر رہے اور تم نہیں چاہتے، مگر جو اللہ رب العٰلمین چاہے۔

قرآن شفا اور رحمت ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (بنی اسرائیل)

ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ کچھ اُتارتے ہیں، جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے خسارہ ہی بڑھتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس)

اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی اور دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت (یعنی ان کے لیے جنھیں اس کتاب کے من جانب اللہ ہونے کا یقین ہے)

قرآن محفوظ ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (الحجر)

بے شک ہم ہی نے اس نصیحت (یعنی قرآن) کو اتارا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ نہیں، بلکہ دشمنانِ اسلام تک کو اس کی صداقت تسلیم ہے۔ تیرہ صدیوں سے زیادہ عرصہ ہوا، جب اللہ نے وعدہ فرمایا تھا، مگر اُس زمانہ سے لے کر آج تک روئے زمین کے قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید نسخوں میں بھی کہیں ایک زیر، زبر، یا شوشہ تک کا فرق ثابت نہیں ہوا اور یہ دعویٰ سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ہمارے پاس اُسی ہیئت میں ہے، جس ہیئت میں رسولِ اکرم صلعم نے بہ حکمِ خداوندی ہم سبھوں کے لیے مرتب کر کے دی تھی۔ دنیا کی یہی ایک کتاب ہے، جس کے حافظ ایک دو نہیں، سینکڑوں ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ملیں گے اور دنیا کے ہر گوشہ میں ملیں گے۔ اسی سے خداوندِ عالم کے وعدے کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ دنیا میں خواہ کیسا ہی زلزلہ، کیسی ہی مصیبت آئے، یہ کتاب محفوظ رہ سکتی ہے اور یقیناً محفوظ رہے گی۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيمٌ ۝ فِى كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ أَفَبِهٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ (پ۲۷ ع۱۸ / ۵۶)

تو میں نجوم (تاروں یا بعض کے نزدیک قرآن کے حصوں) کی منزلوں کی قسم کھاتا ہوں اور تحقیق یہ بہت بڑی قسم ہے اگر تم سب (غور و فکر کرو تو)، یقیناً یہ قرآن کریم (بزرگ یا یہ کہ نفع پہنچانے والا)، پردوں میں لپٹی ہوئی (کتاب ہے) اس (کے حقائق) کو نہیں چھونے پاتے، مگر پاک لوگ۔ جہانوں کے رب کی طرف سے اُتری ہوئی (کتاب)، تو کیا تم سب اس کلام کو جھوٹا یا غلط کہتے ہو۔

بعض حضرات لا یمسہٗ الا المطہرون کے معنی یوں لیتے ہیں کہ قرآن پاک کو وضو کر کے چھونا چاہیے۔ یوں تو دلوں میں قرآن پاک کی عظمت کے یہی معنی ہونے چاہییں کہ اُسے عزت و حرمت سے اٹھائیں، مگر اللہ نے یہ ظاہرداری ہم پر فرض نہیں کی۔ خداوندِ عالم ان الفاظ میں ایک دعویٰ کرتا ہے کہ اُسے پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں، تو اگر اس کے یہ ظاہری معنی لیے جائیں، تو دعویٰ یقیناً غلط ثابت کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ غیر مطہرون بھی اسے چھو سکتے ہیں۔ اگر استعارۃً معنی لیے جائیں کہ پاک قلب والے اس کے معنی کو پا سکیں گے، تو دعویٰ یقینی صحیح ہے اور صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے۔ غور طلب ہے۔ اللہ کہتا ہے، انہ لقرآن کریم۔ یہ قرآن یقیناً ایک بزرگ شے ہے

فی کتاب مکنون - پردے میں پیٹی ہوئی۔ اس پردے کو چھونا یا اسے ہٹا کر قرآن کو پانا ہر قلب کا کام نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، لا یمسّہ الا المطھرون۔ ممکن ہے بعض اصحاب کو اس دلیل کی موزونیت پر اعتراض ہو، تو عرض ہے کہ میں نے جو مطلب سمجھا، بیان کر دیا اور یقینی طور پر اس کے صحیح معنی کیا ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝
فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝
ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝
(۱۶ تا ۱۹ / ۷۵)

آپ اس کے لیے زبان کو (جلد جلد) حرکت نہ دیں اس لیے کہ آپ اس کے پڑھنے میں عجلت کریں - ہم پر فرض ہے اس کا (یعنی قرآن کا) جمع کرنا اور اس کا پڑھنا (یعنی کس طرح سے پڑھا جائے) پس جس طرح ہم اس کو پڑھیں (یعنی قرات مقرر کر دیں) تو آپ اس قرأت کا اتباع کریں۔ پھر ہمارے ہی ذمہ اس کی وضاحت بھی (ہے)۔

اللہ کہتا ہے کہ ہمارے ہی ذمہ قرآن کا جمع کرنا بھی ہے، اس کی قرات مقرر کرنا بھی ہے اور اس کی یعنی اس کی آیات کی وضاحت بھی۔ یہ سب کام اللہ ہی کا ہے اور اسے اللہ نے انجام دیا ہے۔ چنانچہ مختلف آیات وسور کا جمع و قرات جس طرح اللہ نے رسول کو بتا دیا، رسول صلعم نے ہمیں بتا دیا۔ غور فرمائیے ان الفاظ پر "فاذا قرانہ فاتبع قرانہ" یعنی "جس طرح ہم اس کی قرات مقرر کر دیں، آپ اس قرات کا اتباع کریں"۔ چنانچہ رسول امین ؐ نے وہ ہم سب تک کما حقہ پہنچا دیا اور پھر ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ اس کی آیات کی وضاحت بھی ہمارے ذمہ ہے"۔ وہ کیوں کر؟ اس طرح کہ قرآن ہی خود قرآن کے مختلف حصوں کی توضیح ہے اور صحیح طریقہ اس کے سمجھنے کا یہ ہے کہ قرآن پاک کو قرآن حکیم سے سمجھا جائے۔ اللہ نے اس کا اہتمام کر رکھا ہے کہ قرآن کی ہر آیت کی وضاحت کہیں نہ کہیں کسی اور آیت سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ کا یہ دعوے اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ | بلکہ یہ تو قرآن مجید ہے لوح (سینہ) میں محفوظ۔

لوح کی مختلف تشریحیں ہیں۔ یہ بہر حال کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عرش پر یا زمین پر لوح محفوظ کون سی [illegible] قسم کی شے ہے۔ میں اس آیت کے یہ معنی لیتا ہوں کہ یہ قرآن تو ایک پاک برگزیدہ سا کلام ہے جو سینوں میں محفوظ رہتا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اور کسی کتاب یا مضمون کے حافظ کبھی نہیں سنے گئے۔ کسی دوسرے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ یوں آسانی سے قلب میں محفوظ ہو جاتا ہو۔

قرآن باعظمت ہے

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ٥ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ٥ (۸۶-۸۷/۱۵)

تحقیق آپ کا رب سب کا پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے اور بے شک ہم نے آپ کو دیں سات (باتیں، احکام یا آیات) جو دہرائی جانے والی باتوں کی قسم سے ہیں اور قرآن عظیم

مثانی کے لفظی معنی دہرانے یا دُہرائے جانے کے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء کا خیال ہے کہ سبع من المثانی سورہ الحمد شریف ہے کیوں کہ نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ مثانی توراۃ کا پانچواں پارہ ہے جس کو اب باب استثناء کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو ڈیرونومی کہتے ہیں، جو ایک یونانی لفظ ہے اور مثانی کا صحیح ترجمہ۔ وہی آیات ہیں، جنھیں یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دس احکام کہتے ہیں ان میں سے سات کی تصدیق قرآن پاک میں ہوئی (یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل، خون ناحق نہ کرنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جھوٹی گواہی نہ دینا، والدین کی عزت کرنا، ہمسایہ سے اپنے جیسی محبت کرنا) بہر حال جو بھی معنی ہو، ہمیں اس سے یہاں بحث نہیں، بلکہ ہمیں یہ کہنا ہے کہ اُس خلاق علیم نے آپ کو اس غرض کے لیے مخصوص فرمایا کہ آپ پر قرآن عظیم نازل کیا جائے۔ یہ عظیم کتاب کسی عظیم الشان انسان پر ہی اُتاری جا سکتی تھی۔ چنانچہ دونوں کی عظمت کے متعلق دنیا کے پاس نا قابل انکار شہادتیں موجود ہیں۔ وہ عظیم الشان ہستی ہم میں نہیں، لیکن اُس کے عظیم الشان کارنامے اور وہ عظیم الشان کتاب اللہ تو موجود ہے۔ کاش! اس کتاب کے عظیم الشان ہونے کا ثبوت ہم پھر ایک بار دنیا کو دکھا سکیں۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ٥ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ٥ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ٥ (۱۹-۲۱/۸۱)

تحقیق یہ رسول کریم کا قول ہے، جو قوت والے ہیں اور صاحب عرش کے پاس بڑا درجہ پائے ہوئے ہیں، مطاع (ایسا شخص جس کی اطاعت کی جائے) اور امین (یعنی امانت والا)

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ٥ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ٥ (۲۱-۲۲/۸۵)

بلکہ یہ تو قرآن مجید ہے لوح (سینہ) میں محفوظ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ٥

ہم نے اس کو (یعنی قرآن کو) لیلۃ القدر (شب قدر) میں اُتارا۔

لیلۃ القدر بعض حضرات کے نزدیک سال کی کوئی مختص شب ہے۔ جسے شب قدر کہتے ہیں اور

جو غالباً رمضان کے آخری عشرہ میں سے کوئی خاص رات ہے۔ مگر لیلۃ القدر کے معنی استعارتاً ایک قدر ضلالت بھی اور اس معنی میں اس سورۃ کی اور آیات بہت واضح ہو جاتی ہیں جن کا ترجمہ یہ ہوگا: ہم نے اسے ایک گمراہی کے زمانہ میں اتارا، جو قرب ہدایت کی وجہ سے قابل قدر ہے، لیلۃ القدر سے آپ نے کیا سمجھا؟" وہ ایک ایسا زمانہ ہے جو ہزار (یعنی ہزاروں) مہینوں سے بہتر ہے۔ اس زمانہ میں ملائکہ و روح (وحی) اترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے اور سلامتی ہی سلامتی ہے، یہاں تک کہ وحی مکمل ہوئی، یا طلوع فجر ہو گیا" یہ معنی استعارتاً لیے گئے ہیں، واللہ اعلم صحیح ہیں یا نہیں۔ میں تو اس معنی کو زیادہ قرین قیاس سمجھتا ہوں۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ○ (۹۸)	اللہ کی طرف سے رسول تلاوت کرتے ہیں (ان) پاک صحیفوں کی جن میں ہر قسم کے احکام یا کتابیں درج ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک میں صحیفوں یا کتابوں کے وہ احکام جنھیں ہمیشہ قائم رکھنا منظور تھا، اللہ نے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ اب اُن کتابوں سے احکام لینے کی ضرورت نہیں باقی رہی۔

قرآن ہدایت و رحمت ہے

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (۱۶)	ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں (ان امور میں) آپ (فیصلہ کن بات) بتا دیں اور (یہ) ہدایت ہے اور رحمت ہے اُس قوم کے لیے جو ایمان لائیں (یعنی یہ کتاب تو سرچشمہ ہدایت ہے، رحمت ہے اور اختلاف

مٹانے والی ہے، بڑھانے والی نہیں)۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً	کہا کہ نکل جاؤ تم دونوں (مرد و عورت)! ایک (انسان) دوسرے کا دشمن۔ سو اگر میری طرف سے تم سبھوں کے پاس ہدایت آئے، تو جو کوئی میری ہدایت کا اتباع کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ ناکام رہے گا اور جو کوئی میری نصیحت

ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○
(۱۲۳، ۱۲۴)

سے اعراض کرے گا، تو تحقیق اُس کے لیے تنگیٔ معاش ہے اور ہم قیامت کے دن اُسے اندھا اٹھائیں گے ۔

اور وہ ہدایت ہمارے وقت میں قرآن پاک ہے اَور کچھ نہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ○ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ○ (۷۶ تا ۷۹)

تحقیق یہ قرآن فیصلہ کرتا ہے بنی اسرائیل پر اکثر (باتوں کا) جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں (یعنی بنی اسرائیل یا یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف کا فیصلہ قرآن کریم فرماتا ہے) اور یہ (کتاب) یقیناً مومنوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے اور تحقیق آپ کا رب ان سبھوں کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرتا ہے (کیوں کہ) وہ علم و غلبہ کا مالک ہے۔ سو آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں، آپ کھُلے حق پر ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ○ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ○ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف کتاب اُتاری۔ سو وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے اُس پر ایمان لاتے ہیں اور دوسروں میں سے بھی ایسے لوگ ہیں، جو ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے سوا ہماری آیتوں سے کوئی انکار نہیں کرتا اور آپ تو اس سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ ایسی صورت میں تو ممکن تھا کہ اہلِ باطل شک کرتے، بلکہ یہ تو واضح آیات ہیں۔ اُن لوگوں کے سینے میں جنھیں علم دیا گیا ہے (یعنی عقل مند خوب سمجھتے ہیں کہ کتنی واضح اور روشن دلیلوں کے ساتھ اُتاری گئیں) اور ہماری آیات سے وُہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو ظالم ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس پر (یعنی رسول پر)، اُسی کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہیں اُتارے گئے بلکہ دیکھیے کہ نشان صرف اللہ کے پاس ہے، اور مَیں تو واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کیا اُن کے لیے یہ

عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
(۵۰تا۵۱ / ۲۹)

کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی، جو اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہے۔ یقیناً اس میں رحمت و نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

الٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝
(۱تا۷ / ۳۱)

الف، لام، میم۔ یہ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں، محسنین (یعنی نیکوکاروں) کے لیے ہدایت اور رحمت۔ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور (قومی ضرورتوں کے لیے) زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں، وہی ربانی ہدایت پر ہیں اور وہی بامراد ہوں گے اور لوگوں میں (بعض ایسے) ہیں، جو لایعنی باتوں کے طالب ہیں، تاکہ اللہ کی راہ سے جاہلانہ گمراہی پھیلائیں اور اُس کا (یعنی اللہ کی راہ کا) مذاق اُڑاتے ہیں۔ اُنھیں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (ویسا آدمی) جب اُس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں، تکبر کرتا ہوا پھر جاتا ہے، گویا اُس نے سُنا ہی نہیں، جیسے کہ اس کے کانوں میں ثقل ہو۔ سو اُسے دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔

اس آیت کے ابتدائی الفاظ پر ذرا غور فرمائیے۔ اِس کتاب کی تعریف کی ہے، حکیم، یعنی حکمت والی کتاب۔ گویا اس کی ہدایت پُرحکمت ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس سے ہدایت اخذ کریں، وہ نیکوکار ہیں (محسنین یعنی اپنے لیے اُن کی ہستی مفید ہے اور اوروں کے لیے بھی مفید ہے) اور ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ کتاب باعث رحمت بھی ہے اور وہی لوگ کامیاب بھی ہیں۔ بعض حضرات اس کتاب کی ہدایت کی حکمت نہ جان کر بے ہودہ باتیں اپنی طرف سے یا کسی بزرگ کے نام سے منسوب کرکے ان کو اللہ کی ہدایتوں کے ساتھ ایسا غلط ملط کر دیتے ہیں کہ گویا اللہ کے احکام کا مذاق اُڑا رہے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے انسان گمراہ ہو جائے۔ چنانچہ ہم سبھوں کو چاہیے کہ اللہ کے احکام کا علم حاصل کریں، کیوں کہ یہی وہ پُرحکمت ہدایت ہے، جس سے انسان نیکوکار بن جاتا ہے اور جو دنیا میں باعثِ فلاح ہے۔

اللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا

اللہ نے اُتارا احسن الحدیث (یعنی بہترین کلام) کتاب

مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ (۲۳/۳۹)

متشابہ[عله] مثانی۔ اس سے اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں (یا بدن کانپ اُٹھتے ہیں) جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور تب اُن کے بدن اور اُن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کتاب کے ذریعے ہدایت کرتا ہے اور جسے اللہ نے گمراہ کیا، اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

لفظ مثانی کا ترجمہ میں نے نہیں کیا ہے۔ تشریح کے لیے آیت ۸۲-۸۷/۱۵ دیکھیے۔ لفظ مثانی کے خواہ جو بھی معنی ہوں، قرآن پاک کا اثر اُن ہی قلوب پر زیادہ ہوتا ہے، جن کے دل میں نرمی ہو، جو قدرتی طور پر بھلائی کی طرف مائل ہوں اور واقعی اگر یقین آجائے کہ اس کے ذریعے خود اللہ ہم کلام ہے، تو ممکن نہیں کہ آدمی تھرا نہ اُٹھے۔ ہٹ دھرم ہی اس کو نہیں مانتے ہیں چنانچہ عام طور پر مسلمان ظلم سے متنفر ہیں اور اُن کے قلوب میں اب بھی اس کی ہدایت اخذ کرنے کی بڑی صلاحیت موجود ہے، صرف ذرا کوشش کی ضرورت ہے اور وہ بھی قومی طور پر کہ ہم قوم کی قوم، قوم قرآن ہوکر رہیں گے۔

قرآن میں سب کچھ ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (۸۹/۱۶)

اور ہم نے آپ پر کتاب اُتاری ہے جس میں ہر شے کا مفصل بیان ہے اور ہدایت ہے اور رحمت ہے اور بشارت ہے مسلمین کے لیے (یعنی ہر اُس شے کا مفصل بیان ہے، جو ہدایت، رحمت اور بشارت کے لیے ضروری ہے)۔

اس پر بھی ہمیں ضد ہے کہ یہ کتاب نہ مفصل ہے اور نہ مکمل۔ اس کی تبیین کے لیے احادیث اور راویوں کی ضرورت ہے چنانچہ برنک مین (BRINK MAN) صاحب نے اس آیت پر یہ اعتراض کردیا کہ: اگر قرآن، جیسا کہ اُس کا دعویٰ ہے، مکمل ہے اور ہدایت ہے تو پھر سنن یعنی حدیث کی کیا ضرورت رہتی ہے؟" ہم سب خود ہی سوچیں کہ اس غیر مسلم کے اعتراض کا کیا جواب دیں؟ ہم نے اپنی تنگ نظری اور غلط خیالی سے غیر مسلموں کے اعتراضات کا دروازہ کھول دیا ہے اور خاص کر اس کتاب پر جس کے لیے ساری دنیا میں

عله متشابہ، جس کے مضامین باہم ملتے جلتے ہوں۔ مثانی، ایسی غیر فانی صداقتیں، جو ہمیشہ سے دُہرائی جارہی ہوں۔

سوائے مدح کے اَور کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس پر مجھے لندن کا ایک قصہ یاد آگیا۔ وہ یہ کہ وہاں کے کسی ہوٹل میں ایک انگریز ایک ہندوستانی مسلمان کے پاس بیٹھا ہُوا اسلام کی بہت تعریف کیے جا رہا تھا۔ جس پر ہندوستانی صاحب بولے "پھر آپ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟" اس نے کہا "میں مسلمان ہُوں!" ہندوستانی صاحب کو سخت تعجب ہُوا کیوں کہ اس انگریز کے نام سے اُس کو مسلمان نہیں سمجھے ہوئے تھے اور انھوں نے اپنے تعجب کا اظہار اس انگریز پر کیا، تو اُس انگریز نے کتنا اچھا جواب دیا ملاحظہ ہو: اس نے کہا "ہم سمجھے ہوئے تھے کہ اسلام ساری دنیا کے لیے آیا ہے اور یہ کسی خاص جگہ سے مختص نہیں اور ہر شخص اپنے ملک، اپنے گھرانے کی بول چال اور راہ و رسم رکھ کر بھی مُسلم ہو سکتا ہے یعنی اپنے اللہ کی درگاہ میں سرِ نیاز جھکا سکتا ہے، تو کیا بغیر نام بدلے ہوئے ہم مسلمان نہیں ہو سکتے؟" ہمارے ہندوستانی صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

کہنے تو ہیں ہم اس کو دینِ فطرت، لیکن اپنی تنگ نظری کے باعث اسے ایسا بنا رکھا ہے کہ فطرت سے اسے دُور کا بھی تعلق نہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (۱۷ : ۸۹)	اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں لوگوں کے لیے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں، مگر اکثر لوگ انکار کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے۔
وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (۱۸ : ۵۴)	اور تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے سمجھانے کے لیے ہر قسم کی مثالیں (دلیل کے ساتھ) بیان کی ہیں۔ پر انسان اکثر باتوں میں جھگڑا کرتا ہے۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۵۸-۵۹)	اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔ اگر آپ ان کے پاس کوئی نشان لائیں، تو کافر کہہ دیں گے کہ مسلمانو! تم صرف دھوکہ دینے والے ہو۔ اسی طرح اللہ اُن کے دلوں پر مُہر لگا دیتا ہے، جو سمجھنا نہیں چاہتے۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اور تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی

مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ۝ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمۡ یَتَّقُوۡنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیۡهِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوۡنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ۚ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ (۲۷ / ۲۹)

مثالیں بیان کی ہیں، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ قرآن عربی ہے، جس میں کجی نہیں، تاکہ وہ سب تقویٰ اختیار کریں۔ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے، ایک (غلام) انسان ہے جس کی ملکیت کے کئی جھگڑالو شریک ہیں اور دوسرا (غلام) انسان ہے، جو پوری طرح ایک آدمی کا (تابع) ہے، تو کیا ان دونوں کی حالت برابر ہے۔ الحمد للہ (کتنی واضح مثال ہے) لیکن ان کی (یعنی لوگوں کی) اکثریت اس کو نہیں سمجھتی ہے۔

کتنی واضح مثال ہے! جس شخص کا پاؤں دو کشتیوں میں ہو، کیا وہ منزلِ مقصود تک پہنچ سکتا ہے؟ یا وہ شخص جو سارا زور ایک ہی کشتی کی روانی پر صرف کر رہا ہو۔ دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کی ترغیب دینے والے ساری قوم کی ہستی کو ڈگمگا دیتے ہیں۔

قرآن بشارت ہے

اِنَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ یَهۡدِیۡ لِلَّتِیۡ هِیَ اَقۡوَمُ وَ یُبَشِّرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا کَبِیۡرًا ۝ (۹ / ۱۵)

تحقیق یہ قرآن ہدایت کرتا ہے، اس (راہ یا ان باتوں) کی طرف جو سب سے اقوم ہے (یعنی عمدہ، مضبوط و بہتر ہے) اور بشارت دیتا ہے مومنوں کو جنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اس کتاب نے یہ کام کر دکھایا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، جس کی شہادت اس قدر مستند ہے کہ کسی کو انکار نہیں کہ عربوں سی ذلیل و گمراہ قوم کو اس نے اقوم طریقۂ حیات کی طرف راہ دکھائی۔

فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِهٖ قَوۡمًا لُّدًّا ۝ (۹۷ / ۱۹)

ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان (نازل) کیا ہے تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔

طٰسٓ ۚ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡقُرۡاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیۡنٍ ۝ هُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝

طٰس، یہ قرآن کی آیات ہیں اور کتابِ مبین ہے، ہدایت اور بشارت ہے مومنوں کے لیے، جو نماز قائم کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ○	اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ لوگ آخرت (قانون جزا و انجام) پر یقین رکھتے ہیں۔

قرآن سے سر جھک جاتے ہیں

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ○ وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ○ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ○	کہ دیجیے کہ خواہ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے، تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور ان میں اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا جاتا ہے، پھٹا جاتا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

قرآن آسان ہے

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ○	ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان نازل کیا ہے، تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں۔
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○	ہم نے اس (قرآن) کو تمھاری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ لوگ نصیحت پائیں۔
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	تحقیق قرآن کو ہم نے نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، تو

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر) | کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟

قرآن صراطِ مستقیم ہے

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (النور)

ہم نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے، سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ۝ (الزخرف ۴۳-۴۴)

پس آپ کی طرف جو وحی کی گئی ہے، اُس کو مضبوط پکڑے رہیں۔ بے شک آپ سیدھے رستے پر ہیں اور یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اور سب لوگوں سے عن قریب پُرسش ہوگی۔

خیال رہے کہ ایسی کتاب کے متعلق ہم سب سے پرسش ہوگی اور یہ ہے بھی صحیح، کیوں کہ اللہ نے جو حکم ہمیں دیا ہے، وہ اسی کتاب میں ہے اور اسی کے متعلق ہم سے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ ماو شما کا حکم نہ ماننے کی جواب دہی انصافاً اللہ کی طرف سے عائد نہیں ہوسکتی ہے۔

قرآن ڈرانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ (الفرقان)

وہ ذات بابرکت ہے، جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا (یعنی ایسی کتاب جو کھوٹا کھرا الگ کر دکھائے) تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نذیر (ڈرانے والا) ہو۔

قرآن عجیب ہے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ (الجن)

کہہ دیجیے کہ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے کچھ اشخاص نے (قرآن) سنا، تو انھوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا۔ وہ ہدایت کی طرف لگاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

قرآن فیصلہ کُن ہے

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ ([illegible])

تحقیق یہ تو ایک قولِ فیصل ہے، نہ یہ کہ ہزل (یعنی یہ کوئی ہزل یا لغو کلام نہیں، بلکہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا قول ہے) یعنی یہ جادو، منتر، ٹونا نہیں ہے، بلکہ سمجھنے کی ایک چیز ہے، اس کے ذریعہ سے کھرا کھوٹا الگ ہو سکتا ہے. کیوں کہ یہ ہر بات میں قولِ فیصل ہے۔

قرآن میں کجی نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ ([illegible])

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی، بلکہ اُسے قیم (یعنی سیدھی راہ پر چلانے والی) بنایا تاکہ اس کے ذریعہ (انکار و سرکشی کے بُرے انجام اور) سخت عذاب سے ڈرایا جائے اور مومنوں کو، جنھوں نے اچھے عمل کیے ہیں، بشارت دی جائے کہ اُن کے لیے اچھا اجر ہے۔

قرآن بے تبدیل ہے

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ ([illegible])

اور اپنے رب کی کتاب سے، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، تلاوت کیا کریں اور اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں (یعنی اس کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوگی) اور اس کے سوا آپ کہیں پناہ کی جگہ بھی نہیں پائیں گے۔

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کی خدمات

۱۔ایک ماہوار رسالہ جاری کیا گیا جو پندرہ سال سے قرآن حکیم کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہے۔

۲۔تبلیغی کاموں کے لیے قریباً چار ہزار روپے کے صرف سے ایک مستقل دفتر اور عمارتیں تعمیر کرکے خدا کی راہ میں وقف کی گئیں

۳۔اسلامی تہواروں کے علاوہ وقتاً فوقتاً پندرہ ہزار تبلیغی پوسٹر شائع کیے گئے۔

۴۔"بیانٌ للناس" کے نام سے قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر شائع کی گئی۔

۵۔مسلمانوں کی قومی اور ملی اصلاح کے لیے صدہا کتابیں مفت تقسیم کرائی گئیں۔

۶۔صدہا روپے کے مصارف سے چار سالانہ جلسے منعقد کیے گئے، جن کے ذریعے ہندوستان کے چیدہ چیدہ علماء نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفید کیا۔

۷۔ایک لائبریری قائم کی گئی، جس سے بے شمار مُسلمان علمی اور دینی فائدے حاصل کر رہے ہیں۔

۸۔"مدرسۃ تبلیغ القرآن" کے نام سے ایک قرآنی سکول جاری کیا گیا جس نے قدامت پرستی اور تقلید کے خلاف مسلمانوں میں قرآن پاک کے موحدانہ خیالات کی تبلیغ کی۔

اگر یہ تمام خدمات کسی بھی لحاظ سے آپ کے دل میں خدمت و اشاعتِ قرآن کا اشتیاق پیدا کر سکیں تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ براہِ کرم ہر ممکن تکلیف و ایثار گوارا کرکے **دفترِ اُمّتِ مُسلمہ** کی مالی اور اخلاقی سرپرستی قبول فرمائیں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں۔اوّل یہ کہ آپ ۲ر ماہوار چندہ دے کر مجلس کے رُکن بن جائیں۔دوسرے یہ کہ تین روپے سالانہ چندہ بھیج کر ماہ نامہ **البیان** کی اعانت کریں، تیسرے یہ کہ دفترِ اُمّتِ مُسلمہ کی چھوٹی چھوٹی کتابیں خرید کر عامۃ المسلمین میں مُفت تقسیم کریں۔

سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

انتخاب

بنک کا سُود

۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء کو کونسل آف اسٹیٹ میں سیٹھ ہارون جعفر صاحب نے ایک ریزولیوشن پیش کیا تھا جس کا
کہ سیونگ بنکوں اور حکومت کی ضمانتوں کے سرمایہ کا جتنا سُود جمع ہوتا ہے، اس کو کسی اور مصرف میں صرف کرنے
مسلمان طلبہ کو تعلیمی وظائف دے کر انھیں علی گڑھ مُسلم یونی ورسٹی میں بھیج دیا جائے۔ حکومت نے اس مطالبہ کو
لیم کر لیا۔ مگر مصرف کے متعلق جواب دیا کہ اگر مسلمانوں کی اکثریت اس خیال کی حمایت کرے گی، تو اس روپیہ
م میں صرف کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سیٹھ صاحب کی تجویز کو کونسل کے آئندہ کارروائی اجلاس کے لیے ملتوی کر دیا گیا،
وقت تک اسلامی رائے عامہ کی کافی تحقیق ہو جائے۔

جب سے ہندوستان میں بنک قائم ہوئے ہیں، یہ مسئلہ علمائے اسلام کے زیر غور ہے کہ آیا بنک کا سود ربوا کی تعریف
ہے یا نہیں؟ اگرچہ علمائے مصر نے اس کو جائز ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے، لیکن علماء کی اکثریت بلکہ
لم کا مسلک ابھی تک یہی ہے کہ بنک کا سود ربوا ہے اور اس کا لینا حرام۔

س فتوی کی بناء پر اکثر دین دار مسلمان بنک سے سُود نہیں لیتے اور خصوصًا اسلامی اوقاف کا جتنا
نکوں میں داخل کیا جاتا ہے، اُس کا کوئی سود نہیں لیا جاتا، لیکن اس میں ایک اور قباحت ہے، جو سود لینے سے
یادہ خراب ہے۔ قواعد کی رو سے ہر بنک مجبور ہے کہ وہ تمام جمع شدہ سرمایہ پر ایک خاص شرح کے مطابق سوُ
سر دیا کرے اور اگر صاحب سرمایہ اس کو لینے سے انکار کر دے اور اس کا کوئی اور مصرف نہ بتائے، تو اس
یہ وہ رقم کو سالویشن آرمی (مکتی فوج) کے فنڈ میں داخل کر دے اور اس قاعدہ کے مطابق مسلمانوں کے سرمایہ
فع ایک کثیر مقدار میں ہر سال اس جماعت کو مل جاتا ہے اور وہ اس سے مسیحیت کی تبلیغ کرتی ہے۔

ایسی حالت میں شریعت اسلامی کا فتوے ہے کہ اگر بنکوں میں سرمایہ جمع کرانا ناگزیر ہی ہو، تو اس کا سوُ
ل کر لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، کیوں کہ سود لینے سے بدرجہا زیادہ بُری بات ہے کہ ہم اپنے روپیہ سے
اشاعت میں مدد دیں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس روپیہ کو اپنی ذات پر صرف نہ کیا جائے،
سے صدقہ کر دیا جائے۔ اس باب میں فقہاء کی صاف تصریح ہے کہ ان الخبیث واجب التصدق

فلا یاخذ الاٰمن یجوز لہ اخذ الصدقہ یعنی مال حرام کو صدقہ کر دینا ضروری ہے اور وہ صرف ایسے ہی شخص کو دینا چاہیے جس کے لیے صدقہ لینا جائز ہو۔ پس اس تصریح کے مطابق تمام وہ امورِ خیر جن میں صدقہ صرف کیا جا سکتا ہے، بنک کے سُود کے مصرفِ صحیح بن سکتے ہیں، مثلاً فقرا و مساکین کی اعانت، یتامیٰ کی پرورش، نادار طلبہ کی امداد اور تبلیغ و حفاظتِ اسلام۔ وغیرہ۔

سیٹھ ہارون جعفر صاحب کا ریزولیوشن بھی شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل درست ہے اور طلباء کی امداد و اعانت اس صدقہ کا بہترین مصرف ہے، لیکن اس کے لیے صرف علی گڑھ یونیورسٹی کی تخصیص کرنے سے بہتر صورت یہ ہے کہ اس روپیہ کو تمام صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ادبی تعلیم میں صرف کرنے کے بجائے مختلف قسم کی صنعتی تعلیموں پر صرف کیا جائے۔ مثال کے طور پر جب یہ معلوم ہو جائے کہ ہر سال کتنی رقم اس مد میں جمع ہوتی ہے، تو اس کے بعد ایک خاص تعداد مقرر کر دی جائے کہ اتنے طلباء کو فنِ زراعت کی تعلیم دی جائے گی، اتنے طلباء انجنیئرنگ کے مختلف شعبوں میں بھیجے جائیں گے اور اتنے اقتصادیات یا سائنس کی تعلیم میں۔

مگر اس تجویز سے صرف اسی روپیہ کی حفاظت ہوتی ہے، جو سیونگ بنکوں میں جمع ہوتا ہے اور دوسرے چارٹرڈ بنکوں پر یہ قانون نافذ العمل نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کے تحفظ کی بھی کوئی صورت پیدا کی جائے اور اگر اس کا کوئی باقاعدہ انتظام ممکن نہ ہو، تو ہر شخص احکامِ شریعت کے مطابق خود ہی انفرادی طور پر جمع کردہ سرمایہ کا سُود وصول کر کے اُسے تبلیغ و امداد یتامیٰ وغیرہ اسلامی امورِ خیر پر صرف کر دیا کرے، کیونکہ اس باب میں تساہل سے کام لینا اہم ارکانِ شریعت میں حصہ لینے کا ہم معنی ہے اور اس سرمایہ سے تبلیغ مسیحیت اور ارتدادِ مسلمین کا جتنا فتنہ برپا ہوتا ہے، اس کا سارا وبال مسلمانوں کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

البیان | اوپر کا نوٹ جو "الجمعیۃ"، دہلی بابت ۲ فروری ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا تھا "سود مند" بدایوں کے حوالے سے نقل کیا جا رہا ہے۔

افسوس ہے کہ سُود کے متعلق مسلمانوں کی جو روش آج سے پندرہ برس پہلے تھی، وہی روش اب تک قائم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ زہد و تقویٰ کے اس خبط میں مبتلا ہیں کہ غیر مسلموں (ڈاک خانہ، بنک یا ہندو ساہوکاروں) کے پاس روپیہ بغرضِ حفاظت امانت رکھتے ہیں اور اس کا سُود اُن ہی کے پاس چھوڑ دیتے ہیں، وہ بالکل کانوا انفسہم یظلمون کے مصداق ہیں۔ وہ اپنی قوم کے یتیموں اور بیواؤں کی حق تلفی کرتے ہیں، کفر کی قوتوں کو مضبوط کرتے ہیں اور ارتدادِ مسلمین کا باعث ہوتے ہیں۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ کروڑوں روپے سالانہ ہماری جیب سے نکل کر ہمسا

اقوام کی جیب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے اُن کے روپے کا سود جس میں ایک حد تک معذوری سمجھی جا سکتی ہے، لیکن اس سے زیادہ غضب کیا ہوگا کہ ہمارے روپے سے بھی غیر ہی فوائد حاصل کریں اور ہم مومن کر اس بربادی و جہالت کو رضائے الٰہی سمجھتے رہیں۔ علماء میں ایسے ہوش مند مگر بزدل لوگوں کی ایک تعداد موجود ہے، جو خود تو بنک اور ڈاک خانے سے اپنے روپیہ کا نفع وصول کر لینے میں باک نہیں سمجھتے، لیکن طوفان بے خبری میں غرق ہوتی ہوئی قوم کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہیں کرتے۔ مضمون بالا صرف پڑھ کر چھوڑ دینے کی چیز نہیں۔ ہر پڑھنے والے بھائی کا فرض ہونا چاہیے کہ کم از کم ایک ایسے مسلمان کی تلاش کرے، جو اپنے روپے کو اس غلطی میں دوسروں کے ہاتھ سونپتا ہے اور اُس کو سمجھائے کہ حقیقت کیا ہے؟ ــــ کیا ہم مذہب کے سہارے پر چلنے والے اسلامی اخبارات و رسائل سے امید کریں کہ وہ جس درخت کے سایہ میں آرام کر رہے ہیں، اُس کی خیراندیشی کو اپنی خیراندیشی سمجھ کر اپنے صفحات میں اس مفید تجویز کا ذکر کریں گے؟ یا کم از کم مسلمانوں کو یہی مشورہ دیں گے کہ وہ مقامی درس گاہوں اور اوقاف کا سرمایہ، پراسیری نوٹوں میں داخل کر کے روپیہ کو محفوظ اور ذرائع آمدنی کو مستقل کر لیں:

کتابوں کی مُفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسب ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر اُمّتِ مُسلمہ کی مندرجہ ذیل کتابیں مُفت تقسیم ہو چکی ہیں

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد
سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ امرتسر	۱۰ روپے	تفسیر سورۃ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمدؐ رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملتِ ابراہیمؑ	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
بابو عبداللہ خاں صاحب	۱۰ روپے	برگِ سبز	۱۰
خواجہ رحمت اللہ صاحب	۱۰ روپے	قولِ احسن	۱۰
ایس ایم احسن صاحب چھاسہ	۱۰ روپے	خاتم النبیین	۴۰
میاں مولا بخش صاحب	۸۰ جلدیں	برہان القرآن	۱۰
شیخ ظہور احمد صاحب بحرین	۱۰ روپے	علم حدیث	۱۰

اب اپریل ۱۹۴۰ء میں جناب شیخ حسین بخش صاحب کی طرف سے "قرآن مجید و رسول حمید" کے ۸۰ نسخے مُفت تقسیم کیے جائیں گے۔ جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف ۱ر کے ٹکٹ محصول ڈاک کے بھیج کر مُفت طلب کر سکتے ہیں۔

اہلِ خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیمِ لٹریچر کی اسکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکر گذاری کا موقعہ دیں

سکرٹری اُمّتِ مُسلمہ۔ امرتسر

برگِ سبز

کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، کوئی خادم قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں اُن کی تحقیق اجتہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابلِ ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے۔ مروجہ فقہ کی رو سے یتیم پوتا، دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے دلائل قرآنی سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حسن و خوبی سے کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کیے۔ زیر نظر رسالہ انکے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے۔ جو رسالہ "البیان" کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہوا ہے جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر اُس مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا، جو قرآن کریم کے احکام وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو" قیمت دو آنے

(طلوع اسلام" نومبر ۱۹۴۱ء")

ملنے کا پتہ:- منیجر دفتر اُمتِ مسلمہ۔ امرت سر

حساب آمد وخرچ اُمّتِ مُسلمہ امرت سر

۱۳ر جنوری سے ۶ر مارچ ۱۹۴۰ء تک

آمد البیان

میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰	۰	۰
جناب دلشاد اے قریشی صاحب بہاول پور	۳	۳	۰
منشی محمد اکبر خاں صاحب جہول	۳	۰	۰
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	۱	۲	۰
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۲	۰	۰
میاں فیملی	۱۲	۰	۰
میاں علی احمد خاں صاحب واشمن	۱۰	۰	۰
خواجہ سخا، اللہ صاحب ایم اے	۳۰	۰	۰
مسٹر غلام کبریا صاحب امرت سری	۳	۰	۰
محترمہ نسیمہ خانم صاحب گکھڑ	۳	۳	۰
ڈاکٹر برکت علی صاحب قریشی سہارن پور	۳	۸	۰
جناب محمد اسحٰق صاحب امرت سر	۲	۰	۰
ڈاکٹر عبدالغفور صاحب پشاور	۳	۰	۰
شیخ منہاج الدین صاحب پشاور	۳	۰	۰
ایس ایم احسن صاحب چپاسہ	۹	۰	۰
خلیفہ امام الدین صاحب	۱	۰	۰
بابو تاج الدین صاحب لاہور	۳	۰	۰
ڈی سید ہاشم صاحب بنگلور	۳	۰	۰
جناب کریم بخش خاں صاحب کراچی	۳	۰	۰
مولانا محمد عباس طاآب صفوی	۳	۰	۰
بابو فضل کریم صاحب امرت سر	۱۰	۰	۰
متفرق	۱۲	۱۵	۰
	[illegible]	۵	۰

عمارت فنڈ

شہاب الدین صاحب	۱۶	۰	۰
متفرق	۰	۱۲	۰
	۱۶	۱۲	۰
کتب خانہ (معہ لٹریچر فنڈ)	۹۵	۸	۰
رکنیت فنڈ	۱	۸	۰
تبلیغ فنڈ			
محترمہ خیر النساء بیگم صاحبہ	۲	۰	۰
جناب ایس ایم احسن صاحب چپاسہ	۱۰	۰	۰
میر محمد شریف صاحب منٹگمری	۵	۰	۰
	۱۷	۰	۰
لائبریری فنڈ	۶	۱۲	۶
میزان	۲۴۱	۷	۶
سابقہ بقایا	۱۷۸	۷	۰
کل میزان	۴۱۹	۱۴	۶
مصارف			
البیان	۱۴۹	۲	۶
عمارات	۱۳	۳	۶
کتب خانہ	۲۹	۱۰	۳
تبلیغ	۱	۱۲	۰
لائبریری	۱	۸	۰
میزان	۱۹۵	۴	۳
بقایا	۲۲۴	۱۰	۳

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیان للنّاس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی، لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیاتِ قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قولِ الٰہی ہے، آیاتِ قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعلِ الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اُس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصرِ حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائناتِ انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصولِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانونِ وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت و طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:۔ منزل اوّل صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری [illegible] منزل دوم [illegible] منزل سوم [illegible] منزل چہارم [illegible] منزل پنجم [illegible] منزل ششم [illegible] منزل ہفتم [illegible]

منگانے کا پتہ

دفتر اُمّت مسلمہ امرت سر

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ

البیان

اُمتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے

سالانہ تین روپے

کتابوں کی مفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسبِ ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر امت مسلمہ امرتسر کی مندرجہ ذیل کتابیں مفت تقسیم ہو چکی ہیں:

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعدادِ تقسیم
سکرٹری امتِ مسلمہ امرتسر	۱۰ روپے	تفسیر سورۂ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمد رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملتِ ابراہیم	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے لاہور	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
بابو عبداللہ خاں صاحب	۱۰ روپے	برگ سبز	۸۰
خواجہ رحمت اللہ صاحب	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
ایس ایم احسن صاحب چباسہ	۱۰ روپے	خاتم النبیین	۴۰
میاں مولا بخش صاحب	۸۰ جلدیں	برہان القرآن	۸۰
شیخ ظہور احمد صاحب بحرین	۱۰ روپے	علمِ حدیث	۸۰
شیخ حسین بخش صاحب بہاول پور	۱۰ روپے	قرآن مجید و رسولِ حمید	۸۰

اب اپریل ۱۹۴۰ء میں اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر آف مانگرول کی طرف سے "ریحان القرآن" کے ۰۰ نسخے مفت تقسیم کیے جائیں گے جن اصحاب کو اس کتاب کی ضرورت ہو، وہ صرف ۱/۲ کے ٹکٹ محصول ڈاک کے لیے بھیج کر مفت طلب کر سکتے ہیں۔

اہلِ خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی اسکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔

سکرٹری امتِ مسلمہ امرتسر

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتو کھسر امرتسر میں چھپوا کر دفتر امتِ مسلمہ بیرون دروازہ گھیاں امرتسر سے شائع کیا۔

چند اہم کتابیں

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری) اس کتاب میں جملہ اصول وعقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۲۴۰ صفحات قیمت فی نسخہ دُو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک۔

مطالعۂ حدیث

(مدیر "نگار" کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اُس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ میرے اور اُن کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور اُن کی اہمیت پر اظہارِ خیال کیا ہے، جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔

اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتلِ مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایامِ صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم دُور کرنے کے لئے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہلِ مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے، اُس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ قیمت دُو آنے علاوہ محصول ڈاک۔

منیجر دفتر امتِ مسلمہ امرتسر

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ — مئی سنہ ۱۹۴۰ء — نمبر ۵

فہرستِ مضامین

شذرات

اسلامی ممالک | مولانا آزاد سبحانی، عالم اسلامی یعنی مصر، عراق، افغانستان، ترکی اور ایران کی سیاحت سے فارغ ہوکر حال ہی میں واپس آئے ہیں۔ آپ نے اپنی سیاحت سے متعلق "مدینہ" میں ایک مضمون لکھا ہے ذیل میں ہم اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

"اسلامی ملکوں میں، غلامی کو سب سے بڑا گناہ تصور کیا جاتا ہے، اور ایسی غلامی جس کے ساتھ "صہیونیت" شامل ہوجائے جس سے رہائی پانے کی کوئی جدوجہد نہ کی جائے، اُسے انتہائی ذلت و لعنت خیال کیا جاتا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کو، اُن کی شان دار روایات کے باوجود، ممالک اسلامی میں اچھوتوں سے زیادہ وقعت نہیں دی جاتی اور اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ان ممالک میں وطن پرستی کے جذبے نے اس حد تک غلبہ پالیا ہے کہ اس کے مقابلے میں اسلامی اخوت کا رشتہ ٹوٹ گیا، بلکہ نفرت کی حقیقی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنی غلامی کی ذلتوں پر قانع ہوگئے ہیں۔ ممالک اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ جب تک ہندی مسلمان حصول آزادی کی جدوجہد کی طرف کوئی عملی قدم نہیں اٹھاتے، اُن کے ساتھ کسی طرح کے تعلقات پیدا نہ کیے جائیں۔ وہ غلامی سے نکلنے کی کوشش کریں یا ہم سے دُور رہیں!

اسلامی ممالک کے مُسلمانوں کے متعلق اس مغالطے نے عام شہرت حاصل کرلی ہے کہ وہ وطنی، مُلکی یا قومی تحریکوں سے متاثر ہوکر، اسلام سے دُور ہوتے جارہے ہیں، حالاں کہ وُہ اسلام کے آج بھی ویسے ہی شیدائی ہیں، جیسے عہدِ تنزل میں تھے۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اب اُنھوں نے حقیقی اور مصنوعی اسلام میں فرق حاصل کرلیا ہے۔ وہ کھُلے طور پر مصنوعی اسلام سے بے زاری کا اعلان کرتے ہیں۔ الحاد و لادینی سے انھیں کوئی نسبت نہیں، بلکہ انھیں اس بات پر فخر حاصل ہے کہ وُہ مسلمان ہیں۔ انھوں نے اہلِ مغرب کی تقلید میں بے شک حصہ لیا ہے، مگر صرف فوائد کی حد تک۔ اہلِ مغرب کی ناپسندیدہ باتوں کو انھوں نے اختیار نہیں کیا۔ دوسرے لفظوں میں اُنھیں اس بات کی بصیرت حاصل ہے کہ وہ مغرب کی اچھائیوں اور بُرائیوں میں تمیز کرسکیں۔

ہندوستان کی سیاسیات سے بھی ممالک اسلامی بے خبر نہیں ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ آزادیٔ ہند کی تمام تر کوشش، ہندوؤں کی طرف سے ہو رہی ہے، مسلمان صرف شکوہ شکایت کے لیے وقف ہیں، تو مسلمان اُن کی نظروں سے گر جاتے ہیں، مگر جب ہندوؤں کی زیادتی اور مسلمانوں کی مظلومی پر اُن کی نظر پڑتی ہے، تو انھیں ہندو سے نفرت ہو جاتی ہے اور مسلمان سے ہمدردی۔ وہ حیران ہوتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں جدوجہد آزادی کا کوئی ولولہ نہیں پایا جاتا۔ وہ حیران ہوتے ہیں کہ ہندوؤں کو اگر آزادی مطلوب ہے، تو وہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لیتے؛ ہندوؤں اور مسلمانوں کی کش مکش کے پیش نظر اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دینا چاہیے، یعنی مسلمانوں کے لیے اسلامستان اور ہندوؤں کے لیے ہندوستھان۔

اجتماعی تصورات کی رُو سے اسلامی ممالک کی پوزیشن یہ ہے کہ وہاں اسلامیت، وطنیت، مشرقیت اور مغربیت سب طرح کے تصورات چھائے ہوئے ہیں۔ وہ اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ وطنیت کو بھی ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مغربیت سے متاثر ہیں اور مغربی طاقتوں کے تفوق کے قائل، مگر انھیں یہ بھی گوارا نہیں کہ مشرق، مغرب کے ظلم و ستم کا شکار بنا رہے ——— خلافت یا اسلام کی مرکزی حکومت کا تخیل بھی، عالم اسلامی میں اب تک زندہ ہے، مگر اس تخیل کو پوری طرح سمجھ لینا چاہیے، یعنی، یہ مرکزی حکومت دو اصولوں پر قائم ہوگی۔ (۱) استقلال و تعاون اور (۲) مدافعت۔ دوسرے لفظوں میں تمام اسلامی حکومتیں اپنا اپنا استقلال قائم رکھتے ہوئے، تمام غیر اسلامی حکومتوں کے مقابلے میں جارحانہ نہیں، بلکہ ایک مدافعانہ ادارہ قائم کریں گی اور کمزور قوموں کی حفاظت بھی خلافت اسلامیہ کا ایک بنیادی مقصد قرار پائے گا۔

عالم اسلامی، مادی ترقی کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔ ہندوستان کا مسلمان اُسے دیکھ کر خود اسلام کے تصور ہی میں پریشان ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کو بے دین کہنے پر بھی تیار ہو جائے گا، مگر عالم اسلامی کے مُسلمان بھی، ہندوستانی مسلمانوں کو دین سے بے خبر یقین کرتے ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اسلام کی اجارہ داری میں کوئی اسلامی ملک اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اسلامی ممالک اسلام کی معرفت بھی اُن سے زیادہ رکھتے ہیں اور اسلامی حمیت میں بھی اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔

سیاسی حالات کے رو سے فلسطین اور شام سے قطع نظر، تمام اسلامی ممالک کی حالت قابلِ اطمینان ہے۔ اگرچہ اُن میں بعض ایسی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں، جن کا انفرادی اور داخلی طور پر کوئی علاج نہیں ہوسکتا، لیکن اگر اسلامک فیڈریشن وغیرہ سکیموں سے کام لیا گیا، تو موجودہ مشکلوں اور خطروں کا ہٹنا ناممکن نہیں ——— اقتصادی طور پہ اسلامی ممالک کی پوزیشن نسبتاً کمزور ہے۔ اگر یہ جنگ نہ چھڑتی، تو شاید کچھ عرصے تک یہ کمی بھی پوری ہو جاتی۔

اسلامی ممالک کے معاشرتی اور رُوحانی حالات بھی نقائص سے خالی نہیں ہیں۔ مشرق اور مغرب کے اختلاط سے وہاں ایک عجیب قسم کی معاشرت پیدا ہو چکی ہے۔ روحانی حالت اگرچہ مضمحل ہو چکی ہے، مگر اس کمی کا احساس ضائع نہیں ہُوا۔

ممالکِ اسلامی میں ترکی ہی ایک ایسا ملک ہے، جو اپنے بہترین حالات و صفات کی بناء پر دنیا کا برگزیدہ ترین ملک ہے۔ تُرک قوم عسکریت، شرافت، تہذیب اور مذہب غرضیکہ ہر لحاظ سے ممتاز حیثیت کی مالک ہے۔ ترکی مشرق کا پاسبان ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ تُرکی نے اسلام کا لباس اُتار کر بے دینی کا جامہ اوڑھ لیا ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ ترکی نے مغربیت یا فرنگیت اختیار کرلی ہے، حالاں کہ ترکی اپنے آپ کو مغربیت سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہے، اس لیے تقلیدِ مغرب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ترکی کو تمام اسلامی ملکوں اور کمزور قوموں کے ساتھ گہری ہمدردی ہے۔

مصر، علم کا مرکز ہے، تمام دنیائے اسلام کو مصر کی علمی حیثیت سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے، ایران ذہانت اور اور افغانستان دیانت کی آماجگاہ ہے۔ دینی حمیت و صلابت اور مجاہدانہ سرفروشی میں افغانستان اپنی نظیر آپ ہے۔

افسوس ہے کہ ہندی مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں میں تبادلۂ خیالات کا کوئی محکم ذریعہ موجود نہیں اس امر کی بہت ضرورت ہے کہ ہندوستان میں ایک "دار المفکرین" قائم کیا جائے، جہاں ہندوستانی اور ممالکِ اسلامیہ کے مسلمان، باہم تبادلۂ خیالات کیا کریں تاکہ اُن کے مستقل تعارف کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

ہنُدو اور ہندی مُسلم | غیر اسلامی طاقتوں کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہوسکے مسلمانوں کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے محو ہو جائے۔ پچھلے چند برس سے کانگرس اور ہندو مہاسبھا کے مسلسل طرزِ عمل نے اس خدشے کو اور بھی زیادہ تقویت دے دی ہے کہ ہنُدو، ہندوستان میں مسلمان کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کانگرس مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کرکے ختم کر دینا چاہتی ہے اور کبھی

البیان

و دیا مندر سکیم اور کبھی ہندی اور سنسکرت کی جبری اشاعت کے ذریعے، اسلامی تمدن کا خاتمہ کر کے بالواسطہ طور پر مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا چاہتی ہے اور ہندو مہا سبھا کھلم کھلا مسلمانوں کے خلاف نفرت اور بے زاری کا اعلان کر کے انھیں ہندوستان سے خارج کر دینے کے درپے ہے۔ چنانچہ ہندو مہا سبھا کے پریذیڈنٹ مسٹر ساورکر نے کلکتے میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہندو اپنے ملک کے حق سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ملک کا نام ہندوستھان ہے، اس کا گیروا جھنڈا ہے، جس پر سوتکس اور اوم کا نشان ہے۔ سنسکرت ہندوستان کی مقدس ہاں، ہندی قومی بولی اور ناگری ہمارا قومی رسم الخط ہے"

یہ مسٹر ساورکر کے الفاظ ہیں۔ ڈاکٹر مونجے کے خیالات اُن سے بھی زیادہ زہریلے ہیں۔ ۲۰ فروری ۱۹۳۹ء کو کیتھار میں ایک تقریر کے دوران میں اُنھوں نے کہا:

"عرب عربوں کا، ترکی ترکوں کا، ایران ایرانیوں کا، افغانستان افغانوں کا، انگلستان انگریزوں کا، پھر یہ مسلمان ہندوستان میں کیوں ہیں؟ ہم ہندو ۲۴ کروڑ اور مسلمان ۸ کروڑ، ان کو یہاں سے نکال کیوں نہیں دیتے؟ ان کو نکال دو!" (عصر جدید ۲۴ فروری ۱۹۳۹ء)

ہندو لیڈروں نے مسلمانوں کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی ہے، اوپر کے اقتباسات کے بعد اُس کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ آپ غور کیجیے، مسلمانوں کے لیے یہ کتنا نازک وقت ہے۔ تجارت، تعلیم، تعداد اور اتفاق غرض کہ ہر حیثیت اور ہر پہلو سے ان کی حالت افسوس ناک ہے۔ ان اندرونی اور خارجی مصیبتوں کے باوجود وہ خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہونا چاہتے۔

مسلمانوں کی قومی اور دینی حیثیت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کے لیے ہمیں اس زمانے کے عیسائیوں کا معاملہ یاد کرنا چاہیے، جب سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوجیں یروشلم کا محاصرہ کر رہی تھیں اور پیروانِ مسیح کی یہ حالت تھی کہ اپنی مدافعت اور حفاظت سے بالکل بے نیاز تھے اور کلیسے میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ مسیح فطیری روٹی کو زیادہ پسند کرتے تھے یا خمیری کو؟ ابھی یہ بحث جاری ہی تھی کہ یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ٹھیک ٹھیک یہی حالت اس صدی کے ہندی مسلمانوں کی ہے۔ مونجے اور ساورکر کے منصوبے یہ ہیں کہ اُنھیں ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے اور وہ خمیری اور فطیری سے بھی بڑھ کر نہایت لغو اور بے ہودہ بحثوں میں اُلجھا ہوا ہے ــــــ مسلمانوں کے قریباً تمام دینی فرقے، دینی اخبار، دینی انجمنیں، دینی لیکچرار

اور دینی جلسے دن رات اس مہلک مشغلے میں مصروف ہیں۔ آپ کسی فرقے کے راہ نماؤں کے پاس چلے جائیں، کسی اخبار کے ورقے اُلٹ کر دیکھ لیں، کسی انجمن کی کارگذاری ملاحظہ فرمالیں، کسی مولوی کا وعظ سُن لیں، کسی جلسے میں شمولیت فرمالیں، بالعموم ہر جگہ نہایت بے حقیقت مسائل پیش نظر ہوں گے اور بحثا بحثی اور ضدم ضدا کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے گا۔

اِس سلسلے کی یک تازہ مثال پر غور کیجیے۔ ایک مقامی روایت پرست اخبار میں ایک صاحب دریافت کرتے ہیں:

"آپ کے علم میں کوئی ایسی حدیث ہے، جس میں ذکر ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی رات میں نو بیویوں سے ہم بستری کی ہو اور اس کے بیان سے منشا کیا ہے؟"

مفتی صاحب اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی النسائہ فی الساعۃ الواحدۃ من اللیل والنھار وھن احدی عشرۃ و فی روایۃ تسع نسوۃ۔

اس حدیث سے محدثین نے امر مذکور سمجھا ہے۔ لیکن فیہ نظر، اللہ اعلم ——"

اوپر کے سوال وجواب کو سامنے رکھ کر آپ نہ صرف عوام کے ذہن و اخلاق کا ماتم کر سکتے ہیں، بلکہ ہندوستان کے سب سے بڑے روایت پرست مولوی کی ذہنیت پر بھی سینہ کوبی کر سکتے ہیں۔ استفتاء کرنے والے شخص کا سوال اُردو میں ہے، مگر مفتی صاحب اس کا جواب دیتے وقت صرف حدیث نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ اُردو ترجمہ ضروری نہیں سمجھتے، حالاں کہ اگر وہ ترجمہ بھی ساتھ ہی کر دیتے، تو صدہا مسلمانوں کو "وحی خفی" کے علوم و معارف کی طرف رغبت حاصل ہوتی، اور خدا کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب میں، جن "نُورانی" مسائل کو محفوظ کیا گیا ہے، ان سے استفادہ کا اشتیاق پیدا ہوتا، خدا کے اُس دین کی تبلیغ و اشاعت ہوتی، جو محمد بن اسمٰعیل بخاری کی کتاب کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔ مسلمان ہی اس کا ترجمہ پڑھ کر فائدہ حاصل نہ کرتے، بلکہ غیر مسلم بھی اس کا مفید اور مبارک اثر لیے بغیر نہ رہتے، وہ دیکھتے کہ دیانند، راج پال اور دوسرے ہندو اور انگریز مصنفوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی پر جو جو الزام عاید کیے ہیں، وہ اوپر کی حدیث کے "برعکس بالکل غلط" ہیں۔ وہ یقین کر لیتے کہ حدیث کی رُو سے مسلمانوں کے پیغمبر کو چالیس مردوں کی قوتِ جماع حاصل تھی اور وہ صرف نو یا

گیارہ عورتوں پر ہی قناعت کر لیتے تھے!

بہرحال ہم نہیں سمجھ سکے کہ مولوی صاحب نے ترجمہ نہ دینے میں کیا مصلحت سمجھی؟ حالاں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک "سنّت" کا ذکر ہے اور اسے اُردو پڑھے لکھے مسلمانوں تک ضرور پہنچانا چاہیے تھا۔ ان گذارشات کے بعد ہم خود ہی ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں پر دن رات ایک ہی گھڑی میں دَورہ کر لیتے (یعنی سب کے پاس ہو آتے) اور آپ کی عورتیں گیارہ تھیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ نو تھیں۔"

مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس حدیث سے محدثین نے امرِ مذکور سمجھا ہے؟" یہ "امرِ مذکور" کیا ہے؟ مولوی صاحب خود اپنے قلم سے ہم بستری یا جماع کے الفاظ لکھنے میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں اور صرف "امرِ مذکور" کا لفظ لکھ کر سائل ہی کے الفاظ کی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں شرمیلا پن زیادہ ہو اور وہ سُنّتِ نبوی کی اشاعت میں اس کو روا سمجھتے ہوں، مگر ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ آپ نے "امر مذکور" کو محدثین کے ساتھ منسوب کر کے اپنا دامن بچا لیا ہے۔ ہمیں آپ کی جرأت و جسارت پر حیرت بھی ہے اور افسوس بھی۔ کیا آپ خود محدثین کے ساتھ متفق نہیں ہیں؟ --- ---- جواب کے آخر میں "فیہ نظر" لکھنے کا کیا مطلب؟ کیا آپ کو اس مطلب میں کلام ہے، جو انس بن مالک جیسے صحابیوں نے اخذ کیا اور دوسرے محدثوں نے اس کی تصدیق کی، یا آپ کو سرے سے حدیث کی صحت ہی سے انکار ہے؟ ان دونوں میں سے ایک بات بہ ہرحال ضرور ہے۔ آپ حدیث کی صحت میں تامل کیجیے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فہم پر اعتراض، دونوں صورتوں میں حدیث کی عصمت، صحت اور صیانت پر زد پڑے گی۔ پھر یہ عام حدیث نہیں، بخاری کی حدیث ہے، جسے آپ حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہیں، جسے وحی خفی مانتے اور "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاری" سمجھتے ہیں۔ حیرت ہے آپ کو اس کی صحت میں تامل کیسے ہوا؟

اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے، جو ہمیں اس بات کا مجرم قرار دیتے ہیں کہ ہم احادیث کو قرآن مجید کی طرح صحیح، بے غلط اور قابلِ عمل نہیں مانتے۔ وہ ہمیں حدیث و سنّت کا منکر سمجھتے ہیں، حالاں کہ ہم صرف خلافِ عقل و فطرت اور خلافِ قرآن حدیثوں ہی سے انکار کرتے ہیں، وہ تمام حدیثیں جو عقل و فطرت اور قرآن مجید کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں، انھیں قبول کرنے سے ہمیں بھی انکار نہیں، لیکن انھیں قابلِ قبول قرار دینے کے باوجود، ہم یہ دعویٰ کبھی نہیں کریں گے کہ وہ بھی قرآن ہی کی طرح لاریب ہیں، بلکہ ان کی حیثیت پھر بھی ظنی ہی رہے گی۔ اگر مولوی صاحب بھی اسی عقیدے کے مالک ہوتے، تو انھیں "فیہ نظر" کے پردے میں،

اوپر کی انتہائی لغو و فحش روایت کا انکار تکلیف نہ دیتا۔

جن لوگوں نے بخاری کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کتاب کے بعض حصے، کوک شاستر سے بھی زیادہ شرمناک ہیں۔ حیض و نفاس اور غسل و جماع وغیرہ کے ابواب میں پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر جس بے دردی اور بے حیائی کے ساتھ حملے کیے گئے ہیں اُن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

صرف اسی حدیث پر غور کیجیے، جو اوپر نقل کی جا چکی ہے کہ (نعوذ باللہ) آں حضرت صلعم صرف ایک ساعت[1] میں گیارہ بیویوں کے ساتھ ہم بستری کیا کرتے تھے؟ کیا اس حدیث کو صحیح تسلیم کرکے ہم کسی بھی غیر مسلم شخص کے سامنے اپنی نگاہیں بلند کر سکتے ہیں؟

مولانا اسلم جیراج پوری نے "علم حدیث" میں تحریر فرمایا ہے کہ "حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں" مگر میرے خیال میں تو اسے "دینی تاریخ" کہنا بھی دین کی توہین ہے۔ اس کا صحیح مقام وہی ہے، جو اقبال اور اکبر الہ آبادی کے اشعارِ ذیل سے مترشح ہے:

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی (اقبال)

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا — قرآں کے اثر کو روک لینے کے لیے (اکبر)

البیان کا آئندہ نمبر مغرب کی موجودہ تعلیم و تہذیب اور سائنس کی نئی نئی ایجادوں اور مادی ترقیوں نے قریب قریب تمام دنیا کو متاثر کر لیا ہے۔ مسلمان، خواہ وہ مشرق کے رہنے والے ہوں، یا مغرب کے، ان کی زندگی بھی مادیات کی بڑھتی ہوئی یورش سے محفوظ نہیں رہ سکی۔ چنانچہ فرنگی تہذیب اور فرنگی خیالات سے متاثر ہو کر اس وقت مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک گروہ انتہا درجے کا قدامت پسند ہے اور اسلام کے متعلق اس کے دماغ میں وہی قدیم تصورات بند ہیں، جو اُسے اپنے آباؤ اجداد سے ورثتاً پہنچے ہیں۔ اور جنھیں وہ عقل و تحقیق کی ہوا تک نہیں لگنے دیتا۔ اس کے خلاف دوسرا طبقہ جدید تعلیم یافتہ بلکہ مغرب زدہ نوجوانوں کا طبقہ ہے۔ یہ لوگ مذہب کو مادیات کی کسوٹی پر کستے اور سائنس کی روشنی میں اس کا

[1] غور طلب بات یہ ہے کہ مستفتی نے تو صرف رات بھر میں اس کارگزاری کا ثبوت طلب کیا ہے اور مفتی صاحب صرف ایک ساعت میں نو نہیں، گیارہ پر سے عبور کا ثبوت دے رہے ہیں۔

مطالعہ کرتے ہیں۔ قدامت پرست گروہ کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ اسلام کے متعلق چند در چند غلط فہمیوں کو، جو خود اس نے اپنے دل و دماغ سے پیدا کر لی ہیں، دین کا سرمایہ سمجھ رہا ہے۔ دوسرے طبقے کی گمراہی یہ ہے کہ وہ قدامت پسند گروہ کے غلط تصورات ہی کو اسلام کا اصل سمجھ کر اُس پر تنقید و اعتراض کے وار کرتا ہے، لیکن اس سے بھی بڑی گمراہی یہ ہے کہ اوّل تو سرے سے اُس کو اسلام کا مطالعہ ہی حاصل نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی، تو اسلام کے متعلق اُس کی معلومات فرنگی مصنفین کی مرہونِ منت ضرور ہوتی ہیں یا دوسرے لفظوں میں اُس نے اسلام کو اپنی عینک سے نہیں، بلکہ مغرب کی عینک سے دیکھا ہوگا۔ ان حالات میں یہ شکایت کہ مغرب زدہ مسلمان، اسلام کو اس کے صحیح خد و خال میں نہیں دیکھتے، یقیناً درست ہے۔ بس مسلمانوں کے یہ دونوں قدیم و جدید فرقے افراط و تفریط کی گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

آزاد اسلامی ممالک میں اب ان باتوں کا احساس عام ہو رہا ہے اور کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اس جدید کشمکش سے نجات دلائی جائے۔ چنانچہ ممالک اسلامیہ کے بڑے بڑے علماء جنھیں اسلامی اور غیر اسلامی لٹریچر اور مشرقی اور مغربی تہذیب پر یکساں عبور حاصل ہے، قدامت پرست اور آزاد خیال مسلمانوں کی غلط فہمیاں دُور کرنے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ وہ اوّل الذکر طبقے کو بتا رہے ہیں کہ سائنس مذہب کا دشمن نہیں اور علوم جدیدہ کا حصول، مذہب کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ آخر الذکر طبقے کے سامنے اُن کی تبلیغ یہ ہے کہ اسلام وُہ نہیں ہے، جس پر تم اپنی غلط فہمیوں کی رُو سے اعتراض کر رہے ہیں، بلکہ اسلام وُہ ہے جس کی طرف تمام عالم انسانی، عملاً بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

اس سلسلے میں دنیائے اسلام کے ایک فاضل بزرگ محمد حسین ہیکل وزیر فرہنگ مصر نے زندگانی محمدؐ کے عنوان سے ایک نہایت بصیرت افروز کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے قدامت پسند و آزاد خیال مسلمانوں کے شکوک و اعتراضات کے بہت مفصل اور کامیاب جواب دیے ہیں اور اپنوں اور بیگانوں کے سامنے بہت خوبی کے ساتھ اسلام کی پوزیشن صاف کی ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اپنے دماغی اور دینی افلاس کے رُو سے، اس قسم کی کتابوں کے جس حد تک محتاج ہیں، محتاج تفصیل نہیں۔ اس شدید تبلیغی ضرورت کو سامنے رکھ کر ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ "زندگانی محمدؐ" کے مذکورہ اجزاء البیان کے ذریعے شائع کر دیے جائیں۔ ہم عرشی صاحب کے شکر گذار ہیں کہ صاحب موصوف نے اُردو ترجمے کی محنت اور تکلیف گوارا فرمائی، جزاہُ اللہ — البیان کے ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ براہِ کرم آئندہ پرچے کی زیادہ سے زیادہ تعداد مغرب زدہ اور تقلید پسند

دونوں طرح کے مسلمانوں کے ہاتھوں تک ضرور پہنچانے کی کوشش کریں۔ دَورِ حاضر کا سب سے بڑا کام یہی ہے کہ غیر مُسلموں کو اسلام سے روشناس کرانے سے پہلے، اپنوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ جب تک اسلام کے بارے میں، ہمارے اپنے دلوں میں علم و یقین کی روشنی پیدا نہیں ہوتی، ہم غیر مُسلموں کو اس کی طرف دعوت دینے میں قطعًا حق بہ جانب نہیں ہیں۔

اس نمبر کی قیمت چار آنے تجویز کی گئی ہے، جو اصحاب تبلیغ کے واسطے زیادہ پرچے منگوانا چاہیں، وہ ۲۰ مئی سے پہلے مطلع فرمائیں تاکہ ہم اسی نسبت سے آئندہ پرچہ زیادہ تعداد میں چھپوا سکیں۔

مسجد اور برآمدہ | پچھلے پرچے میں اعلان کیا گیا تھا کہ جناب چودھری خیر الدین صاحب پریذیڈنٹ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کی سعی و اہتمام سے مسجد کی چھت کے اخراجات کا انتظام ہوگیا ہے۔ اس سلسلے میں، جناب موصوف کی طرف سے، بہ تفصیلِ ذیل پانچ سو روپے کا عطیہ وصول ہوگیا ہے:

اپنی جیب سے	۲۰۰ روپے
مہر محمد عمر صاحب	۲۰۰ روپے
مہر نظام الدین صاحب	۱۰۰ روپے

اِن سطور کی تحریر کے وقت، چھت پاٹی جارہی ہے اور اس کی تعمیر کا کام دو ایک روز تک مکمل ہو جائے گا۔ اب صحن کی دیواروں اور فرش کی ضرورت باقی رہ جائے گی کسی صاحب دل کو اللہ تعالےٰ نے توفیق عطا فرمائی، تو یہ کمی بھی کسی وقت پوری ہو رہے گی۔ اِس وقت تک جتنا بھی تعمیری کام ہُوا ہے، اُسی کے فضل و احسان سے ہُوا ہے اور آئندہ بھی اُسی ذاتِ پاک سے ہماری اُمیدیں وابستہ ہیں۔

دفتر کے برآمدے کے متعلق گذشتہ نمبر میں اپیل کی گئی تھی کہ اس کی تعمیر بہت ضروری ہے۔ اس پر بابو چراغ الدین صاحب سدھو نے پچیس روپے کے عطیے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پانچ روپے خواجہ رحمت اللہ صاحب نے عطا فرمائے ہیں اور آٹھ دس روپے متفرق چندوں کی صورت میں موصول ہوئے ہیں۔ یہ رقم بہت ہی تھوڑی ہے۔ کم از کم ۱۵۰ روپے کا تخمینہ ہے۔ دفتر کی طرف سے بعض خاص خاص معاونوں کی خدمت میں قلمی خطوط کے ذریعے چندے کی درخواست کی جارہی ہے۔ ہمیں تمام اُن دوستوں سے جنھیں ہمیشہ دفترِ اُمّت کی امداد کا فخر حاصل رہا ہے، پوری امید ہے کہ وہ اس مرحلے پر بھی اپنے ایثار و محبت کا پورا پورا ثبوت دیں گے۔

محمد اقبال سلمانی

قرآن مجید اور حدیث

(۲)

(حضرت خواجہ احمدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن محفوظ ہے

دنیا میں بہت سی تاریخی کتابیں موجود ہیں۔ چوں کہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص دخل و تصرف کے بغیر محض انسانی تحقیقات سے لکھی گئی ہیں، اس لیے ان میں غلطیاں بھی موجود ہیں۔ اُن کتابوں میں صحیح باتوں کو گواہوں کی صداقت کا علم نہ ہونے کے سبب چھوڑا بھی گیا ہے اور غلط باتوں کو جَو فروش گندم نما لوگوں کے ہتھکنڈوں کے باعث بہ طور صحیح کے لیا بھی گیا ہے۔ ایسی کتابوں کی روایتوں کو مختلف قواعد کی بنا پر غلط و صحیح قرار دینے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے اور اگر قواعد میں شدت برتی جائے، تو شاذ و نادر کے طور پر ہی کوئی بات صحیح قرار پا سکتی ہے۔ ایسی کتابیں غلط و صحیح کا مجموعہ ہوتی ہیں، لیکن اگر ان کتابوں میں سے کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ کتاب خدا تعالیٰ کی خاص حفاظت کے ماتحت لکھی گئی ہے، تو ایسے اعتقاد کے ساتھ اُس کتاب میں ایک نقطہ یا حرکت کا فرق ماننا بھی باطل ہو جاتا ہے۔ اس معیار کے مطابق حدیثیں ہرگز ہرگز حفاظت الٰہی کے ماتحت نہیں لکھی گئیں۔ صرف انسانی ظنی کوشش کا کام ہیں، جو مناسب وقت کو ضائع کر کے بے وقت تحریر کی گئیں۔ انھیں رسولؐ خدا نے نہیں لکھوایا اور اگر لکھوایا تھا، تو خود ہی ضائع کرا دیا۔ انھیں عینی شاہدوں میں سے کسی نے نہیں لکھا اور اگر کسی نے لکھا ہوگا، تو بالضرور اُسے محو کر دیا گیا اور اس طرح رسولؐ خدا اور صحابہؓ نے اپنے عمل سے اُن کی عدم ضرورت پر مُہر لگا دی۔ رسولؐ خدا کی تاکیدی وصیت بھی نہیں لکھی گئی۔ قرآن عزیز کی حفاظت کا ذمہ دار خدائے عزیز ہے۔ اگر حدیثوں کا لکھنا ضروری ہوتا، تو اُن کے لکھے جانے سے قرآن کی حفاظت میں کوئی خلل واقع نہ ہو سکتا۔ اگر حدیثیں قرآن مجید کے ساتھ قرآن پاک کی طرح بالاستقلال مانے جانے کے لائق ہوتیں، تو رسولؐ خدا اور صحابہؓ تمام ضرورتوں سے اس ضرورت کو مقدم سمجھتے۔ اس وقت کتابت حدیث کا کام بہ سہولت تمام صرف دو چار آدمیوں کے سپرد کر دینے سے لاکھوں بخاریوں سے بڑھ کر یقینی طور پر ہو سکتا تھا۔ اگر حدیثوں کا جمع کرنا قرآن مجید کے فہم کے لیے ضروری ہوتا، تو مناسب وقت پر انھیں جمع کر کے قرآن کریم کے ساتھ

ہی دوسرے علاقوں میں بھیجا جاتا۔ ایسے قرآن حکیم کا خود اپنا فہم ہی اُن لوگوں کے لیے کافی نہ قرار دیا جاتا۔ قرآن مجید کی تحریر کا اس قدر اہتمام کرنا اور حدیثوں کو اڑتی پڑتی روایتوں کی صورت میں چھوڑ جانا، محتاط لوگوں کا عمر بھر حدیث کی روایت سے ڈرتے رہنا اور باوجود علم کے ان کی تبلیغ کو ضروری نہ جاننا، ایک صحابی کا قال رسول اللہ کہنا اور دوسرے کا اُس طرف کان نہ دھرنا، اور وجہ یہ بیان کرنا کہ چونکہ لوگ اس وقت ہر نرم سخت راہ پر چڑھنے لگ پڑے ہیں، اس لیے ترکنا الحدیث عنہ خود رسولِ خدا کے تاکیدی فرمانوں کو ٹال دینا اور حضورؐ کا ان سے باز آ جانا، یہ سب ایسی باتیں ہیں، جن سے قرآن مجید اور حدیث میں وہی فرق معلوم ہوتا ہے، جو کلام الٰہی اور قولِ بشر میں ہونا لازم ہے۔

صحابہؓ کے درمیان مسائل میں اختلاف تھا۔ وہ آیات کی تفسیر میں بھی مختلف رائیں رکھتے تھے۔ اُس وقت حدیثیں اُن کے اختلافات مٹانے کے قابل نہ ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایسی حدیثیں اُس زمانہ میں موجود ہی تھیں اور یا وہ لوگ ایک دوسرے سے سُن کر بھی اُنھیں ماننے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

محدثین سے پہلے حدیثیں اگر اسی طرح ہم پایۂ وحی قرار دے کے عام طور پہ مانی جاتی تھیں اور اسی طرح حدیثی فتووں کی ضرورت سمجھی جاتی تھی، جیسا کہ اس وقت سمجھی جاتی ہے، تو ضرور تھا کہ اس وقت ہر شہر کی اسلامی عدالتوں میں ہر ایک جج کے پاس حدیثی کوڈ موجود ہوتے۔ ایسی صورت میں ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ محدثین کو بالعموم آحاد حدیثیں ہی ملتیں۔ محدثین کی محنتوں، کوششوں اور لمبے سفروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیثیں اُس وقت سہل الحصول نہیں رہی تھیں۔ حیف ہے کہ ہم پایۂ وحی حدیثوں کا صدرِ اسلام میں یہ حال ہو اور اس وقت قرآن عزیز کی مثل قرار دی جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت فہم قرآن بھی، اُن کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتا۔

یہ بات بھی عجیب ہے کہ لوگ لمبے زمانہ تک راویوں کے لمبے سلسلوں کو یاد رکھنے کی دقت تو گوارا کرتے آئیں، لیکن ان میں سے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی حدیث کے لکھ لینے کی طرف رغبت نہ ہو۔

ہاں حدیثیں گھڑنے والوں کو لوگوں کی زبان بند کرنے کے لیے راویوں کے سلسلے گھڑنے کی البتہ ضرورت تھی۔ مشہور لوگوں کے نام لے دینا بالکل سہل تھا۔ اس طریقے سے لاکھوں حدیثیں پھیلائی گئیں۔ ان میں ایک کی شرائط ملشت از بام بھی ہو گئیں اور کسی روایت کے سچے جھوٹے قرار پانے کا کچھ اعتبار نہ رہا۔ ایسے وقت میں محدثین نے شہادت در شہادت کے سلسلوں پر ہی اپنی تحقیقات کی بنیاد رکھی۔ اُن کی تحقیق کے مطابق بھی جھوٹ کا عنصر اس قدر غالب تھا کہ ایک بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے صرف اڑھائی ہزار حدیث کی شہادت کو کھرا سمجھا۔ یہ شہادت در شہادت اگر بناوٹی نہ بھی مانی جائے، تو بھی اس قابل نہیں ہو سکتی کہ اس کے ذریعے کسی کو چند روپ[ے]

؎ مجموعہ قوانین۔

کی ڈگری بھی دلائی جا سکے۔

اس نکمی شہادت سے ایسی روایتیں بھی صحیح ٹھیرائی گئی ہیں جن میں قرآن مجید کی سورتوں تک کا گم ہو جانا بھی بیان کیا گیا ہے۔ آج تک آیۂ رجم کے بیان کرنے میں کوئی ندامت محسوس نہیں کی جاتی جس طرح ایک کبڑی عورت نے چاہا تھا کہ دوسرے لوگ بھی کبڑے ہو جائیں، اسی طرح یہ حدیثیں چاہتی ہیں کہ قرآن محفوظ کی حفاظت بھی ہماری طرح ہی گم ہو جائے۔

حاصل یہ ہے کہ حدیثوں کی حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے ہرگز ہرگز نہیں کیا اور نہ یہ حدیثیں عملی طور پر حفاظت الٰہی کے ساتھ پہنچی ہیں۔ ان میں موضوع و ضعیف و ظنی وغیرہ حدیثیں بھی ہیں۔ یہ رسولؐ خدا یا صحابہؓ سے لکھی ہوئی بھی نہیں پہنچیں۔ لیکن قرآن عزیز کی حفاظت کا وعدہ خود خدائے عزیز نے فرمایا ہے اور عملی طور پر صحابہؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید آج تک دنیا میں موجود ہے۔ قرآن مجید رسولؐ خدا کے عہدِ سعادت مہد ہی سے لکھا جاتا اور حفظ کیا جاتا رہا ہے یہ حفاظت کسی اور مدعیٔ الہام کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ جس کتاب کو اللہ تعالیٰ اپنے تصرف خاص سے عطا فرمائے اور اس کو ہمیشہ تک قائم رکھنا بھی مقصودِ الٰہی ہو، تو ایسی کتاب کے لیے لازم ہے کہ خود خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا وعدہ کرے اور عملاً حفاظت تمام اُسے پہنچا کر بھی دکھلا دے۔ اس معیار کے مطابق قرآن کریم بالضرور خدا تعالیٰ کے خاص تصرف سے ملا ہوا ہے، لیکن اگر حدیثیں بھی خدا تعالیٰ کے خاص تصرف ہی سے ملی ہیں اور اُن کا ہمیشہ کے لیے قرآن عظیم و بے مثل کے ساتھ ایک دوسرا مستقل اصول بننا اور قرآن کے ساتھ اُن کا ہم پایۂ وحی تفسیر قرآن قرار پانا مقصودِ الٰہی ہے، تو کیوں خدا تعالیٰ نے اپنے تصرف خاص سے اُن کی حفاظت نہیں فرمائی؟

کہا جاتا ہے کہ تورات، زبور، انجیل وغیرہ بھی خدا تعالیٰ کے تصرفِ خاص ہی سے ملی تھیں، نہ ان کی حفاظت قرآن مجید کی طرح کیوں ضروری نہیں قرار دی گئی، تو جواباً عرض ہے کہ وہ کتابیں ہمیشہ کے لیے مقصود نہ تھیں لیکن حدیثوں کے متعلق یہ نہیں مانا جاتا۔ انھیں قرآن بے مثل کے ساتھ دوسرا مستقل شریک بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید کا ہم پایۂ وحی فہم بتلایا جاتا ہے اور تورات، زبور، انجیل سے بھی بڑھایا جاتا ہے۔ ہم پایۂ وحی فہم قرآن کا علم الفاظ قرآن سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہو سکتا، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ الفاظ کی حفاظت تو خود خدا کرائے اور ہم پایۂ وحی فہم کا یہ حال کر دے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حدیثیں رسولؐ خدا کے وقت میں قرآن مجید کا ایسا ہی فہم تھیں، جو خدا تعالیٰ کے خاص

تصرف سے ملا تھا، چوں کہ حدیثوں کی حفاظت نہیں ہوئی، اس لیے وہ فہم گم ہو گیا۔ پس اس وقت کسی ایسی بحث کی کوئی ضرورت باقی نہیں۔ لیکن یہ خیال قطعاً غلط ہے۔

قرآن مجید کا جو فہم خود قرآن مجید سے بل سکتا ہے، وہ تو قرآن مجید میں محفوظ ہے ہی، لیکن اگر خارج از قرآن، قرآن مجید کا کوئی اور فہم تصرف الٰہی سے ہم پایۂ وحی الٰہی بنایا گیا ہوتا، تو اس کو بعد میں حفاظت نہ کرانے کے سبب ہم پایۂ وحی ہونے سے کیوں نکال دیا جاتا؟ کیا یہ انصاف ہے کہ خدا تعالیٰ الفاظ قرآن کی حفاظت کا تو خود ذمہ لے اور قرآن مجید کے ہم پایۂ وحی فہم کو اس بے دردی سے ظنی بنا دے۔ المختصر اگر خدا تعالیٰ نے قرآن عزیز کے کسی ہم پایۂ وحی فہم کی اطاعت ضروری قرار دی ہے، تو اس کو الفاظ قرآن کی طرح ہی پہنچانا لازم تھا۔ قرآن کے ہم پایۂ وحی فہم کی حفاظت خود قرآن سے کم نہیں ہونی چاہیے تھی۔ پس رسول خدا کا بشری فہم قرآن اسی طرح کا ہونا چاہیے، جو اب بھی نیک دل بشروں کا ہو سکتا ہے۔

دو باتوں میں سے ایک بات کا ماننا لازم ہے۔ اگر حدیثیں ہم پایۂ وحی اور ہمیشہ کے لیے مقصود تھیں، تو ان کی حفاظت کا خاص تصرف الٰہی سے ہونا واجب ہے اور اگر وہ صرف بشری اجتہادات تھیں، تو ان کا حکم بشریت کی حد سے بڑھانا باطل ہے۔

قرآن و حدیث دونوں رسول خدا کی زبان سے نکلتے تھے، لیکن قرآن مجید کے متعلق آج تک کسی مسلمان کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کی کسی آیت کے سنانے سے پہلے قال رسول اللہ کہہ دیا کرے، مگر حدیثوں کے سنانے سے پہلے اگرچہ وہ صحیح ہوں یا موضوع یا ضعیف، ضرور ہی قال رسول اللہ کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اپنے دل میں کلام الٰہی اور قول بشر کا صریح فرق بالضرور محسوس کرتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ قرآن مجید الفاظ کے لحاظ سے قال اللہ ہے، لیکن حدیث صرف مفہوم و معنی کے لحاظ سے قال اللہ ہے، الفاظ کے لحاظ سے قال اللہ نہیں۔ پس الفاظ رسول کے متعلق قال رسول اللہ کہنا ہی مناسب ہے، تو جواباً عرض ہے کہ صحابہؓ بالعموم رسول خدا سے روایت بالمعنیٰ کرتے تھے، پس وہ رسولؐ کے فہم کے متعلق ہی قال رسول اللہ کہتے تھے نہ کہ الفاظ رسولؐ کے متعلق، جیسا کہ اس وقت دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ہاں رسولؐ کے جس فہم کی قرآن مجید میں تصدیق کی گئی ہے، اس کے متعلق تصدیق الٰہی کے باعث قال اللہ کہنا ہی درست ہے۔ ہم بھی قرآن مجید کے ترجمہ کے متعلق اور اس کے فہم کے متعلق جو صراحۃً قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے، قال اللہ ہی کہتے ہیں، لیکن اجتہادی و نظری فہم کو اپنا فہم بتلاتے ہیں اور زائد از قرآن باتوں کو اپنے معلومات دکھلاتے ہیں۔ یہی حال ہر بشر کے اپنے اقوال و افعال کا ہے۔ (باقی)

لقائے ربّانی

(مارچ ۱۹۴۰ء کے ایک جمعہ کا خطبہ جو بعد میں مرتب کیا گیا۔)

اس زمانے کے بعض محقق بڑے وثوق و ادعا کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں کہ مذہب کا مقصود اصلاح اخلاق کے سوا کچھ نہیں۔ اگر کوئی شخص اخلاقی مدارج طے کرچکا ہے، تو اس کے لیے کسی مذہبی جماعت میں داخل ہونا تحصیل حاصل ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے اصحاب تمکن فی الارض (سلطنت) کو شجرِ مذہب کا حقیقی ثمرہ قرار دیتے ہیں اور ایک بہت بڑی جماعت ایسے لوگوں کی بھی ہے، جو محترم ہادیانِ مذاہب کی محبت کو منتہیِ مقصود و مقصد سمجھ رہے ہیں۔ سب کے پاس دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ راقم کی تحقیق یہ ہے کہ مذکورہ مقاصد یا اسی قسم کے اور مطالب دنیا کے بعض دوسرے[1] مذاہب کا منشاء ہوں تو ہوں، لیکن اسلام کا مقصود ان سب سے بلند ہے۔ وہ ان چیزوں کو وسائل و ذرائع کے طور پر لیتا ہے، لیکن اپنی رفتار کو یہیں ختم نہیں کردیتا۔ ممکن ہے، ایک شخص مختلف اقوام و ممالک کے بنائے ہوئے اخلاق کی کسوٹی پر پورا نہ اترے، یا اس کو تمکن فی الارض کے حصول کا موقع نہ مل سکے، یا وہ کسی بلند مرتبہ شخصیت کے کمالات سے متعارف نہ ہوسکے اور اس کے باوجود وہ مسلم ہو، روح اسلام سے معمور ہو۔ خوش قسمتی سے اسلام کا مستندترین صحیفہ (قرآن بزرگ) اپنی اصلی شکل میں اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم اس سے پوچھ سکتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کا مقصود حقیقی کیا ہے؟ وہ بغیر کسی ایچ پیچ اور رمز و کنایہ کے صرف ایک بابرکت لفظ میں حقیقت کے چہرے سے تمام پردے اٹھا دیتا ہے:

"اللہ" عزّ اسمہ وجلّ شانہٗ

پھر اس مبارک مقصود کو ایک دفعہ نہیں، بے شمار مرتبہ، ایک طرح نہیں، بے شمار طریقوں سے بیان کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

---

[1] بدھ ازم اخلاق سے آگے نہیں بڑھا۔ یہودیت تمکن فی الارض کی سعی ناکام میں سرگردان ہے۔ مسیحیت خدا کے بیٹے (معاذ اللہ) کی موہنی صورت کے تصور میں محو ہے۔ ہندویت رام و کرشن وغیرہما کی محبوب شخصیتوں کے عشق میں سرشار ہے۔ (منہ)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۝ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

جن لوگوں نے خدا کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا، وہ گھاٹے میں آگئے، یہاں تک کہ جب اچانک اُن پر قیامت آموجود ہوگی، تو وہ بول اٹھیں گے: ہائے، اُس تقصیر پر افسوس ہے، جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے اعمال کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں، بہت بُرا ہے اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغولہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) اُن کے لئے جو آخرت سے ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں ؟

ان مبارک آیات میں دو باتیں قابلِ غور ہیں، خدا کی ملاقات کو جھوٹ سمجھنا، دنیوی زندگی کے لہو و لعب میں گمن رہنا اور اپنی تمام کوششوں کا انحصار ہی دنیا پر رکھنا، یہ موجب ہُوا خسران و حسرت کا۔

اسی مفہوم کو سورۂ اعراف میں دوسرے لفظوں میں ادا کیا ہے:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا، اُن کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں، ویسا ہی اُن کو بدلہ ملے گا۔

وہ چیز جو اوپر لقاء اللہ تھی یہاں لقاء الآخرہ کی صورت میں آگئی ہے نتیجہ ایک ہی ہے۔ وہاں خسران (گھاٹا) کہا گیا تھا، یہاں حبطِ اعمال (عملوں کی بربادی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ یونس میں دیکھیے:

فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے، ہم ان کو اُن کی سرکشی میں حیران و سرگردان چھوڑ دیتے ہیں۔

یہاں لقاء اللہ کے انکار کو طغیان (سرکشی) کہ کر اس کا نتیجہ حیرانی و سرگردانی میں مُبتلا رہنا قرار دیا ہے اگر تمھارے چہرے پر آنکھیں اور آنکھوں میں بینائی ہے، اگر تمھارے سر میں دماغ اور دماغ میں فکر و تدبر کا مادّہ موجود ہے، تو اُن لوگوں کو دیکھو، اُن قوموں پر نظر کرو، جن کے پاس علم ہے، حکومت ہے، تجارت ہے، تہذیب و ترقی ہے، الغرض سب کچھ ہے، مگر اللہ نہیں، کیا ان کی سرکشی اور پھر حیرانی و سرگردانی اب کوئی راز ہے جو ظاہر کی آنکھوں کو نظر نہ آئے؟

اسی سورہ میں آیت مذکورہ سے چند آیات اوپر ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا
بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ
هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ
مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ ۱۰

جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں، اُن کا ٹھکانا اُن اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے، دوزخ ہے۔

لقاء اللہ سے مایوسی اور دُنیوی زندگی پر راضی رہ کر اسی پر مطمئن ہو جانا اور آیاتِ الٰہی کو جھوٹا سمجھنا، مستلزم ہے آتشیں عذاب کا اور وہ آتشیں عذاب اُن کا اپنا تیار کیا ہُوا یا اُن کے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ ہوگا۔ اس جہان کی آتش باریاں بھی تو انسان ہی کے ترقی پسند دماغ کا نتیجہ ہیں۔ الرعد میں دیکھیے:

اَللّٰهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ
تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ
سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي
لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ
لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝ ۱۳

خدا وُہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے۔ پھر عرش پر جا ٹھیرا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا۔ ہر ایک ایک میعادِ معین تک گردش کر رہا ہے وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے (اس طرح) وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو جانے کا یقین کرو۔

یہاں آسمانوں کے بے ستون قیام اور بلندی، سورج اور چاند ایسے عظیم کُروں کی گردش و تسخیر، تدبیر امر اور تفصیلِ آیات کی آخری غرض ہی یہ بتائی گئی ہے کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین رکھو! کہف میں ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝
الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝
أُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ
وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ
جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا
آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ ۱۸

کہہ دو کہ ہم تمھیں بتائیں، جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں؛ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن اُن کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ اُن کی سزا ہے یعنی جہنم، اس لیے کہ اُنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اُڑائی۔

یہاں بھی وہی چیز ہے: خسرانِ اعمال، حیاتِ دنیوی کی سعی کی بربادی، اور اپنے کرتبوں پر حسنِ ظن، قیامت کے دن اُن کی کوششوں کا کوئی وزن اور کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ آخر سورہ میں نتیجہ سورہ فرمادیا:

يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ
عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا ۔ ۱۱۰

میری طرف وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔ تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے، چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

وحی کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور جو کوئی اُس کی ملاقات چاہے، بھلے کام کرے اور شرک سے بچے۔ اس آیت نے بتایا کہ وحی، رسول، نیک کام، اخلاق حمیدہ وغیرہ تمام ذرائع ہیں، مقصود نہیں۔ مقصود صرف ایک ہے۔

پیغام نوحؑ کے منکرین کی تباہی کے بعد ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں اور اپنے لوگوں کو الٰہ واحد کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ دولت مند لوگ جو کفروا وکذبوا بلقاء الآخرۃ (کافر اور لقائے آخرت کو جھوٹ کہنے والے) ہیں، اس دعوت کا جواب دیتے ہیں:

مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ
مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا
تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا
مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝
أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ
تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُّخْرَجُونَ ۝
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝
إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ
وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ
هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

یہ تو تمہیں جیسا آدمی ہے۔ جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو، اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو (پانی) تم پیتے ہو، اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا، تو گھاٹے میں پڑ گئے۔ کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤگے اور مٹی ہو جاؤگے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ) رہے گا، تو تم (زمین سے) نکالے جاؤگے؟ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے کہ (اسی میں) ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے خدا پر جھوٹ افترا کیا ہے اور ہم اس کو

وَمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا: اے پروردگار! انھوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر! فرمایا: یہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ تو ان کو (وعدہ) برحق کے مطابق، زور کی آواز نے آ پکڑا۔ ہم نے اُن کو کوڑا کر ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔

ان آیات مبارکہ نے بتایا کہ لقائے آخرۃ کی تکذیب کے اسباب کیا ہیں؟ سرداری، دُنیوی آسودگی (حالاں کہ یہ چیزیں عطیۂ الٰہی ہوتی ہیں۔ اترفنا) لقائے آخرت سے بے پروائی اور فانی اسباب کے گھمنڈ نے ان کے منہ سے کیا کہلوایا، یا اُن کو قبولِ دعوت سے کس چیز نے روکا؟ (۱) وہ رسول کو بشر سے کچھ بلند دیکھنا چاہتے تھے، اُس کے اکل و شرب میں امتیاز کے متمنی تھے (۲) اپنے ایسے بشر کی اطاعت میں خسارہ (کسرِشان) سمجھتے تھے (۳) حیات بعد الموت کو فہم و قیاس سے بعید جانتے تھے (۴) حدودِ عناصر کے اندر اندر زندگی کو محدود سمجھتے تھے (۵) پیامبر کو مفتری اور کاذب خیال کرتے تھے۔ آخر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ ایک ہول ناک عذاب نے قوم کی قوم کا خاتمہ کر دیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

۱۹
۱۸-۱۶

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے؟ اور تمھارا پروردگار تو دیکھنے والا ہے اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں، ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے؟ یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے، اُس دن گناہ گاروں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور کہیں گے: (خدا کرے تم) روک لیے (اور بند کیے) جاؤ۔

یہاں بتایا کہ انبیاء ہر لحاظ سے بشر ہوتے ہیں، لیکن لقائے الٰہی کے منکر ان کی معقول دعوت سے تسکین نہ پاکر رب اور ملائکہ کے مادی صورت میں نمودار ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ مطالبہ ان کی انتہائی سرکشی ہے۔

عنکبوت میں ہے:

مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ — جو شخص خدا کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہو، تو خدا کا مقرر کیا ہُوا وقت ضرور آنے والا ہے۔

اس کا منشا یہ ہے کہ لقائے الٰہی کا امیدوار اپنے نصب العین سے ضرور واصل ہو کر رہے گا۔ اس کی ناکامی کی کوئی وجہ نہیں۔

الروم میں ہے:

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ؕ

اور بہت سے لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے، اُن کا انجام کیسا ہُوا؟ وہ ان سے زور و قوت میں کہیں زیادہ تھے اور اُنھوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا، جو انھوں نے آباد کیا اور اُن کے پاس اُن کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے، تو خدا ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا، بلکہ وُہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے بُرائی کی، اُن کا انجام بھی بُرا ہُوا، اِس لیے کہ خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن کی ہنسی اُڑاتے رہے تھے۔

یہاں ارشاد ہُوا کہ لوگوں کی اکثریت رب کی ملاقات سے انکاری رہی ہے۔ علم آثار اور تاریخ اس انکار کے تباہ کُن نتائج کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ جو چاہے، آنکھ کو کھولے، دیکھے اور درسِ عبرت حاصل کرے۔

سورۂ زمر میں تفہیم کے لیے ایک دوسرا پہلو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ

اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچ جائیں گے، تو اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے، تو اُس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمھیں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے، جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے؟ کہیں گے، کیوں نہیں، لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم متحقق ہو چکا تھا۔

یہاں عالم آخرت کو سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ اہل جہنم گروہ در گروہ جہنم میں ڈھکیلے جا رہے ہیں۔ دربان سوال کرتے ہیں: "کیا تمھارے پاس تمھیں میں سے رسول احکام الٰہی لے کر نہیں پہنچے تھے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے نہیں ڈرایا تھا؟" وہ اقرار کرتے ہیں اور سزایاب ہوتے ہیں۔

حٰم السجدہ میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے، جو لقائے ربانی کا کھلا انکار نہیں کرتے، لیکن اس کے متعلق شک رکھتے ہیں:

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

دیکھو! یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ انھیں خبردار کر دو کہ وہ پاک ذات ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے!

سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کو بہت سی ہدایات ارشاد فرمائی ہیں اور صبر و صلوٰۃ کا مکلف کیا ہے، وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ ان حکموں پر کاربند ہونا مشکل ہے اور ہر مشکل خشوع (عجز و نیاز) سے حل ہو جاتی ہے، لیکن خشوع جب ہی پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی طرف رجوع اور اُس کی ملاقات پر ظن (قریب یقین) رکھا جائے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو، بے شک خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے جائیں، اُن کی نسبت یہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں)، بلکہ زندہ ہیں، لیکن تم نہیں جانتے اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمھاری

وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

آزمائش کریں گے، تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

دوسری جگہ زن و شوہر کے معاملات کی اصلاح کی تلقین کرتے ہوئے بیچ میں یہی نکتہ نگینِ خاتم کی طرح جڑ دیا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اللہ سے ڈرو اور اس کی ملاقات کا علم حاصل کرو اور ایسے مومنوں کو بشارت ہے۔

آگے چل کر لشکرِ طالوت کا ذکر کرتے ہیں۔ جالوت کے مقابلے میں اس کے ساتھ تھوڑی سی جمعیت رہ گئی اور اکثروں نے بزدلی دکھائی، لیکن وہ جو ثابت قدم رہے، ان کی ثابت قدمی کا باعث یہی ملاقاتِ الٰہی کا ظن (قریب بیقین) تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے رو برو حاضر ہونا ہے، وہ کہنے لگے: بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔

سورۃ الانشقاق میں انسانی فطرت کی حقیقی پکار کو الفاظ ذیل میں واضح کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے، سو اس سے جا ملے گا۔

انسانی فطرت کی ہر چھلانگ طبعاً خدا کی طرف جا رہی ہے۔ وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مراد کو حاصل کر لینے کے بعد دیر تک اس پر قانع نہیں رہ سکتا۔ اس کی لانہایت طلب کو کوئی مطلوب دائمی تسکین نہیں دے سکتا۔ وہ بے شمار خواہشوں کو پا لینے کے بعد ان سے اکتا کر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے:

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا
یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں؟

مگر اس پہ مخلوقات کی حقیقت کھل گئی، تو وہ مجبور فریاد ہوگا کہ:

ہر کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　　　فرزند و عیال، خان وماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　　　دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

سورۂ نجم میں اس سیر غیر متناہی اور ارتقائے دوامی کے لیے صحف ابراہیم و موسیٰ کے حوالہ سے ایک دوسرا لفظ ذکر کیا ہے:

اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى (۵۳)	اور تمہارے پروردگار ہی کی طرف پہنچنا ہے۔

بعض دوسرے مقامات پر مآب اور مصیر کے الفاظ اس مفہوم کے لیے اختیار فرمائے ہیں:

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۱۳	میں اسی کی طرف بلاتا ہوں، اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔
ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ۳	یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں اور خدا کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ ۳۰	پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنالے۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۴۰	اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔
وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝ ۵۰	اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔
اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (لقمان)	تمہیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔
اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۲۴	خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ۲	اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے

ان آیات میں کس طرح مختلف طریقوں اور ضمیروں سے بار بار مآب و مصیر کو صرف ایک ہی جانب خاص کیا گیا ہے۔

سورہ التوبہ میں ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ۱۵	خدا نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور خدا کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

بہشت کی تمام نعمتیں جن کی تفصیل جا بہ جا قرآن میں بیان کی گئی ہے، یہاں ان سب سے بڑھ کر ایک چیز بتائی ہے، وہ کیا ہے؟ رضوان من اللہ، تمام دولتوں اور نعمتوں کے مالک کی خوشنودی یقیناً ہر نعمت سے بڑھ کر ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے لیے مسخر کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ ہر شئے خادمِ انسان ہونے کی حیثیت سے انسان سے کم درجہ ہے۔ پھر ان کم درجہ اشیاء سے بلند مرتبہ انسان کی رُوحانی طلب کو دائمی تسکین کس طرح مل سکتی ہے؟

الا کل شئی ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالۃ زائل (لبید)

یہ زندگی اور سامانِ زندگی اس لحاظ سے کہ قطعی نتائج کی طرف لے جا رہے ہیں، اٹل حقائق کا حکم رکھتے ہیں۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ ما خلقنا السموات والارض وما بینھما باطلا (۲۲)، لیکن اس لحاظ سے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی انسان کی دائم الارتقا ہستی کا ساتھ نہیں دے سکتی، یہ سارا کارخانہ لہو و لعب سے زیادہ نہیں:

اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ	دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے۔
وَمَا ھٰذِہِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَھْوٌ وَّلَعِبٌ	اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے۔
وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ	اور دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور مشغولہ ہے۔

اہلِ حق کائنات سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن کائنات کے لئے نہیں۔ اُن کا قبلۂ مقصود حق ہوتا ہے۔ قیس عامری نے کتنا اچھا کہا ہے:

امرّ علی الدیار دیار لیلیٰ — اقبّل ذا الجدار و ذا الجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی — ولکن حب من سکن الدیارا

ولکاتبہ:

عشق محمل نہیں اس کو طلب لیلیٰ ہے
قیس اگر دوڑتا ہے محمل لیلیٰ کی طرف

لے دیارِ لیلیٰ سے گذر رہا ہوں، کبھی اس دیوار کی طرف رُخ کرتا ہوں، کبھی اُس کی طرف۔ میرے دل میں اس دیار کا عشق نہیں ہے، میں تو اس کے باشندہ کا تمنائی ہوں۔

کہنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا:

خلاف طریقت بود کاولیا

تمنا کنند از خدا جز خدا

مولانا جامی نے اپنے مخصوص انداز میں لوائح میں اس نکتہ کو ذیل کی رباعی میں واضح کیا ہے:

اے[1] ذات رفیع تو نہ جوہر نہ عرض — فضل و کرمت نیست معلل بغرض

ہر کس کہ نباشد تو عوض باشی ازو — وان را کہ نباشی تو کسے نیست عوض

ایک دوسرے بزرگ نے اس مضمون کو نہایت بدیع اسلوب سے موزوں کیا ہے:

لکل[2] شئ اذا فارقتہ عوض

ولیس للّٰہ ان فارقت من عوض

ان شواہد سے میرا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ قرآن مجید کا غائر مطالعہ کرنے والے اور اسلام کی اصلی روح کو سمجھنے والے یہی لوگ ہیں، جن کی نگاہ ذات واجب تعالیٰ کے سوا کہیں نہیں اٹکی۔ وہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو حضرت منعم کے سامنے قابل اختیار و انتخاب نہیں سمجھتے۔ رومی نے اس نکتہ کو بار بار دہرایا ہے:

بزیر[3] کنگرۂ کبریاش مردانند

فرشتہ صید، پیمبر شکار، یزداں گیر

اس دل کے حوصلۂ عالی اور عزم بلند کا کون اندازہ کر سکتا ہے جس سے یہ شعر نکلا ہے! مثنوی میں فرماتے ہیں:

روز[4] ہا گر رفت گو رو باک نیست

تو بماں اے آں کہ چوں تو پاک نیست

---

[1] تیری ذات پاک نہ جوہر ہے نہ عرض، تیرا فضل و کرم بے غرضانہ ہے۔ جو شخص نہ مل سکے، تو اس کا عوض ہو جاتا ہے اور اگر تو نہ ملے، تو تیرا کوئی عوض نہیں۔

[2] ہر وہ چیز جس سے تم الگ کر دیے جاؤ، اس کا عوض مل سکتا ہے اور اگر اللہ سے الگ ہو جاؤ، تو اس کا کوئی عوض نہیں۔

[3] اس کی بزرگی کے مینار کے نیچے ایسے بزرگ ہیں، جو فرشتوں کے صیاد، پیغمبروں کے شکاری اور خدا کو پالینے والے ہیں۔

[4] زمانہ گذرتا جا رہا ہے، کچھ پروا نہیں، اے بے مثال، مقدس ذات! ہمیں تیرے ہونے کی ضرورت ہے۔

دیدہ بینا از لقائے حق بود　　حق کجا ہم راز ہر احمق شود

زین او گیرائے یار دلیر　　کو منزہ باشد از بالا و زیر

نے چو عیسیٰ سوئے گردوں بر رود　　نے چو قاروں در زمیں اندر رود

بعض بزرگوں سے اس قسم کی دعائیں منقول ہیں:

اللّٰهم انت مقصودی و رضاك مطلوبی۔[1]

ولکاتبہ:

صابر بہ بلائے خویش گرداں یارب!　　شاکر بہ عطائے خویش گرداں یارب!

از عاشق ناتواں دعائے بہ پذیر!　　راضی بہ رضائے خویش گرداں یارب!

ترمذی اور مستدرک حاکم میں آں حضرت صلعم کی ایک دعا منقول ہے:

اللّٰهم ارزقنی حبك وحب من یحبك وحب عمل یبلغنی الی حبك و اجعل حبك احب الی من نفسی واهلی ومن الماء البارد۔

اے اللہ مجھے اپنی محبت عنایت فرما اور اپنے دوستوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے اور اپنی محبت کو میرے دل میں میری جان، عیال اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز کردے۔

تمام مذکورہ آیات واقوال سے سورج کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ انسان کی فطرت ارجمند کا مقصود حقیقی اور منزل آخری ملائکہ ہیں نہ انبیاء، اخلاق ہے نہ عبادات، وحی ہے نہ کتاب یہ سب چیزیں قابل احترام وسائل ہیں نہ مقصود بالذات۔ ان میں ہمیشہ تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے۔ سابق کو لاحق کے لیے جگہ چھوڑنی پڑی ہے۔ ایک کا جانشین دوسرا ہوتا آیا ہے، تا آں کہ آخری کتاب اور آخری نبی کا ظہور ہوا جس نے ایک جامع ہدایت نامہ دے کر انسان کو ہمیشہ کے لیے نئی نئی نبوتوں اور رسالتوں کے امتحان میں پڑنے سے بچا دیا۔ ———— تو مقصود وہی ایک رہا جس کو تغیر ہے نہ تبدل جس کا شریک ہے نہ سہیم ———— اسی طرح اطمینان کامل نہ حور وقصور سے ہوگا نہ روح کی حقیقی پیاس کوثر وتسنیم سے بجھے گی، نہ اس دنیا سے سیری ہوگی نہ اُس دنیا سے۔ یہ سب چیزیں نہایت قابل قدر نعمتیں تو ہیں، لیکن منعم نہیں۔ ہر نعمت

---

[1] اے اللہ تو میرا مقصود ہے اور تیری رضا ہی مجھے مطلوب ہے۔

صرف ایک نعمت ہے اور وہ بے زوال لیکن لازوال منعم ہیں ہر وقت یہ سب نعمتیں موجود۔ پس کتاب اللہ کا آخری فیصلہ یہ ہے کہ تم اپنی تسلی خاطر اور طمانیت قلب کے جتنے بھی ڈھنگ نکالو گے سب یکے بعد دیگرے غلط ثابت ہوتے جائیں گے۔ الّ

جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور جن کے دل خدا کی یاد سے آرام پاتے ہیں دیکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔	الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۭ

تو عزیزانِ من! جس کو صرف یاد کر لینے سے دلوں کے اضطراب دور ہو جائیں اور اطمینان حقیقی کی دولت ہاتھ آجائے، اُس کی "لقا" کو پا لینے سے جو کیفیت حاصل ہوگی اس کو لا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ العین کے سوا کیا کہا جائے؟

یارب دل پاک و جان آگاہم دہ　　آہ شب و گریہ سحرگاہم دہ
در راہ خود اول ز خودم بے خود کن　　انگہ بے خود ز خود بخود راہم دہ
یارب ہمہ خلق را بمن بدخو کن　　وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کن از ہر جہتے　　وز عشق خودم یک جہت و یکرو کن

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مفت

"البیان" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اگر آپ اس چندے کے ساتھ مزید ایک روپیہ شامل کر کے چار روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے، تو ہم آپ کو رسالہ "بلاغ" کے ۴۴ منتخب پرچے جن کا حجم تقریباً ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت چھ روپے، مفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام سال بھر کے لیے "البیان" بھی جاری کر دیں گے۔

یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق و معارف، اسلامی و تاریخی معلومات اور علمی و روحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وہ تمام مسلمان جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہو کر اسلام کو اُس کے صحیح خد و خال میں پہچاننے کے آرزومند ہیں، انھیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہییں۔

(نوٹ) اس عظیم الشان رعایت سے "البیان" کے نئے اور پرانے تمام خریدار فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مینیجر رسالہ "البیان" امرتسر

اقوالِ زرّیں

حضرت عبداللہ بن مبارک کے مقولے نہایت حکیمانہ اور نصیحت آموز ہوتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"لوگ دنیا سے اُٹھے جا رہے ہیں حالاں کہ انھوں نے اُس چیز کو نہیں چکھا، جو یہاں کی سب سے زیادہ عمدہ اور لطیف چیز ہے" لوگوں نے پوچھا، حضرت! وہ کیا ہے؟ ارشاد ہُوا" اللہ کی معرفت"

اُن سے کسی نے پوچھا" تواضع کیا ہے؟" فرمایا: مال داروں کے ساتھ تکبر سے پیش آنا۔

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ" چھ لاکھ درہموں کے صدقہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ میں ایک مشتبہ درہم کو رد کر دوں۔"

ایک مرتبہ آپ سے دریافت کیا گیا" واقعی انسان کون ہیں؟ فرمایا" علما،" پھر پوچھا گیا"بادشاہ کون ہیں؟" ارشاد ہُوا" ارباب زہد" پھر سوال کیا گیا" کمینے کون ہیں؟" جواب دیا" وہ بدنصیب انسان جو دین کو معاش کا ذریعہ بناتے ہیں"

ایک موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے" ہم نے تو علم دنیا کے لیے ہی حاصل کیا تھا، لیکن جب اُسے حاصل کر چکے، تو علم نے بتایا کہ دنیا ترک کر دینی چاہیے"

ایک دفعہ آپ چند ساتھیوں کے ساتھ پانی پینے ایک گھاٹ پر تشریف لے گئے۔ وہاں جو لوگ موجود تھے، وہ آپ کو پہچانتے نہیں تھے۔ چنانچہ جب آپ پانی پینے کے لیے آگے بڑھے، تو اُن لوگوں نے مزاحمت کی اور آپ کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ حضرت کے ساتھیوں کو ان ناواقفوں کی یہ حرکت سخت ناگوار گذری، لیکن آپ نے یہ فرما کر انھیں خاموش کر دیا" زندگی کا لطف ایسی ہی جگہ پر ہے، جہاں ہمیں کوئی نہ جانتا ہو اور جہاں کوئی ہماری توقیر نہ کرتا ہو!" (برہان)

ارشاداتِ رسولؐ (۱) قرض کی تلافی اس کے سوا نہیں کہ قرضہ ادا کر دیا جائے اور قرض دینے والے کا احسان مانا جائے۔ (۲) دھوکہ دینے والا، بخل کرنے والا اور دے کر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (۳) مزدور کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کے حوالے کر دو۔ (۵) بدگمانی سے بچو، یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔
(دارالاسلام)

ادبیات

مناجات

غیبت کو مری حضور کر دے یارب تاریکیٔ دل کو نور کر دے یارب!
ہے تیرے بغیر کون کرنے والا محتاجیاں میری دور کر دے یارب!

رضا بالقضاء

تقدیر کی رو کے ساتھ بہنا ہوگا! جو سر پہ بنے خوشی سے سہنا ہوگا
کوئی نہیں چارہ ساز دردمندی اللہ سے دل کا حال کہنا ہوگا

حقیقت

وہم غیب و شہود کیوں ہے مجھ کو خبطِ بود و نبود کیوں ہے مجھ کو!
جب حق کی طرف سے ہے صدورِ افعال پھر فکرِ زیان و سود کیوں ہے مجھ کو

مایوسی میں

جب چھائی ہوں یاس کی گھٹائیں آتی ہوں بلاؤں پر بلائیں!
جب آسرے سارے ٹوٹ جائیں اپنے نہ پرائے کام آئیں!
او چارۂ کارِ بندہ داند

چوں ہیچ وسیلتش نماند!
سُونا ہو جب آرزو کا عالم بے روح ہو رنگ و بو کا عالم
بے کیف ہو ما و تو کا عالم ہو ہر طرف ایک ہُو کا عالم
او چارۂ کارِ بندہ داند
جب ڈوب کے بخت کا تارہ طالع نہ ہو پھر کبھی دوبارہ
جب دل ہو غموں سے پارہ پارہ جب کوئی نظر نہ آئے چارہ
او چارۂ کارِ بندہ داند

(عرشی)

رحلتِ احباب

پیاروں کی موت نے میری دنیا اُجاڑ دی
یاروں نے جاکے دُور بسائی ہیں بستیاں

مولوی سلام بابا صاحب امام جامع میاں محمد جان مرحوم کے داماد، میرے قدیمی دوست اور بزرگ سید تاج شاہ امام مسجد کچلو ۲۹ ۔ ۳ ۔ ۴۰ کو قریباً ایک ماہ بیمار رہ کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ آج حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ آپ ۴۸ سال سے مسجد کچلو میں امام رہے۔ میرے ان کے تعلقات کی عمر بھی اتنی ہی ہے۔ بہت پکے حنفی مذہب اور نقشبندی مشرب تھے۔ مسجد کے اماموں میں حسن خلوص و ایثار اور ہمدردی بےنفسی کے انسان بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اَوراد و وظائف، شب بیداری و خدمتِ خلق آپ کی مخصوص صفات تھیں۔ بہت سے بچے بچیاں اور یتیم پوتے پوتیاں چھوڑ گئے جن کے متکفل اُن کی زندگی میں بھی ایک حد تک مولوی سلام بابا صاحب تھے، لیکن اب پورا بوجھ بیچارے ان ہی کے ضعیف کندھوں پر ہے۔ مولوی صاحب کی عمر ۸۰ سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ آپ کی عمر نیک بندوں کی طرح صدموں سے معمور ہے۔ اللہ تعالےٰ یاری کرے، صبر دے اور مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

آج ۲۶ ۔ ۴ ۔ ۴۰ کو ۱۲ بجے کے قریب میں جمعہ کے لیے مسجد کی تیاری کر رہا تھا کہ دفتر کی جانب سے شور و فریاد کی آواز بلند ہوئی۔ میں سمجھ گیا حضرت خواجہ حمد الدین رح کے بڑے صاحبزادے ابوالاحسان خواجہ ضیاء اللہ جو قریباً ایک سال سے بیمار تھے اور دفتر کے متصل کمرہ میں مقیم تھے، رحلت فرما گئے۔ میرا جھونپڑا اسی کمرہ کے عقب میں واقع ہے۔ میں نے اٹھ کر مشیتِ ایزدی کا استقبال کیا۔ پسماندوں کی فریاد ایک نہ تھمنے والے سیل کی طبعی رَو تھی جس کی تسکین و تسلی کا کوئی وعظ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔ مرحوم ہشیار دماغ کے آدمی تھے۔ عزم و ہمت کا نمونہ تھے۔ محترم باپ سے قریباً چار سال بعد ۵۵ سال کی عمر میں جہانِ فانی کو وداع کہ گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے احسان اللہ صاحب نہایت سعادت مند ہیں۔ انھوں نے مرحوم باپ کی خدمت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اسی طرح آپ کے دوسرے متعلقین نے بھی آپ کے علاج میں انتہائی کوشش کی، جس کی مثال اس زمانہ کے اعزہ و اقارب میں ملنی دشوار ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے ظلِّ عفو و غفران میں جگہ دے اور دردمند پس ماندوں کو صبر و ثبات عطا فرمائے۔

(عرشی)

آئینِ فطرت

جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق، ایم اے، پی ایچ ڈی

کائنات کے ہر شعبے میں ایک آئین کام کر رہا ہے۔ سورج روشنی، طاقت اور زندگی دے رہا ہے۔ نباتات غذائے حیوانات بنے ہوئے ہیں۔ لیل و نہار کا سلسلہ ایک باقاعدگی کے ساتھ قائم ہے۔ بہار و خزاں کے موسم وقت معین پر آتے ہیں اور گذر جاتے ہیں۔ آسمان پر ستارے اپنی اپنی گذرگاہوں پر ہولناک تندی کے ساتھ چکر کاٹ رہے ہیں اور کہیں تصادم نہیں ہوتا۔ پانی ہر طرف پستی کی طرف جا رہا ہے۔ زمین میں ازل سے کشش ہے۔ ثمر و اشجار ابتدائے آفرینش سے وقت پر پھل دے رہے ہیں۔ برسات میں سہانے بادلوں کی دنیا مدت سے تعمیر ہو رہی ہے۔ شہد کی مکھی لاتعداد زمانوں سے شہد تیار کر رہی ہے۔ بھونرا ازل سے پھولوں کا طواف کر رہا۔ الغرض کائنات کا ہر ذرہ ایک دستور العمل کو نباہ رہا ہے، نہایت باقاعدگی سے نباہ رہا ہے، چار و ناچار نباہ رہا ہے، طوعاً و کرہاً نباہ رہا ہے، مشیت ایزدی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے نباہ رہا ہے، سراپا تعمیل و عبودیت بنا ہوا ہے، بے چارگی و بےکسی کی تصویر بنا ہوا ہے۔ پورا عابد، مومن، ساجد اور مسلم بنا ہوا ہے:

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ (۳/۱۴)

کیا یہ لوگ مشیتِ ایزدی و عاداتِ الٰہیہ کے بغیر کوئی اور مذہب (دستور العمل) چاہتے ہیں؟ کیا انھیں نظر نہیں آتا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز قانونِ الٰہی پر ایمان لا کر چار و ناچار مسلم ہو چکی ہے اور تمہاری بازگشت بھی اللہ ہی کی طرف ہوگی (کسی اور آئین کو بقا و دوام حاصل نہیں)

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

کائنات کی ہر چیز خدائی دین کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔

بدقسمت انسان کے بغیر باقی تمام فطرت اپنے فرائض کی بجا آوری میں نہایت تن دہی سے مصروف ہے:

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ

زمین و آسمان کی تمام مخلوق، کیا چوپائے اور کیا فرشتے، اپنے فرائض کی انجام دہی میں سرگرم ہیں۔ نافرمانی اور بغاوت کا خیال تک

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ○ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○ (۱۶/۴) | اُن کے دماغ میں نہیں آتا (و ھم لا یستکبرون) وہ اللہ کی انتقامی طاقتوں سے ڈرتے ہیں اور اسی لیے سرگرم عمل ہیں۔

زمانہ باوجود کہن سالی کے کیوں جوان ہے؟ باغوں اور جنگلوں سے شباب کیوں چھلک رہا ہے؟ آفتاب اور ماہتابوں سے نور کیوں بہ دستور بہ رہا ہے؟ پہاڑوں کی ہیبت اور عظمت کا کیا راز ہے؟ سمندروں میں ہول ناکیاں کیوں باقی ہیں؟ ساون کی سانولی گھٹاؤں، مہتاب کی پُرسکون چاندنی اور سکوت صحرا میں لذت موسیقی، شباب اور حُسن کیوں خیمہ زن ہیں؟ ہاں! ہاں! یہ دنیا کیوں سال خوردہ نہیں ہوتی؟ اس میں کہنگی، بوسیدہ پن اور اضمحلال کے علامات کیوں دکھائی نہیں دیتے؟ سمندر کے ساکن پانی میں کیوں تعفن پیدا نہیں ہوتا؟ ہمالہ اور البرز کی دیواریں کیوں شکستہ نہیں ہوتیں؟ —— اِن سوالات کا جواب صرف ایک ہے کہ یہ سب چیزیں دینِ الٰہی پر قائم ہیں؛ ساجد و عابد ہیں، خاضع و خاشع ہیں، مومن و مُسلم ہیں اور الٰہی عادت یہ ہے کہ وہ مسلم کو باقی رکھتا ہے اور غیر مُسلم کو میٹ دیتا ہے:

وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ | اور الٰہی قانون سے ہٹنے والوں کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، عمل کر رہی ہے، مشیت الٰہی کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ صرف ایک مخلوق ہی ایسی ہے، جسے الٰہی قہر و غضب کی پروا نہیں، دستور العمل پر عمل کرنے کی فکر نہیں، گزشتہ اقوام سے سبق حاصل کرنے کا دماغ نہیں۔ اس نافرمان، سرکش اور سنت الٰہیہ کو بار بار چھوڑنے اور ہلاک ہونے والی مخلوق کا نام انسان ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ | انسان اپنے رب کا نافرمان ہے۔

آیتِ امانت کی تشریح | إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ○ (۳۳)

مولوی اس آیت کے معنی یُوں بیان کرتا ہے:

"ہم نے اپنی امانت ارض و سما اور پہاڑوں کو پیش کی۔ اِن سب نے اِس امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے، تو اُسے انسان نے اٹھا لیا کہ انسان ظالم اور جاہل تھا"

اِن معنوں پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں:

اوّل: زمین اور آسمان کو کیسے جرأت ہوئی کہ اللہ کی پیش کردہ امانت کو لینے سے انکار کر دیں؟ کیا

یہ نافرمانی، سرکشی اور بغاوت نہیں؟ پھر خدا نے ایسے نافرمانوں کو سزا کیوں نہ دی؟ کیا معاذ اللہ خدا ڈر گیا تھا کہ کہیں بغاوت نہ کر دیں؟

دوم: یہ معنی سارے قرآن کی تردید کرتے ہیں۔ ہم ابھی چند آیات درج کر چکے ہیں کہ ہر چیز اپنے فرائض کی بجا آوری میں لگی ہوئی ہے۔ وَلَهُ أَسْلَمَ (ہر چیز مسلمان ہے) وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (ہر چیز تعمیل حکم کر رہی ہے)، ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے زمین اور آسمان کو کہا کہ آؤ اور اپنا کام طوعاً و کرہاً شروع کرو:

قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ | تو زمین و آسمان نے کہا کہ ہم ایک مطیع و فرماں بردار غلام کی طرح حاضر ہیں۔

اِن آیات کی موجودگی میں یہ معنی کرنا کہ "ان سب نے امانت اٹھانے سے انکار کر دیا" جہاں قرآن میں تناقض و تعارض پیدا کرتا ہے، وہیں زمین و آسمان کی اطاعت و عبودیت پر ایک خوفناک الزام ہے۔

سوم: یہ معنی خلافِ حقیقت ہیں، اس لیے کہ جب کائنات کی ہر چیز اپنے فرائض میں محو ہے تو یہ کہنا کہ ارض و سما نے امانت کے لینے سے انکار کر دیا، کذب و خلافِ واقعہ ہے۔

چہارم: اچھا، دو لمحوں کے لیے مان لیجیے کہ زمین و آسمان نے امانت لینے سے انکار کر دیا اور اللہ میاں حیران تھے کہ اب کیا ہوگا؟ تو (خاکم بدہن) انسان کو اللہ کی بے بسی پر رحم آیا۔ ایک کونے سے اٹھا، میدان میں آیا اور للکار کر کہا کہ "اے رب! تیری امانت میں اٹھاؤں گا۔" انسان کو اس وفاداری اور الٰہی صدا پر لبیک کہنے کا انعام یہ ملنا چاہیے تھا کہ اللہ میاں یوں فرماتے کہ "اے انسان! تو بڑا نیک، شریف اور بھلا مانس ہے اور اپنے آقا کا جاں نثار و وفادار نوکر ہے۔ جا میں نے تجھے زمین و آسمان کے خزائن دے دیے" لیکن بجائے تحسین و آفرین کے انعام ملتا ہے تو یہ کہ:

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا | اور انسان نے وہ امانت اٹھالی اس لیے وہ بڑا ظالم اور احمق تھا۔

اِس کی مثال یوں ہے کہ ایک کمانڈر فوج کو حکم دیتا ہے کہ فلاں پہاڑ کی چوٹی پر دشمن کے چار آدمی بیٹھ کر گولیاں برسا رہے ہیں۔ تم میں سے جو شخص جان پر کھیل کر ان کی جان لے گا، وہ حکومت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پائے گا، تمام سپاہی خوف کے مارے کانپ رہے ہیں۔ ہر طرف افسردگی، خوف اور گھبراہٹ محیط ہے کہ عین اس عالم میں ایک نوجوان آگے بڑھتا ہے۔ بندوق کے دستے پر ہاتھ مار کر سلام کرتا ہے اور اپنی جان پیش کر دیتا ہے۔ بعد میں کمانڈر یہ واقعہ اہلِ ملک کو ان الفاظ میں سناتا ہے کہ: تمام فوج ڈر سے کانپ رہی تھی

کہ ایک جوان آگے بڑھتا ہے۔ اپنی قوم اور مادرِ وطن کی خاطر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے۔ یہ جوان بڑا موذی (ظالم) اور پاجی (جاہل) ہے" —— جس طرح یہ واقعہ غیر فطری ہے، اسی طرح وہ مولویانہ معنی بھی غلط اور غیر قدرتی ہیں۔

صحیح تفسیر | اس آیت میں صرف "حَمَل" کا لفظ تشریح طلب ہے۔ قاموس فیروز آبادی میں لکھا ہے: حَمَل، خانَ (خیانت کی)، تو صحیح معنی یہ ہوں گے "ہم نے ارض و سما وغیرہ کے سامنے ایک نظامِ حیات (امانت) ایک آئین و دستور العمل (امانت) پیش کیا۔ ایک امانت پیش کی۔ زمین و آسمان اس دستور العمل کو نباہنے میں محو ہو گئے اور خلاف ورزی کے نتائج سے ڈر گئے لیکن انسان نے اس الٰہی امانت میں خیانت کی (حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ) احکام الٰہی و مشیت ایزدی کے قانون کو توڑا (حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ) یہ کیوں؟ اس لیے کہ انسان ظالم اور جاہل تھا"

یہ معنی نہ تو دیگر آیاتِ قرآن کے متناقض ہیں اور نہ خلافِ واقعہ، کیوں کہ انسان کی نافرمانی کی داستانوں سے سارا قرآن معمور ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ

اس آیت میں دو حروف تحقیق ہیں اِنَّ اور لَ۔ ترجمہ یہ ہوا کہ "تحقیق انسان اپنے رب کا یقیناً نافرمان[1] ہے"

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۙ (۳۰)	سارا زمانہ شاہد ہے کہ انسان اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے۔"
وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝	فرماں بردار بندوں کی تعداد بہت کم ہے

منتہی الارب میں درج ہے:

"وقولہ تعالیٰ فابین ان یحملنہا وحملہا الانسان۔ یعنی، اباکردند از خیانت کردن در امانت وخیانت کرد آں را انساں"۔

رجوع بہ مطلب | ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ اسلام انسان کا فطری مذہب ہے اور عروج و تکمیل کا قدرتی (نیچرل) طریقہ ہے۔ انسان کی شخصی و اجتماعی حیات کی تکمیل اسلام کے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتی۔ اگر پرندہ پروں کے بغیر اُڑ سکتا ہے، اگر بجائے شکمِ مادہ کے شکمِ نر سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے، اگر پتھر ہوا سے ہلکا ہو سکتا ہے، اگر لوہا پانی پر تیر سکتا ہے الغرض اگر کسی پہلو میں بھی فطرت کی مخالفت کی جا سکتی ہے، تو پھر یقیناً ایک قوم اسلام کے

[1] اگر نافرمان کے معنی احسان ناشناس اور ناشکرے کے ہیں، تو آپ کا یہ ترجمہ صحیح ہے۔ (ایڈیٹر)

بغیر بھی حقیقی ترقی کر سکتی ہے اور اگر یہ ناممکن ہے، تو یاد رکھو کہ اسلام کے بغیر عروج ملی و شخصی ناممکن ہے۔

ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہے۔ یہ نتیجہ ہمارا اور تمہارا پیدا کردہ نہیں بلکہ الٰہی تخلیق ہے۔ تصادم کا نتیجہ چوٹ، مہینوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے رکھنے کا نتیجہ ہاتھ کا سوکھ جانا، آگ میں گرنے کا نتیجہ جلنا اور پانی میں گرنے کا نتیجہ بھیگنا ہے۔ ورزش کرنے والے تندرست رہتے ہیں اور کاہل بیمار۔ کھلی ہوا میں پھرنے والے صحت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور غلیظ متعفن و تنگ کمروں میں رہنے والے گرفتارِ امراض ہوتے ہیں۔ مکھن کھانے والے اور دودھ پینے والے، سوکھی روٹی کھانے والوں سے زیادہ تندرست ہوتے ہیں۔

چند سوالات | کیا دنیا میں کوئی ایسا فرد ہے، جو مذکورہ بالا نتائج سے بچ سکے؟ کوئی ہے جو پانی میں گر کر نہ بھیگے؟ کوئی ہے جو زہر کھا کر نہ مرے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ قطب مینار سے مسلمان کودے اور بچ جائے لیکن ہندو مر جائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک تولہ سنکھیا کھا کر مسلمان تو بچ جائے، مگر ہندو ہلاک ہو جائے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ورزشی ہندو کی صحت اس لیے خراب ہے کہ وہ ہندو ہے اور ایک کاہل مسلمان کو صحت کا انعام اِس لیے دیا جائے کہ وہ بڑے ادب سے کلمہ شریف پڑھ سکتا ہے؟ اگر یہ سب کچھ ناممکن ہے اور قطعی ناممکن ہے، تو یاد رکھو کہ زمین سے لے کر آسمان تک اسباب و علل کا ایک مستحکم سلسلہ کام کر رہا ہے۔ اعمال و نتائج کا ایک یقین انگیز جال بچھا ہوا ہے۔ کسی عمل کو کوئی کرے۔ چاہے ہندو ہو یا مسلمان، یہودی ہو یا عیسائی۔ لازماً نتیجہ مترتب ہوگا۔ اتفاق و اتحاد پیدا کر کے ہر قوم طاقتور اور توانا بن سکتی ہے۔ دیانت و راستی سے ہر قوم یا ہر فرد کی ساکھ قائم ہوتی ہے۔ بدخلقی و ترش روئی ہر آدمی کو قابلِ نفرت بنا دیتی ہے۔ محبت، ہمدردی اور حسنِ اخلاق کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے۔ قمار بازی، شراب خوری، زنا، اغلام اور چوری ہمیشہ تباہی کا باعث بنتے ہیں۔ میرا یہ محکم یقین ہے کہ کوئی آدمی کسی مذہب، عقیدہ یا فرقہ کا ہو، اگر وہ حیادار ہے، تو اسلام کے ایک اصول پر عمل پیرا ہے، اگر وہ ہمدرد، مخیر، نیک چلن اور نیک طینت ہے، تو اُس کے اندر اسلامی اخلاق موجود ہیں اور وہ اپنے نیک اعمال کا اجر پائے گا۔ چور، بدکار اور ٹھگ کسی فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتا ہو، ذلت اٹھائے گا۔ دنیا اور آخرت دونوں میں رسوا ہوگا۔ اس لیے مجھے یہ اعلان کرنے میں قطعاً باک نہیں کہ اسلام کوئی فرقہ نہیں، بلکہ یہ ایک عالمگیر سچائی ہے۔ ایک بین الاقوامی صداقت ہے (INTER NATIONAL TRUTH) ہے۔ وہ لوگ نیم مسلمان ہیں، جو قوانینِ فطرت کے کسی حصے پر عمل کر رہے ہیں۔ خواہ وہ عیسائیت و یہودیت سے تعلق رکھتے ہوں اور وہ نیم کافر ہیں، جو مشیتِ الٰہی کے درس کے کسی حصے کو بھول کر ذلیل و رسوا ہو رہے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اسلام کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ بہت سی قومیں، جن کے نام کچھ اور ہیں، اپنے بعض خصائص کے لحاظ سے مسلمان ہیں۔ بہت سے مسلم جن کے نام عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے ننگِ انسانیت ہیں، وہ غیر مسلم ہیں۔

بعض راویانِ حدیث کا قرآن پاک کے ساتھ حسنِ سلوک

(جناب مولانا تمنا عمادی مجیبی، پھلواری شریف، پٹنہ)

امام شعبہؒ نے حضرت سفیان ثوری سے فرمایا تھا: کُلَّمَا تَقَدَّمْتُمْ فِی الْحَدِیْثِ تَأَخَّرْتُمْ عَنِ الْقُرْآنِ۔ وَدِدْتُ اَنْ اَکُوْنَ وَقَّادَ الْحَمَّامِ وَلَمْ اَعْرِفِ الْحَدِیْثَ یعنی تم لوگ جس قدر حدیثوں کی طرف آگے بڑھتے جاؤگے، قرآن پاک سے اُسی قدر پیچھے دُور ہوتے جاؤگے۔ میری تو یہ حسرت ہے کہ کاش میں حدیث نہ جانتا اور حمام کا ایندھن جلانے والا ہوتا۔

راویانِ حدیث پر امام شعبہ کی یہ پیشین گوئی اس قدر صحیح اتری کہ پہلے تو اس جماعت کے بعض افراد میں قرآن پاک کی طرف سے بے اعتنائی ہونے لگی۔ پھر رفتہ رفتہ بے خبری۔ یہاں تک کہ بعض میں تو بغض و عناد تک کا اثر ہوگیا۔

عام ناظرین عموماً اور طبقۂ پرستاران روایات خصوصاً بغض و عناد کے لفظ سے گھبرائیں گے، مگر فلسفۂ نفسیات سے باخبر حضرات الانسان حریصٌ علیٰ ما مُنِعَ کے اصول سے خوب واقف ہیں۔ قرآن پاک کے ساتھ شغف رکھنے والوں نے جب روایات پرستوں کو روایات سے روک کر قرآن پاک کی طرف انھیں متوجہ رہنے پر اصرار کیا، تو ان کی ضد نے انھیں روایات پر مُصر ہونے اور قرآن پاک سے متوحش رہنے پر مجبور کردیا، یہاں تک کہ جب جمع روایت کو اہل حق نے باعث ضلالت اور بدعت کہنا شروع کیا، تو صرف جمع روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس مفہوم کی روایتیں بنا بنا کر مشہور کیں کہ قرآن پاک بھی تو رسول اللہ صلعم کے بعد عہدِ صدیقی و فاروقی و عثمانی میں جمع ہوا اور جس طرح ہم لوگ روایات کی سند ڈھونڈھتے ہیں، اسی طرح جمع آیات و سور میں بھی خلفاء راشدین رضؓ نے سندیں طلب کی تھیں اور اگر روایات میں شکوک پیدا ہوتے ہیں، تو پھر بعض آیات کے متعلق بھی تو جمع قرآن کے وقت شکوک پیدا ہوگئے تھے جس کی فلاں فلاں روایتیں ہیں۔

غرض اسی طرح بیسیوں روایتیں جمع قرآن کے متعلق اپنے جی سے گھڑ گھڑ کر مشہور کیں اور اپنی تصنیفوں میں

درج کرکے خوب خوب شائع کیں، یہاں تک کہ دوسرے مصنفین کی کتابوں میں بھی ایسی ایسی روایتیں داخل کر دیں۔

ہم رسالہ بلاغ (امرتسر) کے "روایات نمبر" میں ایک مضمون شائع کر چکے ہیں، جو افسوس کہ نامکمل چھپ کر رہ گیا اور اس کا باقی حصہ خدا جانے کیا ہو گیا؟ کیوں کہ میں نے عجلت کی وجہ سے مسودہ ہی بھیج دیا تھا، اس لیے میرے پاس اس کی نقل موجود نہیں اور اب بلاغ اور "البیان" ایک ہو گیا (بحمدہ وتعالیٰ) اس لیے معلوم نہیں "بلاغ" کے دفتر کے مضامین ضائع ہو گئے یا "البیان" کے دفتر میں آ گئے[1] اور آ گئے تو یہ مضمون بھی آ گیا یا نہیں اور اب تک محفوظ ہے یا ضائع شدہ۔ اگر ہو تو کبھی چھپے گا یا ردی کی ٹوکری کے حوالے ہو گیا۔

میں نے اس میں جمع روایات کی ایک مختصر سی تاریخ لکھ دی ہے جو شائع شدہ حصے میں موجود ہے۔ اس کے دیکھنے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ روایات کی ابتدا محض دین کو تفریق و انتشار میں گم کر دینے کی نیت سے ایران کے منافقین نے کی اور روایات کو وحی اور قرآن پاک کے مقابل سب سے پہلے اسی جماعت نے بنا کر عام مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ ان کا تو مقصود ہی یہی تھا کہ کسی طرح مسلمانوں سے قرآن پاک کو چھڑوا دیں اور قرآن پاک سے پھیر کر ان کا رخ ان روایات کی طرف پھیر دیں، اس لیے انھوں نے قرآن پاک کو مشتبہ کر دینے والی روایتیں خوب خوب وضع کیں۔

ان کے بعد ان کے چیلے ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ ان چیلوں میں سے بعض تو اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ گئے اور بڑھنے کا موقع بھی تھا کیوں کہ اساتذہ کے وقت میں بعض صحابہ رض موجود تھے، صحابہ رض کے سامنے زیادہ جھوٹ بولنے کا موقع کم تھا اور تلامذہ کے عہد میں صحابہ باقی نہ رہے، اس لیے جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا رہا، ان کے ذریات کذب وافترا میں تیز ہوتے گئے۔

ان منافق اساتذہ کے بعض ذریات تو اپنے اساتذہ ہی کی طرح واقعۃً منافق تھے، لیکن زیادہ تر سیدھے سادے مسلمان ہی تھے، جو اپنے اساتذہ کو تابعی و تبع تابعی سمجھ کر ان کے ساتھ حسن عقیدت رکھتے تھے اور ان اساتذہ کے ہر کذب وافترا پر ایمان بالغیب لے آتے رہے۔ کہیں کچھ شبہ پیدا بھی ہوا تو تاویلات کے ذریعہ اپنے دل کی تشفی کر لی۔

قرآن پاک کو معطل اور مشتبہ کر دینے کی صورتیں

۱۔ ایک صورت تو یہ نکالی کہ ایسی ایسی روایتیں وضع کیں، جن میں جمع قرآن کے فرضی واقعات کا ذکر لایا گیا

---

[1] یہ مضمون تلاش کے بعد مل گیا ہے۔ ان شاء اللہ کسی آئندہ پرچے میں شائع کر دیا جائے گا۔

کہ قرآن پاک فلاں نے جمع کیا اور فلاں نے فلاں کو اس کا مشورہ دیا۔ فلاں نے لکھا۔ فلاں آیت نہیں ملتی تھی۔ بڑی جستجو کے بعد فلاں کے پاس ملی یا فلاں کا بڑا درجہ ہے کہ سب سے پہلے اُسی نے قرآن جمع کیا یا قرآن پہلے ٹھیکریوں، ہڈیوں، درخت کی چھالوں اور پتوں پر لکھا جاتا تھا۔ عہدِ نبوی میں کتابت کا رواج بہت کم تھا۔ بعض تنے چند کسی قدر کتابت جانتے تھے۔ کاغذ کا عہد نبوی میں وجود ہی نہ تھا، یا بہت کم تھا۔

۲۔ قرآن حضرت علی رضہ نے ترتیبِ نزول کے مطابق جمع کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب نے بھی قرآن اپنے طور پر جمع کیا تھا اور یہ موجودہ قرآن حسب ترتیب عثمانی ہے اور ان سبھوں میں کافی فرق تھا، ترتیب سور کے اعتبار سے بھی اور اختلافات قرأت کے اعتبار سے بھی۔ حروف و الفاظ کے فرق بھی تھے اور حروف و الفاظ کی کمی وبیشی بھی۔

۳۔ قرآن کا نزول سات حرفوں پر ہوا، اس لیے سات قرأتیں قرآن کی ہیں اور سب متواتر۔ کسی ایک سے بھی انکار کیا، تو بس کافر۔ اور ان قرأتوں میں حرکتوں، نقطوں، حرفوں اور لفظوں سب کا فرق موجود ہے مگر قرآن ان سب قرأتوں کے مطابق نازل ہوا۔ جب توحید فی التثلیث اور وحدت فی الکثرت صحیح ہو سکتی ہے، تو پھر ایک خدا کی طرف سے ایک فرشتے کے ذریعے ایک رسول پر ایک اُمت کے لیے ایک کتاب سات قرأتوں پر کیوں نہیں اتر سکتی؟ اور یہ بھی صحیح وہ بھی صحیح کیوں نہیں ہو سکتی؟ آخر چار مصلے باوجود باہمی اختلافات کے چاروں برسرِ حق کس طرح ہیں؟

۴۔ شانِ نزول کی روایتیں وضع کی گئیں، جن کی ایک قسم تو یہ ہے کہ یہ آیت فلاں موقع پر اور وہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی۔ جس کی غرض یہ ہے کہ قرآن کی وہ آیت اپنی عبارۃ النص سے کھسک کر اُس فرضی شانِ نزول کے مطابق مفہوم ادا کرنے پر مجبور کی جائے اور صحیح معنی کے عوض روایت بنانے والے کے منشاء کے مطابق اس سے معنی نکل سکیں۔

دوسری قسم یہ ہے کہ فلاں آیت فلاں کی شان میں اور فلاں آیت فلاں کی شان میں نازل ہوئی۔ اس کا مقصد تقریباً وہی ہے، مگر اتنا فاضل یہ بھی مقصد ہے کہ مسلمانوں میں انسان پرستی آجائے اور بعض اشخاص کی غیر واقعی اہمیت خواہ مخواہ پیدا کر کے عام مسلمانوں سے اُن کی پرستش کرائی جائے۔

۵۔ ناسخ و منسوخ کی بحث پیدا کر کے عام مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ تم کو جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ قرآن کی کون سی آیت منسوخ ہے اور کون سی ناسخ، اُس وقت تک تم قرآن سے صحیح احکام نہیں نکال سکتے

اور نہ صحیح طور سے تم سمجھ سکتے ہو اور ناسخ و منسوخ کا علم تم کو روایات ہی پر عبور حاصل کرنے سے ہو سکتا ہے، اس لیے جب تک روایات پر عبور حاصل نہ کر لو اور روایات کو صحیح نہ مان لو، اُس وقت تک تم قرآن میں مطلقاً تدبر نہ کرو، ورنہ یقیناً گمراہ ہو جاؤ گے۔

۶۔ تفسیری روایتیں مختلف صحابہ کی طرف عموماً اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کی طرف خصوصاً وضع کر کرکے اس قدر مشہور کیں کہ جس کی کوئی حد نہیں، جس کا مطلب یہ تھا کہ قرآن پاک کا مطلب قرآن پاک کی عبارت کے مطابق نہ سمجھا جائے، بلکہ اُن کی پیش کردہ تفسیروں کے مطابق سمجھا جائے اور اُن تفسیروں میں ایسے ایسے معانی پوشیدہ رکھے گئے ہیں، جو درحقیقت عقائد اسلامی کے بالکل برعکس ہیں۔

۷۔ وہ اعمال متواترہ جو رسول اللہ کے عہد مبارک میں، پھر خلفائے راشدین میں علی سبیل التسلسل بغیر کسی انقطاع کے ہمیشہ ہر مسلمان کرتا رہا، اُن کو بھی روایات کے ذریعے مختلف فیہ بنا دیا، حتی کہ نماز جو ہر مسلمان ہر چوبیس گھنٹے میں پانچ بار مسجدوں میں جماعت کے ساتھ یا گھروں میں باجماعت یا تنہا پڑھتا رہا، دوسرے ہر مسلمان کو پڑھتے دیکھتا رہا، اس کو بھی ان ہی روایات کے ذریعے مسلمانوں میں ایک طور پر رائج نہ رہنے دیا کہ کوئی ہاتھ چھوڑ کر، کوئی سینے پر ہاتھ باندھ کر، کوئی ناف پر یا زیر ناف ہاتھ باندھ کر پڑھتا ہے۔ کوئی کئی بار رفع یدین کرتا ہے کوئی صرف تحریمہ کے وقت، کوئی زور سے آمین کہتا ہے کوئی آہستہ اور کوئی اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتا۔ وغیرہ ذٰلک۔

اتنا کوئی نہیں سمجھتا کہ آخر رسول صلعم نے آخری نماز جس طرح پڑھی ہوگی، مدینہ طیبہ میں جتنے مہاجرین و انصار اُس وقت تھے، سب نے دیکھا ہوگا اور سب نے یقیناً اسی طرح نماز پڑھی ہوگی۔ رسول صلعم کی وفات کے بعد عہد صدیقی و عہد فاروقی و عہد عثمانی و عہد علوی میں یقیناً سارے مہاجرین و انصار والذین اتبعوھم باحسان سب نے تازندگی اُسی ایک طریقے سے نمازیں پڑھی ہوں گی، جس طریقے سے آخری نماز رسول صلعم نے ادا فرمائی تھی، مگر کیا کوئی شخص ان روایات کو دیکھ کر اس کا پتہ لگا سکتا ہے کہ رسول صلعم کی وہ آخری نماز کس طرح ادا ہوئی تھی اور خلفائے راشدین کے عہد میں سارے مہاجرین و انصار کس طرح بلا اختلاف نمازیں ادا کر رہے تھے۔

اپنے کو اہل سنت کہنے والے اور سنت رسول پر چلنے کے مدعی حضرات ان ہی روایات پر سنت نبوی کا دار و مدار رکھتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان ہی روایات میں سنت نبوی گم ہو کر رہ گئی۔ اس کو علامہ اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی،
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

مشتے نمونہ از خروارے

اب ہم مثال کے طور سے چند ایسے راویانِ حدیث کا حال بیان کرتے ہیں، جو روایت حدیث میں تو ایک معقول پایہ رکھتے ہیں، مگر قرآن پاک کے ساتھ ان کا برتاؤ بالکل غیر مسلمانہ رہا۔ دیکھیے اور عبرت پکڑیے۔

۱۔ عثمان بن ابی شیبہ۔ ان کو عثمان بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خوستی (یا خواستی واو معدولہ سے) العبسی ابوالحسن بن ابی شیبہ الکوفی کہتے ہیں۔ ان کی مُسند (ذخیرۂ روایات) اور تفسیر مشہور ہے۔ ترمذی و نسائی کے سوا جماعت ائمۂ حدیث ان سے روایت کرتی ہے۔ بخاری میں ان سے ۵۳ روایتیں اور مسلم میں ۱۳۵ ہیں۔

امام محمد بن ادریس ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں کہ کسی نے اُن کے سامنے شیخ البخاری محمد بن عبداللہ بن نمیر سے عثمان بن ابی شیبہ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ و مثلہٗ یُسئَلُ عنہ؟ یعنی، سبحان اللہ! ایسے شخص کے متعلق بھی کچھ پوچھا جاتا ہے؟ ابن ابی حاتم ان کے متعلق اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ بہت سچے آدمی تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ محمد بن حمید الرازی اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں ثقہ ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان میں سے کون زیادہ آپ کو محبوب ہیں؟ تو فرمایا کہ دونوں ثقہ ہیں، دونوں امین ہیں، دونوں مامون ہیں۔ ایک دوسرے شخص سے کہا کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور عثمان بن ابی شیبہ دونوں ثقہ ہیں، سچے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔

مگر امام دارقطنی اپنی کتاب التصحیف میں ابوالقاسم بن کاس سے اور وہ ابراہیم انخصاف سے روایت کرتے ہیں کہ عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تفسیر ہم لوگوں کے سامنے پڑھی، تو (سورۂ یوسف میں) پڑھا: فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السَّفِيْنَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ[۱] تو لوگوں نے کہا کہ قرآن میں جَعَلَ السِّقَايَةَ ہے تو عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کہ میں اور میرا بھائی (یعنی ابوبکر بن ابی شیبہ) عاصم کی قرأت نہیں پڑھتے[۲]۔

اسی کتاب میں امام دارقطنی احمد بن کامل سے اور وہ حسن بن حباب المقری سے روایت کرتے ہیں کہ

---

[۱] آیت کے اصل معنی یہ ہیں: جب اُن کا سامان تیار کرا دیا، تو اپنے بھائی کے شیشے میں گلاس رکھوا دیا۔ عثمان بن ابی شیبہ نے سقایہ (گلاس) کے بجائے سفینہ پڑھا۔ (س)

[۲] اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ صرف عاصم کی قرأت میں ہے اور باقی قاریوں کی قرأت جَعَلَ السَّفِيْنَةَ ہے، حالاں کہ "جَعَلَ السَّفِيْنَةَ" کسی کی بھی قرأت نہیں۔ ماہرینِ قرأت اس کی شہادت دے سکتے ہیں (تمنا)

عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی تفسیر میں ان کے سامنے پڑھا اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ، کو آلـم ترا كيف فعل الخ یعنی "الـم تر" کو حروف مقطعات بنادیا۔

اسی کتاب میں یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ بقرہ میں جو وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ہے اس کو یہ وَاتْبِعُوا بکسر الباء پڑھتے تھے یعنی بصیغہ امر[1]

اتنا تو علامہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب جلد، ص۱۵۱ میں لکھا ہے اور خلاصۃ التہذیب ص۲۶۲ میں احمد بن عبد اللہ الخزرجی نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "خ م د س ق" یعنی ان سے بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایتیں لی ہیں اور لکھا ہے کہ یحییٰ ابن معین نے ان کو ثقہ و امین اور ابو حاتم نے انہیں صدوق کہا ہے، مگر امام احمد بن حنبل نے ان کی کچھ روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں: وَكَانَ يُصَحِّفُ فِي الْقُرْآنِ یعنی، یہ قرآن پاک میں تصحیف کر دیتے تھے۔ یہ بھی لکھا ہے: وَقِيْلَ كَانَ لَا يَحْفَظُهٗ یعنی ان کی برأت کے لیے یہ تاویل بعضوں نے کی ہے کہ قرآن یہ یاد نہیں رکھتے تھے، اس لیے ایسی غلطی ہو جایا کرتی تھی۔

امام ذہبی میزان الاعتدال جلد۲ ص۱۸۱ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں: لَمْ يُحْكَ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ مِنَ التَّصْحِيْفِ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ أَكْثَرُ مِمَّا حُكِيَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَقَرَأَ "فَضُرِبَ بِسِنَّوْرٍ لَهٗ نَابٌ" وَإِذَا قِيْلَ فَقَالَ قِرَاءَةُ حَمْزَةَ عِنْدَنَا بِدْعَةٌ، یعنی، قرآن پاک میں تصحیفات کی حکایتیں جتنی عثمان بن ابی شیبہ سے بیان کی گئی ہیں، اُن سے زیادہ کسی محدث سے بھی نہیں بیان کی گئیں[2]

ابن ابی شیبہ (سورہ الحدید میں) پڑھتے تھے (فَضُرِبَ بِسِنَّوْرٍ[3] لَهٗ نَابٌ کی جگہ "فَضُرِبَ بِسِنَّوْرٍ لَهٗ نَابٌ"[4]) اور جب ٹوکا گیا تو بولے حمزہ کی قرأت ہمارے نزدیک بدعت ہے۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حمزہ کے سوا باقی سارے قراء "بِسِنَّوْرٍ لَهٗ نَابٌ" پڑھتے تھے، حالاں کہ دنیائے قرأت میں یہ کسی کی قرأت نہیں اور نہ کسی صاحب عقل و دین کی یہ قرأت ممکن ہے۔ عربی داں حضرات وَاتَّبَعُوْا کی جگہ وَاتْبِعُوْا اور بِسُوْرٍ لَهٗ بَابٌ کے عوض بِسِنَّوْرٍ لَهٗ نَابٌ کے معنی کو سمجھیں اور انصاف سے کہیں یہ قرآن پاک کے ساتھ ٹھٹھا اور استہزاء ہے یا نہیں؟ کیا کسی مسلم سے ایسی توقع ممکن ہے؟
(باقی)

---

[1] معاذ اللہ من ذلک (تمنا)

[2] یعنی بعض دوسرے ان سے کم ضرور ہیں۔ (تمنا)

[3] اس کے لیے دیوار بنائی گئی، جس کے لیے دروازہ تھا

[4] اس کی دُم والی بلی کو پیٹا گیا۔

قرآن اور اقتصادیات[1]

(چودھری محمد حسین صاحب دہلی)

۱۔ تجارت

(۱) آپس میں دغابازی سے ساتھ ایک دوسرے کا مال نہ ہضم کر جایا کرو، بلکہ تجارت کرو۔ ۴/۲۹

(۲) دیکھو اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے سمندر کو تمھارے لیے مسخر کر دیا کہ اس میں جہاز رانی ہوتی ہے، تاکہ تم سمندری سفر کرکے تجارتی غرض سے دُور دراز ملکوں کا سفر کرو اور اللہ کا فضل ڈھونڈو۔ ۴۵/۱۲

(۳) اپنے ترازوؤں کو بالکل ٹھیک رکھا کرو اور کم مت تولو۔ ۵۵/۹

(۴) ہر قسم کا تولنے اور ناپنے کا پیمانہ درست رکھو اور جب تولو، تو دیکھ لو کہ ترازو کی ڈنڈی بالکل سیدھی ہو، یہ بہت ہی بہتر اور اچھی بازگشت ہے۔ ۱۷/۳۵

(۵) اگر یقین نہ ہو، تو حضرت شعیب علیہ السلام اور قوم مدین کا واقعہ یاد کرو۔ قوم مدین کے لوگ کم تولتے تھے اور ہر قسم کا پیمانہ کم رکھتے تھے اور اسی میں اپنی ترقی سمجھتے تھے۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو بہت سمجھایا، مگر نہ مانتے، بلکہ اُلٹا مذاق اڑاتے رہے۔ اللہ نے اس قوم کو زلزلے کے ذریعے تباہ کر دیا اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ ۷/۸۵

(۷) ایک اور بڑی مفید بات یاد رکھو کہ جب کسی نماز بالخصوص جمعہ کی نماز کی اذان ہو، تو خرید و فروخت بند کرکے فوراً ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور کوشش کرکے آؤ! جب نماز پڑھ چکو، تو پھر جا کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔ یہ خیال مت کرو کہ نماز کے لیے جانے سے آمدنی میں کمی پڑ جائے گی، کیوں کہ رزق دینا تو اللہ ہی کا کام ہے۔ ۶۲/۹

۲۔ حساب کتاب

(۱) اللہ کے ہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ ۲۲/۴۷

---

[1] منقول از "مسلم" دہلی

(۲) لیکن دنیا کے کاروبار کو ٹھیک رکھنے کے لیے اللہ نے ابتدا ہی سے سال کے بارہ مہینے مقرر فرما دیے ہیں۔

۹/۳۶

(۳) اور وقت کے صحیح اندازے اور مہینوں کی گنتی کے لیے اللہ نے چاند کو پیدا فرما دیا ہے۔ ۲/۱۸۹

(۴) اور چاند کی منزلیں مقرر فرما دی ہیں کہ وہ پھر بار بار لوٹ آتا ہے۔ ۳۶/۳۹

(۵) اللہ نے سالوں کی گنتی کے لیے سورج اور چاند دونوں کی منزلیں مقرر فرما دی ہیں۔ ۱۰/۵

(۶) اور پھر غور کرو کہ یہ نظام ایسا ہے کہ کبھی سورج اور چاند آپس میں نہیں ٹکراتے اور نہ ہی دن رات کے آگے پیچھے مسلسل آنے میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے۔ ۳۶/۴۰

(۷) دن اور رات کی پیدائش کا ایک بہت بڑا مقصد یہ ہے کہ تم برسوں کی گنتی کر سکو اور حساب کتاب رکھ سکو۔ ۱۷/۱۲

۳۔ قرضہ اور سود

(۱) لین دین کے مفصل مسائل۔ ۲/۲۸۲

(۲) سود قطعاً حرام ہے، اس سے باز رہو۔ ۲/۲۷۵

(۳) اگر آج تک لیتے رہے ہو تو خیر آئندہ کے لیے بالکل چھوڑ دو اور قرض داروں سے اصل رقم لے لو۔ ۲/۲۷۹

(۴) اگر تم اب بھی سود لیتے رہے، تو باغی سمجھے جاؤ گے اور تمہارا ایسا کرنا گویا اللہ اور رسولؐ سے لڑائی کرنا ہوگا۔ ۲/۲۷۹

(۵) اور ہمیشہ کے لیے تم کو دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

(۶) دیکھو، یہودیوں نے سود کھایا، ان پر تمام پاک چیزیں حرام کر دی گئیں۔ ۴/۱۶۰

(۷) پس تم سود مت کھاؤ اور جہنم سے ڈرو۔ جو کفار کے لیے تیار ہوئی ہے۔ ۳/۱۳۰

(۸) سود سے روپیہ بڑھتا نہیں، بلکہ زکوٰۃ سے بڑھتا اور دگنا ہو جاتا ہے۔ ۳۰/۳۹

(۹) اسی لیے اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے۔ ۲/۲۷۶

(۱۰) پس تم زیادہ لینے کی غرض سے قرضہ مت دو۔

(۱۱) بلکہ اگر ہو سکے تو قرض دار کو قرضہ معاف کردو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو کم از کم تنگ حال مقروض کو اتنی مہلت ضرور دو کہ وہ آسانی سے ادا کر سکے ۳/۲

۴۔ رہن و بیع اور قبالہ نویسی

(۱) رہن و بیع اور قبالہ نویسی سے متعلق ۳/۲

(۲) اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے۔ ۳/۶

(۳) لیکن جب نماز بالخصوص جمعہ کی اذان کی آواز تمھارے کانوں میں آئے تو بیع کو چھوڑ دو اور فوراً ذکر الٰہی کے لیے آجاؤ۔ یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔ ۲۸/۱۲

(۴) جب تم بیع کرو تو اس پر گواہ ٹھیرالیا کرو ۳/۲

(۵) گواہ کو چاہیے کہ گواہی کو نہ چھپائے۔ ایسا کرنا گناہ ہے۔ ۳/۲

(۶) اور گواہی کو چھپانے والا بڑا ظالم ہے۔ ۱/۱۶

(۷) اے ایمان والو۔ جب تم ایک مدت مقررہ تک اُدھار کا لین دین کرو، تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمھارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے لکھ دیا کرے اور کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جس طرح اللہ نے اس کو سکھایا، اسی طرح وہ لکھ دیا کرے اور جس پر حق ہے (مقروض) بول کر لکھوایا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے، جو اس کا رب ہے اور قرض میں کسی قسم کی کمی نہ کرے۔ اگر وہ شخص جس پر حق ہے (مقروض) کم عقل یا ضعیف ہو، یا ادائے مطلب سے معذور ہو، تو اس کا والی انصاف کے ساتھ بیان کردے اور مردوں میں سے دو گواہ مقرر کرلیا کرو۔ ہاں اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کرلیا کرو، جن پر تم راضی ہو سکو، تاکہ اگر ایک ان میں سے بھول جائے، تو دوسری یاد کرادے اور جب گواہ بلائے جائیں، تو انکار نہ کریں اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ شہادت کے واسطے زیادہ مضبوط اور شبہات دور کرنے کے قریب ہے۔ ہاں اگر سودا نقد ہے، جو تم دست بدست لیا دیا کرتے ہو، تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں (پھر بھی) جب خرید و فروخت کرو، تو گواہ کرلیا کرو اور کاتب دستاویز کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے: نہ گواہ کو اور اگر ایسا کروگے، تو یہ تمھاری شرارت ہوگی اور اللہ سے ڈرو۔ اللہ تم کو سکھائے گا اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے ۳/۲

(۸) اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی کاتب نہ مل سکے، تو رہن یا قبضہ رکھ لیا کرو اور اگر تم سے ایک کا ایک اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے، وہ اپنی امانت کو پورے طور پر ادا کر دیا کرے اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔ ۳/۷

۵۔ امانت و خیانت

(۱) غبن مت کرو، اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ ۳/۷
(۲) امانت میں خیانت مت کرو۔ ۹/۵
(۳) پیغمبر کبھی خیانت نہیں کرتا۔ ۳/۷
(۴) پس تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔ ۲۶/۷
(۵) خائن کا ساتھ بھی مت دو۔ (پ ۵ س ۴ ع ۱۶) ۵/۱۶
(۶) اور یاد رکھو، خائن اور کافر کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ ۵/۱۳
(۷) نیز مکار اور خائن ہدایت نہیں پاتا۔ ۱۲/۱۴
(۸) اللہ تو آنکھوں کی خیانت اور سینے میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے۔ ۲۴/۷
(۹) پس تم امانتوں کی حفاظت کرو، تاکہ فلاح پا جاؤ۔ ۱۸/۱
(۱۰) امانتوں اور معاہدوں کی حفاظت کرنے والے مومن جنتی ہیں۔ ۱۸/۱

۶۔ مال خرچ کرنے کا طریقہ

ا۔ فضول خرچی | (۱) فضول خرچی مت کرو، ایسوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ ۸/۷
(۲) پس تم کھاؤ پیو، لیکن فضول خرچی مت کرو۔ ۸/۱
(۳) فضول خرچی تو شیطان کا فعل ہے اور فضول خرچ شیطان کے دوست ہیں اور شیطان اپنے رب سے کفر کرنے والا ہے۔ ۱۵/۳
(۴) بھلا تم فضول مال اڑا کر ڈینگیں کیوں مارتے ہو۔ ۲۴/۷
(۵) مالوں کے علاوہ اپنی جانوں میں بھی اسراف مت کرو (یعنی گناہ نہ کرو) اور اگر اپنی جانوں میں تم سے

سراف ہو جائے (یعنی تم کوئی گناہ کر بیٹھو) تو رحمتِ الٰہی سے ناامید مت ہو۔ اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ ۲۴/۵۳

ب۔ کنجوسی | (۱) کنجوسی سے بچنے والے فلاح یافتہ ہیں۔ ۲۸/۹

(۲) کنجوس اور کنجوسی کی تعلیم دینے والا اللہ کے دوست نہیں ہیں۔ ۵/۴

(۳) کنجوس کے لیے دُکھوں کی راہ کھُل جاتی ہے۔ ۳۰/۱۲

(۴) مال کو بند کر کے رکھنے والا دوزخی ہے۔ ۲۹/۷

(۵) مال کو گن گن کر رکھنے والا اور اس کو دائمی سمجھنے والا دائمی جہنمی ہے۔ ۳۰/۲۹

(۶) کنجوس اور کنجوسی کی تعلیم دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔ ۵/۴

(۷) کنجوس اپنے مال کو بہتر نہ سمجھے، کیوں کہ اس کا مال طوق بنا کر (قیامت کے دن) اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ ۴/۴

(۸) قیامت کے دن مال کو جمع کر کے رکھنے والوں کے ماتھے، کروٹیں اور پیٹھیں ان کے جمع کردہ مال سے داغ دی جائیں گی۔ ۱۰/۱۱

(۹) تم جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخیلی کرتے ہو، اللہ کو تمھارے روپے کی ضرورت نہیں، وہ تو بے پرواہ ہے اور تم محتاج ہو۔ تمھارا بخل تمھاری جانوں پر پڑے گا اور اللہ تم کو نابود کر کے دوسری قوم بدل دے گا اور تمھارا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ ۲۶/۸

ج۔ کفایت شعاری | (۱) خرچ کرتے وقت نہ تو اپنے ہاتھ کو بالکل ہی کھول دو اور نہ اس کو گردن کی طرف ہی کھینچو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمھارے لیے ملامت اور پچھتاوا ہوگا۔ ۱۵/۴

(۲) پس جب تم خرچ کرو، تو نہ تو فضول خرچی کرو اور نہ کنجوسی کرو، بلکہ دونوں کے درمیان کی راہ بہت اچھی ہے۔ ۱۹/۱۱

۷۔ ترقی و تنزل کے راز

ا۔ سنتِ الٰہی | (۱) اللہ کسی قوم کی حالت کو اُس وقت تک نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ قوم خود اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے۔ ۱۳

(۲) اسی طرح انعام یافتہ قوم سے اللہ اپنے انعام کو بھی نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو نہ بدلے۔
(۳) جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے، اللہ اُسے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔
(۴) تنزل کے بعد ترقی ملتی ہے، دُکھ کے بعد سُکھ ملتا ہے۔
(۵) اللہ نیک چلن قوم کا محافظ مقرر فرما دیتا ہے۔
(۶) اور بُرے اعمال والوں کو اسفل السافلین میں گرا دیا جاتا ہے۔
(۷) مجرموں کو ہلاک کرکے دوسروں کو اُن کی جگہ ترقی دے دی جاتی ہے۔
(۸) قوموں کی ترقی و تنزل، عروج و زوال، حکومت و غلامی کے اوقات اللہ کے علم میں پہلے سے طے ہو چکے ہوئے ہیں (کیونکہ اللہ کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ فلاں قوم فلاں وقت میں ترقی یا تنزل کے کام کرے گی) پس جب وہ وقت آجاتا ہے، پھر ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہُوا کرتا)
(۹) یہ اللہ کی سُنت ہے اور یاد رکھو اللہ کی سُنت بدلا نہیں کرتی۔

۲. ایمان اور عمل | (۱) اگر تم خوش حالی حاصل کرنا چاہتے ہو، تو ایمان لاکر نیک عمل کرنے لگ جاؤ۔
(۲) اگر خسارت سے بچنا چاہتے ہو، تو ایمان لاکر اچھے عمل کرو اور حق اور صبر کی نصیحت کرو۔
(۳) اللہ مومنوں کو ثابت قدم رکھتا ہے۔
(۴) پس تم مومن بنو اور علم بھی حاصل کرو، تاکہ تم بلند مرتبہ بن جاؤ۔
(۵) تم وہی چاہو جو اللہ کو پسند ہو۔
(۶) نماز پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔
(۷) اور آؤ، تم کو ترقی کا زبردست پروگرام بتا دیں۔ وہ یہ ہے کہ تم نماز پڑھو، نیکی کا حکم کرو، بُرائی کو روک دو اور مصیبت میں صبر کرو۔ یہی پروگرام حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بتایا تھا۔
(۸) اگر تم بُرے اعمال کرو گے، تو اسفل السافلین میں گرا دیے جاؤ گے اور ایمان لاکر نیک عمل کرو گے، تو غیر مقطوع اجر ملے گا۔
(۹) پس تم فسق و فجور سے بچو، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔
(۱۰) نیک چلن بنو، تاکہ اللہ تمھارے محافظ مقرر کر دے۔
(۱۱) کفر و فسق اور نافرمانی کو بُرا جانو، تاکہ تم بھلائی پا جاؤ اور نعمت حاصل کر سکو۔

(۱۲) اور ایسا کرنا تمہارا اللہ پر کوئی احسان نہیں ہے، اگر نیکی کرو گے، تو فضل ہوگا۔ کفر کرو گے، تو اللہ دوست نہیں رکھے گا۔

(۱۳) تم کفر کر کے اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

(۱۴) اور اگر تم اسلام سے پھر جاؤ گے، تو اللہ دوسری قوم لے آئے گا اور تمہارا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دے گا۔

۳۔ شرک اور ظلم | (۱) اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کر کے کبھی معزز نہیں ہو سکتے۔

(۲) پس تم شرک مت کرو، کیوں کہ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔

(۳) والدین کی اطاعت کرو، لیکن اگر وہ شرک کرنے کو کہیں، تو اس معاملے میں ہرگز اُن کی اطاعت نہ کرو اور ویسے دنیا میں اُن سے محبت رکھو اور نیکی سے پیش آؤ اور پیروی ہمیشہ ایسے ہی شخص کی کرو، جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہو۔ آخر اللہ کے پاس جانا ہے، وہ تمام اعمال سے خبردار کر دے گا۔

(۴) ظالم کی طرف مت جھکو، ورنہ تم کو عذاب ہوگا۔

(۵) ظالم کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

(۶) اور وہ شخص جو اللہ کو اپنا رب جانتا ہے اور اس کو ظلم سے جلا وطن کر دیا جاتا ہے۔ وہ اللہ کی طرف سے مدد دیا جائے گا۔

(۷) اور یاد رکھو جو شخص ایمان لاتا ہے اور پھر اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (شرک) کو نہیں ملاتا، پس امن اور ہدایت اُسی کے لیے ہے۔

۴۔ تقویٰ | (۱) اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود تو ہے ہی نہیں، پس تم اللہ ہی سے ڈرو۔

(۲) زمین و آسمان کی ہر چیز تو اللہ ہی کی ہے۔ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟

(۳) پس تم لوگوں سے مت ڈرو، بلکہ اللہ ہی سے ڈرو

(۴) اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرو ہی نہیں (غیروں سے جو تم ڈرتے ہو، وہ) سب تو اللہ ہی کے ماتحت ہیں یہ تو اللہ ہی کا حق ہے کہ اُس سے ڈرا جائے اور ذرا سوچو تو سہی کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے؟

(۵) پس تم اللہ کی طرف رجوع کرو، تقویٰ اختیار کرو اور شرک مت کرو۔

(۶) پس متقی اور سچے بنو۔

۵۔ توکل | (۱) اللہ ہی پر توکل کرو۔ سب متوکل اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

(۲) اللہ ہی کو کارساز پکڑو، وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔

(۳) بھلا سوچو تو سہی کیا اللہ بندے کے لیے کافی نہیں ہے؛

(۴) پس تم اللہ پر توکل کرو اور اس کو کافی سمجھو

(۵) اور یاد رکھو، جو اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ اُس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

(۶) اور جب ہی تو مومن اور متوکل باللہ مغلوب نہیں ہوتے۔

(۷) اور مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرے۔

(۸) جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ ہی پر توکل کیا کرتے تھے۔

(۹) پس تم اللہ کی طرف رجوع کرو، اسی سے ڈرو، اُسی پر توکل کرو اور بس وُہی کارساز ہے

۶۔ شکر | (۱) اللہ کا شکر کرو، اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔

(۲) جب کوئی بڑا کام کر چکو، تو اس کو اللہ کی رحمت سمجھو اور تکبر مت کرو۔ اللہ متکبر کو دوست نہیں رکھتا

(۳) ناشکرا انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔

(۴) اور ناشکری کرنے پر نعمت چھن جاتی ہے۔

(۵) شکر کرنے پر اللہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکری کرنے پر عذاب کرتا ہے۔

(۶) پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کا شکر کیا کرو۔

(۷) ایسا کرنے میں تمھارا ہی فائدہ ہے، اللہ پر کوئی احسان نہیں۔

۷۔ تنظیم | (۱) جو لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں اور آپس میں تفرقہ نہیں ڈالتے۔ اللہ ان کو عن قریب اُن کا اجر دے گا۔

(۲) پس تم فرقہ بندی مت کرو، بلکہ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو۔ پس اللہ ہی تمھارا دوست ہے اور وہ بہت اچھا دوست اور مددگار ہے۔

(۳) فرقہ بندی مت پھیلاؤ بلکہ آپس میں متحد اور منظم ہو جاؤ اور پس دینِ حنیف پر کاربند ہو جاؤ، یہی فطرتی مذہب ہے۔

(۴) آپس میں جھگڑو مت، ورنہ تم سست پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا بگڑ جائے گی۔

(۵) مومنوں کی تو شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ آپس میں رحیم اور کفار کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں۔

(۶) اگر مسلمانوں کی دو جماعتوں میں لڑائی ہو جائے تو صلح کرا دو، اگر کوئی جماعت دوسری پر سرکشی کرے، تو سرکش سے لڑو۔

(۷) جب صلح کرانے کا وقت آئے تو انصاف سے کام لو۔

(۸) سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں، پس ان کو اپنا بھائی سمجھ کر ان میں صلح کرا دو۔

(۹) کفار مسلمان ہو جائیں، تو ان کو بھی اسی طرح اپنا بھائی سمجھو۔

(۱۰) پس تم دین کو قائم کرو اور فرقہ بندی مت پھیلاؤ۔ سابقہ اُمتوں کو بھی یہ ہی حکم تھا۔

(۱۱) لیکن اہل کتاب علم کے باوجود اپنی سرکشی اور ضد کی وجہ سے متفرق ہو گئے۔ اگر اللہ نے پہلے سے ان کے عذاب کا وقت نہ مقرر کر لیا ہوتا، تو اب تک تو اُن کا کبھی کا فیصلہ بھی ہو چکا تھا۔

(۱۲) یاد رکھو، جن لوگوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے، اُن کے لیے کوئی بہتری نہیں ان کا حکم تو بس اللہ ہی کی طرف ہے (یعنی اللہ جو چاہے، اُن کی سزا مقرر فرما دے)

(۱۳) پس تم ایسے لوگوں کی طرح مت ہو، جنھوں نے اختلاف کیا اور بیّن دلائل کے باوجود متفرق ہو گئے۔ قیامت کے دن ان کے مُنہ کالے ہوں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہو گا اور سفید مُنہ والوں (یعنی متحد و منظم رہنے والوں) کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رحمت الٰہی میں داخل کر دیا جائے گا۔

۸۔ مشورہ | (۱) ہر کام صلاح مشورے سے کیا کرو۔

(۲) مومنوں کی تو شان ہی یہ ہے کہ ان کے تمام کام صلاح مشورے سے سرانجام پائیں۔

(۳) مشورے کے وقت اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی بات اللہ اور رسول کے خلاف نہ طے ہو جائے، بلکہ اللہ کی رضامندی مدنظر ہو۔

۹۔ تبلیغ | اے اُمتِ محمدیہ! تم کو خیرِ اُمت کا خطاب اس لیے دیا گیا ہے کہ (جو کام پیغمبروں سے لیا جاتا تھا، وہ اب سلسلہ نبوت ختم ہونے کی وجہ سے تمہارے ذمّے ڈال دیا گیا اور) تم لوگوں کے واسطے نکالی گئی ہو کر ان کو نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روک دو۔

(۲) پس تم میں (کم از کم) ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکی کا حکم

کرنے اور بُرائی سے روکنے کا کام سرانجام دیتی رہے اور یاد رکھو، فلاح حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے۔

(۳) نیز یہ بھی یاد رکھو کہ نماز کو قائم کرنا نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روک دینا اور ایسا کرنے میں جو مصیبت درپیش آئے، اس پر صبر کرنا، بڑا ہی عظیم الشان دستور العمل ہے۔

۸۔ متفرق

ا۔ ترقی کا مکمل پروگرام | حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو نصیحت:

(۱) اللہ کا شکر کرو، اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔

(۲) شرک مت کرو، کیوں کہ شرک کرنا بہت بڑا ظلم ہے

(۳) والدین سے نیکی کرو۔ تمہاری ماں نے تمہارے لیے بہت مشقت اٹھائی ہے اور دو سال دودھ پلایا ہے۔ پس اللہ کا اور والدین کا شکر ادا کرو۔ لیکن اگر والدین شرک کرنے کو کہیں تو اس معاملے میں اُن کا کہا مت مانو ورنہ ویسے دنیوی معاملات میں اُن سے میل جول رکھو اور نیکی سے پیش آؤ۔

(۴) ایسے شخص کا اتباع کرو، جو اللہ کی طرف رجوع کرتا ہو اور یاد رکھو اللہ تو رائی کے دانہ برابر چیز کو بھی جانتا ہے، چاہے وہ پتھر میں ہو یا آسمان میں۔

(۵) نماز کو قائم کرو، نیکی کا حکم کرو، بُرائی سے روک دو اور مصیبت میں صبر کرو۔ یہ عظیم الشان دستور العمل ہے۔

(۶) لوگوں کے لیے اپنے رخساروں کو مت موڑو اور اترا کر مت چلو۔ کیوں کہ اللہ اترانے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

(۷) چال میں میانہ روی اختیار کرو اور آواز کو نرم کرو، کیوں کہ سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔

(۸) قسموں کو اپنی ترقی میں آڑ مت بناؤ۔ ورنہ تمہارا پاؤں ڈگمگا جائے گا اور تم ثابت قدم نہ رہ سکو گے۔

(۹) حقوق العباد کا بہت خیال رکھو۔

(۱۰) اپنی آنکھوں کو غیر عورتوں کی طرف مت اٹھاؤ۔

(۱۱) مسلمانوں کے لیے اپنا بازو نیچا رکھو۔

(۱۲) جو اللہ نے حکم دیا ہے، اس پر جم جاؤ اور خواہشات کی پیروی مت کرو۔

(۱۳) اور یاد رکھو، نجاسات کی خواہش انسان کو غافل بنا دیتی ہے۔
(۱۴) اپنے آپ کو غنی دیکھ کر سرکشی مت کرو۔
(۱۵) گناہ کبیرہ اور بے حیائیوں سے بچو۔ غصے میں بخش دو۔ نماز کو قائم کرو۔ ہر کام مشورے سے کرو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ کفارت بغاوت کا انتقام لو۔
(۱۶) جلد بازی مت کرو، بلکہ صبر کرو۔
(۱۷) سکون کی راہ اُن لوگوں کے لیے کھلتی ہے، جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور اچھی بات کو سچ مانیں۔
(۱۸) اور بخیل، بے پروا اور اچھی بات کو جھٹلانے والے کے لیے دکھوں کی راہ کھل جاتی ہے۔
(۱۹) اگر تم دشمنوں کو دوست بنانا اور اقبال مند بننا چاہتے ہو، تو بدی کا جواب نیکی سے دو۔
(۲۰) اگر دشمن باز ہی نہ آئے اور تم پر زیادتی کرے، تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔
(۲۱) اس سے بڑھ کر تم اپنی طرف سے زیادتی مت کرو۔
(۲۲) فاسق کی بات کا اعتبار نہ کرو، ورنہ تم کو پشیمان ہونا پڑے گا۔
(۲۳) ہر قسم کی بُرائی، جادو، ضد، شیطان اور جن و انس کے وساوس سے اللہ کی پناہ مانگو۔

خلاصۂ تعلیمات

اسلام ایسا عالمگیر مذہب ہے کہ اس کے قوانین میں زندگی کے ہر شعبے کا قانون موجود ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی، بلکہ جس طرح دینی احکام بیان کیے ہیں، اسی طرح دُنیوی احکام بھی واضح کر کے بتا دیے ہیں، جن میں سے صرف احکام قرآنی اور وہ بھی صرف اقتصادیات کے متعلق ہدیۂ ناظرین کیے گئے ہیں۔

اقتصادی ترقی کے لیے باری تعالٰے نے سب سے بہتر پیشہ تجارت بتایا ہے۔ یہ صرف عقیدۃً مان لینے کی بات نہیں: بلکہ تجربہ شاہد ہے کہ تجارت سے قوموں کی اقتصادی حالت سنورتی ہے۔ ہندو قوم کا تجارت کے ذریعے ترقی حاصل کرنا کسی سے پوشیدہ نہیں۔ نیز شاہ جہان کے عہد میں انگریزوں کا کلکتہ میں تجارتی کوٹھی کا قیام اور فرخ سیر کے زمانے میں انگریزی درآمدہ مال پر تنسیخ محصول کی اجازت حاصل کر کے رفتہ رفتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھنا اور پھر سارے ہندوستان کا مالک بن بیٹھنا کوئی زیادہ زمانہ کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ تجارت ہی کی

بدولت ہوا، مگر مسلمان ہیں کہ اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے قرآن کریم پکار پکار کر آوازیں دے رہا ہے کہ تجارت کرو اور تجارت میں تمام اصولوں کا خیال رکھو۔ ناپ تول درست رکھو۔ حساب کتاب باقاعدہ رکھو لین دین تحریری کرو۔ امانت کی حفاظت کرو اور خیانت ہرگز مت کرو، مگر مسلمان بہ دستور سو رہے ہیں اور جو تھوڑے سے تجارت کی طرف متوجہ بھی ہیں، تو وہ تجارتی اصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔

اس کے بعد جناب باری تعالیٰ نے کمائے ہوئے روپے کو خرچ کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ اگر تم فضول خرچی یا کنجوسی کروگے، تو تباہ و برباد ہو جاؤگے اور تمھارا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ پس اگر اچھی راہ اختیار کرنا چاہتے ہو، تو کفایت شعاری سے خرچ کرو، مگر مسلمان اس معاملہ میں بھی شریعت کی خلاف ورزی پر تلا ہوا ہے۔ خرچ کرتا ہے تو اتنا کہ بیٹے کی شادی اور ختنہ وغیرہ رسوم پر اتنا خرچ کرتا ہے کہ قیامت تک بھی اولاد بنیے کا سود ادا کرنے سے فراغت حاصل نہ کر سکے اور جب جمع کرنے پر آتا ہے، تو اتنا کنجوس کہ قارون کے علاوہ کہیں اور نظیر ملنا دشوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم کے غرباء کی امداد نہیں ہوتی اور نتیجہ افلاس، ارتداد اور طرح طرح کی بدعملیاں ہوتا ہے۔ اگر مالدار احکامِ الٰہی کے مطابق خرچ کریں اور غربا بھی فضول خرچی سے باز آ جائیں، تو ممکن نہیں کہ جس قانون نے حضرت ابو بکرؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰنؓ جیسے امراء کو اور حضرت بلالؓ اور زیدؓ جیسے غربا کو ایک صف میں لا کھڑا کیا تھا، وہ اب اپنا دہی نتیجہ نہ دکھائے۔

اقتصادی ترقی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور تمام دنیوی ترقیوں کے راز بھی خوب مفصل بیان فرما دیے ہیں۔ فرما دیا ہے کہ بغیر تمھاری کوشش کیے میں تم کو ترقی نہیں دینے کا اور بغیر تمھاری قانون شکنی کے تم کو تنزل میں نہیں گرانے کا۔ مگر مسلمان ہے کہ تقدیر کے غلط معنے سمجھ کر آسمان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھا ہے اس کو اصولِ تجارت کی پابندی، رسومِ بد کے انسداد، شریعتِ خداوندی کی پیروی کی قطعاً پروا نہیں۔ وہ ہر وقت ایسے پیر کی تلاش میں ہے، جو اس کو ایسا وظیفہ بتا دے جس سے خود بخود اس کا صندوق روپیوں سے بھر جائے۔ وہ اللہ کے ہر حکم کی نافرمانی کرتا ہے اور اپنی خواہشات کو خدا بنائے ہوئے ہے اور اپنی خواہشات کے مطابق اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ اس کا یہ مانگنا قانونِ خداوندی کے ماتحت نہیں ہے، اس لیے کچھ ملتا نہیں۔ اس پر بجائے اپنے اعمال کو درست کرنے کے وہ سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ پر آوازے کسے اور حاملینِ شریعت کو گالیاں بکے اور کچھ بھی نہیں کرتا، کیوں کہ اللہ اس کے مانگنے پر دیتا نہیں اور حاملینِ شریعت اس سے کہتے ہیں کہ تیرا عمل شریعت کے مطابق نہیں، اس لیے نہیں ملتا۔ اس مرض کو اللہ تعالیٰ نے فسق و فجور سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کا

علاج ایمان اور عمل بتایا ہے۔ قوتِ ایمان کی تقویت کے لیے اس نے شرک و ظلم سے پرہیز کرنا اور تقویٰ، توکل، شکر اور صبر سے مدد حاصل کرنا بہت مفید نسخہ قرار دیا ہے اور قوتِ عمل کی تقویت کے تنظیم، مشورہ، تبلیغ، حقوق العباد کو شہرتِ اخلاق کے ساتھ استعمال کرنا ترقی کا انمول نسخہ فرمایا ہے۔

افسوس ہے اُس شخص پر جو حکیم سے نسخہ تو ٹھیک حاصل کرے، مگر بجائے اس میں لکھی ہوئی ادویہ کو استعمال کرنے کے اس نسخہ کو ریشمی رومال میں لپیٹ کر گھر میں سب سے اونچی جگہ عزت کے ساتھ رکھ دے اور کبھی کبھی کھول کر پڑھ لیا کرے، پھر اسی طرح لپیٹ کر رکھ دیا کرے اور کبھی اس کو استعمال کرنے کا ارادہ نہ کرے اور جب ایسا کرنے سے مرض اس کا کم نہ ہو، تو اس حکیم پر نکتہ چینی کرنے لگے، اپنے آپ کو بڑا حکیم سمجھ کر دواؤں کے خواص سوچتا اور یہ کہتا رہے کہ حکیم نے نسخہ میں فلاں فلاں دوائی اس مخصوص وزن کے ساتھ کیوں رکھی ہے؟ یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے۔ قرآن حکیم جیسے عظیم الشان قانون اور نسخے کو ریشمی رومال میں لپیٹ کر بلندی پر رکھ دیا ہے۔ رسمی طور پر کبھی کبھی تلاوت بھی کر لی جاتی ہے، مگر اس کے احکام پر عمل مفقود ہے جب تک عمل نہیں ہوگا نتیجہ ہرگز وہ نہیں ہوگا، جو قرونِ اولیٰ میں ہوتا تھا عجیب بات یہ ہے کہ جتنا زیادہ علم حاصل کیا جاتا ہے، اُتنا ہی قرآن کریم سے بُعد ہوتا جاتا ہے۔ وہ عمل کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا اور بس نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے فلسفے میں اُلجھا ہوا ہے۔ اس کے دماغ میں ان کا فلسفہ آئے، تو پھر عمل شروع کرے۔ حالاں کہ پورے ملک کے مریضوں کا اس نسخہ کے استعمال سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر شفایاب ہو جانا اسی بات کی دلیل ہے کہ فلسفہ سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قانونِ خداوندی یہی ہے کہ تم اس کی طرف متوجہ ہو گے، تو وہ تمھاری طرف متوجہ ہوگا۔ تم کوشش کرو گے، تو وہ ترقی دے گا اور وہ کوشش اس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق ہونی چاہیے۔ بغیر اس کے ترقی نا ممکن ہے۔ پس اگر ترقی چاہتے ہو، تو قرآن جیسے عظیم الشان نسخے کو استعمال کرو۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

قولِ احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ "قولِ احسن" میں قرآن مجید کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مُسلم کہلانا چاہیے۔ باقی تمام نام شیعہ، سُنی، اہلِ قرآن، اہلِ حدیث وغیرہ بدعی ہیں۔ جن کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا ہے۔ ۲۰ کے ٹکٹ بھیج کر دفتر امتِ مسلمہ امرتسر سے طلب فرمائیے۔

تقریظات

مرقاۃ القرآن | مولفہ مولوی محمد عبداللہ صاحب کاؔل ایم اے ۔ سائز $\frac{20\times30}{16}$ ۔ کاغذ دبیز، لکھائی چھپائی عمدہ، ضخامت ۱۱۲ صفحے، قیمت ۲ر ۔ ملنے کا پتہ: انجمن "ارباب ذوق" لائل پور۔

مرقاۃ القرآن، عربی زبان کے ابتدائی نصاب کے طور پر لکھی گئی ہے۔ مدرسوں میں بچوں کو عربی سکھلانے کے لیے جو کتابیں آج کل پڑھائی جاتی ہیں، اُن میں ایک بہت بڑی کمی یہ ہے کہ طلباء کئی کئی سال تک ان کا مطالعہ کرتے ہیں، مگر قرآن کی طرف رغبت پیدا نہیں ہوتی۔ مرقاۃ القرآن نے نہ صرف اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ بلکہ اس کی تالیف کا مقصد ہی یہ ہے کہ طلباء کو قرآن مجید کے مطالعہ کی دعوت دی جائے۔ اس کتاب میں عربی گرامر کے ۲۰ سبق شامل کیے گئے ہیں اور ان سبقوں کا ایک ایک فقرہ بلکہ ایک ایک لفظ قرآن مجید سے لیا گیا ہے اور اس سے قرآن پاک کا اعجاز سمجھیے کہ زبان عربی کے صرفی اور نحوی قواعد بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔

مرقاۃ القرآن کا فائدہ عام کرنے کے لیے اس کے مولف نے کلید مرقاۃ القرآن کے نام سے ایک اور کتاب [illegible] ہے۔ جو لوگ کسی استاذ سے باقاعدہ طور پر مرقاۃ القرآن نہیں پڑھ سکتے، وہ اس کلید کی مدد سے اس [illegible] حل کر سکتے ہیں۔ اس میں مرقاۃ القرآن کے تمام اسباق کا ترجمہ دینے کے علاوہ قواعد کی تشریح کر دی گئی ہے ضخامت ۶۰ صفحے۔ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت آٹھ آنے۔ اوپر کے پتے سے طلب کیجیے۔ (س)

[illegible] القرآن | العلامۃ الفراہی رحمہ اللہ تعالیٰ من فحول العلماء بالقرآن فی ھذا العصر الجدید وله تفسیر بالعربیۃ متضمن للتطبیق بین ما فی القرآن وما فی العہد العتیق [illegible] واسلوب سدید۔ کثیرا ما تراہ یأخذ علی تراجم الصحف ازدلی بما ھو اخری واور [illegible] الامۃ من علماء التفسیر وتغادیر الاشتقاق بناء علی ان الحق یعلو ولا یُعلیٰ [illegible] فی معضلات القرآن مجتھدا فی رایہ الوحید۔ یرد علی ما یخالفہ من تفاسیر الق[illegible] الکتب المجید۔ وقد ذکرنا مسلکہ فی التفسیر علی ما ذکرہ فی رسائلہ الخمس [illegible] اسالیبہ واصول تاویلہ۔ ودلائل نظام القرآن وتاریخہ وغیرہا ثم نقف علی رسائلہ [illegible] القرآن۔ فقرأناھا من اولھا الی آخرھا فوجدنا فیھا ما یقرب الاذھان ویستبشر بھا

القرآن ويستشم فيها روائح المعرفة والعرفان. ففي اول صفحاته اعلان كتبه الخمسة المذكورة و بيان ما فيها من علوم التفسير. ثم بعد ذلك ذكر ثلث مقدمات تتعلق بالاحتياج الى معرفة المفردات واصول اللسان دخول القرآن عن الالفاظ الغريبة في التعبير ثم ذكر بعدها اقسام الفاظ القرآن وقسمها على ثمانية انواع - فاذ فرغ منها شرع في ما حاوله من تشريح مفردات القرآن بطول الباع - واعتذر في تركه كثيرا من مفرداته بانه ذكرها في غيرها من رسائل فمن اراد ان يحيط على ما في القرآن من المفردات والمركبات فله تلك الرسل من كبر الوسائل - عدد صفحاته قريب من الثمانين - وتقطيع كتابه اوسط ما يحتمل حجمه وطباعته بحروف الفارسية وهو بالعربية تسر الناظرين -

. . . . - اذ هو غريب في هذا الموضوع قلما باحث فيه اهل التفسير في هذا الزمان. وانموذج مما عليه اسلف في تفسير القرآن في العربية بادغه البيان - قيمة ۱۴ آنه - محل وصول: دائرة حميديه، تيه سرائے مير اعظم گڈھ - (آسی)

اُردو مثنوی کا ارتقاء | مرتبہ عبدالقادر سروری ایم اے، ایل ایل بی، استاد ادب اُردو، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ صفحات ۲۴۴، سائز ۳۰×۲۶/۸ قیمت عہ۔

ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر ادارۂ ادبیات اُردو خیریت آباد۔

صنف مثنوی کے متعلق جس قدر تالیفات اب تک شائع ہوئی ہیں، ان میں یہ کتاب تفصیل، تنقید اور تشریح کے لحاظ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

دکن سے بہت سی علمی اور ادبی کتابیں حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں قدیم و موجودہ دور کے شعرائے دکن کے کلام کو جس محنت اور خوبی کے ساتھ ترتیب دے کر پیش کیا ہے، وہ قابلِ تحسین ہے۔ مندرجہ بالا تالیف میں بھی دکن کے قدیم شعراء کی مثنویوں کے بیشتر نمونے دیے گئے ہیں۔ تنقید و تشریح کے ضمن میں مثنوی کے ارتقاء پر تاریخی تاثرات، تبدیلیاں اور تبدیلیوں کے محرکات، مختلف اساتذہ کے دماغی رجحان کا اثر بہت دل چسپ پیرائے میں لکھا گیا ہے۔ دہلی، لکھنؤ، دکن اور پنجاب کے مراکز کی طرزِ نگارش، اصلاحِ فن کی کوششوں کے نتیجے اور حسن و قبحِ کلام پر بحث کرتے ہوئے عہدِ قدیم و جدید کے کلام کے نمونے اور بابا فرید شکر گنج (۶۶۴ھ) سے لے کر دورِ حاضر کے اقبال اور حفیظ تک کا کلام پیش کیا گیا ہے۔

(م۔ف)

تاریخ گولکنڈہ | مصنفہ عبدالمجید صاحب صدیقی ایم اے ایل ایل بی استاذ تاریخ جامعہ عثمانیہ ضخامت ۲۴۰ صفحے۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ لکھائی، چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ قیمت: عہ۔ ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد (حیدرآباد دکن)

زیرِ نظر کتاب، ریاست گولکنڈہ کی مبسوط و مفصل تاریخ ہے۔ اس میں سلاطین قطب شاہیہ کے مستند تاریخی حالات کے علاوہ دکن کے سیاسی اور تمدنی ارتقا پر بہت دلچسپ تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتاب بہت محنت اور تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے اور گولکنڈہ سے متعلق غالبًا اپنے پائے کی پہلی اور آخری کوشش ہے۔ قطب شاہی سلطنت کی تاسیس و بنیاد سے لے کر اس کے عروج و زوال تک کے تمام حالات، پوری روشنی میں دکھائے گئے ہیں۔ کتاب کے آخری حصے میں گولکنڈہ کے تمدنی، سیاسی، معاشری اور معاشی حالات، بادشاہوں کی علمی سرپرستی اور شہر و عمارات کی تاریخ بھی شامل ہے۔ کتاب مجلد ہے اور اس کی جاذبیت میں تصویروں نے بھی نمایاں حصہ لیا ہے۔

(س)

حسابِ آمد و خرچ اُمّتِ مُسلمہ امرتسر

(۷ مارچ سے ۸ اپریل سنہ ۱۹۴۰ء تک)

آمدِ البیان

سید شاہ محمد شاہ صاحب تھرچنی	.	۳	۶
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	.	.	۱۰
حکیم محمد اسلم صاحب فیروزپور	.	.	۳
بابو محمد حسین صاحب	.	.	۲
بابو محمد جہانگیر صاحب لاہور	.	.	۳
سید شاہ محمد شاہ صاحب تھرچنی	.	.	۱
مسٹر نور محمد صاحب نئی دہلی	.	۳	۳
مسٹر بشیر احمد صاحب کمیٹ	.	۳	۳
محمد اسد اللہ صاحب مدراس	.	۳	۱
سی اے حق صاحب سکھر	.	۳	۳
میاں فیملی	.	.	۱
کالج بک سٹال لاہور	.	۴	۹
معرفت مستری تاج الدین صاحب	.	۸	۱
منشی شہباز خاں صاحب گجرات	.	.	۳
بابو غلام محمد صاحب کپورتھلہ	.	۳	۳
مولوی شیر محمد صاحب میراں شاہ	.	.	۳
محمود شریف صاحب شہوگڑہ	.	۳	۱
بابو عبید اللہ خاں صاحب	.	.	۸
میاں فیملی	.	.	۱
خان محمد زمان خاں صاحب گجرات	.	.	۴
سید منظور احسن صاحب چیاس	.	۳	۲
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	.	.	۱۰
متفرق	.	۹	۷
	.	۱۳	۹۰

عمارات فنڈ

میاں فیملی	.	.	۱
خواجہ نعمت اللہ صاحب	.	.	۱
میاں جلال الدین صاحب	.	.	۱
خلیفہ عبداللہ صاحب	.	.	۱

بابو عبدالکریم صاحب	۱	۰	۰
بابو عبداللہ خاں صاحب	۱	۰	۰
چودہری شہاب الدین صاحب	۱	۰	۰
متفرق	۲	۸	۰
چودہری خیرالدین صاحب (مسجد)	۲۰۰	۰	۰
مہر محمد عمر صاحب (مسجد)	۲۰۰	۰	۰
مہر نظام الدین صاحب (مسجد)	۱۰۰	۰	۰
	۵۰۹	۸	۰
کتب خانہ	۲۵	۵	۰
رکنیت فنڈ	۲	۰	۰

تبلیغ فنڈ			
ڈاکٹر میر محمد شریف صاحب منٹگمری	۵	۰	۰
میزان	۶۳۲	۱۰	۰
سابقہ بقایا	۲۲۴	۱۰	۳
میزان کل	۸۵۷	۴	۳
اخراجات			
البیان	۱۰۵	۸	۰
عمارات	۲۲	۰	۰
کتب خانہ	۷	۶	۰
میزان	۱۳۴	۱۴	۰
بقایا	۷۲۲	۸	۳

سیاسی اِنقلاب سے پہلے ذہنی اِنقلاب

دنیا میں ہر طرف خیالات کی جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ آپ کے پاس اپنے خیالات تو یقینی طور پر محفوظ ہوں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ اگر دوسروں کے خیالات سے بھی آگاہ ہونا چاہتے ہیں، تو

چھپ آنے والی کتابوں

کے سلسلہ کی ہر کتاب کا مطالعہ کریں۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ہمارے ادارہ میں ہر ماہ اس سلسلہ کی دو کتابیں شائع ہوتی ہیں۔

سوشلزم۔ فریڈرک اینگلز، کارل مارکس کے دست راست کی کتاب کا اردو ترجمہ، کامریڈ باری کے آتشین قلم سے۔ ۶ر

سرمایہ داری۔ اس مشکل سوال کا جواب بیسیوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد عبداللہ ملک نے دیا ہے۔ سرمایہ داری کیا چیز ہے، جو غریبوں کا خون چوس رہی ہے۔ ۶ر

کمیونسٹ مینی فیسٹو۔ مارکس اور اینگلز کے مشترکہ منشور جسے انقلابی دنیا میں بائبل سے زیادہ درجہ حاصل ہے۔ اردو ترجمہ کامریڈ باری کے قلم سے، زبان آسان ۶ر

کارل مارکس جس نے تاجرانہ تہذیب کی اخلاقی کمزوریوں کو طشت از بام کیا۔ کامریڈ باری کے آتشیں قلم نے اس انقلابی کے حالات کو پہلی دفعہ اردو میں پیش کیا ہے۔ ۶ر

استالین۔ روس کے آہنی انسان کے سوانح حیات

موچی کا بیٹا ایک عظیم الشان شوری جمہوریت کا کیونکر وارث بن گیا۔ انقلابی، قیدی، جرنیل، ڈکٹیٹر ۶ر

شہنشاہ حبشہ ۶ر انقلابِ فرانس ۶ر

عصمت انونو ۶ر رضا شاہ پہلوی ۶ر

سرمایہ داری اور انقلاب ۶ر راجا اور کسان (دیپ چاند جواہر لعل) ۶ر

دوسری کتابیں

لینن عہ ر کمپنی کی حکومت (ہندوستان میں) عمر

ترکی جمہوریہ عا ر ماتا ہری عہ ر پاگل ۸ ر آہنگ نو ۸ ر

غیور مسلمان ۳ ر شیرِ غرناطہ ۳ ر سرفروش مسلم ۳ ر

زنجیرِ عدل ۳ ر سخاوت ۳ ر

پیامِ رسولؐ ۳ ر ذہانت ۳ ر

سبق آموز کہانیاں ۶ ر

مرزا پھوئیا ۲ ر

مکمل فہرست مفت طلب کریں۔

ملنے کا پتہ: **مکتبۂ اُردو سرکلر روڈ۔ لاہور**

ادارۂ ادبیات اُردو کی نئی کتابیں

(۱) **تاریخ ادبِ اُردو** | ادارہ ادبیاتِ اُردو نے طالب علموں اور عوام کے لیے اُردو ادب کی یہ تاریخ مرتب کی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر اس کتاب سے پہلے دو چار کتابیں چھپی ہیں، لیکن زبان اور ادبیات کی تاریخ جیسی کہ چاہیے، اب تک نہیں لکھی گئی تھی۔ ادارہ نے اس تاریخ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ (۱) زبانِ اُردو کی تاریخ (۲) اُردو کا ابتدائی ادب۔ دوسرا حصہ (۱) دہلی میں اُردو ادب کے پہلے سو سال (۲) دکن میں اُردو ادب کا احیا (۳) اردو ادب کا دبستان لکھنو (۴) دبستان ہند دہلی تیسرا حصہ (۱) جدید دور کی انفرادی کوششیں (۲) ادارے (۳) صحافت۔

ان تینوں حصوں میں انفرادی اور اجتماعی کوششیں، اُردو ادب کے رجحانات اور ہر عہد کی خصوصیتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ اس میں تقریباً آٹھ سو شاعروں، ادیبوں اور کتب و رسائل کا ضروری تذکرہ درج ہے۔ یہ کتاب طالب علموں اور اُردو سے دلچسپی رکھنے والے جملہ اصحاب کے لئے تاریخی معلومات کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی۔ ۱۷۶ صفحات قیمت صرف ایک روپیہ چار آنے۔

(۲) **محمد حسین آزاد** | اُردو کے اس زبردست شاعر اور انشا پرداز کے مکمل حالاتِ زندگی اب تک شائع نہیں ہوئے تھے۔ اس کتاب کو محترمہ جہان بانو بیگم صاحبہ ایم اے نے نہایت شرح و بسط اور تحقیق کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ یہ کتاب مختلف ابواب میں تقسیم ہے جن میں آزاد کی زندگی، شاعری اور تصانیف سے متعلق معلومات مکمل شامل ہیں۔ معہ تصویر آزاد۔ ۴۰۰ صفحات قیمت دو روپے۔

(۳) **سرگزشتِ غالب** | غالب کے متعلق اگرچہ اب تک کئی کتابیں چھپ چکی ہیں، لیکن اس کتاب میں طالب علموں اور ادب کا عام مطالعہ کرنے والوں کے لئے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معلومات پیش کیے گئے ہیں اس میں مصنف نے اپنی ذاتی تحقیق اور علم و فضل کے دکھاوے کی بجائے اس امر کی کوشش کی ہے کہ سادہ طریقہ پر غالب کی زندگی کے سلسلے وار تاریخی حالات، ان کی شاعری اور انشا پردازی کا ارتقا کتابوں کی تیاری و اشاعت کی بالترتیب تقسیم اور ان کے خاص خاص اعزہ احباب اور تلامذہ کا تذکرہ اور تعلقات اجمال کے ساتھ پیش کرے۔ یہ اصل میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور کے سالہا سال کے مطالعہ اور تحقیقات کا نچوڑ ہے جس کے لیے صرف مصنف کا نام کافی ہے۔ بڑا سائز ۴۰ صفحات مع تصویر مرزا غالب قیمت صرف آٹھ آنے

ملنے کا پتہ: "سب رس" کتاب گھر خیریت آباد۔ حیدرآباد (دکن)

پر اتر آئے اور حق کی مخالفت کرنے کے لحاظ سے) یہ (سب کے سب ایک ہی طرح کے گروہ ہیں، جیسا کہ فرمایا)

(۱۴) اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ نہیں تھے یہ سب مگر جھٹلانے والے (میرے پیغام کو اور میرے) پیغمبروں کو (رسولوں کو جھٹلانا دراصل پیغام ہی کا جھٹلانا ہوتا ہے، ٹھیک جس طرح پیغام کا جھٹلانا پیغمبروں کا جھٹلانا ہے۔ انبیاء کی حیثیت درمیان میں صفر کی ہوتی ہے۔ اصل چیز پیغام ہوتا ہے۔ پھر جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو نتیجہ کیا نکلا؟) پس میرا (خدا تعالیٰ کا) عذاب اُن پر پورا ہو گیا۔ (تمام پیغمبر جھٹلائے گئے۔ مخالفت انہی کے سبب ہی اقوام کی گرفت ہوتی ہے)

رکوع دوم اب قریش مخاطب ہیں، تو جب یہ لوگ بھی سرکشی اور بدعملی کی آخری حد تک پہنچ جائیں گے، تو کیا یہ بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں! پس موقعہ کو غنیمت جانیں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ ورنہ ہمیں گرفت کرنے کے لیے کسی بڑے ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ اچانک پکڑ لیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ شرارتیں کریں گے مسلمانوں کو حد درجہ ستائیں گے اور ان کو ہجرت پر مجبور کریں گے، تو یہ ضدی اور شریر کفار (نہ کہ دوسرے امن پسند کفار) پہاڑوں کے پھٹنے پر دھوئیں اور پھوک سے اسی طرح تباہ و برباد کردیے جائیں گے، جس طرح باغوں اور بستیوں والی پہلی قومیں نیست و نابود کی جا چکی ہیں۔ ایسے متعصب اور فتنہ پرور لوگوں کو پہلے چھوٹے چھوٹے عذابوں میں مبتلا کیا جاتا ہے تاکہ وہ باز آجائیں اور جب وہ اپنی روش سے باز نہیں آتے، تو آخر کار ہم شدت والا عذاب بھیجتے ہیں امراء لوگ پہاڑوں پر گئے۔ وہیں اُن پر عذاب نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد کردیے گئے۔ پھر زلزلوں، بیماریوں اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوتے رہے۔ اُن کو بغیر سلسلہ ٹوٹنے کے آگے ہی لے جایا گیا۔ سیرگاہوں سے گھروں تک آنے کی مہلت نہ مل سکی۔ بس یہ ایک پیش گوئی ہے، جو حرف بحرف پوری ہوئی پھر یہ لوگ رجوع الی الحق کیوں نہیں کرتے؟ ورنہ عذاب آکر رہے گا:

(۱۵) وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ اور یہ لوگ انتظار نہیں کرتے، مگر ایک صیحہ کا (صیحہ میں ہر ایک مصیبت شامل ہے۔ جب یہ عذاب وارد ہو جاتا ہے) پھر اس کو ڈھیل نہیں ہے (کہ توبہ وغیرہ یا کسی سے کچھ کہنے سُننے کی مہلت ملے۔ اس وقت

توحق کا مذاق کرتے ہیں اور پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ وقت آنے پر سخت نادم و پریشان ہوں گے جیسا کہ فرمایا کہ یخوا الفین حق تمسخر اڑاتے ہیں)

(۱۶) وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ○ اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا حصہ (عذاب کا) حساب کے دن سے پہلے ہی ہمیں دے دے (ہنسی اڑاتے ہیں کہ جو عذاب تُو نے ہمارے واسطے مقرر کر رکھا ہے، وہ قبل از وقت ہی ہمیں بھیج دے! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اندازہ پورا ہونے کے بغیر گرفت کی جائے؟ خدائی کام تمام کے تمام حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس کی بات ہو، تو کبھی عذاب مانگنے پر ان کا مدعا پورا ہو جائے، مگر یہ خدا کے مقرر کیے ہوئے قوانین ہیں، جو اپنے موقعہ و محل پر پورے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں، تو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ عذاب بہر حال وقت پر ہی آئے گا۔ یہ فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہوتا، تو مدت سے کام ختم ہو چکا ہوتا انسانی اندازے اکثر غلط بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ اے رسولؐ! حوصلے اور ہمت سے کام لو، استقلال دکھاؤ اور جرأت سے خدا کے دین کی تبلیغ کرتے رہو۔ اس موقعہ پر حضرت داؤدؑ کی زندگی کی طرف توجہ دلائی کہ اُن کی مثال سامنے رکھو کہ وہ ہاتھوں سے کمائی کرنے والے اور انتظام، خوبی اور قوت والے تھے۔ وہ ہر وقت اللہ کی طرف رجوع رکھتے تھے۔ پہاڑی لوگ اُن کے قابو میں تھے۔ اُن کو صبح و شام اپنے ساتھ نماز پڑھاتے تھے۔ غرضیکہ انتظام اور عبادت کے لحاظ سے اُن کی زندگی لائقِ اتباع ہے۔ فرمایا:

(۱۷) اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ○ جو کچھ وہ (کفار) کہتے ہیں، اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤدؑ کو یاد کرو، جو ہاتھوں والا (یعنی قوت و انتظام والا) تھا، وہ بار بار اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔

(۱۸) إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ○

(۱۹) وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ○ ہم (خدا) نے کام میں لگا دیا اُس (داؤدؑ) کے ساتھ پہاڑوں (یعنی پہاڑی لوگوں) کو (ٹھیک جس طرح قرآن میں بار بار بستیوں

کی سرکشی کا ذکر آیا ہے، حالاں کہ مراد اُن سے اُن بستیوں کے باشندے تھے، جو خدا تعالےٰ کے خلاف سرکشی کرتے تھے۔ اسی طرح یہاں پہاڑوں سے مراد پہاڑوں کے رہنے والے ہیں۔
الغرض! فرمایا اے پہاڑو! اس کے ساتھ دن بھر چلو، پھر آور کام کرو۔ جب وہ لوگ صبح کام پر آتے، تو حضرت داؤدؑ پہلے ان کو نماز پڑھاتے۔ جب عصر کے وقت چھٹی دیتے، تو پھر بھی اپنے ساتھ نماز پڑھاتے اور اس کے بعد رخصت کرتے۔ صبح شام دو نمازیں پڑھانا (قبل طلوع اور قبل غروب) احسن وقت ہیں۔ غرض ضحیٰ، اشراق، صبح، شام، دلوک الشمس اور عصر وغیرہ سے بھی دو ہی وقت مراد ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص ان دو وقتوں سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرے، تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ الغرض وہ) پہلے اور پچھلے وقت (یعنی صبح و شام اُس کے ساتھ مل کر اپنے پیدا کرنے والے خدا کی تسبیحیں کرتے تھے۔ (اور طیر بھی (جو کئی شہروں سے) اکٹھے کیے ہوئے تھے (اُن کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور وہ) سب کے سب (داؤدؑ اور عمالیق وطیر وغیرہ) اُس (خدا) کی طرف (نہ کہ داؤدؑ کی طرف) رجوع کرنے والے (یعنی اوّاب) تھے۔ طیر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک پَردار جانور اور دوسرے بے پَر جانور، یعنی انسان۔ طیر، تیز رَو، جلدی چلنے والا، اور طائر: پروں والا۔ غرض یہ طیر یعنی فوجی لوگ جن کو جن وانس بھی کہا گیا ہے، یہی سلیمانؑ کو داؤدؑ سے وراثت میں ملے تھے، ہُدہُد بھی انھیں میں سے تھا، نہ کہ جانور تھا۔ یہ سب لوگ نیکوکار تھے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جرائم پیشہ، سرکش اور باغی تھے جنہیں .. داؤدؑ نے مختلف کاموں پر لگایا ہُوا تھا یا طوق وسلاسل اور بیڑیوں وغیرہ میں جکڑ کر اپنی قید اور حفاظت میں رکھا ہُوا تھا غرض بہت عمدہ انتظام تھا۔ یہ سب خدا کی مہربانیاں تھیں، جیسے ارشاد ہوتا ہے:)

(۲۰) وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○

اور ہم (خدا تعالیٰ) نے اس (داؤدؑ) کی بادشاہی کو مضبوط کیا تھا اور ہم (خدا تعالیٰ) نے اس (داؤدؑ) کو دانائی اور مقدمات وغیرہ کے) فیصلے کی طاقت (یعنی استعداد بھی) (انسانی حیثیت کے مطابق) دے رکھی تھی (باوجود ایسے حالات کے انسان بے غلط اور منتہائے سوال نہیں ہو سکتا۔ مرتے دم تک اس کو صراط مستقیم پر گام زن رہنے کی دعا مانگنا ضروری ہے۔ آدمی خواہ کتنے بڑے عروج پر پہنچ جائے، پھر بھی بھولنے والا ہے۔ حضرت داؤدؑ ہی کے معاملے پر نگاہ ڈالو۔ وہ

بہت بڑے منتظم، طاقت ور، اواب اور دانا نبی تھے، مگر بشری کمزوریوں سے پھر بھی مبرا نہیں تھے۔ خدا نے حکمت اور مقدمات فیصل کرنے کی طاقت و دیعت فرمارکھی تھی، مگر اس کے باوجود آپ نے سخت لغزش کھائی۔ انبیاء کو خدا کی صف میں بٹھانے والے اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں، خدا کی دی ہوئی عقل کو نعمت جان کر اس سے کام لیں اور انسانوں کو ان کے مرتبے سے بڑھا کر ظلم عظیم کے مرتکب ہو کر عذاب الیم کو دعوت نہ دیں۔ غرض جناب داؤد سے باوجود علم و حکمت جو لغزش ہوئی، اس کا ذکر آگے فرمایا اور خوب واضح کیا کہ انبیاء مافوق الانسان نہیں ہوتے اور نہ انسانی کمزوریوں ہی سے مبرا ہوتے ہیں۔ فرمایا:)

(۲۱) وَهَلْ أَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ اور کیا تیرے پاس اُن جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے، جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے

(۲۲) إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلٰى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ جب وہ داؤد کے پاس آئے، تو وہ ان سے گھبرا گیا۔ انھوں نے کہا: ڈرو نہیں، ہم دو فریق ہیں کہ ایک نے دوسرے پر زیادتی ہے، تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجیے۔ اور نا انصافی نہ کیجیے اور ہمیں سیدھے راستے پر ڈال دیجیے۔

(۲۳) إِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ اُن دونوں میں سے ایک کہتا ہے۔ مقدمے کی کیفیت یہ ہے کہ، بالتحقیق یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس (صرف) ایک (ہی) دنبی ہے پس اس نے کہا (یعنی اس نے مطالبہ کیا کہ (یہ) ایک دنبی بھی میرے حوالے کردو اور بات چیت میں مجھ پر زیادتی کرتا ہے۔

(۲۴) قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلٰى نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا

مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِىْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ (اس مقدمہ میں جناب داؤد نے صریح غلطی کھائی، کہ دوسرے فریق کا بیان لیے بغیر فیصلہ دے دیا اور صرف ایک ہی کا بیان سُن کر کہہ دیا) البتہ تحقیق اس نے تیری دُنبی کا سوال کرکے کہ اُسے اپنی دُنبیوں میں شامل کرلے، تجھ پر ظلم کیا اور تحقیق بہت سے (نہ کہ سب) شریک لوگ ایسے ہیں کہ بعض اُن کے بعض پر زیادتی کرتے ہیں (یعنی ایک دوسرے کو ستاتے ہیں) مگر وہ لوگ جو مُومن (امن پسند یا خدا پر ایمان رکھنے والے اور عاقبت کے عذاب سے ڈرکر) صلاحیت والے کام کرنے والے (وہ ایک دوسرے پر سختی نہیں کرتے) ہیں اور (یہ اصل مُومن) جو ہیں تھوڑے ہیں (سب کو ایسا صلاحیت والا بننا ضروری ہے۔ غرض وہ چلے گئے۔ بعد میں آپؑ کو خیال آیا کہ مَیں نے بہت بڑی غلطی کی کہ یک طرفہ فیصلہ دے دیا، جو حقیقت میں سخت گناہ تھا۔ ارشاد ہوتا ہے) اور داؤدؑ نے گمان کیا یہ کہ ہم نے (مقدمہ بھیج کر) اُس کی آزمائش کی ہے (اور وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے اور بھول گئے۔ فوراً تلافی کی طرف طبیعت متوجہ ہوگئی) پس اپنے پروردگار سے بخشش مانگتا ہوا (سجدے میں) گر گیا۔ جھکتا ہوا اور خدا کی طرف رجوع کیا (انسان کو چاہیے کہ وہ گناہ کرکے اڑا نہ رہے، ورنہ دردناک عذاب سے اس کا علاج کیا جاتا ہے۔ دیکھو داؤدؑ آزمائش میں پھنسے، آپ سے غلطی سرزد ہوئی، تو آپ فی الفور خدا کے حضور گڑگڑائے۔ پس اللہ نے آپ کو معاف کردیا۔

(۲۵) فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○ پس ہم (خدا) نے اس (داؤدؑ) کا یہ (گناہ) معاف کردیا (معاف کردینے کی وجہ اُس کی گریہ وزاری تھی) اور تحقیق اس (داؤدؑ) کو ہمارے (خدا کے) نزدیک (اوّاب ہونے کے سبب قُرب حاصل تھا اور اچھا ٹھکانا (حاصل) تھا (یہ خصوصیت داؤدؑ ہی کی نہ تھی، بلکہ جو بھی شخص ایسا ہو، وہ فلاح پاتا ہے۔ آئندہ کے لیے فرمادیا کہ خبردار! ایسا کام نہ کیا کرو، بلکہ مقدمات

کو سوچ سمجھ کر فیصلہ دیا کرو۔ سُن رکھو کہ)

(۲۶) يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۠

اے داؤدؑ! تحقیق ہم (خدا) نے تجھے اس زمین (کے تھوڑے سے ٹکڑے) میں حاکم بنایا ہے (تو نے یک طرفہ فیصلہ دے کر غلطی کی ہے۔ ویسے تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ خلیفہ اور حاکم ہیں، مگر یہ حاکمانہ رنگ انتظامی تھا، جیسے طالوت وغیرہ بھی خلافت اور بادشاہی کے مالک تھے۔ یہ اُن لوگوں کو عہدے دیے گئے تھے، نہ کہ وہ مستقل اور خود مختار تھے۔ پس اے داؤدؑ! تو بھی مستقل اور خود مختار نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جواب دِہ ہے) پس لوگوں کے درمیان (پوری تحقیقات کے بعد) ٹھیک (طور پر جو حالات مقدمہ سے نتیجہ نکلے) فیصلہ کیا کر! (ہر فریق اور اُس کے گواہوں کے بیان لے کر اور ان پر اچھی طرح جرح وغیرہ کرکے حکم صادر کرنا چاہیے۔ خود پسند اور آزاد مطلق بننے کی کوشش ناجائز ہے، اور (دیکھو اپنی) نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو (ہمارے فرمان کی ہر وقت اطاعت کرو۔ اگر تم نے اپنی نفسانی خواہشوں کو اپنا راہ نما بنالیا) تو پھر تمہیں (یہ نفسانی خواہشوں کی پیروی) اللہ کے راستہ سے گُم راہ کردے گی۔ (پھر ایسے لوگوں کا، جو ہوائے نفس کے بندے ہیں، کیا انجام ہوتا ہے؟ کان کھول کر سُن لو) تحقیق جو لوگ اللہ تعالےٰ کے راستہ سے گُم راہ ہوتے جاتے ہیں، اُن کے لیے سخت عذاب ہے، بہ سبب اس کے کہ وہ لوگ حساب کا دن بھول چکے (دوسروں کی خواہشات کے پیچھے چلنے والوں کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ غرض نہ اپنی خواہش، نہ دوسرے کی خواہش مفید ہوسکتی ہے۔ فلاح دراصل رضائے الٰہی کے ماتحت رہ کر ہی حاصل ہوسکتی ہے۔ آدمؑ کی تمام اولاد کم زور ہے۔ نبی ہو یا بادشاہ، کوئی بھی بڑی سے بڑی انسانی ہستی فکر و تشویش اور خطا و لغزش سے خالی نہیں ہے، تو پھر کس بات کو بغیر دلیل کے مانا جائے؟ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی بھی منتہائے سوال اور حَکَم مطلق نہیں ہے۔ انسان

گھبراہٹ اور لالچ میں ڈانواڈول ہو جاتا ہے، اس لیے خدا تعالے سے ہر وقت صراط مستقیم
کی دعا کرتے رہنا ضروری ہے۔ اگر لغزش ہو جائے، تو توبہ میں ہرگز دیر نہ کرنا چاہیے، ورنہ
آہستہ آہستہ گناہوں کا عادی ہو جائے گا اور عاقبت یعنی خدا کی حاضری سے بے پروا
ہوتا جائے گا۔ تمام انبیاءؑ اسی بات کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں آئے اور آخرت کی
تکالیف سے ڈراتے رہے، کیوں کہ عقبیٰ سے بے خوف ہو کر انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ آگے
چل کر قیامت کا ثبوت دیا کہ جب ہر چیز میں نظم و ربط پایا جاتا ہے اور جب دنیا کی
کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی گئی، تو غور کرو، کیا تمہارے اعمال ہی کا کوئی نتیجہ نہیں
نکلے گا؟ چنانچہ داؤدؑ کو تنبیہ کی گئی کہ غفلت نہ کرو۔ اس سے آخرت فراموش ہو جایا کرتی
ہے۔ تمام صلحاء یہی سبق یاد دلانے کو بھیجے گئے ہیں۔

رکوع سوم | غرض اعمالِ انسانی کا حساب کتاب ضروری ہے۔ انسان کو بڑی احتیاط رکھنا
چاہیے۔ خدا تعالےٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ وہ متصرف حقیقی اس تمام کارخانے
کو خود چلا رہا ہے۔ ملائکہ حکمِ الٰہی سے کائنات کی گاڑی کھینچتے ہیں، نہ کہ متصرف ہیں۔ یہ محض
بے اختیار کارکن اور مجبور خدمت گار ہیں۔ خود مختار وہ حکیم مطلق خدا خود آپ ہی ہے جیسا
کہ فرمایا:

(۲۷) وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ
ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۚ اور ہم (خدا تعالےٰ)

نے آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان وسائط کو بے فائدہ نہیں بنایا (فضول
اور عبث ہرگز نہیں، بلکہ ہر چیز کو ثمر آور پیدا کیا ہے) کافروں کا گمان یہ ہے (کہ یہ جہان
بے نتیجہ اور بے کار ہے۔ تو پھر ایسے گمان کا اور نا قدردانی کا بدلہ کیا ہے؟ فرمایا:) پس کافروں
کے لیے آگ کا عذاب ہے (جب گھبرا کر کہتے ہیں کہ ہائے افسوس! یہ ہمارے کام تو نتیجہ خیز
نکلے۔ خدا تعالےٰ اس پر ایک دلیل اور بھی دیتا ہے کہ جب ہر شے اپنا اثر دکھاتی ہے، تو کیا
بھلائی اور برائی کا الگ الگ نتیجہ نہ پیدا ہوگا؟ کیا ان دونوں کا بدلہ اندھا دھند یکساں

طور پر ملے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ بُرائی عذاب کا باعث اور نیکی آرام کا سبب بنے گی۔ خدا کے حضور پورا پورا انصاف ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق جواب دِہ ہے اور نیک و بد میں بیّن فرق ہے۔ جیسا کہ فرمایا، کیا مؤمن باللہ تم اور دوسروں کا ناجائز طور پر مال کھانے والے ایک جیسے ہیں؟ ارشاد ہوتا ہے:

(۲۸) اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ○ کیا ہم مومنوں اور صلاحیت والے کام کرنے والوں کو مفسدین فی الارض کے مانند کرتے آئے ہیں؟ (ہرگز نہیں!) یا کیا خوفِ خدا والوں کو (فاسقوں اور) فاجروں کی مانند کرتے آئے ہیں؟ (قطعاً نہیں! پس ہم اعمال کے مطابق جزا و سزا دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں اندھیر گردی کو دخل نہیں ہے۔ انصاف اور عین انصاف ہے۔ یہی عدل و انصاف تمھیں یہ کتاب حکیم سکھاتی ہے۔ اس پر عامل ہو کر دین و دنیا کی بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور اس سے مُنہ پھیر کر خسر الدنیا و الآخرۃ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ قرآن مجید بے نظیر کتاب ہے اور کامیاب بنانے والی اور برکتوں سے پُر ہے۔ فرمایا):

(۲۸) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ برکتوں والی (اور عالی شان) کتاب (قرآن مجید) ہے، جسے ہم (خدا) نے تیری طرف (اے رسولؐ! سب لوگوں کی ہدایت کے واسطے) اُتارا ہے (اور برکتیں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، نہ کہ آیات پر اندھے بہرے ہو کر گرنے سے یا اندھی تقلید سے) قرآن ان چیزوں کے خلاف ہے۔ اس کے نزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ (لوگ) اس (کی) آیات میں تدبر کریں (اور سوچ سمجھ کر اپنی زندگی کی راہ متعین کریں۔ خدا تعالےٰ نے عقل سے کام لینے والوں کی بڑی تعریف فرمائی ہے اور بے وقوفوں کو حیوانات سے بھی بدتر قرار قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ عقل جیسی نعمت سے کام نہ لینے والوں پر گندگی ڈال دیتا ہے۔ اِس کتاب کے اُتارنے کا یہ بھی مقصد ہے کہ اہلِ عقل اس کے اثرات کو اپنے اوپر وارد کریں۔ جیسا کہ ارشاد

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن مجید کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے ہر مصنف نے قرآن کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت، کہ فعل الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں +

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے +

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو +

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے صحاورہ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے +

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے +

(۶) قانون وراثت کا احیا +

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری باطنی محاسن کے قیمت نہایت مختصر یعنی:- منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری [illegible] منزل دوم [illegible] منزل سوم [illegible] منزل چہارم [illegible] منزل پنجم [illegible] منزل ششم [illegible] منزل ہفتم [illegible]

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے

سالانہ تین روپے

مقدمہ زندگانی محمدؐ

مشاہیر کی نظر میں

سر شیخ عبد القادر ہائیکورٹ کا مکتوب گرامی

"جناب محمد حسین ہیکل صاحب کی کتاب زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ جناب محمد حسین عرشی صاحب نے اس کا ترجمہ اُردو میں بہت اچھا کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مستشرقوں نے جو اعتراضات ترتیب قرآن مجید پر کیے ہیں، بے بنیاد ہیں، مگر یہ واقعہ ہے کہ جو مسلمان نوجوان مغربی علوم کے زیر اثر ہیں، وہ ان اعتراضات کو بہت وقعت دیتے ہیں اور اُن کے عقاید متزلزل ہو جاتے ہیں۔ ایسے حضرات کے لیے اس مقدمہ کی اشاعت ضرور مفید ہونی چاہیے"

عبد القادر

محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے راآرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر محبت سمہ بیرون دروازہ ویکھاں امرتسر سے شائع کیا

کتابوں کی مُفت تقسیم

پچھلے چند ماہ میں حسب ذیل اصحاب کی طرف سے دفتر امت مسلمہ امرت سر کی مندرجہ ذیل کتابیں مفت تقسیم ہو چکی ہیں:

نام معطی	عطیہ	نام کتاب	تعداد تقسیم
سکرٹری امتِ مسلمہ امرت سر	۱۰ روپے	تفسیر سورۂ فاتحہ	۸۰
میاں محمد امین الدین صاحب لاہور	۱۰ روپے	حضرت محمدؐ رسول اللہ	۸۰
میاں مہر بخش صاحب چغتائی میراں شاہ	۱۰ روپے	ملتِ ابراہیمؑ	۸۰
چودھری بشیر احمد صاحب بی اے، لاہور	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
بابو عبد اللہ خاں صاحب	۱۰ روپے	برگِ سبز	۸۰
خواجہ رحمت اللہ صاحب	۱۰ روپے	قولِ احسن	۸۰
ایس ایم احسن صاحب چیاسہ	۱۰ روپے	خاتم النبیین	۴۰
میاں مولا بخش صاحب	۸۰ جلدیں	برہان القرآن	۸۰
شیخ ظہور احمد صاحب بحرین	۱۰ روپے	علم حدیث	۸۰
شیخ حسین بخش صاحب بہاول پور	۱۰ روپے	قرآن مجید و رسول حمید	۸۰
اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر آف مانگرول	۱۵ روپے	ریحان القرآن	۶۰

اب جولائی ۱۹۴۰ء میں منشی محمد اکبر خاں صاحب کی طرف سے "جنت کا گہنا" کی ۱۰۰ کاپیاں اور شیخ غلام محی الدین صاحب کی طرف سے تفسیر سورہ فاتحہ کے ۸۰ نسخے مفت تقسیم کیے جائیں گے۔ آپ صرف تین پیسے کے ٹکٹ بھیج کر ہر دو کتابوں کی ایک ایک کاپی مفت طلب فرما سکتے ہیں۔

اہل خیر کی خدمت میں استدعا ہے کہ وہ تقسیم لٹریچر کی اسکیم کو مالی امداد عطا فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

سیکرٹری اُمتِ مُسلمہ امرت سر

مکتبہ اُردو لاہور کی سیاسی کتابیں

کمپنی کی حکومت ہندوستان کے صد سالہ دورِ پُر آشوب کی لرزہ خیز داستان۔ گبن اور کارلائل کا اندازِ بیان۔ خون کھولا دینے والے حوادث۔ تاریخ ــ ادب ــ تنقید۔ مصنفہ کامریڈ باری ۲؍

ترکی جمہوریہ ترکی کے متعلق مستند اور تازہ ترین معلومات حاصل کرنے کے لیے یہ کتاب بے حد مفید ہے۔ مع سوانح حیات کمال اتاترک سید ضمیر احمد ہاشمی ۱۲؍

ماتاہری گزشتہ جنگِ عظیم کی سب سے مشہور جرمن جاسوسہ کے سوانح حیات۔ دلچسپی اور رنگینی کے لحاظ سے کتاب اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ خلیل احمد ۱۲؍

آہنگ رزم ہندوستانی زبان میں جنگی ترانوں کا پہلا مجموعہ شجاعت اور غیرت کے جذبات اُبھارنے والی کتاب۔ دوسرا ایڈیشن۔ وقار انبالوی۔ قیمت ۸؍

پاگل شہرہ آفاق مصنف خلیل جبران کا یہ پاگل دنیا کا عظیم ترین انسان ہے۔ اس کی کہاوتیں اور کہانیاں ہماری زندگی کی تفسیر ہیں۔ مترجمہ بشیر ہندی ۸؍

کارل مارکس سوشلزم کو سائنٹیفک شکل دینے والے بزرگ کے مکمل حالات و تعلیمات از کامریڈ باری۔ ۶؍

سٹالین موچی کا بیٹا ایک عظیم الشان شورائی جمہوریت کا کیوں کر وارث بن گیا۔ مکمل سوانح۔ مترجمہ اشرف خاں عطا ۶؍

شہنشاہِ حبشہ مسولینی اور ہیلے سلاسی کی لرزہ خیز خونی داستان ڈرامائی انداز میں۔ اختر اورینوی ایم اے ۸؍

سرمایہ داری اصل میں کیا ہے؟ غریبوں کا خون کیسے چوسا جا رہا ہے۔ بیسیوں ضخیم کتابوں کا نچوڑ۔ اُردو میں پہلی تصنیف عبداللہ ملک ۶؍

سوشلزم کارل مارکس کے دستِ راست فریڈرک اینگلز کی شہرہ آفاق تصنیف جو دنیا کی ہر معروف زبان میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ مترجمہ کامریڈ باری ۶؍

کمیونسٹ مینی فیسٹو (اشتمالی منشور) کارل مارکس اور فریڈرک اینگلز کا وہ مشترکہ منشور، جسے کمیونسٹوں کے نزدیک بائبل کا درجہ حاصل ہے۔ کمیونسٹوں کا پروگرام۔ کامریڈ باری ۶؍

انقلابِ فرانس شاہ پسندوں اور انقلابیوں میں تصادم، عوام کی بغاوت۔ یہ چیز ہیں انقلاب آنے کو تھا کہ سرمایہ داروں نے اس انقلابی لاوے کا رُخ بدل دیا۔ کس طرف؟ نیا ایڈیشن۔ کامریڈ باری۔۔۔۔ ۶؍

عصمت انونو ترکی کے موجودہ ڈکٹیٹر اور دنیا کے سب سے بڑے مدبر کے سوانح حیات اور ترکی کی جدید ترقیات کے مفصل حالات۔ مترجمہ اشرف خاں عطا ۶؍

لینن بیسویں صدی کے سب سے بڑے انقلابی جواں مرد کے سوانح حالات ۱۲؍

مکتبہ اُردو۔ لاہور

خاص نمبر

رسالہ سہیل گیا (بہار) کا جلیل القدر خاص نمبر اپریل میں شائع ہو گیا!

جو ۲۰۷ صفحات پر محیط ہے اور جس کا دامن آرٹ کی ۱۶ رنگین تصویروں، مشاہیر اہل قلم کے دس۱۰ فوٹو بلاکس، سولہ۱۶ معلومات افزا بیش قیمت مقالوں، ۱۲ دل گداز رومان آفریں افسانو اور ڈراموں، ۷ دل کش اور لاجواب نظموں اور ۲۸ بلند پایہ وجد آفریں غزلوں سے مالا مال ہے۔

خاص نمبر کے چند درخشندہ ستارے

ادیب جلیل جناب سید وصی احمد بلگرامی، ادیب شہیر حضرت ایم اسلم لاہور، ادیب جمیل حضرت شعلہ وارثی لکھنوی، رئیس الادبا حضرت ہدف اجتہادی لکھنوی، مولانا عبد القدوس ہاشمی ندوی، پروفیسر سید محمد طاہر رضوی ایم اے، پروفیسر شیخ عبد اللطیف تپش ایم اے ملتان، حضرت عطاء اللہ پالوی، جناب سید رضا قاسم مختار، حضرت حمید عظیم آبادی، پروفیسر اختر اُرینوی ایم اے، مفتی گوہر شادانی، مشہور مزاح نگار حضرت مان پوری، حضرت سہیل عظیم آبادی، جناب ش مظفر پوری، مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی، خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت لکھنوی، علامہ شفق رضوی عماد پوری، حضرت احسن مارہروی، علامہ آرزو لکھنوی، ناخدائے سخن حضرت نوح ناروی، علامہ جمیل مظہری، حضرت بہزاد لکھنوی، جناب پیارے لال شاکر میرٹھی، حضرت ادیب مالیگانوی، پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گھورکھپوری، بلبل بہار حضرت سمر یہ کابری،

خاص نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے، اگر آپ اسے مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو مبلغ تین روپیہ سالانہ چندہ ارسال فرماکر مستقل خریدار بن جائیں۔

مینیجر رسالہ "سہیل" شمسی پریس گھسیا ٹولہ۔ گیا

البیان

اُمتِ مُسلمہ امرت سر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ || جولائی ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ || نمبر ۷

فہرست مضامین

شذرات

مئی ۱۹۴۰ء کے "البیان" میں مسجد اُمت مُسلمہ کی چھت کی تعمیر کا ذکر کیا گیا تھا۔ یہ کام اگرچہ اُنھی دنوں مکمل ہوگیا تھا، مگر یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کاری گروں کی کوتاہی کے باعث تعمیر میں بہت بڑا نقص رہ گیا ہے، یعنی چھت جا بجا سے پھٹ گئی ہے۔ امرت سر اور لاہور کے چند انجنیئروں نے معائنے کیے ہیں اور کام کو ناتسلی بخش قرار دیا ہے۔ صبر، اگر کسی مجبوری کا نام ہے، تو ہمیں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، ورنہ چھت کے پھٹنے کو دیکھ کر دل بھی پھٹا جاتا ہے اور پھر لاگت معمولی نہیں، ایک نہ دو، اکٹھا پانچ سو روپے کا نقصان! انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب چھت کے نیچے لوہے کے گارڈر ڈالے جائیں گے، اس اُمید پر کہ شائد اُن ہی کے سہارے، تلافی کی صورت نکل آئے۔ تعمیر کا باقی کام یعنی پلستر وغیرہ اس کے بعد شروع ہوگا۔

مئی ہی کے "البیان" میں دفتر امت مسلمہ کے برآمدے کے لیے چندے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس پر جناب پیر قمر الدین صاحب ریٹائرڈ ای اے سی گجرات پنجاب نے ۹۶ روپے کی گراں قدر رقم ارسال فرمائی۔ پچیس روپے جناب بابو چراغ الدین صاحب سدھو نے بھی حسب وعدہ عطا فرما دیے۔ ان کے علاوہ دوسرے چندے شامل کر کے قریبًا ۱۶۰ روپے کی آمدنی ہوئی اور اتنا ہی خرچ بھی ہوا۔ اس سلسلے میں بیس پچیس روپے مزید چاہییں، تاکہ پلستر وغیرہ کا جو کام باقی رہ گیا ہے مکمل کرا دیا جائے۔ اگر کوئی مخلص دوست ہمت کریں، تو بات کچھ بھی نہیں۔ برسات کے دن قریب آرہے ہیں، اگر ان دنوں سے پہلے پہلے کام مکمل نہ ہوا، تو نقصان کا اندیشہ رہے گا۔ دفتر کے کسی دوسرے فنڈ میں بھی قطعًا گنجائش نہیں، اس واسطے احباب کی خدمت میں خصوصیت کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد مالی امداد بھیج کر شکر گذاری کا موقعہ دیں۔

پنجاب میں خاکساروں اور پولیس کے درمیان گزشتہ چند ماہ میں جو دردناک تصادم ہوئے ہیں، اُن کے متعلق "البیان" نے اب تک کچھ نہیں لکھا، حالاں کہ اس سلسلے میں جو خوں ریزی ہوئی ہے، وہ ہرگز درگذر کے قابل نہیں ہے۔ یو پی کے معاملے میں البیان نے خاکساروں کی حمایت میں اور وہاں کی حکومت کی مخالفت میں بہت تلخ نوائی سے کام لیا تھا۔ اس واسطے ہوسکتا ہے کہ قارئین البیان میں سے بہت سے احباب ہماری خاموشی سے متاثر ہوئے ہوں۔ ایسے دوستوں پر یہ ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ادارہ البیان نے یکے بعد دیگرے دو شذرے لکھ کر ایک ماہر قانون کی نظروں سے گذارے تھے۔ مگر انھوں نے دونوں مضمون ناقابل اشاعت قرار دے دیے۔ مجبوراً ہمیں اپنی فریادوں کو ضبط کرنا پڑا۔ اور اب تک ضبط ہی کیے بیٹھے ہیں، ورنہ یہ سب کو معلوم ہے کہ البیان پنجاب سے نکلتا ہے اور پنجاب میں حکومت .. .. .. ؟

جب سے لڑائی شروع ہوئی ہے، کاغذ بہت مہنگا ہوگیا ہے۔ اس وقت تک قریباً ہر اخبار اور رسالے میں اس گرانی کا ذکر ہوچکا ہے، بعض پرچوں کے حجم کم ہوگئے ہیں، بعض کے چندے بڑھ گئے ہیں اور پڑھنے والوں کو برابر توجہ دلائی جارہی ہے کہ وہ توسیع اشاعت کی کوشش کریں۔ البیان اب تک برابر خاموش رہا ہے، کیوں کہ اس کے معاونوں پر سالانہ چندے کے علاوہ اور بھی کئی بوجھ ہیں اور وہی بوجھ بڑی مشکل سے اٹھائے جارہے، مگر اب معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو مزید ایثار و قربانی کی طرف متوجہ کریں۔
البیان کی اشاعت پچھلے سال کی بہ نسبت اب کے زیادہ اچھی ہے۔ اگر کاغذ اور طباعت وغیرہ کے مصارف نہ بڑھ جاتے، تو ہم اطمینان سے کہہ سکتے ہیں کہ جس رفتار کے ساتھ اب اس کی اشاعت بڑھ رہی ہے، وہ مزید ایک سال کے اندر اندر ضرور اس قابل ہوجاتا کہ اپنے تمام اخراجات، اپنی آمدنی سے پورے کرلیتا، مگر اب حالت یہ ہے کہ کتابوں کی آمدنی، سالانہ چندہ اور مختلف عطیات وغیرہ سب کو شامل کرکے اس کا خرچ پورا کیا جارہا ہے۔

اس صورت میں دو ہی تجویزیں ہمارے سامنے ہیں۔ پہلی تجویز یہ ہے کہ حجم ۶۴ صفحے کے بجائے ۵۰ صفحے کردیا جائے اور اس کے ساتھ ہی کاغذ بھی ذرا کم قیمت کا استعمال کیا جائے۔ دوسری صورت

یہ ہے کہ البیان کے تمام معاون اس کی اشاعت بڑھانے کی پوری کوشش کریں۔ جہاں تک ہمارا اپنا قیاس ہے، رسالے کا مواد اور حجم گھٹانے کی بہ نسبت یہ زیادہ اچھا ہے کہ تمام دوست اصرف معمولی سی توجہ دے کر زیادہ نہ سہی، صرف ایک ایک خریدار مہیا کردیں۔ آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ اگر البیان کی اشاعت میں ۵۰ فی صدی بھی اضافہ ہو جائے، تو اس کا حجم ۴۸ صفحوں سے بڑھا کر ۷۲ صفحے بھی کیا جا سکتا ہے۔

کیا معاونین البیان اپنے فرائض کا احساس رکھتے ہیں؟

دفتر میں عموماً ایسے خطوط بھی موصول ہوتے رہتے ہیں، جن میں رسالہ نہ پہنچنے کی تلخ شکایتیں ہوتی ہیں اور اب جون ۱۹۴۰ء کا پرچہ نہ ملنے کی تو بہت ہی شکایتیں آئی ہیں۔ ہم ان شکایتوں کی تردید نہیں کر سکتے، لیکن یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ پرچہ شائع ہی اس لیے ہوتا ہے کہ وہ معاونین کی خدمت میں ارسال کیا جائے اور ہر مہینے تمام خریداروں کے پتوں کا رجسٹر کے ساتھ مقابلہ کر کے پوری احتیاط کے ساتھ پوسٹ کیا جاتا ہے۔ اگر اتنی احتیاط کے باوجود کسی صاحب تک پرچہ نہ پہنچے، تو یہ دفتر کا قصور نہیں، بلکہ اس کی تمام تر ذمہ داری محکمۂ ڈاک کے کارکنوں پر عاید ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جہاں آپ دفتر کو پرچہ نہ ملنے کی شکایت بھیجتے ہیں، وہیں آپ اپنے ہاں کے ڈاک خانے کو بھی ایک تحریری شکایت دے دیا کریں۔

بعض احباب دو دو تین تین ماہ کے پرانے پرچوں کے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ چیز ہے۔ احباب کو چاہیے کہ رسالہ نہ ملنے کی شکایت زیادہ سے زیادہ ہر مہینے کی ۱۵ تاریخ تک دفتر میں بھیج دیا کریں، بہ صورت دیگر چار آنے کے ٹکٹ ساتھ بھیجنے لازمی ہوں گے۔ مقررہ تاریخ کے بعد پرچہ مفت روانہ نہیں ہو سکے گا۔

محمد اقبال سلمانی

قرآن مجید اور حدیث

(۳)

(حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن مجید کا ذاتی استقلال

اگر کوئی رسول یہ دعویٰ کرے کہ مجھے میری ہدایت کے لیے اور دوسرے لوگوں کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب ملی ہے اور اس کی پیروی کرنا میرے لیے بھی ویسا ہی ضروری ہے، جیسا کہ دوسرے لوگوں کے لیے، تو اگر وہ رسول اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے اور اس کتاب کو سچ مچ خدا تعالیٰ کی طرف سے جانتا ہے، تو لازم ہے کہ وہ اپنے طرز عمل اور اقوال و افعال سے اس کتاب کا استقلال ایسی وضاحت کے ساتھ ثابت کرے جس سے یہ صفائی تمام معلوم ہو جائے کہ کم از کم اس رسول کے نزدیک اس کتاب کو وہی استقلال حاصل ہے، جو خدائے احکم الحاکمین کی کتاب کے لیے ماننا ضروری ہے اور جب وہ رسول اس کتاب کو اپنے اوپر حکم قرار دے گا، تو ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے افعال و اقوال کو اس کتاب پر اُلٹا حاکم و قاضی ٹھیرا سکے۔ سچے رسول کے حد یا ایک ضروری معیار ہے کہ جس کتاب کو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلاتا ہے۔ اس کی قدر و منزلت اور استقلال خدا کے لائق دکھلاتا بھی ہے یا نہیں؟

اندریں صورت یقیناً لازم آتا ہے کہ وہ رسول ہر وقت اپنا امتحان اس کتاب کے مطابق دینے کو تیار رہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے کہ آپ فلاں بات اس کتاب کے حکم کے خلاف کرتے ہیں، تو اس رسول کے لیے بشرطیکہ وہ سچ مچ اس کتاب کا پیرو ہے، ضروری ہو جاتا ہے کہ اس اعتراض کا معقول جواب اُسی کتاب سے دے، ورنہ اپنی غلطی کا صاف اقرار کرے اور خدا تعالیٰ سے استغفار چاہے۔ کسی طالب حق سوال کرنے والے کو جو صفائی اور سچائی کے ساتھ تحقیق کرنا چاہتا ہے، اس مدعیٔ رسالت کا ایسا کہنا ہرگز ہرگز درست نہیں ہوگا کہ تجھے مجھ سے سوال کرنے کا کیا حق ہے یا تیری سمجھ میری سمجھ جیسی کہاں ہے؟

حاصل یہ ہے کہ جو رسول دعویٰ تو یہ کرے کہ یہ کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو ملی ہے اور یہ مجھ پر بھی ویسی ہی

حکم و حاکم ہے جیسی تم پر، تو ضرور ہے کہ وہ رسول کم از کم اُس کتاب کو تو مستقل سند ضرور ٹھیرا دے لیکن اگر وہ مدعیٔ رسالت ایسی چالیں چلے جس سے اس کتاب کے استقلال کو صدمہ پہنچے اور اس کتاب کا استقلال دُور ہو کر خود اُس مدعی کے قول و فعل ہی کا استقلال قائم ہو جائے، تو وہ مدعیٔ رسالت یقیناً جھوٹا ہے۔

ہمارے رسولؐ خدا نے قرآن کریم کا استقلال یہاں تک قائم کر دکھایا ہے کہ اُس کے ساتھ اپنے قول و فعل کو بھی اصول کے طور پر قائم نہیں رہنے دیا اور لکھ کر پہنچانا ضروری بلکہ جائز نہیں سمجھا۔ پس حضورؐ از روئے مذکورہ بالا معیار کے مطابق بالضرور سچے رسول ہیں۔

قرآن مجید نے بھی جس طرح تمام رسل و انبیاء کے قول و فعل اپنے میں لے کر ان کی دوسری باتوں کا قرآن محفوظ کی طرح کوئی استقلال باقی نہیں رہنے دیا (بلکہ اُن کا اتباع اسی قرآن کے بیانات ہی سے ہو جاتا ہے) اسی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قرآن مہیمن نے ہمارے رسولؐ خدا کے ضروری افعال و اقوال کی شہادت خود ہی دے دی ہے اور یوں حضورؐ کی باقی باتوں کا اپنی طرح کوئی استقلال قائم نہیں ہونے دیا۔ قرآنِ عزیز نے رسل و انبیاءؑ کی بعض غلطیاں نکال کر اور اُن کو جرح و توبیخ فرما کر سورج کی طرح واضح کر دیا ہے کہ میرے آگے کسی کو استقلال حاصل نہیں۔

لیکن اگر معاذ اللہ رسولؐ خدا نے قرآن مبین کے معانی و مفہوم کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنے افعال و اقوال پر قرآن کریم کو سند بنائیں خود اپنے اقوال و افعال ہی کو قرآن مجید کی تفسیر قرار دے دیا ہے اور اپنی تفسیر کو ہم پایۂ وحی قرار دے کے کسی چون و چرا کی گنجائش نہیں چھوڑی، تو اس سے قرآن عزیز کا خود اپنا استقلال خاک میں مل جائے گا اور کسی شخص کے لیے کوئی گنجایش باقی نہ رہے گی کہ خود بھی قرآن مجید کے مطابق رسولؐ کے کسی قول یا فعل کو غلط یا صحیح ٹھیرا سکے۔ اس سے ثابت ہوگا کہ رسولِ خدا نے پیش بندی کر کے ایسا طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے کتابِ الٰہی آپؐ کے اپنے اقوال و افعال پر حکم نہ بن سکے اور جو کچھ آپ کریں یا کہیں، وہی صحیح مانا جائے۔ خود اپنی مرضی سے اپنی کوئی غلطی نکالیں، تو نکالیں، لیکن کسی دوسرے کو غلطی کے نکالنے کا کوئی اختیار نہ دیا جائے اور یُوں نام تو خدا کی اطاعت کا لیا جائے لیکن دراصل خود اپنی اطاعت کرائی جائے۔ ایسی چالیں کسی سچے رسول کو نہیں سکھلائی جا سکتیں۔ اگر ایسی چالیں رسولؐ اور قرآن کے ذمے لگائی جائیں گی، تو اس سے رسولؐ کی رسالت اور قرآن کی صداقت کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔

اگر کوئی بشر ایک کتاب کو الٰہی کتاب بتلائے، لیکن جب وہ کوئی کام اس کے خلاف کرے تو بجائے اس کتاب سے سمجھانے کے ایسی باتیں بنائے کہ میری سمجھ کو سب سے بڑھ کر مانو اور میرے ہر قول و فعل کو اس کتاب سے سمجھنے کے بغیر ہی اُس کتاب کی تفسیر جانو، اوّل تو میں غلطی کرنا ہی نہیں جانتا لیکن اگر کبھی بشریت کے سبب کوئی غلطی کر ہی بیٹھوں، تو خدا نے میری غلطیاں نکالنا خود اپنے ہاتھ میں لیا ہوا ہے، سو وہ خود ہی نکال دے گا۔ خدا نے تمہارے ہاتھ میں میری کسی غلطی کو نکالنا نہیں دیا ہوا۔ میری کوئی غلطی کسی ایسے قاعدے کے ماتحت نہیں نکالی جا سکتی جو تمہارے ہاتھ میں دیا گیا ہو اور جسے تم پیش کر کے میری غلطی کے نکالنے کا کوئی حق رکھ سکو۔ مجھ پر کوئی حَکَم نہیں بن سکتا۔ میں خود ہی سب پر حَکَم ہوں، بلکہ خدا کی کتاب پر بھی میرے قول و فعل ہی قاضی ہیں۔ میں خدا کی کتاب میں ایسی تخصیص لگا سکتا ہوں جس کا کسی دیگر بشر مفسّر کو اختیار نہیں دیا جا سکتا۔ خدا نے یہ کتاب تمہارے ہاتھ میں اس لیے نہیں دی، کہ تم خود بھی کوئی بات اس سے سمجھ کر مجھے غلط ٹھہرا سکو، بلکہ تم خود اپنی بھی کوئی اصلاح اس کتاب کو بالاستقلال سند بنا کے نہیں کر سکتے۔ تم کو تو بہر صورت لازم ہے کہ اس اصلاح کو پہلے میرے قول و فعل کے آگے پیش کر دو اور اگرچہ میرا کوئی قول و فعل تمہیں ادنےٰ اور ناقص یا غلط نظر آئے، تو بھی کتاب الٰہی کو اس کے پیچھے چلاؤ۔ مجھ کو علیحدہ رکھ کے تمہیں کتاب الٰہی پر بالاستقلال عمل کرنا جائز نہیں۔ کتاب اگرچہ خدا کی ہے، مگر میرے فہم اور طرزِ عمل اور سنّت کے ماتحت ہے۔ راستی اور نیکی کا معیار میرا کرنا اور کہنا ہی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا مدعیٔ رسالت ہر طرح سے ہماری عقل و فہم اور اختیارِ تحقیق کو جکڑ دے گا اور ہمیں اپنی غلامی سے ایک قدم بھی اِدھر اُدھر سرکنے نہیں دے گا، اور اپنے لیے حسب منشاء سب کچھ کر لینے کا پورا اختیار حاصل کر لے گا۔ اگرچہ زبان سے یہ بھی کہتا جائے گا کہ خدا کی کتاب کے سوائے میری کوئی جائے پناہ نہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے طریقوں سے وہ مدعیٔ رسالت اُس کتاب کا استقلال باطل کر دے گا، جسے خود ہی خدا کی کتاب بتلاتا ہے اور اُس کے بجائے خود اپنا استقلال قائم کرے گا اور اپنے پیروؤں میں خدا تعالےٰ کی مستقل اطاعت کرنے کا نام و نشان بلکہ مکان بھی نہیں چھوڑے گا۔ ایسے دعووں والا مدعیٔ رسالت سچا رسول نہیں ہو سکتا، مگر افسوس ہے کہ اکثر لوگ ہمارے رسولؐ خدا کو ایسا ہی رسول بنا کے پیش کرتے ہیں۔ پناہ بخدا! غلط باتیں کسی بڑے انسان کے کر دینے سے صحیح نہیں بن جاتیں۔ غلطی جہاں بھی ہے، غلطی ہے۔

غلطیاں نبیوں کے کرنے سے بھی غلطیاں ہی رہتی ہیں۔ قرآن مجید نے رسولوں کی بعض غلطیوں کا نام لے کر بھی ذکر کیا ہے اور اُن پر خفگیوں کا اظہار بھی کیا ہے۔ کسی کو جنتی حالت سے نکلنے اور کسی کو مچھلی کے پیٹ میں ڈالنے کی سزائیں دینے کا بیان بھی فرمایا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو سخت تکلیف پہنچی۔ انھوں نے صاف اقرار کیا کہ یہ تکلیف مجھے شیطان نے پہنچائی ہے (۲۳)۔ جس کے صاف معنی ہیں کہ شیطان نے للچا کر مجھ سے کوئی گناہ کرا دیا ہے۔ اس گناہ کا بیان قرآن مجید نے کہیں نہیں فرمایا۔ پس قرآن مجید نے رسولوں کے تمام گناہوں کی فہرست تیار کر دینے کا کوئی ذمہ نہیں لیا ہوا، لیکن اُن کی ہدایت کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے (۲۴)، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ قرآن مجید نے اُن کی جو جو ہدایتیں بتلا دی ہیں، اُن میں ان کی پیروی لازمی ہے۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ قرآن مجید نے رسولوں کی جو غلطیاں بیان کر دی ہیں، اُن کے سوائے باقی تمام باتوں میں جہاں سے بھی وہ ملیں، ان کی پیروی کرو اور صرف اُن کی اُتنی ہی غلطیاں مانو، جو قرآن نے بیان کر دی ہیں، لیکن اُن کی باقی تمام باتوں کو صحیح اعتقاد کرنا ضروری جانو۔ حاشا وکلا۔ قرآن مجید نے دوسرے لوگوں کی بھی بہت سی غلطیاں بیان کی ہیں، وہاں کوئی بھی ایسا نتیجہ نہیں نکالا جاتا۔ خدا تعالیٰ نے رسول کریم کو اپنے گناہوں کے لیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش مانگنے کا حکم دیا ہے، مگر وہاں اُن کے گناہوں کو مشخص کر کے بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا، لیکن اگر کوئی ایسا قاعدہ چلا آتا کہ رسولوں کی بیان کردہ غلطیوں کے سوائے باقی اُن کی تمام باتیں صحیح اعتقاد کی جایا کریں، تو رسولوں کی غلطیوں کو مشخص کر کے پیش کرنا لازم ہوتا۔ یوں کھلے طور پر نہ کہا جاتا کہ تو اپنے اور مومنوں کے گناہوں کے لیے معافی مانگ۔ اس میں تو معلوم اور غیر معلوم گناہ سب ہی آجاتے ہیں۔

علاوہ بریں یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ تجھ کو جو تکلیف پہنچتی ہے، سو تیرے نفس سے ہے، لیکن یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ ہر بیماری اور تکلیف کے وقت یہ بھی مشخص کر کے بتلایا جائے کہ یہ تکلیف اور بیماری فلاں گناہ کے سبب سے پہنچی ہے، آگے کے لیے اس سے بچنا، تاکہ پھر کوئی تکلیف آہی نہ سکے۔

یہ بھی آج تک نہیں بتلایا گیا کہ رسولوں کی غلطیاں کتنی دیر کے بعد نکالی جاتی تھیں۔ سورت نساء کی آخری آیت سے پہلے جو میراث کی غلطیوں سے بچانے کے لیے نازل فرمائی گئی تھی، کم از کم پندرہ سال تک تو رسولِ خدا بالضرور غلطیوں میں پڑتے رہے ہوں گے۔ سو جب ایک غلطی پندرہ سال تک رہ سکتی ہے، تو اتنے لمبے عرصے میں کیا رسولِ خدا کی اُن حدیثوں کو وحی یا ہم پایہ وحی سمجھ کر مانا جاتا اور روایت کیا جاتا تھا یا کیا تھا

ہی یہ بتلا دینے کا کوئی دستور تھا کہ ابھی یہ حدیثیں زیرِ غور ہیں۔ زیرِ غور بات تو ابھی بھی ہم پایۂ وحی نہیں مانی جا سکتی۔ شاید عقلی آزادی سے روکنے کے لیے اب ایسا بھی کر دیا جایا کرے کہ غلط کو صحیح اعتقاد کرنا لازم ہے۔ پناہ بہ خدا۔

اگر ہم قرآن مجید کے بالاستقلال مطیع ہوتے، تو بالضرور ہم میں اس قدر انصاف پیدا ہو جاتا کہ صحیح اور غلط کے مقابلہ کرنے میں ہم اپنے باپ کے خلاف بھی سچی شہادت دے سکتے۔ علاوہ بریں ہم میں اس سے صحیح اور غلط باتوں کے پرکھنے کا ملکہ بھی پیدا ہو جاتا، لیکن حدیثوں نے جس طرح سے وہ مانی جا رہی ہیں، ہمارے فہم کو ایسا بگاڑ دیا ہے کہ رسولوں کے بشری اجتہادوں میں سے کسی ایک کو بھی غلط کہنے کی ہم کو جرأت نہیں رہی۔ یہی نہیں، بلکہ حدیثوں کے جھوٹے دباؤ سے رسولِ خدا کے ذمے وہ باتیں لگائی جاتی ہیں، جو ایک اچھے انسان کی شان کے لائق نہیں۔ حضورؐ کو خوب صورت عورتوں کے شوق میں ایسا جلد باز اور از خود رفتہ بنایا جاتا ہے کہ حضورؐ کی شان میں ایک عورت کی زبان سے بازاری آدمی کہلایا جاتا ہے۔ پھر اتنی بات رسولؐ کو باز رکھنے کے لیے کافی نہیں سمجھی جاتی۔ بلکہ دوبارہ حرکت پر اس عورت کی زبان سے اعوذ باللہ منک کا ناملائم کلمہ بھی سنایا جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس عورت سے توحید اور حق کی مخالفت میں نہیں سنوائی گئیں، بلکہ صرف اس لیے کہلوائی گئیں کہ اس کو عرب کی ایک نہایت خوب صورت عورت سنا تھا۔ افسوس صد افسوس، بلکہ بے حد افسوس۔

پھر دیکھیے کہ اعتقاد کا معاملہ صرف خدا تعالےٰ ہی سے علاقہ رکھتا ہے، اس لیے اعتقاد کی پرسش اور مواخذہ کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں دیا گیا۔ فما علیک البلاغ وعلینا الحساب اور لا تسئل عن اصحٰب الجحیم۔

قرآن مجید بتلاتا ہے کہ کفار اپنے غلبہ کے وقت ان لوگوں کو جو ان کے دین سے نکل جاتے تھے، ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد کا خوف دکھلا کے رجم و قتل اور قید و جلا وطنی وغیرہ کی سزائیں دیا کرتے تھے، لیکن قرآن حکیم فرماتا ہے: نہیں، بلکہ تمھارے لیے تمھارا دین اور ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔ تم چاہو ایمان لاؤ، چاہو کافر بنو، تمھارا اپنا اختیار ہے۔ رسولؐ سے اس امر کی کوئی پرسش نہیں کہ کیوں اتنے لوگ جہنمی ہوتے ہیں۔ اگر یہ بیان صحیح ہے، تو کیا ممکن ہے کہ کافروں کا وہ فعل، جو ان کے غلبہ کے وقت بھی ظلم بتلایا گیا تھا، مومنوں کے غلبہ کے وقت مومنوں کے لیے ظلم نہ رہے اور مومنوں کے لیے اپنی کمزوری کے وقت ظالموں کے مقابلہ

میں جو رواداری روا سمجھی جاتی تھی، وہ ان کے لیے اپنے اقبال کے زمانہ میں بے ضرر لوگوں کے ساتھ بھی ایک عیب قرار پا جائے۔ حاشا وکلا:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

کسی مرتد کو رجم کرنا تو علیحدہ رہا، قرآن مجید نے اس کو سب وشتم کرنا بھی جائز نہیں رکھا۔

اگر دوسرے مذاہب کے لوگ مسلمان مبلغین کو یہ کہیں کہ انسان بسا اوقات ایک بات کو صحیح سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اس کی غلطی کھل جانے پر کسی اور جہت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، جسے اپنی سمجھ کے مطابق زیادہ صحیح قرار دیتا ہے۔ اسی طرح اگر آج ہم مسلمانوں کے ایک فرقہ مثلاً حنفیوں یا اہل حدیث میں داخل ہو جائیں اور کل کو ہم پر یہ واضح ہو جائے کہ قرآن مجید کو ماننے کا صحیح طریق وہ ہے، جو احمدی یا نیچری یا اہل قرآن بتلاتے ہیں، تو کیا ہم اس تبدیلی کے سبب سنگسار کیے جائیں گے، اور ترقی کرنے سے روک دیے جائیں گے، تو اس کے جواب میں اگر مبلغین یہ کہیں کہ ہاں تم بے رحمانہ طور پر قتل کیے جاؤ گے اور اگر تم اپنے پہلے دین کی طرف لوٹنا چاہو گے، تو ہم تمھیں وہاں بھی نہ چھوڑیں گے، تو ضرور ہے کہ وہ لوگ ایسے دشمن ترقی اور خطرناک اسلام میں آنے کا نام بھی نہیں لیں گے۔ مسلمان بنانے والوں کو لازم ہے کہ اگر ان کا یہی خیال ہے، تو اپنی اس کرتوت کو پہلے ہی نومسلموں پر واضح کر دیا کریں کہ کلمہ پڑھنے کے بعد جبری مسلمان بن کر رہنا پڑے گا۔ اس خیال والے مسلمان اگر حق کو قبول نہ کریں اور اپنے خیالات اور حالات کو درست نہ بنائیں، تو کچھ تعجب نہیں۔ انھیں تو ہر وقت یہی خوف لگا رہے گا کہ کہیں اصلاح کر کے واجب القتل نہ بن جائیں۔ ایسے لوگ سیلف گورنمنٹ کے ہرگز لائق نہیں۔ خدا ان کو طاقت پرواز نہ دے۔ کفار نے مرتد کو قید کرنا بھی چھوڑ دیا، لیکن مسلمانوں نے قرآن مجید کے مقابلہ پر سب سے بڑھ کر ظالمانہ رجم کو ہی اختیار کر لیا اور قرآن مجید کی کچھ پروا نہ کر کے دلیلیں یہ دینے لگے کہ اگر یہ رجم صحیح نہ ہوتا، تو افغانستان جیسی اسلامی سلطنت کے علماء کیوں فتوے دیتے، امیر صاحب اس پر دستخط کر کے کیوں اپنے نام کو بھی بٹہ لگاتے، قدیم بزرگ کیوں ایسا کرتے چلے آتے، حدیث میں کیوں وارد ہوتا، من بدل دینہ فاقتلوہ؟ اگر مسلمان قرآن مجید کو مستقل سند جانتے تو ایسے دلائل کو پیش کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے۔ اگر قرآن مجید میں خدا کے حکم ہیں، تو خدا کے مقابلہ میں کوئی مخلوق سند نہیں بن سکتی۔

اسی طرح قرآن مجید نکاح کی عمر جوانی کو قرار دیتا ہے، اگر کوئی شخص یہ بتلائے کہ کسی بڑے رسول نے نصف صدی سے زیادہ عمر میں چھ سات سال کی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا، تو اس شخص کے ایسا کہنے سے یا فرضاً اس رسول کے ایسا کر لینے سے یہ کام قابل تعریف یا لائق اقتدا نہیں قرار پا سکتا۔ ناقص کام ناقص ہی ہے جہاں بھی ہو۔ ناقص کام کو کرنے والا اپنا نقص دکھلاتا ہے۔ ادنیٰ کام کسی اعلیٰ آدمی کے کرنے سے اعلیٰ نہیں بن جاتا۔

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ؛ وورث سلیمان داؤد۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ایک بڑے رسول نے فرمایا ہے کہ کوئی اس حکم سے باہر نہیں سوائے میرے اور دیگر انبیاء کے۔ تو اس سے معلوم ہوگا کہ وہ بڑا رسول اپنے لیے یہ حق و اختیار ثابت کرنا چاہتا ہے کہ میں جب چاہوں خدا کے حکم کو بدل دوں یا کم از کم یہ کہ دیا کروں کہ یہ عام خدائی حکم میرے لیے نہیں ہے۔ اس طرح سے وہ رسول اپنی ہوا کے کاموں میں حسب خواہش اپنی منظوری حاصل کر لیا کرے گا اور اس کے لیے خدا تعالیٰ کی مخالفت کرنی سہل ہو جائے گی اور یوں وہ اپنی ہوا پر چل کر بھی فرماں بردار ہی بنا رہے گا۔ افسوس حضورؐ کی بیوی عائشہ رض کی زبان سے حضورؐ کو کہلوایا جاتا ہے: ما اری ربك الا یسارع فی هواك، یعنی میں تیرے رب کو نہیں دیکھتی ہوں، مگر ایسا کہ وہ تیری خواہش نفسانی میں جلدی کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اگر یہ صحیح ہے، تو عائشہ رض بلاشبہ رسولؐ اور خدا دونوں کو ضلالت اور خدائی سے گرا رہی ہے پناہ بخدا۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں مرد کو چار تک عورتوں سے نکاح کرنے کی کھلی اجازت دی گئی ہے۔ اُن کے نزدیک اس میں پہلی بیوی یا اُس کے کسی ولی مثلاً باپ سے اجازت لینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، لیکن رسولؐ کی بیٹیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ اُن کے معاملہ میں رسولؐ سے اجازت لینے کی ضرورت تھی۔ اسی قاعدہ کے مطابق جب حضرت علی رض نے حضرت فاطمہ رض کے جیتے جی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا اور لڑکی والوں نے رسولؐ کریم سے اجازت مانگی، تو آپؐ نے فرمایا میں اجازت نہیں دوں گا۔ نہیں دوں گا۔ نہیں دوں گا۔ اگر علیؓ کو منظور ہے، تو میری بیٹی کو طلاق دے اور دوسری شادی کر لے۔ اب عرض ہے کہ اگر رسولؐ قرآنی احکام کچھ اور بتلاتا تھا اور اپنے آپ کو ان سے بری اور آزاد کر کے اپنا فائدہ الگ حاصل کر لیتا تھا اور پھر اپنے بیان کو ہم پایہ قرآن ٹھہرا لیتا تھا، تو ایسے رسول کے قرآن کو حکم بنانے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس طرح سے تو وہ اپنی منشا پر عمل کر کے اپنی ہی مرضی کو قرآن کے معنی اور فہم قرار دے سکتا تھا اور کسی کے لیے کوئی گنجائش

باقی نہیں ہوسکتی تھی کہ قرآن مجید کو اصل ٹھہرا کر اور اس کو خدائی حکم سمجھ کر بھی اُس بڑے رسولؐ کے سامنے چون وچرا کرسکے یا زبان ہلا سکے۔ برادران! کیا یہ کتاب خدا کو مستقل سند بنانا یا خدا کو خدا ماننا ہے؟

یہودی توریت کو ماننے کے مدعی تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے پاس توریت موجود ہے اور اس میں صراحتاً اللہ کا حکم پایا جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ کے حکم کے ہوتے ہوئے تجھے اے رسولؐ! کس طرح حکم بناتے ہیں؟ یہ حکم اللہ کو ماننے والے ہی نہیں، صرف دعوے ہی دعوے ہے (۵۰؍۶)۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکمُ اللہ کے صراحتاً ثابت ہوتے ہوئے کسی بڑے رسولؐ کو بھی حقیقت کے لحاظ سے حَکم بنانے کی ضرورت باقی نہیں ہوتی اور یہ بات بھی سورج کی طرح روشن ہے کہ رسولؐ خدا خود بھی قرآن مجید کو بالاستقلال حَکم و حاکم مانتے تھے (۶؍۱۱۴)، لیکن اگر رسولؐ خدا کے ذمے ایسی باتیں لگائی جائیں، جو لوگ بیان کر رہے ہیں، تو ثابت ہوگا کہ معاذ اللہ رسولؐ خدا صرف زبان سے قرآن کا حَکم و حاکم ہونا تسلیم کرتے تھے، مگر دراصل خود حَکم و حاکم بنتے تھے۔ قرآن کو حَکم بنانا اور اس کے فہم کو اپنے آپ پر منحصر کرنا، لوگوں کو بے وقوف بنانا اور مغالطہ دورہ میں پھنسانا ہے۔ ایسا شخص مثلاً کسی عورت کو بغیر از نکاح متعارف اپنے گھر میں ڈال لے یا بیویوں کی مقررہ تعداد کی بجائے سینکڑے عورتیں کرلے یا کوئی اور خلاف قانون کام کرے اور سوال کیے جانے پر اُس کو یہ کہہ دینے کا حق دیا جائے کہ میرے یہ کام بھی ایک قسم کی وحی ہیں یا میری سمجھ تم سب سے بڑھ کر ہے یا میرا نکاح آسمان پر ہوا ہے اور بجائے آدمیوں کے فرشتے گواہ مقرر کیے گئے ہیں یا اگر میری غلطی ہوتی، تو خدا خود نکالتا، کسی کو میری غلطی نکالنے کا کیا حق ہے؟ تو ایسی باتیں بنانے والا شخص قرآن مجید کو حَکم بنانے کے باوجود قرآن مجید کی پوری مخالفت کرسکتا ہے۔

تاکہ یہ بات پوری طرح سے ذہن نشین ہوجائے، مَیں اسے ایک اور طرح سے بیان کرنا چاہتا ہوں اور ناظرین سے ملتمس ہوں کہ مجھے اس اطناب کے لیے معذور فرمائیں۔

اگر ہمارے پاس انجیل کا صرف ترجمہ ہی موجود ہو، لیکن انجیل کے وہ الفاظ و عبارات نہ ہوں، جن کا وہ ترجمہ ہے۔ تو ہمیں یقین نہیں ہوسکتا کہ آیا یہ ترجمہ مطابق اصل کے ہے یا کیا اس میں ترجمہ کرنے والوں نے اپنے خیالات کے مطابق کچھ تصرف کیا ہے یا نہیں؟ ترجمہ کے ساتھ متن کے موجود ہونے سے ترجمہ کی صحت ہر وقت پرکھی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ترجمہ ہمارے لیے نہایت ضروری ہے، مگر متن کا سامنے موجود رہنا اس سے بھی بڑھ کر ضروری ہے۔ ترجمہ میں اگر کوئی شبہ واقع ہو، یا اس پر کوئی اعتراض کیا جائے،

و اس شبہ یا اعتراض کو متن ہی کی شہادت سے دُور کیا جا سکتا ہے۔ پس متن اصل اور مستقل شے ہے اور ترجمہ
ہ چیز ہے جو متن سے پیدا ہوتی ہے، لیکن وُہ بات جو متن سے نہیں نکل سکتی، وہ محض کسی کے کہ دینے سے
متن کا ترجمہ قرار نہیں پا سکتی۔ حاصل یہ ہے کہ ترجمہ اگرچہ ضروری ہے مگر متن کا اس کے ساتھ قائم رہنا اس سے
ی بڑھ کر لازم ہے، تاکہ اُن شبہات و اعتراضات کو جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہیں گے اس سے دُور کیا جائے اور
ر اصلاح کی ضرورت پڑے، تو ترجمہ میں مناسب اصلاح بھی کی جا سکے۔

لیکن اگر کسی ترجمہ کو بہر صورت قطعاً صحیح اعتقاد کرنا لازم ہو یا اگر خود خدا تعالیٰ کہ دے کہ یہ ترجمہ مطابق
اصل ہے اور اس سے بھی وہی مفہوم حاصل ہوتا ہے، جو اصل متن سے ہوتا ہے، تو اس صورت میں اگر متن موجود نہ
ہے، تو اس سے بہ لحاظ ہدایت کے کوئی حرج واقع نہیں ہو سکتا۔ پس کسی ترجمہ کو ناقابلِ اصلاح یا وحی یا ہم پایۂ
حی ماننے سے اُس ترجمہ کے ساتھ متن کی بہ لحاظ ہدایت و تعلیم کوئی ضرورت باقی نہیں رہ سکتی۔

یہی حال تفسیر کا ہے۔ کسی کتاب کی تفسیر کے ساتھ اس کے متن کا موجود ہونا لازم ہے، تاکہ شبہ و اعتراض
ے وقت اصل متن کے ذریعے تفسیر کی صحت کو پرکھا جا سکے اور غلطی کی صورت میں متن کے ذریعے سے اُس
فسیر کی اصلاح کی جائے۔ متن سے ہی اس بات کا ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ مفسر نے اصل متن کی کہاں تک پیروی
ی ہے، متن سے ہی یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ یہ مفسر کیسا عقل مند ہے اور کس قدر اس کتاب کے الفاظ کی قدر کرتا
ہے اور کس قدر اس کا کمال دکھلاتا ہے، حاصل یہ ہے کہ تفسیر کو پرکھنے کے لیے متن اصل ہے اور تفسیر خواہ
تنی ہی اعلیٰ کیوں نہ ہو، متن سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔

لیکن اگر کسی تفسیر کے متعلق یہ اعتقاد کرنا لازم ہو کہ وہ تفسیر بالکل مطابق اصل کے ہے اور خدا تعالیٰ کے
بتلانے سے اُس کو ہم پایۂ وحی قرار دیا جائے، تو ایسی تفسیر کے حسبِ ضرورت موجود ہونے سے اس کتاب کی جس
ی وہ تفسیر بتلائی جاتی ہے، کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

حدیثوں کو قرآن مجید کی ایسی ہی تفسیر بنایا جاتا ہے، جس پر قرآن پاک کو حَکَم بنانے سے سختی سے روکا جاتا ہے۔
ر قرآن کریم دنیا سے اُٹھ جائے، تو قرآن کے ناقدردانوں کی ہدایت و تعلیم کے لحاظ سے کوئی ضرورت ان کی نہیں رہتی،
لمن اگر ایسے دعوے والی حدیثیں ہی دریا بُرد کی جائیں، تو قرآن مبین کے ناقدردان قرآن کریم کو ناقص بلکہ دہریہ
ماننے والا کہتے ہیں۔ حدیثی تفسیر خواہ کیسی ہی نامعقول اور فضول کیوں نہ ہو۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے لوگوں کی
معقول اور پاک تفسیروں کو جن سے کلام الٰہی کی عظمت ثابت ہوتی ہے، گرایا جاتا ہے اور بہانہ یہ بنایا جاتا ہے کہ

یہ تفسیر ہم پایۂ وحی ہے۔ بلاشبہ اگر نور کالا ہوتا ہے، تو کوئی جگہ گھٹا ٹوپ باندھ کر آیا ہے۔ نامعقول بات محض دعوں سے معقول نہیں بن سکتی۔

قرآن مجید نے پہلی کتابوں کی ضروری تفسیر وحی کے ساتھ کردی ہے، اس لیے قرآن مجید کے ساتھ بطور وحی کے ان کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور نہ وہ کتابیں قرآن مجید پر حکم بنائی جاسکتی ہیں، لیکن اگر ان کو حکم بنایا جائے، تو قرآن مجید کا استقلال بطور اکیلی اور کافی وحی کے نہیں رہے گا، بلکہ مل جل کر ایک اور نئی مرکب وحدت پیدا ہوگی، جس سے قرآن مجید بالاستقلال خود ہی حکم نہیں بن سکے گا۔ قرآن مجید کے بالاستقلال حکم ماننے کے لیے لازم ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بطور وحی یا ہم پایۂ وحی کے نہ مانی جائے، ورنہ اکیلے قرآن مہیمن کا اپنا استقلال ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا۔

قرآن مجید کا بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ اس تفسیر میں ایک آیت کا ابہام و تشابہ دوسری آیت سے نکل جاتا ہے اور دونوں مل کر کام دیتی ہیں۔ یوں تمام قرآن مجید مل کر ایک کتاب کے حکم میں ہے، لیکن اگر اقوال و افعال رسول خدا کو بھی ہم پایۂ وحی سمجھا جائے، تو اکیلے قرآن مجید کا استقلال دور ہو کر قرآن و احادیث ہر دو کے مجموعہ کا استقلال قائم ہو جائے گا اور اکیلے قرآن مجید کا استقلال جاتا رہے گا۔ اگر مسلمانوں کو قرآن کا ایسا ہی استقلال منظور ہے۔ تو ان کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ احادیث کو بھی ہم پایۂ وحی مانیں۔ قرآن کے ساتھ کسی اور وحی کے ماننے کا یہی نتیجہ لازمی طور پر نکلے گا کہ خالص قرآن کا استقلال گم ہو جائے گا۔ ہم قرآن مجید کے لیے ایسا مخلوط استقلال ہرگز ہرگز گوارا نہیں کرسکتے۔　　　(باقی)

ملک، قوم اور وطن کا نظریہ

قرآن مجید کی روشنی میں

(جناب مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات)

ملک | قرآن مجید میں زمین اور تمام آسمان مل کر ایک ملک کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کا حقِ ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ آیت ذیل سے ظاہر ہے:

لِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ | اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔

قرآن مجید میں ملک کی جمع ممالک نہیں آئی، اس لیے ملک کا تصور، تصور واحد ہے۔ نوع انسان کے افراد نے اپنی اجتماعی حیثیت کو نظر انداز کر کے اپنے فطری منشاء سے ہٹ کر زمین کے مختلف حصوں کے نام رکھ کر انھیں اپنی اپنی ذاتی ملکیت قرار دے لیا ہے۔ مگر باوجود اس کے وہ بدستور خدا ہی کی ملکیت ہیں۔ زمین کے حصے بخرے کرنے والی جماعتوں کا ان حصوں بخروں پر ملکیت کا دعویٰ کسی طرح بھی حق بجانب نہیں اور افسوس کی بات ہے کہ زمین کے اس طرح کے حصوں بخروں کی ملکیتوں کے دعاوی نے خود نوع انسان میں تفرقہ اور تشتت برپا کر دیا ہے اور اس کے افراد باہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں اور آئے دن خون ریزی اور قتل کا بازار گرم رہتا ہے اور باہم نفرت و حقارت کے جذبات نے اس قدر ترقی کی ہے کہ نوع انسان کے اندر ایک دوسرے کی خیر خواہی ہم دردی و معاونت قطعاً مفقود ہو گئی ہے۔ زمین کے ایک حصے کے بسنے والے دوسرے حصوں کے بسنے والوں کو اپنا غیر سمجھتے ہیں، ان کی ترقی اور خوش حالی سے جل کر بلا وجہ ان کے خلاف دھاوا بول دیتے ہیں۔ اپنی قوت کے مظاہرے سے ان کا مال و دولت چھین کر ان کو تنگ حال اور غم زدہ بنا دیتے ہیں، قتل و غارت سے امن عامہ کو تباہ کر دیتے ہیں اور بعض دفعہ ان کو غلام بنا کر ان کی آزادی غصب کر لیتے ہیں۔

قوم | قوم کے معنی تو انسانی افراد کے ایک مجموعہ کا نام ہے، مگر قرآن مجید میں قوم کا لفظ عام طور پر اشخاص کی نسبت سے بولا گیا ہے۔ جیسے قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیمؑ، قوم موسےٰؑ،

قوم فرعون، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط وغیرہ۔ ان سب میں قوم سے مراد نوح، عاد، ثمود، ابراہیم، موسے اور فرعون وغیرہ کے ہم خیال، ہم عقیدہ، معاون اور دیگر قریبی تعلق رکھنے والے لوگ ہیں۔ اس کے علاوہ ذاتی اوصاف اور خصائل کے لحاظ سے نوع انسان کے جو مختلف افراد ایک جماعت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، وہ بھی ایک قوم کہلاتے ہیں، جیسے قوم المومنون، قوم المسلمون، قوم الکافرون، قوم الفاسقون، قوم الجاہلون، قوم یتفکرون، یعنی تمام مومن مل کر ایک جماعت بناتے ہیں۔ اسی طرح تمام مسلم ایک جماعت ہیں۔ اسی طرح تمام کافر یعنی حق سے انحراف کرنے والے تمام فاسق، تمام جاہل اور تمام غور و تدبر کرنے والے لوگ الگ الگ قوم کی تشکیل کر لیتے ہیں۔

اس موقعہ پر یہ بات خاص طور سے توجہ کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں کسی قطعہ ملک یا حصۂ زمین کے ساتھ قوم کا لفظ استعمال نہیں ہوا اور جب ایسی ضرورت لاحق ہوئی ہے، تو اصحاب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے اصحاب مدین، اصحاب الرس، اصحاب الایکہ، اصحاب الکہف، وغیرہ۔

اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہم گاندھی کی قوم، جواہر لال کی قوم، بوس بابو کی قوم تو کہہ سکتے ہیں، مگر ہندوستان کی قوم، پنجاب کی قوم، ایران کی قوم، عرب کی قوم نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید کے رو سے کسی قطعہ یا حصۂ ملک کے ساتھ کسی قوم کو منسوب نہیں کر سکتے، اس لیے اس قطعہ ملک کے رہنے والے لوگ جو ہندوستان کے نام سے موسوم ہے، باہم مل کر کوئی ایک قوم مثلاً ہندوستانی یا ہندی قوم نہیں بنا سکتے۔ یہ جو ملک کی تقسیم ہو کر مختلف حصوں کے ناموں کے تعلق او نسبت سے مختلف قومیں بن گئی ہیں، قرآن مجید کے مدعا اور منشاء کے خلاف ہیں اور اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مختلف ملکوں کے ساتھ منسوب قومیں اپنی اپنی ترقی اور برتری کی خواہاں ہتی ہیں اور دوسری قوموں اور عام نوع انسان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں رکھتیں، بلکہ موقعہ ملے، تو ان کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی ہیں۔

وطن | وطن بھی ملک کی طرح ایک بناوٹی چیز ہے۔ وطن سے مراد ہر ایک شخص یا گروہ اشخاص کی جنم بھوم کی جگہ ہے۔ تمام نوع انسان کا اصلی جنم بھوم زمین ہے۔ قرآن مجید میں ایسا کوئی تصور نہیں، جس سے پیدائش کی جگہ کی وجہ سے کسی شخص کو اس جگہ کے ساتھ ترجیحی تعلق ہو، بلکہ ان معنوں میں وطن کا لفظ قرآن مجید میں ہے ہی نہیں۔ وطن کے مادہ سے بنا ہوا صرف اور صرف ایک لفظ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے اور وہ "مواطن کثیرہ" ہے، جس کے معنی ہیں بہت سے موقعے۔ وطن کے لفظ کی آڑ میں بھی نوع انسان کی بے شمار

حق تلفیاں کی گئی ہیں اور اس کو خود غرض گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو بجائے اس کے کہ ایک مدعا و منشاء کو پورا کرنے کے واسطے ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، ایک دوسرے کی جان کے دشمن اور بدخواہ ہو گئے ہیں۔ یہی ملک، قوم اور وطن کا تصور۔ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے [illegible] ملک، زمین اور تمام آسمانوں پر مشتمل ہے۔ جغرافیہ میں جو ملکوں کی تقسیم ہے، یہ مسلمان کی بحث سے خارج ہے۔ مسلمان بہ حیثیت مجموعی ایک قوم ہیں خواہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوں یا چین یا روس میں۔ یہ ہندوؤں، عیسائیوں، بدھوں، یہودیوں اور زردشتیوں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے۔ ان کا وطن سارا جہان ہے:

"مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا!"

چند کتابیں

قولِ احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ قولِ احسن میں قرآن مجید کے مضامین سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف مُسلم کہلانا چاہیے۔ باقی تمام نام شیعہ، سُنّی، اہلِ حدیث وغیرہ بدعی ہیں، جن کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا ہے۔ ۲؎ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

علمِ حدیث مولانا اسلم جیراج پوری کی ایک نہایت پُرمغز، مؤثر اور مفید کتاب، جس میں علمِ حدیث پر دل نشین انداز میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ علمِ حدیث کے متعلق سات عنوان مقرر کر کے، حدیث کی صحیح اور حقیقی حیثیت پر نہایت کامیابی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر اس سے زیادہ اچھی کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ ۲؎ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

بُرہانُ القرآن یہ کتاب اُن دو مباحث کو شامل ہے، جو مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ہوئے۔ اس میں اہلِ حدیث پر ابد تک کے لیے اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط مطاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸؍

منیجر دفتر اُمّتِ مُسلمہ۔ امرتسر

مسلمانوں کی عالمگیر غلط فہمی

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے، پی ایچ ڈی)

جب پیروان اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں اباطیل و خرافات کو داخل کر لیا، جب اسلام کے اصلی نصب العین، یعنی، انفرادی حیات کی تکمیل اور تمکن فی الارض پر اقوال و عقائد کے پردے پڑ گئے اور جب مسلمان بے عمل، سست گام و بدکردار بن گئے، تو فطرت کی منتقمانہ طاقتیں جنبش میں آئیں، جزا و سزا کا آئین عمل میں آیا اور فلک نیلوفری کی ایک ہی گردش نے ہمیں پیس کر رکھ دیا۔ آج ہمارا سیاسی اقتدار ختم ہو چکا ہے معاشری اور تمدنی وجاہت کا جنازہ نکل گیا ہے۔ ذلت و فاقہ مستی کے بھنور میں سفینۂ ملت چکر کھا رہا ہے۔ ادبار و فلاکت سر پر منڈلا رہے ہیں۔ جھوٹ، فریب، مکاری، بے حسی اور بداعتمادی ہماری نس نس میں سرایت کر چکی ہے۔ جنگ و جدل، کینہ پروری و باہم آویزی ہمارا وتیرہ ہو چکا ہے۔ ہم ہر پہلو، ہر شعبے اور ہر محکمے میں ذلیل و رسوا اور ناکام و نامراد ہو چکے ہیں۔ ہماری بدمعاملگی، دروغ بافی اور فریب دہی کے بازاروں میں چرچے ہیں۔ لوٹ مار، قمار بازی، شراب نوشی اور دیگر جرائم کے محافل میں افسانے ہیں۔ زمین و آسمان سے، انس و جان سے، خدا اور اس کے ملائکہ سے ہم پر پھٹکار برس رہی ہے اور چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے:

کہ کل کون تھے، آج کیا ہو گئے تم؟
ابھی جاگتے تھے، ابھی سو گئے تم؟

اس رسوائی و ناکامی، اس ذلت و پستی کے باوجود ہم اپنے آپ کو خیر سے خیر الامم سمجھے بیٹھے ہیں۔ انتم الاعلون کی بلندیوں سے گر کر ثم رددناہ اسفل سافلین کے گڑھے میں پہنچ چکے ہیں، لیکن بہ دستور اشرف الامم ہونے کا دعوے ہے۔ ہم کبھی گذرگاہ حیات پہ مینار رشد و ہدایت تھے اور اب اولئک کالانعام بل ھم اضل کی ذیل میں آ چکے ہیں، لیکن غرور تقدس و نخوت صالحیت دماغوں میں ہنوز باقی ہے یہ وہ مرض ہے، جو دنیا میں ہر قوم کو لاحق ہو جاتا ہے۔ شروع شروع میں ایک قوم کو اس کے بہترین عمل کی وجہ سے پیمبر وقت دنیوی و اخروی فلاح کی بشارتیں سناتا ہے۔ یہ بشارتیں نسلاً بعد نسلٍ اخلاف تک چلی آتی ہیں، حالاں کہ صحیح عمل مدت سے مفقود ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ یہود دنیا میں

کہلاتے تھے:

اے یہود! میرے انعامات کو یاد کرو کہ میں نے تمھیں	اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت
افضل الناس بنا دیا تھا!	وانی فضلتکم علی العلمین ۔

تقریباً چودہ سو سال گذرنے کے بعد لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم۔
ں سیاہ رو اور آخرت میں عذاب الیم کا شکار ہو گئے، کا اٹل فیصلہ ان کے حق میں صادر ہوا، لیکن یہ
زعم خود یہ دستور مقدس، راست باز اور جنت کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں:

وہ کہتے ہیں: جنت میں صرف یہود یا نصاریٰ داخل ہوں گے۔	الن یدخل الجنۃ الا من کان
یہ تصور غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ انھیں کہ دے کہ اگر یہ سچے	او نصاریٰ تلک امانیھم قل
ہیں۔ تو دلیل پیش کریں۔	ابرھانکم ان کنتم صدقین ۵

حضرت مسیح کے بعد نصاریٰ یہود سے علیحدہ ہو گئے۔ یہ ہر دو خیر الامم بن بیٹھے اور ایک دوسرے
کا، جھوٹا اور جہنمی سمجھنے لگے:

یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ گمراہ ہیں اور نصاریٰ کا خیال	ت الیھود لیست النصاریٰ علی
یہ ہے کہ یہود کج رو ہیں، حالاں کہ ہر دو کتاب پڑھتے	ء و قالت النصاریٰ لیست الیھود
ہیں۔	شیء و ھم یتلون الکتب ۱/۱۲

کیا آج مسلمان کا یہی حال نہیں؟ مسلم یہود کو۔ یہود نصاریٰ کو، تمام مل کر ہندو کو اور ہندو تمام
وجہنمی کہتا ہے۔ یہ ایک دماغی، روحانی اور اخلاقی مرض ہے۔ اُمت مسلمہ کو اللہ نے اس مرض سے
نے کے لیے یہ آیات نازل فرمائی تھیں، لیکن اندھا اور بہرا مسلم نہ سوچتا ہے، نہ سمجھتا ہے، نہ دیکھتا
نہ سنتا ہے اور کفر کا کیچڑ تمام جہان پر اُچھال رہا ہے۔

مؤخر الذکر آیت کے ساتھ ہی یہ ٹکڑا بھی ہے:

اسی طرح دیگر جاہل اقوام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔	ک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم ۱/۱۲

ہم نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ خدا صرف ہمارے لیے ہے، اُس کی تمام نعمتوں کے مستحق صرف
ں۔ وہ دیگر اقوام کی غلطیوں کو معاف نہیں کرتا۔ اُن کے نیک اعمال کو بھی غارت کر دیتا ہے اور ہماری

بڑی سے بڑی بدعملی کو بھی معاف کر دیتا ہے۔ ہم کاہل رہیں، سست اور نکمے بن جائیں، عیاشی کریں، شراب پئیں، جوا کھیلیں، تنظیم و وحدت سے الگ رہیں، جوجی میں آئے کریں اور کہیں، لیکن اللہ میاں محمد عربی صلعم کی اُمت کو سزا نہیں دیتا۔ اس ماں کی طرح جو بگڑے ہوئے اور تباہ شدہ بچے سے بھی پیار کرتی ہے، وہ اُمتِ محمدؐ سے پیار کرنے پر مجبور ہے۔ ہم اپنی خوف ناک بدعملی کے بعد بھی بہ فحوائے:

من قال لا الٰہ الا اللہ فقد دخل الجنۃ[1]

جنت میں پہنچ جائیں گے۔ شبِ معراج کو خدا نے رسولؐ سے کہہ دیا تھا: "تیری اُمت کے تمام گناہ بخش دیے گئے"۔ اگر کوئی بدکار جہنم میں جا ہی پہنچا، تو رسول صلعم شفاعت سے چھڑا لائیں گے۔ مسلمان پر آتش جہنم حرام ہے اور بعض کلمہ گو جہنم میں صرف چند روز رہیں گے اور بس۔ مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو بھی یہی دھوکا ہو گیا تھا:

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہمیں جہنم میں صرف چند دن رہنا پڑے گا۔ اُن سے پوچھو کہ کیا تمہارے پاس اللہ کی کوئی تحریر موجود ہے کہ جس کی خلاف ورزی نہ ہوگی یا خدا پر الزام لگا رہے ہو؟

مولوی کہتا ہے کہ یہ آیات صرف یہود و نصاریٰ کے متعلق ہیں، مسلمانوں کو ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ کاش! اُسے معلوم ہوتا کہ قرآن حکیم کی بے شمار آیات مخصوص واقعات اور خاص اقوام کے متعلق نازل ہوئیں، لیکن درحقیقت یہ ایسے قوانین ہیں، جن کا اثر عالم گیر ہے۔ کسی قوم کی بدعملیاں اور اس کے اعمال کے نتائج اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان بھی اس غلط راہ پر چل پڑا، تو وہی نتائج مرتب ہوں گے۔ قوم لوطؑ کو لواطت کی وجہ سے تباہ کیا گیا۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر مسلمان اس جرم کے مرتکب ہوئے، تو انھیں معاف کر دیا جائے گا۔ ابولہب کی گردن میں اذیتِ رسولؐ کی وجہ سے عذابِ الٰہی کی رسی ڈالی گئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی اور انسان اس جرم کا ارتکاب کرے، تو اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر یہود و نصاریٰ کو اللہ نے اس غلط فہمی پر کہ بہ زعم خود صرف وُہی جنت کے مستحق ہیں، تنبیہ کی ہے اور ان کی اس کج فہمی کو واضح کیا ہے، تو مسلمانوں کو اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن افسوس! مشرق سے لے کر مغرب تک یہ مرض پھیل چکا ہے:

---

[1] جس نے کلمہ پڑھ لیا، بس تحقیق وہ جنت میں جا پہنچا۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ ؛	ان میں سے بعض قطعی جاہل ہیں، جو نارو آرزوؤں اور غلط فہمیوں کا شکار اور گرفتارِ ظن و گمان ہیں۔

اگر اہلِ کتاب کو ان خود ساختہ امانی پر غرور تھا، تو آج مسلمان کئی قدم ان سے آگے نکل چکا ہے:

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○	انھیں اپنی مکاری، افترا پردازی اور وضعی عقائد کا گھمنڈ ہے۔

دنیا میں ایک سلسلۂ قوانین سرگرمِ عمل ہے اور کسی قوم یا فرد کی نیکی و بدی کا معیار یہی سلسلہ ہے۔ اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا بہت بڑی حماقت ہے۔ بدی کی ہر جگہ اور ہر قوم میں سزا ہے اور نیکی کی ہر جگہ جزا ہے۔ یہ فرض کر لینا کہ خدا صرف ہمارا ہے، بہت بڑا دھوکا اور فریب خوردگی ہے۔

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ ؛ ؏	تمھاری تقدیروں کا فیصلہ تمھاری آرزوؤں اور غلط اندیشیوں کے مطابق نہیں ہوگا، بلکہ اعمال کے مطابق ہوگا اور ہر بدی کی سزا فوراً ملے گی۔

ہمیں مولوی کہتا ہے کہ ہم زبانی زبانی لَا اِلٰہَ پڑھتے ہیں، اُمّتِ محمدؐ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، درُود شریف کا وِرد کرتے ہیں، جنّت وجہنّم کے قائل ہیں، اس لیے ہم پاک ہیں اور دیگر اقوام نجس، غلیظ اور ناپاک ہیں۔ اس فریب کی دھجیاں ربّ العرش نے یُوں بکھیری ہیں:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ○ ؏	ذرا اُن لوگوں کی طرف تو دیکھو، جو اپنے آپ کو بلا وجہ مقدس سمجھے بیٹھے ہیں، حالاں کہ مقدس وُہ ہے جسے اللہ پاک کرے، (یعنی، پاکیزگی نیک اعمال کا نتیجہ ہے) اور مکافاتِ عمل میں ہم ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتے۔

ابتدائے آفرینش سے ایک آئین انسانی دنیا میں کام کر رہا ہے، جس کا نام قانونِ عروج وزوال یا اسلام[1] ہے۔ جو قوم اِس آئین پر عمل پیرا ہو جاتی ہے، وہ اللہ کی محبوب بن جاتی ہے اور جو اس سے دُور بھاگتی ہے، اُسے میٹ دیا جاتا ہے۔ کلدانی و آشوری، عاد و ثمود، مصری و بابلی، ایرانی و عربی، ہندی و چینی جب تک اس آئین پر عمل پیرا رہے، اُن پر انعاماتِ الٰہی کی بارشیں چھما چھم برسیں، وہ دنیا میں معزز و موقر کہلائے۔ جنّتِ ارضی و اُخروی کے حق دار ٹھہرائے گئے،

---

[1] اسلام کا مفہوم اس سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہے۔ (ایڈیٹر)

لیکن جُوں ہی اُن کے قدم جادۂ مستقیم سے ہٹے، وہ یُوں مِٹیں دیے گئے کہ اَوراقِ تاریخ میں افسانہ بن کر رہ گئے۔ اللہ اقوام کو مٹانے میں بہت بے نیاز ہے:

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَکْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَکِّنْ لَّکُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَکْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ ع	کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے اِن اقوام سے پہلے کیسی کیسی اقوام تباہ کر ڈالیں۔ ہم نے اِن اقوام کو وُہ جاہ و جلال دیا تھا، جو تمھیں حاصل نہیں۔ اُن پر جھما جھم بارشیں برستی اور ہر طرف نہریں بہتی تھیں، لیکن ہم نے اُنھیں بدعملی کی وجہ سے ہٹا کر اُن کا وارث دیگر اقوام کو بنا دیا۔

اگر یہودی کسی وقت اللہ کے ہاں افضل الناس تھے۔ اگر اصحاب الایکہ و اصحاب الرس محبوبِ خدا تھے اور بدعملی کی وجہ سے مغضوب و معتوب ہو کر رہ گئے، تو پھر آج کے بدعمل مسلمان کو اپنے تقدس پر غرور کیوں ہے؟ وہ اپنے آپ کو کیوں خدا کا لاڈلا سمجھتا ہے؟ اُسے کیوں دھوکا لگا ہُوا ہے کہ خدا صرف میرا ہے اور مَیں اس کا۔ قرآنِ حکیم میں بیسیوں تباہ شدہ اقوام، جو کبھی خدا کی لاڈلی تھیں، کے حالات پڑھنے کے بعد اس کے فریب کا پھندا کیوں نہیں ٹوٹتا؟ دھوکے کا پردہ آنکھوں سے کیوں نہیں اُٹھتا؟ اُسے کیوں دکھائی نہیں دیتا کہ خدا اقوام کو مٹانے میں نہایت بے نیاز ہے:

وَاِنْ کَفَرْتُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝	اگر تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے، تو یاد رکھو، اللہ اقوامِ عالم سے بالکل بے نیاز ہے!

وہ سر پر رومی ٹوپی، چوٹی یا عمامہ دیکھ کر لحاظ نہیں کرتا، وہ عبداللہ و عبدالرحمٰن کے ناموں سے خوش نہیں ہوتا، وہ جھوٹے، بے اثر اور محض لایعنی عقائد کو نہیں دیکھتا۔ دنیا دار العمل ہے۔ صرف عمل سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ جو قوم جتنا عمل کرے گی، اتنا ہی بدلہ پائے گی:

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝	ذرہ بھر نیکی یا بدی کی جزا و سزا مل کر رہے گی۔

کبھی وُہ وقت تھا کہ ہم بر و بحر کے مالک تھے۔ سمندروں پر ہماری حکومتیں تھیں۔ چین

سے ہسپانیہ اور بغداد سے مدراس تک ہمارا علم لہرا رہا تھا۔ ہماری امانت ودیانت، راست گوئی وراست بازی کی ہر طرف دھوم تھی۔ ہمارے عدل وانصاف کے ارض وسما میں چرچے تھے۔ ہماری جاں بازی وجاں فروشی کے کائنات میں غلغلے تھے۔ ہم ہر جگہ سرفراز تھے۔ کامیابیاں ہمارے جلو میں، سعادتیں ہماری ہم دم، بخت واقبال ہمارے ہم رکاب اور سلطنت وامامت ہمارے طرۂ ہائے امتیاز تھے۔ ہمارے بے پناہ عزم اور ہمالہ برافگن ہمت کے سامنے سمندروں کے دل دہل جاتے تھے۔ ہماری نگاہیں اقوام عالم کی تقدیریں پلٹ دیتی تھیں۔ ہماری جبینوں کا ایک شکن جبار قہرمانوں کے چھکے چھڑا دیتا تھا۔ ہماری صدات دشت وجبل گونج اٹھتے تھے اور ہماری دھاڑ سے کائنات رعشہ براندام ہو جاتی تھی۔ یہ وہی وقت تھا جب ہم صحیح معنوں میں اللہ کے لاڈلے اور پیارے تھے۔ جب ہم پر الٰہی انعامات کی بارشیں پیہم برستی تھیں۔ جب ہمیں ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جنت دی جاتی تھی:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ	اللہ نے مومنوں سے جان ومال کی قربانی لے کر جنت دے دی۔

جب ہم سے مغفرۃ واجر کریم کے وعدے ہوتے تھے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا كَرِيْمًا ۝	اللہ نے مسلمانوں سے مغفرت واجر کریم کا وعدہ کر لیا ہے۔

اور جب ہم کو استخلاف فی الارض وتمکن فی الدین کی بشارتیں دی جاتی تھیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْكُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا	اللہ مسلمانوں سے تین وعدے کرتا ہے۔ اوّل: انھیں دنیا میں سلطنت دی جائے گی۔ دوم: الٰہی دین کی جڑیں استوار ہو جائیں گی اور سوم یہ کہ انھیں اس قدر طاقت ور بنا دیا جائے گا کہ دوسری قومیں ان سے ڈریں گی اور یہ کسی سے نہیں ڈریں گے۔

ہم اُس وقت واقعی اللہ کے لاڈلے اور پیارے تھے، لیکن آج اس پستی وذلت، اس سیاسی واخلاقی مسکنت، اس دینی ودنیوی دیوالیہ پن کے بعد خدا کے محبوب ہونے

کا دعویٰ کرنا پرلے درجے کی حماقت و جہالت ہے۔ جن مسلمانوں کو کوئی پاس نہیں بیٹھنے دیتا، جن سے جہان بھر نفرت کرتا ہے، جن کے جسموں سے بدبُو آتی ہے، جن کے کپڑوں میں لاتعداد جُوئیں پھرتی ہیں، جو بازاروں، محفلوں اور عدالتوں میں نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے ہیں، جن سے مُلک کے جیل خانے پٹے پڑے ہیں، جن کی جہالت ولاعلمی سے زمین و آسمان نالاں ہیں، جو غلام اور رُسوا اور ذلیل ہیں، جن کے تاجر بددیانت ہیں، جن کے پیشہ ور فریب کار و مکار ہیں، جن کے علماء وصوفیا دین و ایمان کے راہ زن ہیں، جن میں دین و دنیا کی کوئی خوبی نہیں، کیا خدا ایسی ننگِ انسانیت قوم کو اپنا لاڈلا بنا تا پھرتا ہے؟ کیا خدا کو (خاکم بدہن) آپ نے اتنا بد مذاق سمجھ رکھا ہے کہ وہ اپنی محبت کے لیے رُسواترین و قبیح ترین مخلوق کو انتخاب کرے گا؟ جس اللہ کے حسنِ مذاق اور لطفِ طبیعت پر یہ حسین کائنات، یہ جمیل مناظر، یہ درخشاں اجرامِ سماوی اور لعل و گُہر شاہد ہیں، جس کی تعریف میں کہا جاتا ہے:

اِنَّ اللہَ جَمِیْلٌ و یحب الجمال | اللہ خود حسین ہے اور صرف حُسن کو پسند کرتا ہے۔

کیا ایسے جمیل المذاق خدا کو ان رُسوائے عالم مسلمانوں کے بغیر کوئی اور مخلوق محبت کے لیے نہیں ملتی؟

ہوش میں آؤ اور دیکھو کہ ہندوستان تم سے چھن گیا، سپین کی سلطنت کے ساتھ تم بھی جلاوطن ہوئے، مراکش، طرابلس، سوڈان اور مصر تمہارے ہاتھوں سے نکل گئے۔ بصرہ و بغداد، حلب و دمشق، موصل و یروشلم، البانیہ، بلگیریہ، آسٹریا، رومانیہ، یونان، اور ہنگری سے ۔ ۔ ۔ ۔ تمہاری فرماں روائی کا نام و نشان تک ہٹ گیا۔ سسلی اور فرانس، ترکستان اور بخارا، غرضیکہ دیکھتے دیکھتے ایک عالم کی سلطنت تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور حالت یہ ہے کہ ہماری رہی سہی متاع پر رہزنوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔

علمی لحاظ سے ہم کسی وقت استاذِ زمانہ تھے۔ مشرق و مغرب ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے اور آج ہم اجہل الناس ہیں۔

اقتصادی طور پر آج یہ کیفیت ہے کہ کھانے کو ایک پیسہ تک جیب میں نہیں۔ صرف پنجاب کے مسلمانوں پر ......۱۴۰ روپیہ سُودی قرض ہے۔ اخلاق کا یہ عالم ہے کہ ہر مسلم کو

(باستثناءِ چند) دھوکے باز، مفسد اور جھوٹا[1] خیال کیا جاتا ہے۔ بسلمان کی دکان سے کوئی سودا نہیں لیتا کہ ضرور دھوکا دے گا۔

جب مُسلم کے تمدن، سیاست، علم اور اخلاق کا یہ عالم ہے، تو پھر تباہی کس جانور کا نام ہے؟ کیا آپ کو ابھی تک اپنی تباہی و بربادی کا احساس نہیں ہوا؟ تباہی کی انتہا یہ ہے کہ تباہ شدہ قوم میں تباہی کا احساس تک باقی نہ رہے:

چوں شود اندیشۂ قومے خراب — ناسرہ گردد بدستش سیم ناب
میرد اندر سینہ اش قلبِ سلیم — در نگاہِ او کج آید مستقیم
برکراں از حرب و ضربِ کائنات — چشمِ او اندر سکوں بیند حیات
موج از دریاش کم گردد بلند — گوہرِ او چوں خزف نا ارجمند
پس نخستیں بایدش تطہیرِ فکر — بعد ازاں آساں شود تعمیرِ فکر (اقبال)

---

[1] اس ملک کی آب و ہوا میں پلنے والی سبھی قوموں کی اخلاقی حالت کم و بیش ایسی ہی ہے (مدیر)

ھل ادلکم الیٰ تجارۃ

امیر بننے کے نسخے

عام طور پر امیری اور غریبی قسمت ہی کے ذمہ تھوپی جاتی ہے اور یہ کسی حد تک درست بھی ہے، تاہم جس قدر آدمی معمولی حیثیت سے بڑے بن گئے ہیں، اُن کی زندگی کے واقعات پر غور کرنے سے بہت سی باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایک ہی قسم کے اصولوں کی پابندی کی۔

امریکہ میں جس قدر امیر لوگ بستے ہیں، کسی دوسرے ملک میں نہیں، کروڑپتی ہونا تو وہاں معمولی بات ہے۔ وہاں ایسے ایسے صاحب دولت بھی موجود ہیں جن کے خزانوں کا نہ اُنھیں خود علم ہے، نہ کوئی دوسرا ہی اندازہ کر سکتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جنھوں نے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر پیسہ پیدا کیا اور فی الواقع ایسے ہی بہادروں کی راؤں کا مطالعہ باعث دلچسپی و سبق آموزی ہو سکتا ہے۔

مسٹر کارنیگی جن کی حیثیت اس وقت بھی ساٹھ کروڑ سے کم نہیں، کہتے ہیں کہ امیر بننے کے لیے غریب کے گھر پیدا ہونا ضروری ہے، تاکہ معمولی طریقہ سے خود لڑھک لڑھک کر پرورش پانے سے ہمت اور حوصلہ بڑھے اور اندرُونی جوہر ظاہر ہوں۔ آپ کی رائے ہے کہ دولت مندوں کی اولاد نکمّی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے کام کرنے والے ہمیشہ جھونپڑیوں میں پیدا ہوئے تھے۔ خود غریب سے امیر بننا ایک بات ہے اور امیر کے گھر پیدا ہو کر امیر بننا دوسری بات ہے۔ آپ اس بات کو گناہ سمجھتے ہیں کہ اولاد کے لیے امیر لوگ سرمایہ چھوڑ جائیں۔ چنانچہ خود آپ نے یہ طے کیا ہے کہ مرنے سے پیشتر تمام دولت نیک کاموں میں خرچ کر دیں گے اور اس سلسلہ میں آپ نے حال ہی میں ۲۵ کروڑ کی رقم کتب خانوں اور موسیقی کے اسکولوں کی ترقی کے لیے عطا کی ہے۔ ۳ کروڑ آپ نے پرائیویٹ اسکولوں کے استادوں کو پنشن دینے کے لیے وقف کیا ہے۔

آپ نے فرمایا ہے کہ میری زندگی کے تین اصول ہیں: اوّل ایمان داری، دوسرے محنت اور

تیسرے یک سُوئی یعنی، ایک ہی طرف دھیان لگاکر ایک ہی کام کی دُھن میں مصروف ہو کر اس کی آخر تک پیروی کرنا۔ آپ کی نصیحت ہے کہ اگر پانچ روپے کماؤ تو ایک روپیہ ضرور جمع کر ڈالو۔ جو ایسا کریں گے اُنھیں میں سے امیر پیدا ہوں گے۔

مسٹر ایڈیسن وُہ حضرت ہیں جنھوں نے گراموفون یعنی، فونوگراف باجہ ایجاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے کئی ایک سائنس کی ایجادیں کی ہیں اور انھیں کی بہ دولت آپ کروڑوں کے مالک ہوئے ہیں۔ آپ امیر بننے کا عجیب و غریب نسخہ بیان کرتے ہیں، یعنی "تم ایک کونے میں خاموش ہو کر اپنی توجہ کو تمام خیالات سے ہٹا کر بیٹھ جاؤ اور فقط ایک چیز کا دھیان کرو۔ وُہ کون سی چیز ہو؟ ضروری نہیں کہ کسی بڑھیا چیز کا خیال کرو معمولی سے معمولی چیز پر غور کر سکتے ہو۔ غور اتنا کرو کہ حد ہو جائے اور اگر اس سے پیسہ کمانے کی ترکیب نہیں نکال سکتے، تو سمجھ لو کہ تمھارے دماغ میں فاسفورس ہی نہیں ہے۔ (فاسفورس دماغ کا ایک کیمیاوی جزو ہوتا ہے جس سے عقل پیدا ہوتی ہے۔ سبزیوں میں سے مٹر اور گوشتوں میں سے مچھلی کھانے سے یہ بہت پیدا ہوتا ہے) مسٹر ایڈیسن کی یہ ترکیب ایسی آسان نہیں ہے جیسی کہ یہ دکھائی دیتی ہے۔ آپ نے تو حقیقتہً اسی ترکیب سے وُہ وُہ ایجادیں کی ہیں، جن کی بدولت آج لاکھوں بیوپار چل رہے ہیں۔

مسٹر سینر کے والد نے سوائے تعلیم کے آپ کو کچھ نہیں دیا تھا۔ آج آپ کروڑوں سے بات کرتے ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ روپیہ تو ایک بھی پیدا کرنا مشکل ہے، لیکن پھر بھی ایسے لاکھوں آدمی ملیں گے، جو ایک روپیہ پیدا کر لیتے ہیں۔ البتہ ایک روپیہ بچا لینا عقل مندی کا کام ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ دن کو خوب کام کرو اور رات کو خوب سوؤ۔ جو کام کرنا ہو، اس پر غور کرو، لیکن ایک دفعہ ارادہ کر لینے کے بعد پھر اس کام کو کیے بنا مت چھوڑو۔

مسٹر راک فیلر امریکہ ہی کے نہیں بلکہ دنیا کے امیروں کے سرتاج ہیں۔ آپ کے برابر دولت کسی بادشاہ کے خزانہ میں بھی نہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ امیر کیوں کر بنا جاتا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا "صبح مُنہ اندھیرے اُٹھنے اور ہر روز دو گھنٹہ ورزش کرنے سے" اور واقعی آپ تمام عمر اس اصول پر پابند رہے۔

مسٹر فلسری نے کہا ہے کہ امیر بننے کا شوق ہو، تو کبھی تسلّی مت کر بیٹھو کہ ہاں بس کافی

ہوگیا۔ ہر مہینے پہلے سے زیادہ پیدا کرنے کی فکر کرو۔

مسٹر فلاور کی ہدایت ہے کہ روپیہ پیدا کرنے کی کوئی کمینہ حرکت مت کرو۔ بے ایمانی چھوڑ دو، نشے سے پرہیز کرو، کفایت شعاری سیکھو اور تھوڑا بہت روپیہ کسی نہ کسی بھلے کام میں ضرور لگاتے رہو اور وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ مستقل جائداد ضرور خریدتے رہا کرو۔

مسٹر ولیم بالدیف مثور نے بھی یہ کہا ہے کہ روپیہ بینک میں جمع کرنے کے بجائے جائداد پر لگانا زیادہ مفید ہے۔ آپ نے تمباکو نوشی اور شراب نوشی سے پرہیز کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ آپ کی رائے ہے کہ نشہ باز ہرگز امیر نہیں ہو سکتا۔ قرضہ لینے کے خلاف آپ بہت زور دیتے ہیں۔ قرض دار پست ہمت، شکستہ دل اور کمینہ بن جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مندرجہ بالا بیانات کو پڑھ کر بہت سے لوگوں میں چند اعتراضات پیدا ہوں گے۔ مثلاً: کیا تمام امیر آدمی ایمان دار ہوتے ہیں؟ کیا سینکڑوں ہزاروں مارواڑی اور بنیے جو کروڑوں کے مالک ہیں، ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہی تولتے ہیں؟ کیا یہ لوگ کبھی دھوکا، دغا، فریب نہیں کرتے؟ کیا امیر آدمی ہمیشہ منہ اندھیرے ہی اٹھتے ہیں اور دوپہر تک مخملی بچھونوں پر لیٹے نہیں رہتے؟ کیا امیر آدمی سگرٹ اور سگار نہیں پیتے؟

یہ اعتراضات کرنے سے پیشتر سمجھ لینا چاہیے کہ امیر دو طرح کے ہیں: ایک تو وہ جو امیروں کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ تو مسٹر کارنیگی کی رائے میں امیر ہیں ہی نہیں اور دوسرے وہ جو غریبی میں سے اٹھے۔ ان میں بھی دو قسم کے آدمی ہیں۔ ایک وہ جو چوری، ڈاکہ، دغا، فریب کے سر پر کھڑے ہوئے اور دوسرے وہ جن کی مثالیں اوپر پیش ہوئیں، جو نہایت غریب سے بے حد امیر ہوگئے، لیکن اپنی ہمت، حوصلہ، دماغ اور عقل کے سر پر۔ ایسے لوگوں کے بیان کردہ اصول خالی از سبق نہیں ہو سکتے۔ قسمت والا معاملہ تو پھر بھی طے نہیں ہوتا۔ اگر ان لوگوں کی قسمت اچھی نہ ہوتی، تو ان کے دماغ ایسے اعلےٰ کیوں ہوتے؟ تاہم بظاہر تو ان لوگوں نے قسمت سے لڑائیاں ہی کیں۔ دوسروں نے دشمنیاں کیں، لیکن یہ ہمیشہ چوکنے رہے اور آخر کامیاب ہوئے۔ پس اگر ان کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، تو ان کے بتائے ہوئے اشارے ضرور فائدہ مند ہو سکتے ہیں۔

(سود مند۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

تقریظات

شعرائے عثمانیہ | مرتبہ: جناب سید معین الدین احمد قریشی ایم اے، و جناب عبدالقیوم خاں صاحب باقی ایم اے، سائز ۲۰×۳۰/۸ حجم ۱۳۱ صفحے۔ کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ: ادارہ ادبیات اردو رفعت منزل، خیریت آباد، حیدر آباد دکن،

ادارہ ادبیات اردو نے مرقع سخن کے عنوان سے ایک کتاب چار جلدوں میں شائع کی ہے شعرائے عثمانیہ اس کی چوتھی جلد ہے۔ اس میں عثمانیہ یونی ورسٹی کے چھبیس فارغ التحصیل شعراء کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔ اس مجموعے میں ۱۵۳ عنوانوں کے ماتحت اچھی اچھی نظمیں اور غزلیں مرتب کی گئی ہیں۔ انتخاب، قریباً سبھی صنفوں پر مشتمل ہے۔ یعنی اس میں حسن و عشق، شعر و شباب، رزم و بزم، حمد و نعت اور تاریخ و سیاست ہر نوع کا کلام موجود ہے۔ بعض عنوانات بالکل نئے ہیں مثلاً: تاروں کا مدرسہ، سلطانہ رضیہ میدان جنگ میں، تاج محل کو دور سے دیکھ کر، ساغر جہاں گیر، داغ قدم، نیا پل اور شام، آسمان کی زبان سے: وغیرہ۔

"شعرائے عثمانیہ" میں زیادہ تر تعداد نوجوان شاعروں کی ہے، اس واسطے قریباً سارے انتخاب میں شباب اور زندگی کی روح مچلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس مجموعے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے جامعہ عثمانیہ، دکن کے نوجوانوں کو کتنے اچھے پیرائے پر تربیت دے رہی ہے اور وہاں کے فارغ التحصیل طلباء کتنے صاف اور سلجھے ہوئے دماغوں کے مالک ہیں۔

ترتیب کے سلیقے کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی نمایاں طور پر قابل لحاظ ہے کہ ایڈیٹروں نے ہر شاعر کی خصوصیات کلام پر الگ الگ نوٹ بھی لکھ دیے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ یہ حسین و جمیل مجموعہ ارباب شعر و ادب سے تحسین و آفرین حاصل کرے گا اور ادارۂ ادبیات اردو کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا۔

"س"

محمد حسین آزاد | از جہاں بانو بیگم نقوی ایم اے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ بہتر۔ حجم ۲۰۰ صفحے۔ قیمت: دو روپے۔ ملنے کا پتہ: ادارۂ ادبیاتِ اُردو، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدر آباد (دکن)

تاریخ کی کتابوں میں ایک بڑی خامی یہ ہوتی ہے کہ اُن کا اندازِ بیان بالعموم خشک اور غیر دلچسپ ہوتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب "محمد حسین آزاد" کے متعلق بھی تبصرہ نگار کا یہی خیال تھا، مگر مطالعہ کرنے سے یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ کتاب میں آزاد مرحوم کی زندگی کے حالات بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ دیے گئے ہیں۔ آزاد کے حالاتِ زندگی، دہلی کالج کی تعلیم، اساتذہ اور احباب، تصانیف، شاعری وغیرہ عنوانوں کے ماتحت بہت عمدگی، صحت اور حسنِ ترتیب کے ساتھ مرحوم کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آزاد کی سیرت نگاری کا فرض سب سے بڑھ کر پنجاب کے ادیبوں پر عاید ہوتا ہے، مگر اس بات پر رشک ہوتا ہے کہ یہ شرف، دکن کی ایک خاتون کو حاصل ہوا۔

تاریخ ادب اُردو | مرتبہ: ادارۂ ادبیات اُردو، کاغذ معمولی، لکھائی، چھپائی بہتر۔ ضخامت ۷۰ صفحے۔ قیمت ۸؍۔ ملنے کا پتہ: ادارۂ ادبیات اُردو، حیدر آباد (دکن)

یہ کتاب ادارۂ ادبیات نے بہت محنت کے ساتھ مرتب کی ہے۔ اس میں اُردو زبان کی مکمل تاریخ، ابتدا سے لے کر آج تک، اختصار اور جامعیت کے ساتھ مرتب کر دی گئی ہے۔" دکن، دہلی، لکھنؤ، اور پنجاب میں اُردو کے آغاز اور مختلف وقتوں میں اس کے نشو و نما اور ترقی کے متعلق کافی مواد پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری دو حصّوں میں عہدِ جدید کی اُن شخصیتوں کے تذکرے ہیں، جنھوں نے اُردو کی توسیع و اشاعت میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مثلاً سر سید احمد خاںؒ، محمد حسین آزادؒ، الطاف حسین حالیؒ، شبلی نعمانیؒ، نذیر احمد، امیر مینائی، داغ، جلال، محسن کاکوروی، رتن ناتھ سرشار، عبد الحلیم شررؒ، راشد الخیری اور علامہ اقبالؒ وغیرہ۔ ان کے بعد ان اداروں کا ذکر کیا گیا ہے، جو اُردو ادب کی ترویج کے لیے منظم طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان میں دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ، دار المصنفین اعظم گڈھ، انجمن ترقی اُردو، ہندوستانی اکیڈیمی، اور ادارۂ ادبیات

اُردو کی سرگرمیوں اور کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُردو کے امتحانات کی تیاری کرنے والے طلباء کے لیے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی، مگر اس کی قیمت ذرا زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مرقع عبرت | از شمس العلماء مولانا سید محب الحق صاحب عظیم آبادی۔ کاغذ، کتابت اور طباعت متوسط۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۳۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ مصنف سے بینک روڈ پٹنہ کے پتہ سے طلب کیجیے۔

اس مختصر سے کتابچے میں مولانا محب الحق صاحب نے مسلمانوں کے سیاسی، اجتماعی اور اخلاقی زوال پر دل نشین اور موثر انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ مسلمانوں کو اُن کی باہمی تفرقہ اندازی، شرک، بزدلی اور اقتصادی بدحالی کی طرف توجہ دلا کر انھیں اخوت، توحید اور اصلاح اخلاق کی اپیل کی ہے۔

مولف کے نزدیک اس وقت مسلمانوں کو چار طرح کی تنظیم کی ضرورت ہے۔ مذہبی تنظیم حاصل کرنے کے لیے وہ قرآن کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ سیاسی تنظیم کے لیے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے کو کہتے ہیں اور عسکری تنظیم کے لیے علامہ مشرقی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اقتصادی تنظیم کی اس وقت مسلمانوں کو سخت ضرورت ہے، مگر افسوس کہ اس وقت سارے ہندوستان میں ایک بھی ادارہ ایسا نہیں، جو تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعے مسلمان نوجوانوں کی مالی مشکلات دور کرنے کا بیڑہ اٹھائے۔ یہ ٹریکٹ اس لائق ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

محامد الخلفاء | مرتبہ جناب حافظ اخلاق احمد صدیقی و جناب سجاد حسین صدیقی اکبرآبادی۔ سائز ۲۲×۱۸/۱۶، لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر حجم ۷۶ صفحے۔ قیمت مجلد ۸؍ ملنے کا پتہ: مکتبہ قصر الادب، آگرہ۔

اس کتاب میں خلفائے راشدین رضہ کے مناقب قرآن مجید اور احادیث سے اخذ کر کے، اختصار کے ساتھ مرتب کیے گئے ہیں۔ زبان صاف، طرز بیان سادہ اور سلیس ہے۔ حضرت سیماب اکبرآبادی، اثر زبیری، جناب ماہر القادری اور منظر صدیقی وغیرہ اصحاب کی نظمیں بھی شامل ہیں۔ کتاب، بہ حیثیت مجموعی اچھی ہے۔ بہتر ہوتا، اگر روایات کو شامل کرنے سے

پہلے اُن کی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلی جاتی۔

سیاست (سہ ماہی رسالہ) ایڈیٹر: جناب ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب بی اے، ڈی لٹ۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ۔ حجم ۱۰۰ صفحات۔ چندہ سالانہ پانچ روپیہ فی پرچہ ۱/۴۔ ملنے کا پتہ: سید عبدالقادر اینڈ سنز، چار مینار، حیدرآباد (دکن)

اُردو زبان میں، سیاسی رسالوں کی کمی ہی نہیں، فقدان ہے۔ زیرِ نظر رسالے کے اجراء سے ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوگئی ہے۔

ہمارے سامنے اس وقت اپریل ۱۹۴۰ء کا پرچہ ہے۔ اس میں اجتماع و سیاست کے متعلق آٹھ بہت اچھے مضمون شامل ہیں۔ پہلے مضمون میں سیاسیات کے موضوع اور اس کے طریق تحقیق پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے مضمون میں، عہد وسطیٰ میں مصر کی معاشی حالت، تیسرے میں سید جمال الدین افغانی کے اخبار عروۃ الوثقیٰ کی تاریخ، چوتھے میں ہندوستان کی آبادی، پانچویں میں وضع قوانین کے ذریعے عمرانی اصلاح، چھٹے میں آئرلینڈ کی سیاسی جدوجہد، ساتویں میں وفاق ہند اور آٹھویں میں دنیا کے موجودہ سیاسی حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس نمبر کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیاست کسی مخصوص وقت یا مخصوص ملک کی سیاسیات ہی کو پیش نظر نہ رکھے گا، بلکہ اس کے سامنے ساری دنیا کے قدیم و جدید سیاسی اور اجتماعی حالات کا کھلا میدان ہے۔

پرچے کی زبان بالعموم سادہ ہے اور بڑا اچھا ہوگا، اگر اسے اور بھی سادہ کردیا جائے۔ جیسے خشک موضوع کو خواص کے زمرے سے نکال کر عام تعلیم یافتہ حلقوں میں مقبول بنانے کے لیے ہمیں دقیق علمی اصطلاحات اور پیچیدہ طرز بیان سے بچ کر صاف اور سلیس زبان اختیار کرنا پڑے گی۔

پرچہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے اور سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والے احباب کو مستقل طور پر اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ (س)

"سہیل" کا خاص نمبر مرتبہ: جناب عارف سُنہاروی و جناب قیصر عثمانی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸، ضخامت ۲۶۴ صفحے۔ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت، ایک روپیہ۔ پتہ: "سہیل" گیا۔

بہار میں اُردو زبان کی حالت کو ابھی بالکل ابتدائی حالت سمجھنا چاہیے؛ یہی وجہ ہے کہ جس طرح پنجاب اور دہلی سے اچھے اچھے پرچے نکلتے ہیں، وہاں سے نہیں نکلتے۔ یہ امر موجب اطمینان ہے کہ "سہیل" کے خاص نمبر نے بہار کے اُردو رسالوں میں اچھا امتیاز قائم کر دیا ہے۔ اس پرچے میں ۱۹ علمی، ادبی اور سیاسی مقالے ہیں، ۱۳ افسانے اور ڈرامے ہیں، ۱۱ نظمیں اور ۲۸ غزلیں ہیں۔ لکھنے والوں میں نواب نصیر حسین خیال، سید وصی احمد بلگرامی، عطاء اللہ پالوی، ایم اسلم، عبد اللطیف تپش وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ شاعروں میں شفق رضوی، نبی احمد بریلوی، فدا علی خنجر، عبد الرؤف عشرت، نوح ناروی، بہزاد لکھنوی، پیارے لال شاکر میرٹھی اور فراق گورکھپوری جیسے کہنہ مشق استادوں کا کلام شامل ہے۔ تصویروں کا انتخاب زیادہ احتیاط کا طالب تھا اور بہتر ہوتا، اگر اشتہارات کو بھی اچھے طریقے سے مرتب کیا جاتا۔ (س)

"آوازِ نسواں" دہلی | مرتبہ: محترمہ منور جہاں بیگم، محترمہ نفیس دلہن بیگم و محترمہ سعیدہ خانم۔ سائز ۲۰×۳۰/۸۔ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت سالانہ قسم اول چار روپے، قسم دوم تین روپے۔ پتہ: آوازِ نسواں، دہلی۔

عورتوں کے رسالے آج کل کثرت سے نکل رہے ہیں، مگر عام طور پر اُن سب میں ایک چیز کی یکسانیت ہے، یعنی، آنکھیں بند کر کے مردانہ رسالوں کی تقلید کر رہے ہیں۔ وہی افسانے، ڈرامے، غزلیں اور بے معنی سا "ادبِ لطیف" جو ہمارے رسالوں میں مروج ہے، ان میں بھی پایا جاتا ہے، حالاں کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ عورتوں کے رسالے اپنے ماحول اور اپنی ضروریات کے مطابق مرتب کیے جائیں، سو خوشی کی بات ہے کہ "آوازِ نسواں" اپنے مضامین کے لحاظ سے عورتوں کی، بالخصوص مسلمان عورتوں کی سچی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔ ہر پرچے کے آغاز میں "بربیں تذکرہ" کے عنوان سے ایک صفحے کا ترجمہ قرآن پاک سے دیا جاتا ہے۔ نسوانیات سے متعلق تمام مضامین میں سنجیدگی اور متانت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ بے ہودہ غزلوں اور لچر افسانوں سے بھی اس کا دامن پاک ہے۔ آخری صفحوں میں معلومات، خوانِ نعمت اور کشیدہ کاری کے مستقل عنوان مقرر ہیں۔ شریف گھرانوں میں اس کا مطالعہ یقیناً مفید ثابت ہوگا۔

(س)

"مُسلم" دہلی (ہفتہ وار) مرتبہ : سید محمود مورخ بی اے، لکھائی چھپائی اور کاغذ معمولی۔ قیمت سالانہ ۔ فی پرچہ ایک آنہ۔

یہ پرچہ گزشتہ سال سے، دہلی سے نکل رہا ہے۔ اس میں سیاسی، اسلامی اور تاریخی ہر طرح کے مضمون چھپتے ہیں۔ "کوائف عالم" کے عنوان کے ماتحت تمام دنیا کے پولیٹکل حالات جمع کیے جاتے ہیں۔ اخبار و معلومات کے صفحے بھی اس میں مخصوص ہیں۔

جب سے "مُسلم" کے نئے ایڈیٹر صاحب آئے ہیں، پرچے کی ترتیب اور پالیسی میں فرق آگیا ہے۔ لکھائی، چھپائی بھی پہلے کی بہ نسبت معمولی ہے۔ مضامین بھی پہلی سطح سے نیچے گر گئے ہیں۔ ضخامت بھی گھٹ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ "مسلم" کی صوری و معنوی حالت کو پھر اوپر اٹھانے کی کوشش کی جائے۔

تصحیح

(۱) مئی کے "البیان" میں صفحہ ۱۹ کی دسویں سطر میں ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا ترجمہ "پھر عرش پر جا ٹھیرا" چھپ گیا ہے۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ اس کے بجائے "پھر عرش پر راست آیا" ہونا چاہیے۔

(۲) جون کے "البیان" میں تیسرے صفحے پر لکھا گیا ہے کہ زندگانی محمدؐ کے دونوں دیباچوں کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اصل میں مکمل ترجمہ صرف دوسرے مقدمے کا ہے۔ پہلے مقدمے میں سے صرف چند سطروں کا ترجمہ دیا گیا ہے۔

(ایڈیٹر)

جب ہم جنین کے نشوی احوال و مراتب پر غور کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی ہر حالت ایسے حیوان کی کم و بیش نمائندہ ہے، جو آج بھی اس روئے زمین پر آباد ہے۔ اس کی آغاز کی حالت ایک سادہ ترین وحید الخلوی حیوان کی شکل و صورت پیش کرتی ہے، جسے ہم امیبا Amoeba کہتے ہیں اور جو جوہڑوں کے کیچڑ میں ملتا ہے۔ اس کی دوسری حالت جب کہ وہ ایک ٹھوس گیند کی مانند ہوتا ہے، ایک ایسے آبی عضویہ Aquatic organism کے مشابہ ہے، جس کو پینڈورائنا Pandorina کہا جاتا ہے۔ اس کا جسم خلیات کے ایک ٹھوس گیند پر مشتمل ہے۔ اس کی تیسری حالت جب کہ وہ ایک مجوف گیند کی مانند ہوتا ہے، ایک ایسے آبی عضویہ سے ملتی جلتی ہے، جس کو والوکس Valvox کہا جاتا ہے۔ اس کی چوتھی حالت جب کہ اس کی ہیئت طولانی ہوتی ہے اور اس کی دیوار خلیات کی دو تہوں سے مرکب ہوتی ہے، ایک اور آبی حیوان سے متماثل ہے، جس کو چند گیرا Hydaa کہا جاتا ہے۔ اس کی پانچویں حالت اپنی بنیادی خصوصیات کی رو سے کیچوے یا جونک سے مشابہ ہوتی ہے۔ یہاں تک تمام کثیر الخلوی اعلیٰ حیوانات کی انفرادی نشوونما Individual Development یکساں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اگر جنین نے مچھلی بننا ہے، تو بہ تدریج مچھلی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر مینڈک بننا ہے، تو مچھلی کی حالت سے گذر کر مینڈک بن جاتا ہے، اگر چھپکلی بننا ہے، تو مینڈک کی حالت سے گذر کر چھپکلی بن جاتا ہے۔ اگر پرندہ بننا ہے، تو مچھلی، مینڈک اور چھپکلی کی حالتوں سے گذر کر پرندہ بن جاتا ہے۔ اگر حیوان لبونہ بننا ہے، تو مچھلی، مینڈک اور چھپکلی کی حالتوں سے گذر کر حیوانِ لبونہ بن جاتا ہے۔ اگر طفلِ انسانی بننا ہے، تو مچھلی، مینڈک، چھپکلی اور بہ تدریج نچلے سے اوپر کے حیواناتِ لبونہ سے گذر کر انسان بن جاتا ہے۔

اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ چھپکلیوں، پرندوں اور رضاعی حیوانات کے جنین کیوں مچھلی کی حالت سے گذرتے ہیں، حالاں کہ ان کا ماحول آبی نہیں ہوتا، انھیں گلپھڑوں (اصداغ) کی مطلقاً ضرورت نہیں ہوتی، انھیں اس دورانِ خون کی بھی احتیاج نہیں ہوتی، جو مچھلیوں کے آبی ماحول کی وجہ سے ضروری ہے؟ اس سوال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ چوں کہ یہ تمام حیوانات مچھلی نما حیوانات سے ماخوذ ہیں، اس لیے اپنی انفرادی نشوونما کے دوران میں اس حالت کا اعادہ

کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ انسان کے بارے میں بھی سوال اٹھا سکتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی جنینی حالت میں آغاز سے لے کر آخر تک ان تمام حیوانات کی درجہ بہ درجہ ہئیتیں پیش کرتا ہے، جن کے متعلق ہم اپنے مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ہی سلسلۂ ارتقاء کی مختلف کڑیاں ہیں؟ اس کا جواب اگر کچھ ہو سکتا ہے، تو وہ یہی ہے کہ چوں کہ انسان ایک ارتقائی عمل کے ماتحت امیبیا سے ماخوذ ہے، اس لیے وہ اپنی انفرادی نشو ونما کے دَوران میں امیبیا سے لے کر ان تمام اعلیٰ حیوانات کی حالتوں تک کا اعادہ کرتا ہے، جن سے وہ ترقی کرکے انسان کے درجہ تک پہنچا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کے مطالعہ سے ایک اہم نظریہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہر ایک حیوان اپنی جنینی و نشوی حالت میں اُن تمام حیوانات کی صور و اشکال کا اعادہ کرتا ہے، جن میں سے وہ گذر کر اپنی موجودہ ارتقائی منزل پر پہنچا ہے، یعنی، حیوانات کی انفرادی نشو ونما، اُن کی نسلی و ارتقائی نشو و تکمیل کا آئینہ ہے۔ اُس کی نسل کے تمام ارتقائی مراتب اُس کے اپنے نشو و بلوغ میں دُہرا دیے جاتے ہیں۔ وہ جو اُس نے لاکھوں اور کروڑوں سالوں کی جدّو جہد سے حاصل کیا ہے، ایک بار چند ہی ہفتوں یا مہینوں کے وقفے میں دُہرا دیا جاتا ہے۔ اس کا جسم، اس کا نشو و بلوغ ان تمام احوال و مراتب کا ریکارڈ ہے، جن سے وہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک دوچار ہؤا ہے۔ حیاتیات میں اس نظریہ کا حسب ذیل مختصر الفاظ میں اظہار کیا جاتا ہے:

Outogeny repeats Phylogeny (انفرادی نشو و بلوغ، نسلی ارتقاء کو دُہراتا ہے)

ان حقائق کی تصدیق ایک اور پہلو سے بھی ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنینی حالتوں میں بعض حیوانات میں ایسے اعضاء ظاہر ہوتے ہیں، جو بالغ Adult حالتوں میں مفقود ہوتے ہیں اور نہ ہی خود جنینی حالت میں ان کی کوئی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً ویل مچھلی کے جسم پر بال نہیں ہوتے، مگر اس کے جنین کا جسم بالوں سے ڈھکا ہؤا ہوتا ہے، جو پیدائش سے پہلے غائب ہو جاتے ہیں۔ تمام پرندوں کے مونہوں میں دانت نہیں ہوتے، مگر جنینی حالت میں دانتوں کے آثار نمایاں ہوتے ہیں، جو انڈے سے بچہ نکلنے سے پہلے مفقود ہو جاتے ہیں۔ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ چوں کہ ویل مچھلی بہ ذریعہ ارتقاء نچلے حیوانات لبونہ سے ماخوذ ہے، اس لیے اس کے جنین کے جسم پر بال نمودار ہوتے ہیں، کیوں کہ اُسے اس حالت سے گذرنا پڑتا ہے۔ یہی حال پرندوں کا ہے۔ چوں کہ تمام پرندے چھپکلی نما حیوانات سے

ماخوذ ہیں، جن کے منہ میں دانت تھے، اس لیے وہ جنینی حالت میں اس مرتبۂ ارتقا، کا اعادہ کرتے ہیں

قرآن اور جنین انسانی کے مراتب تطور | قرآن میں جنین انسانی کے مدارج و مراتب کی طرف کئی ایک جمیع اور معنی خیز اشارات پائے جاتے ہیں، جن میں ارتقاء انسانی پر مجملاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس ضمن میں حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۱۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ

وہ پروردگار جس نے تمہارا وجود مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر علقہ (یعنی، جونک نما شکل کے ایک عضویہ) سے، پھر ایسا ہوتا ہے کہ تم طفولیت کی حالت میں ماں کے شکم سے نکلتے ہو، پھر بڑے ہوتے ہو اور سن تمیز تک پہنچتے ہو، اس کے بعد تمہارا جینا اس لیے ہوتا ہے تاکہ تم بڑھاپے کی منزل تک پہنچو۔

۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا، (یعنی، زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھیر جانے اور جماؤ پانے کی جگہ میں۔ پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا۔ پھر علقہ کو ایک گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا، پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچا پیدا کیا، پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہ چڑھادی، پھر دیکھو، کس طرح اُسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کیا، تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی، پیدا کرنے والوں میں بہتر پیدا کرنے والا!

ان آیات میں، پہلی آیت انسان کی ابتدائی تخلیق پر ہماری توجہ مبذول کراتی ہے، جب کہ پروٹوپلازم یعنی مادۂ حیات کا مٹی کے جوہر سے ظہور ہوا اور ابتدائی حیوان امیبا Amoeba کی تشکیل ہوئی۔ اگر انسان بذریعۂ ارتقاء امیبا ہی سے ماخوذ ہے، تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ اوپر کی آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پس انسان کے جنینی تطورات کا سلسلہ ایک ایسے مادہ سے شروع ہوتا ہے، جو مادی اعتبار سے تو مٹی ہے، مگر جو جوہر اس میں موجود ہے، وہ مٹی میں کہاں؟

اس کے بعد جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے، ایک دوسری حالت کو لیا گیا ہے جس کو نطفہ کی حالت سے موسوم کیا ہے۔ یہ نطفہ اُس وقت بنتا ہے، جب بیضہ سے سپرم کا امتزاج ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان دو خلیوں کی تزویج کو "قرار مکین" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ نطفہ کے بعد ایک تیسری حالت نمودار ہوتی ہے جس کو قرآن نے علقہ کے نام سے پکارا ہے۔ یہ وُہ حالت ہے جب کہ جنین کروی حالتوں سے گذر کر طولانیت پیدا کر لیتا ہے اور جونک کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے دونوں سِر کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، اس حالت کی تعبیر کے لیے قرآن نے علقہ (جونک نما) کا لفظ استعمال کیا ہے، جو بہ درجۂ اتم موزون ہے۔

جونک اور اسی قسم کے دوسرے حیوانات سلسلۂ ارتقاء میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے کہ یہ وہ پہلے حیوانات ہیں جن کے جسم مکمل طور پر خلیات Cells کی تین تہوں Layers سے متشکل ہوتے ہیں اور ایک ایسے سلسلۂ ارتقاء کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں، جو ظہور انسان تک پہنچ جاتا ہے۔ نطفہ اور علقہ کی درمیانی حالتوں کو قرآن حکیم نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے نظر انداز کر دیا ہے، اس لیے کہ یہ حالتیں اوّل تو خود علقہ میں مضمر ہیں، دوسرے یہ اتنی اہم بھی نہیں کہ ان کا خاص طور پر ذکر کیا جائے۔

جنین کی تیسری حالت وہ ہے، جب کہ وہ علقہ کی سرحد سے پار ہو کر ایک ایسی حالت میں قدم رکھتا ہے، جس کو قرآن نے مضغہ سے تعبیر کیا ہے۔ اس حالت میں جنین کے اندر اُس دَوران خون کے نظام کی ابتدا ہوتی ہے جو حیوانات فقاریہ Vertebrata میں پایا جاتا ہے۔ عضلات کی تعمیر کی ابتدا ہو جاتی ہے اور اعضاء کی تشکیل کے خفیف نشانات پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس حالت میں جنین کی شکل گوشت کی بوٹی کی طرح ہوتی ہے، جو کثرتِ خون کے باعث سُرخ ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ جنین کی نشو و نما کا یہ وُہ مرتبہ ہے، جہاں اس کے اعضاء و جوارح کی بنیادیں پڑتی ہیں۔

متذکرہ صدر بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جنین انسانی مختلف حالتوں سے یکے بعد دیگرے گذرتا ہے، پھر کہیں جا کر ایک آخری اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ نوع میں پہنچتا ہے، جسے نوع انسانی Human Species کہا جاتا ہے۔ اس آخری مرتبۂ تطور کو قرآن نے "خلقًا اٰخر" سے موسوم

کیا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ جس طرح قرآن نے آخری مرتبہ جنین کو "خلقاً آخر" سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح اس کے ہر مرتبۂ تطور کے لیے "خلق" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر جنین کا آخری مرتبہ نوعِ انسانی ہے، تو اس کے دوسرے مراتب بھی حیوانات کی دیگر انواع ہیں۔ وہ بھی اپنی اپنی جگہ مستقل مخلوق ہیں جن کا اعادہ جنینِ انسانی کے نشوو بلوغ میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حسبِ ذیل آیت ملاحظہ ہو:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ،	وہ تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں[۵] میں ایک مخلوق سے دوسری مخلوق میں پیدا کرتا جاتا ہے۔

اس آیت میں "خلقاً بعد خلق" معنی خیز الفاظ ہیں جن کا حقیقی مفہوم ایک ماہرِ جنینیات Embryologist ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ غور فرمائیے کہ اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے "ایک حالت سے دوسری حالت میں یا ایک صورت سے دوسری صورت میں" بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ایک مخلوق سے دوسری مخلوق میں۔ علماء جنینیات مدت مدید کی کاوشوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ سکے کہ جنینِ انسانی (Developmental Stages) کے جملہ نشوی مراتب سلسلۂ مخلوقات کی مختلف کڑیاں ہیں، جو قانونِ ارتقاء کے تحت یکے بعد دیگرے ظہور پزیر ہو کر آخر کار مرتبۂ انسانی پر منتج ہوئیں، یعنی، انفرادی نشوونما Individual Development کی ہر منزل ایک نہ ایک ایسے حیوان کی نمائندہ ہے، جو روئے زمین پر آزادانہ زندگی سے سرفراز ہے بتذکرہ صدر آیت میں "خلقاً بعد خلق" سے اسی حقیقت کی توضیح مقصود ہے۔

آیتِ ذیل میں جنینِ انسانی کے مختلف مراتب میں سے گذرنے کی طرف اجمالی اشارہ کیا گیا ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۝ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝	ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے پیدا کیا، جسے ہم ایک کے بعد ایک مختلف حالتوں میں پلٹتے ہیں، پھر اُسے ایسا بنا دیا کہ سُننے والا اور دیکھنے والا وجود ہو گیا۔

اس آیت میں "نبتلیہ" کا مفہوم "خلقاً بعد خلق" کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے۔

علم آثار متحجرہ اور قرآن علم طبقات الارض Geology کی رو سے زمین دو قسم کی

---

۵ غالباً تین تاریکیوں سے مراد رحم مادر ہے اور دو جھلیاں ہیں جن کو علمی اصطلاح میں Allautoic Amnion کہا جاتا ہے۔

چٹانوں سے بنی ہوئی ہے۔ ایک قسم کی چٹانیں وُہ ہیں جنھیں احجارِ منقلبہ Transformed Rocks کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کی چٹانیں وُہ ہیں جنھیں احجارِ رسوبیہ Sedimentary Rocks کہا جاتا ہے۔ ابتدا میں زمین محض پگھلا ہُوا لاوا تھی۔ جُوں جُوں اس کا درجۂ حرارت کم ہوتا چلا گیا، اوپر سے نیچے کی طرف بہ تدریج ٹھوس شکل اختیار کرتی چلی گئی۔ زمین کے ان حصّوں کو جو اس طرح پگھلے ہوئے لاوا کے منجمد ہونے سے متشکل ہوئے احجارِ منقلبہ کہا جاتا ہے۔ ایک طرف تو یہ آتشیں چٹانیں بننا شروع ہوئیں دوسری طرف بخاراتِ آبی حرارتِ زمین کی کمی کی وجہ سے منجمد ہوکر سمندروں اور دریاؤں کی تشکیل کا باعث ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ یہ چٹانیں سطحِ سمندر سے اُبھر آئیں اور اُن کے نشیبوں میں دریا بہنا شروع ہو گئے لاتعداد زمانوں سے ان احجارِ منقلبہ کے ذرات گرمی، سردی، بارش اور طوفانوں کے زیرِ اثر دریاؤں، نالوں اور ندیوں کے ذریعہ سے سمندروں کی تہوں میں پہنچتے چلے گئے اور تہ بہ تہ بیٹھتے چلے گئے۔ اوپر کے دباؤ اور زمین کی اندرونی حرارت کے باعث یہ مطبق Stratified تہیں سخت ہوگئیں اور اس طرح ان احجار کی تشکیل کا باعث ہوئیں، جنھیں احجارِ رسوبیہ کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں بعض مقامی انقلابات کے باعث اُبھر آئیں اور سطحِ زمین پر نمودار ہو گئیں۔

ان آبی یا ترسیبی چٹانوں کی تہوں میں حیوانات و نباتات کے جسم مختلف احوال و حوادث کی وجہ سے مدفون ہوتے چلے گئے اور حرارتِ زمین اور اداتی اجزا کی ملاوٹ سے بالکل پتھر یا لوہا بن گئے۔ ظاہر ہے کہ رکازات Fossils احجارِ منقلبہ میں دست یاب نہیں ہو سکتے۔ سو یہ چٹانیں ان سے یکسر تہی ہیں۔ رکازات کے حصول کی خاطر صرف احجارِ رسوبیہ کی تنقیبات Excavations کی گئی ہیں۔

یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ احجارِ رسوبیہ کا سب سے نچلا طبقہ قدیم ترین طبقہ ہے اور جیسے جیسے ہم نیچے سے اوپر کی طرف آتے ہیں ان طبقوں کی قدامت کم ہوتی جاتی ہے حتّٰی کہ ہمارے سامنے عہدِ حاضر کا طبقہ آجاتا ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان طبقات میں حیوانات و

---

[۱] اب بھی زمین لاکھوں میل نیچے پگھلے ہوئے لاوا سے کچھ زیادہ نہیں۔ چنانچہ زمین کا اوپر کا حصّہ جو ٹھوس بن چکا ہے قشر الارض Crust of the earth کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نباتات کے جسموں کے آثار و بقایا پائے جاتے ہیں، جو زمین کی اندرونی گرمی اور کیمیاوی اثرات کے باعث یا تو پتھر بن گئے ہیں یا لوہا وغیرہ۔ ان میں انسان اور انسان نما حیوانات کے آثارِ باقیہ بھی شامل ہیں، جو بالکل پتھر یا لوہے میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ قرآن حکیم نے اسی تبدیلِ ہیئت کی طرف حسب ذیل اشارہ کیا ہے:

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ	کہ دو کہ تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی نہ ہو جاؤ۔ پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور چیز، جو تمھارے خیال میں بہت ہی سخت ہو۔

ان طبقاتِ زمین میں ہم حیوانات و نباتات کا براہِ راست ایک مسلسل اور تدریجی ارتقاء دیکھتے ہیں۔ سب سے نچلے طبقہ میں ہمیں ایسے حیوانات کے آثارِ متحجرہ ملتے ہیں، جو قطعاً غیر مرتقی ہیں۔ ان کی عضویت نہایت سادہ ہے اور ریڑھ کی ہڈی کے بغیر ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقہ میں ان ابتدائی حیوانات کے علاوہ ایسے حیوانات کے آثار باقیہ ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، جو قدرے ترقی یافتہ ہیں۔ اسی طرح یہ ارتقاء کا سلسلہ برابر نیچے سے اوپر کی طرف چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ ہم اس طبقہ میں پہنچ جاتے ہیں جہاں ہمیں نچلے طبقوں کے غیر مرتقی حیوانات کے علاوہ مچھلیوں کے آثارِ متحجرہ ملتے ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقہ میں دیکھتے ہیں کہ مچھلیوں کے علاوہ انواع و اقسام کے مینڈک بھی نمودار ہو گئے ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقے میں پہنچتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ مچھلیوں اور مینڈکوں کے علاوہ چھپکلیاں Replites وغیرہ بھی وجود میں آ گئی ہیں۔ اس سے اوپر کے طبقہ میں دیکھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام حیوانات کے علاوہ پرندے بھی نمودار ہو گئے ہیں جب اس سے اوپر کے طبقہ میں آتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ مچھلیوں، مینڈکوں، چھپکلیوں اور پرندوں کے علاوہ ایسے حیوانات پیدا ہو گئے ہیں، جو بجائے انڈے دینے کے بچے جنتے ہیں اور دودھ پلاتے ہیں، پھر بہ تدریج طبقہ بہ طبقہ حیوانات لبونہ میں ارتقاء ہوتا ہے اور انسان کے ظہور تک پہنچ جاتا ہے جس کے آثار و بقایا طبقۂ جدیدہ میں ملتے ہیں۔ نوع انسانی کے اس تطور و تحول کی طرف بلیغ الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے:

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۔ (۸۴)	تم درجہ بہ درجہ (رتبۂ اعلیٰ) پر چڑھو گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ظہورِ حیات کے اس پورے عہد میں کتنا وقفہ گذر جاتا ہے کہ انسان کا نام و نشان نہیں ملتا یعنی ارتقاءِ حیات کے ریکارڈ پر ایک مدت تک اس کا کوئی تذکرہ نہیں آتا۔

حسبِ ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے:

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۝	بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھی۔

ایک اور آیت میں اسی حقیقت کا اعادہ کیا گیا ہے:

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝	کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ چیز بھی نہ تھا۔

یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ اس سلسلۂ ارتقاء کی درمیانی کڑیاں بھی دست یاب ہو چکی ہیں اور آئے دن دست یاب ہو رہی ہیں مثلاً مچھلیوں اور چھپکلیوں اور پرندوں یا چھپکلیوں اور حیوانات لبونہ کے درمیان جو جسمانی یا عضوی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں اور جو حیوانات ان تبدیلیوں کے نمائندہ ہیں، وہ بھی ضائع نہیں ہوئے، بلکہ پوری حفاظت کے ساتھ رکازات کی صورت میں محفوظ ہیں۔ گویا یہ زمین جس پر ہم آباد ہیں، ایک ایسی کتاب ہے، جس میں ہماری تخلیق و تکوین کی پوری سرگزشت محفوظ ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کی طرف حسبِ ذیل آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ	تم اللہ کی کتاب میں مکرر جی اُٹھنے کے دن تک ٹھہرے رہے۔

ایک اور آیت میں اس حقیقت کی طرف بدیہی اشارہ ہے:

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ	اور زمین کے تمام جانور اور بازوؤں سے اُڑنے والے تمام پرندے ایسی جماعتیں ہیں، جو تم (انسان) سے متماثل ہیں۔ ہم نے اس کتاب میں کوئی فروگزاشت نہیں کی۔

غور فرمائیے کہ جس موقع پر حیوانات اور ان کی بنیادی مماثلتوں (جن پر نظریۂ نشو و ارتقاء کا دارومدار ہے) کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، عین اُسی موقع پر اُس کتاب محفوظ (یعنی کتاب الارض) کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، جو آج حیاتیین Biologist کے نزدیک قانونِ ارتقاء کا بلاواسطہ اور بدیہی ثبوت Evidence ہے۔

طبقاتِ زمین اور آثارِ متحجرہ | یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابِ زمین کے اوراق کا ذرا تفصیل کے ساتھ مطالعہ کیا جائے اور ان چیدہ چیدہ آثارِ باقیہ کا جائزہ لیا جائے جو ان اوراق بہ الفاظ کے مرادف ہیں۔ زمین کی گہرائیوں (جو طبقاتِ رسوبیہ سے بنی ہیں) کی تقسیم چار بڑے بڑے عہدوں میں کی گئی ہے جن میں ہر ایک عہد کی مدت لاکھوں سالوں تک پہنچتی ہے۔ یہ عہد، قدیمۃ الاولیٰ، قدیمۃ الاخریٰ، قدیمۃ الوسطےٰ اور جدیدۃ الاخریٰ ہیں۔ ان عہدوں کو پھر مختلف زمانوں Ears میں تقسیم کیا گیا ہے، جو بہ ذاتِ خود سینکڑوں اور ہزاروں سالوں پر مشتمل ہیں۔

قدیمۃ الاولیٰ کے نچلے طبقوں میں ایسے خفیف نشانات ملتے ہیں، جن سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان میں وحید الخلوی Unicellular حیوانات و نباتات موجود تھے۔ اس کے اوپر کے طبقوں میں کہیں کہیں ایسی لکیریں، سوراخ اور خول پائے گئے ہیں، جن کے مطالعہ سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہاں حلقیات یعنی حلقہ دار حیوانات Annelids اسفنج، مونگے اور دیگر ابتدائی غیر ذی فقری حیوانات Primitive Invertabrates آباد تھے۔ ان رکازات میں ابتدائی بحری نباتات کے آثار بھی دست یاب ہوئے ہیں۔ بہر حال قدیمۃ الاولیٰ کے طبقوں میں جن کی گہرائی میلوں تک پہنچتی ہے، ذی حیات مخلوق کے آثارِ باقیہ بہت کم پائے گئے ہیں۔ تاہم اس کے بالائی طبقوں کی مخلوق نچلے طبقوں کی مخلوق سے بہ اعتبارِ ارتقاء زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

قدیمۃ الاخریٰ کے طبقات ہیں جن کو چھ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، حیوانات و نباتات کے رکازات کثرت سے ملتے ہیں۔

پہلے حصہ میں ناپید انواع Extinct Species کے سرطانی قشریات Trilobites کثیر تعداد میں پائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اس حصہ میں اسفنج، گھونگے، مفصلی حیوانات Arthropods

---

ان چار عہدوں کے نام انگریزی اصطلاح میں حسب ذیل ہیں:

(۱) قدیمۃ الاولیٰ Pre-cambrian

(۲) قدیمۃ الاخریٰ Palaeozoic

(۳) قدیمۃ الوسطیٰ Mesozoic

(۴) جدیدۃ الاخریٰ Cenozoic

اور بحری حلزوں Ceplialopods. کی کم وبیش ترقی یافتہ انواع بھی ملتی ہیں۔ ان کی تعداد رکازات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ میں غیر ذی فقری حیوانات کا ارتقائی سلسلہ برابر جاری ہے، جو بالائی طبقات کے آثار و بقایا سے گہری وابستگی رکھتا ہے۔ اس حصہ کو غیر ذی فقری حیوانات کے عہد The age of Ivertebrata سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

دوسرے حصہ میں مفقود النوع مرجان، حیوانات زوفیتہ Hydraids اسفنج، قنوکیتہ، اقشر یا سرطانی قشریات Trilobites مفصلی حیوانات کی کسی قدر ترقی یافتہ انواع، لوبی حلزون Nautilids اور ابتدائی[1] انواع کے حشرات Primitive Insets بہ کثرت پائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ نجم نما آبی حیتیان Starfishes کے رکازات بھی دست یاب ہوئے ہیں۔ اس حصہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہاں بحری حلزوں کی غالب اکثریت ہے۔ یہ حصہ بھی اپنے نچلے حصہ کی طرح غیر ذی فقری حیوانات کے آثار متحجرہ سے معمور ہے اور نباتات کا ارتقا ابھی تک آبی ماحول تک محدود ہے۔

تیسرے حصہ میں قشریات کی تعداد کم ہوگئی ہے، مگر بحری حلزون اور نجم نما آبی حیتیان ابھی تک بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ سرطانی قشریات ہزار ہا بن گئے ہیں اور حشرات Insets کی ابتدائی انواع بھی ظہور پذیر ہوگئی ہیں۔ غیر ترقی یافتہ حیوانات فقاریہ Primitive Vertebrates کے خفیف آثار جو مچھلیوں سے مشابہ ہیں، کہیں کہیں پائے گئے ہیں اور ایسی نباتات بھی معرض ظہور میں آرہی ہیں، جو ارضی نباتات کے ظہور کا پیش خیمہ ہیں۔

چوتھے حصہ میں ابتدائی ارضی حیوانات کے آثار باقیہ ملتے ہیں اور ایسی مچھلیاں پائی جاتی ہیں، جو آج کل کی ایک پھیپھڑا اور ایک گلپھڑا رکھنے والی مچھلی Mudfish کی طرح پانی اور خشکی، دونوں قسم کے ماحول میں زندگی بسر کرسکتی ہے۔ یہ مچھلیاں، امفبیات Amphibia یعنی مینڈکوں کی پیش رَو ہیں، جن کا غیر مشکوک ظہور بالائی طبقہ، یعنی، پانچویں حصہ میں ہوتا ہے۔ قدمیۃ الاخری کے اس حصہ کی چٹانوں میں ایک جگہ ایک مینڈک نما حیوان کے پاؤں کے نشانات

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ سرطانی قشریات مدارج ارتقا طے کرتے ہوئے ابتدائی انواع کے حشرات میں منتقل ہوگئے۔ ان مدارج کا مشاہدہ قدمیۃ الاخری کے دوسرے اور تیسرے حصہ کے رکازات سے کیا جاتا ہے۔

بھی ملے ہیں۔

یہ حصہ اس لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے کہ یہاں ہم مچھلیوں کا تدریجی ارتقاء Gradual Evolution دیکھتے ہیں۔ پہلے ایسی مچھلیاں ملتی ہیں، جو صرف پانی ہی میں رہ سکتی ہیں اور گلپھڑوں (اصداغ) کے ذریعے سانس لیتی ہیں۔ اس کے بعد ایسی مچھلیاں ہمارے سامنے آتی ہیں جو پانی میں بھی رہ سکتی ہیں اور خشکی پر بھی۔ ان کے جسموں میں ایک طرف ایک گلپھڑا Gill ہے اور دوسری طرف ایک پھیپھڑا Lung

اس کے بعد ان مچھلیوں میں ارتقاء برابر جاری رہتا ہے اور دوسری طرف کا گلپھڑا پھیپھڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ الغرض، قدیمۃ الاخریٰ کا چوتھا حصہ ناپید انواع و اقسام کی مچھلیوں کے آثار متحجرہ سے معمور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم رکازات میں اس عہد کو عہد اسماک کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس حصہ میں آبی عقرب کی ایک ناپید نوع بھی دست یاب ہوئی ہے، جو آج کل کے عقرب کے ارتقاء پر روشنی ڈالتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کا آبی ماحول، جھیلوں اور دریاؤں کے خشک ہو جانے کی وجہ سے بہ تدریج ارضی ماحول میں تبدیل ہو رہا ہے، جس کے باعث آبی حیوانات ارتقاء کر کے ارضی حیوانات میں منتقل ہو رہے ہیں۔ اس حصے میں ہمیں پہلی بار ارضی نباتات کے آثار ملتے ہیں۔

پانچویں حصہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مرطوب آب و ہوا تھی اور دلدلوں کے میدان میلوں تک پھیلے ہوئے تھے جن میں تن آور اور سر بہ فلک درخت لہلاتے تھے۔ مقامی حوادث و انقلابات کے باعث درختوں اور پودوں کے لاتعداد جنگل دلدلوں میں مدفون ہو گئے اور زمین کی اندرونی گرمی اور کیمیاوی اثرات کی وجہ سے معدنی کوئلہ میں تبدیل ہو گئے۔ اس حصہ کے بالائی طبقوں میں ایسی مچھلیاں ملتی ہیں، جو اپنی عضویت کے اعتبار سے موجودہ مچھلیوں سے بہت مماثلت رکھتی ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ دلدلی میدانوں اور جنگلوں نے ارضی حیوانات کے تخلیقی ارتقاء میں نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ عنکبوت، عقرب، ہزار پا، حشرات، شجری حلزوں، ضفادع (مینڈک) اور پردار مچھلیوں کے آثار متحجرہ اس حصہ میں بہ کثرت دست یاب ہوئے ہیں۔ قدیمۃ الاخریٰ کے اس طبقہ میں پہلی بار ہمیں غیر مرتقی چھپکلیوں Primitive Reptiles کے رکازات ملتے

ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مینڈک ماحول کی تبدیلیوں کے باعث کچھ اس طرح اپنی عضویت Organism میں بدلتے چلے گئے کہ بالآخر ابتدائی انواع کی چھپکلیوں میں تبدیل ہوگئے جن کے جسم ابھی مینڈک کے جسم سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھے۔ ان میں سے ایک ابتدائی نوع کی چھپکلی آج بھی نیوزی لینڈ میں زندہ پائی جاتی ہے۔

قدیمۃ الاخریٰ کے طبقات کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم ذی حیات مخلوق بالخصوص نباتات اور غیر ذی فقری حیوانات کا معتد بہ حصہ معدوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جہاں تک غیر ذی فقری حیوانات کا تعلق ہے۔ عمل ارتقاء بہت سست رفتار رہا اور اُن کی عضویت میں نمایاں تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں۔ مگر ذی فقری حیوانات خصوصاً ہوام الارض، طیور اور ذوات الثدی میں ارتقائی عمل اتنی تیزی کے ساتھ جاری رہا کہ ان کی نوعی ساختیں مکمل طور پر بدلتی چلی گئیں۔ ان ارتقائی مدارج کا مشاہدہ بالائی طبقوں میں بہ خوبی کیا جا سکتا ہے۔

قدیمۃ الوسطیٰ کو تین بڑے بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: نچلے دو حصوں میں عظیم الجثہ چھپکلیوں (زواحف و تمساح) کے لاتعداد آثار متحجرہ پائے گئے ہیں۔ چنانچہ قدیمۃ الوسطیٰ کو من حیث المجموع چھپکلیوں یا ہوام وزواحف کے عہد سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلے حصہ میں قدیم قشری سرطان ارتقاء کر کے موجودہ کیکڑوں سے مشابہ ہو گئے ہیں۔ اسی طرح قدیم عقرب بھی آج کل کے عقرب کی عضویت میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ مچھلیوں میں تدریجی ارتقاء رونما ہو رہا ہے اور زیادہ صلاحیت یافتہ انواع معرض ظہور میں آ رہی ہیں۔ اس حصہ کا ہر گوشہ ہوام وحرازین کے رکازات سے معمور ہے، جن کی منقاریں موجودہ چھپکلیوں کے دندان دار مونہوں میں بہ تدریج بدل رہی ہیں۔ ان کے علاوہ ابتدائی ذوات الثدی Primitive Mammals کے خفیف آثار بھی دست یاب ہوئے ہیں۔

دوسرے حصہ میں ارضی، ہوائی اور بحری حرازین Dinosaurs کے گز دو لمبے ڈھانچے ملے ہیں، جن کو دیکھ کر عقل انسانی مبہوت ہو کر رہ جاتی ہے۔ ان کی دُمیں، جسم اور گردنیں کئی کئی گز لمبی ہیں۔ ان کی اگلی ٹانگیں، پچھلی ٹانگوں کے مقابلے میں بہت چھوٹی ہیں؛ جن کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ گز دو لمبی اور عظیم الجثہ چھپکلیاں سطح زمین پر کودتی پھرتی ہیں۔

اِن چھپکلیوں کی جسامت اتنی بڑی ہے کہ موجودہ زمانہ کا سب سے زیادہ جسیم حیوان یعنی ہاتھی بھی ان کے سامنے ایک چڑیا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ان کی محدب کمروں اور مخروطی دموں پر مُرغ کی کلغی کی طرح دو دو گز اونچے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کانٹے تھے۔ ان کی عظیم الشان عضویت سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حیوانات انتہائی درجہ ہول ناک تھے اور اکثر دریاؤں اور سمندروں کے ساحلوں پر شکار کی گھات میں پڑے رہتے تھے۔ اسی حصہ میں پہلی بار ہمیں ایسی چھپکلیاں بھی دست یاب ہوئی ہیں، جو پرندوں اور چھپکلیوں کے مابین ایک درمیانی کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں یعنی ان میں پرندوں کی خصوصیات بھی ہیں اور چھپکلیوں کی بھی۔ یہ پرندہ نما چھپکلیاں Bird-life Reptiles بالائی طبقوں کے پرندوں کے ظہور کا پیش خیمہ ہیں۔

جُوں ہی قدیمۃ الوسطیٰ کے ان دو حصوں کے طبقات ختم ہوتے ہیں ارتقائی سلسلہ اس حد تک پُہنچ جاتا ہے کہ مینڈکوں سے مینڈک نما چھپکلیاں معرضِ وجود میں آجاتی ہیں۔ پھر چھپکلیوں کے بعض گروہوں میں فرعی و نوعی ارتقاء ہوتا ہے اور ان کی جسامت بڑھنا شروع ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ گزوں لمبی اور ضخیم و شحیم چھپکلیاں پُھدکتی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ سلسلۂ ارتقاء جاری رہتا ہے۔ دوسری طرف ان ابتدائی چھپکلیوں کا ارتقاء دو سمتوں پر پڑجاتا ہے۔ ایک سمت تو پرندہ نما چھپکلیوں کے ظہور تک پہنچ جاتی ہے اور دوسری چھپکلی نما ذوات الثدی پر، جو چھپکلیوں اور ذوات الثدی کے مابین ایک درمیانی کڑی Connecting Link کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قدیمۃ الوسطیٰ کا تیسرا حصہ ایسے رکازات سے معمور ہے جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھپکلیوں کے اندر نوعی اور جنسی ارتقاء بر روئے کار ہے۔ پرندہ نما چھپکلیاں بہ تدریج پرندوں میں تبدیل ہو رہی ہیں۔ اور چھپکلی نما حیوانات لبونہ کے اندر ایسی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں، جو انھیں ذوات الثدی کے مرتبہ تک پہنچانے میں کوشاں ہیں۔ عظیم الجثہ ہوام دزواحف کے رکازات بہت کم ہو گئے ہیں، جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ عظیم الشان چھپکلیاں اپنی ناقابلِ برداشت جسامت کے باعث تنازع للبقاء میں کامیاب نہ ہو سکیں، اس لیے معدوم ہونا شروع ہو گئیں۔ ان میں سے صرف وُہ چھپکلیاں زندہ بچ رہیں، جن کی جسامت موزون و متناسب تھی۔ انھی چھپکلیوں سے امتدادِ زمانہ کے ساتھ پرندوں اور ذوات الثدی کا ارتقاء ہُوا۔

اس آخری حصہ میں بالخصوص ایک ایسے حیوان Archaeopteryx کے نشانات دست یاب ہوئے ہیں، جو غیر مشکوک طور پر چھپکلی اور موجودہ پرندوں کی خصوصیات رکھتا ہے۔ علمِ رکازات میں اسے نمایاں اہمیت حاصل ہے، اس لیے کہ یہ حیوان ہمیں بدیہی ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ کس طرح چھپکلی سے پرندے کا ارتقاء ہوا۔ یہ حصہ اس لحاظ سے بھی زیادہ اہم ہے کہ اس کی پہنائیوں میں ایسے حیوانات کے آثارِ باقیہ پائے گئے ہیں، جو حزونی Reptilian اور رضاعی حیوانات کے سلسلۂ انواع کی درمیانی کڑیاں ہیں، یعنی انڈے دینے والے رضاعی حیوانات Oviparous Mammals کے رکازات جن کی یادگار تھیلی رکھنے والے حیوانات Marsupials آج بھی آسٹریلیا میں زندہ موجود ہیں۔ یہاں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔

جدیدۃ الاخری کو ذوات الثدی کے عہد سے موسوم کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اس میں نہایت تیزی کے ساتھ حیواناتِ لبونہ کا ارتقاء ہوا۔ اس عظیم الشان اور دل چسپ عہد کے مختلف طبقوں میں نباتات کی نوعیت عہدِ حاضر کی نباتات سے بہت قریب ہوتی ہے، مگر رطوبت پسند نباتات Moisture-loving Flora کے آثار بہت کم دست یاب ہوئے ہیں۔ میلوں تک پھیلی ہوئی چراگاہوں نے جن کے غیر مشکوک آثار یہاں دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے حیواناتِ لبونہ کے ارتقاء میں نمایاں حصہ لیا، جو گھاس خور تھے۔ یہ چراگاہیں حشرات اور پرندوں کی عاداتِ زندگی میں گوناگوں تبدیلیوں کا بھی موجب ہوئیں۔

جدیدۃ الاخری کو پانچ بڑے بڑے حصوں یا طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ طبقے حسبِ ذیل ہیں:

۱. الجدیدۃ القصوی Eocene

۲. الجدیدۃ الادنی Oligocene

۳. الجدیدۃ الوسطی Moiscene

۴. الجدیدۃ القریبہ Pliocene

۵. الجدیدۃ الحاضرہ Pliestocene

الجدیدۃ القصوی کے مختلف گوشوں میں غیر ذی فقری حیوانات کے آثار پائے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم غیر ذی فقری حیوانات سے ارتقاء کرکے اب بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو گئے ہیں اور عہدِ حاضر کے غیر ذی فقری حیوانات سے قریبی مماثلت رکھتے ہیں۔ ان میں سے انواع و اجناس کے

حلزون، حشرات، قواقع Shells شقائق بحری، خار پشت بحری، ملیف البحر، مفصلی حیوانات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس طبقہ میں قدیمۃ الوسطیٰ کے عظیم الجثہ ہوام و زواحف کے رکازات قریباً قریباً مفقود ہو گئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نئے ارضی حیوانات کی تخلیق و تشکیل میں مصروف ہے۔ وہ ذوات الثدی، جو نچلے طبقوں میں ہوام الارض سے بذریعہ ارتقاء ظہور پذیر ہوئے اور نفسی و دماغی خصوصیات کے اعتبار سے غیر مرتقی تھے، اب ایسے حیوانات لبونہ کے لیے جگہ چھوڑ رہے ہیں، جو تنازع للبقاء میں نسبتاً زیادہ ہوشیاری کے ساتھ اپنے فرائض حیات سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔ ان قدیم رضاعی حیوانات Archaic Mammals کا زمانۂ حیات نہایت مختصر تھا۔ چنانچہ اس طبقہ کے اختتام پر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی جگہ ایسے رضاعی حیوانات نے مکمل طور پر لے لی ہے، جن کی دماغی حالت ایک طول طویل سلسلۂ ارتقاء کی صلاحیت رکھتی ہے۔

الجدیدۃ الادنیٰ، الجدیدۃ الوسطیٰ اور الجدیدۃ القریبہ کے طبقات میں انواع و اقسام کے لاتعداد آثار باقیہ نہایت حفاظت کے ساتھ بکثرت ملتے ہیں، مگر قدیم انواع کی حرازین (چھپکلیاں) قطعاً معدوم ہو گئی ہیں۔ کہیں کہیں ویل مچھلی اور آبی گائے (دب البحر) یعنی دریائی حیوانات لبونہ کے رکازات دست یاب ہوئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض جگہوں پر آبی ماحول کی وجہ سے ارضی حیوانات لبونہ، آبی حیوانات لبونہ Aquatic Mammals میں بہ تدریج منتقل ہو رہے ہیں۔ مختلف مقامات پر ایسی مچھلیوں کے آثار بھی پائے گئے ہیں، جو اپنی عضویت کے لحاظ سے موجودہ مچھلی کے قریب ہو گئی ہیں۔ گوناگوں انواع کے حشرات الارض، عقرب، ہزار پا، مینڈک (ضفادع) کے رکازات ان طبقوں میں بکثرت ملتے ہیں۔ اڑنے والے پرندوں کے علاوہ ایسے پرندوں کے آثار بھی پائے گئے ہیں، جو بہ تقاضائے ماحول پرواز کی استعداد سے محروم ہو کر صرف دوڑنے والے یعنی میدانی پرندے بن کر رہ گئے ہیں۔ موجودہ زمانہ کا شتر مرغ اور کوی Kiwi انہی میدانی پرندوں Ratital کی زندہ یادگار ہیں۔

الجدیدۃ الادنیٰ کے آثار متحجرہ سے چراگاہی حیوانات لبونہ Grazing Mammals کا تدریجی ارتقاء نظر آتا ہے۔ جدیدۃ الوسطیٰ میں رضاعی حیوانات کی انواع اور اُن کی تعداد حد شمار سے باہر ہے اور جدیدۃ القریبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین کے جغرافیہ کی از سر نو تشکیل ہو رہی ہے۔ قدیم

برِ اعظم حیرت انگیز انقلابات سے دوچار ہیں، یعنی، مختلف قطعاتِ زمین کے مابین نئے ارضی روابط Land bridges تعمیر ہو رہے ہیں اور پرانے بٹ رہے ہیں بعض قطعے سمندر کی تہ میں غرق ہو رہے ہیں اور ان کی بجائے جدید قطعے اُبھرتے چلے آرہے ہیں۔ گویا جہاں پہلے زمین تھی اور حیوانات و نباتات کی گنجان آبادیاں تھیں، وہاں اب سمندر بڑھتا چلا آرہا ہے اور جہاں پہلے سمندر تھا، وہاں اب قطعاتِ زمین نمودار ہو رہے ہیں۔ ان عظیم الشان انقلابات کے علاوہ برفانی عہد Glacial Age کے ظہور کے بھی ابتدائی آثار پیدا ہو رہے ہیں، جس کی تکمیل بالائی طبقے میں جاکر ہوتی ہے۔ بہرحال، جدیدۃ القریبہ کا زمانہ ذی حیات مخلوق کے لیے انتہائی تشویش و تردّد کا زمانہ تھا۔ کش مکش حیات نے جو پوری شدت کے ساتھ کارفرما تھی، مجبور کر دیا کہ وہ حیوانات جو زیادہ جسمانی و دماغی صلاحیتوں سے سرفراز ہیں، طول طویل ہجرتوں Migrations میں مصروف ہو جائیں اور نئے قطعاتِ زمین یا دوسرے براعظموں کو آباد کریں۔ یہ کش مکش اپنے ارتقائی اثرات پیدا کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ اس عہد میں تمام ذی حیات مخلوق کا ارتقاء پورے زور شور کے ساتھ بروئے کار رہا۔ جدیدۃ القریبہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں ایسے حیوانات کے آثار و نشانات ملے ہیں، جو ظہورِ انسان کے پیش خیمہ ہیں۔ جدیدۃ الحاضرہ کے طبقات لاتعداد حیوانات لبونہ کے ارکازات سے معمور ہیں، جن میں ویل مچھلی، آبی گاؤ، سم دار مویشی، کترنے والے چوہے، گوشت خور درندے، کرم خور خار پشت Spiny Ant-eaters چمگادڑ، دہشت ناک مرامیس (گینڈے) اور بندر نما حیوانات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نوع کی یادگار کم و بیش فرعی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی زندہ موجود ہے۔ جدیدۃ الحاضرہ کے بالائی طبقوں میں بال دار فیل نما حیوانات جنھیں میمتھ Mammoth کہا جاتا ہے کے آثارِ باقیہ بھی دست یاب ہوئے ہیں۔ ان حیوانات کے بڑے بڑے لمبے دانت، جو روسی مصنوعات میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، سائبیریا کے علاقوں میں زمین سے نکالے گئے ہیں۔

جدیدۃ الحاضرہ کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طبقات میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے ادنیٰ حیوانات سے بہ تدریج ارتقاء کرتے ہوئے ملے ہیں۔ نچلے طبقوں میں ایسے حیوانات کی ہڈیاں دست یاب ہوئی ہیں، جن کو رضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان Primitive Man کی درمیانی کڑی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہ ابتدائی انسان جن کی ہڈیاں مختلف طبقات میں دست یاب ہوئی ہیں،

نا ہے، اور تاکہ عقل مند اس (کتاب) سے نصیحت (اور فلاح وبہبود) حاصل کریں۔ (نبی، غیرنبی
سب کو اسی کتاب کے احکام پر چلنا لازم ہے۔ اپنی ذات میں کوئی بھی بے غلط نہیں ہے۔ جو کمزوریاں
آدمؑ میں تھیں، وہی اس کی تمام اولاد میں بھی ہیں۔ انبیاء بے شک نیک اور اچھے ہوتے ہیں،
شرارتاً سے گناہ نہیں کرتے۔ اگر بھول چوک ہو جائے، تو خدا تعالیٰ کے حضور عجز واستغفار کرتے
ہیں۔ پس ہم سب کو بھی خدا تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہیے، نہ کہ اپنے گناہوں کا
سبب آدمؑ و حواؑ کو بنانا چاہیے۔ دنیا میں یہ بدترین عقیدہ رکھنے والے لوگ بھی موجود ہیں کہ
ہم آدمؑ وحواءؑ کی شامتِ اعمال سے گرفتار مصیبت ہیں۔ یہ خیال محض غلط، بے سر و پا
اور بے بنیاد ہے۔ ہر شخص اپنے ہی کاموں کی وجہ سے جزا و سزا کا مستحق ہے۔ کوئی کسی کا
بوجھ نہیں اٹھاتا۔ شفاعت اور کفارہ بھی یکسر باطل ہے۔ اب آگے دوسرا نمونہ سلیمانؑ
پیش کیا کہ ہر انسان عاجز اور محکوم ہے۔ سب کو اوّاب بننا چاہیے اور خدائے تعالیٰ
سے بخشش مانگتے رہنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ)

(۳۰) وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

اور بخشا ہم (خدا) نے داؤدؑ کو سلیمانؑ، تحقیق وہ اچھا بندہ تھا (سلیمانؑ بھی داؤدؑ اور تمام
نیکوکاروں کی طرح بھول جانے پر فوراً مغفرت مانگنے اور) رجوع کرنے والا تھا (ہمیں ہر وقت
خدا تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ اس سے برکاتِ
الٰہی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بے غم اور بے غلط نہیں۔ آزمائشیں ہوتی
رہتی ہیں۔ داؤدؑ کو بھی صبر کی تعلیم دی گئی اور فرمایا کہ دنیا دار المحن ہے آزمائش میں پڑو،
قیامت کو سامنے رکھو اور مصائب و جذبات کا مقابلہ ہمت و استقلال اور نیکی سے کرو۔
خوف سے بری ہونا انسان کی قدرت میں نہیں ہے۔ غرض ہر شخص فتنے میں پڑ سکتا ہے۔
حضرت سلیمانؑ کے متعلق بھی یہ ثابت ہوا کہ گھوڑوں وغیرہ کے فتنے میں پڑے اور انہیں
صرف خدا تعالیٰ ہی سے معافی اور بخشش مانگنا پڑی۔ یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں،
افسوس ہے اُن پر جو اُن سے اولاد اور دوسری مرادیں مانگیں! پس اچھے بندے کی تعریف

یہ ہے کہ ٹھوکر کھائے، تو فوراً رجوع کرے۔ ارشاد ہے کہ ایسے اَوّاب کو ہم بخش دیتے ہیں سلیمانؑ
اس لیے اچھا بندہ تھا کہ اس نے پروردگار کی طرف فوراً رجوع کیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ
اے نبیؐ! اپنے اور دوسرے مومنین و مومنات کے لیے مغفرت مانگو اور پھر فرمایا کہ اپنے کو پاک
نہ ٹھہراؤ! تم میں کوئی پاک نہیں ہے۔ پاک صرف خدائے قدوس ہی ہے۔ تم غصے اور غیض و
غضب میں آنے والے ہو، اس لیے تمہیں دعائیں مانگنے اور مغفرت طلب کرنے کی ہر وقت
حاجت ہے۔ بغرض سلیمانؑ کا اَوّاب ہونا قابلِ تعریف بتایا)

(۳۱) اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ جب اُس کے
سامنے خاصے کے گھوڑے پیش کیے گئے (یہ گھوڑے بہت ہی عمدہ تھے۔ کب پیش کئے گئے؟
عصر کی نماز کے موقعہ پر (گھوڑوں کی دیکھ بھال میں سلیمانؑ اَوّاب کو فوراً عصر کی نماز کا خیال
آگیا کہ عبادت الٰہی کا عمدہ اور احسن وقت جاتا نہ رہے)

(۳۲) فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ
بِالْحِجَابِ ۝ۙ تو کہنے لگا: مَیں اللہ کی محبت سے (غافل ہو کر) مال سے محبت کرتا ہوں (اور
یادِ خدا پر مال کو ترجیح دے رہا ہوں۔ یہ کام ٹھیک نہیں ہے اور کہیں ان گھوڑوں میں محو
ہو کر نماز نہ جاتی رہے، یا یہ معنیٰ کہ یہ جو مَیں اُن سے اُنس و محبت رکھتا ہوں۔ یہ خدا کے
سبب سے ہے، کیوں کہ اس عالمِ اسباب میں جبارین عمالقہ کی سرکوبی کے واسطے یہ کچھ سامان
رکھتا ہوں کہ ظالم لوگ دینِ الٰہی کو پامال نہ کرنے پائیں اور حقیقی بھروسہ تو صرف مجھے خدائے
قدوس و عزیز پر ہی ہے۔ یہ ظاہری سامان تو مخالفین کو مرعوب کرنے کی خاطر جمع کیے ہیں۔
تاکہ وہ اگر سرکشی کریں، تو مدافعت کی جائے، نہ کہ جارحانہ کارروائی۔ غرض نماز کا خیال آیا،
تو حکم کیا کہ گھوڑوں کو لے جاؤ۔ مَیں ذکرِ الٰہی کروں، پھر منگوالوں گا) حتیٰ کہ گھوڑے پردے میں
چلے گئے (نظر سے غائب ہو گئے۔ گھوڑے اوٹ میں ہو گئے، نہ کہ سورج غروب ہو گیا۔ یہ مفسرین
کے من مانے جاؤ ہیں، جو قصہ کہانیوں سے بے نظیر کتاب کو پُر کرنا چاہتے ہیں اور عالی شان بات

کو مٹا کر اپنی خواہشات کو ٹھونسنے کی بے سود کوشش کرکے مخالفین کو اعتراضات کا موقعہ دیتے ہیں۔ غرض سلیمانؑ نے نماز پڑھ لی۔ یہ ہے اواب بننا۔ فارغ ہوئے پر خادموں کو حکم فرمایا:

(۳۳) رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ○ ان گھوڑوں کو) میرے پاس واپس لاؤ (وہ واپس لائے گئے اور آپ نے ماہرینِ فن کی طرح بڑی اچھی طرح ان کی دیکھ بھال کی، پس لگا ہاتھ پھیرنے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر (واقعی اواب تھے۔ وقت آنے پر نماز پڑھ لی۔ عبادت کے بعد گھوڑوں کی دیکھ بھال کی، نہ کہ نماز چھوڑ کر گھوڑوں کے دھندے میں لگ گئے۔ غرض سلیمان اواب تھے، بے غلط نہ تھے۔ بے غلط صرف ایک ذاتِ واحد خدا ہی ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔ ایک موقعہ پر یہ ظاہری اسباب وسامان بھی کام نہ آئے اور سلیمانؑ کی انسانی کمزوریوں کے سبب رعایا نے سر اٹھایا اور بغاوت کردی اور نوبت یہاں جا رسید کہ سلیمانؑ تختِ حکومت سے اتارے گئے۔ اس عالمِ اسباب میں یہی کچھ ہوتا رہتا ہے، جیسا کہ فرمایا)

(۳۴) وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ○ اور البتہ بتحقیق ہم نے سلیمانؑ کو آزمائش میں ڈالا اور اس کی کرسی (یعنی، تختِ حکومت) پر ایک لاعقل (اور بے وقوف شخص کو) (لا بٹھایا (اس آزمائش میں سلیمانؑ نے جزع فزع نہیں کی اور نہ گھبراہٹ میں کوئی ناشکری کا کلمہ کہا، بلکہ صبر وشکر کے ساتھ استقلال قائم رکھا۔ وہاں سے چلے گئے اور) پھر (بارگاہِ ایزدی میں) انابت کی (اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کا اعتراف کیا اور خدا سے روحانی بادشاہت کے طالب ہوئے، جس کو نہ زوال ہے، نہ اس پر غیر کا قبضہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے)

(۳۵) قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ کہا: اے میرے رب! میرے واسطے بخشش کر اور

مجھے ایسی بادشاہی (توفیق اعمال صالح اور اطمینان قلب) دے، جو میرے بعد کسی اَو۔ کو شایان نہ ہو لاتزر وازرۃ وزر اخری، نہ گناہوں سے نہ نیکیوں سے ایک کو دوسرے سے ثواب و سزا ملے گی۔ صرف اپنا کیا ہی کام آتا ہے۔ اس کی طرف سے کسی کو نہ گرفت ہوتی ہے نہ انعام ملتا ہے۔ ہر شخص اپنے ہی نفس سے جھگڑتا ہوا جاتا ہے۔ اس دعا میں روحانی خوبیاں طلب کی گئی ہیں۔ یہ خوبیاں عاقبت میں بانٹی نہیں جاتیں۔ ہر ایک کو اس کے کیے کے مطابق بدلہ ملتا ہے۔ اگر زیادہ انعام ملے تو یہ اس خدا کی مہربانی اور فضل ہے، جیسا کہ عرض کیا کہ) تو (اے خدا!) بڑا ہی فیاض ہے (غرض یہ تھی کہ یہ دنیوی حکومت وغیرہ تو آنے جانے والی چیز ہے۔ دائمی خوشی عنایت فرمائیو! تو پھر اس فیاض خدا کے فیض کا کیا ٹھکانہ، جس نے مانگنے سے زیادہ عنایت فرمایا، یعنی دنیا اور عاقبت کی مسرتیں دونوں دے دیں۔ اصل چیز تو عاقبت کی بہتری ہے۔ دنیا تو خواب و خیال کی طرح بھول جانے والی ہے۔ جن کا آخرت کی طرف دھیان ہے، وہ بڑے خوش و خرم ہیں۔ سکندر کو حکیم دیوجانس قلبی بادشاہی یا فتح کی مبارک دینے اس لیے نہیں آیا تھا کہ یہ چیز پانے دار تھی حقیقی مبارک کا مستحق وہ شخص ہے، جو دنیا سے سُرخ رد ہو کر جائے۔ لوگو! دنیا کا فائدہ ہی چاہتے ہو، تو خدا کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد ہیں کدھر بھٹکے جا رہے ہو؟ انسان حکمران ہو، تو خدا کی یاد اور حقوق العباد کو فراموش نہ کر دے۔ غرض جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت سے الگ کر دیے گئے، تو پھر غور و فکر اور سوچ بچار میں پڑ گئے کہ اگر یہ حکومت ان سرکشوں کے پاس رہی، تو یہ ظالم خلق خدا پر بڑے بڑے مظالم توڑیں گے اور امن پسندوں کی زندگی تلخ کر دیں گے۔ رفاہِ عام کے لیے اس ذمہ داری کو حاصل کر کے عدل و انصاف سے امن قائم کرنے کی کوشش کرنا چاہیے کہ حکومت کی باگ اپنے ہاتھ آئے اور ہر شخص کو اس کے کاموں کے مطابق جزا و سزا دی جائے اور یہ چیز تب تک حاصل نہیں ہو سکتی، جب تک ان جبارین پر قابو نہ پایا جائے۔ غرض سامانِ حرب وغیرہ کے بہم پہنچانے کے واسطے بحری سفر شروع کیا، جس میں بڑے اولوالعزم شخص کی طرح مستعدی دکھائی۔ نیت نیک اور باغیوں کی اصلاح یا سرکوبی مدنظر تھی۔ خداوند کریم نے مدد کی۔ تجارتی ہواؤں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا۔ یہ ہوا حضرت سلیمانؑ ہی کے لیے نہیں بنائی گئی، بلکہ ہمیشہ سے اُن کی یہی

چال ہے۔ برکت والی زمین یعنی ارض مقدس کو تیز چلتی ہے اور دوسری طرف نرم رفتار سے چلتی ہے۔
فرمایا:)

(۳۶) فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۙ
پس ہم (خدا) نے ہوا اس (سلیمان) کے کام میں لگا دی، جو اس کے کام کے مطابق آہستہ آہستہ چلتی تھی (غرض بری اور بحری ہر طرح کی طاقت خوب جمع کی اور تمام نظم و نسق قائم کرکے باضابطہ اور احسن طور پر جبارین عمالقہ پر پورا پورا قابو پالیا اور زبردست حکومت قایم کرکے بعد تحقیقات کے جس شخص یا گروہ کو جس لائق پایا اُس سے ویسا سلوک کیا۔ شیطانوں کو قابو کرکے انھیں مناسب کام پر لگا دیا، جیسے فرمایا:)

(۳۷) وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۙ اور شیاطین کو بھی (اس کا مطیع کیا) وہ سب لوگ عمارتیں بنانے والے اور غوطہ خور تھے۔

(۳۸) وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ○ اور دوسرے (شریر اور سرکش لوگ بھی اس کے زیر فرمان کرکے) زنجیروں میں جکڑ دیے گئے (یہ سب انسان مٹی ہی کے بنے ہوئے تھے: نہ کہ کوئی دوسری مخلوق تھی۔ غرض جو لوگ معاف کرنے کے لائق تھے، ان کو معاف کر دیا اور جنھیں سزا دینا چاہیے تھی، انھیں سزا دی گئی۔ یہ تسلط خداوند کریم نے عنایت فرمایا تھا، اسی لیے ارشاد ہُوا:)

(۳۹) هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ یہ ہماری (خدا کی) عطاء ہے۔ کسی پر احسان کر (چھوڑنے کے لائق دیکھ کر چھوڑ دے) یا (جس کو مناسب جان،) اس کو قید کر (یہ پوچھنے والے نہیں ہیں (ہاں مگر یہ خیال رکھیو کہ اگر تو زیادتی کرے گا، تو اگرچہ یہ لوگ تو باز پرس کی طاقت نہیں رکھتے، مگر ہم (خدا) تو پوچھنے والے اور پورا پورا حساب لینے والے ہیں۔ پس ہر ایک سے مناسب سلوک کیجیو۔ تعدی کو ہم (خدا) سخت ناپسند

کرتے ہیں۔ ہماری مہربانیوں کی طرف توجہ کرو کہ کل یہ لوگ تجھے نکالنے کے منصوبے کر رہے تھے۔ آج ہم نے اپنے کرم سے تجھے نوازا۔ تو تم پر لازم ہے کہ زیادتی پر نہ اتراؤ اور حکومت پر غرور کر کے وہ کچھ نہ کر بیٹھو، جو نہ کرنا چاہیے، ورنہ ہم حساب لینے والے سر پر ہر وقت موجود کھڑے ہیں غرض نیک نیتی سے کام کرنے والے کا اجر خدا کے ہاں موجود ہے اور مصلح وُہ وُہ انعام پاتا ہے، جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا سلیمان ع پر بھی جو انعامات کیے گئے، وہ ان کی صالحیت ہی کی وجہ سے کیے گئے۔ فرمایا:)

(۴۰) وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ اور واسطے

اس کے تھا ہمارے (خدا کے) پاس قرب حاصل اور اچھی بازگشت (کیوں کہ ہم سب خدا کی طرف سے ہی آئے ہیں اور اُسی کی طرف ہی ہماری سب کی واپسی ہے۔ مخلوق مخلوق ہی رہتی ہے، خدا میں رل نہیں جاتی۔ اس کا مرتبہ خواہ کتنا ہی بلند ہو، محکومیت سے باہر نہیں ہو سکے گا۔ وہ ہمیشہ اُس احکم الحاکمین کے ماتحت رہتی ہے، اس لیے احکم الحاکمین ایک ہونا چاہیے، اگر دو ہوں تو ایسا تصادم ہو کہ تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ دو احکم الحاکمین، دو اصل مطاع، دو حکم مطلق، دو منتہائے سوال کا عقیدہ رکھنا زبردست شرک ہے، جس سے خدا بچائے رکھے۔ غرض بندہ کو بندہ اور بہتر بندہ بننے کی کوشش کرنا چاہیے اور ہر وقت خدا سے نیکی کی توفیق مانگتے رہنا چاہیے۔ دنیا مصائب و آزمائش کی جگہ ہے اور خدا سے لَو لگائی ہو اور حاضری کا دھڑکا لگا ہو، تو مشکلیں آسان ہوتی رہتی ہیں، جیسا کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے قصہ سے عیاں ہے۔ سارے مصائب اپنے ہاتھوں کے کاموں ہی سے پہنچتے ہیں، جن میں سے اکثر مناسب جان کر معاف بھی کیے جاتے ہیں، ورنہ اگر ہمارے مظالم کے باعث خدا تعالیٰ کی گرفت آ جائے، تو کوئی بھی زندہ نہ رہے۔ اس جگہ مخاطب مکلفین ہیں، نہ کہ معصوم بچے وغیرہ۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو، اس کا نتیجہ تباہی ہونا چاہیے، مگر ہماری مہربانی ہے کہ کئی ایک گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور پھر اگر تباہی میں نیک بھی پس جائیں اور اس حادثہ کی لپیٹ میں آ جائیں، تو ان کا انجام عقبیٰ میں نیک اور بہتر نکلتا ہے اور بدوں کا انجام تباہی اور طرح طرح کی سزاؤں کا بھگتنا

اور دردناک عذابوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ جب بما کسبت ایدیکم مخاطب ہیں، تو انبیاء کرام بھی مستثنیٰ نہیں، اُن پر بھی لغزشوں کے ذریعے تکالیف آئیں اور اُنھوں نے خدا سے دعائیں مانگیں، تو انھیں معاف کیا گیا۔ غرض انسان کو صابر و شاکر بننا چاہیے اور ہر وقت خدا سے مدد مانگتے رہنا اور صلاحیت والے کام کرنے کی کوشش کرنا اپنا دستور العمل بنانا چاہیے اگر یہ عادت راسخ ہوگئی، تو انشاء اللہ نجات پانا ضروری ہے

رکوع سوم | اس سے آگے خداوند تعالیٰ اپنے ایک صابر بندے کا ذکر فرماتے ہیں، جسے خدا پر بھروسہ کرکے تکالیف سے نجات ملی اور دوسرے انعامات بھی پالیے۔ فرمایا:)

(۴۱) وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ اور ہمارے بندے ایوبؑ کا ذکر کر، جب اُس نے (سخت تکالیف کے موقعہ پر) اپنے رب کو پکارا (اکثر پکارتے رہے اور بڑی عاجزی سے معافی مانگی۔ ہر طرف سے درد و دُکھ کا سامنا ہو رہا تھا۔ جلدی بیماری کی وجہ سے قبیلہ کے لوگ حتیٰ کہ خویش و اقارب تک نفرت کرکے اُن سے الگ ہوگئے تھے۔ ایسے سخت مصائب کے وقت گڑگڑا کر دل سے دعا مانگی، جو قبول ہوئی اور خدا نے اپنی مہربانی سے صحت کُلی عطا فرمائی۔ تمام قبیلہ واپس آیا۔ آئندہ اور بھی، ولاد عنایت ہوئی اور تاکید کی کہ انھیں اتفاق کی تعلیم دو اور تم بھی اپنے دیرینہ رنج کی بنا پر اُن سے کسی طرح کا انتقام نہ لو اور اتحاد کا عہد پورا اور قائم رکھو۔ غرض اللہ تعالےٰ نے حضرت ایوبؑ کو ہر طرح آرام و آسائش کے سامان عطا فرمائے۔ بس نیک انسان کی نشانی یہ ہے کہ مشکل کشا اور حاجت روا صرف ایک معبود حقیقی کو سمجھے اور اس کے سوا کہیں پناہ تلاش نہ کرے۔ وُہی خدا فریادوں کے سُننے اور لغزشوں کو معاف کرنے والا ہے۔ پس ایوبؑ ہو یا کوئی اور، جس کا بھی تعلق خدا سے مضبوط ہوگا، فلاح پائے گا۔ انسان اپنی غلطیوں کا اقرار کرکے سچے دل سے تائب ہو اور آئندہ صلاحیت والے کاموں کا عملی ثبوت دے، تو ارحم الراحمین معاف فرماتے ہیں۔ غرض ایوبؑ نے کیا کہا؟ کہ اے خدا! میری لغزشوں کے سبب، مجھے شیطان (یعنی بُرے جذبات) نے ایک جگہ گاڑ دیا ہے (ایک دوسری جگہ کہا،

مجھے ضرر پہنچایا ہے۔ غرض ہلنا جلنا مشکل ہو گیا ہے اور تکالیف میں نے خود کردہ کاموں سے پائی ہیں شیطان کے چکے میں تھوڑا یا بہت ہر کوئی آجاتا ہے۔ آخر کار خدا ہی کی پناہ میں آنے سے مصائب دُور ہوتے رہتے ہیں۔ یہ شیطان یا بدی کے اثرات ان کو کچھ بھی کہہ لو ایک قوت ہے جو اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ اس پر قابو پانا اور اس کو دبانا بہت بڑی نیکی ہے اور اس کام پر قابو پانے کے لیے ہر وقت خداوند کریم سے مدد کا خواہاں رہنا ضروری ہے۔ ایوب کی فریاد میں یہ بھی عرض ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہونے کے علاوہ یہ صدمہ بھی ہے کہ) اور درد ہو رہا ہے (وجع المفاصل کہو یا گنٹھیا وغیرہ۔ مدعا یہ کہ سخت مشکل میں پھنسا ہوا ہوں۔ اے اللہ! مجھے اس دردناک تکلیف سے نجات دیجیے۔ دردِ دل کی آواز سے رحمتِ الٰہی کرم کرنے پر آمادہ ہوئی اور ایک قدرتی چشمہ کی طرف رہبری کی، جس میں معدنیات کے اجزا تھے اور بوٹیاں وغیرہ ملی ہوئی تھیں، تو فرمایا کہ لکڑی کے سہارے یا اور کسی طرح آہستہ آہستہ چل کر اس ٹھنڈے چشمے میں اُتر کر پاؤں سے پانی کو خوب ہلاؤ، تاکہ جو اشیا نیچے بیٹھی ہوئی ہیں، وہ پانی میں حل ہو جائیں، پھر خوب غسل کرو۔ پینے میں بھی یہی پانی استعمال کرو اور متواتر یہ عمل کرو، یہاں تک کہ بالکل آرام آجائے، جیسا کہ فرمایا:)

(۴۲) اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ○

اپنے پاؤں سے ہلاؤ۔ یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کا (غرض جب مستقل طور پر چشمے کے پانی سے نہانے اور اس کو پینے کا عمل جاری رکھا، تو آرام آگیا اور اپنا کام شروع کیا۔ اہل والے بھی آگئے، جو سختی کے وقت ساتھ چھوڑ گئے تھے، وہ اکٹھے ہو گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی اولاد پیدا ہوئی۔)

(۴۳) وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ○ اور ہم نے اس (ایوبؑ) کو اس کے اہل بخشے اور اہل کے ساتھ ان کی مثل اور بھی۔ یہ ہماری رحمت تھی (ورنہ انسان کی کرتوت سے تو اللہ بہ خوبی واقف ہے

Regd. No. L. 4445.

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں یہ چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ✦

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ✦

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے۔ کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو ✦

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے صواب عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ✦

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے ✦

(۶) قانون وراثت کا احیا

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر ہیں:- منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (عـــہ) منزل دوم عہ منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

فی پرچہ چار آنے | سالانہ تین روپے

مقدمۂ "زندگانی محمد"
مشاہیر کی نظر میں

(۲)

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی

"میں نے کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھا۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ترجمہ ہے۔ کاش[1]! ہیکل کی پوری کتاب کا ترجمہ بھی شائع ہو جاتا۔ حاشیہ کے ایک اشارے سے اس کی امید تو ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی توجہ سے یہ اُمید جلد پوری ہو"

(۳)

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

"۔۔۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابلِ داد ہیں"

---

[1] سرمائے کے بغیر اتنا عظیم الشان کام انجام پذیر ہونا ناممکن ہے۔ توفیق الٰہی نے یاوری کی، تو پوری کتاب کے ترجمے کی کوشش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

(منیجر)

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرت سر میں چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ کھجان امرت سر سے شائع کیا۔

چند اہم کتابیں

تعلیماتِ قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری) اس کتاب میں جملہ اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ در اصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۳۴۰ صفحات قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک۔

مطالعۂ حدیث

(مدیر نگار کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ برپا ہوا اور اُن کے خلاف بر پا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے، جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندقیت، دجال، معراج، قتل مُرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق تمام احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقۃً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲؍) علاوہ محصول ڈاک

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم دُور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اِس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے۔ اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ قیمت دو آنے علاوہ محصول ڈاک۔

مینیجر دفتر اُمتِ مُسلمہ۔ امرت سر

البیان

امتِ مسلمہ امرت سر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ | اگست ۱۹۴۰ء مطابق رجب المرجب ۱۳۵۹ھ | نمبر ۸

فہرستِ مضامین

شذرات

جمع و ترتیب قرآن

"جمع و ترتیب قرآن" کے مسئلے پر مسلمانوں کے روایت پرست طبقے میں، مدت سے چند غلط فہمیاں چلی آ رہی ہیں۔ اس موضوع پر احادیث و روایات کا جس قدر ذخیرہ ہمارے لٹریچر میں موجود ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے، تو بجائے اس کے کہ ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکیں، خواہ مخواہ اُلجھن پیدا ہوتی ہے اور ایک سیدھا سادہ معاملہ، جسے قرآن نے از خود صاف کر دیا ہے، شک و ارتیاب اور تضاد و تخالف کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ کسی جگہ قرآن کی ترتیب کو حضرت زیدؓ بن حارث کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، کہیں حضرت عثمان رضؓ کی طرف اور کہیں حضرت علی رضؓ کی طرف۔ لیکن یہ بات تو قریباً تمام مسلمانوں میں مقبول ہو چکی ہے کہ اوّل اوّل قرآن حکیم کی آیتیں اور سورتیں، ہڈیوں، پتھروں اور درختوں کی چھالوں پر لکھی جاتی تھیں۔ پھر بعد میں ان ہی منتشر اجزا کو ایک جگہ مرتب کر دیا گیا۔

مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ اب اُن کی یہ روایتیں اور یہ عقیدے، جنھیں سچائی کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں، اہلِ مغرب کی ستم ظریفیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ پھر چوں کہ ہمارے ہاں کے جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اسلام کا جس قدر بھی مطالعہ کیا ہے، وہ سب بلا واسطہ مطالعہ نہیں، بلکہ بالواسطہ طور پر، یورپین مصنّفوں کی تحقیقات کا مرہونِ احسان ہے، اس واسطے "جمع و ترتیب قرآن" کے بارے میں اُن کے خیالات بھی وُہی ہیں، جو مستشرقین کے لٹریچر میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔

پچھلے دنوں "مدینہ" میں ایک صاحب پروفیسر اجمل خاں کا ایک مضمون "اسلام کا حقیقی خدوخال" کے عنوان سے کئی قسطوں میں شائع ہُوا تھا۔ اس مضمون میں بھی قرآن مجید کی جمع و ترتیب کو انسانی

کوششوں سے منسوب کرنے کی سعی بے جا کی گئی اور بتایا گیا کہ قرآن مجید اول اول ہڈیوں اور پتھروں پر لکھا گیا تھا۔ اس مضمون کی تردید میں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے "مدینہ" ہی کی ، ہارچ کی اشاعت میں "جمع و ترتیب قرآن" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ مولانا موصوف کے ارشادات کا ابتدائی حصہ جس میں اُنھوں نے قرآن حکیم کی داخلی شہادتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کتاب اللہ کی جمع و ترتیب خدا تعالیٰ نے خود اپنے اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ آں حضرت صلعم پر مرتب صورت میں نازل کیا گیا تھا، معقول بھی ہے اور مدلل بھی۔ مگر آگے چل کر اُن کے قلم سے بعض ایسی باتیں نکل گئی ہیں، جو اُن کے اپنے ہی خیالات سے متضاد ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے موضوع کے متعلق کوئی واضح اور متعین مفہوم اُن کے ذہن کے سامنے نہیں۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"رہا دوسرا مسئلہ یعنی سورتوں کی ترتیب ـــ سچی بات تو یہی ہے کہ یہ کوئی اہم مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مصنف کی چند کتابیں آپ کے پاس ہیں آپ چاہتے ہیں کہ ان متفرق رسالوں کو ایک جگہ جمع کر کے جلد بندھوائیں۔ آپ کو اختیار ہے کہ جلد بندی میں ان رسالوں میں سے جس رسالے کو چاہیے بعد کو رکھیے۔ مثلاً مولانا شبلی کی کتابوں کو کوئی ایک جگہ مجلد کرانا چاہے۔ اگر وہ "المامون" کو پہلے اور "الفاروق" کو اس کے بعد یوں ہی ان کی مختلف کتابوں کو مرتب کر کے جلد بندھوا لے، تو واقعات پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟ یہی حال قرآنی سورتوں یا رسالوں کا ہے کہ ہر ایک کی حیثیت ایک مستقل رسالے کی ہے"

پھر آگے چل کر ایک مرتبہ پھر اسی خیال کو دوسرے الفاظ میں دوہراتے ہیں:

"اب میں اس سوال پر آتا ہوں کہ خلافت صدیقی میں قرآنی سورتوں کی جلد بندی میں جو موجودہ ترتیب قائم کی گئی یعنی سب سے پہلے فاتحہ، پھر بقرہ، پھر آل عمران، الغرض الناس تک ان رسالوں کو جو اس ترتیب سے رکھا گیا، کیا صحابہ کے سامنے کوئی نبوی نمونہ بھی اس کا موجود تھا؟ ... مادی طور پر اس سوال کی چنداں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کسی ایک مصنف کی چند تصنیفوں کو آدمی جس طرح چاہے جلد بندی کرا سکتا ہے، واقعات پر اس کا نفیاً و اثباتاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص نے

جب یہی بات پوچھی، تو آپ نے بھی اُس کو کوئی اہمیت نہیں دی اور فرمایا: مایعضرتک ایہ قرأت۔ جس ترتیب سے ان سورتوں کو پڑھو، کچھ ہرج نہیں، لیکن با ایں ہمہ جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ کام حکومت کی جانب سے انجام دیا گیا۔ ۔ ۔ ۔ الخ

مولانا کے ان خیالات کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن حکیم کی سورتوں کی ترتیب کا معاملہ اپنے اندر کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور دوسرے یہ کہ یہ کام حکومت کی طرف سے انجام دیا گیا تھا۔ ہمیں ان دونوں باتوں سے اختلاف ہے۔ ہم اس کے متعلق اختصار کے ساتھ اپنے خیالات واضح کرنا چاہتے ہیں۔

ہمارے پاس اپنے اختلاف کے حق کے سب سے بڑی دلیل وہی ہے، جسے خود مولانا نے بھی اختیار کیا ہے یعنی، ان علینا جمعہ وقرانہ، قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے (خدا) کے ذمے ہے۔ جمع کا لفظ اتنا جامع اور مکمل لفظ ہے، جو قرآن کے نظم، ترتیب اور کتابت وغیرہ سب پر حاوی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن پاک کو خود میں نے جمع کیا ہے، تو اُسے بہر حال کسی ترتیب ہی سے جمع کیا ہو گا۔

قرآن مجید کی سورتوں کو مولانا شبلی یا کسی دوسرے مصنف کی مختلف الموضوع کتابوں سے تشبیہ دینا بھی صحیح نہیں۔ یہ کتابیں اپنا الگ الگ مستقل موضوع رکھتی ہیں، مگر قرآن حکیم کی تمام سورتوں کا موضوع ایک ہی ہے، یعنی، اسلام۔ پھر ان ہی سورتوں کے مجموعے کا دوسرا نام قرآن ہے، لہٰذا جب خدا تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا میرا فرض ہے، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس نے قرآن کی تمام سورتوں کو جمع کر کے انھیں ایک کتاب کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ جب قرآن یا دوسرے لفظوں میں اس کی سورتیں خدا تعالیٰ کے اہتمام سے ایک جگہ مرتب ہو گئیں، تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ یا حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت زیدؓ بن حارثہ یا حضرت عثمانؓ غرض کہ جس جس صحابی کی طرف بھی ترتیب قرآن منسوب ہے، اُن کے لیے آخر کون سا کام باقی چھوڑ دیا گیا تھا؟ کیا خدا تعالیٰ کی جمع کی ہوئی سورتیں (نعوذ باللہ) ترتیب یا نظم و ربط سے اس حد تک محروم تھیں کہ یہ خامی دُور کرنے کے لیے صحابہ کرامؓ کو الگ جدوجہد کرنا پڑی؟

پھر ایک اور دلیل دیکھیے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کو پچاس سے زائد مرتبہ "کتاب" کا نام دیا ہے اور کتاب کسے کہتے ہیں؟ ظاہر ہے، مضامین کا ایک مرتب اور منظم مجموعہ ہی کتاب کہلا سکتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی قرآن مجید کی تمام سورتوں کی ترتیب کو الٰہی ترتیب ہی ماننا پڑے گا۔

کیا قرآن مجید کی سورتوں میں واقعی نظم و ترتیب پائی جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب، قرآن مجید میں تھوڑے تدبر سے بھی حاصل ہو سکتا ہے؛ قرآن مجید کی پہلی سورت فاتحہ کا مطالعہ کیجیے۔ وہ بالکل سادہ آسان اور فوراً ذہن نشین ہونے والے چند کلمات کا مجموعہ ہے۔ اس کا مضمون ہی یہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ وہ سارے قرآن کی تمہید یا دیباچے کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اگر اس کی جگہ قرآن پاک کی کوئی اور سورت رکھ دی جائے۔ تو ہم فوراً محسوس کریں گے کہ جن بنیادی باتوں کو کتاب کے آغاز میں آنا چاہیے، وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہیں۔ پھر اوّل سے لے کر آخر تک قرآن مجید کی ساری ترتیب کا مطالعہ کیجیے۔ شروع کی سورتوں میں مسائل اور مطالب سادہ اور آسان ہیں، جوں جوں آگے بڑھتے جائیں، مسلمانوں کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی بڑھتی جاتی ہیں، مطالب بھی تدریج کے ساتھ گہرے ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ آخری سورتیں اپنے عمیق مطالب کے لحاظ سے، سب سے زیادہ مشکل ہو گئی ہیں اور معمولی غور و فکر سے اُن کے اسرار و غوامض ذہن نشین نہیں ہوتے۔

یہ لفظی اور معنوی تدریج وارتقاء صاف ظاہر کرتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب، خدا تعالیٰ ہی کی حکیمانہ راہ نمائی سے انجام دی گئی تھی۔ یہاں مولانا شبلی کی کتابوں کا معاملہ نہیں ہے کہ اُن کے تقدم و تاخر سے کوئی ہرج پیدا نہ ہو۔ قرآن کی سورتوں کو الگ الگ مستقل رسالے نہ سمجھیے، بلکہ انھیں ایک ہی کتاب کے مختلف باب سمجھیے۔ ہر "باب"، کا اپنے ماقبل اور مابعد کے باب کے ساتھ مضامین، مسائل اور تدریج و ارتقاء کے لحاظ سے گہرا تعلق ہے۔ سورتوں کا باہمی تنظم و ربط قرآن پاک کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا، اُن کی ترتیب کو چنداں اہمیت نہ دینا، مقامِ تعجب بھی ہے اور باعث افسوس بھی۔ کیا مولانا موصوف اپنے خیالات پر نظرِ ثانی فرمائیں گے؟

حدیثِ دل

توئی دردِ دل، ہم دوائے دلِ من　　　توئی حلِّ مشکل، توئی مشکلِ من
منم داخلِ تو، توئی شاملِ من　　　بریں ہم شکیبا نباشد دلِ من
بمیرد ز بارِ تنِ بسملِ من　　　دریغا دلِ من، دریغا دلِ من
کجا می بری ساربان محملِ من　　　کہ نبود بہ ملکِ جہاں منزلِ من
ز تو ہستم و سوئے تو مے گریزم　　　توئی کشتیٔ من، توئی ساحلِ من
ز من ذرۂ نیست در من، تو دانی　　　ز تست آتش و باد و آب و گلِ من
ترا جویم اکنوں کہ خود را بہ جویم　　　ز خود رفت در جستجوئیت دلِ من
خیالِ تو دارد دلِ مستمندم　　　سوالِ تو دارد لبِ سائلِ من
نہ رُوئے تو دیدم، نہ کُوئے تو دانم　　　خمیرست عشقت در آب و گلِ من

بہ ایں نارسائی ز راہت نگردم
خوشا لذتِ سعیٔ بے حاصلِ من

عرشی

قرآن مجید اور حدیث

(۴)

(حضرت خواجہ احمد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

خارج از قرآن وحی

تمام معلومات تین قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اوّل، وہ جو عقلی طور پر ثابت ہوں۔ دوم، وہ جو عقل کے نزدیک مردود ہوں۔ سوم، وہ جن میں عقل عاجز ہو اور صفائی کے ساتھ کوئی تائیدی یا تردیدی فیصلہ نہ دے سکتی ہو۔ وحی الٰہی اُن باتوں سے بالکل مبرا ہونی چاہیے، جو عند العقل مردود ہیں، لیکن باقی دونوں قسم کی باتیں وحی الٰہی میں آسکتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کہہ کے اپنے اوپر حرام کرلے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک سزا یہ تجویز فرماتا ہے کہ وہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے۔ لیکن اگر اللہ تبارک وتعالیٰ دو ماہ کی جگہ ڈیڑھ ماہ یا ایک ماہ کی سزا مقرر فرماتا، تو ہم اُسی مقدار کو صحیح تسلیم کرلیتے۔ کیوں کہ یہ تقرر و اندازہ اس قسم سے ہے، جس میں ہماری عقل کوئی صاف فیصلہ نہیں دے سکتی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زانی عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو درے مارو اور یہ ظاہر ہے کہ زانیہ اور زانی میں لونڈی غلام بھی آجاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کے متعلق ارشاد کیا ہے کہ جب وہ محصنہ بنیں، تو اُن کے لیے دوسری محصنات سے نصف سزا ہے۔ اس قسم کی تخصیص محض عقل سے نہیں کی جاسکتی۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ مطلقات تین طہر تک بیٹھی رہیں، لیکن دوسری جگہ فرمایا ہے کہ مطلقات اگر حاملہ پائی جائیں، تو وضع حمل تک انتظار کریں۔ اس مدت میں اُن کے خاوند اُن کی طرف دوبارہ رجوع کرسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور آیت میں ارشاد کیا ہے کہ اگر مطلقات سے مس نہ کیا گیا ہو، تو ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔ یہ تینوں آیتیں مطلقات کی عدت کے بارہ میں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک آیت بغیر دوسری دو آیتوں کے

ملانے کے اس حکم میں اکیلی کافی نہیں ہو سکتی جس طرح سے تمام قرآن مجید مل جل کر اپنا استقلال قائم کرتا ہے۔

لیکن اگر قرآن مجید سے خارج کوئی اور وحی قرآن مجید کے ساتھ مانی جائے، تو اس سے لازم آئے گا کہ اس وحی کو بھی قرآن مجید میں ایسی تخصیص کے لینے کا پورا حق حاصل ہو جو محض عقل سے نہیں کی جا سکتی۔ ایسی صورت میں قرآن اور خارج از قرآن وحی دونوں مل کر مستقل سند بن سکیں گی، لیکن اکیلے قرآن کا استقلال باقی نہیں رہے گا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن مجید پہلی کتابوں کی بہت سی باتوں کی ترمیم کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ سبت اُن لوگوں پر ڈالا گیا تھا جنھوں نے ملت ابراہیمی میں اختلاف کیا تھا اور ارشاد کرتا ہے کہ ہم نے یہود پر کل ذی ظفر اور شحوم وغیرہ جو پہلے اُن پر حلال کیے گئے تھے، اُن کی جہالت و شرارت کے سبب سے حرام کر دیے تھے اور یہ بھی کہ پہلے لوگوں نے بہت سی باتیں خود مانگ مانگ کر یہ اصرار تمام اپنے ذمہ لی تھیں، پھر وہ اُن سے نہ نبھ سکیں، تو وہ اُن کے سبب سے کافر بن گئے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی تھی جب اُنھوں نے اُسے چھوڑنا نہ چاہا، تو ہم نے اُسے ان پر لکھ دیا، وغیرہ وغیرہ۔

سو جب قرآن مجید سابقہ کتابوں میں دلائل کے ساتھ ترمیم و تخصیص کا حق رکھتا ہے، تو اگر قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور وحی یا ہم پایۂ وحی تعلیم ہوگی تو وہ قرآن کریم میں خود قرآن حکیم کی طرح تخصیص و تعمیم کرنے کا پورا حق رکھے گی۔ اگر بات یہ ہے، تو کوئی صاحب فرمائیں کہ قرآن عزیز کا خود اپنا استقلال کہاں رہے گا؟

مثال کے لیے دیکھیں کہ قرآن مجید جبر مذہبی کی پوری تردید کر رہا ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی حدیث یہ کہے کہ مرتد کا معاملہ اس حکم سے مستثنےٰ ہے۔ اس پر قرآن مجید کا مذکورہ بالا حکم نہیں عائد ہوتا، اس پر جبر کرنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں نرے قرآنی حکم کا استقلال کیسے باقی رہ سکتا ہے۔

وحی کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ خواہ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کرے یا جناب بہاء اللہ کے ذریعے۔ ہر صورت میں وہ یکسان خدائی حکم ہوگا۔ اسی طرح کسی شخص کے ہر قول و فعل کی صحت کا ذمہ لینا اور یوں اُسے کٹھ پتلی بنا دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے، خواہ یہ ذمہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کی صحت کا لیا جائے یا جناب بہاء اللہ کے تمام اقوال و افعال کا، ہر صورت میں یہ خدائی تصرف ہی کا کام ہوگا۔ سو جب قرآن مجید کے ساتھ ایک وحی یا ہم پایۂ وحی بطور تعلیم مانی جائے گی، تو دوسری ویسی ہی تعلیم کے ماننے میں کیا استبعاد ہو سکے گا، دوسرا مدعی آ کر کہ رہا ہے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے یا خدا تعالیٰ نے میرے تمام افعال و اقوال کی صحت کا ذمہ لیا ہے۔ اب جب اُسے کہا جاتا ہے کہ رسولِ خدا خاتم النبیین تھے،

اُن کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا، تو وہ جواب دیتا ہے کہ مُہر تصدیق کے لیے کی جاتی ہے پس خاتم النبیین سے مراد صرف اسی قدر ہے کہ حضور انور تمام انبیاء کے مصدق تھے، یا اسی قسم کی اور باتیں بناتا ہے اور ان کو تعینی بنانے کے لیے کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے ایک کلام کی تعیین و تخصیص دوسری کلام کے ساتھ اس طرح نہیں کر سکتا ہے۔ یہی جواب وہ تمام دوسری عمومیتوں کے بارے میں دیتا ہے۔

اگر اسے کہا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی مثل تمام جن و انس متفق ہو کر بھی نہیں لا سکیں گے، اس لیے قرآن مجید بے مثل ہدایت ہے۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ بلاشبہ قرآن مجید کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا۔ لیکن کیا خدا تعالیٰ بھی اس کی مثل نہیں بنا سکتا؟

حاصل یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے ساتھ کوئی اور وحی یا ہم پایہ وحی تعلیم ملا کر مانی جائے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قرآن مجید کے اختیارات اور حقوق اس کے لیے بھی تسلیم کیے جائیں اور ظاہر ہے کہ اس طرح سے قرآن مجید کا خود اپنا استقلال قائم نہیں رہ سکے گا۔ بلکہ اس سے قرآن پاک کی ترمیم و تنسیخ بھی لازم آئے گی۔ اگر مسلمان اسے جائز سمجھتے ہیں، تو بے شک قرآن عزیز کے ساتھ اور چیزوں کو بھی مثل معہ قرار دے لیں، ورنہ ایسے بُرے اعتقاد سے بہت جلد توبہ کریں۔

تمام دنیا اس بات پر متفق ہے کہ جو بات حق اور راست ہے، وُہی ماننے کے لائق ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حق کو ہر شخص واجب الاتباع جانتا ہے۔ اب سوال صرف حق کی دریافت کا باقی رہ جاتا ہے۔ لوگ صحیفۂ فطرت، ضمیر، عقل، مشاہدے اور تجربے سے حق کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ان طریقوں سے اگر کچھ لوگ حق کی طرف پہنچتے ہیں، تو بہت سے لوگ غلط کاری کے سبب مغالطوں میں بھی پھنس جاتے ہیں۔

چند لڑکے ایک سوال حل کرتے ہیں۔ اگر ان میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے، تو اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ ان کا استاد خود اس سوال کو حل کر کے یا کتاب سے جواب دیکھ کر بتلا دے کہ کس لڑکے کا جواب صحیح ہے۔ بعض دفعہ خود استاد بھی غلطی کر جاتا ہے اور کبھی کتابی جواب بھی غلط ہوتا ہے، مگر چونکہ ریاضی وغیرہ علوم کی غلطیاں عموماً جلدی نکل جاتی ہیں اور اگر نہ بھی نکلیں، تو اس سے کوئی معتدبہ حرج نہیں پہنچتا اس لیے اس قسم کی غلطیوں کے ساتھ گذارہ ہوتا جاتا ہے، لیکن دین داری اور نجات کا معاملہ بڑا ضروری ہے اور آج تک اس پر باہمی کسی طرح اتفاق بھی نہیں ہوا، اس لیے ضرور ہے کہ ایک بے غلط عالم یعنی، خود خدا تعالیٰ اپنے دخل سے

بتلادے کہ یہ باتیں حق ہیں تاکہ انسان اطمینان کے ساتھ اور خدا تعالیٰ کی ذمہ داری میں ہو کر اُن پر چل سکے۔

یہ بھی واضح ہے کہ حق ہمیشہ حق ہی رہتا ہے، اس میں کبھی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی۔ خدا تعالیٰ ایک بات کو حق بتلا کے پھر کبھی نہیں کہا کرتا کہ یہ حق نہیں ہے۔ اگر ایسا کرے، تو خدا تعالیٰ کی بات کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی بات میں سچا نہیں ہے۔ ہاں جو بات موقع کے ہوتے ہوئے مٹائی جاتی ہے، وہ دراصل حق نہیں ہوتی۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ ظن حق کی جگہ کچھ کام نہیں دے سکتا۔ علمی لحاظ سے تو حق قدیم ہے اور عملی لحاظ سے یہ یاد رہے کہ جو کام جس موقعہ اور محل پر مناسب ہوتا ہے، ہمیشہ اسی موقعہ اور محل پر مناسب ہی رہتا ہے۔ عملی حق بھی اپنے موقعہ اور محل کے لحاظ سے کبھی منسوخ نہیں ہوتا۔

اس دنیا میں عرصۂ دراز تک زمانہ تاریک اور پُر جاہلیت رہا ہے۔ قوم قوم الگ پڑی تھی۔ ایک ہی آب وہوا اور ایک ہی علاقہ میں مسدود ہونے سے آدمیوں کے جدا جدا خد و خال اور الگ الگ بولیاں بن گئیں۔ ان زمانوں میں غلط رسوم، فضول پابندیوں اور وہم پرستیوں کا بڑا زور شور تھا۔ بت پرستی، دیوتا پرستی، جبر مذہبی اور مذہبی افسانے اسی زمانے کی ایجاد ہیں، جو آج تک باقی ہیں۔ خدا تعالیٰ اگر اُن لوگوں کی قرآن مجید کے مطابق کامل اصلاح کرتا، تو وہ لوگ ادنےٰ اصلاحوں کو بھی نہ لے سکتے۔ پس خود اُن قوموں کی اپنی نالائقیوں، ناقدردانیوں، جہالتوں اور شرارتوں کے سبب ہی ان کی تعلیم ٹھیک نہیں ہو سکی۔ خدا تعالیٰ جس قدر گنجائش دیکھتا تھا، انھیں اصل حق سکھاتا تھا۔ باقی ان کے اپنے طرز ماند و بود اور رسم و رواج میں جسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، مناسب اصلاحیں کر کے وُہی بوجھ اُن پر ڈال دیتا تھا۔ اُن کی تمام غلطیاں اُن کی اپنی نالائقی کے باعث ہوتی تھیں، اگرچہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی تھیں۔ اُن کی اصلی اصلاح کے لیے اُن کی اجتماعی زندگی اور عقلی بلوغ کے زمانے کا انتظار تھا، جب کہ اُن کو ایک خدا کے ماتحت عام انسانی حریت و مساوات کا سبق دیا جا سکے اور اُن کی سمجھ میں بھی آسکے اور مذہبی اختلافات کو مٹانے کے طریق اُن کے سامنے پیش کیے جا سکیں۔

پس جب عام انسانی میل جول کا زمانہ شروع ہوا، پہلی جاہلیت کافور ہونے لگی، کافۃ للناس اور من بلغ کے واسطے مناسب تعلیم آگئی، تعلیم انبیاء کے وحی والے حقائق اور بھی مناسب حقائق کے ساتھ ایک کتاب میں جمع ہو گئے، دین کو مکمل کیا گیا اور اختلافات سے نکلنے کے راستے تبلائے گئے، تو پھر حق کے

بعد سوائے ختم ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ انسانی نقصوں کے سبب پہلے اختلافات سے چارہ نہ تھا، لیکن جب کل نوعِ انسان کی اجتماعی زندگی کے لحاظ سے حق آگیا اور لوگوں کے ایک بن جانے کا وقت آگیا، تو پھر اس کے باوجود نئے نئے مذاہب کا آنا اس اتحاد کے منافی ہے جس کا نبوتوں سے منشا رہا تھا۔

اگر اب بھی ختم نبوت نہ ہوا تو اس سے معلوم ہوگا کہ خدا تعالیٰ جمیع انسانوں کے لیے اکٹھا دینے والی کتاب کو بھیجنے کے بعد ابھی تک اپنے دخل سے اختلافات کو بڑھانے کی فکر میں ہے۔ معاذ اللہ!

سنت اللہ یہ نہیں ہے کہ ہر سابقہ حق کو ہمیشہ منسوخ ہی کیا جائے بلکہ سنت اللہ یہ ہے کہ غلطیوں سے جہاں تک ضروری ہو نکالا جائے۔ سنت اللہ یہ نہیں کہ جب تمام نوعِ انسان کی واحد ہدایت کے لیے ایک کتاب آجائے، پھر بھی خدا تعالیٰ اپنے تصرف سے اختلافات کے موجبات اپنے ہاتھ سے بڑھاتا جائے۔ حاشا وکلا! اگر یہ نوعِ انسان فنا ہو جائے اور پھر دنیا میں نئے لوگ پیدا کیے جائیں، تو پھر بھی سنت اللہ اسی طریق پہ کام کرے گی اور اسی طرح ختم نبوت کر کے دکھلائے گی۔ سنت اللہ کے لیے کبھی تبدیلی نہیں ہوگی۔ ختم نبوت ایک رحمت ہے، لیکن خدا تعالیٰ سے محض ہم کلامی کا شرف ایک اور بات ہے، جو کبھی بند نہیں ہوتا۔ ہمیشہ بشارات وسکینہ وملائکہ نازل ہوتے اور دونوں کو ثبات دیتے رہیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ پہلے انبیاء کی شرائع کے اختلافات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مختلف فیہ پابندیاں سب حق نہ تھیں۔ حق صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ جہالت کے زمانے میں عقلی آزادی سے کام نہ لے سکنے کے سبب وہ شرائع لوگوں پر ڈالی جاتی تھیں جیسے بچوں کو جب تک وہ خود سمجھنے کے لائق نہ ہوں، معین حکم دیے جاتے ہیں، لیکن جب جاہلیۃ الاولیٰ کا دور ختم ہوا، تو اب وہ باتیں نہایت حکمت و رحمت سے ہماری عقل پر چھوڑی گئی ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ اس بیان سے یہ بھی کھل جاتا ہے کہ جو لوگ تمام نبیوں کی غلطیوں کا اُن کی زندگی میں ہی درست کیا جانا لازم سمجھتے ہیں، سخت غلطی پر ہیں۔ اصلاح کی بجائے بعض دفعہ بوجھوں کا ڈالنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

وحی کی حقیقت

نیچر ایک کل کی طرح قاعدوں اور قانونوں کے ساتھ کام کرتی ہے۔ اس مجبور نیچر سے اختیار ایک الگ چیز ہے، خدا تعالیٰ نے نیچر کو ایسا بنایا ہے، جس میں اختیار کے دخل دینے کی پوری گنجائش رکھی ہے۔

اگر یہ مجبور نیچر از خود ہی موجود چلی آتی، تو اس کی مجبوری اپنی ذات سے ہوتی۔ اندریں صورت مجبور بالذات نیچر سے انسان کا اختیار ہرگز ہرگز پیدا نہ ہوسکتا، لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ انسان اگرچہ نیچر کی مجبور کل کے ماتحت رکھا گیا ہے، مگر اختیار اور آزادئ ضمیر سے خالی نہیں ہے۔

نیچر میں ریل گاڑی، سٹیمر اور ایروپلین سے بڑھ کر کلیں موجود ہیں، لیکن نیچر ریل گاڑی اور سٹیمر اور ایروپلین کو خود نہیں بناتی۔ انسان ان ادنےٰ کلوں کو نیچر میں اپنے اختیار کا دخل دے کر آپ تیار کرتا رہتا ہے۔

نیچر میں بجلیاں گرانے، آندھیاں چلانے، وبائیں بھیجنے، زلزلے ڈالنے کی قسم کی طرح طرح کی سزائیں موجود ہیں، مگر نیچر کسی چور کو ہتھکڑیاں لگا کر جیل میں نہیں لے جاتی، لیکن انسان یہ کام نیچر میں اپنے اختیار کا دخل دے کر بجا لا رہے ہیں۔ انسان نے شہر بسائے، باغ لگائے، نہریں کھودیں، سڑکیں اور پُل، سرائیں اور سواریاں تیار کیں۔ انسان اور بھی بہت سی کاریگریاں اور سوداگریاں کرتے اور کتابیں لکھتے رہتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اس نیچر کی کل میں انسانی اختیار کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔ اگر انسان اس میں دخل نہ دے سکتا، تو اپنے کاموں کا جواب دِہ بھی نہ بن سکتا۔

اس سے یہ بھی سورج کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ جب انسان جو نیچر کے ماتحت رکھا گیا ہے، قوانین نیچر کو توڑنے کے بغیر اس نیچر میں اپنا اختیاری دخل دے سکتا ہے، تو کیا خدا تعالیٰ ہی اُس نیچر میں اُس کے قوانین و قواعد کو توڑنے اور اس کے فوائد کو ضائع کرنے کے بغیر اپنا اختیاری دخل نہیں دے سکتا۔ بلاشبہ خدا تعالیٰ اس نیچر کی کل میں اپنے اختیار سے پوری مداخلت کرسکتا ہے۔

خدائی تصرف اور انسانی دخل میں یہ فرق ہے کہ انسان اپنے حاصل کردہ اور حاضرہ سامانوں کے مطابق اور جس قدر قدرتی مانعات سے بچاؤ ہو اور الٰہی تصرف اجازت دے، اُس کے موافق نیچر کی کل میں مداخلت کرسکتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کے اختیاری دخل کے لیے کوئی ایسی شرط نہیں ہے۔

انسان صرف نیچرل سامانوں کے پیچھے اپنے اختیار کو چلاتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کے اختیاری حکم کے پیچھے خود نیچرل سامان چلتے ہیں اور حسب الحکم اکٹھے ہو کر کام دینے لگتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے اس نیچر کی کل کو مکمل و حسن بنایا ہے۔ اس میں کسی بگاڑ کا دخل مناسب نہیں، لیکن انسان اس میں اپنے اختیار سے نافرمانی اور بے پروائی کرکے بگاڑ بھی پیدا کرتا ہے اور ظلم و ظلمت پھیلاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا دخل دعائیں سننے اور حق کے مقابلہ پر ظلم و باطل کو مٹانے اور جہالت کو دور کرنے

اور اصلاح و تمدن پھیلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ مکمل و احسن نیچر میں بگاڑ ڈالنے، علمی تحقیقات کو صدمہ پہنچانے اور نیچرل فوائد کو مٹانے یا گھٹانے کے لیے ہرگز ہرگز دخل نہیں دیتا۔

نیچر میں تصرفاتِ الہٰی کا ہونا ہی معجزہ ہے۔ یہ معجزے ہر زمانے میں ہوتے رہتے ہیں۔ ہمارا ان پر ایمان ہے۔ لیکن ہم اُن معجزات کے ہرگز قائل نہیں ہیں، جن سے قوانینِ فطرت کا توڑنا، علمی تحقیقات کو صدمہ پہنچانا، جبری ایمان کا صحیح ٹھہرانا اور نیچر کے احسن انتظامات میں بلا وجہ خلل ڈالنا اور لوگوں کو محض وہم پرست بنا دینا لازم آتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہم لوگ نادانوں اور عقل مندوں، پاگلوں اور ہوشیاروں، مجبوروں اور مختاروں کے کاموں میں فرق کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تصرفات الہٰی اور مجبور نیچر میں بھی امتیاز ہو سکتا ہے۔ نیچرل ترقیات لیاقتِ حاضرہ کی بنا پر زینہ بہ زینہ بہ طریقِ ارتقا ملتی رہتی ہیں، لیکن تصرف الہٰی وہاں کام کرتا ہے، جہاں لیاقت موجودہ کا کوئی سوال نہیں ہوتا، بلکہ ضرورتِ حقہ موجود ہوتی ہے اور مجبوری و اضطرار اور سچی طلب کے مطابق فضل کا معاملہ کرنا مناسب ہوتا ہے یا جہاں نیچرل ترقی کے سب سامان تو موجود ہوتے ہیں، مگر ان سامانوں والے متکبر سر پر چڑھ آتے ہیں اور ھل من مبارز پکار کر مقابلہ پر اصرار کرتے ہیں، تو خدا تعالیٰ انھیں اپنی خدائی دکھلانے کے لیے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔

بے سر و سامانی کی حالت میں اور کثرتِ دشمنان جانی و ایمانی کی موجودگی میں بے کسوں اور بے بسوں کا وعدۂ الہٰی کے مطابق آخر کار غالب ہو جانا اور مخالفوں کا تمام ساز و سامان رکھتے ہوئے وعیدِ الہٰی کے موافق مٹ جانا تصرف الہٰی کا صاف پتہ دیتا ہے، لیکن بے سامانوں کی مشکلات کا بڑھتے جانا اور ساز و سامان والوں کا ترقی پانا بالکل نیچرل ہے۔

رسول بہ مقابلہ کفار کے نیچرل سامانوں کے لحاظ سے بالعموم بہت کم زور ہوتے تھے، کفار کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ معمولی آدمی ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں فرعون کہتا تھا کہ کیا میں بہتر ہوں یا یہ ناشکر گذار موسیٰ جسے میں نے پالا اور جو ہمارے ایک آدمی کو قتل کر کے بھاگ گیا؟ یہ ایک ذلیل شخص ہے۔ اگر یہ خدا کا منظورِ نظر ہوتا، تو اسے خدا کی طرف سے طلائی کنگن کیوں نہ پہنائے جاتے؟ پھر خدا کا رسول تو خوش بیان ہونا چاہیے تھا، اسے تو صاف

بولنا بھی نہیں آتا۔ اگر یہ خدائی رسول ہے تو اس کے اردلی میں فرشتے کہاں ہیں؟ لیکن میرے پاس مصر کی بادشاہی ہے اور یہ نہریں میرے تحت میں چلتی ہیں۔ مطلب یہ کہ میں بڑا صاحب اثر ہوں اور خدا کا رسول کوئی ذی اثر ہونا چاہیے۔

کفار خوب جانتے تھے کہ یہ رسول ہمارے جیسے بشر ہیں۔ وہ رسولوں کو کہتے تھے کہ تمھارے متبعین ہمارے رذیل لوگ ہیں۔ یہ سرسری رائے والے ہیں اور ہم تمھارے لیے اپنے آپ پر کسی قسم کی فضیلت نہیں دیکھتے، بلکہ تمھیں جھوٹے خیال کرتے ہیں (۱۲)

کفار کو اپنی قدرتی قابلیتوں اور شان و شوکت کے بھروسے پر یقین ہوتا تھا کہ ہم ان رسولوں کو مٹا دیں گے۔ کفار لمبے زمانے تک اپنے غلبہ سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ مومنوں کو سخت تکلیفیں پہنچاتے۔ آگ میں جلاتے، سنگسار کرتے، ان کے مال و اسباب لوٹ لیتے اور گھر بار سے نکال دیتے تھے۔ ان کے ہجرت کرنے کے بعد بھی ان کو اطمینان کا سانس نہیں لینے دیتے تھے اور ان کے مٹانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے تھے

تکلیفیں اس حد تک پہنچائی جاتی تھیں کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان دار ہوتے تھے، سخت ابتلاء اور تزلزل میں پڑ جاتے تھے اور پکار اٹھتے تھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام تو بھاگ بھی کھڑے ہوئے تھے۔

ایسی مایوس کن اور پر شبہات اور تاریک حالت میں الٰہی تصرف اپنا کام کرتا تھا (۱۲) اور صاف دکھلا دیتا تھا کہ یہ مدد رسولوں یا مومنوں کی کسی اپنی لیاقت یا عقل یا ساز و سامان کی بنا پر نہیں ہے۔

کفار کی تباہی جب ہوتی تھی، تو ایسے رنگ سے ہوتی تھی کہ ان کے تمام خزانے اور سامان اور ان کی قوتیں اور ان کی عقلیں دھری کی دھری رہ جاتی تھیں۔

کفار مستبصر ہوتے تھے (۲۹)، وہ کان، آنکھ اور دل رکھتے تھے، مگر ان چیزوں نے انھیں کچھ کام نہ دیا، جب کہ آیات اللہ کا سختی کے ساتھ انکار کرتے تھے (۲۶)

کفار سمجھتے تھے کہ اگر کوئی وحی ہوا کرتی، تو ہم میں سے کسی عظمت والے شخص کو ملتی۔ اسی لیے وہ کہتے تھے کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے دو مشہور شہروں میں سے کسی باعظمت مرد پر کیوں نہیں اتارا گیا (۲۵)، لیکن اگر قرآن مجید کسی عظمت کے لحاظ سے ملتا، تو وحی کا معاملہ محض نیچرل بن جاتا۔ تصرف الٰہی ضرورت حقہ کے وقت رسالت کے لیے ایسے شخصوں میں سے کسی کو چن لیتا ہے، جو اپنے آپ کو ڈانواں ڈول اور محتاج ہدایت دیکھتے

ہیں اور بنی نوع کی تاریک حالت پر کڑھتے ہیں اور صرف خدا پر نظر رکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہے، تو کسی پر طریق فیصلہ کھول سکتا ہے، لیکن کفار کو تو آخرت کا بھی خوف نہیں تھا (۲۹/۱۱) اور چوں کہ یہ معاملہ دل سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اللہ ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت کرتا ہے (۶) جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کسی لیاقت کی بنا پر کوئی امید نہ تھی کہ مجھ پر کتاب نازل ہوگی (۲۸)

یہ تو بالکل واضح ہے کہ سکول کی ہر ایک جماعت میں کوئی نہ کوئی لڑکا ضرور اول نمبر پر ہوتا ہے اور اگر سکول کے تمام طالب علموں کو دیکھا جائے، تو ان میں سے بھی کوئی ایک لڑکا سب سے اول نکل سکتا ہے اور اگر ایک ضلع یا صوبہ یا ملک یا دنیا کے تمام طالب علموں کا مقابلہ کیا جائے، تو بھی کوئی نہ کوئی طالب علم سب سے اول قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ تمام ملکوں اور زمانوں کے لوگوں میں سے کوئی شخص یا اشخاص خاص صفتوں اور قابلیتوں میں سب سے بڑھ کر ممتاز اور افضل ہوئے ہوں لیکن یہ افضلیت بہ ظاہر نیچرل رو کو دکھلاتی ہے۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء و رسل ایسے ہی غیر معمولی طاقتوں والے انسان ہوتے ہیں۔ اُن کے کام نیچرل طریق پر ظہور پزیر ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ہونے یا نہ ہونے اور اس کے تصرف کرنے یا نہ کرنے کا کوئی دخل نہیں۔ وہ لوگ اپنی بڑھی ہوئی قدرتی طاقتوں ہی سے دنیا میں حیرت انگیز کام کر جاتے ہیں۔ جو باتیں اُن سے ذوق و شوق و آمد کی حالت میں ہوتی ہیں، اُنھیں وہ مزید اہتمام کے لیے خدائی کام یا کلام قرار دیتے ہیں اور جو باتیں وہ آمد سے معمولی حالتوں میں کرتے ہیں، اُسے اپنا کلام قرار دیتے ہیں، مگر چوں کہ وہ غیر معمولی انسان ہیں، اس لیے اُن کی آورد بھی کچھ کم نہیں ہوتی۔

رسولوں کو اپنی ذاتی قوتوں کی بنا پر ہی رسول ماننے سے وجود الٰہی اور اس کے تصرفات کے کسی ثبوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اکثر لوگ اس سے مشرک بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسولوں میں کوئی خدا کا بیٹا بنایا جاتا ہے، کوئی بالتبع شریک، کوئی اس کا مصاحب، کوئی وکیل، کوئی شفیع، کوئی منجی، کوئی شارع اور کسی کو خدا کے حکموں پر حاکم و قاضی قرار دیا جاتا ہے۔

دنیا میں نیچرل رسولوں کا ہونا بھی ممکن ہے اور اگر کوئی ایسا مدعی قرآن مجید کو مستقل سند بنائے، تو اس کے ہونے کا ہمارے لیے کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ خود بھی مستقل سند ہونے کی غلطی میں پڑ جائے، تو ہمیں اُس سے اجتناب و احتراز لازم ہے۔

جب قومی شرائع کے بعد جمیع نوع انسان کے لیے حق آ چکا، تو پھر حق کے بعد سوائے ضلال کے اور کیا ہو سکتا

ہے؟ اگر یہ کام خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ تمام نوعِ انسان کے لیے حق بھیجے، تو یہ بھی اُس احکم الحاکمین کی شان کے لائق ہوگا کہ اُس حق کو تمام نوعِ انسان کے لیے پہلی مبین کتاب بننے کا موقعہ دے اور ظاہر ہے کہ یہ وقوع صرف قرآن مجید ہی کے حصہ میں آیا ہے۔ بس قرآن مجید کے ساتھ کوئی اُور وحی ویسی ہی مستقل سند بننے کے لیے کبھی نہیں آسکتی۔

نیچرل رسولوں کے ساتھ بہ لحاظِ رسالت ہمارا کوئی علاقہ نہیں۔ ان کے کام غیر معمولی نیچرل طاقتوں کی بنا پر ہوتے ہیں۔ لیکن خدائی رسولوں کو جب وحی مل جاتی ہے، تو وہ اس کی بنا پر کمال خیر خواہی اور ہمدردی اور صدق و یقین سے کوششیں کرتے ہیں اور اس طرح بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں اور اعلیٰ مدارج پاتے ہیں۔ اُن کی رسالت کسی نیچرل لیاقت پر منحصر نہیں ہوتی۔

اگر خدائی رسول غیر معمولی لیاقتوں والے ہوں، تو کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی رسالت اُن ہی لیاقتوں کا نتیجہ تھی۔ اس سے خدائی تصرف کا کوئی ثبوت نہیں پیدا ہوسکے گا۔ پس اگر رسولوں کو سب سے بڑھ کر فصیح و بلیغ اور لسانی سند میں مسلم الثبوت مانا جائے، تو ان کی آمد و توجہ کی حالت کی تصنیف کا بے مثل ہونا کچھ بھی بعید نہیں رہتا۔ لیکن اگر ان کی اپنی بول چال بالکل معمولی ہو، تو اس صورت میں اُن کی لائی ہوئی فصیح و بلیغ کتاب کا الٰہی دخل سے طاہر ہونا قرینِ قیاس ہوسکتا ہے۔ اگر رسول سب سے بڑھ کر عالم و فاضل و حکیم ہوں، تو اُن کی خاص تصنیف بھی اُسی لیاقت کے پورے زور کا نتیجہ قرار پا سکتی ہے۔ جب بات یہ ہے تو لازم ہے کہ الٰہی رسولوں کا معمولی بشری عقل والا ہونا ہی لوگوں پر واضح ہوا اور اگر وہ محض اُمّی ہوں، تو تصرفِ الٰہی کی دلیل بالکل روشن ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر رسولوں کو اپنی ذات ہی سے سب سے بڑا نیک اور پاک اور بے غلط ٹھہرایا جائے، تو اُن کی توجہ و آمد کی خاص حالت کی تعلیم اس سے بڑھ کر ہوسکتی ہے۔ لیکن وہ الٰہی تصرف سے ملی ہوئی وحی نہیں کہلا سکتی۔ اس کے لیے لازم ہے کہ اُنھیں اپنی ذات کے لحاظ سے یہ کہا جائے۔ ووجدک ضالاً فھدیٰ اور وان کنت من قبلہ لمن الغافلین اور وما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان وغیرہ ذٰلک من الآیات۔

حاصل یہ ہے کہ تصرفِ الٰہی کے ثبوت کے لیے لازم ہے کہ رسولوں کو بالکل معمولی بشر ثابت کیا جائے اور شکر ہے کہ کفار کی گواہی سے بھی ایسا ہی ثابت ہے۔

جو خوبیاں وحی الٰہی کے زیرِ اثر چل کر مل سکتی ہیں، ان کے علاوہ رسولوں کی مستقل خوبیاں دکھلانا اور ان کے اقوال و افعال کو وحی الٰہی کے پہلو بہ پہلو مستقل بنانا اور یوں انھیں سارے کا سارا ہی وحی الٰہی بنا دینا اُنھیں نیچرل رسول بنا کر پیش کرنا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے اور مسلمانوں کو اس پر بار بار غور کرنے کی توفیق دے۔ آمین ✦

بیان

(خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

قصص | کسی امر یا واقعہ کا بیان، جو گذشتہ زمانہ میں رونما ہو چکا ہو، اس لفظ کا مفہوم پیچھے چلنا ہے۔

فَارْتَدَّا عَلٰى آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ | پھر موسیٰ اور اُن کا ساتھی، اپنے نقش قدم پر اُلٹے پھرے

حضرت موسیٰؑ اور اُس کا ساتھی ایک خاص مقام پر پہنچنا چاہتے تھے اور یہ مقام مجمع البحرین تھا (ملاحظہ ہو لفظ "بحر") اور خاص مقام تھا، لیکن آپ اور آپ کا ساتھی اس جگہ سے آگے نکل آئے۔ جب معلوم ہوا، تو اپنے نقش قدم پر پھر اُلٹے اس مقام پر لوٹے، گویا اُن کے نقش قدم زبان حال سے اس مقام کا پتہ بتا رہے تھے، جہاں دونوں نے ٹھہرنا تھا۔

جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے آپ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا، تو آپ کی بہن کو کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے جانا اور دیکھتے رہنا کہ کہاں پر پہنچتا ہے اور کیا ہوتا ہے:

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝	اور کہا اس کی بہن کو، اس کے پیچھے چلی جا، پھر دیکھتی رہی اس کو اجنبی بن کر اور اُن کو خبر نہ ہوئی۔

کسی شے کے پیچھے پیچھے چلنے سے اُس شے کے تمام احوال جو اس پر گذر رہے ہیں، مشاہدہ ہوتے ہیں، اس لیے "قصۃ" کا مفہوم انباء قدما سبق، ایسا بیان ہے، جو بالکل صحیح ہو، اس لیے انبیاء اور رسل کے قصص محض فسانے نہیں ہیں، بلکہ صحیح تاریخی واقعات ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن کتاب قصص نہیں ہے اور کتاب احکام وامثال تورات وانجیل کی طرح نہیں، لیکن اس میں قصص اور احکام در امثال بھی ہیں اور غرض محض اصول کی تشریح ہے، جس کی جامع ومانع کتاب قرآن عظیم ہے۔ یہ قصص جو قرآن میں مذکور ہیں، کسی شخص کے مکمل سوانح حیات نہیں۔ ان میں سے صرف اتنا حصہ لیا گیا ہے، جو سبق آموز ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ	البتہ ان کے احوال میں اہل عقل کے لیے عبرت ہے اور یہ (قرآن) کچھ انسانی بات بنائی ہوئی نہیں، لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو پہلے اس سے ہے (تورات، انجیل، صحف انبیاء وغیرہ) اور

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

ہر ایک شے کا (جو صحیفہ فطرت میں ہے) مفصل مذکور ہے اور ہدایت اور رحمت اہلِ ایمان کے لیے ہے۔

۳/۹

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ۹/۱۲

یہ مثال ہے اُن لوگوں کی کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں تو تُو بیان کر احوال، ممکن ہے کہ وہ فکر سے کام لیں۔

کسی شے کی یاد (ذکر) اُس شے کا تصور ہوتا ہے، جو دل میں آتا ہے۔ جب قلب اُس شے پر یعنی، اس کے تصور پر فکر کرتے ہوئے گذر رہا ہو، تو اس کو اصطلاح میں "عبرت" کہتے ہیں، یعنی عبور کرنا۔ ایسا تصور جو تدبر کے لیے ہو، اس کو "فکر" کہتے ہیں

ز ترتیب تصور ہائے معلوم　　　شود تصدیق نامعلوم مفہوم

قرآن میں تمام قصص تذکر و عبرت پر تفکر کو دعوت دیتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ ایک ہی اسباب کے نتائج ایک ہی ہوتے ہیں اور ہوتے رہے اور ہوں گے۔ یہ سنت اللہ ہے، قوانینِ فطرت ہیں، جو ہرگز ہرگز تبدیل و تحویل نہیں ہوتے۔ وُہ اور ذو ہمیشہ جاری ہی ہوں گے۔ یہ واقعات جو قرآن میں مذکور ہیں، اتفاقیہ نہیں ہیں اور اس کائنات میں کوئی واقعہ اتفاقیہ نہیں ہوتا۔ نتیجہ ہوتا ہے بعض اسباب کا اور یہ اسباب اتفاقیہ جمع نہیں ہوتے۔ قوانینِ فطرت کے تحت جمع ہوتے ہیں، جن کا واضع اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے تمام واقعات کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لفظ آیت کے تحت اس پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔ بہرحال ان قصص میں جو قرآن حکیم بیان فرماتا ہے، تذکر و عبرت و تفکر کی طرف ہدایت ہے اور انسان، اُن بُرائیوں سے بچ سکتا ہے، جو پہلوں پر نازل ہوئیں اور، اس لیے رحمت ہے۔

اگر قرآن مجید کتابِ قصص ہوتا، تو اس میں کُل انبیاء و رسل کے قصے بیان ہوتے لیکن ارشادِ الٰہی ہے کہ بعض کے قصے بیان کیے گئے ہیں اور بعض کے نہیں (۶/۱۳ ، ۲۴/۱۲) مزید بحث لفظ "رسل" کے تحت ملاحظہ ہو۔

اسی سے لفظ "قصاص" ماخوذ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

اے ایمان والو! تم میں سے جو قتل ہوں، اُن کا قصاص لکھا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جو کچھ بہ اتباع دستور بھائی کی طرف معافی ہو، تو اس کو احسان کے ساتھ عمل میں لانا چاہیے۔ یہ آسانی تمھارے پروردگار کی طرف سے ہے،

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ۱۷۹/۲

اور رحمت۔ اس کے بعد جو شخص زیادتی کرے، تو اس کے لیے عذابِ الیم ہے اور اے عقل مندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے شاید تم تقویٰ اختیار کرتے رہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ ۴۵/۵

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) پر اس (تورات) میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر۔ تو جس نے بخشی وہ تو وہ قصاص سے پاک ہوا۔

آیت ۴۵/۵ میں تورات کی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو خروج باب ۲۱، آیات ۲۳ تا ۲۶۔ احبار باب ۲۴، آیت ۲۰۔ استثناء باب ۱۹ آیت ۲۱۔ ان سب آیات کا لُب لباب قرآنی آیت ۴۵/۵ میں آگیا ہے۔

تورات میں ہر ایک قتل کا بدلہ قتل نہیں ہے، یہ حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ مستثنیات بھی ہیں مثلاً ایک شخص سے دوسرا شخص بلا ارادہ و نیت مجرمانہ مارا گیا، تو شریعتِ موسوی کی رو سے قاتل کو چاہیے کہ فوراً وہاں سے بھاگے جس طرح حضرت موسیٰ مصر سے بھاگے تھے۔ اس غرض کے لیے چھ شہر مقرر کیے گئے تھے، جہاں قاتل پناہ لے سکتا تھا۔ لیکن قتلِ عمد کا مرتکب ان شہروں میں بھی محفوظ نہ تھا اور ان شہروں کے بزرگ اس کو قاتل کے حوالے کر دیتے۔ ہاں اگر قتل اتفاقیہ ہو گیا ہو، تو قاتل کو چاہیے کہ وہاں اس عرصہ تک رہے کہ وہاں کا سردار کاہن فوت ہو جائے اور اس شہر کی چار دیواری سے اس عرصہ تک باہر نہ نکلے۔ اگر نکلا اور مقتول کے وارث نے اُسے پکڑ لیا، تو اُس کا اختیار ہے کہ اُسے قتل کر دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں قانون کم و بیش ہر ایک شخص کے ہاتھ میں تھا (شمار ۳۵/۱۹)

تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں باضابطہ عدالتیں قائم تھیں اور خوب انصاف ہوتا تھا، لیکن مظلوم کے ہاتھوں میں قانون اسی حالت میں دیا جاتا، جب مدنظر اس کی حوصلہ افزائی اور دل جوئی ہوتی۔ مثلاً قاتل کو خود مقتول کا وارث اپنے ہاتھ سے قتل کرتا۔ اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے، تو قصاص کا اوّلین حق وارث کو پہنچتا ہے۔ مصر میں رہ کر بنی اسرائیل نہایت پست حوصلہ ہو گئے تھے۔ صدیوں تک غلامانہ زندگی بسر کرنے سے سخت بزدل ہو گئے تھے۔

توریت کے احکام درباره قربانی اور قصاص اسی حکمت کو لیے ہوئے ہیں کہ وہ خون سے کھیلنا سیکھیں، کیوں کہ انھوں نے ایک اولوالعزم فاتح قوم بننا تھا۔

شہر کے سردار کاہن کی وفات کے بعد قاتل اپنے وطن کو مع الخیر مراجعت کر سکتا تھا۔ دراصل یہ سزا جلاوطنی تھی، ممکن ہے کہ سردار کاہن سے پہلے قاتل مر جائے یا اس کو عرصہ دراز تک اس شہر میں رہنا پڑے۔ بہر حال اُن ایام کے لحاظ سے یہ سزا نرم ہی تھی۔ قرآن نے اس کو اور بھی نرم کر دیا ہے اور اصل اصول واضح کر دیا ہے کہ "قصاص میں زندگی ہے" اور یہ کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے یعنی، قصاص پورا بدلہ ہو۔ اس میں کمی تو ہو سکتی ہے، جو نیکی اور احسان ہے، لیکن زیادتی ہرگز نہ ہونی چاہیے۔

"قصاص" سے جماعت انسانی زندہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو، تو ہر ایک بدکار ظالم کا ہاتھ دراز ہو اور امن مفقود ہو جائے اور تمام نظام عالم انسانی درہم برہم ہو جائے۔ یہ تو حکمت ہے۔ جو قصاص میں مضمر ہے۔ قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ جہاں قصاص میں حیات ہے، یہ غرض بھی ہے کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور انجام کار پر نظر کرتے ہوئے برائیوں سے بچیں اور اس طرح جرائم کم ہوتے ہوتے امن قائم ہو جائے۔ قرآن "دارالسلام" کی طرف دعوت دیتا ہے۔ مزید بحث زیر لفظ جرم و جناح و ذنب و اثم ملاحظہ ہو۔

قرآن، توریت کے حکم درباره قصاص کی تصدیق کرتا ہے، اور وہ اصل اصول بھی بیان فرماتا ہے جس کے رو سے یہ حکم بالکل صحیح ہے اور انصاف پر مبنی ہے۔ اب صحیفۂ فطرت کی آیات کا مطالعہ کرو۔ قصاص یہاں بھی پایا جاتا ہے، بلکہ اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ قانون سے ناواقفیت کوئی عذر معقول نہیں ہے۔ ہر ایک شخص کو قوانین فطرت سے واقف ہونا چاہیے۔ اگر وہ نہیں جانتا، تو اس کی غفلت ہے۔ جہالت ذہن انسانی کے مناسب نہیں ہے۔ اگر ایک شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا اور بدپرہیزی اس کا شعار ہے، تو فطرت کی مخالفت کر رہا ہے اور یہ قدر بدپرہیزی اس کو دیر سویر مواخذہ ہوتا ہے۔ مواخذہ تو دراصل فوراً ہوتا ہے، لیکن اس کا احساس ہمیں ذرا دیر میں ہوتا ہے، کیوں کہ برائی کی مقدار ابتدا میں خفیف ہوتی ہے اور اتنی ہی بُرائی ہمیں بدلا میں ملتی ہے، جسے ہم خیال میں نہیں لاتے۔ رفتہ رفتہ یہ مقدار بڑھتی جاتی ہے اور تکلیف میں بھی اسی نسبت سے اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اگر بُرائی حد سے زیادہ نہ بڑھے اور لا علاج مرض نہ ہو جائے، تو توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ بازگشت سے انسان پھر صحیح و سالم و تندرست ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت قصاص میں زندگی ہے، خواہ یہ اپنی ذات کے متعلق ہو یا غیر کے، اگر ہم اپنے نفس سے مطالبہ نہ کریں اور اس سے بداعتدالیوں کا قصاص نہ لیں، تو موت یقینی امر

اگر تدبر سے کام لیا جائے، تو واضح ہوگا کہ قصاص عالم انسانی کے لیے خاص ہے، ہمیں طبقۂ حیوانات میں ماسوائے انسان کسی حیوان کا فعل خلاف فطرت مشاہدہ نہیں ہوتا۔ مسائل آکل و ماکول کو اس بحث میں مخلوط نہیں کرنا چاہیے۔ ضروریات زندگی کو ہر ایک حیوان فطرۃً پورا کرتا ہے اور اس میں وہ جذبات کام نہیں کرتے، جو انسانی دل و دماغ میں ہیجان پیدا کرتے ہوئے اسے قصاص کا مستلزم بنا دیتے ہیں۔ توریت میں مذکور ہے کہ اگر ایک چوپایہ کسی کو سینگ مار کر ہلاک کر دے، تو اس چوپایہ کو مار ڈالو اور اس کا گوشت نہ کھاؤ اور اگر یہ چوپایہ باوجود اس امر کے کہ اس کے مالک کو متنبہ کیا گیا تھا کہ اسے کھلا نہ چھوڑے کسی شخص کو مار دے، تو مالک بھی قصاص میں مارا جائے گا۔ گویا مالک کے ہاتھ میں یہ چوپایہ آلۂ قتل ہے، جس کو تلف کر دینا چاہیے اور جب اس آلۂ قتل سے ایک شخص مارا جائے، تو قاتل دراصل مالک ہے، جو قصاص میں قتل نہ ہونا چاہیے، لیکن اس قتل اور اس قتل میں فرق ہے، جو قتل عمد کسی خاص شخص کا ہو، اس قتل عمد میں جو جذبات کام کرتے ہیں، اس سے قتل بذریعہ چوپایہ بالکل معرا ہے بہرحال یہ ایسے حالات ہیں کہ قرآن نے اس کے بارہ میں فیصلہ مجتہدین کی رائے پر چھوڑا ہے کہ شوریٰ کا فیصلہ ناطق ہوگا۔

انجیل حسب روایت مقدس متی باب ۵ آیات ۳۸ لغایت ۴۴ میں مذکور ہے کہ مسیح نے فرمایا کہ تم سن چکے ہو کہ یہ (توریت میں) کہا گیا ہے کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ تم برائی کا مقابلہ نہ کرو، بلکہ جو شخص تیرے داہنے گال پر دھپڑ مارے، دوسرا گال بھی دھپڑ کے لیے پیش کر دے اور اگر کوئی شخص تیرے خلاف عدالت میں دعوے کرے اور تیری قمیص لے لے، تو اسے لبادہ بھی لے جانے دے اور جو تجھے ایک میل بیگار لے جائے، اس کے ساتھ دو میل چلا جا۔ تم سن چکے ہو کہ اپنے پڑوسی سے محبت کر اور دشمن سے نفرت، لیکن میں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت کرو اور جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں ان کے لیے برکت مانگے، جو تجھ سے نفرت کرتے ہیں، ان سے احسان کر اور جو کینہ سے تجھے تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے حق میں دعا کر۔

قرآن حکیم میں اصل اصول یہ واضح کیا گیا ہے کہ "لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها" ۲۸۶؎، اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار تکلیف نہیں ڈالتا، اور فطرۃً یہی صحیح ہے۔ لیکن انجیل مقدس کی آیات سے بظاہر واضح ہوتا ہے کہ نفس انسانی پر ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈالا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے، بلکہ ان آیات میں ایک بدپرہیز قوم کی اصلاح مقصود ہے، جو نہایت شریر اور نہایت سرکش تھی اور

ان کی شرارت اور سرکشی کے خود حضرت موسیٰؑ بھی شاہد تھے اور اُن کے ہاتھ سے نالاں تھے۔ یہ بھی قانون فطرت ہے کہ بعض امراض کی اصلاح کے لیے ... ... بعض اشیاء بھی مریض کے لیے ممنوع ہو جاتی ہیں۔

بنی اسرائیل اُس وقت رومی گورنمنٹ کے ماتحت مغلوب اور محکوم قوم تھی اور سرکشی کا یہ عالم تھا کہ بار بار بغاوت کرتی اور گورنمنٹ اُن کی سرکوبی کرتی رہتی۔ مسیحؑ نے پہلا سبق اُن کو عدم تعاون اور عدم تشدد کا دیا (ملاحظہ ہو لفظ مسیحؑ) یہ تمام احکام انجیل وقتی اور ہنگامی تھے اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی حکم مطلق نہیں ہو سکتا، ہنگامی اور وقتی ہی ہوگا۔ جیسے حالات ہوں گے، اُن کے مناسب احکام ہوں گے۔ ان آیات میں ضبط نفس کی اعلیٰ تعلیم ہے کہ صبر و تحمل سے تکالیف برداشت کی جائیں، بلکہ بہ رضا و رغبت۔

جب ایک جماعت فطری زندگی بسر کرتی ہو، تو اس وقت اُس کی زندگی اصولی ہوگی، لیکن جب حالات ایسے پیدا ہو جائیں، جیسے عموماً بدپرہیز اقوام کے ہوتے ہیں، تو رعایت اصلح کو مدنظر رکھتے ہوئے احکام اصلاحی ہوں گے، جو بمنزلہ سزا کے ہیں، اس لیے انجیلی احکام کو ان حالات کی روشنی میں وزن کرنا چاہیے، جو اُس وقت رونما ہو رہے تھے۔

تورات میں میری نظر سے کوئی ایسی آیت نہیں گذری جس میں یہ لکھا ہو کہ "اپنے دشمنوں سے نفرت کرو" جیسا کہ مقدس متی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ یہ ظاہر ہے کہ مصری اسرائیلیوں کے دشمن تھے۔ ان کی نسبت ارشاد ہے کہ "مصریوں سے نفرت نہ کر، کیوں کہ تو ان میں اجنبی تھا" (استثناء، باب ۲۳ آیت ۷) غالباً موجودہ انجیل میں یہ ترجمہ کی غلطی ہے (ملاحظہ ہو لفظ "لسان") یہ تو اعلیٰ اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم گمراہوں کے حق میں دعا کریں کہ راہ راست پر آجائیں، بلکہ خود کوشش کریں، لیکن یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ ظالموں کو کھلا چھوڑ دیا کہ جو چاہیں سو کریں، البتہ مظلوم و محکوم، بے چارہ اور بے بس قوم اپنی کمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے، خواہ برکت کی دعائیں مانگے یا جو کچھ بھی زبردستوں کی خوشنودی مزاج کے لیے ہو سکتا ہے، کرے۔ آخر اُس نے زندہ رہنا ہے، زندگی خواہ ذلیل ہو، زندگی تو ہے، مگر آزاد غیور قوم کے لیے یہ احکام کسی طرح مناسب نہیں ہیں۔

ان ایام میں بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی، جس کا فائدہ رومی گورنمنٹ خاطر خواہ اٹھا رہی تھی اس لیے مسیحؑ نے ایک تو ان میں اتحاد پیدا کرنا چاہا، دوسرے گورنمنٹ چوں کہ بہت طاقت ور تھی، اس لیے اپنی کمزور طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تعلیم دی کہ ایسی حالت میں شریر کا مقابلہ نہ کر، خواہ وہ سختی کریں یا بیگار لے جائیں، چپکے سے برداشت کر، وغیرہ وغیرہ۔ —— جو اقوام برسرِ عناد ہوں اور جن سے جنگ چھڑ جائے اُن سے دوستی اپنے حق میں ہلاکت ہے اور یہ تعلیم تورات کی ہے اور اس کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔ مناسب مقام پر بحث کی

موجودہ انسان سے جسمانی طور پر زیادہ قوی تھے، مگر ان کا دماغ نسبتاً بہت چھوٹا تھا۔ علاوہ ازیں ہم اکثر جگہوں پر پتھر اور لوہے کے ناقص اور بے شکل وصورت اوزار اور برتن بھی دیکھتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ابتدائی یا نیم ترقی یافتہ انسان، جو پہاڑوں کی غاروں میں رہتا تھا، ان اوزاروں سے وحشی حیوانات کا شکار کرتا تھا اور ان کا گوشت برتنوں میں تیار کرتا تھا۔ حفظِ نفس (Self- preservation) نے جو ہر ذی حیات کی جبلی خواہش ہے، اسے مجبور کر دیا کہ معاشرتی زندگی بسر کرے۔ جونہی اس نے معاشرتی زندگی اختیار کی، اس کے نفسی و دماغی قوٰی میں حیرت انگیز ترقی و اضافہ ہوتا چلا گیا اور بالآخر موجودہ تہذیب وتمدن کی حد تک پہنچ گیا۔

کتابِ زمین کے اوراق پر جو طبقات کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح عہد بہ عہد اور طبقہ بہ طبقہ وحید الخلوی مخلوق (Unicellular Organism) سے بہ ذریعہ ارتقاء حضرتِ انسان کا ظہور ہوا۔ قدیمۃ الاولیٰ کے آخری طبقہ تک تمام وحید الخلوی اور ابتدائی غیر ذی فقری حیوانات رونما ہو جاتے ہیں۔ قدیمۃ الاولیٰ کے پہلے حصہ میں غیر ذی فقری حیوانات کا ارتقاء ہوتا ہے اور ان میں گوناگوں جنسی اور نوعی تبدیلیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں، جو اعلیٰ غیر ذی فقری حیوانات مثلاً مفصلی حیوانات (Arthropoda) کے ظہور تک پہنچ جاتی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے حصہ میں حشرات اور ایسے ذی فقری حیوانات پیدا ہو جاتے ہیں، جو پانچ انگلیوں کے دست و پا سے ابھی تک قطعاً محروم ہیں اور ابتدائی انواع کی مچھلیوں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا عضوی ارتقاء ہوتا ہے اور نہ صرف اعلیٰ انواع کی مچھلیاں ہی ظہور پذیر ہو جاتی ہیں، بلکہ ابتدائی مینڈک کے آثار بھی رونما ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ قدیمۃ الوسطیٰ میں مچھلیوں اور مینڈکوں سے چھپکلیوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے، جو مختلف انواع کی عظیم الشان چھپکلیوں (Dimosaurs) کی نمود کا باعث ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی پرندے بھی معرضِ وجود میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ابھی جدیدۃ الاخریٰ تک نہیں پہنچتے کہ ابتدائی ذوات الثدی کا ظہور ہو جاتا ہے۔ پھر بہ تدریج بالائی طبقوں میں ان حیوانات کا ارتقاء جاری رہتا ہے حتیٰ کہ جدیدۃ الحاضرہ میں حضرت انسان کی خلقت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

طبقاتِ زمین کے حیوانات و نباتات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ توالد و تناسل کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، جس کی وساطت سے ماحول کی پیہم تبدیلیوں کے زیرِ اثر ادنیٰ ذی حیات مخلوق اعلیٰ

ذی حیات مخلوق میں بہ تدریج تبدیل ہو رہی ہے، تاہم یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ حیوانات و نباتات کی بعض انواع تدریجی تغیرات سے نہیں، بلکہ ناگہانی طور پر معرض وجود میں آ گئیں۔ اس ناگہانی تبدیلی کو جس کے ذریعے ایک نوع دفعتۂ دوسری نوع میں تبدیل ہو جاتی ہے، علمی اصطلاح میں تحول فجائی (Mutation) کہا جاتا ہے۔ تحول فجائی پر وسائل ارتقاء کے ضمن میں نقد و تبصرہ کیا جائے گا۔

اونٹ کا تخلیقی ارتقاء اور قرآن | قرآن حکیم میں اونٹ کی خلقت کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کرائی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

اَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ | کیا وہ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے!

موجودہ اونٹ کے آثار متحجرہ جن سے اس حیوان کے تدریجی ارتقاء کا سراغ ملتا ہے، صرف شمالی امریکہ کے طبقات زمین میں پوری ترتیب کے ساتھ دستیاب ہوتے ہیں، مگر یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ اس بر اعظم پر زندہ اونٹ کا نام و نشان تک نہیں۔ اس کے علاوہ خود اس جانور کے ارتقائی مدارج جو اس کے رکازات (Fossils) سے عیاں ہوتے ہیں، اس قدر پیچیدہ ہیں کہ عقل انسانی مبہوت ہو کر رہ جاتی ہے۔ پروفیسر لُل (Lull) جو عہد حاضر کا مستند ماہر رکازات سمجھا جاتا ہے، لکھتا ہے:

"اونٹ، حیوانات کا ایک ایسا گروہ ہیں، جن کی ارتقائی تاریخ (Phylogeny) ان کے رکازاتی شواہد سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس حیوان نے اپنے قریباً تمام ارتقائی مدارج شمالی امریکہ میں طے کیے، تو ہماری دلچسپی کے اعتبار سے اس کا مقام بلند ہو جاتا ہے"

اکثر علماء اسلام نے متذکرہ صدر آیت کی تشریح میں صرف اسی بات پر اکتفا کیا کہ انسانی نقطۂ نگاہ سے اس کے فوائد گنوا دیے جائیں، یا زیادہ سے زیادہ سطحی طور پر اس کی چند ایک عضوی خوبیاں پیش کر دی جائیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جس چیز کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے، وہ محض اس کے اقتصادی فوائد یا چند ایک عضوی خصوصیات ہی نہیں، بلکہ اس کی خلقت کے وہ اسرار و غوامض ہیں، جو اوراق زمین پر مرقوم ہیں۔ بلاشبہ جب ہم اونٹ کے رکازات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمارے دلوں میں خلاق حقیقی کی عظمت و کبریائی کا احساس پیدا ہوتا ہے، جس نے ایسے عجیب و غریب انداز میں اس حیوان کی تخلیق کی۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس حیوان کے تخلیقی ارتقاء پر مشاہدات کی روشنی میں نقد و تبصرہ کرنے کی کوشش کریں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عضوی خصوصیات پر ایک جھلکتی ہوئی نگاہ ڈالیں، جو اس کی ندرتِ تخلیق کا بجائے خود ایک نمایاں پہلو ہیں۔

روئے زمین پر اونٹ کی صرف چار انواع (Species) زندہ پائی جاتی ہیں، دو نوع دنیائے قدیم میں آباد ہیں اور دو دنیائے جدید یعنی جنوبی امریکہ میں۔ دنیائے قدیم کی دو نوعوں میں سے ایک نوع وُہ ہے، جو سرزمین عرب پر خدمت انسانی میں مصروف ہے۔ اس کی پشت پر صرف ایک کوہان (Hump) ہوتا ہے۔ دوسری نوع وُہ ہے، جو وسط ایشیا میں آباد ہے اور جس کی پشت پر بجائے ایک کوہان کے دو کوہان ہوتے ہیں۔

اونٹ کو بجا طور پر ریگستان کا جہاز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ اس کی تمام عضوی خصوصیات صحرائی ماحول سے مطابقت رکھتی ہیں۔ یہ مطابقت بالخصوص دو اہم ترین صورتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اس کی ٹانگوں کی عضوی نوعیت ایسی ہے کہ کمال سہولت و سرعت کے ساتھ ریگستانوں میں بے تکان طول طویل مسافتیں طے کر سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کے دانت اور اعضاء ہاضمہ (Digestive Organs) کچھ ایسی ساخت کے ہیں کہ قلیل صحرائی نباتات پر جو نہ صرف دُور دراز فاصلوں پر پائی جاتی ہے، بلکہ اکثر خاردار جھاڑیوں اور سخت کھال کے پودوں پر مشتمل ہوتی ہے بخوبی گذارا کر سکتا ہے۔

ریگ زاروں میں اس کی تیز خرامی واقعی موجب حیرت ہوتی ہے۔ خلاقِ حقیقی کی کارفرمائیاں دیکھیے کہ اس کی ٹانگوں میں ایسی عدیم النظیر تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، جو اُسے دوسرے حیوانات سے متمیز کرتی ہیں اور اس کے مخصوص ماحول کے لیے بالکل موزوں ہیں۔ مثلاً ٹانگیں طویل ہو گئی ہیں۔ اگلے اور پچھلے پاؤں کی انگلیاں گھٹ کر صرف دُو رہ گئی ہیں، جو ایک دوسری کے ساتھ حد درجہ کا تناسب (Symmetry) رکھتی ہیں۔ پچھلی ٹانگوں میں پنڈلی کی ہڈی زیادہ مضبوط اور نمایاں طور پر لمبی ہو گئی ہے۔ ان کی طوالت میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو گیا ہے کہ ران کی ہڈی (Femur) ریڑھ کی ہڈی (Vertebral Column) سے کافی دُور ہٹی ہوئی ہے۔ ان خصوصیات کے علاوہ زیادہ قابل توجہ یہ بات ہے کہ ٹانگوں کے جوڑوں (مفاصل) میں اطرافی حرکت (Lateral Movement)

اور ریگ کی نمایاں کمی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ریگستان میں بلا تکلف سیدھا بڑھتا چلا جائے۔ جہاں تک پاؤں کی ساخت کا تعلق ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر دو ایک ایسی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں، جن سے دوسرے سم دار حیوانات محروم ہیں، مثلاً چلتے وقت انگلیاں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک زمین پر ہموار پڑتی ہیں، اور سُم گھٹ کر صرف ناخنوں کی صورت میں رہ گئے ہیں۔ یہ خصوصیات ریگستانی ماحول کے لیے بہ درجہ اتم موزوں ہیں۔ اگر اس کی انگلیاں ریگ زار پر ہموار پڑنے کی صلاحیت نہ رکھتیں اور پاؤں سُموں میں ملفوف ہوتے، تو یہ حیوان ریت کے تودوں پر آسانی کے ساتھ نہ گزر سکتا۔

دانتوں کی تعداد جو دوسرے نبات خور حیوانات میں بالعموم چوالیس ہے، اس میں گھٹ کر چونتیس رہ گئی ہے۔ اوپر کے اگلے دانت (Incisors)، جو اور جانوروں میں چار ہوتے ہیں، اس میں صرف دو پائے جاتے ہیں اور وہ بھی کتا دانت (Canines) کی طرح کچھ نکیلے سے ہو گئے ہیں، تاکہ اُن سے پودوں کی سخت کھالوں کو کاٹ سکے۔ نچلے جبڑے کے اگلے دانت گو حسب معمول موجود ہیں، مگر کچھ چپٹے سے ہو گئے ہیں اور آگے کی طرف بڑھے ہوئے ہیں۔ کُتا دانت اپنی طبعی حالت میں ہیں، مگر اُن سے وہ کام لیا جاتا ہے، جو دوسرے حیوانات میں اگلے دانتوں سے لیا جاتا ہے۔ کتا دانت اور پہلی داڑھ کے درمیان کچھ فاصلہ ہے، جہاں کوئی دانت نہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ پہلی داڑھ سے وہ کام لیا جاتا ہے، جو دیگر حیوانات میں کتا دانت سے لیا جاتا ہے۔ پہلی داڑھ کے بعد پھر کچھ بے دانتوں کا فاصلہ ہے، اس کے بعد چوتھی داڑھ اور تین بڑی داڑھیں ہیں۔ ان داڑھوں کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ غذا کو چبانے اور پیسنے کے لیے حد درجہ موزوں ہیں، گو گھوڑے کی داڑھوں کے مقابلہ میں کسی قدر سادہ نوعیت کی ہیں۔

کوہان (Hump) اونٹ کے جسم کی امتیازی خصوصیت ہے۔ یہ تکونی شکل کا ہوتا ہے اور اس میں لیس دار چربی کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، جو اونٹ کو ان طویل وقفوں میں غذا کا کام دیتا ہے، جب اُسے کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آتی۔ بھوک کی حالت میں یہ چربی ڈھل ڈھل کر اُس کے جسم میں پہنچتی رہتی ہے اور اس کی زندگی کو قائم رکھتی ہے۔ چنانچہ جب اونٹ کئی دن کا بھوکا ہوتا ہے، تو کوہان نرم اور کم زور پڑ کر ایک جانب لٹک جاتا ہے۔ اونٹ کی ایک اور عضوی خصوصیت یہ ہے کہ پانی کا بہت بڑا ذخیرہ موجود رکھنے کے لیے اس کے معدہ کے ایک حصہ میں

ایک خانہ ہوتا ہے۔ یہ خانہ صراحی نما خانوں پر مشتمل ہوتا ہے جن پر عضلات (Muscles) کی تہ چڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب اس خانۂ آب (Water Reservoir) کو پانی سے بھرنا مقصود ہوتا ہے، تو یہ عضلات از خود ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور پانی صراحی نما خانوں میں بھر جاتا ہے۔ جب دَورانِ سفر میں پانی میسر نہیں آتا، تو ان خانوں کے عضلات بہ وقتِ ضرورت سکڑتے رہتے ہیں اور معدے میں پانی پہنچاتے رہتے ہیں اور اس طرح خون میں پانی کی کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں۔

چلتے وقت اونٹ اپنا سر جسم کے متوازی یعنی افقی خط پر رکھتا ہے، جو زمین سے نو فٹ کی بلندی پر رہتا ہے۔ اس اندازِ خرام سے دَو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ریت کے ذرّات سے جو معکوس شعاعیں (Reflected Rays) آتی ہیں، وہ براہِ راست آنکھوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ دوسرا یہ کہ نتھنوں اور آنکھوں میں ریت کے ذرّات پڑنے کا امکان کم ہو جاتا ہے۔ آنکھوں پر لمبی لمبی پلکیں، کانوں میں لمبے لمبے بال اور نتھنوں پر آنکھوں کے پپوٹوں کی طرح گوشت کے پردے (جن سے وہ بہ وقتِ ضرورت نتھنوں کو بند کر سکتا ہے) ایسی امتیازی خصوصیات ہیں، جو ریگستانی ماحول کے لیے نہایت موزوں ہیں۔ ان سے یہ اعضائے حِسّیہ (Sense organs) ریت کے ذرّات سے اور زیادہ محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اونٹ کی نظر تیز اور قوی ہوتی ہے اور اس کی قوتِ شامہ اس قدر ہوتی ہے کہ دُور و دراز فاصلوں سے پانی کا وجود محسوس کر سکتا ہے۔

اونٹ کی دماغی کیفیت کچھ عجیب قسم کی ہے۔ وہ اپنے سوار کے معاملہ میں بالکل بے پروا ہوتا ہے، خواہ اس کی پیٹھ پر آقا سوار ہو یا کوئی اور۔ جُوں ہی چلنا شروع کیا، کوسوں سیدھا چلا جاتا ہے۔ مُڑ کر کسی جانب نہیں دیکھتا۔ ہاں، اگر کوئی جھاڑی یا درخت دیکھ لے، تو اسی کی طرف ہو لیتا ہے اور مطلقاً پروا نہیں کرتا کہ اپنے راستہ سے بھٹک گیا ہے اور اُسے صحیح راستہ پر آ جانا چاہیے۔

درحقیقت یہ حیوان اپنی سادگیٔ طبع اور ذہنی استعداد کی کمی کی وجہ سے خدمتِ انسانی میں مصروف ہے۔ اس میں انسانی تربیت کا دخل نہیں۔ علماء حیوانات کا خیال ہے کہ وحشی اونٹ میں، جو جنگلوں میں رہتا ہے، پالتو اونٹ کے مقابلہ میں ذہنی استعداد قدرے زیادہ ہوتی ہے، اس لیے کہ اس کا دماغ نسبتاً بڑا ہوتا ہے۔

جہاں تک بار برداری کا تعلق ہے، اونٹ کی قدر و منزلت دوسرے حیوانات کے مقابلے میں کچھ کم نہیں۔ دس دس من کا بوجھ انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ میلوں دُور لے جاتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ عرب کا اونٹ ایک دن میں ایک سو پچاس میل کی مسافت طے کرسکتا ہے اور مسلسل کئی کئی دنوں تک بے آب و دانہ مصروفِ سفر رہتا ہے۔

جنوبی امریکہ میں اونٹ کی نسل کی دو نوعیں ہیں، جنھیں لاما (Lama) اور الپاکا (Alpaca) کہا جاتا ہے۔ یہ اونٹ بہ نسبت عربی اونٹ کے نہایت پست قامت ہوتے ہیں۔ ان کے پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں، جن پر بجائے ایک گدی (Pad) کے دو گدیاں ہوتی ہیں۔ یہ پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں اور سردی سے بچاؤ کے لیے اُن کے جسموں پر اُون ہوتی ہے۔ اُن کی اعضائی خصوصیات سے پتہ چلتا ہے کہ گو یہ اب کوہستانی ماحول میں آباد ہیں، ان کے آباؤ اجداد ریگستانوں میں بستے تھے۔ ان کے آثارِ متحجرہ بھی اس حقیقت کی تائید کرتے ہیں۔

اونٹ کے ارتقائی تغیرات جب ہم اونٹ کی ارتقائی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ حسبِ ذیل تبدیلیوں کی وساطت سے موجودہ اونٹ کی تشکیل و تکوین ہوئی:

(۱) قد و قامت میں طوالت۔ اونٹ کا مورثِ اوّل جس سے بذریعہ ارتقاء اس کا ظہور ہوا، ایک بڑی قسم کے خرگوش سے زیادہ قد و قامت نہیں رکھتا تھا۔

(۲) پاؤں کی اطرافی انگلیوں (Lateral Digits) کا تدریجی فقدان۔ اونٹ کے مورثِ اوّل کے پاؤں میں چار انگلیاں تھیں۔ درمیانی انگلیاں نہ صرف بدستور قائم رہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ مضبوط ہوتی چلی گئیں اور اطرافی انگلیاں بہ تدریج گھٹتے گھٹتے معدوم ہوگئیں۔

(۳) پشت پا کی ہڈیوں (Metapodials) کا ٹانگوں کی لمبی ہڈیوں سے مخلوط ہو کر ایک ہو جانا اور ان کی طوالت میں اضافہ۔

آپ جانتے ہیں کہ کلائی اور ٹخنے میں چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں، جن کا جوڑ بازو اور پنڈلی کی ہڈیوں سے ہوتا ہے۔ یہ ہڈیاں اونٹ کے اسلاف میں بہ تدریج لمبی ہڈیوں سے گھل مل گئیں۔

(۴) انگلیوں کا بہ تدریج چپٹا ہونا اور پاؤں پر گدیوں (Pads) کی تدریجی نشو و نما۔ اونٹ کے مورثِ اوّل کے پاؤں کی انگلیاں چپٹی نہیں تھیں اور نہ ہی اُن پر گدیاں تھیں۔ یہ عضوی

اقیموزات بتدریج پیدا ہوتے چلے گئے اور موجودہ اونٹ پر منتہی ہوئے۔

(۴) پاؤں کے پُشتی اُبھار (Keel) کا تدریجی فقدان۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ گدھے یا گھوڑے کے سُم کے اوپر اور پچھلی جانب ایک تکونی اُبھار ہوتا ہے۔ یہ اُبھار اونٹ کے اسلاف میں موجود تھا، جو بہ تدریج گھٹتا چلا گیا اور آخر کار معدوم ہو گیا۔

(۵) دانتوں کی تعداد میں کمی اور ان کی طوالت میں اضافہ۔

اونٹ کے اسلاف کے مونہوں میں چوالیس دانت تھے۔ ان میں بہ تدریج کمی واقع ہوتی چلی گئی اور بالآخر موجودہ اونٹ میں یہ تعداد گھٹ کر چونتیس رہ گئی، جہاں دانتوں کی تعداد گھٹتی چلی گئی، وہاں باقی ماندہ دانتوں کی لمبائی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اونٹ کی ارتقائی تاریخ | جہاں تک موجودہ اونٹ کے آثار متحجرہ کا تعلق ہے جن سے اس کی ارتقائی تاریخ کا مشاہدہ ہوتا ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ شمالی امریکہ اس کا بیت الارتقاء (Evolutionary Home) ہے، اس لیے کہ اس کے رکازات (Fossils) ابتدائی درجہ سے لے کر آخری درجہ تک صرف اسی قطعۂ ارضی کے طبقات میں پورے نظم وانضباط کے ساتھ دست یاب ہوئے ہیں۔ دوسرے ممالک میں اس کے رکازات جدیدۃ التقریبیہ (Pliocene) میں ملے ہیں، مگر اس سے نچلے طبقات میں ان کا نام ونشان تک نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جدیدۃ التقریبیہ کے زمانہ میں اونٹ کے اسلاف شمالی امریکہ سے نکل کر جنوبی امریکہ، ایشیا اور افریقہ میں پھیل گئے، جہاں وہ آج زندہ پائے جاتے ہیں، اس کے کچھ عرصہ بعد یعنی جدیدۃ الحاضرہ کے درمیانی زمانہ سے شمالی امریکہ میں اونٹ بالکل ناپید ہو گیا۔

اس وقت تک اس سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا جا سکا کہ کیوں اونٹ کے اسلاف جدیدۃ التقریبیہ کے عہد سے پہلے دنیائے قدیم (Old World) میں نہ پہنچ سکے، حالانکہ مدتوں پہلے گھوڑے کے اسلاف دنیائے قدیم کے قریباً ہر گوشہ میں پھیل چکے تھے۔ یہ ایک ایسا راز ہے، جس کا عقل انسانی آج تک انکشاف نہیں کر سکی۔ پروفیسر میتھیو (Prof. Mathew) نے اس پر بہت خامہ فرسائی کی ہے، مگر وہ بھی آخر کار معترف ہو جاتے ہیں کہ یہ ایک ایسا معمہ ہے، جس کا تسلی بخش حل پیش کرنے سے ہم ابھی تک قاصر ہیں۔ اس موقع پر آپ غور فرمائیے کہ قرآن حکیم میں اونٹ کی خلقت کی طرف اجمالی اشارہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا اس سے یہ مقصود تو نہیں کہ ہمیں عقل انسانی کی درماندگی کا احساس

ہوجائے اور ہم معترف ہوجائیں کہ واقعی کارفرمائے حقیقی کے قوانینِ تخلیق ہماری حدِ ادراک سے باہر ہیں۔

اب ہم اونٹ کے آثارِ باقیہ جو شمالی امریکہ کے طبقاتِ زمین سے دست یاب ہوتے ہیں، بالترتیب آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن سے اس عجیب الخلقت حیوان کا تدریجی ارتقاء آپ پر واضح ہوجائے گا۔

جدیدۃ القصوی[1] اونٹ کے اسلاف کے آثارِ منجمد سب سے پہلے جدیدۃ القصوی میں ملتے ہیں۔ ان آثارِ منجمد سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ اونٹ کا مورثِ اول ایک چھوٹا سا حیوان تھا، جو ایک بڑی قسم کے خرگوش سے زیادہ قد وقامت نہیں رکھتا تھا۔ اس کے منہ میں چوالیس دانت تھے۔ کتا دانت (Canine) کسی قدر بڑا تھا اور داڑھوں کا بالائی حصہ پست تھا۔ سر کے ڈھانچے کا اگلا حصہ تنگ تھا، جو موجودہ اونٹ کے کاسۂ سر سے مشابہت رکھتا ہے، مگر آنکھ کا حلقہ پچھلی جانب سے نامکمل تھا۔ اگلی ٹانگیں، پچھلی ٹانگوں کی بہ نسبت بہت چھوٹی تھیں۔ اگلی ٹانگوں کے پنڈلی کے حصہ کی دونوں ہڈیاں (Radius Ulna) جدا جدا تھیں۔ اسی طرح پچھلی ٹانگوں کے پنڈلی کے حصہ کی دونوں ہڈیاں موجود تھیں۔ اگلے پاؤں میں چاروں انگلیاں مکمل تھیں، گو دو درمیانی انگلیاں، اطرافی انگلیوں سے نسبتاً زیادہ مضبوط تھیں۔

اس حیوان کو جس سے موجودہ اونٹ کے ارتقاء کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، انگریزی اصطلاح میں "پروٹی لوپس" (Protylopus) کہا جاتا ہے۔

جدیدۃ الادنیٰ[2] اس طبقہ میں اونٹ نما حیوانات (Camel-like Animals) کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ ان حیوانات کی رکازات اس طبقہ کی نمایاں خصوصیت ہیں۔ یہ حیوانات کم و بیش بھیڑ کی قد وقامت کے تھے، مگر ان کی گردنیں اور ٹانگیں نسبتاً لمبی تھیں اور ان کے سر کا ڈھانچہ تنگ اور لمبا تھا۔ ان کے مونہوں میں اپنے مورثِ اول کی طرح ابھی تک چوالیس دانت تھے۔ اوپر کے جبڑے کی داڑھوں کا بالائی حصہ چھوٹا تھا، مگر نچلے جبڑے کی داڑھیں کسی قدر لمبی ہوگئی تھیں۔

ان حیوانات میں ہم خاص طور پر یہ ارتقائی تبدیلی دیکھتے ہیں کہ اگلے اور پچھلے پاؤں کی درمیانی انگلیاں زیادہ مضبوط ہوگئی ہیں اور دو اطرافی انگلیاں گھٹ کر خفیف نشانات کی صورت میں باقی رہ گئی ہیں، مگر پاؤں کے پشتی ابھار (Keel) ابھی تک موجود ہیں۔ اگلے پاؤں کی پنڈلی کی دونوں

---

[1] (Eocene)

[2] (Obgocene)

ہڈیاں آپس میں متحد ہو کر ایک ہو گئی ہیں اور پچھلی ٹانگوں کی پنڈلی کی ایک ہڈی جیسے فبُولا (Fibula) کہا جاتا ہے، انحطاط پذیر ہو کر دونوں سروں پر خفیف نشانات کی صورت میں رہ گئی ہے۔ ان کے سم ہرن کے سموں سے کسی قدر مشابہ ہیں۔ اس طبقہ کے بالائی حصّہ کے اونٹ نما حیوانات نچلے حصّہ کے اونٹ نما حیوانات سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ اوّل الذکر میں آنکھوں کے حلقے (Orbits of the eyes) پچھلی جانب مکمل ہو گئے ہیں۔

ان حیوانات کو انگریزی اصطلاح میں پیبروتھیریم (Poebrotherium) اور گومفوتھیریم (Gomphotherium) کہا جاتا ہے۔

جدیدۃ الوسطیٰ | اس طبقہ میں گھاس خور اونٹ نما حیوانات کا ارتقا ہوا۔ اس کے بالائی حصّہ کے یہ حیوانات نچلے حصہ کے حیوانات سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور از روئے ارتقا موجودہ اونٹ کے زیادہ قریب ہیں۔

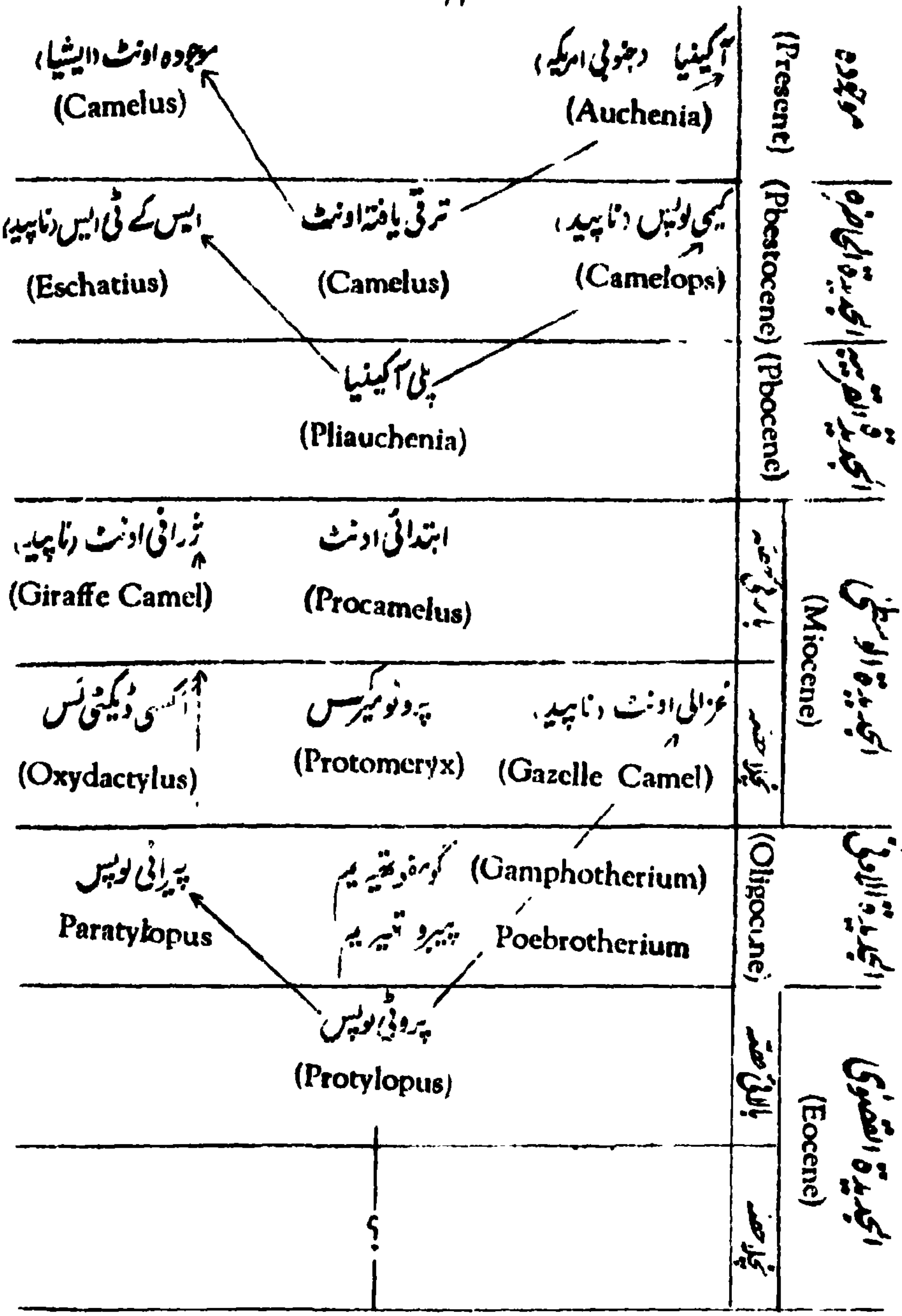
نچلے حصہ کے اونٹ نما حیوانات میں دانتوں کی تعداد ابھی تک چوالیس ہے، مگر داڑھوں میں پست اور چوڑا ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ پاؤں میں صرف دو انگلیاں رہ گئی ہیں اور سم، ہرن کے سموں کی طرح نوک دار ہو گئے ہیں۔ ان حیوانات کو انگریزی اصطلاح میں پروٹومیرکس (Protomeryx) کہا جاتا ہے۔

بالائی حصہ کے اونٹ نما حیوانات میں ہم پہلی بار دیکھتے ہیں کہ دانتوں کی تعداد میں کمی واقع ہو گئی ہے۔ اگلے چار دانتوں (Incisors) میں سے دو دانت مفقود ہو گئے ہیں، کلائی اور ٹخنہ کی چھوٹی چھوٹی ہڈیاں، بازو اور پنڈلی کی ہڈیوں سے مخلوط (Fused) ہو گئی ہیں۔ یہ صورتِ حال پچھلی ٹانگوں میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ پاؤں کا پشتی ابھار بھی معدوم ہو گیا ہے، جو صحرائی ماحول کا تقاضا ہے۔ ان حیوانات کو "ابتدائی اونٹ" (Procamelus) کہا جاتا ہے۔

اس طبقہ کے نچلے حصہ میں ہمیں ایسے حیوانات کے رکازات ملتے ہیں، جو اونٹ کے مورثِ اعلیٰ سے اطرافی شاخوں کی صورت میں نمودار ہوئے اور اس حصّہ تک پہنچتے ہی ناپید ہو گئے۔ ان میں زرافی اونٹ (Giroffe-Camel) خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ یاد رہے کہ موجودہ زرافہ

---

۵۸ (Miocene)



موجودہ اونٹ کا تخلیقی ارتقاء

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت

اس نثرانی اونٹ سے ماخوذ نہیں۔

جدیدۃ القریبہ | اس طبقے میں ایسے حیوانات کے رکازات دست یاب ہوئے ہیں جن کے مطالعہ سے وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جدیدۃ الوسطی کے ابتدائی اونٹ (Procamelus) سے بذریعہ ارتقاء ظہور پزیر ہوئے، ان میں دانتوں کی تعداد میں اور کمی واقع ہوگئی ہے۔ نچلے جبڑے کی دوسری چھوٹی داڑھ (Second Premular Isthmus) مفقود ہوگئی ہے۔ ان حیوانات کو انگریزی اصطلاح میں "پلی آکینیا" (Pliauchenia) کہا جاتا ہے۔ ان حیوانات سے دو الرا غی شاخیں نکلیں، جو بالائی طبقہ میں پہنچ کر ناپید ہوگئیں۔

جدیدۃ الحاضرہ | اس طبقے میں ایسے حیوانات کے لاتعداد رکازات ملے ہیں جنھیں موجودہ اونٹ کے قریبی اسلاف کہا جاسکتا ہے۔ ان میں دانتوں کی تعداد اور کم ہوگئی ہے۔ اوپر کے جبڑے کی ایک چھوٹی داڑھ اور نچلے جبڑے کی دو چھوٹی داڑھیں ناپید ہوگئی ہیں۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ حیوانات وہ پہلے اونٹ ہیں، جو سرد موسموں سے تنگ آکر خاکنائے بیرنگ (Bering Isthmus) کے راستہ سے دنیائے قدیم کی طرف ہجرت کرگئے اور اس کے مختلف گوشوں میں پھیل گئے۔ ان حیوانات کو انگریزی اصطلاح میں (Camelus) کہا جاتا ہے۔

شمالی امریکہ میں اونٹ کا ناپید ہوجانا علماء رکازات (Palaeontologists) کے نزدیک ایک ایسی گتھی ہے، جسے وہ سلجھا نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ اس کا تقابل دیکھیے کہ کیسے نرالے انداز میں ہوا ہے؟ اس کے اعضاء و جوارح پر نظر ڈالیے کہ کس ڈھب کے ہیں؟ غرضیکہ جب ہم اس کی ہیئت و خلقت پر غور کرتے ہیں، تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ "احسن الخالقین" ہے، اور اس کی عظمت و کبریائی ہمارے فہم و ادراک کی حد سے باہر ہے۔

نظریات ارتقاء

تمام علماء (Scientists) اور مفکرین، قانون نشوو ارتقاء کے قائل ہیں، مگر جہاں تک

لے (Pliocene)   ۵؎ (Pleistocene)

اُن وسائل و اسباب کا تعلق ہے، جو اس ارتقاء کے ذمہ دار ہیں، مختلف آراء ہیں۔ تشریحی، جنینی اور رکازاتی (Palocontological) شواہد جن کا مختصراً تذکرہ کیا جا چکا ہے، اس حقیقت پر پوری روشنی ڈالتے ہیں کہ واقعی تمام حیوانات و نباتات کی انواع و اقسام مستقل بالذات نہیں ہیں، بلکہ ایک دوسری سے مشتق و منشعب ہیں۔ یوں سمجھیے کہ یہ انواع و اقسام ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں ہیں، جو ایک اوّلین و سادہ ترین یعنی وحید الخلوی عضویہ (Unicellular Organism) سے ظہور پذیر ہوئیں۔ اس وحدتِ اصل کے مسئلہ پر ہر زمانہ میں بالغ النظر علماء و محققین نے کم و بیش غور و فکر کیا۔

جب ہم نظریۂ ارتقاء کے تفحص و تجسس کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمارے سامنے تین ایسے دَور آتے ہیں، جن میں اس موضوع پر پوری دلچسپی کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ سب سے پہلا دَور حکماء اسلام کا تھا۔ علامہ ابن مسکویہ مصنف فوز الاصغر، مصنفین رسائل اخوان الصفا، ابن ماجہ، ابو نصر فارابی، ابی سینا، امام راغب اصفہانی، مولانا روم رح، حکیم سنائی، عمر خیام، وغیرہم نے ڈارون سے صدہا سال پہلے وحدتِ اصل انواع پر تحقیق و جستجو کی۔ دوسرا دَور علماء فرانس کا ہے، جن میں جفری سینٹ ہلیر (Geoffroy St. Hilaire) اور لامارک Lamarek نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ لامارک نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "فلسفۂ حیوانات" (Philosophic Zoologique) میں اس مسئلے کی طرف خاص توجہ دی کہ ارتقاء کن ذرائع سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تیسرا دور عہدِ حاضر کے علماء ارتقاء کا ہے، جن میں چارلس ڈارون (Charles Darwin) خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اس نے طویل غور و فکر اور دُور دراز ملکوں کے حیوانات و نباتات کے مطالعہ کے بعد اس نظریہ کو اس بلند آہنگی کے ساتھ پیش کیا کہ تمام عالم اس کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

اب ہم ان علماء کی آراء کو آپ کے سامنے رکھتے ہیں، جنھوں نے قانونِ نشو و ارتقاء کے وسائل و اسباب پر دقتِ نظر کے ساتھ تحقیق و جستجو کی۔ ہمارے علوم کے ہمیشہ دو پہلو رہے ہیں: ایک پہلو، مشاہدات کا ہوتا ہے اور دوسرا استقراء و استنباط کا۔ مشاہدات کی تکذیب نہیں ہو سکتی، مگر جہاں تک استقراء و نتیجہ کا تعلق ہے، اختلافِ آراء کا امکان ایک لابدی چیز ہے۔ یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ تمام کائنات عالم میں ارتقاء کارفرما ہے۔ مگر یہ معلوم کرنا کہ وہ کیا ذرائع ہیں، جو غیر محسوس طور پر اس ارتقاء کے ذمہ دار

ہیں؟ ہماری عقلی و ذہنی تحقیق و کاوش سے متعلق نہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وسائل ارتقاء (Means of Evolution) کے بارے میں مختلف زمانوں میں مختلف نظریات پیش کیے گئے اور ترمیم و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہد حاضر کے علماء ارتقاء کے نظریات، مشاہدات پر کچھ اس طرح مبنی ہیں کہ ان کی اصابت کا کسی حد تک قائل ہونا پڑتا ہے اور سب سے زیادہ قابل توجہ بات ہے کہ قرآن حکیم بھی ان نظریات کے بعض بنیادی حقائق پر صاد کرتا ہے۔

مسلم علماء ارتقاء کے خیالات ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے اپنے مشاہدات کی بنا پر یہ حقیقت واضح کرنے سے کوتاہی نہیں کی کہ قانون ارتقاء کائنات عالم کا ایک اٹل قانون ہے، جو جمادات، حیوانات اور نباتات پر یکساں حاوی ہے۔ بایں ہمہ ان کی تصنیفات میں (جو دستیاب ہوسکی ہیں) قانون ارتقاء کے وسائط و ذرائع پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ممکن ہے کہ یا تو وہ کتب، جن میں اس موضوع پر بحث کی گئی، مسلمانوں کی غفلت کی وجہ سے ضائع ہوگئیں یا علوم عقلیہ کی کم ترقی یافتہ حالت ان کی راہ میں مانع تھی۔ تاہم یہ کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ تاریخ حیاتیات کے صفحات پر یہ الفاظ جلی حروف میں ہمارے سامنے آتے ہیں کہ "سب سے پہلا شخص جس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان ادنےٰ حیوانات سے بہ ذریعہ ارتقاء ظہور پذیر ہوا ہے، وہ ابن طفیل ابو بکر محمد بن عبدالملک اندلسی ہے"

لامارکیت[۵] (Lamarekism) لامارک، ایک فرانسیسی عالم حیاتیات تھا، جو ۱۷۴۴ء میں پیدا ہوا۔ ۱۸۲۹ء میں فوت ہوا۔ اس کے نظریات کو، جو وسائل ارتقاء سے متعلق ہیں، لامارکیت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے، اس نے اپنے نظریات "فلسفہ حیوانات" میں، جو ۱۸۰۹ء میں شائع ہوئی، کمال جرأت کے ساتھ پیش کیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کلیسا کا اثر یورپ کے گوشے گوشے پر مسلط تھا اور لوگ نظریۂ ارتقاء کے سخت مخالف تھے۔ لامارک حیوانیات (Zoology) نباتیات (Botany) اور علم رکازات (Palaeontology) کا مستند استاذ تھا۔ جوں ہی اس نے اپنے علمی نتائج دنیا کے سامنے پیش کیے، کلیسا نے اس کی شدید مخالفت کی۔ لوگوں نے مذاق اڑایا اور بالآخر یہ شیدائی علم نہایت مایوسی اور عسرت کی حالت میں جب کہ وہ بینائی سے بھی

---

[۵] (Lamarekism)

محروم ہو چکا تھا، اس دنیا سے چل بسا۔

لامارک کہتا ہے کہ جب ماحول (Environment) میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، تو یہ تبدیلیاں زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں اور اس میں تغیرات پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ تغیرات، عادات کو بدل دیتے ہیں۔ عادات کے بدل جانے سے بعض اعضاء وجوارح کے زیادہ یا کم استعمال کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یا تو نئے اعضاء کی تشکیل ہونا شروع ہو جاتی ہے یا پرانے اعضاء رہیں تبدیلیوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اس طرح حیوانات ونباتات کی انواع، ماحول کی تبدیلیوں کے باعث نئی انواع میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ لامارک اعضاء کے استعمال یا عدم استعمال پر بہت زور دیتا ہے یعنی، عدم استعمال سے اعضاء انحطاط پذیر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور متواتر و مسلسل استعمال سے ان کی نہ صرف قوت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، بلکہ ان کی ساخت اور شکل بھی متغیر ہو جاتی ہے۔

لامارک کا خیال ہے کہ ادنیٰ حیوانات اور نباتات پر موثرات خارجیہ براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں اور ان میں تبدیلیوں کا باعث ہوتے ہیں۔ مگر اعلیٰ حیوانات پر ان کا اثر بالواسطہ ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کے اندر نظام اعصابی کی ترقی یافتہ حالت کے باعث شعور واحساس کی استعداد زیادہ ہوتی ہے، جو انھیں ماحول کے مہیجات (Stimuli) کے مطابق نقل وحرکت کرنے پر مجبور کرتی ہے، مگر اس نقل وحرکت کی نوعیت اجسام حیہ کی عضوی خصوصیات پر منحصر ہے۔ بہرحال خواہ ماحول کا اثر بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، لامارک کے نزدیک تمام اعضائی تبدیلیوں کا سرچشمہ، موثرات خارجیہ کی تبدیلیاں ہیں اور ان ہی تبدیلیوں پر ارتقاء کا دارومدار ہے۔

متذکرہ صدر الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اعضائی تبدیلیاں جو ماحول کے زیر اثر، کثرتِ استعمال یا عدم استعمال کے باعث ظہور پذیر ہوتی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نئے حالات سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ ایک نسل سے دوسری نسل میں برابر منتقل ہوتی رہتی ہیں اور بالآخر موروثی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ اگر نئے حالات گرد و پیش (New Conditions of Environment) مدت مدید تک بہ دستور قائم رہیں، تو کثرت استعمال یا عدم استعمال کے باعث اعضاء میں جو تبدیلیاں واقع ہوں گی، وہ نسلاً بعد

نسل اس درجہ راسخ اور مستحکم ہوتی چلی جائیں گی کہ اگر وہ حالات بھی نہ رہیں، جب بھی وہ اعضائی تبدیلیاں آئندہ نسلوں میں برابر منتقل ہوتی چلی جائیں گی یعنی، اکتسابی صفات (Acquired characters) موروثی صفات (Hereditary characters) بن کر رہ جائیں گے۔

لامارک نے اپنے نظریہ کی وضاحت زراف (Giraffe) کی مثال دے کر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زراف افریقہ کے ان حصوں میں پایا جاتا ہے جہاں اب زمین بالکل خشک ہے اور گھاس اور جھاڑیوں کا نام و نشان تک نہیں۔ پہلے یہاں نباتات کی کثرت تھی اور زراف کے اسلاف ان پر آسانی کے ساتھ گذارا کرتے تھے۔ بہ تدریج یہ نباتات کم ہوتی چلی گئی اور زراف مجبور ہو گیا کہ درختوں کی ٹہنیوں پر گذارا کرے۔ نسلاً بعد نسلٍ یہ حیوانات اس کوشش میں مصروف رہے کہ درختوں کی ٹہنیوں تک اپنا منہ پہنچا سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلی ٹانگیں بہ تدریج زیادہ سے زیادہ طویل ہوتی چلی گئیں اور بالآخر موجودہ طوالت تک پہنچ گئیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ تبدیلی ماحول میں انقلاب آجانے سے ہوئی، مگر چونکہ یہ تبدیلی عرصۂ نامعلوم تک قائم رہی اور آئندہ نسلوں نے اسی ماحول کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کی، اس لیے جو جسمانی تغیرات رونما ہوئے، وہ اس قدر راسخ ہو گئے کہ انھیں موروثی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اب آپ زراف کو کسی اور ماحول میں لے جائیے، اس کی گردن اور اگلی ٹانگیں، جو اس کی نمایاں عضوی خصوصیات ہیں، بدستور آئندہ نسلوں میں نظر آتی رہیں گی۔

آپ سانپ کو لیجیے۔ کہتے ہیں وہ حیوانات چار ٹانگوں والی چھپکلیاں تھیں۔ یہ چھپکلیاں ماحول کی تبدیلیوں کے باعث مجبور ہو گئیں کہ زمین کے اندر تنگ و طویل بلوں میں گھس کر اپنی زندگی بسر کریں۔ اس نئے طریق زندگی کے اختیار کرنے سے ٹانگوں کا استعمال بتدریج کم ہوتا چلا گیا۔ عدم استعمال کا جو نتیجہ نکلتا تھا، وہی نکلا۔ ٹانگیں آہستہ آہستہ گھٹتی چلی گئیں اور بالآخر معدوم ہو گئیں۔ ساتھ ہی تنگ بلوں میں پھنس پھنس کر گھس جانے کی کوشش سے جو عرصۂ دراز تک جاری رہی، جسم گول اور طویل ہو گیا۔ اسی طرح آبی پرندوں کے اسلاف جو خشکی پر زندگی بسر کرتے تھے۔ ماحول کی تبدیلیوں کے باعث مجبور ہو گئے کہ اپنی خوراک پانی سے حاصل کریں۔ یہ کوشش

کئی نسلوں تک جاری رہی جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان پرندوں کے پاؤں کی انگلیوں کے درمیان پانی پر تیرنے کے لیے جھلّی کی تشکیل ہوگئی اور بعض آبی پرندوں میں جو پایاب پانی میں چلنے کی کوشش میں مصروف رہے، ٹانگوں کی طوالت بڑھ گئی۔

لامارک کے نزدیک ارتقاء کے ذمہ دار تین اسباب ہیں۔ موثراتِ خارجیہ، استعمال وعدم استعمالِ اعضاء اور اکتسابی صفات کی توریث۔

اکتسابی صفات کی توریث

اگر ماحول میں کوئی تبدیلی واقع ہو جائے، تو ہر حیوان یا پودا جو اس ماحول میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے، اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لازمی طور پر بعض اعضاء کا استعمال بڑھ جائے گا اور بعض تعطل میں پڑ جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ جو اعضاء زیادہ استعمال ہوں گے، ان کی قوت و توانائی میں اضافہ ہو جائے گا اور لازمی طور پر ان کی شکل وصورت میں بھی کم و بیش تغیر واقع ہو جائے گا۔ اس کے برعکس جو اعضاء کم یا بالکل استعمال نہیں ہوں گے، وہ رُو بہ تنزل ہو جائیں گے اور اسی مناسبت سے ان کی عضویت ہمہ و متغیر ہو جائے گی۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ موثرات خارجیہ کی تبدیلی کے تقاضے سے جو ایک حیوان یا پود سے کے جسم میں تبدیلی رونما ہوئی، وہ اس کی اپنی زندگی میں ہوئی، یہ تبدیلی ایسی نہیں جو اسے اسلاف سے ورثہ میں ملی ہو، بلکہ اس کی اپنی پیدا کی ہوئی ہے، یعنی اس کے اعضاء جسم میں ماحول کے اثر سے جو خاص بات پیدا ہو گئی ہے، وہ ایک اکتسابی خصوصیت ہے۔ ایسی اعضائی تبدیلیوں کو جو حیوانات و نباتات کے جسموں میں ان کی اپنی زندگی کے دوران میں تغیراتِ ماحول کے باعث پیدا ہوں اکتسابی صفات (Acquired characters) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ برعکس ان کے ان اعضائی خصوصیات کو جو آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی ہوں اور ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ موروثی صفات (Hereditary characters) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ آپ لامارک کے نظریات پر نگاہ ڈالیے۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ اکتسابی صفات مدتِ مدید کے بعد موروثی صفات میں بدل جاتے ہیں، بشرطیکہ اس تمام مدت میں وہ ماحول جو ایک مخصوص تبدیلیٔ اعضاء کا ذمہ دار ہے، بدستور قائم رہے اور نسلاً بعد نسل برابر اثر انداز ہوتا رہے۔ مختصر الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہے کہ اکتسابی صفات، موروثی صفات بن جا سکتے ہیں۔ اس

موضوعاتِ کبیر

مؤلّف: مُلّا علی قاری

مترجم: الحاج خان صاحب چوہدری رحمت علی خاں
پنشنر ڈپٹی کلکٹر انہار

مُدیر: خواجہ محمد عباد اللہ اختر بی اے،

موضوعاتِ کبیر

مُلا علی قاری نے یہ کتاب سنہ ۱۰۰۱ھ میں لکھی۔ اس کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے مؤلف نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا کہ سلف صالحین و ائمہ مجتہدین کی تحقیقات جو ان کی تصانیف میں منتشر تھیں، ایک جگہ جمع کر دیں۔ مُلا علی قاری حنفی تھے، لیکن علیٰ وجہ البصیرت تقلید کرنے والوں سے تھے۔ اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ فقہ حنفی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے اور مسلمانوں کا غالب گروہ اسی مذہب پہ ہے۔ ہمارے زمانہ کے احناف کو اپنے ایک فاضل ہم عقیدہ یا ہم مشرب کی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیے وہ ذہنی جمود جو آج کل عام مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، خیر القرون میں تو ممکن نہ تھا، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی اس کی نظیر نہیں۔ وہ حضرات جو اہلِ قرآن کے نام سے مشہور ہیں اور احادیث کا مطلق انکار کرتے ہیں، انھیں بھی ٹھنڈے دل سے اپنے عقیدے پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ امت مسلمہ امت وسطیٰ ہے، جو افراط و تفریط سے کنارہ کش و اعتدال پسند ہے۔ نہ تو احادیث کی منکر ہے اور نہ احادیث کو قرآن عظیم کی مثل یقین کرتی ہے۔ احسن واہدی کو قبول کرتی ہے

"موضوعات" کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ آں حضرت صلعم اور صحابہ کرام رض کو قرآن عظیم کی حفاظت مطلوب تھی اور یہی وجہ ہے کہ حفاظ کی ایک کثیر تعداد آں حضرت صلعم کے زمانے سے آج تک مسلسل چلی آئی اور اس کی کتابت کا بھی ساتھ ہی انتظام کیا گیا اور ہمارے زمانے میں پریس نے اس کی اشاعت میں ممکن سہولیت پیدا کر دی ہے۔ آں حضرت صلعم یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ قرآن عظیم کے علاوہ کچھ اور جو آپؐ سے منسوب ہو معرضِ تحریر میں آئے، اس کے وجوہ خود حدیث میں مذکور ہیں:

(۱) یہ اندیشہ تھا کہ قرآنِ عظیم کی آیات بیّنات اور احادیث مخلوط۔ کر وہی کیفیت پیدا نہ ہو جائے، جو کتب سابقہ توراۃ، انجیل وغیرہما میں مشاہدہ ہوئی ہے۔

(۲) اُمم سابقہ کی طرح اُمت مُسلمہ بھی روایات کی طرف متوجہ ہو کر گُم راہ نہ ہو جائے۔
پہلے اندیشہ کا سدِ باب تو خاطر خواہ ہو گیا اور قرآن عظیم محفوظ کتاب ہے، لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ "امت روایات میں کھو گئی"۔ نہ صرف احادیث، بلکہ اقوالِ ائمہ دین اور اجتہاداتِ مجتہدین کی طرف اتنی توجہ ہوئی کہ قرآن عظیم، جس کا دعویٰ ہے کہ اس کا مثل تمام جن و انس مل کر بھی نہیں بنا سکے، ان کا محتاج ہو گیا۔ احادیث کو مثلہ معہ قرار دیا گیا اور اقوال کو تفسیری حیثیت دی گئی۔ موضوعات میں صرف احادیث پر بحث ہے، اس لیے ہم ان اسباب پر مفصل بحث نہیں کرتے، جو رفتہ رفتہ امتِ مُسلمہ کے ذہنی جمود کا باعث ہوئے۔
(۳) خود قرآن عظیم کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت تدبر سے کی جائے، اور آیات پر علی بصیرت عمل ہو۔
اگر اُمت مُسلمہ کچھ تدبر اور بصیرت سے کام لیتی، تو یہ ذہنی جمود جو اب رونما ہو رہا ہے، نہ ہوتا۔
حقیقت یہ ہے کہ احادیث، اقوال اور اجتہادات ہر زمانے کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب اُمت مسلمہ کی راہ نمائی کرتے رہے؛ لیکن سلف صالحین کے خلف کچھ ایسے سہل انگار پیدا ہوئے کہ دل و دماغ سے کام لینا چھوڑ دیا اور رفتہ رفتہ اُن کی ذہنی قوتیں سلب ہو گئیں اور ان کی حیثیت قردة الخاسئین کی رہ گئی کہ وہ نقل میں مشاق ہوتا ہے، لیکن حقیقت سے بے خبر۔ احادیثِ رسول صلعم اور اقوالِ ائمہ دین کا اجتہاد وقتی ہی تھا اور انھوں نے قرآن عظیم کی آیات کے تحت جو جامع و مانع کتاب اصول ناقابلِ تبدیل و تحویل حقیقت ہے، اجتہاد کیا تھا۔ اگر یہ سلسلۂ اجتہاد قائم رہتا، تو امت مُسلمہ بھی زمانہ کے حالات کا ساتھ دے کر فائز المرام ہوئی، لیکن احادیث اور اقوال ہی کو وہ دائمی حیثیت دی گئی، جو صرف قرآن کو حاصل ہے۔
"موضوعات" میں ان اسباب پر مفصل بحث کی گئی ہے، جو وضع احادیث کے محرک ہوئے۔
(۴) آں حضرت صلعم کا یہ ارشاد کہ لوگ ایک دوسرے سے جھوٹ منسوب کرتے ہیں، اگرچہ یہ بھی بُری بات ہے، لیکن آں حضرت صلعم سے ایسی بات منسوب کرنا، جو آپؐ نے نہ کہی ہو، ایسا جھوٹ ہے جس کی سزا جہنم ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو قرآن عظیم کی آیات میں تصرف اور آیات وضع کرنا، لوگوں نے یہ کام بھی کیا اور یہ کام موضوع احادیث کے ذریعے کیا۔ پھر لطف یہ ہے کہ یہ احادیث صحاح میں من و عن موجود ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں دو سورتیں جو شدت میں سورہ براۃ کے برابر تھیں، موجود نہیں ہیں۔

ناسخ و منسوخ کی نامعقول دل خراش بحث کا مفہوم بھی یہی کچھ ہے کہ قرآن کی آیات کا حکم و اثر بھی بشری کلام کی طرح وقتی ہی تھا اور خاص حالات کے مناسب اور خاص زمانہ کے موافق تھا اور اب منسوخ ہوگیا۔ اس کی تائید بھی موضوع احادیث سے ہوتی ہے، جو صحاح میں موجود ہیں۔ دوسری صورت آں حضرت صلعم کی احادیث کا وضع کرنا ہے اور اس پر بحث موضوعات میں کی گئی ہے کہ یہ صورت کس طرح پیدا ہوئی:

(۱) آں حضرت صلعم کی شخصیت محبوب تھی اور وفات کے بعد لوگوں کو محبوب کی باتیں سننے کا شوق ہوا۔ اس وقت صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت موجود تھی۔ اس بڑھتے ہوئے شوق کے مضر نتائج سے یہ بزرگ خوب واقف تھے۔ چنانچہ وہ احادیث کم روایت کرتے تھے اور ساتھ ہی وہ وعید شدید بھی سنا دیتے کہ آں حضرت صلعم پہ جھوٹ بول دینا جہنم میں ٹھکانہ بنانا ہے۔ اس کی غرض یہ نہ تھی کہ وہ خود کذب وافترا سے کنارہ کرتے ہیں، بلکہ یہ بھی کہ رواۃ احادیث روایت کرتے ہوئے جھوٹ کی آمیزش نہ کریں۔ اس کا اثر اصحابؓ کے زمانہ تک رہا۔ تابعین کا دور شروع ہوا اور لوگوں کا شوق تیز تر ہوتا گیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں تو حد ہی ہوگئی، اس لیے قصہ گو اور واعظ حشرات الارض کی طرح پیدا ہوگئے اور یہ ظاہر ہے کہ قصہ کہانیوں میں ذہنی تعیش انتہا درجہ کا ہوتا ہے اور جتنا بھی اس میں جھوٹ ملایا جائے، اتنا ہی قصہ دل چسپ ہوگا۔ قصہ گویوں اور واعظوں کو اپنی گرم بازاری مطلوب تھی، اس لیے احادیث وضع کرنے میں بے باک تھے۔ مسلمانوں پر مذہبی رنگ ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ قصہ گو اور واعظ اسی لیے احادیث وضع کرتے رہے کہ اثر خاطر خواہ ہوگا اور خود قصہ گویوں اور واعظوں کو یہ تسلی تھی کہ وہ نیک کام کر رہے ہیں اور غرض ترغیب و ترہیب و پند و نصائح ہی ہے۔ یعنی ناجائز وسائل سے جائز فائدہ حاصل کرنے کو کچھ گناہ نہیں سمجھتے تھے۔

(۲) اس حد تک تو نیت بخیر تھی اور اس کا نتیجہ اتنا خطرناک نہ تھا، جتنا ان احادیث کا جو زنادقہ اور ملحدین نے محض دین اسلام میں رخنہ ڈالنے کے لیے وضع کیں۔ قصہ کہانیوں کی وقعت سے اہل ذکر و فکر خوب واقف تھے، لیکن وہ احادیث جو پیش گویوں کے رنگ میں پیش کی گئیں یا جن کی زد براہِ راست قرآن اور آں حضرت صلعم کی سیرت پر پڑتی تھی۔ اچھے بھلے دین داروں کو گم راہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان تواریخی واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیے، جو خلافت شیخین کے بعد رونما ہوئے۔ مثلاً: اموی اور ہاشمی رقابت جس نے اسلامی سیاسی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔

خلافت صدیق اکبر و فاروق اعظم میں ایرانی قومی حکومت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہوگیا۔ یہ ایک

عظیم الشان حکومت تھی۔ اس کا تمدن، تہذیب اور مذہب اپنا تھا اور قدیم تھا۔ ایرانی سپہ سالار کا یہ کہنا کہ: "زشیرِ شتر خوردن و سوسمار عرب را بجائے رسید است کار
کہ تختِ کیاں را کند آرزو تفو باد بر چرخ گرداں تفو"

ہر ایک ایرانی کے خیالات کی ترجمانی ہے۔ اتنے وسیع ملک کی عظیم الشان قومی سلطنت کی بربادی کوئی ایرانی ٹھنڈے دل سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میدانِ کارزار میں جی توڑ کر لڑے اور شکست کھائی۔ اس کے بعد بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ بھی ٹوٹ گیا۔ دانش مندانِ ایران نے آخر تلخ تجربہ کے بعد عربی حکومت کے تفوق اور طاقت کا حقیقی راز دریافت کر لیا۔ یہ راز دینِ اسلام میں ہے جس نے عرب کے مختلف قبائل میں اخوت پیدا کی جس نے اُن کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ کر دیا تھا، جس نے ان کو ایک قوم "بنیان مرصوص" بنا دیا تھا، اس لیے اگر کسی تدبیر سے اس میں رخنہ پڑ جائے، تو ایران کھوئی ہوئی شان و شوکت پھر حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت عرب اسلام کا اور اموی خلافت عرب کی نمائندہ تھی۔ یہ خالص عربی حکومت تھی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ تینوں براعظم ایشیا، افریقہ، اور یورپ میں چلا گیا تھا۔ یہ فتح مند قوم جس جگہ گئی، اسلام اور عربی زبان کو شائع کرتی رہی۔ چنانچہ ان کے دور دورہ میں افغانستان، بلوچستان، وسط ایشیا اور شمالی افریقہ میں اسلام کی اشاعت بہ درجۂ کمال ہوئی اور ان ممالک کے لوگ آج تک خالص مسلمان قومیں ہیں۔ ایرانیوں کو بھی اسلام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا، لیکن دل میں "ژند اوستا" رچی ہوئی تھیں۔ اوستا کی زبان ژند ہے، لیکن روزمرہ میں لفظ "ژند" سے آتش پرستوں کی مقدس کتاب اوستا تعبیر ہوتی ہے، اس لیے وہ لوگ جو اگرچہ بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور مسلمانوں میں ملے جُلے رہتے، مگر دل پر ژند کا نقش تھا، اصطلاح میں "زندیق" کہلائے، جس کی جمع "زنادقہ" ہے۔

اسلام میں رخنہ اندازی کرنا کچھ آسان کام نہ تھا اور برسرِ حکومت قوم جس کی طاقت کا راز ہی اسلام میں مضمر تھا، اس کی اجازت کب دے سکتی تھی؟ اس لیے سب سے پہلے اس کی ضرورت تھی کہ کسی تدبیر سے اُسے کمزور کیا جائے۔ اُموی اور ہاشمی دو حریف قبائل تھے اور ہاشمی آسانی سے آلۂ کار بن گئے۔ کوفہ، عراق میں واقع ہے اور یہ نوآبادی یا چھاؤنی حضرت عمرؓ کے عہد میں عجم اور عرب کے کنارے پر قائم ہوئی۔ اس جگہ نومسلم مجوسیوں کا ہجوم ہو رہا تھا اور یہی مقام عجمی ریشہ دوانی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُموی خلافت نے اس کا انتظام ایسے عمال کے ہاتھوں میں رکھا ہوا تھا، جو اُن کی سرکوبی وقتاً فوقتاً

کرتے رہے۔ ان میں سے حجاج بن یوسف ثقفی کا نام بہت مشہور ہے جس کے مظالم کی داستانوں کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں کہ "دو پیمانہ آب است و یک چمچہ دوغ"

شہادت عثمان رضؓ کے بعد حضرت علی رضؓ نے دارالخلافت فوراً کوفہ میں منتقل کر دیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ عرب کو آپ پر اور آپ کو عرب پر اعتماد نہ تھا اور مدینہ ارضِ حجاز میں خالص عربی قومی مرکز تھا۔ کوفہ سے ہاشمیوں کی تائید ہوتی رہی اور اس مقام پر حضرت علی رضؓ کو یقین تھا یا ان کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ ان کی خلافت محفوظ ہے۔ عجمیوں کو کچھ "اہل بیت" سے (جو ان کی اپنی وضع کردہ اصطلاح ہے اور جس سے وہ فاطمیوں کو تعبیر کرتے ہیں) محبت نہ تھی۔ ان کی غرض محض خانہ جنگی سے عربی طاقت کو معدوم کرنا تھا، اس لیے دعوئ عشق و محبت تو بلند آہنگی سے کرتے، لیکن عملاً مدد سے ہمیشہ قاصر رہے۔ امام حسن رضؓ نے بھانپ لیا تھا کہ یہ شورہ پشت جماعت کیا چاہتی ہے؟ امام رضؓ تو ان کے دام مکر میں نہ پھنسے، لیکن ان کی وفات کے بعد امام حسین رضؓ ان کے فریب کا شکار ہو گئے۔ واقعۂ شہادت کے ضمن میں ہنگامہ آرائی کی گئی اور خلفاء بنی امیہ کے فسق و فجور کی داستانیں اختراع کی گئیں اور احادیث وضع کی گئیں۔ مدعا سوئ تختۂ حکومت کو الٹنا تھا اور مہدی کی آمد کا انتظار ہونے لگا۔ فاطمی مدعیانِ خلافت ناکام رہے، لیکن عباسی غالب آئے۔ عجمی منہ دیکھتے رہ گئے، لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے۔ اب فاطمی اور عباسی سیاسی کشمکش شروع ہو گئی۔ فاطمی مدعیانِ خلافت اکثر کام آئے اور میدانِ خلافت عباسیوں کے ہاتھ رہا۔ اس دور میں عربی طاقت رفتہ رفتہ کم زور ہوتے ہوتے ختم ہو گئی اور عجمی اقتدار رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ یہ وہ زمانہ ہے؛ جب زنادقہ نے لاکھوں احادیث وضع کیں اور شائع ہو گئیں۔

ائمۂ دین بالخصوص امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحؒ کا دنیائے اسلام پر بہت بڑا احسان ہے۔ ان حضرات نے اس فتنہ کا سدِ باب کرنا چاہا، جو طول و عرض میں شائع ہو رہا تھا اور احادیث جمع کیں۔ احادیث ایک نہ ایک دن ضرور معرضِ تحریر میں آتیں، لیکن اگر یہ حضرات ابتدا میں ایسا نہ کرتے، تو آج ہمارے پاس اتنا ذخیرہ ہوتا، جو دفتر بھی ختم نہ ہوتا۔ کسی حد تک موضوعات کا سدِ باب تو ہو گیا، لیکن ایک اور دقت پیش آئی۔ اہل قلم سب عجمی تھے۔ انھوں نے "صحاح" کی کتابت بھی اپنے ہاتھ میں لے لی اور ان میں موضوع احادیث داخل کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ جس دقتِ نظر سے ائمہ دین[1]

---

[1] مولفین صحاح (البیان)

نے احادیث کا انتخاب کیا، اس کا تقاضا تھا کہ ایسی احادیث درج صحاح نہ ہوتیں، جو صریحاً تعلیم قرآن کے خلاف اور براہِ راست اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی سیرت پر زد ہیں۔ اور فی الحقیقت یہ درج بھی نہ تھیں۔ یہ سب الحاقی موضوع احادیث ہیں۔ یہ بعد میں آنے والے مجتہدین کا کام تھا کہ صحاح کا انتخاب کرتے، لیکن جرأت نہ ہوئی۔

"موضوعات" کا بہت بڑا حصہ اب بھی موجود ہے اور وہ احادیث جو محبانِ اہل بیت نے جمع کیں، معصوم عن الخطاء ائمہ کی روایت سے شیعہ حضرات کے کام آئیں۔ ان احادیث کی بنا پر فرقہ بندی اور تفرقہ کا دَور شروع ہُوا اور اُمتِ مُسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ایک دوسرے کو کافر کہنے لگا۔ احادیث کا اختلاف اسی امر کا مقتضی تھا کہ "ہفتاد و دو فریق حسد کے عدد سے ہوں"۔

حجتِ شرعی | سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کی طرح احادیث حجت شرعی ہیں؟ "موضوعات" کے مطالعہ کے بعد جواب نفی میں ہے "حجت شرعی" قانون کی صفت ہے اور قانونی الفاظ اگر محفوظ نہ ہوں، تو حجت نہیں ہو سکتے۔ قانونی الفاظ نہ صرف محفوظ ہوں، بلکہ ان کا مفہوم بھی واضح اور متعین ہونا چاہیے۔ مبہم عبارت کبھی حجت نہیں ہو سکتی۔ یہ وصف صرف قرآن عظیم کی آیات بینات کا ہے۔ جو تمام و کمال محفوظ ہیں اور ہر ایک لفظ کا مفہوم واضح ہے اور خود قرآن کا دعوٰے ہے کہ وہ نصیحت کے لیے آسان ہے اور اس کی عربی میں کوئی کجی اور کوئی لگی لپٹی بات نہیں اور ہر ایک شے کی تفصیل اور بیان ہے۔ لیکن بایں ہمہ ہم اس حد تک تسلیم کرتے ہیں کہ احادیث گو آں حضرت صلعم کے زمانہ میں قلم بند نہ ہوئیں اور آپؐ کے اور خلفاء راشدین کے فیصلے گو تحریر میں نہیں آئے۔ وقتی حجت تھے اور اسی طرح ائمۂ دین کے فتاوٰے بھی وقتی یعنی اپنے اپنے زمانہ کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب تھے۔

ضرورتِ وقت | ہنگامی آئین و قوانین حالات کے تابع وضع ہوتے رہتے ہیں۔ حالات غیر محدود اور ہمیشہ بدلتے ہیں اور قوانین بھی ان کے مناسب ترمیم و تنسیخ اور تبدیل ہوتے رہتے ہیں، لیکن فطری اصولوں میں تبدیل و تحویل ناممکن ہے۔ قرآن کتاب اصول ہے اور ہنگامی قوانین، احادیث و اقوال اور اجتہادات و فتاوی فطری اصول کی طرح ناقابلِ تغیر نہیں ہو سکتے۔

علامہ ابوالفضل نے بالکل صحیح کہا کہ "گر بوحنیفہ در زمانِ ما بودے فقہ دیگرے نوشت" یہی

ملا جزاکم اللہ احسن الجزاء (البیان)

کیفیت احادیث کی ہے کہ اگر آں حضرت صلعم ہمارے زمانہ میں ہوتے، تو زمانہ حال کے ذہنی اور خارجی حالات کے مناسب اجتہاد فرماتے۔ ضرورتِ وقت کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم یہ تمنا کرتے ہوئے گذر جائیں کہ کاش! ابوحنیفہ رضؓ ہمارے زمانے میں ہوتے، بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ابوحنیفہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک مقام میں پیدا ہوں۔ ابوحنیفہ تو پیدا ہوتے رہے اور موجود بھی ہیں اور بہ فضلِ خدا پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن افسوس ہے کہ رجعت پسند عوام کالانعام کا ذہنی جمود پرانی لکیر پیٹ رہا ہے۔ الحمدللہ اب حالات بہت کچھ بدل گئے ہیں اور تعلیم یافتہ اصحاب کی توجہ زیادہ تر قرآن عظیم کی طرف ہو رہی ہے۔ دیر سویر امید ہے کہ پھر وہی تدبر و بصیرت کارفرما ہوگی، جو ائمہ مجتہدین کے ممتاز زمانہ میں تھی اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک امتِ مسلمہ بصیرت سے کام نہ لے گی، ہر ایک عمل خواہ وہ شرعی ہو، محض رسم پرستی ہے اور رسوم بت پرستی میں شامل ہیں، جن میں روح حقیقت نہیں۔ پہلی امتیں اسی رسم پرستی کی وجہ سے آخر شرک و کفر میں مبتلا ہو گئیں اور اس خطرہ سے آں حضرت صلعم نے پیش از وقت آگاہ فرما دیا تھا۔

الاسلام جس کے ساتھ رسول کریمؐ مبعوث ہوئے، عالم گیر دین الفطرت ہے "لہ اسلم من فی السموات والارض" اور عالم گیر دین کی کتاب کبھی کتاب احکام نہیں ہو سکتی، جو حالات کے تابع وضع ہوتے ہیں اور حالات بے شمار اور غیر محدود اور ہر ایک زمانے کے مختلف ہیں۔ ایسی کتاب، کتاب اصولِ دین ہوگی۔ جیسا کہ قرآن عظیم ہے، اور اصول فطری ہیں اور کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید اصولِ دین کو تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔

تغیر | قرآن اپنا مفسر آپ ہے: "حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را" رہا احکام کا وضع کرنا (جو حالات کے تحت مناسب ہوں) ازمنۂ تاریک میں یہ کام انبیاء کا تھا اور اب چوں کہ فہمِ انسانی بالغ ہو چکا ہے: "قد تبین الرشد من الغی" اس لیے یہ فرض امت مسلمہ میں سے ایک جماعت کا ہے، جو مجتہدین وغیرہ سے تعبیر ہوتی ہے اور یہی در اصل قرآن عظیم کی بہترین وقتی تفسیر ہو سکتی ہے۔ آں حضرت صلعم مجتہدِ اول تھے اور آپؐ کے بعد خلفاء راشدین اور پھر ائمہ دین سب مجتہد ہی تھے۔ اہل روایت کی طرح ہم یہ گمان نہیں کرتے کہ آں حضرت صلعم اپنی عقل خداداد سے کبھی کام نہیں لیتے تھے۔ نہ صرف یہی، بلکہ امت کو بھی منع کر دیا۔ اگر صرف ان احادیث میں تدبر کیا جائے، جو امام بخاریؒ نے باب علم کے تحت روایت کی ہیں، تو یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی

ہے کہ اہل عقل و فکر ہی اہل علم ہوتے ہیں اور قرآن مجید کی تو نص موجود ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے، اللہ ان پر رجس (پلیدگی) ڈالتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی نصوص ہیں۔ مثلاً: ارشادِ الٰہی ہے:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ۱۲/۳	(اے رسول) کہو کہ یہ میری سنت ہے کہ اللہ کی طرف علیٰ بصیرت بلاتا ہوں اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتا ہے، اور جو لوگ حقیقت سے بے خبر ہو اتباع ظن باتیں بناتے ہیں، ان کی ظنیات سے اللہ پاک ہے اور (اسی بے بصری کا نتیجہ شرک ہے) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ○ ۱۹/۳	(اللہ کے بندے) وہ ہیں کہ جب ان کے پروردگار کی آیات انھیں بتائی جاتی ہیں، تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ علیٰ بصیرت فائدہ اٹھاتے ہیں)

نصوص تو اور بھی ہیں اور غالباً اہلِ روایت کے ذہن میں بھی ہوں گی۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ جو شخص عقل و فکر سے کام نہیں لیتا، وہ نہ صرف واحد انسانی امتیازی خوبی کا منکر ہے، بلکہ مشرک بھی ہے۔ رسم پرست بُت پرست ہی ہوتے ہیں اور بُت پرستی ظنیات کا نتیجہ ہے، جس کا حقانیت میں کچھ حصہ نہیں۔ اہلِ روایت عموماً کہتے ہیں کہ دینی معاملات میں عقل کا کچھ دخل نہیں۔ ان دنیوی امور میں اس سے کام لینا چاہیئے، لیکن سب سے بڑا دینی معاملہ بندوں کا اللہ سے ہے اور نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں عقل کا بڑا دخل ہے۔ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ "اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم" یعنی مجھ سے حدیث روایت کرنے سے پرہیز کرو۔ ہاں جس کا تمہیں علم ہے، وہ بیان کر سکتے ہو۔ عموماً روزمرہ مشاہدہ ہو رہا ہے کہ ایک شخص کسی امر کی نسبت کچھ کہتا ہے۔ سننے والے بہت ہوتے ہیں، لیکن بعض ایسے بھی ہوتے ہیں، جو متکلم کی بات کی تہ تک نہیں پہنچتے۔ غلط فہمی سے وہ کچھ سمجھتے ہیں، جو متکلم کے مافی الضمیر سے بہت بعید ہوتا ہے۔ اگر ایسا شخص اس شخص کی بات روایت کرے گا، تو ظاہر ہے کہ وہ غلط فہمی ہی شائع کرے گا اور غلط فہمی ہی پیدا کرے گا "موضوعات" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص سخت جھوٹا ہے، جو ایسی بات کر رہا ہے، جو آنحضرت صلعم نے نہیں کہی۔ احادیث میں ایسے شخص کی نسبت جہنم کی وعید آئی ہے۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سے یہ امر بہت بعید ہے کہ بے معنی باتیں عام لوگوں کی طرح کرتے جب کوئی معاملہ پیش ہوتا، تو اجتہاداً کچھ فرماتے۔ اس لیے آپ کی حدیث

کا فہم اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے اس معاملہ زیر بحث سے پوری واقفیت ہو۔ محقق بے بدل میرزا عبدالقادر بیدلؒ (ہم عصر غازی شہنشاہ جہاں گیر) نے خوب فرمایا ہے:

"بے انصافے کہ درس شیطاں فہمید　　از نسخہ ہر کمال نقصاں فہمید
بحثِ خرما نوشت از علمِ حدیث　　منسوخی آیات ز قرآں فہمید"

جو شخص احادیث سے یہ بات اخذ کرے کہ رسول کریمؐ دنیوی معاملات سے کچھ بہت واقف نہ تھے اور ان امور میں صحابہ آں حضرتؐ سے زیادہ عالم تھے اور قرآن کی تلاوت سے یہ بات پیدا کرے، اس کی آیات ایک ناسخ اور دوسری منسوخ ہے، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اسے نہ حدیث کا علم ہے اور نہ قرآن کا فہم۔ آں حضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قرآن کی آیات ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں، نہ کہ تکذیب۔ خود قرآن کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کلام اللہ میں کچھ بھی اختلاف نہیں، اس لیے ناسخ و منسوخ کی بحث کم فہمی اور لاعلمی کا نتیجہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسرے سے "وصل" اور پیوستہ اور مربوط اور مضبوط ہیں۔ لیکن اہل روایت ناسخ و منسوخ وغیرہ کی بحثوں میں ضرور اُلجھتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد یہ سوال کہ تفسیر بالرائے یا بالروایت میں سے صحیح کون سی ہے؟ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیوں کہ کتاب اصول تو قرآن ہے۔ فروع کے متعلق جو کچھ اجتہاد ہوگا، وقتی ہی ہوگا۔ البتہ اگر وہی حالات رُونما ہوں، جن کو مدِنظر رکھتے ہوئے آں حضرتؐ نے اجتہاد فرمایا، تو احادیث کا اطلاق اولیٰ و انسب ہے اور اگر حالات مختلف ہوں تو "راسخون فی العلم" کو اصول کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا اور روایت سے نہیں، بلکہ رائے سے اجتہاد صحیح ہوگا۔ ایسی رائے سے جو علم کے ہم معنی ہے، جیسا کہ ترمذی حدیث ابن عباس سے روایت کرتا ہے کہ "من قال فی القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ فی النار" دوسری روایت میں "برایہ" کی جگہ "بغیر علم" ہے۔ یہ تو ہر ایک اہل الرائے تسلیم کرے گا کہ تفسیر صرف راسخون فی العلم ہی کا حصہ ہے۔ ورنہ وہی بحث خرما اور منسوخی آیات میں اُلجھنا ہے۔

جناب مخدومی الحاج خان صاحب چوہدری رحمت علی خاں صاحب کا نام نامی پہلی دفعہ "البیان" کے صفحات پر آتا ہے۔ موصوف خاموشی سے خدمت اسلام و اسلامیان میں لگے ہوئے ہیں اور شہرت پسند نہیں۔ "موضوعات" کا زیر نظر ترجمہ اُن ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ادارہ "دارالاسلام" جو خان صاحب چوہدری نیاز علی خاں صاحب پنشنر سب ڈویژنل افسر انہار کی دینی خدمت کا

علایک کارنامہ ہے۔ آپ اس کے سرگرم ٹرسٹیوں میں ہیں۔ یہ حضرات محض لوجہ اللہ کام کر رہے ہیں. چوں کہ دنیوی فوائد ان کو بفضلِ خدا پہلے سے حاصل ہیں، اس لیے دینی خدمات کا اجر کسی سے طلب نہیں کرتے۔ اگر مسلمان اُن سے فائدہ نہ اٹھائیں، تو اُن کی انتہائی بدقسمتی ہے۔ ہماری درخواست پر چوہدری صاحب ممدوح نے "موضوعات" کا ترجمہ شروع کر دیا ہے۔ جس کے لیے کارکنانِ "البیان" ممنون ہیں۔ لفظی ترجمہ عام فہم نہیں ہوتا، اس لیے بامحاورہ آزاد ترجمہ کیا گیا ہے۔

اختر

تقریظات

اُردو دانی کی پہلی کتاب مرتبہ: جناب محمد ظہیر الدین صاحب۔ تقطیع اوسط، لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط، قیمت ۲/۔ ملنے کا پتہ: سب رس کتاب گھر، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدر آباد دکن۔

یہ کتاب بچوں اور بالغوں کی ابتدائی تعلیم کے واسطے جدید اصولوں کے مطابق لکھی گئی ہے۔ اسباق کے ساتھ ساتھ روزمرہ کی زندگی سے متعلق تقریباً ۹۰ تصویریں بھی شامل ہیں۔ ہر لفظ کے بول کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے تاکہ مبتدیوں کو پڑھنے لکھنے میں آسانی ہو اور الفاظ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ ہمیں امید ہے کہ اُردو دانی کی کتابوں کا یہ سلسلہ مفید ثابت ہوگا۔

علامہ اقبال اور قرآن کریم از "آسماں گرد" جیبی تقطیع، صفحات ۳۲، قیمت ا/ ملنے کا پتہ: شرکتِ ادبیہ، منہاس روڈ، امرتسر

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن مجید سے گہرا عشق تھا۔ اُن کی تعلیمات کا بیشتر حصہ، قرآن حکیم ہی سے مستفاد ہے۔ زیرنظر مضمون میں اسی موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مضمون بہت مختصر ہے۔ ۳۲ صفحوں میں سے ۱۲ صفحے ایک کتاب کے اشتہار کے لیے وقف ہیں۔

کلید قرآن ضخامت ۳۳۶ صفحے، لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط۔ جیبی تقطیع۔ قیمت مجلد ۸/۔ ملنے کا پتہ: بیت القرآن، برانڈرتھ روڈ، لاہور۔

قرآن مجید کے الفاظ کے اس وقت تک جتنے لغات شائع ہو چکے ہیں، اُن میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جسے بہمہ وجوہ مکمل اور تسلی بخش قرار دیا جا سکے۔ بعض الفاظ کے لحاظ سے نامکمل ہیں اور بعض معانی کے لحاظ سے ناتسلی بخش۔ دراصل یہ کام انفرادی کوششوں سے پورا ہونے والا نہیں۔ اس کے لیے چند ایسے علماء کی ایک جماعت ہونی چاہیے، جو عربی زبان میں مہارتِ تامہ رکھتے ہوں اور جنھیں قرآن مجید پر بھی گہرا عبور حاصل ہو۔

قرآن مجید کے الفاظ جمع کر کے اُن کا ترجمہ دے دینا کبھی کافی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی محض ترجمے پر اکتفا کرنا اصولاً صحیح ہے۔ قرآن مجید کا لغت بھی اُن ہی اصولوں پر مرتب ہونا چاہیے جن اصولوں پر عربی کے

عام لغات لکھے گئے ہیں، یعنی لفظوں کے بجائے اُن کے مادّوں کی فہرست دینی چاہیے۔ پھر مادّوں کے معنے اور ان کی تشریح لکھ کر قرآن کے الفاظ کا ترجمہ دے دینا چاہیے۔

ہم "کلیدِ قرآن" کے ناشرین سے معذرت چاہتے ہیں کہ اُن کی کتاب ان اصولوں پر پوری نہیں اُترتی، بلکہ اس میں عام موٹے موٹے اصولوں کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مثلاً قرآن مجید میں نواہی کے جس قدر بھی الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اُن کے لا حذف کر کے، امر کے معنے لکھ دیے گئے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

تَنْهَرْ	جھڑک دے	تُفْسِدُوْا	فساد کرو
تَقُلْ	تو کہہ	تَفَرَّقُوْا	الگ ہو جاؤ
تَقْرَبُوْا	نزدیک جاؤ		

یہ سب معنی غلط ہیں اور غلط معنے لکھنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا؟ لیکن اگر لفظوں کے بجائے، ان کے مادّے دیے جاتے، تو یہ دقت پیش نہ آتی۔ اس کے علاوہ زیرِ نظر کتاب میں اور بھی کئی خامیاں ہیں، مثلاً تقسطوا کے معنی لکھے گئے ہیں "زیادتی کرو، عدل کرو" یہ تضاد سمجھ میں نہیں آیا۔ "ملوک" کا ترجمہ "بادشاہ" لکھا گیا ہے۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا، جمع ہے یا واحد؟ اسی طرح اور بھی بہت سے لفظوں کے معنے غلط ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ کلیدِ قرآن کے آئندہ ایڈیشن میں ان تمام خامیوں کو دُور کر دیا جائے گا، تاہم یہ کتاب مبتدیوں کے لیے فائدے سے خالی نہیں۔

ہمدردِ صحت کا خاص نمبر

مرتبہ: جناب حکیم حافظ محمد سعید صاحب دہلوی۔ سائز ۲۲×۲۹/۸، لکھائی، چھپائی اور کاغذ بہتر۔ ضخامت ۱۰۸ صفحے۔ قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ: ہمدرد منزل، لال کنواں، دہلی۔

"ہمدردِ صحت" دہلی کا یہ خاص نمبر روحانی علاج کے عنوان سے حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس میں تنویم (یعنی ہپناٹزم) اور تنویمی علاج پر چند نہایت قابلِ قدر مقالے پیش کیے گئے۔ یہ قابلِ قدر پرچہ حسبِ ذیل مضامین پر مشتمل ہے: (۱) نفسیاتی علاج اور تنویم تاریخ کی روشنی میں (۲) تنویم اور مظاہرِ تنویم (۳) توجہ اور خود توجہی (۴) تنویم کی معالجاتی حیثیت (۵) شخصی یا ذاتی مقناطیسیت (۶) تنویم کے عملی طریقے (۷) عامل و معمول (۸) دل پاور یا ارادے کی قوت (۹) روحانی علاج ہم خود کر سکتے ہیں (۱۰) تنویم مقناطیسی اور قدیم تاریخ (۱۱) تنویم کے متعلق واقعات و مشاہدات۔ رسالے کے آخر میں چند اچھے اچھے افسانے بھی شامل ہیں، اس سے رسالے کی دل چسپی بڑھ گئی ہے۔ وہ اصحاب جو ہپناٹزم اور اُس کے طریقِ علاج سے دل چسپی رکھتے ہیں، اُنھیں ہمدردِ صحت کا یہ خاص نمبر ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

یہ رحمت صرف ایوبؑ کے لیے ہی نہ تھی ، بلکہ جو بھی شخص نیک اور اواب بنے ، رحمت پائے گا اور اللہ کی مہربانی تحفہ پائے گا ۔ پس غور و فکر سے کام لو ، کیوں کہ اس قصّے میں داناؤں ، اور عقل مندوں کے لیے نہ کہ بیوقوف اور جاہل ناقدر دانوں کے واسطے ، نصیحت ہے (اللہ تمھیں بہتری کی طرف لے جانا چاہتا ہے ۔ پس اہل عقل کو اس قسم کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا چاہیے ۔ غرض قبیلہ کے لوگ جو اگرچہ مجبوری کے باعث ہی سہی ، مگر مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ گئے تھے ، اب واپس آ گئے ، تو اس وقت بجائے شکایت کے ایوبؑ کو اپنے اہل سے وعظ کہنے کا حکم ہوا اور اُن لوگوں کے سامنے مثال دے کر اتفاق کی خوبیاں بیان کیں ، جیسا کہ حکم ہوا :

(۴۴) وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ○ اور تُو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مُٹھا پکڑ اور اس سے اُن کو سمجھا کہ اتفاق میں کتنی طاقت ہے اور الگ الگ رہنے میں کیا برائیاں ہیں ۔ نااتفاقی تمام مصائب کی بنیاد ہے ۔ لقمان نے اپنی اولاد کو ایک درخت کی ایک ایک ٹہنی لانے کو کہا ۔ تو وہ لوگ فوراً تمام درخت کی ٹہنیاں لے آئے ، تو باپ نے کہا ، اگر سارا درخت لانے کو کہا جاتا ، تو ایسا نہ ہو سکتا ۔ مگر ایک ایک ٹہنی کر کے سارا درخت لا یا گیا ۔ جمعیت اعلیٰ شے اور برکتوں سے لبریز اور نتیجہ خیز ہے ۔ غرض ایوب کو پچھلی باتوں سے درگذر کر کے آئندہ اپنے قول کا پابند رہنے کی نصیحت فرمائی ۔) اور عہد نہ توڑیو (پس انھوں نے فرمانِ الٰہی کے آگے سر جھکا دیا اور قبیلے کی اس بے اتفاقی کو نظر انداز کر کے شیر و شکر ہو گئے اور ہمت اور استقلال کا پورا پورا ثبوت دیا ، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بالتحقیق ہم نے اس کو صابر پایا ، بے شک وہ بہت اچھا بندہ تھا ۔ وہ (ایوبؑ) رجوع کرنے والا تھا (اسی طرح نبی کریمؐ کو بھی صبر کی تعلیم دی اور عاقبت کو پیش نظر رکھنے کا حکم دیا یہی حکم داؤد کو بھی بلا اور تمام انبیاء کو بھی یہی ہدایت دی گئی اور ارشاد ہوا کہ ہر وقت خوفِ خدا کو پیش نظر رکھنا چاہیے ۔ اب آگے ابراہیمؑ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر ہے ۔ یہ رسول داؤد ، سلیمان ، ایوب ، ابراہیم ، اسحٰق اور یعقوب قیامت کو سامنے رکھ کر کام کرتے تھے ۔ خدا تعالیٰ نے انھیں جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ۔ ہر ایک متقی انسان کو ایسے ہی نیک بدلے دیے جاتے ہیں ۔ طاغین کے لیے جہنم کا نقشہ دکھایا گیا ہے ۔ غرض

اپنے غلاموں کا حال بتلاتے ہیں)

(۴۵) وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اور ہمارے (خدا کے) بندوں (یعنی غلاموں) کا ذکر کر! (لوگوں کو سنا کہ اچھا غلام ایسا ہوتا ہے۔ اس بیان سے لوگ نصیحت پاکر خود بھی فرماں بردار نبیں اور اہل و عیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچنے کی تعلیم دیں) ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا ذکر کر۔ اُن پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں۔ یہ بے چارے اپنی طرف سے صبر کرتے رہے) ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے (کما کر کھاتے اور اہل و عیال کی پرورش کرتے۔ ان کو نیک تعلیم دیتے اور اُنھیں اس بات کا یقین تھا کہ بالآخر اُنھیں خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے، اسی خوفِ الٰہی کا یہ نتیجہ تھا کہ)

(۴۶) اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ بالتحقیق ہم (خدا) نے اُن کو چن لیا تھا، جو خالص صفت تھی (یعنی) آخرت کا ڈر رکھتے تھے (غرض موت کے بعد خدا کے پاس گئے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو عالی شان بدلہ ملا، جیسا کہ ارشاد ہے)

(۴۷) وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ تحقیق وہ (لوگ) ہمارے (خدا کے) حضور چُنے ہوئے نیک بندوں میں موجود ہیں (نہ کہ مر کر مٹ گئے، معدوم ہو کر ضائع ہو گئے، ہرگز ہرگز ایسا نہیں، کیوں کہ انسان کے بُرے اور نیک ہر طرح کے اعمال اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ ضرور دیتا ہے اور اس کو بے کار محض نہیں چھوڑ دیتا۔ دنیا میں منکرینِ قیامت کا بھی ایک گروہ موجود ہے، جو بڑی بھاری ٹھوکر کھائے ہوئے ہیں بات یہ ہے کہ انسان کو لطیف جسم (جسے نسمہ کہتے ہیں) ملتا ہے۔ یہ ایتھیریل جسم دوسرے عالم میں ساتھ جاتا ہے اور کثیف جسم اِس زمین پر ہی رہ جاتا ہے، جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم (خدا) جانتے ہیں جو زمین ان سے گھٹاتی ہے اور کیا زمین کو ہم نے اپنی طرف کھینچنے والی نہیں بنایا؟ ضرور بنایا ہے پس کثیف مادے کو زمین لے لیتی ہے۔ لطیف جسم دوسرے عالم میں ساتھ جاتا ہے اور اس سے مناسب

کا مدوا ئی ہوتی ہے ۔ یہ لطیف جسم انسانوں کے اعمال ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اپنے کاموں کے مطابق آرام یا تکالیف اٹھاتا ہے ۔ غرض اصل چیز باقی رہتی ہے ۔ فرعون کے واقعات میں قرآن مجید نے دنیا اور آخرت کے متعلق کھلی کھلی تصریح فرمائی ہے ۔ اُدھر وہ سرکشوں کا گروہ غرق ہوتا ہے اور ادھر اس کو شدید ترین عذاب میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ ہاں کفار کو کچھ وقت برزخ میں بھی رہنا پڑتا ہے ۔ وہ بے ہوشی کی سی حالت ہوتی ہے، جیسے نشہ میں تکلیف کم محسوس ہوتی ہے ۔ پھر ہوش میں لاکر زیادہ عذاب دیا جاتا ہے، تاکہ جلد آرام حاصل ہو۔ یہ اگرچہ علاج ہی ہے ، مگر ہے بڑا دردناک عذاب بس انسان کو نیک بننے کی کوشش کرنا اور خدا سے توفیق مانگتے رہنا چاہیے ۔ اب آگے پھر متقیوں کا ذکر ہے ، جیسا کہ فرمایا)

(۴۸) وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ۝

اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ (یعنی دوسروں کو دُکھوں سے بچانے والا) اور ذوالکفل (ضمانت والا یعنی، یہ بھی دوسروں کا کفیل بنتا تھا اور خود تکلیف اٹھاتا یا ایثار سے کام لیتا تھا، پس ایسے لوگوں) کو یاد کر (یہ سب نیک لوگ تھے ۔ مدارج کی بحث نہیں ، غرض صرف اتنی ہے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈرنے والے تھے ۔ اس کے علاوہ خدمت خلق میں مصروف اور عبادت الٰہی میں سر توڑ لگے رہتے تھے ۔ یہ ان ہی چند شخصوں کا خاصہ نہیں جو بھی شخص خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے گا ، انعام پائے گا ، جیسے کہ ان کی تعریف فرمائی) سارے اچھے لوگ ہیں (غرض کہ اتقاء بڑا اچھا اور بلند مقام ہے اور خدا تعالیٰ نے متقی بننے کی بڑی تاکید و تحریص اور ترغیب دلائی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے کہ)

(۴۹) هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ۝ (انبیاء کا جو ذکر کیا گیا ہے ، تو) یہ ایک یاددہانی ہے اور متقیوں کے واسطے البتہ اچھا ٹھکانا ہے (وہ مقام ، وہ ٹھکانا کیسا ہے ؟)

(۵۰) جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ۝ ہیشگی کے باغ (ان متقیوں کے واسطے ہیں (وہاں جاکر چابیوں کا انتظار نہیں کرنا پڑتا ، سب کچھ تیار پاتے ہیں) دروازے (ان باغوں کے) ان (متقیوں) کے واسطے کھلے ہوتے ہیں (وہاں جاکر بڑا آرام حاصل کرتے ہیں)

(۵۱) مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ○ تکیے لگاکر آرام (و آسائش) سے بیٹھے ہیں (نوکروں کو حکم کرتے ہیں ہر اُس چیز کے لانے کا جس کی خواہش ہوتی ہے۔ فرمایا:) منگواتے ہیں ان (باغوں) میں بہت میوے اور (ہر طرح کی) پینے کی چیزیں (یہ انعامات کچھ دیکھنے سے ہی تعلق رکھتے ہیں اور سنیے!)

(۵۲) وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ○ اور اُن کے پاس نیچی نگاہ والی ہم عمر بیویاں ہیں (یہ سب مرد و عورت بہ لحاظ قوت ہمیشہ جوان رہتے ہیں۔ بڑھاپا، بیماری، غم اور موت وغیرہ کا اُن کو کوئی کھٹکا نہیں ہوتا۔ ان کی ساخت مضبوط ہوتی ہے پتھر کی طرح۔ ہاں تکلیف یا آرام کو وہ لوگ بھی پوری طرح محسوس کرتے ہیں ، جیساکہ ان باغوں والوں کو کہا جاتا ہے)

(۵۳) هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ○ یہ وہ (انعامات اور عنایت الٰہی) ہے، جس کا تم سے (دنیا کی زندگی میں نیک کام کرنے پر) حساب کے دن کے لیے وعدہ کیا گیا تھا (سو دیکھ لو کہ وہ کیسے حرف بہ حرف پورا ہوا۔ بھلا ہم سے زیادہ سچ بولنے والا اور کون ہے؟ پس اب مطمئن ہو جاؤ کہ تمھارے لیے اب کسی طرح کا غم یا خوف نہیں ہے)

(۵۴) اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ○ تحقیق یہ ہمارا رزق ہے (کھاؤ، پیو) اس کے لیے ختم ہونا نہیں ہے (دنیا کی اشیاء کی طرح یہاں کسی شے کے ضائع یا ختم ہونے کا خطرہ نہیں۔ غرض متقیوں کا بیان فرماکر اب مقابلہ میں سرکشوں کا ذکر لائے ہیں کہ دیکھو متقیوں کے آرام اور خورد و نوش کے مقابلہ میں ان نافرمانوں کا مقام اور کھانا پینا کیسا ہے؟ ارشادِ الٰہی ہے:

(۵۵) هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (۵۶) جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ یہ (انعامات تو ہمارے متقی بندوں کے لیے ہیں) اور جو سرکش ہوئے، اُن کے لوٹنے کی

جگہ بہت بُری ہے (اور وہ بُرا ٹھکانا اُن کا) جہنم ہے پس وہ بہت بُرا بچھونا ہے (یہ تو مکان کا نقشہ ہے جس میں ہزاروں بلاؤں کا سامنا ہے۔ اب ان کی بداعمالیوں کے بدلے میں اُنھیں جو کھانا دیا جاتا ہے، اس کا بیان ہوتا ہے)

(۵۷) هٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ۝ پس چکھو اس کو (یعنی) گرم کھولتے ہوئے پانی اور پیپ (کو تمھیں یہ کھانا کیوں دیا گیا ہے؟ سنو! تمھارے کاموں کے عین مناسب ہے۔ تمھارے دماغ حق کی طرف سے غافل اور آنکھیں نشۂ غرور سے اندھی تھیں۔ دنیا میں ہر نیکی کا الٹ اور ہر اصلاح کے خلاف کرنا تم نے اپنا دستور العمل بنا رکھا تھا۔ بس اب یہ پیپ اور گرم پانی آنکھوں میں اندھیرا اور دماغ میں تبخیر اٹھانے والا ہے)

(۵۸) وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ۝ اور بھی کئی قسم کے عذاب چکھو۔

(اب جہنم کی جماعتوں کا نقشہ کھینچا، کیوں کہ آگے پیچھے سب لوگ علاج کے لیے وہاں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ تابع اور متبوع کی بحث بیان فرمائی۔ بدعمل پیر پاپا کاہن اور فاجر گدی نشین پہلے داخل ہو چکے تھے، اُن کو کہا گیا۔

(۵۹) هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝

یہ ایک فوج ہے نئی، تمھارے ساتھ عذاب میں داخل ہونے والی (یعنی تمھاری طرح یہ بھی سرکشی کے باعث اسی شفاخانے میں آگئی ہے۔ جب پیروں نے دیکھا کہ یہ تو وُہی لوگ ہیں، جن کو ہم ہی نے تباہ کیا تھا، تو وہ گھبرائے، چنانچہ وہ اُن کو دیکھ کر بولے) ان کو خوشی نصیب نہ ہو (کیوں کہ) تحقیق یہ لوگ تو آگ میں پڑنے والے ہیں۔

مرید یہ فقرہ سن کر اَور بھی جل اُٹھے کہ ایک تو ان ہی بدبختوں کے سبب یہ دن ہمیں دیکھنا نصیب ہُوا اور پھر اُلٹا یہ ہم ہی کو کوستے ہیں۔ یہ اشرار ہیں، دنیا میں بڑے بڑے سبز باغ دکھایا کرتے تھے اور زبردست اُمیدیں دلایا کرتے تھے کہ تمھارا بال تک بیکا نہ ہو گا، ہر مشکل میں ہم آڑے آئیں گے۔ آخر

جنت میں پہنچ کر ہی دم لیں گے، مگر آج ہم ان کو اپنے سے پہلے دوزخ میں داخل ہوتے دیکھتے ہیں، مگر اب کیا ہو سکتا ہے)

(۶۰) قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ○

(آخر مرید غیظ وغضب سے) بولے: بلکہ تم ہی (اس حالت میں ہمیں لائے ہو اور) تمھیں کو خوشی نہ ہو تحقیق تم ہی نے اس (بری) حالت کو ہمارے لیے تیار کر رکھا ہے۔ پس یہ بہت برا ٹھکانا اور بہت بری رہنے کی جگہ ہے (اب مرید خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور)

(۶۱) قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ○

بولے: اے ہماری ربوبیت کرنے والے! (کیوں کہ جانتے ہیں کہ صحیح علاج کے لیے ہی یہ تکلیفیں ملتی ہیں آخر صحت پائیں گے صفتِ ربوبیت کو عین مناسب موقعہ پر لائے ہیں) جس نے ہمیں مقدم کیا (یعنی جو ہمارے یہاں پہنچنے کا باعث ہوا ہے) پس اس کو آگ میں دوگنا عذاب دے۔

غرض یہ چپقلش جہنمی گروہوں کی تو آپس کی تھی۔ اب ان کو خیال آیا کہ یہ تو ہم آپس کے لوگ ہیں کچھ ہمارے پیر ہیں، کچھ ہم مرید ہیں، مگر وہ لوگ کہاں ہیں، جن کاموں پر ہم بہت بری طرح دنیا میں پھبتیاں اڑایا کرتے تھے؟ اور جن کے لیے ہم نے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ہم اشرار تو یہاں جمع ہیں اور جن کو ہم اپنے غرور و تکبر اور جمعیت کی وجہ سے اشرار گردانتے تھے، وہ نظر ہی نہیں آتے۔

(۶۲) وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم مِّنَ الْأَشْرَارِ ○

(۶۳) أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ○ اور (وہ جہنمی) بولے، ہمیں کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو (یہاں دوزخ میں اپنے پاس) نہیں دیکھتے، جن کو ہم (دنیا میں) اشرار میں شمار کیا کرتے تھے (اور طرح طرح کے برے خطاب ان کو دینا ہمارا دن رات کا مشغلہ تھا اور بس چلنے پر بدنی سزائیں بھی اُن کو دیتے تھے۔ غرض ان کو ہر طرح کی تکالیف پہنچانا ہمارا فرضِ اولین ہوتا تھا۔ آج وہ کدھر چلے گئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ لوگ اشرار نہ تھے اور ہم اُن کو ناحق ستاتے

تھے ؟) کیا ہم نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے یا اُن کی طرف سے ہماری آنکھیں پھر گئی ہیں ؟ (آنکھیں تو کیا پھر گئی ہوں گی، ہاں وہ اپنے صلاحیت والے اعمال کے سبب جنّتوں میں براجے ہوئے ہر طرح کی خوشی اور مسرّت میں ہیں۔ لوگو! اہلِ جہنم کے حالات سُن کر عبرت پکڑو اور غور و فکر سے کام لے کر دنیا میں نیک بننے کی سرتوڑ کوشش کرو، تاکہ عذابوں سے بچو اور باغوں میں داخل ہو کر اللہ کی نعمتوں سے دائمی حظ اٹھاؤ)

(۶۴) إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۝ جہنم والوں کا جھگڑا حق ہے (وہ ضرور جھگڑتے رہتے ہیں۔ اس سے سبق حاصل کرو اور بتائی ہوئی راہ پر گامزن ہو کر منزلِ مقصود حاصل کرو۔ اگر نہ مانو گے، تو کسی کا کیا بگاڑو گے؟ خود ہی مصائب میں پھنسو گے۔ توحید سے مُنہ موڑنا جہنم کے خریدنے کا دوسرا نام ہے)

رکوع چہارم | (۶۵) قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ ۖ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

کہہ دے (اے مبلغ قرآن!) سوائے اس کے نہیں کہ میں تو ایک ڈرانے والا ہوں (میں خود راستہ نہیں ہوں راستہ وُہ ہے، جو مجھے بتایا گیا ہے، جس پر جو بھی چلے گا، نجات پائے گا۔ وُہ راستہ کیا ہے؟ توحید اور صرف توحید) اور کوئی معبود نہیں ہے، مگر ایک اللہ (کامل مطلق) ہی معبود ہے، جو اکیلا ہی غالب ہے (اس جملہ میں تمام سورۃ صٓ کا ماحصل موجود ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ نیک لوگوں کا انجام کیسا اچھا نکلتا ہے اور کیوں اچھا نکلتا ہے؟ صرف اس لیے کہ وہ صرف خدا کے پجاری اور پکّے موحّد ہوتے ہیں۔ انھوں نے کبھی اکیلے غالب خدا کے سوائے کسی اَور کی عبادت نہیں کی اور ہمیشہ صلاحیت والے کام کرتے ہیں۔ وہ دو اصل مطاع، دو مستقل ہستیوں، دو خداؤں، اہرمن اور یزدان کے قائل نہیں ہوتے۔ وہ فرشتوں کے ساجد نہیں ہوتے، بلکہ مسجودِ ملائک بنے رہتے ہیں۔ اپنی ربوبیت کرنے والے کے ہر حال میں ثناخوان ہوتے ہیں اور اس بات کے دل سے قائل ہوتے ہیں کہ)

(۶۶) رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۝ آسمانوں اور زمین کا وہی (اکیلا غالب ہی) ربوبیت کرنے والا اور ان (زمین و آسمانوں) کے درمیان جو (وسائط ہیں، ان کا

بھی وہی اکیلا غالب ہی ہے (ب) ہے۔ وہی غالب اور بخشنے والا ہے (پس ایسے اللہ کو چھوڑ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ اِلٰہ وہ ہوتا ہے جس کا ارادہ کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ سب کے ارادے ٹال سکتا ہے۔ اِلٰہ کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اکیلے غالب کے حصے نہیں ہو سکتے۔ دو اِلٰہ کا موجود ہونا ناممکن اور محال مطلق ہے۔ اُسی کے حکم سے شریعت بنتی ہے۔ جو شخص اپنی شریعت بنانے گا، وہ اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتا ہے۔ اکیلے اِلٰہ نے کسی اور کو شریعت بنانے کا اذن نہیں دیا۔ وہی تو ہے، جو سب کی ربوبیت کرتا ہے اور دشمنوں سے بچاتا، گناہوں کو معاف کرتا، نیک کاموں سے ترقی دیتا اور سُرخ روئی عنایت فرما کر عزت والے مقام پر پہنچاتا ہے۔ تمام سامانوں کا اکیلا مالکِ حقیقی صرف خدائے واحد ہی ہے۔ اسے نہ کسی کی سفارش کی ضرورت ہے، نہ مشورہ کی حاجت۔ اس کو کوئی بھی اپنی کمزوریوں کے سبب صلاح نہیں دے سکتا، نہ یہ سبب اپنی بے بسی کے کوئی اُس کے سامنے دم ہی مار سکتا ہے۔ پس سب کو چاہیے کہ ایسے اِلٰہ سے اپنا رشتہ جوڑیں نہ کہ مُنہ موڑیں اور طرح طرح کے شرک و ظلم وغیرہ کو اہمیت دے کر ایسے معبود کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں۔ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ ایسی چیزیں سخت گرفت کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس واقعہ کو ہر وقت آنکھوں کے سامنے رکھو)

(۶۷) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ۝ یہ ایک بڑی بھاری خبر ہے (اسے معمولی نہ جانو۔ خدا کے شکر گذار بندے بنو! مگر افسوس کہ)

(۶۸) أَنتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ۝ تم (ناقدردانو!) اس سے مُنہ پھیر رہے ہو،

(شرک اور ایسی بے پروائی اور اتنی غفلت بلکہ سرکشی کر رہے ہو اور انجام سے اتنے بے پروا کہ یہ کچھ سُن کر بھی تمھارے کان پر جُوں تک نہیں رینگتی۔ ایسے اکیلے غالب کو چھوڑ کر دوسروں کے غلام بننا پہلے درجے کی نافرمانی ہے۔ میرے ڈرانے کا یہی مقصود ہے کہ غیر اللہ کے ساجد نہ بنو۔ تمام چیزیں تمھاری کر دی گئی ہیں اور تمھیں اُن پر حکم ران بنایا گیا ہے۔ تم مختار ہو۔ وہ مجبور ہیں۔ پھر افسوس ہے کہ اپنے سے نیچے درجہ کی اشیاء کے پجاری بنتے ہو اور اپنے غلاموں کے غلام بن کر اپنی شرافت کی توہین کر کے بہت بڑی سزا کے مستحق قرار پاتے ہو۔ یہ تو بڑے شرم کی بات ہے کہ جو چیزیں غلامانہ رنگ میں تمھارے کام میں لگائی گئی ہیں، تم ان کو اصل سمجھ کر حقیقی مالک سے مُنہ موڑ لو اور ان مجبور اشیاء کے عابد بن جاؤ اور ایسے بدترین

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن مجید کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت (کہ فعل الٰہی ہے) کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ او محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لئے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چند خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے ضوابط عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے۔

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

(۶) قانون وراثت کا احیا

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:۔ منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (عہ) منزل دوم (عہ) منزل سوم (عہ) منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

منگانے کا

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرحمٰن علّم القرآن خلق الانسان علّمه البیان

البیان

امّتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ | ستمبر ۱۹۴۰ئہ مطابق شعبان المعظم ۱۳۵۹ھ | نمبر ۹

فہرست مضامین

مقدمۂ زندگانیٔ محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانیٔ محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پہلے ہی دن فروخت ہوگئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہوگئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزارہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امتِ مسلمہ امرتسر نے زندگانیٔ محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانیٔ محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانیٔ محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دلچسپ پایا (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانیٔ محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ از بس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور بے تکلفی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیامِ نسواں)

لکھائی، چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۸۸ صفحے۔ ۱۲ کے ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

ملنے کا پتہ: دفتر امتِ مسلمہ امرتسر (پنجاب)

دفتر اُمّت کے مطبوعات

تحقیقِ قربانی اس کتاب میں قرآن مجید۔ توریت، اور شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ، مولانا ابوالکلام، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری مولانا وحید الزمان وغیرہم کے تراجم اور معتدبہ تفاسیر واحادیث اور اکثر جرائد و اخبارات، لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے، وہ قدیم زمانۂ جاہلیت کی یادگار ہے۔ نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔ دوسرے بلاد و ممالک میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے۔

مطالعۂ حدیث ایک ممتاز گریجوایٹ نے برسوں حدیث کا مطالعہ کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ اس قابلِ قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۱۷۵ کے قریب۔ قیمت ۱۲ر

برہان القرآن یہ کتاب اُن تحریری مباحثہ پر مشتمل ہے، جو مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدینؒ صاحب کے درمیان ہوئے۔ اس میں اہلحدیث پر اتمامِ حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے غلط متاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی غیر فانی وحی نہیں۔ قیمت ۸ر

قولِ احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے۔ "قولِ احسن" میں قرآن مجید کی آیات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے۔ ہمیں صرف "مسلم" کہلانا چاہیے۔ باقی تمام نام شیعہ، سُنّی، اہلِ قرآن، اہلِ حدیث وغیرہ بدعتی ہیں، جن کی وجہ سے ملّتِ اسلامیہ کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا ہے۔ ۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجئے۔

ریحان القرآن مولوی حبیب الرحمٰن مئوی کے رسالہ نصرۃ الحدیث، مولوی قاسمی کے عقائد کفریہ اور مولوی عبداللہ کے عقائد بے حدیثیہ وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۴ر

اسلام اور حریت و مساوات اس موضوع پر جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ، قابلِ مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۱۲ر

منیجر دفتر اُمّتِ مسلمہ، امرتسر

شذرات

جہانِ مغرب کے بتکدوں میں، کلیسیاؤں میں، مدرسوں میں
ہوس کی خوں ریزیاں چھپاتی ہے عقلِ عیار کی نمائش

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

اُس زمانے میں یعنی آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے جب یہ آیت نازل ہوئی تھی، فساد اگر برپا ہوتا، تو زمین یا سمندر کے سوا اُس کے لیے تیسرا کوئی میدان نہ تھا۔ اب وہ "جہالت" کا زمانہ مدت ہوئی بیت گیا۔ سائنس نے اور سائنس کی بڑھتی ہوئی رفتار نے چھوٹے چھوٹے میدانوں کو ناکافی قرار دے کر نئے نئے میدان اختیار کیے۔ زمین کے اوپر ہی نہیں، بلکہ اُس کے اندر تہ خانے اور سُرنگیں نکال کر قلعے اور مورچے تعمیر کیے۔ جنگ، سطح آب پر کوئی نئی چیز نہیں، لیکن سمندر کی تہوں میں باروُد کی تباہ کُن سرنگیں اور ہلاکت انگیز بم چلا کر انسانیت کی "ترقی" کا وہ بہت بڑا ثبوت بہم پہنچایا گیا ہے جس سے مذہب و اخلاق کی پوری تاریخ محروم ہی نہیں "شرمسار" بھی ہے ——— اور یہ فضائی جنگ، یعنی، زمین اور سمندر کو چھوڑ کر ادیرِ آسمان میں سائنس کی پیدا کی ہوئی "انسانیت" کا باہمی کشت و خون، ایک ایسا معجزہ ہے جس پر مذہب کو مطعون کرنے والا یورپ جتنا بھی "فخر" کرے، اُتنا ہی تھوڑا ہے!

اسلام "بدنام" ہے محض اس واسطے کہ اُس نے اپنی اشاعت میں خنجر آزمائی سے کام لیا تھا۔ مغرب کے تقریباً سب کے سب حرف گیروں نے اس کا مطالعہ کرتے وقت اپنی آنکھوں پر کچھ اس طرح کے چشمے لگائے کہ اُس کے دامن پر انھیں خوُن ہی خوُن کے دھبے نظر آئے اور بعض کو تو سارے کا سارا دامن ہی خوُن سے رنگین دکھائی دیا۔ حاصل مطالعہ صرف اتنا تھا اور اسی کی انھوں نے بڑھ بڑھ کر اشاعت بھی کی کہ اسلام ایک خوُنی مذہب ہے۔ مقصد صرف اتنا تھا کہ دنیا کے دل میں اسلام کی

طرف سے گہری نفرت کا بیج بو دیا جائے۔ یہ مقصد حاصل ہُوا یا نہیں؟ یہ ایک الگ سوال ہے، مگر اتنا تو بہرحال مُسلّم ہے کہ مسلمانوں میں خصوصیت سے وہ لوگ، جن کی آنکھیں مغرب کی مادی ترقی کی چمک سے چُندھیا چکی ہیں، وہ اس پروپیگنڈے سے ضرور متاثر ہوئے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کا ایک دوسرا طبقہ پوری طرح متاثر اگر نہیں ہو سکا، تاہم تذبذب سے اُس کا دل و دماغ بھی نہیں بچ سکا ——— پروپاگنڈا، سچا ہو یا جھوٹا، اس کے جادو میں بڑی طاقت ہے اور اس طاقت نے بسا اوقات قوموں کی تقدیریں تک بدل کر رکھ دی ہیں!

مگر کیا سچ مچ اسلام ایک "خونی مذہب" تھا؟ تاریخ سے اس کا جواب طلب کرنا چاہیے۔ اُن جنگوں کے واقعات جنہیں اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب تسلیم کرتے ہیں، اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس قدر بھی لڑائیاں ہوئیں، اُن میں کام آنے والوں کی صحیح تعداد بالکل واضح ہے۔ سب سے پہلا معرکہ، بدر کا معرکہ تھا۔ اس میں ۸ مسلمان شہید اور ۷۰ غیر مُسلم قتل ہوئے، اُحد میں جان دینے والوں کی تعداد بالترتیب ۷۰ اور ۲۳ تھی، خندق میں ۶ اور ۳، خیبر میں ۱۵ اور ۹۳، فتح مکہ میں ۲ اور ۲۸، حنین وطائف اور بنو قریظہ وغیرہ میں ۱۶ مسلمان شہید ہوئے۔ گویا جہادِ نبوی کی پوری تاریخ میں ۱۱۷ مسلمان اور ۲۱۷ مخالف، یعنی کُل ۳۳۴ آدمی صَرف ہوئے۔ یہ اُس کُشت وخون کی روداد ہے جس کا ذمہ دار اسلام کو قرار دیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ لڑائیاں سب کی سب مدافعانہ تھیں۔ جارحانہ پیش قدمی سراسر اسلام کے دشمنوں کی طرف سے ہوئی اور اس صورت میں جُرم اسلام یا مسلمانوں پر نہیں، بلکہ خود کفّار پر عائد ہوتا ہے۔

پھر بھی ایک لمحے کے لیے تسلیم کر لیجیے کہ یہ سارے کا سارا "قتلِ عام" یعنی ۳۳۴ افراد کا خُون اسلام ہی کی گردن پر ہُوا تھا، مگر الزام دینے والوں نے اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر نہ دیکھا کہ خود اُن کی اپنی تاریخ کا، قرونِ وُسطیٰ کی تاریخ کا نہیں، بلکہ عہدِ حاضر کی سائنس "انسانیت" اور علم وتہذیب کی تاریخ کا ایک ایک ورق خُون کے رنگ سے لالہ زار ہے ——— فرانسیسی جنگوں میں جو ۱۷۹۳ء سے لے کر ۲۲ برس تک جاری رہیں، ۲۰ لاکھ آدمی تہ تیغ ہوئے۔ جنگِ پینینسولا میں ۵۰ ہزار، جنگِ کریمیا میں ۴ لاکھ ۸۰ ہزار، امریکن سول وار میں، جو قریباً پانچ برس جاری رہی، ۶ لاکھ اور جرمنی اور فرانس کی ۱۸۷۰ء کی لڑائی میں صرف ۷ ماہ کے قلیل عرصے میں ۳ لاکھ ۱۷ ہزار آدمی مارے گئے۔ پھر ۱۸۷۷ء میں ترکی اور روس کی جنگ میں ۲ لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔

پھر جنگِ عظیم برپا ہوئی اور ہلاکتوں اور تباہیوں کے جن لشکروں کو اپنے ساتھ لائی، وہ قریباً ایک کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر، ۶۳ لاکھ کو شدید طور پر زخمی کر کے، اور قریباً ۶۰ لاکھ سپاہیوں کو محبوس کرنے کے

بعد، پورے بیس برس کے بعد اب پھر گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ روس اور فن لینڈ کی لڑائی میں، جسے ابھی ایک برس بھی نہیں گذرا اور جو صرف ڈو ہفتے جاری رہی تھی، روسیوں کے ۴۸ ہزار ۷۴۵ اور فنوں کے ۱۵ ہزار سپاہی کام آئے۔ اب اٹلی، جرمنی، فرانس اور انگلستان کے محاربوں سے زمین ایک مرتبہ پھر آگ کے شعلوں کی نذر ہو چکی ہے اور انسانیت ایک مرتبہ پھر خون کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔

کہنے کو تو ہم سب یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص انسان نہیں، حیوان ہے، مگر اس حقیقت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا کہ انسان جب انسانیت کی سطح سے گر جاتا ہے، تو پھر وہ حیوانیت کے درجے پر جا کر نہیں ٹھیرتا۔ وہ شخص جو انسانی خصائل سے محروم ہو، اس کے ذلیل بر بجیٹر کی مثال چوپایوں میں، درندوں میں، پرندوں میں، سمندر کے جانوروں میں، غرض کہ خدا کی ساری مخلوق میں آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ انسان جب تک انسانی اخلاق کا مالک ہے، وہ ملائکہ سے بھی افضل ہے، مگر جب وہ اپنے آپ کو بدی اور بدکاری کے شاہکار کی صورت میں پیش کرتا ہے، تو شیطان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ بد اخلاقی کے تمام اجزاء کی ایک فہرست تیار کر لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانوں میں بے شمار برائیاں ایسی ہیں جن سے حیوانیت کی پوری تاریخ محروم ہے۔ یہ کذب و ریا، یہ غیبت اور رشوت خوری، یہ راہ زنی اور قزاقی، یہ حسد و بغض اور بے اتفاقی، یہ بے دردی اور بے وفائی جو انسانوں میں ہر جگہ پائی جاتی ہے، چوپایوں میں آپ کہاں دیکھتے ہیں؟ درندوں کی درندگی اور وحشت پر آپ بے شک اصرار کر لیجیے، مگر انسانی درندگی کے سامنے آخر اُن کی کیا حقیقت ہے؟ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ مگر انسان کے برپا کیے ہوئے شر و فساد کی کوئی حد نہیں، اس کی ہلاکتوں اور قہرمانیوں کا کوئی شمار نہیں، اس کے حرص و ہوس کا کوئی اندازہ نہیں، اس کے مکر و فریب کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کے اعمالِ بد کی تاریکیاں، اس کی معصیت کے اندھیرے جب پوری طرح پھیل جاتے ہیں، تو گھٹاٹوپ سیاہی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آسکتا:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ (سورۂ نور)

یا اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے، جس پر لہر پر لہر چڑھتی چلی آتی ہو، اس کے اوپر اور لہر آ رہی ہو اور اس کے اوپر بادل ہو۔ غرض تاریکی ہی تاریکی ہو کہ اگر انسان ہاتھ پھیلائے تو کچھ دیکھ نہ سکے۔

طرف سے گہری نفرت کا بیج بو دیا جائے۔ یہ مقصد حاصل ہُوا یا نہیں ؟ یہ ایک الگ سوال ہے، مگر اتنا تو بہرحال مُسلّم ہے کہ مسلمانوں میں خصوصیت سے وہ لوگ جن کی آنکھیں مغرب کی مادّی ترقی کی چمک سے چُندھیا چکی ہیں، وہ اس پروپیگنڈے سے ضرور متاثر ہوئے۔ ان کے علاوہ مسلمانوں کا ایک دوسرا طبقہ پوری طرح متاثر اگرنہیں ہو سکا، تاہم تذبذب سے اُس کا دل ودماغ بھی نہیں بچ سکا —— پروپاگنڈا سچا ہو یا جھوٹا، اس کے جادو میں بڑی طاقت ہے اور اس طاقت نے بسا اوقات قوموں کی تقدیریں تک بدل کر رکھ دی ہیں!

مگر کیا سچ مچ اسلام ایک "خونی مذہب" تھا؟ تاریخ سے اس کا جواب طلب کرنا چاہیے۔ اُن جنگوں کے واقعات جنھیں اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن سب تسلیم کرتے ہیں، اب تک ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جس قدر بھی لڑائیاں ہوئیں، اُن میں کام آنے والوں کی صحیح تعداد بالکل واضح ہے۔ سب سے پہلا معرکہ، بدر کا معرکہ تھا۔ اس میں ۸ مسلمان شہید اور ۷۰ غیرمسلم قتل ہوئے۔ اُحد میں جان دینے والوں کی تعداد بالترتیب ۷۰ اور ۲۳ تھی، خندق میں ۶ اور ۳، خیبر میں ۱۵ اور ۹۳، فتح مکہ میں ۲ اور ۲۸، حنین وطائف اور بنو قریظہ وغیرہ میں ۱۶ مسلمان شہید ہوئے۔ گویا جہادِ نبوی کی پوری تاریخ میں ۱۱۷ مسلمان اور ۲۱۷ مخالف، یعنی کُل ۳۳۴ آدمی صرف ہوئے۔ یہ اس کُشت وخون کی روداد ہے جس کا ذمہ دار اسلام کو قرار دیا جاتا ہے، حالاں کہ یہ لڑائیاں سب کی سب مدافعانہ تھیں۔ جارحانہ پیش قدمی سراسر اسلام کے دشمنوں کی طرف سے ہوئی اور اس صورت میں جُرم اسلام یا مسلمانوں پر نہیں، بلکہ خود کُفار پر عائد ہوتا ہے۔

پھر بھی ایک لمحے کے لیے تسلیم کر لیجیے کہ یہ سارے کا سارا "قتلِ عام" یعنی ۳۳۴ افراد کا خُون اسلام ہی کی گردن پر ہُوا تھا، مگر الزام دینے والوں نے اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر نہ دیکھا کہ خود اُن کی اپنی تاریخ کا، قرونِ وُسطیٰ کی تاریخ کا نہیں، بلکہ عہدِ حاضر کی سائنس "انسانیت" اور علم وتہذیب کی تاریخ کا ایک ایک ورق خُون کے رنگ سے لالہ زار ہے —— فرانسیسی جنگوں میں جو ۱۷۹۳ء سے لے کر ۲۲ برس تک جاری رہیں، ۲۰ لاکھ آدمی تہ تیغ ہوئے۔ جنگِ پینینسولا میں ۵ ہزار، جنگِ کریمیا میں ۴ لاکھ ۸ ہزار، امریکن سول وار میں، جو قریباً پانچ برس جاری رہی، ۶ لاکھ اور جرمنی اور فرانس کی ۱۸۷۰ء کی لڑائی میں صرف ۷ ماہ کے قلیل عرصے میں ۳ لاکھ ۷ ہزار آدمی مارے گئے۔ پھر ۱۸۷۷ء میں ترکی اور روس کی جنگ میں ۲ لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔

پھر جنگِ عظیم برپا ہوئی اور ہلاکتوں اور تباہیوں کے جن لشکروں کو اپنے ساتھ لائی، وہ قریباً ایک کروڑ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر، ۲۳ لاکھ کو شدید طور پر زخمی کر کے اور قریباً ۶۰ لاکھ سپاہیوں کو محبوس کرنے کے

بعد، پورے بیس برس کے بعد اب پھر گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ روس اور فن لینڈ کی لڑائی میں، جسے ابھی ایک برس بھی نہیں گذرا اور جو صرف دو ہفتے جاری رہی تھی، رومیوں کے ۴۸ ہزار ۷۴۵ اور فنوں کے ۱۵ ہزار سپاہی کام آئے۔ اب اٹلی، جرمنی، فرانس اور انگلستان کے محاربوں سے زمین ایک مرتبہ پھر آگ کے شعلوں کی نذر ہو چکی ہے اور انسانیت ایک مرتبہ پھر خون کے سمندر میں غوطہ زن ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

کہنے کو تو ہم سب یہ کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص انسان نہیں، حیوان ہے، مگر اس حقیقت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا کہ انسان جب انسانیت کی سطح سے گر جاتا ہے، تو پھر وہ حیوانیت کے درجے پر جا کر نہیں ٹھیرتا۔ وہ شخص جو انسانی خصائل سے محروم ہو، اس کے ذلیل کیریکٹر کی مثال چوپایوں میں، درندوں میں، پرندوں میں، سمندر کے جانوروں میں، غرض کہ خدا کی ساری مخلوق میں آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ انسان جب تک انسانی اخلاق کا مالک ہے، وہ ملائکہ سے بھی افضل ہے، مگر جب وہ اپنے آپ کو بدی اور بدکاری کے شاہکار کی صورت میں پیش کرتا ہے، تو شیطان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آپ بداخلاقی کے تمام اجزاء کی ایک فہرست تیار کر لیجیے۔ آپ دیکھیں گے کہ انسانوں میں بے شمار برائیاں ایسی ہیں، جن سے حیوانیت کی پوری تاریخ محروم ہے۔ یہ کذب و ریا، یہ غیبت اور رشوت خوری، یہ راہ زنی اور قزاقی، یہ حسد و بغض اور بے اتفاقی، یہ بے دردی اور بے وفائی، جو انسانوں میں ہر جگہ پائی جاتی ہے، چوپایوں میں آپ کہاں دیکھتے ہیں؟ درندوں کی درندگی اور وحشت پر آپ بے شک اصرار کر لیجیے، مگر انسانی درندگی کے سامنے آخر اُن کی کیا حقیقت ہے؟ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ مگر انسان کے برپا کیے ہوئے شر و فساد کی کوئی حد نہیں، اس کی ہلاکتوں اور قہرمانیوں کا کوئی شمار نہیں، اس کے حرص و ہوس کا کوئی اندازہ نہیں، اس کے مکر و فریب کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کے اعمالِ بد کی تاریکیاں، اس کی معصیت کے اندھیرے جب پوری طرح پھیل جاتے ہیں، تو گھٹا ٹوپ سیاہی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آسکتا:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا (سورۂ نور)

یا اُن کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے، جس پر لہر چڑھتی چلی آتی ہو، اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہو، غرض تاریکی ہی تاریکی ہو کہ اگر انسان ہاتھ پھیلائے تو کچھ دیکھ نہ سکے

یورپ کی موجودہ جنگ کے اعداد و شمار ابھی منظرِ عام پر نہیں آسکتے، مگر جو لوگ روزانہ اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ کرنے کے عادی ہیں، وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لڑائی جنگِ عظیم سے بھی زیادہ مہلک اور تباہ کُن ثابت ہو رہی ہے۔ آج سے بیس سال پہلے سائنس کا دماغ اپنی پہلی منزل پر تھا۔ اُس وقت اس نے اتنی ترقی حاصل نہیں کی تھی، جتنی ترقی اُسے آج حاصل ہے۔ یورپ کی تعلیم و تہذیب اور شائستگی کا آفتاب اُن دنوں صرف طلوع ہی ہوا تھا، نصف النہار پر تو اب پہنچا ہے۔ یہ حریت، مساوات اور جمہوریت کا غلغلہ بھی اُن دنوں پوری طرح بلند نہیں ہُوا تھا، اس کے پوشیدہ جوہر تو اب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اسلام کی "جہالت اور وحشت" سے نفرت کرنے والوں کو علم و شرافت اور امن کا سبق سیکھنا ہو، تو اب وقت ہے کہ "امن کے دیوتاؤں" کو اپنا راہ نما بنایا جائے، اُن سے علم حاصل کیا جائے کہ انسانی آزادی کا "تحفظ" کیوں کر ممکن ہے؟ جنگوں کو روکنے اور "کشت و خون سے بچنے" کی تدبیر کیا ہے اور کمزور قوموں کی عزت اور آزادی کی "حفاظت کا راز" کیا ہے؟

عرب کے گنواروں کو بھلا جنگ و جدال کا کیا سلیقہ تھا؟ اُن کے ہاں بربریت اور وحشت کے سوا کیا رکھا تھا؟ اُن کی فوجیں لڑتی تھیں، تو صرف مقابل کے سپاہی ہی کٹتے مرتے تھے، یہ آخر کہاں کی "انسانیت" ہے؟ "انسانیت" تو یہ ہے کہ محاذِ جنگ پر ہی اکتفا نہ کی جائے، بلکہ شہروں پر، دیہات پر، صنعتی کارخانوں اور ہسپتالوں پر، گرجوں اور سکولوں پر بھی بم برسائے جائیں، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو بے امتیاز و بے تامل ہلاک کر کے رکھ دیا جائے بنہیں، "انسانیت" کا کمال تو یہ ہے کہ کھیتوں پر آتش گیر بم برسا کر، اُن کی فصلوں کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے، یہاں تک کہ زمین سالہا سال تک زرعی پیداوار کے ناقابل ہو کر رہ جائے۔ ملک میں قحط پھیلے، لوگ بھوکوں مریں اور "تہذیب و انسانیت" کا بول بالا ہو۔ یہ عربی بدوؤں کی فرومائگی تھی کہ تیر و تلوار کے سوا اُن کے پاس کوئی سامانِ حرب ہی نہ تھا۔ تیروں کے نشانے اور تیغوں کی کاٹ، اُن کے ذہنی اور دماغی افلاس کی آئینہ دار ہے۔ خدا ذہانت بخشے، تو اس کا استعمال اس طرح ہونا چاہیے، جس طرح آج یورپین قومیں کر کے دکھا رہی ہیں۔ چار چار لاکھ روپے کے جنگی طیارے بنائے جائیں اور سولہ سولہ ہزار روپے کی لاگت کا ایک ایک بم تیار کیا جائے۔ سینکڑوں بم روزانہ آسمان سے زمین کی طرف پھینکے جائیں اور بیسیوں طیارے ہر روز توپوں کے ذریعے نیچے گرا کر تباہ کیے جائیں۔ تیل، مکھن، چربی اور آلو، وغیرہ خدا تو پیدا کرے انسان کی خوردنی ضروریات پورا کرنے کے لیے، مگر نئی روشنی کے شمع برداروں کی سعادت مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ان ہی اشیاء کے ذخیرے جمع کر کے عوام الناس کے مونہوں سے ان کے نوالے چھین کر آگ اور خون کی ہولی کھیلنے

کا سامان تیار کیا جائے۔ مختصر یہ کہ سونے کو، چاندی کو، لوہے کو، خوردنی اجناس کو، حیوانوں اور انسانوں کو سبھی کو آگ لگا کر آسمان کے ستاروں کو آتش بازی کے وُہ مناظر دکھائے جائیں، جو انھوں نے آفرینشِ آدم سے لے کر آج تک کبھی دیکھے ہوں نہ دیکھنے کی توقع رکھی ہو۔

آہ! وُہ اسلام کا "وحشیانہ پن"! تہذیبِ جدید کی برکات۔ جوں جوں بڑھتی اور پھیلتی جا رہی ہیں، دنیا بھی اس "وحشیانہ پن" کو ترستی جا رہی ہے۔ یورپ میں بین الاقوامی قانونوں اور معاہدوں کے ذریعے ہزار مرتبہ یہ کوشش ہو چکی کہ غیر متحارب قوموں کو تباہ نہ کیا جائے، غیر فوجی علاقوں پر یورش نہ کی جائے، غیر جانب دار قوموں کے تجارتی اور سفری وسائل کو برباد نہ کیا جائے۔ مگر امن کے محافظوں اور حریت و مساوات کے داعیوں نے کبھی ان معاہدوں کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ یورپ کے جس ڈکٹیٹر کا بس چلتا ہے، وہ اپنوں اور بیگانوں سب کی گردنوں پر خنجر رکھ دیتا ہے۔ موجودہ جنگ کے معاملات پر ہی نگاہ ڈال لیجیے، اس میں اُن ملکوں کو غلام بنا لیا گیا ہے، جنھوں نے کبھی بھول کر بھی لڑائی میں حصہ لینے کا خیال نہیں کیا۔ اُن قوموں کے تجارتی جہاز لُوٹ لیے گئے ہیں، جن کا جنگ کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہ تھا اور اُن بے شمار لوگوں کو قید و بند کی مصیبتوں میں ڈھکیل دیا گیا ہے، جن پر کسی مخالفانہ جدوجہد کا شبہ تک نہ ہو سکتا تھا۔ اسلام جسے اہلِ یورپ ایک خُون خوار مذہب قرار دے چکے ہیں، اس کا قصور محض یہی ہے کہ اُس نے دورانِ جنگ میں اس قسم کی تمام "مہذبانہ حرکات" کو ممنوع قرار دے دیا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝	اور اللہ کی راہ میں صرف اُن ہی لوگوں سے لڑو، جو تمھارے ساتھ لڑ رہے ہوں اور (اپنی طرف سے) زیادتی نہ کرو (یعنی جو لوگ تمھارے خلاف جنگ نہیں کر رہے، تم خواہ مخواہ اُن کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ اور اگر تم نے ایسا کیا، تو یاد رکھو!) اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اور یہ اسی حکمِ ربانی کا اثر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے متبعین نے ہر جہاد و قتال میں، محض ان ہی لوگوں کے خلاف نبرد آزمائی کی، جو مقابل کی صفوں میں آکر اُن کے خلاف جنگ کیا کرتے تھے۔ جہادِ اسلامی کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملے گی کہ مسلمان سپاہیوں نے فوجی مورچوں سے ہٹ کر اپنے مخالفوں کے شہروں اور آبادیوں کے پُرامن لوگوں پر کبھی ہاتھ اٹھایا ہو۔

آں حضرت صلعم جب کبھی کوئی مہم لڑائی کے لیے روانہ کرتے، تو اس کے سپاہ سالار کو تاکید کے ساتھ حکم دیتے کہ کمزوروں کو ہرگز نہ ستایا جائے۔ چنانچہ جب بازنطینیوں کے خلاف، فوج روانہ ہوئی، تو آپ نے اُسے مخاطب کرکے، ارشاد فرمایا:

"اپنے نقصانات کے انتقام میں بے ضرر باشندوں اور عورتوں کو نہ ستانا، بچوں اور بیماروں کو تکلیف نہ دینا۔ جو لوگ تمھارے مقابلے پر نہ آئیں، اُن کے گھروں کو مسمار نہ کرنا، اُن کے سامان خوراک، ثمردار نخلوں اور کھجوروں کے پیڑوں کو برباد نہ کرنا"

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی پیروی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مہم کے سردار کو اس طرح خطاب کیا کہ:

"اے یزید! ... ... اگر خدا تمھیں فتح یاب کرے، تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ کھجور کے درختوں اور کھیتوں کو تباہ نہ کرنا، کوئی ثمردار درخت نہ کاٹنا۔ تمھیں راستے میں کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے۔ جو اپنی خانقاہوں میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طریقے پر خدا کی عبادت کرتے ہیں، اُن سے تعرض نہ کرنا اور نہ انھیں قتل کرنا اور نہ اُن کی خانقاہوں کو تباہ کرنا"

یورپ بے شک آج بھی "امن و سلامتی" کی راہ پر ہی چل رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنی کوتہ اندیشی کے باعث اس کے امن و انسانیت کو سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے، مگر دنیا پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آج اُس کو کسی ایسی ہی "وحشیانہ" تربیت کی ضرورت ہے، جس کی ایک جھلک اوپر کے الفاظ میں نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب ایک اَور سوال پیدا ہوتا ہے: یہ جنگ جو اس وقت ہمارے سامنے برپا ہے، کن مقاصد کے لیے لڑی جارہی ہے؟ یہ سوال کوئی پیچیدہ سوال نہیں۔ مذہب کے لیے یہ لڑائی یقیناً نہیں لڑی جارہی، اس لیے کہ مذہب تو مدت ہوئی، یورپ سے رخصت ہوگیا اور ویسے بھی تو مذہب کے لیے جنگ کرنا ایک وحشیانہ کام ہے۔ ایسے "حقیر مقصد" کے لیے قوموں کی زندگی تباہ کرکے رکھ دینا کہاں کی دانش مندی ہے؟ جنگ کا مقصد کوئی بلند مقصد ہونا چاہیے، مثلاً "پیٹ کی ہوس" زندگی کا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ یورپ اگرچہ پیٹ کی آگ کو اپنی غارت گری اور قزاقی کا باعث قرار نہیں دیتا، مگر یہ صرف لفظوں کا اُلٹ پھیر ہے۔ وہاں کی تہذیب نے

ان منحوس لفظوں کے بجائے، ایک خوب صورت لفظ تراش رکھا ہے ۔۔۔ "نظریہ افادیت ۔۔۔"! وہاں کی ساری زندگی اسی لفظ کو اپنا محور قرار دے کر، اس کے ارد گرد گھوم رہی ہے! ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم بھی اسی پُرفریب لفظ کے پردے میں برپا ہوئی تھی اور اب یہ جنگ بھی اسی مکارانہ جذبے کے ماتحت آغاز پذیر ہوئی ہے۔

پچھلی جنگ میں میدان برطانیہ کے ہاتھ میں تھا، اُس نے اپنے حریفوں کی طاقت کو پامال کرنے اور اپنے پیٹ کے دوزخ کا ایندھن مہیا رکھنے کے لیے یہ چال چلی تھی کہ جرمنی اور روس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے وسط یورپ میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر دی جائیں اور اسی پر بس نہیں کیا، جرمنی پر یہ پابندیاں عائد کر دی گئیں کہ وہ ایک خاص مقدار سے زیادہ سامانِ حرب اور ایک خاص تعداد سے زیادہ فوج اپنے ملک میں نہیں رکھ سکتا۔ اسے یُوں بے دست و پا کر دینے کے بعد برطانیہ مطمئن ہو گیا۔ اُس کے پیٹ کی آگ کے لیے ہر طرف سے ایندھن فراہم ہو رہا تھا، مگر جرمنی حد سے بڑھی ہوئی فاقہ کشی برداشت نہ کر سکا۔ "نظریہ افادیت" تنہا انگلستان ہی کا ورثہ تھوڑا تھا، یورپ کے سارے ملکوں کی مشترکہ وراثت تھی، لہٰذا جرمنی نے بھی ہاتھ پاؤں مارے اور ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۳۹ء تک، کُل پانچ برس کے عرصے میں اُس نے سار کا علاقہ، رائن لینڈ، زیکوسلاویکیہ، بوہیمیا، سلوویکیا، میمل، ڈینزگ، یہاں تک کہ نصف پولینڈ پر قبضہ کر لیا۔ انگلستان سے آواز بلند ہوئی، یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ تم یُوں قزاقوں کی طرح بڑھتے چلے آ رہے ہو؟ ہٹلر کا جواب برمحل بھی تھا اور واضح بھی:

میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم ۔۔۔ تم نے کیا توڑے نہیں کم زور قوموں کے زجاج؟
پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کُشی ۔۔۔ کل روا رکھی تھی تم نے، مَیں روا رکھتا ہوں آج

اب چند ہی ماہ کے اندر اندر اس نے ہالینڈ، ناروے، بلجیم، لکسمبرگ، ڈنمارک اور فرانس پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ توپیں اب، فرانس کے ساحل پر انگلستان کے جنوب مشرقی ساحل کو سامنے رکھ کر نصب کر دی گئی ہیں۔ اِدھر سے گولے پھینکے جاتے ہیں اور اوپر سے ہوائی جہازوں کے ذریعے بم!

ہٹلر کیوں لڑ رہا ہے؟ اس کا جواب تو دیا جا چکا۔ سوال اب صرف یہ ہے کہ برطانیہ کیوں لڑ رہا ہے؟ "امن و تہذیب کے تحفظ کے لیے، انسانی آزادی کے بچاؤ کے لیے، کم زور قوموں کی آزادی کے لیے" کچھ اس قسم کے جملے حکومتِ برطانیہ بآوازِ بلند دُہرا رہی ہے! ہندوستان نے دریافت کیا، جب آپ نوعِ انسانی کی آزادی ہی کے لیے لڑ رہے ہیں، تو ہندوستان کی جان بخشی تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کرتب

ہے۔ کیا جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کو بھی آزاد کر دیا جائے گا؟ اُدھر سے اس سوال کا جواب، اب تک تو نفی ہی میں ہے!

جنگ کے نتائج کتنے ہولناک ہوتے ہیں؟ اس بات کو واضح کرنے کے لیے کسی افسانوی تخیل کی ضرورت نہیں ہے! وُہ لوگ جنھوں نے لڑائی میں اپنی جان دے دی، اُن کا دکھ تو اُنھیں کے ساتھ رخصت ہو گیا، مگر اُن لوگوں کی مصیبتوں کا آپ اندازہ نہیں کر سکتے، جو شدید طور پر زخمی ہو کر زندہ بچ رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زندگی حقیقتہً بڑی دردناک زندگی ہوتی ہے۔ گذشتہ جنگِ عظیم میں تقریباً ۶۲ لاکھ آدمی شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جن کی آنکھیں ضائع ہوئیں۔ ایسے بھی، جن کے بازو یا ٹانگیں ناکارہ ہو گئیں اور ایسے بھی، جنھیں دماغی صدمے پہنچے۔ اب یہ ۶۲ لاکھ انسان، اگر آپ غور کریں، تو آپ کو معلوم ہوگا، انسانیت کا ایک بالکل معطّل اور بے کار حصّہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ محنت، مسرت اور زندگی کی کسی لذّت میں وہ حصہ نہیں لے سکتے، بلکہ اس کے خلاف وہ اپنے اپنے اقربا کے لیے ساری ساری عمر کا بوجھ ثابت ہوئے ہیں! یہ لڑائی کے نتائج کا ایک الم ناک پہلو ہے!

اور اس سے بھی زیادہ دردناک زندگی اُن خاندانوں کی زندگی ہے، جن کے نوجوان فرزند ——— ایسے نوجوان فرزند، جن کے روزگار کے سہارے پر اُن کی بسر ہوتی تھی، لڑائی میں کام آ گئے۔ اس قسم کے واقعات، انفرادی طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں، اس واسطے ہم اُن کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگا سکتے۔ جوانوں کی ہلاکت سے کسی ملک و قوم میں جو طویل کرب و الم پیدا ہوتا ہے، اُس کو سمجھنے کے لیے ایک معنیٔ و اتصوّر، ایک دردمند قلب و نظر کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر روس اور فن لینڈ کی جنگ کی تباہ کاری پر ایک نگاہ ڈالیے۔ اس جنگ میں، جو صرف تین ہفتے جاری رہی، ۱۵ ہزار فن ہلاک ہوئے، ۹ ہزار عورتیں بیوہ ہوئیں اور ۲۵ ہزار بچے یتیم ہو گئے۔ ۵ ہزار عمارتیں بم باری سے تباہ ہوئیں اور ۵ لاکھ انسان خانماں برباد ہوئے۔ اس مثال سے آپ کے لیے اُس دُکھ درد کا اندازہ آسان ہو گیا ہے، جو جنگ کے آغاز و دوران میں نہیں، بلکہ جنگ کے خاتمے پر شروع ہوتا ہے۔ ۹ ہزار عورتوں کا آنِ واحد میں بیوہ ہو جانا کوئی معمولی درد نہیں۔ ۱۵ ہزار بچّوں کا یتیم ہو جانا بھی کوئی معمولی دُکھ نہیں۔ اُن عورتوں کے لیے، جن کے رفیق جاتے رہے، اُن بچّوں کے لیے، جن کے باپ مارے گئے، اُن ماؤں کے لیے جن کے بیٹے رخصت ہو گئے، اُن بہنوں کے سبب

جن کے بھائی ہلاک ہوگئے، زندگی کی کیا مسرت باقی رہ جاتی ہے؟ وہ ہزار عمارتیں دوبارہ بن جائیں گی۔ وہ لاکھ انسانوں کو دوبارہ ٹھکانے حاصل ہوجائیں گے، مگر فن لینڈ کی جو مسرت اس کے مرنے والے سپاہی اپنے ساتھ لے گئے، وہ کبھی واپس نہیں لوٹ سکتی۔

ایک بات پر غور کرنا باقی رہ گیا۔ روس نے فن لینڈ کو فتح کرکے اُسے اپنا غلام بنالیا ہے۔ کیا اُس نے روس کے خلاف کسی ملک کی فوجی امداد کی تھی؟ کیا اُس نے کسی سازش میں حصہ لیا تھا؟ کیا وہ روس پر حملہ آور ہوا تھا؟ پھر روس نے کس جرم کی پاداش میں اُسے ہڑپ کرلیا ہے؟ جرمنی نے پولینڈ، ہالینڈ، بلجیم، اور ناروے وغیرہ حکومتوں پر کیوں تباہ کن حملے کرکے اُن کی گردنوں میں اپنی غلامی کا پٹہ ڈال دیا ہے؟ کیا یہ ممالک جرمنی کے دشمن تھے؟ اُن کے خلاف اُسے کیا شکایت تھی؟ ان سارے سوالوں کا جواب صرف ایک ہے۔ مفتوحہ ممالک کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ وہ کمزور تھے۔ انگریزی کی ایک ضرب المثل ہے:

The weak has no right to live in the world.

"کمزور کا کوئی حق نہیں کہ وہ دنیا میں زندہ رہے۔" اقبالؔ نے اسی مفہوم کو حسبِ ذیل شعر میں ادا کیا ہے: "کمزور کو دنیا میں رہنے کا کوئی حق نہیں"

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!

آج دنیا کی سب سے بڑی فریاد یہ ہے کہ کسی طرح امن قائم ہوجائے۔ روئے زمین کی ہر قوم سکھ کے لیے ترس رہی ہے۔ زمین کے ایک گوشے سے لے کر دوسرے گوشے تک "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو" کی صدا بلند ہو رہی ہے۔ دنیا کے چند ظالم اور جابر ڈکٹیٹروں کے سوا کائناتِ عالم کی ساری انسانیت سکون کی متلاشی ہے ـــــ دنیا کی یہ خواہش، یہ فریاد اور یہ تمنا جنگِ عظیم میں بھی بیدار ہوئی تھی اور ایسے ہی جذبات کا نتیجہ تھا کہ بالآخر تمام ممالک کو مل کر امن و راحت کے قیام کے واسطے ایک "جمعیۃ اقوام" کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر اس "جمعیۃ" کا سنگِ بنیاد رکھنے والے ہاتھوں میں نیک نیتی اور انصاف کا کوئی

جذبہ موجود نہ تھا۔ اس جمعیتہ کے بڑے بڑے اعضاء کا منتہائے مقصود، امن کی حفاظت نہ تھا، بلکہ اپنے اس مفاد کا تحفظ مقصود تھا جو انھوں نے ظلم و جبر و بے انصافی کے ذریعے حاصل کر رکھا تھا۔ گویا خشتِ اول ہی میں کجی موجود تھی، اس کے اوپر جو عمارت استوار کی گئی، وہ آخر کس طرح کھڑی رہ سکتی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ لیگ آف نیشنز اپنے کسی فیصلے کا بین الاقوامی احترام حاصل نہ کر سکی۔ جاپان نے چین پر اور اٹلی نے ایبے سینیا اور البانیہ پر یکے بعد دیگرے حملے کرکے اس کی نمائشی ساکھ کا خاتمہ کرکے رکھ دیا اور اس طرح حکیم مشرق کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

بے چاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد نہ مرے منہ سے نکل جائے!

دنیا میں صرف ایک طاقت، امن قائم کر سکتی ہے اور وہ طاقت، انصاف کی طاقت ہے جب تک یورپ کے دماغ سے بے انصافی کی ذہنیت کا خاتمہ نہیں ہوگا، دنیا کبھی امن کا سانس نہیں لے سکتی، مگر خود "انصاف" کے پاس کوئی طاقت ہونی چاہیے۔ وہ انصاف جو اپیلوں اور فریادوں کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے، اپنے آپ میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔ لوہے کو صرف لوہا ہی کاٹ سکتا ہے۔ اس واسطے دنیا میں انصاف کی حکومت قائم کرنے کے لیے یہ بڑی ضروری بات ہے کہ خود انصاف کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے۔ "جمعیتہ اقوام" کی بنیاد اگرچہ عدل پر قائم نہ تھی، لیکن اگر وہ عدل پر بھی قائم ہوتی، تو بھی دنیا میں محض انصاف کا ڈھنڈورا پیٹتے رہنے سے، اسے کبھی قیام امن میں کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

آج دنیا کو "جمعیتہ اقوام" کی ضرورت نہیں، "جمعیتہ افواج" کی ضرورت ہے، مگر اس کے قیام کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ دنیا کے تمام ڈکٹیٹر اپنے ظلم واپس لے لیں، یعنی، ان بے گناہ ممالک کو آزاد کر دیں، جن کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اپنی حفاظت اور مدافعت پر قادر نہ تھے۔ اس کے بعد تمام ممالک کی فوجی طاقت سے، مقررہ مساوی حصوں میں ایک ایک فوج لے کر ایک مرکزی مقام پر ایک بین الاقوامی منظم جماعت کے ماتحت اکٹھی کر دی جائے۔ ہر ملک کے پاس صرف داخلی انتظام کے لیے ایک محدود طاقت باقی رہنے دی جائے اور ہر ملک کی حکومت "جمعیتہ افواج" کے مصارف کے لیے مساوی طور پر ٹیکس ادا کرے۔ بس اس طرح کی کوئی فوجی جمعیت ہی دنیا میں امن قائم کر سکتی ہے۔ اگر جمعیتہ اقوام کے پاس کوئی ایسی منظم طاقت ہوتی، تو جاپان کو کبھی یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ چین پر حملہ آور ہو یا اٹلی کو کبھی حوصلہ نہ پڑتا

کہ وہ حبشہ اور البانیہ پر چڑھائی کر دے۔ اگر اُس حالت میں یہ ممالک غارت گری اور قزاقی کی کوشش کرتے، تو بڑی آسانی کے ساتھ اُن کا سر کچلا جا سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ جمعیت اقوام ایک برائے نام جمعیۃ تھی، اس کے پاس ریزولیوشنوں، احتجاجوں اور سب کمیٹیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ ایسی حالت میں جنگ کے شعلے پھیلتے پھیلتے اگر اب ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں، تو اس کا کوئی عملی مداوا آخر اس کے پاس کیا تھا؟

یہ نتیجہ کہ دنیا کے عام ظلم و تشدد کو روکنے کے لیے ایک "منظم تشدد" کے قیام کی ضرورت ہے۔ کوئی انسانی سکیم نہیں۔ یہ فطرت کی بنائی ہوئی سکیم ہے اور انسانیت کے ہر ایک شعبے میں اس کی کارفرمائی ہم دیکھ سکتے ہیں۔ آپ ایک مدرسے کے طالب علموں کی طرف توجہ کیجیے۔ اگر ان کے باہمی جھگڑوں، شرارتوں اور ایک دوسرے کی مارپیٹ کا انسداد کرنے کے لیے، اُن کے اُستادوں کے ہاتھ میں کوئی طاقت نہ ہو، تو مدرسے کا نظام کیوں کر قائم رہ سکتا ہے؟ یہی صورتِ حال ہمارے گھروں میں پائی جاتی ہے۔ جن خاندانوں میں کوئی بارعب شخصیت افرادِ خاندان کی باہمی چپقلش پر، اُن کو سرزنش کرنے والی نہیں ہوتی، وہ خاندان عام طور پر تباہ ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت حال ہمارے شہروں میں پائی جاتی ہے۔ ہم اپنی جیب سے خرچ ادا کر کے پولیس کی چوکیاں قائم کرتے ہیں، تاکہ وہ ہماری جان و مال کی حفاظت کا انتظام رکھیں۔ یہی صورت حال سارے ملک کی ہے اور اس کے داخلی اور بیرونی تشدد کو روکنے کے لیے فوج موجود ہے۔ قرآن حکیم اس طبعی اور فطری نظام کی اہمیت کو یوں ادا کرتا ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا	اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں، تو ان میں صلح
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا	کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے، تو زیادتی کرنے والوں
عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ	سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے، پس جب وہ
اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا	رجوع کرے، تو دونوں فریقوں میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف
بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ (الحجرات)	سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ نظام اب تک چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر ہر خاندان میں، ہر بستی میں، ہر صوبے اور ہر ملک میں برابر کامیاب ثابت ہوا ہے۔ اب اس نظام کا ایک عالم گیر تجربہ کرنا چاہیے۔ اگر دنیا واقعی امن و سلامتی کی پیاسی ہے، اگر اس کی تمنا ہے کہ زمین ہٹلر، مسولینی اور سٹالین جیسے خون خوار انسانوں سے محفوظ ہو جائے، تو اس کا اصلی اور حقیقی علاج یہی ہے کہ تمام ممالک کی مشترکہ فوج اور مشترکہ اخراجات سے ایک "عالم گیر فوجی لیگ" قائم کی جائے۔ اس کے سوا کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں، جو امنِ عالم کا حقیقی ضامن قرار پا سکے۔

محمد اقبال سلمانی

جواہرِ ادب

پرانے کاغذات سے چند اشعار دستیاب ہوئے ہیں، جو غالباً غیر مطبوعہ ہیں اور اتفاقاً دستبردِ روزگار سے محفوظ، ـــــ آج بھی گم شدہ باز یافتہ نذرِ احباب ہیں۔ (عرشی)

مغرب و مشرق

مغرب کی سرزمیں نے سیلِ بلا اٹھایا، مشرق کی عافیت کی ناؤ ڈبو کے چھوڑی
مغرب نے کی تلافی پارینہ گم رہی کی، مشرق نے آبروئے اسلاف کھو کے چھوڑی
صابون مادے کا بے حد مفید نکلا روحانیت کی رنگت دامن سے دھو کے چھوڑی

وارث ہوئے جو جاگے اور ہم نے وا دریغا
بیدار بختیوں کی جا دادسو کے چھوڑی

فی القصاص حیاۃ

مَیں نے چھوڑے بدن کے مرغوبات اس نے جاں کی غذا کو چھوڑ دیا
مَیں نے چھوڑے جفا کے طور و طریق اس نے رسمِ وفا کو چھوڑ دیا
مَیں نے چھوڑے ہیں مولوی کے صنم اُس نے میرے خدا کو چھوڑ دیا

مَیں نے پوچھا کہ اس میں ہے کیا بات؟
ہنس کے فرمایا، فی القصاص حیاۃ!

نامسلماں تھا، تو دی اسلام کی دعوت مجھے مَیں مسلماں ہوگیا، تو وہ مکفر ہوگئے

اِتفاق

خدا کا شکر، مٹے اختلاف صدیوں کے خدا کا شکر، کسی بات میں تو ایک ہوئے
خدا کا شکر، کسی مسئلہ میں جم تو گئے "یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لیے"
کہ متفق ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف"

عرشی

تلخیص و ترجمہ

عرفانی نکتے

(عتیق شنی)

ذیل کی سطور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "عوارف المعارف" سے ماخوذ ہیں۔ حضرت شنی کا شکریہ، کہ انھوں نے قارئین البیان کی ضیافتِ ذوق کے لیے شیخ علیہ الرحمۃ کے بعض فیوض نکات کو اردو میں منتقل کر دیا۔ شیخ علیہ الرحمۃ کے خاندانی حالات تفصیل کے ساتھ معلوم نہیں ہو سکے۔ اتنا بہر حال معلوم ہے کہ وہ فارسی النسل تھے۔ ولادت غالباً ۵۴۹ھ کے اوائل میں ہوئی اور وفات ۵۸۷ھ میں۔ وہ اپنے زمانے کے بہت بڑے صوفی، فلسفی اور زاہد و مرتاض بزرگ تھے۔ تقریباً ساری عمر حصولِ تصوف، سیر و سیاحت، تصنیف و تالیف اور فکر و تجسس میں بسر ہوئی۔ مسمریزم میں بھی اُن کو کمال حاصل تھا، قرآن مجید کے بہت بڑے عاشق تھے۔ فرمایا کرتے تھے، علیلک بقرأۃ القرآن کانہ ما انزل الا فی شانك، یعنی، قرآن مجید کو یوں سمجھ کر پڑھو، گویا وہ بس تمہاری شان میں نازل ہوا ہے۔

مگر اُن کا فضل و کمال ہی اُن کی بے وقت موت کا باعث ہوا۔ عمر کے آخری دنوں میں وہ حلب میں مقیم تھے۔ عوام میں اُن کی شہرت و مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی کہ اُن کا وجود سلطنت کے لیے خطرناک ثابت ہونے لگا۔ یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین نے اُن کے مذہبی اور سیاسی خیالات کو مجرم گردان کر انھیں سزائے موت دے دی۔ اس وقت اُن کی عمر صرف ۳۸ برس تھی۔

مضمون کے آخر میں جن اشعار کا ترجمہ دیا گیا ہے وہ امام غزالی رح کی "احیاء العلوم" سے ماخوذ ہیں (سلمانی)

علم | حدیثِ نبوی: "جو شخص علم کی طلب میں اپنے گھر سے نکلا، وہ اپنی واپسی تک اللہ کی راہ میں ہے" "والسائحون" کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ طالبِ علم ہیں۔

نگاہِ مرداں | اہلِ طلب کے لیے ہر راست باز کی ملاقات نفع بخش ہوتی ہے، فقد ینفعہ لحظ الرجال کما ینفع لفظ الرجال: جس طرح مردانِ خدا کے الفاظ فائدہ بخش ہوتے ہیں اسی طرح ان کی نگاہ بھی فائدہ دے جاتی ہے اور کہا گیا ہے: من لا ینفعك لحظہ لا ینفعك لفظہ جس کی نگاہ تجھے نفع نہیں دے سکتی، اس کی بات بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اس قول میں دو وجوہ ہیں: اوّل یہ کہ مردِ صادق اہلِ صدق

کے ساتھ زبانِ قال کی نسبت زبانِ حال سے زیادہ کلام کرتا ہے۔ جو نفع ان کے مشاہدہ حال سے حاصل کیا جائے، وہ فیضِ نگاہ ہے اور جس کا قول و فعل یکساں نہ ہو، اس کے الفاظ میں کوئی نفع نہیں ہوتا کیوں کہ وہ ہوا و ہوس سے کلام کرتا ہے اور قول کی نورانیت دل کی نورانیت کے مطابق ہوتی ہے اور دل کی نورانیت حق عبودیت کے واجبات پر استقامت کے مطابق ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا رسیدہ مردوں اور راسخ عالموں کی نظر تریاقِ نافع ہوتی ہے جب وہ کسی صادق شخص کی طرف دیکھتے ہیں، تو ان کی بصیرت کی تاثیر سے اس کی استعداد کی خوبیاں منکشف ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کے افضال و عنایات کے لیے تیاری محسوس کرنے لگتا ہے۔

——— جس طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سانپوں میں خاصیت رکھی ہے کہ جب وہ انسان پر نظر جماتے ہیں، تو اس کو نظر ہی سے ہلاک کر دیتے ہیں ———

یکسوئی | شبلیؒ نے حصریؒ سے ابتداء سلوک میں کہا: "اگر تیرے دل میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اللہ کے سوا کوئی خیال آجائے، تو تجھ پر میری صحبت میں بیٹھنا حرام ہے" ——— پس جس شخص کو ایسی صحبت نصیب ہو، وہ ہر سفر اور فضیلت سے بہتر ہے، ——— ابوبکر رقاق نے کہا کہ طالبِ حق اُس وقت طالبِ حق ہوتا ہے، جب بیس سال تک اُس کے بائیں طرف کا فرشتہ کچھ نہ لکھے۔

تبلیغ | حدیث: جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی، اس کو اپنے تابعین کے برابر اجر ملے گا اور اُن کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی پھیلائی، اس پر اپنے تابعین کے گناہوں کے برابر گناہ ہوں گے اور ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

مراقبہ | بعض لوگ کہتے ہیں، اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو اور مَیں کہتا ہوں اپنی آنکھیں بند کرو اور دیکھو۔ اور مَیں نے سُنا ہے، بعض صالحین نے فرمایا، اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں، جن کا زانوان کا سینہ ہے۔ اُن کے سر اُن کے زانو پر ہوتے ہیں اور وہ قربِ الٰہی کے مقام میں۔ پس جس کے لیے زندگی کا چشمہ اس کی خلوت کی تاریکی میں جاری ہو جائے، وہ ظلمات (خضر و سکندر) میں داخل ہو کر کیا کرے گا ———؟

تدبیرِ نفس | نفس کی آلائشوں سے نیت کو وُہی شخص پاک کر سکتا ہے، جو علم و تقویٰ میں کامل اور حرص دنیا سے بچنے میں حظ وافر رکھتا ہو۔

تفویض | لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: جب کوئی چیز اللہ کو سونپ دی جائے، تو وہ اُس کا حافظ و نگراں بن جاتا ہے۔ مَیں تیرا دین، امانت اور تیرے اعمال کا انجام اللہ کو سونپتا ہوں۔

دُعائے سفر | اَللّٰھُمَّ زَوِّدنی التقویٰ واغفرلی ذنوبی ووجّھنی للخیر اینما توجّھت (اے اللہ! مجھے تقویٰ کا توشہ عنایت فرما اور میرے گناہ بخش دے اور مجھے خیر و عافیت کی طرف متوجہ کر!) ہر منزل میں دو رکعت کے بعد یہ دعا پڑھے۔

فنا | خرّاز نے کہا ہے: "عارف کی تدبیر، تدبیرِ الٰہی میں فنا ہو جاتی ہے جس شخص کو انہی کشائشوں کے ساتھ قیام حاصل ہوتا ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب و قیام حاصل ہو جاتا ہے اور وہ جلالِ الوہیت سے لذت یاب ہوتا ہے۔

سماع | جنید نے کہا ہے: "اس جماعت (صوفیہ) پر تین موقعوں پر رحمت نازل ہوتی ہے:

۱۔ کھانے کے وقت، کیوں کہ وہ پوری بھوک کے وقت کھاتے ہیں۔

۲۔ مذاکرے کے وقت، کیوں کہ وہ صدیقوں کے مقامات اور نبیوں کے احوال سے متعلق گفتگو کرتے ہیں

۳۔ سماع کے وقت، کیوں کہ وہ ذوق و شوق سے سنتے ہیں اور حق کے شاہد ہوتے ہیں۔

شیخ ابوعبدالرحمٰن السلمی نے کہا ہے کہ میں نے اپنے دادا سے سنا ہے "سماع کے شائق کو چاہیے کہ دل زندہ اور نفس مردہ سے سُنے اور جس شخص کا دل مُردہ اور نفس زندہ ہو، اس کے لیے سماع حلال نہیں"

جنید نے فرمایا: "جب تم کسی مبتدی میں سماع کی طلب دیکھو، تو سمجھو کہ اس میں لغویت باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وانتم سامدون" سے مراد "مغنون" (گانے والے) ہے۔ حمیر کی لغت میں سَمَدَ فلانٌ اذا غنی، جب کوئی گائے تو سَمَدَ کہتے ہیں۔

آں حضرت صلعم نے فرمایا: "سب سے پہلا نوحہ کرنے والا اور گانے والا ابلیس تھا اور فرمایا: مجھے دو بُری آوازوں سے روکا گیا ہے (۱) نعمت پانے کے وقت کی (متکبرانہ) آواز، (۲) مصیبت کے وقت (مایوسانہ) آواز۔

—— فضیل بن عیاض نے کہا ہے: الغناء رقیۃ الزنا، یعنی، گانا زنا کا منتر ہے۔

وجد | نقل ہے کہ حضرت موسےٰ اپنی قوم کو وعظ فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے ان میں سے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی۔ حضرت موسےٰ کو ارشاد ہُوا کہ صاحبِ قمیص کو کہہ دے کہ قمیص کو نہ پھاڑے اور اپنے سینے کو کھولے۔ یعنی، شقِ قمیص فضول ہے۔ شرحِ صدر کی ضرورت ہے۔

ابن سیرین کے پاس ذکر کیا گیا کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہے، تو بعض لوگ گر پڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بات تو جب ہے کہ ایسے شخص کو کوٹھے پر لب بام بٹھا دیں۔ پھر اس کے پاس اوّل سے آخر تک سارا قرآن پڑھ دیں

پھر اگر وہ گو مٹے پر سے گر پڑے، تو سچا ہے۔

جنیدؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص علمی فضائل سے آراستہ ہے اور کیفیت وجد سے بہرہ ور نہیں، تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ علم کی فضیلت وجد کی فضیلت سے کامل تر ہے۔

ایک جوان جنیدرضؒ کا ہم نشین تھا۔ جب سماع کا موقع ہوتا، بے بس ہو جاتا، حالت متغیر ہو جاتی۔ جنیدؒ نے ایک دن اس سے کہا "اگر آئندہ تم سے ایسی حرکت سرزد ہوئی، تو میرے پاس نہ آنا" اس کے بعد وہ ضبط کرتا تھا اور بسا اوقات اس کی ہر بُنِ مُو سے پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک دن اس پر پھر وُہی حالت طاری ہوئی، وہ بے ہوش ہو گیا اور اسی حال میں روح عالم بالا کو پرواز کر گئی۔ —— پس حقیقی وجد کے بغیر اظہار وجد اور حقیقی حال کے بغیر حال کا دعوٰی صدق نہیں ہے، بلکہ یہ قطعی نفاق ہے ——

ایک دفعہ خوشی کے موقع پر آں حضرت صلعم نے حاضرین مجلس سے کہا کسی کو کوئی شعر یاد ہو تو پڑھے۔ ایک بدوی نے پڑھا:

قد لسعت حیة الهوی کبدی　　فلا طبیب لها ولا راقی

الا الحبیب الذی شغفت به　　فعنده رقیتی و تریاقی

یعنی "عشق کے سانپ نے میرے کلیجے کو ڈس لیا جس کا نہ کوئی طبیب ہے، نہ افسوں گر، سوائے اُس حبیب کے جس کا میں شیدا ہوں، پس میرا افسوں اور میرا تریاق اُسی کے پاس ہے"

اس سے آں حضرتؐ اور صحابہؓ غایت متاثر ہوئے۔ اس حدیث کی صحت میں اصحاب حدیث کو کلام ہے۔

سہلؒ نے کہا ہے: "ہر وجد جو کتاب و سنت کے مطابق نہیں ہے، باطل ہے۔"

یقین | ایک شخص معاذؓ کے پاس آیا۔ اس نے کہا، ان دو شخصوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے (۱) عبادت میں سخت کوشش کرنے والا۔ بہت عمل کرنے والا اور تھوڑے گناہ کرنے والا ہے، مگر اس کا یقین کمزور ہے جس کو شک نے مضطرب کر رکھا ہے؟ معاذؓ نے کہا، شک اس کے عمل کو ضرور تباہ کر دے گا۔

(۲) پھر اس نے کہا، "اس شخص کے متعلق بتائیے۔ جو کم عمل کرتا ہے، لیکن اس کا یقین مضبوط ہے، دراں حالیکہ اس کے گناہ بھی زیادہ ہیں" معاذؓ چپ ہو گئے۔ سائل نے کہا: خدا کی قسم! اگر پہلے شخص کے شک نے اس کے نیک عمل ضائع کر دیے، تو دوسرے شخص کا یقین اس کے تمام گناہوں کو مٹا دے گا۔ وہ کہہ چکا، تو معاذؓ نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور کہا، خدا کی قسم میں نے اس شخص سے زیادہ فقیہ

نہیں دیکھا۔

لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی "یقین کے بغیر عمل کی توفیق نہیں ملتی اور آدمی اپنے یقین کے مطابق ہی عمل کرتا ہے اور عامل کی کوتاہی اسی میں ہے کہ اس کا یقین کوتاہ ہو جائے بس یقین افضل علم ہے"

پاک دلی انس بن مالک نے کہا، مجھ کو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "اے بیٹا! اگر تو اپنی صبح و شام اس حال میں گذار سکے کہ تیرے دل میں کسی کے خلاف کینہ نہ ہو، تو اس پر عمل کر۔" پھر کہا "اے بیٹا! یہ بات میری سنت ہے اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اُس نے مجھے زندہ کیا۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ہو گا"

نماز شبلی رضہ کے خادم سے پوچھا گیا کہ شبلی نے آخری وقت کی کوئی بات سناؤ۔ اس نے کہا: جب آپ کی زبان بند ہو گئی اور ماتھے پر پسینہ آگیا، تو مجھے اشارے سے کہا کہ نماز کے لیے وضو کراؤ۔ پھر میں نے وضو کرا دیا۔

صوفی ذوالنون رضہ نے کہا ہے: صوفی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز پر ترجیح دی۔

ایک آیت کی تفسیر ابن عطا نے کہا ہے۔ الظالم لنفسہ سے مراد وہ شخص ہے، جو دنیا کے لیے خدا کو دوست رکھتا ہے اور مقتصد اُس کو کہتے ہیں، جو عقبیٰ کے لیے اللہ کو دوست رکھتا ہے اور سابق اُس شخص کو کہتے ہیں جس نے اپنی مراد کو خدا کی مراد میں فنا کر دیا ہو۔

اخلاص شیخ الشیوخ سہروردی فرماتے ہیں: میں نے اپنے شیخ سے سُنا، اُنھوں نے اپنے شیخ سے، یہاں تک کہ رسول اللہ سے۔ انھوں نے جبریلؑ سے سوال کیا کہ اخلاص کیا ہے؟ جبریلؑ نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا، تو جواب ملا کہ اخلاص میرے بھیدوں سے ایک بھید ہے، جس کو میں اپنے بندوں میں سے محبوب بندے کے دل میں بطور امانت رکھ دیتا ہوں پس اس کی علامت یہ ہے کہ اخلاص سے اس کی خصوصیت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

اہلِ اخلاص اپنے احوال و اعمال کو چھپاتے ہیں اور چھپانے سے لذت یاب ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے احوال و اعمال کسی شخص پر ظاہر ہو جائیں، تو ان کو وحشت ہوتی ہے، جیسے گنہ گار کو گناہ کے ظاہر ہو جانے سے وحشت ہوتی ہے۔

صوفی کا اخلاص بھی اس کے اخلاص میں غائب ہو جاتا ہے۔

ابو یعقوب موسیٰ نے کہا ہے: جب تک یہ لوگ اپنے اخلاص میں اخلاص کو دیکھتے ہیں، ان کا اخلاص، اخلاص

کا محتاج ہے۔

ابوبکر دقاق نے کہا ہے: ہر مخلص کے اخلاص میں اس سے نقصان واقع ہوتا ہے کہ وہ اپنے اخلاص کو دیکھے۔ پس جب اللہ ارادہ کرتا ہے کہ اس کے اخلاص کو خالص کرے، تو اس کے اخلاص سے احساس اخلاص کو فنا کر دیتا ہے۔ پھر وہ مُخلَص (خالص کیا ہوا) ہو جاتا ہے نہ کہ مُخلِص (خالص ہونے والا)۔

علامت جلائے قلب جب دل کا آئینہ جلا پا جائے تو اس میں دنیا اپنی قباحت حقیقت اور ماہیت کے ساتھ نظر آنے لگتی ہے اور آخرت اور اس کی نفاستیں اس کی کُنہ و غایت کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہیں۔ پس چشمِ بصیرت پر دنیا و عقبیٰ کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ پھر بندہ باقی رہنے والی چیز کو پسند کرتا ہے اور فنا ہونے والی شے سے بچتا ہے۔

وسائلِ تصوف جنید نے کہا ہے: ہم نے قیل و قال سے تصوف کو نہیں پایا، لیکن بھوکے رہنے سے، ترکِ دنیا سے، دل چسپیوں اور دل کشیوں پر صبر کرنے سے پایا ہے۔

ملامتیہ فرقہ ملامتیہ کے لوگ اپنے حال کو چھپاتے تھے۔ اس کے دو سبب تھے: (۱) صدق و اخلاص کی تحقیق کے لیے (۲) اپنے حال کو اغیار سے چھپانے کے لیے، کیوں کہ جب کوئی شخص اپنے محبوب کے ساتھ تخلیہ میں ہوتا ہے، تو غیر کی تانک جھانک اس کو ناگوار ہوتی ہے ——— ان کے نزدیک وہ شخص نہایت حقیر ہے، جو لوگوں کا رجوع حاصل کرنے کے لیے اظہارِ حال کرتا ہے۔

ذکر ان لوگوں کے زعم میں ذکر کی شرح اور اقسام حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ذکرِ روح، اس سے مراد ذکرِ ذات ہے۔

۲۔ ذکرِ سر، اس سے مقصود ذکرِ صفات ہے۔

۳۔ ذکرِ قلب، یہ نعمتوں اور بخششوں سے پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ ذکرِ نفس، یہ ذکر علامات تک منتہیٰ ہوتا ہے۔

نعمت کی یاد میں مشغول ہونے سے منعم کی یاد اوجھل ہو جاتی ہے۔ معطی کے دیدار سے منہ پھیر کر عطا کی دید میں منہمک رہنے سے مراتبِ قرب میں ایک قسم کی دوری واقع ہوتی ہے۔

بے شریعت عرفان ایک شخص نے جنید سے کہا: فلاں شخص صوم و صلوٰۃ اور برّ و تقویٰ وغیرہ کا پابند نہیں ہے، لیکن توحید و عرفان کے بلند مقامات پر فائز ہے۔ آپ اس کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟

جنید نے کہا، ایسا شخص چور اور زانی سے بھی بدتر ہے۔

خدائی دعویٰ

شیخ سہروردی کہتے ہیں: یہ قول سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک و باعظمت ہوں) جو بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے، ہم ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ بایزید نے اپنے متعلق کہا ہو، ہاں یہ ممکن ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حکایتہً" کہا ہو۔ ایسا ہی حلاج کے قول کے متعلق سمجھنا چاہیے، اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں حلول کی طرف اشارہ ہے، تو ہم کو اس کے رد کر دینے میں کوئی باک نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا رسول روشن شریعت کے ساتھ آ پہنچا۔

قولِ متشابہ

سہل سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کہتا ہے "میں دروازے کی مانند ہوں، جب تک مجھے حرکت نہ دی جائے، میں حرکت نہیں کرتا"۔ سہل نے کہا: اس قول کا قائل صدیق بھی ہو سکتا ہے اور زندیق بھی۔ اس سے صدیق کا مقصد یہ ہوگا کہ تمام اشیاء کا قوام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اصولی حکموں اور بندگی کی حدوں کا پابند ہوگا اور زندیق تمام معاملات کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو قرار دے گا، تاکہ اپنے آپ کو ملامت سے بچائے اور دین و آئین کی پابندی سے آزاد رہے۔

نشانِ نرمیٔ جلد

"تلین جلودھم" یعنی، جلد نرم ہو جاتی ہے اور دل ذکر کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، جلد کے نرم ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان کا جسم عمل پر آمادہ ہو جاتا ہے، جیسے اُس کا دل ذکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

تعلیم

تعلیم کو شرع میں خاص اعتبار حاصل ہے، جیسے سدھائے ہوئے کتے کا مارا ہوا جانور حلال ہے۔ بہ خلاف اس کے جو نہ سدھایا گیا ہو۔ اسی طرح جو درخت مالی کی تربیت کے بغیر خود بخود اُگ گیا ہو، اُس کو پتے تو لگ جاتے ہیں اور پھل نہیں لگتا، یا اُس کا پھل باغوں کے پھل کی طرح خوش ذائقہ نہیں ہوتا (یعنی، دین کا علم کتابوں سے زیادہ دین دار لوگوں کی صحبت و تربیت سے حاصل ہوتا ہے۔ مترجم):

نہ کتابوں سے نہ مکتب کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ذکر والے گھر

جب کوئی اللہ کا بندہ زمین کے کسی حصے پر اللہ کا ذکر کرتا ہے، یا اس پر نماز پڑھتا ہے، تو وہ حصۂ زمین اللہ کے نزدیک اُس شخص کا گواہ بن جاتا ہے اور اُس شخص کی موت کے دن اُس پر روتا ہے، جیسا کہ قرآن میں ذکر نہ کرنے والوں سے متعلق ارشاد ہے "فما بکت علیھم السماء والارض" (ان پر زمین و آسمان نہ روئے) اس میں تنبیہاً اہل اللہ کی فضیلت جتائی گئی ہے، کیوں کہ زمین ان پر روتی ہے اور

جو شخص دنیا میں مائل ہو اور ہوس کا غلام ہو، اس پر نہیں روتی۔

ھُوالکافی حدیث: جو شخص اللہ کا ہو جائے، اللہ اُس کی ضرورتوں کا ذمہ دار بن جاتا ہے اور اس کو ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے کہ سمجھے نہیں جا سکتے اور جو شخص دنیا کا ہو جائے، اللہ تعالیٰ اُسے دنیا کے حوالے کر دیتا ہے۔

برکتِ اسلام حدیث: اللہ تعالیٰ ایک صلاحیت والے مسلمان کے سبب اُس کے ہمسائیوں اور گھر والوں میں سے سَو اشخاص کی بلا دُور کر دیتا ہے۔ ... دیگر: اگر اللہ کے عابد بندے، دُودھ پینے والے بچے اور چرنے والے مویشی نہ ہوتے، تو تم پر سخت عذاب اترتا جس سے تمھارا نشان تک باقی نہ رہتا۔[۵۱]

برکتِ اتفاق وحشی بن کرب نے اپنے دادا سے روایت کی کہ انھوں نے کہا: اے خدا کے رسولؐ! ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھانا کھانے بیٹھتے ہو؟ مل کر کھایا کرو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ تمھارے کھانے میں برکت دے گا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ الفت کرے اور الفت کیا جائے۔ اُس شخص میں کوئی خیر نہیں، جو نہ الفت کرے نہ اس سے کوئی الفت کرے۔

(کانھم بنیان مرصوص) حدیث: تمام مومن ایک مرد کے جسم کی مانند ہیں جب اس کے اعضا میں ایک کو تکلیف پہنچتی ہے، تو سارا جسم اُس سے متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح جب ایک مومن کو تکلیف ہوتی ہے، تو سارے مومن اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

قدرِ عیب چیں حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے: اللہ اُس شخص پر رحم کرے، جس نے مجھ کو میرے عیب بتائے۔[۵۲]

علاجِ غضب جب کوئی صوفی کسی اپنے ہم مشرب سے لڑے اور غضب ناک ہو، تو ہم مشرب ہونے کی شرط یہ ہے کہ فریقِ مقابل لڑنے والے کے نفس کا مقابلہ دل سے کرے، کیوں کہ جب نفس کا مقابلہ دل سے کیا جائے، تو شرارت ختم ہو جاتی ہے اور جب نفس کا مقابلہ نفس سے کیا جائے، تو فتنہ بڑھتا ہے اور سکون تباہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک و بینہٗ عداوۃ کانہ

---

۵۱ اس حدیث کا متن نہایت بلیغ و موثر ہے۔ لولا عباد اللہ رکع و صبیۃ رضع و بھائم رتع لصبّ علیکم العذاب صبًا ثم یرض رضًا۔

۵۲ ایرانی شاعر کہتا ہے:

بدوراں دو کس را اگر دیدے   بگردِ سرِ شاں بگردیدے

یکے آں کہ گوید بد من بمن   دگر آں کہ پرسد بد خویشتن

ولی حمیم وما یلقھا الا الذین صبروا۔

نیکی اور بدی | رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! مجھے اُن لوگوں میں سے کر، جو نیکی کر کے خوش ہوتے ہیں اور بدی کر کے بخشش مانگتے ہیں۔ استغفار کا ظاہری تعلق بھائیوں سے ہے اور باطنی اللہ تعالیٰ سے۔ وہ لوگ اپنی استغفار میں اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس معنی میں وہ انکسار و تواضع کرتے ہوئے اپنے پاؤں پر جوتیوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

عوضِ خیر | حدیث: رحم کرو کہ تم پر رحم کیا جائے، معاف کرو کہ تمہیں معاف کیا جائے!

خیر کہاں ہے؟ | ایک شخص ابوبکر وراق کی زیارت کو آیا، اور کہا مجھے کچھ وصیت فرمائیے! آپ نے فرمایا: میں نے دنیا اور آخرت کی خیر خلوت اور قلت میں دیکھی ہے اور دنیا اور آخرت کا شر کثرت اور میل ملاپ میں پایا ہے۔

موت | جب حضرت ابوبکر صدیقؓ بخار کی حالت میں ہوتے، تو کہتے:

کل امرئ مصبح فی اھلہ

والموت ادنیٰ من شراک نعلہ (احیاء)

یعنی، ہر شخص اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے اور موت اس کی جوتی کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔

گم شدہ کے لیے دُعا | یاجامع الناس لیوم لاریب فیہ اجمع علی ضالتی (اے قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے والے! میری گم شدہ چیز (یا شخص) ملا دے!)

بنائے امر | مشائخ صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے امر کی بنا چار چیزوں پر ہے: (۱) کم کھانا (۲) کم سونا (۳) کم بولنا (۴) لوگوں سے کم ملنا۔

مغزِ سخن | تصوف کیا ہے؟ خلق سے خُلق اور حق سے صدق۔

وجہِ دوزخ | آں حضرت صلعم سے سوال کیا گیا: دخولِ دوزخ کا سب سے بڑا سبب کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا، غم اور خوشی یعنی فانی لذتوں کے فوت ہونے کا غم، کیوں کہ اس سے طبیعت میں ایک طرح کی ناراضی پیدا ہوتی ہے جس میں اللہ تعالے پر اعتراض اور قضا سے ناراضامندی پائی جاتی ہے اور خوشی جو فانی اور ممنوع لذتوں کے حاصل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ بقولہ تعالیٰ لکیلا تاسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم۔

وصیتِ نبوی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاسن اخلاق سے متعلق معاذ رضی اللہ عنہ کو ایک جامع وصیت فرمائی۔ فرمایا: اے معاذؓ! میں تجھے خوفِ خدا، صدق کلام، وفائے عہد، ادائے امانت، ترکِ خیانت، حفاظتِ ہمسایہ، رحمتِ یتیم، نرمیٔ سخن، تقدیم سلام، حسنِ عمل، کوتاہیٔ امید، لزومِ ایمان، تدبرِ قرآن، محبتِ آخرۃ، خوفِ حساب اور عجز وانکسار کے متعلق وصیت کرتا ہوں اور پرہیز کر حلیم کو گالی دینے سے، صادق کو جھٹلانے سے، بدکار کی اطاعت سے، امام عادل کی نافرمانی سے یا زمین میں فساد پھیلانے سے اور میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نبات وجماد کے نزدیک خوفِ خدا کو مدِ نظر رکھنا اور ہر گناہ پر توبہ کرنا چھپے گناہ پر درپردہ اور کھلے گناہ پر علانیہ۔ اِن ارشادات سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دیتا ہے اور فضائلِ اخلاق اور محاسن آداب کی طرف دعوت دیتا ہے:

وزنِ اخلاق اعمال کے ترازو میں حسنِ خلق سے بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی، جو صاحبِ صوم وصلوٰۃ کے درجے تک پہنچا دے۔

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

خذ ما تراہ ودع شیئاً سمعت بہ

فی طلعت الشمس ما یغنیك عن زحل

مطلب: تو جسے دیکھ رہا ہے، اُسے تسلیم کر اور سُنی سنائی بات کو چھوڑ! جب سورج نکل آیا، تو زحل کی کیا ضرورت ہے؟

قدرِ علم

فمن منح الجهال علما اضاعه

ومن منع المستوجبين فقد ظلم

مطلب: جس نے جاہلوں کے سامنے کوئی علمی بات پیش کی، اس نے علم کی توہین کی اور جس نے علم کے مستحقین کو محروم رکھا۔ وہ ظالم ہے۔

وعظِ بے عمل

لا تنہ عن الخلق وتاتی مثلہ

عار علیك اذا فعلت عظیم

مطلب: جن افعال کا تو خود مرتکب ہے، اُن سے لوگوں کو منع نہ کر! تجھے ایسی حرکت سے سخت عار ہونی چاہیے۔

یا واعظ الناس قد اصبحت منهم

اذ عبت منهم امورًا انت تاتیها

مطلب: اے واعظ! جب تو لوگوں پر ایسے امور سے متعلق عیب لگائے، جو خود تجھ میں پائے جاتے ہیں، تو تو بھی

انھیں میں شامل ہوگا۔

اصبحت تنصحھم بالوعظ مجتھدًا
فالموبقات لعمری انت جانیھا

مطلب: تو اپنے وعظ سے ان کی خیراندیشی کی سخت کوشش کرتا ہے۔ لیکن قسم ہے کہ تو خود ہلاکت کے گڑھوں میں گر رہا ہے۔

تعیب الدنیا وناسًا راغبین لھا
وانت اکثرمنھم رغبۃ فیھا

مطلب: تو دنیا اور دنیا کے طالبوں کی عیب گیری کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تو دنیا کی طلب میں سب سے آگے ہے۔

زہد

اذلم ولاھم والعابدونا — افلح الزاھدون والعابدونا
فانقضی لیلھم وھم ساھرونا — اسھروا الاعین العلیلۃ حبا
حسب الناس ان فیھم جنونا — شغلتھم عبادۃ اللہ حتّی

مطلب: وہ زاہد و عابد کامیاب ہوئے، جو اپنے مولا کے لیے بھوکے پیاسے رہتے ہیں۔ ان کی دکھتی ہوئی آنکھیں محبت میں بیدار رہتی ہیں۔ ان کی راتیں جاگتے ہی جاگتے کٹ جاتی ہیں۔ وہ اللہ کی عبادت میں اس حد تک مشغول و محو ہو چکے ہیں کہ لوگ ان کے متعلق جنون کا گمان کرنے لگے ہیں۔

جاگتے میں نیند

یخبرنی البواب انک قائم
وانت اذا استیقظت ایضًا فنائم

مطلب: مجھے دربان نے بتایا کہ تو سو رہا ہے، حالاں کہ جب تو جاگ رہا ہوتا ہے، اس وقت بھی سویا ہوا ہوتا ہے۔

علاجِ مصائب

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاذِ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اگر غم را چو آتش دود بودے　　جہاں تاریک بودے جاودانہ
دریں گیتی سراسر گر بگردی　　خردمندے نیابی شادمانہ (شہید بلخی)

غم نتیجہ ہے احتیاج کا اور انسان سرتاپا احتیاج ہے، لہٰذا انسان غم کا پتلا ہے: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ"۔ رفعِ احتیاج ہی کے لیے وہ شب و روز حیران و سرگرداں رہتا ہے۔ تمام اسباب و علل کو کام میں لاتا ہے، درد کی دوا چاہتا ہے۔ احتیاج کا سلسلہ لامتناہی ہوتا ہے۔ ایک احتیاج کی تشفی ہوتی ہے، تو دس دوسری پیدا ہو جاتی ہیں اور غم و الم برابر جاری رہتا ہے، لہٰذا کلیہ یہ قرار پاتا ہے:

عالم ہمہ در دستِ دوامی خواہد　　از خوانِ کرم برگِ نوامی خواہد
کس بے حاجت نمی تواند دیدن　　درویش غذا، شہ اشتہامی خواہد (سحابی استرآبادی)

اس کلیے کا استثناء الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتا ہے۔ جس کسی سے پوچھیے، میاں "دل چیست؟" جواب ملے گا "درونِ سینہ سوزے و تفے"۔ اگر پوچھا جائے "تن چیست؟" کہے گا: "غم و رنج و بلارا ہدفے"۔ کسی اور سوال کا انتظار کیے بغیر خود کہہ اٹھے گا: "القصہ بہ قصدِ جان ما بستہ صفے، مرگ از طرفے و زندگی از طرفے":

دل چیست؟ درونِ سینہ سوزے و تفے　　تن چیست؟ غم و رنج و بلارا ہدفے
القصہ بہ قصدِ جانِ ما بستہ صفے　　مرگ از طرفے و زندگی از طرفے (مومن یزدی)

مرضِ غم ہمہ گیر ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، لیکن یہ کلیہ بھی مسلمہ ہے کہ ہر مرض کا علاج ہے۔ غم کا علاج مذہب اور فلسفہ اور نفسیات نے ہمیشہ پیش کیا ہے۔ کچھ دیر کے لیے آپ میرے ساتھ چند نسخوں پر غور کیجیے۔ ایک زمانہ سے میں نے ان کا اپنی ذات کے لیے اور دوسروں کے لیے بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ میں یہاں نصیحت کے لیے نہیں کھڑا ہوا ہوں۔ چند اساسی عقلی اصول کی طرف آپ کی عقلِ روشن کو متوجہ کروں گا۔ اگر یہ اصول آپ کی سمجھ میں آجائیں اور آپ ان کے استعمال پر راضی ہو جائیں، تو شفایابی متیقن، ورنہ تضیعِ اوقات کی معافی کا خواستگار ہوں۔ غم کا حتمی و یقینی علاج مذہب

پیش کرتا ہے۔ اس کی تائید فلسفہ اور نفسیات سے ہوتی ہے۔ اس علاج کے مختلف اجزا ہیں۔ پہلا جزو:

(۱) زندگی کے خیر ہونے کا یقین ہے | اگر آپ خدا کے وجود کے قائل ہیں (اور اسی صورت میں میرا آپ سے روئے خطاب ہے) تو آپ یہ بھی مانتے

ہیں کہ خدا ہمہ خیر ہے۔ خیرِ مطلق ہے۔ خیرِ محض ہے، نیز وہ ہمہ توان یا قادرِ مطلق بھی ہے۔ آپ کا یہ بھی یقین ہے کہ ہر شے کا صدور خدا سے ہوتا ہے۔ زندگی کا مبدا خدا ہے۔ اس لیے زندگی کا خیر ہونا بدیہی طور پر لازم آتا ہے۔ اگر معاذ اللہ خدا خیرِ محض نہ ہوتا، تو اس سے شر کا صدور ممکن تھا، یا اگر خیرِ مطلق ہونے کے باوجود قادرِ مطلق نہ ہوتا، تو سمجھا جا سکتا کہ وہ خیر کے پیدا کرنے میں مجبور ہے۔ لیکن خدا کو خیرِ مطلق و قادرِ مطلق مان کر زندگی کے شر ہونے کا یقین کرنا نہ عقل ہی کے مطابق ہے، نہ نقل کے۔ بنائے مقدمات کے صحیح ماننے کے بعد منطقی نتیجہ سے گریز کیسے ممکن ہے؟ اور مقدمات کی توثیق مذہب اور وجدان سے ہوتی ہے۔ لہٰذا

ہر چہ بینی محض خیر و حکمت است　　　گر ز ناز و رحمت و گر زحمت است
زاں کہ نا بد فعل باطل از حکیم　　　فعل حق باطل نباشد اے سلیم!

یہ دلیل تو میں نے اہلِ عقل کے لیے دی ہے۔ اہلِ عشق جن کی صفت "یومنون بالغیب" ہے، مبدء کائنات کو خیرِ محض مانتے ہیں اور اس کے گرویدہ ہوتے ہیں: (اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ) اور زندگی کے خیر ہونے کا انھیں راسخ یقین ہوتا ہے۔ علاجِ غم کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اس یقین کو پختہ کریں کہ دنیا اچھی، زندگی اچھی، زندگی کے تجربات اچھے، زندگی کے ساتھ تعاون کرنا اچھا اور اس تعاون کے نتائج اچھے، انجام اچھا! اسی یقین، ہی اللہ مستی و خود گزینی کی وجہ سے آپ بہ یک جست قنوطیت، یاس، غم و اندوہ کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے! اس معاملہ میں "بے یقینی" آپ کو ہمیشہ کے لیے رنج و الم میں گرفتار رکھے گی۔ اقبال کی تنبیہ بھول نہ جائے:

سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار!
غلامی سے بتر ہے بے یقینی!

جب ہم یہ یقین کر لیں کہ زندگی اور اس کے تجربات اچھے ہیں اور ہمیں ان سے خوشی کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور پھر خوشی کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہو جائیں، تو ہم میں اور زندگی کے واقعات میں توافق پیدا ہو جاتا ہے اور حالات خود بہ خود سدھرنے لگتے ہیں۔ شادمانی و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک راز ہے، یہی زندگی کے تجربات کا، جو میں آپ پر فاش کر رہا ہوں۔

یہ محض ایک اعتقادی بات نہیں ہے، بلکہ مسلمہ نفسیاتی اصول ہے اس کی بنیاد قائم ہے۔ خیالات کا اثر افعال پر ہوتا ہے اور افعال ہی آثار میں تغیر پیدا کرتے ہیں۔ قنوط و یاس، خوف و حزن پیدا کرتے ہیں اور یہ وہ سلبی جذبات ہیں، جو قوائے عملی کو مفلوج بناتے ہیں۔ خیالات اور جذبات اگر سلبی ہوں، تو سیرت اور قسمت کے سیاہ رو ہونے میں باقی کیا رہتا ہے؟ کیوں کہ نفس کا یہ ایک ہمہ گیر قانون ہے کہ خیالات ہی سے مقاصد کی تشکیل ہوتی ہے، مقاصد عمل میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، اعمال عادات کا تعین کرتے ہیں، عادات کی ترتیب و تنظیم سے سیرت بنتی ہے اور سیرت ہی تو قسمت ہے! انسان کی زندگی میں وہ دن نہایت مبارک ہوتا ہے، جب اس کو اس امر کی یافت ہوتی ہے کہ وہ خود ہی اپنی قسمت کا بنانے اور بگاڑنے والا ہے! اس کی ذات ہی میں اس کے آلام کے اسباب پنہاں ہیں اور وہیں راحت و شادمانی کے علل کا نشان ملتا ہے۔ آفات کے نزول پر خدا کو ظالم اور اپنی ذات کو مظلوم ٹھہرانا نہ صرف الحاد ہے، بلکہ کج فہمی اور بے وقوفی بھی۔ جب تم خدا کو ہمہ خیر مان کر تمام اچھی صفات سے متصف کرتے ہو، تو پھر اس کی طرف ظلم کی نسبت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور خدا ظالم بن کر لائق عبادت کیسے ہو سکتا ہے؟ اور جو لائق عبادت و استعانت نہ ہو، وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ اب اگر خدا پر یقین باقی رہ سکتا ہے، تو صرف اسی صورت میں کہ خدا کو ظالم نہیں، عادل مانا جائے۔ اب ظلم کی نسبت ہمیں اپنی ذات کی طرف کرنی پڑے گی اور اسی کو تمام مصائب و آلام کا مبدأ قرار دینا پڑے گا: ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك۔

ان حقائق کے سمجھ لینے کے بعد تم جرأت کے ساتھ یقین کر لو کہ دنیا اچھی، زندگی اچھی اور اس کے واقعات و تجربات اچھے۔ نقص، کجی یا شر کہیں ہے، تو تمھاری ہی ذات میں ہے۔ مصائب کے نزول کے وقت قضا و قدر پر اعتراض نہ کرو، بلکہ توافق بالقضا سے کام لو۔ اس احساس کو قلب میں نہ آنے دو کہ تم پر ظلم ہو رہا ہے اور تم قابل رحم ہو، کیوں کہ اس احساس کے ساتھ ہی تم خدا کو ظلم سے متصف کرنے لگو گے اور اپنے کو بے خطا و بے قصور قرار دو گے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ واقعہ ہمیشہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔ اپنی ذات کو بے خطا و بے قصور سمجھنا، جب کہ وہی تمام سو کا مبدء ہو کس قدر عظیم الشان مغالطہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا اصلاح نفس کی گنجائش بھی باقی رہتی ہے؟ کیا ترقی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند نہیں ہو جاتا؟ جو شخص اپنی ہی جان پر ترس کھا رہا ہو، اپنی ہی قسمت پر آنسو بہا رہا ہو، اپنی ہی تقدیر کی شکایت میں ہمیشہ مصروف رہتا ہو اور ساری دنیا کو اپنا مخالف سمجھتا ہو، میرے نزدیک اس قابل ہے کہ کوہ ہمالیہ کی چوٹی سے نیچے گرا دیا جائے، تاکہ اس کو بھی نجات ملے اور

دنیا بھی خس و خاشاک سے پاک ہو جائے۔ اقبال ایسے ہی بدبخت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

اے ز جورِ چرخ ناہنجار تنگ!		جامِ تو فریادی بیدادِ سنگ
نالہ و فریاد و ماتم تا کجا؟		سینہ کوبی ہائے پیہم تا کجا؟
در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات		لذتِ تخلیق قانونِ حیات
خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو!		شعلہ در برکن خلیل آوازہ شو!
با جہانِ نامساعد ساختن		ہست در میدان سپر انداختن
گر نسازد با مزاجِ او جہاں،		می شود جنگ آزما با آسماں،
بر کند بنیادِ موجودات را		می دہد ترکیبِ نو ذرات را
می کند از قوتِ خود آشکار		روزگارِ نو کہ باشد سازگار
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست		ہم چو مرداں جاں سپردن زندگیست

یقین کی اساس قائم ہونے کے باوجود عمل کی مشید عمارت اٹھائی جانی چاہیے۔ اب تک ہم نے اس امر پر زور دیا کہ یقین درست کرنا چاہیے۔ یقین کی زندگی اچھی چیز ہے اور زندگی کے واقعات و تجربات اچھے ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون ضروری ہے۔ یہ علاج غم کے نسخہ کا پہلا جزو تھا۔ اس کا دوسرا جزو عمل ہے جس کو زندگی کے ساتھ تعاون کہا جا سکتا ہے۔

(۲) عمل مبدء غم احتیاج، احتیاج کا دفعیہ عمل ہی سے ممکن ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ عمل ہمیشہ کامیاب ہی ہو اور ساری احتیاجات کو رفع کر سکے۔ عمل کو کامیاب بنانے اور ناکامی کی صورت میں غم و اندوہ سے متاثر نہ ہونے کا بھی کوئی طریقہ ہو سکتا ہے؟ بات بڑی آسان ہوتی، اگر انسان کی ساری احتیاجات عمل سے رفع ہو جاتیں اور وہ محض چین و راحت کی زندگی بسر کر سکتا۔ عمل کے دو ہی نتائج ہو سکتے ہیں: کامیابی یا ناکامیابی۔ عام طور پر فطرت کا یہی اصول ہے کہ مجاہد کے آگے دنیا اپنا سر جھکاتی ہے۔ مجاہد خطرہ ہی کی زندگی کو حقیقی معنی میں زندگی سمجھتا ہے:

اگر خواہی حیات اندر خطر زی!

ناکامی سے یہ مایوس ہو کر نالہ و فریاد، سینہ کوبی اور ماتم نہیں کرتا۔ کیوں؟ اس کے چند تیقنات و عقائد ہیں۔ ان ہی کی تحلیل سے علاج غم کے دوسرے جزو کی تشریح ہو جائے گی۔

مجاہد زندگی کو جہادِ اکبر سمجھتا ہے۔ دشمنوں سے جنگ اور میدانِ کارزار کا جدال وقتال اس کے نزدیک "جہادِ اصغر" ہے۔ اس کا بنیادی یقین یہ ہوتا ہے کہ حق بالآخر کام یاب ہوگا اور باطل کو شکست ہوگی۔ چوں کہ وہ ہمیشہ حق کے غلبہ واستیلاء کے لیے جہاد کرتا ہے، اس لیے اس کو یقین ہے کہ خدا سے نصرت وتائید کا پانا اس کا حق ہے: کَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِين۔ اس وعدہ اور یقین کی وجہ سے "احساس کمتری" یک لخت اس سے مفقود ہوجاتا ہے۔ اب وہ کام یابی کے یقین کی ناقابلِ مدافعت قوت کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ تمام حول وقوت من اللہ ہے: لاحول ولاقوۃ الاباللہ! وہ صرف اللہ ہی کو فاعل اور موثرِ حقیقی سمجھتا ہے اور خود کو امین وخلیفہ قوت واثر وحرکت میں وہ اللہ ہی سے استعانت کرتا ہے اور اُسی کے سامنے سرِ عبودیت خم کرتا ہے۔ ذل وافتقار کی اُسی سے نسبت رکھتا ہے۔ عبادت واستعانت میں وہ اپنی نسبت صرف اللہ ہی سے رکھتا ہے اور فانی عن الخلق ہوتا ہے، یعنی نہ مخلوق سے استعانت طلب کرتا ہے اور نہ ان کے سامنے سرِ نیاز جھکاتا ہے۔ کفیٰ باللہ وکیلا اُس کا ماٹو ہے۔ فاتخذہ وکیلا اُس کا اصولِ عمل، قُلِ اللہ ثُمَّ ذرھم اس کا طریقۂ کار، حَسْبِيَ اللہ اُس کا راحتِ جان کلمہ۔ ایک لفظ میں وہ موحد ہوتا ہے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ کا قائل ومصدق وعامل!

اس یقین وعقیدہ کی تحریک سے اس کا ہر عمل پیدا ہوتا ہے۔ اب جیسا کہ ہم نے اوپر کہا، عمل کے دو ہی نتائج ہوتے ہیں: کام یابی یا ناکام یابی۔ کام یابی میں وہ شکر کرتا ہے، کیوں کہ وہ اس راز سے واقف ہے (جو ایک مسلمہ نفسیاتی اصول پر مبنی ہے) کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے، قوتِ عمل میں جوش پیدا ہوتا ہے اور تسخیر کائنات آسان ہوجاتی ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کا قطعی وعدہ اس کو مسرور کرتا ہے۔ وہ اس کام یابی اور نعمت کو خدا کی جانب سے سمجھتا ہے اور خلق کی طرف اس کی نسبت نہیں کرتا۔ گو خلق ہی کے ہاتھ سے نعمت ملتی ہے، لیکن یہ محض بمنزلہ اسباب وآلات وادواتِ نعمت ہوتے ہیں۔ قاسم ومجری وموجد وفاعل ومسبب صرف اللہ ہی ہوتا ہے، اس لیے وُہی شکر کا مستحق ہے۔ مثلاً جب تمھارا کوئی دوست تمھیں ہدیہ بھیجتا ہے، تو تمھاری نظر اُس خادم کی طرف نہیں جاتی، جو ہدیہ تمھارے یہاں لے کر آیا ہے، بلکہ اپنے دوست کے تم شکر گذار ہوتے ہو جس نے تمھیں یہ بھیجا ہے۔ منعمِ حقیقی اللہ ہے: المعطی اللہ "وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللہ" اس ادراک سے نعمت زوال کے خطرے سے آزاد ہوجاتی ہے۔ یہ ایک عظیم الشان حکمت ہے جس کو بصیرتِ محمدیہ نے بنی نوعِ انسان کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس راز کو ان الفاظ

میں ادا کیا گیا ہے:

اَلنِّعْمَةُ وَحْشِیٌّ فَقَیِّدُوْهَا بِالشُّکْرِ | نعمت ایک وحشی جانور ہے۔ شکر کی زنجیروں سے اس کو باندھو!

یہ تفسیر ہے باری تعالیٰ کے اس قول کی: لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔

موحد جب اپنی جدوجہد میں ناکام ہوتا ہے، تو یاس و حزن اور خوف و الم کا شکار نہیں ہو جاتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ کائنات کے ایک قدیم راز سے واقف ہوتا ہے، جو دفع غم کے لیے اکسیر ہے اور جس کو اصبہت محمدیہ نے دریافت کیا ہے۔ وہ کیا ہے؟ یہی کہ بلاؤں پر صبر کرنے سے بلائیں نعمتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ ذرا نفسیاتی نقطۂ نظر سے اس قانون پر غور کرو۔ مصائب کے نزول کے وقت صبر سے بہتر کوئی اور پہلو ذہن اختیار بھی کر سکتا ہے؟ حزن و یاس سے قوائے عمل مفلوج ہو جاتے ہیں مصیبت کے مقابلہ اور برداشت کی قوت فنا ہو جاتی ہے۔ تردد و فکر بھی عمل کے قاتل ہیں، تشتت اور پریشانی کو بڑھاتے ہیں۔ "گلہ و شکوہ" تو نامردی کی صریح علامت ہے۔ "کلبیت" استہزاء و استخفاف غم کی دارو نہیں۔ بلاؤں کے نزول کے وقت جب انسان حق تعالیٰ کی گذشتہ عطاؤں کو یاد کر کے صبر کر لیتا ہے، تو حق تعالیٰ اس کے قلب کی حفاظت کر لیتے ہیں، مستغنی کر دیتے ہیں۔ اب بارِ غم سبک ہو جاتا ہے، برداشت کی قوت بڑھ جاتی ہے اور وہ ان ہی بلاؤں میں عطاؤں کو پاتا ہے۔

خود بلا و ابتلا کی ماہیت کے متعلق مجاہد صحیح علم رکھتا ہے۔ ہر بلا ایک اخلاقی سبق دینے آتی ہے۔ یہ ہمارے کسی نہ کسی نقص کو رفع کرتی ہے اور اخلاقی اعصاب کو قوی کرتی ہے، سیرت میں پختگی پیدا کرتی ہے۔ اس طرح ہمارے مراتب بلند کرتی ہے اور درجات میں ترقی دیتی ہے۔ یہ بظاہر شر ہے، لیکن دراصل خیر کے تحقق کا ایک ذریعہ ہے۔ زندگی ایک مدرسہ ہے۔ واقعات زندگی کے ذریعے حلم حقیقی ہمیں ہر روز سبق دے رہا ہے۔ اگر ہم میں عقل ہے، تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ہر ناکامی میں بھی ایک حکمت ہے اور ایک خاص عظمت سوائے اس ناکامی کے تجربہ کے دنیا کی کوئی اور شے ہمیں نہ یہ درس حکمت دے سکتی ہے نہ عظمت کے اس درجہ پر فائز کر سکتی ہے۔ ہر غلطی جو تم سے سرزد ہوتی ہے، ایک اہم سبق سکھاتی ہے اگر تم اس کی تحقیق کرو، اور جو شخص کہ اس شے میں جو بہ ظاہر شر معلوم ہوتی ہے، خیر کو دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ واقعات کا محکوم نہیں، حاکم ہے۔ ناکامی اس کے لیے ایک عبار رفتار مرکب ہے، جو اس کو بہترین کامیابی تک پہنچاتا ہے۔

غم کی شدت اگر تمھیں بالکل ہی مغلوب کر لے اور اس کے خیر اور فائدہ کے جز سے مستفید ہونے کے قابل نہ

رکھے، تو پھر تمھیں صبر ہی کے دامن میں سکون ملے گا اور صرف مذہب ہی تمھاری دل جوئی کرے گا۔ ان وعدوں اور بشارتوں پر غور کرو، جو مومن صابر کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر تم میں ایمان ہے اور ایمان کا ذوق بھی موجود ہے، تو یقیناً تمھارا غم ہلکا ہو جائے گا۔ صابر خدا کا محبوب ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ۔ دردمند صابر خدا کی معیت کا ادراک کرتا ہے، کیوں کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اس امر کا یقین کہ خدا میرے درد و غم سے واقف ہے، کیوں کہ وہ میرے ساتھ ہی ہے، غم کی چبھن کو کم کر دیتا ہے اور وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا کا حکم اور بشارت تو اس کو رقص میں لے آنے کے لیے کافی ہے۔ مشہور ہے، کسی عاشق پر سر بازار ۹۹ تازیانے لگائے گئے اور اس نے آہ تک نہ کی۔ جب سواں تازیانہ لگا، تو اس نے آہ کرنی شروع کی۔ پوچھا گیا کہ اس آخری تازیانہ پر آہ و بکا کیسی؟ کہا، جس کے سبب مار کھائی ہے، وہ ۹۹ تازیانوں تک یہاں تماشائیوں میں موجود تھا اور میری حالت دیکھ رہا تھا۔ اس لیے مجھے کچھ بھی درد محسوس نہ ہوا۔ آخری تازیانے کے وقت وہ چلا گیا اور اس وقت میں نے درد محسوس کیا:

بادرد بساز چوں دوائے تو منم ! در کس منگر کہ آشنائے تو منم !
گر بر سر کوئے عشق ما کشتہ شوی شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم ! (جامی)

صبر سے استقامت پیدا ہو جائے، تو تسلیم و رضا کا آخری مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اب مجاہد صاف طور پر محسوس کرنے لگتا ہے کہ بلا از دوست عطاست و از عطا نالیدن خطاست۔ اَلْبَلاءُ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ لَا یُعْطٰی اِلَّا بِاَوْلِیَاءِهٖ کی وہ تصدیق کرنے لگتا ہے۔ اب نہ شکوہ و شکایت ہی کا امکان باقی رہتا ہے اور نہ جزع و فزع کا:

ستم کشانِ محبت دہم از فغاں بستند
گرہ ز جبہ کشادند بر زباں بستند

سچ ہے، درد و غم کا قطعی علاج تسلیم و تفویض ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں:

تسلیم نمی شوی ازاں غم گینی تسلیم شو ہر آں چہ آید پیش است!

رضا بالعطا اور حفظ حال سے نہ صرف غم ہی دور ہو جاتا ہے اور فرح و سرور کے دروازے کھل جاتے ہیں، بلکہ حق تعالے بھی قطعی راضی ہو جاتے ہیں اور جانتے ہو کہ ان کی رضا مندی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟

آناں کہ رضائے حق بہ جاں می جویند در راہِ رضائے او بسر می پویند:

ہر یک ہمہ آں کند کہ حق فرماید حق نیز ہماں کند کہ ایشاں گویند

قال علیہ السلام : اِنَّ اللّٰہ رجالاً یرضیٰ برضائہم ویغضب بغضبہم کما انہم یرضوا برضائہ ویغضبوا بغضبہ :

ہر چہ خواہی آں کند گر ہر چہ خواہ آں کنی آں چہ گوئی بشنود گر ہر چہ گفت او بشنوی

اے درد! تو بھی کیا نعمت ہے، تیری برداشت نے مجھے کیا سے کیا کر دیا :

دردہ قدح درد کہ آں می باید دردے کہ ز تست بیشتر می باید
تلخ است عجب ایک سے خوش خوار است ہر چند ہمی خورم دگر می باید

واعظ اور قرآن

دنیا میں رہا دین کا پردہ لے کر گمراہ کیا نام خدا کا لے کر !
واعظ نے بھی افسانے سنائے کیا کیا قرآن کی آیت کا سہارا لے کر !

ایمان بالغیب

بولے اس خدا پر جو آتا نہیں نظر ہے عقل سے بعید کہ ایمان لائیے !
میں نے کہا کہ آپ کا کہنا بجا سہی لیکن ذرا وہ عقل تو مجھ کو دکھائیے !

(طلوع اسلام) اسد ملتانی

خاندانِ اُمیّہ کے پانچ عبدالرحمٰن

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق، ایم اے، پی ایچ۔ ڈی)

عبدالرحمٰن اوّل (۷۵۶ تا ۷۸۸ء) ہسپانیہ میں اسلامی حکومت کے بانی تھا۔ جب خاندان امیہ کو زوال آیا، تو اُس کی عمر بیس سال تھی۔ وہ اپنے بھائی بھتیجے کے ہمراہ قبائل عرب میں پناہ جو ہُوا۔ لیکن عباسی پولیس نے اُس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ چنانچہ ایک مقام پر دونوں بھائی نرغے میں آگئے بھتیجے قتل قتل ہوگیا اور عبدالرحمٰن نے پہلے شام میں اور پھر شمالی افریقہ میں پناہ لی۔ وہاں بھی چین حاصل نہ ہُوا، تو بھاگ کر ماریٹانیا (Mauritania) کے بربری قبائل کے ہاں سر چھپایا۔

اُس کے ماموں مسلمہ نے پیش گوئی کی تھی کہ عبدالرحمٰن اُمیہ کی عظمتِ گم گشتہ کو واپس لائے گا۔ اس تمام دورِ بھاگ میں عبدالرحمٰن اس پیش گوئی کے ظہور کا منتظر رہا۔

اُس وقت ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کافی پریشان حالت میں تھی۔ ایک طرف عربوں کے قبائلی تنازعے پھر زندہ ہو چکے تھے، اور دوسری طرف بربروں اور عربوں کی نسلی منافرت تشتت کا باعث بن رہی تھی۔ یوسف امیر ہسپانیہ ہر طاقت ور پارٹی کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتا تھا۔

اُس وقت قرطبہ میں اُمیہ خاندان کی ایک طاقت ور جماعت موجود تھی، جو کسی موقعہ کا انتظار کر رہی تھی۔ عبدالرحمٰن نے سپین کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس جماعت کو ایک خفیہ پیغام بھیجا اور حسب مرضی جواب آنے کے بعد ستمبر ۷۵۵ء کو ملاغہ کے مشرق میں المیونقر (Almunicar) کے مقام پر اُترا اور قرطبہ پہنچ کر سازشوں کا جال پھیلانا شروع کر دیا۔

جب یوسف امیر ہسپانیہ کو ان واقعات کا علم ہُوا، تو اُس نے بجائے سختی کے نرمی اختیار کی اور عبدالرحمٰن کو کچھ زمین کے علاوہ اپنی بیٹی بھی اس کے نکاح میں دینا چاہی۔ ابھی ان مراعات پر غور ہو رہا تھا کہ یوسف کے قاصد نے ایک اموی سردار عبیداللہ کو یہ کہ کر طیش دلایا کہ "تو عربی نہیں جانتا" عبیداللہ نے فوراً تلوار سونت لی۔ تمام قوم اس کی صدا پر جمع ہوگئی اور ۱۶ مئی ۷۵۶ء کو قرطبہ کے پاس یوسف کو شکست ہوئی۔ عبدالرحمٰن اس فوج کی کمان کر رہا تھا۔ تمام فوج میں صرف ایک گھوڑا تھا کہ جس پر خود

عبدالرحمٰن سوار تھا اور ایک سبز پگڑی کو نیزے کے ساتھ لپیٹ کر قومی جھنڈا تیار کیا گیا تھا۔ یہ جھنڈا یعنی پگڑی اور نیزہ، بعد میں ہسپانوی اسلامی حکومت کا مستقل جھنڈا قرار پایا۔

۷۶۳ء میں خلیفۂ بغداد کے بعض حمایتیوں نے چند شورش پسند افراد جمع کر کے عبدالرحمٰن کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ قرطبہ کے پاس جنگ ہوئی، جو باغیوں کی شکست پر ختم ہوئی۔ عبدالرحمٰن نے چند باغی سرداروں کے سر کاٹ کر ان میں نمک اور کافور بھر کر بطورِ ہدیہ خلیفۂ بغداد کے ہاں بھیج دیے۔

آخر میں شاہی محل کی مسلسل سازشوں نے عبدالرحمٰن کو ترش مزاج اور تند خو بنا دیا، ورنہ آغاز میں وہ بڑے حلیم الطبع اور خوش خلق تھا۔

اُس کا نام بانیانِ حکومت کی فہرست میں سنہری حروف سے لکھا گیا، اس لیے کہ اُس نے سلطنت کی بنیاد تدبر و حکمت کی ایسی مستحکم چٹانوں پر رکھی کہ ۲۰۰ سال تک حوادث کی بڑی سے بڑی موج اُسے جنبش نہ دے سکی۔

عبدالرحمٰن ثانی

(۸۲۲ تا ۸۵۲ء) اُس کی حکومت کا کوئی شاندار کارنامہ اوراقِ تاریخ میں محفوظ نہیں۔ مورخ اُسے ایک کمزور بادشاہ سمجھتا ہے کہ جس کا عہدِ سلطنت اندرونی بدنظمیوں کی وجہ سے بدنام تھا۔ وہ امیہ خاندان کے ہسپانوی حکمرانوں میں سے تھا۔

عبدالرحمٰن ثالث

(۹۱۲ تا ۹۶۱ء) عبدالرحمٰن ثالث تختِ ہسپانیہ پر ۲۲ برس کی عمر میں بیٹھا اور پچاس سال تک نہایت دھڑلے سے حکومت کی۔ اس کے والد کا نام محمد اور دادے کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ ایک بہت کمزور اور ناقص فرماں روا تھا۔ اُسے اپنے لڑکے محمد پر کئی قسم کے سیاسی شبہات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ اپنے دوسرے لڑکے مُطرِف کو اشارہ کیا اور اس نے موقع پا کر محمد کو مار ڈالا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن ثالث سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس وقت تمام ملک بدامنی و خانہ جنگی کا محشرستان بنا ہوا تھا۔ ہسپانیہ کے اصلی باشندے ایک ایسے طاقتور حکمران کے آرزومند تھے: جو ملک میں امن قائم کر کے ملک کو فارغ البالی و خوش حالی کی راہ پر ڈال سکے۔ چوں کہ عبدالرحمٰن کے متعلق عام خیال یہی تھا کہ وہ ایک بااصول، با ہیبت اور امن پسند فرماں روا ثابت ہوگا، اس لیے اہلِ ملک نے اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا اور تمام ملک میں ایک منظم حکومت قائم ہو گئی۔

اس وقت مصر اور شمالی افریقہ کے فاطمیوں میں ایک عالم گیر خلافت قائم کرنے کا سودا سمایا اور

اِن لوگوں نے اپنے پہلے حملے کے لیے سپین کو انتخاب کیا، لیکن قبل اس کے کہ فاطمیوں کا یہ ارادہ پورا ہو، عبدالرحمن نے خود مصر میں اعداءِ فاطمیہ کی مدد کرنا شروع کردی اور اس طرح فاطمیوں کا یہ ارادہ شرمندۂ عمل نہ ہو سکا۔

کچھ عرصہ کے بعد خود عبدالرحمن کو خلیفہ بننے کا خیال آیا چنانچہ ۱۶ جولائی ۹۲۹ء کو اس دعوے کا اعلان کردیا بعض مسلم امرا نے اس دعوے کو برا مانا اور سازشیں شروع ہوگئیں۔ پورے دس سال کے بعد عیسائیوں کی ایک جماعت نے بغاوت کردی اور الہینڈیگا (Alhandiga) کے مقام پر عبدالرحمن کو شکست ہوئی۔

مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ ہسپانیہ کو اس عہد میں اس قدر آرام، خوش حالی اور فارغ البالی حاصل تھی کہ جس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ حالات اور زیادہ قابلِ رشک ہوتے، اگر عبدالرحمن کو سازشی امراء کی ریشہ دوانیوں سے ایک دن بھی نجات حاصل ہوتی۔ ایک انگریز کیا پتے کی بات کہتا ہے:

Abdur Rahman III administered weil not by means of but inspite of Mahammed ans.

(عبدالرحمن نے مسلمانوں کی مدد سے نہیں، بلکہ ان کے باوجود نہایت شان سے حکومت کی)

عبدالرحمن مالیے کا ایک حصہ انتظامِ ملک پر، ایک حصہ عمارات پر صرف کرتا اور ایک حصہ جمع کرتا۔ اس نے قرطبہ کے تین میل جنوب میں ایک عظیم الشان عمارت بنام زہرا تیار کرائی تھی کہ جس پر دس ہزار کاریگر و مزدور ۲۵ سال تک کام کرتے رہے، لیکن اب اس عمارت کے کھنڈر تک باقی نہیں رہے۔

ایک انگریز مورخ کہتا ہے کہ عبدالرحمن کے حرم سرا میں چھ ہزار عورتیں تھیں۔

عبدالرحمن رابع (۱۰۱۷ء) عبدالرحمن رابع ۱۰۱۷ء میں تختِ ہسپانیہ پر متمکن ہوا اور اسی سال ایک جنگ میں جب وہ اپنی فوج کی بغاوت سے جان چھپا کر بھاگ رہے تھا، شہید ہوگیا۔

عبدالرحمن خامس (۱۰۲۳ تا ۱۰۲۴ء) عبدالرحمن خامس ۱۰۲۳ء میں سریرآرائے سلطنت ہوا اور ۱۰۲۴ء میں بےکاروں کے ایک گروہ نے جس کی کمان اس کا ایک عم زاد کر رہا تھا، حملہ کردیا اور وہ جان بر نہ ہوسکا۔

تقریظات

صدائے حرم | مرتبہ: جناب محمد اسلم صاحب۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ۔ سائز ۲۰×۲۹/۸ ضخامت ۱۱۲ صفحے۔ ملنے کا پتہ: حافظ ضیاء الدین احمد صاحب معتمد صدر دفتر مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) قرول باغ، نئی دہلی۔

مکہ معظمہ میں ایک اسلامی دینی درسگاہ، مدرسہ صولتیہ کے نام سے پچھلے ۶۹ برس سے قائم ہے۔ اس مدرسے میں ہندوستانی اور دوسرے ممالک کے مسلمان طلباء کی تعلیم و تربیت کا بہت اچھا انتظام ہے۔ "صدائے حرم" مدرسے کی چار سالہ روداد ہے۔ اس میں طلباء کی سال بسال تعداد، تعلیم، نتائج امتحانات اور مختلف مدرسین کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ مدرسے کا ایک بورڈنگ ہاؤس بھی ہے جس میں ۲۷ طالب علم ہیں۔ نظام تعلیم میں تجوید، قرات اور فقہ سے لے کر علوم دینیہ، لغت عربیہ، اجتماع و ریاضی، تاریخ و ادب، کتابت وغیرہ سب شامل ہیں۔ ہونہار طالب علموں کو کتابوں اور نقد وظیفوں کے ذریعے امداد دی جاتی ہے۔ مدرسے کے ساتھ ایک دارالمطالعہ بھی ہے۔ روداد میں ان کتابوں کی فہرست دی گئی ہے جو پچھلے چار سال میں ملک کے مخیر اور علم دوست اصحاب نے دارالمطالعے کو عطا فرمائیں۔ ان کتابوں کی تعداد ۶۰۰ سے کچھ اوپر ہے۔ چار سال کی آمدنی اور خرچ کی مکمل تفصیل ہے۔ اس دوران میں مدرسے کو ۲۲۷۱۶ روپے وصول ہوئے اور ۳۱۹۴۰ روپے خرچ ہوئے۔ اس وقت درسگاہ پر ۱۳۹۷۶-۱۱-۳ کا قرض ہے۔ مدرسے کی عمارتوں کے جو فوٹو روداد میں شامل کیے گئے ہیں، ان کے دیکھنے سے مدرسے کی ظاہری حیثیت عیاں ہے۔ ان تفصیلات کے ساتھ یہ امر محتاج تصریح نہیں رہ جاتا کہ مدرسہ صولتیہ مسلمانوں کی امداد کا مستحق ہے، مگر ہندوستانی مسلمانوں کو امداد کی استطاعت ہی کب ہے؟ ملک کے مرفہ الحال مسلمانوں کو بالخصوص اسلام کی دینی ضرورتوں کا احساس ہونا چاہیے۔ جہاں یہ لوگ دنیاوی کاموں میں لاکھوں روپے ضائع کر دیتے ہیں، وہاں دین کی خدمت کا بھی خیال رکھیں تو زمانے میں بھی مسلمان بہت حد تک سنبھل سکتے ہیں ـــــــ امدادی رقوم حسب ذیل پتے پر بھیجیے: معتمد صاحب صدر دفتر مدرسہ صولتیہ (مکہ معظمہ) قرول باغ، نئی دہلی۔

ہمارا مستقبل

(ماہوار رسالہ) مرتبہ: جناب آفتاب احمد خاں صاحب بی اے، بی ٹی (علیگ) سائز ۲۰×۲۶/۸ ضخامت ۶۲ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط قیمت سالانہ ۲/ فی پرچہ ۳/ پتہ: ہمارا مستقبل، لکھنؤ۔

یہ اسلامی، سیاسی رسالہ حال ہی میں جاری ہوا ہے۔ مسلمانوں کی تنظیم، آزادی اور ترقی اس کے مقاصد میں شامل ہیں۔ اس وقت جون ۴۰ء کا پرچہ ہمارے سامنے ہے۔ اس کے سب کے سب مضامین، سیاسیات سے متعلق ہیں۔ پہلے مضمون میں کانگرس کے اجلاس رام گڑھ اور دوسرے میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور پر دل چسپ تبصرے ہیں: "ایں ہمہ آوردۂ تست" کے عنوان سے سی آر ریڈی کا مضمون بہت اچھا ہے جس میں انھوں نے پارلیمنٹری واحدانی وزارتوں کے ماتحت اقلیتوں کی صورت حال سے بحث کی ہے۔ "درجہ نوآبادیات"، "اسلام کا نظریۂ سیاسی"، "پاکستان" اور "ہندوستان کی تقسیم" بھی اچھے، پُر از معلومات مضامین ہیں۔ "جہاں گشت کی ڈائری" ایک مستقل عنوان ہے، جس میں دیس اور پردیس کے حالات حاضرہ پر سادگی کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے۔ "فانوس خیال" اور "قوس قزح" بھی دو مستقل عنوان ہیں۔ ان کے ذیل میں ملکی اور غیر ملکی سیاسی مسائل اور واقعات پر مختلف اخبارات و رسائل کے اقتباسات اور اہم مضامین کے خلاصے دیے جاتے ہیں۔

پرچہ بہ حیثیت مجموعی دل چسپ بھی ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد بھی۔

ہماری خواہش ہے کہ "ہمارا مستقبل" ترقی حاصل کرے اور پڑھے لکھے مسلمانوں کی توجہ اُسے کامیاب بنائے

صفات القرآن

مولفہ: سید منظور احسن صاحب سائز ۲۰×۲۶/۸ لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ۔ ضخامت ۲۵ صفحے۔ قیمت ۴/ ملنے کا پتہ: دفتر اُمّت مُسلمہ، امرت سر

اس کتاب میں، قرآن مجید کے اغراض و مقاصد، اس کی عظمت اور صداقت کے دلائل، قرآن مجید سے اخذ کر کے مرتب کیے گئے ہیں۔ مؤلف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مسلمان اس کتاب کے مطالعہ سے، قرآن حکیم کی قدر و عظمت سے روشناس ہوں اور اس کے احکام کی تعمیل کی طرف متوجہ ہوں۔ مسلمانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ ۵/ کے ٹکٹ بھیج کر مذکورہ بالا پتے سے طلب کیجیے۔

ضرورتِ حدیث؟

فبایّ حدیث بعد اللہ وآیاتہ یومنون؟ (الجاثیہ-۶)

جناب محمد یوسف خاں صاحب سلیم چشتی بی اے (آنرز) کا ایک مضمون بعنوان "ضرورتِ حدیث" ماہنامہ حقیقت اسلام (جون ۱۹۴۰ء) میں شائع ہوا ہے۔ اس مقالے کی اشاعت سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ جو صرف قرآن مجید کو دینی ضروریات کے لیے کافی سمجھتے ہیں، اُن کے خیال کی کمزوری کو واضح کر دیا جائے تاکہ مسلمان اس کی مضرت سے محفوظ رہ سکیں"

سلیم صاحب یہ تو صدق دل سے مانتے ہیں کہ "قرآن مجید میں کوئی نقص یا کمی نہیں ہے۔ دین کے اصول، نجات کا طریقہ اور زندگی کا دستور العمل، سب کچھ اس کے اندر موجود ہے" مگر عام علماء کی طرح قرآن عظیم کو ہر لحاظ سے مکمل تسلیم کرنے کے باوجود آپ عملاً یہی ثابت کر رہے ہیں کہ قرآن مبین مفصل اور واضح نہیں۔ قرآن عزیز ناقص ہے اور کسی دوسری کتاب کا محتاج ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ وہ قرآن مجید جو تمام کی تمام کتب الٰہی پر مہیمن (حاوی) ہو،[1] وہ عالی شان صحیفہ جو تمام کل انبیاء کے صحیفوں سے بے نیاز کر دے،[2] وہ کتاب کریم جس کی اطاعت سے سب نبیوں کی اطاعت ہو جائے[3] اور وہ فرقان حمید، جو پہلے لوگوں کے سنن کو ہمارے سامنے واضح کر کے رکھ دے،[4] ایسی کتاب اپنے مبیّن (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال کی محتاج ہو اور اس کے لانے والے کی سنت اس سے باہر رہ جائے۔ اس غلط

---

[1] وانزلنا الیک الکتٰب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتٰب ومھیمناً علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ (المائدۃ-۴۸)

[2] شرع لکم من الدین ما وصّی بہ نوحاً والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ۔ (الشوریٰ ۱۳)

[3] یرید اللہ لیبین لکم ویھدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم واللہ علیم حکیم۔ (النساء-۲۶)

[4] ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔ (الانعام-۵۰)

منطق کی نظیر اُن بزرگوں کا ارشاد ہے، جو یہ فرمایا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو بشر ہی، لیکن خدا کے بے غلط کی طرح غلطی سے مبرا تھے ـــــ یا للعجب!

مضمون نگار نے حدیث کی ضرورت ثابت کرنے کے لیے ذیل کی دلیل پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"خود قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ سنت نبوی کا اتباع کرو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (اے لوگو! تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین[1] نمونہ ہے) اس آیت سے سنت نبوی کی پیروی فرض ہے[2]۔"

سلیم صاحب کا ادعا ہے کہ جس "بہترین نمونے" کا قرآن ذی شان نے حکم فرمایا ہے، وہ اسوۂ سنہ قرآن مبین میں نہیں ملتا۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے آیت کے سیاق و سباق کی طرف توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ وہ اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ اپنی امیدیں اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرو اور صبر و استقلال سے مصائب کو برداشت کیا کرو۔ خدا تعالیٰ سب سے زیادہ قدر دان ہے، تمھارے نیک اعمال کو ضائع نہ ہونے دے گا۔ یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر سچا بھروسہ کرنے والے کا انجام ہمیشہ نیک ہوتا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کو بہت بہت یاد کرو[3]۔ سارا قرآن مجید اس اسوۂ حسنہ ہی کی تفسیر ہے[4]۔ اس میں جگہ جگہ توحید الٰہی کو قائم رکھنے اور اعمال صالح کے ذریعے آخرت کو بہتر بنانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ صرف ایک ہی رسول کا اسوۂ حسنہ نہیں بلکہ کُل کے کُل انبیاء کا اسوۂ حسنہ اور ان کی تعلیم کا نچوڑ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اگر اسوۂ حسنہ کا لفظ حدیث کی ضرورت بلکہ فرضیت کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے، تو حضرت ابراہیم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اُن کے ساتھیوں کی حدیثیں بھی تلاش کیجیے۔

---

[1] حسنۃ کا معنی "بہترین" ہرگز نہیں، اس کا معنی ہے "اچھا یا نیک"۔ حسنۃ افعل التفضیل نہیں ہے۔

[2] "اہل سنت" حضرات کو چشتی صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ آپ نے "سنت" کو "فرض" قرار دے کر "اہل فرض" بنا دیا ہے۔

[3] پوری آیت یوں ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ و الیوم الآخر و ذکر اللہ کثیرا (الاحزاب۔ ۲۱)

[4] رسول امین کا اسوۂ ہی قرآن تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور کے خلق مبارک کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: کان خلقہ القرآن۔ مگر تعجب ہے کہ سلیم صاحب اب بھی خارج از قرآن اسوۂ کے متجسس ہیں۔

کیوں کہ قرآن پاک نے اُن نیک بندوں کے اسوۂ حسنہ کا ذکر بھی ایسے ہی [illegible] دار الفاظ میں کیا ہے[1]۔ واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا اسوۂ حسنہ یہی ایسے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اس کی [illegible] کے مصائب برداشت کرنا تھا۔ الحاصل اگر جناب ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ قرآن مبین میں [illegible] ہے (اور یقیناً مذکور ہے) تو اس قرآن کے لانے والے [illegible] دل امین کا اسوۂ حسنہ بطریق اولیٰ اسی کتاب [illegible] مذکور ہونا چاہیے۔

[illegible] افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان دین کے مغز و حقیقت سے [illegible] کانہ ہو کر استخوان و پوست [illegible] چکا ہے۔ [illegible] جسد بے روح کے نزدیک اسوۂ حسنہ یہی ہے کہ مخصوص شکل و ہیئت اور رسم و رواج [illegible] اور اسے عین دین سمجھے، مگر اسوۂ حسنہ کی حقیقت یعنی توحید باری تعالیٰ سے اسے کوئی سروکار [illegible] بات اُسے بھول چکی ہے اور خدا تعالیٰ کو اس نے الوداع کہہ دیا ہے[2]۔ آہ۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام!
(اقبال)

---

[1] [illegible] فرماتا ہے: قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه اذ قالوا لقومهم انا برءؤا [illegible] تعبدون من دون الله كفرنا بكم وبدا بيننا وبينكم العداوة والبغضاء ابدا حتى تؤمنوا [illegible] وحده۔ (الممتحنة ـ ۴) لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم [illegible] ومن يتول فان الله هو الغني الحميد۔ (الممتحنة ـ ۶)

[illegible] سے ذیل کے صریح نتائج نکلتے ہیں:

[illegible] خدا تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس پر استقامت [illegible] [illegible]

[illegible] محبت [illegible] پیدا کریں گے [illegible] بغض [illegible]

[illegible] ابراہیم علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ [illegible] اس امر کی [illegible]

[illegible] جیسے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم [illegible]

[2] [illegible] نہیں ہوتا، بلکہ دیگر مومنین بھی اپنے اندر اسوۂ حسنہ پیدا کر سکتے ہیں [illegible]

[illegible] فلا ينازعنك في الامر وادع الى ربك انك لعلى هدى مستقيم۔ (الحج ـ ۶۷)

اس سلسلے میں چشتی صاحب نے دوسری آیت یہ نقل کی ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ اس آیت سے وہ یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ فاتبعونی سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ اتباع ہے، جو قرآن مجید سے علاوہ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فاتبعونی کی تفسیر فَاحِبُّوْنِیْ کی منزل تک لے گئے ہیں۔

آیہ شریفہ دونوں قسم کے زعم سے مبرا ہے۔ فاتبعونی کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ کلام پاک سے قطع نظر کرکے میری پیروی کرو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ میں قرآن پاک کا مومن[1] اور متبع[2] ہوں، اس لیے میرا اتباع کرو۔ گویا قرآن مجید کا اتباع کرو۔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بہ حیثیت پیغام بر کے اس اتباع کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں اور اصلیت کے لحاظ سے وہ اتباع اس پیام عالی شان کا ہے، جو اللہ پاک نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اس کی ایک نہایت اعلیٰ مثال سورۃ مومن (آیہ ۳۸) میں ملتی ہے۔ قوم فرعون میں سے ایک مرد، مومن بن گیا۔ اس نے اپنی قوم کو سیدھا راستہ بتایا اور موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی موجودگی میں کہا "اے قوم! میرا اتباع کرو"۔ (المومن ۳۸) یعنی میں حق بات کہہ رہا ہوں۔ اس رشد و ہدیٰ کی پیروی کرو!

دوسرے خیال کے متعلق صرف یہی کہنا کافی ہے کہ اگر اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ "مجھ سے محبت کرو" تو اللہ پاک فاحبونی فرما سکتا تھا۔ لفظ کے مفہوم کو بدلنا اللہ تعالیٰ کو سبق پڑھانا ہے۔ خدا کا مومن تو بالضرور ہر رسول سے محبت کرے گا۔ کس کی خاطر؟ حق کی خاطر، خدا کی خاطر، کسی بندے کی خاطر نہیں۔

یہود الزام لگایا کرتے تھے کہ مسلمان جبریل کے دشمن ہیں۔ اللہ پاک فرماتا ہے[3] کہ مسلمان تو جبریل کے دشمن ہو نہیں سکتے، کیوں کہ جبریل کے ذریعے قرآن مجید رسولؐ کے دل پر نازل ہوا ہے اور مسلمان اس قرآن کے فدائی ہیں۔ پس جبریل کے دشمن تم (یعنی یہودی لوگ) ہو، جو سلیمان علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کے الزامات تراشتے ہو۔ ایسے ہی آج کل ہمارے بعض کرم فرما یہ گمان کرتے ہیں کہ قرآن کو کافی ماننے والا رسول سے محبت نہیں کیا کرتا، بلکہ (عیاذاً باللہ) رسول کا منکر ہوتا ہے۔ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک شخص قرآن کو تو مانے، مگر اس کے لانے والے سے اسے بغض ہو یا اس کا منکر ہو؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں!

---

[1] آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون الخ (بقرہ ۲۸۵)

[2] ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ (الانعام ۵۰)　　[3] البقرہ ۹۱-۹۲

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے ماننے والے کو رسول سے حقیقی محبت ہوتی ہے۔ رسول کا دشمن تو وہ ہے جو رسول امین پر جادو زدہ ہونے کا بہتان تراشے اور جو ان ہونی اور ان ہنی باتیں ایجاد فرمائے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

مزید برآں ہمارے محترم کو قرآن مجید کو کافی ماننے والوں سے گلہ ہے کہ وہ دوسروں کو حدیث کے مطالعہ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں کہ ہمارا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم تو سب بھائیوں کو حدیث کے مطالعہ کی تلقین کیا کرتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اگر وہ دفتر حدیث کا اپنی آنکھوں سے معائنہ کرلیں گے تو پھر حدیث کی حقیقت ان کو خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ آپ بھی کتب احادیث کی سیر کیجیے تاکہ قرآن حکیم کا بے غلط ہونا اور احادیث کا خلط ملط ہونا آپ پر روشن ہو جائے۔[1]

حدیث کی حیثیت ایک ایسی تاریخ کی ہے جس کے بنانے اور بگاڑنے میں کھرے اور کھوٹے سب نے حصہ لیا ہے، اس لیے آنکھیں بند کرکے اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی چیز قابل ایمان ہرگز نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر اس سے کوئی اچھی بات مل جائے، تو ہم اسے اچھی ہی کہیں گے[2] لیکن یہ پھر بھی تسلیم نہیں کریں گے کہ اگر یہ چیز موجود نہ ہوتی، تو اسلام ناقص رہ جاتا۔ قرآن مجید اپنی ذات میں بالکل کامل ہے۔ دنیا کی سب کتابیں، سب چیزیں اور سب علوم اسی کتاب کے خادم ہیں اور یہ مخدوم ہے۔ جو کتاب، جو چیز اور جو علم اس کتاب کی خدمت کرے، اسے سر آنکھوں پر اٹھالو اور جو مجموعہ من حیث المجموعہ یا اس کا کوئی حصہ اس قرآن عزیز کی تخریب کرے، مثلاً حدیث، اسے ناقص کہے، اسے ٹھکرادو۔ یاد رکھو "کام کا مسلمان" وہ ہے جو قرآن پاک کا دل و جان سے احترام کرے۔ اسے عملاً کامل اور بے مثل مانے۔ وہ شخص "نام کا مسلمان" ہے جو یہ کہے کہ اس کے ساتھ بلکہ اس کا اتمام کرنے والی ایک اور چیز ہے اور یہ بہتان تراشے کہ اس میں سے بعض آیات بلکہ سورتیں گم ہیں۔

کسے معلوم نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے قرآن مبین ہی کو کافی مانتے تھے، چنانچہ آپ نے آنحضرت کے ارشاد ایتونی بقرطاس الخ کے جواب میں اعلان کردیا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ[3] (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) —— جس پر حضور کے سکوت نے اپنا تمسک کے لیے مہر تصدیق ثبت فرمادی۔

---

[1] ... صاحب تسلیم فرماتے ہیں کہ "قائلین حدیث یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ غلط احادیث کا وجود نہیں ہے یا ہر روایت ... جو ... میں درج ہے، صحیح ہے" فافہم

[2] ... دالذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (الزمر ۱۷-۱۸) [3] حدیث میں ہے اوصی بکتاب اللہ

کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث کی روایت کو شدت سے نہیں روکا کرتے تھے؟ ابوہریرہؓ جیسے کثیر الروایہ صحابی کا بیان ہے کہ مجھے بھی یہ جرأت نہ ہوتی کہ میں آپؓ کے سامنے حدیث بیان کروں۔ کیا حضرت عمرؓ نے اسی جرم میں ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود، ابوالدرداء اور ابومسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کو قید خانے میں نہ ڈالا تھا؟ اگر حدیث فی الواقع ضروری چیز ہوتی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے لکھنے سے منع نہ فرماتے۔

پس سچ تو یہی ہے کہ "قرآن مجید میں کوئی نقص یا کمی نہیں ہے۔ دین کے اصول، نجات کا طریقہ اور زندگی کا دستور العمل، سب کچھ اس کے اندر موجود ہے" فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اصغر (بی اے)

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مفت

"البیان" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے، اگر آپ اس چندے کے ساتھ مزید ایک روپیہ شامل کر کے چار روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے، تو ہم آپ کو رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم قریباً ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۶ روپے، مفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام سال بھر کے لئے "البیان" بھی جاری کر دیں گے۔ یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق و معارف، اسلامی و تاریخی معلومات اور علمی و روحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وہ تمام مسلمان، جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہو کر اسلام کو اس کے صحیح خدوخال میں پہچاننے کے آرزومند ہیں، انھیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہئیں۔

(نوٹ) اس عظیم الشان رعایت سے "البیان" کے نئے اور پرانے تمام خریدار فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

منیجر رسالہ "البیان" امرتسر

عارفِ رومی کی صحبت میں

مومن | مومن وُہ ہے، جو سمجھے کہ یہاں پردہ کوئی ہے اور کہ وہ یک ہمارے احوال سے واقف ہے اور دیکھ رہا ہے، اگرچہ ہم اُس کو نہیں دیکھتے اور اُسے اس کا پورا یقین ہو۔ برخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ یہ محض ایک حکایت ہے، وہ اُسے باور نہ ہو۔ ایک دن آئے گا، جب اس کی گوشمالی کی جائے گی، پشیمان ہوگا اور کہے گا میں نے خوب کہا، میں نے بُرا کہا۔ سب کچھ وہی تھا اور میں اس کی نفی کرتا رہا۔

نماز | یہ نماز آخر اس لیے تو نہیں کہ تو سارا دن قیام ورکوع وسجود کرتا رہے۔ مگر غرض یہ ہے کہ تو ہمیشہ نماز کی سی حالت میں رہے۔ سوتا ہو یا جاگتا، لکھتا ہو یا پڑھتا کسی حال میں تو یادِ حق سے غافل نہ ہو۔ ھُمْ فی صلواتھم دائمون کا یہی مطلب ہے ——— یہ گفتار وسکوت، کھانا پینا، غصہ ودرعفو تمام اوصاف پن چکی کی گردش ہیں، جو چل رہی ہو۔ اس کی گردش یقیناً پانی کی وجہ سے ہے۔ پس اگر وہ اس گردش کو پانی کی تحریک کے بغیر اپنی ذات سے منسوب کرے تو یہیں جہالت و بےخبری ہوگی۔ یہی حال اس جہان کا ہے۔ جناب الٰہی میں فریاد کر کہ بار الٰہا! مجھ کو اس سیر گردش کے سوا ایک اور روحانی گردش عنایت فرما۔ میری تمام حاجتیں تجھ ہی سے حاصل ہوتی ہیں اور تیرا کرم ورحمت تمام موجودات پر عام ہے ——— پس دم بہ دم کی حاجتیں اللہ تعالےٰ کے سامنے پیش کر اور اس کی یاد سے غافل نہ ہو، کیوں کہ اس کی یاد طائرِ روح کے پروبال کی قوت ہے۔ اگر کلّی مقصود حاصل ہو گیا، تو نورٌ علیٰ نور۔ ورنہ یادِ حق سے باطن تھوڑا تھوڑا منور ہوتا جائے گا۔ اور عالم ظاہر سے انقطاع حاصل ہو جائے گا۔ جس طرح کوئی پرندہ آسمان پر پہنچنا چاہے اگرچہ وہ آسمان پر نہیں پہنچ سکے گا، لیکن دم بہ دم زمین سے دُور ہوتا جائے گا اور دوسرے پرندوں سے اونچا ہو جائے گا۔ یا مثلاً ڈبیہ میں کستوری ہو اور اس کا منہ تنگ ہو، تو اس میں ہاتھ ڈالتا ہے اور کستوری نہیں نکال سکتا، لیکن اس سے تیرا ہاتھ تو ضرور معطر ہو جائے گا اور دماغ کو خوشی حاصل ہوگی۔ یہی حال ذکرِ حق کا ہے۔ اگرچہ تو ادراکِ ذات سے ہمیشہ قاصر ہی رہے گا، لیکن اس کی یاد تجھ میں کسی طرح سے اثر کرے گی اور اس کے ذکر سے عظیم فوائد حاصل ہوں گے۔ (فیہ مافیہ)

مترجمہ عرشی

حساب آمد و خرچ اُمتِ مسلمہ امرتسر

(۲۱ر جون سنہ ۴۶ء تا ۱۰ر اگست سنہ ۴۶ء)

مستری تاج الدین صاحب	عہ	چیلیس لائبریری مانگرول	عا	میزان	ما ۱۰؍ ۴۶
چودھری علی اکبر صاحب مظفر گڑھ	ہے	میاں علی احمد خان صاحب داشمن	غو	**عمارت فنڈ**	
بابو عبدالغفور صاحب خان پور	ہے	شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری	صہ	خواجہ نعمت اللہ صاحب	صہ
جمعدار محمد اسمٰعیل صاحب راولپنڈی	ہے	مرزا معراج الدین صاحب پشاور	ہے	خلیفہ عبداللہ صاحب	[illegible]
شیخ عبدالکریم صاحب گجرات	عہ	سیکرٹری صاحب وقف فنڈ مانگرول	غو	منشی عبدالحفیظ صاحب	عا
پورشید حکیم نور محمد صاحب کوئٹہ	ہے	سید مقبول احمد صاحب سلطان پور	ہے	مہر اللہ دتہ صاحب	عہ
سردار محمد اکرم خاں صاحب کیمبل پور	ہے	مولوی فتح محمد صاحب لودہراں	ہے	متفرق	عہ
ڈاکٹر محمد شریف صاحب فتح گڑھ چوڑیاں	عا	حضرت اصغر بی اے	غو	مہر نظام الدین صاحب	ما ۱۰۰
ڈاکٹر غلام حسن صاحب امرتسر	ہے	سید سرور شاہ صاحب فیروز پور	ہے	مہر محمد عمر صاحب	[illegible] ۴۰۰
مہر محمد عمر صاحب امرتسر	ہے	چودھری غلام عباس خاں صاحب لدھیانہ	ہے	شہاب الدین صاحب	عہ
چودھری خیر الدین صاحب	غو	حاجی محمد الدین صاحب ہنڈوریاں	ہے	میزان	سا ۴۱۲
جناب حسن محمد صاحب چھانگا مانگا	ہے	پیر رشید الدین صاحب گجرات پنجاب	ہے	کتب خانہ	صہ
مولانا ثناء الحق صاحب پٹنہ	ہے	جناب محمد صدیق صاحب لاہور	ہے	رکنیت فنڈ	
میاں خدا بخش صاحب چنیوٹ	صہ	بابو عبدالمجید صاحب جنڈیالہ گورو	ہے	سابقہ بقایا	[illegible]
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ	حکیم مولوی عبدالحکیم صاحب دھگانہ	ہے	کل میزان	[illegible]
بابو عبداللہ خاں صاحب	ہے	بابو چراغ الدین صاحب سدھو	عہ	**اخراجات**	
میاں فیملی	عہ	حکیم محمد اسلم صاحب فیروز پور	ہے	البیان	[illegible]
میاں محمود علی صاحب لاہور	عہ	مولوی گل حی داد صاحب بنوں	ہے	عمارات	[illegible]
بخشی حضور علی صاحب بی اے لاہور	ہے	میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	غو	میزان	[illegible]
جناب محمد اکبر صاحب گجرات	ہے	جناب محمود احمد صاحب لاہور	[illegible]	بقایا	[illegible]
حکیم طالب علی صاحب بہاول پور	ہے	متفرق	[illegible]		

بتغوا من فضل اللہ

چارۂ افلاس

(آر سین)

مسٹر اینڈرو کارنیگی کا مقولہ ہے: بدقسمتی سے جو لوگ امرا کے یہاں پیدا ہوتے ہیں، وہ دنیا کی دوڑ میں تھک کر رہ جاتے ہیں۔ امرا کے اکثر بچے دولت کی ترغیبات کا شکار ہونے سے اپنے کو نہیں بچا سکتے اور پھر وہ ذلیل زندگی بسر کرنے لگتے ہیں۔ کسی غریب بچے کو امرا کے طبقہ سے رقابت کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو لڑکا کہ تم سے زیادہ غریب ہے اور اس قدر مفلس ہے کہ اس کے والدین اس کو کسی اسکول میں تعلیم دینے کے مصارف نہیں برداشت کر سکتے، وہ ہرگز کسی عہدہ کے لیے تم سے مقابلہ نہیں کرے گا نہ تم سے بازی جیت لے گا، البتہ جو لڑکا معمولی اسکول سے کچھ شدبد حاصل کر کے فوراً کسی کام میں لگ جاتا ہے اور اولاً کسی دفتر میں فراشی کا کام شروع کرتا ہے، یہی وہ تیز دم مشکی گھوڑا ہے، جو بازی لے جائے گا اور خراج تحسین وصول کرے گا۔" افلاس کے مقابلے کے لیے جد و جہد ہی انسان کی ترقی کا ذریعہ رہی ہے۔ اگر ہر شخص اپنے منہ میں چاندی کا چمچہ لیے ہوئے پیدا ہوتا اور کسی شخص کو بھی کام کرنے کی کچھ ضرورت نہ ہوتی، تو انسان عالم طفلی ہی میں رہتا۔ اگر اس ملک میں ہر شخص متمول ہی پیدا ہوتا، تو ہمارا زمانہ جاہلیت ختم نہ ہوتا اور ہمارے وسائل معاش معطل رہتے۔ معدنیات میں سونا ہوتا تو سہی، مگر وہیں بے کار پڑا رہتا ہمارے ہاں یہ بڑے بڑے شہر نہ ہوتے، بلکہ ہم جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے ہوتے۔

تہذیب و شائستگی سب سے زیادہ اس مسلسل جد و جہد کی مرہون منت ہے، جو افلاس سے نکلنے کے لیے انسان کیا کرتا ہے۔ ہماری خلقت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جس بات کے لیے ہماری دلی خواہش ہوتی ہے اس کے حصول کے لیے ہم اپنی امکانی کوشش اور قابلیت صرف کرتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے لیے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ شدید ضرورت کے بغیر کسی کام کے لیے اپنی انتہائی کوشش کریں۔

مسلسل حاجت ہی وہ شے ہے، جو انسان کو ہمیشہ آگے بڑھنے کی ترغیب دیتی ہے اور کل نوع انسان

کے حقیقی اور اصلی کریکٹر (خصلت) کا نشو ونما کرتی ہے۔ تاریخ ایسے آدمیوں کی ناکامیوں سے پُر ہے جنھوں نے تموّل کی حالت میں کام شروع کیا تھا اور اس کے برعکس ایسے لوگوں کی روشن مثالیں تاریخ میں بکثرت موجود ہیں، جنھوں نے حاجت مندی کے باعث دنیا میں انتہائی ترقیاں کی ہیں۔

جو شخص کسی امیر کے یہاں پیدا ہوا، جس نے عیش وعشرت میں پرورش پائی اور جو ہمیشہ اپنے کام کے لیے دوسروں کا محتاج رہا اور جو بچپن ہی سے ناز ونعم میں زندگی بسر کرنے کا عادی ہو، اس میں ترقی کرنے کا ولولہ ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جنگل کے کمزور پودے کی مانند ہے، جس کے مقابل شاہ بلوط کا ایک عظیم الشان درخت موجود ہے، جس کے سر سے ہزاروں طوفان گذر گئے، لیکن سب کی سختیاں جھیل کر وہ ابھی دم خم سے کھڑا ہے۔

جو قوت غالب آتی ہے، اسی کا نتیجہ طاقت ہوتا ہے۔

کشتی لڑنے کی سختیاں برداشت کرنے ہی سے پہلوان میں طاقت آتی ہے۔ زندگی جدّوجہد کے بغیر نصف موت کے برابر ہے۔

جو شخص مشکلات پر غالب آنے کے لیے جدّوجہد نہیں کرتا، وہ اپنے میں قوت نہیں پیدا کرسکتا۔

کریکٹر (خصلت) کی قوت وُہ شے ہے، جو مغلوب کی ہوئی مشکلات میں سے نچوڑ کر نکالی جاتی ہے۔

زندگی ایک عظیم الشان ورزشی اکھاڑہ ہے، اگر کوئی شخص کرسی پر بیٹھ کر ورزشی کھیلوں کے سامان کو دیکھتا رہے، تو ہرگز اُس کے جسم میں طاقت پیدا نہ ہوگی۔

باپ کی ورزش سے کسی بیٹے کے رگ وپے مضبوط نہ ہوں گے، جو کرسی پر بیٹھا رہتا ہے۔ یا کم زور ہی رہے گا، تا وقتیکہ وہ خود ڈمبل کا استعمال نہ کرے یا وزنی گولا اپنے ہاتھ سے پھینکنے کی مشق نہ کرے۔ بہت سے باپ اپنے لڑکوں کے بدلے خود ورزش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کے بچے نرم پنچوں اور آرام کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ورزش کے طریقے کو دیکھتے رہتے ہیں اور پھر یہ دیکھ کر والدین کو حیرت ہوتی ہے کہ ان کے لڑکے ورزشی کھیلوں میں کم زور ثابت ہونے اور ان کے نرم اور ڈھیلے رگ پٹھے مثل سابق کے کم زور رہے۔

کیا یہ حیرت انگیز امر نہیں ہے کہ ہزاروں کام یاب حضرات اپنی خود ساختہ ترقی پر فخر کرتے ہیں اور دنیا میں اس کو بڑی خوش نصیبی تصوّر کرتے ہیں کہ ان کو خود اپنے وسائل سے کام لینا پڑا اور وہ

اپنی آزادی اور قوت کو نشوونما دینے کے لیے مجبور ہوئے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسی جفاکشی اور مشقت کے ساتھ کام کرنا چاہیے، جس سے ہماری اولاد میں ہماری مثال کا اتباع کرنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

ایک مشہور مصور سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا فلاں شاگرد جو فن مصوری سیکھ رہا ہے، کیا ایک بڑا مصور ہو جائے گا؟ اس نے جواب دیا "نہیں ہرگز نہیں، کیوں کہ اس کے پاس چھ ہزار پونڈ سالانہ کی آمدنی موجود ہے۔" اس مصور کو معلوم تھا کہ مشکلات کی سدِ راہ دور کرنے کی جدوجہد سے کس طرح طاقت پیدا ہوتی ہے اور تمول کی دھوپ میں قوی اور مضبوط پٹھوں کو مزید قوت پہنچانا کس قدر دشوار امر ہے۔

میں افلاس کے برکات کا کلیتہً حامی نہیں ہوں۔ افلاس کی اس کے سوا کوئی قیمت نہیں کہ زندگی کی ابتدا کے لیے وہ بہترین زمین ہے۔ انسان کی ترقی کے لیے وہ ورزشی کھیلوں کے سامان کی طرح سودمند شے ہے۔ البتہ افلاس سے مقابلہ کرنا واقعی قابل قدر ہے، بشرطیکہ دیانت داری اور ایمان داری سے اس کے لیے کوشش کی جائے، کیوں کہ یہی انسان کو ترقی دے کر دیوتا بنا دیتی ہے۔ بالعموم یہ نہیں ہوتا کہ مفلسی کے عالم میں اگر اتفاقیہ طور پر کوئی چیز مل جائے، تو وہ اس شے سے بہتر اور زیادہ قابلِ قدر ثابت ہو، جس کے حصول کے لیے ہم کوشش کر رہے تھے، نہیں بلکہ ضرورت مند اور مضبوط دل شخص کی کوشش بہ مقابلہ مفت میں ملے ہوئے زر و دولت کے ہزار گونہ قابلِ قدر ہوتی ہے۔

جو طالب علم حصولِ علم کے لیے انتہائی جفاکشی اور مشقت کرتا ہے، وہی قابل ہوتا ہے۔ وہ ذہین بچے جن کو امتحان پاس کرنے کے لیے صرف ایک مرتبہ سبق پڑھ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنے کالج کے نصاب سے اس کا نصف ثمرہ بھی نہیں پاتے، جو ایسے طالب علم حاصل کرتے ہیں، جن کو ہر ایک بات سمجھنے کے لیے سخت محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے۔

مسٹر اے پی ڈالیور ممبر سینٹ امریکہ، جو بچپن میں غریب تھے، فرماتے ہیں: "میں غریب بچوں پر اپنی ہمدردی ضائع نہیں کرتا، کیوں کہ ان میں خود ترقی کا مادہ ہوتا ہے۔ میں جو کچھ ہمدردی کروں، وہ امرا کے بچوں سے کروں گا۔ اگر آپ کے پاس ایک لاکھ ڈالر ہوں اور آپ یہ رقم ایک لڑکے کو کاروبار شروع کرنے کے لیے دے دیں، تو وہ اس رقم کو ضائع کر دے گا۔ میرے نزدیک تو یہ ایک لاکھ ڈالر کی رقم اس لڑکے کو ہرگز نہ دی جائے، کیوں کہ اس کے حق میں اس کا نہ دینا ہی بہتر ہے۔

جولڑکا یہ جانتا ہے کہ میرے پاس دولت موجود ہے، اس کو کیا ضرورت ہے کہ وہ علی الصبح اُٹھ کر عمر بھر سخت محنت و مشقت کرتا رہے؛ وُہ تو یہی کہے گا کہ میرے پاس کافی روپیہ ہے اور وُہی عمر بھر میرے کام آئے گا۔ اس لیے آنکھ کھُلنے پر وہ صبح کے وقت کروٹ لے کر پھر سو جائے گا۔ اس کے برعکس جس لڑکے کو بجز اپنی ذات کے کسی کا سہارا نہیں ہے۔ اس کو ضرورت مجبور کرے گی کہ وہ علی الصباح بیدار ہو۔ اس کو معلوم ہے کہ بجز جدوجہد کے میرے لیے کوئی اَور دروازہ نہیں کھُلا ہے، اس کا کوئی مونس اور غم خوار نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ میرے لیے صرف ایک سوال ہے کہ یا تو مَیں قطعی ناکارہ ہو کر رہ جاؤں یا بیدار ہو کر اپنی قیمتی زندگی کے لیے کچھ کام کروں۔

جب انسان کو کسی چیز کے حاصل کرنے کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے، تو اُس کے حصول کی کوشش کرنے سے انجام کار اُس میں تہذیب اور اس کے کریکٹر (خصلت) میں مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانیت کے مقابلہ میں دولت، جائداد اور رتبہ کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔

انسان کو قدرت کیا کچھ معاوضہ نہ دے گی؟ اوّل وہ اس کو ڈسپلن کے تحت اسکول میں رکھتی ہے۔ پھر تجربہ کی عظیم الشان یونی ورسٹی میں اس کو تعلیم و تربیت دیتی ہے، تاکہ وہ کام کرنے کے لیے مکمل انسان بن جائے۔ دولت پا جانا اور مل جانا امر اتفاقیہ ہے۔ قدرت انسان کی سپُرد ہوتی ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ دولت کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں کرتی۔ وہ صرف انسان بنانے کی خواہاں ہوتی ہے۔ (ماخوذ)

فعل کے مرتکب بنو جس سے معیوب اور کوئی کام نہیں ہو سکتا تمھیں عقل وشعور عنایت فرما کر مختار بنایا
ہے تمھیں تاکید کی گئی ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور شے کے ساجد نہ بننا۔ دوسری چیزیں مجبورِ محض ہیں،
وہ اسی لیے طوعًا ساجد ہیں۔ ملائکہ تک کو تمھارے کام میں لگا دیا گیا ہے۔ تمام کارکنانِ قدرت بحکمِ الٰہی
کام کر رہے ہیں۔ ان کو نیکی اور بدی کے جراثیم کہو یا صحت اور مرض ان کا آپس میں جھگڑا یا مقابلہ ہوتا
رہتا ہے۔ مرض اور طبیعت میں خصومت کا ہونا ضروری ہے۔ ہاں، فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ باریک
بین ہی خوب جانتا ہے اور نتائج نکالتا ہے، جیسا کہ فرمایا: کہہ دے کہ

(۶۹) مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ○ (۷۰) إِنْ يُوحَىٰ
إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ ○ میرے لائق ایسے علم (کا احاطہ) نہیں ہے؛ اور مجھے یہ مطلق
حاصل ہی نہیں کہ جان سکوں (جب (کبھی) ملائکہ جھگڑتے رہے ہیں (یا جھگڑا کرتے تھے۔ ہاں! جو
مجھے وحی ہوتی ہے۔ میں بے کم و کاست سنا دیتا ہوں اور کوئی دعویٰ میرا ذاتی نہیں ہے، نہ میں غیب
جانتا ہوں۔ بس یہی ہے میرا منذر ہونا۔ اب آگے پھر کہہ دیا) سوائے اس کے نہیں کہ جو میری طرف
وحی ہوتی ہے، میں اس کا کھلا ڈرانے والا ہوں (اس کی سند سن لو۔ توحید اور گناہ کا مقابلہ کر کے
دیکھ لو۔ آخر حق کا غلبہ ضروری ہے اور باطل پاش پاش ہونے والی چیز ہے اور ہمیشہ شکست کھاتا رہا
ہے اور آئندہ بھی اُسے ہی شکست ہوتی رہے گی۔ اب آگے ملائکہ، آدم اور ابلیس کا حالی مکالمہ پیش
کر کے انسان کو جذبات پر قابو پانے کی نصیحت فرمائی اور مِن دُون اللہ کے سامنے ساجد ہونے سے
تاکید کے ساتھ منع کیا۔ انسان کے اندر فطری علم موجود ہے۔ اگر یہ سوائے خدا کے دوسروں کو سجدہ کرے،
تو ظالم و نادان قرار پاتا ہے اور دوسری مخلوق کا تو یہ خود مسجود ہے۔ صاحبِ شعور کو من دون اللہ کا
ساجد ہونا شایان نہیں ہے۔ اس کے بعد ابلیس کی حقیقت دکھلائی گئی ہے۔ اس کی گرمی اور تیزی ظاہر
فرمائی اور انسان کو نصیحت فرمائی کہ وہ بدی کے اس محرک پر قابو پائے، مگر انسان اپنی غفلت سے
اللہ کی تحریک سے منہ موڑ کر ابلیس کی تحریک کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ فرمایا، ایسا نہ کیا کرو۔ یہ
تحریک تمھیں مخلوق پرستی پر آمادہ کرتی ہے۔ تم خدا پرستی کے دستور العمل کو چھوڑ کر غلط راستے پر
گام زن ہو جاتے ہو اور جہنم خرید لیتے ہو۔ انسان صاحبِ اختیار ہے اور ملائکہ اور ابلیس وغیرہ مجبور

اور بے اختیار ہیں۔ صاحب اختیار کو سوائے خدا کے کسی اور کے آگے سجدہ کرنا حرام ہے اور بے اختیار
چیزیں تو صاحب اختیار انسانوں کی غلام اور خدمت گار ہیں۔ یہ تھی تعلیم اور اسی تعلیم کے رسول کریم
منذر اور مبلغ تھے کہ خبردار! اللہ کامل مطلق کے سوا کسی کے ساجد نہ بنو! غیر اللہ سے اس بارے
میں قطعی اجتناب کرو۔ اب بتایا کہ دیکھو تم ملائکہ کے مسجود ہو، وہ بے اختیار و مجبور مخلوق ہے۔ تم نیکی اور
بدی پر پوری طرح قادر بنائے گئے ہو اور یہی وجہ ہے کہ خلافت کے منصب پر تمھیں جگہ دی گئی ہے۔ پس
شیطان تمھارا اصل لباس (تقویٰ) نہ اُتار دے۔ شیطان کی اتباع ایک بہت بڑی بیماری ہے اور اس
کا علاج آگ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ جب مرض دُور ہو جاتا ہے، تو مریض اس تکلیف سے نکالا جاتا
ہے اور مناسب جگہ پر اُسے پہنچا دیا جاتا ہے۔ آدمؑ کو جب اختیارات دیے گئے، تو وہ مسجودِ ملائک
قرار پایا اور جب تک اس کے پاس اختیارات نہ تھے، وہ مسجودِ ملائک نہ تھا۔ یہ برتری صاحب اختیار
ہی کو حاصل ہے کہ تمام مجبور چیزیں اس کے آگے جھک جاتی ہیں۔ ہاں! شیطانی جذبات پر غلبہ حاصل
کرنا انسانی اختیار کا بہترین استعمال ہے۔ پس صاحبِ اختیار کو خدا سے نیکی کی توفیق مانگ کر شیطانی
محرکات سے بچنا ضروری ہے، ورنہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے لباس کی سلامتی ناممکن ہے۔ بُرائی کا
خاصہ ہے کہ وہ از خود نہیں دبتی، جب تک اس کو اپنے اختیار سے قابو پا کر دبایا نہ جائے۔ یہاں
اس قصہ میں مشرکوں اور کافروں کو بھی شرمندہ کیا کہ جن ملائکہ کو تم خدا کی (نعوذ باللہ) بیٹیاں قرار
دیتے ہو، تو وہ تو تمھارے ساجد ہیں، کیا اس مشرکانہ عقیدہ پر تم نادم ہونے کے بجائے فخر کر رہے
ہو؟ سنو اور غور کرو کہ جن کو تم پوجا کے لائق بنائے بیٹھے ہو، ان کی اصل حقیقت کیا ہے اور دیکھو، تم
اپنی اصلی قدر و منزلت کو پہچانو! سنو!)

(۷۱) اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝ جب
(اے انسان! اے صاحب اختیار ہستی) تیری ربوبیت کرنے والے (اور ارتقاء کی منازل طے
کرانے والے) نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

(۷۲) فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝

پس جب اس کو درست بنادوں اور اپنی رُوحوں میں سے ایک رُوح اس میں پھونکوں (نہ کہ صرف بُت کو) پس اس کے واسطے (تم اے فرشتو!) ساجد ہو کر گر پڑنا (عقل ملنے پر شیطان بنتا ہے پہلے وہ ایک کارکن یعنی ملک مجبور تھا۔ غصہ جوش وغیرہ وغیرہ بھی کارکنان قدرت ہیں۔ یہ نام اس کے اختیار ملنے کے بعد کے ہیں۔ شیطان انسان کے تعلق سے بنتا ہے جس طرح آگ، ہوا، پانی وغیرہ اپنا اپنا کام کرتے ہیں، بدی بھی اپنا کام کرے گی، مگر اس پر صاحب اختیار کو قابو پانے کا علم دیا گیا ہے۔ ابلیس کفر سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ اختیار کی قوت سے روکا جائے، تو رُک جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے)

(۷۳) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ (۷۴) اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ پس سب کے سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے (بدی کی وجہ اور محترک ہونے کے باعث از خود سجدہ نہ کیا، کیوں کہ شیطان مخلصین سے الگ ہے۔ اس کی حالت ہی بتا رہی ہے کہ وہ ناقدر دانی سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے فرمایا) اور وہ (ابلیس یا شیطان) کافروں میں سے ہے (شیطان کا نام جہاں آئے گا، وہاں وہ انسان کو دھوکے اور فریب سے گمراہی کرتا نظر آئے گا۔ جہاں ابلیسیت سے کام لے گا، وہاں تکبر، غرور اور سرکشی وغیرہ پر انسان کو اُبھار کر تباہ کرے گا۔ وہ بنایا ہی اس لیے گیا ہے، مگر انسان کو اختیار دے کر اس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اس کے شیطانی محرکات سے جہاں تک ہو سکے، بچو اور تقویٰ سے کام لو، ورنہ مریض ہو کر مرض سمیت جہنم میں طرح طرح کے عذابوں سے درست کیے جاؤ گے پس جو بھی اُس کی طرف جھکے گا، وہ تباہ ہو جائے گا (سورۃ حج) اس کے بعد باری تعالیٰ نے فرمایا:)

(۷۵) قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِيْنَ ۝ اے ابلیس! تجھے کس چیز نے روکا اسے سجدہ کرنے سے، جسے میں نے دو ہاتھوں سے پیدا کیا (یعنی نیکی اور بدی دونوں پر آدم کو مختار بنایا اور تجھے تو ایک ہاتھ سے پیدا کیا، یعنی، یک رُخا، بے اختیار اور مجبور، جیسے ملائکہ وغیرہ کو، پھر کیا وجہ ہے رُکنے کی) کیا تو تکبر میں آگیا یا تو بڑوں سے ہے؟ (یعنی کیا

تو انسان دو پہلو والا صاحب اختیار ہے یا تُو نے تکبر کا مظاہرہ کیا۔ ابلیس یا شیطان کی حقیقت ہی یہ ہے کہ بنا یا ہی سرکشی اور شرارت کے لیے ہے یعنی وہ ان برائیوں کا سبب ہے۔ اب ابلیس کی طرف سے یہ نقشہ کھینچا ہے)

(۷۶) قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝

وہ بولا کہ میں اس (خاکی آدم) سے بہتر ہوں۔ میری پیدائش آگ سے اور اس (آدم) کی مٹی سے ہے (یہاں اس نے دو پہلو والے صاحب اختیار کی روحانیت کا لحاظ نہ کیا، بلکہ مادے کو سامنے رکھا۔ پس جب بدی و شرارت وغیرہ کے محرک کی یہ حالت بتائی گئی، تو پھر اس کا نتیجہ دکھلایا۔ ارشاد ہوتا ہے)

(۷۷) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ (۷۸) وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ فرمایا: اس (خیریت) سے نکل! پس تحقیق تو راندہ درگاہ ہے (تو انسان کے سبب اور تعلق سے باعث بدی بن گیا ہے اور میری رحمت سے دور ہو گیا ہے) اور تجھ پر میری (خدا کی) لعنت ہے، جزا کے دن تک (اب ابلیس کی طرف سے جواب ظاہر کیا)

(۷۹) قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ بولا: اے میری ربوبیت کرنے والے! مجھے مہلت دے ان (انسانوں) کے اٹھائے جانے کے دن تک (ہر حالت میں میرا ان کا چولی دامن کا ساتھ رہے۔ یہ کسی حالت میں بھی ہوں، میرا کام برابر جاری رہے۔

(۸۰) قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝

فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے) تجھے مہلت ہے، مگر وقت معلوم تک (یعنی جب تک انسان اختیار اور ہوش و حواس کے ساتھ افعال کر سکتا ہے، نہ کہ بے ہوشی، نیند اور مجبوری وغیرہ

چند اہم کتابیں

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں چند اصول وعقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۴۸ صفحات۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک

مطالعۂ حدیث

(مدیر نگار کا تبصرہ) تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب

بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی، جو نگار میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ مچا اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے، جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، مہدویت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے ہدایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے۔ اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ ۱۰/ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

منیجر دفتر امت مسلمہ امرت سر

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر قرآن مجید کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے۔ ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے امور اجتہادیہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو، کہ قول الٰہی ہے، آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت، کہ فعل الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ اور محدود ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ◆

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ◆

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو ◆

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے صحاورۂ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ◆

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے ◆

(۶) قانون وراثت کا احیا ◆

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:- منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (للعہ) منزل دوم (للعہ) منزل سوم (للعہ) منزل چہارم (للعہ) منزل پنجم (للعہ) منزل ششم (للعہ) منزل ہفتم (للعہ)

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے	فی پرچہ چار آنے

مقدمۂ زندگانیٔ محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پولیس ہی میں فروخت ہو گئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہو گئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امت مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دل چسپ پایا۔ (سر عبدالقادر)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سچ رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۸۰۰ صفحے۔ ۳/ ٹکٹوں کی صورت میں یا بذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

ملنے کا پتہ: **دفتر امت مسلمہ امرتسر (پنجاب)**

See Page 64

البیان

اُمّت مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

| نمبر ۱۰ | اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء مطابق رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۹ھ | جلد ۲ |

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھسر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمّت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو

منادیاً ینادی للایمان | موسیٰ علیہ السلام کے سامنے ایک بہت بڑی قوم تھی، متحرک لاشوں کا مجموعہ۔ انھیں اس راکھ سے چنگاریاں نکالنا تھیں۔ اس عمل کے لیے چالیس سال کا انتظار کرنا پڑا۔ جب تک نئی نسل وجود میں نہ آگئی، مقصود حاصل نہ ہوسکا۔

جنگِ عظیم کے خاتمے پر یہی حال جرمنی کا تھا، قوم کی شکلیں کس لی گئیں۔ گلا گھونٹ لیا گیا۔ یاس کی افسردگی نے قوائے عمل کو شل کردیا۔ قائد نے وہی کیا، جو اس کی افتادِ طبع اور حالات کے مناسب تھا: بچوں میں تفریح و تعلیم کے ذریعے نئی روح پھونک دی۔ ان کا اوڑھنا بچھونا، کھیلنا کودنا اور پڑھنا لکھنا صرف اسی مقصد کا حامل تھا " مرنا، ماردینا اور بس"۔ یہی نقشہ دیکھ جرمن فیلڈ مارشل گوئرنگ کو کہنا پڑا:

> "آج کل کی جرمن نازی گورنمنٹ اپنے ملک میں جن کھلونوں اور کھیلوں کو رواج دے رہی ہے، وہ سب لڑائی سے متعلق ہیں، ان کھلونوں میں چھوٹے چھوٹے ٹینک بھی ہیں جو اونچی اونچی زمین پر چلتے ہیں اور بڑے زور سے پٹاخے چھوڑتے ہیں۔ شاید کچھ لوگ ان باتوں کو فضول سمجھتے ہوں، ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جس ملک کے بچوں کی اس طرح ذہنی اور جسمانی پرورش کی جائے گی، وہ مستقبل میں ملک کے جان باز سپاہی بنیں گے۔ موجودہ جنگ آئندہ بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی"[1]

کسی تحریک کو حقیقی کامیابی اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے، جب اس کے لیے نئی زمین تیار کی جائے، فضا و ماحول کو یک سر بدل دیا جائے۔ آپ عہدِ نبوت سے پہلے کا عرب دیکھیں اور بعثت کے بعد کے زمانے پر نظر کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ بادیہ نشین عربوں کے زمین و آسمان

---

[1] "ادبِ لطیف"، ستمبر ۱۹۴۰ء

نے اپنی گردش کی راہیں بدل لی ہیں۔ کائنات کے حسین چہرے سے کثیف نقاب نوچ لی گئی ہے۔ انسانی روح دیو و شیطان کے پنجے سے چھین کر حور و فرشتہ کی گود میں لٹا دی گئی ہے فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ ھو یحیی و یمیت وھو علیٰ کل شیٔ قدیر۔

محمدؐ و موسیٰ علیہما السلام کے پیچھے غیر مرئی، سماوی قوتیں کام کر رہی تھیں اور چرچل لینڈر کے ہاتھ میں مادے کی بے پناہ طاقت۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے ——— آج ہمارے پاس کوئی قوت نہیں، مادی نہ روحانی۔ ہم راکھ ہیں جس میں چنگاری کا تلاش کرنا آسان نہیں۔ ہم متحرک لاشوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ ہیں جس میں زندگی کی تڑپ مضمحل کر دی گئی ہے۔ ہم محمدؐ اور موسیٰؑ ایسی شخصیتوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ ہم میں کوئی مصطفےٰ کمال اور رضا شاہ بھی نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں چارۂ کار کیا ہے؟ چارۂ کار وہی ہے، جو ہمیشہ رہا ہے۔ فطرت کے قوانین اٹل ہیں۔ ان میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہمیں آج بالکل موجودہ مُردوں کے قبرستان سے نکلنا ہوگا۔ زندوں کی نئی نسل تیار کرنا ہوگی۔ نئی نسل ——— قرآنی نسل، نئی فضا ——— قرآنی فضا، نیا ماحول ——— قرآنی ماحول ——— قرآن کے مفسر آج بھی موجود ہیں، لیکن ان کی پوزیشن عموماً یعمل اسفاداً سے زیادہ نہیں۔ وہ اس کتاب کے لفظوں کی صناعت سے آشنا ہیں، مگر معانی کی لذت سے بے خبر۔ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

قدما میں علامہ محمود شبستریؒ بھی کہہ گئے ہیں:

لغت با اشتقاق و نحو با صرف   ہمی گردد ہمہ پیرامن حرف

ہر آں کہ جملہ عمر خود دریں کرد   بہ ہرزہ صرف عمر نازنین کرد

اگر آپ سراب سے کھیتی کی آبیاری کر سکتے ہیں، اگر آپ حنظل سے اپنے کام و دہن کے لیے شیرینی حاصل کر سکتے ہیں، اگر آپ ریگ صحرا سے ایک قصر فلک بوس تعمیر کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، تو بے شک موجودہ مدعیان مذہب پر حیاتِ نو کی امید لگائے بیٹھے رہیں، لیکن اگر جواب نفی میں ہے، تو اُٹھیے اور اپنے امکان بھر ایک نئی نسل کی تیاری میں مصروف ہو جائیے، جس کو اس خزاں پروردہ خس و خاشاک کی ہوا تک نہ لگے جس کے کان میں اس جامد گروہ کی مرگ آفریں آواز نہ پہنچ سکے۔

امت مسلمہ کو اس ضرورت کا احساس روزِ اول ہی سے رہا ہے، لیکن ذرائع کا ناکافی ہونا ہمیشہ راہِ مقصود

میں حائل ہے۔ جب تک دفتر شہر میں تھا، مدرسہ تعلیم القرآن اپنی ابتدائی صورت میں جاری رہا۔ دفتر کے شہر سے باہر آجانے سے ہمتیں پست ہوگئیں۔ ہمارے بچوں سے یہ خفیف سا بُعدِ راہ برداشت نہ ہو سکا، لیکن ضرورت اور حقیقت اب بھی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ پیاسے کی پیاس پانی ہی سے بُجھے گی جب بھی مل جائے۔ ہمارے تمام امراض کا علاج صرف تعلیم و تعمیلِ قرآن ہے اور بس۔ خوب صورت مسجدوں اور نظر نواز جلوہ گاہوں کی تعمیر ضروری ہے، لیکن اتنی ضروری نہیں جتنی دلوں کی تعمیر اور روحوں کی تشکیل ——— آپ کو یاد ہوگا: جب قیصر کے سفیر نے مدینہ منورہ پہنچ کر اپنی توقع کے مطابق قصرِ خلافت کا پتہ پوچھا تھا، تو محمد صلوات اللہ علیہ کا چہرہ مبارک دیکھنے والوں نے کیا کہا تھا؟ پیرِ رومؔ کی زبان سے سُنیے:

قوم گفتندش کہ او را قصر نیست
مر عمرؓ را قصرِ جانِ روشنیست

"قوم نے سفیر سے کہا، امیر المومنین فاروقِ اعظمؓ کا کوئی محل نہیں، اس کا محل تو اس کی نورانی روح ہے"

پس مَیں ایک دفعہ اور اپنے تمام دوستوں اور خصوصاً مقامی احباب کی خدمت میں گذارش کروں گا کہ مدرسہ تعلیم القرآن کی تجویز پر غور کریں۔ اس کے لیے میٹنگ بُلائیں۔ اپنے ہونہار بچوں کے اوقاتِ عزیز میں سے تھوڑا سا وقت اس زندگی بخش کام کے لیے ضرور نکالیں۔ ہم نے اب تک جو کچھ کیا، اس کی کچھ اہمیت نہیں اُس کے مقابلے میں جو ہمیں کرنا چاہیے۔ قرآن کا ترجمہ چھاپ دینا، اس کو فروخت کر لینا، چند الٹی سیدھی عبارتیں بنا دینا ہمیں اللہ کے ہاں سُرخ رو نہیں کر سکتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر جمود و بے پروائی کا یہی عالم رہا، تو اتنا سا غیر اہم کام بھی جو ہو رہا ہے، رُک جائے گا۔ موجودہ چند کارکنوں کے بعد ان کا کوئی معقول جانشین نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلا آدم خود پیدا کر کے آئندہ پیدائش کا انحصار انسانی قویٰ کے فعل و انفعال پر رکھ دیا جس میں بہت کچھ انسانی اختیار کا بھی دخل ہے۔ اسی طرح کسی تحریک کا ابتدائی محرک اللہ تعالیٰ کے مخصوص تصرف سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ذمہ داری آنے والوں پر ڈال دی جاتی ہے۔ وہ اس کو انجام دیں، تو سُبک دوش، سستی کریں، تو معرضِ سوال میں ہوتے ہیں۔ اس وقت ٹھیک یہی پوزیشن ہماری ہے۔ حضرت خواجہ مرحوم کو اُن کے باپ یا کسی بزرگ نے اس کام کے لیے تیار نہیں کیا تھا۔ اُن کی تڑپ فطری تھی۔ اُن کا ذوق و وجدان وہبی تھا، لیکن یہ چیز ہمیشہ حاصل نہیں رہتی:

قرن ہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزیدؔ اندر خراساں یا اویسؔ اندر قرن

اب کہ ہمارے پاس ذرائع کسب و اکتساب مہیا ہو چکے ہیں، ہماری ہر کوتاہی قابلِ مواخذہ ہے

ہم اہلِ قرآن ہیں اور ہم اہلِ قرآن نہیں

نسائی اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں خواص امت کو اہلِ قرآن کہا گیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں، اهل القرآن اهل الله وخاصته. ظاہر ہے کہ اس حدیث کی رو سے یہ لقب کسی خاص اسلامی فرقے کا نہیں مسلمانوں کے ہر فرقے میں ایسے عامل صالح ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہماری اور ہر مسلم کی دعا ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ قرآن بنائے اور اپنی نعمتیں ہم پر پوری کرے، لیکن بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ لقب اپنے لیے پنجاب کے ایک خاص اسلامی فرقے نے اختیار کر لیا جس سے اس کی متبرک وسعتیں سمٹ کر رہ گئیں۔ اس فرقے کے علماء نے اپنے متبعین کے سوا تمام اسلامی فرقوں پر ایسے نازیبا فتوے چسپاں کیے، جیسے ان فرقوں میں پہلے سے رائج چلے آتے ہیں۔ حدیث، فقہ، اور دیگر اسلامی علوم کی نہایت بے قدری کی۔ ہم نے اس مسلک سے ہمیشہ بیزاری کا اظہار کیا۔ اس کے باوجود بعض مقامی ملاؤں نے دانستہ ہم کو اسی فرقہ سے منسوب کیا اور ہمارے بار بار کے انکار پر قطعاً متنبہ نہ ہوئے۔ خیر اس گروہ کی اس غیر اسلامی روش سے ہم بالکل متعجب نہیں، لیکن ان کے پروپیگنڈا سے بعض سنجیدہ دماغ حضرات بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ محترم مدیر "ندیم" گیا، اپنی جنوری، فروری ۱۹۴۰ء کی اشاعت میں "البیان" کے اقبال نمبر پر ریویو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"البیان، اہلِ قرآن کی جماعت امت مسلمہ کا ترجمان ہے"

اسی طرح موقر معاصر "معارف" اعظم گڑھ "مقدمہ زندگانی محمدؐ" پر اظہار رائے کرتے ہوئے رقم طراز ہے:

"فاضل مترجم[51] کو جو اہلِ قرآن ہیں، آخری بحث میں اپنے عقیدہ کی تائید میں بعض باتیں نظر آئیں اس لیے انھوں نے اس کا[52] ترجمہ کر دیا"

ہم ان بزرگوں پر کھلے لفظوں میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس معنی میں ہم ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی اہلِ قرآن نہیں ہوئے۔ ہم اپنے آپ کو تمام اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تاریخ، تصوف وغیرہ کا جائز وارث اور حقیقی قدردان سمجھتے ہیں، چنانچہ "البیان" کے صفحات اس دعویٰ کی شہادت و تصدیق میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ہم ان تمام علوم سے مستفید ہونا اپنا قدرتی حق سمجھتے ہیں، لیکن ہمارے نزدیک قرآن کو ان سب پر اتنی ہی فضیلت حاصل ہے جتنی خالق کو مخلوق پر۔ بس یہ ہے ہمارے اور بعض

---

[51] عرشی   [52] مقدمہ ہیکل کا۔

دوسرے فرقوں کے اختلاف کی بنا، لیکن اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو ملتِ اسلامیہ کا ایک جزو سمجھتے ہیں، کسی شخص یا جماعت کی تکفیر و تفسیق کو منشائے قرآنی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ دینی اعمال اور دنیوی معاملات میں عام مسلمانوں سے کسی قسم کی مغائرت اور علیحدگی کو غضبِ الٰہی کا مستوجب گردانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مسلمان رکھے۔ ہمارا حشر بھی مسلمانوں ہی میں کرے اور اس فرقہ پرستی کی نجاست سے محفوظ رکھے۔

فاطر[۵] السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین۔

مسجد | مسجد کا کام ماہرینِ فن کے مشورے کے مطابق حضرت میاں صاحب کی نگرانی میں انجام پا رہا ہے۔ میاں صاحب اپنے اوقات گرامی کا زیادہ حصہ امتِ مسلمہ بلڈنگس ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ گارڈر لگا دیے گئے ہیں، دیواروں کے خلا پُر ہو چکے ہیں۔ اندر باہر پلستر بھی ہو چکا ہے۔ مسقف حصہ عروسِ نو کی طرح دلکش و آراستہ نظر آ رہا ہے۔ وسط ستمبر ۱۹۴۰ء میں خواجہ عباد اللہ صاحب اختر نے خواجہ عطاء اللہ صاحب ایم اے اور دیگر احباب کی معیت میں بغور معائنہ کیا اور اظہار اطمینان فرمایا۔ اب فرش، میناریں، ٹونٹیوں اور صحن کی دیواروں کا کام باقی ہے۔ مینار نہایت سادگی اور بے تکلفی سے محض علامتِ مسجد کے طور پر لگائے جائیں گے۔ ان میں کوئی تصنع نہیں ہوگا۔ تاہم تخمیناً ایک ہزار روپیہ مزید خرچ ہو جائے گا۔ فرش حاجی محمد امین صاحب نے اپنے ذمے لے لیا ہے۔ وفقہ اللہ۔ ہمارے صدر محترم مہر خیر الدین صاحب خیرِ دین کے ہر موقع پر ہمیشہ خیرِ دین ہی ثابت ہوئے ہیں، بالخصوص مسجد کے معاملہ میں آپ نے بہت زیادہ حصہ لیا ہے:

چہ خوش بودے اگر ہر یک زِ امت خیرِ دیں بودے

مہر نظام الدین صاحب اور مہر محمد عمر صاحب نے بھی آپ کے ساتھ مل کر دست و بازو کا کام انجام دیا۔ جزاہم اللہ۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے احباب اس معاملہ میں بالکل بے نیاز رہیں۔ کام انجام کے قریب پہنچ رہا ہے۔ اہلِ خیر اصحاب کو جلدی توجہ کرنی چاہیے —— اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر کو صحیح معنی میں اپنی پاک کتاب کی تبلیغ و اشاعت کا مرکز بنائے۔ رمضان المبارک میں درسِ سحرگاہی کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

مسلسل مضامین | مسلسل مضامین بڑی محنت و کاوش کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت

---

[۵] اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا پروردگار ہے۔ میری موت اسلام پر ہو اور مجھے صالحین میں شامل کر۔

رکھتے ہیں۔ "موضوعاتِ کبیر" کا ترجمہ یقیناً ایک مستحقِ تحسین خدمت ہے، جس کے لیے ہم چودھری رحمت علی صاحب بالقابہ کے شکرگذار ہیں۔ اسی طرح "قرآن اور حیاتیات"[1] نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام عالمِ اسلامی میں اپنی قسم کی پہلی چیز ہے۔ علمائے عصر مولانا ابوالکلام، علامہ طنطاوی جوہری وغیرہ کی تصانیف میں اس چیز کے اشارے تو ملیں گے، لیکن یہ شرح و بسط آپ کو "البیان" ہی کے صفحات میں ملے گی۔ ذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء۔ اللہ تعالیٰ ہمارے محترم دوست پروفیسر شبیر احمد صاحب کو اپنی کتاب کی خدمت کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائے۔ آئندہ ماہ سے عزیزی غلام اکبر صاحب کی کتاب صدیث باری کا سلسلہ بھی شروع کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک نئی چیز ہے اور مفید بھی۔ اس سے تمام انبیائے قرآن کی مصدقہ الٰہی حدیثیں آپ کے سامنے آجائیں گی جن میں کسی شک و ریب کی گنجائش نہیں اور دین کی قدامت و وحدت کا ثبوت بھی مہیا ہو جائے گا اور یہ جو فرمایا گیا ہے، فبهدٰهم اقتده[2] اور واتبع سبیل من اناب الیّ[3]، اس کی تعمیل کے شائق کو بھی سہولت ہوگی۔ مسلسلات کے بہت سے فوائد و برکات کے باوجود ہمیں معلوم ہے کہ عام طبائع ان سے ایک طرح کی اُکتاہٹ محسوس کرتی ہیں۔ اس وجہ سے آئندہ کے لیے ارادہ یہ ہے کہ ایک ہی نمبر میں ختم ہو جانے والے مضامین مہیا کیے جائیں۔ مسلسل مضامین کو بھی الگ الگ عنوانات قائم کر کے دلچسپ اور مختصر بنایا جاسکتا ہے اور یہ کام ہمارے محترم مضمون نگاروں کے لیے نسبتاً سہل رہے گا اور قارئین کے لیے بھی مفید تر ثابت ہوگا۔ إن شاء اللہ۔

مینارِ روشنی | اس مہینے دفترِ امتِ مسلمہ کی طرف سے ایک ٹریکٹ "مینارِ روشنی" کے نام سے شائع ہوا ہے، جس کے تعارفی الفاظ سرورق پر اس طرح ثبت کیے گئے ہیں:

> "اگر آپ چاہتے ہیں کہ عقل کی گردن سے پنڈت، پادری اور مُلّا کی غلامی کا طوق اُتار کر کسی گہرے سمندر کی تہ میں پھینک دیا جائے، جہاں سے پھر کبھی نہ نکل سکے —— تو ان اوراق سے مشورہ لیں:
>
> کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے   پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو!"
> (اقبال)

یہ ٹریکٹ جناب میاں مہر بخش صاحب چغتائی نے اپنے صرفِ خاص سے ۴ ہزار کی تعداد میں چھپوا کر

---

[1] قلتِ گنجائش کے باعث "موضوعاتِ کبیر"، "قرآن اور حیاتیات" اور "تفسیر بیان للناس" کی قسطیں اس پرچے میں شامل نہیں ہوسکیں۔ إن شاء اللہ آئندہ پرچے میں یہ سب مضامین شامل کر دیے جائیں گے۔ (ایڈیٹر)
[2] انبیائے سلف کی ہدایت کا پیرو بن۔ [3] میری (یعنی خدا کی) طرف رجوع کرنے والوں کی راہ پر چل۔

مفت شائع کیا ہے۔ تمام احباب جو اسے تقسیم کرنا چاہیں (اور ضرور تقسیم کرنا چاہیے) محصول ڈاک کے لیے ٹکٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ اس میں "کفایتِ قرآن" کے کام کی اہمیت، رفتارِ اشاعت، روز افزوں قبولیت، تائیداتِ الٰہی اور مقصودِ امتِ مسلمہ پوری طرح واضح کیا گیا ہے۔

تصویرِ حال | یہ رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا اور معلوم نہیں، دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو چکا ہوگا کتنی بلندیاں پست اور کتنی روشنیاں تاریک ہو چکی ہوں گی۔ عالمِ اجسام ایک بے مثال انقلاب سے دوچار ہو رہا ہے۔ لیکن تازہ خبروں سے پایا جاتا ہے کہ عالمِ ارواح ابھی اسی لاادریت و لادینی کے عمیق گڑھے میں افتادہ ہے۔ پس سب دوائیں جس مریض کے علاج کے لیے نازل کی جا رہی ہیں، وہ ابھی تک اپنے مرض کا معترف بھی نہیں ہو سکا۔ ہندوستان کے مغربی نقال بھی اب تک اسی بادہ دوشینہ کے نشہ میں بدمست ہیں۔ قدرت کا جبار ہاتھ اپنی عظمت کا لوہا منوائے گا اور ضرور منوائے گا۔ اگر انسان کی سرکشی کو "ابدیت" کا ادعا ہے، تو قانونِ جزا کو درماندہ کرنے والی بھی کوئی قوت نہیں ہے۔ اگرچہ ہم اس وقت ایسے ماحول میں محصور ہیں، جو حقائق کی طرف سے بالکل اندھا ہو چکا ہے، لیکن فرداً فرداً بھی ہم پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں جس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے شاید آج سے زیادہ اہم وقت کبھی نہ آئے۔ ہمارے سامنے قرآن کھلا ہوا ہے۔ اس میں سے ایک لاتبدیل قانون کی آواز آ رہی ہے۔ لازم ہے کہ ہم اس کو تمام قوانین پر ترجیح دیں اور بیں راہ پردہ چلائے، چل پڑیں، ورنہ اس قانون کی ایک شق یہ بھی ہے: واتقوا فتنۃً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃً[1] ——

—— یا ارحم الراحمین نسئلک العفو والعافیۃ فی الدنیا والدین۔

ایڈیٹر کی مشکلات | ہر رسالے کے خریدار مختلف قابلیت اور متفاوت مذاق کے مالک ہوتے ہیں کسی ایڈیٹر یا مصنف کے لیے یہ قطعاً محال ہے کہ وہ سب کو خوش رکھ سکے۔ "البیان" کے بعض مضامین پر جہاں تعریف و تحسین سے معمور خطوط موصول ہوتے ہیں، وہاں ناپسندیدگی کی آواز بھی سننا پڑتی ہے۔ کوئی صاحب مضامین میں مذہبی یک رنگی چاہتے ہیں بعض دوسرے احباب اسے خشکی سے تعبیر کرتے ہیں اور تنوع کے طالب ہوتے ہیں بعض تراجم کی تاکید فرماتے ہیں، بعض تراجم سے متنفر ہیں۔ آخر کوئی بتائے کہ ہم سب کو کس طرح خوش کریں؟ یا ان میں سے کوئی ہماری جگہ ہو، تو کیا پالیسی اختیار کرے! لیکن ان مخالف و موافق آرا میں ہمیں کام کی باتیں بھی مل ہی جاتی ہیں، اس لیے ہم مجموعی طور پر اپنے نکتہ چینوں کے قدردان اور شکرگذار ہیں اور اس عیب گیری کے سلسلہ کو بند کرنا نہیں چاہتے —— خدا اس پر رحم کرے جس نے مجھے میرے عیب سے آگاہ کیا۔
(عرشی)

---

[1] اس فتنے سے ڈرو، جو صرف ظالموں ہی سے مختص نہیں ہے!

بخاری شریف کی چند احادیثِ مقدسہ

اصل متن از صحیح بخاری مطبوعہ ازہر (مصر) ۱۳۴۳ھ

ترجمہ اُردو: از سید عبدالدائم صاحب جلالی، بخاری۔ شائع کردہ رسالہ "مولوی" دہلی۔

ایک آیت کی تفسیر | عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موسی کان رجلا حییا ستیرا لا یری من جلدہ شیئ استحیاء منہ فاذاہ من اذاہ من بنی اسرائیل فقالوا ما یستتر ھذا التستر الا من عیب بجلدہ اما برص واما ادرۃ واما آفۃ وان اللہ اراد ان یبرئہ مما قالوا لموسی فخلا یوما وحدہ فوضع ثیابہ علی الحجر ثم اغتسل فلما فرغ اقبل الی ثیابہ لیاخذھا وان الحجر عدا بثوبہ فاخذ موسی عصاہ وطلب الحجر فجعل یقول ثوبی حجر ثوبی حجر حتی انتھی الی ملاء من بنی اسرائیل فرأوہ عریانا احسن ما خلق اللہ وأبرأہ مما یقولون وقام الحجر فاخذ ثوبہ فلبسہ وطفق بالحجر ضربا بعصاہ فواللہ ان بالحجر لندبا من اثر ضربہ ثلاثا او اربعا او خمسا فذلک قولہ یا ایھا الذین لا تکونوا کالذین آذوا موسی فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا۔ (بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۱۵۳)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، حضور والا نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ نہایت باحیا اور ستر کو چھپانے والے تھے۔ چوں کہ ان کے مزاج میں شرم تھی، اس لیے کوئی ان کے حصۂ بدن کو دیکھ نہ سکتا تھا، لیکن بعض موذی بنی اسرائیل نے ان کو ایذا پہنچائی اور کہنے لگے، یہ اس قدر پردہ صرف اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے۔ برص ہے یا بادخایہ ہے یا اور کوئی مرض، اس لیے خدائے تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ موسیٰ کو بنی اسرائیل کی افترا بندی سے بری کردے۔ چنانچہ ایک روز حضرت موسیٰ تنہائی میں غسل کرنے کھڑے ہوئے۔ کپڑے اتار کر پتھر پر رکھے اور خود غسل کرنے لگے۔ غسل سے فارغ ہو کر جب کپڑے لینے کے لیے بڑھے، تو پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ موسیٰ لاٹھی لے کر (برہنہ) پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے: او پتھر! میرے کپڑے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس تک پہنچ گئے۔ لوگوں نے ان کو برہنہ دیکھ لیا اور معائنہ کر لیا

کہ بہت ہی عمدہ ساخت کے آدمی ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے (اس ذریعہ سے) بنی اسرائیل کی افترابندی سے ان کو بری کردیا۔ بالآخر پتھر بھی رُک گیا۔ موسیٰؑ نے اپنے کپڑے بھی لے لیے اور پھر لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے حضورؐ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم، موسیٰؑ کے مارنے کی وجہ سے پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشان پڑ گئے تھے حضورؐ نے فرمایا: خدائے تعالیٰ کے مذکورہ ذیل قول کا یہی مطلب ہے یا ایھا الذین آمنوا لاتکونوا کالذین آذوا موسیٰ فبرأہ اللہ مما قالوا وکان عند اللہ وجیھا یعنی، اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنھوں نے موسیٰؑ کو اذیت دی تھی اور خدائے تعالیٰ نے ان کے قول سے موسیٰؑ کو بری کردیا تھا، کیوں کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ باآبرو تھے۔

۲۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات | عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال ارسل ملک الموت الی موسیٰ علیھما السلام فلما جاءہ صکہ فرجع الی ربہ فقال ارسلتنی الی عبد لایرید الموت قال ارجع الیہ فقل لہ لیضع یدہ علی متن ثور فلہ بما غطت یدہ بکل شعرۃ سنۃ قال ای رب ثم ماذا ثم الموت قال فالآن قال فسأل اللہ ان یدنیہ من الارض المقدسۃ رمیۃ بحجر قال ابوھریرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت ثم لأریتکم قبرہ الی جانب الطریق تحت الکثیب الاحمر۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۱۵۴)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ ملک الموت کو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا۔ ملک الموت نے جاکر کہا، اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ موسیٰؑ نے ملک الموت کی آنکھ پر گھونسا مارا، جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔ فرشتۂ موت خدائے تعالیٰ کے پاس واپس گیا اور عرض کیا، الٰہی! تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا، جو مرنا نہیں چاہتا۔ خدائے تعالیٰ نے ملک الموت کو دوبارہ آنکھ عطا فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ واپس جاکر ان سے کہو، اگر تو زندگی چاہتا ہے، تو اپنا ہاتھ بیل کی پُشت پر رکھ۔ جس قدر بال تیرے ہاتھ کے نیچے آئیں گے، اُتنے ہی سال کی تیری عمر ہوگی (ملک الموت نے موسیٰؑ کے پاس جاکر خدا کا حکم پہنچادیا) موسیٰؑ نے کہا، الٰہی! اس کے بعد کیا ہوگا؟ خدائے تعالیٰ نے فرمایا، موت۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا، تو پھر ابھی سہی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے دعا کی کہ مجھے بیت المقدس سے ایک پتھر پھینکنے کی مسافت تک قریب کردے (خدائے تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بیت المقدس کے پاس پہنچادیا) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو حضرت موسیٰؑ کی قبر بتائے دیتا ہوں۔ سرخ ٹیلے کے نیچے راستہ کے

کنارہ پرسے۔

۳ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ | عن ابی ھریرۃ لم یکذب ابراھیم الا ثلاث کذبات بینما ابراھیم مر بجبار ومعہ سارۃ فذکر الحدیث فاعطاھا ھاجر قالت کف اللہ ید الکافر واخدمنی آجر قال ابوھریرۃ فتلك امکم یابنی ماء السماء۔ (بخاری شریف جلد سوم ص۱۲۹)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے صرف تین جھوٹ بولے تھے۔ ایک بار تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک جابر بادشاہ کے ملک کی طرف سے گذر رہے تھے اور حضرت سارہ ہم راہ تھیں (اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا تھا) اور اس بادشاہ نے حضرت سارہ کو ہاجرہ دے دی تھی اور حضرت سارہ نے فرمایا تھا کہ اس کافر کی دراز دستی کو خدا نے روکا اور مجھے اس نے خدمت کے لیے ہاجرہ دے دی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث کے بیان کے بعد فرمایا کہ اے ماء السماء کی اولاد (یعنی عرب) یہی تمہاری ماں تھی۔

۴ حضرت ابراہیمؑ کی اپنے جھوٹ پر ندامت | عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوماً بلحم فقال ان اللہ یجمع یوم القیامۃ الاولین والآخرین فی صعید واحد فیسمعھم الداعی وینفذھم البصر وتدنو الشمس منھم فذکرحدیث الشفاعۃ فیأتون ابراھیم فیقولون أنت نبي اللہ وخلیلہ من الارض اشفع لنا الی ربك فیقول فذکر کذباتہ نفسی نفسی اذھبوا الی موسی (بخاری شریف جلد ۲ ص۱۴۰)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ ایک روز حضورؐ کی خدمت میں کچھ گوشت پیش کیا گیا آپؐ نے فرمایا کہ خدا اگلے پچھلے سب لوگوں کو ایک میدان میں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ اس وقت بلانے والے کا کلام ہر شخص سُنے گا اور ہر شخص تمام مجمع کو دیکھ سکے گا۔ آفتاب بہت قریب آجائے گا۔ اس کے بعد حضورؐ نے شفاعت کے متعلق حدیث بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے آپ خدا کے نبی ہیں۔ تمام ساکنانِ زمین سے آپ ہی اس کے خلیل ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے ہماری سفارش کر دیجیے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے جھوٹ کلاموں کو یاد کر کے کہیں گے: آج مجھے اپنی پڑی ہے، تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ۔

۵ حضرت ابراہیمؑ کا ختنہ | عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ بالقدوم (بخاری شریف جلد دوم ص۱۴)

حضرت ابو ہریرۃ رض کہتے ہیں، حضور گرامی ص نے ارشاد فرمایا کہ اسی برس کی عمر میں حضرت ابراہیم ع نے بسولے سے اپنا ختنہ کیا تھا (بعض لوگوں نے اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اسی برس کی عمر میں حضرت ابراہیم ع نے خود اپنا ختنہ مقام قدوم میں کیا تھا)

۶۔ **حضرت سلیمان ع** | عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال سلیمان بن داؤد لاطوفن اللیلۃ علی سبعین امراۃ تحمل کل امراۃ فارسا یجاھد فی سبیل اللہ فقال لہ صاحبہ ان شاء اللہ فلم یقل ولم تحمل شیئا الا واحدا ساقطا احدی شقیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو قالھا لجاھدوا فی سبیل اللہ۔

حضرت ابو ہریرہ رض کہتے ہیں، حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا، ایک بار سلیمان ع نے کہا کہ آج رات میں ستر عورتوں کا دورہ کروں گا اور ہر عورت حاملہ ہو کر ایک ایسا شاہ سوار پیدا کرے گی، جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ سلیمان ع کے ساتھی (یعنی فرشتہ) نے کہا، ان شاء اللہ کہو۔ لیکن حضرت سلیمان ع نے نہ کہا، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی۔ صرف ایک عورت کے آدھا بچہ پیدا ہوا۔ حضور اقدس صلعم نے فرمایا۔ اگر سلیمان ع ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب شہسوار پیدا ہوتے اور راہ خدا میں جہاد کرتے۔

۷۔ **حضرت آدم ع کا قد** | عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خلق اللہ آدم وطولہ ستون ذراعا۔ ثم قال اذھب فسلم علی اولئک من الملئکۃ فاستمع ما یحیونک تحیتک وتحیۃ ذریتک فقال السلام علیکم فقالوا السلام علیک ورحمۃ اللہ فزادوہ رحمۃ اللہ فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ آدم فلم یزل الخلق ینقص حتی الآن۔ (بخاری شریف جلد دوم ص۱۴)

حضرت ابو ہریرہ رض کہتے ہیں، حضور گرامی ص نے ارشاد فرمایا: جب خدائے تعالیٰ نے حضرت آدم ع کو پیدا کیا، تو ان کا قد ساٹھ ہاتھ تھا۔ پیدا کرنے کے بعد فرمایا، جاؤ، فرشتوں کی جماعت کو سلام کرو اور جو کچھ وہ جواب دیں، سن رکھو، کیوں کہ یہی سوال وجواب تمہارا اور تمہاری اولاد کا ہوگا۔ حضرت آدم ع نے جا کر کہا: السلام علیکم۔ فرشتوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ۔ گویا فرشتوں نے رحمۃ اللہ جواب میں زائد کہا۔ حضرت آدم ع کے بعد اب تک برابر قد چھوٹے ہوتے رہے۔ جو شخص جنت میں داخل ہوگا، وہ حضرت آدم ع

کی صورت پر (قد کے برابر) ہوگا

۸۔ موسموں کی تبدیلی | ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشتکت النار الی ربھا فقالت رب اکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف فاشد ما تجدون فی الحر واشد ما تجدون من الزمھریر۔

(بخاری شریف جلد دوم ص۱۳۰)

حضرت ابو ہریرہ رض کہتے ہیں، حضور اقدس صلعم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا، الٰہی میرا بعض حصہ بعض کو کھائے جاتا ہے خدائے تعالیٰ نے اس کو دو سانسیں لینے کا حکم دیا۔ ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔ چنانچہ بہت سخت گرمی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے (اور بہت سخت سردی بھی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے)

۹۔ بھیڑیا اور بیل کی باتیں | ان اباھریرۃ رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما راع فی غنمہ عدا علیہ الذئب فاخذ منھا شاۃ فطلبہ الراعی فالتفت الیہ الذئب فقال من لھا یوم السبع یوم لیس لھا راع غیری وبینا رجل یسوق بقرۃ قد حمل علیھا فالتفت الیہ فکلمتہ فقالت انی لم اخلق لھذا ولکن خلقت للحرث قال الناس سبحان اللہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانی اومن بذلک و ابوبکر وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنھما (بخاری شریف جلد دوم ص۱۷۹)

حضرت ابو ہریرہ رض کہتے ہیں، حضور صلعم نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ ایک چرواہا اپنی بکریوں میں موجود تھا۔ ایک بھیڑیے نے حملہ کیا اور ایک بکری کو پکڑ کرلے گیا۔ چرواہے نے پیچھا کیا۔ بھیڑیے نے گردن موڑ کر کہا، شکار کے دن جب کہ ان بکریوں کا سوا میرے کوئی رکھوالا نہ ہوگا، کون اس کی حفاظت کرے گا؟ یہ بھی حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی بیل پر بوجھ لادے ہانکتا جارہا تھا، بیل نے منہ پھیر کر اس سے کہا۔ میں اس لیے پیدا نہیں ہوا ہوں، بلکہ کھیتی کے کام کے لیے پیدا ہوا ہوں۔ لوگوں نے حضور صلعم کا یہ کلام سن کر کہا: سبحان اللہ! کہیں بیل بھی باتیں کرتے ہیں؟ حضور صلعم نے فرمایا: میں اور ابو بکر رض و عمر رض تو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۰۔ نمازوں کی تعداد کیسے متعین ہوئی | قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم عرج بی حتی ظھرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالک قال النبی صلی اللہ

علیہ وسلم ففرض اللّٰہ علی امتی خمسین صلاۃ فرجعت بذالک حتی مررت علی موسیٰ فقال ما فرض اللّٰہ لک علی امتک قلت فرض خمسین صلاۃ قال فارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک فرجعت فوضع شطرھا فرجعت الیہ فقال ارجع الی ربک فان امتک لا تطیق ذالک فراجعتہ فقال ھی خمس وھی خمسون لا یبدل القول لدیّ فرجعت الی موسیٰ فقال راجع ربک فقلت استحییت من ربی ثم انطلق بی حتی انتھی بی الی سدرۃ المنتھی وغشیھا الوان لا ادری ما ھی ثم ادخلت الجنۃ فاذا فیھا حبایل اللؤلؤ واذا ترابھا المسک (بخاری شریف جلد اول ص۵۰)

آں حضرت صلعم نے فرمایا، پھر مجھ کو ایک بلند مقام پر پہنچایا گیا جہاں میں نے قلموں سے لکھنے کی آواز سنی۔ ابن حزمؓ اور انسؓ کہتے ہیں، آں حضرتؐ نے فرمایا، میری امت پر خدا نے پچاس وقت کی نمازیں فرض کی تھیں، لیکن جب میں وہاں سے لوٹا، تو موسیٰ نے دریافت کیا، خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰؑ بولے کہ خدا کے پاس پھر جاؤ، کیوں کہ آپ کی امت میں اس کی قدرت نہیں ہے۔ میں واپس گیا، تو خدا نے نصف نمازیں کم کر دیں۔ میں لوٹ کر موسیٰؑ کے پاس آیا، تو موسیٰؑ نے پھر وہی اول باتیں کہیں میں مکرر خدائے تعالیٰ کے پاس گیا اور کچھ نمازیں اور کم ہو گئیں۔ میں نے موسیٰ سے آکر کہہ دیا۔ انھوں نے کہا، پھر واپس جاؤ، کیوں کہ تمھاری امت میں اتنی طاقت بھی نہیں ہے۔ میں پھر گیا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے پانچ نمازیں باقی رکھیں اور فرمایا، یہ (حکم میں اور ثواب میں) پچاس کے برابر ہیں، کیوں کہ ہمارے قول میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ میں موسیٰؑ کے پاس آیا، تو انھوں نے وہی پہلی بات کہی۔ میں نے کہا کہ اب مجھے شرم آتی ہے۔ اس کے بعد مجھے جبرائیل لے چلے، یہاں تک کہ میں سدرۃ المنتہیٰ پہنچ گیا اور وہ طرح طرح کے رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کی حقیقت میں نہیں جانتا۔ پھر میں جنت میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اس میں موتیوں کے گنبد ہیں اور اس کی مٹی مشک کی ہے۔

۱۱ حضرت عمرؓ کی فضیلت | ان ابا ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال بینا نحن عند رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذ قال بینا انا نائم رایتنی فی الجنۃ فاذا امرأۃ تتوضأ الی جانب قصر فقلت لمن ھذا القصر قالوا لعمر فذکرت غیرتہ فولیت مدبرا فبکی عمر وقال أعلیک أغار یا رسول اللّٰہ (بخاری شریف جلد دوم ص۱۰۴۱)

حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں، ایک بار ہم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے

کہ آپ نے فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور ایک عورت محل کے کنارے پر وضو کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا، یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا، عمرؓ کا۔ مجھے عمرؓ کی غیرت یاد آئی، اس لیے پشت پھیر کر لوٹ آیا۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر رونے لگے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا حضورؐ پر میں غیرت کروں گا؟

۱۲۔ گھر میں نماز | عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا قالت کنت انام بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجلای فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتهما قالت والبیوت یومئذ لیس فیہا مصابیح (بخاری شریف جلد اول ص۵۶)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں آں حضرتؐ کے سامنے سوتی تھی۔ میرے پاؤں آپؐ کے سجدہ کی جگہ پر ہوتے، جب آپؐ سجدہ کرتے، تو مجھے (ہاتھ وغیرہ سے) اشارہ کر دیتے اور میں پاؤں کھینچ لیتی اور جب آپؐ کھڑے ہو جاتے، تو میں دراز کر لیتی۔ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہیں ہوا کرتے تھے۔

۱۳۔ مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز | عن سہل قال کان رجال یصلون مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاقدی ازرهم علی اعناقهم کہیئة الصبیان وقال للنساء لا ترفعن رءوسکن حتی یستوی الرجال جلوسًا (بخاری شریف جلد اول ص۵۵)

سہل سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ کے ساتھ بعض لوگ لڑکوں کی طرح تہ بند گردن میں باندھ کر نماز پڑھا کرتے تھے اور عورتوں سے کہا جاتا تھا کہ جب تک مرد بالکل بیٹھ نہ جائیں[۵۱]، سر کو مت اٹھاؤ۔

۱۴۔ ایک اور آیت کی تفسیر | عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انکم محشورون حفاة عراة غرلا ثم قرأ کما بدأنا اول خلق نعیده وعدا علینا انا کنا فاعلین واول من یکسی یوم القیامة ابراهیم وان اناسا من اصحابی یؤخذ بهم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی فیقول انهم لم یزالوا مرتدین علی اعقابهم منذ فارقتهم فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم الی قوله الحکیم (بخاری شریف جلد دوم ص۱۱۲۵)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں، حضور اقدس صلعم نے ارشاد فرمایا، تم حشر کے دن ننگے پاؤں، ننگے سر بغیر ختنہ کے اٹھائے جاؤ گے۔ اس کے ثبوت میں حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کما بدأنا اول خلق

[۵۱] یعنی سجدہ کی حالت میں ان کا ستر کھل جاتا تھا، اس لیے عورتوں سے، جو پہلی صف میں ہوتی تھیں، ایسا فرمایا گیا تھا۔

نعیدہ وعداً علینا انا کنا فاعلین (یعنی جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا، ویسے ہی دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ وعدہ ہم پر لازم ہو چکا اور یہ کام ہم ضرور کریں گے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ارشاد فرمایا، سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ اُس روز میرے بعض صحابیوں کو بائیں جانب والی قطار کی طرف کھینچا جائے گا (یعنی، دوزخیوں کی قطار میں) مَیں کہوں گا، یہ تو میرے صحابی ہیں، یہ تو میرے صحابی ہیں۔ کھینچنے والا کہے گا۔ آپؐ کے جدا ہونے کے بعد یہ لوگ ایڑیوں کے بل (اسلام سے) لوٹ گئے تھے۔[۱] مَیں اس وقت وہی قول کہوں گا کہ جو اُس نیک بندے (عیسیٰ) نے کہا تھا: وکنت علیہم شھیدا ما دمت فیہم الخ، یعنی جب تک مَیں ان میں رہا، ان کا نگران رہا[۲] الخ

۱۵۔ لونڈیاں، عزل

ان ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ اخبرہ انہ بینما ھو جالس عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یا رسول اللہ انا نصیب سبیا فنحب الاثمان فکیف تری فی العزل فقال او انکم تفعلون ذلک لا علیکم ان لا تفعلوا ذلکم فانھا لیست نسمۃ کتب اللہ ان تخرج الا ھی خارجۃ (بخاری شریف جلد دوم صفحہ[۳])

حضرت ابوسعید خدریؓ نے خدمت والا میں عرض کیا کہ ہم کو قیدیوں میں باندیاں بھی ملتی ہیں اور ہم ان کی قیمت (فروخت کر کے) وصول کرنی چاہتے ہیں۔ اب اگر صحبت کے وقت عزل کریں، تو

---

[۱] مرتد کا ترجمہ ہے۔

[۲] سورہ مائدہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے اپنی اُمت سے کہا تھا کہ میری اور میری والدہ کی پرستش کرنا وہ عرض کریں گے کہ بارالٰہا! میں ایسی بات کیونکر کہہ سکتا تھا، میرے بعد ان لوگوں نے خود ہی یہ گمراہی اختیار کر لی۔ جب تک مَیں ان میں رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا۔ بعد کا مَیں ذمہ دار نہیں۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد صحابہ کبار میں سے کچھ (نعوذ باللہ) مرتد ہو گئے تھے، ان کے متعلق حضورؐ کہیں گے کہ جب تک مَیں اُن کے اندر رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا، بعد کا مَیں ذمہ دار نہیں۔

[۳] اس حدیث سے چار چیزیں ثابت ہیں:

۱۔ جنگ کی قیدی عورتوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔

۲۔ جب تک وہ عورتیں فروخت نہیں ہوتی تھیں، ان سے تعلقاتِ جنسی روا رکھے جاتے تھے۔

۳۔ اس ڈر سے کہ ان کی قیمت کم نہ ہو جائے، کوشش کی جاتی تھی کہ انھیں حمل نہ ٹھیرنے پائے۔

۴۔ اور خود نبی اکرمؐ نے ان امور کی اجازت دے رکھی تھی۔

کیا حکم ہے ؟ آپ نے فرمایا، کیا تم ایسا کر سکتے ہو؟ تم پر اس کا نہ کرنا واجب نہیں ہے کیوں کہ جو جان پیدا ہونا مقدر ہے، وہ ہو کر رہے گی (تمھاری تمام تدبیریں بے سود ہیں)

۱۶۔ ازواجِ مطہرات | حدثنا انس ابن مالک وقال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃ الواحدۃ من اللیل والنہار وھن احدی عشرۃ قال قلت لانس اوکان یطیقہ ؟ قال کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلاثین وقال سعید عن قتادۃ ان انساً حدثھم تسع نسوۃ (بخاری شریف جلد اول صفحہ ۴۱)

انس بن مالک سے روایت ہے کہ آں حضرت صلعم دن یا رات کی کسی ایک ساعت میں اپنی تمام عورتوں کا، جو گیارہ تھیں، دورہ فرمالیا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے انس سے دریافت کیا کہ کیا حضرت میں اتنی طاقت تھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ باہم یہ کہا کرتے تھے کہ آں جناب میں تیس مردوں کی طاقت تھی" اور سعید کی روایت میں جو قتادہ سے ہے، گیارہ کے بجائے نو عورتیں تھیں۔

۱۷۔ بیوہ اور ناکتخدا | عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قلت یارسول اللہ ارایت لو نزلت وادیاً فیہ شجرۃ قد اکل منہا ووجدت شجراً لم یوکل منہا فی ایہا کنت ترتع بعیرک ؟ قال فی التی لم ترتع منہا۔ اعنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یتزوج بکراً غیرھا (بخاری شریف، جلد سوم، صفحہ ۱۴۸)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بتائیے اگر آپ کسی وادی میں فروکش ہوں اور وہاں ایک درخت تو ایسا ہو جس کے پتے چرے گئے ہوں اور ایک درخت ایسا ہو جس کے پتے کسی نے (اپنے جانورکو) نہ چرائے ہوں، تو آپ اپنے اونٹ کو کس درخت پر چرائیں گے؟ فرمایا: میں وہ درخت چراؤں گا، جو کسی نے نہ چرایا ہو۔ اس سے مراد حضرت عائشہ کی یہ تھی کہ رسول اللہ نے اُن کے علاوہ کسی اور دوشیزہ سے نکاح نہیں کیا تھا۔

۱۸۔ حضرت صفیہ سے نکاح | عن انس ابن مالک رضی اللہ عنہ قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فلما فتح اللہ علیہ الحصن ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجہا وکانت عروساً فاصطفاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ فخرج بہا حتی بلغنا سد الصہباء حلت فبنی بہا ثم صنع حیساً فی نطع صغیر. ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آذن من حولک فکانت تلک ولیمۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علی صفیۃ ثم خرجنا الی المدینۃ قال فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحوی لہا وراءہ بعباءۃ یجلس عند بعیرہ فیضع رکبتہ فتضع صفیۃ رجلہا علی رکبتہ حتی ترکب (بخاری شریف جلد دوم ص۱)

حضرت انسؓ ابن مالک فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ خیبر کو تشریف لے گئے اور قلعہ فتح ہوگیا، تو آپ کے سامنے حضرت صفیہؓ بنت حیی کی خوب صورتی کا تذکرہ ہوا۔ حضرت صفیہؓ دلہن ہی تھیں کہ آپ کا شوہر جنگ میں مارا گیا۔ آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو اپنے لیے پسند فرمالیا اور ان کو لے کر چل دیے۔ جب مقام سدروحا میں پہنچے، تو حضرت صفیہ حیض سے پاک ہوئیں۔ حضورؐ نے اُن سے قربت کی اور صبح کو ایک چھوٹے سے دسترخوان پر حیس نامی کھانا تیار کرایا، پھر فرمایا، جو لوگ آس پاس ہوں، ان کو کھانے کی اطلاع دے دو۔ حضرت صفیہؓ کے نکاح کا بس یہی ولیمہ ہوا۔ اس کے بعد ہم مدینے کو چل دیے اور ہم نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے پیچھے چادر مبارک سے حضرت صفیہؓ کا پردہ کرتے تھے اور اونٹ کے پاس بیٹھ کر زانو مبارک نیچے رکھ دیتے اور حضرت صفیہؓ اپنا پاؤں اس پر رکھ کر سوار ہوتیں۔

۱۹۔ حضورؐ پر جادو | عن عائشۃؓ قالت سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللیث کتب الی ھشام انہ سمعہ ووعاہ عن ابیہ عن عائشۃ قالت سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی کان یخیل الیہ انہ یفعل الشئ وما یفعلہ حتی کان ذات یوم دعا ودعاثم قال أشعرت ان اللہ افتانی فیما فیہ شفائی اتانی رجلان فقعد احدھما عند رأسی والآخر عند رجلی۔ فقال احدھما للآخر۔ ما وجع الرجل قال مطبوب۔ قال ومن طبہ قال لبید ابن الاعصم قال فیما ذا۔ قال فی مشط ومشاقۃ وجف طلعۃ ذکر قال فاین ھو قال فی بئر ذروان فخرج الیہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم رجع فقال لعائشۃ حین رجع نخلہا کانہا رؤس الشیاطین فقلت استخرجتہ فقال لا اما انا فقد شفانی اللہ وخشیت ان یثیر ذالک علی الناس شرا ثم دفنت البئر (بخاری شریف جلد دوم ص۱۳۷)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا جادو کیا گیا تھا کہ آپ ایسا خیال کرتے تھے، میں نے فلاں کام کرلیا، حالاں کہ آپؐ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ ایک روز حضورؐ نے دعا کی، پھر دعا کی۔ دعا کے بعد مجھ سے فرمایا، عائشہؓ کیا تم کو معلوم ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے وہ حکم دیا جس میں میری صحت (مضمر) ہے میرے پاس (خواب میں) دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھا، دوسرا پائینتی۔ ایک دوسرے سے بولا، اس

شخص کو کیا بیماری ہے؟ اس نے کہا، اس پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلا شخص بولا، کس نے کیا ہے؟ دوسرے نے کہا، لبید ابن اعصم نے۔ پہلے نے پوچھا، کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا، کنگھی میں اور کنگھی سے جھڑے ہوئے بالوں میں اور نر کھجور کے غلاف میں۔ پہلا بولا، یہ چیزیں کہاں رکھی ہیں؟ دوسرا بولا، ذروان کے کنویں میں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ ذروان پر تشریف لے گئے اور لوٹ کر مجھ سے فرمایا کہ اس کنویں کے درخت کے کھجور شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں۔ میں نے عرض کیا، حضورؐ نے جادو کی چیز وہاں سے نکال ڈالی؟ فرمایا، نہیں، لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے صحت عطا فرما دی۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد وہ کنواں پاٹ دیا گیا۔

۴۰۔ **اونٹ کا پیشاب اور قتل کا طریقہ** | عن ابی قلابۃ عن انس قال قدم اناس من عکل او عرینۃ فاجتووا المدینۃ فامرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلقاح وان یشربوا من ابوالھا والبانھا فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستاقوا النعم وجاء الخبر فی اول النھار فبعث فی آثارھم فلما ارتفع النھار جیئ بھم۔ فامر فقطع ایدیھم وارجلھم وسمرت اعینھم والقوا فی الحرۃ یستسقون ولا یسقون قال ابو قلابۃ فھؤلاء سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانھم وحاربوا اللہ ورسولہ (بخاری شریف جلد اول ۳۶)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں قبیلہ عکل یا قبیلہ عرینہ کے کچھ آدمی حاضر ہوئے، مگر مدینہ کی ہوا ان کو موافق نہ آئی، لہٰذا حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ دودھ دینے والی ان اونٹنیوں کے پاس جا کر رہیں، جو اس وقت میدان میں چرتی تھیں اور ان کا پیشاب و دودھ پئیں۔ حسب الحکم وہ لوگ (وہاں) چلے گئے اور تن درست ہونے کے بعد مرتد ہو گئے۔ مسلمان چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ حضورؐ کو اس واقعہ کی اطلاع دن کے شروع حصہ میں ہوئی۔ آپؐ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے۔ دن چڑھے ہی پایا تھا کہ وہ لوگ حاضر کئے گئے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں میں سلائی پھیر کر پتھریلی زمین پر (دھوپ میں) ڈال دیا جائے اور کتنا ہی پانی مانگیں، پانی نہ دیا جائے۔ ابو قلابہ (راوی) کہتے ہیں کہ ان لوگوں (کے چند قصور تھے۔ انھوں) نے چوری کی، قتل کیا، مومن ہونے کے بعد کفر اختیار کیا اور خدا و رسولؐ سے جنگ کی۔

حدیث کے دو رُخ اور قرآن

(جناب مولانا تمنا عمادی مجیبی)

پہلا رُخ

قرآن پاک کا نزول جُمْلَةً وَّاحِدَةً نہیں ہوا یعنی ایک ہی بار پورا قرآن رسول اللہ صلعم پر نہیں اتار دیا گیا کہ آپ پورا قرآن امت کے سامنے پیش کر دیتے۔ کیوں؟ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ[1] تاکہ قرآن کو پوری طرح تمہارے دل نشین کر دیں[2]۔

رسول اللہ صلعم کی سب سے بڑی خدمت جو آپ کو من جانب اللہ تفویض کی گئی تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ نفوس تھی پچھلی دونوں خدمتوں کا ماخذ بھی کتاب اللہ ہی تھا اور ہے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ اصل الاصول وہی "تعلیم کتاب" ہی تھی۔ ظاہر ہے جب تک قرآن پوری طرح خود آپ کے "دل نشین" نہ ہو، اُس وقت تک آپ قرآن کو دوسروں کے دل نشین نہیں کرا سکتے تھے اور جب تک خود آپ کو قرآن کا صحیح علم نہ ہو۔ دوسروں کو قرآن کی صحیح تعلیم نہیں فرما سکتے تھے، اسی لیے جہاں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا[3] فرمایا گیا، وہاں اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ[4] بھی فرمایا گیا اور پھر وَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ[5] بھی ارشاد ہوا یعنی، رسول صلعم پر قرآن نازل فرمایا گیا۔ تو قرآن کا علم بھی رسول صلعم کو عطا ہوا اور قرآن ہی کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کا بھی حکم دیا گیا

تعلیم و تبلیغ کا فرق "تعلیم" و "تبلیغ" لفظاً معنیً، لغۃً اور محاورۃً ہر حیثیت سے دو چیزیں ہیں۔ "تبلیغ" کے معنی ہیں، فقط پہنچا دینا[6]۔ ڈاکیے کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ وہ بھیجنے والے کا خط مکتوب الیہ تک پہنچا دے۔

---

[1] سورہ فرقان۔ [2] "لنثبتہ فی فوادک" نہیں ہے (مدیر) [3] سورۂ دہر [4] سورۂ رحمٰن [5] سورۂ ق [5] یعنی قرآن اور قرآن کا علم دو الگ الگ چیزیں ہیں اور وہ بھی بہ لحاظ نزول یعنی جو؟ کیا وہ علم قرآن سے اندر نہیں؟ "انما انزلنٰہ لعلم اللہ" (مدیر) [6] نہیں حضرت! اس کا مفہوم اس سے وسیع تر ہے۔ اگر یہی ہے تو وما علینا الا البلاغ المبین کا کیا مطلب ہے؟ فانما علیک البلاغ کو کیا سمجھیں؟ علمائے لغت کے نزدیک بلاغ و تبلیغ ایک ہی چیز ہے: کما فی لسان العرب و مفردات راغب وغیرہ؛ اس کا مطلب ہے: الانتھاء الی اقصی المقصد والمنتھی الخ۔ خود قرآن مجید میں ہے قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً ہے اور فللہ الحجۃ البالغہ۔ حکمۃ بالغۃ فما تغنی النذر، یہاں النفس، حجت اور حکمۃ سے بلیغ و بالغہ کی تخصیص کیا معنی رکھتی ہے؟ یہ بھی یاد رہے کہ تمام لغت نویسوں نے "بلاغ" کے معنی "کفایت" بھی لکھے ہیں۔ (مدیر)

مجھ سے وہ خط پڑھا جائے گا یا نہیں، میری سمجھ میں آئے گا یا نہیں، مجھے اُس خط کے مضامین سے اتفاق ہوگا یا اختلاف، ان میں سے کسی بات سے بھی ڈاکیے کا کوئی تعلق نہیں، نہ وہ ان میں سے کسی بات کا ذمہ دار ہے، کیوں کہ اس کے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔

مگر اللہ تعالیٰ کے ایک رسول کا صرف یہی کام نہیں کہ وہ اس کے بندوں تک محض اس کی کتاب پہنچا دے اور بس۔ بندے سمجھیں یا نہ سمجھیں، غلط سمجھیں یا صحیح سمجھیں، ان باتوں سے اس رسول کا کوئی سروکار نہ ہو، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ آیاتِ کتاب کے صحیح معنی و مفہوم کی تعلیم بھی اس رسول کا فرض ہے، اور فقط تعلیم ہی نہیں، بلکہ اُس تعلیم کے مطابق خود عمل کرکے دکھا دینا اور اپنی نگاہوں کے سامنے پوری نگہداشت کے ساتھ مبعوث الیہم یعنی اپنی اُمت سے عمل کرا دینا، اس حد تک کہ پھر وہ صحیح تعلیم کو بھولنے نہ پائیں، یہ بھی اُسی رسول کا فریضہ ہے۔

کفایتِ قرآن | بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے اور بہت صحیح ارشاد ہے: اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ الآیہ [1] یعنی یہ کتاب (قرآن) جو اُن کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے، ہم نے اس کو اے رسول تجھ پر جو نازل کردی ہے، کیا یہ اُن کے لیے کافی نہیں ہے؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتاب انسان کی تمام دینی و دنیوی ضروریات سے متعلق ساری ہدایات اپنی آغوشِ تعلیم میں رکھتی ہے اور اسی اعتبار سے فرمایا گیا ہے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ [2] یعنی اس کتاب کو ہم نے ہر بات کے بیان کر دینے کے لیے (اے رسول!) تجھ پہ اتارا اور ارشاد ہوا: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ [3] یعنی اس کتاب میں ہم نے کوئی کمی نہیں چھوڑی، اس لیے بے شک یہ کتاب مبین اپنے مفہوم کے ادا کرنے میں، اپنے ارشادات کے بیان کر دینے میں اور ہدایات کی احاطت و تکمیل میں ہرگز ہرگز کسی بیرونی اضافے کی محتاج تو کیا متحمل تک نہیں۔

لیکن انسانوں کے طبائع و رجحانات کا تنوع، ان کے فہم و عقل کے مدارج کا اختلاف اور پھر نفسانی خواہشوں اور ذاتی غرضوں کی کشاکش سے کیا یہ امید ایک لمحہ کے لیے بھی کی جا سکتی ہے کہ اگر یہی کتاب مبین جُمْلَةً وَّاحِدَةً پوری کی پوری صرف ان کو دے دی جاتی اور معلم کتاب، ان کو اس کتاب مبین کے ساتھ نہ ملتا، تو سارے مہاجرین و انصار ہر آیت کا ایک ہی مفہوم سمجھتے اور ہر حکم کو ایک ہی طرح

---

[1] عنکبوت　[2] نحل　[3] انعام

بجالاتے؟ اور ان میں کسی طرح کا اختلاف نہ ہوتا؟ وہ اختلافات جو ڈھائی سو برس بعد سے شروع ہوئے، ان سے کہیں زیادہ اُسی وقت خود مہاجرین و انصار میں پیدا ہو جاتے اور ہر شخص کا مذہب اس کی سمجھ، ہر شخص کا دین اس کی عقل ہو کر رہ جاتی اور ایسی طوائف الادیانی اسلام میں خود عہد نبوی میں پیدا ہو جاتی کہ رسولؐ کا مذہب کچھ ہوتا، ابوبکرؓ کا مذہب کچھ، عمرؓ کا دین کچھ، عثمانؓ کا دین کچھ، علیؓ کا اسلام کچھ ہوتا اور عباسؓ کا اسلام کچھ۔[1]

اس لیے اس کا فرق سمجھنے کی ضرورت ہے کہ قرآن مبین اپنے بیان مفہوم میں کسی کمی یا نقص یا اجمال کی وجہ سے (نعوذ باللہ) کسی کی توضیح و تشریح و تفصیل کا محتاج نہیں، بلکہ انسان اپنے تنوع طبائع اور اختلاف مدارج عقل اور انتشار رجحانات کی وجہ سے اور پھر اپنے جہل اور اپنی کمی علم کی وجہ سے قرآن پاک کے صحیح معانی و مطالب کے سمجھنے میں ایک من جانب اللہ معلم کے محتاج تھے اور ہیں، تاکہ قرآن مبین کو سمجھیں، تو اُسی من جانب اللہ معلم کی تعلیم و تبیین کے مطابق اور اپنے آپس کے سارے اختلافات کا فیصلہ اُسی معلم و مبیّن کی تعلیم و تبیین کے مطابق قرآن مبین سے کر لیا کریں۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ[2] لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝[3] یعنی (اے رسول!) اس قرآن کو ہم نے تمہاری طرف اس لیے اتارا کہ تم اُس چیز کو جو لوگوں کی طرف اتاری گئی ہے، اُن کے لیے واضح کردو (بیّن الشیئ اوضحہ) اور تاکہ وہ (خود بھی) غور و فکر سے کام لیں اور فرمایا گیا وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝[4] یعنی، ہم نے اس کتاب کو تو اسی لیے اتارا ہے کہ جو لوگ باہم اختلاف رکھتے ہیں، اس مختلف فیہ بات کا تم (اے رسول! اس کتاب کی رو سے) واضح (فیصلہ)

---

[1] بے شک معلم کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کتاب کی، لیکن اس کو یہاں تک نہ کھینچیے کہ کتاب بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے اور متکلم جل ذکرہ اتنا قاصر البیان ثابت ہو کہ معاذ اللہ —— آخر انسانی کتابیں بھی تو بغیر معلموں کے شائع و ذائع ہوتی ہی ہیں اور ان کے مفاہیم بھی عموماً متعین ہی ہوتے ہیں۔ طب، صرف و نحو، جغرافیہ، ہیئت وغیرہ کو دیکھیے۔ کیا ہر ہر شخص ان کو الگ الگ سمجھتا ہے؟ وہاں بھی تو انتشار رجحانات کا عذر موجود ہے، پھر متکلم قرآن جل ثناءہ کی قوت بیانیہ کے متعلق اتنی بدگمانی کیوں؟ (مدیر)

[2] لتبیین کی خصوصیت بھی خود ساختہ ہے۔ کما قال فی اھل الکتٰب "لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ" اور قرآن خود بیان ہے "ھٰذا بیان للناس" یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کو اپنے ذمے لیا ہے "علینا بیانہ"۔ آپ کی پیش کردہ آیات میں پہلی آیت میں لتبیین سے پہلے الذکر اور دوسری میں الکتٰب ہے یعنی، ذکر یا کتاب کی مدد سے تعیین کرو، اُن اختلافات سے متعلق جو نزول کتاب سے پہلے اہل کتاب وغیرہ میں رائج ہو چکے تھے (مدیر)

[3] نحل [4] منجد [5] نحل

کردو اور ہم نے اس کتاب کو ایمان دار قوم کے لیے ہدایت و رحمت بنا کر اُتارا۔

غرض یہ کہ انسانوں کو جس طرح ہر دینی و دُنیوی ہدایت کے لیے کتاب اللہ یعنی اس قرآن مبین کی ضرورت تھی اور ہے، اسی طرح اس کتاب کے ایک من جانب اللہ مُعلّم و مُبیّن کی بھی ضرورت تھی اور ہے۔ جس طرح کوئی ہدایت خواہ انسان قرآن مبین سے مستغنی نہیں ہو سکتا، بالکل اسی طرح وہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم کتاب و تبیینِ قرآن سے بھی مستغنی نہیں ہو سکتا[1]۔ جس نے "الاکتفا بالقرآن" کے یہ معنی سمجھ رکھے ہیں کہ وہ تعلیم و تبیینِ رسول سے مستغنی ہو کر اپنی عقل اور اپنی سمجھ سے جو کچھ مفہوم قرآن بطورِ خود سمجھ لے۔ اسی پر اکتفا کرے، تو وہ ہرگز ہرگز قرآن مبین پر اکتفا نہیں کر رہا ہے، بلکہ اپنی عقلِ ناقص اور فہمِ قاصر پر اکتفا کر رہا ہے۔ وَشَتَّانَ بَيْنَهُمَا۔

تعلیم و تبیینِ رسول صلعم | باقی رہا یہ سوال کہ تعلیم و تبیینِ رسول صلعم کیا تھی اور کس طرح تھی اور وہ اُمت کو کس طرح ملی اور آج ہمیں کس طرح مل سکتی ہے؟ یہی سب سے بڑا اہم سوال ہے اور آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔

مگر قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب دوں، مجھ کو اُن بزرگوں پر اظہارِ تعجب کرنے دیجیے؛ جو قرآن پاک کو رسول صلعم کی تعلیم و تبیین سے تو مستغنی قرار دیتے ہوئے اس کی مطلقاً ضرورت نہیں سمجھتے[2] کہ کبھی اس پر بھی غور کریں کہ آخر رسول صلعم اس آیت کے کیا معنی سمجھتے تھے اور صحابہ رضؓ کو آپ نے کیا سمجھایا تھا؟ خود اپنی تعلیم و تبیین کی اشاعت اور اس کو دوسروں سے منوانے کے لیے ایڑی سے لے کر چوٹی تک زور لگاتے رہتے ہیں۔

مثلاً اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ[3] کا حکم قرآن پاک میں آیا ہے۔ تو ان کے نزدیک یہ دریافت کرنا کہ رسول صلعم خود "اقامتِ صلوٰۃ" کے کیا معنی سمجھتے تھے؟ صحابہ رضؓ کو کیا سمجھایا تھا؟ خود کیوں کر اس حکم کی تعمیل کی تھی؟ دوسروں کو اس حکم کی تعمیل کا کیا طریقہ بتایا تھا؟ ان باتوں کی جستجو اور دریافت تو قطعاً حرام اور ناجائز، مگر یہ جو "اقامت" اور "صلوٰۃ" کی تشریح کریں۔ یہ جو معانی بیان کریں، وہ سب واجب الایمان اور جو ان کے

---

[1] بقولِ جناب "قرآنِ مبین" اور آں حضرتؐ کی تعلیم و تبیین کتاب اس لحاظ سے یکساں ہیں کہ کوئی ہدایت خواہ انسان ان دونوں سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیا آں حضرت صلعم نے آپ کی طرح اس ضرورت کا احساس فرمایا تھا اور اُمت کو یکساں حفاظت کے ساتھ یہ دونوں چیزیں پہنچادی تھیں؟ لاتکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ اور دوسری ایسی ہی احادیث کو بھی سامنے رکھیں (مدیر) [2] ہم تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر اُس چیز سے مستفید ہونا اپنی سعادت سمجھتے ہیں، جو فہم قرآن میں ممد ہو۔ وہ حدیث ہو یا تفسیر، لغت ہو یا شعرِ عرب وغیرہ (مدیر) [3] کیا اقامتِ صلوٰۃ زمانہ نزولِ قرآن کی ایجاد ہے یا انبیائے سابقین بھی اس راز سے واقف تھے؟ قرآن سے جواب دیں! (مدیر)

بیان کردہ تصریحات کو نہ مانے، وہ گم راہ!

اگر کوئی رسول اللہ صلعم کی ارشاد فرمودہ تعلیم و تبیین کتاب کی روایت کرے، وہ سرے سے ناقابل اعتبار اور کذب و افترا، مگر جو شخص مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم و مغفور اور مولانا احمد الدین مرحوم و مغفور[1] وغیرہما کی تشریحات و توضیحات کی نقل یا روایت کرے تو وہ بالکل صحیح اور قابل اعتبار:

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

بہ ہر حال، ہم اس اہم سوال کا جواب دیتے ہوئے نہایت صفائی اور پوری طمانیت قلب و جرأت ایمانی کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی تعلیم و تبیین کتاب کا ایک معقول اور غیر مشتبہ اور قطعی و یقینی حصہ تو ہمیں قرآن پاک ہی میں مل جاتا ہے اور باقی حصہ ہمیں روایات ہی کے ذریعہ ملتا ہے، اس لیے ہم روایات سے بالکل مستغنی نہیں ہو سکتے[2]۔ و اکماتبہ:

چارہ نہیں ہر چند روایت کے بغیر | مانو نہ روایت کو درایت کے بغیر
تقلید ہے رات اور تحقیق ہے شمع | شب کو نہ چلو شمع ہدایت کے بغیر

روایت ظنی ہے یا قطعی | کہا جاتا ہے کہ ہر روایت ظنی ہے اور قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا، یعنی حق و یقین کے مقابل ظن و گمان کچھ کام نہیں دے سکتا، اس لیے ان روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس قول میں دعویٰ اور دلیل دونوں محل نظر ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ "ہر روایت ظنی ہے" اس دعوے کے متعلق غور کرنا ہے کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ جب رسول صلعم کو تعلیم و تبیین قرآن کا حکم تھا، تو آپ نے یقیناً تعلیم و تبیین فرمائی اور قرآن پاک کے بعض مضامین کی تشریح اپنے الفاظ میں ضرور فرمائی اور تمام احکام کی تعمیل بھی ضرور کی۔ صحابہ رضہ کو تعمیل احکام کے طریقے ضرور بتائے۔ صحابہ رضہ کا تعامل احکام قرآنیہ کے متعلق عہد نبوی میں ضرور رہا۔ یہ سارے واقعات یقیناً قطعی اور یقینی ہیں، جن میں بعض کی

---

[1] کون نا سمجھ مولانا کی تشریح قرآن کو قرآن کے ساتھ مثلہ معہٗ "بالکل صحیح" سمجھتا ہے؟ (مدیر)

[2] محترما! ہم قرآن سمجھنے کے لیے کسی علم سے بھی مستغنی نہیں ہو سکتے۔ وہ تاریخ ہو یا جغرافیہ، ہیئت ہو یا طبقات الارض لیکن قرآن کے سوا کوئی اور علم وحی معصوم کا مرتبہ نہیں رکھتا۔ (مدیر)

تفصیلی اور سب کی اجمالی شہادت قرآنِ پاک خود دے رہا ہے۔

اب اُن واقعاتِ قطعیہ کا علم بعد والوں کو یقیناً عہدِ نبوی کے لوگوں سے یعنی صحابہ رضؓ سے سُن کر ہی ممکن ہے۔ اس کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ نہیں۔ صحابہؓ اُن واقعات کو لکھ کر بعد والوں کے سامنے پیش کر دیتے، جب بھی روایت ہی ہوتی، زبانی کہا، جب بھی روایت ہوئی، اسی طرح جس طرح وہ واقعات صحابہ کے توسط سے تابعین کو ملے، بالکل اسی طرح تابعین سے تبع تابعین کو۔

صحابہ رضؓ کی عدالت و صداقت کی شہادت تو صرف قرآنِ پاک سے ثابت ہے انھیں کی شان میں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ آیا[1]، یعنی، یہ اللہ سے راضی ہیں اور اللہ ان سے اور فرمایا گیا، ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ[2]، یعنی اللہ تعالیٰ نے (اے رسولؐ کے ساتھیو!) ایمان کو تمھارا محبوب بنا دیا اور اسے تمھارے دلوں میں مزیّن کر دیا اور کفر و بدکاری و گناہ کو ایسا بنا دیا کہ تمھیں ان سے کراہت ہونے لگی۔ پھر مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے أَجْرًا عَظِيمًا[3] تک پڑھ جائیے۔ پھر سورۂ احزاب میں وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا سے لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ تک تلاوت کر جائیے۔ غرض یہ کہ صحابۂ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم اجمعین کی مدح و ثناء سے اس قرآنِ ناطق کو بہت زیادہ تر زبان پائیں گے۔ باقی رہے وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ، تو ان کے لیے بھی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ضمن وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وہیں پر موجود ہے[4]۔

غرض یہ ہے کہ ہر روایت اپنی اصلیت کے اعتبار سے اگر وہ قرآنِ پاک کی مخالف نہیں، تو قطعی الاصل ہو سکتی ہے، کیوں کہ جنسِ واقعات کا وجود قطعی، جنسِ روایت کا وجود قطعی، مگر افرادِ روایت یعنی یہ روایت اور وہ روایت قطعی نہیں، کیوں کہ ہم تک یا جامع روایات تک قطعی ذرائع سے نہیں پہنچتی، اس لیے ہر روایت قطعی الاصل ہو سکتی ہے، مگر چوں کہ ہم تک ظنی ذرائع و وسائط سے پہنچتی ہے، اس لیے ہمارے لیے ظنی ہے۔ مگر یہی روایت صحابہ کے لیے ظنی نہ تھی[5] اور تابعین کے لیے بھی ظنی نہ تھی خصوصاً جب روایت کو کسی تابعی نے

---

[1] مائدہ [2] حجرات [3] فتح [4] یہ بالکل صحیح ہے لیکن حصر نہیں کہ اس وقت کے سب مسلمان انھیں صفات سے متصف تھے جہاد میں کم زوری دکھانے والے، آپ پر غلّ کا گمان کرنے والے [illegible] اور اذا رأوا تجارة او لهوا انفضوا اليها وتركوك قائما وغیرہ ذلک من الآیات کے مرتکب بھی مدینۃ النبیؐ ہی میں موجود تھے اور ایسے لوگوں کے ماتھے پر کوئی نشان نہیں تھا کہ ان کی روایت قبول نہ کی جاتی۔ (مدیر)

[5] اگر ظنی نہ تھیں، تو جناب عمرؓ و علیؓ وغیرہما راویوں سے قسمیں کیوں اُٹھواتے تھے، گواہ کیوں طلب کرتے تھے؟ جیسا کہ آگے چل کر آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ (مدیر)

مہاجرین و انصار میں سے کسی سے سُنا ہو، اس لیے یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ہر روایت بشرطیکہ مخالف قرآن پاک نہ ہو، قطعی لذاتہا ہو سکتی ہے، مگر اس وقت ہمارے سامنے ظنی بغیرہا ہو کر آگئی ہے، اس لیے اس کی لذاتہا قطعیت کے امکان سے بالکل بے اعتنائی نہیں برتی جاسکتی اور عام طور سے ہر روایت کو ظنی کہہ کر ٹھکرا نہیں دیا جاسکتا ہے۔[۱]

اسی طرح دلیل میں جو اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا کو پیش کیا جاتا ہے، تو اس آیت کے مفہوم صحیح کے سمجھنے میں بھی دھوکا کھایا جاتا ہے۔ یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ جب ظن کا مقابلہ حق سے ہو تو حق یعنی یقینی بات کے مقابل ظنی بات کچھ کام نہیں دے سکتی۔ اسی آیت کریمہ کے مطابق میں نے اپنی اس تحریر میں جہاں بھی کسی روایت کی طرف اشارہ کیا، تو پہلی شرط مطابقت قرآن یعنی عدم مخالفتِ کتاب اللہ کی لگا دی، کیوں کہ قرآن پاک ہر حیثیت سے قطعی ہے، کسی حیثیت سے بھی ظنی نہیں اور روایت صرف اسی حیثیت سے قطعی ہے کہ جنس روایت کا وجود قطعی ہے، مگر کسی فرد روایت کی قطعیت قطعی نہیں، بلکہ بوجہ امکان کے یہ بھی ظنی ہے، کیوں کہ ذرائع و وسائط اس کے ہم تک پہنچنے کے ظنی ہیں، تو جو روایت بھی قرآن پاک کے مطابق نہ ہو، بلکہ مخالف ہو، وہ قرآن پاک کے مقابل یقیناً ٹھکرا دینے ہی کے قابل ہے۔[۲]

مگر جو روایت قرآن پاک کے مطابق ہو، قرآن پاک کی تبیین و توضیح کر رہی ہو، قرآن پاک کی تعلیم ہو، وہ تو کسی حق سے متصادم نہیں، پھر اس کو لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا کا مصداق کہہ کر کیوں ٹھکرایا جائے گا؟ اگر اپنی سمجھ اور اپنی اُپج ہی کو حق قرار دے دیا جائے، جب تو جتنی عقل اتنی ہی سمجھ اور پھر اتنی ہی اُپج۔ اب کس کس کو حق قرار دیں گے؟

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ[۳] الآیہ۔ اس آیہ کریمہ کے مخاطب اولیٰ اگرچہ صحابہ کرام ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)، مگر جب یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر تمام مومنین سے کہا جا رہا ہے کہ اپنی آواز رسول صلعم کی آواز پر بلند نہ کرو، تو کیا کسی مسلمان کے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ جس مسئلہ میں رسول اللہ صلعم کا ارشاد گرامی ایک شخص بیان کر رہا ہے، کوئی مسلمان بھی اس کی طرف سے بے اعتنائی

---

۱ اس کا فیصلہ کون کرے؟ ——— اور کیا پھر وہ وحی بن جائے گی؟ بس یہی راہ ہے جس سے شیعوں کی وحی خفی الگ ہو گئی، سُنیوں کی الگ۔ (علم جرا دمدیر) ۲ یہ صحیح ہے (مدیر) ۳ یہ حل ہے اس چیز کا جس سے کوئی ہدایت خواہ انسان مستغنی نہیں ہو سکتا (مدیر)، ۴ حجرات۔

جرأت کر اس کے خلاف اپنی رائے ظاہر کرنے کی ہمت کرے؟ حاشا وکلا! کسی مسلمان سے یہ نہیں ہو سکتا[1]

اتنا ضرور ہے کہ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ جب اکثر راویانِ حدیث مجروح اور منسوب بہ کذب و وضع ہیں، تو اِذَا جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا[2] کے مطابق پہلے تحقیق کرے کہ آیا واقعی یہ ارشادِ رسول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے، تو ہے یا نہیں؟ بُعدِ زمانہ کی وجہ سے اگر قطعیت کے ساتھ اس قول کے ارشادِ رسولؐ ہونے کا یقین نہیں ہو سکتا ہے، تو اسی طرح اگر وہ قول مخالفِ قرآن نہیں ہے اور تعلیم و تبیینِ کتاب ہو سکتا ہے تو اس کے ارشادِ رسول صلعم نہیں ہونے پر بھی قطعی حکم نہیں لگایا جا سکتا، بلکہ مطابقِ قرآن ہونے کی وجہ سے زیادہ گمان اور ظنِ غالب اس کے قولِ رسول ہی ہونے کا کیا جائے گا اور یقیناً اس کے خلاف اظہارِ رائے اور عمل رَفْعُ الصَّوْتِ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ہو جائے گا، جس کی وجہ سے حبطِ عمل کا خطرۂ عظیم ہے

اہمیتِ نسبت اس کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا ہر مسلم کا فرض ہے کہ قرآن پاک کی کسی آیت کے ایک معنی جو قرآن پاک کے بالکل موافق، سیاق و سباق کے مطابق ہیں، رسول اللہ صلعم کے بیان کردہ کہے جاتے ہیں اور دوسرے معنی جو بالفرض اسی درجے کے ہیں، یعنی، قرآن کے موافق اور سیاق کے مطابق ہی ہیں، مگر اس قولِ منسوب بہ رسول صلعم کے مخالف یا مغائر ہیں، تو لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ والی آیت کے رو سے اس کو معنی منسوب بہ رسول صلعم کے مقابل اپنے معنی بیان کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں اگر اس کے بیان کردہ معنی موافقتِ قرآن و مطابقتِ سیاق و سباق میں ترجیح رکھتے ہیں، جو دوسرے صاحبانِ بصیرت کے نزدیک بھی مرجح ہوں، تو یقیناً اُس قولِ مرجوح کی نسبت ہی رسول صلعم کی طرف غلط سمجھی جائے گی۔ اور وہ روایت غلط ہوگی اور غلط سمجھی جائے گی؛ اس لیے اس روایت کو اس وجہ سے غلط قرار دے کر اپنا فہمیدہ مطلب بیان کرنا اس آیت کا مصداق نہ ہوگا[3]

اتنی تشریح و توضیح سے روایت کی ضرورت اور روایت کی اہمیت (بشرطیکہ وہ روایت قرآن کے خلاف نہ ہو) ایک عقلِ سلیم کے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ اب میں تصویر کا ایک رُخ دکھا چکا، اب دوسرا رُخ ملاحظہ ہو!

---

[1] یہاں آپ صَوْت (آواز) کو کھینچ کر کہاں سے کہاں لے گئے؟ اگر یہی مطلب ہے کہ آپ سے اختلافِ رائے نہ کیا جائے، تو شاورھم فی الامر کی تعمیل کیوں کر ہوگی؟ آپ کے مضمون میں یہ باتیں پڑھ رہا ہوں اور تعجب ہو رہا ہے۔ شاید لاتفعل علی احد، لم تحرم ما احل اللہ، قد سمع اللہ قول التی الخ وغیرہ آیات کے حدیثی و تفسیری بیانات اس وقت آپ کے سامنے نہیں، (مدیر)، [2] حجرات [3] یہ عجیب معیار غالباً تنہا آپ کا مجوزہ ہے۔ (مدیر)

تصویر پر روایات کا دوسرا رُخ

اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین تقریباً تئیس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور علماً و عملاً دین کی ساری باتیں قولاً وفعلاً سیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ تعامل کے ذریعے تمام صحابہ میں دین کلاً وجزواً ہر طرح مروّج ہوگیا اور اس وقت سارے مسلمان ہدایت قرآن پاک وتعلیم وتبیین رسول صلعم کے مطابق دین پر چلنے لگے اور چل رہے تھے۔ اب جب کہ رسول صلعم اپنا فرض انجام دے چکے اور اپنا کام پورا کر چکے، تو اس عالم سے تشریف لے گئے۔ کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

آپ کے بعد آپ کی تعلیم وتبیین کے مطابق تمام صحابہ قرآن پاک پر عمل کر رہے تھے۔ عقائد وعبادات میں کسی قیاس واجتہاد واختراع واحداث کی ضرورت نہ تھی، کیوں کہ رسول صلعم کا فریضۂ اولین یہی تھا کہ عقائد وعبادات جو "دین لذاتہا" ہیں، یعنی بلاواسطہ نجاتِ آخرت کے لیے ان کی پابندی اختیار کی جاتی ہے اور محض ابتغاءً لمرضاۃ اللہ ہی ان کا پابند ہونا پڑتا ہے۔ کسی اور نیت سے ان کی پابندی جائز نہیں اور جن کا علم صحیح بغیر تعلیم کتاب ورسول کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن رُّسُلِهِ مَن يَشَاءُ[1] یعنی، اللہ تم میں سے کسی کو بھی عالمِ غیب کے حالات سے مطلع کرنے والا نہیں، البتہ اللہ اپنے رسولوں میں سے اس کے لیے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر رسول صلعم کے بعد صحابہ رض کے پاس کوئی ذریعہ علم آخرت کے نفع ونقصان سے متعلق (بجز اُس قدر کے جتنا بھر قرآن میں مذکور تھا یا رسول صلعم سے معلوم ہُوا تھا) نہ تھا پھر وہ ایسی باتیں جن کا تعلق صرف معادِ آخرت سے ہے، کیوں کر قیاس واجتہاد کرسکتے تھے اور کس طرح کوئی احداث واختراع فرماسکتے تھے؟

البتہ حقوق ومعاملات جو "دین لغیرہا"[2] ہیں، یعنی اگر ابتغاءً لمرضاۃ اللہ ان کی نگہداشت حسب قانونِ قرآنی کی جائے، جب تو دین میں مفید ہوں گے، اور نہ اگر یہ نیت نہیں ہے، جب بھی اگر قانون قرآنی کے مطابق ان کی نگہداشت رکھی گئی، تو چاہے جس نیت سے بھی ہو (بشرطیکہ وہ نیت

---

[1] آل عمران ۱۷۹
[2] یہ "دین لذاتہا" اور "دین لغیرہا" محتاج سند ہے۔ (مدیر)

خود بذاتہا حرام نہ ہو) دنیاوی اعتبار سے کارِ خیر ہی ہے اور اس کے متعلق کوئی بازپرس نہیں۔ غرض یہ کہ حقوق و معاملات میں آئے دن شخصی واقعات ایسے ایسے آئیں گے اور آتے رہیں گے کہ ہر واقعہ کی جزئیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بالکل مطابق کوئی آیت یا کوئی تعلیم نبوی کی جستجو یقیناً محال عقلی ہے۔ اس لیے ضرورت قیاس و اجتہاد کی پڑے گی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو معاملات کے فیصلہ کرنے میں قیاس و اجتہاد کی ضرورت پڑی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی صحابی نے خلیفۂ وقت سے کہا کہ اسی قسم کا معاملہ میری موجودگی میں رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش ہوا تھا، تو آپ نے اس وقت یہ فیصلہ دیا تھا۔ اگر وہ روایت قرآن پاک کے خلاف نہ ہوئی، تو خلیفۂ وقت نے پوچھا کہ تمہارے اس بیان کے گواہ بھی ہیں؟ اگر وہ دو گواہ دوسرے دو صحابیوں کو لے آیا، تو اس کی بات مان لی گئی، یا خلیفۂ وقت کو اس کے بیان سے قرآن پاک کی کوئی آیت بھی سند میں یاد آگئی یا کسی دوسرے صحابی نے یاد دلا دی تو اب ضرورت گواہی کی کیا رہی، ورنہ اگر وہ گواہ نہ لا سکے، تو پھر اس بیان کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے خلیفہ نے اپنے قیاس و اجتہاد سے کام لیا۔

اور اگر اس صحابی کا وہ قول قرآن کے خلاف نظر آیا، تو حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی طرح صاف کہہ دیا کہ لَا نَتْرُكُ كِتٰبَ رَبِّنَا بِقَوْلِ اَعْرَابِیٍّ، یعنی، ہم اپنے رب کی کتاب کو ایک بدو کے کہنے کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ وہ بدو جھوٹا ہو سکتا ہے، مگر کتاب اللہ چھوڑی نہیں جا سکتی۔

عہدِ صحابہ میں روایت | غرض یہ کہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں رسول اللہ صلعم کے بعد روایت کی ضرورت صرف فصل خصومات اور تصفیۂ معاملات ہی کے وقت محسوس ہوتی تھی۔ کبھی کبھی خلیفۂ وقت یا جن کے ہاتھ میں اس وقت کسی مشکل معاملہ کا تصفیہ ہوتا، تو دوسرے صحابہ سے پوچھتے کہ کسی کو یاد ہے کہ اس قسم کا کوئی مقدمہ رسول صلعم کے سامنے پیش ہوا ہو اور آں حضرت صلعم نے کوئی فیصلہ فرمایا ہو؟

تصریح ضرورت | اور یہ ضرورت کیوں پڑتی تھی؟ صرف اس لیے کہ حتی الوسع وہ احتیاط کرتے تھے اور اپنے کو خواہ مخواہ کے قیاس و اجتہاد سے بچاتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ جب تک اسوۂ نبویہ مل سکے، ہم بطورِ خود کوئی راہ اختیار کریں، اس لیے جہاں قیاس و اجتہاد کا موقع ہوتا بھی، پہلے پوچھ لیتے تھے کہ مجھ سے پہلے خود رسول صلعم نے بھی ایسے معاملہ کے متعلق اگر کوئی فیصلہ دیا ہے، تو بہتر ہے کہ وہی فیصلہ یہاں بھی رہے، ورنہ مجبوراً قیاس و اجتہاد سے کام لیا جائے۔

ہاں اگر روایت ایسی ملی، جو قرآن کے خلاف ہے تو فوراً وہ روایت[۱] رد کر دی گئی، یعنی یہ سمجھ کر رد نہیں کیا کہ نعوذ باللہ رسول صلعم نے قرآن کے خلاف یہ فیصلہ کیا ہے، اس لیے نہیں مانا جائے گا، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اس روایت کو رد کیا کہ راوی غلط بیان کر رہا ہے، عام اس سے کہ راوی کو جھوٹا سمجھا یا ضعیف الحافظ سمجھا یا بے وقوف سمجھا۔

بے ضرورت روایت | اور بے ضرورت روایت بہ طور تذکرہ و ذکرِ خیر کہ جب مجمع میں بیٹھے، تو روایتیں بیان کرنے لگے کہ رسول صلعم نے یُوں فرمایا اور اس طرح کیا، وغیر ذٰلک۔ اس کا مشغلہ تھا اور ضرور ہوگا، کیوں کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ، یعنی، جو جس کو زیادہ محبوب رکھتا ہے، اُس کو بہت زیادہ یاد کیا کرتا ہے۔ صحابہ رضؓ کو جو محبت رسول صلعم سے تھی، پوشیدہ نہیں، اس لیے یقیناً تابعین کی جماعت میں ہر صحابی جب بیٹھتے ہوں گے، رسول صلعم کا ذکرِ خیر ضرور کرتے ہوں گے اور تابعین بھی اُن سے ذرا ذرا بات ضرور پوچھتے ہوں گے۔ مگر یہ محض بہ تقاضائے محبت ذکرِ خیر ہی کے رنگ میں ہوتا تھا۔ اس کو دین کی تبلیغ نہیں سمجھتے تھے، مگر اکابر صحابہ ضرور اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آگے چل کر اس سے دین میں کوئی رخنہ پڑے اور لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔

اسی لیے امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وجزاہ عنا وعن سائر المسلمین جزاءً حسنا روایت[۲] حدیث پر اکابر صحابہ پر برابر تشدد فرماتے تھے اور سختی سے صحابہ رضؓ کو اس سے روکتے تھے اور صاف فرما دیا کرتے تھے کہ حَسْبُنَا کِتٰبُ اللہِ، یعنی ہم لوگوں کے لیے کتاب اللہ کافی ہے۔

فتنۂ روایت

حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہد مبارک میں جو ایران فتح ہُوا، تو اہلِ ایران پر اس کا بے حد اثر پڑا اور پڑنا تھا، کیوں کہ عرب کا اکثر خطہ ایران کا باج گذار تھا۔ حجاز باج گذار نہ تھا، تو کم از کم ایک حد تک زیر اقتدار ضرور تھا اور ایران اُس وقت کے متمدن ترین ملکوں میں تھا، فنونِ حرب و اسالیبِ جنگ کے ماہرین، یہ کہا جا سکتا ہے، اُس وقت ایران سے بہتر

---

[۱] تو مطلب یہ ہُوا کہ آں حضرت کی وفات کے فوراً بعد جھوٹی روایتیں شائع ہونی شروع ہو گئی تھیں (مدیر)

[۲] یہاں کوئی تخصیص و تمیز نہیں کہ فلاں قسم کی روایت کیا کرو اور فلاں قسم سے محترز رہو (مدیر)

دنیا کے کسی حصہ میں نہ تھے، مگر مٹھی بھر عربوں نے نہایت قلیل مدت میں اس طرح پورے ایران پر تقریباً غلبہ و تسلط حاصل کرلیا اور ایسا تسلط حاصل کیا کہ ایران کسی طرح بھی اُن کے پنجۂ اقتدار سے نکل نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ آج تک اُس وقت سے ایران مسلمانوں ہی کے قبضے میں ہے اور ان شاء اللہ رہے گا۔

ایران کے بعض مدبرین نے انتقام کی۔ ایسی سوچیں، مگر اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہ نکلی کہ کچھ ایسے نوجوان منتخب کیے جائیں، جو ایران و عرب کے تجارتی و سیاسی تعلقات کی وجہ سے عربی زبان سے بھی آشنا ہوں اور ایران کے علوم متداولہ یعنی رمل و نجوم و جفر وغیرہ میں جن کا ایران میں بہت رواج تھا، معقول مہارت رکھتے ہوں اور فنونِ حرب وغیرہ سے بھی باخبر ہوں اور ہوشیاری و چالاکی، مکر و فریب، لباقی و عیاری میں بھی ممتاز ہوں۔

غرض ایسے نوجوان ایک معقول تعداد میں ایران کے مختلف شہروں اور دیہاتوں سے چن کر مہیا کیے گئے اور مناسب ہدایتیں اور تعلیمیں انھیں دی گئیں اور مدینہ طیبہ کی طرف سب کو روانہ کردیا گیا۔ یہ مدینہ پہنچ کر حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ کے حضور میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے، کیوں کہ بہ ظاہر اسی ارادہ سے آئے تھے۔ یہ سب مسلمان ہونے کے بعد تعلیمِ قرآن کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے سپرد ہوئے اور وہ انھیں تعلیمِ قرآن کرنے لگے۔ جب تک یہ لوگ صحابہ رضؓ اور یہاں کے مسلمانوں کا اندازہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا اصولِ زندگی کیا ہے اور کس طرح رہتے ہیں اور کہاں کہاں پانی مرسکتا ہے؟ چند ہی دنوں کے بعد اس کو خوب محسوس کرلیا کہ جب تک حضرت فاروق اعظم رضؓ زندہ ہیں، ہم لوگوں کی کوئی ریشہ دوانی کامیاب نہیں ہوسکتی اور ان کو عداوت بھی سب سے زیادہ اُن ہی سے تھی، کیوں کہ ایران کی فتح ان ہی کی سیاست دانی اور دُور اندیشی کا نتیجہ تھی، مگر یہ لوگ اپنی جماعت میں سے کسی ایک کے ہاتھ سے بھی ایسا کام ہونا مناسب نہیں سمجھتے تھے، جس سے یہ ان کی جماعت بدنام یا مشتبہ ہو جائے۔ اس لیے اس جماعت نے اُن اُساریٰ (قیدیوں) کو اپنا ہم راز بنایا، جو ایران سے جنگ کے موقع پر فتوحات کے سلسلے میں آئے تھے اور چوں کہ اہلِ ایران نے ان کا فدیہ نہیں دیا اور احسان کر کے چھوڑ دینا مناسب وقت نہ تھا، اس لیے وہ زیرِ فدیہ میں رہن، غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ خصوصاً وہ بہت آسانی سے اس جماعت کے ہم راز اور شریکِ مکر و فریب ہو گئے، جو قیدی کہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اپنے آبائی مذہب پر تھے، جن میں فیروز ابو لؤلؤ بھی تھا۔ مورخین جو وجہ بھی لکھ دیں کہ اس کو فلاں وجہ سے

عداوت تھی، مگر درحقیقت وہ فقط ایک ظاہری بہانہ تھا۔ اصل حقیقت اور حقیقی راز کو اُس قاتل ملعون نے افشا نہیں کیا، بلکہ ایک مصنوعی وجہ کا اعلان کیا گیا اور پھر روایات نے اور بھی اس غیر حقیقی وجہ کو حقیقی بنا کر چمکایا اور اصلی وجہ پر پوری طرح پردہ ڈالا، کیوں کہ روایات کا سرچشمہ تو پھر یہی جماعت بنی، جس کی تشریح آگے آتی ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اس جماعت منافقین نے اپنا رسوخ تو صحابہ اور عام مسلمانوں میں خوب خوب قائم کیا اور اپنے ہر فرد کو ایک مخلص مسلمان ثابت کر لیا، مگر ابولؤلؤ فیروز کے ہاتھوں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو آخر شہید کرا چھوڑا۔

اب انتخاب خلیفہ ثالث کے وقت ان منافقین قاتلہم اللہ فی الآخرہ نے چاہا کہ یہ موقع مسلمانوں میں انتشار ڈالنے کا ہے، اس وقت کچھ کرنا چاہیے، مگر کوئی مفید مطلب راہ نہ نکلی اور حضرت امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہو گیا۔

یہ ایرانی منافقین کی جماعت اس انتخاب کے وقت تو کوئی کامیاب فتنہ برپا نہ کر سکی، مگر اس نے اس انتخاب ہی کو اپنا مرکز دور فتنہ بنایا اور نوجوانان بنی ہاشم میں اس انتخاب کے خلاف نہایت دانش مندانہ ریشہ دوانی آہستہ آہستہ شروع کی، مگر دیکھا کہ مدینہ طیبہ میں ابھی فیض یافتگان صحبت رسول کی کافی جماعت موجود ہے، اس لیے یہاں اگر سرگرمی زیادہ دکھائی، تو مشتبہ ہو جائیں گے، اس لیے یہ جماعت مصر، عراق، شام، کوفہ، بصرہ اور مختلف مقامات میں منتشر ہو گئی اور وہاں انقلاب پیدا کرنے کی ریشہ دوانیاں اُسی ایرانی قدیم اصول کے مطابق شروع کر دیں۔

ایران کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی موجودہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی ضرورت کسی شخص یا جماعت کو محسوس ہوئی، تو موجودہ سے پیشتر، جو خاندان برسر اقتدار تھا، اُس کے کسی ممتاز فرد کو لے کر اُچھالتے تھے اور عام پبلک میں اس کا پروپیگنڈا کرتے تھے کہ یہ حکومت موجودہ افراد نے اس کے اصلی مستحق اور حقیقی حق دار کے حق کو غصب کر کے حاصل کی ہے۔ اس حکومت کا اصلی حق دار یہی شخص ہے اور اس خود ساختہ حق دار کے فضائل و مناقب کا زبردست طور سے عوام میں خوب خوب اشتہار و اعلان کیا جاتا تھا اور موجودہ برسر اقتدار اشخاص کے قبائح و مثالب کی تشہیر کی جاتی تھی۔

بالکل اسی طرح یہ منافقین ایران میں دور دور مقامات اور قصبات و دیہات میں گھوم گھوم کر

بظاہر تو تعلیم دین و تبلیغ قرآن کے لیے پھرتے تھے، مگر اس کے ساتھ ساتھ موجودہ خلیفہ ثالث حضرت امیر المومنین ذو النورین رضی اللہ عنہ کے خلاف آہستہ آہستہ موقع موقع سے زہر افشانی بھی کرتے رہتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابل حق دار بنا کر دکھاتے تھے کہ اصل حق دارِ خلافت یہی تھے، مگر انتخاب میں ارباب انتخاب نے غداری سے (نعوذ باللہ) کام لیا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب ضرورت اور واقعیت سے زیادہ خوب خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے جاتے تھے۔ قرآن پاک کی اکثر آیتوں کا مورد ان ہی کو ثابت کرتے، اور ان کی شان میں جھوٹی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر لوگوں کو سناتے۔ وغیر ذالک۔

ابتدائی دور تو اسی قدر گذرا، مگر رفتہ رفتہ جہاں جہاں خاندانِ بنی اُمیہ کے افراد برسرِ اقتدار تھے، ہر ایک کے خلاف ریشہ دوانی شروع کردی اور پھر مدینہ پہنچ کر اور اُن مقاماتِ بعیدہ سے وہاں کے مقامی لوگوں کو بھیج بھیج کر ان کے فرضی مظالم کی داستانیں مدینہ طیبہ میں سنانے اور سنوانے لگے اور شکایات بھی بارگاہِ خلافت میں مسلسل بھیجتے رہے، بنی ہاشم کو اُبھارتے رہے کہ چونکہ خلیفہ وقت خود بنی امیہ میں سے ہیں۔ اس لیے اپنی قرابت والے عُمّال کی اس قدر شنیع باتیں سنتے ہیں اور پھر بھی کوئی صحیح انسداد نہیں کرتے، حالاں کہ حضرت امیر المؤمنین ذو النورین رضہ شکایات کا حال پوری دریافت و تحقیق کے بعد خوب اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ سب مخالفین کی ریشہ دوانیاں ہیں: اس لیے وہ غلط شکایات پر کیا انسداد کرتے؟ اور اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ ان عمّال کو بدل دینے سے ریشہ دوانی ختم ہو جائے گی، تو وہ یہ بھی ضرور کر دیتے، مگر اس کے بعد تو اور بھی میدان صاف ہو جاتا اور وہ اُن مقامات میں جہاں اِن عمّال کی وجہ سے کھُل کر اپنا کام نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے ہٹا دیے جانے کی وجہ سے اور کھُل کھیلتے، اس لیے وہ شکایتوں کو سُن کر چُپ ہو جاتے اور بنی ہاشم کے خیالات کچھ اس وجہ سے اور کچھ اُن منافقین کی ریشہ دوانیوں کے اثرات سے ان کی طرف سے خراب ہوتے جاتے تھے، حتیٰ کہ حضرت علی رضہ مرتضیٰ تک متاثر ہونے سے نہ بچ سکے۔

غرض تقریباً دس سال کی جدوجہد کے بعد یہ ایرانی منافقین کی جماعت مصر سے

کچھ باغیوں کی ایک ٹولی کو مدینہ طیبہ بھیجنے میں کامیاب ہوئی جس نے مدینہ طیبہ میں بغاوت کا فتنہ برپا کیا اور حضرت امیرالمومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو شہید کر ڈالا بنی ہاشم بدگمانیوں کے اثر سے متاثر تھے ہی، اگر شریک بغاوت سب کے سب نہ ہو سکے، تو بہت حد تک علیحدہ بھی رہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جیسے دو ایک تو مستقل طور سے اس فتنہ میں شریک رہے اور یہی تو اس فتنہ کے آلۂ کار بنے یا بنائے گئے

حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا فتنہ ان ہی ایرانی منافقین کا تھا، جس میں بہتیرے اکابر بھی سان لیے گئے اور بعض تو یقیناً فی الواقعہ سنے نہ تھے، مگر مورخین نے اُن ہی راویوں کی روایتوں کی بنا پر بعض غیر متعلق اکابر کے نام بھی متعلقین میں درج کر دیے۔ مگر یہ سب تاریخ کو صحیح مان لینے کے بعد، ورنہ اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مجھے چوں کہ ان واقعات کی تشریح اس وقت مطلوب نہیں۔ اس لیے زیادہ تفصیل و حوالجات سے پرہیز کرتے ہوئے اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ اتنی طویل تمہید بھی ضرورت کی بنا پر ضمناً ہو گئی۔ ناظرین معاف فرمائیں۔

منافقینِ ایران کی جدّوجہد کے نتائجِ بد | غرض یہ کہ حضرت امیرالمومنین ذوالنورین کی شہادت کے بعد جنگ صفین و جمل وغیرہ کے ہنگامے اور مسلمانوں کی خانہ جنگیاں، پھر امیرالمومنین حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ سے کوفہ کھینچ بلانا اور وہاں اُن کو طرح طرح کی ایذائیں دینا، پھر اُنھیں بھی شہید کر ڈالنا، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو امیر مومنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے پر آمادہ کرنا، مگر ان کا نہ لڑنا اور مصالحت کر لینا اور اس جرم مصالحت کی سزا میں اُن کو بھی زہر دے کر شہید کر ڈالنا اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ سے کوفہ سینکڑوں خطوط لکھ لکھ کر بلانا اور بلا کر غداری کرنا اور ان کو بھی عبداللہ بن زیاد کی تیغ حرص و آز سے شہید کرا دینا، غرض یہ سب کچھ ان ایرانی منافقین نے کیا اور اس حد تک مسلسل جدوجہد اور مسلسل فتنہ کوشیوں کے ساتھ نہایت ہوش گوش سے کیا کہ اگر کوئی دوسری قوم ہوتی، تو خدا جانے کب کی فنا ہوئی رہتی اور دنیا میں اس کا کہیں نام و نشان باقی نہ رہتا، مگر چوں کہ مسلمان آخری اُمت اور دینِ محمدی آخری دین اسلام ہے۔ اس کو قیامت تک رہنا

ہے، اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس اُمت کو بچالیا، ورنہ ان منافقین نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی۔

جب حضرات حسنین رض کی شہادت کے بعد بھی خصوصاً حضرت حسین کی شہادت کے بعد بھی ان منافقین نے دیکھا کہ اللہ اکبر! ان کے رسول کا نواسہ مارا گیا۔ ساری دنیائے اسلام میں یہ خبر بے حد رنج و ملال کے ساتھ سُنی گئی، مگر پھر بھی اور جگہیں تو اور جگہیں تھیں، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں کسی نے اپنے قبضۂ تیغ پر ہاتھ تک نہ رکھا اور خلیفۂ وقت کے خلاف کہیں کوئی بغاوت اس خبر شہادت کے سُننے کی وجہ سے نہ ہوئی۔ ابھی تو رسول اللہ صلعم کی وفات کو صرف پچاس سال ہی گذرے ہیں، کتنے صحابہ اور بعض ازواج مطہرات تک ابھی زندہ ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ لیکن سب کے سب خبر شہادت سُن کر صرف رو دھو کر رہ گئے! یہ منظر ان منافقین کے لیے بے حد باعثِ حیرت و استعجاب تھا کہ یہ قوم عجیب و غریب قوم ہے، اشخاص پرستی سے اس قدر پاک تو دنیا میں کوئی جماعت دیکھی ہی نہیں گئی۔ یہ فقط اصول جانتی ہے اور جان دینے کے لیے ہمہ دم تیار ہے مگر حکمِ خدا کے مطابق۔ جب تک حکمِ خدا ثابت نہ ہو، اُس وقت تک کیسا ہی عزیز ترین شخص کیوں نہ مارا جائے۔ یہ صبر کرکے رہ جائیں گے اور کبھی اپنے آپے سے باہر نہ ہوں گے۔

آخر کئی سال کی لگاتار جدوجہد اور پروپاگنڈے اور واقعات کربلا کی تصنیف کردہ مفصل داستانِ ظلم کی کافی تبلیغ و اشاعت کے بعد جو واقعہ حرّہ ہُوا بھی تو ایک تو کئی سال کے بعد اور پھر وہ بھی سعی ناکام ہی رہی۔

البتہ واقعہ کربلا باوجود حد سے زیادہ مبالغہ آمیز غلط بیانیوں کے اتنی کافی اہمیت ضرور رکھتا ہے کہ آخر اُن ہی منافقین ایران اور اُن کے شاگردانِ رشید کی ریشہ دوانیوں کی بدولت ایک مدت دراز تک مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگیوں کا ذریعہ بنا رہا اور بالآخر حکومت اسلامیہ بنی امیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے استیصال کا ذریعہ بن کر رہا اور کسی نہ کسی طرح بنی عباس کی نیم اسلامی حکومت اس واقعہ کے پروپاگنڈے کی بدولت قائم ہو کر رہی۔

قرآن چھین لینے کی جدوجہد | حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان منافقین ایران نے اس کو خوب اچھی طرح محسوس کرلیا کہ مسلمان ہزار آپس میں لڑیں، مگر کبھی کم زور

نہیں ہو سکتے۔ اس قوم کو کوئی ہزار مارنا چاہے، یہ قوم اس وقت تک کبھی نہیں مر سکتی، جب تک اس کے پاس قرآن موجود ہے، اس لیے جس طرح بھی ممکن ہو، اس قوم کے ہاتھ سے اس سے قرآن کو چھین لینا چاہیے۔

مگر قرآن تو ہر مسلمان کے گھر میں موجود ہے، کیوں کہ ہر گھر میں بوڑھا، بچہ، جوان، عورت، مرد سب پڑھتے ہیں اور اگر ہر گھر میں نہیں، تو ہر محلہ میں متعدد حافظ پورے قرآن کو اپنے سینے میں محفوظ رکھنے والے موجود ہیں، اس لیے اس قوم سے قرآن کا چھین لینا تو محال تھا اور آج تک محال ہے اور قیامت تک محال رہے گا۔

تو اس دشواری کو محسوس کرتے ہوئے ایرانی منافقین اور ان کے شاگرد ابن رشید نے یہ صورت نکالی کہ کسی طرح کوئی دوسری چیز ایسی ان مسلمانوں کے سامنے پیش کی جائے جو قرآن کا بدل ہو سکے اور اس کی اہمیت اُن کے خواص نہ سہی، ان کے عوام ہی پر اتنی ثابت کی جائے کہ یہ لوگ قرآن سے زیادہ اُس بدلِ قرآن کی طرف جھک پڑیں۔

آغاز روایاتِ کاذبہ | روایات حدیث کا رواج تو حضرت امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد بر سبیلِ تذکرہ محبت و ذکرِ خیر عام طور سے ہونے لگا تھا۔ اب کوئی فاروقِ اعظم جیسا دُور اندیش روک ٹوک کرنے والا تو رہا نہ تھا، اس لیے عام صحابہ تابعین کے مجمع میں اکثر رسول اللہ صلعم کے حالات اور اقوال و افعال بیان کیا کرتے تھے۔

پھر یہ منافقین ایران حضرت امیرالمومنین علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی جھوٹی روایتیں اور اہلِ بیت رسول صلعم کے معنی بدل کر فضائلِ اہلِ بیت کی روایتیں خوب خوب گھڑ گھڑ کر کوفہ، بصرہ، عراق و شام اور مصر وغیرہ میں کافی طور سے مشہور کر چکے تھے۔ قرآن پاک کی شان نزول کے متعلق من گھڑت روایتیں بنا بنا کر سینکڑوں آیتوں کا مورد حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کو قرار دے کر اچھی طرح شائع کر چکے تھے اور عوام کا رجحان ان روایتوں کی طرف محسوس کر چکے تھے۔ ان کے تلامذہ ان روایتوں کی تبلیغ و اشاعت میں اس قدر منہمک ہی تھے۔ اس لیے یہ بات آسانی سے ذہن میں آگئی کہ ان ہی روایاتِ موضوعہ کے ذریعہ مسلمانوں کی توجہ قرآن پاک

کی طرف سے پھیر کر ان کو روایات مختلفہ کے اُلجھادے میں ڈال دینا چاہیے اور ان ہی روایات کے ذریعے قرآن کو جس حد تک بھی ممکن ہو، ناقابلِ اعتبار، ناقابلِ فہم اور ناقابلِ عمل بنا کر رکھ دینا چاہیے اور طرح طرح کے اختلافات قرآنی الفاظ اور معانی میں ڈال کر قرآن کو ان سے معطل چھوڑوا دینا چاہیے۔

یہ ایک ایسی کامیاب رائے اور اس کے مطابق کامیاب کوشش تھی کہ اگر واقعی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے قرآن پاک کی حفاظت نہ لے لی ہوتی، تو کبھی قرآن پاک محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ کاش اس وقت وہ منافقین اور ان کے وہ تلامذہ ہوتے، تو یقیناً ایمان لے آتے اور سچے دل سے مومن مسلم ہو جاتے کہ ان کی ساری مسلسل جد وجہد اور لگاتار ایسی خطرناک کوشش اور مسلمانوں کی پوری غفلت و سہل انگاری کے باوجود آج تک قرآن پاک اپنی اُسی بے نوٹ تواتر تام کے ساتھ ہر مسلمان کے گھر میں اور کروڑوں حافظوں کے سینوں میں محفوظ موجود ہے اور اسی طرح موجود ہے جس طرح رسول اللہ صلعم نے اپنی وفات کے وقت اُمت کے لیے چھوڑا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

غرض ان منافقین ایران نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے وضع احادیث کا مستقل کام شروع کر دیا اور روایتوں کا سلسلہ اتنے زبردست طریقے سے شروع کیا کہ عوام مسلمین کی ساری توجہ ان ہی روایات کی طرف منعطف ہو گئی اور عوام کا رجحان دیکھ دیکھ کر متاخرین خواص بھی آخر اُن کی طرف جھک پڑے۔ کچھ تو اِس لیے کہ خربزے کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہے۔ یہ منافقین ایران بھی تو عام طور سے اکابر اور تابعین ہی سمجھے جاتے تھے۔ ان کا اثر و رسوخ بھی تو عوام و خواص میں کچھ کم نہ تھا! اس لیے کوئی وجہ نہ تھی کہ ایک وہ جماعت جو بظاہر اکابر تابعین سمجھی جاتی ہے اور علم و فضل میں ایک خاص شہرت رکھتی ہے، وہ جس کام کو اتنے انہماک کے ساتھ دینی تبلیغ اور اسلامی اشاعت کے نام سے کرے اور پھر عوام کا ایک کافی طبقہ ان کی طرف متوجہ نہ ہو۔ یہ سارے مناظر دیکھ کر بھی کیا تھوڑے اصاغر تابعین بھی "زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز" پر عمل نہ کرتے؟ اس لیے کچھ بھولے بھالے اکم عمر تابعین میں اُن منافقین کے دھوکے میں اگر آ گئے ہوں۔ تو

روایتیں باہم بھی مختلف ضرور تھیں، اس لیے لوگوں کو یہ پوچھنے کی ضرورت پڑی کہ تم نے کس سے سُنا اور اُنھوں نے کس سے سُنا؟

مگر فقہاء کا ذخیرہ تو نہایت محدود ذخیرہ تھا، جو بہت جلد ختم ہوگیا اور پھر ان کے خلاف راویانِ حدیث نے خوب خوب پروپاگنڈا کیا۔ جو مسئلہ فقہ انھوں نے لکھا، وہ تو بغیر عنعنہ کے لکھا اور رسول صلعم یا کسی صحابی کی طرف اُس کو منسوب نہیں کیا، اس لیے وہ سارے مسائل ان کے مخترعہ قرار دے کر ان پر ان کے اپنی طرف سے اختراع واحداث کا الزام دھر دیا گیا اور اپنی موضوع اور من گھڑت روایات کو خاص رسول اللہ صلعم کا قول و فعل بناکر عنعنہ کے ذریعہ مستند ثابت کرکے عوام پر یہ ثابت کیا کہ دیکھو، ہم تو حدیثِ رسول پیش کرتے ہیں اور یہ فقہا اپنی رائے اور اپنا قیاس و اجتہاد حدیث رسول سے بہتر سمجھتے ہیں۔ غرض ان وجوہ کی بنا پر تمام کمزور فقہانے مجبوراً پھر وُہی راہ اختیار کرلی جو راویانِ حدیث کی تھی اور اپنی فقہ کی عمارت پر بھی اُن ہی کی خود ساختہ روایات کا پشتہ لگا دیا، یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ جیسے سچے اور خلفائے راشدین رضؓ کے بالکل نقشِ قدم پر چلنے والے بزرگ کے بعض تلامذہ بھی ان کے بعد بہت حد تک راویانِ حدیث کے رنگ میں رنگ گئے اور متاخرین تو بہت کافی بہکے اور امام ابوحنیفہ کے صحیح اصول پر قائم نہ رہ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کی کثیر جماعت امام ابوحنیفہ سے بے حد خفا رہی۔ یہاں تک کہ ان کو مرجیہ، گمراہ اور کیا کیا کچھ نہ کہا، صرف اس لیے کہ روایتوں کی یہ زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔

قرآن پاک پر روایات کے حملے

قرآن کے اثر کو روک دینے کے لیے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا! (اکبرالٰہ آبادی)

ان منافقینِ ایران نے قرآن پر روایات کے ذریعے مختلف طرح کے حملے کیے، جن کی مجملاً تشریح حسبِ ذیل ہے:

۱۔ جمع و تدوین۔ یعنی مشہور یہ کیا کہ یہ قرآن پاک جو موجودہ ترتیب اور موجودہ ہیئت میں

ہے۔ اس طرح رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں نہ تھا۔ بلکہ آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد جنگ یمامہ میں ستر حفاظ قرآن کی شہادت دیکھ کر حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رض کو بعہد خلافت صدیقی رض تقریباً ۱۱ھ میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن پاک کو کتابی صورت میں مجتمع کر لیا جائے، کیونکہ اس وقت تک قرآن پاک صرف حفاظ کے سینوں ہی میں محفوظ تھا۔ ستر حافظ تو ایک جنگ ہی میں مارے گئے، اسی طرح اگر موجودہ حفاظ سب کے سب شہید ہوگئے، تو پھر کہاں قرآن اور کہاں یہ امت۔ بہ غرض حضرت فاروق اعظم رض نے جمع قرآن کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رض کو اس طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے حضرت زید بن ثابت جو کاتب وحی بعہد نبوی آخر عہد میں تھے، ان کو آمادہ کیا اور پھر تمام صحابہ سے ہڈی، تختی، ٹھیکری، لکڑی، چھال، پتے اور کاغذ کے ٹکڑے جن پر انھوں نے رسول اللہ صلعم کے سامنے قرآن پاک کی آیتیں لکھ لکھ کر رکھی تھیں، حاصل کیے۔ سب کو ملا ملا کر، حافظوں سے تصدیق کرا کر قرآن پاک کو جمع کیا۔ اس وقت آخر سورۂ توبہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم ابو خزیمہ یا ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملا۔ غرض یہ ایک نسخۂ قرآن مرتب ہو کر حضرت صدیق اکبر رض کے پاس محفوظ رہا۔ ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رض کے پاس رہا۔ ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رض کے پاس چلا گیا اور وہیں ان کی زندگی تک رہا۔

پھر حضرت عثمان رض کے عہد میں لوگوں نے قرآن پاک میں اختلافات ڈالنا شروع کیے۔ حذیفہ ابن الیمان نے حضرت ذوالنورین رض کو پھر جمع قرآن کی طرف متوجہ کیا۔ انھوں نے حضرت حفصہ رض کے ہاں سے مستعار وہ صحیفہ جمع کردہ حضرت صدیق اکبر رض منگوایا اور اس کی متعدد نقلیں کرائیں اور حضرت ام المومنین حفصہ رض کے پاس ان کا مصحف واپس کر دیا۔ اس نقل کے وقت بھی حضرت زید بن ثابت کو سورۂ احزاب کی ایک یا دو آیتیں یاد آئیں، جو مصحف میں نہ تھیں۔ بڑی تلاش کے بعد ابو خزیمہ بن ثابت الانصاری کے پاس وہ آیت یعنی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ الخ ملی جس کے بارے میں زید نے کہا کہ ہم یہ آیت اس جگہ رسول صلعم سے سنتے تھے۔ یہ نہیں کہا کہ نہیں

پڑھتا تھا یا ہم لوگ پڑھتے تھے۔ غرض یہ کہ اب یہ آیت بھی اپنی جگہ پر لگا دی گئی۔

یہ دو روایتیں بے حد مشہور ہیں، اس لیے ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں، ورنہ غیر صحاح میں تو عجیب و غریب روایتیں بہت ساری ہیں، جن میں جمع و تدوین کے واقعات عجیب و غریب درج ہیں اور دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ دونوں روایتیں صحاح میں حتے کہ بخاری میں بھی ہیں۔

ان دونوں روایتوں سے آیتوں کی ترتیب، سورتوں کی ترتیب سب بعد کی ثابت ہوتی ہیں، ورنہ آیتوں کی تقدیم و تاخیر وغیرہ کا شبہ تو بہت آسانی سے پیدا کیا جا سکتا ہے اور پیدا کرنے والے پیدا کرتے ہیں، جن کی بنا صرف یہی روایتیں ہیں۔ میں نے جمع قرآن کے متعلق ساری روایتوں پر اور خصوصاً بخاری و ترمذی وغیرہ کی مذکورہ بالا دونوں روایتوں کی محدثانہ ہی اصول کے مطابق قابل دید تنقید کی ہے، جو ایک رسالہ ہی کی صورت میں ہے۔ اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ اُسے چھپوا دوں۔

۲۔ اختلافِ قرأت۔ ایسی روایتیں سینکڑوں گھڑی گئیں کہ قرآن کی فلاں آیت میں فلاں لفظ اس طرح بھی ہے اور اُس طرح بھی۔ مثلاً مَلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، مَلاَّكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بھی اور پھر ان اختلافات کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ حدیث بھی وضع کر لی گئی کہ اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ، یعنی، قرآن سات لغتوں میں اُتارا گیا اور اس حدیث کو عجیب و غریب مضحکہ انگیز عنوان سے بیان کیا گیا ہے میرا ایک مستقل رسالہ ان روایات موضوعہ کے متعلق ہے۔ افسوس کہ اپنی ناداری کی وجہ سے اب تک چھپوا نہ سکا۔

۳۔ ناسخ و منسوخ۔ ایک بہت بڑا فتنہ یہ پیدا کیا کہ قرآن پاک کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی ناسخ ہیں، جن کا صحیح علم بغیر روایات کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا، اس لیے قرآن تابع ہے اور روایات متبوع۔ قرآن محکوم ہے اور روایات حاکم۔ (معاذ اللہ من ذٰلک) کبرت کلمۃً تخرج من افواھھم

اس موضوع پر بھی میرے متعدد مضامین رسالہ "اصولِ خمسہ" میں (جو ایک مناظرہ

کے سلسلہ میں اخبار "اتحاد" پٹنہ کے ساتھ بطور ضمیمہ کے شائع ہوا تھا) اور رسالہ "سادات" میں جو پھلواری ضلع پٹنہ سے ماہانہ شائع ہوتا تھا) چھپ چکے ہیں. مناظرہ بس اس پر ختم ہوگیا کہ آخر تنگ آکر میں نے مثبتین نسخ فی القرآن سے تین سوالات کیے، جو درج ذیل ہیں:

۱. قرآن پاک میں کتنی آیتیں قائلین نسخ کے نزدیک متفق علیہ منسوخ ہیں، ان کی صحیح تعداد بتائیے

۲. کم سے کم پانچ آیتیں متفق منسوخ بطور مثال کے پیش کیجیے جن کا نسخ آپ لوگوں کے نزدیک قطعی ہو.

۳. منسوخ آیتوں پر عمل جائز ہوگا یا ناجائز؟

ان سوالات کے بعد ساری بحث ختم ہوگئی اور بڑے بڑے مناظرین دم بخود مبہوت رہ گئے اور پھر اس وقت تک کسی کا قلم نہ اٹھا۔

۴. شانِ نزول. قرآن پاک کی اکثر آیتوں سے متعلق شانِ نزول کے نام سے روایتیں گھڑ گھڑ کر ان آیتوں کے صحیح مفہوم کو بدل دینے کی نامبارک کوششیں کی گئیں اور اس طرح تحریفِ معنوی کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا۔ مثلاً سورۂ احزاب میں آیۂ تطہیر اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کو جو صاف صاف ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں روایت کسا وضع کرکے بنا دیا اور اس پر اس قدر اصرار ہے۔ اس صریح جھوٹی روایت کو بعض سفہا نے متواتر تک لکھ مارا، حالاں کہ ان روایتوں کا ایک سلسلۂ روایت ایسا نہیں، جو شیعوں یا کذابوں کے وجود سے خالی ہو اور قرآن پاک کے سیاق وسباق کی مخالفت تو سب سے بالا ہے۔ اسی طرح اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ۝ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رکوع کی حالت میں انگوٹھی ایک سائل کو دے دینے کی روایت وضع

کرکے اس آیت سے حضرت علیؓ کی ولایت عامّہ وتامّہ ثابت کرنے کی گم راہ کن کوشش کی گئی۔

اور پھر انبیاء علیہم السلام پر متعدد ناپاک حملے بھی ان ہی شانِ نزول والی روایتوں کے ذریعے کیے گئے۔ مثلاً حضرات ابوالبشر واُمّ البشر آدم و حوّا علیہما السلام کا نعوذ باللہ ارتکابِ شرک کر لینا اور توبہ کا بھی ذکر نہ کرنا، وغیرہا من الروایات الشنیعہ۔

۵۔ تفسیری روایتیں۔ بعض آیتوں سے متعلق بطور تفسیر کے خود رسول اللہ صلعم سے یا بعض صحابہ سے روایتیں منسوب کر ڈالیں کہ آپ نے یہ تفسیر اس آیت کی بیان فرمائی، حالاں کہ وہ تفسیر سیاق وسباقِ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً بعشرِ سُوَرٍ امثالِھا سے اس سے پہلے کی دس سورتیں مراد ہیں۔ "لئیلا یعلم اھل الکتٰب" سے مراد "لکی یعلم" ہے اور "لا" زائدہ ہے۔ بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ o کِرَامٍ بَرَرَۃٍ o میں سَفَرَۃ سے مراد فرشتے ہیں۔ "لوحِ محفوظ" اور "کتابِ مکنون" ایک تختہ ہے، جو عرش کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے اور تمام ماکان ومایکون سب اسی میں لکھا ہوا ہے۔ اسی کا نام لوحِ محفوظ ہے اور اسی کو کتابِ مکنون بھی کہا گیا ہے۔ وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ o سے یعنی وہی تختہ لوحِ محفوظ مراد ہے یا توریت مراد ہے۔ وغیرہا من الروایات الکثیرۃ الموضوعۃ۔

۶۔ واقعاتِ موضوعہ۔ بعض روایتیں ایسی وضع کر دی گئیں، جن کا کوئی ایسا واقعہ بیان کرکے کسی آیت کے ساتھ جوڑ ملا دیا گیا کہ وہ آیت اپنے صحیح مفہوم کی طرف سے ہٹ کر کسی نئی بات کی طرف اس واقعہ کے دیکھ لینے والے کے ذہن کو پھیر دے، جو اس روایت کے وضع کرنے والے کا مقصد ہے یا کم سے کم اس آیت کی اہمیت کم ہو جائے یا ناجائز طور سے بڑھ جائے یا منشا ہی میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ مثلاً ہاروت و ماروت اور چاہِ بابل و زہرہ وغیرہ کے واقعات، پھر ایک ساحرہ عورت کا واقعہ، جو ایک دوسری حاملہ عورت کو چاہِ بابل پر لے جاکر اس کی تعلیم سحر کا باعث ہوئی تھی اور وہ عورت جو پھر توبہ کے لیے اپنی آخری عمر میں آمادہ ہوئی، تو اس کے لیے کوئی راہ نہ نکلی۔ مدینہ طیبہ پہنچی، تو آں حضرت صلعم وفات فرما چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ حضرت صدیقِ اکبرؓ اور تمام صحابہؓ

نے بہت سوچا، مگر اُس کے دوبارہ مومنہ ہونے کی کوئی شکل نہ نکلی (دیکھیے مستدرک حاکم وغیرہ اور تفسیر عزیزی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ)

۷ - مکّیت و مدنیت - بعض سورتوں یا آیتوں کے مکّی یا مدنی ہونے کا قطعیت کے ساتھ ایسا غلط فیصلہ کیا، جس سے تاریخی طور سے مطلب سمجھنے میں دھوکا ہو جائے، مثلاً سورۂ کوثر کو مَکّیّۃ لکھ دیا۔ اسی طرح بعض مکّی سورتوں کی چند یا ایک آیت کو مدنی لکھ دیا، لیکن جو محض ایک ظنی اور قیاسی بات ہے، مگر اس بنا پر قطعی احکام صادر کرنے لگے اور لگے قطعی آیات کو ظنی قیاس کا پابند کرنے۔

۸ - تقدیم و تاخیر نزولی - اسی طرح یہ روایتیں کہ فلاں سورہ پہلے اترا اور فلاں بعد کو، اور پھر اسی بنا پر آیتوں کے صریح معانی میں تبدیلی و تغیر پیدا کرنے لگے، حالانکہ صریح معانی جو عبارت النص سے نکل رہے ہیں، قطعی ہیں اور یہ تقدیم و تاخیر کی روایتیں ظنی۔ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔

غرض اس قسم کے بہت سے اور بھی عنوانات قائم ہو سکتے ہیں۔ میں نے محض قلم برداشتہ سرسری طور سے یہ آٹھ عنوان بطور نمونہ کے پیش کیے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان روایاتِ موضوعہ کے ذریعے قرآن پاک پر طرح طرح کے حملے کیے گئے اور ہر ممکن کوشش پورے اہتمام کے ساتھ کی گئی کہ کسی طرح یہ کتاب مسلمانوں سے چھوٹ جائے اور معطل رہ جائے اور از کار رفتہ ہو جائے۔ چنانچہ واقعی قرآن پاک عام طور سے مسلمانوں سے چھوٹ گیا اور معطل ہو گیا۔ علمائے مقلدین کو ہدایہ شرح وقایہ کافی ٹھیری۔ غیر مقلدین کو صحاح ستہ سے فرصت نہیں۔ صوفیوں کو مکتوبات و ملفوظات سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ قرآن پاک صرف بے معنی و مطلب سمجھے صرف رمضان میں یا روزانہ ہی سہی کچھ ورق گردانی کر لینے کے لیے ہے۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ دو تین فی صدی کے لیے۔ روزانہ عام لوگوں کے لیے تو صرف درود و وظائف کے لیے، عمل و عملیات کے لیے، جھاڑ پھونک کے لیے یا ایصالِ ثواب کے لیے اور بس۔ ہدایت کا مصرف تو قرآن پاک سے منتقل ہو کر انسانی تقاضائے

کی طرف چلا گیا۔

وفائے وعدۂ حفاظتِ قرآن

مگر حقیقت یہ ہے کہ اتنے شدید اور ایسے دیرپا حملوں اور ہر طرف سے حملوں کے باوجود قرآن پاک کا اَلْآنَ کَمَا کَانَ ہر تغیر و تبدل سے قطعی طور سے محفوظ رہنا اور معجز نما تواتر کے ساتھ ساری دنیا کے مسلمانوں کے ساتھ بلا اختلاف ایک حیثیت سے ایک قرأت سے، ایک رسم خط سے موجود رہنا اور پھر اس کے لفظی ترجموں کا تقریباً ہر ملک اور ہر بڑی قوم کی زبان میں موجود رہنا اور اس طرح خود قرآن پاک کا اور قرآن پاک کی ہدایتوں کا دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ جانا اور ان لوگوں کو جو اس سے دور پڑے ہوئے ہیں، پکار پکار کر اپنے قریب بلانا، یہ وہ باتیں ہیں جو نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے وعدۂ صادقہ کو بآوازِ بلند سارے عالم کو یاد دلا رہی ہیں اور لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝ کی شانِ بلند کا چار دانگِ عالم میں اعلان کر رہی ہیں۔ پھر کون ہے جس کے دل میں ایمان کا ایک ذرہ بھی ہو اور ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ سن کر سرِ تسلیم خم نہ کر دے۔ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ۔

عام راویانِ حدیث

اسماء الرجال کی کتابوں کا مطالعہ بہ غور کیجیے، تو آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ خدا جھوٹ نہ بلائے تو کم سے کم پچاس فی صدی راوی تو آپ کو عجمی ہی ملیں گے اور باقی پچاس فی صدی میں سے بھی اسّی فی صدی غیر حجازی، یعنی، کوفی، بصری، شامی، عراقی وغیرہ جن میں روافض، خوارج، قدریے، جبریے، جہمیے، معتزلے، غرض ہر فرقے کے لوگ کثرت سے بفضلہٖ تعالیٰ موجود نظر آئیں گے، جن میں اکثر اُن ہی منافقین ایران کے ذریات یا تلامذہ یا فیض یافتگانِ صحبت ہی ملیں گے۔

مخلص راویانِ حدیث

اسی جماعت میں بعض مخلص اور سچے راویانِ حدیث بھی ہیں، جن کو اُن کاذبوں اور وضاعوں کے جھٹلانے کے لیے یا تعامل عہدِ نبوی و عہدِ خلفائے راشدین رضہ کا صحیح حال بتانے کے لیے صحیح روایت کرنے کی ضرورت پڑی، کیوں کہ اگر دنیا میں جھوٹی ہی روایتوں کا رواج چھوڑ دیا جاتا اور ان کذابوں اور وضاعوں کے ہاتھ میں عامۃ المسلمین کو رہنے دیا جاتا، تو پھر آئے چل کر امتِ مسلمہ حق و باطل کا کوئی فیصلہ نہ کرسکتی، اس لیے یہ مخلصین خاموش نہ بیٹھ سکے اور جتنا بھر جانتے تھے، صحیح روایتیں بیان کرنے لگے اور جھوٹوں کو جھٹلانے لگے۔ پھر اسماء الرجال کا ذخیرہ جمع کرنے لگے جس میں ان کذابوں اور وضاعوں کا پوشیدہ حال تحقیق کرکے لکھنے لگے تاکہ ان کی روایتوں سے آگے چل کر مسلمان دھوکا نہ کھائیں اور حق و باطل کی تمیز کرسکیں۔ تنقید روایات کے اصول بنائے اور حتی الوسع خود بھی ان اصول پر عمل کیا اور تلامذہ کو بھی ان اصول پر عمل کرنے کی تاکید کی فجزاھم اللہ خیر الجزاء

جامعینِ احادیث

اس وقت جو حدیث کی کتابیں علمائے اسلام کے ہاتھوں میں ہیں، ان میں سب سے قدیم کتاب موطائے امام مالک رح ہے۔ امام مالک بن انس رح کی ولادت تقریباً بالاتفاق ۹۳ھ کی ہے۔ عمر بعض نے پچاسی برس اور بعض نے نوّے برس اور بعض نے اٹھتر برس لکھی ہے، اس لیے سالِ وفات حسبِ اختلاف اقوال مدت عمر ۱۷۸ھ یا ۱۸۳ھ یا ۱۷۱ھ ہوتا ہے، مگر بعض نے ۱۷۹ھ اور بعض نے ۱۹۹ھ کو سالِ وفات لکھا ہے۔ عمر کے متعلق بھی اور سالِ وفات کے متعلق بھی پہلا ہی قول صحیح تر معلوم ہوتا ہے ۱۷۸ھ اور ۱۷۹ھ کا فرق جو حساب سے ہو رہا ہے، وہ دو تین مہینوں کی وجہ سے، بلکہ دو ایک ہفتے، بلکہ دو ایک دن کی وجہ سے بھی ممکن ہے۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ ان کی تصنیف موطا دوسری صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ ان کے عہد تک اگرچہ تنقید حدیث کے اصول و ضوابط منضبط نہیں ہوئے

تھے، مگر ان کی کتاب یہ بتارہی ہے کہ امام مالک نے طوفان روایات کو اُمنڈتا ہُوا دیکھ کر اس کی ضرورت محسوس کی کہ کسی طرح کچھ روایات کو جانچ پرتال کرکے جمع کرلیا جائے اور قوم کے آگے اس مجموعے کو پیش کردیا کہ اگر تم احادیثِ رسول صلعم پر اس قدر مرتے ہو، تو صحیح روایتیں بس اسی قدر ملی ہیں۔ یہ بھی وہ روایتیں ہیں جن پر صحیح ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے، یعنی بادی النظر میں جو روایتیں صحیح نظر آئیں اُنھیں کو جمع کرلیا گیا ہے، ورنہ خود امام مالک غالباً موطا کی سب روایتوں کی صحت پر کبھی حلف شرعی نہیں اُٹھا سکتے تھے۔

اسی طرح ان کے بعد جب امام بخاری نے دیکھا کہ موطا پر مسلمان اکتفا نہیں کرتے اور سلسلۂ روایات جاری ہے، تو انھوں نے تنقید حدیث کے اصول بنائے۔ اُن اصول کا اعلان کیا اور بڑی کاوش کے بعد کئی لاکھ حدیثوں میں سے مکرّرات کو حساب نہ کیجیے، تو صرف دو ہزار حدیثیں بمشکل ایسی جمع کرسکے جن کو وہ صحیح کہہ سکتے تھے۔

اور آخر عہد میں امام مسلم نے بھی توجہ کی اور پھر تو یہ بھی شوق پورا کرنے کا ایک ذریعہ بن کر رہ گیا اور بہتیروں کو جمع حدیث کا سودا ہوا اور کتنوں نے اپنے دل کی حسرت نکال لی۔ یہاں تک کہ ہمارے صوبہ بہار کے ایک عالم ہمارے دوست مولانا ظفرالدین صاحب مدرّس علم ہیئت و ہندسہ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ نے بھی اس دورِ فتن میں الصحیح البہاری کی متعدد جلدیں لکھ کر رکھ دیں، جن میں سے دو جلدیں سر فخرالدین مرحوم سابق وزیرِ تعلیم صوبۂ بہار واڑیسہ کی علماء نوازی کی بدولت چھپ کر شائع بھی ہوگئیں۔

غرض جس روایت کو اگلے جامع روایات نے ناقابلِ قبول سمجھ کر چھانٹ دیا اور ردّ کردیا۔ اُسی کو بعد والے نے قبول کرکے اپنے ذخیرے میں درج کرلیا۔ اس طرح آخر کتنی مردود روایتیں مقبول ہو ہو کر پھر درج کتب حدیث ہوگئیں اور وہ طوفان جس کے ڈر سے اگلے جامعین نے جمع حدیث کا کام شروع کیا تھا، متاخرین کے شوقِ تصنیف و تالیف کی بدولت زبانوں سے کتابوں کے صفحات پر ہمیشہ کے لیے برپا رہ گیا۔ فرق اس قدر ہے کہ پہلے زبانی تھیں، اس لیے بے پایاں تھیں اور ایک حد تک تغیر و ردّ و بدل کی محتمل اور اب قلم بند ہونے کی وجہ سے محدود ہوگئیں اور اب ان میں ردّ و بدل مشکل ہے۔

ہم اب کیا کریں؟

ان حالات کے ماتحت بہت اہم سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ہم اب کیا کریں؟ افسوس کہ قلت وقت اور طوالت تحریر کے ڈر سے میں نے اس سوال کو بہت قبل از وقت چھیڑ دیا، کیوں کہ روایات کے دونوں رُخ کے متعلق بہت سی ضروری باتیں رہ گئیں۔ کاش مجھے اتنا موقع ملتا کہ میں تمام باتیں دونوں رُخوں سے متعلق عرض کر لیتا۔ جب یہ سوال پیش کرکے جواب لکھتا، مگر تحریر بہت طویل ہو چکی، اور اب میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں کہ زیادہ لکھ سکوں، اس لیے مجبوراً یہ سوال پیش کرکے جواب لکھ رہا ہوں۔

بخاری کی ایک حدیث ہے، جو اگرچہ بخاری کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتی، مگر امام بخاری نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت ضرور کیا ہے، جس کے شاہدین عادلین حضرت صدر الشریعۃ، علامہ تفتازانی، علامہ سید السند اور حضرت شیخ الاسلام وغیرہم جیسے اکابر علماء ہیں۔ اس لیے چاہے موجودہ نسخہ بخاری میں یہ حدیث نہ ہو، مگر امام بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں ضرور درج کیا ہے۔ وہ یہ ہے: تَكْثُرُ لَكُمُ الْاَحَادِيْثُ بَعْدِيْ فَمَا رُوِيَ لَكُمْ حَدِيْثٌ عَنِّيْ فَاعْرِضُوْهُ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَمَا وَافَقَهٗ فَاقْبَلُوْهُ وَمَا خَالَفَهٗ فَرُدُّوْهُ، یعنی، میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہوگی، تو جو حدیث ہم سے روایت کی جائے، اس کو کتاب اللہ کے سامنے پیش کرو۔ جو کتاب اللہ کے موافق ہو، اس کو قبول کرو اور جو مخالف ہو، اس کو رد کر دو۔ یہ حدیث محض خفیف سے فرق کے ساتھ شیعوں کی سب سے پہلی کتاب حدیث اور سب سے زیادہ معتبر جو اُن کے امام زمان کی مصدق ہے "اصول کافی" اس میں بھی موجود ہے۔ اس لیے دونوں فرقوں کی متفق علیہ ہے اور عقلاً و درایۃً بھی ہر طرح صحیح ہے۔

اس لیے ہم اسی اصول پر ہر روایت کو جانچیں گے۔ ایک دیوانی عورت پھلواری میں ایک دیہات سے اکثر آتی ہے، جو عموماً گھروں میں وعظ و نصیحت کیا کرتی ہے۔ جاہل ہے، مگر باتیں اکثر کام کی کرتی ہے۔ ایک شاہ صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم وعظ تو بہت کہتی ہو، مگر اللہ و رسولؐ کو کیسے پہچانتی ہو؟ تو اس نے برجستہ کہا کہ "اللہ کا بھیجا رسول اور رسول کا بتایا اللہ"۔ میں اس کے اس جواب سے پھڑک گیا۔ غرض یہ ہے کہ میں قرآن پاک کی عبارت النص اور سیاق و سباق سے روایات کی صحت و عدم صحت کا پتہ لگا لوں گا اور لگا لیتا ہوں اور قرآن پاک کے اشارۃ النص و اقتضاء النص و دلالۃ النص کو روایات صحیحہ کی تصریحات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں مفسرین کی تشریحوں سے قرآن کے مفاہیم کو سمجھنے میں مدد لیتا ہوں، چاہے وہ مفسرین

اگلے ہوں یا پچھلے۔ مولانا اشرف علی تھانوی ہوں یا مولانا عبدالحق حقانی۔ خواجہ احمد الدین امرت سری ہوں یا مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ فراہی ہوں یا مولانا محمود الحسن، غرض جب عام انسانی فہم و عقل کو ہم معانی قرآن کے سمجھنے میں اپنا معین و مشیر بناتے ہیں، تو پھر ایسی روایات جن کی صحت کا کم سے کم امکان یا ظن غالب ہو، کیوں نہ ان سے بھی مدد لی جائے اور جو معنی ان روایات قریب بہ صحت کے مطابق ہوں، ان کو ہماری جاہلانہ تفسیر بالرائے پر کیوں نہ ترجیح دی جائے؟ کیوں کہ آج کل مفسرین جس قدر محاورات و لغات عرب سے باخبر ہیں اور عربی زبان دانی سے جتنا ان کو تعلق ہے، وہ دنیا پر خوب روشن ہے۔

دوسرے یہ کہ آج کل عموماً تفسیر کرنے سے پیشتر کچھ خیالات، سیاسی ہوں یا معاشرتی یا اقتصادی، ضرور ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ بس اُن ہی خیالات کے زیر اثر قرآن کے معانی لگائے جاتے ہیں۔ ہم ایسے مفسرین کو ان منافقین ایمان سے کم گم راہ کُن نہیں سمجھتے، کیوں کہ یہ خود قرآن پاک کے تابع نہیں ہوتے، بلکہ قرآن کو اپنا تابع اور پھر قرآن کی وساطت سے سارے مسلمانوں کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ◆

ہفتہ وار اخبار "حمایت اسلام" لاہور میں

مسائل حاضرہ پر عالمانہ بحث ہوتی ہے ٭ تاریخ اسلام کے اہم واقعات اور قومی ضروریات پر ہر ہفتہ مفید ترین مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔

معلومات عامہ

کے زیر عنوان بڑی محنت اور عرق ریزی سے بے حد دلچسپ مضامین جمع کیے جاتے ہیں۔

دنیا کی ہفت روزہ ڈائری

عالم اسلام، ہندوستان اور دنیا بھر کے اہم ترین واقعات کو دل کش انداز میں خلاصہ کرکے رکھ دیا جاتا ہے۔

نئے انتظامات کے ماتحت "حمایت اسلام" کے متعلق اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ اس کی جدید خوبیوں کی وجہ سے اسے چار چاند لگ گئے ہیں۔ نمونہ کا پرچہ مفت منگوا کر ملاحظہ کریں، آپ کو خود بخود ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ سالانہ چندہ: صرف تین روپے پیشگی۔ ممالک غیر سے چار روپے آٹھ آنہ۔ پتہ: منیجر "حمایت اسلام" برانڈرتھ روڈ۔ لاہور

قرآن کلامِ الٰہی ہے

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

"نگار" بابت ماہ اگست ۱۹۴۰ء ہمارے زیرِ نظر ہے، جو ایک دوست نے بغرضِ اظہارِ رائے عنایت فرمایا۔ "مدیر نگار" کا خطاب علمائے دین سے ہے: لیکن آپ کبھی مجھ جیسے رندِ مشرب کو شرفِ تکلم کا موقع دیں، تو آپ کے حالات کے زیادہ مناسب ہے:

راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفیِ عالی مقام را

اس سے پیشتر "اسفارِ موسیٰ" پر بھی اظہارِ خیالات کیا گیا تھا۔ یہ مضمون "بلاغ" اپریل ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا لیکن "مدیر نگار" نے توجہ نہ فرمائی اور شکایت یہ ہے کہ تردیدی مضامین کا آپ کو علم نہیں ہوتا مناسب ہے کہ مدیر ممدوح تردیدی مضامین خواہ وہ کسی رسالے میں شائع ہوں، "نگار" میں بھی شائع کرتے ہوئے، جواب الجواب لکھا کریں۔

حضرت نیاز نے اپنے "شبہات" "عشرہ کاملہ" میں یہ واضح کیا ہے کہ قرآن بلفظہٖ رسول کریم پر وحی نہیں ہوا، بلکہ الہام کردہ بے حرف و صوت سے جو کچھ وحی ہوا۔ اس کا مفہوم آں حضرت صلعم نے اپنی قومی زبان میں بیان فرمایا[1]۔ لوح محفوظ کے متعلق روایات صحیح نہیں۔ حضرت نیاز کا یہ دعوےٰ بھی ہے کہ میں مسلمان ہوں اور تاویل کا حق جیسا کہ متقدمین کو تھا، متاخرین کو بھی ہے۔

قرآن اور لوح محفوظ کی نسبت آپ کی تاویل غلط ہے، البتہ تاویل کا حق ہر ایک راسخ فی العلم کو ہے اور اہلِ تاویل فتوےٰ کفر کی زد میں نہیں آتے۔ (اختر)

کوئی عقیدہ بطورِ دلیل و برہان پیش نہیں ہو سکتا، جب تک علمی شہادت سے ثابت شدہ نہ ہو، یہ عقیدہ کہ قرآن مجید بلفظہٖ جیسا کہ وہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے، رسولِ کریم پر وحی ہوا اور اب بھی ایسا ہی محفوظ ہے،

---

[1] نیاز صاحب کا یہ خیال غلط ہے۔ ملاحظہ ہو ارشادِ قرآنی: إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (زخرف) یعنی تحقیق ہمیں نے اس قرآن کو عربی قرآن بنایا۔ رسولؐ کا اس میں قطعاً دخل نہیں۔

جیسا کہ رسول کریم کے زمانہ رسالت میں اور جیسا کہ قلب مبارک پر نازل ہوا، خود قرآن مجید کی داخلی شہادت سے ثابت شدہ امر ہے، لیکن بطور دلیل کسی منکر قرآن کے سامنے اسی حالت میں پیش ہو سکتا ہے، جب کہ اس کا امکان علمی شہادت سے ہو۔ ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ "الروح الامین" نے جس کو عبری زبان میں جبرئیل کہتے ہیں، قرآن آں حضرت صلعم کے قلب مبارک پر نازل کیا اور بلفظہٖ پڑھ کر سنایا اور آں حضرت ؐ نے اسی طرح بلفظہٖ لوگوں تک پہنچا دیا اور ویسے ہی بلفظہٖ محفوظ او موجود چلا آتا ہے۔

اس موضوع پر ہم "بلاغ" اور "البیان" (امرتسر) میں بحث کر چکے ہیں اور لوح محفوظ کی حقیقت بھی واضح ہو چکی ہے۔

کچھ دقیق تاویل، جو اہل تاویل کرتے ہیں، یہ ہے کہ "خدا کو سمیع و بصیر بھی کہتے ہیں، لیکن چوں کہ وہ کسی شے کی مثل نہیں، اس لیے اس کی سماعت و بصارت، کان اور آنکھ کی محتاج نہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کی صفت نطق کا ذکر کیا جائے، تو اس سے مراد وہ نطق ہو، جو الفاظ کا محتاج ہے؟ جس طرح اس کو دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھ اور کان کی ضرورت نہیں، اسی طرح کلام کے لیے زبان یا الفاظ سے بے نیاز ہونا چاہیے اور اس صورت میں الفاظِ قرآنی کو خدا کا کلام کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زبان و الفاظ کا محتاج ہے۔"

اگر اس تاویل کا تجزیہ کیا جائے، تو واضح ہو گا کہ صاحب تاویل نے یہ پہلے ہی ثابت شدہ امر قرار دیا ہے کہ سمع و بصر و نطق کے لیے کان، آنکھ اور زبان کی ضرورت مقدم ہے، حالاں کہ جو کچھ مشاہدہ میں آ رہا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ کان اور آنکھ اور زبان کے بغیر بھی ہم سنتے، دیکھتے، بولتے ہیں، جیسا کہ اس حالت میں جس کو خواب سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ یہ آلات کان اور آنکھ وغیرہا معطل ہوتے ہیں۔ اس تاویل میں زبان و الفاظ کو لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ بھی صحیح نہیں۔

علمی تحقیق یہ ہے کہ مجرد معانی یا مفہوم بلا حروف کا تصور قلب انسانی کے لیے محال ہے۔ مجرد معانی یا مفہوم یا خیالات (ideas) کا بلا حروف قلب انسانی میں پیدا ہونا ناممکن ہے۔ بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔ ایک شخص تقریر کرتے وقت بلا تکلف بول رہا ہے۔ اگر وہ کہیں رک جاتا ہے، تو لوگ خیال یہ کرتے ہیں کہ مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اس کے پاس مناسب الفاظ نہیں، حالاں کہ کیفیت یہ ہے کہ مافی الضمیر میں الفاظ نہیں ہوتے۔ مجرد معانی بلا الفاظ مافی الضمیر نہیں ہیں۔

بلکہ دونوں کا بیک وقت موجود ہونا مافی الضمیر ہے۔ جسے "مافی الضمیر" کہتے ہیں، وہ نقوش اشیاء فی الخارج ہیں، جو بہ ذریعہ حواس قلبِ انسانی پر ثبت ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قلبِ انسانی میں وہی کچھ ہے جو آفاق میں مشاہدہ ہوتا ہے۔ آفاق میں اشیاء ہیں۔ اشیاء مختلف صورتوں کا نام ہے، جن میں ان کے حقائق رونما ہوتے ہیں۔ ناممکن ہے کہ انسان کو حقائق کا فہم بلا صورت ہو، مثلاً برق کا فہم ہمیں ان صورتوں میں ہی ممکن ہے، جن میں وہ جلوہ نما ہو رہی ہے۔ یہ صورتیں اگر برق کی روشنی تیز ہو، اس میں محجوب ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہ پردے مکدر ہوں تو برق محجوب ہو گی۔ یہی کیفیت حواس اور نفس اور قلبِ انسانی کی ہے کہ قلب کا تصفیہ اور نفس کا تزکیہ ہو تو نورِ حقیقت ان کو بھی نورٌ علیٰ نور بنا دے گا۔ سورۂ نور میں اس کی تشریح کی گئی ہے۔ کلام اللہ کی تشریح ایک اور آیت میں بھی کی گئی ہے اور یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔

ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا
او من وراءِ حجاب او یرسل رسولا
فیوحی باذنہ مایشاء (۴۲: ۵۱)

کہ ناممکن ہے کہ کوئی انسان اللہ کا کلام بالمشافہ سن سکے۔
اس کی تین ہی صورتیں ہیں، ایک تو فطری تحریکات،
دوسری صورت حروف، تیسری بہ ذریعۂ رسول (ملک)

فطری تحریک پر بحث تحصیل حاصل ہے۔ ہستی کے ہر ایک طبقہ میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ شہد کی مکھی اس کی واضح مثال ہے۔ اس وحی یا فطری تحریک میں انسان دیگر اشیاء سے ممتاز نہیں ہے لیکن دوسری صورت انسان کے لیے خاص ہے "من وراء حجاب" صورت حروف ہی سے ہے۔ تیسری صورت میں فرشتے کے ذریعے رسول کے قلب میں القاء ہوتا ہے۔ (فانہ نزلہ علی قلبک ــــ)

علمی تحقیق یہ ہے کہ معانی مجرد بلا صورتِ حروف و بلا صورتِ صوت قلبِ انسانی میں متحقق و متصور نہیں ہو سکتے۔ بس مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن مجید بلفظہ وحی ہوا، بالکل صحیح ہے[1]۔ وہ حضرات جو اصول علم الاصوات یا موسیقی سے واقف ہیں، اس حقیقت سے بہ خوبی آشنا ہیں کہ "سُر" تعداد میں سات ہیں جن کے درجات بھی سات ہیں۔ یہ اصوات جہرہ ہیں۔ ان کے علاوہ "سُرت" ہیں، جن کی تعداد اکیس ہے اور بعض کے نزدیک بائیس ہے۔ یہ "اصوات خفیہ" ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

---

[1] اس علمی تحقیق کی بنا پر وحی خفی کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹ جاتا ہے۔

نام سُر	نام درجات	
(۱) کھرج یا شرج	(۱) بدھ	صحیح یا درست یا معتدل جو اپنی اصلی حالت پر قائم ہو (کھرج اور مَم)
(۲) رکھب یا رِشب	(۲) کومل	بدھ سے ایک درجہ اترا ہوا
(۳) گندہار	(۳) اتی کومل	" " دو درجہ " "
(۴) مدھم	(۴) شُکاری	" " تین درجہ " "
(۵) پنچم	(۵) تیور	" " ایک درجہ چڑھا ہوا
(۶) دھیوت	(۶) منتیور	" " دو درجہ چڑھا ہوا
(۷) نکھاد یا نشاد	(۷) تیور تم	" " تین درجہ " "

نام سُرت

(۱) تیترا (۲) کُوُدنی (۳) مَندرکا (۴) چھنہ وُدَتی

(۱) دَیاوتی (۲) رَنجنی (۳) رَگتیکا

(۱) سوی (۲) کرودھ

(۱) بجرا (۲) پرسارنی (۳) پریتی (۴) مارجنی

(۱) چھتی (۲) رکتا (۳) سندے (۴) الاپتی

(۱) مَندتی (۲) روہنی (۳) رَمیا

(۱) اُگرا (۲) چھوبھنکا

اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقت حجاب در حجاب ہے۔ ہر ایک حجاب پر ایک پردہ اور ہر ایک صورت پر ایک رنگ ہمارے تعلقات کی وجہ ہے اور ہمارے ہی حواس میں ہے اور ہمارے لیے ان ہی پردوں اور حجاب میں فہمِ حقیقت ممکن ہے، اس لیے یہ جانتے ہوئے کہ وہ کسی شے کی مثل نہیں جب یہ کیفیت ہمارے ذہن میں پیدا ہوسکتی ہے کہ وہ سمیع و بصیر و کلیم ہے تو اس کیفیت کا پیدا کرنا کیا مشکل ہے کہ اللہ تعالےٰ ہماری سُنتا ہے، لیکن کانوں سے بے نیاز ہے۔ سب کچھ دیکھتا ہے، لیکن آنکھوں سے پاک ہے۔ کلام فرماتا ہے۔ لیکن زبان و حلق کے بغیر۔ وہ ہر ایک سے اُسی کی بولی میں کلام فرماتا ہے، تاکہ وہ سمجھے۔ اس کی کوئی بولی نہیں، لیکن تمام بولیاں اُسی کی ہیں:

بکیست ترکی و تازی دریں میاں حافظ حدیث عشق بہ خواں بہ ہر زباں کہ تو دانی

علمی تحقیق یہ ہے کہ انسانی بولیاں بھی خود انسانی اختراع نہیں۔ یہ موضوع علم الالسنہ کا ہے۔ حروف ابجد ابتدا میں تصویری حروف تھے اور اختصار نے موجودہ صورت اختیار کی۔ تصویری حروف بلاشبہ صحیفۂ فطرت سے ماخوذ ہیں جس کا مصنف اللہ تعالیٰ ہے۔

خود اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اور ہمارا کلام سننا دو مختلف امور ہیں، جن کو تاویل زیرنظر میں بُری طرح خلط کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسباب سے بے نیاز ہے جو اسی کے پیدا کردہ ہیں، لیکن ہم ان اسباب سے بے نیاز نہیں ہوسکتے جو ہمارے فائدے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ تاویل زیربحث میں یہ تو صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سماعت و بصارت و نطق، کان اور آنکھ اور زبان کی محتاج نہیں لیکن ہمارے قلب میں الفاظ و حروف کا پیدا کرنا اس کے لیے کیا مشکل ہے اور جیسا کہ بحث کی گئی ہے۔ امر واقع بھی یہی ہے۔

لوح محفوظ | قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق ایک تاویل یہ بھی ہے کہ قرآن شریف جس سلسلہ سے نازل ہوا تھا وہ موجودہ ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے وہ قرآن جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے اس قرآن سے بلحاظ ترتیب مختلف ہے، جو لوح محفوظ میں پایا جاتا تھا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل قرآن میں تغیر پیدا ہوا اور ہر تغیر پذیر چیز حادث ہے، حالاں کہ خدا کی طرح اس کے کلام کو بھی غیرفانی ہونا چاہیئے۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف نجمًا نجمًا نازل ہوا ہے یعنی اس کی ہر ایک آیت خاص وقت اور خاص حالات میں جناب رسالت مآب پر نازل ہوئی ہے جس کو اصطلاح میں شانِ نزول کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک وہ خاص وقت نہ آیا تھا، وہ آیت بھی موجود نہ تھی، اس لیے یہ کہنا کہ پورا قرآن لوح محفوظ میں ازل سے درج تھا، بے معنی ہو جاتا ہے۔ —— یہ تاویل نہایت پریشان اور پریشان کن ہے۔

قرآن میں کفار وغیرہ کو ریب تھا اور ہے (وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا) خود اللہ کے منکر بھی موجود تھے اور ہیں، لیکن صحیفۂ فطرت کا انکار کوئی شخص نہیں کرسکتا۔ لاریب فیہ الکتاب کی ہی صفت ہے "لوح محفوظ" یہی کتاب فطرت ہی ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

ے خود قرآن مجید اپنے آپ کو محدَث کہتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ خدا کا کلام خدا کی طرح غیرفانی بھی ہو (الا ماشاء اللہ) قرآن مجید سے پہلی ... نبی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ خدا تعالیٰ خالق ہے اور کلام مخلوق اور مخلوق کبھی خالق کی مثل نہیں ہوسکتی۔

انہ لقرآن کریم، فی کتٰب مکنون، لا یمسّہ الا المطھرون، تنزیل من ربّ العٰلمین۔ ۵۶/۲۷

یہی وُہ صحیفۂ مقدسہ ہے جس کو پاک دل ہی چھو سکتے ہیں جن کا تصفیہ قلب و تزکیہ نفس ہو چکا ہو اسی کو کتاب مکنون ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ اس کے معانی تصویری حروف "غیب" ہیں، جن کا اظہار اپنے رسولوں پر ہی فرمایا کرتا ہے، جو نفوس قدسیہ ہیں۔ اسی کا نام کتاب منیر (۲۵/۳) اور کتاب مبین (۵/۶) ہے ۔۔ ۔۔ یہ صحیفہ ہر ایک کے سامنے کھلا ہوا ہے۔ یہ بلند تر صحیفہ لوح محفوظ میں ہے، جہاں کسی شیطان کی دسترس نہیں اور قرآن چوں کہ اسی کا بیان ہے، اس لیے قرآن کی حقیقت لوح محفوظ میں ہی ہے۔

یہ قیاس یا تاویل ہرگز قرین عقل نہیں کہ ایک اُمّی شخص جو اَن پڑھوں ہی میں پرورش پائے، جو لکھنا

وماکنت تتلوا من قبلہ من کتٰب ولا تخطّہ بیمینک اذًا لارتاب المبطلون۔ ماکنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان۔ ۲۹/۴۸

پڑھنا نہ جانتا ہو، جس کو دین کے مبادی کا بھی علم نہ ہو، ایسی عالی شان کتاب جیسی کہ قرآن عظیم ہے۔ جو اعلیٰ فصاحت اور بلاغت کے درجہ پر واقع ہے۔ اس کی نسبت یہ قیاس کرنا کہ اس کا مفہوم تو وحی ہوا، مگر الفاظ رسول کریم کے ہیں ۲۷/۲۵ صحیح نہیں۔ جب کہ لبید سا شاعر بھی سُن کر مبہوت رہ جاتا ہے۔ کچھ تو عقل سے کام لینا چاہیے:

قال را بگذار و مردِ حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

ترتیب آیات | اس تشریح کے بعد جو ہم نے محکماتِ قرآنی کے رو سے لوح محفوظ کی کی ہے، ترتیب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیات خواہ کسی وقت نازل ہوئی ہوں، خواہ بہ لحاظ ترتیب مقدم و موخر ہوں، دیکھنا یہ ہے کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کو کس ترتیب میں رکھا۔ جو شخص یہ کہتا ہو کہ ابتدا میں یہ ترتیب نہ تھی، جو کہ اب موجود ہے، اُسے ثابت کرنا چاہیے کہ ابتدا میں کیا ترتیب تھی؟ اور ابتدا سے اس کی مراد کیا ہے؟ ہمارے پاس تو یہ دلیل کافی ہے کہ ہر ایک زمانہ میں یہی قرآن مجید "بین الدفتین" موجود اور محفوظ رہا، جیسا کہ اب ہے اور دنیا اسلام اسی قرآن مجید سے واقف ہے اور اسی پر سب کا اتفاق ہے۔ قرآن مجید کی داخلی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب ابتدا سے یہی کچھ تھی، جواب ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ[۵] کے شروع

---

۵ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ۔ ۲/۳

میں ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے، جو قرآن کو کلام خدا نہیں مانتے کہ جو کام ایک بشر نے کیا، دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے تم بھی اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اگر یہ افترا ایک شخص کا ہے تو تم سب مل کر ایسی ہی افترا پردازی کرو۔ سورۂ بقرہ سے پہلے ایک ہی سورہ فاتحہ ہے اور اسی کو مقابلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ گیارھویں سورت میں مذکور ہے کہ اگر یہ افترا ہے تو تم بھی ایسی ہی دس مفتریات بنا لاؤ۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بقرہ سے پہلے ایک سورت اور سورہ ہود سے پہلے دس سورتیں ہیں۔

لقد وصلنا لهم القول لعلهم يتذكرون ۲۸ | آیات کی ترتیب میں اگر کچھ تغیر واقع ہوا ہو، تو اس کے معنی ہیں کہ آیات میں ربط اور موزونیت نہیں ہے۔ یوں تو کوتہ اندیش صحیفہ قدرت کی آیات میں کوئی ربط و نظم نہیں دیکھتے اور قرآن مجید تو اس کا بیان ہے۔ اگر کسی عبارت کے فقروں میں رد و بدل کر دیا جائے، تو ظاہر ہے کہ عبارت یا تو بے معنی ہوگی یا اس کا مفہوم بدل جائے گا۔ یہ فرض معترض کا ہے کہ وہ ثابت کرے کہ قرآنی آیات کی ابتدا میں جو کچھ ترتیب تھی اس کا مفہوم ایسا اور ایسا ہے اور اب ترتیب بدلنے سے مفہوم بدل گیا ہے۔

موسیقی میں آلنکار سے مراد "سُر" اور "تال" اور "لے" ہے۔ لے سے مراد دو سُروں کا موزوں وصل ہے (Harmony) اگر قرآنی آیات میں قول کا وصل موزوں نہ ہو، تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اعتراض صحیح ہے، لیکن قرآنی نظم و موزونیت کا انکار ہو ہی نہیں سکتا اور نہ آج تک کسی نے کیا اور اگر تمام جہان انکار بھی کرے، تو یہ کوئی دلیل نہیں، جب تک قرآنی آیات میں ناموزونیت ثابت نہ کی جائے اور جب موزونیت ثابت شدہ امر ہو، تو نتیجہ واضح ہے کہ اس کی ترتیب جیسا کہ چاہیے، ویسی ہی محفوظ ہے۔ قرآن مجید کی ترتیب آیات پر کھنے کا معیار خود قرآن نے بتا دیا ہے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور چونکہ یہ ایک اہم علمی بحث ہے، اس لیے اس مقام پر اختصار کی گنجائش نہیں۔ ایک محقق نے لکھا ہے کہ حروف مقطعات من جملہ دیگر فوائد کے ان سورتوں کی آیات کا وزن (Key note) ہیں جن پر یہ واقع ہوئے ہیں۔

ان علینا جمعه وقرآنه فاذا قرأنه فاتبع قرآنه ثم ان علینا بیانه ۷۵ | اس تشریح کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قرآن مجید تمام و کمال کلام اللہ ہے اور بلفظہ وحی ہے اور من و عن محفوظ چلا آتا ہے اور اس کی سورتوں اور آیات کی ترتیب بھی وہی کچھ ہے جو ابتدا میں تھی اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن آں حضرتؐ پر "الروح الامین" تلاوت کرتا تھا اور اللہ کے ارشاد کے تحت میں جمع ہوا اور مرتب ہوا، بالکل صحیح ہے۔ ہم نے داخلی اور علمی شہادت پر اکتفا کیا ہے۔ خارجی شہادت کو خارجی نظر انداز کر دیا ہے۔

لہ ام یقولون افتراہ، قل فاتوا بعشر سور مثله مفتریات وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صادقین۔ ۱۱

قرآن

(جناب احمد مختار صاحب کنسلٹنگ انجینیر گجرات پنجاب)

مسلمان قرآن کو مانتے ہیں — بہت قیمتی چیز گردانتے ہیں
رموزِ تلاوت کو بھی جانتے ہیں — حروف و مخارج کو پہچانتے ہیں
بہت سے ہیں لیکن نمائش کے عالم
نہیں اُن سے بڑھ کر کوئی آج عالم

وہ ہر روز کرتے ہیں اس کی تلاوت — مگر اُن کے دل میں نہیں اس کی عزت
حاشیوں پہ مائل ہے ایسی طبیعت — جو پوچھو کسی مسئلہ کی حقیقت
جواب اس کا قرآں سے ہرگز نہ دیں گے
مگر غیر اقوال پہ کٹ مریں گے

نمازوں کے اوقات و تعدادِ رکعت؟ — زکوٰۃ اور روزوں کی کیا ہے حقیقت؟
وضو کیا ہے اور اس کی کیوں ہے ضرورت؟ — وہ کب ٹوٹتا ہے بروئے شریعت؟
بروئے خرد اس میں کیا مصلحت ہے؟
یہ تقلید ہے محض یا مصلحت ہے؟

خدا ایک کیوں اور کیا ہے رسالت؟ — جزا کیا ہے اور کیا ہے روزِ قیامت؟
عمل میں محاسن کی کیوں ہے ضرورت؟ — جہنم ہے کیا اور کیا شے ہے جنت؟
نہیں ان حقائق سے واقف یہ حضرت
نہیں ان معارف کے عارف یہ حضرت

شرابی، زناکار، مکار، جھوٹے — دغا باز، ڈاکو خدا جن سے روٹھے
جنھوں نے خیانت سے گھر کتنے لوٹے — جو کلمہ وہ پڑھ لیں تو دوزخ سے چھوٹے
یہ آزادیاں سب روایات سے ہیں
مخالف جو قرآں کی آیات سے ہیں

بہت اس طرح کے فقہی مسائل ہیں قرآن اور مولویت میں حائل
مسلماں میں کثرت سے نادان و جاہل مگر پھر بھی قرآں کو کہتے ہیں کامل
مگر مولوی راستے میں ہے بیٹھا
نہیں راہ حق پر انھیں چلنے دیتا

روایات اُسے ہیں بہت یاد ایسی فسانہ عجائب کی باتیں ہیں جیسی
وہ کرتا ہے تاویل و تطبیق ان کی کتاب خدا کی ہو گو اس میں ہتک
کہ سیکے گا نہ ترس و خوف خدا ہے
روایات پہ ایسا شیدا ہوا ہے

جو یہ ہر طرف سے گلہ ہو رہا ہے مسلمان غفلت میں کیوں سو رہا ہے
وہ خود اپنی ہستی کو کیوں کھو رہا ہے جسے دیکھ کر ہر کوئی رو رہا ہے
اُسے دین و دنیا کی حاصل تھی شاہی
یہ کب سے ملی ہے اُسے رُوسیاہی

جواب اس کا آسان اور مختصر ہے حقیقت پہ جن صاحبوں کی نظر ہے
ہے معلوم اُن کو یہ کس کا اثر ہے؟ فقط مولوی کی حدیث و خبر ہے
مسلماں کو قرآن سے دُور رکھا
اُسے عاشق قصۂ حور رکھا

کہا اُس نے دنیا کو بے کار ناحق: "بنے ہو تم اس کے طلب گار ناحق"
کیا ظاہراً اپنے کو غم خوار ناحق ہمیں کر کے دنیا سے بیزار ناحق
وہ خود مال دنیا کو کر کے اکٹھا
ہے آرام سے اپنی مسند پہ بیٹھا

مسلماں کو ذلت جو حاصل ہوئی ہے جو افلاس و بے دینی و گمرہی ہے
یقیں ہے کہ اس کا سبب مولوی ہے غلامی کا، نکبت کا باعث یہی ہے
دیا چھوڑ قرآن کو جب سے اس نے

دھکیلا گڑھے میں ہمیں تب ہے اس نے

کوئی پوچھے مسئلہ آپ اس سے	سمجھتے ہو دے گا جواب اس کا کس سے؟
حدیث اور روایت کہ شرم آئے جس سے	تعلق نہ ہو جس کا عقل اور حس سے

اور اس بارہ میں اس سے قرآں کی آیت
جو پوچھے کوئی آئے گی اس کی شامت

غرض مولوی نے مسلماں کے دیں کو	بگاڑا ہے اور روند ڈالا یقین کو
در شرک پر خود جھکا کر جبیں کو	کیا بُت کا مسکن خدا کی زمیں کو

× × × × × × ×

× × × × × × ×

مسلماں نے قرآں کو جب سے چھوڑا	اباطیل سے رشتہ ہے جب سے جوڑا
ہوا تب سے ہے بے لگام اس کا گھوڑا	کہ جس نے اُسے جس طرف چاہا موڑا

کہیں اس نے کافر کو سمجھا ہے رہبر
کہیں اپنا سر پھوڑا بھائی سے لڑ کر

مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے	سبق اُن کو مرضی کا اپنی دیا ہے
متاع ہدیٰ چھین اُن سے لیا ہے	کوئی ہو کے گم رَہ کب تک جیا ہے؟

ہمیں است تدبیر ایں قوم احمد
کہ دستور خود حرف قرآں بسازد

معذرت | "البیان" کے پچھلے نمبر کا مضمون "علاج مصائب" رسالہ "معارف" سے نقل کیا گیا تھا، مگر غلطی سے اس کا حوالہ نہیں دیا جا سکا۔ ناظرین نوٹ کر لیں۔

تقریظات

مخزنِ اخلاق | مؤلفہ مولوی رحمت اللہ صاحب سبحانی۔ لکھائی چھپائی کاغذ بہت اچھے۔ سائز ۲۲×۱۸ ضخامت : ۴۸۸ صفحات قیمت مجلد سنہری : دو روپے آٹھ آنے۔ ملنے کا پتہ : حکیم محمد حسین علوی، مومن پورہ، راوی روڈ۔ لاہور۔

بیکن کا قول ہے "بعض کتابیں صرف چکھ لینے کے لائق ہیں۔ بعض نگل جانے کے قابل اور بہت تھوڑی، جن کو چبانے اور ہضم کرنے کی ضرورت ہے۔" "مخزنِ اخلاق" کا شمار آخری قسم کی کتابوں میں ہوتا ہے۔

کتاب کا آغاز "احکامِ خدا" سے ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت قرآنِ حکیم کی ۱۲۷ سبق آموز آیات جمع کی گئی ہیں۔ پھر "ارشاداتِ نبوی" سیرتِ رسول، امثالِ سلیمانؑ اور مواعظِ عیسیٰؑ کے عنوانوں کے ماتحت نہایت قیمتی اور مبارک احادیث و امثال پیش کردی گئی ہیں۔ اس کے بعد بزرگانِ اسلام، دانایانِ فرنگ، فلاسفۂ عجم، صلحائے عرب اور صوفیۂ کرام کے مبارک اور سبق آموز اقوال و ارشادات جمع کیے گئے ہیں۔ تزکیۂ نفس اور تربیتِ اخلاق کے متعلق صدہا ضرب الامثال، ہندی کے دلکش اور مفید دوہے (معہ مطالب) پاکیزہ اور دلچسپ حکایات اور منتخب اشعار نے بھی "مخزنِ اخلاق" کی دلکشی میں خوب اضافہ کیا ہے۔ زبان بہت صاف، سادہ اور سلیس ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے سے طبیعت متاثر ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ انسان اپنے اخلاق کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔

"مخزنِ اخلاق" کا مطالعہ ہر عالم و عامی کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ اصلاحِ اخلاق کے سلسلے میں اردو زبان میں ایسی اچھی اور سستی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی۔ ایسے تمام تعلیم یافتہ اصحاب کو، جو اخلاقی کتابوں کی تلاش میں ہوں، "مخزنِ اخلاق" کی طرف بھی ضرور توجہ کرنی چاہیے۔

"س"

زندگانیِ محمدؐ

اسلامی جرائد کی نظر میں

(۱)

سیرت نبی اکرمؐ سے متعلق اس دور میں جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، اُن میں مصر کے مشہور روشن خیال محقق جناب علامہ محمد حسین ہیکل کی تصنیف یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ ہم نے جب اس کتاب کو دیکھا، تو قوم کے نوجوانوں کی حالت پر افسوس ہوا کہ اُنھوں نے عربی سے بیگانہ ہوکر اپنے آپ کو نہ صرف اپنے اسلاف کی متاعِ گراں۔ بہا سے محروم الارث بنالیا، بلکہ متاخرین کے علمی کارناموں سے بھی محروم رہ گئے۔ اب معلوم ہوا کہ اس کتاب کا فارسی ترجمہ بھی ہوگیا ہے، لیکن مسلمانوں کی تہی دامنی کا کیا علاج کہ وہ تو اب فارسی سے بھی بیگانہ ہوچکے ہیں۔ فاضل مؤلف نے اس کتاب میں دو نہایت ہی معقول مقدمے بھی لکھے ہیں، جو حفاظتِ قرآن اور جمع حدیث سے متعلق ہیں اور جن میں معجزات کا بھی ضمنی ذکر آگیا ہے۔ ایک میں "تجدید پسند" طبقہ کے اعتراضات کا جواب ہے۔ دوسرے میں قدامت پسند مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جناب محمد حسین عرشی امرت سری کی نگۂ انتخاب کی داد دیجیے کہ اُنھوں نے اس متاعِ گراں بہا کو بھانپا اور ان کو اُردو کا لباس پہنا دیا، جسے اُمتِ مُسلمہ امرت سر کے ماہ نامہ البیان نے اپنے جون نمبر کی شکل میں شائع کیا ہے۔ جناب عرشی صاحب کا حفاظتِ قرآن کریم سے متعلق ایک مفید مضمون بھی آخر میں بڑھا دیا گیا ہے۔ جناب عرشی اور ارکانِ البیان اپنی اس سعی و کاوش کے لیے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہم جناب عرشی سے گذارش کریں گے کہ اگر انھیں "کشاکشِ ہستی" سے کچھ فرصت مل جائے، تو وہ جناب ہیکل کی تمام و کمال کتاب کا ترجمہ کردیں۔ یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ قوم کے نوجوان طبقہ تک صحیح تعلیم پہنچانے کا یہی ایک ذریعہ باقی رہ گیا ہے۔

البیان کا زیرِ نظر پرچہ دفترِ اُمتِ مسلمہ امرت سر سے ۱۰ روپیہ میں مل سکتا ہے۔

(طلوعِ اسلام" جولائی ۱۹۴۰ء)

چند اہم کتابیں

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں چند اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۱۴۴ صفحات۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک

مطالعہ حدیث

(مدیر نگار کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب

یہ اس کی سہ ماہہ تکمیل ہے اس مضمون کی، جو نگار میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ تیرا دہ نہ کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث اور ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو بہت غور و تامل کے قابل ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے، جس میں تدوینِ احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقاتِ نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو گی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے۔ اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ ۲/ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

منیجر دفتر امت مسلمہ امرتسر

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

نمبر ۱۱	نومبر ۱۹۴۰ء مطابق شوال المکرم ۱۳۵۹ھ	جلد ۲

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمّتِ مُسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا۔

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

عہدِ حاضر کی ایک بے مثال کتاب

"زندگانی محمدؐ" علامہ محمد حسین ہیکل وزیر تعلیم مصر کی ایک لاجواب تالیف ہے۔ اس کتاب کی قدر و عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے پہلے ایڈیشن کی تین ہزار جلدیں، پریس ہی میں فروخت ہوگئی تھیں اور باقی سات ہزار جلدیں صرف تین ماہ کے اندر اندر ختم ہوگئیں۔ پھر ایران میں اس کا فارسی ترجمہ ہوا اور وہاں بھی ہزار ہا کی تعداد میں شائع ہوا۔ اب دفتر امتِ مسلمہ امرتسر نے زندگانی محمدؐ کے مقدمے کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں قرآن مجید کی ترتیب اور پیغمبر اسلام کی مقدس زندگی پر اہل مغرب کے تمام اعتراضات کے نہایت مدلل اور معقول جواب دیے گئے ہیں۔ اس کے متعلق مشاہیر و جرائد کے چند تبصروں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ زندگانی محمدؐ ایک قابل قدر تالیف ہے۔ (اعلیٰ حضرت فرمانروائے مانگرول)

۲۔ زندگانی محمدؐ کا مقدمہ عالمانہ معلومات سے پُر ہے۔ میں نے اس کتاب کو دیکھتے ہی شوق سے پڑھا اور دل چسپ پایا (سر عبدالقادر مرحوم)

۳۔ بہت اچھی کتاب ہے اور بہت اچھا ترجمہ۔ (ڈاکٹر ذاکر حسین پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی)

۴۔ جہاں تک مغرب زدہ گروہ کی پریشان خیالیوں کا تعلق ہے، مصنف کی کوششیں مستحق اجر و قابل داد ہیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

۵۔ علامہ محمد حسین ہیکل کی کتاب (زندگانی محمدؐ) یقیناً ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ (طلوع اسلام)

۶۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کتاب کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔ (سب رس)

۷۔ کتاب بڑی تحقیق اور کاوش سے لکھی گئی ہے۔ مسلمانوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ (شاعر)

۸۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (جامعہ)

۹۔ جو نوجوان اسلام اور پیغمبر اسلام کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہوں، ان کے لیے اس پاکیزہ کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (حمایت اسلام)

۱۰۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً اس موضوع پر یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ (پیام نسواں)

لکھائی، چھپائی اور کاغذ صاف ستھرا۔ ضخامت ۱۲۸ صفحے۔ ۱۳ ار ٹکٹوں کی صورت میں یا بہ ذریعہ منی آرڈر بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

ملنے کا پتہ: **دفتر امتِ مسلمہ امرتسر (پنجاب)**

کتب خانہ

البیان

اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ | نومبر ۱۹۴۰ء مطابق شوال المکرم ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱۱

فہرستِ مضامین

محمد حسین ایڈیٹر، پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس متصل سنتوکھ سر امرتسر میں چھپوا کر دفتر اُمّتِ مُسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا۔

شذرات

جب کسی فصل کی کاشت کا موسم آجائے، تو کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، کھاد ڈالتا ہے، بیج بوتا ہے، پانی سے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے، شدت کی گرمی ہو یا کڑاکے کا جاڑا، ہر وقت، ہر لحظہ، اس کے دل کی لگن اُس کے فصل ہی کی طرف متوجہ رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی حفاظت و نگہداشت میں دن رات ایک کر دیتا ہے اور آخر کار کئی ماہ کی شدید جدوجہد، محنت اور حفاظت کے بعد فصل تیار ہوتی ہے اور جو تھوڑا بہت اناج کسان کے نصیبے میں ہوتا ہے، اُسے بل رہتا ہے۔

مگر محنت اور نگرانی پر ہی کسان کی ساری ذمہ داری بس نہیں ہو جاتی، اس کا ایک بہت بڑا فرض یہ بھی ہے کہ آئندہ فصل کے لیے بیج کی حفاظت کرے۔ کیوں کہ بیج کی حفاظت کیے بغیر، اس کی معاش کا سارا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا اور وہ نہ صرف خود ہی مشکل میں پھنس جائے گا، بلکہ اس کے علاوہ وہ تمام لوگ بھی تکلیف اٹھائیں گے، جو اس کی سعیٔ معاش کے ساتھ بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں۔

یہ صرف اناج کی فصلوں کی ایک مثال ہے، ورنہ دنیا میں صدہا قسم کی فصلوں کا ایک سلسلہ روزِ اوّل سے جاری ہے۔ ازاں جملہ ایک فصل نوعِ انسان کی فصل ہے۔ انسان خود ہی اپنی فصل کا کاشت کار ہے، وہی اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی پرورش کا خیال رکھتا ہے۔ اسے سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔ اس کی فصل بھی اناج کی فصل کی طرح تیار ہوتی ہے۔ عام اجناس کے بیج کی طرح انسانی فصلوں کا بھی بیج ہوتا ہے۔ جس طرح غلے کا بیج اچھا ہو، تو عمدہ فصل کی توقع کی جاتی ہے، اسی طرح جنس انسانی کا بیج بھی اچھا ہو، تو فصل اچھی ہوتی ہے، ناقص ہو، تو اس کی فصل بھی خراب ہوتی ہے۔ فطرت اپنے قانون کو ہر جگہ برابر قائم رکھتی ہے۔ اس کے مقرر کیے ہوئے قاعدے ہر زمانے میں، ہر ملک میں اٹل ہی رہتے ہیں۔ زمانے کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے، جو ان کے مخصوص عمل واقتدار اور مقررہ تاثیر و تسلط کی راہ میں حائل ہونے کی جرأت کر سکے۔

فصلِ انسانی کا بیج کیا ہے؟ بچے، جو والدین کی گود میں پرورش پا رہے ہیں:

جب ان بچوں کو آغوش سے نکال کر زمین پر بکھیر دیا جاتا ہے، تو جس ڈھنگ کے ساتھ، جس محنت اور کوشش کے ساتھ اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی گئی ہے، اسی محنت، حفاظت اور کوشش کی نسبت سے ان کی فصل تیار ہوگی۔

جس بچے نے دنیا میں آکر جس طرح کی فضا اوّل اوّل اپنے سامنے موجود پائی، جس طرح کے ماحول میں اُسے پروان چڑھنے کا موقعہ حاصل ہوا۔ جس طرح کے حالات و مناظر اس کی آنکھوں نے دیکھے، جس طرح کے کلمے اس کے کانوں نے سُنے، وہ فضا و ماحول، وہ حالات و مناظر، وہ اقوال و خیالات، اچھے ہوں یا بُرے، اس کے دل و دماغ میں نقش ہوکر ہی رہیں گے۔ اگر اس نے کسی مشرک گھرانے میں جنم لیا، اگر اس نے کفر و بے دینی کی فضا میں پرورش پائی، اگر اس کے ماحول میں کفر و عصیان اور شرک و الحاد کے سوا کچھ نہ تھا، تو عام حالات میں ناممکن ہے کہ اس کی فطرت اپنے گرد و پیش کی نجاستوں سے آلودہ نہ ہو اور اگر اس کے خلاف جس بچے نے آنکھ کھولتے ہی خدائے واحد کی عبادت و پرستش کے نمونے اپنے سامنے موجود پائے، اگر اس کے کانوں نے جو پہلی آواز سُنی، وہ کلمۂ توحید کی آواز تھی، اگر اس کا ماحول، نیکی، سچائی، شرافت اور پاک بازی کا ماحول تھا، تو آپ یقین کیجیے، اس کی فطرت، فطرتِ الٰہی کے سانچے میں ڈھل کر رہے گی۔ بچے کا دماغ ایک سفید کپڑے کی مانند ہے۔ جس رنگ میں آپ اس کو رنگ دیں گے، اُسی رنگ میں وہ رنگا جائے گا۔ اگر آپ نے ایک مرتبہ اُسے سیاہ کر دیا ہے، تو پھر یہ بڑا ہی مشکل ہے کہ آپ اس کو سرخ یا سفید رنگ میں تبدیل کر سکیں۔

یہ مختصر سی تمہید اس لیے قائم کی گئی ہے کہ مَیں آپ کے سامنے وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ "البیان" کے پچھلے نمبر میں ایک قرآنی سکول کے قیام کی تجویز پیش کی جا چکی ہے۔ اس وقت ہمارے مقامی حالات یہ ہیں کہ یہاں چند مخلص دوستوں کی ایک مختصر جماعت، اُمّتِ مُسلمہ کے نام سے قائم ہے۔ اس سوسائٹی کے قیام کو آج سولہ برس کا طویل عرصہ گذر چکا ہے۔ اس سوسائٹی کی تشکیل کا مرکزی اور بنیادی

مقصد یہ تھا کہ اس کی منظم کوششوں کے ذریعے عامۃ المسلمین کو قرآن مجید کی مبارک تعلیمات کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی جائے۔ اس مجلس کے بانی حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم باعمل بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ عمر کے آخری حصہ میں بھی وہ شبانہ روز کتاب عزیز کی تفسیر میں مصروف رہے۔ انھوں نے اپنی بساط کے مطابق تبلیغ قرآن کا حق ادا کر دیا اور یہ اُن ہی کے صدق و اخلاص اور سعی و جہاد کا اثر ہے کہ اُمت مسلمہ کے نام سے قرآن کے نام لیواؤں کی ایک سوسائٹی معرض وجود میں آئی۔ آج اس جماعت کے پاس ایک مستقل تبلیغی دفتر ہے، ایک اچھی خاصی لائبریری ہے، ایک کتب خانہ ہے، ایک ماہوار پرچہ ہے، ایک شان دار مسجد ہے اور یہ سب ادارے قانونی طور پر، ایک باقاعدہ ٹرسٹ کے ماتحت، خدا کی راہ میں وقف کر دیے گئے ہیں۔ بظاہر یہ بہت بڑا کام ہے اور جب تک خدا تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و احسان کسی جماعت کے شامل حال نہ ہو اس طرح کا کارنامہ سرانجام دینا ناممکن ہے، مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی۔ ہمیں اپنی کوتاہیاں صاف نظر آ رہی ہیں اور ہم ایک لحظہ کے لیے بھی اپنی خامیوں کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

مثلاً ایک بہت بڑی کمی یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی مستقل مبلغ نہیں ہے۔ چند ماہ گذرے، لاہور کے دو مخیر دوستوں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر اُمت مسلمہ اپنے اغراض و مقاصد کی تبلیغ کے لیے کوئی مبلغ انتخاب کر لے، تو وہ آزمائشی طور پر چند ماہ کے اخراجات اپنی جیب سے ادا کر دیں گے۔ اس پیش کش کی بناء پر "البیان" میں برابر تین ماہ تک مبلغ کی ضرورت پر اشتہار دیا گیا، مگر یہ تعجب کی بات ہے کہ ہماری دعوت کے جواب میں ایک بھی درخواست موصول نہ ہوئی۔ یہ ناکامی ایسی نہ تھی، جسے ہم محسوس کیے بغیر رہ سکتے۔ چنانچہ پچھلے چند ماہ سے یہی سوچا جا رہا ہے کہ اس بہت بڑی ضرورت کو کس طرح پورا کیا جائے۔ آخر کار صرف ایک تجویز ذہن میں آ سکی اور وہ یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے، یہاں مرکز میں ایک قرآنی اسکول کھول دیا جائے۔ اب جب کہ دفتر کے بالکل ساتھ ہی، مسجد کی عمارت بھی

ہونے والی ہے، ہماری یہ تمنا اور بھی زیادہ مضبوط ہوگئی ہے، کہ اس مسجد کو محض رکوع و سجود ہی کا کام دینے کے لیے نہ چھوڑ دیا جائے، بلکہ اس سے کوئی بڑھ کر اور مفید کام بھی لیا جائے۔ یہ مسجد توحید کا مرکز بنے، تبلیغ کا منبع قرار پائے اور قرآن مجید کی یونیورسٹی کا کام دے، ورنہ جس حالت میں ہر شہر میں، چپے چپے پر مسجدیں موجود ہیں، ان جیسی ایک اور مسجد تعمیر کر ڈالنے کا کیا فائدہ؟ ہم عوام کی طرح کسی رسم پرستی میں قطعًا اعتقاد نہیں رکھتے، لیکن اگر یہ مسجد قوم کے لیے صحیح معنوں میں مفید ثابت نہ ہوئی، تو ہمیں یہ بات یقینًا صدمہ پہنچائے گی کہ گو اعتقادی طور پر ہم نے کسی رسم پرستی کا تہیہ نہ کیا تھا، مگر عملی طور پر وہ رسم پرستی ہی ثابت ہوئی!

میں عرض کر چکا ہوں کہ اُمتِ مُسلمہ امرتسر کے ارکان کی تعداد بہت مختصر ہے اور یہ خامی صرف اس لیے ہے کہ ہمارے پاس کوئی باقاعدہ اور مستقل مبلغ نہیں۔ تبلیغ کا جس قدر بھی کام ہو رہا ہے، وہ لٹریچر کی صورت میں ہے یا "البیان" کی ماہانہ اشاعت کی صورت میں، مگر یہ مطمئن اور قانع کر دینے والی چیزیں نہیں ہیں۔ زندگی کا وقت تیزی کے ساتھ گذرتا جا رہا ہے۔ آخر ہم نے جلد یا بدیر، دنیا کو الوداع کہنا ہے۔ اگر ہم اپنا کام اچھے اور لائق جانشینوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر دنیا سے رخصت نہیں ہوں گے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو تھوڑا بہت کام اس وقت سرانجام دیا جا رہا ہے، وہ ختم ہو جائے گا۔ یہ ساری محنت جو ہماری انتہائی دماغی کدو کاوش کا نتیجہ ہے، یہ تمام ذخیرے، جو ہم نے ایک ایک پائی فراہم کر کے تیار کیے ہیں، یہ سارا سلسلہ، جو محض اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بڑی جدوجہد کے بعد قائم ہوا ہے، اس امر کا مقتضی ہے کہ رہتی دنیا تک اسے دوام حاصل ہو۔

مگر اس کے قیام دوام کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے وارث پیدا کریں۔ جو ہمارے بعد احسن طور پر ہمارا کام اپنے ہاتھوں میں لے کر چلا سکیں۔ اسی ضرورت کو سامنے رکھ کر "مدرسۃ القرآن" کی بنیاد رکھنے کا عزم پیدا کیا جا رہا ہے۔ بہترین تجویز یہ ہے کہ اُمتِ مُسلمہ کے تمام ارکان اپنے اپنے بچوں کی طرف متوجہ ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ صرف امرتسر کے احباب کی اولاد سے، کم از کم ۴۰ بچے ضرور نکل سکتے ہیں۔ جو قرآن مجید کی تعلیم کے اہل ثابت ہوں گے۔ ان بچوں کو اول تو ترغیب دی جائے گی، ورنہ اس بات کا تہیہ کر لیا جائے کہ خواہ کچھ بھی ہو، انھیں ایک گھنٹہ روزانہ "مدرسۃ القرآن"

میں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اس مختصر وقت کے درس و تدریس کے باوجود، سال ڈیڑھ سال کے بعد، ہر طالب علم خود بہ خود قرآن مجید کا مبلغ بن جائے گا۔ اُن کے عقائد کی اصلاح بھی ہو جائے گی اور تعمیر بھی۔ اُن کے اخلاق بھی سُدھر جائیں گے، اُن کے دلوں میں قرآن مجید کی محبت بھی بس جائے گی اور یہ اتنا عظیم الشان کام ہوگا کہ امتِ مسلمہ کی تحریک، اُن کے ذریعے، آپ سے آپ وسعت حاصل کرے گی۔

ہمیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ یہ کام کوئی آسان کام نہیں۔ اس راہ میں بہت دقتیں پیدا ہوں گی، بعض اصحاب کو تو کام کی اہمیت ہی کا احساس نہیں ہوگا۔ ایسا بھی ہوگا کہ والدین رضا مند ہو جائیں گے، مگر بچوں کی آزاد اور غافل طبیعتیں، یہ پابندی برداشت کرنے کے لیے شروع شروع میں آمادہ نہ ہوں گی، اگر مدرسہ شہر میں کھُل سکتا، تو شاید ہماری بہت سی دِقتیں کم ہو جاتیں، مگر اب کہ شہر سے خاصے فاصلے پر، ہم اس کا افتتاح کرنا چاہتے ہیں، طلباء کا التزام کے ساتھ یہاں پہنچنا اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ مالی مشکلات ہماری راہ میں حائل ہوں اور دفتر اپنی موجودہ پریشانیوں میں ایک اور کا اضافہ حاصل کرلے۔ الغرض جس پہلو سے بھی غور کیا جائے، اس سکیم کو کما حقہ عملی جامہ پہنانا، ایک دشوار سا کام ہی معلوم ہوتا ہے، مگر دنیا میں محنت، کوشش اور سعی وجہاد کے بغیر کوئی قابلِ ذکر کارنامہ سرانجام پا ہی نہیں سکتا، بالخصوص اس مادہ پرست زمانے میں لوگوں کو دین کی طرف متوجہ کرنا اور کتابِ عزیز کی طرف رغبت دلانا، ایک ایسا کٹھن کام ہے، جو ایک بڑے جہاد، ایک لمبے وقت کی سعیِ مسلسل کا طالب ہے:

در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرطِ اوّل قدم آن ست کہ مجنوں باشی!

دنیا کے تمام وہ لوگ جنھوں نے پبلک کے سامنے کوئی نہ کوئی مشن رکھا ہے، اپنے اپنے مقصد کی راہوں میں جب تک دیوانے نہیں بن گئے، کام کرکے نہیں دکھلا سکے، پس اس نقطے میں سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کو قرآنِ حکیم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے طوعاً و کرہاً ہر صورت میں آمادہ کریں۔ مسجد اس وقت زیرِ تعمیر ہے اور مدرسہ چونکہ مسجد ہی میں کھولا جائے گا، اس واسطے تمام مقامی اور غیر مقامی دوست اپنی اپنی امداد بھیج کر تعمیر کو مکمل کرانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ کچھ دوست

مدرسے کے مختصر سے اخراجات، یعنی معلم کی تنخواہ وغیرہ کے لیے مستقل امداد کی طرف توجہ کریں تاکہ جو کام ایک مرتبہ شروع ہو جائے، وہ استقلال کے ساتھ جاری رہے۔

غالباً اسی ماہ کے دوران میں اُمّتِ مُسلمہ امرتسر کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا جائے گا۔ اور اس تجویز سے متعلق تمام ضروری پہلوؤں پر غور کر کے مدرسے کا افتتاح کر دیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تمام ارکان؛ پورے ذوق و شوق کے ساتھ اس مبارک مقصد کی تکمیل میں حصہ لیں گے اور اس ٹھوس اور مفید کام کو شروع کرنے میں کوئی دقیقہ سعی، اٹھا نہ رکھیں گے۔

آخر میں، مَیں دوبارہ عرض کروں گا کہ بچے نسلِ انسانی کا بیج ہیں، بیج کی حفاظت کرو، تاکہ تم اس کی کاشت میں کامیابی حاصل کر سکو۔ وہ سوسائٹی، جو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے غفلت کرتی ہے، بچے بڑے ہو کر سوسائٹی سے اس کی غفلت کا بہت بُرا انتقام لیتے ہیں۔ پس پیشتر اس سے کہ ہم اُن کے انتقام سے دوچار ہوں، یہ بہتر ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر اُن کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں، انھیں ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ اے لوگو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشیں انجام سے بچاؤ!

* * *

رمضان المبارک میں مسجد "امتِ مُسلمہ" امرتسر، تراویح اور قرآن مجید کے درس سحرگاہی کی چہل پہل کا مرکز بنی رہی۔ گاہے گاہے شیعہ، سُنّی اور اہلِ حدیث احباب بھی تشریف لاتے رہے، تہذیب و خندہ روئی سے دینی گفت گوئیں ہوا کیں، ستائیسویں کی رات کو مرزا بیعنا خاں صاحب مروی ایرانی کی صدارت میں جلسہ ہوا، صاحب صدر اور ماسٹر عطاء اللہ صاحب کی نظمیں اور حضرت خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر اور مولوی جمال الدین صاحب سیّاح کی بصیرت افروز تقریریں بہ غایت مفید و مؤثر تھیں۔ اخیر میں خواجہ عطاء اللہ صاحب ابن خواجہ احمد الدینؒ نے حاضرین میں شیرینی تقسیم کی۔ اللّٰھم انصر من نصر دین محمدؐ واجعلنا منھم۔

* * *

گجرات۔ جسے امتِ مُسلمہ کا دوسرا مرکز کہنا مناسب ہوگا، دو واجب التعظیم ہستیوں کے وجود سے محروم ہو گیا۔ ۱۲ر جون ۱۹۴۰ء کو جناب پیر قمر الدین صاحب ریٹائرڈ ای اے سی اور ۲۴ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کو

حضرت شیخ عطاء اللہ صاحب وکیل نے داعیِ اجل کو لبیک کہی۔ دونوں بزرگوں نے اکابرو اعاظم کی صحبتوں سے حظ اٹھایا تھا، تیرھویں صدی کے مخلص اور صاحب دل علما۔ و شرفا کی آنکھیں دیکھی تھیں، بالخصوص شیخ مرحوم جب سرسید رح سے اپنے تعلقات کا ذکر فرماتے، تو عشق و عقیدت کے جذبات سے معمور نظر آتے تھے۔ آخرِ عمر میں حضرت خواجہ احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ربط بڑھ گیا تھا اور پھر خواجہ صاحب مرحوم کی وفات کے بعد، یہی ربط و تعلق، ان کی اولاد و تلامذہ پر شفقت کی صورت اختیار کر گیا۔ مرحوم علوم قرآن کے ایک جید عالم باعمل تھے: "شہادۃ الفرقان علی جمع القرآن" اُن کی ایک بہترین تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی ایک بے مثال لغات، کئی سال سے مرتب کر رہے، جو شاید آخر وقت تک مکمل نہیں ہوسکی۔

پیر قمرالدین صاحب مرحوم بھی، دفتر امّت مسلمہ کے ایک بہت ہی مخلص اور قدیم معاون تھے۔ عام طور پر ۲۰ روپیہ سالانہ دفتر کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ خاص خاص عطیے اس کے علاوہ تھے۔ ابھی حال ہی میں دفتر کے برآمدے کی تعمیر پر اُنھوں نے ایک سو روپے کی امداد ارسال فرمائی تھی۔ آخری ایام میں انھوں نے امّت مسلمہ کے لیے ایک تبلیغی سکیم مرتب فرمائی تھی اور اس کے لیے وہ غالبًا پانچ سو روپے کی رقم صرف کرنے کے لیے تیار تھے۔ ستمبر ۴۰ء کے وسط میں حضرت میاں مولا بخش صاحب امیر امّت مسلمہ امرتسر، خواجہ عبادُاللہ اختر ایم اے اور عرشی صاحب پر مشتمل ایک وفد گجرات پہنچ کر شیخ صاحب مرحوم سے لغات القرآن کے متعلق اور پیر قمرالدین صاحب سے مذکورہ سکیم کی بابت مفصل بات چیت کرنا چاہتا تھا، وہاں سے اطلاع آئی کہ پیر صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوچکے ہیں اور شیخ صاحب چند روز کے لیے دہلی گئے ہیں۔ آج مرحوم کے صاحب زادے، شیخ عتیق اللہ صاحب کے ایک گرامی نامے نے ان کے انتقال کی خبر بھی دے دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آخر میں ہمیں، دفتر امّت مسلمہ کے ایک قدیم خادم بابا محمد بخش صاحب کی وفات پر بھی ماتم کرنا ہے۔ موصوف اوّلاً قادیانیت سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر خواجہ احمدالدین مرحوم کے فیضِ صحبت سے قادیانیت چھوڑ کر قرآن مجید کے مرید ہوگئے۔ جب تک قدموں میں طاقت، آنکھوں میں بینائی رہی، دفتر امّت کے چھوٹے موٹے کام بڑی رغبت اور شوق کے ساتھ سرانجام دیتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے بہت مخلص اور حلیم و سلیم طبیعت عطا فرمائی تھی، نومبر کے مہینے میں وہ بھی ہم سے جدا ہوگئے۔

ناظرین کرام، مرحومین کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اُنھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، ہمیں اُن کے نعم البدل عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے بہرہ ور کرے۔ آمین۔ (م م)

ازالۂ اوہام

درباره

رُوح و مَلَک و وحی

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی اے)

ماہنامۂ البیان بابت اکتوبر ۱۹۴۰ء میں میرا مضمون زیر عنوان "قرآن کلام الٰہی ہے" شائع ہوا، لیکن اس میں صفحہ ۳۵ سطر ۱ میں لفظ "ملک" اور سطر ۱۵ کے فقرہ نے، جو ادارہ البیان کے شہب قلم کی جولانی ہے، میرے تمام مضمون کا مفہوم بدل دیا جس وجہ سے ان کو غلط فہمی ہوئی، اس کا تقاضہ ہے کہ میں اپنے مفہوم کو واضح الفاظ میں بیان کروں۔ (اختر)

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ الآیہ (۲۵/۵۱) | کسی بشر کے امکان ہی میں نہیں کہ اللہ اس سے کلام فرمائے، ہاں (اپنے منشاء کی) وحیاً یا من وراء حجاب واضح فرمائے گا یا کسی (بشر) رسول کو (عام لوگوں کی ہدایت کے لیے) بھیج دے گا، جو اس کے منشاء کو اس کے اذن سے بالوحی ظاہر کرے گا اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے تیری طرف ایک (عظیم) روح (قرآن) وحی فرمایا۔

اس آیۂ کریمہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کلام اللہ حقیقتِ مجردہ ہے، جس کا احساس کسی بشر کو خواہ وہ رسول اور نبی ہی کیوں نہ ہو، ناممکن ہے۔ یہ حقیقتِ مجردہ "الغیب" ہے۔ اس کا اظہار اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب ہے، کسی

"عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (۷۲/۲۶) | پسندیدہ رسول پر ایسے عالم شہادت میں لاکر فرمایا کرتا ہے جو علمی اور عینی مراتب ہیں۔

وحی | اللہ تعالیٰ عالم انسانی کی ہدایت یا اپنے منشاء کا اظہار جو "حق" ہے، اسی طرح فرمایا کرتا ہے کہ ہر ایک شے کی فطرت میں اپنا امر ودیعت فرماتا ہے اور اس پر فطرةً اس امر کا اظہار ہوتا ہے، جس کے مناسب اس شے کی پیدائش واقع ہوئی ہے، یعنی، ہر ایک شے ایک مقصد کا اظہار کر رہی ہے، جو اس کا فطری امر ہے۔ اللہ تعالےٰ

سلہ قل انما انذرکم بالوحی الآیہ ۲۱/۴۵

آسمانوں اور زمین کو اپنا امر وحی فرماتا ہے۔ طبقۂ حیوانات میں واضح مثال شہد کی مکھی کی ہے کہ کیسا حیرت انگیز گھر بناتی ہے اور پھولوں سے وُہ شے بناتی ہے کہ "فیہ شفاء للناس" | "وَاَوْحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ" (۱۶) اہلِ فکر کے لیے اِن میں آیات ہیں۔ "وحی" کا اطلاق ہر ایک شے پر عام ہے، جو کائنات میں پائی جاتی ہے، جس میں عالمِ انسانی بھی شامل ہے۔ اس فطری قوت کو جو ہر ایک شے میں ودیعت ہے، فعل میں لانے کے لیے ایک تحریک کی ضرورت ہے، جسے لسانِ مذہب میں "وحی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

المختصر انسان کو منشاءِ الٰہی وحیاً بھی معلوم ہوتا ہے اور اس میں ا ت کوئی خاص امتیاز دیگر اشیاء سے نہیں ہے سوائے اس امر کے کہ وحی جو عام حیوانات کو فطرۃً ہوتی ہے، اس میں ارتقاء مشاہدہ نہیں ہوتا، لیکن وحی جو انسان کو عقلاً ہوتی ہے، اُسے ارتقاء میں مدد دیتی ہے۔ حیوانات کو کسی معلم اور کتابت کی ضرورت نہیں اور وہ انسان کی طرح غلطی بھی نہیں کرتے، لیکن انسان غلطی بھی کرتا ہے اور معلم و کتابت سے بے نیاز بھی نہیں، لیکن اجرِ غیر ممنون" اور غیر محدود ترقی کی صلاحیت بھی یہی رکھتا ہے۔

ہر ایک شخص مہبطِ وحی (اصطلاحی) نہیں ہوتا، لیکن جہاں تک فطری وحی حیوانی کا تعلق ہے مذہب میں دنیوی یا ادنیٰ زندگی کی بابت ہے، مثلاً خور و نوش وغیرہ ہر ایک بشر کو عقلاً ہوتی ہے، بحث اس وحی سے ہے، جو انسان کی شان کے شایان ہے اور جس سے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ (۶)

اعلیٰ زندگی کے غوامض و اسرار کا انکشاف ہوتا ہے اور یہی اس کی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ یہ سنت اللہ، قانونِ فطرت ہے، لیکن اس کا فائدہ انہی کو ملتا ہے، جو اٹھانا چاہیں۔

قلبِ سلیم | کلام من وراء حجاب حرف و صوت کی صورتوں میں ہی ہوگا اور اسی طرح قرآن مجید تمام و کمال ... اور اسی سے شہادت اس قلبِ سلیم کی عظمت کی ملتی ہے، جس پر اس کا صاف صاف یہ انکشاف ... تصفیہ اور تزکیۂ نفس کی دلیل ہے، جو "ما ینطق عن الھوٰی" کا مخاطب ہے۔ صلی اللہ علیہ ... یہ مقام وحی انتہائی ارتقائی درجہ ہے، لیکن یہ کیفیت وحی مسلسل علی الدوام نہ تھی۔ اگر یہ صورت ...

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (۳)

آں حضرتؐ کے قلبِ مبارک سے بطور آنی ... ہدایت کا کام دیتی۔ آں حضرتؐ ست ...

اور بحر وحدت میں ایسے ڈوبتے کہ پھر نہ اُبھرتے۔

"یرسل رسولاً فیوحی باذنہ مایشاء" | رسول سے عموماً مفسرین مراد فرشتہ لیتے ہیں، مگر میری تحقیق یہ ہے کہ رسول بشر مراد ہے۔ بلاشبہ ملائکہ اور سچ پوچھو تو کائنات میں ہر ایک شے رسول ہی ہے، جو ظہور میں پیغام حق لے کر آتی ہے اور اس امر اللہ کو، جو اس کے حقائق ہیں، جو اس کی فطرت میں ودیعت ہے، ہم پر فطری زبان میں واضح کرتی ہے: فرخندہ بخت آن کہ بسمع رضا شنید۔ عالم انسانی کی طرف بشر رسول ہی ہوگا۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ اگر اس زمین پر ملائکہ | "ولو کان فی الارض ملٰئکۃ الآیہ (۹۵)" آباد ہوتے، تو اللہ تعالیٰ اُن کی طرف کوئی ملک ہی آسمان سے رسول بھیجتا۔ یہ اصل اصول ظاہر کرتا ہے کہ رسول سے مراد بشر رسول ہی ہے۔ "جبریل" جیسا کہ میں "بیان" کے تحت مفصل لکھ چکا ہوں، فرشتہ نہیں، بلکہ "روح" ہے۔ "روح" "مخدوم" اور ملک اس کا خادم۔ روح مسجود اور ملک ساجد۔ روح کا تمثل بشری ہوتا ہے اور اس کا اطلاق صرف بشر پر ہوتا ہے۔ "روح القدس" انبیا و رسل کے نفوس قدسیہ کی قوت ہے اور "الروح الامین" کا اطلاق صرف آں حضرتؐ کی ذاتِ ستودہ صفات کے لیے خاص ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اگر انسانوں کی طرف فرشتہ رسول ہوتا، تو اصولِ رسالت کے خلاف ہوتا۔ غور کرنا چاہیے کہ ایک فرشتہ قرآن عظیم تمام و کمال آں حضرتؐ پر تلاوت کرے، تو وہ ایسا ہی رسول ایک بشر (آں حضرتؐ) کی طرف آتا ہے، جیسا کہ آں حضرتؐ کافۃ الناس کی طرف اور یہ قیاس قطعاً غلط ہے۔ نبی کا دشمن شیاطین الانس والجن | "شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض (۶ ۞)" میں سے ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتیں وحی کرتا ہے، تو انبیاء و رسل سے بعید ہے کہ اچھی باتیں اہل ایمان کی طرف وحی کریں؟

"فاوحیٰ الیھم ان سبحوا بکرۃ وعشیا" (۱۹) | حضرت زکریاؑ محراب سے نکل کر قوم پر نمودار ہوئے، تو وحی کی کہ صبح و شام تسبیح میں لگے رہو۔

مختصر سنت اللہ یہ ہے کہ اپنا کلام انبیاء و رسل کو وحی کرتا ہے اور عوام الناس پر بالواسطہ رسل اس کا ...

نوٹ: خواجہ صاحب بعض مسائل میں منفرد ہیں۔ اگر کوئی صاحب علم اس خصوص میں قلم اٹھانا چاہیں، تو صفحات کو ہر سنجیدہ علمی تحریر کے لیے حاضر پائیں گے۔

اقبال کا پیغام

(جناب ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق ایم اے، پی ایچ ڈی)

صاحب مضمون کا جذبہ قابل تعریف ہے، ماشاء اللہ، لیکن، طریق تعبیر کی روانی میں کہیں کہیں خامی واقع ہو گئی ہے، جس سے بچنا اَدب واولی ہے۔ (مدیر)

تاریخ اقوام کے مطالعہ کے بعد میں حتماً اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہر قوم کو دنیا میں اُبھرنے کے لیے دو موقعے دیے جاتے ہیں۔ یہود کو پہلا عروج حضرت یعقوب ؑ کے بعد حاصل ہوا۔ تورات باب پیدائش آیات ۱۴-۵ میں مذکور ہے:

"اے یعقوب! میں یہ زمین جس پر کہ تو لیٹا ہوا ہے، تجھے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل ایسی ہوگی جیسے زمین کی گرد۔ تو شمال، جنوب، مشرق اور مغرب کو پھوٹ نکلے گا اور زمین کے تمام گھرانے تجھ سے اور تیری نسل سے برکت پائیں گے۔"

اسی عروج کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔

یہود کو دوسرا عروج حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں حاصل ہوا۔

عیسائیت کو پہلا عروج عہد روما الکبریٰ میں حاصل ہوا۔ اس سلطنت کا دار الخلافہ بڑے بڑے طاقتور اور جابر شہنشاہ اس دور میں فرمانروا ہے۔ جب عیسائیوں میں اضمحلال پیدا ہو گیا، تو پہلے اہل ایران نے اور پھر مسلمانوں نے اس سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ عیسائیت کا پہلا عروج اور پہلا زوال۔

صلاح الدین ایوبی کی صلیبی جنگوں نے تمام یورپ کو، جو پہلے نارمنز، اٹالین، جرمنز اور فرنچ میں بٹا ہوا تھا، اسلام کے مقابلے کے لیے متحد کر دیا۔ سویا ہوا کلیسا بیدار ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے سلطنت برطانیہ، حکومت فرانس، اشتراکیت روس اور آمریت المانیہ و اطالیہ ہر دو کا

علوم وفنون کے دریا بہ نکلے۔ فطرت کی تمام طاقتیں محوِ عمل ہوگئیں۔ دریاؤں کے سینے چیر گئے۔ پہاڑ بھک سے اُڑ گئے۔ آسٹریلیا، لندن کا ایک محلہ بن گیا۔ دنیا کی آنکھیں برقی روشنی سے چندھیا گئیں۔ یہ ہے عیسائیت کا دوسرا عروج۔

ہندوؤں کو پہلا عروج اُس وقت حاصل ہوا، جب آرین وسطِ ایشیا سے اُٹھ کر تمام ایشیا پر چھا گئے تھے۔ ہندوستان میں ان لوگوں نے ایک زبردست سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی، جس کی سرحدیں مغرب میں بابل تک اور مشرق میں مدراس و دکن تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کچھ عرصے کے بعد یونانیوں اور ایرانیوں نے ہندوستانی سطوت کا جنازہ نکال دیا۔ ایک طویل زمانہ گذرنے کے بعد ہندوستان کی خاکستر مُردہ میں پھر جان پیدا ہوئی۔ آریہ ورت نے پھر انگڑائی لی اور دنیا نے دیکھا کہ تختِ ہند پر چندر گپت اور بکرماجیت جیسے طاقتور حکمران جلوہ آرا ہیں۔ رفتہ رفتہ جب ہندوؤں نے مقدس گیتا کے فلسفے پر بحث شروع کردی۔ حضرت کرشن کی صاف اور واضح تعلیم کو مسخ کرکے سنیاس اور ترکِ دنیا کا اصول وضع کیا، جب پنڈتوں نے وید مقدس کے سیدھے سادے مذہب میں پیچیدگیاں پیدا کردیں، جب مذہب ...ف چند علامات و رسوم کا نام بن کر رہ گیا، تو تمام قوم کمزور ہوگئی۔ سلطنت چھن گئی، اور یہ تھا ...دوؤں کا دوسرا زوال!

بُدھ مت کو پہلا عروج اشوکِ اعظم کے زمانے میں حاصل ہوا اور دوسرا عروج جاپان کا ...وجودہ طوفانِ زندگی ہے۔

...تشت ۔ اہلِ پارتھیا اور خاندانِ کیانی کی عظیم الشان سلطنتیں تعلیم زرتشت کے زیرِ اثر ...تھیں۔ دوسری صدی عیسوی میں یہ سلطنتیں مٹ گئیں اور ایران تین سو چھوٹی چھوٹی ... تقسیم ہوگیا۔ ہر طرف خانہ جنگی پھوٹ پڑی۔ یہ تھا پیروانِ زرتشت کا پہلا عروج اور ...ل

...۲۶ء میں اردشیر نے ساسانی حکومت کی بنیاد ڈالی، جو تھوڑے ہی عرصے میں ایک ...سلطنت بن گئی۔ یہ وہی خاندان ہے۔ جس کے ۲۸ بادشاہوں نے ایران پر ۴۲۷ سال ...شان و شوکت سے حکومت کی جس کی آغوش میں نوشیرواں، شاہ پور اور بہرام جیسے ...فرماں روا پلے اور جب اس قوم کے شاہانہ اخلاق کو زوال آگیا، تو ساتویں صدی میں

عربی تہذیب کا سیلِ تند قصرِ ساسانی کے بقیہ آثار تک کو بہا کر لے گیا۔ یہ تھا زرتشتیوں کا دوسرا زوال۔

اسلام کا پہلا عروج دنیا نے دیکھ لیا۔ آج بیسویں صدی میں ہمارا زوال انتہا پر پہنچ چکا ہے، اس لیے اب ہمیں دوسرے عروج کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

قرآن شریف اس نظریہ دو عروج کا قائل ہے:

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا وَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا | دُکھ کے ساتھ سُکھ ہے اور دُکھ کے ساتھ سُکھ ہے۔

اس آیت میں دو دُکھوں اور دو سکھوں کا ذکر ہوا ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دوسری اقوام کی طرح مسلمان کی تاریخ میں بھی دو عروج اور دو زوال موجود ہیں۔

حضرت علامہ اقبال اسی نظریہ کے قائل تھے۔ "بالِ جبریل" میں فرماتے ہیں:

کوئی تقدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں ورنہ
نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کم ترکانِ تیموری

حضرت اقبال سیاحتِ افغانستان کے دوران میں تربتِ تیمور پر جاتے ہیں اور مندرجہ ذیل گُلہائے عقیدت لحد پہ چڑھاتے ہیں:

خوشا نصیب کہ خاکِ تو آرمید ایں جا | کہ ایں زمیں ز طلسمِ فرنگ آزاد است
ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلّی ست | کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است
درونِ ملّتِ عثمانیاں دوبارہ بلند | چہ گویمت کہ بہ تیموریاں چہ افتاد است

اقبال حیران ہو رہے ہیں کہ عثمانیوں کو تو دوسرا موقعہ کمال اتاترک کی وجہ سے مل چکا ہے، لیکن خدا جانے تیموریوں نے کیا قصور کیا ہے کہ ان کے حیاتِ ثانیہ کے آثار دکھائی نہیں دیتے؟

علامہ اقبال قوم کو اس آنے والے دَور کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ وہ زندگی، طاقت، قوت اور عمل کا درس دے کر اس مُردہ، افسردہ، بے حس اور بدعمل قوم کو پھر حکومت کے قابل دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ ایک زبردست انقلاب کے لیے زمینِ دل و دماغ تیار کر رہے ہیں اور ہندوستان کی اس بے بال و پر اور بے دست و پا انسانی بھیڑ کو آرام طلبی کی پستیوں سے اٹھا کر کردار و عمل کی بلندیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں:

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن | دلِ کوہ و دشت و صحرا بہ دمے گداز کردن
ز قفس درے کشادن بہ فضائے گلستانے | رہ آسماں نوردن بہ ستارہ راز کردن

جب کسی قوم پر کچھ عرصہ گذر جاتا ہے، تو وہ اصل مذہب کو چھوڑ کر رسوم و ظواہر کی وادیوں میں نکل جاتی ہے۔ وہ چوٹیوں، زناروں، دھوتیوں، تسبیحوں، داڑھیوں، عماموں اور دیگر نشانات و علامات کو اصل مذہب بنا لیتی ہے، حالاں کہ مذہب زندگی کا دستور العمل ہے۔ مذہب اس کارگاہ عمل میں انسان کو زندہ رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ بتلاتا ہے کہ تم اپنی سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، تمدنی اور مجلسی حالت کس طرح درست کر سکتے ہو؟ وہ بتلاتا ہے کہ تم دنیا میں کس طرح طاقتور، لرزہ فگن اور مہیب قوم بن سکتے ہو؟ وہ سکھلاتا ہے کہ کس طرح چار دانگ عالم میں تمھارے اخلاق، تمھاری دولت، تمھاری سلطنت، تمھارے علم اور تمھاری ایجادات کی دھاک بیٹھ سکتی ہے۔ مذہب بہ بانگ دہل کہہ رہا ہے کہ انسان اس محفل کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ وہ بر و بحر کا مالک ہے، وہ مادہ و روح پر حکمران ہے، وہ زمانے کے سمند سرکش کو لگام دے سکتا ہے، وہ تقدیر کی سینہ زوریاں توڑ سکتا ہے اور وہ ایک جست میں لامکان تک چھلانگ لگا سکتا ہے۔

انسان کی اس عظمت و سطوت، اس حقیقی جلال و شکوہ کی طرف اشعار ذیل میں یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ مدیر "کارواں" حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند اردو اشعار کی فرمائش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ علامہ سراسر فارسی کی طرف مائل تھے اور اردو اشعار کہنا چھوڑ رکھا تھا۔ پہلے تو مدیر "کارواں" سے معذرت کی، لیکن آخر اصرار انکار پر غالب آیا اور کہا: "اچھا بھائی، نہیں چھوڑتے، تو لکھو"

علامہ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ نگاہیں چھت پر مرکوز تھیں۔ دفعتہً چہرے کا رنگ بدل گیا۔ آنکھیں سمٹ کر پھیل گئیں۔ سانس تیز ہو گئی اور اس عالم وجد و مستی میں آپ نے چند اشعار ارشاد فرمائے۔ کہتے ہیں:

اپنی جولاں گاہ زیر آسماں سمجھا تھا میں
آب و گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں

کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا
مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

تیسرا شعر پڑھتے وقت علامہ ایک جذبے کے ساتھ چارپائی سے اٹھے۔ آپ کی نگاہیں دروازے سے گذر کر دور آسمانی بادلوں پر جمی ہوئی تھیں۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ جسم لرز رہا تھا۔ آنکھوں سے خون اور چہرے سے ایک پُر جبروت دہشت برس رہی تھی۔ ایک آدھ منٹ کے بعد مہیب آواز میں فرمایا:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

اس کے بعد علامہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ساون کی جھڑی کی طرح آپ کے آنسو ٹپک رہے

تھے اور آپ ایک رقت انگیز صدا میں یہ شعر گنگنا رہے تھے۔ اس شعر میں آپ کا اشارہ غالباً مولانا رومی رح کی طرف ہے۔

تھی کسی درماندہ رہ رو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

گم کردہ منزل مسلمان کی اسی کیفیت کو حضرتِ غالب یُوں پیش کرتے ہیں:

چلتا ہُوں تھوڑی دُور ہر اک راہ رَو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہُوں ابھی راہ بر کو میں

معراجِ نبوی کی فلاسفہ، معتزلہ، صوفیہ اور اہلِ اشراق نے مختلف توجیہیں پیش کیں۔ کسی نے کہا، آں حضرت صلعم اسی جسم کے ساتھ لامکان تک پُہنچے۔ کسی نے اُسے عالمِ خواب کا واقعہ بتلایا اور کسی نے جہانِ کشف کی ایک حالت قرار دی۔ حضرتِ اقبال قصّۂ معراج سے بہت بڑا سبق اخذ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

الٰہی تعزیرات میں سب سے بڑا جُرم کاہلی، کام چوری اور سُستی ہے۔ تمھارا بڑے سے بڑا جُرم معاف ہو سکتا ہے، لیکن کاہلی کا جُرم نہیں چُھپ سکتا۔ آگ کا کام جلانا ہے۔ اسی طرح جب کسی فرد یا قوم کے خرمن پر کاہلی کی چنگاری جا پڑتی ہے، تو اُسے جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ ہم ہر روز گلیوں میں گداگر، میلوں میں اُچکے، بازار میں لفنگے، مسجدوں میں بھُوکے اور گاؤں کے باہر خانہ بدوش اقوام کے جھگڑے دیکھتے ہیں۔ جانتے ہو! یہ کس گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں؟ کاہلی کی۔ انسانی زندگی کے پہلے بیس سال از بس گراں بہا ہیں۔ جو لوگ عمر کے اس حصّے کو عیاشی، تاش بازی، بٹیر بازی اور عشق بازی میں ضائع کر دیتے ہیں، اُنھیں قدرت قُلی، باربردار، مزدور، کان کَن، پنکھا کش، لفنگا، شُہدا، بھنگ نوش اور گداگر بنا کر زندگی بھر اس بھیانک گناہ کی سزا بھگتنے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔ یاد رکھو کہ انسان دنیا پر اللہ کا نائب ہے، اس لیے وہ پُر شکوہ، پُر جلال، ہیبت اور پُر سطوت بننے آیا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد کائنات کی تسخیر ہے۔ زندگی کی ہر عزت، ہر شہرت اور ہر رفعت کی تسخیر ہے۔ شُہدا اور لفنگا بننا نہیں، ذلیل و رسوا ہونا نہیں۔ انسانی بلندیوں سے اتر کر پستیوں میں گرنا نہیں۔ اسلام کسی فرقے کا نام نہیں، بلکہ انسانیت و آدمیت کا دوسرا نام ہے۔ دوسرے

لفظوں میں اسلام انسانیت کی شرح و تفسیر ہے، اس لیے حضرت علامہ کے نزدیک صحیح انسان یا صحیح مسلمان وُہ ہے، جس کے سینہ میں بلندیوں کے لیے ایک لازوال تڑپ، ایک لافانی جذبہ، ایک پیہم اضطراب اور مسلسل ذوقِ تگاپو موجود ہو:

حیات است در آتش خود تپیدن　　خوش آں دم کہ ایں نکتہ را بازیابی
اگر ز آتشِ دل شرارے بگیری　　تواں کرد زیرِ فلک آفتابی

جس طرح پانی کے ایک قطرے میں آنسو اور موتی بننے کی استعداد موجود ہے۔ اسی طرح ہر انسان میں بڑا، بہت بڑا اور سب سے بڑا بننے کی استعداد موجود ہے۔ جانتے ہو: لقمان، ارسطو، سقراط، بقراط، نپولین، سکندر، نوشیرواں، سعدی، حافظ، کالی داس، والمیک۔ گوئٹے، ٹیگور اور اقبال کو کس چیز نے بڑا بنایا؟ کسی یونی ورسٹی نے؟ کسی استاذ نے؟ کسی مجلس نے؟ کسی کتاب نے؟ نہیں نہیں! ان کی بڑائی کا راز، ان کی زبردست جدوجہد، لاانتہا تلاش و طلب اور غیر متناہی کاوش میں پنہاں ہے۔ اس کوشش، ذوقِ تلاش، زورِ جستجو کا منبع دل ہے۔ ہمارا دل حقیقتاً ایک زبردست میگزین ہے، جس میں کاہلی و عیاشی کے بھوتوں اور غفلت ولاأبالیت کی چڑیلوں کو فنا کرنے کے لیے زبردست توپیں لگی ہوئی ہیں۔ اس میں قوتِ ارادی کا وُہ بارُود موجود ہے، جو بڑی سے بڑی رکاوٹوں کے سنگِ گراں کو بھک سے اُڑا سکتا ہے اور ہمارے سینے میں ہمت و جرأت کا وُہ بے پناہ سیلاب لہریں لے رہا ہے، جو ناداری و کم مائگی، نکبت و فلاکت اور ادبار و شقاوت کے تمام بند آناً فاناً توڑ سکتا ہے۔ دل کی ان طاقتوں کے عُریاں ہو جانے کو اقبال نے خودی کہا ہے۔ آسان لفظوں میں خودی اپنی مخفی طاقتوں کو بروئے کار لانے، آگے بڑھنے، بلندیوں پر چڑھنے اور لامکاں تک اُڑنے کا نام ہے۔ خودی ایک بے پناہ سیلِ عزم ہے، ایک لرزہ فگن طوفانِ عمل ہے ناکامیوں کو شکستِ فاش دینے کا زبردست ارادہ ہے۔ ہر پستی کو بلندی میں تبدیل کرنے کا حیات انگیز جذبہ ہے اور چرخ نیلوفری کی گردشوں کو روکنے کا آسمان شکن تہیہ ہے:

کبھی دریا سے مثلِ موج اُبھر کر　　کبھی دریا کے سینے میں اُتر کر
کبھی دریا کے ساحل سے گذر کر　　مقام اپنی خودی کا فاش تر کر!

میرا یہ محکم یقین ہے کہ سست، کاہل اور کام چور لوگ الٰہی منشاء کو پورا نہیں کر رہے۔ وہ

اللہ کی زمین کو اپنی بدعملی، غلاظت اور کثافت سے ناپاک بنا رہے ہیں۔ وہ انسان نہیں، ننگِ انسانیت ہیں۔ وہ اللہ کے نائب نہیں، بلکہ ابلیس کے نائب ہیں۔ وہ دنیا کو حسین و جمیل نہیں بنا رہے، بلکہ گندہ و کثیف بنا رہے ہیں۔ حدیث میں وارد ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاردت ان اعرف فخلقت آدم۔ انسان کا منشاءِ تخلیق شاہدِ فطرت کو بے نقاب کرنا ہے۔ اُس حجلہ نشینِ کائنات کو منظرِ عام پر لانا ہے اور اس محمل نشینِ کاروانِ امکان کی تجلیوں کو ارزاں کرنا ہے، جو افراد و اقوام اللہ کو بے حجاب کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اللہ اُنھیں بے حجاب کر دیتا ہے۔ ایک طرف الٰہی تجلیاں نگاہوں کو خیرہ بناتی ہیں اور دوسری طرف انسان کی عریاں طاقتیں جلووں کا طوفان اُٹھاتی ہیں۔ اس سیلابِ نور میں انسانی فطرت پل کر جواں ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کی طرف حکیمِ مشرق یوں اشارہ فرماتے ہیں:

افلاک سے آتے ہیں نالوں کے جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

نمود اُس کی نمود تیری، نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے، خدا تجھے بے حجاب کر دے

مرا دل سوخت بر تنہائی او
کنم سامانِ بزم آرائی او

ایک قطرے کی تکمیل یہ ہے کہ وہ سمندر میں پہنچے اور مٹ کر سمندر بن جائے۔ بیج کی تکمیل یہ ہے کہ وہ پھیل کر دریا بن جائے۔ اسی طرح ایک انسان کی تکمیل یہ ہے کہ وہ ابھر کر، اچھل کر آسمان بن جائے اور مکان کی سرحدوں سے گذر کر مکینِ لامکاں ہو جائے۔ ہمارے سامنے ہزاروں ہستیاں ایسی موجود ہیں، جو زمان و مکان سے گذر کر لافانی بن گئیں۔ خود علامہ اقبالؔ اس کی بہترین مثال ہیں۔ یہ بلندی بہت کم وقت میں ہمت و استقلال کے پر لگا کر فضائے عمل میں محوِ پرواز ہو جائے۔ علامہ دعا مانگتے ہیں:

تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

موت اُن کے لیے ہے، جن کا سوزِ طلب سو چکا ہے۔ جن کے پاؤں چلنے سے رُک گئے ہیں۔ جو غفلت و کاہلی کے قفس میں محبوس ہیں اور جن کے بال و پر بے ہمتی نے نوچ ڈالے ہیں، وہ لوگ موت سے ناواقف ہیں، جو سیلاب کی طرح وادیٔ کائنات میں اُمنڈ کر آ رہے ہیں، جو آندھی کی طرح بڑھ رہے ہیں اور جو اسپِ زمانہ کی طرح بے دھڑک جا رہے ہیں:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ — عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو — عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا — اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

ہر آدمی کی نگاہ کے سامنے کوئی منزل ہوتی ہے۔ میں عرصہ سے اپنی منزل متعین کرنے کی فکر میں تھا۔ سالہا سال تک غور کیا، لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکا۔ آخر علامہ اقبال کی کتاب "بالِ جبریل" سے فال لی تو یہ نظم برآمد ہوئی اور معاً مجھے اپنی منزل مل گئی:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر — چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا — ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا — کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

یعنی اقبال کا پیام مردی و ہمت کا پیام ہے۔ عزم و عمل کا پیام ہے۔ رفعت و کردار کا پیام ہے۔ یہی حیات کا پیام ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی — تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا، من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق — تن کی دنیا، تن کی دنیا سود و سودا، مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں — تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات — تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

"مُسلمان"

(پرانے کاغذات سے)

ہر چیز کو اللہ محیط اور ہے حافظ، لیکن نہیں اللہ کی حفاظت میں مسلماں
چند اپنے ہم آہنگ مجانین کے ہمراہ آ پہنچا ہے وہ گلشن جنت میں مسلماں
"مذہب" میں "توانا" ہے نہیں غم جو ہے کمزور دولت میں، تجارت میں حکومت میں مسلماں
عظمت کے مقامات پہ کفار ہیں فائز اور محو ہے اسلاف کی عظمت میں مسلماں

بازیچۂ اطفال سے آئینِ شریعت
مصروف ہے اسرارِ طریقت میں مسلماں!

مُلّا

خونِ تمنا سرد ہے رنگ محبت زرد ہے دونوں جہاں کا درد ہے اک گوشۂ دل کے سپرد
اتنا نظامِ بے کراں احوالِ جسم و رُوح کا اس قوم ناداں نے کیا ملّائے جاہل کے سپرد

جُست و جو

مدعا نا گفتہ می دانی مرا، چوں تو خود گفتی بگو! گویم ترا
جُست و جوئے تو کجا و من کجا؟ چوں تو خود گفتی بجو! جویم ترا

عرشی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موضوعاتِ کبیر

ستائش ہے اللہ کے لیے، جس نے قرآن عظیم قدیم (اپنے برگزیدہ بندہ پر) اتارا[ف۱] اور جسے احادیث سے واضح[ف۲]

ف۱ ارشادِ الٰہی ہے: "الحمد للہ انزل علیٰ عبدہ الکتٰب ولم یجعل لہ عوجا" (۱۸/۱) (ستائش ہے اللہ کے لیے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی لگی لپیٹی بات نہ رکھی)

ف۲ اصل عبارت موضوعات کے الفاظ اس طرح ہیں: "وبیّنہ الاحادیث المنسوبۃ علی النبی الکریم" مؤلف ممدوح کا یہ عقیدہ کہ احادیث قرآن عظیم کی تفسیر ہیں، عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور کچھ احادیث ہی پر موقوف نہیں، اقوالِ صحابہ و ائمہ دین بھی تفسیری درجہ رکھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تفسیر خواہ کسی سے منسوب ہو، ہنگامی اور وقتی اجتہاد ہی کہلا سکتی ہے۔ ہر زمانے کے مفسرین نے اپنے اپنے ذہنی اور خارجی حالات کے مطابق بے شمار تفسیریں لکھیں، مگر آج وہ تقویم پارینہ ہیں۔ قرآن عظیم ایک دائمی صداقت ہے اور ہر ارتقائی مرحلے پر عالم انسانی کا رہنما ہے۔ احادیث اور ائمہ دین کے اقوال کو یہ مرتبہ حاصل نہیں، کیوں کہ وہ وقتی حالات کے تابع تھے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح توراۃ و انجیل ہیں، حالاں کہ دونوں الہامی کتابیں ہیں۔ احادیث کی حیثیت وحی کی نہیں، لیکن اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ احادیث وحی غیر متلو یا خفی ہیں تو ان کی حیثیت توراۃ و انجیل سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ اگر توراۃ وغیرہ بھی دائمی صداقت ہوتیں، تو صحف انبیاء و انجیل بلکہ خود قرآن کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ توراۃ وغیرہ کتابِ احکام و امثال و قصص ہیں، لیکن قرآن عظیم جامع و مانع کتاب اصولِ دین ہے، اور اصول فطری ہوتے ہیں، اور ان میں تبدیل و تحویل ممکن نہیں۔

یہ کتاب اللہ جس کی آیات بیّنات رسول کریم پر بہ ذریعہ وحی پڑھی جاتی تھیں، قرآن سے موسوم ہوئی، لیکن اس کی حیثیت اس کے علاوہ بھی ہے اور ہر ایک حیثیت کے لحاظ سے اس کا نام بھی مختلف ہے۔ مثلاً "بیان" "ھٰذا بیان للنّاس" (۳/۱۳۸) اور "قرآن مبین" (۱۵/۱) وغیرہ، اور اس کتاب کا یہ بھی عوٰی ہے کہ "تبیاناً لکل شیٔ" (۱۶/۸۹) اور "تفصیل لکل شیٔ" (۱۲/۱۱۱) اس لیے یہ عقیدہ کہ قرآن عظیم کا بیان احادیث ہیں، غلو فی الدین ہے۔

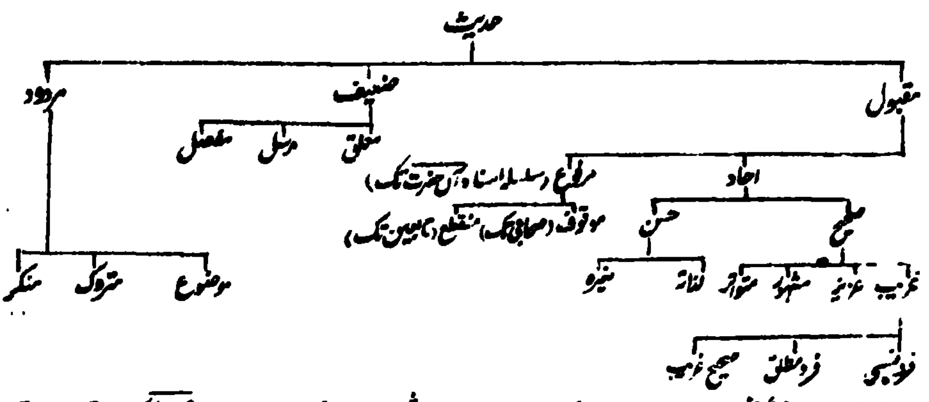
اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کے اس عقیدہ کی بنا وہ محبت ہے، جو ہر ایک مسلمان کو آں حضرت صلعم سے ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں، پہلی امتوں (نصاریٰ و یہود) کو بھی اپنے بزرگانِ دین، انبیاء و احبار سے بھی ایسی ہی محبت تھی،
(باقی بر صفحہ ۱۴)

کیا، جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین مجتہدین سے صحیح طریق پر روایت ہوئیں اور نبی کریمؐ سے ثابت ہیں اور سلام اور صلوٰۃ آں حضرتؐ اور آں حضرتؐ کے اصحاب اور آل پر ہو۔

بعد حمد و صلوات خادم کلام قدیم اور ملازم حدیث قویم علی[1] بن سلطان محمد قاری جو رب باری کے عفو کا

(بقیہ حاشیہ از صـ۱۳) لیکن انھوں نے ان کو ارباباً من دون اللہ بنا دیا۔ ڈر ہے کہ اُمت مسلمہ بھی اسی طرح گم راہ نہ ہو جائے۔
لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ م۔ح

[1] ملا علی قاری پروی حنفی تھے۔ سنہ ۱۰۰۰ھ کے قریب "موضوعات" تالیف کی۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ممدوح احادیث کو اس ناقدانہ نظر سے نہیں دیکھتے، جو متقدمین کی امتیازی خوبی ہے۔ ائمہ دین مجتہدین نے ہر ایک راوی کے حالات کا مطالعہ بہ نظرِ غائر کیا اور اس طرح اسماء الرجال کی تدوین ہوئی۔ احادیث قولی و فعلی یعنی آں حضرتؐ کے اقوال و اعمال اور نیز احادیث تقریری، یعنی، وہ احوال جو آں حضرتؐ کے روبرو رونما ہوئے، بہ لحاظ رواۃ ان ہی ائمہ دین نے چند قسموں میں تقسیم کیے۔ ملا علی قاریؒ نے چند خاص قسموں کو "موضوعات" میں جمع کر دیا۔ یہ بھی اہم کام تھا اور آئندہ نسلوں پر مؤلف موصوف کا احسان ہے، لیکن ائمہ دین کی سعی اس حد تک ضرور مشکور ہوئی کہ دنیائے اسلام کو زندقہ اور الحاد کے فتنے سے بچا لیا۔ لاکھوں موضوع احادیث شائع ہو رہی تھیں اور ان میں وہ بھی تھیں، جن کی تہ میں ہاشمی اور اموی خاندانوں کی حریفانہ سیاسی جدوجہد کارفرما تھی۔ مؤخر الذکر احادیث کی طرف ائمہ دین کی یا تو توجہ نہ ہوئی یا انھوں نے دانستہ اغماض کیا کہ حالات ہی ایسے تھے، اس لیے یہ فتنہ قائم رہا اور مدعیانِ نبوت نے اس سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ "موضوعات" میں مؤلف نے جن احادیث کو جمع کیا ہے، وہ اس نام سے بھی واضح ہیں۔ ذیل کے نقشے سے احادیث کی اقسام اور ان کی نوعیت و حیثیت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ قسمیں تو بہت ہیں، لیکن سمجھنے کے لیے یہی کافی ہیں:



"موضوعات" میں عموماً ضعیف اور مردود احادیث کا بیان ہے۔ ایسی حدیثیں جو صوفیہ کی زبان زد تھیں، ملا علی کی خاص تنقیدی توجہ

(باقی بر صـ۱۵)

امیدوار ہے، عرض کرتا ہے کہ اس میں کچھ شک وشبہ نہیں کہ کلام اللہ اُسی کے فضل وکرم سے ہر ایک خطا اور غلطی سے محفوظ ہے۔ آج تک نہ ایک نقطہ میں فرق آیا، نہ کتابت میں غلطی واقع ہوئی، نہ رسم الخط میں اور اِن ہی معنوں میں ارشادِ الٰہی ہے کہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (ہم ہی نے یہ یاددہانی (فطری عہد کی) نازل فرمائی اور ہم ہی اس کی حفاظت کرتے ہیں) آں حضرت صلعم کے عہد مبارک سے ہمارے زمانہ تک کہ ہجرت نبوی سے کچھ اوپر ہزار سال گذر چکے ہیں، قرآن مجید کے حافظوں کا قیام مسلسل چلا آتا ہے۔ لیکن احادیث کی کیفیت کچھ اس سے مختلف ہے۔ عرصہ دراز کے بعد ان کی حیثیت ظنی رہ گئی اور یہی وجہ ہے کہ موضوع احادیث بھی لوگوں میں رواج پاگئیں، لیکن علمائے[1] دین کا قیام ہمیشہ حق پر رہا اور وہ صحیح، سقیم، حسن، ضعیف، مرفوع، موقوف، مقطوع اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱۴) کی جاذب رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین نے روایات کو درایتاً کبھی نہیں پرکھا۔ کسی حدیث کی صحت کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ مشہور یا متواتر ہو یا راوی ثقہ ہوں۔ واقعہ خواہ کیسا ہی دور از کار ہو، رُواۃ کی ثقاہت اس پر مہر صداقت ثبت کر دیتی۔ چالاک واضعان احادیث کے لیے یہ کچھ مشکل کام نہ تھا کہ ثقہ راویوں کا سلسلہ آں حضرت تک پہنچا دیتے۔ متاخرین میں سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور ان کے بعد سر سید احمد خاںؒ اور اُن کے رفقاء کار نے درایت سے کام لیا اور دبی زبان سے یہ بھی کہا، جس کا خواجہ احمد الدین مفسر امرتسریؒ نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ احادیث خواہ ان کی حیثیت کچھ بھی ہو، حجت شرعی نہیں ہیں۔ مولوی عبداللہ مرحوم نے توحدِ تجاوز سے بڑھ کر سرے سے احادیث کا انکار ہی کر دیا۔

[1] ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ المعروف امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں سمرقند میں وفات پائی۔ چھ لاکھ حدیثیں جمع کیں، جن میں سے سات ہزار دو سو چھہتر اپنی کتاب میں اندراج کے لائق سمجھیں۔ اگر ان میں سے مکررات حذف کر دی جائیں، تو صرف چار ہزار رہ جاتی ہیں۔

مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ ایک لاکھ احادیث سے بارہ ہزار کا انتخاب کیا۔

مالک بن انس بن ابی عامر اصبحی ۹۳ھ میں ولادت ہوئی۔ وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ "موطا" مشہور کتاب ہے، جس میں ایک ہزار ستائیس احادیث ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن ادریس المعروف امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۰۳ھ میں فوت ہوئے۔

امام احمد بن حنبل ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ مزار بغداد میں ہے۔ "مسند احمد" میں تیس ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶)

موضوع میں امتیاز کرتے رہے۔ چنانچہ ابونعیمؒ نے "حلیۃ" میں ابی ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو ہر ایک بدعت سے جس کا فریب بہ تعلق اسلام انھیں دین سے باندھے، بچائے رکھتا ہے اور جو کچھ دشمنانِ دین وضع کرتے ہیں، دفع کرتا رہتا ہے۔ پھر آں حضرت صلعم کی احادیث متواترہ جو معناً روایت ہوئیں، جن پر شیخین و حاکم کی روایات ملتی ہیں، جو ابی ہریرہؓ سے مروی ہے اور شیخین (بخاری و مسلم)، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی نے اسی سے روایت کی ہے کہ مجھے کوئی امر مانع نہ ہوا کہ احادیث کثرت سے روایت کروں، مگر ارشادِ نبیؐ، فرمایا کہ جس کسی نے دیدہ و دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھا، تو اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے (من تعمد علی کذباً فلیتبوأ مقعدہ من النار) اور یہی حضرات حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھ پر جھوٹ نہ باندھو! جس کسی نے مجھ پر جھوٹ باندھا، تو اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ آگ میں داخل ہو (لا تکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار) اور شیخین اور ترمذی نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی ہے کہ آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں، جیسا ایک دوسرے پر بولا کرتا ہے۔ جو کوئی مجھ پر جھوٹ باندھے گا، تو ٹھکانہ اپنا آگ میں تیار کرلے" اور بخاری، ابی داؤد، نسائی اور ابن ماجہ، عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے زبیرؓ سے کہا، بات کیا ہے کہ میں آپ کو رسول اللہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا، جیسا کہ فلاں فلاں روایت کرتے ہیں؟ جواب دیا: خبردار، میں آں حضرت صلعم سے جدا نہیں رہا (اس لیے کلام نبیؐ اکثر سنتا رہا) لیکن میں نے آپؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے، تو مناسب ہے کہ اپنا مکان آگ میں تیار

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱) محمد بن عیسےٰ المعروف ترمذی، امام بخاری کے شاگرد ہیں "جامع ترمذی" ان کی کتاب ہے۔ ۲۰۹ھ میں فوت ہوئے۔

ابوداؤد سلمان بن اشعث بن اسحٰق سجستانی (سیستان، بلوچستان) ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ پانچ لاکھ حدیثوں سے صحیح و حسن و منکر و ضعیف احادیث کا انتخاب کیا۔

ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔ ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳۰۳ھ میں مکہ میں فوت ہوئے۔

ابن ماجہ محمد بن یزید قزوینی ۲۰۹ھ میں ولادت اور ۲۷۳ھ میں وفات ہوئی۔ سنن میں چار ہزار حدیثیں ہیں۔ جن میں ایک بالاتفاق موضوع بھی ہے، جو قزوین کی تعریف میں ہے۔

ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی سمرقندی ۱۸۱ھ میں ولادت اور ۲۵۵ھ میں وفات ہوئی۔ مسلم اور ترمذی آپ سے روایت کرتے ہیں۔

دارقطنی، علی بن عمرو، دارقطن بغداد کا ایک محلہ ہے۔ ولادت ۳۰۶ھ وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی۔ جرح و تعدیل کے لیے مشہور ہیں۔

ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نیشاپوری ۳۸۴ھ میں ولادت ۴۵۸ھ میں وفات ہوئی۔ بہت کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں "مدخل" اور "شعب الایمان" مشہور ہیں۔

اور بخاری و دار قطنی، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "جو کوئی مجھ سے ایسی بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی، تو اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے"۔ اور بخاری، ترمذی، دارقطنی اور حاکم نے "مدخل" میں ابن عمرو سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے حدیث روایت کرو، لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو۔ جو کوئی مجھ پر جھوٹ باندھے گا، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔ احمد، دارمی اور ابن ماجہ نے ابی قتادہ سے روایت کی ہے۔ رسول اللہ صلعم کو میں نے اس منبر پر ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی مجھ سے حدیث روایت کرے، تو حق اور صدق کے سوا اور کچھ نہ کہے اور جو ایسی بات کہے، جو میں نے نہیں کہی، تو اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے۔ مسلم، نسائی، ترمذی، ابی سعید سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ "لا تکتبوا عنی شیئاً سوی القرآن فمن کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج وحدثوا عنی ولا تکذبوا علی فمن کذب علیّ متعمّدًا فلیتبوا مقعدہ من النار" (مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو، اگر کسی نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھا ہے، تو اس کو مٹا ڈالے اور اس میں کچھ قباحت نہیں کہ تم بنی اسرائیل کے احوال بیان کرو اور میرے احوال و اقوال بیان کرو، لیکن جھوٹ مجھ پر نہ باندھو۔ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تیار کرلے) احمد، ابی یعلی، عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جس نے مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھا اور وہ شے رد کی جس کا میں نے حکم دیا ہے، تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔ احمد اور ابی یعلی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے کہ "جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ آگ میں داخل ہوگا اور حضرت[1] عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہتے تھے کہ مجھے یہ امر حدیث رسول اللہ کی روایت سے مانع نہیں کہ میں آں حضرت کے اصحاب سے حافظہ میں کم ہوں، لیکن بات یہ ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں، میں نے آں حضرت کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرلے"۔ سعید بن زید سے روایت ہے کہ آں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "مجھ پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں، جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے پر بولا کرتا ہے، جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا، اسے آگ میں ٹھکانہ تیار

[1] سلسلہ اسناد اس مقام سے ہم نے ترجمہ نہیں کیا۔ یہ امر غور طلب ہے کہ یہ حدیث مشہور متواتر روایت ہوئی ہے اور درایتاً بھی صحیح ہے۔ رسول کریم کا ارشاد اور وعید اور روایت حدیث میں صحابہ کی انتہائی احتیاط بلکہ اجتناب میں کیا غرض و حکمت تھی؟ رسول کریم کے اس ارشاد سے کہ قرآن کے سوا جو کچھ میری طرف سے قلم بند کیا گیا ہے، محو کر دیا جائے۔ (ملاحظہ ہو ص ۱۸)

کرنا چاہیے" اور ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث ہے: "جس نے مجھ پر جھوٹ بولا اس کے لیے آگ میں گھر بنا" معاویہ بن ابی سفیانؓ سے مرفوع حدیث ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ بکا، تو آگ میں ٹھکانہ بنائے" اور خالد بن عرفطہ کی بھی اسی معنی میں حدیث ہے۔ یحییٰ بن میمون الحضرمی روایت کرتے ہیں کہ عقبہ بن عامر کو سنا کہ منبر پر رسول اللہ کی احادیث بیان کرتا تھا۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ تمھارا یہ دوست یا تو حافظ ہے یا ہلاک ہونے والا ہے، کیوں کہ آں حضرتؐ نے ہم سے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کتاب اللہ پر عہد لیا تھا کہ تم ضرور ایسے لوگوں سے ملوگے، جو میری حدیث سے محبت کرتے ہوں گے، تو جو ایسی بات کہے گا جو میں نے نہیں کہی، وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے اور جو کچھ کسی کو یاد ہو، تو روایت کرے" اور عقبہ بن عامرؓ، زید بن ارقم اور عمران بن حصین سے مرفوع احادیث ہیں کہ جس نے مجھ پر جھوٹ کہا وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے یا جہنم میں گھر بنائے یا آگ میں بیٹھنے کی جگہ بنائے۔

طبرانی نے "اوسط" میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آں حضرتؐ کی مانند لباس پہنے ہوئے مدینہ میں اہل بیت کے ہاں آیا اور کہا کہ مجھے رسول اللہؐ نے مامور فرمایا ہے۔ اس کا ٹھکانہ تو ان لوگوں نے بنا دیا، لیکن اصل حقیقت دریافت کرنے کے لیے رسول اللہؐ کے پاس ایک شخص کو بھیج کر اس حال کی خبر دی۔ آں حضرتؐ نے ابی بکرؓ اور عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ اس کے پاس جاؤ اور اگر زندہ پاؤ تو اسے قتل کر دو، پھر اس کی لاش کو جلا دو۔ اگر زندہ ملے، تو تم اس سے نپٹ سکتے ہو" وہ آئے۔ تو معلوم ہوا کہ رات کے وقت پیشاب

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۱۷) محدثین نے یہ مطلب لیا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت مطلوب تھی۔ توراۃ و انجیل کی مثال کہ ان میں روایات مخلوط ہوگئیں اور تحریف بھی ہوئی۔ یہ وجہ مقبول ہے اور یہ غرض منع تحریر سے پوری ہوتی۔ روایات میں یہ وعید تھی کہ جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ احادیث خود آں حضرتؐ کے زمانہ میں معناً روایت ہوتی رہیں، یعنی حتی الوسع اصحابؓ وہی لفظ استعمال کرتے تھے۔ جو آں حضرتؐ کے تھے۔ لیکن یہ التزام زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ اصحاب کبار بالعموم روایت حدیث سے بچتے تھے، کیوں کہ وہ خود تو جھوٹ نہیں کہتے تھے لیکن ڈرتے تھے کہ ان کی روایت در روایت میں کسی وقت جھوٹ کی آمیزش ضرور ہو جائے گی۔ آمیزش تو ہوئی [illegible] احادیث جن کا تذکرہ ملا علی قاریؒ نے "موضوعات" میں کیا ہے، لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوگئیں۔ آں حضرتؐ کا یہ ارشاد کہ قرآن کے سوا کوئی حدیث نہ لکھی جائے، واضح کرتا ہے کہ آں حضرتؐ شروع سے حدیث کو مستقل حیثیت دینا نہیں چاہتے تھے، ورنہ اُن کی حفاظت کا بھی علیحدہ انتظام ہو سکتا تھا، اس لیے جو حضرات احادیث کو قرآن کا مثل کہتے ہیں، انھیں کچھ عقل سے بھی کام لینا چاہیے۔

کے لیے باہر نکلا سانپ نے کاٹا، تو مر گیا۔ اس کی لاش کو آگ میں جلا دیا گیا۔ پھر رسول اللہؐ کے پاس لوٹ کر آئے اور تمام حال بیان کیا آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ کہے، تو ٹھکانہ آگ میں تیار کرے۔ اسی قسم کی ایک حکایت ابن عدی نے "کامل" میں بروایت بریدہؓ بیان کی ہے اور طبرانی نے عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سے روایت کی ہے کہ بیان کیا: میں اپنے باپ کے ساتھ اپنے خسر کے ہاں گیا، جو سلام لایا اور آں حضرت صلعم کی صحبت میں رہا۔ اسے کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہؐ کا یہ ارشاد سنا ہے: "ارحنا بھا یا بلال" (ہمیں نماز سے خوش دل کرو) میں نے کہا، کیا آپ نے یہ بات خود رسول اللہؐ سے سنی ہے؟ سخت برافروختہ ہوا اور کہنے لگا کہ ایک شخص عرب کے ایک گھرانے میں آیا اور کہا کہ آں حضرت صلعم نے مجھے مامور فرمایا ہے کہ میں تمہاری عورتوں میں جس طرح چاہوں، حکم کروں۔ انھوں نے کہا کہ بسر وچشم، ہم رسول اللہؐ کے حکم کے فرماں بردار ہیں اور ایک شخص کو آں حضرتؐ کے پاس بھیجا اور اس حال کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ اگر آں حضرتؐ کا امر ہے تو سر آنکھوں پر اور اگر نہیں تو واجب ہے کہ ہمیں اس کا علم ہو۔ آں حضرتؐ غضب میں آئے اور انصار سے ایک آدمی کو لیا اور فرمایا کہ جا اور اسے قتل کر اور لاش آگ میں جلا دے! وہ آیا، تو وہ مر چکا تھا اور اس کو دفن کر دیا تھا۔ اس کی لاش نکلوا کر اس کو جلا دیا۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ کہا، تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرے" پھر مجھ سے کہا کہ تو سمجھ سکتا ہے کہ کیا میں رسول اللہ پر اس وعید کے بعد جھوٹ باندھوں گا؟"

یہی حدیث کہ "من کذب علیّ متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار" زید بن ارقم، براء بن عازب، ابی موسیٰ الاشعری، معاذ بن جبل، عمار بن یاسر، عمرو بن عبسہ، ابن عباس، عقبہ بن غزوان، ابن عدی، حرث بن عمرو، یعلی بن مرۃ، سلمان بن خالد الخزاعی، عمرو بن دینار (اور اکثر صحابہؓ سے مرفوعاً روایت ہوئی ہے کہ یہاں، بہ خوف طوالت ان کا ذکر نہیں کیا گیا) بزاز ابن عمرؓ سے مرفوع حدیث روایت کرتا ہے کہ عجیب تر وہ ہے، جو تم نے نہ دیکھی نہ سنی اور عجیب ترین وہ بات ہے، جو میں نے نہیں کہی اور مجھ سے منسوب کی جائے" دار قطنی نے رافع بن خدیجؓ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے پاس تھے کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ یا رسول اللہؐ لوگ ایسی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمائی ہیں۔ فرمایا: میں تو وہی کچھ کہتا ہوں، جو مجھ پر آسمان سے نازل ہوا اور حکم ہوا۔ مجھ پر جھوٹ نہ بولو، کیوں کہ مجھ پر جھوٹ بولنا ایسا نہیں، جیسے میرے سوا کسی اور پر۔ اور ابن عدی، صہیبؓ سے روایت کرتا ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ کہا، قیامت کے دن مجبور ہو گا کہ جو کے دو دانوں میں گرہ ڈالے۔ یہی وجہ مجھے روایت حدیث سے مانع ہے اور دار قطنی نے "افراد" میں اور خطیب

نے "تاریخ" میں سلمان فارسی رض سے اور ابن جوزی اور حافظ یوسف بن خلیل دمشقی نے یہی حدیث ابی ذر رض سے ابن صاعد وغیرہ نے حذیفہ بن اسید اور ابن عدی نے ابی ہریرہ رض سے روایت کی ہے کہ "جو شخص کوئی حدیث گھڑے یا اپنے فعل کے جواز میں حدیث کی آڑ لے، اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت اس پر اور اس پر جو مجھ پر عمداً جھوٹ کہے۔[۵] مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے: نبی صلعم نے فرمایا "جس نے مجھ سے کوئی حدیث یہ جانتے ہوئے کہ یہ کذب ہے روایت کی، تو وہ جھوٹوں کا ایک ہی جھوٹا ہے" دارقطنی نے روایت کی ہے کہ آں حضرت م نے اس شخص کے لیے نار دوزخ کا وعدہ دیا ہے، جو آں حضرت م پر جھوٹ کہے بعد اس کے کہ وہ آں حضرت م کی طرف سے تبلیغ پر مامور ہو، جو اس امر کی دلیل ہے کہ اُسے ایسے امور کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، جو صحیح دون السقیم اور حق دون الباطل ہو، نہ یہ کہ جو کچھ اس سے روایت کی جائے، وہ بیان کرتا پھرے، کیوں کہ آں حضرت م کا ارشاد ہے کہ آدمی کے لیے یہی گناہ (در بارہ حقوق العباد) کافی ہے کہ جو کچھ سُنے لوگوں سے کہے۔" اور مسلم نے حدیث ابی ہریرہ رض روایت کی ہے کہ "جو شخص نبی صلعم کی حدیث اس حالت میں بیان کرے کہ اسے شک ہو کہ صحیح ہے یا غیر صحیح، تو وہ ایک ہی جھوٹوں کا جھوٹا ہے" یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اور دیگر خاص الخاص صحابہ کرام حدیث کی کثرت روایت سے احتراز کرتے تھے۔ اور ابو بکر رض اور عمر رض تو جب کبھی ایسی حدیث سُنتے، جو خود نہ سُنی تھی، تو راوی سے شہادت طلب کرتے اور حضرت علی رض تو اس پر حلف بھی لیتے تھے۔ صحابہ رض اور تابعین میں سے بعض محدث بھی انتہائی احتیاط کی وجہ سے یہی کچھ کرتے۔ اُنھیں خوف تھا کہ حدیث میں کوئی بات بڑھ چڑھ کر بیان نہ کی گئی ہو، یا کمی نہ کی گئی ہو یا بھول چوک نہ ہو گئی ہو۔ اس امر میں تو تمام انتہائی محتاط تھے، بالخصوص ابو حنیفہ النعمان۔ آں حضرت م کا ارشاد ہے کہ تم ضرور دوسرے زمانہ (بعد نبوت) میں میری اُمت کے ایسے لوگوں سے حدیثیں سُنو گے، جو نہ تم نے اور نہ تمھارے باپ دادوں نے سُنی ہوں گی پس تم ان سے بچو۔" مسلم نے ابی ہریرہ رض کی حدیث اور اس سے دین میں اسناد کا ہونا اخذ کیا ہے، جس پر تمام مجتہدین کا مدار ہے۔ جوزثانی نے ابن العباس السراج کی سند پر لکھا ہے کہ "اس نے کہا کہ میں محمد بن اسمٰعیل البخاری سے ملا اور اس کو ابن کرام کا خط دیا، جس میں اس نے احادیث کے متعلق پوچھا تھا، جس میں زہری کی حدیث سالم سے اس کے باپ سے مرفوعاً مروی تھی کہ "الایمان لا یزید ولا ینقص" (ایمان بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے) اس خط کی پشت پر محمد بن اسمٰعیل بخاری نے لکھا کہ جس نے یہ حدیث گھڑی ہے

[۵] ہم نے ترجمہ میں کچھ عبارت چھوڑ دی ہے کہ اس میں تکرار ہے اور طوالت ہے۔ منہ

سخت مار اور لمبی قید کا مستوجب ہے۔ شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ جھوٹی حدیث روایت ہورہی ہے، تو اسے چپکا نہیں رہنا چاہیے کیوں کہ یہ غیبت نہیں ہے (بلکہ امر دینی ہے) علماء نقاد ہوتے ہیں اور دین کی باتوں میں ناقد کو کھرے سے کھوٹے کو الگ کر کے دکھانا چاہیے۔ شعبہ بن حجاج کہتے تھے کہ آؤ دین اللہ میں غیبت کریں[۱]۔ طرطوشی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب سلمان بن مہران الاعمش بصرہ میں آیا، تو دیکھا کہ ایک قصہ گو مسجد میں قصہ بیان کرتے ہوئے حدیث روایت کرنے لگا کہ ہم سے اعمش نے اور اس سے ابی اسحٰق نے اور اس سے ابی وائل نے حدیث بیان کی۔ اعمش آگے بڑھ کر قریب ہو گیا، حدیث سنتا رہا اور اپنی بغل کے بال اکھاڑتا رہا۔ قصہ گو نے اسے مخاطب کر کے کہا کہ اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی کہ میں علمی بات کر رہا ہوں اور تو اس کام میں لگا ہوا ہے۔ اعمش نے کہا کہ جس کام میں میں لگا ہوا ہوں، وہ اس کام سے جو تو کر رہا ہے، بہتر ہے۔ پوچھا "کس طرح؟" کہا میں تو سنت پر عمل کر رہا ہوں اور تو جھوٹ کا طومار باندھ رہا ہے۔ میں ہی اعمش ہوں۔ میں نے کب تجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی؟"

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی محمد بن یونس کدیمی کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ میں اہواز میں تھا۔ ایک بزرگ قصہ بیان کرتے تھے کہ جب نبی علیہ السلام نے علیؓ اور فاطمہؓ کا عقد باندھا، تو شجرہ طوبیٰ کو اللہ کا حکم ہوا کہ تازہ بہ تازہ تر موتی برسائے، جو اہل جنت نے طبقوں میں میں بھر لیے تھے۔ میں نے کہا، اے شیخ! یہ رسول اللہ پر صریح جھوٹ ہے۔ بولا، چپکا رہ! یہ باتیں لوگوں کے مناسب ہیں۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی قصہ گو نے ایک کتاب تصنیف کی، جس میں یہ مذکور تھا کہ حسنؓ و حسینؓ، عمرؓ کے پاس آئے اور وہ کسی اور کام میں مشغول تھے۔ جب ادھر توجہ ہوئی، تو تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور دونوں کو ایک ایک ہزار دینار دیے۔ انھوں نے واپس جا کر اس کی اطلاع اپنے باپ کو دی، تو علیؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کا ارشاد سنا ہے کہ عمرؓ دنیا میں نور اسلام ہے اور چراغ اہل جنت ہے عقبیٰ میں، تو وہ عمرؓ کے پاس لوٹے اور اسے یہ حدیث سنائی، تو اس نے دوات اور کاغذ منگوایا اور لکھا کہ مجھ سے جوانان اہل جنت نے اپنے باپ سے اور اس نے رسول علیہ السلام سے حدیث بیان کی کہ آں حضرتؐ نے ایسا ایسا فرمایا کہ یہ کاغذ میرے

---

[۱] ترجمہ میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کا واقعہ جو ایک قصہ گو سے پیش آیا اور جعفر بن حجاج کا قصہ اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری نے "علم حدیث" میں نقل کیا ہے، جو "البیان" میں شائع ہو چکا ہے اور اسی طرح وہ قصہ جس میں ایک دراز ریش واعظ کا ذکر ہے۔

کفن میں رکھ دینا: چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، صبح ہوئی، تو کاغذ قبر پر پڑا تھا اور اس میں تحریر تھا کہ سچ کہا حسن رضؓ اور حسین رضؓ نے اور سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ بغداد میں ایک قصہ گو بیٹھا تفسیر آیۃ "عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محمودًا" بیان کررہا تھا کہ آں حضرت عرش پر اللہ کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ کسی نے امام محمد جریر طبری کو بھی سنادی، تو جوش میں آئے اور اس کے انکار میں مبالغہ کیا اور اپنے دروازہ پر لکھ دیا کہ "سبحان من لیس لہ انیس ولا لہ فی عرشہ جلیس" (پاک ہے وہ ذات جس کا نہ انیس ہے نہ اس کے عرش پر جلیس ہے) بغداد کے عام لوگوں نے ہلا بول دیا اور اس قدر پتھر برسائے کہ دروازہ پٹ گیا۔ عقیلی نے حماد بن زید سے نقل کی ہے کہ زنادقہ نے بارہ ہزار حدیثیں جھوٹی وضع کیں اور ابن عدی نے جعفر بن سلمان سے نقل کی کہ میں نے مہدی (خلیفہ عباسیہ) کو کہتے سنا ہے کہ زنادقہ میں سے ایک شخص نے میرے پاس اقرار کیا تھا کہ اس نے چار سو حدیثیں وضع کیں، جو لوگوں میں شائع ہو چکی ہیں اور عقیلی کی کتاب میں یعلی بن عبدالرحمن واسطی سے منقول ہے کہ اس نے موت کے وقت کہا کہ میں نے ستر حدیثیں علی رضؓ کے فضائل میں وضع کی ہیں اور خطیب نے ربیع بن خیثم کا قول بیان کیا ہے کہ حدیث ایسی بھی ہے کہ روز روشن کی طرح ہے، جو فوراً پہچانی جاتی ہے اور ایسی بھی ہے کہ رات کی تاریکی کی طرح ہے، جس کا انکار کرنا چاہیے۔

"اکثر قصہ گو اور واعظ تفسیر اور اس کی روایت اور حدیث اور اس کے مرتبہ سے محض ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے لوگوں سے قصہ وہی شخص بیان کرنے کا اہل ہے، جو امیر ہو یا مامور ہو یا مراد ہو" ابن ماجہ اور ابی داؤد نے مختلف اسناد سے اسے روایت کیا ہے اور مراد کی جگہ مختال اور طبرانی نے لفظ متکلف استعمال کیا ہے اور طبرانی نے خباب بن الارث سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ "بنی اسرائیل اسی قصہ گوئی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے" اور زین العراقی کا قول ہے کہ قصہ گوئی کی آفتوں میں سے یہ بھی ہے کہ بات سے ایسی بات بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ عام فہم وعقل کی رسائی وہاں تک نہیں اور اس سے عقائد میں خرابی واقع ہو جاتی ہے، یہ تو ایسے قصوں کی آفت ہے، جو صحیح ہوں، تو قیاس ہو سکتا ہے کہ جھوٹے قصے کیا کچھ آفت برپا نہ کریں گے۔ اس کی تائید ابن مسعود رضؓ کے اس قول سے ہوتی ہے، جو مسلم نے صحیح کے مقدمہ میں روایت کیا ہے کہ کسی قوم سے حدیث بیان کرنا، جو ان کی عقل وفکر سے بالاتر ہو، ان کو فتنہ میں مبتلا کرنا ہے۔ قصہ گوئی کی آفات میں سے یہ بھی ہے کہ قصہ گو میں عجب وغرور ہر ایک بات میں پیدا ہو جاتا ہے اور امام احمد نے سند صحیح سے حارث بن معاویہ سے روایت کی ہے کہ سوار ہو کر عمر رضؓ بن الخطاب کے ہاں گیا اور قصہ گوئی کی اجازت طلب کی۔ فرمایا کہ

اس سے تیرا منشا کیا ہے؟ اس نے ظاہر کیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ قصہ گوئی تیرے نفس کو ابھارتے ہوئے ثریا تک لے جائے گی اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اتنا ہی نیچا دکھائے گا جتنا تو بزعم خود بلند ہوا اور ایسی ہی روایت طبرانی نے تمیم الداری سے روایت کی ہے تو غور کرنا چاہیے کہ جب عمرؓ نے ایسے شخص کو اجازت نہیں دی، جو صحابہؓ میں سے تھے اور ان میں کا ہر ایک عدل و ایمان پر تھا، تو تمیم کی مثل تابعین میں اور تبع تابعین میں کہاں ہے؟ ابن ماجہ نے حسن کی سند ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کے عہد مبارک میں اور ابی بکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کے وقت قصہ گوئی نہیں ہوتی تھی۔ یہی روایت احمد اور طبرانی نے سائب بن یزید سے کی ہے اور طبرانی نے عبداللہ بن عمرو ابن عباس و ابن زبیر و ابن عمرو سے حدیث روایت کی ہے کہ "القاص ینتظر مقت" (قصہ گو دشمنی مول لیتا ہے) اور قصہ گوئی کی آفت کے بارہ میں مروزی نے کتاب العلم میں اور ابونعیم نے حلیہ میں ابی قلابہ کا قول روایت کیا ہے کہ علم قصہ گوئی کے ہاتھوں مرا۔ قصہ گو ایک سال تک قصہ بیان کرتا رہا، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ ابونعیم نے سعید بن عاصم سے روایت کی ہے کہ ایک قصہ گو مسجد محمد بن واسع کے قریب قصہ بیان کرتے ہوئے اہل مجلس کو ڈانٹنے لگا کہ تمہیں کیا ہو گیا۔ میں نہیں دیکھتا کہ تمہارے دل پسیجے ہوں اور نہ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور نہ تمہارے رونگٹے کھڑے ہوئے۔ محمد بن واسع نے کہا کہ بات یہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ دل کا اثر دل پر ہوتا ہے نہ تمہارے دل سے یہ بات نکلتی ہے اور نہ دل پر اثر کرتی ہے۔ ابونعیم نے حلیہ میں زہری کا قول روایت کیا ہے کہ جب کوئی مجلس طول پکڑے، تو سمجھو کہ شیطان وہاں گھسا ہوا ہے اور ابونعیم نے ابراہیم النخعی سے روایت کی ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ مجلس جما کر بیٹھے، تو اس کے پاس نہ بیٹھو اور ابن المبارک نے عتبہ بن مسلم کا قول روایت کیا ہے کہ گفتگو ایک شخص سے یا دو سے یا تین سے یا چار سے ہو، تو خوب ہے اور جب اس سے تعداد بڑھے تو اٹھو اور وہاں سے کھسکو اور مروزی نے سالم سے ابن عمرؓ کی روایت کی ہے کہ مسجد سے باہر آتے ہوئے کہا کہ تمہارے قصہ گو کی آواز سے بھاگ رہا ہوں۔ مروزی نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ایک قصہ گو ابن عمرؓ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ یہاں سے اٹھ جائیے، لیکن وہ نہ اٹھا، تو کوتوال کو بلوایا، جس نے بزور اسے اٹھایا۔ حسن سے روایت ہے کہ قصہ گوئی بدعت ہے اور دعا میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور دعا کے وقت ہاتھ لمبے کرنا بدعت ہے اور مرد و زن کا مل کر بیٹھنا بدعت ہے اور ایک لطیفہ یہ روایت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی والدہ نے ارادہ کیا کہ کسی مسئلہ میں ایک قصہ گو سے، جسے

زرعہ کہتے تھے اور مسجد کوفہ میں قصہ بیان کرتا رہتا، فتویٰ پوچھے۔ ابوحنیفہؒ نے مسئلہ کا حل کردیا تو کہا کہ میں تب تک نہیں مانوں گی، جب تک زرعہ تصدیق نہ کرے۔ امام والدہ کو لے کر زرعہ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ میری والدہ ہے اور یہ مسئلہ ہے اور فتویٰ پوچھتی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ عالم اور فقیہ ہیں مناسب تو یہی ہے کہ آپ ہی فتویٰ دیں۔ امام نے کہا کہ میں نے یہ فتویٰ دیا۔ زرعہ نے کہا بالکل صحیح۔ تب کہیں جا کر والدہ کی تسلی ہوئی۔ ابن عدی ایک واقعہ حسن الکرابیسی سے روایت کرتا ہے کہ بغداد میں ایک قصہ گو تھا، جسے ابو مرحوم القاص کہتے۔ لوگ اس کی باتیں سننے کے لیے جمع ہوتے۔ ایک روز اس طرح ڈینگ مارنے لگا کہ مجھ سے تفسیر بلکہ تفسیر کی تفسیر پوچھ لو۔ ایک شخص بول اٹھا کہ اے ابو مرحوم اللہ تیرا حال سنوارے۔ اس نے جواب میں برا بھلا کہا۔ ایک اور شخص نے کہا کہ بھلے آدمی! اس نے تجھے دعا دی اور تو جواب میں گالیاں دیتا ہے۔ کہا کہ ہاں، تو نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون" (جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اکثر بے عقل ہیں)

(مقدمہ موضوعات کے آخر میں مؤلف کی یہ رائے قابل توجہ ہے کہ اہل سنت نے مشہور احادیث جمع بھی کیں اور ان کا انتخاب بھی کیا اور اقسام احادیث صحیح و حسن و ضعیف وغیرہم میں امتیاز بھی کیا۔ احادیث ثابتہ کا تو کچھ شمار ہی نہیں، اس لیے میرا ایسی احادیث بیان کرنا، جو پہلے ہی جمع ہو کر منتخب ہو چکی ہیں، فضول ہے، اس لیے میں نے ان کا ذکر نہیں کیا اور ان احادیث کا بھی ذکر نہیں کیا، جن میں اختلاف ہے کہ صحیح ہیں یا موضوع، کیوں کہ من وجہ صحیح بھی ہیں اور ایک طریق سے موضوع بھی، کیوں کہ محدثین کی نگاہ زیادہ تر اسناد پر پڑتی ہے۔ اگر اسناد منقطع نہ ہوں، تو صحیح، لیکن عقلاً ایسی احادیث نفس الامر میں ضعیف اور موضوع بھی ہوگئی ہیں اور اسی طرح بعض موضوع احادیث صحیح مرفوع سوائے ان احادیث کے جو متواتر ہوں اور یہی علم الیقین کا فائدہ دیتی ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ وہی حدیث صحیح ہے، جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم کے مطابق ہو اور میں اللہ سے تحقیق کی طرف رہ نمائی کا خواستگار ہوں۔ ھوالھادی الی سواء الطریق۔ میں نے احادیث کا تذکرہ ترتیب حروف ہجا پر کیا ہے۔ جو افعال و حروف و اسماء کے شروع میں واقع ہوئے ہیں۔

توریت، زبور، انجیل اور قرآن کی رُوح

۱۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرزند آدم! روزی کا غم نہ کھا، جب تک میرا خزانہ بھرپور ہے۔

۲۔ اے فرزند آدم! پادشاہ ظالم اور امیر کبیر سے مت ڈر، جب تک میری سلطنت ہے اور میری سلطنت ہمیشہ کے لیے ہے۔

۳۔ اے فرزند آدم! کسی سے محبت مت کر اور کسی سے کچھ مت مانگ، جب تک تو مجھے پائے اور مجھے جب چاہے گا، پائے گا۔

۴۔ اے ابن آدم! جس طرح میں تجھ سے کل کا عمل نہیں چاہتا، اسی طرح تو بھی مجھ سے کل کی روزی مت مانگ!

۵۔ اے ابن آدم! میں نے سب چیزیں تیرے لیے بنائی ہیں اور تجھے اپنے لیے۔ پس تو اپنے آپ کو دوسروں کے دروازے پر ذلیل مت کر!

۶۔ اے فرزند آدم! جس طرح میں تیری روزی نہیں کھوتا، اسی طرح تو بھی میری عبادت مت چھوڑ اور میرے حکم کی خلاف ورزی مت کر!

۷۔ اے فرزند آدم! جس طرح میں سات آسمان، عرش و کرسی اور سات زمینیں پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا، اسی طرح تجھے روزی دینے سے عاجز نہیں ہوں گا۔ بے شک روزی پہنچاؤں گا۔

۸۔ اے ابن آدم! جس قدر میں نے تیری قسمت میں رکھ دیا ہے، اس پر راضی رہ اور نفس و شیطان کی خواہشوں سے دل کو مت بہلا!

۹۔ اے فرزند آدم! میں تیرا دوست ہوں، تو بھی میرا دوست بنا رہ اور میری محبت و عشق کے غم سے کبھی خالی نہ ہو!

۱۰۔ اے ابن آدم! تو میرے غصے سے نڈر مت ہو، جب تک تو پل صراط سے گذر کر بہشت میں داخل نہ ہو جائے۔

(۱۱) اے فرزند آدم! تو مجھ پر اپنے نفس کی مصلحت کے باعث ناراض ہوتا ہے اور اپنے

نفس پر میری رضامندی کے لیے ناراض نہیں ہوتا۔

(۱۲) اے فرزندِ آدم! اگر تو میری تقسیم پر راضی ہو جائے، تو اپنے آپ کو میرے عذاب سے چھڑالے گا اور اگر تو اس پر راضی نہ ہؤا، تو مَیں تیرے نفس کو تجھ پر مقرر کر دوں گا، تاکہ جانوروں کی طرح تجھے جنگلوں میں دوڑاتا پھرے۔ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی کہ کچھ نہ حاصل ہوگا، مگر اسی قدر جو مَیں نے مقدر کیا ہے! (منقول از ہدایۃ الانسان)

دو اچھی کتابیں

برگِ سبز

("طلوعِ اسلام" کی نظر میں)

"کسی کو خواجہ احمد الدین مرحوم کے بعض خیالات سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو، کوئی خادمِ قرآن کریم اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن کریم کے بعض مقامات میں اُن کی تحقیق اجتہاد کا مرتبہ رکھتی ہے۔ ان مقامات میں سب سے اہم گوشہ مسئلہ وراثت ہے اور خواجہ صاحب نے اس باب میں فی الواقعہ قابلِ ستائش محققانہ نگاہ سے کام لیا ہے۔ مروجہ فقہ کی رو سے یتیم پوتا، دادا کی جائداد سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ خواجہ صاحب نے دلائل قرآنی سے اس مسئلہ کی تردید نہایت حسن و خوبی سے کی اور اس موضوع پر متعدد رسائل شائع کیے۔ زیرِ نظر رسالہ اُن کے ایک غیر مطبوعہ مسودہ پر مشتمل ہے، جو رسالہ "البیان" کے ستمبر نمبر کی شکل میں شائع ہؤا ہے، جس کا مطالعہ ہمارے خیال میں ہر اُس مسلمان کے لیے فائدہ مند ہوگا، جو قرآن کریم کے احکامِ وراثت کا جاننا ضروری سمجھتا ہو" قیمت دو آنے

تفسیر سورۃ فاتحہ

تفسیر بیانٌ للناس کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید کی آیت کا آیت سے، رکوع کا رکوع سے اور سورۃ کا سورۃ سے موزون ربط۔ (۲) قرآن مبین کے متشابہات کی تفسیر محکمات کی روشنی میں۔ (۳) قرآن مبین وحی الٰہی کے لحاظ سے تمام کائناتِ انسانی کے لیے کافی ہے۔ (۴) قرآن حکیم (قول الٰہی) اور صحیفۂ فطرت (فعل الٰہی) میں اختلاف محال ہے۔ (۵) قرآن پاک پر تمام اعتراضات وارده کے جوابات خود قرآن مجید اور صحیفۂ فطرت سے۔ (۶) قرآنِ عظیم ہر ملک و قوم اور ہر زمانے کے لیے بے غلط ہادی ہے قیمت ۲ر

پتہ: مینیجر دفتر امتِ مسلمہ۔ امرتسر

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

احسن الحدیث

یعنی

احادیثِ رُسل و انبیاء علیہم السّلام

(رواہا اللہ تعالےٰ)

مرتبہ:

(ملک) غلام کبریا امرتسری

فاتحۃ الکتاب

قرآن مجید کا اکثر و بیشتر حصہ زمانۂ قدیم کے تاریخی واقعات، انبیائے کرام اور ان کی قوموں کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں بہت سی قوموں کی سبق آموز دینی اور اخلاقی تاریخ بیان کی گئی ہے، ان کا عروج و زوال اور اس کے اسباب واضح کیے گئے ہیں اور ہر قوم کے حالات کے مناسب خدا تعالیٰ نے جن جن نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا، اُن کی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

انبیاء و رسل اور ان کی قوموں کے جتنے بھی قصے قرآن مجید میں مذکور ہیں، اُن پر غور و فکر کی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک بنیادی مقصد، یعنی، بنی آدم کی عبرت و موعظت کے لیے پیش کیا ہے۔ قرآن مجید میں کسی بھی قوم کے عروج و ارتقا اور زوال و انحطاط کا ذکر پڑھنے والے کے دل پر اپنا اَن مٹ اثر چھوڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم ان کا مطالعہ کر کے بڑی آسانی کے ساتھ یہ امر ذہن نشین کر لے سکتے ہیں کہ دنیا کی کوئی بھی قوم، جس نے قوانین فطرت کی پیروی کی، عروج حاصل کیے بغیر نہ رہ سکی اور کوئی بھی قوم، جس نے ہدایتِ حق سے روگردانی کی، ذلت و ادبار کی پستیوں میں گرنے سے نہ بچ سکی۔ اقوام و ملل کے اس مد و جزر میں، خدا تعالیٰ کے رسولوں کی جد و جہد نوع انسان کی ہدایت پزیری کے لیے قرآن مجید میں قیامت تک کے محفوظ کر دی گئی ہے۔ پیغمبروں کی زندگی کا اُسوہ حسنہ بنی آدم کے لیے آج بھی روشنی کے میناروں کی طرح جگمگا رہا ہے۔ کسی قوم کا گرنا یا اُبھرنا لازماً اُن ہی اصولوں کے ماتحت ہوگا، جن اصولوں کے ماتحت پچھلے وقتوں میں مختلف قومیں گرتی یا اُبھرتی رہی ہیں۔ فطرت کے مقرر کیے ہوئے قاعدے اٹل ہیں اور وہ کسی زمانے میں کسی زمین پر کسی آب و ہوا میں بدل نہیں سکتے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۝

ابتدائً انسان اپنی مدنی اور دماغی زندگی کے لحاظ سے ایک بچّے کی مانند تھا۔ اس کے ذہن و شعور میں ناپختگی تھی، اس کی ضروریات بے حد مختصر تھیں، اس کے باہمی تعلقات محدود تھے، اس کے معاملات میں کوئی وسیع پھیلاؤ نہ تھا، اس لیے اس کی راہ نمائی کے لیے یہ ہدایات

آسمان سے نازل کی گئیں۔ وہ بھی اس کی ضرورت کے مطابق بہت مختصر تھیں۔ ٹھیک جس طرح بچے کی ضروریات، اس کی ذمہ داریاں چندگنی چنی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں، اسی طرح عہدِ قدیم کے انسان کی دینی ذمہ داریاں بھی بہت ہی محدود تھیں۔ پھر جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا، اس کا دماغ غور وفکر کی استعداد سمیٹنے لگا، اس کے تعلقات بڑھنے لگے، اس کے معاملات پھیلنے لگے، اس کا تمدن، قبائلی اور جغرافی حدود سے باہر نکل کے نئی نئی وسعتیں حاصل کرنے لگا، تو بالآخر خدا کی طرف سے بھی، اس کی استطاعت کے مطابق نئی نئی تفصیلات تجویز ہونے لگیں، یہاں تک کہ جب نوعِ انسان اپنی عمر کی ہزار ہا منزلیں طے کر کے چھٹی صدی عیسوی میں داخل ہوئی، تو حکمتِ الٰہی نے اس کی ذہنی اور شعوری طاقتوں کو بالغ قرار دے دیا اور وہ تمام ہدایات جو وقتاً فوقتاً اس کے دماغی ارتقاء کو سامنے رکھ کر تدریجاً اس پر نازل ہوتی رہیں، آخری طور پر قطع وبُرید کے بعد، ایک مکمل کتاب کی صورت میں اس کے ہاتھ میں دے دی گئیں۔

اُسے بتا دیا گیا کہ تمہارے آباء واجداد نے کس کس موقعہ پر ٹھوکر کھائی تھی، کس کس وقت میں ہدایت الٰہی سے روگردانی کی تھی اور ان کی اصلاح کے لیے کون کون سی سزا یا عذاب نازل کیا گیا تھا، فلاں قوم کو کن کن آسمانی ہدایات کے ماتحت پستی سے اٹھا کر بلندی کی راہ دکھلائی گئی تھی، فلاں نبی کی قوم کیسی کیسی بدکاریوں اور بداعمالیوں میں گھری ہوئی تھی اور اس نے خدا تعالیٰ کی کیا کیا نصیحتیں ان لوگوں کو سنائیں، انھوں نے اپنے پیغمبر کے کہنے پر عمل کیا، تو کیا کیا فائدے اٹھائے، روگردانی کی، تو کون کون سے عذاب ان پر نازل کیے گئے۔ غرضیکہ بنی آدم کے اخلاق واعمال کی کھلی کھلی سرگذشت واضح کر کے اُمتِ محمدیہ کو نیکی اور بدی کی مختلف راہوں سے اچھی طرح روشناس کر دیا گیا۔ دین کی تکمیل اور نبوت کی تمامیت کا بس یہی مطلب ہے کہ انسان کی زندگی کے تمام نشیب وفراز، پچھلی قوموں کے عبرت انگیز واقعات اور انبیائے سابقین کے پیغامات کے ضروری خلاصے بیان کر کے آخری طور پر سمجھا دیے گئے۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کوئی ہنگامی کتاب نہیں ہے، اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک نقطہ اور شوشہ اپنی اُسی اصلی حالت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، جس حالت میں حضرت مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ○

بے شک ہمیں نے اس نصیحت کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ برخلاف اس کے قرآن مجید سے پہلی کتابیں لفظاً یا معنیً کسی بھی حیثیت سے، محفوظ نہ رہ سکیں۔ ان کتابوں کا تحریف وتبدیل سے نہ بچ سکنا اور کتاب حکیم کا قیامت تک کے لیے محفوظ و مصئون ہوجانا یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ اب انسان کی تذکیر و ہدایت کا مکمل ضابطہ محض خدا کی آخری کتاب ہی میں باقی رہ گیا ہے۔ ان لوگوں کی بدبختی میں کوئی شک نہیں، جو قرآن پاک کو خدا کی مکمل کتاب تسلیم کرتے ہوئے بھی، غیر از قرآن کتابوں کی راہ نمائی کا اپنے آپ کو محتاج قرار دے رہے ہیں۔ میرا روئے سخن اہل روایات سے ہے۔ ان لوگوں کا گمان ہے کہ تنہا کتاب اللہ ہماری دینی ضروریات کے لیے کافی نہیں۔ یہ کتاب عزیز جسے اس کا مصنف پکار پکار کر تَفْصِيلُ لِكُلِّ شَيْءٍ اور بَيَانٌ لِلنَّاسِ وغیرہ کے الفاظ سے مکمل، مشرح اور مفصل[۵] قرار دے رہا ہے، ان لوگوں کے نزدیک نہ صرف مجمل اور مختصر ہے بلکہ ایک ایسا نسخہ شفا ہے،

> "جو بغیر ترکیب استعمال قطعاً غیر مفید، ناقص اور بے کار ہے۔ بلا ریب قرآن کی حفاظت و نگہبانی اُسی وقت کارآمد و مفید ہوسکتی ہے، جب کہ ہر چیز ترکیب استعمال کی بھی حفاظت کی جائے۔ لہٰذا میرا دعویٰ ہے کہ حفاظتِ احادیث کی خدا ہی پر ذمہ داری مضمر ہے۔" (اہلحدیث یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء، صفحہ ۸)

یہ گمراہ کن خیال کیوں پیدا ہوا؟ اس لیے کہ ایک ایسی چیز کو جو دین میں کوئی شرعی اہمیت نہیں رکھتی۔ جسے خود رسول پاکؐ نے من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ کے الفاظ کے ساتھ لکھنے اور محفوظ رکھنے سے روک دیا تھا جس کا بیشتر ذخیرہ خواہ مخواہ پیغمبر اسلام کی طرف منسوب کر کے، اسلام کی تعمیر سے زیادہ اُس کی تخریب میں صَرف ہوا ہے۔ جسے صحابہ کرامؓ نے اور خصوصیت کے ساتھ خلفائے راشدین نے کبھی درخور حفاظت خیال نہیں کیا، اس چیز کو قرآن کے مثل معہٗ قرار دے کر، دین کی بنیاد سمجھ لیا گیا ہے۔ اگر اس واہمہ باطل کو دل سے دور کر دیا جائے کہ ہماری فلاح وسعادت کے لیے قرآن حکیم کے علاوہ بھی کوئی چیز ناگزیر ہے، تو ان نئے نئے عقائد کی تعمیر کی اور کتاب عزیز کو نعوذ ناقص اور بے کار قرار دینے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے، مگر افسوس ہے افسوس ہے کہ خود غرض علماء

۵ أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ (قرآن الحکیم)

پیروں، واعظوں اور صوفیوں نے پیٹ کی ہوس اور نام کی شہرت کے لیے وہ سب کچھ کیا، جو اُن کی اپنی نفسانی مسرتوں کے لیے "مفید" اور قرآن عزیز کی عزت و رفعت کے لیے مُضر ہو سکتا تھا، تلبیس و تحریف اور مکر و خدیعہ کا کوئی کارنامہ ایسا نہیں ہے، جو اپنے اپنے وقتوں میں یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان نے انجام دیا ہو اور حدیث و سنت کی اطاعت کا دم بھرنے والوں کو اس کے تکرار کا شرف حاصل نہ ہُوا ہو۔

آج ہر مسئلے کا حل، ہر سوال کا جواب، ہر ضرورت کا مداوا قرآن حکیم کے جواہرات کو چھوڑ کر روایات کے خزف ریزوں سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ اس افسوسناک بے عقلی اور جہالت کا ایک بہت اچھا ردِ عمل یہ ہے کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی بیان کی ہوئی ظنی اور غیر یقینی حدیثوں کے مقابلے میں تمام انبیائے کرام کی مصدقہ حدیثیں، قرآن مجید سے اخذ کر کے مرتب کر دی جائیں۔ اہل روایات کے پاس حدیثوں کا جو ذخیرہ ہے، اس کی دینی حیثیت بڑی حد تک مشکوک ہے، بے شمار ایسی حدیثیں پائی جاتی ہیں، جو صراحتاً عقل، فطرت، قرآن، تاریخ، شرافت انبیا، قرینے اور درایت کے خلاف جاتی ہیں۔ پھر اُن میں اختلافات بھی بے اندازہ ہیں۔ بعض روایتوں کو اہل حدیث سچا مانتے ہیں، تو شیعہ ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ جنھیں شیعہ درست خیال کرتے ہیں، انھیں حنفی تسلیم نہیں کرتے۔ غرضیکہ ہر ایک فرقے کے نزدیک بعض روایتیں صحیح ہیں اور بعض غلط، مگر قرآنی حدیثوں کی صداقت کے سامنے ہر فرقے کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔

غیر قرآنی حدیثوں کی ایک بہت بڑی تعداد، اپنے اغراض و مقاصد یا تعلیم و ترغیب کے لحاظ سے فی زماننا قطعاً بے کار اور بے سود ثابت ہو چکی ہے۔ مثلاً بنی امیہ اور بنی ہاشم کی مدح و ستائش یا ردّ و قدح کے متعلق جو سینکڑوں روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، اُن کا ہمیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ جس زمانے میں انھیں وضع کیا گیا تھا، اُن دنوں یہ دونوں قبیلے سیاسی رشک و رقابت میں مبتلا تھے۔ اس واسطے انھوں نے اپنے حامیوں کی تعداد بڑھانے کے لیے وضع روایات کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ انھوں نے اس چیز سے فائدہ بھی حاصل کیا ہوگا، مگر عہدِ حاضر کے مسلمانوں کو آخر اُن کے فضائل و مثالب سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ صرف موضوع احادیث ہی نہیں، بلکہ صحیح احادیث کا ایک حصہ بھی ہمارے موجودہ حالات میں، جو عہدِ نبوت سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال کے فاصلے پر پیدا ہو گئے ہیں، اپنے اندر ہماری راہ نمائی کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلعم کے بے شمار احکام محض ہنگامی تھے۔ مثلاً ایک ارشاد یہ ہے کہ "طاقت تیروں میں ہے"۔ چھٹی صدی عیسوی کے عرب کے حالات کو

سامنے رکھا جائے، تو یہ ارشاد، کلی طور پر مناسب ہے، لیکن اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، عہد حاضر کے کسی ملک میں تشریف فرما ہوتے، تو لازماً آپ تیروں کو طاقت قرار نہ دیتے، بلکہ توپوں، طیاروں، بموں اور آب دوزوں کی طاقت میں اعتماد رکھتے۔

قرآن اور حدیث میں یا قرآن اور کتب سابقہ میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ قرآن محض اُن اصول واحکام کی تبلیغ کرتا ہے، جن پر ہمیشہ، ہر زمانے میں، ہر ملک میں عمل کیا جا سکے، مگر کتب سابقہ یا احادیث و روایات میں اصولوں سے زیادہ وقتی اور ہنگامی قوانین پر زور دیا گیا ہے۔ پس اس لحاظ سے بھی یہ لازم ٹھہرتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کو روایات کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ پھیلانے اور وسعت دینے کی کوشش کی جائے۔

ملک غلام کبریا صاحب امرت سری کی یہ کوشش قابل تعریف ہے کہ انھوں نے عام روایاتی کتابوں کے مقابلے میں قرآن مجید کی ورق گردانی کر کے تمام نبیوں اور پیغمبروں کے اقوال و واقعات کو احسن الحدیث کے نام سے جمع کر دیا ہے۔ ان احادیث کو سب سے بڑا فخر یہ حاصل ہے کہ ان کا راوی خود اللہ تعالیٰ ہے، ان میں کوئی موضوع، مشکوک، ضعیف یا غریب حدیث موجود نہیں، کوئی چیز عقل و فطرت یا تاریخ و آثار کے خلاف نہیں، کوئی بات بے فائدہ اور بے محل نہیں ہے۔ ان میں توحید کا پیغام بھی ہے، اقوام و ملل سابقہ کے عروج و زوال کے عبرت انگیز واقعات بھی ہیں، ان میں آخرت کا ڈراوا بھی ہے، اعمال نیک کی ترغیب اور فسق و فجور سے ترہیب بھی ہے۔ ان میں معاشی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح کی دعوت بھی ہے اور عدل و انصاف، اتحاد و اتفاق کی تلقین بھی۔ زمین میں فتنہ و فساد کے پھیلانے کی مناہی بھی ہے اور امن و امان کے قیام کے احکام بھی ـــــ اور دو لفظوں میں وہ سب کچھ ہے، جس کی ایک مسلمان کو دنیا اور آخرت کی فلاح کے واسطے ضرورت ہے۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

مؤلف نے ہر نبی و پیغمبر کے حالات کو الگ الگ کر کے، ترتیب زمانی کے مطابق مرتب کر دیا ہے۔ ہر مضمون تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں کسی پیغمبر یا نبی کے متعلق ایک تاریخی نوٹ دیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں اُسی رسول کے اقوال جمع کر دیے گئے ہیں اور آخری حصے میں زیر تذکرہ پیغمبر کی قوم یا ملک یا ماحول کے متعلق، قرآنی آیات جمع کر دی گئی ہیں۔ اس سے کتاب نہ صرف دل چسپ ہو گئی ہے، بلکہ اس کی افادی حیثیت بھی بڑھ گئی ہے ـــــ خدا کرے کہ مؤلف کی کوشش کام یاب ہو، مسلمان اس کتاب کو دل چسپی کے ساتھ پڑھیں اور ذوق و شوق کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔ محمد اقبال سلمانی

علاجِ غضب[1]

(عرشی)

محقق دوانی لکھتے ہیں:

"غضب ایک نفسی کیفیت ہے، جو اپنے غلبے کے سبب روح اور خون کو خارج کی طرف حرکت دیتی ہے۔ اس کا مبدء خواہش انتقام ہے اور جب یہ خواہش شدید ہو، تو یہ حرکت تیز ہو جاتی ہے۔ دماغ و اعصاب جو روحِ نفسانی کی گذرگاہیں ہیں، تاریک دھوئیں سے بھر جاتے ہیں۔ اس تاریکی سے نورِ عقل چھپ جاتا ہے اور عقل کا فعل کمزور ہو جاتا ہے۔ حکما اس حال میں انسان کی مثال ایسے غار سے دیتے ہیں، جو سخت دھوئیں والی آگ سے پُر ہو، جس سے شور و شرار کے بغیر کوئی چیز معلوم نہ ہو۔ اس حال میں علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر کتنی ہی نصیحت کریں یا ڈانٹ بتائیں، آتشِ غضب اور زیادہ مشتعل ہوگی۔ البتہ وضع کو تبدیل کرنا مفید ہو سکتا ہے، مثلاً غضب ناک شخص بیٹھا ہو، تو اُسے کھڑا کر دیں، یا اس کے برعکس کھڑا ہو، تو بٹھا دیں اور ٹھنڈا پانی پینا بشرطیکہ کوئی خاص مانع نہ ہو اور اسی طرح وضو کرنا، لیٹ جانا بھی نافع ہو سکتا ہے۔ قبولِ غضب کے لحاظ سے طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ بعض لوگ گندھک کی طرح ذرا سی بات سے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ بعض روغن کی طرح قوی سبب کے بغیر متاثر نہیں ہوتے۔ بعض خشک لکڑی کی طرح اشتعال میں متوسط درجہ رکھتے ہیں۔ بعض بہت دیر میں بھڑکتے ہیں اور یہ مرتبہ اگر عجز و بزدلی کے سبب سے نہ ہو، بلکہ وقار اور دُور اندیشی کے باعث ہو، تو نہایت خوب ہے اور ان مراتب میں فرق غضب کے بھڑکنے کی ابتدا میں ہوتا ہے، لیکن اسباب کے فراہم ہو جانے کے بعد تمام مراتب مساوی ہو جاتے ہیں، بلکہ آخری قسم کے اشخاص کا غضب زیادہ شدید ہوتا ہے، کیوں کہ ان کے غضب کا ظہور کسی قوی سبب کی بنا پر ہوتا ہے۔ آں حضرت صلعم نے فرمایا ہے "ایاکم و غضب الحلیم" یعنی، بُردبار آدمی کے غصّے سے بچو۔ یہ بھی ارشادِ نبوی ہے کہ بنی آدم کے مختلف طبقے ہیں، بعض جلدی غضب ناک ہو جاتے ہیں اور جلدی ہی نرم بھی ہو جاتے ہیں۔

[1] یہ ایک جمعے کا مفصل و مرتب خطبہ ہے۔ بالخصوص مُلّا دوانی کا ترجمہ بعد میں ملحق کیا گیا ہے۔ (منہ)

بعض دیر میں بھڑکتے ہیں اور دیر بعد ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ بعض جلدی غصے میں آتے ہیں اور دیر تک متاثر رہتے ہیں۔ ان میں دوسری قسم کے لوگ بہتر ہیں اور آخری قسم کے بدتر۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلطان پر واجب ہے کہ غضب کی حالت میں کسی کو سزا کا حکم نہ دے۔ ممکن ہے کہ غضب کے سبب انصاف کی حد سے نکل جائے اور سزا میں مجرم کی تنبیہ و اصلاح کے بجائے حظِ نفس میں گرفتار ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شرابی کو دیکھا اور پکڑ کر درّے لگانے کا ارادہ کیا۔ اس نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ امیرالمومنینؓ نے اس کو چھوڑ دیا اور لوٹ گئے اور فرمایا: اس نے مجھے غضب ناک کر دیا۔ اب اگر میں اس کو سزا دیتا تو اس سے میرا مقصود اپنے غضب کو تسکین دینا ہوتا نہ کہ ارشادِ خداوندی کی اطاعت۔ اسی طرح ایک دن ایک مجرم کو عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے لے گئے۔ اس نے ان کے روبرو بلند آواز سے بولنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا، اگر مجھے غصہ نہ آگیا ہوتا، تو میں تجھے سزا دیتا۔

اسبابِ غضب | غضب کے سبب دس ہیں: (۱) خود بینی، (۲) فخر، (۳) جنگ، (۴) اختلاف، (۵) جوش طبعی، (۶) تکبر، (۷) تمسخر، (۸) بے وفائی، (۹) نقصان و ستم، (۱۰) رغبت نوادر۔[ل]

لواحقِ غضب | اس مرض کے عوارض سات ہیں: (۱) ندامت، (۲) دنیا و آخرت میں بدلے کا ڈر، (۳) دوستوں کی دشمنی، (۴) کمینوں کا تمسخر، (۵) دشمنوں کی خندہ زنی، (۶) مزاج کا تغیر، (۷) احساسِ الم عین اسی حال میں۔

حقیقت میں غضب گھڑی بھر کا جنون ہوتا ہے۔ چنانچہ حکماء نے کہا ہے، غضب ناک شخص کا مزاج اعتدال صحت سے حرارت مفرط کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اگر کچھ عرصہ اسی حالت میں قیام کرے، تو جنون سبعی (درندوں کا جنون) ہو جائے گا، جیسا کہ طبی قوانین کے واقف جانتے ہیں۔ اسی لیے مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ تیزی مزاج جنون کی ایک قسم ہے اور اگر غضب ناک شخص پشیمان نہ ہو، تو اس کو جنون کے استحکام کا نشانہ سمجھنا چاہیے اور کبھی اس وجہ سے کہ روح خارج کی طرف سخت حرکت کرتی ہے، دل جو روح حیوانی کا منبع ہے، خالی رہ جاتا ہے اور روح کی دائمی مدد جو اعضاء کو پہنچ رہی ہوتی ہے، بند ہو جاتی ہے، یا غضبی حرارت کے شعلے کے بھڑک اٹھنے کے سبب جو ہر روح جل جاتا ہے اور بخار سے دخان بن جاتا ہے

ل یہ تقسیم تکرار سے خالی نہیں (مترجم)

ان دونوں حالتوں میں ناگہانی موت واقع ہو جاتی ہے، یا اخلاط جل جاتی ہیں جن سے ردّی اور مُہلک مرض پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابو ہریرہ رضؓ نے حضرت مصطفویٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نصیحت طلب کی، تو آپؐ نے تین دفعہ اُن کو غضب سے نہی فرمائی اور اسی پر اکتفا کی۔ ایک صحابی رضؓ آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا "دین کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا "حُسن خُلق"۔ پھر آں حضرتؐ کی دائیں طرف سے آکر یہی سوال کیا، حضرتؐ نے یہی جواب دیا۔ پھر بائیں طرف سے یہی سوال کیا اور یہی جواب سُنا اور اسی طرح پچھلی طرف سے۔ پھر حضورؐ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تُو سمجھتا نہیں؟ دین یہ ہے کہ تو غضب ناک نہ ہو (یعنی کہ ترک غضب میں اخلاق و خصائل کی تمام بزرگیاں اور خوبیاں آجاتی ہیں اور عادت غضب میں تمام عملی قباحتیں اور فعلی رسوائیاں داخل ہیں "محشی") اور کلام مجید میں ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ | اور غصے کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے۔

تفصیل علاج | تمام امراض کی طرح غضب کا علاج بھی اسباب مرض کے تدارک پر منحصر ہے۔

(۱) اگر اس کا سبب خود بینی ہے، تو یہ اپنے حق میں ایک جھوٹا گمان ہے۔ ایسا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے، جس کی اہلیت نہ ہو، اس کے دفعیہ کا طریق یہ ہے کہ وہ اپنے عیبوں اور کوتاہیوں پر نظر کرے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے لوگوں کے کمالات کا خیال کرے، کیوں کہ کوئی شخص ایسا نہیں، جو کسی خاص کمال سے متصف نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے موجودات کے ہر ذرّے کو کسی خاص اسم کا مظہر اور معین صفت کا آئینہ بنایا ہے، جس میں دوسرا شریک نہیں ہے اور نظام عالم میں ہر فرد کی ضرورت ہے:

کاندریں ملک چو طاؤس بہ کاراست مگس[1]

(۲) اگر مال و جمال یا جاہ و نسب کے فخر کے سبب سے ہو، تو اس پر عقل مند کو غور کرنا چاہیے کہ مال غصب و غارت کی آفت سے محفوظ نہیں ہے، اس لیے فخر کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جمال بھی تھوڑے سے تغیر مزاج کے سبب محلِ زوال میں ہے اور اہل عقل و کمال کے فخر کے لائق نہیں:

برمال و جمالِ خویش مغرور مشو!
کاں را بہ شبے برند و ایں را بہ تبے[2]

---

[1] یہاں مکھی کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی مور کی۔

[2] مال و جمال دونوں ایک رات اور ایک تپ میں تباہ ہو سکتے ہیں۔

اور اگر نسبی شرافت پر فخر ہے، تو سوچنا چاہیے کہ وہ باپ دادا جن پر تم فخر کرتے ہو، اگر بالفرض موجود ہوں اور تمھیں کہیں کہ "جس شرف کا تم دعویٰ کرتے ہو، یہ حقیقت میں ہم سے متعلق ہے۔ تمھارے اپنے نفس میں کون سا شرف ہے، جس پر تم فخر کر سکو؟" تم یقیناً اس سوال کے جواب سے عاجز ثابت ہو گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ معاملۂ شرف میں تمھارے باپ سے افضل لوگ موجود ہوں۔ پھر ایسے اہلِ فضیلت و ترجیح کے ہوتے ہوئے فخر کا کون سا مقام ہے؟ پھر یہ بھی کمینوں کی عادت ہے کہ آباء کی فضیلت کے بل پر اہلِ فضیلت کے سامنے تفوق کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اُن کے آبا و اجداد کے برابر یا افضل ہو سکتے ہیں۔

ایسے لوگ اہلِ عقل و فضل کے زجر و طعن کا ہدف بنتے ہیں:

ان افتخرت بآباء مضوا سلفا
قلنا صدقت ولكن بئس ما ولدوا ۵۳

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لا تأتونی بانسابکم وائتونی باعمالکم، میرے سامنے نسبی فخر کی ڈینگیں مارتے ہوئے نہ آؤ، یہاں اعمال کی قدر ہے۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

انا ابن نفسي وكنيتي ادبي — من عجم كنت او من العرب
ان الفتى من يقول ها انا ذا — ليس الفتى من يقول ابي ۵۴

حکایت ہے، یونان کا ایک رئیس ایک غلام کے سامنے فخر کر رہا تھا۔ غلام نے کہا "اگر آپ کا فخر قیمتی لباس کی زینت پر ہے، تو یہ زینت لباس کی صفت ہے، نہ کہ آپ کی اور اگر صبا رفتار گھوڑا وجہ فخر ہے تو یہ گھوڑے کا کمال ہے، نہ کہ آپ کا اور اگر آباء کی فضیلت پر ناز ہے، تو یہ فضیلت اُن کی ہے، نہ کہ آپ کی۔ جب ان تمام فضائل میں سے ایک بھی آپ کی ذات میں نہیں۔ اگر لباس، گھوڑا اور آباء سب اپنا اپنا فن واپس لے لیں، بلکہ جب یہ فضائل آپ کی طرف منتقل ہی نہیں ہوئے اور واپس لینے کی حاجت ہی نہیں، تو آپ میں کیا شرف ثابت ہوا؟ روایت ہے کہ ایک حکیم ایک دولت مند کی صحبت میں بیٹھا تھا، جو دنیوی اسباب پر بہت نازاں تھا۔ اس اثناء میں اس کو لعاب دہن پھینکنے کی حاجت ہوئی۔ کمرے میں ادھر

---

۵۳ اگر تم اپنے گذرے ہوئے بزرگوں پر فخر کرو تو ہم مانے لیتے ہیں، لیکن جن کو وہ جن کر چھوڑ گئے ہیں، وہ تو بہت بُرے ہیں۔

۵۴ میں اپنے نفس کا بیٹا ہوں اور میری کنیت میرا ادب ہے، بنسب عجمی ہو یا عربی؛ مرد وُہ ہے، جو اپنی ذات کو پیش کرے، نہ کہ جو باپ دادا کا شجرہ بیان کرے۔

اُدھر دیکھا، کوئی جگہ مناسب نظر نہ آئی، تو اس دولت مند کے مُنہ پر تھوک دیا۔ حاضرین نے اس حرکت پر خفگی ظاہر کی۔ حکیم نے کہا، ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آبِ دہن بدترین جگہ پر پھینکا جائے۔ میں نے ہر چند ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی، کوئی جگہ اس شخص کے چہرے سے زیادہ بُری نہیں پائی، جو جہل کے عیب کی وجہ سے حقیقتِ انسانیت سے مسخ ہو چکا ہے ——— اور اس فقیر نے اپنے ایک استاذؒ سے سنا ہے کہ نواحِ فارس میں ایک دنیادار جو دنیا کی فانی نعمت پر مغرور تھا، ایک اہلِ کشف کے پاس گیا۔ جب کہ وہ استغراق کی حالت میں تھے۔ جب ان کی نظر اس دنیادار پر پڑی، خادم کو جھڑک کر کہا "اس گدھے کو یہاں سے نکال دے!" اور اس پر اتنا اصرار کیا کہ دنیادار کو باہر نکالنا پڑا۔ جب استغراق کی حالت سے باہر آئے، تو خادم نے صورتِ ماجرا عرض کی۔ فرمایا، اصل یہ ہے کہ مجھے اس شخص میں گدھے کی صورت کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔

(۳ و ۴) جنگ واختلاف بھی علاقۂ الفت کے زوال اور رابطۂ وحدت کے خلل پذیر ہونے کا موجب ہے، کیوں کہ مخالفت، موالفت (الفت) کی ضد ہے۔ جس قدر کثرت کا غلبہ وظہور ہوگا، انتظام میں نقص اور ارتباط میں خلل واقع ہوگا، کیوں کہ کثرت کا نظم وبقا وحدت کے غلبہ وتسلط پر منحصر ہے، پس یہ دونو خصلتیں نظامِ عالم کے درہم وبرہم کرنے کی متقاضی ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور فساد کیا ہوگا؟

(۵) تکبر خودبینی سے قریب ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اپنے اندر غیر موجود کمال کا یقین کرنا عُجب یا خودبینی کہلاتا ہے اور دوسروں کے سامنے اس کمال کا دعوے کرنا، اگرچہ آپ اپنا یقین نہ ہو، تکبر ہے (ان دونو میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ یعنی اگر اپنی شان میں فقط اعتقادِ کمال ہے، تو عُجب ہے اور اگر اس اعتقاد کا دعویٰ دوسروں کے سامنے کیا جائے، تو یہ تکبر بھی ہوگا اور عُجب بھی اور اگر اپنی شان میں اعتقاد نہیں، صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے، تو یہ صرف تکبر ہوگا "محشی") اس کا علاج یہ ہے کہ غور کرے کہ جو وجود دو دفعہ بَول کی گذرگاہ سے ہو کر دنیا میں وارد ہوا ہے، اس کو تکبر کرنا کہاں تک زیبا ہے؟ علی مرتضیٰ رضہ فرماتے ہیں: "انسان کے لیے تکبر کا کون سا محل ہے کہ اس کا اول نطفہ ناپاک اور آخر مردہ متعفن ہے اور وہ زندگی بھر بدبودار نجاست کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے:

الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیہما ادخلتہ ناری	عظمت وکبریا میرا مختص لباس ہے، جو شخص اس کے متعلق مجھ سے نزاع کرے گا، میں اسے آگ میں داخل کروں گا۔

اور حدیث نبوی میں ہے کہ محشر میں متکبروں کا حشر حقیر چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا اور حقیقت یہ ہے کہ سوائے غنی مطلق جلّ شانہٗ کے کوئی تکبر کا مستحق نہیں، کیوں کہ تکبر اور محتاجی میں کھلا ہوا تضاد ہے:

کبر زشت و از گدایاں زشت تر
روز برف سرد و آنگہ جامہ تر

(۶) تمسخر کمینے لوگوں کی عادت ہے، جو دولت مندوں کے دل کو خوش کرنے اور مال وجاہ کی طمع میں ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ حرکت اختیار کرتے ہیں۔ صاحب ہنر و فضیلت اور آزاد منش لوگ ایسے وسیلے کو معیوب جانتے ہیں۔ وہ اپنے فضل و ہنر کے سبب امراء کے نزدیک وقار حاصل کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ تمسخر پیشہ لوگوں کو قیامت کے دن بہشت کے دروازے پر بلایا جائے گا۔ جب وہاں پہنچیں گے، دروازہ بند ہو جائے گا۔ پھر جب لوٹ جائیں گے، دوسرے دروازے پر بلا کر اُن سے پھر یہی سلوک کیا جائے گا۔ اسی تمسخر کی صورت میں انھیں عذاب دیا جائے گا۔

(۷) بے وفائی، مال وجاہ اور دوستی و محبت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی تمام قسموں میں خیانت پائی جاتی ہے، جو بدترین کمینہ پن ہے اور کوئی عاقل اس کو پسند نہیں کرسکتا۔ آں حضرت صلعم نے اس کو منافقانہ اخلاق قرار دیا ہے اور فرمایا کہ قیامت میں غدار کے پاس ایک علَم ہوگا، جس سے تمام لوگ اس کی بے وفائی و غداری پر مطلع ہو جائیں گے اور یہ عادت ترکوں میں بہت پائی جاتی ہے اور وفا، جو اس کی ضد ہے، روم و حبش میں بہ کثرت موجود ہے۔

(۸) نقصان و ستم یعنی انتقام کی صورت میں کسی کو تحمل ظلم کے لیے مکلّف کرنا۔ اس کی قباحت ستم کرنے اور سہنے سے سمجھی جاتی ہے۔ عقل مند کو انتقام سے بچنا چاہیے جب تک یقیناً معلوم نہ کرلے کہ اس سے کوئی دوسرا ضرر پیدا نہیں ہوگا۔ اس کے لیے غور، فکر اور حلم کی سخت ضرورت ہے اور معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس کے سبب دشمن دوست ہو جاتا ہے اور اس کی گردن شرم و ندامت سے جھک جاتی ہے اور اہلِ غیرت اپنے مخالف کی معافی کو جب کہ وہ انتقام کی قدرت رکھتا ہو، اپنے اوپر بڑا بوجھ سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے: رحم الاعداء اشد من جفوۃ الاحباء، یعنی، دشمن کا رحم دوست کے ظلم سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔

(۹) رغبت نوادر و نفائس چند خطروں سے خالی نہیں، جن سے سلاطین اور اہلِ ثروت کو بھی

بچنا بہتر ہے، چہ جائے کہ متوسط طبقہ کے لوگ، کیوں کہ ہر بادشاہ جس کے خزانے میں کوئی نفیس جوہر ہو، وہ اس کے گم ہو جانے سے بے خوف نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ زمانے کی گردش تغیر وانقلاب کی مقتضی ہے۔ اس عالم کون وفساد میں تعمیر وتخریب اور کمال وزوال ساتھ ساتھ چلتے ہیں:

وَسُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا	اللہ تعالیٰ کی سنت ایسی ہی چلی آئی ہے، جس میں تغیر کی گنجائش نہیں۔

اور جب بادشاہ کسی محبوب ومرغوب شے کے گم ہو جانے کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے، تو اس میں خوف وبے صبری کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ اس شے کے حصول کی لذت سے بہت زیادہ دکھ اس کے کھو جانے سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حکایت کرتے ہیں کہ ایک بلوری گنبد جو جمال منظر اور کمال جوہر کی صفت سے متصف تھا، باکمال مہندسوں نے اس کی تیاری میں بہت زیادہ کاریگری صرف کی تھی، ایک بادشاہ کے سامنے تحفتہً لایا گیا۔ بادشاہ نے بہ نظر غور اس کا مطالعہ کیا۔ اس کی خوبیاں بادشاہ کے دل پر بہت اثر انداز ہوئیں۔ اس کی درخشانی اس کی نگاہ میں چاند سورج کی ہم پلہ معلوم ہوئی۔ حکم دیا، اسے خزانہ خاصہ میں محفوظ کر دیں، تاکہ اس کے دیدار سے مسرت حاصل رہے۔ جب بہ تقاضائے

"ای نعیم لا یکدرہ الدھر" ـــــ کون سی نعمت ہے جس کو زمانے نے برباد نہیں کیا؟ حوادث روزگار نے اپنی عادتِ جاری کے مطابق اس کو تلف کر دیا۔ بادشاہ اس صدمہ سے بہت متغیر ومتاثر ہوا چنانچہ امورِ سلطنت کی تدبیر، مصالح رعیت اور صحبتِ احباب سے بھی متنفر ہو گیا اور اس کی گم شدگی پر انتہائی رنج وافسوس اور فرطِ ناصبوری واشک باری میں اپنے اوقاتِ عزیز کو تلف کرتا تھا اور اس گنبد کی آرزو کا سودا اس طرح اس کے دماغ میں جاگزین ہو گیا کہ آسمان کا بلوری گنبد اپنے بے شمار گوہر ہائے شب چراغ کے باوجود اس کی نگاہ میں تاریک ہو گیا۔ اراکین سلطنت نے اس کے عوض میں اعلیٰ سے اعلیٰ جواہر وتحائف اس کی تسلی خاطر کے لیے مہیا کیے، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر کار صبر وتحمل اور وقار وخودداری کی باگ اس کے قبضۂ اقتدار سے نکل گئی اور امورِ سلطنت پوری طرح خلل پزیر ہو گئے۔ ـــــ یہ تو بادشاہوں کا حال ہے۔ ادنیٰ طبقہ کے لوگ اگر کوئی شریف متاع

یالطیف جوہر حاصل کرلیں، تو اہلِ غلبہ اس کی طلب و طمع میں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو چھین لینے کے لیے جدال کرتے ہیں۔ اس موقع پر اگر نرمی اختیار کرے، تو اضطراب و غم میں مبتلا ہوگا۔ اگر مقابلہ کرے، تو معرضِ ہلاکت میں پڑ کر جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ پس عقل مند آدمی ایسی چیز کے پیچھے ہی کیوں پڑے، جس سے ان مفاسد کا نشانہ بننا پڑے؟:

من جان جہانم نہ جہاں جان منست

(یعنی، یہ کائنات انسان کے لیے ہے، پس انسان جانِ کائنات ہے نہ کہ انسان کی تخلیق کائنات کے لیے ہے کہ اس کی طلب میں جان کی بازی لگا دے۔ "محشی")

(باقی)

تقریظیں

پانی کی کہانی | از مولوی فیض محمد صاحب بی اے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۲۵ صفحے۔ کاغذ اور لکھائی چھپائی ستھری۔ قیمت (؟) ملنے کا پتہ: ادارۂ ادبیاتِ اردو، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدرآباد (دکن)

اردو زبان میں اس وقت سائنس کی عام فہم کتابوں کی بہت کمی ہے۔ ادارۂ ادبیاتِ اردو نے اس کمی کو محسوس کرکے، سائنس کے مختلف موضوعوں پر چھوٹی چھوٹی کتابیں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ "پانی کی کہانی" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں پانی کی ماہیت، استعمال، نباتاتی و حیوانی زندگی سے اس کا تعلق اور اس کے فوائد پر بہت سادہ اور سلجھے ہوئے انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض مسائل کو نقشوں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ کتاب دلچسپ بھی ہے اور سلیس و مفید بھی۔ سائنس کے طلباء کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

آب دوز کشتیاں اور سرنگ | از مولوی فیض محمد صاحب بی اے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ضخامت ۴۸ صفحے۔ کاغذ، کتابت اور طباعت بہتر۔ قیمت مرقوم نہیں۔ ملنے کا پتہ: ادارہ ادبیاتِ اردو، رفعت منزل، خیریت آباد، حیدرآباد (دکن)

یہ چھوٹی سی کتاب، آبدوز کشتیوں کی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہے۔ آبدوزوں میں عہد بہ عہد جو تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں اور انھوں نے جو جو ارتقائی منازل طے کیے، ان کی ضروری تفصیل دی گئی ہے۔ کتاب میں جا بجا آبدوزوں کے استعمال کو تصویروں کے ذریعے بہت اچھی طرح واضح کیا گیا ہے۔ آخر میں مقناطیسی سرنگوں کے متعلق بھی چند اچھے معلومات شامل ہیں۔

دعا بہ درگاہ خدا | مرتبہ: مولوی حبیب اللہ صاحب امرتسری۔ سائز ۱۸×۲۲/۸۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ اوسط۔ حجم: ۴۸ صفحے۔ قیمت ۴ر۔ ملنے کا پتہ: دفتر امت مسلمہ امرتسر

زیر نظر کتاب میں مولوی حبیب اللہ صاحب نے انبیائے کرام کی مختلف دعائیں قرآن مجید سے اخذ کرکے، ترجمے سمیت جمع کردی ہیں نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعائیں بھی شامل کردی ہیں، جو آں حضرت صلعم مختلف موقعوں پر پڑھا کرتے تھے اور جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے۔ کتاب کے آخر میں آیہ وابتغوا الیہ الوسیلة کی بھی اچھی تشریح کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کی دعاؤں کو نمازوں میں بکثرت پڑھا کریں۔ یہ کتاب اس سلسلے میں مفید ثابت ہوگی۔

بشارت اسمہٗ احمد مرتبہ: مولوی حبیب اللہ صاحب امرت سری۔ سائز ۲۲×۱۸/۸۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط۔ ضخامت ۴۰ صفحات۔ ملنے کا پتہ: دفتر امتِ مسلمہ۔ امرت سر۔

قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ "مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" کا مفہوم قادیانی اصحاب یہ لیتے ہیں کہ ان کا تعلق حضرت خاتم النبیین ؐ سے نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مرزا غلام احمد قادیانی کی آمد کے متعلق پیش گوئی فرمائی تھی۔ مؤلف نے احسن پیرائے میں قادیانیوں کی اس گمراہ کن تاویل کی تردید کی ہے۔ آیت بالا کی مفصل تفسیر کے بعد صحابہ کرام اور بزرگان دین کے اقوال بھی سنداً پیش کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مرزا صاحب قادیانی کی ایک تحریر کا حوالہ بھی دیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موصوف کے نزدیک بھی حضرت عیسیٰؑ کی بشارت آں حضرت صلعم ہی پر عائد ہوتی ہے۔ قادیانی نبوت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حقیقت کی موجودگی میں مرزا صاحب کے فرزند رشید جناب محمود احمد صاحب کا یہ ارشاد کتنا مضحکہ خیز ہے کہ

"اس آیت میں جس رسول احمد نام والے کی خبر دی گئی ہے، وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوسکتے"

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

یارِ غار از مولانا سید محمد بادشاہ صاحب حسینی قادری ضخامت ۱۶ صفحے۔ قیمت ۱؍۔ ملنے کا پتہ: جمعیت مسلم نوجواناں، سکندر آباد۔

یہ مختصر سا ٹریکٹ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کی حق پرستی اور شجاعت و ایثار وغیرہ کا ذکر ہے۔ واقعات سے زیادہ عبارت کا رجحان، مناقب کی طرف ہے اور اس سے جا بجا مبالغے کا رنگ نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔

پیامبر (ماہوار رسالہ) مرتبہ: جناب محفوظ الحق صاحب علمی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸۔ ضخامت ۳۲

صفحے۔ قیمت سالانہ تین روپے۔ پتہ: پیامبر، نئی دہلی۔

بمبئی سے بہائیوں کا ایک رسالہ "بہائی میگزین" کے نام سے پچھلے چند سال سے نکل رہا تھا، اب وُہی رسالہ "پیامبر" کے نام سے نئی دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ صوری و معنوی دونوں لحاظ اس میں اور اس کے پیش رو میں کوئی فرق نہیں۔ اُس کے ایڈیٹر بھی علمی صاحب تھے اور اس کی ادارت کے فرائض بھی موصوف ہی انجام دے رہے ہیں۔

بہائی مذہب کا بنیادی تصور یہ ہے کہ قرآن مجید ایک وقتی کتاب تھی، جو بہاء اللہ صاحب ایرانی کے دعویٔ نبوت کے بعد اب (نعوذ باللہ) منسوخ ہوگئی ہے۔ پیامبر کے تمام مضامین اسی نقطۂ نظر کے مطابق لکھے جاتے ہیں اور اس باب میں قرآن حکیم کی آیات کے مطالب میں جی کھول کر تحریف کی جاتی ہے۔

آوازِ نسواں | (سالانہ نمبر) مرتبہ: محترمہ منور جہاں بیگم، محترمہ نفیس دلہن، محترمہ سعیدہ خانم۔
سائز: ۲۰×۳۰/۸ ضخامت ۱۴۴ صفحے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ بہتر۔ قیمت قسم اوّل ۱۰/ قسم دوم ۱۲/ ملنے کا پتہ: آوازِ نسواں، دہلی۔

"آوازِ نسواں" پر "البیان" کے کسی پچھلے پرچے میں ریویو کیا جا چکا ہے۔ زیرِ تنقید نمبر میں گیارہ تاریخی، اصلاحی، علمی مضامین ہیں۔ افسانوں اور ڈراموں کی تعداد نصف درجن سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ چند مضامین سیر و تفریح اور اصلاحِ معاشرت سے متعلق بھی شامل ہیں۔ نظمیں بھی کافی تعداد میں ہیں اور کشیدہ کاری کے نمونے بھی موجود ہیں۔ پرچہ بہ حیثیت مجموعی دل چسپ ہے۔

ندیم (بہار نمبر) | مرتبہ: سید ریاست علی صاحب ندوی۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط ضخامت ۴۵۲ صفحے۔ قیمت: دو روپے۔ پتہ: دفتر رسالہ ندیم، گیا (بہار)

رسالہ "ندیم" کا یہ بہار نمبر حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ اس نمبر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تقریباً سارے مضمون نگار بہار کے رہنے والے ہیں اور مضامین بھی زیادہ تر بہار ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ پرچہ مختلف عنوانوں کے ماتحت بہت سلیقے کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ "مقالات" کے عنوان کی ذیل میں ۱۹ مقالے ہیں۔ ۲ مضمون، "بہار میں اُردو زبان اور شاعری" کے متعلق ہیں۔ ۲ مضمون، "خواتینِ بہار" "آثارِ عتیقہ" اور "۱۸۵۷ء صوبہ بہار میں" کے عنوانوں کے ماتحت دیے گئے ہیں۔ نظموں، غزلوں اور افسانوں کی تعداد ۶۰ تک پہنچتی ہے۔ لکھنے والوں

ہیں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا مناظر احسن گیلانی، سہیل عظیم آبادی، عظیم بیگ چغتائی، اور ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب ایم اے، جیسے مشاہیر اہل قلم کے نام قابل ذکر ہیں۔ پرچہ مصوّر ہے اور اس میں بہت سے زیادہ فوٹو بلاک کی تصویریں ہیں۔

بہ حیثیت مجموعی یہ نمبر خاصا کامیاب ہے اور دوسرے ادبی رسالوں کے سامنے اس نے ایک اچھی مثال پیش کر دی ہے۔

ادارہ اصلاح و تبلیغ لاہور | مرزا عبدالحمید صاحب بی اے نے کچھ عرصہ سے لاہور کی آسٹریلین مسجد میں نماز جمعہ اور درس قرآن کا مبارک سلسلہ شروع کر رکھا ہے اور اس سلسلے کو کامیاب بنانے کے لیے موصوف نے "ادارہ اصلاح و تبلیغ" کے نام سے ایک اچھی سوسائٹی کی بنیاد رکھی ہے۔ یہ سوسائٹی مسلمانوں کو "عملی اسلام" کی طرف بلانے، انھیں قرآن عزیز کی تعلیم دینے، ان کی اقتصادی اور اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ سوسائٹی کے سرمائے کا نام "مسلم امدادی فنڈ" تجویز کیا گیا ہے، جو غریب، بے کار اور مستحق مسلمانوں کی امداد میں صرف کیا جائے گا۔

"ادارہ اصلاح و تبلیغ" کی طرف سے پچھلے سال سے ایک تبلیغی کلاس بھی کھولی گئی ہے، جس میں اچھے پڑھے لکھے نوجوان حصہ لے رہے ہیں اور خطبہ و تقریر اور نماز وغیرہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ادارے کی طرف سے "قیام صلوٰۃ اور اجتماعی زندگی" کے عنوان سے ہمیں ایک ٹریکٹ بھی موصول ہوا ہے۔ اس ٹریکٹ میں قیام صلوٰۃ اور خطبہ جمعہ سے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو نماز اور خطبے کے ذریعے متحد و منظم ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔

اس گئے گذرے زمانے میں جب کہ عامۃ المسلمین کے دلوں میں نماز اور قرآن کی طرف کوئی معقول رغبت باقی نہیں رہی، ادارہ اصلاح و تبلیغ کی کوشش موجب تحسین ہے۔ باہمت مسلمانوں کو ادارۂ مذکورہ کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔ "س"

حساب آمد و خرچ اُمتِ مسلمہ امرتسر

(۱۱ اگست ۱۹۴۰ء سے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۰ء تک)

آمد البیان			
شیخ ظہور احمد صاحب بحرین	۰	۳	۹
فضل محمد خاں صاحب حیدرآباد دکن	۰	۷	۱
میاں محمد احمد علی صاحب کپورتھلہ	۰	۸	۳
ایم فضل حسین صاحب لاہور	۰	۰	۳
شیخ کریم اللہ صاحب امرتسر	۰	۰	۳
ڈاکٹر عبدالغفور صاحب قریشی پشاور	۰	۰	۳
شیخ عبدالرحمٰن صاحب انصاری امرتسر	۰	۰	۱
بابو غلام محی الدین صاحب لاہور	۰	۰	۱
ایم اسمٰعیل شریف صاحب چک مگلور	۰	۷	۴
بابو فضل کریم صاحب امرتسر	۰	۰	۵
قاضی .. .. امرتسر	۰	۸	۱
سید نذیر الدین صاحب گوپال پور	۰	۰	۴
میاں فیملی	۰	۰	۱
میاں دین محمد صاحب امرتسر	۰	۱۲	۱
میاں علی احمد خاں صاحب داشمن	۰	۰	۱۰
بابو چراغ الدین صاحب سدھو	۰	۰	۱
منشی محمد مکھن خاں صاحب کوٹ نجیب اللہ	۰	۳	۲
بابو عبداللہ خاں صاحب امرتسر	۰	۰	۲
سید تقی حیدر صاحب دیپال پور	۰	۳	۳

متفرق ماہانہ چندے	۰	۱۰	۳
	۰	۱۳	۶۱
عمارت فنڈ			
خواجہ نعمت اللہ صاحب امرتسر (مسجد)	۰	۰	۵
چودھری خیرالدین صاحب امرتسر (مسجد)	۰	۰	۲۰۰
مرزا معراج الدین صاحب پشاور (مسجد)	۰	۰	۲۵
حضرت اصغر بی اے (مسجد)	۰	۰	۵
متفرق	۳	۱۱	۵
میزان	۳	۱۱	۲۴۰
کتب خانہ	۰	۱۰	۸
رکنیت فنڈ	۰	۱۲	۰
سابقہ بقایا	۹	۱۳	۴۹۱
میزان کل	۰	۱۲	۸۰۳
اخراجات			
البیان	۶	۹	۱۱۹
عمارات	۹	۱۵	۲۵۸
کتب خانہ	۰	۱۱	۰
لائبریری	۹	۱۰	۲
میزان	۰	۱۵	۳۷۸
بقایا	۰	۱۳	۴۲۹

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

علمی و دینی جرائد کی نظر میں

"زندگانی محمدؐ" محمد حسین ہیکل مصری کی مشہور تالیف ہے، جس پر خود انھوں نے ایک معرکہ آرا مقدمہ بھی لکھا ہے۔ یہ کتاب اسی مقدمہ کا ترجمہ ہے، جس میں قرآن مجید اور رسالت پر جدید اصول انتقاد کو سامنے رکھ کر بحث کی گئی ہے اور ان دونوں کی اہمیت کو روایت و درایت دونوں سے ثابت کیا گیا ہے۔ ملنے کا پتہ: دفتر امت مسلمہ امرتسر ہے اور قیمت ۱۲ ہے۔

("نگار" اگست ۱۹۴۰ء)

"زندگانی محمدؐ" دنیائے اسلام کے محقق عالم محمد حسین صاحب ہیکل کی تالیف ہے۔ فاضل مؤلف نے "زندگانی محمدؐ" پر دو نہایت معقول اور پُر از معلومات مقدمے لکھے ہیں، جن کا اُردو ترجمہ "مقدمۂ زندگانی محمدؐ" کے نام سے محمد حسین صاحب عرشی نے "البیان" بابت ماہ جون میں کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی لٹریچر میں غالباً یہ پہلا مضمون ہے، جو اس جامعیت اور اختصار کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ آں حضرت صلعم اور قرآن حکیم پر جو لچر اور فضول اعتراضات کیے جاتے ہیں، اس میں ان کا نہایت مدلل جواب دیا گیا ہے۔

("پیام نسواں" جولائی ۱۹۴۰ء)

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مُفت

"البیان" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اگر آپ اس چندے کے ساتھ مزید ۱۲؍ شامل کر کے للعہ ؍ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے، تو ہم آپ کو رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم قریباً ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۱۲؍ روپے، مُفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام سال بھر کے لیے "البیان" بھی جاری کر دیں گے۔ یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق و معارف، اسلامی و تاریخی معلومات اور علمی و رُوحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وُہ تمام مسلمان، جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہو کر اسلام کو اس کے صحیح خد و خال میں پہچاننے کے آرزو مند ہیں، اُنھیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہییں۔

(نوٹ) اس عظیم الشان رعایت سے "البیان" کے نئے اور پُرانے تمام خریدار فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

مینجر رسالہ "البیان" امرتسر

سالِ اجرا ... یوم بہار ۱۹۳۰ء

شاعر

اردو ادب و شعر کی جدتوں ندرتوں اور رفعتوں کا واحد آفتاب

جو دس سال سے علم و ادب اور فن کی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے جس میں انتہائی دلچسپ اور بلند پایہ - مفید اور معیاری، علمی، ادبی تاریخی اور سیاسی مقالات۔ ہندوستان کے تمام مشہور شعرا اور حقیقی اساتذہ کا تازہ ترین و غیر مطبوعہ کلام۔ معیاری نظمیں، روح پرور غزلیں اور صحیح تنقیدیں ہر ماہ نظر نواز ہوتی ہیں۔ اگر آپ اردو کا مزاجی اور انقلابی ادب دیکھنا چاہتے ہیں تو آج ہی "شاعر" کے خریدار ہو جائیے۔

قیمت سالانہ تین روپیہ ۳ (مع محصول ڈاک)

نمونہ کے لئے ۴ کے ٹکٹ آنے ضروری ہیں۔ نمونہ دیکھنے کے بعد آپ یقینی طور پر "شاعر" کی خریداری کے لئے مجبور ہونگے۔

ملنے کا پتہ

منیجر "شاعر" مکتبہ قصر الادب آگرہ

کے وقتوں میں ان اوقات کا وہ جواب دہ نہیں ہے پس تیرے غلبے سے جب اختیار کی حالت میں مغلوب ہو کر تیرا شکار ہوگا، میں اُسے سزا دوں گا اور خوب سزا دوں گا۔ اب پھر ابلیس کی طرف سے اس کی نیت اور ارادہ ظاہر فرمایا:

(۸۲) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۸۳) إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ بولا، پس تیرے غلبے (او عزت) کی قسم، میں ان (انسانوں) کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے تیرے مخلصین بندوں پر (میرا زور) نہیں چلے گا۔ وہ ہر وقت تیری پناہ مانگتے رہیں گے اور ہر کام میں اُن کے پیشِ نظر اے پروردگار! تو رہے گا۔ وہ "فرقوں" پر فوراً تجھ سے معافیاں مانگیں گے۔ غرض جو میری آواز پر لبیک کہے گا اور میری تحریک پر متحرک ہوگا، میں اُسے تباہ و برباد کردوں گا۔ اللہ اللہ! ابلیس کے قول کی خدا جیسی ہستی تصدیق کرتی ہے۔ وہاں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ نفس روایت یا مضمون کو دیکھا جاتا ہے۔ غلط بات خواہ کسی بڑی سے بڑی ہستی کی طرف منسوب کی گئی ہو، غلط ہے۔ حق بات خواہ ابلیس کے منہ سے نکلے، حق ہے۔ مگر یہاں تو لوگوں نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار ہی انوکھا بنا رکھا ہے۔ دیکھو کلمہ ابلیس اور مصدقہ الٰہی)

(۸۴) قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ فرمایا: (تیری یہ بات) سچ ہے (جو تُو نے کہی ہے۔ بے شک مقابلہ ہوتا رہے گا۔ بغیر جدوجہد کے جہنم سے خلاصی کس طرح ہوسکتی ہے اور بغیر کوشش اور امتحان و ابتلا کے جنت کیسے مل سکتی ہے؟ جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے) اور (ارشاد ہوا کہ) میں بھی سچ کہتا ہوں، یعنی، یہ کہ تجھ جیسے کھلے مرض سے پیار کر کے مریض بننے والا شخص تیرے سمیت بڑی تکالیف اٹھائے گا۔ شفاخانے میں مریض اپنے مرض سمیت داخل ہوتا ہے۔ ہاں مرض کو کوئی درد نہیں محسوس ہوتا، جو کچھ ہوتا ہے، مریض کی جان پر ہوتا ہے پس ایسے مرض سے الگ رہنا، خدا تعالیٰ کو اپنا محافظ جاننا، صلاحیت والے کام کرنا، یہ ہے شیطان کی دشمنی اور جہنم کی تکالیف سے بچنے کا راستہ! غرض جناب باری فرماتے ہیں کہ ہم نے بھی ٹھیک کہا)

(۸۵) لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

جہنم کو بھر دوں گا، تجھ سے اور تیرے تمام اتباع سے (کیوں کہ ہر شخص بیماری کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا یا جا رہا ہے اور اسے بیماری کے سبب، یعنی ابلیس تو ہر ہر مریض سے لپٹا ہو گا۔ پس تم سب جہنم میں بڑھتے ہو اور مریضوں کو سخت عذاب دیا جاتا ہے۔ اللہ اللہ کس قدر تکلیف دہ منظر ہے اور اس سے بچانے کے کیسے کیسے سامان رحمان نے تیار کر دیے ہیں، تو پھر اگر حضرت انسان اپنے اختیارات کا بے محل استعمال کر کے جہنم کا ایندھن خود تیار کرتا ہے تو اس میں کسی اور کا کیا قصور ہے؟ ناقدردان لوگ غور نہیں کرتے کہ بغیر اس کے کہ ان پر کچھ بوجھ ڈالا جاتا، انبیاء کا تانتا باندھ دیا، جو نہ اپنی سب ان فشانیوں کا صلہ ان سے چاہتے ہیں اور نہ اپنی محنت کی اجرت کے خواہاں۔ پھر بھی ان کے لائے ہوئے پیغاموں اور رحمان و رحیم کے انعاموں کو بے طرح ٹھکرا کر ابلیس کی روش کے دل دادہ اور شیدائی بنے ہوئے ہیں اور جہنم سے ایسے بے خوف ہوئے کہ جس کا نام اور نقشہ سن کر متقین کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں)۔

اہلِ اخلاص بہر حالت میں اپنے خدا سے تعلق رکھنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتے ہیں، مگر شریر لوگ خوابِ غفلت اور غرور و سرکشی میں اس قدر غرق اور عاقبت سے اس حد تک بے پروا ہو جاتے ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کیسے کیسے واضح دلائل سے سمجھایا جاتا ہے اور عذاب و مصائب سے خوف دلا کر جہنم سے بچنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور ان ہدایات کے لانے والوں کا بے غرض ہونا دکھلایا جاتا ہے، مگر ضد و عناد سے بھری طبیعتیں اور اپنی بہتری کے دشمن اشرار کب سنتے ہیں اور ایسے صاف باطن انسانوں کے کہنے پر کب کان رکھتے ہیں؟ آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے منکرین توحید کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر درست کیا جاتا ہے۔ اے انسانو! یہ خدا کی مہربانی کا تقاضا ہے کہ تمہیں جنت تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتائی اور جہنم سے بچنے کا طریق ذہن نشین کرانے کی بذریعہ انبیاء سبیل پیدا کی۔ پھر وہ رسول اس بچانے کے نام پر تم سے بدلہ نہیں چاہتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ رسول کریمؐ کو فرماتا ہے کہ اے نبی کریم!

(۸۶) قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝

تو ان لوگوں کو، کہہ دے کہ میں اس (کام) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا (یہ تو میرا فرض منصبی

ہے) اور نہ میں دکھلاوا (یا تکلف) کرنے والوں سے ہوں (کہ ظاہر میں کچھ ہوں اور باطن میں کچھ۔ ہرگز نہیں۔ میں پیغام الٰہی کو تمہیں کے سامنے میں پہنچاؤں گا۔ یہ تو مجھے حکم دیا گیا ہے اور جس کو یہ پیغام ملے، دوسروں تک پہنچائے۔ یہ دستور العمل سارے کرۂ ارض کے لیے قیامت تک رہے گا۔ یہ لتنا ب عرب و عجم تک ہی محدود نہیں، جیسا کہ ارشاد ہے)

(۸۷) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ نہیں ہے یہ (قرآن مجید نہ کہ دوسری کتب) مگر ایک نصیحت سارے جہانوں کے واسطے (شیطان اب بگاڑ ڈالتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس کا نتیجہ کیسے نکلتا ہے؛ سنو! لمبے زمانے کی ضرورت نہیں ہے)

(۸۸) وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ○ اور البتہ جان لوگے اس کی خبر تھوڑی دیر کے بعد (بہت بڑا انتظار نہیں کرنا پڑتا)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ

الزمر

مضمون اور نظم و ربط

یہ سورۂ الزمر ہے۔ اس سے پہلے سورۂ ص میں نبی ولی اوتار وغیرہ کی پوجا سے بند کیا اور شیطان سے الگ رہنے کی نصیحت کی۔ توحید پر کاربند رہنے کی بڑی تاکید کی اور خدا کی طرف سے اس عالی شان سبق کے لانے والوں کا حال بتایا کہ وہ انسانوں سے تعلیم ہدایت پر اُجرت نہیں مانگا کرتے۔ ان کا بدلہ خدا بہتر سے بہتر ان کو دیتا ہے۔ وہ خیر خواہی خلق میں تکلیف تو اٹھاتے ہیں، مگر معاوضہ بھی پروردگار ان کو بہت بڑا دیتا ہے۔ انسان کو خدا نے صاحب اختیار بنایا ہے۔ عام دوسری مجبور چیزیں اس کے ماتحت ہیں۔ اُسے اپنے اختیار کو بہتر طریق پر استعمال کرنے کی تاکید کی۔ اپنے غلاموں کا پجاری بننے سے منع فرمایا۔ صرف ایک کامل مطلق کا بندہ خدمت گار اور مطیع رہنے کی ہدایت اور تلقین فرمائی۔ غرض توحید کا عالی شان سبق دیا۔ سارا قرآن مجید توحید کی تعلیم سے مملو ہے۔ اس سورۂ الزمر میں بھی توحید ہی کی وضاحت فرمائی ہے اور مختلف طریقوں سے توحید کے سبق کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہیں ہے کوئی نصیحت سننے والا؟ ارشاد ہوتا ہے)

رکوع اوّل | (۱) تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۝ اُتارنا اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کا ہے اللہ تعالیٰ (کامل مطلق) اصل عزت (و غلبہ اور) اصل حکمت والے کی طرف سے (نہ وہ بھولتا ہے، نہ اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ پھر ایسی کتاب پر اوروں کو حاکم و قاضی بناتے ہوئے لوگوں کو شرم محسوس ہونی چاہیے۔ جن لوگوں یا چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو، وہ تو خود محتاج ہیں۔ اُن کو بھی خدا ہی ہدایت کی راہ دکھاتا ہے اور اُن کی راہ بری سے راہ پانے کے لائق ہوتے ہیں۔ بھولنے والوں اور محتاجوں کو معبودیت کا مستحق سمجھ کر تمہارے سر حیا و ندامت سے کیوں نہیں جھکتے؟ افسوس ایسے

جیسے عقائد پر بھی فخر و غرور کرتے ہو، حالاں کہ تمہارے معبودوں کی اصل حقیقت تو کچھ بھی نہیں)

(۲) إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ فَٱعْبُدِ ٱللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ ٱلدِّينَ ۝

بتحقیق ہم (خدا ہی) نے اتاری (اے نبی کریم!) تیری طرف یہ کتاب (صرف قرآن مجید نہ کہ بخاری، مسلم وغیرہ) حقائق سے پُر کر کے (تمام علوم متعارفہ اور بنیادی اس میں آگئے ہیں پس اصل چیز کیا ہے) تو عبادت کر تو (اے رسول!) اللہ تعالیٰ کی بغیر کسی اور چیز کے شامل کرنے کے خالص کر کے (یہ صرف تیرے ہی لیے نہیں ہے، بلکہ سب کے سب نیک اور اصل توحید پرست بنو۔ خبردار "واصل مطاع"، "ذوا حکم الحاکمین"، "ذو منتہائے سوال"، "ذو حکم مطلق" وغیرہ وغیرہ کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور یہ اعتقاد کھلا شرک ہے۔ پس ایسے شرکیہ عقائد سے قطعاً اجتناب حاصل کرو۔ خاصۂ خداوندی میں کسی کو باغیر اور بالاذن حصہ دار ٹھیرانا بھی ظلم عظیم ہے۔ وہ (خدا) چاہتا ہے، یعنی منشائے ایزدی یہ ہے کہ اُس کے کسی کام میں بھی کسی کو شریک نہ گردانا جائے۔ جب تمام اشیاء کا خالق و مالک و رازق وغیرہ ذات باری اکیلا ہی ہے، تو پھر خواہ مخواہ اینچ پینچ ڈال کر شرک کو جائز کرنے کی بدترین اور بے سود کوشش کرنا بے حیائی اور ڈھٹائی نہیں تو اور کیا ہے؟ مشرکین کی طرف سے کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ من دون اللہ تمہاری سفارش اور شفاعت کریں گے۔ کبھی ان کو خدا کی طرف سے مختار بتایا جاتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔ یاد رکھو! صرف کسی غیر اللہ کی نماز وغیرہ پڑھنا ہی شرک نہیں، بلکہ اسے پکارنا اور ذرہ برابر صاحب اختیار جاننا بھی شرک ہے۔ اپنے آپ کو خدا کے سوا کسی کے سامنے عاجز اور اُسے غالب جاننا بھی ظلم ہے۔ ہم سب خدا کے فقیر ہیں۔ در اصل غنی صرف وہی ہے۔ فقیر کا فقیر کے آگے کوئی ایسا سوال کرنا جو صرف خدا تعالیٰ ہی کے شایانِ شان ہو، شرک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

(۳) أَلَا لِلَّهِ ٱلدِّينُ ٱلْخَالِصُ ۚ وَٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ مِن دُونِهِۦٓ أَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلْفَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِى مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى مَنْ هُوَ كَٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

آگاہ رہو کہ اللہ کے واسطے ہی ہے خالص عبادت (خواہ کسی طرح کی بھی ہو کسی غیر کو یہ شایان ہی نہیں ہے۔ عابدین میں سے کسی کو بھی مستثنا نہ کیا، بلکہ رسولِ کریمؐ کو پہلے مخاطب فرمایا، مگر مشرکین بھی عجیب و مرم واقع ہوئے ہیں کہ لاکھ معقول دلائل دو، ان کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ارشادِ الٰہی ہے :) اور وہ لوگ جو اوروں کو دوست پکڑتے ہیں اُس (کاملِ مطلق) کے سوا (وہ اِس شرک کے کھڑا کرنے کا گیا ہی بودا ثبوت دیتے ہیں یعنی، کہتے ہیں کہ) نہیں پوجا کرتے ہم ان (اربابِ من دون اللہ) کی، مگر اس لیے کہ یہ ہمیں درجے میں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں (یہ سارا شرک صرف قربِ الٰہی کے لیے کیا جاتا ہے اور ان کے نام کا وِرد کرنے یا نذر و نیاز دینے سے وہ مراتب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اُنھوں نے تنہا خدا کو کافی نہیں سمجھا۔ اگر کوئی شخص تعلیم دے کر خدا کا راستہ دکھلانے کی کوشش کرے، تو یہ بات تو البتہ معقول بھی سمجھی جا سکتی ہے، مگر خدا کو چھوڑ کر کفار و مشرکین کی اندھی تقلید کو قربِ الٰہی کا سبب جاننا تو قطعاً شرکِ عظیم ہے۔ صرف اُن کے نام کی تسبیحیں رٹنے ہی میں نجات جان لینا مشرکین کا شیوہ ہے۔ نیک لوگوں سے اچھی عادتیں اور فائدہ مند کام سیکھنا چاہییں نہ کہ اندھی تقلید کرکے اپنی عاقبت تباہ کرلو۔ تمھیں انسان بنایا گیا ہے۔ عقل و ہوش عطا کی گئی ہے۔ تم مخلوق کا نچوڑ ہو اور ارتقاء پاکر اس درجہ پر پہنچے ہو۔ پھر اپنے ہی جیسے انسانوں کے غلام بن کر اس شرف کی، جو تمھیں عطا کیا گیا ہے، مٹی پلید نہ کرو، ورنہ چار پایوں سے بدتر قرار دیے جاؤ گے اور تم پر عقل سے کام نہ لینے کے سبب گندگی ڈالی جائے گی۔ نیک کام کرنے والوں کی مدد کرو اور ان کے ساتھ مل کر نیکیاں کرو، نہ کہ آنکھیں بند کرکے ہر اُلٹی سیدھی بات کو مان لو۔ یہ شرک ہے اور شرک کی وجہ یہ ہے کہ) تحقیق اللہ ان (مشرکین) کے درمیان (اسی قرآن میں) فیصلہ کر رہا ہے، اس چیز میں جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں (یعنی اکیلے غالب کے قرب کے لیے من دون اللہ کی اندھی تقلید اور ان کی عبادت کو ذریعہ بنا رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ حق کو پانے کی خاطر ناجائز محض اور مطلق بے جا کام کر رہے ہیں۔ حق کو پانا ہے تو وہ تو ہر ایک کی فطرت میں موجود ہے۔ فطرت کی راہ بری سے حق مل جاتا ہے۔ توحید مبہم چیز نہیں ہے، جو پیچ در پیچ ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہ کھلی اور واضح چیز ہے۔ ہر نفس کو نیکی اور بدی کا طبعی طور پر الہام ہو چکا ہے۔ انسان بہت سے علوم دوسروں سے حاصل کر سکتا ہے۔ مگر تحقیق کرکے، نہ کہ آنکھیں بند کرکے۔ مسلمانوں نے علمِ ریاضی ہندوؤں سے سیکھا۔

یہ کوئی عیب کی بات نہیں اور بھی علوم ایک دوسرے سے حاصل کرنا گناہ نہیں۔ بدیہات کو سیکھ کر صحیح ماننا جُرم نہیں ہے، مگر خدا کو پانے کے لیے کسی اور کو راضی کرنے کی ناجائز کوشش کرنا شرک عظیم ہے پس مشرکین کی عادت جھوٹ کی ہے اور اس کا سبب ان کے دل کا بگاڑ ہے۔ بس کا یہ کچھ اثر ہوتا ہے کہ بندوں کے بندہ بننے کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں، تو پھر نتیجہ اس کا کیا ہوتا ہے؟ ارشاد ہے، تحقیق اللہ تعالےٰ نہیں راہ نمائی کرتا (صراط مستقیم کی طرف) اس کی جو جھوٹ بولتا ہے، ناقدر دان (ایک تو ناقدردان شرک کرتا ہے اور پھر اس شرک کو جائز بنانے کے لیے کئی ایک اور غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے اور توحید جیسی واضح چیز کو شرک جیسے روا فعل سے چھپانا چاہتا ہے۔ تو ایسے مشرک کا ذہب کو اللہ کی طرف سے ہدایت کب مل سکتی ہے؟ راہ وہ لوگ پاتے ہیں، جو اکیلے خدا کی مرضی کو مقدم جانتے ہیں۔ اس مالکِ حقیقی کا کوئی شریک نہیں بناتے، کیوں کہ اس حکیم مطلق نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور پھر ان میں ترتیب و تعلق قائم کیا اور ہر شے کو بتدریج ارتقاء دیتا چلا جاتا ہے۔ ان کاموں میں اگر ایک کے بجائے دو خدا شریک ہوں، تو نتیجہ تباہی نکلے گا، کیوں نہ اس صورت میں تصادم ناگزیر ہے۔ افسوس لوگوں نے دو بنا کر اصل چیز ہی کو بگاڑ دیا ہے۔ لوگوں نے خدا کی اولاد ٹھیرائی ہوئی ہے۔ اس کی ذات سے تو اولاد محال مطلق ہے۔ اگر اس نے اولاد بنانی ہوتی، تو اپنی مخلوق ہی میں سے انتخاب کر لیتا، مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے احتیاج خدا کو کیا ہے؟ وہ لم یلد ولم یولد ہے۔ اللہ اعلم ہے۔ فرمایا کہ)

(۴) لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اگر اللہ (کامل مطلق) ارادہ کرتا کسی کو متبنیٰ قرار دے، تو ضرور ہے کہ (اپنی) مخلوقات ہی سے جس کو چاہتا، چن لیتا (اس کی ذات بابرکات سے تو توالد و تناسل ہو ہی نہیں سکتا۔ تو خواہ مخواہ مخلوق ہی سے اخذ کرتا اور اس کی ذات کے لیے یہ اخذ کرنا بھی سخت عیب ہے، اس لیے) وہ (خدائے کامل اس سے بھی) پاک ہے (اللہ اس کام سے بیزار ہے۔ تو تم نے اے لوگو! پھر کس کو اس بے عیب خدا کا بے تکلف دوست، بیٹا اور معشوق وغیرہ وغیرہ بنا رکھا ہے۔ وہ خدا تو بڑا ہی غالب اور طاقت والا ہے ضرورت و احتیاج اور کسی کی مدد وغیرہ سے

وہ بے نیاز ہے۔ وہ اللہ اکیلا ہی غالب ہے۔ اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنے اختیار میں بالکل آزاد، اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اس کے سب کام حکیمانہ ہیں اور وہ عبث اور بے فائدہ کاموں سے پاک ہے۔ اس نے ہر شئے کو مناسب ترتیب سے بنایا۔ وہ اپنے عظیم الشان کاموں کو اکیلا ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ لوگو! قدرتی اشیاء سے جائز فائدے حاصل کرو اور فاطر حقیقی کے شکر گذار بندے بنو! دیکھو اس دانائے حقیقی نے آسمانوں اور زمین کی کیسی صحیح بنیاد رکھی اور ان کا آپس میں نر و مادہ کی طرح تعلق قائم کیا، کچھ زمین آسمان سے حاصل کرتی ہے کچھ آسمان زمین سے لیتا ہے اور ایسے عظیم الشان نتائج نکلتے ہیں کہ جن کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ باریک بین فاطر ہر چیز کو بتدریج ترقی دیتا چلا جا رہا ہے، یہاں تک کہ آہستہ آہستہ انسانی درجہ آجاتا ہے پس انسان کو چاہیے کہ ایسے مالک و خالق حقیقی کی تعریف صدق دل سے کرے، جس نے اس کے لیے ارض و سماء پیدا کر کے اس کے کام میں دوسری سب اشیاء کو لگا دیا اور یہ تمام مجبور چیزیں اس کی خدمت کو حاضر ہیں، مگر افسوس کہ یہ اختیار والی مخلوق دوسری مخلوق کی پرستش میں وقت ضائع کرتے اپنے لیے طرح طرح کی تکالیف کے سامان خود بہم پہنچا رہی ہے۔ اسے چاہیے کہ چشم بصیرت سے اس کارخانہ بے غلط کو دیکھے جس میں سہو و نسیان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہے اور اُس ایک ہی بنانے والے کا عابد بن جائے، جس کا ارشاد ہے کہ)

(۵) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۵﴾ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند کام میں لگا رکھے ہیں (حکم میں بندھے ہوئے) اجل مسمّٰی پر چل رہے ہیں، اور اپنے اپنے محور کے گرد چکر لگا رہے ہیں۔ کبھی اندھیرا روشنی میں، کبھی روشنی اندھیرے میں تبدیل ہو رہی ہے۔ وہی خالق حقیقی ہر چیز پر اصل حاکم ہے۔ اسی نے سب کو کام میں لگایا ہوا ہے۔ کوئی شئے اس کی بے خبری

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن ذرا تامل کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ عموماً ہر تفسیر تفسیر قرآن ہونے کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے ہر مصنف نے آیات قرآنیہ کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ماشاء اللہ) قرآن کو کہ قول الٰہی ہے آیات قرآنی اور صحیفہ فطرت کہ فعل الٰہی ہے کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنیکی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ قرآن ایک مخصوص ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و مخصوص ملک کی ضرورتوں کا متکفل نہیں اس لئے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں ✦

(۱) اس کے مخاطب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسان ہیں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے ✦

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو ✦

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے محاورِ عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا تتبع ہے جو محکمات سے واضح ہے ✦

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے آئین کا احترام کیا گیا ہے ✦

(۶) قانون وراثت کا احیا

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری و باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت مختصر یعنی:- منزل اول صفحات ... [illegible] مجلد سنہری ([illegible]) منزل دوم [illegible] منزل سوم ([illegible]) منزل چہارم ([illegible]) منزل پنجم ([illegible]) منزل ششم ([illegible]) منزل ہفتم ([illegible])

منگانے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر

الرحمٰن ۔ علم القرآن ۔ خلق الانسان ۔ علمہ البیان ۔

البیان

امتِ مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

سالانہ تین روپے

فی پرچہ چار آنے

البیان

امت مسلمہ امرتسر کا ماہوار صحیفہ

جلد ۲ | دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۵۹ھ | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

محمد حسین ایڈیٹر پرنٹر پبلشر نے راما آرٹ پریس ستوکھ سر امرتسر سے چھپوا کر دفتر امت مسلمہ بیرون دروازہ حکیماں امرتسر سے شائع کیا

شذرات

قانون خُلع کا ایک فیصلہ دیوان ہربنس رائے نائب سب جج سیالکوٹ کی عدالت میں ایک مسلمان عورت نے درخواست کی کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا اس لیے اس کو قانون خُلع کے ماتحت طلاق دلائی جائے۔ عدالت نے اُسے طلاق دلاتے ہوئے حسب ذیل ریمارک دیے ہیں:

"مدعیہ یہ ثابت نہیں کرسکی کہ خاوند کا سلوک اُس کے ساتھ ظالمانہ یا غیر مناسب ہے، یا دو سال تک اُس نے اس کے گذر اوقات کی کفالت نہیں کی، یا وہ تین سال تک فرائض زوجیت ادا کرنے سے قاصر رہا ہے، وغیرہ، تاہم مدعیہ کو اپنے خاوند کی شکل وصورت اور عادات واطوار وغیرہ کی وجہ سے نفرت ہے اور وہ کسی صورت میں اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں، اس واسطے اس کو علیحدگی کا حق دیا جاتا ہے۔

یہ امر یقینی ہے کہ ایسے حالات میں جب کہ خاوند اور بیوی باہم مل کر گذارہ نہ کرسکتے ہوں، تو ان دونوں کا، اُن کی اولاد کا اور عام سوسائٹی کا اسی میں فائدہ ہے کہ انھیں ایک دوسرے سے طلاق کے ذریعے جدا کر دیا جائے، بجائے اس کے کہ ایک غیر رضامند بیوی ایک غیر معقول خاوند کے ساتھ بہ جبر جکڑی رہے۔ جب (بیوی اور خاوند میں سے) ایک فریق دوسرے سے نفرت کرتا ہو اور رشتۂ محبت ٹوٹ چکا ہو تو شادی کے سرے سے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہتے۔ یہ فرض کرنا غلط ہے کہ اتنی رعایت شادی کے بقاء واستحکام کے لیے تباہ کن ہے۔ رشتۂ شادی کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی محبت پر ہے اور جب محبت کی جگہ نفرت لے لے، تو اس کا علاج صرف طلاق ہی ہے"

اوپر کی عبارت نقل کرکے ایک معزز اسلامی اخبار اپنی ایک تازہ اشاعت میں رقم طراز ہے:

"اس فیصلے کی روح قطعًا نادرست ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ عدالتیں قانون خُلع کی آڑ لے کر جس طرح بھی چاہیں نکاح وطلاق کے مقدمات کا فیصلہ کر دیا کریں"

عدالت کا فیصلہ اور اوپر کی تنقید آپ نے ملاحظہ فرمائی، دونوں کو سامنے رکھیے۔ جج نے اپنے الفاظ میں کوئی ناقابل فہم منطق یا فلسفہ پیش نہیں کیا۔ صاف اور سیدھی دلیل ظاہر کی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے درمیان محبت کی جگہ نفرت پیدا ہو جائے، تو اس کا بہتر علاج یہی ہے کہ وہ طلاق کے ذریعے علیحدہ ہو جائیں۔" ایڈیٹر صاحب کا ارشاد ہے کہ" اس فیصلے کی روح نادرست ہے"۔

" اس فیصلے کی روح نادرست ہے"۔ کیوں؟ آپ اپنی تنقید کے حق میں قرآن مجید کی ایک آیت بھی پیش کر سکتے ہیں؟ قرآن کی آیت نہ سہی، حدیث ہی سے کوئی مثال دے سکتے ہیں؟ قرآن اور حدیث بھی نہ سہی، کوئی عقلی ثبوت ہی واضح کر سکتے ہیں، جس سے آپ کے اعتراض کی کوئی وقعت تسلیم کی جا سکے؟ یہ کیا مصیبت ہے کہ آپ نہ مذہب کے پاس پھٹکتے ہیں نہ عقل کا سہارا لیتے ہیں اور تمام دینی اور صحافتی ذمہ داریوں کو بالائے طاق رکھ کر، ایک ایسے معاملے پر رائے زنی کر دیتے ہیں، جو مسلمانوں کی بے شمار معاشرتی پیچیدگیوں سے تعلق رکھتا ہے۔

اول تو یہ بات ہی سیدھی ہے اور ہر عقل مند انسان اس فطری حقیقت کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ جب عورت اور مرد میں کسی طرح بھی نباہ ممکن نہ ہو، تو انہیں بہر حال علیحدہ ہی ہونا پڑے گا۔ جو شخص یہ موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا اُسے مرد و عورت کے غیر رضامندانہ تعلقات کے نتائج پر غور کرنا چاہیے۔ مثلاً ایک عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی ہے، وہ چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے، مگر خاوند اسے طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور فرض کر لیجیے کہ قانون بھی اس معاملے میں عورت کی کوئی امداد نہیں کرتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی خانگی زندگی ان کے واسطے ساری عمر کے لیے عذاب ثابت ہوگی۔ ہر وقت بے اعتمادی، ہر وقت چپقلش، ہر وقت لڑائی جھگڑا، بلکہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف مستقل نفرت اور ناراضی جڑ پکڑ لے گی۔ اگر ان حالات میں ان کے ہاں اولاد پیدا ہوگی، تو ان کے باہمی بغض و کدورت کا مہلک اثر ان کے بچوں کی تربیت اور اخلاق پر پڑے گا۔ بعض حالات میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیوی سالہا سال تک اپنے والدین یا رشتہ داروں کے پاس بیٹھی رہتی ہے، مگر خاوند کے پاس نہیں جاتی، بعض حالات میں وہ کسی اور شخص کے ساتھ نکل بھاگتی ہے۔ بعض حالات میں اس کشاکش کی نوبت زہر خورانی تک پہنچ جاتی ہے، پھر فساد اٹھتے ہیں، مقدمے چلتے ہیں، روپیہ تباہ ہوتا ہے اور دو خاندانوں میں ایک مستقل عداوت قائم ہو جاتی ہے ــــ یہ سب نتائج ہیں ایک

غیر رضامندانہ نکاح کے، اور ایک شخص جسے احکام دین سے ذرا بھی مس نہ ہو، وہ بھی معمولی سے غور و فکر سے اندازہ لگا لے سکتا ہے کہ کسی عورت کو جبراً نکاح پر مجبور کیے رکھنے سے کس قدر مہلک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

یہ عقلی دلیل تھی۔ اب قرآن مجید کی طرف توجہ کیجیے۔ صاف اور کھلے لفظوں میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ	مسلمانو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ!

ایک اور آیت ملاحظہ کیجیے:

فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ ۲۳۱	عورتوں کو خوبی کے ساتھ اپنے پاس رکھو، یا خوبی کے ساتھ چھوڑ دو اور انھیں نقصان پہنچانے کے (ارادے سے) نہ روک رکھو، تاکہ تم اُن کے ساتھ زیادتی کرو، اور جو کوئی ایسا کرے گا، تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

آیت بالا میں "معروف" کا لفظ آیا ہے، معروف کے معنی کیا ہیں؟ یہ لفظ قرآن مجید میں مُنکَر (ناپسندیدہ) کی ضد میں استعمال ہوا ہے (یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر، اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں) پس فَاَمْسِكُوْھُنَّ بالمعروفِ کا واضح مطلب یہ ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو! لیکن اگر حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باہمی ناموافقت کی وجہ سے اچھا برتاؤ قائم رکھنا مشکل ہو گیا ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ "سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ"، تو انہیں خوش اسلوبی کے ساتھ طلاق دے کر الگ کر دو۔ کسی مسلمان کے لیے از روئے قرآن یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ جب عورت کے ساتھ اس کا بگاڑ ہو جائے، تو وہ اُسے خواہ مخواہ روک کر دُکھ اور تکلیف دیتا رہے، اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے، تو خدا تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے، فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ

اب خُلع سے متعلق آیت ذیل پر توجہ کیجیے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔـا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ	تمھارے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ اپنی بیویوں کو دے چکے ہو، (طلاق دیتے ہوئے) اُس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر شوہر اور بیوی کو اندیشہ پیدا ہو جائے کہ اللہ کے ٹھیرائے ہوئے

خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (البقرہ ۲۲۹)

واجبات وحقوق ادا نہ ہوسکیں گے، (تو باہمی رضامندی سے ایسا ہوسکتا ہے) تو اگر تم دیکھو ایسی صورت پیدا ہوگئی ہو کہ (واقعی) اندیشہ ہے خدا کے ٹھیرائے ہوئے واجبات وحقوق ادا نہ ہوسکیں گے، تو پھر شوہر اور بیوی کے لیے اس میں کچھ گناہ نہیں، اگر بیوی (اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے) بطور معاوضہ (اپنے حق میں سے) کچھ دے دے (اور شوہر اُسے لے کر علیحدگی پر راضی ہو جائے (یاد رکھو) یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیاں ہیں، پس ان سے قدم باہر نہ نکالو۔ جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے نکل جائے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

مولانا ابوالکلام آزاد نے حسب ذیل الفاظ میں اس آیت کی تفسیر کی ہے:

"شوہر کے لیے جائز نہیں کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا ہے، یا دیا گیا ہے، طلاق دیتے ہوئے واپس لے لے (جیسا کہ عرب جاہلیت میں لوگ کیا کرتے تھے)

ہاں، اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ شوہر طلاق دینا نہ چاہتا ہو، نہ اس کی طرف سے کوئی قصور ہو، لیکن کسی وجہ سے آپس میں نبھتی نہ ہو اور اندیشہ پیدا ہوگیا ہو کہ ازدواجی زندگی کے فرائض ادا نہ ہوسکیں گے، تو اس صورت میں اگر عورت کہے، میں اپنا مہر یا اس کا کوئی حصہ چھوڑ دیتی ہوں اور شوہر اس کے بدلے میں طلاق دے دے، تو ایسی معاملت ہوسکتی ہے، اسی کو "خلع" کہتے ہیں۔

نکاح کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے کے سر پڑ جائیں اور نہ یہ ہے کہ عورت کو مرد کی خود غرضانہ کام جوئیوں کا آلہ بنا دیا جائے، بلکہ مقصود حقیقی یہ ہے کہ دونوں کے ملاپ سے ایک کامل اور خوش حال ازدواجی زندگی پیدا ہوجائے۔ ایسی زندگی جبھی پیدا ہوسکتی ہے، جب کہ آپس میں محبت وسازگاری ہو اور حدود اللہ یعنی خدا کے ٹھیرائے ہوئے حقوق وواجبات ادا کیے جائیں، پس اگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہے، تو نکاح کا مقصد حقیقی فوت ہوگیا اور ضروری ہوگیا کہ دونوں فریق کے لیے تبدیلی کا دروازہ کھول دیا جائے۔ اگر مقصود نکاح کے فوت ہوجانے پر بھی علیحدگی کا دروازہ نہ کھولا جاتا، تو یہ انسان کے آزادانہ حق انتخاب کے خلاف ایک ظالمانہ رکاوٹ ہوتی اور ازدواجی زندگی کی سعادت سے سوسائٹی کو محروم کر دینا ہوتا۔"

مولانا کی تصریحات، بالخصوص جلی الفاظ کے بعد کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، تاہم یہ ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عورت مجبور نہیں ہے کہ وہ ہر حالت میں خاوند کو "خلع" کا کوئی معاوضہ ہی ادا کرے، وہ زیادہ سے زیادہ خاوند کی دی ہوئی جائداد یا مہر وغیرہ واپس کرسکتی ہے۔ یہ کسی صورت میں جائز نہیں کہ خاوند نے شروع سے اُسے کچھ دیا بھی نہ ہو، یا دے کر واپس لے چکا ہو اور اس کے باوجود مزید معاوضے کا مطالبہ کرے۔ ثابت بن قیس کی بیوی کے خُلع کی جو حدیث آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی، اُس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، یعنی رسول اللہ صلعم کے ارشاد پر، اُس نے اپنے خاوند کا باغ واپس دے کر علیحدگی کا حق حاصل کرلیا تھا۔

بہر حال یہ حالات ہیں، جن میں قرآن عورت کو علیحدگی کا حق دیتا ہے، مگر جو شخص عقل وفطرت اور قرآن حکیم کے فیصلے کو کافی نہ سمجھتا ہو اور روایات ہی سے سند لے کر مطمئن ہونا چاہتا ہو، تو حدیث میں بھی خُلع کے جس قدر واقعات ملتے ہیں، قرآن حکیم ہی کے مطابق ہیں ـــ مثلاً:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ زَوْجَ بَرِيْرَةَ كَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيْثٌ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهُ يَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبَّاسٍ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِهٖ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَاْمُرُنِيْ؟ قَالَ اِنَّمَا اَنَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَتَ لِيْ فِيْهِ۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ بریرہ کا خاوند غلام تھا، اس کا نام مغیث تھا، گویا میں اس وقت اس کو دیکھ رہا ہوں، وُہ بریرہ کے پیچھے پیچھے روتا ہوا گھوم رہا تھا، اُس کے آنسو ڈاڑھی پر بہ رہے تھے (وُہ چاہتا تھا بریرہ میرے پاس رہے) آخر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھ کر حضرت عباس سے فرمایا: "عباس! تم کو تعجب نہیں آتا، دیکھ مغیث کو بریرہ سے کیسی محبت ہے اور بریرہ کو اس سے کیسی نفرت ہے؟ پھر آپؐ نے بریرہ کو فرمایا، تو مغیث کے پاس رہ جائے، تو اچھا ہے۔ بریرہ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا آپ اس کا حکم دیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، حکم نہیں دیتا، بلکہ میں سفارش کے طور پر کہتا ہوں۔ بریرہ نے کہا: "مجھے مغیث کے پاس رہنے کی خواہش نہیں ہے"!

یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں ہے۔ سارا معاملہ آپ کے سامنے ہے۔ مغیث اپنی بیوی کو کوئی

تکلیف نہیں دیتا کوئی نقصان نہیں پہونچاتا، اس کے ساتھ کوئی بدسلوکی یا بے پروائی بھی نہیں کرتا بلکہ ان ساری باتوں کے خلاف، اسے بریرہ سے محبت ہے، محبت بھی اتنی شدید کہ وہ اس کے پیچھے دیوانوں کی طرح روتا پھرتا ہے، مگر جب ایک عورت کا دل اس کی طرف رغبت نہیں کرتا، وہ اس کے پاس رہنا نہیں چاہتی، تو ایسی کون سی طاقت ہے، جو اس کے دل کو بدل ڈالے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی اس کے دل میں رغبت پیدا نہ کرسکی، اور اس نے صاف لفظوں میں دریافت کیا "آپ مجھے حکم تو نہیں دیتے؟" نبی اکرم کے ایک لفظ سے اس کی تقدیر کا فیصلہ ہو سکتا تھا، وہ فرما دیتے، ہاں میں تمھیں حکم دیتا ہوں، تو وہ یقیناً سر تسلیم خم کر دیتی، بلکہ اس کے لیے اس سے بڑی سعادت کیا تھی کہ وہ پیغمبر خدا کے حکم کی تعمیل کرے، مگر رسول اللہ ایسے قرآن حکیم کے صریح احکام کے خلاف حکم بھی کیوں کر دے سکتے تھے؟ وہ زیادہ سے زیادہ سفارش کر سکتے تھے، مگر یہ اس کے اختیار میں تھا کہ وہ اس پر چاہے تو عمل کرے، نہ چاہے تو نہ کرے۔ لا اکراہ فی الدین، دین میں کوئی جبر نہیں، یہ سارا واقعہ اس آیت کی کھلی تفسیر پیش کرتا ہے۔

پھر جب عورت بغیر کسی وجہ کے، اس حال میں بھی کہ اس کا خاوند اس سے محبت کرتا ہو، طلاق حاصل کرسکتی ہے، تو سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے دو یا تین سال تک خاوند کے مسلسل ظلم شرارت کی قید کہاں سے پیدا کرلی ہے؟

بخاری ہی کی حدیث میں ایک اور واقعہ ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الْكُفْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ فَقَالَتْ نَعَمْ، فَرَدَّتْ عَلَيْهِ وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا

ابن عباس کہتے ہیں، ثابت بن قیس بن شماس کی عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، کہنے لگی، یا رسول اللہ! میں ثابت کی دین داری اور خصلت سے ناراض نہیں، لیکن میں ڈرتی ہوں کہیں میں خاوند کی ناشکری میں نہ پھنس جاؤں۔ آپ نے فرمایا: "کیا تو اس کا باغ واپس کردے گی؟ وہ کہنے لگی ہاں! آخر وہ باغ اس نے ثابت کو لوٹا دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو حکم دیا، انھوں نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا۔

پہلی حدیث میں اور اس حدیث میں ایک لطیف نکتہ ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں عورت (یعنی بریرہ) کو مخاطب کر کے رسول اللہ کوئی حکم نہیں دیتے، بلکہ فرماتے ہیں "اَنَا اَشْفَعُ" میں سفارش کرتا ہوں، مگر یہاں معاملے کی نوعیت دوسری ہے۔ یہاں مرد (یعنی ثابت) کو کھلے لفظوں میں حکم دے کر (اَمَرَهُ) عورت کو طلاق دلائی گئی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ بریرہ کسی قانون سے مجبور نہیں تھی، اس لیے اس سے سفارش ہی کی جا سکتی تھی، مگر

ثابت، قرآن حکیم کے قانون کے رُو سے مجبور تھا کہ وُہ اپنی عورت کو الگ کر دے، اس لیے اُسے حکم دیا گیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو!

قرآن مجید اور احادیث کی سندوں سے خُلع اور طلاق کا مسئلہ حل ہوگیا۔ اس ساری بحث سے نتیجہ صرف یہ نکلتا ہے کہ اگر عورت مرد کے پاس نہیں رہنا چاہتی، تو خاوند کا کوئی حق نہیں کہ اُسے اپنے پاس رہنے پر مجبور کرے، اُسے بغیر کسی پس و پیش کے طلاق دے دینی چاہیے۔ اب آپ دیوان ہرنس رائے کے الفاظ ذیل پر ایک مرتبہ پھر غور کریں، کیا وُہ اسلامی قانون خُلع کے عین مطابق نہیں ہیں:

"مدعیہ کو اپنے خاوند کی شکل و صورت اور عادات و اطوار وغیرہ کی وجہ سے نفرت ہے اور وُہ کسی صورت میں اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں، اس واسطے اس کو علیحدگی کا حق دیا جاتا ہے۔"

معاصر موصوف نے سب جج مذکور کے فیصلے کی مذمت کر کے نہ صرف اپنی ناواقفیت کا ثبوت دیا ہے، بلکہ بالواسطہ طور پر اس نے اسلامی قانون کی توہین کی ہے۔ اگر وُہ دیانت داری کے ساتھ اپنی غلطی محسوس کرتا ہے، تو اُسے پہلی فرصت میں اپنے الفاظ واپس لے لینے چاہییں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن لوگوں کو اسلامی مسائل میں قطعاً کوئی بصیرت حاصل نہیں ہے، جنہیں علوم دینیہ سے دور کا لگاؤ بھی نہیں، جو اپنے اعتراض کے حق میں کوئی معقول تو کیا، غیر معقول دلیل تک دینے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتے، انہیں یہ حق کیوں کر حاصل ہوگیا کہ وُہ جس معاملے پر چاہیں، بے سوچے سمجھے رائے زنی کر دیا کریں؟ کیا ایسے لوگوں کے دل میں خدا تعالیٰ کا اتنا بھی خوف نہیں کہ جن معاملات کا انھیں مطلقاً علم حاصل نہیں، ان پر اظہار خیال کر کے اپنے صدہا ناظرین میں گمراہی پھیلا رہے ہیں؟ کیوں انھیں اس امر کا احساس نہیں ہوتا کہ کسی گروہ کی باگ ہاتھ میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وُہ خدا کی بارگاہ میں اپنی ہی نہیں، بلکہ اُن کی ضلالت کے بھی جواب دہ ہوں گے، جن کی رہنمائی کے وُہ علم بردار بنے پھرتے ہیں؟ فھل من مدّکر؟

رہا یہ خدشہ کہ "عدالتیں قانون خلع کی آڑ لے کر جس طرح بھی چاہیں گی، نکاح و طلاق کے مقدمات کا فیصلہ کر دیا کریں گی"۔۔۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے، کہ عدالتیں لوگوں کے گھروں میں جا کر مسلمان مردوں اور عورتوں کو طلاق و خلع کے ذریعے علیحدہ کیا کریں گی؟۔۔۔ افسوس ہے، آپ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ قانون خلع کی آڑ لینے کی ضرورت عدالتوں کو نہیں، بلکہ اُن مسلمان عورتوں کو ہے، جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ہمارے گھروں میں بند، مصیبت اور مظلومی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔

م م

علاجِ غضب

(۲)

(عشرشی)

یہ کلام غضب کے اسباب و علاج سے متعلق ہے اور جو شخص اعتدال کے زیور سے آراستہ ہو، اس کے لیے غضب کا علاج آسان ہے۔ کیوں کہ غضب عدالت کے صراطِ مستقیم سے کجی کا نام ہے، جو کسی طرح محمود نہیں اور یہ جو بعض لوگ وہم کرتے ہیں کہ غضب کی شدت قوتِ مردمی کی افراط سے پیدا ہوتی ہے اور گمان باطل سے اس کو شجاعت سمجھتے ہیں، یہ خیال فاسد ہے۔ جو عادت امورِ قبیحہ کا سبب ہو، لشکروں، غلاموں، عزیزوں اور احوالِ نفس میں فساد کا موجب ہو، عقل کے نزدیک کس طرح مستحسن ہو سکتی ہے؟ چنانچہ حضرتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: سب سے بڑا بہادر وہ شخص ہے، جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص آں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ کم سے کم لفظوں میں مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: "لا تغضب" یعنی غضب ناک نہ ہو اور حدیث میں وارد ہے: "الغضب یزیل العقل" یعنی غصہ عقل کو تباہ کر دیتا ہے "محشی") بعض غزوات سے لوٹنے کے وقت آپ نے فرمایا: رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر یعنی، ہم چھوٹے جہاد سے فارغ ہو کر بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: بڑا جہاد کون سا ہے؟ فرمایا: اپنے نفس سے جہاد، اعدیٰ عدوک نفسک التی بین جنبیک، یعنی، تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے، جو تیرے دو پہلوؤں میں مکین ہے۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: اصعب الاعمال العفو عند الغضب، غصے کے وقت درگذر کرنا بڑا کٹھن عمل ہے۔ "محشی") اور اگر افراطِ غضب کے ساتھ کیفیت کا بگاڑ بھی شامل ہو جائے، تو صاحبِ غضب بالکل حیوانی اخلاق پر اتر آتا ہے اور برتنوں، سامانوں اور جانوروں وغیرہ کے قتل و غارت سے تسکین حاصل کرتا ہے۔ اگر قلم کا قط اس کی طبیعت کے مناسب نہ ہو، یا تالا حسبِ خواہش جلدی سے نہ کھلے، تو اس کو توڑ دیتا ہے اور دیوانوں کی طرح گالیاں دیتا ہے۔ یہ اوچھے پن اور کمینگی کی انتہا ہے۔

چنانچہ ایک پُرانے بادشاہ کے متعلق جو تیمور[1] سے منسوب تھا، منقول ہے کہ جب اس کی کشتی سفرِ دریا سے دیر کرکے پہنچتی تھی، تو دریا پر ناراض ہو جاتا تھا اور دریا کا پانی خشک کر دینے اور اس کو پتھروں سے پاٹ دینے کی دھمکی دیتا تھا۔ حکیم ابو علی مسکویہ نے ایک احمق کے متعلق نقل کیا ہے کہ اسے کوئی ایسا مرض تھا، جو چاند کی چاندنی میں سونے سے نمودار ہوتا تھا۔ وہ اسی سبب سے چاند پر ناراض ہوتا تھا۔ گالیاں دیتا تھا اور چاند کی سخت مذمت کرتا تھا اور چاند کے متعلق اس کی ہجویں مشہور ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اس عادت میں اس نے اپنے آپ کو کتوں کا مثیل بنا دیا؛

مہ نورے فشاند و سگ بانگ مے زند
سگ را بہ پُرس خشم تو با ماہتاب چیست؟

حاصلِ کلام یہ کہ ایسے افعال حد درجہ بُرے ہوتے ہوئے لوگوں کی ہنسی کا موجب بھی ہیں اور ان کا مرتکب اپنے نقصانِ عقل اور پستیٔ طبع کا اعلان کرتا ہے اور یہ ناقص لوگوں کی عادت ہے، جیسے کہ عورتیں، عقل سے خالی بوڑھے، بچے اور بیمار ـــــ جس طرح بدنی کیفیات کی شدت ان کی ضد کی صورت میں نمودار ہوتی ہے، جیسے سخت سردی کھانے سے تپ لاحق ہو جاتا ہے۔ نفسانی کیفیات میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رذیلتِ غضب، قوتِ شہوات کی افراط سے، جو حرص کی ایک صورت ہے اور غضب کی ضد ہے، پیدا ہوتی ہے۔ غضب، قوتِ دفع ہے اور شہوت و حرص، قوتِ جذب۔ پس دونوں کا فرق ظاہر ہے" (محشی) کیوں کہ جب حریص اپنے مدعا سے محروم کیا جاتا ہے، تو اس کے غضب کا شعلہ بھڑک اٹھتا ہے اور جب بخیل کا مال ضائع ہو جاتا ہے، تو دوستوں اور عزیزوں پر غضب ناک ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوتا اور ان بد عادتوں کا نتیجہ باہمی نفرت، قطع تعلق اور حدوثِ ندامت کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور چوں کہ اعتدال پسند لوگ اپنی ذہنی قوتوں کی رسائی کو عقل کی ترازو میں تول کر رکھتے ہیں، اس لیے اغماض و اکرام اور عفو و انتقام میں سے جو حال بھی ان کو پیش آتا ہے، اعتدال کی راہ چلتے ہیں ـــــ منقول ہے کہ ایک

[1] مردانگی اور بقولِ علما افراطِ قوتِ غضبی جو مذموم ہے۔"

احمق سکندر کی آبرو کے درپے ہؤا اور اس کی عیب چینی کے لیے زبان کھولی۔ خواص میں سے ایک نے کہا، اگر بادشاہ اس کو سزا دے، تو یہ اس فعل سے باز آجائے گا اور دوسروں کے لیے عبرت کا موجب ہوگا۔ سکندر نے فرمایا، یہ مشورہ رائے صحیح اور عقل صریح کے خلاف ہے کہ اب تو ہماری طرف سے اس پر کوئی سختی نہیں کی گئی، جو شخص اس کی بدگوئی سے مطلع ہوگا، اس کی گفتار کو باور نہیں کرے گا اور جب ہم اس کو سزا دیں گے، تو اس کی بد زبانی اور طعنہ زنی بڑھ جائے گی اور عقلا کے نزدیک یہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر سکے گا۔ —— ایک دفعہ ایک باغی گرفتار ہو کر حاضرِ دربار کیا گیا۔ سکندر نے اس کو معاف کر دیا۔ خواص میں سے ایک نے کہا، اگر "میں" "تُو" ہوتا، تو اُسے قتل کر دیتا۔ سکندر نے کہا چوں کہ "میں" "تُو" نہیں ہوں، اس لیے اس کو قتل نہیں کروں گا:[1]

بر گنہ گار چوں شدی قادر
عفو را شکر قدرت خود ساز!

علامہ دوانی کا بیان انھیں کی ترتیب و اسلوب سے بلا کم و کاست ترجمہ کر دیا گیا اور بعض تنقید طلب مقامات کو طوالت کے خوف سے علیٰ حالہا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اب بعض دوسرے علماء کی تحقیق پر نظر کریں۔ امام رازیؒ کاظمین الغیظ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یکفون غیظھم عن الامضاء ویردون غیظھم فی اجوافھم وھذا الوصف من اقسام الصبر والحلم وھو کقولہ واذا ما غضبوا ھم یغفرون۔	پرہیزگار لوگ اپنے غضب کو روکے رہتے ہیں اور جب ان پر ایسی حالت وارد ہو جائے، تو وہ اپنے غصے کو اپنے سینوں میں ضبط کر لیتے ہیں اور یہ وصف صبر و حلم کی ایک قسم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" مومن جب غضب میں آتے ہیں، تو معاف کر دیتے ہیں"۔

—— حدیث میں وارد ہؤا ہے:

من کظم غیظاً و ھو یقدر علی انفاذہ ملأ اللہ قلبہ امناً و ایماناً۔	جو شخص اپنے غصے کے نفاذ پر قدرت رکھتے ہوئے اس کو ضبط کر لے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے معمور کر دیتا ہے۔

---

[1] یعنی میں بادشاہ ہوتا۔

دوسری حدیث میں ہے:

ما من جرعتین احب الی اللّٰہ من جرعۃ موجعۃ یجرعھا صاحبھا بصبر وحسن عزا و من جرعۃ غیظ کظمھا	اللہ تعالیٰ کو دو گھونٹ بہت پسند ہیں، ایک وہ تلخ گھونٹ جو کسی عزیز کی موت پر صبر کرنے والا نوش کرتا ہے۔ دوسرا اُس غصّے کا گھونٹ جو ضبط کر لیا جاتا ہے۔ —— نیز فرمایا آں حضرت صلعم نے:
لیس الشدید بالصرعۃ لکنہ الذی یملک نفسہ عند الغضب	بڑا پہلوان وُہ ہے، جو غصے کے وقت نفس پر قابو پائے۔ (تفسیر کبیر)

امام راغب رح فرماتے ہیں:

الغضب ثوران دم القلب ارادۃ انتقام قال علیہ السلام اتقوا الغضب فانہ جمرۃ توقد فی قلب ابن آدم الم تروا الی انتفاخ اوداجہ وحمرۃ عینیہ۔	غضب کیا ہے؟ ارادہ انتقام سے خونِ دل کا جوش۔ آں حضرت صلعم کا ارشاد ہے۔ غضب سے بچو! وہ ایک انگارہ ہے، جو ابن آدم کے دل میں بھڑکتا ہے۔ کیا تم اس کی گردن کی رگوں کے پھُولنے اور آنکھوں کی سُرخی نہیں دیکھتے؟

غیظ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

الغیظ اشد غضب وھو الحرارۃ التی یجدھا الانسان من فوران دم قلبہ قال قل موتوا بغیظکم۔	"غیظ" سخت غصّے کو کہتے ہیں، وہ ایک گرمی ہے، جو خونِ دل کے کھَولنے سے محسوس ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے، کہ دے، مرجاؤ اپنے غیظ سے۔ (مفردات راغب)

امام غزالی رح فرماتے ہیں:

"غضب آگ کا ایک شعلہ ہے، جو اس آتشِ الٰہی سے لیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی ہے، جو دل تک پہنچ جاتی ہے۔ (نار اللّٰہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ) اور یہ دل کی تہ میں ایسا چھپا ہوا ہے، جیسے راکھ کے نیچے انگارہ۔

اور اس آتشِ غضب کو تکبر کا وہ مادہ جو ہر جابر اور جھگڑالو کے دل میں پوشیدہ ہے

اَور بھی تیز کر دیتا ہے، جس طرح لوہے سے آگ نکلتی ہے۔ کینہ اور حسد بھی غضب ہی کے نتائج ہیں اور ان دونوں کی وجہ بہت سے لوگ ہلاک ہوگئے اور ان کا منبع ایک گوشت کا لوتھڑا (دل) ہے، جس کی اصلاح سے تمام جسم صالح اور فساد سے سارا بدن فاسد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غضب کی مذمت میں فرمایا ہے:

اذ جعل الّذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیة فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المؤمنین۔ الآیہ	جب کفار نے اپنے دل میں جاہلیت کی عند ٹھان لی، تو اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اور مومنوں پہ اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت اس لیے فرمائی کہ وہ اس ننگ و عار کا مظاہرہ کر رہے تھے، جو جھوٹے غضب سے صادر ہوتا ہے اور مومنوں کی مدح اس لیے فرمائی کہ ان پر سکون و قرار نازل فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور صلعم سے کسی مختصر عمل کا حکم طلب کیا۔ آپؐ نے فرمایا "لاتغضب" اس نے پھر یہی سوال کیا، پھر ارشاد فرمایا "لا تغضب" (غصہ نہ کرو)

ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ نے تین دفعہ یہی سوال بہ تکرار کیا۔ آپؐ نے بار بار یہی فرمایا: لا تغضب! لا تغضب!! لا تغضب!!!

حضرت ابن عمرؓ نے پوچھا، مجھے کیا چیز اللہ کے غضب سے چھڑا سکتی ہے؟ فرمایا: "اپنے غضب کو ترک کر!" یہ بھی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: "من کف غضبہ ستراللہ عورتہ" جس نے اپنے غصّے کو روک لیا، اللہ تعالیٰ اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔

عکرمہ رضؓ اللہ تعالیٰ کے قول "سیداً وحصوراً" کی تفسیر میں کہتے ہیں، سیّد اُس کو کہتے ہیں، جو مغلوب الغضب نہ ہو، پس اگر تم اللہ کے صالح بندے بننا چاہتے ہو، تو اپنے غصّے کو دبا کر غضب کو دفع کرو۔ (احیاء العلوم)

امام صوفیہ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر　　چیست در ہستی ز جملہ صعب تر؟
گفتش اے جاں صعب تر خشمِ خدا　　کہ از و دوزخ ہمی لرزد چو ما
گفت از یں خشمِ خدا چہ بود اماں؟　　گفت ترک خشمِ خویش اندر زماں

جنابِ مسیحؑ کو ایک ہوش مند نے پوچھا "عالم ہستی میں سب سے دشوار کیا ہے؟" فرمایا "دشوار ترچیز خدا کا غضب ہے، جس سے دوزخ بھی ہماری ہی طرح کانپتا ہے" پھر اس نے پوچھا "اس غضب سے امان کی صورت کیا ہے؟" فرمایا "عین وقت پر اپنے غضب کو ترک کر دینا"

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

خشم و شہوت مرد را احول کند
ز استقامت روح را مبدل کند

غصّہ اور شہوت مرد کو بھینگا بنا دیتے ہیں اور ان سے روح کی استقامت زائل ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

خشم بر شاہاں شہ و ما را غلام　　خشم را من بستہ ام زیرِ لگام
تیغ حلمم گردن خشمم زدہ است　　خشم من بر من چو رحمت آمدہ است

غضب اپنے غلبہ و تسلّط سے بادشاہوں پر بادشاہ ہے، لیکن ہمارا غلام ہے۔ کیوں کہ مَیں نے غضب کو لگام دے کر قابو کر رکھا ہے۔ میرے حلم کی تیغ نے میرے غضب کی گردن مار دی ہے۔ ہاں، میرا غضب مجھ پر رحمت کا کام کرتا ہے، یعنی، مَیں اپنے نفس کی بے رہ روی پر غضب ناک ہوتا ہوں، تو آئندہ اصلاح کی طرف توجہ ہوتی ہے اور یہ رحمت ہے۔ (مثنوی معنوی)

امام حسن علیہ السّلام کے متعلق روایت ہے کہ ایک لونڈی شوربے سے لب ریز پیالہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ قریب پہنچ کر پیالہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ گرم گرم شوربے سے آپ کے کپڑے خراب ہو گئے اور جسم مبارک کو بھی تکلیف ہوئی۔ آپ کو غصّہ آ گیا۔ لونڈی نے فوراً آیت الکاظمین الغیظ والعافین عن النّاس واللہ یحب المحسنین تلاوت کی۔ آپ نے معاً سر جھکا دیا اور آیت مبارکہ کے حصّہ اوّل کی تعمیل میں غصّے کو ضبط کر لیا اور

اور لونڈی کو معاف کر دیا اور حصّہ آخر کے اتباع میں اس کو آزاد کر کے خدا کے محبوب اور محسن بن گئے، سبحان اللہ واللہ یحب المحسنین۔

مَیں نے اس گئے گذرے زمانے میں حضرت خواجہ احمد الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اس آیت کا نمونہ دیکھا ہے آپ کے ایک فرزند کسی خانگی معاملے کے متعلق سخت غصّے میں بھرے ہوئے چیخ رہے تھے اور اس غصّے کی ساری تان حضرت مرحوم پر ٹوٹتی تھی۔ یاد نہیں، بیس منٹ یا زیادہ عرصہ تک ان کی آتش مشتعل رہی۔ اس تمام وقت میں حضرت نہایت ٹھنڈے دل سے مصلحانہ جواب دیتے رہے۔ نہ آپ کی جبین مبارک پر بل آیا، نہ آواز میں تیزی و بلندی کا اثر نمودار ہوا اور نہ اپنے اس شرفِ حلم کا احساس کسی لفظ سے ظاہر ہوا —— کئی دفعہ بعض مُلّاؤں یا مُلّا پرستوں نے آپ کے سامنے سخت کلمات کہے، لیکن آپ کے حلم و وقار میں کبھی فرق نہیں آیا —— میرے نزدیک اولیاء اللہ کی تمام کرامتوں سے بڑی کرامت یہی ہے، جو مجھے کبھی فراموش نہیں ہو سکتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق مبارکہ میں اس وصف کو "رحمتِ الٰہی" سے تعبیر کیا گیا ہے:

فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔	ان کے حق میں تمھاری ملائمتِ طبع اللہ کی رحمت ہے، اگر تم بد مزاج، سخت دل ہوتے، تو یہ لوگ تمھارے پاس تک نہ پھٹکتے۔

حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ غصّہ اور عقل ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غصّہ ور شخص کے بار بار غضب ناک ہونے سے بار بار اس کی عقل کو اس کے دماغ سے ہجرت کرنا پڑتی ہے اور اس بار بار کی ہجرت کا انجام یہی ہوگا کہ غصّہ متمکن ہو جائے گا اور عقل ہمیشہ کے لیے جواب دے جائے گی۔

مُلّا دوا تی کا بتایا ہُوا علاجِ غضب آپ کو معلوم ہو چکا، اس کے مفید ہونے میں شک نہیں، لیکن علاج سے پہلے حفظِ ماتقدم کر لیا جائے تو ممکن ہے کہ مرض و علاجِ مرض کی نوبت ہی نہ آئے —— جو شخص اپنے اس نقص پر مُطلع ہو جائے، سب سے پہلے اس کو اس اطلاع یابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے۔ پھر قرآن مجید کی دونوں آیتوں "الکاظمین الغیظ الخ" اور "اذا

مآ غضبوا ھم یغفرون" کا ورد کرنا چاہیے، یہاں تک کہ ان کا مفہوم و مقصود کسی حالت میں دماغ سے اوجھل نہ ہونے پائے، بالخصوص جب غصہ آنے لگے، تو یہ دونوں آیتیں دو داروغوں کی طرح سامنے آموجود ہوں اور انسان اس یقین و اذعان کے ساتھ کہ میرا حاضر و موجود مالک مجھے اس حرکت سے منع فرما رہا ہے، فوراً ٹھنڈا ہو جائے اور سرِ اطاعت خم کر دے، اس سے انشاء اللہ العزیز بہت کامیابی ہوگی ـــــ نیز راقم کا تجربہ ہے کہ غیر محرک غذا اور ڈاکٹر لوئی کوہنی (جرمنی) کے بتائے ہوئے طریقہ غسل[۵] سے مزاج کو بہت کچھ سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ ابتداءً مقابلۂ عادت میں ضرور مشکلات سامنے آتی ہیں۔ اگر کوئی ان مشکلات سے ہمت ہار دے، تو کامیابی ناممکن ہے، لیکن چند روزہ تحمل، صبر اور استقلال کے بعد ضرور فلاح حاصل ہوگی:

چند روزے جہد کن باقی بخند!

علاج میں ایک اور نسخے کا اضافہ کر لینا چاہیے، یعنی انسان اپنے دل میں عہد کرے کہ جب بھی مجھ سے غصہ سرزد ہوگا، میں اپنے نفس پر فلاں تاوان لگاؤں گا، مثلاً روزہ رکھنا یا کسی کو روٹی، پیسہ وغیرہ دینا یا ایک مقررہ تعداد میں نفل ادا کرنا، اس سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے اور انسان غافل نہیں ہونے پاتا، نیز ہر روز سوتے وقت یاد کرنا چاہیے کہ آج دن بھر کتنی دفعہ غصہ آیا؛ اس تعداد کو روز بروز گھٹانے کی کوشش کرنی چاہیے مذکورہ طریقے دوسرے اخلاقی نقائص میں بھی مفید ثابت ہوئے ہیں۔ اخیر میں دو فقرے نقل کرتا ہوں، جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

"غصہ سے بڑھ کر انسان کا کوئی دشمن نہیں، کیوں کہ یہ اس کے چہرے کے تبسم اور دوسروں کی مسرت کو ہلاک کر دیتا ہے"

"بسا اوقات ایک لمحہ کا صبر ۱۰ سال کی راحت کا موجب ہوتا ہے"

---

[۵] اپنے شہر کے کسی ماہر سے پوچھیں یا راقم سے خط و کتابت کریں۔ جواب کے لیے ٹکٹ یا لفافہ ارسال کریں۔ (قرشی)

مدیر "نگار" سے

آپ کے دس سوالوں کے جواب سے پہلے چند باتیں بہ طور تمہید عرض کرتا ہوں۔ آپ کے اعتراضات کی بنیاد بہت کچھ عقیدۂ قدامتِ قرآن اور لوح محفوظ پر ہے، لیکن آپ یقیناً اس سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ لوح محفوظ کا مروجہ مفہوم زمانہ روایت کی ایجاد ہے، جس کو قرآن سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ باقی رہا عقیدۂ قدامتِ قرآن، تو اس کا وجود زمانہ نزولِ قرآن میں تو کجا زمانہ روایت میں بھی نظر نہیں آتا۔ پھر اس کمزور بنا پر کھڑی کی گئی عمارت کہاں تک پائے دار ہوسکتی ہے؟

آپ فرماتے ہیں "یہ رسولؐ کی عظمت کے منافی ہے کہ جو کچھ وہ کہے وہ خود اس کے دماغ کا نتیجہ نہ ہو"...... "رسولؐ کی عظمت کا اقتضا یہی ہے کہ قرآن کو اُسی کا کلام سمجھا جائے"[1] "استعارتاً کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ کا قول گویا عین خدا کا ارشاد ہے"[2]

مجھے خوشی ہے کہ آپ قرآن مجید کو قابلِ استناد سمجھتے ہیں اور اپنے مضامین میں جا بہ جا آیات قرآنی سے استشہاد فرماتے ہیں۔ مَیں بھی صرف قرآن سے استمداد کروں گا۔ سورۂ مدثر میں ارشاد ہے: فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ۝ یعنی قرآن کو قولِ بشر کہنے والا جہنم واصل کیا جائے گا۔ پھر سورۂ معارج میں فرماتے ہیں: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۝ یعنی اگر پیغمبرؐ ایک قول بھی اپنی طرف سے گھڑ کر خدا کے نام سے پیش کرے، تو اس کی شاہ رگ کاٹ دی جائے۔ یہاں لفظ قول (جمع اقاویل) ہے، جو باتفاق اہلِ لغت مجموعہ ہے لفظ و معنی کا نہ کہ مجرد معنی[3] ـــــ اگر آپ کی تحقیق صحیح سمجھ لی جائے، تو کفارِ عرب کی رائے کی تردید کی کیوں ضرورت لاحق ہوئی؟ وہ بھی تو یہی کہتے تھے کہ اِکْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا، وغیرہ ذٰلک من الآیات، یعنی، یہ قرآن، محمدؐ کی اپنی تصنیف ہے۔

---

[1] "نگار" جولائی ۱۹۴۲ء ص ۶۴ و ۶۵۔ [2] "نگار" اگست ۱۹۴۲ء ص ۶۲۔ [3] بلکہ اس میں لفظیت معنویت پر غالب ہے۔

پھر یہ جو ہر صفحہ اور ہر سطر میں خداوند تعالیٰ بحیثیتِ متکلم جلوہ گر نظر آتے ہیں اور بار بار انّا، نحن، جعلنا، خلقنا، قلنا وغیرہ کہا گیا ہے اور مخاطب، محمدؐ یا دوسرے انبیاء و رسل ہ ظاہر کیے گئے ہیں، اس کا کیا مطلب سمجھا جائے؟

آپ فرماتے ہیں "وحی والہام کا لفظ کلام مجید میں ہر جگہ فطری ذہانت وافتاد، یا طبعی صلاحیت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے[۱]"۔ —— میں عرض کرتا ہوں کہ "نگار" اور "صدق" کے مضامین کو بھی کیوں نہ کلام اللہ تسلیم کر لیا جائے؟ یہ بھی تو آپ کی اور مولوی عبدالماجد صاحب کی "فطری ذہانت وافتاد اور طبعی صلاحیت" کا نتیجہ ہیں۔ تمام شاعروں کے دیوان اور تمام مصنفوں کی تصنیفیں بے تکلف کلام اللہ کیوں نہ مان لی جائیں؟ اس میں قرآن کو کیا امتیاز رہا؟ اور وہ تحدّی کہاں گئی کہ اس کی مثال بنانے سے جن وانس قاصر ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید میں لفظ وحی والہام بہت وسیع معنی میں مستعمل ہوا ہے، لیکن وسیع معنی میں مستعمل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اظہار خصوصیت کے بعد بھی اس کو خاص معنی میں نہ سمجھا جائے۔ آپ نے خود تسلیم فرمایا ہے کہ "الہام ووحی کا استعمال بُری باتوں کے لیے بھی کیا گیا ہے[۲]" یعنی، آپ وحی کے بُرے بھلے استعمال کے فرق کو تسلیم فرماتے ہیں۔ شیطانی وحی، نحل کی وحی اور ام موسیٰؑ کی وحی میں یقیناً فرق ہے۔ پھر خدا کی وحی اپنے منتخب بندے کی طرف تمام عالمِ انسانی کی دائمی ہدایت کے لیے، کیوں نہ ان تمام وحیوں سے ممتاز سمجھی جائے؟ چنانچہ یہ حقیقت بھی خود قرآن مجید نے کھول دی ہے: فَإِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا[۳] (جن) —— لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ[۴] ۝ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کے عوارضِ بشریہ پر غیر مرئی پہرے بٹھا دینے کے بعد قرآنی وحی نازل ہوتی تھی، یعنی، اس میں بشری جذبات اور حالات سے متاثر ہونے والی بشری عقل کا قطعاً دخل نہیں۔

---

[۱] "نگار" اگست ۱۹۴۲ء ص ۶۳ [۲] "نگار" جولائی ۱۹۴۲ء ص ۶۲

[۳] ترجمہ: اور اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔

[۴] ترجمہ: باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

قرآن کو کلام اللہ مان لینے سے آپ کو یہ خطرہ درپیش ہے کہ" رسول کو شخص ایک ایسے پیغام بر کی حیثیت دینا جو خود کوئی عقل یا ارادہ نہ رکھتا ہو، جسے خود کچھ کہنے سُننے کا اختیار نہ ہو، ایک ڈاکیے کی سی حیثیت دے دینا ہے اور اس کی انسانی حیثیت کو عام سطح سے بھی نیچے گرا دینا ہے[1]۔ شاید آپ نے غور نہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنین و صلحا کی طرح محلِ ابتلاء و سوال میں تھے، جس پر بہت سی آیات شاہد ہیں۔ آپ اوامر و نواہی کے پہلے مکلف تھے۔ وقت و حالات کے مطابق فصلِ خصومات، تنبیہ اسباب، تدبیر مملکت وغیرہ آپ کے ذمّے تھے، یعنی آپ کی بشری عقل کے ذمّے۔ جس میں دوسرے نیک حکّام کی طرح آپ سے خطا و ثواب دونوں کا صدور ممکن ہوتا تھا۔ ساڑھے تیرہ سو سال میں مسلمانوں میں ایک فرقہ یا ایک شخص بھی ایسا پیدا نہیں ہوا، جو رسول اللہ کو عقل و ارادہ سے خالی سمجھتا ہو۔ پھر آپ کس کی اصلاح کے لیے ایک عالم گیر مسئلہ کو چھوڑ کر نئی راہ اختیار کر رہے ہیں: جس کو مان کر نہ رسالت رسالت رہتی ہے اور نہ الوہیت، الوہیت؟

بعض علماء جس لہجے میں آپ کو خطاب کر رہے ہیں، یہ لہجہ یقیناً قرآنی تعلیم کے منافی ہے، لیکن آپ کو بھی اتنا بڑا اختلاف شائع کرنے سے پہلے مخلص علماء سے گفت و گو و تبادلۂ خیال کر لینا ضروری تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی تحریر بے اثر نہیں ہوتی۔ اس صورت میں اگر آپ غلطی میں مبتلا ہوئے (جو کہ محال نہیں)، تو آپ کے ساتھ کتنے اور شخص غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے اور اس کی حقیقی ذمّہ داری آپ کی تنہا ذات پر ہوگی۔ واعاذنا اللہ منہا:

آہستہ خرام بلکہ مخرام!
زیرِ قدمت ہزار جانست

میری گذارشات پر آپ یا آپ کے کوئی ہم خیال صاحب اظہارِ خیال فرمائیں گے، تو میں شکریے کے ساتھ اس کو "البیان" میں شائع کروں گا اور تسلیمِ حقیقت میں درنگ نہیں کروں گا۔ ان شاء اللہ۔ آپ میری تحریر کو "نگار" میں شائع کریں یا نہ کریں، آپ کو اختیار ہے۔

ایک بات اور یاد آگئی، ذرا اس کی تشریح فرمائیں، کیا فطری "ودیعت و ذہانت" کے

---

[1] نگار جولائی ۴۰ء

بل پر ایسی پیش گوئیاں کرنا ممکن ہے، جو وحی کے نام سے پیش کی گئی ہیں اور پوری ہو کر رہیں، مثلاً ام موسیٰؑ کو وحی ہوتی ہے کہ چند دن کے شیر خوار بچے کو دریا میں ڈال دے، ہم ضرور اُسے بچائیں گے اور پھر تیرے پاس لائیں گے۔ یہ وحی ہے اور ساتھ ہی اس کے پورا ہونے کا یقین ڈال دیا جاتا ہے، یا مثلاً "غُلِبَتِ الروم" والی پیش گوئی، یا پوری قوم کے مقابلے میں ایک بے کس اور بے سروسامان شخصؐ کے عروج و اعتلا کی پیش گوئی اور ایسی ہی بہت سی پیش گوئیاں؟

پھر اگر یہ فطری ذہانت تھی، تو معلوم ہوا کہ اختیاری چیز تھی۔ پھر اس کے رُک جانے سے پیغمبر کی پریشانی کیا معنی رکھتی ہے؟ اور مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی[1] اور وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی کا کیا مطلب ہے؟ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ) ــــــ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ[2] (القیٰمۃ) کی کیا توجیہ ہے؟

اب آپ کے دس سوالوں کا جواب اختصار و جامعیت کو مدنظر رکھ کر عرض کرتا ہوں:

س ۱۔ قرآن مجید کو خدا نے پیدا کیا ہے یا خدا کے ساتھ وہ بھی از خود وجود میں آیا ہے؟ دوسری صورت فرض کرنا ممکن نہیں، کیوں کہ اس طرح قرآن کو بھی خدا کی طرح قدیم ماننا پڑے گا، حالاں کہ قدیم ذات صرف خدا کی ہے اور اگر اول صورت مانی جائے، تو قرآن کو "شے مخلوق" ماننا پڑے گا، لیکن "شے" کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ "کل شیئٍ ھالك الا وجھہ" اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ قرآن فنا ہو جانے والی چیز ہے اور اس لیے وہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔

ج۔ قرآن مجید کو خدا نے پیدا کیا ہے: جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (الزخرف)، ہلاک کے معنی خواہ مخواہ عدم محض ہی کیوں لیے جائیں؟ الھلاك علی ثلاثۃ کقولہ، افتقاد الشیٔ عنك وھو عند غیرك موجود کقولہ تعالیٰ ھلك عنی سلطانیہ وھلاك الشیٔ باستحالۃ و فساد کقولہ یھلك الحرث والنسل، ویقال ھلك الطعام الخ (راغب) قرآن مجید تو انسان کے منہ سے نکلے ہوئے لفظ کی فنا کا بھی قائل نہیں، چہ جائے کہ الفاظ خداوندی مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ[3] اور متعدد آیات اس پر بصراحت دلالت کر رہی ہیں۔ کیا آپ غور نہیں فرماتے، تاریخ کے ...

[1] (اے محمدؐ) تمھارے پروردگار نے نہ تو تمھیں چھوڑا اور نہ (تم سے) ناراض ہوا۔ (ضحیٰ ۳)

[2] اس کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔

ترین عہد میں، دنیائے علم و تہذیب سے بعید ترین گوشے میں ایک اَن پڑھ شخص (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لبِ مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں اور آج علم و تجربہ کی ترقیاں مشرق و مغرب کے کونے کونے میں پکار پکار کر اس کی تصدیق کر رہی ہیں۔ کیا فاطر السمٰوات والارض کے سوا کسی میں طاقت ہے کہ ایک حقیقت مبرہن کو اس کے عالم آشکار ہونے سے ۱۳ صدیاں پہلے ایسے بلیغ الفاظ میں بیان کر دے کہ ہر زمانے کے لوگ اس پر مطمئن ہوتے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ آفتاب بن کر سامنے آجائے؟ اور یہ آپ نے کیا کہا، فنا ہوجانے والی چیز، خدا کا کلام نہیں ہوسکتا؟ کیا آپ کے اس اصول سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہوگا: فنا ہوجانے والے حیوان، نبات، جماد وغیرہ خدا کی مخلوق نہیں ہوسکتے[۵]؟

س ۲: "اگر قرآن شریف نام ہے اُن الفاظ یا حروف کا، جو کاغذ پر منقوش ہوتے ہیں، جو پریس کے ذریعے چھاپے جاتے ہیں اور جو انسان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، تو کلام مجید کا ہر نسخہ کلامِ خداوندی ہے اور جو نسخہ ان میں سے ضائع ہو جائے، اس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ خدا کا کلام ضائع ہوگیا۔"

ج۔ نیاز ایسے ہوش مند انسان کے قلم سے یہ اعتراض دیکھ کر ـــ سلامت قلب و دماغ کا تُو کرنے کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟ بہرحال ایک محقق کے لیے اس اشکال کا حل جواب اول میں موجود ہے۔

س ۳: "اگر قرآن پاک خدا کا کلام ہے، تو اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو اس کو خدا کی عین ذات تصور کیا جائے یا صفاتِ خداوندی میں شامل کیا جائے۔ قرآن کو خدا کی عین ذات نہیں کہ سکتے، یعنی، ہم یہ نہیں کہ سکتے کہ قرآن خدا ہے اور خدا قرآن ہے، اس لیے لامحالہ اسے "صفت ربانی" ماننا پڑے گا، لیکن چوں کہ خدا کی ہر صفت اس کی ذات سے جدا نہیں ہے، اس لیے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ الفاظ یعنی عربی زبان بھی خدا کی طرح قدیم ہے۔"

ج۔ نہیں صاحب، صفت اور نتیجہ صفت میں فرق فرمائیے۔ مکتوب، کاتب اور کتابت

---

[۵] حالاں کہ معدومیت یہاں بھی مراد نہیں۔

پر غور کریں۔ کتابت، کاتب کی صفت اور داخل کاتب ہے۔ مکتوب داخل کاتب نہیں، وہ تو صفتِ کتابت کا فعلی نتیجہ ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی صفت یا قوتِ تکلم اور الفاظ کلام کو سمجھ لیجیے۔

س ۴:۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ "نطق خداوندی" ہے، جو جبرئیل کے ذریعہ سے آں حضرت تک پہنچایا گیا تھا، تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ رسول اللہ نے بھی اسی طرح اس کو نطق کیا تھا، جس طرح خدا نے کیا تھا، بلکہ ہم لوگ سب اسی طرح اس کو ادا کرتے ہیں، جس طرح خدا نے ادا کیا تھا اور اس طرح گویا رسول اللہ اور ہم سب اس صفت میں خدا کے مماثل قرار پائیں گے، جو بالکل محال ہے؟

ج۔ خدا تعالیٰ "موجود ہے"۔ زید بھی "موجود ہے"۔ کیا صفت موجودیت میں زید خدا تعالے کا مماثل قرار پائے گا؟ قرآن مجید میں کئی ایک صفات سمع و بصر وغیرہ انسان اور خدا میں بظاہر الفاظ مشترک فرمائی گئی ہیں، جن پہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس سمع اور اس سمع کے فرق کو آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

س ۵۔ قرآن شریف جس سلسلہ سے نازل ہوا تھا، وہ موجودہ ترتیب سے بالکل مختلف ہے، اس لیے وہ قرآن جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، اس قرآن سے بلحاظِ ترتیب مختلف ہے، جو لوحِ محفوظ میں پایا جاتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ اصل قرآن میں تغیر پیدا ہوا اور ہر تغیر پذیر چیز حادث ہے، حالاں کہ خدا کی طرح اس کے کلام کو بھی غیر فانی ہونا چاہیے؟

ج۔ الفاظ کے حدوث میں آپ راستی پر ہیں۔ خود قرآن مجید اپنے آپ کو بارہا محدث و تحدیث وغیرہ الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔

س ۶۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف نجماً نجماً نازل ہوا ہے، یعنی، اس کی ہر آیت خاص وقت اور خاص حالات میں جناب رسالت مآبؐ پر نازل ہوئی ہے، جس کو اصطلاح میں "شانِ نزول" کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک وہ خاص وقت نہ آیا تھا، وہ آیت بھی موجود نہ تھی، اس لیے یہ کہنا کہ پورا قرآن لوحِ محفوظ میں ازل سے

درج تھا، بے معنی ہو جاتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ خدا کو معلوم تھا کہ فلاں وقت فلاں واقعہ پیش آئے گا اور اسی علم کی بنا پر پہلے ہی سے تمام آیات لوحِ محفوظ میں لکھ لی گئی تھیں، تو پھر ان واقعات وحالات کے متعلق کیا کہا جائے گا، جو کلام مجید میں اس انداز سے بیان کیے گئے ہیں، گویا وہ قرآن کے وجود میں آنے سے پہلے ہو چکے ہیں"۔

ج۔ آپ کا یہ اعتراض غیر قرآنی روایتی عقیدہ کی بنا پر ہے، جو عند القرآن مسلّم نہیں۔

س ۷: "اگر قرآن مجید پہلے سے لوح محفوظ میں موجود تھا، تو پھر اُن آیات کے متعلق کیا کہا جائے گا، جو لفظِ قُلْ سے شروع ہوتی ہیں، یعنی جن میں رسول اللہ سے خطاب کرکے کہا جاتا ہے کہ "ایسا کہو"، درآں حالیکہ اُس وقت رسول اللہ کی ذات دنیا میں موجود نہ تھی۔ اسی طرح اُن دعاؤں کی کیا تاویل کی جائے گی، جن کی تعلیم رسول اللہ کو دی گئی ہے۔ کیا رسول اللہ کی پیدائش سے قبل یہ تمام دعائیں مرتب کرلی گئی تھیں اور اس کی کیا ضرورت تھی؟"

ج۔ مذکورۃ الصدر بیان کی روشنی میں یہ اعتراض بے جا ہے۔

س ۸: "اگر قرآن مجید خدا کا کلام ہے، تو پھر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ خود اپنے نام سے قرآن مجید کو شروع کرتا ہے اور خود اپنی ہی ذات سے خطاب کرتا ہے، جو بالکل بے معنی سی بات ہے۔

سورۂ فاتحہ میں الحمد للہ سے لے کر مالک یوم الدین تک دعا کا انداز ایسا ہے، گویا مخاطب سامنے نہیں اور پھر دفعۃً "ایاک نعبد" سے اندازِ تخاطب بدل جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو حاضر مان کر خطاب کیا جا رہا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دونوں ٹکڑے علیحدہ علیحدہ دو مختلف موقعوں پر رسول اللہ کی زبان سے نکلے تھے۔ اگر سورۂ فاتحہ پہلے سے لوحِ محفوظ میں منقوش ہوتی، تو اس کا اندازِ تخاطب یہ نہ ہوتا"

ج۔ اگر خدا کا کوئی دوسرا خدا ہوتا، جو اس سے زیادہ با برکت اور اوّلیت کا اہل ہوتا، تو آپ کا مطالبہ پورا کیا جا سکتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ "خود اپنی ذات سے خطاب کرتا ہے" میں پوچھتا ہوں، کہاں؟ یہ

بھی یاد رہے کہ سارا قرآن انسانوں کے لیے تعلیم ہے ــــــ بلاتشبیہ قصائد میں مدح التجا پر مقدم ہوتی ہے، یعنی، شاعر پہلے مخاطب کی مدح پر زورِ طبیعت صرف کرتا ہے۔ اس میں غائب وحاضر کی قید نہیں ہوتی۔ پھر بہ طریقِ التفات خطاب کر کے اظہارِ مدعا کیا جاتا ہے۔ یہی انداز اس سورت میں[ا] ملحوظ رکھا گیا ہے۔ تعجب ہے، کہ آپ ایسے "دیانند یانہ" اعتراض کرتے ہیں، جو ایک ماہر اسالیب کلام کو زیب نہیں دیتے۔ لوحِ محفوظ اور کتاب مکنون صحیفۂ فطرت ہے۔ اس کے ہر ہر ذرہ کی محفوظیت اور اس کے اسرار کی مکنونیت[۲] میں کسی مذہبی بلکہ دہری تک کو بھی کلام نہیں۔ قرآن مطابق فطرت ہے، لہٰذا اس کے بیان کردہ حقائق توحید، اعمال قانونِ جزا وغیرہ صحیفۂ فطرت میں موجود ہیں۔ حقائق خدا کے ساتھ قدیم اور زمان ومکان کی قید سے آزاد ہوتے ہیں اور اس سے خدا کی وحدت فی القِدم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مسلماتِ ریاضی کی ابدیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

س ۹۔ قرآن شریف میں بہ کثرت ایسے واقعات اور ایسی شخصیتوں کا ذکر پایا جاتا ہے، جن کا تعلق بالکل عہدِ نبوی سے ہے، مثلاً ابولہب یا کفارِ مکہ اور ان کے اصنام وغیرہ۔ پھر اگر قرآن مجید ازل سے یا خلقِ عالم کے وقت لوح محفوظ میں منقوش تھا (جیسا کہ عام عقیدہ ہے) تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ سب کچھ بہ صورتِ مقدرات طے ہو چکا تھا اور قرآن مجید کی حیثیت ایک ایسی تاریخی کتاب کی ہو جاتی ہے، جس میں واقعات کے ظہور سے پہلے صرف ان کے وقوع کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ دراں حالیکہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے"

ج۔ اس کا جواب ہو چکا۔

س ۱۰۔ خدا کو سمیع وبصیر بھی کہتے ہیں، لیکن اس کی سماعت وبصارت، کان اور آنکھ کی محتاج نہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جب اس کی صفت نطق کا ذکر کیا جائے، تو اس سے مراد وہ "نطق" ہو، جو الفاظ کا محتاج ہے۔ جس طرح اس کو سننے اور دیکھنے کے لیے کان اور آنکھ کی ضرورت نہیں، اسی طرح کلام کے لیے زبان یا الفاظ سے اسے بے نیاز ہونا چاہیے

[ا] اس میں حکمت ہے کہ انسان اپنے نفس میں پہلے سے یقین پیدا کرلے کہ میں جس کے سامنے اپنی التجا پیش کر رہا ہوں، وہ کامل مطلق اور تمام صفاتِ حسنے سے متصف ہے۔ [۲] پوشیدگی۔

اور اس صورت میں الفاظِ قرآنی کو "خدا کا کلام" کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ وہ زبان و الفاظ کا محتاج ہے"

ج - یہ بھی لفظی اُلٹ پھیر ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ وہ تو ہمیں روشنی پہنچانے میں سورج کا محتاج ہے۔ ہماری پیاس بجھانے میں پانی کا محتاج ہے وقس علیٰ ہذا۔ ٹھیک اسی طرح ہماری رہنمائی میں الفاظ کا محتاج ہے۔ حضرت! یہ عالمِ اسباب ہے، وہ خالقِ اسباب و مخدومِ اسباب ہے۔ وحی کی القائی کیفیت تزکیۂ نفس سے پیدا ہوتی ہے۔ ہر وہ چیز جس کا ہمیں علم نہ ہو، اس کا انکار کر دینا ہمارے کھلے ہوئے جہل کی دلیل ہے۔ ہمیں اس کی دریافت کے وہ ذرائع اختیار کرنے چاہییں، جو اُس کے ماہروں نے مقرر کیے ہیں۔

آخری عرض یہ ہے کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق ایک خدا چاہتے ہیں، جو آپ کے قائم کردہ معیار پر پورا ترے، تو خدا، ورنہ خدائی سے معزول کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہی مطالبہ ہر شخص کرنے لگے۔ تو نتیجہ کیا ہو؟ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ[1] ۲۳/۷۱

آپ کی معلومات کے اعتماد پر یہ مختصر اشارات لکھ دیے گئے ہیں۔ حسبِ ضرورت ہر ایک کو مفصل و مدلل کیا جا سکتا ہے، وباللہ التوفیق۔ (عرشی)

---

[1] ترجمہ: اگر (خدائے) برحق اُن کی خواہش پر چلے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن میں ہے، سب درہم برہم ہو جائیں۔

بیان

مال

(جناب خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر، بی اے)

امام راغبؒ "مفردات" میں "میل" کے تحت لکھتے ہیں: "المال سمی بذلک لکونہ مائلاً ابداً وزائلاً ولذلک سمی عرضاً" یہ تعریف ایک حد تک صحیح تو ہے، لیکن ہر ایک شے جو مال سے موسوم ہے، اس کی ذیل میں نہیں آتی اور بعض ایسی اشیاء بھی اس کے تحت آجاتی ہیں، جو مال نہیں۔ میری رائے میں "جو کچھ میرا ہے" یا "جو کچھ میرے لیے ہے" مال سے موسوم ہوتا ہے۔ ایسی شے جس پر اختیار اور جس میں حق تصرف ہو "مال" ہے۔

قرآن عظیم میں لفظ "عرض" بھی "مال" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے:

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ الخ (۹/۴۲)	اگر مال ایسا ہوتا، جو قریب ہی دست یاب ہو جاتا اور سفر کے لیے کہیں دُور جانا پڑتا، تو تیرا اتباع کرتے۔
تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (۸/۶۷)	تم ادنے زندگی کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمھارے لیے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔
يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْأَدْنٰى (۷/۱۶۹)	وہ اس ادنے زندگی کا مال لیتے ہیں۔
تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (۴/۹۴)	تم ادنے زندگی کا مال چاہتے ہو۔

"عرض" کا معنی مال اچھے مفہوم میں نہیں آتا۔ "ادنیٰ" وہ شے ہے، جو قریب ہو اور اس لیے بسہولت ہاتھ آئے۔ جتنی دُور کوئی شے ہوگی، اتنی ہی جدوجہد کے بعد دست یاب ہوگی، اس لیے ہر ایک شے کی قدر و قیمت انسانی محنت و مشقت کی نسبت سے ہوتی ہے۔ "ادنیٰ" حقیر اور کم تر قیمت کی شے ہے۔ "آخرت" "خیر" و "ابقیٰ" ہے۔ بہتر شے ہی کے لیے بقا ہے اور یہ مسئلہ ارتقاء کا اصل الاصول ہے: "کلا بل تحبون العاجلة و تذرون الآخرة" [illegible] بات یہ ہے کہ انسان کوتہ اندیشی سے ایسی شے کو لینا چاہتا ہے، جو قریب ہو، تاکہ جلدی ہاتھ آئے۔ جو شے دُور ہو اور دیر سے ملے، اس کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے اور انسان محنت سے جی چُراتا ہے۔ "عرض" ایسا مال ہے، جو آنکھوں کے سامنے، یعنی قریب

ہو، اس کے لیے ادنیٰ شے ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ جو شے سطحی مشاہدے سے محسوس ہوتی ہے، وہ عارضی اور فانی ہے، اس لیے اس پر فریفتہ نہ ہونا چاہیے۔ حقیقت پس پردہ غیب ہے، اس کے لیے سعی کرنی چاہیے، اصل شے وہی ہے۔

ابتدا میں اور بعض مقامات اور اقوام میں اب بھی "اولاد" مال کی تعریف میں داخل ہے اور "زن" اور "زر" میں اکثر لوگ تھوڑا ہی فرق سمجھتے ہیں۔ مال اور اولاد کا ذکر اکثر آیاتِ قرآن میں ہے اور دونوں فتنہ ہیں: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (۶۴/۱۵)

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دو چیزیں ہیں، جو اس دُنیوی زندگی میں فتنہ آرائی کا موجب ہیں۔ اکثر لوگوں کو مال کی محبت اولاد سے بڑھ کر ہوتی ہے اور بعض لوگ کچھ ایسے نفس پرست واقع ہوتے ہیں کہ اولاد مال کے عوض بیچ ڈالتے ہیں یا موت[1] کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں کہ رزق میں کشائش ہو یا کمی واقع نہ ہو۔ غرض مال اولاد سے بڑھ کر فتنہ ہے۔ بحر و بر میں حرب کا بازار گرم ہے، تو مال کے لیے اور والدین اپنی اولاد کو جنگ کے دیوتا کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، تو اس کے لیے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مال کا ذکر اولاد پر مقدم ہے۔

علم الاقتصاد کا موضوع یہی مال ہے۔ یہ ایسا اہم اور ادق مسئلہ ہے کہ قدیم الایام سے حکماء اقتصادی گتھی کو سلجھانے کی بے سود کوشش کرتے رہے، مگر یہ عقدہ حل نہ ہوا، جس کی وجہ یہ ہے کہ حکماء کا نظریہ "من دون اللہ" ہے اور یہ بنیادی غلطی ان کے نظریہ کی ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ کہ قرآن کی ایک سورت کی مثل جن و انس کی متفقہ کوشش "من دون اللہ" نہیں بنا سکتی، آج بھی ایسا ہی صحیح ہے، جیسا اس وقت تھا، جب اس کا نزول آں حضرتؐ کے قلب مبارک پر ہوا۔ اس مسئلہ کا صحیح حل قرآن اور صرف قرآن فرماتا ہے اور اب بھی اگر عالم انسانی اللہ کی طرف رجوع کرے، تو صراطِ مستقیم پہ گام زن ہو سکتا ہے اور یہ فساد جو بحر و بر میں برپا ہو رہا ہے، یک قلم موقوف ہو جائے اور عالم گیر امن و ترقی اور فلاح و بہبود کا دَور دَورہ ہو، جس کی طرف قرآن رہ نمائی کر رہا ہے۔

صحیفۂ فطرت جو ازمنۂ تاریک میں سربہ مُہر کتاب تھی، قرآن اس کا بیان اور تفصیل ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ نزولِ قرآن کے بعد عالمِ انسانی کی توجہ اس کتاب مقدس کی طرف ہوئی، جس کا

[1] وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (۱۷/۳۱) | اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کرو۔

مصنف اللہ تعالےٰ ہے اور "تصنیف را مصنف نیکو کند بیان"۔ حکماء فطرت اور اس کے عمل کو تسلیم تو کرتے ہیں، لیکن مصنف کی نسبت لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ قوانین کو مانتے ہیں، لیکن واضع قوانین کا یا تو سرے سے انکار کرتے ہیں یا "لا ادریۃ" کے ترانہ سنج ہیں۔ اس نظریہ پر مفصل بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، لیکن چوں کہ اس کا تعلق بالواسطہ ہمارے موضوع سے ہے۔ اس لیے اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ فطرت واحد معیار صداقت ہے، لیکن اس کی حیثیت قانون سے بڑھ کر نہیں، خواہ یہ قانون کبھی تبدیل و تحویل نہیں ہوتا۔ لیکن مقدم اس کا صحیح علم ہے، جو دو طرح سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک تو تذکیر و عبرت اور تدبر و تفکر سے یعنی عقلاً اور دوسرے بذریعہ تزکیہ نفس۔ عقل بمنزلہ عصاء ہے، جس سے بہ قول حضرت موسیٰؑ دنیا کے بہت سے کام نکلتے ہیں، لیکن یہ اندھوں کا سہارا ہے، جسے خدا نے چشم بصیرت عطا فرمائی ہے؛ وہ آفتاب کو آفتاب کی روشنی میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے کسی عقلی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ امر تزکیۂ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ اس موضوع پر مزید بحث مناسب مقام پر کی جائے گی۔ قرآن دونوں طریقے واضح کرتا ہے:

قرآن واضح فرماتا ہے کہ کسی شے کا مالک اس شے کا خالق اور پروردگار ہوتا ہے اور وہی "امر" کا حق بھی رکھتا ہے[۵۲]۔ "امر" کا ترجمہ عموماً حکم کیا جاتا ہے، لیکن "امر" کا مفہوم وسیع تر ہے، جس کے تحت حکم بھی آجاتا ہے۔ "امر" کا ابتدائی مفہوم مقصد یا غرض و غایت ہے۔ کسی شے کا خالق اس شے کو کسی مقصد کے لیے پیدا کرتا ہے، اگر مقصد نہ ہو۔ تو اس شے کی پیدائش باطل اور عبث ہوگی[۵۳] اور اگر

---

۵۱ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (پ۲۱)	(ترجمہ) اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی بنائی ہوئی فطرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے؛
۵۲ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ	(ترجمہ) دیکھو! سب خلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے۔ خدائے رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔
۵۳ وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ (پ۱۷)	(ترجمہ) اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان کے درمیان ہے لہو و لعب کے لیے پیدا نہیں کیا۔
وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ (پ۲۵)	اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان کے درمیان ہے، اس کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

کوئی مقصد ہو، تو اس شے کو پورا کرنا چاہیئے اور اگر یہ شے اس مقصد کو پورا نہ کر سکے، تو اس کی پیدائش عبث ہوگی اور اگر مقصد ادھورا رکھے، تو اس کی خلقت ناقص ہوگی اور اس شے کے خالق کی قدرت کامل نہ ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایک شے، جو چاہے پیدا کر سکتا ہے اور یہ کہ جو "امر" مقرر کر دے، وہ شے پورا کر رہی ہے اور اس شے کی مجال نہیں کہ پورا نہ کرے۔ کائنات میں ہر ایک شے اپنی ساخت اور خواص و حقایق سے اپنی پیدائش کے مقاصد و اغراض کو واضح کر رہی ہے[1]۔ اور ہمیں ان کا اتنا ہی علم ہے، جتنا مشاہدے میں آچکا ہے اور روزانہ علمی انکشافات سے واضح ہوتا ہے کہ ہمیں نہایت قلیل علم ہے۔ یہ علم خواہ قلیل ہی ہو۔ اس امر کی بیّن شہادت ہے کہ ہر ایک شے اپنی پیدائش میں کسی مقصد کی حامل ہے اور اگر یہ نہ ہو، تو ہمارے تمام علوم و فنون جو صحیفہ فطرت سے ہی اخذ کیے گئے ہیں، عبث اور باطل ٹھیرتے ہیں۔ اشیاء میں خواص و حقایق اور اغراض و مقاصد ہمارے مقرر کردہ نہیں ہیں۔ عدم تدبر کی وجہ سے ہم اتنا ہی کہ کر اطمینان حاصل کر لیتے ہیں کہ یہ طبعی یا فطری خواص ہیں۔

کسی مقصد کا بروئے کار لانا بھی "امر" کے مفہوم میں داخل ہے[2]۔ اس مفہوم کا اظہار ہر ایک

---

[1] وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ۝ (۱۰۵/۱۲)

(ترجمہ) اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں، جن پر یہ گذرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے، مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔

[2] اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝ (۳۲-۳۴/۱۴)

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ برسایا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کیے اور کشتیوں اور جہازوں کو تمہارے زیرِ فرمان کیا، تاکہ دریا اور سمندر میں اس کے امر سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیرِ فرمان کیا اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تم کو عنایت کیا اور اگر خدا کے احسان گننے لگو، تو شمار نہ کر سکو (مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۳/۴۵)

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کو اپنے امر سے تمہارے کام میں لگا دیا۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے اس میں (خدا کی) قدرت کی نشانیاں ہیں۔

شے کر رہی ہے۔ کائنات میں اشیاء کی پیدائش کا مقصد ان تعلقات سے واضح تر ہوتا ہے، جو ایک شے کو دوسری سے اور دونوں کو تیسری سے اور علیٰ ہذا القیاس سب کو ایک پختہ نظام میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا اور سمندر پر ایک خفیف لہر بھی خود بہ خود پیدا نہیں ہوتی، جب تک کائنات کی کُل اشیاء مل کر کام نہ کریں۔ یہ حکیمانہ ربط و ضبط جو نظامِ عالم میں مشاہدہ ہو رہا ہے، اسی امر کا شاہد ہے، جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ قانونِ "قدرت" کے تحت پانی دو قسم کی ہواؤں سے خاص تناسب کے ساتھ بنتا ہے۔ شمسی حرارت سے پانی بخارات بن کر اُڑتا ہے اور بادلوں کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر ہواؤں کی لہریں فضا میں بادلوں کو لیے پھرتی ہیں، یہ عمل بھی بے معنی نہیں۔ آخر بادل زمین پر برستے ہیں اور مُردہ زمین پر نباتاتی زندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ سمندر جو ازمنہ تاریک میں سدِ راہ سمجھے جاتے تھے، علم و حکمت نے انھیں شارع تجارت بنا دیا، جو عالم انسانی کے اتحاد کا ایک سبب ہے۔ غرض کسی ایک مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے کئی مختلف اشیاء کا عمل بہ حیثیتِ مجموعی کام کرتا ہے۔ ان اشیاء کو ایسی کیا پڑی ہے کہ باوجود اختلاف و اضداد مقررہ مقصد پورا کر رہی ہیں؟ جہاں تک انسان کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ ان آیات کا مشاہدہ ہمیں بے فائدہ نہیں کراتا اور اہل علم و نظر اس مشاہدہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اسی سے انسانی ترقی وابستہ ہے۔

المختصر "مال" اُس کا ہے، جو اُس کا خالق اور پروردگار ہے[1] اور اس میں تصرف کا حق بھی اُسی کا ہے۔ جس طرح چاہے کرے۔ اشیاء کا پیدا کرنا اور خاص اغراض کے لیے پیدا کرنا اور ان اشیاء میں ان اغراض کی تکمیل کی صلاحیت فطرۃً ودیعت کرنا، اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اس میں انسان کا دخل نہیں۔ اگر کچھ ہے، تو اتنا ہی ہے، جیسا کہ دیگر اشیاء کا باہمی تعاون سے ہے، یعنی، انسان بھی ایک آلہ کارِ فطرت ہے اور بس۔ فطرت اس سے بھی ایک کام لے رہی ہے، جس طرح دیگر اشیاء سے، اس لیے انسان خواہ کرۂ ارض پر خاص امتیازی خوبیوں کی وجہ سے کیسی ہی ممتاز ہستی ہو (اور یہ امتیاز بھی مدارج ہی میں ہے) "عبد"[2] سے بڑھ کر کچھ اَور نہیں ہے اور "عبد" کی وہ حیثیت نہیں، جو مالک کی ہے۔ مالک جس طرح چاہے، اپنے مال میں تصرف کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اسے کوئی پوچھنے والا نہیں، لیکن "عبد"

[1] وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ | اور خدا نے جو مال تم کو بخشا ہے، اس میں سے ان کو بھی دو۔

[2] وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ | اور ہم نے جن و انس کو عبادات ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

سے باز پُرس[۵۱] ہوتی ہے، اس لیے مال کی صحیح تعریف انسان پر منطبق نہیں ہوتی۔

یہ ایک بنیادی غلطی ہے، جو حکماء کے نظریۂ مال میں ہے کہ وہ اس حقیقت کو نمایاں جگہ نہیں دیتے، بلکہ بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہی کچھ سمجھتے اور سمجھاتے ہیں کہ سب کچھ ہمارا ذاتی مال[۵۲] ہے اور ہم اس میں ذاتی تصرّف کرتے اور کر سکتے ہیں۔ اس نظریہ کا لازمی نتیجہ وُہی کچھ ہے۔ جو مشاہدہ ہو رہا ہے۔ غلامی کا بازار گرم ہے۔ قوی ضعیف کو یا تو بالکل تباہ کر رہا ہے یا اس کے ذرائع زندگی پر بہ زور قابض ہے۔ جو کچھ ان لوگوں کا انجام ہوتا رہا، آثارِ قدیمہ، تواریخ کے صفحات اور ان مسرفوں اور مجرموں و ظالموں کی ذلیل اولاد زندہ شہادت دے رہی ہے کہ جو کل حاکم تھے، آج محکوم، جو ظالم تھے اب مظلوم، جو غالب تھے اب مغلوب و مقہور و مغضوب ہیں۔ اگر مال ان کا اپنا ہوتا اور اس میں تصرّف کا حق بھی ذاتی خواہشات کے مطابق ہوتا، تو یہ باز پرس کیوں ہوتی؟ اور آخر پوچھنے والا بھی کوئی ہے، جو باز پُرس کر رہا ہے؛ لیکن حکماء کے نظریہ میں اس کا کچھ مذکور نہیں۔ وہ اس مصیبت اور عذاب کا رونا تو روتے ہیں، لیکن ان اسباب سے واقف نہیں یہ کوشش نہیں کرتے کہ تشخیص کریں، جو عذاب کا موجب ہیں۔ بعض حکماء نے ان خرابیوں کے سدِ باب کے لیے جو عالمِ انسانی میں مشاہدہ ہو رہی ہیں، "اشتراکیت[۵۳]" کا نظریہ پیش کیا ہے۔ یہ انقلابی تحریک ہے اور لازمی نتیجہ

---

۵۱ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ (۱۷/۲۳)

(ترجمہ) اور جو کام وہ کرتا ہے اُس کی پُرسش نہ ہوگی اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں، اس کی ان سے پُرسش ہوگی

۵۲ وَكَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝ (۴۴/۲۵-۲۹)

وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے، اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔ پھر ان پر نہ تو آسمان اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

۵۳ اشتراکیت کوئی نیا نظریہ نہیں، لیکن کارل مارکس نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ علم الاقتصاد پر مبنی ہے۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب راس المال (Das Kapital) میں حکماء متقدمین کے نظریہ کی غلطیاں واضح کی ہیں۔ اس نے مال کی تعریف صاف صاف لفظوں میں نہیں کی۔ وہ صاف لفظوں میں (باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ ہو)

اس ظلم[۱] کا ہے، جو سرمایہ دار روا رکھتے ہیں۔ ایسے انقلاب ہوتے رہیں گے، لیکن یہ نظریہ بھی چوں کہ من دون اللہ ہے، اس لیے اس نظریہ کی خرابیوں سے نتیجۃً ناکام یابی لازم ہے۔

علم الاقتصاد کے عالم یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ اشیاء ابتداءً فی الخارج موجود ہوتی ہیں اور یہ کہ ان کے خواص کسی نہ کسی طرح انسانی ضروریات اور خواہشات کو تسکین دیتے ہیں، خواہ یہ معدے سے یا دل و دماغ سے پیدا ہوں۔ لیکن ضروریات اور خواہشات کی نوعیت کی بحث کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ حکماء کی یہ دوسری بنیادی غلطی ہے۔ حقیقت میں ہماری ضروریات کی نوعیت اور خود ضروریات ایسی ہی قابلِ توجہ ہیں، جیسی خود اشیاء جو ہماری ضروریات کو پورا کرتی ہیں، جس طرح اشیاء فی الخارج ہماری پیدا کردہ نہیں، اسی طرح ہماری ضروریات، خواہ معدے سے پیدا ہوں یا دل و دماغ سے، ہماری پیدا کردہ نہیں ہیں۔ ان کا تعلق بھی اسی عالمِ امر سے ہے، جس پر مختصر بحث کی گئی ہے۔ ہماری ضروریات تقاضاء فطرت پر مبنی ہیں۔ اگر ان کا انحصار ہماری مرضی پر ہوتا، تو کون بے وقوف یہ خواہش کرتا کہ بھوکا اور پیاسا رہے اور ضروریاتِ زندگی کے لیے تمام کائنات چھان مارے؟ حکماء نہ تو مال کی صحیح تعریف کرتے ہیں اور نہ ضروریاتِ زندگی کی نوعیت کو قابلِ بحث سمجھتے ہیں، حالاں کہ اقتصادی گتھی کا صحیح حل ان ہی دو امور کے صحیح فہم پر منحصر ہے۔ ہماری ضروریات جن کا احساس ہمارے "معدے اور دل و دماغ" کو ہوتا ہے، فطری تحریک ہے، جو ہماری ذہنی قوتوں کو ان اشیاء کی طرف متوجہ کرتی ہیں، جو فی الحال پہلے ہی موجود ہیں اور جن سے ہمارے "معدہ اور دل و دماغ" کو فطرۃً تسکین ہوتی ہے۔ ذہنی قوتیں ان آلات سے کام لیتی ہیں، جو ہمیں فطرت نے عطا فرمائے ہیں، جن کی طاقت ہماری ذہنی قوت تدبر و تفکر سے ضرورۃً بڑھتی رہتی ہے۔ اشیاء مطلوبہ کے حصول کے لیے جو جد و جہد درکار ہے، وہ "انسانی سعی"[۲] سے تعبیر ہوئی

(بقیہ از صفحہ ۳۱) اس امر کا مقر ہے کہ وہ مادہ پرست ہے، لیکن نادانستہ وہ ایسی باتیں لکھتا ہے جو خدا پرست ہی سے ممکن ہیں۔ اس کی کتاب کو "مزدوروں کی بائبل" کا درجہ دیا گیا ہے۔ موجودہ اشتراکیت اور انقلابِ روس اسی پر مبنی ہے۔

[۱] وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۔ (۲۶/۲۲۷)	اور جلد ہی ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں۔
[۲] لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۵۳/۳۹)	انسان کو وہی ملتا ہے، جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

ہے، جس سے آفاق اور ذہن میں تعلق قائم رہتا ہے اور فطرۃ قائم ہے۔ نتیجہ واضح ہے کہ عالم انسانی کا ارتقاء ان ضروریات کی ترقی پر منحصر ہے، جو ہمارے معدہ اور دل و دماغ "کے احساسات فطریہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ معلم گمراہ کرتا ہے، جس کی یہ تعلیم ہو کہ ضروریات کو حتی الوسع کم کیا جائے۔ وہ مانع ارتقاء انسانی ہے۔ قرآن عظیم کا فتویٰ بالکل واضح ہے کہ کل کائنات اور کائنات کی ہر ایک شے انسانی فائدہ کے لیے مسخر ہو چکی ہے اور تقاضاء فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے اور بہ تدریج ترقی طبقاً عن طبق کرے۔ یہ کائنات خود مقصد[۵۱] انسانی نہیں ہے، بلکہ ذریعہ ہے مقصد اعلیٰ کے حصول کا۔ یہ غیر محدود ذرائع و وسائل جو کائنات میں پہلے ہی موجود ہیں اور بے فائدہ مشاہدہ نہیں ہوتے، انسانی ارتقاء کے ذرائع ہیں۔ جو قومیں غلطی سے ان کو مقصد بالذات سمجھتی رہیں اور ان کی پوجا دیوتا اور دیویاں سمجھ کر کرتی رہیں، وہ تباہ ہو کر رہیں اور ہو رہی ہیں۔

زندگی دو قسم کی ہے، جسے اصطلاح قرآن میں حیوٰۃ الدنیا اور حیوٰۃ الاخرہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حیوٰۃ الدنیا[۵۲]

---

۵۱ اِعْلَمُوْٓا اِنَّ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

(۵۷ / ۲۰-۲۱)

(ترجمہ) جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمہارے آپس میں فخر (و ستائش) اور مال اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (اور خواہش) ہے (اس کی مثال ایسی ہے) جیسے بارش (کہ اس سے فصل پیدا ہوتی ہے اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔ پھر وہ خوب زور پر آتی ہے، پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے، پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو متاع فریب ہے (اے لوگو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف) جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے ہیں، لپکو! یہ خدا کا فضل ہے جو اس کی خواہش کرے، اُسے عطا فرماتا ہے اور خدا بڑے فضل کا مالک ہے!

۵۲ (ملاحظہ ہو ص ۳۴)

ادنیٰ زندگی ہے۔ ادنیٰ وہ شے ہے، جو نزدیک ہو اور اس لیے آسانی سے ہاتھ آئے، جس کے لیے زیادہ جدوجہد کی ضرورت نہ ہو۔ جتنی کوئی شے دُور ہوگی، اتنی ہی محنت اس کے حصول کے لیے درکار ہے اور اس لیے اتنی ہی اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔ اس لیے ادنیٰ شے حقیر ہوتی ہے۔ یہ ادنیٰ زندگی کیا ہے؟ اس کی تعریف ہم "عرض" کے تحت کر چکے ہیں۔ یہ دو قسم کی اشیاء ہیں: ایک تو وہ جن کی ضرورت معدہ کی تسکین کے لیے ہے، مثلاً خورد و نوش۔ یہ چوپایوں کی زندگی ہے۔[۱] انسانی زندگی کچھ اس سے بڑھ کر تقاضا کرتی ہے۔ یہ "دل و دماغ" کے احساسات کی تسکین چاہتی ہے۔ باتباع ہوائے نفس انسان یہ تسکین لعب و لہو اور دنیوی زینت اور تفاخر اور کثرتِ مال و اولاد میں پاتا ہے۔ یہ نفسانی خواہشات ہیں۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیے کہ یہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر ایک نوع ارتقاء کی طرف عروج کرتی ہوئی مختلف انواع سے گذرتی ہے اور ان مختلف انواع کی خصوصیات جن سے یہ نوع ترقی کرتی ہے، اس میں کم و بیش پائی جاتی ہیں اور ہر ایک نوع تنازع للبقاء کی شاہد ہے۔ وہ اپنی خصوصیات کو زندہ رکھنے کے لیے انتہائی سعی کرتی ہے اور اس نوع کو جو ان سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لیے ترقی کرنا چاہتی ہے، اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ یہ کش مکش جو انواع کے ارتقاء میں پائی جاتی ہے "جہاد بالنفس" سے تعبیر ہوتی ہے، جس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ادنیٰ زندگی یا ادنیٰ انواع کی خصوصیات اور خواہشات "ہوائے نفس" سے موسوم ہوتی ہیں۔ قرآن ہدایت فرماتا ہے کہ اس کی "نہی" کرنی چاہیے، جسے نفس کُشی کہتے ہیں، وہ یہی ہوائے نفس کی نہی ہے،[۲] جس سے

(حاشیہ ۱ متعلقہ ص ۴۳) وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (۲۹)

"اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشا ہے اور ہمیشہ کی زندگی کا مقام تو آخرت کا گھر ہے۔ کاش! یہ لوگ سمجھتے!"

۱ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (۴۷)

"اور جو کافر ہیں، وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں، جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ۔"

۲ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِىَ الْمَاْوٰى ۙ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى۔ (۷۹)

"اور جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہش سے روکتا رہا، تو اس کا ٹھکانا بہشت ہے۔"

تزکیہ نفس ہوتا ہے۔ مجاہدہ یا تزکیہ نفس سے یہ مراد نہیں کہ انسان وحشیانہ زندگی یا رُہبانیت اختیار کرے۔ غرض تو یہ ہے کہ آئینہ قلب سے ہوا و ہوس کی کدورت دُور ہو، نہ کہ مشقِ صیقل سے آئینہ کا وجود ہی فنا ہو جائے۔ انسان کا درجہ حیوانات میں خواہ کیسا ہی ارفع و اعلیٰ ہو۔ وہ آخر ایک حیوان ہی ہے۔ حیوانات کی طرح پیدا ہوتا، پرورش پاتا، نسل بڑھاتا اور آخر مر کر خاک میں مل جاتا ہے۔ انسانی جسد بھی حیوانات سے مختلف نہیں، جس کا قیام خورد و نوش سے ہے۔ البتہ جسم میں امتیازی خوبی بہ لحاظ مدارج[1] ضرور ہے اور اس کا یہی کچھ تقاضاء ہے۔ ہر ایک جاندار اپنی فطری استعداد کے مناسب فیضِ رحمانی سے بہرہ ور ہے۔ صحیفہ فطرت کا مطالعہ فطرۃً کرتا ہے اور اس سے وحی عمل صادر ہوتا ہے، جو استادِ ازل کا ارشاد ہے، یعنی فطرۃً جو کچھ وحی ہوتا ہے، اسی کا اتباع کرتا ہے اور اسی میں وہ تسکین و راحت پاتا ہے۔ طبقہ نباتات اور حیوانات میں بھی کم و بیش حواس ہیں۔ ان میں عقلِ حیوانی بھی ہے اور اچھے بُرے کی تمیز بھی ان طبقات میں پائی جاتی ہے۔ مضر اشیاء سے فطرۃً پرہیز کرتے ہیں اور مفید اشیاء استعمال کرتے ہیں۔ انسان فطرۃً صحیفہ فطرت کے علم سے بہرہ ور ہی نہیں، بلکہ اس کا بیان[1] بھی اسے سکھایا گیا ہے۔ "انسان" کی صحیح تعریف یہی کچھ ہے؛ ورنہ وہ دیگر حیوانات کی طرح ہے، بلکہ اس خوبی کی موجودگی میں اس سے کام نہ لینے کی صورت میں چوپایوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس کی طینت میں غیر ممنون ترقی کی صلاحیت ودیعت ہے۔ "عملِ صالح" وہ ہے، جو حسبِ اقتضائے فطرت ہو۔ انسانی فطرت کا تقاضا ارتقاء ہے اور ارتقاء نہی ہوائے نفس سے ممکن ہے، جو ادنیٰ زندگی کی خواہشات ہیں۔ اعلیٰ زندگی "آخرت" سے تعبیر ہوتی ہے۔ "والآخرۃ خیرٌ وّابقیٰ" یہ اصل اصول مسئلہ ارتقاء ہے کہ بہتر[3] ہی کے لیے بقا ہے اور بہتر

---

[1] اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ (۵۵/۱-۴) — (ترجمہ) (خدا جو) نہایت مہربان (ہے)، اُسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی، اُسی نے انسان کو پیدا کیا، اُسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

[2] لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ — (ترجمہ) ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

[3] وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (۲۸/۶۰) — (ترجمہ) اور جو چیز تم کو دی گئی ہے، وہ دنیا کی فانی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے اور جو خدا کے پاس ہے، وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ پھر کیا تم سمجھتے نہیں؟

شے کے حصول کے لیے انتہائی جدوجہد درکار ہے۔ ادنیٰ زندگی کی اشیاء میں سے وہ شے جو ضروریاتِ زندگی میں مقدم ہے، بے تردّد ملتی ہے۔ مثلاً ہوا۔ اس دنیا میں جتنی کوئی شے حیاتِ انسانی کے لیے ضروری ہوگی، اتنی ہی محنت کم ہوگی اور جتنی کم ضروری ہوگی، اتنی ہی محنت زیادہ درکار ہوگی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق کی ربوبیت فرماتا ہے۔ ہوا بے تردّد، بلاارادہ مل رہی ہے، اس کے بغیر ایک لمحہ کے لیے بھی زندگی ممکن نہیں۔ پانی دوسرے درجہ پر ضروری ہے، اس کے لیے کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، لیکن ہوا اور پانی ہی سے پیٹ نہیں بھرتا۔ خوراک بھی تیسرے درجہ پر ضروری ہے، اس کے لیے زیادہ محنت درکار ہے۔ اس کے بغیر کچھ دن انسان زندہ رہ سکتا ہے لیکن وہ اشیاء، جو خوراک کا کام دیتی ہیں، ہوا اور پانی کی طرح ابتداءً فی الخارج موجود ہیں۔ ادنےٰ زندگی کی خوراک حیوانی طعام ہے، جس کی ضرورت "معدہ" سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ضرورت جو قلبِ انسانی سے پیدا ہوتی ہے، "علم بیان" ہی سے تسکین پاتی ہے، لیکن ہوائے نفس کا کرشمہ ملاحظہ ہو کہ وہ انسان کو علم بیان کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا۔

کیسا عالی شان سبق عبرت[1] طبقہ نباتات اور حیوانات میں ہے۔ چوپایوں کے شکم سے خوش گوار مفید صحت دودھ ہمیں ملتا ہے اور خود چوپایوں کو اس کا شعور بھی نہیں، جس طرح انسان کو نہیں کہ اس کے بطن میں فطری کلیں کس طرح مصروفِ عمل ہیں، اس طرح جو کچھ پیدا ہو رہا ہے۔ ہمارے علم و ارادہ کے بغیر ہوتا ہے۔ نباتات میں قسم قسم کے پھل ہیں، جو ہمارا رزق ہیں۔ اللہ کے سوا انھیں کون پیدا کرسکتا ہے؟ (باقی)

---

[1] وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (پ ۱۴، ۶۶ تا ۶۷)

(ترجمہ) اور تمہارے لیے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے، اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے خوش گوار ہے اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان میں سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں، اُن کے لیے ان چیزوں میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔

تقریظات

تفسیر سورۂ عبس | مؤلف: علامہ حمید الدین فراہی رح، مترجم: مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ سائز: ۲۰×۳۰/۱۶۔ ضخامت: ۵۰ صفحات۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط۔ قیمت: ۶ آنے۔ ملنے کا پتہ: دائرہ حمیدیہ، سرائے میر (اعظم گڑھ)۔

سورۂ عبس کی تفسیر کرتے ہوئے متقدمین نے عام طور پر خدا تعالیٰ کی تنبیہ و عتاب کا صحیح مخاطب، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو قرار دیا ہے، کیوں کہ ظاہر الفاظ سے ثابت بھی یہی ہوتا ہے، مگر علامہ فراہی رح نے اپنے دلائل کا مرکزی تصور یہ قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غصہ و عتاب کا اصلی رُخ پیغمبر صلعم کے بجائے بالواسطہ طور پر منکرین حق کی طرف ہے۔ مؤلف نے اپنے نقطۂ نظر کو بڑی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، لیکن اگر نص قرآنی کو تاویلات کی اُلجھنوں سے الگ رکھ کے، اُن ہی معنوں پر حصر کیا جائے، جو لغوی طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور اسی بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ تنبیہ کا رُخ پیغمبر خدا ؐ کی طرف ہی ہے، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بلکہ اس سے رسول اللہ ؐ کی دیانت اور قرآن مجید کی حفاظت کا ایک ایسا عظیم الشان ثبوت بھی سامنے آ جاتا ہے، جو حضرت مؤلفؒ کی تاویل کی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ علاوہ ازیں، لغوی مفہوم اس لحاظ سے بھی اہم سمجھا جانا چاہیے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے برگزیدہ پیغمبر کو بھی ان کی کوتاہی پر تنبیہ و عتاب ممکن ہے، تو ان کے علاوہ دوسرے انبیاء وصلحاء اور ائمہ وصحابہؓ کو کیوں کر معصوم عن الخطاء قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ لوگ بھی اپنی اپنی لغزشوں کے لیے حق تعالیٰ کے سامنے جواب دہی سے کیسے مستثنیٰ قرار دیے جا سکتے ہیں؟ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ یہ تصور انسان میں تقویٰ پیدا کرنے اور اُسے توحید سے قریب تر کرنے کے واسطے لازماً ناگزیر ہے۔

زیر نظر کتاب میں الفاظ کی تحقیق اور جملوں کا باہمی نظم و ربط بڑی خوبی اور سلاست

کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ مولفِ علام کا شیوہ ہے کہ وہ بالعموم آیات کی تفسیر، آیات ہی سے کرتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی اُنھوں نے بڑی حد تک اپنی روش کو برقرار رکھا ہے۔

یادِ اقبالؒ | مرتبہ: جناب غلام سرور صاحب فگار۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ عمدہ۔ حجم ۱۲۰ صفحے۔ تقطیع بڑی۔ قیمت: مجلد عہ ، غیر مجلد عہ۔ ملنے کا پتہ: دفترِ اقبال اکیڈمی، ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور۔

علامہ اقبال رحؒ کی وفات پر ہندوستان کے شاعر طبقہ کی طرف سے بے شمار نظمیں عقیدت مندی کے طور پر مختلف علمی و ادبی رسالوں اور عام روزناموں میں شائع ہوئی تھیں۔ جناب فگار نے ان نظموں کا ایک انتخاب، "یادِ اقبالؒ" کے عنوان سے مرتب کر دیا ہے۔ یہ ان کے انتخاب کا پہلا حصہ ہے اور اس میں عام شعراء کے علاوہ مولانا حسرت موہانی، حفیظ ہوشیار پوری، مرتضیٰ احمد خاں میکش، خواجہ دل محمد، حفیظ جالندھری، ڈاکٹر عابد حسین، نشتر جالندھری اور فرخ امرت سری جیسے کہنہ مشق شعراء کا کلام شامل ہے۔

کتاب کے آغاز میں جناب محمد حسنین سید بی اے نے علامہ اقبال مرحوم کے سوانح حیات پر ایک منثور مقدمہ لکھا ہے، جو دلچسپ اور مفید ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ اس مجموعے میں کئی قادر الکلام شاعروں کے مرثیے شامل نہیں ہو سکے ہوں گے۔ انھیں غالبًا دوسری جلد میں شائع کیا جائے گا، بالخصوص جناب علی منظور صاحب حیدر آبادی اور اسد ملتانی کا کلام تو دوسرے حصے میں ضرور چھپ جانا چاہیے۔

خطبۂ صدارت | از جناب حکیم محمد کبیر الدین صاحب۔ سائز ۲۰×۲۶/۸۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ اعلیٰ۔ ضخامت ۴۰ صفحات۔ قیمت: چار آنے۔ ملنے کا پتہ: ادارہ المسیح، قرول باغ، دہلی۔

زیر نظر خطبہ، محترم حکیم کبیر الدین صاحب پرنسپل جامعہ طبیہ دہلی نے میسور اسٹیٹ، یونانی طبی کانفرنس، بنگلور (منعقدہ ۱۹۳۹ء) میں پڑھا تھا۔ ادارۂ "المسیح" نے اسے افادۂ عام کی خاطر دوبارہ شائع کیا ہے۔ اس خطبے میں دیسی طبوں کے زوال کے اسباب پر مفصل بحث کی گئی ہے اور ان کی ترقی و عروج کے وسائل کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ خطبے کا لبِّ لباب یہ ہے

کہ ہندوستانیوں کو غیر ملکی ادویات و معالجات سے پرہیز کر کے دیسی طبّوں کا استعمال کرنا چاہیے کیوں کہ ہندوستانیوں کے اسبابِ افلاس میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہر سال لاکھوں روپیہ ہماری جیبوں سے نکل کر یورپ کے دوا فروشوں کے پاس چلا جاتا ہے اسی بحث کے دوران میں ہم نے ذیل کے الفاظ کو حیرت کے ساتھ پڑھا:

"یہ ہندوستانی قوم کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ جس کی بہتوں کو خبر نہ ہوگی ___ کہ ہم سادہ اور صاف پانی تک کے لیے یورپ اور امریکہ کے محتاج ہیں اور ہمارے فاقہ مست ملک کے ہزاروں روپے پانی کی چند بوندوں کے لیے غیر ممالک میں چلے جاتے ہیں۔

آپ پوچھیں گے، اس کا مطلب؟

میں عرض کروں گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹری طریقِ علاج کے مطابق پچکاریوں کے لیے صاف پانی کی ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ اس مقصد کے لیے سادہ پانی جرمنی، انگلینڈ اور جاپان سے آیا کرتا ہے، جس کے چند قطرات کانچ کی چھوٹی چھوٹی نلکیوں (انابیب، ٹیوبز) میں بند ہوا کرتے ہیں اور چند بوند کی اتنی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے کہ آپ ان حقیر بوندوں کو دیکھیں، تو قومی غیرت سے ششدر ہو کر رہ جائیں۔

تُف ہے اس علم و سائنس پر، جو ہمیں اتنا بے دست و پا کر دے اور حیف ہے اُس حکمت اور طریقِ علاج پر، جس سے ہم غیروں کے اس طرح محتاج اور دست نگر بن جائیں!"

غرض یہ خطبہ اسی طرح کی قیمتی اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ جن اصحاب کو دیسی طریقِ علاج سے دل چسپی ہو اور وہ اس کی بہتری اور ترقی میں حصہ لینا چاہتے ہوں، انھیں اس مختصر کتاب میں کام کی چیزیں نظر آئیں گی۔

پیغامِ حق (ماہوار رسالہ) مرتبہ: سید محمد شاہ صاحب ایم اے۔ سائز: ۲۰×۲۶/۸۔ ضخامت ۴۸ صفحے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا۔ قیمت سالانہ: ۱۲/- فی پرچہ ۴/- پتہ: ظفر منزل،

تاج پورہ، لاہور

"پیغامِ حق" گذشتہ تین برس سے لاہور سے باقاعدہ نکل رہا ہے۔ ہم نے اس کی تین اشاعتیں دیکھی ہیں۔ پرچہ اچھا ہے۔ مضامین اپنی ترتیب اور معیار کے لحاظ سے مفید معلوم ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال کے افکار و خیالات سے متعلق ایک آدھ مضمون بالعموم ہر پرچے میں شائع ہوتا ہے۔

"پیغامِ حق" کے ذریعے پنجاب کے سنجیدہ علمی و دینی پرچوں میں اچھا اضافہ ہوا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کا مطالعہ مجموعی حیثیت سے مفید ثابت ہوگا۔

"س"

اُمّت مُسلمہ کا سالانہ اجلاس

امت مسلمہ امرتسر کا چوتھا سالانہ جلسہ آئندہ ایسٹر کی تعطیلات میں منعقد ہو رہا ہے۔ احباب امت کا فرض ہے کہ وہ ابھی سے اس مبارک اجتماع کو کامیاب بنانے کی کوششوں کا آغاز کر دیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر کو مالی امداد و اعانت اور شرکت کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیں، تاکہ پوری فراغت اور سہولت کے ساتھ تمام ضروری انتظامات سرانجام دیے جاسکیں، جو اصحاب اس غرض کے لیے روپیہ ارسال فرمائیں ان کو اس کی تصریح کر دینی چاہیے، تاکہ ان کی رقوم جلسہ فنڈ میں شامل کی جائیں۔ مالی اعانت کے علاوہ احباب کے مفید مشوروں کا بھی خیر مقدم کیا جائے گا۔

آنریری جنرل سکرٹری امّت مسلمہ امرتسر

احسن الحدیث[1]

حدیث آدم

۱

جب شیطان نے آدم اور حوا کو بہکا کر اُن سے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرائی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے ستر کھول دیے اور فرمایا، کیا میں نے تمہیں شجرِ ممنوعہ کے قریب جانے سے نہیں روکا تھا؟ اور تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اس پر ان دونوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف)	اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے، تو بے شک ہم خسارہ کھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

۲

حوا کو حمل ٹھیرا، تو اس نے اور آدم نے مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی:-

لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (اعراف)	(اے اللہ!) اگر تو ہمیں نیک صالح فرزند عطا فرمائے گا، تو ہم بے شک ضرور تیرے شکر گذاروں میں سے ہوں گے۔

مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، تو بجائے شکر گذاری کے انہوں نے اُلٹا شرک اختیار کیا۔

جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا (اعراف)

حدیث نوح

۱

نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (اعراف)	اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی (حقیقی) معبود نہیں مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

---

[1] شیخ غلام کبریا صاحب کی تالیف "احسن الحدیث" کے مسودے پر نظر ڈالی گئی تو اسے بالکل جواہرات کے ایک غیر منظم ڈھیر کی طرح پایا، اسکی موجودہ صورت جس کی پہلی قسط ناظرین کے سامنے ہے۔ سلمانی صاحب کی سعی ترتیب کا نتیجہ ہے، اس سلسلے میں ہم موصوف کی محنت کے لئے اتنے ہی رہین منت ہیں جتنے اصل مؤلف کے۔ بلکہ کچھ زیادہ!

يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۙ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (نوح ۳—۴)

اے بھائیو! میں تم کو کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو وہ تمہارے بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تمھیں مہلت عطا کرے گا۔ جب خدا کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے، تو تاخیر نہیں ہوتی۔ کاش تم جانتے ہوتے!

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (المومنون ۲۳)

اے قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟

۲

قوم نے جواب دیا، تو گم راہ ہے۔ نوح ؑ نے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (اعراف)

اے بھائیو! میں تو گم راہ نہیں ہوں۔ بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں۔ اپنے پروردگار کا پیغام تمھیں پہنچاتا ہوں اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔ کیا تمھیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمھارے رب کا ارشاد تمھی میں سے ایک شخص کی زبان سے تم کو پہنچا، تاکہ وہ تمھیں (عذاب سے) ڈرائے اور تاکہ تم گناہوں سے بچو اور اس لیے کہ تم پر رحم ہو۔

۳

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَي اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس)

اے بھائیو! اگر (تم میں) میرا رہنا اور خدا کی آیتیں پڑھ کر سنانا تم کو بھاری لگتا ہے، تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک بات ٹھہرا لو، پھر اس بات کو چھپاؤ نہیں۔ جو کچھ کرنا ہے وہ کر ڈالو اور مجھ کو (ذرا بھی) مہلت نہ دو۔ پھر اگر تم منہ پھیر لو، تو میں تم سے کچھ مزدوری تو نہیں مانگتا میرا اجر تو خدا ہی پر ہے اور مجھ کو حکم ہوا ہے کہ فرماں برداروں میں شریک رہوں۔

۴

اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا

(نوح نے اپنی قوم سے کہا) میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے

اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ۝ (ھود - ۲۵، ۲۶)-

اور یہ پیغام پہنچانے) آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کے دن کا خوف ہے۔

۵

قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کُنۡتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنۡ رَّبِّیۡ وَ اٰتٰىنِیۡ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَعُمِّیَتۡ عَلَیۡکُمۡ ؕ اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَ اَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ ۝ وَ یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ مَالًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ اِنَّہُمۡ مُّلٰقُوۡا رَبِّہِمۡ وَ لٰکِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ قَوۡمًا تَجۡہَلُوۡنَ ۝ وَ یٰقَوۡمِ مَنۡ یَّنۡصُرُنِیۡ مِنَ اللّٰہِ اِنۡ طَرَدۡتُّہُمۡ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۝ وَ لَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَ لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ وَ لَاۤ اَقُوۡلُ اِنِّیۡ مَلَکٌ وَّ لَاۤ اَقُوۡلُ لِلَّذِیۡنَ تَزۡدَرِیۡۤ اَعۡیُنُکُمۡ لَنۡ یُّؤۡتِیَہُمُ اللّٰہُ خَیۡرًا ؕ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۚۖ اِنِّیۡۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ (ھود - ۲۸-۳۱)

(نوح نے فرمایا) اے بھائیو! دیکھو تو میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں۔ اور اُس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہے، جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے، تو کیا ہم اُس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اے بھائیو! میں اس نصیحت کے بدلے تُم سے مال و زر کا خواہاں نہیں ہوں۔ میرا صلہ تو خدا کے ذمّے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، میں اُن کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں، وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو اور بھائیو! اگر میں ان کو نکال دوں، تو عذاب خدا سے (بچانے کیلیے) کون میری مدد کر سکتا ہے؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، یہ کہتا ہوں کہ خدا اُن کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک)، نہیں دے گا۔ جو اُن کے دلوں میں ہے، اُسے خدا خوب جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں، تو بے انصافوں میں ہوں۔

۶

جب کفار نے کہا اے نوح! اگر تم سچے ہو، تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، وہ ہم پر نازل کرو، تو حضرت نوح نے جواب دیا:

اِنَّمَا یَاۡتِیۡکُمۡ بِہِ اللّٰہُ اِنۡ شَآءَ وَ مَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ۝ وَ لَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ؕ ہُوَ رَبُّکُمۡ ۟ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ (ھود ۳۳، ۳۴)-

نوح نے کہا، اس کو (یعنی عذاب کو) تو خدا ہی چاہے گا، تو نازل کرے گا اور تم اسے کسی طرح ہرا نہیں سکتے اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور خدا یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے، تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمھیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

۷

جب کفار نے کہا کہ اے نوح! تیرے پیرو رذیل یعنی ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں، تو آپ نے جواب دیا:

وَ مَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝ اِنۡ حِسَابُہُمۡ اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ۝ وَ مَاۤ اَنَا بِطَارِدِ

میں کیا جانوں کہ وہ کیسے کام کرتے ہیں۔ ان کا حساب تو میرا پروردگار ہی لے گا، کاش، تم کو اتنی سمجھ ہوتی۔

المُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (الشعرا۔ ۱۱۳-۱۱۴) | اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف کھول کھول کر ڈرانے والا ہوں۔

۸

کفار نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا کہ آخر ہمیں جیسا ایک شخص پیغمبر کس طرح ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ باتیں جو تم ہمیں سمجھا رہے ہو، ہم نے اپنے باپ دادوں سے تو ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ انہوں نے اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ نوحؑ کو دیوانہ قرار دیا اور کہا کہ اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آؤ گے، تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔ جب کفار کا انکار و سرکشی انتہا تک پہونچ گئی، تو حضرت نوح نے خدا سے فریاد کی:

رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (المؤمنون ۲۶) | پروردگار انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔

رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ ۝ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء ۱۱۸، ۱۱۷) | اے میرے پروردگار! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا، سو میرے اور اُن کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو مومن میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے۔

اِنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر ۱۰) | (الٰہی!) میں (ان کفار کے مقابلے میں) کمزور ہوں۔ تو اُن سے بدلہ لے!

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْۤ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

(جب لوگوں نے نہ مانا، تو نوحؑ نے خدا سے) عرض کی کہ اے پروردگار! میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا، لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے۔ جب جب میں نے اُن کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو اُن کو معاف فرمائے، تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لیے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے۔ پھر میں اُن کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا اور اپنے مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (اُن میں) تمہارے لیے نہریں بہا دے گا۔ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؛ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان اوپر تلے بنائے ہیں، اور چاند کو اُن میں نور بنایا ہے اور سورج کو

فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝ قَالَ نُوحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ اَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ ..... رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ اِلَّا تَبَارًا ۝ -

چراغ ٹھیرایا ہے۔ اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کریگا۔ اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا ہے تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔ (اس کے بعد) نوح نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں، جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا۔ اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔ اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔ (پروردگار!) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے، تو تو ان کو اور گمراہ کر دے! (پھر نوح نے یہ دعا کی) میرے پروردگار! کسی کافر کو زمین پر بستا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا، تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گذار ہوگی۔ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے والدین کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لیے اور زیادہ تباہی بڑھا۔

۹

اللہ تعالےٰ نے حضرت نوحؑ کی فریاد قبول کی، جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ لے آئے۔ جب خدا تعالےٰ نے دیکھا کہ اب باقی لوگ کسی طرح بھی دعوت حق قبول نہیں کرتے، تو اس نے حضرت نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ وہ ایک کشتی تیار کریں تاکہ مومنوں کو بچا لیا جائے اور کفار کو طوفان بھیج کر غرق کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے کشتی کی تعمیر شروع کر دی۔ کفار کو پتہ چلا، تو انھوں نے حضرت نوح کا مضحکہ اڑایا۔ اس موقعہ پر آپ نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

اِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ؕ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَّاْتِيهِ عَذَابٌ يُّخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو، تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو، اسی طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے اور .... اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے، جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

۱۰

پھر جب کشتی طیار ہو چکی اور طوفان برپا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت نوحؑ نے ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی پر سوار کرا لیا اور اُن لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے تھے، اس موقعہ پر آپ نے فرمایا:

ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝	خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے اس میں سوار ہو جاؤ۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۱

اپنے بیٹے کو بھی (جو کافر تھا) مخاطب کر کے فرمایا:

يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكٰفِرِينَ	اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ اور کافروں میں شامل نہ ہو۔

۱۲

اُس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ طوفان سے بچنے کے لیے میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ باپ نے جواب دیا:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ	آج کے دن خدا کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر وہی رحم کرے!

۱۳

حضرت نوحؑ کی اپنے بیٹے کے لیے دعا:

فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحٰكِمِينَ ۝	پس اُس نے کہا: اے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے

اللہ تعالیٰ نے غصے کے ساتھ فرمایا۔ کہ وہ تیرا اہل، یعنی، تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس وہ ایک غیر صالح شخص ہے۔ تمہیں ایسی چیز سے متعلق مجھ سے سوال ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ جس کی حقیقت کا تمہیں علم نہیں ہے۔

۱۴

خدا تعالیٰ کی تنبیہ پر حضرت نوحؑ نے استغفار کیا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهٖ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخٰسِرِينَ ۝ -	کہا، اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں، جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں ہے اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا

۱۵

جب آپؑ کشتی پر سوار ہو گئے، تو اللہ سے دعا کی:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ (المومنون ۲۸) رَبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۝ (المومنون ۲۹)	سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہم کو ظالم لوگوں سے نجات بخشی اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ اُتاریو اور تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے۔

توضیح ابہام

ایک صاحب لکھتے ہیں:

" جناب محمد حسین ہیکل وزیر فرہنگ مصر نے " زندگانی محمد" کے نام سے ایک تصنیف شائع کی جناب محمد حسین عرشی نے اُس کے دو مقدموں کے ضروری حصوں کا سلیس اردو ترجمہ کیا۔ اور " البیان " کی ایک شاعت اس کے لیے وقف کر دی۔ مصر اور ہند کے دو ہم نام اہل قلم کی طرف سے تعاون علی البر والتقویٰ کی یہ ایک نہایت اچھی مثال ہے۔

ہیکل صاحب نے اپنی کتاب کے ایک مقدمے میں ایک مغرب زدہ مصری مصنف کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ انہوں نے صرف عربی ماخذوں پر اعتماد کیا ہے۔ اور مستشرقین سے استفادہ نہیں کیا۔ ہیکل صاحب نے اس کے جواب میں سر ولیم میور کی مشہور تصنیف " لائف آف محمد " کے اس حصے کو نقل کر کے جو قرآن کریم اور اس کے نقل و حفظ کے متعلق ہے، بتایا ہے کہ یہ دیکھو۔ تمہارے مایۂ ناز مستشرق بھی قرآن کو تاریخی حیثیت سے سند اور ناقابل تردید اور غیر محرّف مانتے ہیں۔ اس حصہ میں سر ولیم نے جمع قرآن کے متعلق بھی اپنی رائے جو تاریخی شواہد پر مبنی ہے، ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ حضرت زید بن ثابت نے دو تین سال کی کوشش سے قرآن کو اس صورت میں ترتیب دیا جس میں آج ہم اسے دیکھ رہے ہیں اور قرآنِ عثمانؓ اسی کی نقل ہے۔

ہیکل صاحب[1] نے اس رائے پر صاد کیا ہے۔ عرشی صاحب نے ایک ضمیمہ لکھ کر اپنی رائے ان الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ " قرآن کے الفاظ آیات اور سورتوں کی جمع و ترتیب خواہ کسی انسان کے ہاتھوں انجام پائی ہو، مگر یہ کام یقیناً اللہ تعالےٰ کی تحریک۔ تشویق اور تصرف سے پورا ہوا۔"

اللہ تعالےٰ کی تحریک و تصرف کے بغیر تو کوئی کام بھی پورا نہیں ہو سکتا اور اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے، لیکن عرشی صاحب ایک طرف تو یہ مانتے ہیں۔ کہ آیات اور سورتوں کی جمع و ترتیب کسی " انسان " کے ہاتھوں انجام پائی، اور دوسری طرف اپنے ضمیمہ میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش

---

[1] مجھے روایتی طریق تحفظِ قرآن میں کلام ہے، یہی وجہ ضمیمے کی محرک ہوئی۔ (عرشی)

کی ہے کہ قرآن مرتب و مدون و مکمل صورت میں آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اگر یہ درست ہے، تو پھر کسی "انسان" کا اس میں کیا دخل؟ امید ہے کہ ہمارے فاضل دوست حضرت عرشی صاحب عام اصحاب کی واقفیت کے لیے اس مسئلہ کو ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں گے؟"

جواب جزاکم اللہ! آپ نے مجھے توضیح ابہام کی طرف متوجہ فرمایا، میرے الفاظ تحریک، تشویق اور تصرف کا مطلب وہ خصوصیت ہے جو کسی امر کو عام انسانی اختیاری امور سے ممتاز کر دیتی ہے۔ مثلاً قرآن عام باتوں کی طرح لب پیغمبرؐ سے صادر ہوتا ہے کما قیل:

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است (لیکن) ہر کہ گوید حق نگفتہ کافر است
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

یہ کوئی ایسی فضائی اور سماوی آواز نہیں جو انسانی لب و دہن اور وضعی حرف و لفظ کے بغیر تمام افراد قوم کے کانوں میں جہاں کہیں بھی وہ موجود ہوں پہنچائی گئی ہو۔ اس میں تمام انسانی آلات و اعضا کا دخل ہونے کے باوجود ۲۷ فرقوں میں سے غالباً ایک بھی ایسا نہیں جو اس کو عام امور بشری کے مساوی سمجھتا ہو ——— دوسری مثال اس کی حفاظت سے حاصل کی جا سکتی ہے، انسانی حافظہ و طباعت و کتابت وغیرہ ذرائع سے اس کے حرف حرف نقطہ نقطہ اور ہر حرکت کی حفاظت ہو رہی ہے، لیکن یہی ذرائع کسی دوسری کتاب کو محفوظ رکھنے سے قطعاً قاصر ثابت ہو رہے ہیں۔ میں اسی کو تصرف خداوندی کے لفظ سے تعبیر کرتا ہوں۔

رہا آپکا میری طرف یہ خیال منسوب کرنا کہ "قرآن مرتب و مدون و مکمل صورت میں آسمان سے نازل ہوا تھا" یہ فقرہ میرا نہیں، آپکا ہے۔ اور اس خیال سے میری مراد یہ نہیں کہ قرآن کے اوراق مجلد کسی جزدان میں پلٹے لپٹائے کعبہ یا بیت نبوی میں آسمان سے گر پڑے تھے، بلکہ سب کام اور اسکا دوام و قیام بحسب تشریح بالا اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے اپنے عبد مصطفےٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے اتباع کی جماعت مصطفین کے ذریعے اپنے تصرف خاص سے پورا کیا۔ جو ان کے عام کاموں سے یقیناً اخص و ممتاز حیثیت رکھتا ہے؛

(عرشی)

مقدمۂ زندگانی محمدؐ

علمی و دینی جرائد کی نظر میں

(۴)

"دفتر امت مسلمہ امرت سر کی طرف سے مذہبی موضوعوں سے متعلق کچھ عرصہ سے اچھی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، جن میں "تعلیمات قرآن" "مطالعہ حدیث" "برہان القرآن" اور "اسلام اور حریت و مساوات" جیسی کتابیں قابل ذکر ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں ان نوجوانوں کے لیے جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کو اہل مغرب کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان بزرگوں کے لیے جو عہد رسالت کے بعد کی تصنیفات کو بے خطا سمجھے ہوئے ہیں، بڑی مفید اور کام کی کتابیں یک جا کر دی گئی ہیں۔ یہ کتاب اصل میں عربی میں لکھی گئی اور مصر میں چھپی تھی اور اتنی مقبول ہوئی کہ پہلا ایڈیشن پریس ہی سے تین ہزار کی تعداد میں فروخت ہو گیا اور بقیہ سات ہزار جلدیں تین مہینوں میں ختم ہو گئیں۔ بعد کو ایران میں آقائے ابوالقاسم پائندہ ایرانی نے اس کا ترجمہ ایرانی زبان میں بھی شائع کیا اور اب اردو میں چھپا ہے۔ مغرب زدہ نوجوانوں کے لیے اس کا مطالعہ واقعی مفید ثابت ہوگا۔" ("سب رس" اگست سنہ ۱۹۴۰ء)

(۵)

"محمد حسین ہیکل، مصر کے مشہور عالم اور وہاں کے روزانہ اخبار "السیاسۃ" کے ایڈیٹر ہیں۔ انھوں نے آں حضرت صلعم کی سیرۃ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ موجودہ کتاب اس کا مقدمہ ہے، جو عربی سے فارسی میں منتقل ہوا اور اب عرشی صاحب امرت سری نے اُسے فارسی سے اُردو میں منتقل کیا ہے۔ اس مقدمے میں اُن تمام اعتراضات کے جواب ہیں، جو مستشرقین اسلام پر وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ جوابات تمام تر عقلی اور تاریخی دلائل پر مبنی ہیں۔ آخر میں خود عرشی صاحب کا ضمیمہ ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن پاک کی ترتیب الٰہی ترتیب ہے۔ ترجمہ صاف و سلیس ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے اس کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔" ("جامعہ" اگست سنہ ۱۹۴۰ء)

"البیان"
اپنے معاصرین کی نظر میں

۱۔ یہ پرچہ اپنے علمی، مذہبی، تاریخی مضامین کے اعتبار سے دیگر جرائد پر فوقیت رکھتا ہے۔ (مسلم)

۲۔ اس کے تمام مضامین خاص نقطۂ نظر سے لکھے جاتے ہیں۔ (معارف)

۳۔ "البیان" نے تھوڑے ہی عرصے میں ملک کے مقتدر دینی و علمی رسائل کی صف میں جگہ حاصل کر لی ہے۔ (شہباز

۴۔ یہ رسالہ اس قابل ہے کہ ہمارے نئے، پرانے تعلیم یافتہ اس کا مطالعہ کریں۔ (ہمدرد صحت)

۵۔ ایک مذہبی پرچے میں جو خصوصیات ہونی چاہییں "البیان" اُن سب کا حامل ہے۔ (پیام نسواں)

۶۔ "البیان" ایک عرصے سے حقائق اسلامی کی ترجمانی کر رہا ہے۔ (احسان)

۷۔ "البیان" میں قرآنی تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر اعلیٰ معیار کے مضامین شائع ہوتے ہیں (سیا

۸۔ جہاں تک قرآن مجید کی مرکزیت کا سوال ہے "البیان" کے مضامین لوگوں کے لیے ایک تنبیہ کا کام دیتے ہیں۔ مذہبی تحقیقات سے دلچسپی رکھنے والے مسلمانوں کے لیے "البیان" کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ (پیامبر)

۹۔ رسالہ عمدہ ہے (مائدہ)

۱۰۔ رسالے کے آخر میں تفسیر بیانٌ للناس کو بہ اقساط شائع کیا جا رہا ہے۔ (ب رس)

۱۱۔ "البیان" کے بیشتر مقالے علمی اور محققانہ رنگ میں رنگے ہوتے ہیں اور یہ مضامین ا... لکھوائے جاتے ہیں، جو بڑی کاوش اور تحقیق سے لکھتے ہیں۔ (نیرنگ خیال)

لکھائی، چھپائی اور کاغذ عمدہ۔ قیمت تین روپے سالانہ (نوٹ) جو اصحاب سالانہ چندہ عہ شامل کر کے للعہ بہ ذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے انھیں رسالہ "بلاغ" کے ۲۴ پرانے حجم قریباً ڈیڑھ ہزار صفحے ہے مفت بھیجے جائیں گے۔

ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ "البیان" امرتسر (پنجاب)

اسلامی ہند کے طوفانی عہد میں

خدا کا ایک وفادار بندہ، یعنی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے علمی حلقوں میں بھی عموماً صرف اس حیثیت سے جانا جاتا ہے کہ وہ ایک مشہور اور بڑے درجہ کے "محدث" تھے، لیکن علوم دین خصوصاً اسرارِ قرآن میں اُن کی جو بے نظیر و ہمہ گیر مجددانہ و مجتہدانہ شان ہے، اس کے جاننے والے شاید انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی تبدیلیوں سے ان کا جو گہرا تعلق رہا ہے، اس کا علم رکھنے والے تو شاید اتنے بھی نہیں، حالانکہ اسلامی ہند کی سیاسی تاریخ میں سب سے اہم اور ہم مسلمانوں کے لیے ناقابلِ فراموش دور شاہ صاحب کا ہی زمانہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے ہوئی اور وفات اُس شاہ عالم کے عہد میں ہوئی، جس نے بنگال و بہار کی دیوانی کلائیو کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کی تھی۔

شاہ صاحب کی زندگی میں مغلیہ تخت پر دس بادشاہ

گویا شاہ صاحب کی زندگی میں مغلیہ تخت پر یکے بعد دیگرے دس بادشاہ بیٹھے جن کے نام بالترتیب یہ ہیں: عالمگیرؒ، بہادر شاہ، معز الدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، محمد شاہ (المعروف رنگیلا) ابو النصر احمد شاہ، عالمگیر ثانی، شاہ عالم۔

اس دور کے سیاسی فتنے اور خونی انقلابات

ان سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو جن مہیب اور خونی واقعات اور تاریخی انقلابات سے گذرنا پڑا، تاریخ دان طبقہ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ "سادات بارہ" کا فتنہ، شہزادہ "فرخ سیر" کا ان کے ہاتھ میں بہ صد بےکسی مرنا، دربار کے تورانی امرا کے ہاتھوں ان سادات کا زوال، مرہٹوں کی سرکشی کا انتہائی عروج، سکھوں کا ..، نادر شاہ کا قتل عام، احمد شاہ ابدالی کا پانی پت کے میدان میں ایک فیصلہ کن جنگ کے ذریعہ ہندوستان کی تاریخ کا .. دینا، روہیلوں کا ہندوستان کی سیاست میں حصہ لینا۔ مغربی قوتوں کا بتدریج ملک کی سیاست میں دخیل ہوتے چلے جانا، .. و مدراس کے بعض علاقوں پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہونا، تقریباً یہ سارے واقعات شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی ہی .. آ گئے تھے اور شاہ صاحب ان سے بے تعلق نہ تھے، بلکہ ایک خاص پروگرام کے ماتحت وہ ایک مخصوص مقصد کو سامنے .. اپنی جدوجہد میں مصروف رہے اور یہ اُسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود ہندوستان میں اسلام .. رہا۔ ان تمام تاریخی واقعات کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ماہنامہ "الفرقان" بریلی کا **ولی اللہ نمبر** ملاحظہ فرمائیے!

..ن تمام تاریخی حقائق کو سامنے رکھ کر قریباً ایک سال میں بڑی محنت اور کاوش سے تیار کیا گیا ہے۔ اور جس کی تیاری میں ادارۂ ..رقان کے علاوہ ملک کے ممتاز اہل قلم و ارباب تحقیق نے خاص حصہ لیا ہے۔ یہ نمبر نہایت آب و تاب کے ساتھ چار سو صفحات پر ان شاء اللہ .. دسمبر تک شائع ہو جائے گا قیمت پیشگی بھیجنے والوں کے لیے صرف ڈیڑھ روپیہ (۱۸/) ہے۔ اشاعت کے بعد یا وی پی منگوانے والوں کے لیے دو روپیہ۔ الفرقان کے مستقل خریدار بننے والوں سے اس کی علیحدہ قیمت نہیں لی جائے گی۔ بشرطیکہ ان کا سالانہ چندہ مبلغ تین روپے (۳) اشاعت سے پہلے ہم کو موصول ہو جائے۔ **ضروری نوٹ**: جو خریدار صاحبان یہ نمبر رجسٹری سے منگوانا چاہیں، وہ فیس رجسٹری کے ۳/ علاوہ چندہ کے بھیجیں، ورنہ ہم پوسٹل سرٹیفکیٹ (ڈاکخانہ کی معمولی رسید) حاصل کر کے اس کو روانہ کریں گے اور اس صورت میں اگر وہ ڈاک سے ضائع ہو جائے تو ہم دوبارہ بھیجنے کے ذمہ دار نہیں۔ المعلن: **ناظم دفتر "الفرقان" بریلی۔ یو۔پی۔**

دفتر اُمّت کے مطبوعات

تحقیق قربانی اس کتاب میں قرآن مجید، توریت اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا فتح محمد صاحب جالندھری، مولانا وحید الزمان وغیرہم کے تراجم اور مجتہد تفاسیر و احادیث اور اکثر جرائد و اخبارات، لغت عربی وغیرہ کتب سے واضح کیا گیا ہے کہ ہر سال حج کے موقعہ پر مسلمانوں میں قربانی کا جو رواج ہو چکا ہے، وہ قدیم زمانہ جاہلیت کی یادگار ہے۔ نیز یہ رسم حسب ضرورت صرف مکہ معظمہ میں ہونی چاہیے۔ دوسرے بلاد و ممالک میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قیمت دو آنے۔

مطالعہ حدیث ایک مناظر گرو بجوایت نے برسوں حدیث کا مطالعہ کر کے جو نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ اس قابل قدر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ صفحات ۵۰ کے قریب قیمت ۱۲؍

برہان القرآن یہ کتاب اُن تحریری مباحث پر مشتمل ہے، جو مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مدیر "اہلحدیث" اور حضرت خواجہ احمد الدین صاحب کے درمیان ہوئے، اس میں اہل حدیث پر زبد تک کے لیے اتمام حجت کر دیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بے خطا متاع نہیں اور قرآن کے سوا کوئی عرفانی وحی نہیں۔ قیمت ۸؍

قولِ احسن مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا سب سے بڑا باعث اُن کی فرقہ بندی ہے "قولِ احسن" میں قرآن مجید کی آیات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام اصولی طور پر فرقہ بندی کا مخالف ہے ہمیں صرف "مُسلم" کہلانا چاہیے۔ باقی تمام نام شیعہ، سُنّی، اہل قرآن، اہل حدیث وغیرہ بدعتی ہیں، جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجیے۔

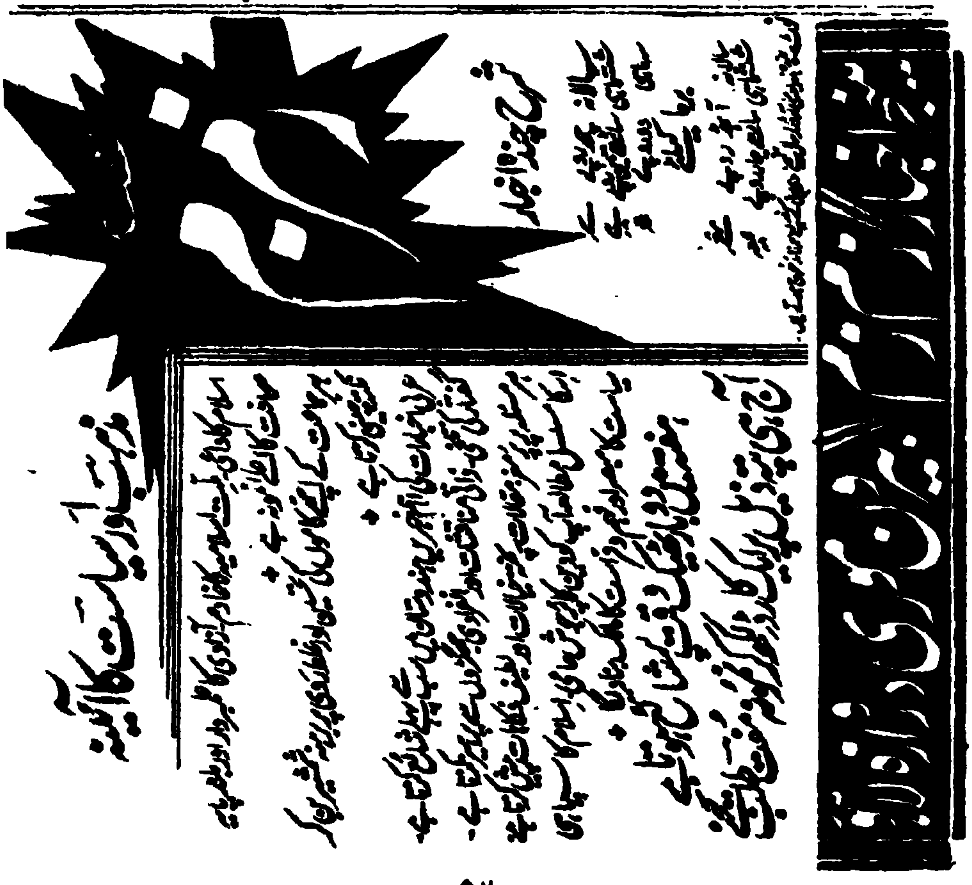
ریحان القرآن مولوی حبیب الرحمن مئوی کے رسالہ "نصرۃ الحدیث"، مولوی قاسمی کے "عقائد کفریہ" اور مولوی عبداللہ کے "عقائد بے حدیثیہ" وغیرہ کا مکمل جواب ہے۔ قیمت ۳؍

اسلام اور حریت و مساوات اس موضوع پر جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے اور جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی کے مابین دلچسپ مناظرہ، قابل مطالعہ اور ناول سے زیادہ دلچسپ کتاب ہے۔ قیمت ۴؍

مینیجر دفتر اُمّت مُسلمہ امرتسر

ڈیڑھ ہزار صفحے کا لٹریچر مُفت

"البیان" کا سالانہ چندہ تین روپے ہے۔ اگر آپ اس چندے کے ساتھ مزید ۱۲؍ شامل کرکے للعہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں گے، تو ہم آپ کو رسالہ بلاغ کے ۲۴ منتخب پرچے جن کا حجم قریبًا ۱۵۰۰ صفحے ہے اور قیمت ۶ روپے، مُفت بھیج دیں گے اور آپ کے نام سال بھر کے لیے "البیان" بھی جاری کردیں گے۔ یہ تمام پرچے قرآن عزیز کے حقائق و معارف اسلامی و تاریخی معلومات اور علمی و رُوحانی مضامین کا بہترین ذخیرہ ہیں۔ وہ تمام مسلمان، جو مولویت کے دائرہ سے باہر ہوکر اسلام کو اس کے صحیح خد وخال میں پہچاننے کے آرزومند ہیں، انھیں یہ رسائل ضرور دیکھنے چاہئیں۔ (نوٹ) اس عظیم الشان رعایت سے "البیان" کے نئے اور پرانے تمام خریدار فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پتہ: مینیجر رسالہ "البیان" امرت سر



سے وجود میں نہیں آئی۔ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا وہ اکیلا خدا ہی ہے۔ سورج کے داغ ستارے بھی بارہ بارہ دن میں بدلتے ہیں۔ نیپچون ستارہ برسوں میں ایک درجہ طے کرتا ہے۔ بعض ستارے جو پہلے گنجان تھے، اب کشادہ ہو رہے ہیں۔ غرض کہ ہم بھی اپنی جگہ پر نہیں رہے۔ ہر مخلوق کو تغیر ہے، کیوں کہ محکوم کو جو حکم ہوگا، اس کا بجا لانا ضروری ہے۔ ہاں مختار ہستیوں میں سرکشی بھی آجاتی ہے، مگر وہ خدا زبردست ہوتے ہوئے بھی فوراً گرفت نہیں کرتا، بلکہ اکثر معافیاں دیتا رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے) خبردار وُہی (خدا اکیلا ہی) زبردست، غالب، گرفت کرنے والا اور) بڑا بخشنے والا ہے (اب آگے خالقیت کا اظہار فرمایا کہ وہ کس طرح بتدریج ارتقاء دیتا ہوا عین انسانی درجہ تک لایا ہے؟ مٹی سے نباتات، پھر حیوانات، پھر انسان تک نوبت پہنچائی۔ فرمایا)

(۶) خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ تم کو (اے انسانو!) ایک جان سے پیدا کیا، اس سے (یعنی اس مٹی سے جس سے آدم کو ترقی دیتے ہوئے انسانی درجہ تک لائے یا آدم ہی سے خلعت بالغہ کے ساتھ) اس کی بیوی کو بنایا (اس وقت آدم و حوا کی ظاہری اور باقی تمام انسانوں کی جرمز کی حالت بیان فرمائی، کیوں کہ اس وقت ہم آدم و حوا کے جوڑے میں جرمز کی صورت میں تھے حیوانات کے آٹھ جوڑوں کو بھی جرمز کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ ان کا ذکر تغلیباً کیا گیا ہے۔ غرض ہم ضرور آدم و حوا کے ظاہری جوڑے میں جرمز کی شکل میں موجود تھے، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ تمہیں بنایا اور ملائکہ کو سجدے کا حکم دیا، پس ہم اس وقت بھی کسی اور حالت میں اس جوڑے میں موجود تھے اور ہمارے فوائد کے لیے اونٹ نر و مادہ، گائے نر و مادہ، بکری نر و مادہ اور بھیڑ نر و مادہ اُتارے۔ دیکھو! ان کے ذریعے ہمیں کتنا آرام ملتا ہے! سفر میں باربرداری کے فوائد کے علاوہ دُودھ،

وہی، مکھن، پشم، گوشت، ہڈی اور چمڑے وغیرہ سے بے شمار فائدے ہم حاصل کرتے ہیں، ارشاد ہے) اور اُتارے تمھارے واسطے (اے انسانو!) چارپایوں (انعام) سے آٹھ جوڑے (خدا تعالیٰ یکے بعد دیگرے مخلوقات پیدا کرتا رہتا ہے اور ان میں مناسب تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ نطفہ، علقہ، مضغہ، عظام اور لحم وغیرہ میں ان ہی تبدیلیوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ارشاد ہے) پیدا کرتا آتا ہے تم کو (اے انسانو!) تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش میں، ایک پیدائش کے بعد تین اندھیروں (یعنی پردوں جھلی، رحم، شکم کے اندھیروں) میں (کمال تک پہنچے ہوئے حیوان بھی جوڑے سے بنے ہیں۔ ہاں جرثومے کی حالت کچھ اور ہے۔ کمال یافتہ حیوان تو جوڑے سے بنے، مگر لوگ ان حیوانات سے بھی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ جو ترقی یافتہ انسان کی پیدائش کو بغیر جوڑے کے تسلیم کر لیتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ تولید نر سے ہوتی ہے، کیوں کہ نطفہ شروع ہوتا ہے منی، یعنی آبِ مرد سے۔ مرد رُکن ہے اور عورت شرط۔ شرط کے بغیر تو اولاد نہ ہو سکے اور رکن کے بغیر ہو جائے، کیس قدر بعید از عقل خیال ہے! خدا جیسی ہستی تو بغیر صاحبہ کے اولاد کو محال ٹھیرائے اور وہم پرست لوگ بغیر رکن کے ممکن تسلیم کریں؟ جب پہلا جوڑا تیار کر کے خدا نے نطفے سے سلسلہ جاری کر دیا؛ تو اب اس کے بعد اَور کس طرح بنائے گا؟ پس نطفہ کی پیدائش کے بعد تبارک اللہ احسن الخالقین لایا گیا ہے، اس سے بڑھ کر اَور کون سی پیدائش ہوگی اور اس پر احسن الخالقین سے اعلیٰ کون سے الفاظ لائے جائیں گے؟ دیکھو اور غور کرو کہ وہ کاملِ مطلق کیسی حکیمانہ، نتائج سے بھرپور اور مکمل ربوبیت کرتا ہُوا انسان کو اعلیٰ درجات میں پہنچا رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا) یہی تمھارا اللہ تمھاری ربوبیت کرنے والا، اختیار و تصرف اسی کا ہے۔ کوئی معبود (لائقِ عبادت، مشکل کشا اور دستگیر وغیرہ) سوائے اس کے نہیں ہے (وُہی مقدم رضا والا ہے، جس کی مرضی بلا روک ٹوک پوری ہوتی چلی جائے۔ دوسرا کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جب بات یہ ہے، تو تمھیں کیا ہو گیا ہے) پھر کدھر پھیرے جاتے ہو (یاد رکھو! اُس کی مرضی کے ماتحت چلنے سے پھلو پھُولو گے اور ہمیشہ کی نعمتوں کے مستحق بنائے جاؤ گے، ورنہ مقابلہ اور مخالفت میں سخت ذلت اٹھا کر طرح طرح کی مصیبتوں اور سخت سے سخت تکلیفوں اور عذابوں میں ڈالے جاؤ گے۔ نیک کام بھی تمھارے لیے ہی فائدہ بخش ہیں اور برائیاں بھی تم ہی کو دُکھوں کا شکار بنائیں گی۔ اس میں خدا کا کچھ فائدہ

یا نقصان نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ :)

(۷) اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اگر (تم) کفر (یعنی ناقدردانی اور ناشکرگذاری) اختیار کرو گے (تو اللہ تعالیٰ کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، تمھیں ہی دکھ اور درد پہنچے گا) پس اللہ تم سے بے نیاز (اور اپنی ذات میں غنی) ہے (اس نے انسان کو صاحبِ اختیار ہستی بنا کر نیک و بد دکھلا دیا ہے اور نتیجہ سے آگاہ کر کے دکھ سکھ اور راحت و عذاب کا نقشہ واضح طور سے کھینچ دیا ہے اور انسان کے کاموں پر ان کی نوعیت کے لحاظ سے اپنی خوشنودی و ناراضی کا اظہار فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :) اور (وہ خدا) اپنے بندوں کی ناقدردانی پر راضی نہیں ہوتا ہے (کہ انھوں نے اپنے اختیار کا بہت برا استعمال کیا) اور اگر تم شکر (یعنی قدردانی) کرو گے، تو تمھارے لیے وہ راضی ہے (کیوں کہ اس میں تمھارا ہی فائدہ ہے۔ وہ راضی اس لیے ہے کہ تم فرماں بردار بن کر اس کی مرضی پر چل کر راحت و آرام کے مستحق بن گئے۔ پس صلاحیت والے کام کر کے اعلیٰ مراتب حاصل کرو۔ کفارہ و شفاعت پر امید رکھ کر گناہوں پر دلیر نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو، جیسا کرو گے، ویسا ہی اس کا اجر بھی پاؤ گے۔ بڑے سے بڑا بزرگ اور قریبی سے قریبی رشتہ دار اور محبت کا دم بھرنے والا دوست وغیرہ بھی دوسرے عالم میں کام نہیں آتا۔ مجرم ہونے کی حالت میں اور تمام ارض بھی خلاصی پانے کے لیے بدلہ میں دے دو، تو بھی چھٹکارا نا ممکن ہے۔ اس مالکِ حقیقی سے کوئی فعل پوشیدہ نہیں ہے، وہ ہر ایک کو اس کے کام کے مطابق سزا دیتا ہے اور نیکوکاروں کو کاموں سے بڑھ کر انعام دیتا ہے، اس کے لیے ہمارا پوشیدہ سے پوشیدہ راز بھی راز نہیں۔ وہ غیب و شہادۃ کا یکساں جاننے والا ہے۔ اس روز کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں اور کچھ لوگ سرخ رو ہوتے ہیں۔ کسی کے داہنے، کسی کے

بائیں ہاتھ میں اپنا اپنا اعمال نامہ ہوتا ہے۔ جو اس پر سارے کا سارا واضح ہو جاتا ہے اور وہی اُس کی خلاصی یا گرفت کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کسی غیر اللہ پر بھروسہ رکھ کر خسارہ کھانے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ سوائے رحمتِ الٰہی کے کوئی بھی کسی کے کام نہیں آ سکتا ہے۔ ہر ایک اپنے ہی نفس سے جھگڑا کرتا آتا ہے۔ دوسرے کی مدد تو کیا کرے گا، جیسے کہ علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ فرمادیا کہ خبردار ہو جاؤ اور سن رکھو کہ) اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا ہے۔ پھر تم اپنے ربوبیت کرنے والے کی طرف موڑے جاتے ہو (وہاں عذاب وغیرہ بھی علاج ہی کے رنگ میں ہوتے ہیں۔ یہ بھی ربوبیت میں داخل ہے، اگر مریضوں کو علاج سے درست نہ کیا جائے، تو بیماری کی حالت میں ہسپتال سے کس طرح نکالا جائے؟ جہنم اگرچہ تکلیف دہ ہے، مگر انجام کے لحاظ سے رحمت ہی ہے۔ خدا کی رحمت نے ہر چیز کو احاطہ کر رکھا ہے۔ غرض جب خدا کے حضور پیش ہونے کا وقت آتا ہے، پھر وہ (خدا) تم کو، جو کچھ تم کرتے رہے ہو، سب بتا دیتا ہے (کیوں کہ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، جیسا کہ فرمایا) تحقیق وہ (خدا) جانتا ہے۔ جو (تمھارے) سینوں کے اندر (صدر مقام میں) ہے۔ (یاد رکھو! نافرمانی اُس کی ناراضی کی موجب ہے۔ پس اُس کی نعمتوں پر ہر وقت شاکر اور مصائب پر صابر بنے رہو۔ خدا تمھارے کفر پر خوش نہیں ہے اور جہنم تو تم اپنے اعمالِ بد کی وجہ سے خود خریدتے ہو یہ اُس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ توحید کو بار بار اور طرح طرح سے واضح طور پر بیان کر کے اتنا آسان کر دیا کہ معمولی سمجھ والا انسان بھی تھوڑا سا غور کرنے سے جان لیتا ہے کہ وہ سیدھا راستہ کون سا ہے؟ پس اصل مالک اور حقیقی مجیب الدعوات کو کسی حالت میں بھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ وہ خدا سننے اور جاننے والا ہے، وہ ہماری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے اور ہماری دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ جب ہم اُسے تکلیف و مصیبت میں پکارتے ہیں، تو آرام اور خوش حالی کے زمانے میں، اس کو فراموش کر دینا کیوں کر ناجائز ہے؟ کیا اس سے تعلق توڑ کر کسی اور کے ساتھ وابستہ ہونے سے انجام بخیر ہو سکتا ہے؟ آئندہ الفاظ میں انسان کی اسی ناشکر گزاری اور خدا تعالیٰ کی رحمت و رافت کا ذکر کیا گیا ہے!

(۸) وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ

نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ
أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهٖ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ
أَصْحٰبِ النَّارِ ○ اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے، تو اپنی ربوبیت کرنے والے کو پکارتا ہے، اس کی طرف رجوع کرتا ہُوا اور جب (رب العٰلمین) اپنی طرف سے اس پر انعام کرتا ہے تو (انسان کی احسان فراموشی پر غور کیجیے کہ وہ اپنی آسائش سے پہلے کی حالت یکسر بھول جاتا ہے اور ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اُس نے پروردگارِ عالم کے حضور کبھی التجا کی ہی نہ تھی اور جو یہ مراد پوری ہوئی ہے، تو اس کا پورا کرنے والا سوائے خدا کے کوئی اور ہے۔ حقیقی مشکل کشا سے مُنہ پھیر کر اپنے جیسے عاجزوں کو معبود بنا لیتا ہے اور اکیلے اور کافی خدا کو قطعًا) بھول جاتا ہے (جیسے اس نے (آرام سے) پہلے کبھی (خدا کو) پکارا ہی نہ تھا) اور (اس پر طرّہ یہ کہ) اللہ (کامل مطلق) کے واسطے شریک بناتا ہے (اور دوسروں کو بھی اس مشرکانہ بات کی تبلیغ کرتا ہے) تاکہ (دوسروں کو بھی) اس (خدا) کے راستہ سے گُمراہ کرے (وہ اپنی اس مصیبت کے وقت کو کتنی جلدی بھول گیا، اس مصیبت کو جس میں اُس نے بڑے خلوص سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاجت روا جانا تھا، افسوس! اب اگر پھر تکلیف آئی: تو کس برتے پر اپنا مُنہ اللہ کے سامنے کرے گا؟ اے رسول!) کہ دو کہ (اے ناشکر گذار مشرک!) تو اپنے کفر سے تھوڑا (سا دُنیوی) فائدہ اٹھا لے (مگر انجام کے لحاظ سے اگر تائب ہو کر، صلاحیت والے کام کرکے نہ مرا، تو) بے شک تُو جہنّمیوں سے ہے (کیوں کہ شرک کا نتیجہ جہنّم ہی ہے۔ لوگو! قلیل فائدہ کے لیے دائمی آرام و آسائش کو نظر انداز کرکے، آگ والے نہ بنو، بلکہ دنیا کی تھوڑی تکلیف اٹھا کر ابدی خوشیاں حاصل کرو۔ اب اس مشرک کے خلاف موحّد، اللہ سے ڈرنے والے، اُس کی بارگاہ میں پہنچنے کی امید رکھنے والے عابد اور نیکوکار انسان کی مثال پیش کرکے بتایا ہے کہ ہمارے یہاں اندھیر نہیں، بلکہ انصاف ہے۔ مقابلہ میں نیکوکار فلاح پاتے اور بدکار جہنّم مول لیتے ہیں، جیسا کہ ارشاد فرمایا)

(۹) أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاۤءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ

يَرْجُوا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ یا کیا (یہ مشرک شخص اچھا ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، یا) وہ (شخص) جو فرماں بردار (اور مودب) ہوکر بیٹھتا ہے۔ رات کی گھڑیوں میں (نماز کے لیے) جھکنے والا ہے (یعنی سجدے کرتا ہے) اور کھڑے ہوکر (عبادت کرتا ہے) آخرت کے مقام سے ڈرتا اور اپنے ربوبیت کرنے والے کی رحمت کی امید رکھتا ہے، یعنی صرف اللہ کی مہربانی پہ توکل ہے۔ دوسرے کسی کو اس کے ساتھ نہیں ملاتا، تو کیا کوئی عقل کا اندھا ان دونوں کو نتیجہ کے لحاظ سے ایک ہی سمجھے گا؟ پس اب بھی وقت ہے کہ انسان نیکی کی طرف مائل ہو جائے۔ عقبیٰ میں ہر کوئی ڈرتا ہوا ہی پہنچتا ہے، مگر انجام کار متقیوں ہی کو فلاح حاصل ہوتی ہے۔ پس سمجھ بوجھ کر اور علیٰ وجہ البصیرت کام کرنا چاہیے۔ جس کو علم حاصل ہو جائے، وہ جاہل نہیں ہوتا، جیسے اندھا اور آنکھ والا، اندھیرا اور روشنی، سردی اور گرمی یکساں نہیں اور مشاہدہ کی رو سے یہی بات ثابت ہے، تو جب دنیا میں یہ امتیاز موجود ہے، تو کیا آخرت ہی میں تمیز اٹھ جائے گی؟ ہرگز نہیں! بلکہ وہ تو ہے ہی انصاف کا دن، مگر یہ بات صرف غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے (کہ دیکھیے، کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں (اور آنکھیں کھول کر ہر ایک کام میں غور کر کے ہاتھ ڈالتے ہیں) اور (ان کے خلاف دوسرے لوگوں کا ایک گروہ ہے) جو علم نہیں رکھتے (بلکہ مقلدانہ رنگ میں آنکھیں بند کر کے اندھا دھند تقلید کی راہ پر چلے جاتے ہیں اور اپنے نفع اور نقصان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، کیا یہ دو گروہ برابر (ہو سکتے ہیں؟ اور جو کچھ کسی نے کہہ دیا، بغیر سوچے سمجھے اور غور کرنے کے مان لیتے ہیں۔ یاد رکھو عقل سے کام نہ لینے والوں پر خدا تعالیٰ پلیدگی ڈال دیا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں فکر و تدبر کی بڑی تعریف آئی ہے۔ جس کو عقل و حکمت ملی، اسے خیر کثیر ملی۔ نادان اور بے وقوف لوگ چار پاؤں سے بھی بدتر قرار دیے گئے ہیں۔ عباد الرحمٰن وہ ہیں، جو آیتوں تک پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے، بلکہ غور و فکر اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ اہل دانش دوزخ سے ڈرتے ہیں، جو اشرار و کفار کا ٹھکانا ہے۔ پس یقیناً نصیحت (تو، وہی لوگ) پکڑتے ہیں، جو عقل مند ہیں (اور بے عقلی اور جہالت سے کام کرنے والوں سے الگ رہتے ہیں)

رکوع دوم | اب دوسرے رکوع میں مومنین کو تسلی و تسکین دی جاتی اور ثابت قدمی کی تاکید فرما کر وعدہ کیا جاتا ہے کہ بحیثیت مجموعی تم ہی پھلو پھولو گے اور بہتری حاصل کرو گے، اگر اس وقت یہ ناشکرگزار کفار تمھیں سخت تکالیف اور ہر طرح کی ایذائیں پہنچا رہے ہیں، تو ہجرت کر جاؤ، جہاں سمائی ہو، نکل جاؤ۔ امتحان آتے رہیں گے متوحش ہو کر یا گھبرا کر ڈگمگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ مصائب کا مقابلہ ہمت مردانہ سے کرنا اور صبر کی باگ کو ہاتھ سے نہ دینا۔ تم ہی ہر طرح اچھے رہو گے۔ پائے استقلال میں لغزش نہ آنے پائے۔ ایمان مضبوط رکھنا کہ یہ چیزیں تمھارے انجام کو بہتر بنائیں گی۔ دیکھو کس محبت سے فرمان عالی شان ہوتا ہے کہ اے رسول! (آپ)

(۱۰) قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ کہ دیجیے، اے میرے (خدا کے) بندو، ایمان دارو! اپنے ربوبیت کرنے والے سے ڈرو! (اور ہر کام اُسی کی مرضی کے مطابق سر انجام دو۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) نیکوکاروں کو اِس دنیا میں (بھی بحیثیت مجموعی) بہتری (یعنی ترقی، بلندی اور عروج) ہے (اور آخرت کا تو کہنا ہی کیا، وہ تو ہے ہی متقیوں کے لیے وہاں کی نعمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے) اور اللہ کی زمین فراخ ہے (ہجرت کر جاؤ۔ سفر وغیرہ کی تمام تکلیفوں کا پامردی سے مقابلہ کرو۔ اللہ کی راہ میں تمھاری مشقتیں اور تکلیفیں، کبھی رائیگاں نہیں جائیں گی۔ تم اُن انعامات کا، جو خدا نے تمھارے لیے مقرر کر رکھے ہیں، قیاس تک نہیں کر سکتے اور یہ انعامات اعمال کے برابر نہیں، بلکہ اُن کے تناسب سے بہت بڑھ چڑھ کر عطا کیے جاتے ہیں) سوائے اس کے نہیں، جو صبر کرنے والے ہیں، اُن کو بے حساب (یعنی اُن کاموں سے بھی زیادہ) اجر ملے گا (ہاں، صبر ایک بہت مشکل چیز ہے اور کڑوا پھل ہے، مگر تاثیر بے نظیر رکھتا ہے۔ ہاں، جو ظالم لوگ عاجزوں کے اخراج کے درپے ہیں، اُن پر علی الاعلان واضح کر دو کہ وہ جس قدر بھی تکلیف پہنچائیں گے، ہم بہرحال ثابت قدم رہیں گے، ہمارے پائے استقلال میں ہرگز لغزش نہ آئے گی۔

ہم اس اکیلے معبود کے پجاری ہیں، جو تمام موجودات کا خالق و رازق ہے، جس کے سوائے کوئی ہستی بھی لائق عبادت نہیں۔ اختیار سارے کا سارا صرف ایک ذات واحد ہی کا ہے بس ہم اُسی کے فرمان کے پابند ہیں۔ مقدّم رضا صرف خدائے تعالےٰ کی ہے۔ باقی سب کی رضا ہیچ ہے، جیسا کہ مجھے حکم ہوتا ہے:

(۱۱) قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ کہہ دے

مجھے فرمایا گیا ہے، یہ کہ میں (صرف) اللہ ہی کی پوجا کروں خالص (سب کو الگ ہٹا کر) واسطے اس خدا کے بندگی کرتا ہوا (نہ کہ اپنے کو بھی درمیان لاکر شریک قرار دوں، ہرگز نہیں، کیوں کہ میں تو اس کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ مجھے تو صرف اُسی کی بندگی کرنا شایان ہے اور اسی میں میری بہتری ہے اور یہ میں کسرِ نفسی نہیں کرتا، بلکہ حقیقت ہی یہ ہے)

(۱۲) وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اور یہ بھی، مجھے حکم ہوا ہے کہ

میں سب سے پہلا فرمان بردار بنوں (بلکہ ہر شخص پہلا ہی مسلم ہوتا ہے۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اوّل، جب آغازِ تبلیغ ہو، تو پہلے ایمان لانے والے، جیسے مومن آلِ فرعون، جس نے فرعون جیسے جابر و ظالم کا مقابلہ کرکے توحید کا وعظ کیا۔ اصل چیز اللہ پر ایمان لانا ہے اللہ کو ماننے سے، رسولوں، کتابوں، فرشتوں، قیامت وغیرہ سب کی تصدیق ہو جاتی ہے اور اس کے انکار سے تمام مصدقہ الٰہی چیزوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ، جو بات کو التوا میں ڈال دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر گر جاتے ہیں اور بہت تھوڑے بچ جاتے ہیں، جیسے وہ جادوگر، جو موسیٰ کے مقابلے پر آئے تھے۔ وہ بھی اوّل المسلمین ہی تھے۔ تیسرے اوّل کافر ہیں۔ غرض آپ کو پہلا مسلم ہونا فرمایا اور حضور کا بندہ عاجز ہونا ظاہر کیا۔ پھر بتایا کہ اگر یہ رسول بھی کوئی کام ہماری منشاء کے خلاف کرے، تو ہماری گرفت میں آجائے گا۔ اگر ہم پر افترا کرے گا، تو مجرم قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔ اگر ہمارے سوائے کسی اور کو معبود بنائے گا، تو ڈھکیل کر جہنم میں گرایا جائے گا، وغیرہ وغیرہ۔ غرض سچے رسول نے فرمانِ الٰہی کی کیا ہی اچھی طرح پابندی کی۔ سلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

چند اہم کتابیں

تعلیمات قرآن

(مصنفہ مولانا محمد اسلم صاحب جیراج پوری)

اس کتاب میں چند اصول و عقائد اسلامی کی تفصیل خود قرآن کریم کی آیات ہی سے کی گئی ہے۔ دراصل یہ اسلام میں اپنی نوعیت کی سب سے پہلی کتاب ہے، جس میں سوائے قرآن کے کسی دوسری کتاب یا کسی انسانی خیال سے مدد نہیں لی گئی۔ اس سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ قرآن کس قدر مکمل کتاب ہے، جو اپنی تشریح کے لیے بالکل کافی ہے۔

اس کی کتابت نہایت عمدہ، طباعت دیدہ زیب اور کاغذ اعلیٰ قسم کا ہے۔ حجم ۸۴ صفحات۔ قیمت فی نسخہ دو روپیہ، علاوہ محصول ڈاک

مطالعۂ حدیث

(مدیر "نگار" کا تبصرہ) یہ تالیف جناب سید مقبول احمد صاحب

بی اے کی ہے اور تکمیل ہے اس مضمون کی، جو "نگار" میں شائع ہو رہا تھا اور جس پر ملک میں کافی ہنگامہ برپا اور ان کے خلاف برپا کیا گیا۔ ابتدا میں مولانا اسلم جیراج پوری نے ترتیب احادیث و ان کی اہمیت پر اظہار خیال کیا ہے جو [illegible] ہے۔ اس کے بعد اصل تالیف شروع ہوتی ہے، جس میں تدوین احادیث پر نظر ڈالتے ہوئے اسرائیلیات، زندیقیت، دجال، معراج، قتل مرتد، غلامی، اوقات نماز، ایام صیام اور زکوٰۃ کے متعلق احادیث پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے۔

یہ بات اب راز نہیں رہی کہ اسلام کو جس چیز نے غارت و برباد کیا ہے، وہ صرف مجموعۂ احادیث ہے، جس نے مسلمانوں سے درایت کی اہلیت چھین کر ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے، اس لیے اس نوع کی تصانیف کا رواج پانا حقیقتہً مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے۔ قیمت بارہ آنے (۱۲/) علاوہ محصول ڈاک۔

حضرت محمد رسول اللہ

آں حضرت صلعم نے دنیا سے غلامی کی رسم کو دور کرنے کے لیے کتنا بڑا جہاد کیا؟ یہ ساری حقیقت اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوگی۔ غلامی کے انسداد کے لیے اہل مغرب نے اسلام کی تقلید میں جو کام کیا ہے اس کی داستان بھی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ آپ اس محققانہ کتاب کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ ۱۰/ کے ٹکٹ بھیج کر ایک نسخہ طلب کیجیے۔

[illegible] امرتسر

تفسیر بیان للناس

قرآن مجید کی بیشمار تفاسیر کے ہوتے ہوئے بظاہر کسی نئی تفسیر کی ضرورت نہ تھی لیکن غور [illegible] کہ بظاہر [illegible] تفسیر قرآن مجید کی بجائے کسی خاص فرقہ کے خیالات اور معتقدات کی تفسیر ہے [illegible] مصنف نے [illegible] کو اپنے ہی مذہب کے ائمہ و اجلہ کی نظر سے دیکھنے کی سعی کی ہے (الا ما شاء اللہ) قرآن کو کہ قول الٰہی ہے آیات قرآنی اور صحیفۂ فطرت کہ فعل الٰہی ہے، کی مدد سے سمجھنا ایسا ہی ہے جیسا کسی تصنیف کو اس کے مصنف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنا۔ بس یہی ضرورت تھی جو محرک ہوئی تفسیر پیش نظر کے وجود میں آنے کی۔ قدما میں بھی خال خال ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے ماحول کے لحاظ سے نہایت قابل قدر تفسیریں لکھیں لیکن چونکہ آج کل [illegible] ماحول کا پابند نہیں کسی خاص فرقہ کے خیالات کا آئینہ دار نہیں کسی متعین زمانہ و ملک کی ضرورتوں کا [illegible] نہیں اس لیے ضرورت تھی کہ عصر حاضر تک کی ترقی علوم و تجارب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا ایک عمیق مطالعہ تمام کائنات انسانی کے سامنے پیش کیا جائے پس اس تفسیر میں چھ خصوصیتیں ہیں جو اس کو عام تفاسیر سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس کے مطالب بلا لحاظ فرقہ و مذہب تمام انسانوں میں جیسا کہ قرآن کا اپنا شیوہ ہے۔

(۲) اس میں حتی الوسع کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات عقل سلیم کے خلاف نہ ہو۔

(۳) ترجمہ میں سب سے پہلے اصول عربیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے

(۴) اس کے بعد عام منشائے قرآن کا جو محکمات سے واضح ہے۔

(۵) اس کے ساتھ ہی سنت اللہ یعنی نیچر کے قوانین کا احترام کیا گیا ہے۔

(۶) قانون وراثت کا [illegible]

کاغذ اعلیٰ درجہ کا دبیز۔ کتابت طباعت نہایت عمدہ۔ باوجود ان تمام ظاہری باطنی محاسن کے قیمتیں نہایت کم یعنی منزل اول صفحات ۸۰۰ مجلد سنہری (عہ) منزل دوم [illegible] منزل سوم (عہ)
منزل چہارم (عہ) منزل پنجم (عہ) منزل ششم (عہ) منزل ہفتم (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر امت مسلمہ امرتسر